سلطان
صلاح الدین
ایوبی
التمش ایم اے

عرض مصنف

قارئین کرام۔ سلطان صلاح الدین ایوبی پر اتنا کچھ کہنے کے بعد بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ان کے ساتھ انصاف نہیں کرسکا۔ سلطان کی جس جگہ اور جن حالات میں پیدائش ہوئی اس سے قطعی اندازہ نہ ہوتا تھا کہ یہ نامقبول بچہ مسلمانان اسلام میں اس قدر مقبول ہو گا کہ اس کی جدائی پر ہر مسلمان کی آنکھیں اشکبار ہو جائے گی۔
آج کل بیت المقدس میں یہودیوں کے ہاتھوں جس تباہی' بربادی اور مسلمانان عالم کی بے حسی کا ہیں احساس دلا رہا ہے اس کے سبب ہمارے دل میں بے ساختہ ایک نئے صلاح الدین کی آواز ابھرتی ہے جس بیت المقدس کو حاصل کرنے کے لیے صلاح الدین ایوبی نے اپنی نیندیں حرام کیں بھوک پیاس کو تج دیا۔ فرش مخمل کے بجائے گھوڑے کی پیٹھ کو بستر بنایا اور اپنی جوانی اور زندگی ختم کردی کیا یہ سب کچھ اسی دن کے لیے تھا کہ بیت المقدس کے باشندے در بدر ہو جائیں _ انہیں بیت المقدس کی فضا اور ہواؤں میں سانس لینے کی بھی اجازت نہ ہو اور مسجد اقصے کے دروازے ان پر بند کر دیئے جائیں
اب یہ ناول شروع کیجئے اور ایک اور صلاح الدین کو آواز دیجئے مجھے صلاح الدین کے بچپن اور آغاز جوانی کے بہت سے واقعات میں اختصار سے کام نہیں پڑا اس لیے کہ سلطان کے کارناموں کے اس قدر روشن مینار ہیں کہ میں ان کی چشمک زنی میں الجھ کے رہ گیا۔
اگر آپ کو سلطان کے بچپن کے تفصیلی حالات پڑھنا ہیں تو میرا " ناول نورالدین زنگی ضرور مطالعہ فرمائیں

والسلام

الماس (ایم اے)

عرض ناشر

سلطان صلاح الدین یوسف ایوبی پر ملکی غیر ملکی زبانوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے جہاں تک غیر ملکی کتابوں کا تعلق ہے تو انہوں نے اس عظیم ہستی کو ایک سچا مسلمان اور اتنا ہی عظیم الشان فاتح ثابت کرنے کے بجائے صلاح الدین کو الف لیلیٰ کا شہزادہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یہ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے کہ یورپی مورخین نے سلطان صلاح الدین اور شاہ رچرڈ کی والدہ کی فرضی داستان عشق بیان کرنے نہ صرف انگریز قوم کو بدنام کیا ہے بلکہ سلطان پر کیچڑ اچھال کر اس کے بے داغ دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے

تعجب کی بات یہ ہے کہ جس وقت رچرڈ کی والدہ جوش جوانی سے دیوانی ہو رہی تھی اس وقت صلاح الدین ایوبی کی عمر مشکل سے نو سال تھی اور وہ جاکہ دمشق میں وعظ سنا کرتا تھا ایک دوسرے الزام میں صلاح الدین کو بتسمہ کے ذریعے عیسائی بنایا گیا ہے حالانکہ صلاح الدین اس قدر دیندار اور مسلمان تھا کہ اپنی موت سے پہلے صرف ایک ہفتہ سے قضا روزے رکھ رہا تھا اور شاہی طبیب کے منع کرنے کے باوجود وہ اس نیک کام سے باز نہ آیا

بہر حال آپ کے محبوب مصنف الماس ایم اے نے اس ناول میں ان تمام الزامات کو رد کرنے کی بھی پوری کوشش کی ہے مگر زبان وبیان کی شگفتگی، تشبیہ و استعاروں سے پورا پورہ کام لے کر ناول کو انتہائی دلچسپ انداز میں آپ کے لیے لکھا ہے

اللہ کرے زار قلم اور زیادہ

محمد علی قریشی

انتساب:-

نور بجنوری کے نام

جو

میرا اچھا دوست اور بہت اچھا دوست ہے

جو

اردو شاعری کا ایک بڑا نام بلکہ بہت بڑا نام ہے

الماس _ایم _ اے

261 خیبر بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

مصیبت کی رات

جنگ آزما گھوڑے اپنے سواروں کو آگے ہی آگے بھگائے لئے جا رہے تھے۔ افق پر بھی سفیدی اور سیاہی میں جنگ جاری تھی جھلملاتے ستارے صبح کی آمد آمد پکار رہے تھے سواروں کے لباس گرد آلود اور چہرے مرجھائے ہوئے تھے۔ بدن تھکن اور زخموں سے چور راسیں ڈھیلی تھیں بس ہاتھوں میں اتنی طاقت تھی کہ گھوڑے کو سنبھالنے کے علاوہ راستے کا تعین کر سکیں لیکن انہیں صحیح راستے کا تو علم ہی نہیں تھا گھوڑے انہیں جس سمت اڑائے لئے جا رہے تھے وہی ان کا نوشتہ تقدیر تھا اور سب اس پر شاکر تھے پھر صبح کاذب صبح صادق میں بدلی اور کہیں دور اللہ اکبر اللہ اکبر کی ایمان افروز صدا بلند ہوئی۔ اس آواز نے جیسے ان کے جسم میں تازگی پیدا کر دی حرارت اور جرات بھر دی گھوڑے رک گئے لشکریوں نے خلوص دل سے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگی پھر وہ سب کے سب ایک سوار کے گرد جمع ہو گئے یقیناً" وہ ان کا سردار ہی تھا۔

سردار نے پاس کھڑے سوار سے کہا۔ "اسامہ قریب ہی مسلمانوں کی کوئی آبادی معلوم ہوتی ہے۔" پھر جیسے اپنے آپ سے پوچھا۔ "کیا ہمیں پناہ مل سکے گی؟" سردار کے صرف ہونٹ ہلے تھے لیکن اسامہ نے ہونٹوں کی زبان پڑھ لی وہ بولا۔ سردار عالی مقام اب تو ہمیں خدا کے دامن عافیت میں ہی پناہ مل سکتی ہے کیا مسلمان کیا نصرانی' مصیبت کے اس وقت تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔"

اسامہ شیرازی کبھی قلعہ شیراز کا حاکم تھا دور سلجوقیہ کا یہ مستند مورخ اور صاحب سیف و قلم جوان' حالات کے تھپیڑے کھاتا موصل پہنچا تو موصل کے گورنر عماد الدین زنگی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پہلے ملازمت اور دوستی پھر یہ دوستی اتنی بڑھی کہ لوگ اس دوستی کی قسم کھانے لگے حتی کہ میدان جنگ میں جب زنگی کو شکست ہوئی تو شیرازی دشمن سے

امان مانگنے کے بجائے شکست خوردہ دوست کے ساتھ ہو لیا۔

شیرازی نے جو کچھ کہا عماد الدین زنگی اسے رد نہ کر سکا اس نے ایک سرد آہ بھری اور بولا۔ "ٹھیک کہتے ہو اسامہ، پھر بھی مجھے فخر ہے کہ میرے ساتھ اس وقت بھی دو سو جانباز ہیں اور مجھے تم جیسے دوست کی رفاقت نصیب ہے لیکن میرے دوست! ہمیں کہیں نہ کہیں تو ٹھہرنا ہو گا۔ ہم کسی نا معلوم منزل کی طرف کب تک بھاگتے رہیں گے؟"

"ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں سردار محترم۔" اسامہ نے مفکرانہ انداز میں کہا۔ "شاید خدا کا دامن عافیت یہی مقام ہے۔"

"تمہارا خیال ہے ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہئے؟" زنگی نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں سردار۔" اسامہ اطمینان سے بولا۔ "ہوا کے دوش پر گونجتی ہوئی اللہ اکبر کی اس آواز پر غور کیجئے اس میں کتنا رس کتنی نغمگی کیسا ٹھہراؤ اور کتنا اطمینان ہے میدان جنگ میں یہ کفار کے دلوں کو دہلاتی ہے لیکن مصائب کی گھڑیوں میں یہی آواز زخموں پر پھاہا رکھتی ہے ہمارے لئے تو یہ بشارت ہے اختتام سفر کا اعلان ہے تین دن اور رات ہمارے گھوڑوں نے بے آب و گیاہ منزلیں طے کی ہیں انہیں بھی سکون کی ضرورت ہے۔

عماد الدین زنگی فوراً گھوڑے سے اتر پڑا اور بولا۔ "ہم تمہاری رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ پانی تلاش کیا جائے۔ ہم حضور باری تعالیٰ میں سجدہ نیاز پیش کریں گے کیا پتہ ہمیں پھر اس کا موقعہ نہ مل سکے۔

زنگی کی تقلید میں تمام سوار گھوڑوں سے اتر پڑے تو اسامہ نے کہا۔ عالی مقام سردار۔ پانی ہم سے دور نہیں ہم دریائے دجلہ کے دائیں کنارے پر چل رہے ہیں بہتر ہو گا کہ ہم وضو کے لئے دریا پر چلیں۔

اسامہ کی یہ بات بھی مان لی گئی سب نے دریا کا رخ کیا گھوڑے سواروں سے آزاد ہو گئے لیکن ان وفاداروں نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہیں کی جیسے انہیں اپنے سواروں کے ارادے کی خبر ہو گئی تھی وہ کنوتیاں ملا کر اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے پہریدار خطرے کی بو پا کر اپنے کان کھڑے کر لیتے ہیں دجلہ دور نہ تھا سب نے وضو کر کے باجماعت نماز ادا کی۔

دعا سے فارغ ہوتے ہوتے سویرا ہو گیا۔ خورشید عالم تاب نے سنہری کرنیں بکھیرنا شروع کیں اور پھر اس وقت سب کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے جب انہیں دریا کے اس پار بلند چٹان پر ایک قلعہ چمکتا نظر آیا۔ "قلعہ!" زنگی کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"قلعہ ہماری پناہ گاہ۔" اسامہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔

عماد الدین کا دل امید و بیم سے دھڑکنے لگا۔ اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ یہ ہمارے لئے قید خانہ بھی تو بن سکتا ہے۔"

نا امیدی گناہ ہے سردار محترم۔" اسامہ نے زنگی کو ٹوک دیا۔ ہم کو اپنے اللہ سے بھلائی کی امید رکھنی چاہیے۔

عماد الدین زنگی نے کوئی جواب نہ دیا زنگی کیا اس قوت تمام لشکر امید و نا امیدی کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا؟ کس کا قلعہ ہے؟ کیا ہو گا پناہ یا قید؟ ہر ایک اپنے اپنے طور پر سوچ رہا تھا آخر اسامہ نے سکوت توڑا۔" سردار محترم مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔"

"کہاں قلعے میں؟" عماد الدین زنگی نے پریشانی سے دریافت کیا۔

"میرے خیال میں یہ تکریت کا قلعہ ہے۔"

"اس کا مالک کون ہے؟ زنگی نے سوال کیا۔

"اگر یہ شادی ابن مروان کا بیٹا ہے تو خدا ہماری ضرور مدد کرے گا۔"

زنگی نے بے چینی سے پوچھا۔ "نجم الدین سے ملے ہو؟"

"نہیں سردار محترم۔" اسامہ نے بتایا۔" البتہ شادی سے میری ملاقات ہو چکی ہے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے بیٹے کا نام نجم الدین ایوب ہے اور دوسرے کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ میں وہاں پہنچ کر سب کچھ معلوم کرتا ہوں مجھے اجازت دیجئے سردار؟"

"نہیں اسامہ۔" زنگی سخت لہجے میں بولا۔ "عماد الدین خود غرض نہیں ہے ... پھر تم جیسے دوست کو گنوا دینا بھی کوئی عقلمندی نہیں دوست دشمنی کا کچھ پتہ نہیں تم کسی بھی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہو۔"

"سردار محترم" اسامہ نے عاجزی سے کہا۔ "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے ممکن ہے یہ شادی کا بیٹا ہو اس سہارے کو نظر انداز کر دینا بھی عقلمندی نہیں۔"

زنگی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "تم جا سکتے ہو لیکن تنہا نہیں ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔ ایک ساتھ جیئے ہیں تو موت کو بھی ایک ساتھ ہی لبیک کہیں گے۔"

اسامہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ فرط مسرت سے بولا "آپ کے جذبات دوستی کا عظیم سرمایہ ہیں سردار محترم لیکن میری جان صرف میرے لیے ہے اور آپ کی زندگی سے بہت سی زندگیاں وابستہ ہیں۔ قلعے میں تنہا میں ہی جاؤں گا۔"

عماد الدین زنگی لور اسامہ ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ دونوں اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔ انکار اور اقرار کی یہ تکرار اور بھی طول کھینچتی کہ باتیں

کرتے کرتے اچانک زنگی کی نظر دریا کے اس پار پڑی اور وہ ایک دم چپ ہو کر رہ گیا۔

"خدا خیر کرے یہ کشتی ...." زنگی نے گھبرا کر دریا کی طرف اشارہ کیا۔ اسامہ اور سب نے دیکھا کہ ایک چھوٹی کشتی' قلعہ کے ساحل سے آہستہ آہستہ اس طرف آ رہی ہے۔ زنگی نے خیال ظاہر کیا۔ "قلعہ والوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔"

"یہ کشتی امن و سلامتی کا پیغام ہے۔" اسامہ نے مسکرا کر کہا۔ سردار محترم مجھے یقین ہے کہ قسمت ہمیں صحیح جگہ لے آئی ہے۔ آپ یہیں ٹھہریں میں گفتگو کرنے جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ساحل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا تو زنگی اور اس کے لشکریوں کے قدم جیسے زمین نے پکڑ لئے۔ وہ دم بخود کھڑے آتی ہوئی کشتی کو دیکھ رہے تھے۔

کشتی ان سے کچھ دور ساحل سے آ لگی اسامہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ زنگی نے گنتی کی کشتی سے پانچ آدمی اترے یہ پانچوں مسلح تھے اسامہ آنے والوں سے باتیں کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد آنے والے کشتی میں سوار ہو کر قلعے کی طرف واپس چلے گئے اور اسامہ زنگی کی طرف واپس آ گیا۔ سب کے چہرے زرد تھے اور دل زور زور سے دھڑک رہے تھے اسامہ کے چہرے پر متانت تھی زنگی کو اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہ پڑی وہ سوالیہ نظروں سے اسامہ کو دیکھ رہا تھا اسامہ زنگی کے پاس آ کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں بار بار ساحل کے اس پار اٹھ رہی تھیں کشتی دوسری طرف پہنچ چکی تھی اور کشتی کے سوار' ساحل کی پنہائیوں میں کہیں گم ہو چکے تھے۔

"مجھے اب بھی خدا کی ذات سے امید ہے سردار محترم۔" آخر اسامہ نے لب کھولے لیکن اس کی آواز میں ارتعاش تھا۔ آواز کی اس ہلکی لرزش کو عماد الدین زنگی نے فوراً پہچان لیا۔

زنگی نے افسردہ آواز میں کہا۔ "تقدیر میں جو کچھ ہے وہ تو پیش آ کر ہی رہے گا تم بتاؤ تو سہی یہ کون لوگ تھے اور کیا جواب دیا انہوں نے ؟"

"ہیں تو وہی لوگ جن کا میں نے اندازہ لگایا تھا لیکن ان کی دوستی کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے میں نے قلعہ والوں کو مختصر حالات سے آگاہ کر دیا ہے اور نجم الدین ایوب سے پناہ کی درخواست کی ہے۔"

عماد الدین سمجھ گیا کہ ابھی اس کی قسمت کا فیصلہ ہونا باقی ہے اس لئے خاموشی اختیار کر لی اسامہ خود کسی الجھن میں تھا اس لیے زنگی نے اسے پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔

ایک گھنٹے کے صبر آزما انتظار کے بعد کشتی واپس آتی دکھائی دی تو دیکھنے والوں کی دھڑکنیں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئیں اسامہ نے آہستہ سے کہا۔ "سردار محترم میں

قسمت کا فیصلہ سننے جا رہا ہوں میری آواز شاید آپ تک نہ پہنچے اگر میں ہاتھ ہلا کر واپسی کا اشارہ کروں تو آپ فوراً گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے بڑھ جائیں۔" یہ کہہ کر جب اس نے کشتی کی طرف قدم بڑھائے تو زنگی نے دیکھا کہ اسامہ کے پیر لڑکھڑا رہے تھے زنگی کا دل بیٹھنے لگا۔

کشتی کنارے آ لگی۔ اس میں صرف ایک آدمی سوار تھا۔ وہ کشتی سے اتر کر اسامہ کے پاس آیا اور باتیں کرنے لگا زنگی کی نظریں اسامہ کے اشارے پر لگی تھیں اور دھڑکنوں سے اس کا پورا وجود لرز رہا تھا اسامہ اور آنے والے میں صرف چند باتیں ہوئیں پھر اسامہ اشارہ کرنے کی بجائے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا زنگی کی طرف واپس آ گیا۔ زنگی کو یہ نیک شگون معلوم ہوا اور اس کے قدم بھی بے اختیار اسامہ کی طرف اٹھنے لگے۔ اسامہ قریب پہنچا تو اس کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔ وہ آتے ہی زنگی سے لپٹ گیا۔ الحمد اللہ ہم کچھ دن قلعہ میں رہ سکیں گے۔" اسامہ نے کہا۔

"الحمد اللہ" زنگی نے بھی زیر لب کو سراہا۔

"آپ گھوڑے منگوا لیجئے۔ ہمارے لیے کشتیاں آ رہی ہیں۔" اسامہ زنگی کو یہ مژدہ جانفزا سنا کر واپس چلا گیا۔

عماد الدین نے واپس آ کر لشکریوں کو خوشخبری سنائی تو ان کے مردہ جسموں میں گویا جان آ گئی وہ سب اپنے گھوڑوں کی طرف بھاگے دم کے دم لشکری گھوڑوں پر سوار ہو کر زنگی کے پاس آئے زنگی کی نظریں دجلہ کے پانی پر جمی ہوئی تھیں۔ دجلہ کے سینے پر درجنوں بڑی بڑی کشتیاں تیر رہی تھیں۔ کشتیوں کا رخ اسی کنارے کی طرف تھا کشتیاں کنارے آ لگیں تو ساتھ آئے ہوئے عمال اور غلام سامان بار کرنے کے لئے خشکی پر آ گئے لیکن ان کے پاس سامان ہی کیا تھا میدان جنگ سے بھاگنے والوں کے ساتھ سامان کب ہوتا ہے۔" وہ تو صرف اپنی جان لے کر ہی بھاگتے ہیں جنگی گھوڑے اپنے مالکوں کا اشارہ پا کر مع ساز و سامان' کشتیوں پر پہنچ گئے۔

قلعے سے آنے والا واحد آدمی بڑی پھرتی سے غلاموں کو ہدایات دے رہا تھا۔ وہ جتنا پھرتیلا تھا' اس کا لہجہ اتنا ہی کرخت اور وحشیانہ تھا اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک کوڑا تھا کوئی غلام ذرا غلطی کرتا تو وہ شیر کی طرح دھاڑتا ہوا اس کے سر پر پہنچتا اور اس کا کوڑا ہوا میں گردش کر کے غلام کی پیٹھ سے یوں ٹکراتا کہ جب اسے کھینچا جاتا تو کپڑے کی دھجیوں کے ساتھ کھال بھی ادھڑ آتی۔ عماد الدین زنگی اس جوان کی وحشیانہ حرکتوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ جب اس جوان کا کوڑا کسی پر برستا تو دیکھنے والوں کی چیخیں نکل جاتیں لیکن

زنگی کے چہرے پر خوشی کی سرخی جھلک جاتی۔ زنگی کو اس کی ظالمانہ روش شاید اس لیے پسند آتی تھی کہ وہ خود بھی اس رعب طمطراق اور ٹھنٹنے کو پسند کرتا تھا زنگی کے غلام اور عمال اس سے اسی طرح سہمے سہمے رہتے تھے جو حال اسے اس نوجوان کے غلاموں کا نظر آ رہا تھا عماد الدین نے کئی بار چاہا کہ اس نوجوان سے مخاطب ہو اور اس کا شکریہ ادا کرے لیکن نوجوان نے زنگی کو یہ موقع نہین دیا اس نے زنگی کی طرف توجہ نہیں دی یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس نوجوان کی نظر میں زنگی کی اہمیت اس کے غلاموں سے بھی حقیر ہو...... یا پھر وہ اپنے کام میں اتنا مست تھا کہ کسی اور طرف توجہ دینا اس کے اصول کے خلاف تھا زنگی نے آہستہ سے پوچھا۔ "اسامہ یہ کون ہے؟"

"ظالم بدماغ" اسامہ بڑبڑایا" پتہ نہیں کون ہے میں نے نام پوچھا تو مجھ پر چیخ پڑا عجیب وحشی آدمی ہے۔"

......لیکن زنگی کو اس کی یہ وحشت کچھ ایسی پسند آئی کہ قلعے میں داخل ہونے تک اس کی نظریں اس دراز قامت گورے چٹے اور تند خو جوان کا تعاقب کرتی رہیں۔

قلعہ تکریت کے حاکم نجم الدین ایوب کا باپ شادی ابن مروان شمالی آرمینیہ کے دارالحکومت داوین کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں ادجانہ کان کا رہنے والا تھا شادی نسلاً نہ تو عرب تھا اور نہ ہی ترک... بلکہ اس کا تعلق کردوں کے روادیہ قبیلے سے تھا کرد قبائل ایران اور ایشیائے کوچک کے درمیان پھیلی ہوئی پہاڑیوں میں خانہ بدوشوں جیسی زندگی گزارتے تھے/یہ قبائل اپنی جانبازی لوٹ مار مہمان نوازی اور عزت و ناموس کی حفاظت کے معاملے میں قبل اسلام کے عربوں سے ملتے جلتے تھے کھیتی باڑی سے زیادہ تاخت و تاراج ان کا پیشہ تھا شادی ابن مروان کثیر الاولاد تھا محدود آمدنی میں گزر بسر نہیں ہوتی تھی اس لئے مجبور ہو کر اس نے دادین کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا اور بغداد کا رخ کیا اس نے کسی سے سنا تھا کہ بغداد کا عباسی خلیفہ بہادروں کا قدر دان ہے اور انہیں انعام و اکرام سے نوازتا ہے شادی خود بہادر تھا۔ اس کے دو جوان بیٹے نجم الدین ایوب اور اسد الدین شجاعت اور حوصلہ مندی میں اپنا جواب آپ تھے اس بہادری کی قدر بغداد ہی میں ہو سکتی تھی۔

شادی بن مروان کے بغداد آنے کی یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ اس کا ایک ہم وطن اور دوست بہروز اس وقت بغداد کا گورنر تھا۔ اس لیے شادی نے قسمت آزمائی کے لیے بغداد کا قصد کیا اور یہی وجہ زیادہ قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جب بغداد پہنچ کر شادی اپنے دوست بہروز سے ملا تو اس نے دوستی کا پورا پورا حق ادا کیا اور قلعہ تکریت

شادی کے بڑے بیٹے نجم الدین کو دے دیا اس وقت سے نجم الدین اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ تکریت پر حکمرانی کر رہا تھا۔ کہنے کو تو بغداد میں عباسی خلیفہ المرشد کی حکومت تھی لیکن اصل طاقت سلطان محمود سلجوقی کے ہاتھ میں تھی سلجوقی خاندان نے عباسیوں کے زوال پذیر عہد میں بڑا نام پیدا کیا لیکن صرف ایک سو سال حکومت کرنے کے بعد سلجوقیوں کا شیرازہ بھی بکھر گیا اور پھر ۱۱۳۲ء میں سلطان محمود سلجوقی کا انتقال ہوا تو اس خاندان کا چراغ بھی گل ہو گیا۔

سلطان محمود کے مرتے ہی ان کے بیٹوں میں جانشینی کے لئے خونریز لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا سلطان محمود نے اپنی زندگی میں چھوٹے بیٹے داؤد کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا لیکن وہ صرف پندرہ سال کا بچہ تھا اس کے دو بھائی سلجوق شاہ سلجوقی اور سلطان مسعود سلجوقی زیادہ با اثر تھے سلجوق شاہ نے فوراً بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اس کا ساتھ خوزستان اور فارس کے حاکم قراجہ ساقی نے دیا۔ سلطان مسعود اپنے باپ کے پاس قونیہ میں تھا۔ وہ بھائی کو بغداد سے نکالنے کے لئے لشکر لے کر چلا والئی موصل عماد الدین زنگی بھی سلطان مسعود کی مدد کے لئے موصل سے بغداد روانہ ہوا سلجوق شاہ کو زنگی کے آنے کی خبر ملی تو اس نے قراجہ ساقی کو اس کے مقابلے پر بھیجا۔ بغداد سے کچھ دور معشوق کے مقام پر دونوں میں زبردست جنگ ہوئی عماد الدین زنگی کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس طرح زنگی نے دو سو سواروں کے ساتھ بھاگ کر قلعہ تکریت میں پناہ حاصل کی۔

عماد الدین زنگی اپنے سواروں کے ساتھ دوپہر سے قبل قلعہ تکریت پہنچ گیا۔ بظاہر زنگی کو پناہ مل گئی تھی اور محفوظ تھا لیکن ایک نامعلوم خوف اب بھی اس کے دل میں سمایا ہوا تھا۔ تخت نشینی کی جنگ نے ہر طرف آگ لگا رکھی تھی ہر گورنر اور قلعہ دار اپنے مفاد کی خاطر دوسرے سے برسر پیکار تھا ایسے میں کس پر اعتبار کیا جاتا کیا پتہ کل نجم الدین بھی لالچ میں آ کر زنگی کو دشمنوں کے حوالے کر دے زنگی کا خوف اس وجہ سے بجا تھا قلعہ میں پہنچتے ہی جراحوں اور طبیبوں نے زخمیوں کا علاج شروع کر دیا۔ تمام سواروں کو نیا لباس مہیا کیا گیا انہیں آرام دہ بیرکوں میں ٹھہرایا گیا کھانے پینے کا معقول انتظام ہو گیا لیکن زنگی پھر بھی سہما سہما تھا اس کی خواہش تھی کہ وہ نجم الدین سے ملے اور اپنے محسن کا شکریہ ادا کرے لیکن نجم الدین اسے کہیں نظر نہ آیا قیام و طعام کی تمام ذمے داری اسی وجیہہ و شکیل اور تند خو جوان کے ہاتھ میں تھی اور وہ بڑی خوش اسلوبی سے یہ کام نجام دے رہا تھا۔

زنگی نے دوپہر کے کھانے پر نجم الدین کا انتظار کیا۔ پھر دوپہر سے شام ہو گئی۔ نہ تو

نجم الدین نے زنگی کو اپنے پاس بلوایا اور نہ ہی خود ملاقات کے لئے آیا زنگی کے لیے نجم الدین کا یہ رویہ حیران کن ہونے سے زیادہ پریشان کن تھا۔ آخر زنگی نے اسامہ سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ "قلعہ دار نجم الدین اب تک نظر نہیں آئے وہ ہمارے محسن ہیں ہم ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔"

اسامہ بھی اسی ادھیڑبن میں تھا۔ یہ بات کچھ عجیب ضرور ہے لیکن ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہئے انہوں نے اتنے اچھے انتظامات کرا کے مہمان نوازی کا ثبوت دیا ہے۔"

"اسامہ۔" زنگی نے بے چینی سے کہا۔ "کہیں یہ قلعہ ہمارے لئے قید خانہ نہ بن جائے یہ کہاں کی مہمان نوازی ہے کہ میزبان اپنی شکل تک نہیں دکھاتا ہمیں تو کچھ دال میں کالا نظر آتا ہے۔"

اسامہ سوچتے ہوئے بولا۔ "آپ حکم دیں تو میں نجم الدین سے ملنے جاؤں میں ان سے کہوں گا کہ والئ موصل آپ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" زنگی نے تائید کی۔ "نجم الدین سے کہنا کہ اس ملاقات کا مقصد ان کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرنا ہے۔"

اسامہ نجم الدین سے ملنے گیا لیکن نجم الدین نے اس سے ملاقات نہیں کی اس نے کہلوا دیا کہ رات کو وہ خود والئ موصل سے ملنے آئے گا اسامہ اپنا سا منہ لے کر واپس آ گیا زنگی کو اور پریشانی ہوئی لیکن رات کی ملاقات کے وعدے نے انہیں سہارا دیا رات ہوئی کھانے کا وقت ہو گیا مگر نجم الدین نہیں آیا زنگی سے اچھی طرح کھانا بھی نہ کھایا گیا نوالہ بار بار اس کے حلق میں اٹکتا تھا اسامہ بھی گھبرایا ہوا تھا کھانے کے بعد وہی تند خو جوان' زنگی کے پاس آیا نہ سلام نہ دعا اور بڑے کرخت لہجے میں زنگی کو مخاطب کیا۔ والئ حلب و موصل اپنے دل میں بدگمانی کو جگہ نہ دیں برادر بزرگ نجم الدین ایوب قلعہ دار تکریت صبح ملاقات کے لئے آئیں گے۔" یہ کہہ کر وہ بغیر جواب کا انتظار کئے واپس چلا گیا۔

اسامہ کو اس کا یہ انداز پسند نہ آیا اس کے خیال میں جوان کا لہجہ تحقیر آمیز تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ قلعہ عجیب طلسماتی قسم کا ہے میزبان کا یہ حال ہے کہ ہم لوگ ان کی صورت دیکھنے کو ترس رہے ہیں اور ان چھوٹے سردار کو دیکھا آپ نے کتنا بد تمیز اور اکھڑ آدمی ہے۔ نہ تہذیب سے واقف اور نہ ہی گفتگو کا سلیقہ۔"

زنگی نے دلچسپی سے پوچھا۔ "یہ سرکش اور خود سر جوان کون ہے؟"

"یہ چھوٹا سردار ہے۔" اسامہ نے نفرت سے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "اس کا نام اسد

الدین ہے یہ نجم الدین کا چھوٹا بھائی ہے مگر بات ایسے غرور سے کرتا ہے کہ جیسے قلعہ تکریت کا حاکم یہی ہے۔"

"اس کے علاوہ بھی کوئی اور عیب ہے' اس جوان میں؟"

اسامہ تو جیسے بھرا بیٹھا تھا۔ اس نے دل کا سارا غبار اگل دیا۔ "سردار محترم کوئی ایک عیب ہو تو بیان کیا جائے۔ تکریت کے فوجی اسے دیکھ کر کانپ جاتے ہیں۔ کوتوال اس سے آنکھیں چراتا ہے۔ یہ حضرت دن بھر خدائی فوجدار بنے لوگوں کے جھگڑے چکاتے پھرتے ہیں اور رات کو قلعے کی چوکیداری کرتے ہیں اور .. "اسامہ نے ادھر ادھر دیکھا پھر راز دارانہ انداز میں بولا۔ "سردار عالی مقام مجھے ایک فوجی نے بتایا ہے کہ یہ صاحب زادے آج کل ایک ایرانی لڑکی سے عشق بھی لڑا رہے ہیں۔"

زنگی کو ہنسی آ گئی۔ اسامہ' تم نے جتنی باتیں کی ہیں ان میں عیب کی کوئی بات نہیں۔ اسد الدین کا لہجہ' تمہیں سخت و کرخت معلوم ہوتا ہے لیکن سرداری کی یہی شان ہے سچ پوچھو تو اس جوان کی رعب دار آواز مجھے بے حد پسند آئی ہے۔ اسد الدین میں مجھے ایک زبردست حکمران کے جوہر نظر آتے ہیں۔"

اسامہ کو اسد الدین دل سے پسند نہ تھا لہٰذا اس نے زنگی کا تبصرہ بڑی بے دلی سے سنا اور تھوڑی دیر باتیں کر کے اپنے کمرے میں آ کر سو گیا۔

زنگی کو ملاقات کا مژدہ مل چکا تھا پھر بھی اس کا دل کچھ بے چین تھا اس نے سونے کی بہت کوشش کی لیکن نیند نہیں آئی۔ اس نے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا اور یونہی ٹہلتے ٹہلتے صبح ہو گئی فجر کی اذان قلعے کے ایک اونچے برج سے بلند ہوئی تو زنگی نے راہداری میں نکل کر دیکھا ابھی چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا معا" اس کی نظر فصیل پر جانے والے زینے پر پڑی زینے سے اسد الدین بڑی تیزی سے اتر رہا تھا چار شمع بردار اس کے پیچھے تھے۔ زینے سے اتر کر وہ قلعے کے صدر دروازے پر پہنچا اور دروازہ کھلوا کر تنہا باہر چلا گیا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا عماد الدین زنگی کی چھٹی حس نے اسے خطرے کا احساس دلایا۔ اسد الدین کا فصیل سے باہر جانا اور صدر دروازے کا بند ہونا بڑا معنی خیز تھا۔ زنگی بھاگ کے اسامہ کے کمرے میں گیا اسامہ ابھی سو رہا تھا زنگی نے اسے جھنجوڑ کر بیدار کر دیا۔ زنگی کو پریشان دیکھ کر اس کے بھی ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور وہ آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔ "سردار محترم خیریت تو ہے آپ پریشان کیوں ہیں؟"

زنگی نے جو کچھ دیکھا تھا جلدی جلدی کہہ سنایا۔ اسامہ سوچ میں پڑ گیا۔

"اسامہ اب سے ٹھیک چوبیس گھنٹے پہلے ہم دجلہ کے کنارے پہنچے تھے۔ کہیں ہمارا

دشمن پیچھا کرتے ہوئے تو یہاں نہیں آ گیا۔ زنگی نے خدشہ ظاہر کیا۔

اسامہ نے سر اٹھا کر زنگی کو دیکھا تو اس کا چہرہ مرجھا گیا۔ "والئی موصل کو اللہ کی ذات سے امید رکھنی چاہئے اگر قراجہ ساقی نے ہمیں گھیر لیا ہے تو ہمارے بھاگنے کے لئے کوئی راستہ نہیں۔ لیکن نجم الدین کرد ہے مہمان نوازی ان قبائل کا طرہ امتیاز ہے میرا دل کہتا ہے قراجہ ساقی اپنی کوشش میں ناکام رہے گا۔"

عماد الدین زنگی کا دل ڈوبنے لگا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ فرار کی بھی کوئی صورت نہیں تھی آخر اس نے حالات کو خدا کے سپرد کر دیا۔ اس کے علاوہ وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا جس خطرے سے وہ بھاگ کر قلعہ تکریت میں پناہ گزیں ہوئے تھے، وہ خطرہ موت کی طرح ان کا پیچھا کرتا ہوا یہاں بھی آ پہنچا تھا اسامہ نے اٹھ کر دروازے سے راہ داری میں جھانکا پھر جھجک کر پیچھے ہٹا اور ہاتھ کے اشارے سے زنگی کو قریب بلایا۔ زنگی نے بھر باہر جھانکا راہداری کے اختتام پر قلعے کا صدر دروازہ بند ہو رہا تھا۔ اسد الدین صدر دروازے سے گزر کر راہداری میں آ گیا تھا اسے زنگی کے دروازے کے سامنے سے گزرنا تھا زنگی اور اسامہ تھوڑا سا پیچھے ہٹ گئے چند لمحے بعد اسامہ نے پھر جھانکا تو اس کی نظر راہداری کے دائیں جانب اٹھ گئی۔ ادھر سے بھی ایک قوی ہیکل، ادھیڑ عمر کا آدمی، چند مسلح سپاہیوں کے ساتھ آ رہا تھا۔ قد و قامت میں یہ اسد الدین کے لگ بھگ تھا لیکن اس کی عمر اسد الدین سے آٹھ دس سال زیادہ معلوم ہوتی تھی اسامہ نے پلٹ کر آہستہ سے کہا۔ "بائیں طرف سے اسد الدین اور دائیں جانب سے شاید قلعہ کا حاکم نجم الدین آ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ نجم الدین ہی ہے۔"

زنگی نے ذرا سی گردن نکال کر اندر کھینچ لی اور بولا۔ "ضرور یہ اسد الدین کا بھائی ہے۔ وہی ڈیل ڈول اور وہی شاہانہ چال۔"

اسد الدین اور نجم الدین کی ملاقات اسامہ کے کمرے کے دروازے کے سامنے ہوئی انہیں یہ احساس نہ ہو سکا کہ وہ دو معزز مہمان کھلے دروازے میں اندر کھڑے ہیں نجم الدین نے ذرا پریشانی سے پوچھا۔ "اسد الدین تم قلعے سے باہر کیوں گئے تھے؟"

اسد الدین کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ تیز لہجے میں بولا۔ "ہاں برادر محترم۔ میں باہر گیا تھا ان کتوں سے ملنے۔"

"کون کتے۔ کس کا ذکر کر رہے ہو۔ کون ہے قلعے کے باہر؟" نجم الدین نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

اسد الدین ہونٹ چبا کر اور مٹھیاں بند کرتے ہوئے بولا۔ "وہ کتے خوزستان اور فارس

والے قراجہ ساقی۔"

قراجہ ساقی کا نام جیسے ہی عماد الدین زنگی کے کانوں سے ٹکرایا، وہ اسامہ کو پیچھے دھکیل کر راہداری میں پہنچ گیا۔ اسد الدین اور نجم الدین دونوں نے زنگی کو حیرت سے دیکھا۔ عماد الدین نے پرشکوہ لہجے میں کہا۔ "والی موصل اپنے میزبان کو سلام عقیدت و خلوص پیش کرتا ہے۔ برادر عزیز دشمن تمہارے قلعے تک پہنچ چکا ہے تمہیں ہماری قسمت کا فیصلہ کرنا ہے لیکن یہ فیصلہ راہداری میں کھڑے ہو کر نہیں ہونا چاہئے۔ اندر بیٹھ کر بھی گفتگو ہو سکتی ہے۔"

اسد الدین، زنگی کو پہچانتا تھا لیکن نجم الدین نے اسے اب تک نہ دیکھا تھا۔ وہ حیرت سے زنگی کا منہ دیکھ رہا تھا۔

"برادر محترم۔ یہ حلب و موصل کے گورنر عماد الدین زنگی ہیں۔" اسد الدین نے موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے زنگی کا اپنے بھائی سے تعارف کرایا۔

نجم الدین نے بڑی محبت سے اپنے بازو پھیلا دیئے۔ زنگی بھی ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھا اور وہ ایک دوسرے کے گلے لگ گئے اور زنگی نے کہا "اے تکریت کے عظیم حاکم۔ تم ہمارے بارے میں جو فیصلہ کرو گے، ہمیں منظور ہو گا۔ چاہو تو ہمیں دشمن کے حوالے کر دو اور چاہو تو اتنی مہلت دے دو کہ ہم تمہارے قلعے سے کہیں بہت دور نکل جائیں۔"

"حوصلہ رکھیے والی موصل ..... حوصلہ۔" نجم الدین نے پیار سے کہا۔ اور زنگی کا ہاتھ تھام کر کمرے میں لے گیا۔

اسامہ نے ادب سے نجم الدین کو سلام کیا۔ زنگی نے اسامہ کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ یہ ہے میرا جانباز دوست اسامہ شیرازی وقت وقت کی بات ہے کبھی یہ اسلامی سرحد کے سب سے مشہور قلعے شیراز کے قلعہ دار تھے لیکن حالات نے انہیں مجھ تک پہنچا دیا۔"

نجم الدین نے زنگی کی باتوں پر زیادہ توجہ نہیں دی اسے باہر کے حالات معلوم کرنے کی فکر تھی اس لئے اسد سے پوچھا۔ "ہاں اب بتاؤ کیا کہنا چاہتے تھے۔"

اسد الدین کا غصہ اب تک کم نہیں ہوا تھا۔ "برادر محترم رات کے پچھلے پہر میں فصیل پر تھا کہ دجلہ پار مجھے ٹاپوں کی آواز سنائی دی اندھیرے کی وجہ سے ان کے چہرے مجھے نظر نہ آ سکے پھر کچھ دیر بعد انہوں نے شمعیں روشن کیں تو میں نے دیکھا کہ دجلہ کے اس طرف ہزاروں سوار کھڑے آپس میں جیسے صلاح مشورہ کر رہے ہیں۔ میں محافظوں کو ہوشیار اور خبردار کہتا ہوا فصیل سے اترا اور سیدھا ان کے پاس پہنچا۔"

"تم اکیلے گئے تھے؟" نجم نے سختی سے پوچھا اس کے سخت لہجے نے اسد الدین کو نرم

کر دیا اور وہ آہستہ سے بولا۔ برادر بزرگ! میں اکیلا گیا تھا لیکن میں نے قلعے سے نکلتے ہی
صدر دروازہ بند کرا دیا تھا۔"

نجم الدین کو اور بھی غصہ آ گیا۔ "اسد الدین یہ تمہاری غلطی ہی نہیں، بہت بڑی
حماقت بھی ہے اگر دشمن صدر دروازے کے پاس پوشیدہ ہوتا تو کیا تم اسے اکیلے روک
لیتے؟ تمہاری حماقت انگیز شجاعت پورے قلعے کو مصیبت میں مبتلا کر سکتی تھی۔"

اسد الدین نے سر جھکا لیا والی موصل عماد الدین زنگی کو اس کی یہ ادا اور بھی پسند آئی
اس کا خیال تھا کہ اس قسم کے سرکش جوان ایسے موقعوں پر اکثر گستاخی پر اتر آتے ہیں
لیکن اسد الدین نے بڑے تحمل کا ثبوت دیا اور بڑے بھائی کو جواب دینے کی گستاخی سے
گریز کیا۔ تب زنگی نے نجم الدین سے کہا۔ "اے تکریت کے حاکم بہادر نوجوان اس طرح
کی غلطیاں کر ہی جاتے ہیں اور سمجھدار حاکم کو انہیں درگزر کر دینا چاہئے۔"

زنگی نے اسد الدین کی طرف داری کی تھی لہٰذا اسد نے اسے شکر گزار نظروں سے
دیکھا۔ نجم الدین کو یہ طرفداری پسند نہ آئی۔ "والی موصل بہادری قابل ستائش ہے لیکن
وہ بہادر جو عقل سے خالی ہو، اپنے ساتھیوں کے لئے عذاب بن جاتا ہے۔"

"مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے برادر بزرگ۔" اسد الدین نے اپنی غلطی تسلیم کر کے
نجم الدین کا منہ بند کر دیا۔

"نجم الدین نے لہجہ نرم کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا آگے بتاؤ پھر کیا ہوا؟"

اسد الدین کا غصہ ٹھنڈا اور آواز کا زور ختم ہو چکا تھا۔ اس نے سر جھکا کر دھیمے لہجے
میں کہا۔ "دریا پار میری ملاقات قراجہ ساقی سے ہوئی۔ اس کے ساتھ پانچ ہزار سوار ہیں۔
اس نے مجھے دیکھتے ہی والی موصل کا مطالبہ کیا کہتا ہے کہ اگر عماد الدین زنگی کو واپس نہ دیا
گیا تو قلعہ تکریت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔"

نجم الدین نے زور سے "ہوں" کہا اس طویل "ہوں میں ہی بڑا زور اور بڑی گھن
گرج تھی یہ ہوں "نہ تھی بلکہ اعلان جنگ تھا نجم الدین نے حکم دیا۔ "تمام فوج فصیل پر
پہنچا دی جائے۔ تمام دروازوں کی اچھی طرح حفاظت کی جائے۔ قراجہ ساقی کو جواب ہم
دیں گے۔ اسد الدین جا کر ہمارا حکم سب کو پہنچا دو۔" اسد الدین اپنی جگہ سے نہ ہلا جیسے
اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔ نجم الدین نے اسے گھور کر دیکھا اور ڈانٹ کر کہا۔ "اسد الدین
تمہارے کانوں تک ہماری آواز نہیں پہنچی۔ کیا تم سو رہے ہو؟"

اسد الدین نے مردہ آواز میں جواب دیا۔ "بزرگ محترم! مجھ سے ایک غلطی اور بھی
ہوئی ہے۔"

"کیا کہا؟" نجم الدین نے گھبرا کر پوچھا۔ "اور کیا حماقت کی تم نے؟"

"میں نے راجہ ساقی کو جواب دے دیا ہے۔"

نجم الدین آپے سے باہر ہو گیا۔ "بغیر میرے مشورے کے تمہیں جواب دینے کی
ات کیسے ہوئی۔ کیا جواب دیا تم نے؟"

"وہی جواب برادر بزرگ! جو ایک کرد کو دینا چاہئے۔" اب اسد الدین کی آواز میں
ہراؤ تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اقبال جرم کر کے سزا کے لئے پوری طرح تیار ہو گیا
ے۔

"کرد ایسے موقعوں پر کیا جواب دیا کرتے ہیں۔" نجم الدین نے زہر خند سے کہا۔ "کیا
سد الدین اس جواب سے ہمیں آگاہ کرنا نہیں چاہتے؟"

"میں نے ..." اسد الدین ڈرتے ڈرتے بولا۔ "میں نے کہہ دیا کہ کرد اپنی پناہ میں
انے والے کو دشمن کے حوالے نہیں کیا کرتے۔"

عماد الدین زنگی اور اسامہ نے اسد الدین کے اس جواب کو بڑی حیرت سے سنا پھر اسی
یرت کے ساتھ انہوں نے نجم الدین کی طرف دیکھا بھائی نے جو جواب دیا وہ غلط ہو یا صحیح
یکن اس پر عمل کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔" پھر اس نے اسد سے کہا۔ "جاؤ، جنگ کی
تیاری کرو اور قراجہ ساقی کو ایسا منہ توڑ جواب دو کہ وہ آئندہ کبھی کردوں کے ی مہمان کی
طرف نظر اٹھانے کی جرات نہ کر سکے۔"

"کرد واقعی عظیم قوم ہے۔" زنگی نے کردوں کے کردار کی تعریف کی۔ "قدرت نے
ہمیں طاقت دی تو ہم اس احسان کا بدلہ اس طرح اتاریں گے کہ تاریخ اسے کبھی بھلا نہیں
سکے گی۔"

تکریت کا سر بفلک قلعہ دریائے دجلہ کے بائیں کنارے ایک اونچی چٹان پر واقع تھا
اس دور میں ہر قلعہ اتنا وسیع و عریض ہوتا تھا کہ اس میں پورا شہر بس جاتا تھا۔ مخالف
گروہوں کی آئے دن کی چپقلش سے بچنے کے لئے تمام آبادی قلعے کے اندر ہی رہا کرتی
تھی۔ قلعے کے باہر چراگاہیں اور کھیت ہوتے جہاں کاشت کاری کی جاتی تھی قلعہ تکریت
ایشیائے کوچک کے چند ناقابل تسخیر قلعوں میں سے ایک تھا۔ اس بلند و بالا قلعے کو مضبوط
بنانے کے لئے خشکی کی طرف ایک گہری خندق کھو دی گئی تھی۔ خندق تک پہنچنے کے لئے
چٹانیں کاٹ کے چوڑی مگر پر پیچ سیڑھیاں بنائی گئی تھیں جس وقت قلعے پر حملہ ہوتا تو پہلے
دفاع کے طور پر غنیم کو دریا پار کرنے سے باز رکھا جاتا۔ اگر دریا عبور ہو جاتا تو چٹانوں میں
بنی ہوئی پناہ گاہوں میں چھپے ہوئے تیر انداز حملہ آوروں پر تیروں کی بارش کرتے اگر

اسد اور آزوری کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد تو اسد کا یہ دستور ہو گیا کہ وہ جب بھی گشت کے لئے نکلتا تو محلہ شکاراں کا ایک چکر ضرور لگاتا اور جب محلہ شکاراں میں جاتا تو آزوری کی خادمہ جورا اسے سلام کرنے ضرور آتی۔ یہ سلام و کلام پہلے جورا کی معرفت ہوتے رہے پھر آزوری کے اصرار پر اسد الدین کو آزوری سے محبت ہو گئی ہے لیکن اسد الدین کے لئے یہ لفظ بے معنی تھا۔ اس جیسا وحشی اور شعلہ صفت جوان محبت کے لطیف جذبے سے قطعی نا آشنا تھا لیکن جب وہ رات کی تنہائیوں میں قلعے کی فصیل پر ٹہلتے ہوئے اپنے آپ پر غور کرتا تو اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوتا۔ وہ اپنے دل سے سوال کرتا کہ آخر محلہ شکاراں میں کون سی کشش ہے جو اسے اپنی طرف کھینچتی ہے اور جب تک وہ آزوری کے دروازے پر پہنچ کے اس سے دو ایک باتیں نہیں کر لیتا اسے چین کیوں نہیں آتا؟

اسد الدین گشت پر تھا اور محلہ شکاراں اس کے سامنے تھا۔ یہ محلہ نظر آتے ہی اس کے قدموں میں تیزی آ جاتی تھی اور آج تو اس کے قدم اور بھی تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ پورے ایک ہفتے بعد اس نے ادھر کا رخ کیا تھا۔ اس نے محلے کی گلی میں قدم رکھا ہی تھا کہ آزوری کی خادمہ جورا بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ معلوم ہوتا تھا۔ وہ اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس میں کچھ جھوٹ بھی نہیں تھا۔ جب سے اسد الدین نے ادھر آنا بند کیا تھا آزوری نے جورا کو حکم دے دیا تھا کہ وہ گلی کے سرے پر اسد الدین کا انتظار کرتی رہے اور جیسے ہی وہ نظر آئے' اسے لے کر سیدھی گھر آ جائے۔ اسد الدین نے جورا کو دیکھا تو خلاف عادت مسکرا کے پوچھا "تو یہاں کیا کر رہی ہے؟ جورا"

"آپ کا انتظار! جورا نے معصومیت سے جواب دیا۔

اسد الدین چونک پڑا۔ "میرا انتظار۔ وہ کیوں؟ کس نے کہا تھا' تجھ سے؟"

"آج تو میری جان چھوٹ گئی۔" جورا نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔ "میں تو پچھلے پندرہ دن سے یہاں آ کر کھڑی رہتی تھی اور صبح سے شام تک انتظار کر کے واپس جاتی تھی یہ بھی بی آزوری کا حکم تھا۔"

"پاگل کہیں کی۔ آزوری نے یہ حکم کیوں دیا؟" اسد الدین چڑ سا گیا۔

"میں کیا جانوں' کیوں حکم دیا۔" جورا نے جواب دیا۔ "میں تو حکم کی باندی ہوں جو مالکہ نے کہا' وہ کرنا پڑا آپ چل کے خود ہی پوچھ لیجئے انہوں نے تو رو رو کے اپنی جان ہلکان کر لی ہے۔"

اسد الدین نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور جورا کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس نے یوں

تو آزوری کو کئی بار دیکھا تھا لیکن وہ ہمیشہ نصف نقاب میں نظر آتی تھی۔ پردے کا عام رواج نہیں تھا۔ عورتیں عام طور پر لباس پر چادر ڈال کر سودا سلف خریدنے کے لئے بازار جاتیں۔ صرف امیر خواتین نصف جالی دار سیاہ نقاب ڈالتی تھیں۔ قلعے میں مسلمانوں کے علاوہ مجوسیوں کفرانیوں اور یہودیوں کی بھی آبادی تھی امن کے زمانے میں سب لوگ سکون اور میل محبت سے رہتے تھے لیکن جنگ اور خصوصاً" صلیبی جنگوں کے دوران عوام مصیبت کا شکار ہوتے تھے یہی حال نصرانی قلعوں کا بھی تھا وہاں بھی مسلمان رہا کرتے تھے۔

جورا تھوڑی دور اسد کے ساتھ چلتی رہی پھر بولی۔ "آپ پیچھے پیچھے آیئے میں بھاگ کر آزوری بی بی کو آپ کے آنے کی خبر کرتی ہوں۔"

اسد کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن جورا اس سے پہلے ہی بھاگ اٹھی اسد کے قدم بھی کچھ اور تیز ہو گئے وہ آزوری کے دروازے پر پہنچا تو جورا باہر کھڑی تھی اور آزوری اندر کی طرف دروازے سے لگی کھڑی تھی اسد نے نظریں اٹھا کر آزوری کو دیکھا۔ نصف نقاب کے پیچھے آزوری کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ لیکن غلافی آنکھوں کی بھاری پلکوں میں آنسوؤں کے موتی بھی چمک رہے تھے۔ "کیوں رو رہی ہو' آزوری؟" اسد نے سپاہیانہ اکھڑپن سے پوچھا۔

آزوری کی آنکھوں سے دو موتی ٹپک پڑے اور غمگین آواز میں بولی۔ "منچلے کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ میں کیوں روتی ہوں۔"

"اچھا تو پہلے رو لو' پھر بات کروں گا۔" اسد نے کھردرے لہجے میں کہا۔ "لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ عورتوں کو صرف آنسو بہانا آتے ہیں۔"

آزوری نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے اور بولی۔ "لوگ یہ بھی تو کہتے ہیں کہ عورت کے آنسو قیمتی ہوتے ہیں۔"

اس نے ایک ہلکا سا وحشیانہ قہقہہ لگا کر کہا۔ "وہ لوگ احمق اور بزدل ہیں۔ آنسو تو آنکھوں کا پانی ہے۔ اس کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ ہاں خون بہانا ضرور بہادری ہے۔"

"تو میں بے وقوف ہوں؟" آزوری کی آنکھیں پھر چھلک آئیں۔ "تم جنگ پر گئے تھے' میں آنسو نہ بہاتی تو کیا قہقہے لگاتی؟"

اسد ہمدردی کرنے کے بجائے جھلا گیا۔ "دیکھو آزوری! مجھے رونے والی صورتیں اچھی نہیں لگتیں تم رونا بند نہیں کرو گی تو میں چلا جاؤں گا۔ روتی تب' جس کا بیٹا مارا جاتا ہے یا پھر بہن روتی ہے جب اس کا بھائی قتل ہو جاتا ہے۔ تمہیں رونے کی کیا ضرورت ہے تم میری کون ہو۔ نہ ماں اور نہ بہن۔

آزوری کو اسد کے بھولے پن پر افسوس ہونے کے ساتھ ساتھ ترس بھی آیا۔ اس نے سوچا کہ کیا اسد واقعی اتنا ہی سیدھا ہے؟ کیا یہ عورت کی آنکھوں میں جھانکنا نہیں جانتا؟ شاید اسے عورت کا چہرہ بھی پڑھنا نہیں آتا۔ دراصل اسد الدین نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں وہاں نہ تو حسن کی عشوہ طرازیاں تھیں اور نہ ہی عشق کی پرکاریاں۔۔ روسا کے بچے سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں لیکن اسد الدین سپاہی زادہ تھا وہ پیدا ہوا تو اس کے منہ میں آہنی چمچہ دیا گیا جو عمر کے ساتھ ساتھ تلوار میں بدل گیا۔ پھر وہ کیسے جانتا کہ ہجر کیا ہے اور فراق کسے کہتے ہیں محبوب مصیبت میں مبتلا ہو یا جنگ پر جائے تو عورت بیٹھے بیٹھے کیوں رو پڑتی ہے۔ "اچھا منچلے! میرے دل کا کچھ بھی حال ہو، تمہارے سامنے اب میں کبھی نہیں روؤں گی۔" آزوری نے کہا۔

اسد الدین کے چہرے سے خوشی چھلک پڑی جلدی سے بولا "اب میں بہت خوش ہوں۔ تمہاری ہنستی ہوئی آنکھیں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔"

"اور میں اچھی نہیں لگتی؟" آزوری نے اسد کے خفتہ جذبات پر ضرب لگائی۔

اسد الدین پہلی بار کچھ گھبرا گیا۔ "ہاں ہاں تم بھی اچھی ہو تمہارے بال اچھے ہیں تمہارا سراپا بہت اچھا ہے۔"

آزوری نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔ "میرے سراپا کا تمہیں کیا پتہ کبھی تم نے مجھے چھو کر تو دیکھا نہیں۔ دیکھو میرا ہاتھ کیسا بھدا اور بے ڈول ہے۔" یہ کہہ کر اس نے آستین بازو تک کھینچ کر میدے جیسا نرم اور سفید ہاتھ اسد کی طرف بڑھا دیا۔

اسد کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہوئی اس نے مرد و زن کے کٹے خون میں لتھڑے ہاتھ تو دیکھے تھے لیکن عورت کا بازو تک کھلا ہاتھ دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا آزوری کی خادمہ جورا پاس کھڑی ان کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی اس نے محسوس کیا کہ یہ باتیں اگر کسی راہ چلتے کے کان میں پڑ گئیں تو خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بن جائے گا۔ اس لئے وہ خاموش نہ رہ سکی۔ "باہر کھڑے ہو کر باتیں کرنا اچھا نہیں لگتا۔ آپ اندر چل کے بیٹھیے۔"

یہ تو جیسے آزوری کے دل کی بات تھی۔ اس نے ہاں میں ہاں ملائی۔ "ٹھیک کہہ رہی ہے جورا۔ اندر آ جاؤ منچلے۔"

اسد الدین کا جی چاہا کہ اندر چلا جائے۔ مگر جیسے اسے کچھ یاد آ گیا۔ جلدی سے بولا۔
"نہیں آزوری میں اندر نہیں آؤں گا۔ برادر بزرگ نجم الدین نے کہا ہے کہ کبھی کسی عورت سے اکیلے میں بات نہ کرنا اور نہ اس کے گھر میں قدم رکھنا۔" یہ بات اس نے ایسی معصومیت سے کہی جیسے چھوٹے بچے اپنے والدین کی سکھائی ہوئی کوئی بات بھری محفل میں

ڑی بے باک معصومیت سے دہرا دیتے ہیں۔

آزوری نے شوخی سے کہا۔ "اب تم بچے نہیں ہو، منچلے پھر نہ یہ میرا گھر ہے۔اور نہ یں اکیلی ہوں۔ گھر میں میری ماں اور چھوٹا بھائی ہے۔ ابا جان بھی آتے ہی ہوں گے۔ ب تم کو جانتے ہیں اور تمہاری عزت کرتے ہیں۔ ہم تمہارے احسان مند ہیں، منچلے۔"

سپاہی کے دماغ میں شاید یہ بات ٹھیک سے بیٹھ گئی تھی اس لئے اس نے بے دھڑک ذم بڑھا دیا۔ جورا نے دوڑ کر آنگن میں چارپائی ڈال کر اس پر قالین بچھا دیا۔ اسد چپ ہاپ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ آزوری اس کے بالمقابل دوسری چارپائی پر آ بیٹھی۔"

"تم گھر سے باہر تو نہیں گئی تھیں؟" اسد نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"گئی تھی۔ کئی بار۔ آزوری نے ہنستے ہوئے کہا۔

اسد زور سے چیخا۔ "کیوں گئی تھیں۔ میں نے منع کیا تھا، تمہیں۔" آزوری نے اس کے غصے کا کوئی اثر بول نہ کیا اور ہنستی رہی۔

"جواب دو کیوں باہر گئی تھیں۔" سپاہی زادے نے آزوری کی ہنسی کو شاید اپنی توہین نیال کیا۔

آزوری نے نظریں جھکا لیں اور بولی۔ "میں تمہاری کیا لگتی ہوں، مجھے حکم کیوں دیتے ہو؟"

اسد الدین کے سر پر ہتھوڑا سا پڑا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں جا رہا ہوں۔" وہ غرایا۔

"میں نہیں جانے دوں گی۔" آزوری نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اسد نے بڑے بڑوں سے ہاتھ ملائے تھے بتوں کے پنجوں میں پنجہ ڈالا تھا لیکن آزوری کا نازک ہاتھ نہ جانے کس چیز کا بنا ہوا تھا اس کے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ اس نے چاہا کہ ہاتھ چھڑا لے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس کا جی چاہا کہ آزوری یونہی اس کا ہاتھ پکڑے رہے اور بجلی کی یہ رو اس کے جسم میں اسی طرح دوڑتی رہے۔

آزوری نے اسے چارپائی پر بیٹھا دیا۔ "تم نے یہ تو پوچھا نہیں کہ میں کیوں باہر گئی تھی؟"

"میں نہیں پوچھوں گا۔" اسد کا غصہ غائب ہو گیا۔

"کیوں نہیں پوچھو گے؟" آزوری نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

اسد نے آزوری کے الفاظ دہرائے۔ "تم میری کون لگتی ہو میں تمہیں کیوں حکم دوں۔"

آزوری کھلکھلا کر ہنسی تو اسد کو اس کا ہنسنا بے حد بھلا معلوم ہوا وہ بھی مسکرانے لگا

تو آزوری بولی۔ "تم میرے سب کچھ لگتے ہو' منچلے تمہیں حکم دینے کا اختیار ہے۔"

اسد الجھتے ہوئے بولا۔ "کبھی کہتی ہو کچھ نہیں لگتے' کبھی کہتی ہو سب کچھ لگتے ہو۔ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

آزوری نے اسد کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ باتیں شادی کے بعد سمجھ میں آئیں گی۔"

"شادی!" اسد حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"ہاں شادی۔" آزوری نے سنجیدگی سے کہا۔ "اب تم شادی کر ڈالو منچلے۔"

"کیوں کروں شادی اور کس سے کروں؟" اسد نے بحث شروع کر دی۔

آزوری نے اسے سمجھایا۔ "بھولے منچلے زندگی کا مقصد صرف تلوار چلانا ہی نہیں ہوتا۔ سب ہی شادی کرتے ہیں۔ حاکم تکریت نے بھی تو شادی کی ہے تم بھی کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر شادی کر لو۔"

"اچھی سی لڑکی؟ اسد نے پوچھا۔ "اچھی سی لڑکی کیسی ہوتی ہے؟"

"جسے تم پسند کرتے ہو' وہی۔" آزوری نے جواب دیا۔

"مجھے تو تم پسند ہو۔" اسد نے کہا۔

یہ جواب اس وقت غیر متوقع تھا کہ آزوری کی نظریں جھک گئیں اس کا چہرہ گلنار ہو گیا اور نسوانی شرم و حیا ننھے ننھے موتی بن کے اس کے رخساروں پر ابھر آئی۔ وہ کچھ ایسی گھبرائی کہ بھاگ کر اندر چلی گئی۔ جورا قریب ہی کھڑی تھی۔ اس نے کہا۔ "آپ نے غضب کر دیا۔ ایسی باتیں منہ سے نہیں نکالا کرتے۔ آزوری بی بی شرما کے چلی گئیں۔"

"میں نے کیا کہا۔ اسد کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔ "آزوری مجھے پسند ہے میں نے کون سی ایسی بات کی ہے؟"

"آپ جانتے ہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟" چالاک اور تجربہ کار جورا نے پوچھا۔

اسد نے سادگی سے جواب دیا۔ "مطلب و طلب کیا کسی کو پسند کرنا کون سی بری بات ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ میں نے کون سی بری بات کی ہے؟"

"آپ آزوری کو پسند کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔" جورا نے صاف صاف کہہ دیا۔

"شادی...." اسد گھبرا گیا۔ "میں نے شادی کا نام کب لیا؟"

اسی وقت اندر سے آزوری کی ماں نے جورا کو آواز دی جورا اندر پہنچی تو بڑی بی نے پھٹکار لگائی۔ "غضب خدا کا اتنی دیر سے گھر مہمان آیا ہوا ہے اور تم نے قہوہ بھی نہیں پلایا

یہ آزوری بیٹھی وہاں کیا باتیں بنا رہی ہے؟"

"آزوری تو اپنے کمرے میں ہے' بڑی ماں۔" جورا نے آزوری کی صفائی پیش کی۔

"اے لو۔ یہ تو اور غضب ہو گیا۔" بڑی ماں بڑبڑائیں۔ "مہمان گھر آیا اور وہ اپنے کمرے میں جا گھسی۔ عجیب طبیعت کی لڑکی ہے یا تو ہر وقت اس کا نام رٹتی رہتی تھی اور اب وہ گھر آیا تو منہ چھپا کر بیٹھ گئی۔ ..... پھر بڑی ماں اٹھتے ہوئے بولیں۔ "چھوٹے سردار سے اب تک کیا باتیں ہوئیں؟"

جورا گھبرا گئی۔ وہ کیا جواب دیتی خیر ہوئی کہ بڑی ماں نے جواب کے لئے اصرار نہیں کیا اور آنگن کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

"میں جا کر دیکھتی ہوں مہمان کو تو قہوہ لے آ۔"

بڑی بی اسد کے پاس پہنچ گئیں اسد نے اٹھ کر سلام کیا۔ وہ اس گھر میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا لیکن آزوری کی ماں سے اس کی صاحب سلامتی تھی۔ راستے میں کئی بار ان سے ملاقات ہوئی تھی لیکن یہ ملاقات اب تک علیک سلیک تک ہی محدود تھی۔ اسد نے سلام کیا تو بڑی بی نے اسے ہزاروں دعائیں دے ڈالیں انہیں اس سے اس لئے اور زیادہ دلچسپی تھی کہ ان کے باپ دادا کا وطن بھی آرمینیہ تھا۔ ان کی شادی ایرانی خاندان میں ہوئی تھی جس سے صرف دو اولادیں ہوئیں۔ آزوری بڑی لڑکی تھی۔

آزوری' اسد کی بات سے کچھ ایسی شرمائی کہ کمرے ہی کی ہو کر رہ گئی۔ اس نے اسد کے پاس جانے کی بہت کوشش کی لیکن شرم و حیا نے کچھ ایسا دامن پکڑا کہ وہ اس دن اسد کا سامنا نہ کر سکی۔ جورا کو آزوری کے اس رویئے پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے آزوری کو کھینچ کر لے جانے کی بھی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی اسد تھوڑی دیر بڑی بی سے باتیں کرتا رہا پھر ان سے اجازت لے کر چلا گیا اس کے جانے کے بعد بڑی بی نے آزوری کی وہ چھاڑ مچائی کہ بس اللہ دے اور بندہ لے ڈوب مرو احسان فراموش' مہمان گھنٹوں بیٹھ کر چلا گیا اور تم کمرے میں چھپی بیٹھی رہیں۔"

آزوری نے احتجاج کرنا چاہا اور چاہا کہ یہ بتائے کہ وہ مہمان سے باتیں کر کے کمرے میں گئی ہے لیکن جورا نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"وہ کوئی لچا لفنگا تو نہیں کہ تم اس سے چھپتی پھرو۔" بڑی بی پھر شروع ہو گئیں۔

آزوری نے جورا کو اشارہ کیا تو اس نے جرات کر کے بڑی بی کی بات کاٹ کر کہا۔

"بڑی اماں۔ آزوری بی بی ان کے سامنے جانے سے شرما رہی تھیں۔ آخر جوان جہان ہے نا۔ غیر مرد کے سامنے جانے سے شرم تو آتی ہی ہے۔"

"میں کب کہتی ہوں‘ شرم کو سر سے اتار پھینکو۔" بڑی بی کی زبان تو بس ڈھال پر چلنے والی گاڑی تھی۔ ایک بار دھکا لگ جائے تو آخر تک پہنچ کر ہی رکتی تھی۔ "شرم کا ایک وقت ہوتا ہے ضرور کرو شرم لیکن اپنے احسان کرنے والے سے کیا شرم اس دن یہ بھلا مانس اس شہدے سے نہ بچاتا تو آج کو یہ شرم کرنے والی نہ رہتی۔"

آزوری کے باپ کے آ جانے سے بڑی بی کی زبان رک گئی وہ میاں کے ساتھ اٹھ کے اندر چلی گئیں ممکن ہے انہوں نے میاں کے سامنے بھی یہ مسئلہ چھیڑ کر دل کی پوری بھڑاس نکال لی ہو لیکن آزوری اور جورا کی جان چھوٹ گئی اور وہ مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگی۔

اسد آزوری کے گھر سے نکلا تو گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ آزوری کی باتیں اس کے سمجھ میں نہیں آئیں لیکن جورا کا واضح اشارہ اس کی سمجھ میں آگیا تھا شادی کے مسئلے پر اس نے اس سے پہلے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ یہ ضرور تھا کہ وہ آزوری کو پسند کرنے لگا تھا لیکن اس سے زیادہ کچھ اور نہیں وہ انہی باتوں میں الجھا ہوا‘ سر جھکائے چلا جا رہا تھا کہ ایک گھوڑا اس کے سامنے آ کر رکا اسد نے سر اٹھایا گھوڑے پر تغلو جامو بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ "سلام عرض ہے چھوٹے سردار۔" جامو کے لہجے میں بلا کا طنز تھا۔ اسد کچھ سمجھا‘ کچھ نہ سمجھا اس نے سلام کا جواب دے کر قدم آگے بڑھا دیا۔ شاید اس وت وہ جامو سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

"کہاں سے تشریف لا رہے ہیں‘ چھوٹے سردار؟" اس بار جامو کے انداز میں پہلے سے زیادہ طنز تھا۔

اسد نے اسے گھور کے دیکھا۔ "تم کون ہوتے ہو پوچھنے والا۔" اور اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

"غصہ نہ کیجئے چھوٹے سردار۔" جامو ہنس پڑا میں کیوں کہوں کہ آپ آزوری کے پاس سے آ رہے ہیں۔ بہت دنوں بعد ملاقات کے لئے تشریف لائے آپ۔"

اسد جیسا تند مزاج انسان اپنی توہین کیسے برداشت کرتا اس نے بڑھ کر جامو کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے گھوڑے سے نیچے کھینچ لیا "اب کہو۔" اسد اس کا گریبان پکڑ کر بولا۔

تغلو جامو اس اچانک حملے سے گھبرا گیا۔ نرم آواز میں بولا "چھوٹے سردار میرا گلا چھوڑیئے۔ میں تو آپ کا ہمدرد ہوں۔" اسد نے اس کا گریبان چھوڑ دیا تو وہ مزید بولا۔

"ایک بات کہوں اگر آپ برا نہ مانیں۔"

"بات بری نہیں ہونی چاہئے۔" اسد نے سختی سے کہا۔

"نہیں نہیں چھوٹے سردار" تغلو جامو ہنستے ہوئے بولا۔ "بھلا میں حاکم قلعہ کے بھائی سے گستاخی کی جرات کیسے کر سکتا ہوں۔"

"فضول مت بکو۔" اسد نے ڈانٹا جو کہنا ہے جلد کہو۔"

تغلو جامو نے متین چہرہ بناتے ہوئے کہا۔ "چھوٹے سردار آزوری کا باپ ایرانی ہے۔"

"ہاں تو میرے علاقے کی رہنے والی ہے۔" اسد کی زبان سے نہ جانے کیوں نکل گیا۔ جامو کو موقع مل گیا۔ اس نے فوراً کہا۔ "آپ کوشش کر دیکھئے یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔"

اب اسد کو اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن تیر تو کمان سے نکل چکا تھا اس نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔ "بیل منڈھے چڑھے نہ چڑھے۔ میں کوئی کوشش نہیں کر رہا۔" یہ کہتے ہوئے اسد آگے بڑھ گیا۔

ان دونوں کی تو تو میں میں سن کر کچھ لوگ قریب آ گئے تھے۔ اسد جلد سے جلد ان سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ اس نے لمبے لمبے ڈگ بھرنا شروع کر دیئے وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ تغلو جامو گھوڑے پر سوار ہو کر پھر اس کے برابر آ گیا۔ اسے دیکھ کر اسد کا خون کھولنے لگا۔ غصے سے بولا۔ "اب کیا کہنا ہے تجھے؟"

تغلو جامو نے .... گھوڑا موڑا اور ایڑ لگاتے ہوئے کہا۔ "چھوٹے سردار۔ آزوری تر نوالہ نہیں‘ جسے آپ نگل جائیں اس پر پہلے میری نظر پڑی ہے پہلا حق میرا ہے۔"

"ٹھہر تو جا کمینے ذلیل‘ کتے۔" اسد اس کی طرف دوڑا مگر جامو کا گھوڑا ہوا ہو چکا تھا۔ اس کو اس وقت اپنے پیدل آنے پر افسوس ہوا لیکن یہ تو اس کا معمول تھا وہ پورے قلعے کا پیدل ہی چکر لگایا کرتا تھا۔ اسد کو اس گفتگو سے یہ اندازہ ہو گیا کہ تغلو جامو کی دشمنی اب کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ اس نے آزوری کو اپنانے کا تو اب تک فیصلہ نہیں کیا تھا لیکن یہ ضرور فیصلہ کر لیا کہ وہ آزوری کی طرف بڑھنے والا ہر ہاتھ کاٹ ڈالے گا خواہ اس میں خود اس کی جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔

نجم الدین ایوب سے پہلے تکریت کے قلعہ پر تغلو جامو کے خاندان کی حکومت تھی۔ یہ ایک پرانا عرب خاندان تھا لیکن تاتاریوں سے میل ملاپ اور شادی بیاہ کی وجہ سے یہ لوگ خود کو تاتاری کہتے تھے جب نجم الدین نے اس قلعے پر قبضہ کیا تو سابق حاکم قلعہ چھوڑ کر چلا گیا لیکن اس کے خاندان کے بہت سے لوگ قلعے ہی میں رہ گئے۔ نجم الدین ان لوگوں کی بہت عزت کرتا اور ان کی دل جوئی کے لئے اکثر ان کی غلطیاں نظر انداز کر دیتا۔

تھے۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ اس کا بیٹا اچھے کردار کا مالک نہیں اور خواہ مخواہ لوگوں سے جھگڑے مول لیا کرتا ہے لیکن تغلو جامو نے کل کے واقعے کو باپ کے سامنے ایسے انداز میں پیش کیا تھا جس سے اس کے خاندان کی توہین کا پہلو نکلتا تھا۔ لہٰذا وہ بولا اے تکریت کے حاکم ہم نہ تو اپنی خاندانی عظمت کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی ہمیں آپ کے ہمدردانہ سلوک سے کوئی شکوہ ہے لیکن چھوٹے سردار اسد الدین جس طرح گلی کوچوں میں ہمارے خاندان پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔ وہ ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اگر آپ کو یا قلعہ والوں کو یہاں ہمارا خاندانی وجود پسند نہیں تو حکم دیجئے ہم قلعہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جاتے ہیں لیکن چھوٹے سردار کا توہین آمیز رویہ ہم برداشت نہیں کر سکتے آخر ہم بھی تاتاری ہیں۔"

نجم الدین نے اس طویل گفتگو کے دوران میں کئی بار پہلو بدلا۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے لیکن اس نے بیچ میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا اور بڑے صبر سے سنتا رہا پھر اس نے سب پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "معزز شہریو۔ میرے دوستوں نے بڑی تفصیلی باتیں کیں مجھے آپ کے خلوص پر کوئی شبہ نہیں یقیناً آپ لوگوں کو اسد کے طرز عمل سے تکلیف پہنچی ہو گی' لیکن اس واقعے کی کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی جس نے آپ لوگوں کو میرے پاس آنے پر مجبور کیا۔ براہ کرم آپ واقعہ بتائیے اور اگر ثبوت میں عینی گواہ موجود ہوں تو انہیں بھی پیش کیجئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسد کی گستاخی اور زیادتی ثابت ہوئی تو وہ سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ آپ کو یہ بات دل سے نکال دینی چاہئے کہ میں آپ جیسے معززین کے مقابلے میں اپنے سرکش بھائی کی طرف داری کروں گا۔"

وفد میں سے ایک آدمی بولا۔ "سردار محترم' چھوٹے سردار اسد الدین یوں تو آئے دن ہمارے خاندان کی تذلیل کیا کرتے ہیں لیکن اب تو وہ ہمیں ایک عام شہری جیسے حقوق دینے پر بھی آمادہ نہیں۔ ہمارے چلنے پھرنے اور کہیں آنے جانے پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے۔"

ان کی شکایت کا مطلب نجم الدین کو اب بھی نہ معلوم ہو سکا تو وہ ذرا چڑ کر بولا۔ "دوستو! اتنی باتیں کرنے کے باوجود آپ لوگ اصل واقعہ بیان کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔"

تغلو جامو کے باپ نے ایک جھرجھری لی اور بولا۔ "محترم سردار۔ کل میرا لڑکا تغلو جامو ایک محلے میں گیا تھا وہاں چھوٹے سردار پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے میرے لڑکے کو حکم دیا کہ وہ اس محلے میں نہ آیا کرے اگر اس نے خلاف ورزی کی تو ہماری خاندان کو قلعے سے نکال دیا جائے گا۔ یہ تو سراسر زیادتی ہے۔"

نجم الدین نے کہا۔ "یہ زیادتی نہیں بلکہ ظلم ہے لیکن قلعے سے کسی کو نکالنے کا حق اسد الدین کو حاصل نہیں تاہم یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اسد نے آپ کے بیٹے کو اس محلے میں جانے سے کیوں روکا کیا نام ہے اس محلے کا؟"

جامو کے باپ نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ سردار محترم یہ بات بتاتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے لیکن آپ کے حکم کی تعمیل میں بتانا ہی پڑے گا تکریت میں ایک محلہ شکاراں ہے اس محلے میں ایک پرانا ایرانی خاندان آباد ہے چھوٹے سردار کا اس گھر میں آنا جانا ہے اب وہ چاہتے ہیں کہ اس محلے سے ان کے سوا کوئی دوسرا جوان گزر بھی نہ سکے۔"

نجم الدین اس انکشاف سے پانی پانی ہو گیا۔ تغلو جامو کے باپ نے جس انداز سے محلہ شکاراں کا ذکر کیا تھا اس سے نجم الدین کو اصل معاملہ سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی اسے اسد الدین سے ایسی توقع نہیں تھی نجم الدین اپنے بھائی کی سرکشی اور خود سری سے تو واقف تھا لیکن اسے یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ اسد اخلاقی طور پر اس قدر گر گیا ہے کہ اس نے کسی گھرانے میں علی الاعلان آنا جانا شروع کر دیا۔ اس نے ان لوگوں سے مزید تفصیل معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور سمجھ گیا کہ اسد اور تغلو جامو کے درمیان کوئی ایرانی لڑکی حائل ہے جس کا گھر محلہ شکاراں میں کسی جگہ واقع ہے اس نے بڑے خلوص سے اظہار ندامت کیا۔ معزز دوستو میں اسد الدین کی اس حرکت پر سخت نادم ہوں۔ میں اسے جو سزا دوں گا' وہ ایک الگ بات ہے لیکن آپ یقین رکھیے کہ آئندہ اسد کے قدم محلہ شکاراں میں نہیں جائیں گے۔"

آنے والے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے شکریہ ادا کیا اور خوشی خوشی واپس چلے گئے۔

ٹھیک اس وقت جب تکریت کے سابق حکمران خاندان کا زور نجم الدین سے اسد الدین کی جھوٹی سچی شکایت کنے میں مصروف تھا منجلا اسد الدین' آزوری کے گھر میں بیٹھا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گفتگو کر رہا تھا آزوری کے ہاتھوں میں اس کا وہ ہاتھ تھا جس نے اب تک شمشیر کے سوا کسی نرم چیز کو نہیں چھوا تھا کل کی ملاقات میں آزوری نے اسے جو پیام دیا تھا اس نے اسد الدین کے دل میں لطیف جذبات ابھار دیئے تھے اور آزوری کے قربت نے اس کے پتھر دل کو موم بنا دیا تھا۔ اسد الدین ہنستے ہوئے بولا۔ "اگر کل میرے پاس گھوڑا ہوتا تو تغلو جامو کو ایسا سبق دیتا کہ وہ عمر بھر یاد رکھتا۔ میرا خیال ہے' اب وہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

محبت سے سرشار آزوری نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا "منجلے' اس شہدے کے منہ نہ

لگا کرو۔ وہ بڑا خراب آدمی ہے۔"

"میں بھی تو خراب آدمی ہوں لوگ مجھے سرکش اور خود سر کہتے ہیں۔"

"لوگوں کے لئے تم کچھ بھی ہو لیکن میں نے تو تمہیں اپنے دل کا مالک بنا لیا ہے مجھ دھوکا تو نہیں دو گے۔" آزوری کی آواز جذبات سے بھرا گئی۔

"بہادر مرد زباں سے نہیں پھرا کرتے۔" اسد الدین نے اسے تسلی دی۔ "اپنے ماں باپ سے اجازت حاصل کر لو۔ میں بھی موقع دیکھ کر برادر محترم سے بات کروں گا۔"

آزوری بھاری پلکیں جھپکا کر بولی۔ "وعدہ کرو کہ روز آیا کرو گے۔"

"کیوں نہیں مرد کا وعدہ ہے اعتبار کرو۔" اسد الدین نے سینہ تان کر کہا۔

آزوری نے اسد الدین کے چوڑے چکلے سینے پر ہاتھ رکھ دیا لیکن کسی کے پیروں کی آہٹ سن کر جلدی سے کھینچ لیا۔ اچانک جورا گھبرائی ہوئی اندر آئی اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اسد اور آزوری بھی گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ آزوری کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ "صاحب جی صاحب جی۔" جورا کھڑے اکھڑے لہجے میں بولی۔ "آپ کے محل سے سوار آیا ہے بڑے سردار نے بلایا ہے' آپ کو۔"

"بڑے سردار نے!" اسد الدین کی زبان سے نکلا اور وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ جورا اور آزوری اسد الدین کو سوار کے ساتھ جاتے دیکھتی رہیں جورا خوف سے کانپ رہی تھی اور آزوری کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

نجم الدین برآمدے میں کھڑا اسد الدین کا انتظار کر رہا تھا اسد کو راستے میں سوار سے معلوم ہو گیا تھا کہ تغلو جامو کا باپ اور دوسرے عزیز اس کی شکایت لے کر آئے تھے اور یہ بلاوا اسی سلسلے کی کڑی ہے اسد قدرتی طور پر پریشان تھا بھائی کو برآمدے میں ٹہلتے دیکھ کر اس کی پریشانی اور بڑھ گئی اسد نے برآمدے میں داخل ہوتے وقت نظریں نیچی کر لیں۔

"کہاں گئے تھے اسد؟" نجم الدین کی گرجدار آواز گونجی۔

"گشت کرنے گیا تھا برادر بزرگ۔" وہ مردہ آواز میں بولا۔

"محلہ شکاراں گئے تھے؟" نجم الدین کے لہجے میں پہلے سے زیادہ گرج پیدا ہو گئی۔

"جی ہاں۔ برادر بزرگ۔" اسد کو انکار کرتے نہ بنا۔ سوار اسے محلہ شکاراں سے بلا کر لایا تھا۔ ایک سوار کیا' اسد کے تمام دوستوں اور محل کے بہت سے لوگوں کو اسد کے شکاراں جانے کا علم تھا۔ اس نے انکار کرنا مناسب بھی نہیں سمجھا۔

نجم الدین کا پارہ چڑھ گیا۔ "ایرانی خاندان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"ابھی تک تو کوئی تعلق نہیں؟ برادر بزرگ۔" اسد نے سادگی سے جواب دیا۔

"ڈوب مرو اسد الدین تمہیں یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آئی خوب کردوں کا نام اونچا لیا ہے۔" نجم الدین کا غصے سے حلق خشک ہو گیا "تمہاری آوارگی نے آج میرا سر نیچا کر یا۔"

لیکن برادر بزرگ۔" اسد نے ہمت کر کے کہا۔ "میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس ے آپ کا سر نیچا ہو۔ میں نے تو ایک مظلوم خاندان کی مدد کی ہے۔ اسے شہدوں سے بچایا ہے۔"

"چپ رہو۔" نجم الدین نے اسے ڈانٹ دیا۔ "عیب چھپانے کی کوشش نہ کرو میں ہیں اس قدر غیر ذمے دار نہیں سمجھتا تھا۔ تم کو کیا ہوا تمہیں ایرانی خاندان سے اتنی دردی جتانے کی کیا ضرورت تھی کہ لوگ تم پر انگلیاں اٹھانے لگیں۔ شریف لوگ اس اہ سے کترا کر نکل جاتے ہیں جدھر سے بدنامی اور رسوائی کی ہوا آنے کا بھی خدشہ ہو۔"

اسد الدین بہت تند خو اور بد مزاج تھا لیکن بڑے بھائی سے تکرار کرنے کی اس نے بھی پہلے کوشش کی تھی اور نہ ہی اس وقت اسے ہمت پڑی۔ نجم الدین دیر تک اسد کو ابھلا کہتا رہا۔ اس نے دم بھی نہ مارا۔ چپ چاپ کان دبائے سنتا رہا... پھر نجم الدین نے خری حکم سنایا۔ "اسد' کل سے تم گشت پر نہیں جاؤ گے۔ میں نہیں چاہتا کہ محلہ شکاراں ں تم آئندہ قدم بھی رکھو۔ امید ہے تم میری عزت کا خیال رکھو گے۔" وہ تو حکم سنا کر ر محل میں چلا گیا اور اسد الدین پر جیسے اوس پڑ گئی۔ مستقبل کے وہ قلعے جو کچھ دیر پہلے اپنی جان آرزو کے پاس بیٹھا تعمیر کر رہا تھا ہوائی قلعے ثابت ہوئے اور دھڑام سے اس ے قدموں میں آ گرے اس نے آج تک بھائی کے کسی حکم کی مخالفت نہیں کی تھی اس ے اس وقت بھی دل پر پتھر رکھا اور فیصلہ کیا کہ جب تک حالات سازگار نہیں ہوتے' وہ ہ شکاراں کا رخ نہیں کرے گا نجم الدین اور اسد الدین کی گفتگو سوائے دو پہریداروں کے ر کسی نے نہیں سنی تھی مگر تغلو جامو کو کسی نہ کسی طرح یہ خبر پہنچ گئی کہ اسد کو خوب نٹ پڑی ہے اور شکاراں میں اس کا داخلہ بند ہو گیا ہے۔

اسد الدین پر پابندی عائد ہونے سے آزوری اور اسد کی ملاقات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ن محبت وہ آگ ہے جو ایک بار بھڑک اٹھے تو اس کا بجھنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ آگ تو نوں طرف لگی تھی' آزوری کی تو خیر جوانی تھی اور عورت کی جوانی کو ایک مضبوط سہارے ا ضرورت ہوتی ہے۔ اسد سے زیادہ مضبوط سہارا اور کون ہو سکتا تھا لیکن اسد جیسا رکش بھی محبت کی وادی میں قدم رکھ کر واپس نہیں جا سکتا تھا۔ اسے ہجر و فراق کی لذت یز درد کی خبر نہیں تھی۔ پابندی عاید ہوتے ہی اس میں عاشقانہ خصلتیں اور عادتیں پیدا

ہو گئیں۔ اس نے بھائی کے حکم کی پوری پابندی کی لیکن اس سے اس کا دماغ بوجھل' دل اداس اور طبیعت چڑ چڑی ہو گئی۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت بھائی کے محل میں گزارتا نجم الدین کی رہائش کو محل کا نام کیوں دیا گیا اس کا بظاہر کوئی جواز نہیں تھا۔ اس میں صرف چار کمرے تھے خادموں کے لئے دیوار کے اس طرف چار چھوٹے چھوٹے کمرے تھے جن میں مشکل سے دو چارپائیاں بچھ سکتی تھیں ایک بڑے ہال میں اسلحہ خانہ تھا۔ شاید اس اسلحہ خانہ کی وجہ سے اسے محل قرار دیا گیا تھا۔ دوچار دن تو اسد کے بڑی پریشانی سے گزرے وہ کچھ کھویا سا رہتا یا اسے محسوس ہوتا جیسے اس کی کوئی چیز کھو گئی ہو... اور اس کے کھو جانے سے اس کی زندگی میں کسی چیز کی کمی آ گئی ہے آخر پانچویں دن آزوری کی خادمہ جورا پوچھتے پوچھتے اس کے پاس آئی کہتے ہیں کہ لیلی کا کتا بھی پیارا ہوتا ہے۔ اسد نے اسے دیکھا تو کھل اٹھا بڑی عزت سے بٹھایا اور کئی گھنٹے تک باتیں کرتا... پھر یہ سلسلہ چل پڑا۔ جورا روز آزوری کا پیغام لے کر اسد کے پاس آتی اور جواب لے جاتی۔ اس بلاواسطہ نامہ و پیام سے دونوں کو سکون ملنے لگا۔

ایک دن آزوری کی طبیعت بہت گھبرائی تو جورا کو ساتھ لے کر بازار گئی۔ آزوری کا باپ خسرو شیر کہیں گیا ہوا تھا۔ ماں نے منع بھی کیا لیکن آزوری ضد کر کے چلی گئی۔ جس دن سے اسد پر شکاراں آنے کی پابندی لگی تھی آزوری نے بازار جانا تو کجا ڈیوڑھی کے باہر بھی قدم نہ نکالا تھا آزوری نے نصف نقاب کے بجائے پورے چہرے کو سیاہ جالی کے نقاب سے پوشیدہ کر لیا لیکن ماہتابی کرنیں تو بادل میں بھی راستہ بنا لیتی ہیں۔ آزوری کے حسن کا چرچا بازار میں پہلے ہی تھا اور جب سے تغلو جامو اور اسد الدین کی چپقلش کا حال لوگوں کو معلوم ہوا تھا آزوری کے حسن میں آپ ہی آپ چار چاند لگ گئے تھے۔ ایک تو آزوری کا حسن چھپنے والا نہ تھا دوسرے جورا اس کے ساتھ تھی پھر بھلا بازار والے کیوں نہ پہچانتے اور ان کی نظریں اس طرف کیوں نہ اٹھتیں لیکن دیکھنے والوں کی نظریں سہمی سہمی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ اس چاند پر تغلو جامو جیسا گروہ بند بدمعاش یا حاکم قلعہ کا بھائی اسد الدین ہی کمند ڈال سکتا ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے اور ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتے آزوری بازار کی سیر اور خریداری میں مصروف تھی کہ تغلو جامو کے ایک ساتھی کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ بھاگا بھاگا شراب خانے پہنچا اور تغلو جامو کو خبر کر دی۔ شراب خانے عام تھے۔ تکریت میں مسلمانوں کے علاوہ مجوسی' نصرانی اور یہودی بھی آباد تھے۔ لوگوں میں شراب کا استعمال عام تھا۔ جامو مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا اٹھا تو اس کے پندرہ بیس ساتھی بھی اس کے ساتھ ہو لئے جب تک اسد الدین کا گشت جاری رہا' بدمعاش کونوں میں دبکے رہے۔ اس

پر پابندی لگتے ہی انہوں نے سر اٹھایا اور تغلو جامو کو اپنا سردار بنا کر ادھم مچانے لگے شہر کوتوال بھی ان لوگوں سے دبتا تھا وہ بڑا گھاگ تھا اسے علم تھا کہ محض ایک حکم کے تحت وہ معزول بھی کیا جا سکتا پھر وہ قلعے کے پرانے حاکم خاندان سے جھگڑا کیوں مول لیتا جہاں تک ممکن ہوتا وہ تغلو جامو کی حرکتوں سے چشم پوشی کرتا تھا۔

تغلو جامو نے آزوری کو بیچ بازار میں گھیر لیا۔ آزوری اور جورا بچنے کے لئے ادھر ادھر بھاگیں لیکن جامو نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا ایک تو نشے میں دھت دوسرے وہ پہلے سے خار کھائے ہوئے تھے۔ آج وہ تمام اگلے پچھلے حساب چکانے پر اترا نظر آتا تھا۔ آزوری پناہ کے لئے بھاگتی بھاگتی مسجد کے سامنے پہنچ گئی۔ مسجد اسے بہترین پناہ گاہ نظر آئی اس نے ادھر کا رخ کیا لیکن تغلو جامو نے اس کا راستہ روک لیا..... آزوری کو کوئی راستہ نظر نہ آیا تو لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئی اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ قریب کی دکان پر اسے ایک ڈنڈا پڑا نظر آیا آزوری نے دوڑ کر اسے اٹھا لیا۔ تغلو جامو اس کے پاس پہنچ گیا۔ آزوری ڈنڈا تانے کھڑی تھی اس نے چہرے سے نقاب اتار کر دور پھینک دیا اس کی آنکھیں خون کبوتر ہو رہی تھیں۔ تغلو اس کی طرف بڑھا۔ آزوری نے چیخ کر کہا۔ "خبردار آگے نہ بڑھنا سر پھاڑوں گی۔"

تغلو نے دانت نکال دیئے اور ہنس کر بولا۔ "آزوری تیرے ہاتھ میں یہ لکڑی اچھی نہیں لگتی۔ میرے بازوؤں میں آ جاؤ۔"

آزوری نے پوری قوت سے ڈنڈا تغلو کے سر پر مارا۔ مگر گھر میں رہنے والی لڑکی لڑنا کیا جانے۔ اس کا ساتھ بہک گیا۔ ڈنڈا سر کے بجائے شانے پر پڑا۔ تغلو نے ڈنڈا پکڑ لیا آزوری کے ہاتھوں میں نہ جانے کہاں سے طاقت آ گئی اس نے زور سے ڈنڈا کھینچا تغلو کے ہاتھ سے ڈنڈا چھوٹ گیا۔ آزوری نے اس پر وار کرنے شروع کر دیئے۔ تغلو اس کا ہر وار ہاتھوں پر روک لیتا۔

"دیکھو مان جاؤ' ورنہ نقصان اٹھاؤ گی آزوری۔" تغلو جامو نے وار روکتے ہوئے دانت پیس کر کہا۔

"میں عزت پر قربان ہو جاؤں گی' کمینے۔" آزوری تابڑ توڑ اس پر ڈنڈا برسا رہی تھی۔ مگر جامو تو جیسے لوہے کا بنا ہوا تھا۔ اس پر اثر ہی نہ ہوتا۔ آزوری اس پر وار کرتی جاتی اور پیچھے ہٹتی جاتی یہاں تک کہ وہ مسجد کے دروازے پر پہنچ گئی۔ نماز ختم ہوئی تھی۔ لوگ باہر نکل رہے تھے۔ انہوں نے ایک لڑکی کو اس بے کسی اور بے بسی کے عالم میں دیکھا تو حمیت ملی نے جوش مارا۔ کچھ دکاندار اور راہ گیر بھی آ گئے۔ ان سب نے مل کر تغلو جامو پر حملہ

بول دیا۔ تغلو جامو گھبرا کر بھاگا مگر بھاگتے بھاگتے اعلان کر گیا کہ "آج رات تیرے گھر میں آگ نہ لگا دوں تو تغلو جامو نہ کہنا".... پھر وہ اور اس کے ساتھی مجمع کو چیرتے ہوئے نکل گئے۔

آزوری کو چکر آ گیا جورا اسے سہارا دے کر ایک دکان پر لے گئی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے تب کہیں اسے ہوش آیا۔ پورے بازار میں خوف و ہراس پھیل گیا لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں جتنے منہ اتنی باتیں ایک نے کہا۔ "یہ سب شہر کوتوال کی کمزوری ہے اسے استعفا دے دینا چاہئے۔"

دوسرے نے خیال ظاہر کیا۔ "قصور تکریت کے حاکم کا ہے۔ اس نے غنڈے بدمعاشوں کو ڈھیل دے رکھی ہے۔"

ایک بزرگ بولے۔ "جب مسلمان راہ مستقیم سے ہٹ جاتے ہیں تو ان پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے عزت اور ناموس خطرے میں پڑ جاتی ہے۔"

..... پھر یہ طے پایا کہ اس کی اطلاع شہر کوتوال کو دینی چاہئے کوتوال کے پاس جانے سے لوگ ڈرے۔ ان کا خیال تھا کہ کوتوال سے شکایت کرنے سے تغلو جامو ان کا دشمن ہو جائے گا۔ وہ دوسروں کے جھگڑے میں کیوں ٹانگ اڑائیں لیکن حالات کی سنگینی دیکھتے ہوئے کچھ جی دار جوان اور بزرگ کوتوال کے پاس جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ آزوری کو حفاظت سے اس کے گھر پہنچا دیا گیا۔ پھر دس بارہ آدمی کوتوال کے پاس گئے کوتوال کو اس ہنگامے کی خبر مل چکی تھی۔ اس نے انہیں بڑی عزت سے بٹھایا اور بڑے غور سے باتیں سنیں۔ پھر یہ کہہ کر سب کو مطمئن کر دیا کہ وہ ابھی جا کر تغلو جامو اور اس کے گروہ کو گرفتار کرتا ہے لوگ اس یقین دہانی سے مطمئن ہو کر گھروں کو واپس چلے گئے۔

محلہ شکاراں میں کہرام برپا تھا۔ سب کی زبان پر ایک ہی بات تھی۔ "اب تکریت میں کسی لڑکی کی عزت محفوظ نہیں۔" ان کی بات بھی ٹھیک ہی تھی روز روشن میں سربازار ایسا ہنگامہ ہو تو لوگ اس کے سوا اور کیا کہیں گے۔ رات سر پر آئی تو لوگوں میں مزید ہراس پیدا ہوا تغلو جامو کے حملے کا خطرہ تھا لوگ شہر کوتوال کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے اس نے شکاراں کی حفاظت کا بھی وعدہ کیا تھا شہر کوتوال کیا اس کا کوئی ہرکارہ بھی نہیں آیا۔ رات گئے تک لوگ جگہ جگہ کھڑے باتیں کرتے رہے۔ جب بہت رات ہو گئی اور کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو لوگوں کو اطمینان ہو گیا اور وہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر سو گئے ... لیکن آزوری اور اس کے گھر والوں پر نیند حرام ہو گئی تھی۔ آزوری گھبرائی ہوئی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کہاں جائے۔ کس سے کہے کہ اسے تغلو جامو کے

طرف سے خطرہ ہے۔ اس کا دل کہتا ہے کہ تغلو آئے گا اور ضرور آئے گا۔ آزوری کا باپ خسرو شیر بیٹی سے خفا تھا اس کا خیال تھا کہ نہ آزوری بازار جاتی اور نہ یہ حادثہ پیش آتا آزوری کا خدشہ درست نکلا۔ رات کے سناٹے میں اسے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں تو دوڑ کر دروازے کی مجری سے گلی میں دیکھا کھمبوں سے لٹکی ہوئی لالٹینوں میں شمعیں ٹمٹما رہی تھیں، روشنی ہلکی تھی لیکن آزوری کو گلی میں کتنے ہی سوار داخل ہوتے دکھائی دیئے۔ آزوری چیخ مار کر دوڑی اور ماں سے لپٹ گئی اس نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ جورا نے دوڑ کر دیکھا اور وہیں سے آواز لگائی "تغلو جامو آ گیا۔"

خسرو شیر کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ آزوری کی ماں نے عقل سے کام لیا اس نے فوراً آزوری جورا اور بیٹے کو دیوار پر چڑھا کر دوسرے گھر میں اتار دیا۔ پھر خسرو شیر کو پچھلے دروازے سے باہر نکال کر اسے تاکید کی کہ فوراً حاکم قلعہ کے پاس جا کر خبر کرے مکان میں صرف آزوری کی ماں رہ گئی اچھا پڑوس خدا کی رحمت ہوتا ہے پڑوس کی خواتین نے پورا پورا تعاون کیا انہوں نے آزوری اور اس کے بھائی کو ایک کمرے میں چھپا دیا آزوری کے دماغ میں فوراً ایک خیال آیا تو اس نے جورا سے کہا۔ "شاید یہ میرا آخری کام ہے جس طرح ہو سکے منچلے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو آزوری کی عزت نیلام ہونے والی ہے۔ بچا سکتے ہو تو فوراً آؤ۔"

جورا سر پر پیر رکھ کر سیدھی محل کی طرف بھاگی۔

تغلو جامو اپنے پچیس سواروں کے ساتھ آزوری کے دروازے پر آیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی۔ "کون ہے؟" یہ آزوری کی ماں تھی۔

"دروازہ کھولو"۔ تغلو شیر کی طرح گرجا۔

"کس سے ملنا ہے؟" آزوری کی ماں نے دروازے کی اوٹ سے پوچھا۔

"میں تغلو جامو ہوں۔ دروازہ کھولو ورنہ آگ لگا دوں گا۔" وہ پھر گرجا۔

"کیوں آگ لگا دو گے ہم نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟" آزوری کی ماں بڑے استقلال سے باتیں کر رہی تھی۔ دراصل وہ تغلو کو باتوں میں لگا کر زیادہ سے زیادہ وقت لینا چاہتی تھی۔ تغلو نے دروازے پر ٹھوکر کو ماری۔ "کھولو دروازہ میں آزوری کو لے جاؤں گا۔"

"آزوری تو یہاں نہیں ہے بیٹے۔"

"کہاں گئی ہے وہ؟"

"اسے تو چھوٹا سردار اپنے ساتھ محل لے گیا۔"

"تو جھوٹی ہے۔" یہ کہتے ہوئے تغلو نے دروازے کو چار پانچ اور ٹھوکریں لگائیں۔

آزوری کی ماں حوصلے سے بولی۔ "بیٹا دروازہ کیوں توڑتے ہوا میں کھولے دیتی ہوں
تمہیں یقین نہ آئے تو اندر آ کر خود دیکھ لو۔"

آزوری کی ماں نے دروازہ کھول دیا۔ تغلو ننگی تلوار لئے اندر آگیا اس کے چار پانچ
ساتھی بھی گھس آئے۔ "کہاں چھپایا ہے آزوری کو؟" تغلو نے تلوار کی نوک بڑی بی کی
طرف کر دی۔

بڑی بی کے حوصلے میں کوئی فرق نہ آیا۔ بولیں۔ "میں نے بتایا تو ہے آزوری کو چھوٹا
سردار اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

جھوٹ بولتی ہے تو کب لے گیا وہ کتا؟ تغلو نے تلوار بڑی بی کی گردن سے لگا دی۔

"شام کو آیا تھا لے گیا۔" بڑی بی نے یوں کہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

تغلو جامو پاگلوں کی طرح گھر میں ادھر ادھر بھاگنے لگا کبھی اس کمرے میں کبھی اس
کمرے میں اس نے کونہ کونہ چھان مارا۔ آزوری وہاں ہوئی تو ملتی وہ تھک کر ہارے ہوئے
جواری کی طرح چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اور بولا۔ "ساری محنت اکارت گئی۔ وہ کتا ہم سے پہلے
پہنچ گیا۔"

اس کے ایک ساتھی نے تردید کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اسد یہاں
نہیں آیا۔ چراغ جلے تک میں گلی کی نکڑ پر تھا۔"

"پھر کہاں گئی آزوری۔" تغلو دل گرفتگی سے بولا۔

تردید کرنے والے نے کہا۔ "میرا خیال ہے اس بڑھیا نے اسے محلے میں کسی کے گھر
بھیج دیا ہے۔"

تغلو نے بڑھیا کے بال پکڑ کر جھٹکا دیا۔ وہ بے چاری زمین پر گر گئی۔ "کس کے گھر
بھیجا ہے آزوری کو؟" تغلو نے اسے زمین پر کھینچتے ہوئے کہا۔

آزوری کی ماں نے تحمل کی حد کر دی۔ اسی حوصلے سے بولی۔" جو بات تھی میں نے بتا
دی تمہیں یقین نہ آئے تو میں کیا کروں۔"

تغلو نے مجبور ہو کر اس کے بال چھوڑ دیئے اس کی چوری اور سینہ زوری کا یہ عالم کہ
وہیں جم کے بیٹھ گیا اور منصوبے بننے لگے۔ آزوری کو کس طرح برآمد کیا جائے؟ اگر
آزوری کو اسد الدین لے گیا تو کیا کیا جائے اور اگر وہ محلے کے کسی گھر میں پوشیدہ ہے تو
اسے کیسے پکڑا جائے؟ کس مکان کی پہلے تلاشی لی جائے؟ کیوں نہ محلے کے تمام لوگوں کو
نکال کر ایک جگہ کھڑا کر دیا جائے اور پھر تلاشی لی جائے انہیں کسی کا ڈر یا خوف نہیں تھا
یوں معلوم ہوتا تھا جیسے تکریت پر غنڈوں کی حکومت ہو محلے والے گھروں میں چھپکے پڑے

بی اپنی خیر منا رہے تھے۔ سب کو معلوم تھا کہ محلے میں غنڈے آئے ہوئے ہیں اور ایک
ھر میں زبردستی گھس گئے ہیں لیکن کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ہمت کر کے شیر کوتوال کے پاس
کر خبر کرتا۔

تغلو جامو ایک گھنٹے تک گھر میں ادھم مچاتا رہا محلے میں دندناتا رہا۔ اس نے آزوری
ے گھر کا تمام سامان نکال کر باہر پھینک دیا۔ اس کی ماں کو ڈرایا یا دھمکایا دو چار ہاتھ بھی
ڑ دیئے۔ بڑھیا بڑی جیدار تھی وہ مار کھاتی رہی اور بڑبڑاتی رہی لیکن دل کا بھید نہ دیا اور
ہی آزوری کا صحیح پتہ بتایا بس یہی رٹ لگاتی رہی کہ آزوری کو چھوٹے سردار اپنے ساتھ
لے گئے ہیں تغلو جامو نے تھک ہار کر ایک ایک گھر کی تلاشی کا فیصلہ کیا اسے یقین ہو گیا
ہ آزوری اسی محلے میں ہے غنڈوں نے پورے محلے کو گھیرے میں لے لیا۔ منصوبے کے
طابق تلاشی برابر والے مکان سے شروع ہونا تھی۔ اسی مکان میں آزوری پوشیدہ تھی۔
روازے پر دستک ہوئی گھر والوں کا جیسے دم ہی نکل گیا۔ انہیں اپنی موت سامنے کھڑی نظر
ئی لیکن جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے تغلو جامو کے ساتھی دیوار پھاند کر اندر جانے کی
ر میں تھے کہ محلہ شکاراں میں ایک تیز رفتار سوار داخل ہوا تغلو نے دور ہی سے اسے
پان لیا یہ اس کا دشمن اور آزوری کا منچلا شمشیر زن اسد الدین تھا۔ "اسد الدین گھوڑا
ھا کر تغلو جامو کے سر پر پہنچ گیا۔ تغلو بھی گھوڑے پر بیٹھ گیا تھا اس کے تمام ساتھیوں
نے بھی اپنے اپنے گھوڑے سنبھال لئے تھے۔ اسد الدین کا نام سن کر محلے والوں کو بھی
صلہ ہوا اور انہوں نے دروازوں سے جھانکنا شروع کر دیا۔ بعض کوٹھوں پر بھی چڑھ
ئے۔ اسد الدین کا اس موقع پر آزوری کے مکان تک پہنچنا دراصل جورا کی کوششوں کا
جہ تھا۔ آزوری کا پیغام ایسا نہ تھا کہ اسد الدین تڑپ نہ اٹھتا۔ وہ اصول اور قول و قرار
ے تمام بندھن توڑ کر آ گیا تھا۔

آخری دنوں کا چاند پیڑوں سے جھانکتا ہوا بلند ہو گیا اور ہر طرف روپہلی چاندنی پھیل
ئی تغلو جامو اور اسد ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ تغلو کے ساتھی اسد
ے گرد گھیرا ڈالنے کی فکر میں تھے منہ سے کوئی نہ بولا لیکن خاموش گھورتی نگاہوں نے
لان جنگ کر دیا۔ اسد الدین کے پہنچنے کے چند لمحے بعد ایک اور سوار آ گیا۔ یہ اس کا
ادار خادم تھا۔ خادم نے یہ رنگ دیکھا تو گھوڑا بڑھا کر اسد کے پاس پہنچ گیا اور اس کی
ت پر کھڑے ہو کر مورچہ سنبھال لیا۔ اسد کو سخت غصہ تھا۔ اس کی آنکھوں سے آگ
ل رہی تھی لیکن اسے آزوری کی زندگی اور عزت عزیز تھی۔ اس نے ضبط سے کام لیا
ر مصالحانہ انداز میں بولا۔ " تغلو جامو آزوری کو میرے حوالے کر دو۔ اگر تم نے اس کی

آبرو پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی نہیں کی ہے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔"

تغلو جامو کو اپنے ساتھیوں کا زعم تھا۔ اس نے ایک بھیانک ہنقہہ لگایا اور بولا۔ "ا ہوا تم خود آ گئے۔ مکاری سے کام نہ لو۔ آزوری تمہارے پاس ہے میں اسے ہر حال حاصل کر کے رہوں گا۔ میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ آزادی کو واپس کرتے ہو نہیں؟"

اسد کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹنے لگا۔ اس نے گرج کر کہا۔

"بکواس نہ کر تغلو میری پیش کش سے فائدہ اٹھاؤ ورنہ زندہ بچ کر نہیں جا سکو گے۔"

تغلو جامو نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔ "شکار خود جال میں آ گیا ہے اب مجھ سے جا کی امان مانگ اور آزوری کو واپس کرتے ہو یا نہیں۔"

اسد کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹنے لگا اس نے گرج کر کہا۔ "بکواس نہ کر تغ میری پیشکش سے فائدہ اٹھاؤ اور نہ زندہ بچ کر نہیں جا سکو گے۔"

تغلو جامو نے ایک اور قہقہہ لگایا اور کہا۔ "شکار خود جال میں آ گیا ہے۔ اب مجھ جان کی امان مانگ اور آزوری کو واپس کر دے۔

"آزوری کے گھر پر تو نے حملہ کیا ہے۔"

"لیکن آزوری کو تو پہلے ہی لے بھاگا ہے۔" یہ کہتے ہوئے تغلو نے اسد پر حملے کے لئے اپنا گھوڑا بڑھایا اسی وقت ایک آواز بلند ہوئی جس نے تغلو جامو اور اسد دونوں کو حیرت میں ڈال دیا یہ آزوری کی آواز تھی وہ اپنے کوٹھے پر کھڑی چاند کی خنک روشنی میں ننگی تلوار لہرا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "آزوری کس کے پاس نہیں آزوری تو زندگی او موت کی کشمکش میں ہے۔" پھر آزوری نے اسد کو آواز دے کر کہا منچلے شمشیر زن آزوری کی عزت بچا سکتے ہو تو بچا لو ورنہ وہ اپنی آبرو پر خود قربان ہو جائے گی۔"

"تیری عزت میری زندگی ہے آزوری "اسد الدین نے نعرہ لگایا اور تغلو جامو پر اتن سخت حملہ کیا کہ وہ روکتے روکتے بیس قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اگر اس کے ساتھی درمیان میں نہ آ جاتے تو پہلے ہی وار میں تغلو کا خاتمہ ہو جاتا۔ شکاراں کے تمام مرد' عورتیں اور بچے کوٹھوں پر امڈ آئے۔ انہوں نے ایسا تماشہ اور ایسی لڑائی کبھی نہ دیکھی تھی۔ ایک طرف پچیس سوار اور دوسری طرف منچلا اسد اور اس کا ملازم۔ اسد پورے قلعے میں شمیر زن مشہور تھا۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ واقعی شمشیر زن ہے اسد جلد سے جلد تغلو خاتمہ کر کے اس جھگڑے کو نمٹا دینا چاہتا تھا لیکن تغلو کے ساتھی بار بار سامنے آ کر اس کا راستہ روک لیتے تھے .... پھر انہوں نے اسد اور تغلو کے درمیان ایک دیواری کھڑی کر

دی۔ آزوری کوٹھے پر جھکی اپنے منچلے کی شمشیر زنی دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی پھر اس نے دیکھا کہ اس نے تغلو کے محافظوں کی دیوار توڑ دی۔ اس کے سامنے کے دو سوار مارے گئے اور اسے راستہ مل گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسد کی تلوار چمک کر تغلو پر گری۔ یہ موت کا پیغام تھا تغلو کا ایک بازو کٹ کر دور جا گرا پھر دوسرے وار نے تغلو کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

تغلو جامو کا انجام دیکھ کر اس کے باقی ساتھی سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ آزوری کوٹھے سے گلی میں کود پڑی اور دوڑ کر اسد کے پاس پہنچی اس نے گھوڑے سے اتر کر آزوری کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ محلے والے جواب تک ڈرے ڈرے سے کوٹھوں پر کھڑے تھے خوشیاں مناتے اور تالیاں بجاتے ہوئے اسد کے پاس آ گئے اسد کا بڑا بھائی حاکم قلعہ تکریت نجم الدین ایوب جس وقت اپنے سواروں کے ساتھ محلہ شکاراں میں پہنچا تو تغلو جامو کا قصہ پاک ہو چکا تھا۔ محلے والوں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور اسے اسد الدین کی غیر معمولی بہادری اور تغلو جامو کی حرکت سے آگاہ کیا۔ نجم الدین نے اسد کو شکاراں جانے سے منع کیا تھا۔ اسے اسد کے بغیر اجازت یہاں آنے سے پہلے صدمہ ہوا لیکن جب لوگوں نے اسد کو اپنا نجات دہندہ بتایا تو اس کی خفگی کچھ کم ہو گئی۔ نجم الدین گھوڑا بڑھا کر اسد الدین کے پاس پہنچا۔ آزوری کا باپ اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ اسد الدین نے بھائی کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی اس کی نظر حیا اور احترام سے اوپر نہ اٹھتی تھی۔ پھر غضب یہ تھا کہ آزوری اس سے بالکل جڑی کھڑی تھی۔ نجم الدین نے مسکرا کر کہا۔ "اسد۔ سر اوپر اٹھاؤ جو ہوا اچھا ہوا۔ میں خوش ہوں۔"

اسد الدین کا خون خشک ہو رہا تھا۔ بھائی کے نرم لہجے نے اسے ہمت دی۔ اس نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ بھائی کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔ اسد کا خوف تو دور ہو گیا لیکن آزوری کی موجودگی کی وجہ سے اس پر شرم غالب تھی۔ نجم الدین نے آزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ لڑکی....؟"

آزوری کا باپ نجم الدین کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔ "یہی میری بیٹی آزوری ہے سردار محترم۔"

نجم الدین نے "ہوں" کہا پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "خسرو شیر۔ اپنے بال بچوں کو لے کر محل میں آ جاؤ۔"

تغلو جامو کے مارے جانے کے بعد قلعے میں امن و سکون ہو گیا۔ آئے دن کے

جھگڑوں کا خاتمہ ہو گیا۔ قلعے کے سابق حکمران خاندان کا زور ٹوٹ گیا۔ انہیں مقتول کے ح میں کوئی گواہ نہیں ملا۔ اس لئے انہوں نے قاضی کے سامنے قتل کا مقدمہ پیش کرنے ے بھی گریز کیا۔ نجم الدین نے کوتوال شہر کی غفلت اور نا اہلی کی بنا پر اسے معزول کر کے اس کے نائب کو اس کی جگہ مقرر کیا جس نے جامو کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کرکے قرار واقعی سز دلوائی۔ نجم الدین نے خسرو شیر کی رضامندی سے آزوری اور اسد کے نکاح کی تاریخ مقر کر دی نجم الدین ان دنوں اس لئے اور زیادہ جوش تھا کہ اس کے گھر خوشی ہونے وا تھی اس کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ اس دفعہ اسے خدا کی ذات سے لڑکا پیدا ہونے ک پوری امید تھی۔

قلعہ تکریت شمعوں اور چراغوں سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ محل کے ایک کمرے میں مہمان جمع تھے اسد الدین کے نکاح کے لئے قاضی صاحب تشریف لا چکے تھے۔ نجم الدین کی خوشی کا کیا پوچھنا ایک تو بھائی کی شادی' دوسرے تکریت کی تمام دائیاں نجم الدین کی بیوی کے گرد جمع تھیں اور ایک نومولود کی پہلی آواز کا انتظار کر رہی تھیں۔ ادھر اسد الدین کا نکاح ہوا ادھر زنان خانے سے ایک خادمہ نے آکر نجم الدین کو ایک چاند سے بیٹے کی خبر دی۔ نجم الدین خوشی سے پھولا نہ سمایا اسے دہری مبارک بادیں مل رہی تھیں۔ لیکن .... لیکن یہ بزم نشاط ایک لمحے میں درہم برہم ہو گئی۔

نجم الدین کو محل کے ایک خادم نے اطلاع دی کہ مجاہد الدین بہروز کا قاصد آیا ہے اور فوراً ملاقات کا خواہش مند ہے۔ مجاہد الدین بہروز بغداد گورنر تھا۔ اسی نے نجم الدین کے باپ کو تکریت کا قلعہ دار مقرر کیا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد قلعے کا حاکم نجم الدین ہوا تھا نجم الدین کا ماتھا ٹھنکا اور اس وقت تو اس پر ہر بات بالکل عیاں ہو گئی جب وہ قاصد سے ملنے پہنچا اور اسے قاصد کے ساتھ تغلو جامو کا باپ بیٹھا ہوا دکھائی دیا تغلو جامو کا باپ بڑے متکبرانہ انداز میں اپنی لمبی مونچھیں مروڑ رہا تھا۔ قاصد نے سلام کر کے ایک سربمہر لفافہ نجم الدین کی طرف بڑھایا۔ نجم الدین نے خط کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

"نجم الدین ہم نے تمہارے باپ کو تکریت کا قلعہ دیا۔ اس کے بعد تمہیں قلعے کا حاکم مقرر کیا لیکن تم نے ہمارے احسانوں کو بھلا دیا۔ پے در پے ایسے کام کئے جو ہمارے مزاج کے خلاف تھے۔ اب تمہارے نالائق بھائی نے تکریت کے پرانے حکمران خاندان کے ایک جوان کو بلاوجہ قتل کر دیا۔ تکریت میں دہشت پھیلائی تم اپنے عہدے سے معزول کئے جاتے ہو۔ تکریت کا قلعہ دوبارہ پرانے حکمران کو دیا جاتا ہے۔ مقتول کا باپ قاصد کے ساتھ آ رہا ہے قلعہ اور اسلحہ خانہ کی چابیاں اس کے حوالے کر دو۔ مزید یہ کہ جس وقت

تمہیں یہ خط ملے' اگر دن ہے تو غروب آفتاب سے پہلے اور اگر رات ہو تو آفتاب نکلنے سے پہلے تم قلعہ تکریت چھوڑ دو۔"

جمال الدولہ مجاہد الدین بہروز

بہروز اور نجم الدین میں اختلاف کی بنیاد اسی رات پڑ گئی جب نجم الدین نے عماد الدین زنگی اور اس کے شکست خوردہ لشکر کو قلعہ تکریت میں پناہ دے کر اس کی خاطر و مدارت کی تھی۔ مجاہد الدین بہروز اور عماد الدین زنگی دونوں اس دور کے بڑے جلیل القدر امیر تھے لیکن ان دونوں میں کبھی نہ بنتی تھی اور ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے رہتے تھے۔ بہروز کو جب معلوم ہوا کہ زنگی کو قلعہ تکریت میں پناہ دی گئی ہے تو وہ نجم الدین پر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا لیکن وہ اعلانیہ زنگی کی بھی مخالفت نہیں کرنا چاہتا تھا اس وقت تو بہروز خاموش ہو رہا۔ لیکن جب تغلو جامو کے باپ نے اس کے سامنے جا کر اپنے بیٹے کے قتل کا رونا رویا تو بہروز کو ایک اچھا موقع ہاتھ آ گیا اور اس نے اس قتل کو بہانہ بنا کر نجم الدین کو تکریت کی قلعداری سے معزول کر دیا۔ نجم الدین نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا۔ وہ اندر گیا' قلعے اور اسلحہ خانے کی چابیاں لا کر قاصد کے حوالے کر دیں پھر اسی رات بغیر احتجاج کئے اپنے اور خسرو شیر کے خاندان سمیت دجلہ پار کر گیا صبح کو جب سورج کی کرنیں پھوٹیں نجم الدین نے پلٹ کر دیکھا تکریت کے قلعے کا سب سے اونچا برج اسی طرح سربلند نظر آ رہا تھا۔ اسد الدین کا عقد اور اس بچے کی پیدائش بظاہر ایک بدشگونی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ بدشگونی ایک ایسے شگون میں بدل گئی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ منچلا شمشیر زن اسد الدین اس قلعے سے نکل کر شیرکوہ کے نام سے مشہور ہوا اور فاتح مصر کہلایا اور نو مولود بچہ آگے چل کر مجاہد اکبر صلاح الدین ایوبی بنا جس نے صلیبوں کے چھکے چھڑا دیئے اور مصر میں سلطانت ایوبیہ کی بنیاد رکھی۔

تکریت سے نکل کے نجم الدین ایوب نے موصل کا رخ کیا۔ والی موصل عماد الد زنگی پر نجم الدین نے بڑا احسان کیا تھا۔ نجم الدین نے عماد الدین اور اس کے مختصر لشکر قلعہ تکریت میں اس وقت پناہ دی تھی جب اس کے پیچھے دشمن کا لشکر لگا تھا۔ اگر الدین اپنے قلعہ میں پناہ نہ دیتا تو عماد الدین کو یقیناً" اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتے۔

چنانچہ جب نجم الدین ایوب اپنے خاندان کے ساتھ موصل پہنچا تو عمادالدین نے ا لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس احسان کا بدلہ عماد الدین نے یوں دیا کہ نجم الدین کو اپنی فو میں داخل کر کے اسے جاگیر عطا کی۔ پھر عماد الدین نے بعلبک پر قبضہ کیا تو اس نے الدین کو وہاں کا قلعدار بنا دیا اور اس کے چھوٹے بھائی اسد الدین کو اپنے بیٹے شہزادہ ن الدین کی خدمت پر مامور کیا۔

اس وقت مشرق وسطیٰ میں بڑی بڑی عیسائی سلطنتیں قائم تھیں جو ایک کڑی کی طر شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ شمال میں الرہا (اڈیسہ) عیسائیوں کی بڑی مضب سلطنت تھی۔ اس کے علاوہ انطاکیہ اور یروشلم کی عیسائی ریاستیں تھیں جو دن را مسلمانوں کو تنگ کرتی رہتی تھیں۔ مسلمانوں کی طاقت ختم ہو چکی تھی۔ عیسائیوں ۔ ۱۰۹۸ء میں مسلمانوں کو بیت المقدس سے بے دخل کر کے ان کا قتل عام کیا تھا۔ پ مسلمانوں کا ایسا شیرازہ بکھرا کہ وہ عیسائیوں کے غلام ہوتے چلے گئے۔

امیر عماد الدین وہ پہلا مسلم فرمانروا تھا جس نے موصل کی مختصر سی حکومت کے باو عیسائیوں کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم کیا اور الرہا کی مضبوط عیسائی سلطنت کا خاتمہ کے اس پر قبضہ کرلیا۔ الرہا پر مسلمانوں کے قبضہ سے مشرق وسطیٰ اور یورپ کے عیسائیو میں تہلکہ مچ گیا۔ نصرانی شہنشاہ قسطنطنیہ، یورپ اور ایشیا کے عیسائی حکمرانوں کے ساتھ ا کو عماد الدین زنگی سے آزاد کرانے کے لئے آیا۔ اس کے ساتھ ایک بڑا لشکر تھا اور ا مشرق وسطیٰ کے تمام عیسائی حکمرانوں کی مدد اور تعاون حاصل تھا۔ مگر عماد الدین نے ا میدان چھوڑ کے بھاگنے پر مجبور کردیا۔

اس طرح مشرق وسطیٰ میں ایک بار پھر صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ امیر ع الدین اور اس کے مجاہدانہ کارناموں خاص کر فتح الرہا کے مکمل اور مفصل حالات پڑھنے ۔ لئے میرا ناول "فاتح الرہا" کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ (الماس ایم اے)۔

امیر عماد الدین اور عیسائیوں کی بہت سی لڑائیاں ہوئیں مگر عیسائی اسے نقصان نہ پ سکے۔ پھر امیر عماد الدین اپنے غلاموں کے ہاتھوں قلعہ جعبر پر قتل ہوگیا۔ اس کے بعد ا

کا بیٹا نور الدین تخت نشین ہوا۔ نور الدین بڑا زبردست بادشاہ ہوا تھا۔ اس نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور آس پاس کے تمام مسلم علاقوں کے سرداروں کو جو آپس میں لڑا کرتے تھے، اپنے ساتھ ملا لیا یا ان کا خاتمہ کردیا پھر ایک عظیم سلطنت قائم جس کا دارالسلطنت دمشق ہوا۔

اسد الدین جو اب شیرکوہ کے نام سے مشہور ہوا تھا وہ سلطان نور الدین کی خدمت میں رہا۔ وہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ بہادر اور سلطان نور الدین زنگی کی فتوحات میں اس کا دست راست تھا۔ نور الدین زنگی نے شیرکوہ اور نجم الدین کی خدمات کے صلہ میں دونوں بھائیوں کو دمشق میں بڑی جاگیریں دیں۔

نجم الدین ایوب کا نامور بیٹا صلاح الدین اس وقت صرف نو سال کا تھا۔ وہ ایک تنوطیت پسند، خاموش طبیعت اور مذہب سے دلچسپی رکھنے والا لڑکا معلوم ہوتا تھا۔ صلاح الدین جامعہ دمشق میں علماء کے وعظ سننے میں زیادہ وقت گزارتا تھا۔ اس کے والدین اپنے بیٹے کے اس رویہ سے بہت مایوس تھے۔

شیرکوہ نے جس وقت صلاح الدین کو سلطان نور الدین کی خدمت میں پیش کیا اس وقت اس کی عمر سترہ سال ہو چکی تھی۔ صلاح الدین نے اس وقت تک سوائے فوجی تربیت حاصل کرنے کے کسی جنگ میں حصہ نہ لیا تھا مگر جب نور الدین زنگی نے اس نوجوان کو دیکھا تو نہ معلوم اس جوان میں کیا نظر آیا کہ اس نے صلاح الدین پر خصوصی توجہ دینا شروع کی اور اسے حکم دیا کہ وہ یعنی صلاح الدین خود کو اس کے (سلطان) کے روپ میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔

سلطان نور الدین زنگی، امیر زادے صلاح الدین کو سلطان کے پیکر میں ڈھالنے کی ہدایات دے کر اس کی طرف سے ایسے غافل ہوئے کہ آئندہ دس برس تک پھر صلاح الدین کا نام تاریخ کے صفحات میں کسی جگہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ یہاں تک کے 1164ء کا سال آیا جب مصر میں ایک ایسا انقلاب آیا کہ وہاں کا وزیر سلطنت دمشق آیا اور سلطان نور الدین زنگی سے فوجی امداد کا طالب ہوا۔

مصر پر صدیوں سے ایک ایسے خاندان کی حکومت تھی جو حضرت فاطمہ کی نسل سے ہونے کی وجہ سے بنو فاطمہ کہلاتے تھے۔

اس طرح بغداد میں اہل سنت کی خلافت عباسیہ اور قاہرہ (مصر) میں خلافت فاطمیہ یعنی اہل تشیع کی خلافت تھی مگر اس دور میں بغداد کے عباسی اور قاہرہ کے فاطمی خلیفہ صرف برائے

نام خلیفہ ہوتے تھے۔ بغداد خلیفہ کسی سلطان کے زیر سایہ حکومت کرتے تھے اور فاطمی خلیفہ اپنے وزیراعظم جسے وزیر السلطنت کہا جاتا تھا کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔

سلطان نور الدین کا بغداد کی عباسی خلیفہ سے تعلق تھا۔ اس لئے سلطان نور الدین فطری طور پر قاہرہ پر قبضہ کر کے فاطمی خلافت کے بجائے وہاں بھی عباسی خلافت کا پرچم اڑانا چاہتا تھا اور شاید اسی جذبہ کے تحت اس نے مصری وزیر السلطنت کو فوجی مدد دی اور مصری وزیر نے شامی فوج کی مدد سے اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرلیا مگر اقتدار حاصل کرنے کے بعد مصری وزیراعظم نے بے وفائی کی اور معاہدہ کے مطابق مصری علاقے سلطنت دمشق میں شامل کرنے کے بجائے شامی امدادی لشکر اور ان کے سرداروں کو قتل کرنے کی سازش کی مگر وہ بچ کے دمشق واپس پہنچ گئے۔

سلطان نور الدین نے اس سے بے وفائی کی یہ سزا دی کہ وہاں ایک بڑا لشکر بھیجا گیا۔ شامی لشکر کے مصر پہنچنے سے پہلے ہی مصری وزیر سلطنت نے نصرانی شاہ ایمالرک جو یروشلم (بیت المقدس) کا بادشاہ تھا اس سے معاہدہ کیا اور اپنی مدد کے لئے عیسائی لشکر بلوالیا۔ ادھر شامی لشکر اسد الدین شیرکوہ کی سرکردگی میں مصر پہنچا۔ اس لشکر میں اسد الدین شیرکوہ کا نوجوان بھتیجا صلاح الدین ایوبی بھی شامل تھا۔ نوجوان صلاح الدین مصر آنے پر کسی طرح تیار نہ ہوتا تھا اور اس کا چچا اسے زبردستی اپنے ساتھ لایا تھا۔

یہ صلاح الدین کی قسمت تھی کہ جس مصر جانے سے وہ انکار کر رہا تھا اس مصر نے اس کے قدم چومے اور اس کے لئے ترقی کے راستے کھول دیئے۔ شیرکوہ نے مصری اور عیسائی مشترکہ لشکر کو میدان میں شکست دے کر دارالوزارت پر قبضہ کرلیا اور مصر کا دھوکہ باز وزیر مارا گیا۔ مصر کے فاطمی خلیفہ العاضد نے شیرکوہ کو قصر خلافت میں بلا کر قلمدان وزارت اس کے سپرد کردیا۔ شیرکوہ زندہ نہ رہ سکا۔ اس کے بعد مصر کی وزارت صلاح الدین کی جھولی میں آگئی۔

سلطان نور الدین زنگی نے جو لشکر فتح مصر کے لئے شیرکوہ کے ساتھ بھیجا تھا۔ اس میں سلطان کے کئی بڑے بڑے امرا جو امرائے نوریہ کہلاتے تھے شامل تھے۔ جب اسد الدین شیرکوہ کا انتقال ہوا اور مصر کے نئے وزیراعظم کے انتخاب کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اس وقت دمشق سے آنے والے ہر امیر کا یہ خیال تھا کہ اس عہدے کے لئے اسے منتخب کیا جائے گا۔ مگر صلاح الدین جو عمر میں تمام امرائے نوریہ سے کم تھا' اس نے مصر میں قیام کے دوران نصرانیوں اور بعض مصری مخالف امیروں کو کئی بار میدان جنگ میں شکست دی تھی۔ اس [illegible] پر امرا نے کمسن صلاح الدین کو مصر کا وزیراعظم منتخب کیا۔

صلاح الدین کے وزیراعظم ہو جانے سے کئی شامی امرا صلاح الدین کے خلاف ہو گئے۔ بعض نے صلاح الدین کے ماتحت کام کرنے سے انکار کردیا اور دمشق واپس چلے گئے مگر مصر میں کچھ ایسے امیر بھی تھے جو بظاہر صلاح الدین کی حمایت کرتے تھے مگر درپردہ سلطان دمشق کو خطوں کے ذریعہ صلاح الدین سے بھڑکاتے رہتے تھے۔ صلاح الدین نے اپنے اہل خاندان کو مصر بلوالیا تھا۔ اس کا باپ نجم الدین ایوب زندہ تھا اور مخالف سرداروں کی چالوں کا جواب دیتا تھا۔ اس طرح صلاح الدین مصر میں محفوظ رہا ورنہ امرا نے تو سلطان کو اس کے اس قدر خلاف کردیا تھا کہ سلطان دمشق سے لشکر لے کر مصر جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا مگر نجم الدین ایوب نے ایک سیاسی چال چل کے سلطان کو مصر آنے سے روک دیا۔

یہ سب کچھ ہوا مگر صلاح الدین مصر ہی کا ہو کر رہ گیا اور سلطان نور الدین زنگی کی زندگی میں وہ دمشق واپس نہ آسکا۔ اب سلطان نور الدین کا انتقال ہو گیا تھا اور صلاح الدین مصر سے دمشق آنے کی تیاریاں کررہا تھا۔ آیئے اب آپ آگے کے حالات ملاحظہ فرمایئے۔

نوٹ ـــ اگر آپ سلطان نور الدین زنگی اور صلاح الدین کے ابتدائی حالات کے بارے میں زیادہ تفصیل معلوم کرنا چاہیں تو میرا ناول "سلطان نور الدین زنگی" کا ضرور مطالعہ کیجئے۔

(الماس)

صلاح الدین کے مصر میں وزیر ہونے کے دوران کئی بغاوتیں ہوئیں۔ سب سے بڑی بغاوت سوڈانیوں کی تھی۔ سوڈانی مصری حکومت پر چھائے ہوئے تھے۔ موتمن خلافت یعنی داروغہ محلات شاہی بھی ایک سوڈانی تھا۔ اس کا نام نجاح تھا۔ دوسرے مصری سرداروں کی طرح نجاح بھی صلاح الدین کی وزارت پسند نہ کرتا تھا اور ہر سازش میں پیش پیش رہتا تھا۔

اس دفعہ جو سازش کی گئی اس میں نجاح کا نام سرفہرست تھا۔ تمام سازشی شہر سے باہر ایک محل میں جمع ہوئے۔ اس مجلس میں شاہ یروشلم کا ایک نمائندہ بھی موجود تھا۔ خوب گرما گرم بحث و مباحثہ کے بعد صلاح الدین کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا۔ مگر عین موقعہ پر سازش کھل گئی۔ کچھ سازشی معزول ہوئے اور کچھ قتل ہوگئے اور باقی گرفتار کرلئے گئے۔

شہر میں اتنا بڑا انقلاب آیا۔ شاہی محلات کا پرسکون ماحول میدان جنگ میں تبدیل ہوگیا۔ موتمن الخلافت جسے مصر کا سب سے زیادہ طاقتور انسان سمجھا جاتا تھا۔ صرف وہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ مصر کے بہت سے جلیل القدر امراء بھی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ قصر خلافت اور محلات شاہی کی پوری وزارت تبدیل ہوگئی سوڈانی نکالے گئے اور دوسری قوموں کی کنیزیں اور

غلام ان کی جگہ مقرر ہوگئے یہ تبدیلی ناممکن معلوم ہوتی تھی لیکن پر عزم وزیر اعظم صلاح الدین
کے لئے ہر ناممکن چیز ممکن ہوگئی اور اس نے مصری حکومت پر اپنے قدم جما لئے۔
یہ سب کچھ ہوا لیکن قاہرہ کے قصر خلافت کے مالک فاطمی خلیفہ عاضد کو ان معاملات کی ذرہ برابر
خبر نہ ہو سکی حالانکہ یہ حقیقت تھی کہ حریم خلافت کے بڑے اور چھوٹے ہر خادم اور ہر کنیز
ان تمام اہم تبدیلیوں کا علم تھا لیکن ان کی زبانوں پر تالے لگا دیئے گئے بلکہ یوں کہنا چاہئے
حریم خلافت کے ہر فرد و بشر نے خود اپنے مفاد میں اپنی زباں بندی کر لی تھی وہ سب کچھ جا
ہوئے بھی خلیفہ محترم کو اصل حالات سے آگاہ نہیں کر رہے تھے کیونکہ اس میں خود ان کا ن
تھا۔

قاضی القضاۃ جلیس بن عبد القوی کو بھی قضا کے عہدے سے استعفا دینا پڑا تھا اس۔
خلیفہ سے سفارش کرا کے خود کو حریم خلافت سے وابستہ کر لیا تھا اب وہ صرف خلیفہ کا صلاح
کار اور مشیر تھا جو ہر استاد نے بھی حکومتی جھگڑوں سے دامن بچا کر اپنے آپ کو خلیفہ کی ذات
سے منسلک کر دیا تھا۔ خلیفہ کے مصاحبین کا تیسرا ستون جو سب سے اہم تھا یعنی موتمن
الخلافت نجاح جو داروغہ محلات کے علاوہ خلیفہ کا خسر بھی تھا اسے غداری کی سازش میں سو
چڑھا دیا گیا تھا جو ہر استاد اور جلیس بن عبد القوی ہی اب حریم خلافت کے کرتا دھرتا تھے اور ا
دو امیروں کے ذریعے خلیفہ اور وزیر اعظم صلاح الدین میں رابطہ قائم تھا جلیس بن عبد القوی
اور جوہر استاد نے وزیر اعظم سے درخواست کی تھی کہ شاہی محلات یا ان کے باہر کی تمام
تبدیلیوں سے خلیفہ کو انسانیت کے نام پر بے خبر رکھا جائے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ خلیفہ
زندگی کا چراغ اب جھلملا رہا ہے اس لئے اسے مزید کسی کرب میں مبتلا نہ کیا جائے۔
وزیر اعظم صلاح الدین نے خلیفہ کے مصاحبین کی درخواست منظور کر لی تھی اور انھیں
یقین دلایا تھا کہ خلیفہ کے اختیارات میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور نہ اس کے کسی حکم میں
دخل دیا جائے گا اس سلسلے میں صلاح الدین نے شاہی طبیب سے بھی گفتگو کی تھی طبیب
دونوں مصاحبین کے اندازے کی تصدیق کی تھی اور اپنی طرف سے بھی وزیر اعظم
درخواست کی تھی خلیفہ کو ان ایام میں کسی قسم کا صدمہ نہ پہنچنے پائے اور وزیر اعظم نے اس
درخواست کو بھی شرف قبولیت بخشا تھا۔ ایک طرف خلیفہ کے مصاحبین ان کی تمام بیگمات اور
وزیر اعظم صلاح الدین اس کوشش میں تھے کہ خلیفہ کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچایا جائے مگر
خلیفہ کا یہ حال تھا کہ شاہی طبیب کی سخت ہدایت کے باوجود اپنی طاقت کے خزانہ کو حسین
دوشیزاؤں کے نذر کرنے پر آمادہ نظر آتے تھے۔ شرعی شادیوں کے علاوہ فقہ جعفریہ میں متعہ
جائز ہے خلیفہ نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور جس اچھی صورت پر نظر پڑی اسے متعہ میں۔

یوں حریم خلافت میں حسین و جمیل عورتوں کی ایک پوری فوج اکٹھی ہوگئی۔
جوانی کو اگر جوانی سمجھ کر استعمال کیا جائے تو وہ ساتھ دیتی ہے ورنہ جلد ہی بڑھاپے کو گلے
لیتی ہے۔ خلیفہ وقت سے پہلے جوان ہوا اس کے چاروں طرف کنیزوں کی شکل میں حسن کا
ندر لہریں مار رہا تھا خلیفہ نے انجام سے آنکھیں بند کر کے اس سمندر میں چھلانگ لگائی اور
ی میں ڈوبتا ہی چلا گیا شادیاں کیں درجنوں نہیں سینکڑوں کے حساب سے متعہ کر ڈالے مقتول
تمن الخلافت نجاح اگرچہ سوڈانی حبشی تھا لیکن اس کی لڑکی نرجس اپنے حسن کا جواب نہ
ھتی تھی نجاح کو اپنا اقتدار برقرار رکھنے کی ہوس تھی اور نرجس کو حریم خلافت میں اپنی
ریں دکھانے کی آرزو، نتیجہ یہ ہوا کہ نرجس کو کسی بہانہ خلیفہ کو دکھایا گیا نرجس کے توبہ
ن حسن نے پہلی نظر میں خلیفہ کو رام کر لیا اور وہ حریم خلافت میں ایک محبوب بیوی کی
یت سے پہنچ گئی۔
حریم خلافت میں داخل ہوتے ہی ہر طرف نرجس ہی نرجس ہوگئی خلیفہ کے دل و دماغ پر
کچھ اس طرح چھائی کہ تمام بیگمات کے چراغ گل ہوگئے اور خلیفہ کی راتوں پر نرجس کا قبضہ
یا خیال یہ تھا کہ اب خلیفہ کی پریشان نظری ختم ہو جائے گی اور وہ ایک کے ہو کے رہ جائیں
گے مگر خلیفہ ہو یا جوانی دونوں کے مزاج میں تلون مزاجی ہوتی ہے خلیفہ نے اک دم منہ تو نہ
ڑا لیکن نظروں کی آوارگی میں کمی واقع ہوئی اس زمانہ میں خلیفہ کی صحت کچھ ٹھیک ہوگئی تھی
ن کی بے اعتدالیوں میں قدرے اعتدال آگیا تھا۔ اس ٹھہراؤ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نرجس
باپ جو موتمن الخلافت تھا اس نے نئی دوشیزاؤں کا حریم خلافت میں داخلہ بالکل بند کر دیا تھا
یفہ بھی نجاح کا خیال کرتا تھا یا اس سے خوف کھاتا تھا اس لئے اپنی نظروں کو سنبھالے رکھا۔
پھر جب سوڈانیوں پر زوال آیا اور نجاح قتل ہو گیا تو حریم خلافت کی کنیزوں اور غلاموں
نے ایک بار پھر حسین دوشیزاؤں کے حصول کے لئے کوششیں شروع کر دیں انھیں اب کوئی
ف نہ تھا خلیفہ نے بھی نجاح کی موت کے ساتھ ہی چولا بدل لیا تھا اور اب اس کی راتیں نئی
جبینوں کی ساتھ بسر ہونے لگی تھیں اس کے ساتھ ہی خلیفہ کی صحت پھر گرنے لگی تھی۔ شاہی
طبیب تو لاکھ منع کرتے، طرح طرح کی ہدایتیں دیتے لیکن خلیفہ بدپرہیزی کر ہی جاتا۔ اسے خون
کی کمی ہی کی بیماری نہ تھی بلکہ بعض اور خطرناک قسم کی بیماریوں نے اسے گھیرا تھا۔ طبیب ایک
مرض کا علاج کرتا تو دوسرا مرض زور پکڑ جاتا کہتے ہیں کہ دوا سے پرہیز ضروری ہوتا ہے مگر
خلیفہ پرہیز کیا کرتا وہ تو جان بوجھ کر بدپرہیزی کرتا پھر طبیب کے سامنے بچوں کی طرح رونے
لگتا۔

شاہی طبیب نے کسی نہ کسی طرح اس گرتی دیوار کو لیپ پوت کے سہارا دیا مگر پھر ایسا

واقعہ پیش آیا جس نے شاہی طبیب اور ان لوگوں کو جن کی خوشحالی خلیفہ کی زندگی سے وابـ
تھی ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہوا یہ کہ حریم خلافت کے ایک غلام کو اپنے ایک بـ
فروش دوست کے پاس ایک طرحدار دوشیزہ دکھائی دی۔ غلام اسے دیکھ کر مچل گیا اور اـ
خلیفہ کے لئے خریدنے کی کوشش کی۔ تاجر کو معلوم تھا کہ داروغہ محلات نے دوشیزاؤں کا داـ
حریم خلافت میں بند کر رکھا ہے غلام نے اسے بتایا کہ یہ پابندی لگانے والا داروغہ سولی چڑھ
ہے اور اب کسی لڑکی کے داخلہ پر کوئی پابندی نہیں تاجر نے خوش ہو کر درشہوار کو بہتـ
معاوضہ پر غلام کے ہاتھ بیچ دیا درشہوار اس عالم آراء اور دلنواز کا نام تھا۔

درشہوار پر خلیفہ کی نظر پڑی تو اس کی جوانی جیسے لوٹ آئی۔ درشہوار تھی ہی توبہ شکـ
حسن کی مالک فرشتے بھی دیکھتے تو پرواز بھول جاتے۔ دست قدرت نے درشہوار کو گویا فرصـ
میں تخلیق کیا تھا اس کا عضو عضو متناسب اور سانچے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا تھا اس بت طـ
نے مسکراہٹ اس بلا کی پائی تھی کہ فرزانہ دیکھے تو دیوانہ ہو جائے خلیفہ عاضد کے حضور میـ
کسی کو پیش ہونے کی اجازت نہ تھی اور اگر حریم خلافت کا معاملہ پڑ جاتا جس میں خلیفہ کـ
سامنے پیشی ضروری ہوتی تو پہلے شاہی طبیب سے اجازت لینا پڑتی طبیب اتنا سخت تھا کہ
سوائے چند کنیزوں کے کو کسی اور کو اجازت ہی نہ دیتا تھا۔ جس غلام کے ہاتھ درشہوار لگی تـ
اگرچہ وہ خلیفہ کی خدمت پر مامور تھا لیکن اس کی خدمت باہر تک محدود تھی خلیفہ کے کمرـ
میں وہ بھی نہیں جا سکتا تھا۔

غلام نے درشہوار کو حاصل تو کر لیا تھا لیکن اس بے بہا خزانہ کو چھپانا اس کے لئے مشکـ
ہو رہا تھا وہ ہزار کوششوں سے درشہوار کو حریم خلافت میں لے تو گیا تھا لیکن اسے خلیفہ کـ
حضور پیش کرنا ناممکن نظر آ رہا تھا ایک پریشانی یہ بھی تھی کہ درشہوار نے غلام اور اس کے بـ
فروش دوست کی باتیں سنی تھیں بردہ فروش نے غلام سے قسم اٹھوائی تھی کہ وہ اس کنیزـ
صرف خلیفہ کے حضور پیش کرے کنیز نے بھی بردہ فروش کے سامنے ہی غلام سے کہہ دیا تھا
اگر اسے خلیفہ کے علاوہ کسی اور کے حوالے کیا گیا تو وہ آفت کر دے گی غلام نے درشہوار کـ
لئے ایک بھاری رقم ادا کی تھی غلام کی ترقی بھی درشہوار کی خلیفہ کی حاضری میں پیش ہوـ
سے وابستہ تھی اس لئے اس نے ایک ہی رات میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے۔

آخر غلام کی کوششیں کامیاب ہوئیں اس نے اس کنیز کو رضامند کر لیا جو خلیفہ کی صبحـ
خدمت پر مامور تھی طے یہ ہوا کہ درشہوار اس کنیز کا لباس پہن کے کنیزوں کے اس گروہ میـ
شامل ہو جائے گی جو صبح کی خدمت کے لئے جاتی ہیں پھر بھی درشہوار کو کنیز اور غلام نے محـ
کے تمام راستوں راہداریوں اور سلام و آداب کے تمام رازوں اور ہدایتوں سے واقف کر دیا

درشہوار کو خلیفہ کے حضور میں جانے کا بے انتہا شوق تھا پھر وہ ذہین بھی تھی چنانچہ صبح کو کنیزوں
کا شب کا گروہ باہر آیا تو درشہوار دن کے گروہ میں شامل ہو کر اندر پہنچ گئی درشہوار کنیز کے
لباس میں تھی اس کی طرف کسی نے توجہ نہ دی چند ہی لمحوں میں درشہوار نے خلیفہ کا خاص کمرہ
پہچان لیا۔ کمرے کے باہر چار کنیزیں کھڑی تھیں جب اندر سے گھنٹی کی آواز آتی تو ایک کنیز
اندر جا کر خلیفہ کا حکم بجا لاتی درشہوار کو یہ بتایا گیا تھا کہ خلیفہ کی مسہری کے ساتھ ایک سونے کا
گھنٹہ ٹنگا ہے اور ساتھ ہی ایک سونے ہی کی گمری رکھی ہے خلیفہ ضرورت کے وقت گمری سے
گھنٹہ پر چوٹ مارتے ہیں اس سے ایک گونجتی ہوئی آواز اٹھتی ہے۔

درشہوار ایک ستون کی آڑ میں اس طرح کھڑی ہوئی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو اس کی
نظریں باہر کھڑی کنیزوں پر لگی تھیں وہ منہ سے منہ ملائے کھسر پھسر کر رہی تھیں پھر وہ دروازے
کے دو ایک طرف اور دو دوسری طرف کھڑی ہو گئیں درشہوار کو علم تھا کہ دروازہ کھلا ہے اور
اندر کی طرف موتیوں کا بھاری پردہ پڑا ہے دو دو کنیزوں کے ادھر ادھر کھڑے ہونے سے بیچ میں
راستہ سا بن گیا تھا درشہوار کو اسی وقت کا انتظار تھا وہ تیزی سے خلیفہ کے کمرے کی طرف
بڑھی دروازے پر پہنچی۔ کنیزوں کو خیال ہوا کہ یہ راہداری سے گزرتی ہوئی کنیز ہے مگر درشہوار
کے دروازہ پر قدم رکے اور وہ موتیوں کا پردہ ہٹا کر تیر کی طرح اندر داخل ہو گئی۔

کنیزیں ہکا بکا ہائے ہائے کرتی دوڑیں

درشہوار تیزی سے بڑھتی ہوئی خلیفہ کے پلنگ کے پاس پہنچ گئی خلیفہ چت لیٹے تھے انہیں
آہٹ محسوس ہوئی تو سر گھما کر دیکھا۔

اس وقت درشہوار نے چہرے پر بھرپور مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے بغیر سر جھکائے ایک
ہاتھ پیشانی تک بلند کیا اور بولی "کیا میں حضور خلافت میں آداب پیش کر سکتی ہوں؟"

اللہ اللہ رے حسن کی جرات جس دربار میں مصر کا وزیر اعظم داخل ہو کر تعظیم بجا لا کر
خاموش کھڑا ہو جاتا ہے اور اذن گفتگو کے حکم کا انتظار کرتا اس دربار میں حسن کی گستاخیوں نے
تمام شاہانہ دستور و آداب توڑ کے رکھ دیئے گئے اور کس بے باکی سے کہا جا رہا تھا۔

"کیا میں حضور خلافت میں آداب پیش کر سکتی ہوں؟"

حسن اگر واقعی حسن ہو تو اسے بھی اپنے حسن کا احساس ہوتا ہے اور وہ اس کی طاقت
سے کام لینا بھی جانتا ہے کتنا اعتماد تھا درشہوار کو اپنے حسن پر نہ باریابی کی اجازت نہ سر جھکانے
کی رسم کی ادائیگی اسے سوائے ایک انداز دلبری کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

درشہوار کا اعتماد بجا تھا باہر کھڑی کنیزیں جو درشہوار کو پکڑنے اس کے قریب پہنچ چکی تھیں
خلیفہ نے انہیں ہاتھ کے اشارہ سے روک دیا۔ وہ جہاں تک پہنچ چکی تھی وہیں بت بن کے

کھڑی ہوگئیں۔

"جب تک ہم اجازت نہ دیں کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے خلیفہ نے اس حکم نے کنیزوں کو واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

درشہوار مسکرا رہی تھی اور مسکراتی چلی جا رہی تھی اور خلیفہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم کون ہو لڑکی؟" خلیفہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"ایک اڑتی ہوئی تتلی"۔ اس کے ساتھ ہی درشہوار نے ایک قہقہہ بکھیرا اور یوں محسوس ہوا جیسے پھول برس پڑے ہو۔ انار کھل گئے ہوں۔

"صرف تتلی نہیں بلکہ رنگین تتلی" خلیفہ کے چہرے پر بش آگئی۔

"رنگ تتلی سے الگ نہیں ہوتے امیرالمومنین۔" درشہوار نے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔

خلیفہ کی جوانی جاگ اٹھی اس نے اٹھنے کی کوشش کی در نے بازوؤں کا سہارا دے کر خلیفہ کو ٹیک سے بٹھا دیا۔

"تم مسیحا بھی ہو؟" خلیفہ نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں امیرالمومنین میں کنیز ہوں صرف کنیز جسے آپ کے ایک غلام نے بردہ فروش سے خرید کر اس محل کا راستہ دکھایا"۔ درشہوار نے بڑے انداز سے کہا۔ خلیفہ نے تجسس سے پوچھا "یہ کنیزیں تمہارے پیچھے کیوں آرہی تھی؟"

"میں زبردستی اندر آئی ہوں امیرالمومنین" درشہوار نے جواب دیا "اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ میں بھی ان کی طرح ایک کنیز ہوں تو یہ مجھے اندر نہ آنے دیتیں"۔

"مگر اب تم کنیز نہیں ہو تم نے ہمارے دل میں جگہ پالی ہے۔" خلیفہ نے بڑی خوش دلی سے کہا۔

"امیرالمومنین میں نے سنا ہے کہ حریم خلافت میں داخل ہونے والی ہر لڑکی کنیز ہو کر رہ جاتی ہے خواہ آپ اسے اپنے سر پر کیوں نہ بٹھائیں" درشہوار نے تلخی سے کہا۔

"غلط کہا ہے"۔ خلیفہ نے تردید کی "اگر پہلے غلط نہ تھا تو اب غلط ہوگا تمہاری جگہ ہمارا سر نہیں بلکہ شاہی مسند ہے تم ہمارے ساتھ مسند پر بیٹھا کروگی۔"

"زہے نصیب" درشہوار نے انداز دلربائی سے کہا۔ "خدا خلیفہ محترم کو اپنا وعدہ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

"تمہیں ہمارے وعدہ کا اعتبار نہیں۔؟" خلیفہ کی انا کو ٹھیس پہنچی۔

"شاہوں کے وعدوں پر یقین تو کیا جاسکتا ہے لیکن اعتبار صرف اس وقت ہوتا ہے جب وعدہ وفا ہو جائے"۔ درشہوار نے خلیفہ کے بگڑے ہوئے موڈ کو شگفتگی میں تبدیل کر دیا۔

"بہت شوخ ہو۔ تمہارا نام کیا ہے؟" خلیفہ کے لہجے میں پیار بھر گیا۔

"شوخی کے بہت سے نام ہوتے ہیں امیرالمومنین"۔ درشہوار کے الفاظ پھولوں کی طرح جھڑ رہے تھے۔ "آپ محبوباؤں کے جم غفیر میں میرا نام کیسے یاد رکھ سکیں گے؟"۔

"اس کا اندازہ تمہیں ہو جائے گا نام بتا کے تو دیکھو؟" بیمار خلیفہ کی گفتگو میں شوخی بھی پیدا ہونے لگی تھی

"کنیز کو کنیز سے زیادہ موزوں نام زیب نہیں دیتا۔" درشہوار نے پھر طنز کیا "اگر یہ نام یاد نہ رہ سکے تو مجھے شہوار کہا جاسکتا ہے۔"

"صرف درشہوار نہیں بلکہ درشہوار آج سے تم اسی نام سے شہرت پاؤں گی"۔ خلیفہ بہت خوش تھا یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ بیمار ہے۔

درشہوار کے انگ انگ سے شوخیاں پھوٹ رہی تھیں اور خلیفہ بے خود ہوئے جا رہا تھا۔

اس نے ایک اور شوخی کی۔ کنیزوں میں میرا نمبر کونسا ہوگا امیرالمومنین؟

"نمبر بتانا تمہارا کام ہے۔ درشہوار —— " خلیفہ نے کہا۔ "پہلے ہمارے حلقہ میں شامل تو ہو جاؤ"۔

خلیفہ نے اس وقت سونے کے گھنٹے پر سونے کی گرزی سے چوٹ ماری یہ اس بات کی علامت تھی کہ خلوت ختم ہوئی اور کنیز خاص خدمت کے لئے "فوراً حاضر ہو جائے۔ ایک کنیز ہانپتی کانپتی اندر آئی اور دروازہ کے پاس ہی سر جھکا کے کھڑی ہو گئی۔

"اور آگے آؤ کنیز"۔ خلیفہ نے کراری آواز میں حکم دیا۔

کنیز حکم کی تعمیل کے لئے تھوڑی سی آگے کھسک آئی مگر اسے خلیفہ کی آواز پر تعجب ہو رہا تھا۔ خلیفہ کی نقاہت کل تک اس درجہ بڑھ چکی تھی کہ کنیزوں کو جھک کر انکی بات سننا پڑتی تھی اور اس وقت خلیفہ تکیہ کے سہارے بیٹھے پٹر پٹر باتیں کر رہے تھے

"قاضی محترم کو فوراً حاضر کیا جائے۔" خلیفہ نے حکم دیا۔

"کنیز کچھ سن نہ سکی یا سمجھ نہ سکی اس نے گھبرا کے خلیفہ کی طرف دیکھا خلیفہ کی پائنتی پر درشہوار ایک شگفتہ کلی کی طرح کھلی بیٹھی تھی کنیز اس حسن بے مثال کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"تیری سمجھ میں اب بات آگئی ہوگی؟" خلیفہ کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔

"جی —— جی امیرالمومنین کنیز بالکل سمجھ گئی۔" اور وہ الٹے پیروں واپس لوٹی۔

دروازے کے باہر قصر خلافت کے تمام ذمہ دار غلام اور کنیزیں حاضر تھیں۔ مسلح پہریدار

خواتین کی داروغہ۔ شاہی محلات کا داروغہ۔ صدر دروازہ کے پہریداروں کا سردار۔ یہاں تک کہ شہر کوتوال تک صدر دروازے پر پہنچ گیا تھا اور اس بات کی تحقیقات ہو رہی تھی کہ خلیفہ کے کمرے میں کوئی کنیز بغیر اجازت داخل ہوئی اور کسی نے کیوں نہیں روکا؟

کنیز باہر آئی تو اس کا رنگ اڑا ہوا تھا سب نے اسے گھیر لیا لیکن پاس ادب تھا دروازے پر کوئی بھی بغیر خلیفہ کی اجازت کے گفتگو نہ کر سکتا تھا وہاں اشارے تو سب طرف سے ہو رہے تھے اور کنیز اپنے حواسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"قاضی کو حاضر کیا جائے" کنیز نے سرگوشیوں میں کہا۔

ایک غلام جانے لگا تو کنیز نے اس کا دامن پکڑ لیا شہر کے قاضی القضاہ کو نہ لائے جائے کنیز کی آواز اور دھیمی ہو گئی تھی

"پھر کسے لاؤں؟" غلام نے کنیز کے منہ سے منہ لگا کر پوچھا۔

"اپنے فرقہ کا قاضی لانا" کنیز نے یہ کہہ کر غلام کو آہستہ سے دھکا دے کر آگے بڑھا دیا تاکہ وہ کوئی اور سوال نہ کر سکے۔

غلام سرہلاتا چلا گیا پھر کنیز نے شہر کوتوال کی طرف دیکھا وہ دوسروں کو ہٹاتا کنیز کے قریب آگیا۔

"شاہی طبیب کو فوراً بلوا لیجئے۔" کنیز نے درخواست کی۔

شہر کوتوال منہ سے نہ بولا لیکن اس نے کنیز کو اس طرح دیکھا جیسے کچھ پوچھ رہا ہو۔

کنیز نے اس کا سوال سمجھتے ہوئے جواب دیا۔ "امیرالمومنین سے بدپرہیزی کا امکان ہے۔ فوراً بلوایئے طبیب اعظم کو؟"

شہر کوتوال معاملہ کی تہہ تک پہنچ گیا اس نے فوراً ایک غلام شاہی طبیب کی طرف اس تاکید کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ طبیب اعظم کو اپنے ساتھ لے کر آئے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ وزیر اعظم صلاح الدین نے ابھی تک خلیفہ کو معزول نہیں کیا تھا مگر مذہبی اعتبار سے مصر میں کئی تبدیلیاں لے آیا تھا اس نے مصر کے دارالمعونہ کو جو قصر کے کوتوال کے رہنے کا گھر اور جیل خانہ بھی تھا اسے منہدم کرا کے شافعیہ کا مدرسہ قائم کر دیا تھا۔ اسی طرح دارالعزل کو بھی مسمار کرا کے وہاں مالکیہ کا مدرسہ قائم کرا دیا تھا۔ شیعہ قاضیوں کو معزول کر کے ان کی جگہ شافعی قضاۃ مقرر کئے تھے اور اپنی طرف سے پورے بلاد مصر میں ایک ایک نائب مامور کیا تھا۔

خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں بڑی عجلت کی جاتی تھی ورنہ خلیفہ کو طیش آجاتا تھا چند لمحوں بعد قاضی صاحب تشریف لائے جنہیں اندر پہنچا دیا گیا قاضی نے تعظیم پیش کی اور جھجکتے

نظروں سے خلیفہ کو دیکھا اس کے ساتھ ہی اس کی نظر اس پری جمال پر بھی پڑ گئی جو خلیفہ کی مسہری کی پائنتی نہایت بے تکلفی سے بیٹھی تھی اس حسینہ پر نظر پڑتے ہی قاضی کی نظریں نیچی ہو گئیں۔

"قاضی محترم"۔ خلیفہ نے قاضی کو براہ راست مخاطب کیا تو اس نے گھبرا کر خلیفہ کی طرف دیکھا۔

"جی امیرالمومنین۔" قاضی کے منہ سے صرف اتنا نکلا۔

"ادھر دیکھو"۔ خلیفہ نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔ "ان کا نام شہوار ہے اور ہم نے انہیں درشہوار کا خطاب دیا ہے"۔

"جی ———— جی امیرالمومنین"۔ قاضی کے ہاتھ پیر خوف سے کانپتے جا رہے تھے۔

"یہ ہمارے متعہ میں آنا چاہتی ہیں"۔ خلیفہ مسکرا رہا تھا۔

"جی۔!" اور قاضی جیسے اچھل پڑا۔

گزشتہ دو ہفتے سے خلیفہ عاضد کی طبیعت اس قدر خراب ہو رہی تھی کہ شاہی طبیب نے اعلان کرا دیا تھا کہ اگر خلیفہ نے کھانے پینے یا کسی اور قسم کی بدپرہیزی کی تو اس کی ذمہ داری قصر خلافت کے عملے پر ہو گی اور انہیں سخت سزا دی جائے گی قاضی نے دو دن پہلے ہی خلیفہ کو دیکھا تھا اس وقت خلیفہ بستر سے لگا ہوا تھا اور مشکل سے آنکھیں کھولتا تھا اس کی محبوب بیوی نرجس کو شاہی طبیب کی موجودگی میں صرف چند لمحے خلیفہ کے پاس بیٹھنے کی اجازت تھی نرجس کے علاوہ کسی اور بیگم کو خلیفہ کے کمرے میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ اب درشہوار کے اچانک خلیفہ کے کمرے میں زبردستی داخل ہونے سے پورے محل کا سکون برباد ہو گیا تھا۔

خلیفہ کا حکم کسی آسمانی حکم سے کم نہ ہوتا تھا قاضی خلیفہ کا حکم سن کر اس طرح اچھلا جیسے اسے کسی شے نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس کے ہاتھ ہی خوف کی ایک لہر اس کے بدن میں دوڑ گئی خلیفہ کا حکم اٹل تھا۔ لیکن شاہی طبیب کا حکم اس سے زیادہ سخت تھا خلیفہ کے متعہ کا مطلب تھا کہ خلیفہ تمام پرہیز اور پابندیوں کو خیرباد کہہ رہا تھا یہ ٹھیک تھا کہ اس وقت خلیفہ بالکل ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا لیکن اس سدا کے روگی نے اگر کوئی بدپرہیزی کی تو اس کا خاتمہ ہو جانا لازمی تھا اور اس کی موت کی ذمہ داری متعہ کرانے والے قاضی پر عائد ہوتی تھی۔ قاضی اسی لئے تذبذب میں تھا۔

خلیفہ نے حکم دینے کے بعد تعمیل حکم کا چند لمحے انتظار کیا۔ پھر سخت لہجے میں کہا۔ "کیا قاضی محترم نے ہمارا حکم نہیں سنا؟"۔

"سن لیا امیرالمومنین"۔ قاضی نے خوف زدہ آواز میں کہا۔ "غلام کو حکم کی تعمیل میں تکلف نہیں لیکن شاہی طبیب نے سخت احکامات دے رکھے ہیں کہ اگر امیرالمومنین نے کو پرہیزی کی تو اس کی ذمہ داری قصر خلافت کے کارکنوں پر عائد ہوگی میں اگرچہ قاضی ہوں شاہی طبیب کے احکام سے بھی منہ نہیں پھیر سکتا۔"

خلیفہ چڑ گیا۔ "اس کا مطلب ہے کہ ہمارے حکم سے زیادہ ہمارے طبیب کے حکم اہمیت ہے۔ کیا یہ شاہی وفاداری کی توہین نہیں؟"

"ہرگز نہیں امیرالمومنین"۔ یہ آواز شاہی طبیب کی تھی جو بغیر خلیفہ کی اجازت کمرے میں داخل ہوگیا تھا اور اس وقت پردے کے پاس ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

خلیفہ نے چونک کر دیکھا۔ "کون شاہی طبیب" خلیفہ نے تعجب انگیز خوشگوار لہجہ میں کہا۔

"جی امیرالمومنین۔" شاہی طبیب نے ادب سے جواب دیا۔ "غلام کو اس گستاخی دخل در معقولات کی معافی عطا فرمائی جائے۔"

"آؤ طبیب شاہی۔ ہم نے تمہیں معاف کیا اس لئے کہ اس وقت ہمیں تمہاری ضرو تھی۔" خلیفہ اس طرح گفتگو کر رہا تھا۔ جیسے کوئی تندرست و توانا آدمی باتیں کرتا ہے۔

"غلام خدا کا شکر ادا کرتا ہے جس نے امیرالمومنین کو گفتگو کی طاقت عطا فرمائی طبیب نے نہایت احترام سے سر جھکایا۔

"بے شک یہ شکر کا مقام ہے طبیب شاہی"۔ خلیفہ نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ تمہارے علاج سے بھی خوش ہیں لیکن ہمیں آسمان سے ایک مسیحا بھیجا گیا ہے جس پر نظر پڑ ہی ہماری نصف صحت و تندرستی واپس آگئی ہے"۔

"امیرالمومنین کس مسیحا کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں"۔ طبیب شاہی نے حیرانی پوچھا۔ کیا کسی بادشاہ۔ شہنشاہ نے آپ کے علاج کے لئے کسی حکیم حاذق کو بھیجا ہے؟"۔

"نہیں طبیب شاہی۔" خلیفہ مسکرایا۔ ہمارے پیروں کی طرف دیکھو۔ کیا تمہیں شبہ کہ یہ جنت کی حور نہیں؟

طبیب نے خلیفہ کے پائنتی بیٹھی درشہوار کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا اسے باہر صرف یہ گیا تھا کہ ایک خوبصورت کنیز نے خلیفہ کو بہکا دیا ہے لیکن طبیب جس حسن کے مجسمہ کو دیکھ تھا۔ اس کے لئے خوبصورت کا لفظ بہت چھوٹا تھا۔ وہ تو خوبصورتیوں کا مجموعہ تھی۔ قدرت صناعی کا نمونہ تھی طبیب شاہی کے منہ سے گھبراہٹ میں یہی جملہ نکل گیا۔

"امیرالمومنین نے درست فرمایا۔ یہ قدرت کی صناعی کا بہترین نمونہ ہے۔"

خلیفہ نے فوراً کہا۔ "اے جہاندیدہ انسان کیا یہ نمونہ اس قابل نہیں کہ اسے حریم خلا

کے کسی اہم مقام پر رکھا جائے؟"

"بے شک بے شک اس کی قدر دانی اور عزت افزائی ہونا چاہئے۔" طبیب شاہی اس کے حسن میں کھو گیا تھا اور ایک محویت کے عالم میں بول رہا تھا۔ "یہ موتی اور یہ جواہر ریزہ تو کسی بھی تاج شاہی کی رونق بڑھانے کا سبب بن سکتا ہے"۔

"خوب"۔ خلیفہ خوش ہو کے بولا۔ "ہم تمہاری گوہر شناسی کی اس لئے داد دیتے ہیں کہ تم نے ہماری درشہوار کو ہماری نظروں سے دیکھا کیا یہ گوہر ہمارے تاج میں ٹانکے جانے کے قابل نہیں؟"

"جی ——— طبیب اپنے خیالوں سے چونک پڑا۔ "مگر امیر المومنین آپ ——— آپ"

"کیوں طبیب شاہی"۔ خلیفہ کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ "کیا تمہارے خیال میں مصر کا فاطمی خلیفہ اس حور ارضی کے قابل نہیں۔"

"نہیں نہیں امیرالمومنین غلام ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔" طبیب نے گھبرائے ہوئے کہا۔ "امیرالمومنین کے تاج مبارک میں ایک سے ایک قیمتی موتی آویزاں ہے اور اسے تاج شاہی میں لگایا گیا تو تاج شاہی کے بجائے اس بے بہا موتی کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو جائے گا۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں ہماری پسند سے اختلاف نہیں؟" خلیفہ نے سوال کیا۔

"اختلاف نہیں غلام کو آپ کی پسند سے پورا پورا اتفاق ہے طبیب نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔

"ہم درشہوار سے متعہ کر رہے ہیں۔" خلیفہ نے بغیر تکلف کے کہہ دیا۔

"جی ——— ای ———" اور طبیب شاہی کا سر گھوم گیا۔

طبیب شاہی کو اس لئے بلوایا گیا تھا کہ وہ خلیفہ کو اس خوبصورت کنیز سے دور رکھنے کے تلقین کریں مگر یہاں تم معاملہ بہت آگے بڑھ گیا تھا اور خلیفہ اس سے متعہ کرنے پر قطعی آمادہ دکھائی دے رہا تھا۔ طبیب نے کنکھیوں سے ارد گرد دیکھا تب اسے ایک طرف قاضی کھڑا دکھائی دیا اب اس کی سمجھ میں پورا معاملہ آگیا۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ نے پہلے قاضی کو بلوایا ہوگا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ درشہوار سے متعہ کرے گا۔ لوگوں نے اسے اس وجہ سے بلوایا کہ شاید وہ اس متعہ کو روک سکے۔ لیکن طبیب کو یہ بات مشکل ہی نہیں بالکل ناممکن معلوم ہوتی تھی۔

طبیب شاہی نے سنبھل کر کہا۔ "امیرالمومنین۔ مجھے متعہ کی افادیت سے انکار نہیں"۔

"شاہی طبیب ———" خلیفہ نے سخت لہجے میں کہا "ہم نے تمہیں کب بلوایا ہے اور کب کہا ہے کہ نکاح اور متعہ کی خوبیوں پر وعظ دو۔ تمہاری بے جا مداخلت کو بھی ہم نے برداشت

کیا اور تمہیں معاف کر دیا۔ ہم نے تم سے مشورہ بھی طلب نہیں کیا۔ ہمارے جی میں ایک بات آئی اور ہم نے اس کا اظہار برملا کر دیا۔ تمہیں انکار اقرار کی جرات کس نے دی؟"

"امیر المومنین نے مجھے اجازت عطا فرمائی ہے"۔ طبیب شاہی نے جیسے سر سے کفن باندھ لیا۔" امیر المومنین کو یہ بات ہر وقت ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ان کی زندگی صرف ان کی ذات کے لئے نہیں بلکہ پورے ملک کے لئے ہے امیر المومنین تمام مصریوں کے دل کی دھڑکن ہیں امیر المومنین خلافت کی نشانی ہیں' مصر کی پہچان ہیں' وہ زندہ ہیں تو خلافت زندہ ہے وہ مسکراتے ہیں تو مصریوں کے گھروں میں باد بہاری چلنے لگتی ہے اور وہ اداس ہوتے ہیں تو مصری چولہا نہیں جلاتے۔ امیر المومنین کو علم نہیں کہ ان کی ناسازی کی وجہ سے قاہرہ کے بازار بے رونق ہوگئے ہیں لوگوں کے ہونٹوں سے ہنسی چھن گئی ہے کوچہ و بازار میں سناٹا چھایا رہتا ہے۔ عوام اپنے سر پر امیر المومنین کا سایہ چاہتے ہیں۔"

طبیب بولتے بولتے تھک گیا اور اس کا سانس پھولنے لگا۔ اس تمام باتوں کے دوران شہوار جسے خلیفہ نے درشہوار بنا دیا تھا بالکل خاموش رہی۔ طبیب کی جذباتی باتوں نے خلیفہ کو بہت متاثر کیا۔ اور درشہوار کو یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں وہ دریا کے پاس پہنچ کر پیاسی نہ لوٹ جائے۔ اس کی منزل دھندلانے لگی تھی آخر درشہوار نے ایک فیصلہ کیا۔ بڑا تندرست و توانا فیصلہ۔ در اصل اس کا فیصلہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا اس نے طبیب شاہی سے بحث کرنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ یہ اس کی زندگی اور موت کا سوال تھا اور وہ حریم خلافت میں داخل ہو کر اس سے بے دخل نہ ہونا چاہتی تھی۔

جس وقت پورے کمرے میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی قاضی اور طبیب کے ستے ہوئے چہرے جھکے ہوئے تھے اور امیر المومنین مصر کا فاطمی خلیفہ تذبذب اور ایک قسم کے کرب میں مبتلا ہو چکا تھا۔ درشہوار نے بھی طبیب شاہی کی طرح سر سے کفن باندھ لیا اور طبیب کے مقابلہ پر آگئی۔

"طبیب محترم۔" شہوار نے مترنم آواز میں مخاطب کیا۔

اس کمرے کی افسردہ محفل درشہوار کی آواز سے جیسے جاگ اٹھی۔ خلیفہ' قاضی اور طبیب سب کی نظریں مختلف زاویوں سے درشہوار کے چہرے پر آکر رک گئیں۔

"فرمائیے خاتون محترم۔ گوش بر آواز ہوں۔ پھر طبیب نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

قاضی نے خلیفہ کو درشہوار کی طرف مخاطب دیکھا تو اس نے بھی نظریں جھکا لیں۔ خلیفہ اسے بڑی دلچسپی اور محبت سے دیکھ رہا تھا شاید یہ سوچ رہا تھا کہ اس اجنبی لڑکی میں اس قدر جرات کیسے پیدا ہوگئی کہ وہ طبیب جیسے کہنہ مشق اور جہاندیدہ شخص سے آنکھیں ملا کر بات

کرے۔

"آپ کو متعہ کی اہمیت سے انکار تو نہیں؟" درشہوار کا لہجہ بالکل سپاٹ مگر بہت نرم تھا۔

"بالکل انکار نہیں لیکن۔"

" درشہوار نے قطع کلام کیا۔ بزرگ محترم۔ شہوار کا انداز اب بھی گداز تھا۔ "میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ براہ کرم صرف اس بات کا جواب دیجئے جس کے بارے میں سوال کیا جائے؟"

"فرمائیے میں کوشش کروں گا۔" طبیب خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

"متعہ کرنے والے کو کن کن باتوں پر قادر ہونا چاہئے"۔ یہ درشہوار کا دوسرا سوال تھا۔ طبیب نے جواب دیا۔ "پہلی بات تو یہ ہے متعہ کرنے والے کو سب سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ اسے واقعی متعہ کی ضرورت ہے کہ نہیں"۔

"طبیب نے جواب دینے کے بعد پہلے خلیفہ کی طرف دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ خلیفہ کو اس کی صاف گوئی ناگوار گزرے گی لیکن خلیفہ کے چہرے پر ناگواری کا کوئی تاثر نہ تھا بلکہ وہ اس طرح بیٹھا مسکرا رہا تھا جیسے اس کے سامنے کسی بازی گر کا تماشہ ہو رہا ہو ایک طرف تو اسے اپنے اندازے کے غلط ہونے کا افسوس ہوا دوسری طرف اس کے لئے یہ صورت بڑی تعجب انگیز تھی خلیفہ اگرچہ مغلوب الغضب نہ تھا بلکہ بعض موقعوں پر بڑے تحمل کا اظہار کیا کرتا تھا لیکن اس وقت طبیب شاہی نے غیر ارادی طور پر خلیفہ پر گہرا طنز کیا تھا۔

خلیفہ نے نظروں کو گھما کر طبیب شاہی نے درشہوار کی جانب دیکھا۔ اس کے خیال میں درشہوار نے اس سے سوال کر کے اس کی اہلیت جانچنے کی کوشش کی تھی چونکہ طبیب شاہی نے بالکل درست جواب دیا تھا اس لئے وہ اپنے جواب کا تاثر درشہوار کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا۔

درشہوار اسی کی جانب دیکھ رہی تھی طبیب شاہی نے اسے گھور کر دیکھا تو شہوار نے چمک کر کہا۔ "محترم طبیب شاہی۔ آپ مجھے مرعوب کرنے کے بجائے اپنی بات مکمل کیجئے کیونکہ آپ کا جواب ابھی نامکمل ہے۔"

"درست فرمایا خاتون محترم۔" طبیب شاہی نے کہا۔"اس سوال کا جواب واقعی بہت طویل ہے۔"

" آپ جواب ارشاد فرمائیے۔ میں طوالت سے نہیں گھبراتی۔"شہوار کے لہجے میں قدرے سختی آگئی تھی۔

طبیب شاہی اسے گھور کے رہ گیا پھر بولا۔"میں اس مسئلہ کی طوالت اور تفصیل میں نہیں

جانا چاہتا بلکہ اسے وقت اور حالات کے ترازو پر تولنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور تولئے طبیب محترم"۔ درشہوار نے جل کر کہا۔ اور اس ناپ تول کا جو
اس سے مجھے آگاہ کیجئے"۔

"نتیجہ اس کا یہ ہے کہ میں امیرالمومنین کو متعہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔
شاہی نے بغیر لگی لپٹی رکھے ایک دم کہہ دیا۔

"اجازت بڑے کی طرف سے چھوٹے کو دی جاتی ہے"۔ درشہوار نے طبیب ش
بات پکڑی۔ مگر یہاں صورت حال مختلف ہے۔ آپ جسے اجازت دے رہے ہیں وہ آ
عزت و مرتبہ میں بہت بلند ہے آپ اس سے اپنا حکم کیسے منوا سکتے ہیں؟"۔

طبیب شاہی گھبرا گیا اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ قاضی اگرچہ طبیب کی طرف مخا
لیکن اس کی نظر اپنی طرف دیکھ کے اس نے فوراً سر جھکا لیا۔

"توبہ توبہ میں امیرالمومنین کو حکم دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" طبیب نے عاجز
کہا۔ "لیکن طبیب شاہی ہونے کی حیثیت سے امیرالمومنین کو مشورہ تو دے سکتا ہوں
اس حق سے تو کوئی نہیں روک سکتا"۔

"توبہ توبہ آپ کو کون روک سکتا ہے۔" درشہوار نے اس کی نقل اتاری۔ "لیکن
مشورہ اس وقت دے سکتے ہیں جب آپ سے مشورہ طلب کیا جائے امیرالمومنین نے نہ ا
کو بلوایا ہے اور نہ کوئی مشورہ طلب کیا ہے پھر آپ اس معاملہ میں کیوں دخل دے
ہیں؟"

طبیب شاہی بہت خجل ہوا اور جھنیپ مٹانے کے لئے بولا ۔ "مجھے متعہ پر کوئی اع
نہیں لیکن امیرالمومنین سخت بیمار ہیں۔ اس وقت یہ متعہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"طبیب شاہی کے خیال میں امیرالمومنین کی طبیعت ناساز ہے؟" درشہوار نے سوالیہ
میں کہا۔

"بالکل خاتون"۔ طبیب نے زور دے کر کہا۔ "امیرالمومنین کی طبیعت ناساز نہیں ب
بیمار ہیں۔ شدید بیمار ہیں۔"

"طبیب محترم ۔ ابھی ذرا دیر پہلے آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرما رہے تھے کہ اس نے
کرم نوازی سے امیرالمومنین کو شفا عطا فرمائی اور اب آپ انہی امیرالمومنین کو بیمار نہیں
شدید بیمار فرما رہے ہیں۔ آخر آپ کا کون سا بیان درست تصور کیا جائے؟" درشہوار نے طب
کو واقعی لاجواب کر دیا تھا۔

طبیب اس کا منہ دیکھتا رہ گیا اس نے عاجزانہ لہجہ اختیار کیا۔ "محترم خاتون۔ آپ جو کچھ
بھی فرما رہی ہیں۔ وہ ٹھیک ہے میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا لیکن میرا پیشہ مجھے مجبور کرتا
ہے کہ میں آپ کو امیرالمومنین کی بیماری سے آگاہ کروں اور اگر آپ کو امیرالمومنین سے
ہمدردی یا کسی قسم کا تعلق خاطر ہے تو اس کے نام پر آپ سے درخواست کروں کہ آپ براہ
کرم فی الحال متعہ کے معاملہ پر زور نہ دیجئے۔"

طبیب نے بھی ایک اخلاقی حملہ کیا تھا اور کسی نہ کسی انداز میں انسانیت کا واسطہ دیا تھا۔
اس لئے درشہوار کو بھی نرم ہونا پڑا۔ "آپ نے یہ یہ بات نہایت مناسب فرمائی ہے اور میری
سمجھ میں بھی آئی ہے کیونکہ امیرالمومنین جس طرح اپنی رعیت کی امانت ہیں اسی طرح مجھے
عزیز اور میرے لئے محترم ہیں۔" پھر ایک لمحہ کے لئے رک کر بولی۔ محترم طبیب شاہی امیر
المومنین کی طبیعت آج جس قدر بحال ہے اسے دیکھ کر آپ کیا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خلیفہ
محترم کتنے عرصہ میں مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں گے؟"۔

"میرے خیال میں۔" طبیب شاہی سوچنے لگا۔ "امید ہے کہ امیرالمومنین دو ماہ کے اندر
اندر بالکل تندرست ہو جائیں گے"۔

"ٹھیک ہے ـــــــ" درشہوار نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "میں طبیب شاہی کو یقین
دلاتی ہوں کہ دو ماہ تک میں امیرالمومنین سے دور رہوں گی۔"

خلیفہ عاضد گھبرا گیا۔ جلدی سے بولا۔ "مگر درشہوار ہمیں یہ بات منظور نہیں۔ تم نے
ہماری قسمت کا فیصلہ بغیر ہم سے پوچھے کر دیا؟"

"امیرالمومنین درشہوار نے خلیفہ کو محبت سے بھرپور نظروں سے دیکھا۔ "میں نے طبیب
شاہی کو اس اعتماد پر قول دیا ہے کہ خلیفہ محترم میری بات رکھ لیں گے اور مجھے غیروں کی نظروں
میں سبکسار نہ ہونے دیں گے۔"

"اللہ رے تیرے حسن کلام کی لذت" خلیفہ کی زبان سے درشہوار کے لئے تعریفی جملہ
بے پھسل پڑا۔ "ہمیں تمہارے فیصلہ پر کوئی اعتراض نہیں درشہوار لیکن تمہیں یہ وعدہ کرنا
ہوگا کہ دن میں کم از کم ایک بار تم حریم خلافت کو ضرور رونق بخشا کرو گی"۔

"اس وعدہ کو شاید میں وفا نہ کر سکوں امیرالمومنین۔" درشہوار نے صاف انکار کر دیا۔

خلیفہ گھبرا گیا۔ ۔ "کیوں اس میں کیا قباحت ہے۔ ؟

"اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ میں نے طبیب شاہی سے وعدہ کیا ہے کہ میں قرب خلیفہ
سے دور رہوں گی"۔ درشہوار شاید دوسری وجہ بیان کرنا چاہتی تھی کہ خلیفہ نے بات کاٹ دی

"اس کے لئے ہم طبیب شاہی سے اجازت طلب کریں گے"۔ خلیفہ نے طبیب شاہی کی

طرف دیکھا۔

طبیب نے حالات کے مطابق جواب دیا مگر اپنا وقار برقرار رکھا۔ "بظاہر اس میں اعتراض نہیں کہ اور وجہ نظر نہیں آتی بشرطیکہ اس قربت کو خلوت میں تبدیل نہ کیا جائے "طبیب محترم۔ درشوار بولی۔ "اس بات کی یقین دہانی خلیفہ عالی مقام کی طرف کراتی ہوں"۔

"چلئے طے ہوگیا اور فیصلہ بھی ہوگیا۔" طبیب نے مسرت کا اظہار کیا۔ وہ تو یہ سو... کہ بلائے آمد ولے بخیر گزشت یعنی مصیبت آگئی تھی لیکن خیریت سے گزر گئی۔

خلیفہ عاضد بھی خوش ہو رہا تھا اور مسکرا مسکرا کے درشہوار کو دیکھ رہا تھا مگر اسی وقت ایک دھچکا سا لگا۔"

درشہوار نے کہا۔ "نہیں محترم۔ ابھی ایک بات طے ہوئی ہے۔ اور فیصلہ بھی ا... بات کا ہوا ہے۔ مجھے اس کے علاوہ ابھی کچھ اور بھی کہنا ہے۔۔۔"

"ضد نہ کرو شہوار۔۔۔" خلیفہ کے لفظ لفظ سے محبت ٹپکی پڑ رہی تھی۔

درشہوار نے جواب دینے کے بجائے طبیب کی طرف دیکھا۔

"آپ فرمایئے خاتون اور کیا کہنا ہے؟" طبیب شاہی نے جرات سے کام لیتے درشہوار سے دریافت کیا۔

ابھی میری رہائش کا مسئلہ طے ہونا ہے۔"۔ درشہوار نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "... مقام سے آئی ہوں وہاں واپس نہیں جاسکتی۔ اور طبیب شاہی کو قول دینے کے بعد محل نہیں رہ سکتی۔ محل سے میری مراد تمام شاہی محلات ہیں۔"

اس کا جواب طبیب کے پاس نہ تھا اس نے خلیفہ کی طرف دیکھا۔

"درشہوار" خلیفہ نے شاید دکھ سے کہا۔ "تم ہمارے محل کے سوا کسی اور محل میں سکتی ہو۔ ہم تمہاری حفاظت کے لئے سخت پہرہ مقرر کریں گے۔"

"میں اس کا جواب پہلے ہی عرض کر چکی ہوں"۔ درشہوار نے مضبوط لہجے میں کہا۔ امید ہے کہ امیرالمومنین مجھے مجبور نہ کریں گے ہاں اگر یہ ان کا حکم ہے تو ایک کنیز ... حکم کیسے ٹال سکتی ہے۔ مجھے اس حکم پر سر جھکانا پڑے گا۔"

"اطمینان رکھو درشہوار۔" خلیفہ کا لہجہ نرم اور مشفقانہ تھا۔ "ہم تمہیں کسی بات نہیں کریں گے"۔

ایک بار پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ طبیب شاہی خوش تھے کہ متعہ کا معاملہ دو ماہ ٹل گیا ان سے زیادہ خوش قاضی محترم تھے جنہیں متعہ کی رسم ادا کرنے خلیفہ عاضد ...

اور انہوں نے طبیب کا بہانہ لے کر متعہ کی رسم ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ طبیب اور قاضی کی جان چھوٹ گئی تھی لیکن خلیفہ کا ذہن پریشان ہوگیا تھا درشہوار نے شاہی محلات میں قیام سے انکار کر دیا تھا پھر درشہوار کو کہاں رکھا جائے اور کس کی حفاظت میں دیا جائے۔ درشہوار نے صورت ایسے غضب کی پائی تھی کہ فرشتہ دیکھے تو ریشہ خطمی ہوجائے پھر کس پر اعتبار کیا جائے انسان تو انسان ہے وہ کسی وقت بہک سکتا تھا۔

"امیرالمومنین میرے قیام کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا۔" درشہوار کی آواز سے تھکن کا اظہار ہو رہا تھا یا وہ بھی خلیفہ کی طرح پریشان تھی۔

"تمہیں رہائش کے لئے جو پیش کش کی گئی وہ تمہیں قبول نہیں اور تم واپس بھی جانا نہیں چاہتیں۔ پھر مسئلہ کیسے حل ہو؟ خلیفہ با اختیار ہونے کے باوجود دبے دبے لہجے میں بات کر رہا تھا۔ در اصل اسے درشہوار کی دلداری منظور تھی آج تک جتنی لڑکیاں اس کی نظر سے گزریں تھیں یا اس کی خدمت پر مامور تھی درشہوار ان میں سب سے زیادہ طرحدار، حسین شوخ و شنگ اور باسلیقہ لڑکی تھی۔ خلیفہ کو یہ تو منظور تھا کہ وہ اس وقت تک صبر کرتا رہے جب تک طبیب شاہی اس کی کلی صحت کی تصدیق نہیں کرتا لیکن درشہوار جیسی [illegible] کو ناراض کر کے اسے ہاتھ سے نہیں کھونا چاہتا تھا۔

قاضی شہر نے ایک اور پیش کش کی۔ "امیرالمومنین۔ اگر خاتون شاہی محلات میں قیام سے گریزاں ہیں تو انہیں شاہی کوتوال کی حفاظت میں دیا جاسکتا ہے اس لئے کہ شہر کوتوال کا محل قاہرہ میں سب سے زیادہ محفوظ جگہ ہے"۔

خلیفہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ درشہوار نے بات اچک لی۔ "شہر کوتوال"۔ درشہوار نے زہرخند لہجے میں کہا۔ "وہ کوتوال جن کے محل میں ایک قید خانہ بھی ہے جس میں بے گناہ قید کئے جاتے ہیں۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا پھر اس مجرم صورت انسان کے محل میں کیوں جاؤں"

"خاتون صحیح فرماتی ہیں۔" طبیب شاہی نے دخل دیا "میں نے سنا ہے کہ شہر کوتوال کو دیکھ کر خود زمین پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور بچے خوف سے ڈر جاتے ہیں۔ ایک ایسے محل میں جہاں ہر دم جرائم کے افسانے رقص کرتے ہوں کسی باشعور خاتون کا قیام کسی طرح ممکن نہیں"۔

"اور آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" یہ پیش کش خود درشہوار نے کی۔

"میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ یعنی میں" طبیب گھبرا گیا۔ "خاتون محترم آپ کا اشارہ میری طرف ہے یعنی میں امیرالمومنین کا معالج، طبیب شاہی۔" طبیب نے امداد طلب نظروں سے خلیفہ کو دیکھا۔

"طبیب شاہی۔ درشہوار نے جو سوال کیا ہے اس کا جواب دیا جائے"۔ خلیفہ نے حکم دیا۔

"امیرالمومنین" طبیب نے فریادیوں کے انداز میں کہا۔ "یہ غلام ذمہ داری کے اس بوجھ کو اٹھانے کے قابل نہیں"۔

"گھبراؤ نہیں طبیب شاہی۔" خلیفہ نے تسلی دی۔ "آخر کسی نہ کسی کو تو یہ ذمہ داری اٹھانا ہی پڑے گی۔ تمہارے لئے یہ ایک اعزاز و افتخار ہے مزید یہ کہ اس میں درشہوار کی بھی مرضی شامل ہے۔"

"میں طبیب شاہی کے محل کے علاوہ اور کسی جگہ نہیں رہ سکتی۔" درشہوار نے اور زور دے کر کہا۔

"فیصلہ ہوچکا ہے۔ درشہوار طبیب شاہی کے محل میں قیام کرے گی۔ اور دن میں ایک بار ہماری مزاج پرسی کے لئے آئے گی۔" خلیفہ نے فیصلہ سنا دیا۔

خلیفہ کا فیصلہ ناقابل تنسیخ اور بے چون وچرا تسلیم کیا جاتا تھا لیکن درشہوار نے اس میں بھی ترمیم کروی۔ اس نے پروقار لہجہ میں کہا۔ "کنیز خلیفہ محترم کی عیادت کو دن میں ایک بار نہیں بلکہ ہفتہ میں صرف ایک بار حاضر ہوا کرے گی۔"

"نہایت نیک مشورہ ہے خاتون محترم کا"۔ طبیب شاہی نے ایک جملہ کا اضافہ کر کے جیسے مہر ثبت کردی۔

خلیفہ کو خاموش رہنا پڑا۔

وہ دن بڑا ہنگامہ خیز رہا جو لوگ خلیفہ کی زندگی سے ناامید ہوگئے تھے ان کی پھر سے امید بندھ گئی۔ قاضی بہت خوش تھے اگر طبیب شاہی نہ پہنچتا تو انہیں مجبوراً متعہ کا فرض ادا کرنا پڑتا اور شاید انہیں اس کا عمر بھر ملال رہتا کیونکہ ان کے خیال میں خلیفہ کے متعہ ہوتے ہی اس کی موت آنا لازمی تھی ادھر خلیفہ کی صحت کی ذمہ داری طبیب شاہی پر تھی۔ طبیب اور اس کے ہم خیال حریم خلافت کے تمام ملازمین یہی چاہتے تھے کہ خلیفہ زیادہ سے زیادہ عرصہ زندہ رہے کہ اس سے ان کی ملازمت اور روزی وابستہ تھی صلاح الدین کے پنجے مصری حکومت پر جم چکے تھے اور خلیفہ عاضد کے بعد کسی دوسرے خلیفہ کے مسند خلافت پر بیٹھنے کا سوال پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔

طبیب شاہی نے متعہ کا معاملہ التواء میں ڈال کر اپنے خیال میں خلیفہ کی عمر میں چند دنوں کا اضافہ کر دیا تھا۔ اس سے وہ مسرور تھا لیکن درشہوار کی ذمہ داری جو اس کے کاندھوں پر ڈالی گئی تھی۔ اس سے وہ بہت پریشان ہو رہا تھا درشہوار کو ابھی کچھ ہی لوگوں نے دیکھا تھا لیکن

جن لوگوں نے دیکھا تھا ان کا خیال تھا کہ درشہوار کی جوانی ایک ایسا شعلہ جوالہ ہے جس کی آگ سے بڑے بڑے کج کلاہوں اور متبرک لوگوں کے پاکیزہ دامن بھی جل سکتے ہیں۔

درشہوار کو طبیب شاہی کے ساتھ ایک بند شاہی سواری میں حریم خلافت سے رخصت کیا گیا وہ مستقبل کی ملکہ تھی اس لئے محل کی تمام کنیزوں اور غلاموں نے اسے بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ گاڑی کے پردے گرے ہوئے تھے نرم کوچدار گدوں پر طبیب شاہی اور درشہوار آمنے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ وہ مسکرا رہی تھی شاید اپنی قسمت کے انقلاب پر کل تک وہ ایک معمولی کنیز تھی لیکن اس وقت شاہی سواری میں مصر کے ایک طاقتور انسان کے ساتھ سفر کر رہی تھی طبیب شاہی کا اپنے پیشہ کی وجہ سے بڑا وقار تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مصر کا ایک بڑا جاگیردار بھی تھا۔ اس کے محل پر سخت پہرہ رہتا تھا۔ طبیب واقعی ایک طاقتور ہستی تھا اور اس کی حفاظت میں دی گئی درشہوار تک بڑے سے بڑے امیر کا ہاتھ پہنچنا بھی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا لیکن

لیکن طبیب کو خود اپنے آپ پر اعتبار نہ تھا وہ بار بار کنکھیوں سے درشہوار کو دیکھ رہا تھا۔ ان کی نظریں کئی بار مل چکی تھیں۔ اور چالاک و شاطر درشہوار نے طبیب کی نظروں میں لہراتی ہوئی باتوں کو پڑھ لیا تھا۔ پھر درشہوار نے اچانک کہا۔

"طبیب شاہی، تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔"

یہ کہہ کر درشہوار اپنی نشست سے اٹھ کر طبیب شاہی کی نشست پر آکر بیٹھ گئی اور طبیب شاہی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ بجلی کی ہزاروں لہروں کی لپیٹ میں آگیا ہے۔

دمیاط کا محاصرہ

در شہوار حریم خلافت سے طبیب شاہی کے محل پہنچ گئی۔

مصر کے عمائدین سلطنت جن میں قاضی القضاۃ' شہر کوتوال اور طبیب شاہی بھی ش
تھے۔ ان عمائدین اور اکابرین سلطنت کو شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن یہ مص
خلیفاؤں کی فیاضی تھی کہ وہ ان تمام اراکین و اکابرین کو شاہی محل عطا کرتا تھا اس پر لطف
کہ شاہی محل خالی نہیں ہوتے تھے بلکہ جب کوئی محل کسی کو عطا کیا جاتا تو اس کا
سامان معہ کنیز اور غلاموں کے منتقل ہوجاتا تھا۔ یہاں یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ ش
محل میں تو سینکڑوں کنیز اور غلام ہوتے تھے ان کے اخراجات کون برداشت کر سکتا تھا ا
جواب یہ ہے کہ مصری خلفاء کے الطاف شاہانہ کا یہ انداز تھا کہ اگر وہ کسی کو ایک گھ
عطا کرتے تو اس کے ساتھ گھوڑ کا ساز اور سائیس بھی دیا جاتا۔ اس سائیس کی تنخواہ ا
سرکاری خزانہ سے ادا کی جاتی ۔ اسی طرح جب کسی کو محل بخشا جاتا تو معہ ساز و سامان
غلاموں اور کنیزوں کے دیا جاتا اور ان کنیزوں اور غلاموں کی تنخواہیں شاہی خزانہ سے
جاتی تھیں۔

اس غلط بخشی کا یہ نتیجہ تھا کہ شاہی خزانہ پر سال بہ سال بوجھ بڑھتا جاتا اور اسی
سے دار الخلافہ قاہرہ میں شاہی محلات کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا تھا کیونکہ اگر افسر کو ا
عہدہ سے ہٹا کر دوسرے عہدہ پر لگایا جاتا تو اس سے شاہی محل واپس نہ لیا جاتا اور
افسر کو ایک الگ محل عطا کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ تھی اس قسم

ردہ محلات' شاہی محل نہیں کہلاتے تھے بلکہ ان کے مالکان محض کسر نفسی کی وجہ سے
حل کو حویلی کہتے اور کہلواتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ بڑے بڑے وزیر اور امیر
محلات کو "حویلی" کا نام دیتے تھے۔

طبیب شاہی کی حویلی اپنے ساز و سامان آرائش و زیبائش اور لونڈی غلاموں کی کثرت
جہ سے حریم خلافت کاایک حصہ معلوم ہوتی تھی یہ حویلی اس قدر وسیع اور عریض تھی
اس کا مہمان خانہ ایک چھوٹا سا محل تھا اور اسی محل میں در شہوار کو اتارا گیا تھا اس
اضی میں جھانکنے والا نہ کوئی موجود تھا اور نہ وہ خود اپنے ماضی کے بارے میں بتا سکتی
اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا' یہی دیکھا تھا کہ وہ ایک بردہ فروش کے ہاتھ سے
ے بردہ فروش کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی چلی آ رہی تھی۔ یہ ضرور تھا کہ وہ جس بردہ
ں کے ہاتھوں فروخت ہوتی وہ اسے بڑے آرام سے رکھتا۔ اچھا کھلاتا پلاتا اور ان کی
ت پر ایک کنیز مقرر ہوتی تھی۔

در شہوار کے دماغ میں یہ ڈال دیا گیا تھا کہ وہ شاہی محل کے لئے ہے اور اسے اپنے
کو شاہی محل کے قابل بنانا چاہئے۔ یہ خیال آہستہ آہستہ در شہوار کے دماغ میں راسخ
ا تھا۔ اور اس نے ان استادوں سے بڑی محنت سے سبق لینا شروع کر دیا تھا جو اس کی
ت پر مامور کئے جاتے تھے۔ در شہوار کو اپنی خوبصورتی اور دلکشی کا پہلے ہی دن سے
س تھا۔ اس پر استادوں کی تربیت نے اسے نشست و برخاست کے طریقوں اور گفتگو
اتار چڑھاؤ اور الفاظ کے استعمال کے طریقوں میں طاق کر دیا تھا۔ اس نے تھوڑی تعلیم
حاصل کر لی تھی مصر کے علاوہ وہ دو تین اور زبانوں میں گفتگو کر سکتی تھی۔

اپنے نئے ٹھکانے یا محل میں آئے ہوئے در شہوار کو چار دن گزر چکے تھے لیکن اب
اس کی طبیب شاہی سے کھل کر گفتگو نہ ہوئی تھی۔ طبیب دن میں ایک بار اس کے
ضرور آتا تھا لیکن در شہوار شاید کچھ دن مکمل آرام کرنا چاہتی تھی یا پھر کسی اہم معرکہ
لئے خود کو تیار کر رہی تھی اس لئے یا تو وہ سامنے آنے ہی سے گریز کرتی یا پھر سر درد
بانہ کر دیتی۔ اس کے اس رویے سے طبیب شاہی کا تجسس اور اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا
وہ کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ کرتا تھا در شہوار شاہی گاڑی میں نشست بدل کے
ب شاہی کے پاس آبیٹھی تھی اس نے طبیب کی پرسکون طبیعت میں ایک طوفان برپا کر
ا"۔

"تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا"۔

یہ وہ واحد جملہ تھا جو در شہوار نے طبیب شاہی کے برابر بیٹھ کر کہا تھا۔ طبیب اس

کے اس جملہ کی لذت یا پھر در شہوار کی قربت سے اس قدر بد حواس ہوگیا تھا کہ کو
ہی نہ دے سکا جواب کیا دیتا اس کی سمجھ ہی میں کچھ نہ آیا تھا کہ آخر در شہوار کے
مقصد کیا ہے اور الفاظ کے اتار چڑھاؤ میں کون سا جذبہ پوشیدہ ہے۔

در شہوار نے ان تین چار دنوں میں حالات کا پورا جائزہ لیا تھا۔ پہلے اس کا
کہ حریم خلافت میں داخلہ ہی اس کی منزل ہے مگر اس نے خلیفہ کی صحت کا جو
اور طبیب نے اس کے بارے میں بند بند الفاظ میں جو خدشات ظاہر کئے تھے اس
شہوار کا وجود ہل کر رہ گیا تھا۔ اس کے لئے یہ بہت آسان تھا کہ طبیب شاہی کی
کے باوجود وہ خلیفہ کے متعہ میں آجاتی اور اس کو موت کے قریب کر دیتی لیکن ا
اسے کیا فائدہ پہنچتا۔ قیمتی زیورات اور جواہرات مگر سوال یہ تھا کہ خلیفہ کی موت
کیا یہ اس کے لئے ممکن تھا کہ وہ قیمتی جواہرات اور زیوارات کو قصر خلافت سے نـ
جائے۔ وہ کس پر اعتبار کرتی اور کس کی مدد حاصل کرتی دولت کے لئے تو بھائی بھا
کر دیتا ہے۔

انہی باتوں کو سوچتے ہوئے اس نے طبیب شاہی کی ہاں میں ہاں ملا کے
معاملے کو تعطل میں ڈال دیا تھا پھر جب اس کے رہنے کا سوال اٹھا تو اس نے کچھ
طبیب شاہی کے محل میں رہنے کو فوقیت دی۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔ اس کا جواب
پاس پہلے تو نہ تھا لیکن جب وہ قصداً شاہی گاڑی میں آتے ہوئے طبیب کے برا
بیٹھ گئی تو اس کا ذہن ایک خاص منصوبہ پر غور کرنے پر مجبور ہوگیا اور اب اسی منـ
خد و خال درست کرنے کے لئے وہ طبیب شاہی کا انتظار کر رہی تھی۔

طبیب عام طور سے صبح کے وقت آتا تھا لیکن آج دوپہر ہونے کو آئی تھی ا
کے آنے کی کوئی اطلاع نہ تھی در شہوار کے دل میں قسم قسم کے وسوسے پیدا ہو
ہوگئے اس نے چار دن سے طبیب سے سیدھے منہ بات نہ کی تھی۔ کہیں طبیب ا
خلاف نہ ہوگیا ہو۔ پھر تو اس کے تمام حسین خواب چکنا چور ہوجائیں گے۔

"طبیب اعظم تشریف لائے ہیں خلیفہ بیگم"۔ کنیز نے اندر آکر در شہوار کو چونکا
اس کے چونکنے کی وجہ یہ نہ تھا کہ طبیب شاہی کی آمد اس کے لئے عجیب یا تع
تھی بلکہ کنیز نے اسے "خلیفہ بیگم" کا خطاب یا لقب دے کر مخاطب کیا تھا۔

"تم نے مجھے خلیفہ بیگم کہا؟"۔ در شہوار نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"غلطی ہوگئی ہے۔ معاف کر دیجئے آئندہ نہیں کہوں گی۔" کنیز کا رنگ اڑ
گڑگڑانے لگی۔ شاید اس کا خیال تھا کہ در شہوار اس خطاب سے خوش ہوجائے گی۔

"غلطی کا سوال بعد میں پیدا ہوگا"۔ در شہوار نے بڑی متانت سے کہا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ
نے کیا سوچ کے مجھے یہ خطاب دیا۔"

"معاف کر دیجئے اب نہیں ---" کنیز اس کے پیروں پر گر پڑی۔

"نہیں، نہیں---- سیدھی کھڑی ہو----" در شہوار نے نرمی سے کہا۔

کنیز کھڑی ہوگئی۔ اس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھی اور بدن کانپ رہا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا۔ در شہوار نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"سرویا" کنیز کی آواز روہانسی تھی۔

"اچھا سرویا۔ اب بتاؤ؟" در شہوار نے نرم آواز رکھی۔ تم نے خلیفہ بیگم کا خطاب
ے کیا سوچ کے دیا"۔

"شہزادی بیگم۔ کنیز نے فوراً اپنی اصلاح کی۔ جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں"۔

"بے خوف ہو کے گفتگو کرو۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا اور اگر کسی نے تمہاری
رف ٹیڑھی نظروں سے دیکھا تو میں اس سے سمجھ لوں گی۔"۔ در شہوار نے اسے مطمئن
ر دیا۔

"شہزادی بیگم ----" سرویا نے سنبھل کے کہا۔ "یہاں سے تمام شاہی محلات تک ہر
بلکہ اس بات کا چرچا ہے کہ امیر المومنین نے آپ کو پسند فرمایا ہے اور آپ بہت جلد خلیفہ
بیگم بننے والی ہیں"۔

در شہوار کچھ سوچنے لگی لیکن اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس خطاب سے
ش ہے۔

"شہزادی بیگم۔" سرویا نے یاد دلایا۔ طبیب اعظم باریابی کے منتظر ہیں۔

"اوہ انہیں۔ ہمارا سلام کہو"۔ در شہوار مسکرائی۔

سرویا جانے لگی۔

"سرویا ٹھہرو"۔ در شہوار نے اسے روکا۔ سرویا واپس جانے لگی۔

"ہم تمہیں اپنی خاص خدمات پر مامور کریں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہوگا"۔
ر شہوار نے سرویا کو ٹٹولا اور سرویا کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا"۔ "شہزادی بیگم اگر کنیز کو
بول فرمائیں تو میری دنیا سنور جائے گی"۔

"ٹھیک ہے ہم آج تمہیں طبیب اعظم سے مانگ لیں گے۔" در شہوار پھر سوچ میں
وب گئی۔

"اچھا طبیب اعظم۔ طبیب اعظم کے لئے کیا حکم ہے"۔ سرویا نے پھر یاد دلایا۔

"اچھا طبیب اعظم۔ در شہوار چونک کے بولی۔ یہ تمہارے طبیب اعظم کس طبیعت کے مالک ہیں ہم ان کے پاس خلیفہ محترم کی امانت ہیں پھر یہ ہم سے روز کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ کہیں یہ۔۔۔۔۔۔"

در شہوار نے جملہ ناتمام چھوڑ دیا۔ سرویا نے مسکرا کے سر جھکا لیا۔

"اچھا یہ بتاؤ طبیب اعظم کی کتنی بیویاں ؟" در شہوار نے سوال کیا۔

"برابر والے محل میں تین بیویاں رہتی ہیں۔ دوسرے محلوں کا مجھے علم نہیں۔" سرویا کو جو علم تھا اس نے بتا دیا۔

در شہوار کی تسلی نہیں ہوئی "اس کا مطلب ہے کہ دوسرے محلوں میں بھی طبیب اعظم نے اپنے لئے کچھ عورتیں رکھی ہیں"۔

"جی شہزادی بیگم یہی سنا ہے"۔ سرویا نے جواب دیا۔

در شہوار مسکرائی ۔ "بس اتنا ہی کافی ہے آنے دو طبیب اعظم کو۔

سرویا چلی گئی پھر ذرا دیر بعد طبیب اعظم کو لے کے واپس آئی۔

"تعظیم پیش کرتا ہوں خدمت عالی میں"۔ اور طبیب اعظم نے سر جھکا لیا۔

"آپ نے سر کیوں جھکا لیا۔ میں امیرالمومنین نہیں؟" در شہوار نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

طبیب اعظم نے سر اٹھا کر سرویا کی طرف دیکھا۔

در شہوار نے فوراً کہا۔ سرویا تم باہر جاؤ اور جب تک طبیب اعظم یہاں ہیں کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ یہ حکم صرف آج کے لئے نہیں بلکہ آئندہ کے لئے بھی ہے ۔"

"ماشاء اللہ ۔ آپ بہت ذہین ہیں"۔ طبیب نے دبے الفاظ میں کہا۔

در شہوار نے ان سنی کر دی ۔ "آپ کا سر اب بھی جھکا ہوا ہے ۔ میں نے آپ کو نظریں اٹھانے سے منع تو نہیں کیا"۔

"خاتون محترم" طبیب نے تھوک نگل کے کہا۔ "میں کسی بے ادبی کا مجرم نہیں ہونا چاہتا نظریں اکثر گستاخی پر آمادہ ہوجاتی ہیں ۔

در شہوار نے فوراً کہا۔ "میں نے نظریں پڑھنے کا علم سیکھا ہے طبیب محترم۔"

"دوبارہ ماشاء اللہ کہنے پر مجبور ہوں"۔ طبیب کا انداز خوشامدانہ تھا"۔ کس استاد سے یہ علم حاصل کیا ہے آپ نے"۔

"تجربہ سب سے بڑا استاد ہے محترم"۔ در شہوار نے کہا۔ "میں نے زمانہ کے بڑے نشیب و فراز دیکھے ہیں"۔

"کیا آپ اپنے بارے میں کچھ کہنا پسند فرمائیں گی"۔ طبیب نے ایک دم سوال کر دیا۔

"میں تو اس کی تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھتی۔ در شہوار نے روکھے پن سے

"آپ کو ناگوار گزرا ۔ میں معذرت خواہ ہوں"۔ طبیب نے فوراً بات بنائی۔ ظاہر ہے صرف چار دن میں آپ ایک غیر متعلق شخص پر کیسے اعتماد کر سکتی ہیں۔

"اعتماد تو خیر میں نے پہلے ہی دن کر لیا تھا۔ در شہوار نے کہا۔ "آپ کو شاید یاد نہیں حریم خلافت پر میں نے آپ کے محل کو فوقیت دی تھی اور میرے ہی کہنے پر مجھے یہاں گیا تھا اس زیادہ اور کیا اعتماد ہو سکتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ مجھے حریم خلافت کون لے لایا ور میں ماضی میں کس قسم کی زندگی گزارتی تھی اس کے اظہار کا شاید ابھی نہیں آیا۔ کسی مناسب وقت پر اس کا خود ہی اظہار کروں گی"۔

"میں اپنی اس غلطی کے لئے معذرت کا اظہار کرتا ہوں"۔ طبیب نے جواب دیا۔ اصل میں اس وجہ سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی مرضی دریافت کروں اور اگر آپ کو محل میں تکلیف ہو تو دوسرے محل میں منتقل کرنے کا انتظام کیا جائے ۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں چار روز تک آپ کو نہ بلوا سکی اور جب آپ تشریف ئے تو اندر آنے کی اجازت نہ دی۔" در شہوار نے ایسے میٹھے انداز میں کہا کہ طبیب اعظم کانوں میں شہنائیاں بج اٹھیں"۔

"مجھے جلد نہ جلد سے کوئی فرق نہیں پڑتا"۔ طبیب نے سرشاری کے عالم میں کہا۔ پ میرے پاس امیرالمومنین کی امانت ہیں۔ اور آپ کی حفاظت اور آرام و زیبائش کا رکھنا میرا فرض ہے"۔

"طبیب محترم"۔ در شہوار سنجیدہ ہوگئی"۔ جو شخص خود اپنی حفاظت نہ کر سکتا ہو وہ دوسرے پر توجہ کس طرح دے سکتا ہے۔ امیرالمومنین تو ابھی بیمار ہیں آپ نا امید نہ یے وہ جلد صحت یاب ہوجائیں گے"۔ طبیب نے رسمی طور پر در شہوار کو تسلی دی۔

"خدا کی ذات برحق اور اس کی مسیحائی مسلم۔" در شہوار نے یقین کے ساتھ کہا۔ خدا اس شخص پر کیوں رحم فرمائے گا جس نے خلیفہ بننے کے بعد آج تک قصر خلافت نکل کر یہ نہیں دیکھا کہ اس کی رعیت کسی حال میں ہے؟"

"آپ درست فرما رہی ہیں"۔ لیکن ان کی صحت۔

طبیب اعظم بات بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن در شہوار نے اسے روک دیا"۔

آپ غلط تاویلیں پیش کرنے کی کوشش نہ کیجئے میں جانتی ہوں کہ خلیفہ نے اپنی صحت تباہ کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے انہیں بے اعتدالی سے روکنے کی کوشش نہ ہوگی۔ لیکن انہوں نے حریم خلافت میں عورتوں کی تعداد بڑھانے کے سوا اور کچھ نہ کیا"۔

طبیب حیرت بھری نظروں سے در شہوار کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا یہی خیال تھا کہ شہوار ایک انتہائی حسین کنیز جو کسی خوش قسمت کے ہاتھ لگی جس نے بھاری رقم وصول کے اسے قصر سلطانی تک پہنچا دیا۔ مگر در شہوار جس انداز سے گفتگو کر رہی تھی اس صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ در شہوار کو معقول تعلیم و تربیت ملی ہے اور وہ کسی قسمت کے میں پھنس کر یہاں تک پہنچی۔

"خاتون محترم"۔ میں اپنے تجسس کو سینے میں نہیں دبا سکتا۔ طبیب اعظم سے ضبط ہو سکا اور اس کے خیالات الفاظ بن کر زبان پر آ گئے"۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا تعلق اعلیٰ خاندان سے ہے کیونکہ آپ کی سوچ اور انداز گفتگو بتا رہا ہے۔ آپ نے باقاعدہ یا قائدہ تعلیم حاصل کی ہے۔ یقین کیجئے آپ میرے لئے پہلے سے زیادہ قابل احترام ہو ہیں"۔

"طبیب اعظم ----- مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی باتوں پر یقین نہیں کر سکتی۔ در شہوار نے صاف الفاظ میں جواب دیا۔ آپ کے دل میں میری عزت صرف اس دن ہے۔ جب تک خلیفہ کی سانس چل رہی ہے۔ اس کی آنکھ بند ہوتے ہی میں احترام سیڑھیاں اتر کر پھر ایک کنیز کی جگہ پر پہنچ جاؤں گی اور وہ وقت شاید کچھ زیادہ دور نہیں"۔

"نہیں در شہوار -----------" طبیب نے اس کے ساتھ ہی جلدی سے اپنے منہ ہاتھ رکھ لیا پھر شرمندگی کے انداز میں سر جھکا کر بولا۔ "مجھے معاف کیجئے خاتون محترم۔ میں نے جذبات میں آپ کے نام لینے کی گستاخی کی ہے"۔

"طبیب اعظم ---" در شہوار نے دھیرے لہجے میں کہا"۔ ممکن ہے کہ آپ اس۔ بڑھ کے بھی گستاخیاں فرمائیں میں نے قصر خلافت میں آ کے جو غلطی کی ہے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا آپ کو مضبوط سمجھتے ہوئے میں نے قصر خلافت کے بجائے آپ۔ محل میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے خلیفہ کے زندہ رہنے اور اس کے مرنے کے چند روز تک آپ کے سہارے کی ضرورت ہوگی۔ یہ فیصلہ میں نے چار دن پہلے کیا تھا لیکن شا مجھے اس فیصلے پر دوبارہ غور کرنا پڑے"۔

"آپ اپنے فیصلہ میں با اختیار ہیں خاتون"۔ طبیب نے مایوس انداز میں کہا۔ "در

آپ یہاں جب تک چاہیں قیام فرما سکتی ہیں۔ آپ کی خدمت میرے لئے باعث افتخار میری مسرتوں میں اضافہ کا سبب ہوگی"۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیفہ اپنی زندگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مجھے کل ہی طلب کر لے تو کیا آپ مجھے روک سکیں گے---؟" در شہوار نے آخر وہ مشکل سوال کر ہی دیا جس کا جواب حاصل کرنے کے لئے اس نے طبیب کے قصر میں رہنے کی خواہش کی تھی۔

مثل مشہور ہے کہ کنوارے ارمان اور بیاہے پشیمان۔ انسان کے دل میں بڑے بڑے ولولے ہوتے ہیں وہ سوچتا ہے کہ اگر اسے موقعہ ملا تو میں یہ کروں گا وہ کروں گا۔ پھر جب خدا اس کی خواہش پوری کر دیتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کی اس نے خواہش کی تھی وہ سونے کے بجائے پیتل کی ہے۔ یہی حال در شہوار کا ہوا۔ وہ ایک اچھے اور کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی تھی مگر بدقسمتی سے بردہ فروشوں کے ہاتھ لگ گئی۔ مگر یہ بدقسمتی بہت جلد خوش قسمتی میں تبدیل ہوگئی اور وہ ایک شاہی غلام کے ذریعہ حریم خلافت میں پہنچ گئی۔ وہاں دنیا کی ہر چیز میسر تھی اور وہ اپنی خواہش کی تکمیل کر سکتی تھی لیکن اسے پہلے ہی دن یہ معلوم کر کے بڑی مایوسی ہوئی کہ مصر کا خلیفہ صرف بیمار ہی نہیں بلکہ سدا کا روگی ہے اور اس کی آنکھیں کسی بھی وقت بند ہو سکتی ہیں۔

خلیفہ نے اسے پہلی ہی نظر میں پسند بھی کر لیا تھا۔ شاید یہ در شہوار کے بے پناہ حسن کی طاقت یا سحر تھا کہ اسے دیکھ کے شاید بیمار خلیفہ اٹھ کے بیٹھ گیا تھا۔ اگرچہ اس میں یہ طاقت ذرا دیر کے لئے آئی تھی اور در شہوار کے وہاں سے آتے ہی اس پر پھر غشی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ در شہوار ایک ذہین لڑکی تھی اس نے طبیب اور خلیفہ کی گفتگو غور سے سنی تھی اور خود بھی اس میں شریک رہی تھی اس سے اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس کی قسمت کا ستارہ چمکا ضرور ہے مگر یہ بہت جلد دھندلا جائے گا۔ خلیفہ اس وقت تو اسے سب کچھ دے سکتا تھا لیکن اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی وہ پھر در شہوار سے کنیز بن کر کسی امیر یا وزیر کی خدمت پر مامور کر دی جائے گی۔

شاید یہی سوچ کے اس نے طبیب اعظم کا سہارا ڈھونڈا تھا۔ طبیب ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند انسان تھا اور اس کا امراء وزراء پر اثر بھی معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ وہ شادی شدہ تھا لیکن در شہوار کا حسن ایسا نہ تھا کہ کوئی اس کی ایک غلط انداز نظر کی تاب بھی لا سکے۔ در شہوار کا یہ سوال بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ طبیب اعظم اس کا سوال سن کر چونک پڑا تھا۔ وہ تھوڑی دیر در شہوار کے چہرے کو دیکھتا رہا پھر مضبوط لہجہ میں بولا۔"

"خاتون محترم۔ آپ نے مجھ سے جو سوال کیا ہے کیا آپ اس سوال میں سنجیدہ

ہیں"۔

در شہوار نے کہا۔ "طبیب اعظم میں مضبوط ارادہ کی مالک ہوں اور جو بات منہ سے نکالتی ہوں پہلے اس پر غور کر لیتی ہوں میرے سوال کا تعلق میری زندگی اور موت سے ہے اس لئے میرے غیر سنجیدہ ہونے کا کوئی موقعہ نہیں"۔

"تو پھر سنئے خاتون"۔ طبیب نے بھی مضبوط لہجے میں کہا۔ میں اگرچہ ایک طاقتور اور با اثر شخصیت ہوں لیکن خلیفہ کی زندگی میں میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں ہاں اگر خلیفہ کے بعد آپ نے مجھ پر اعتماد کیا تو میں آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچنے دوں گا۔ میرا تعاون آپ کو حاصل ہوگا اور آپ کے لئے میں پہاڑوں سے ٹکرا جاؤں گا"۔

"طبیب اعظم۔" در شہوار نے پہلی بار پروقار لہجہ اختیار کیا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مجھے آپ سے کم و بیش بالکل ایسے ہی جواب کی امید تھی۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ جس وقت بھی مجھے کسی مضبوط سہارے کی ضرورت ہوئی تو میری دستک سب سے پہلے آپ کے دروازے پر ہوگی"۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی پہلی ہی دستک پر میرے گھر ہی کے نہیں بلکہ دل اور ذہن کے بھی تمام دروازے کھل جائیں گے"۔ طبیب کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا تھا۔ جیسے اس نے کوئی معرکہ سر کر لیا ہو۔

طبیب شاہی کی یہ زبردست فتح تھی۔ وقت کی حسین ترین دوشیزہ بغیر کوئی دکھ اٹھائے بازو کھول کے اس کی طرف بڑھی تھی یہ در شہوار کی مجبوری نہیں ضرورت تھی حالات نے اسے اتنا باشعور کر دیا تھا کہ وہ مستقبل کی تاریک راہوں میں جھانک کے اپنا راستہ تلاش کر سکے۔ اور یہ راستہ طبیب اعظم کے گھر سے نکل کے اسی کے گھر میں ختم ہوتا تھا۔

در شہوار بھی بہت خوش تھی ہو سکتا ہو کہ اس کے ارادے اور زیادہ بلند ہوں لیکن ان بلندیوں تک پہنچنے کے لئے بھی در شہوار کو طبیب اعظم کی سیڑھی استعمال کرنا ضروری تھی۔

اسے اچانک سرویا کا خیال ایا اور اس نے طبیب سے کہا۔ "طبیب اعظم آپ کی کنیز سرویا مجھے پسند ہے میں چاہتی ہوں کہ کل وہ وقتی میری خدمت میں رہے"۔

"خاتون محترم" طبیب کے لہجے میں محبت کی مٹھاس آگئی تھی۔ "آپ کو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس محل کے تمام غلام اور کنیزیں آپ کی ملازم ہیں۔ آپ انہیں ہر قسم کا حکم دے سکتی ہیں اور ان پر پورا اعتماد کر سکتی ہیں"۔

"میں شکریہ ادا کرتی ہوں۔ طبیب اعظم۔" در شہوار نے بڑی مسرت سے کہا۔

"اگر خاتون محترم مجھے طبیب اعظم کے بجائے صرف طبیب سے مخاطب فرمائیں تو مجھے زیادہ مسرت ہوگی۔ طبیب نے شاید بے تکلفی کی طرف پہلا قدم اٹھایا۔

در شہوار نے بھی اس کی حوصلہ افزائی کی"۔ آپ بھی اگر مجھے میری نام سے مخاطب کیجئے تو مجھے خوشی ہوگی"۔

طبیب اعظم کی خوشی میں تھوڑا سا اضافہ ہوگیا اور اس طرح در شہوار جیسی الہڑ لڑکی اور ایک گرگ باراں دیدہ طبیب کے درمیان ایک خاموش معاہدہ طے پا گیا۔

شمالی مصر کا شہر دمیاط دریائے نیل کے ڈیلٹا کی ایک شاخ پر آباد ہے۔ دمیاط ایک بڑا تجارتی شہر اور بحیرہ روم سے صرف آٹھ میل دور واقع ہے اس لئے اس کا شمار اسکندریہ کی طرح بندرگاہ میں ہوتا ہے جس وقت اسکندریہ اور قاہرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اسی وقت دمیاط پر بھی قبضہ کیا گیا کیونکہ یہ شہر براہ راست بحری راستہ پر واقع تھا۔ دمیاط اسد الدین شیر کوہ کے زمانہ میں فتح ہوا تھا اور اس وقت یہاں کا گورنر شمس الحق تھا اس پر اسے اس قدر اعتماد تھا کہ اس کی گورنری کو اس نے بالکل نہیں چھوڑا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صلاح الدین کے وزارت کا عہدہ سنبھالنے پر شمس الحق پہلا گورنر تھا جس نے قاہرہ پہنچ کر صلاح الدین کو مبارک باد دی تھی۔

ایمالرک شاہ یروشلم نے مصر میں مسلمانوں کے ہاتھوں شرمناک شکست کھانے کے بعد خود کو یروشلم میں محدود کر لیا تھا۔ اسے سلطان نور الدین زنگی اور امیر صلاح الدین ایوبی کے تیوروں سے معلوم ہوگیا تھا کہ فلسطین کی عیسائی حکومت کے اب ایک نہیں بلکہ دو دشمن ہیں۔ شمال میں دمشق کا عظیم سلطان نور الدین اور جنوب میں اسی سلطان کا تربیت دیا ہوا امیر صلاح الدین جو جواں عمر ہونے کے باوجود اس قدر بیدار مغز ہے کہ اس نے مصر کے مرد آہن وزیر اعظم ملک شاور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ مصر کی دوسری بڑی طاقت سوڈانی حبشی تھے جن کا سردار نجاح تھا اور یہ نجاح تمام شاہی محلات کا ناظم اور داروغہ ہونے کے ساتھ ساتھ مصر کے خلیفہ عاضد کا خسر بھی تھا مگر امیر صلاح الدین نے اسے بھی ایک ہی حلے میں نجاح اور اس کے پچاس ہزار سوڈانی حبشیوں کو ایسا زچ کر کے مارا تھا کہ انہیں مصر میں کسی جگہ پناہ نہ ملتی تھی مصر کے علوی امراء کا حال بھی اس نے سوڈانیوں جیسا کیا تھا۔

شاہ ایمالرک کو یہ شدید خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ اگر کبھی شمال سے سلطان دمشق نے دمشق سے قدم نکالے اور جنوب سے امیر صلاح الدین یروشلم کی طرف بڑھا تو اس کی حکومت چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس کے تباہ ہوجائے گی۔ اسے ایک اور بھ

وہ یہ کہ اسکندریہ اور دمیاط میں مسلمانوں کے بحری دستے موجود تھے اگر وہ کسی وقت حرکت میں آگئے تو یروشلم کو یورپ سے بالکل الگ کر کے رکھ دیں گے۔ ان یورپین فوجوں کی امداد پر ہی ایمالرک بہت پھولتا تھا اور مسلم علاقوں کو تاراج کرتا تھا مگر اس وقت حالات مسلمانوں کے حق میں تھے اور وہ سب کچھ کر سکتے تھے۔

ان باتوں کو سوچ کر شاہ یروشلم نے تمام عیسائی بادشاہوں کے علاوہ مشرقی سلطنت روم یعنی قسطنطنیہ کے بازنطینی شہنشاہ کے دربار میں بھی سفارت بھیج رکھی تھی۔ اور ان سے درخواست کی تھی کہ اگر یروشلم (بیت المقدس) کو بچانا ہے تو تمام نصرانی حکومتیں اسے اپنی فوجیں روانہ کریں ورنہ وہ وقت دور نہیں جب بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوجائے۔ اس سے پہلے سلطان نور الدین کے والد عمادالدین زنگی کے زمانہ میں بھی ایک بار شہنشاہ قسطنطنیہ اپنے اور یورپ کے بہت سے بادشاہوں کا لشکر لے کر موصل کے مسلمان امیر کو ختم کرنے آیا تھا۔ مگر مجاہد اعظم عماد الدین زنگی نے اس کی ناک میں ایسی نکیل ڈالی تھی کہ اسے میدان جنگ میں تمام اسلحہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا تھا اور آج اسی کا بیٹا نور الدین زنگی سلطان دمشق کی صورت میں اس کا خون خشک کرنے کے لئے اکثر نصرانی ریاست کے شمالی علاقوں پر تاخت و تاراج کیا کرتا تھا۔

روایت ہے کہ اسپین (اندلس) اور جزیرہ سسلی (صقلیہ) کے فوجی دستے شاہ ایمالرک کی مدد کو بیت المقدس کی مذہبی جنگ لڑنے کے لئے یروشلم پہنچ گئے۔ نصرانی شہنشاہ مشرق نے بھی مدد کا وعدہ کیا اور اطلاع پہنچی کہ قسطنطنیہ سے بحری جہازوں میں فوج روانہ کی جا رہی ہے۔ شاہ ایمالرک کو جو یہ سہارا ملا تو اس کا دماغ آسمان پر پہنچ گیا اس نے فوراً جنگی تیاریاں شروع کر دیں

وزیر اعظم مصر ابھی سوڈانیوں کے جھگڑے سے فارغ ہوا تھا کہ اسے جاسوسوں نے یروشلم میں جنگی تیاریوں کی خبریں دینا شروع کردیں۔ اسے یہ بھی بتایا گیا کہ اس بار صرف یروشلم کا لشکر ہی حملہ آور نہ ہوگا بلکہ شاہ یروشلم کے ساتھ یورپ کے بہت سے ملکوں کے فوجی دستے بھی ہوں گی جاسوسوں نے اس بات کا خدشہ بھی ظاہر کیا کہ شاہ یروشلم نے اپنی سفارت شہنشاہ قسطنطنیہ کے دربار بھی بھیجی ہے اور بہت ممکن ہے کہ شہنشاہ بھی یروشلم کی مدد پر تیار ہوجائے۔

یہ اطلاعات صلاح الدین کے لئے بڑی پریشان کن تھیں اس نے اسکندریہ اور بلبیس کی طرف کمک روانہ کر دی تھی اور وہاں کے حاکموں کو حکم دیا تھا کہ حملہ کی صورت میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ جاری رکھیں تاکہ انہیں مزید لشکر روانہ کیا جاسکے۔ پھر ایک شب

صلاح الدین کو سوتے جگایا گیا اور دمیاط کے قاصد کو اسی وقت پیش کیا گیا۔

قاصد نے افسردگی سے اطلاع کر دی"۔ یروشلم کے شاہ ایمالرک نے دمیاط کے شمال میں اپنا لشکر اتار دیا ہے۔ دمیاط کے بحری راستے پر اس کے جہاز چکر لگا رہے ہیں"

"جنوبی راستہ ابھی خالی ہے؟" صلاح الدین نے گھبرا کے پوچھا۔

"جی ہاں وزیر اعظم۔ قاصد نے تصدیق کی۔ ابھی تک محاصرہ مکمل نہیں ہوا ہے"

صلاح الدین نے اطمینان کا سانس لیا۔ والی دمیاط شمس الخواص نے مدافعت کے لئے کیا اقدام کئے ہیں؟"

قاصد نے جواب دیا۔ ابھی تک دمشق کی فوج کا صحیح اندازہ نہ ہوسکا اس لئے والی دمیاط احتیاطاً" قلعہ بند ہوگئے ہیں اور فوری مدد کی درخواست کی ہے"

"تم جس قدر تیزی سے آئے ہو۔ اسی تیزی سے واپس جاؤ۔ اور شمس الخواص تنکور کو اطمینان دلاؤ کہ مصری حکومت دمیاط کو کمک بھیجنے میں ایک لمحے کی کوتاہی نہ کرے گی"۔

صلاح الدین نے بڑے جوش سے کہا"۔ ہم دمیاط مصر کی ایک انچ زمین پر بھی قبضہ نہ ہونے دیں گے"

صلاح الدین نے قاصد کو خالی واپس نہیں کیا۔ بلکہ اس کے ساتھ فوری طور پر پانچ سو شاہی سواروں کا ایک مضبوط دستہ اس کے ساتھ کر دیا۔

"یہ ہماری کمک کی پہلی قسط ہے"۔ صلاح الدین نے قاصد کو رخصت کرتے وقت کہا۔ دمیاط مسلمانوں کا ہے اور مسلمانوں کے قبضہ میں رہے گا"۔

"وزیر اعظم ----"والی میاط بہت پریشان تھے اس کمک سے انہیں بہت سہارا ملے گا اور وہاں موجود فوجیوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے"۔

قاصد کے رخصت ہوتے ہی صلاح الدین نے تمام امرائے نوریہ کو طلب کر لیا۔ رات بھر مجلس مشورت بھی رہی تمام معاملات طے ہوگئے مگر صلاح الدین کے دمیاط جانے پر بات آکر رک گئی۔

فقیہ عیسی ہکاری نے مخالفت کرتے ہوئے کہا۔ "حبشیوں کا فتنہ ابھی ختم ہوا ہے ایسی صورت میں وزیر اعظم کا دارالخلافہ چھوڑنا کسی طرح مناسب نہیں میں اس تجویز کی شدید مخالفت کرتا ہوں"۔

محمود حارمی نے کہا۔ "فقیہ معظم۔ دمیاط جانے کی تجویز خود وزیر اعظم نے پیش کی ہے آپ اس کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں وزیراعظم سے بہتر اور کون امیر نصرانیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے؟"

امیر حامی نے درست فرمایا ۔ فقیہ ہکاری نے جواب دیا۔ لیکن امیر صلاح الدین کی موجودگی جس طرح جنگ کے لئے اہمیت رکھتی ہے اسی طرح قاہرہ کے لئے بھی ضروری ہے۔ میرے منہ میں خاک اگر دمیاط کسی کمزوری کی وجہ سے ہمارے ہاتھ سے نکل بھی گیا تو ہم اسکندریہ میں جمع ہو کر دمیاط کو واپس لے سکتے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ قاہرہ کے حالات بگڑ گئے تو اسے سوائے صلاح الدین کے اور کوئی نہیں سنبھال سکتا"

" فقیہ محترم" آپ نے دمیاط کے قاصد کا حال نہیں دیکھا۔" صلاح الدین نے دخل دیا۔ "اس کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر والی دمیاط کی فوجی مدد نہ کی گئی تو دمیاط پر نصرانیوں کا قبضہ ہو جائے گا میں چاہتا ہوں دمیاط پہنچ کے خود اپنی آنکھوں سے وہاں کا حال دیکھو اگر شاہ ایمالرک کے ساتھ پورا یورپ آگیا ہے تو ہمیں کچھ اور بھی سوچنا ہوگا۔"

"اور کیا سوچنا ہوگا"؟ فقیہ ہکاری نے گھبرا کر صلاح الدین کو دیکھا۔ کہیں وزیر اعظم پسپائی کے بارے میں تو نہیں سوچ رہے میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا"۔

"لا حول و لا قوۃ الا باللہ ۔ صلاح الدین کی زبان سے ایک دم نکلا۔ "میں پسپائی کا تصور نہیں کر سکتا اور میری امراء سے درخواست ہے کہ جب بھی میری زبان سے پسپائی کا لفظ سنیں تو میرا ساتھ فوراً چھوڑ دیں۔ ہم اتنا خون بہانے اور شہادتیں دینے کے بعد مصر کے چھوڑنے کا خیال بھی نہیں کر سکتے"۔

فقیہ ہکاری کچھ شرمندہ ہو گئے" ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے وزیر اعظم کے بارے میں ایک غلط رائے قائم کی۔ ان کے لہجے میں شرمندگی اور افسردگی کا امتزاج تھا۔

"ایسا نہ کہئے فقیہ محترم"۔ صلاح الدین نے پورے خلوص سے کہا میں امرائے نوریہ کی دل سے قدر کرتا ہوں اور ہمیشہ ان کا مشورہ پیش نظر رکھتا ہوں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جاسوسوں کی اطلاعات کے مطابق یورپ کے کئی ممالک کی فوجیں یروشلم پہنچی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ شاہ یروشلم کے ساتھ دمیاط آئی ہوں گی۔ نصرانی شہنشاہ قسطنطنیہ کے بارے میں بھی یہ اطلاعات ملی ہی کہ وہ ایک بڑا لشکر روانہ کر رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ نصرانی سرزمین مصر پر ایک نئی صلیبی جنگ کا آغاز کرنا چاہتے ہیں دمیاط ایک چھوٹی سی منڈی ہے لیکن عسکری اعتبار سے اس کا محل و وقوع بہت اہم ہے۔ ان تمام باتوں سے ہمیں سلطان کو مطلع کرنا چاہئے۔"

"نہایت مناسب خیال ہے"۔ امیر محمود حارمی نے تائید کی" میرے خیال میں صرف اطلاع دینے سے کام نہیں بنے گا۔ ہمیں دمیاط کو بہرصورت بچانا ہے اس لئے ہم سلطان سے کمک کی درخواست بھی کر سکتے ہیں کیوں فقیہ محترم آپ کا کیا خیال ہے ؟

"نصرانیوں کی تیاری سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مصر کی آخری جنگ لڑنا چاہتے ہیں۔ فقیہ ہکاری نے خیال ظاہر کیا"۔ خواہ شاہ ایمالرک اس جنگ کو صلیبی جنگ کا نام نہ دے مگر اس نے یورپ اور شہنشاہ روم سے جو کمک طلب کی ہے اس میں مذہبی جنگ کا نام ضرور لیا ہوگا"

"یہ خیال بھی درست معلوم ہوتا ہے"۔ صلاح الدین نے فکر مند لہجے میں کہا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاہ ایمالرک نے حلیف ملکوں کو لکھا ہے کہ شمال سے سلطان دمشق اور جنوب سے صلاح الدین یروشلم پر قبضہ کے لئے بڑھ رہا ہے اور اگر اس وقت نصرانی قوم نے اس کی مدد نہ کی تو یروشلم عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اور انہیں یروشلم کی زیارت کے لئے مسلمانوں کے سامنے اپنی درخواست پیش کرنا پڑے گی"۔

وزیر اعظم صلاح الدین کا یہ خیال حقیقت سے بہت قریب تھا ۔ مجاہد اعظم عماد الدین زنگی کے عہد حکومت میں جب شاہ یروشلم نے امیر عماد الدین کے خلاف میدان کھولا تھا تو اس نے ملک شام کی تمام عیسائی سلطنتوں اور شہنشاہ قسطنطنیہ کو یہی لکھا تھا کہ یروشلم خطرے میں ہے۔ مسلمان اس پر قبضہ کر لیں گے۔ اس وقت بھی اس آواز پر تمام عیسائی دنیا اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اس وقت کا شہنشاہ قسطنطنیہ جان کانسی ایک لشکر جرار لے کر مسلم علاقوں کو روندتا دمشق تک پہنچ گیا تھا۔ اس وقت بھی بالکل وہی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

فقیہ ہکاری نے رائے دی۔ اب یہ بات واضح ہو گئی ہے شاہ یروشلم کسی نہ کسی بہانہ اپنی شکستوں کا بدلہ لینا چاہتا ۔ اگر وہ واقعی اتنی تیاری سے آیا ہے تو پھر اس سیلاب پر فوراً بند باندھنے کی ضرورت ہے۔ مصر میں اتنی فوج موجود نہیں جو متحدہ نصرانی لشکر کا مقابلہ کر سکے مصریوں سے کچھ زیادہ امیدیں نہیں باندھی جا سکتیں۔ سوڈانی باغیوں اور مصر کے علوی امراء پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا شامی لشکر منگوانا بہت ضروری ہے

دوسرے دن دمیاط کو کچھ فوجی دستے روانہ کئے گئے قاہرہ کے دفاع کے لئے بھی اقدام کئے گئے دمیاط کا شہر نیل کی ایک شاخ پر آباد تھا اسکندریہ اس کے قریب تھا اس لئے اسکندریہ پر بھی توجہ دینا ضروری تھا۔ صلاح الدین ' بہاء الدین قراقوش کو دمیاط بھیج چکا تھا اب اسکندریہ بھی دو امیروں کو بھیجا کہ وہ اسکندریہ پہنچ کے بذات خود وہاں کے حالات دیکھیں اور صلاح الدین کو مطلع کریں ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد صلاح الدین نے چار آدمیوں پر مشتمل ایک وفد سلطان دمشق کی خدمت میں بھیجنے کے لئے ترتیب دیا اس وفد کو پورے ملک کے خاص خاص حالات سے آگاہ کیا گیا۔ خاص کر دمیاط کے محاصرہ کی تفصیل معہ ایک نقشہ کے تیار کی گئی ان باتوں کے علاوہ صلاح الدین نے اپنی طرف سے

ایک خط سلطان کو لکھا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

اعلیٰ حضرت آقائے محترم نور الدین زنگی سلطان دمشق و شام کے نام از طرف۔

- - -

خادم و وفادار ملت و تاج امیر صلاح الدین ایوبی' سپہ سالار افواج شام ' مقیم قاہرہ ملک مصر۔

بصد ادب و احترام غلام عرض کرتا ہے کہ یروشلم کے نصرانی بادشاہ ایمالرک نے تثلیث و نصرانیت کا واسطہ دے کر یورپ کے کئی ملکوں کے فوجی دستوں کو بیت المقدس بلا لیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ افواہ جس میں حقیقت زیادہ ہے۔ گرم ہے کہ نصرانی شہنشاہ ' قسطنطنیہ بھی شاہ ایمالرک کو کمک کے طور پر ایک لشکر عظیم بری اور بحری راستوں سے بھیج رہا ہے۔

بعد میں وجہ حضرت اقدس سے التماس ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہوسکے۔ اور جتنی تعداد میں ممکن ہو شامی سواروں کے دستے مصر روانہ فرمائے جائیں نصرانی لشکر شاہ ایمالرک کی سرکردگی میں شہر و بندرگاہ دمیاط تک جس کا محل و وقوع مسلکہ نقشہ میں درج کیا گیا ہے پہنچ گیا ہے۔ اس غلام نے دمیاط کو معقول کمک روانہ کر دی ہے لیکن امرائے نوریہ نے اس خادم کو دمیاط سے جانے سے روکا ہے کیونکہ قاہرہ کے حالات ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہیں۔ سوڈانیوں اور مصری امراء کی طرف سے کسی وقت بھی بغاوت کی آگ بھڑک سکتی ہے۔

سلطان کی خدمت والا میں ایک عرض یہ بھی ہے کہ اگر باب عالی یہ مناسب سمجھے تو سلطنت یروشلم کے شمالی علاقوں پر فوجی کارروائی شروع کر دیں اس سے نصرانیوں کی توجہ اپنے علاقوں کی طرف ہوجائے گی اور مصر پر ان کا دباؤ کم ہوجائے گا"۔

غلام سلطانی صلاح الدین
سپہ سالار شامی لشکر مقیم
سلطنت مصر

صلاح الدین نے دمشق جانے والے وفد میں اپنے اعتماد کے دو امیر بھی شامل کر دیے اس کا مقصد تھا کہ امیر کو اچھی طرح مطمئن کر سکیں گے اور صلاح الدین کے قاہرہ چھوڑنے کی وجہ سے سلطان نور الدین کو مطمئن کر سکیں گے یہ تو قارئین کو علم ہوگا صلاح الدین کے ساتھ دمشق سے جو امرائے نوریہ آئے تھے ان میں سے بعض صلاح الدین کے

مخالف تھے۔ یہ مخالفت کھل کے اس وقت سامنے آئی تھی جب شیر کوہ کی وفات کے بعد صلاح الدین کو مصر کا وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ امرائے نوریہ کو اس پر اعتراض تھا کیونکہ صلاح الدین نے بلبیس کے معرکہ میں پہلی بار اپنی شمشیر کے جوہر دکھائے تھے جبکہ دوسرے امرائے نوریہ ایسی درجنوں لڑائیوں میں حصہ لے چلے تھے ظاہر ہے کہ انہیں صلاح الدین کے مقابلہ میں زیادہ تجربہ تھا۔

عمر کے سلسلے میں بھی امراء کا اعتراض جائز تھا۔ صلاح الدین ۱۱۳۸ء میں پیدا ہوا تھا اور مصر کی وزارت کے وقت ۱۱۶۹ء میں اس کی عمر اکیس سال تھی یہ عمر کم نہیں لیکن عسکری تجربہ کے لحاظ سے اس کم عمر ہی کہا جاتا ہے جبکہ دوسرے امراء اس سے پندرہ بیس سال بڑے تھے لیکن بعض لوگوں میں خداداد صلاحیت ہوتی ہے اور وہ کم عمری میں ہی اس قدر تجربہ کار ہوجاتے ہیں کہ بوڑھے سردار بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے شاید اسی وجہ سے صلاح الدین کا انتخاب وزارت سب نے پسند کیا سوائے ایک امیر جس کا نام امیر عین الدولہ باروتی تھا وہ صلاح الدین کے وزیر اعظم ہوتے ہی لڑ جھگڑ کر مصر سے واپس چلا گیا تھا۔

صلاح الدین نے وفد کے ساتھ اپنے اعتماد کے امیر اس وجہ سے بھی بھیجے تھے کہ وہ عین الدولہ اور دوسرے مخالف امیروں کے بارے میں معلومات بھی حاصل کرلیں۔ ایک خیال یہ بھی ہوا کہ صلاح الدین نے جان بوجھ کر دمیاط جانے سے گریز کیا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ شاید سلطان بھی دمیاط کو بچانے آجائے اور اس کا اور سلطان کا سامنا ہوجائے صلاح الدین کے بارے میں یہ بھی افواہ گرم تھی کہ وہ خود سلطان بننا چاہتا ہے یہ افواہ اس کے دمشق میں موجود دشمنوں نے اڑائی تھی یہ افواہ اتنی گرم ہوئی کہ صلاح الدین نے اپنے رفقاء کے مشورے سے خود دمیاط جانے سے گریز کیا اور وہاں برابر کمک بھیجتا رہا۔

در اصل شاہی اور شہنشاہی دور میں اس قسم کی افواہیں پھیلتی اور سازشیں ہوتی رہتی تھیں اس لئے ان کے صحیح یا غلط ہونے کا اندازہ ہونا مشکل ہوتا تھا لیکن آئندہ جو حالات پیش آئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو یہ افواہ ہی غلط تھی یا پھر موقعہ کی نزاکت کے پیش نظر سلطان نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب صلاح الدین کا خط دربار دمشق میں پڑھا گیا تو عین الدولہ باروتی وہ پہلا امیر تھا جس نے سلطان کے سامنے صلاح الدین کی سخت مخالفت کی اور یہاں تک کہہ دیا کہ صلاح الدین نے مصر میں ایک متوازی آزاد سلطنت قائم کر لی ہے اور یہی وجہ ہے کہ صلاح الدین جس دن سے مصر کا وزیر اعظم ہوا ہے اس نے دربار دمشق میں ایک بار بھی حاضری نہیں دی۔

معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نور الدین زنگی نے صلاح الدین کے خلاف کسی بات پر کان

نہیں دھرے اور صلاح الدین کی درخواست کے جواب میں اس قدر برق رفتاری سے کمک روانہ کی کہ صلاح الدین حیران رہ گیا۔ سلطان نے ایک ہی بار کمک نہیں بھیج آگے پیچھے کمک کا تانتا باندھ دیا اور صلاح الدین کو مطلع کیا کہ وہ قطعی نہ گھبرائے دم ہاتھ سے نکلنے نہ دے۔ سلطان نے یہ بھی اطلاع دی کہ وہ خود لشکر جرار لے کر یروشلم شمالی علاقوں پر حملے کے لئے روانہ ہو رہا ہے تاکہ شاہ یروشلم کی توجہ دمیاط کی طرف ہٹ جائے۔

اکثر جنگوں پر موسم بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔ شاہ ایمالرک کی درخواست پر شہنشاہ قسطنطنیہ نے اسے یقین دلایا تھا کہ اس کی مدد کے لئے سوا دو سو جہازوں کا زبردست بحری بیڑہ روانہ کیا جا رہا ہے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ اس بحری بیڑے میں سپاہ تھی اور شاہ ایمالرک تب یہ نوید سن کر کس قدر خوش ہوا ہوگا اس کے لئے. بیڑے کی آمد کی اطلاع ہی کافی تھی اس نے فوری طور پر دمیاط کے محاصرے کی تیاری اور دوسری یورپی سلطنتوں کی فوجوں کو لے کر دمیاط پر چڑھ دوڑا ۔ اس نے دمیاط سمندر کے درمیان اپنی فوجیں پھیلا دیں تاکہ دمیاط کو سمندری راستہ سے مدد نہ مل سکے

دمیاط کا والی شمس الخواص تکنور ایک بہادر اور جہاندیدہ انسان تھا۔ پہلے تو اس پاس جتنی فوج تھی اسے مورچوں پر لگایا پھر وزیر اعظم قاہرہ کو اطلاع دی وزیر اعظم صلا الدین ایوبی نے بھی اسی تیزی سے اقدام کیا اور قاہرہ اور دمیاط کے درمیان فوجوں کا بندھ گیا اوپر جیسے ذکر کیا گیا ہے کہ موسم جنگ پر اثر انداز ہوتے ہیں اور کبھی کبھی تو مو حالات جنگ کا پانسہ ہی بدل دیتے ہیں یہی صورت دمیاط کے محاصرے کے وقت پیش آئی آپ جانتے ہیں کہ قسطنطنیہ کا شہر پانچ میل چوڑی ایک گھاٹی پر آباد ہے اور یہ کھاڑی اس دفاع کرتی ہے نصرانی شہنشاہ کا بحری بیڑہ عام طور پر سے اسی کھاڑی میں لنگر انداز ہوتا اس اہم کھاڑی کو انگریزی میں گولڈن ہارن اور ہم اسے شاخ زریں کہتے ہیں پس شہنشا قسطنطنیہ کے حکم پر سوا دو سو جہازوں کا بیڑہ یروشلم کی مدد کو دمیاط روانہ ہوا تو اس کا پ مقابلہ مخالف ہواؤں سے پڑا۔ مخالف ہوا اس قدر تیزی سے چلنے لگی کہ بحری بیرہ تین را تک شاخ زریں سے باہر نہ نکل سکا۔ اور یہی تین دن دمیاط کے محاصرہ کے لئے فیصلہ کن ثابت ہوئے

شاہ یروشلم ایمالرک اور دمیاط کے شمالی حصے کا محاصرہ کئے قسطنطنیہ کے بحری بیڑے انتظار کر رہا تھا۔ بحری بیڑہ موسمی ہواؤں کے تھپڑے کھاتا تین دن کی تاخیر سے دمیاط کے قریب پہنچا لیکن ادھر صلاح الدین نے تین دن کے اندر اندر دمیاط کو اس قدر مضبوط کر د

کہ نصرانیوں کے لئے اس پر قبضہ کرنا ناممکن ہوگیا۔ اس محاصرے میں صلاح الدین نے ایک انتہائی اہم جنگی چال چلی وہ چال یہ تھی اس نے دمیاط کے سامنے پانی کے نیچے نیچے ایک آہنی زنجیر اس طرح پھیلا دی کہ اسے کوئی جہاز پار ہی نہ کرسکتا تھا۔ جب قسطنطنیہ کا بحری بیڑہ دمیاط پہنچا اور وہ ساحل کی طرف بڑھا تو پانی کے اندر ہی آہنی زنجیر نے اس کا راستہ روک لیا اور جہازوں کو ساحل سے دور رکنا پڑا۔

صلاح الدین کی اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ ہوا کہ قسطنطنیہ کی بحری فوج شاہ یروشلم کی اتنی مدد نہ کر سکی جتنی توقع تھی۔ شاہ نے جھلا کر کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور پوری قوت سے دباپوں اور منجیقوں سے حملہ کر دیا۔ دبابے ایک طرح کے متحرک قلعے ہوتے ہیں ان کی پشت پر چرخی دار منجنیقیں ہوتی ہیں جن سے بڑے بڑے پتھر برسائے جاتے ہیں جس طرح آج کل توپیں گولے اگلتی ہیں اسی طرح منجنیقیں وزنی پتھر پھینکتی تھیں جن سے جانی نقصان ہونے کے علاوہ قلعہ کی فصیل ٹوٹ جاتی تھی شاہ یروشلم کا یہ حملہ بڑا شدید تھا لیکن دمیاط کی مدافعت اس قدر مضبوط ہو چکی تھی کہ وہاں کی فوج نے صرف یہ حملہ پسپا کر دیا بلکہ بہت سی منجنیقیں بیکار کر دیں۔ دبابے اوندھے کر دیئے۔ اور بحری بیڑے میں آگ لگا کر اس کے چوتھائی کے قریب جہاز خاکستر کر دیئے۔

کہنے کو تو دمیاط محاصرے میں تھا لیکن اسے دریائے نیل کے راستے سے ہر طرح کا سامان مل رہا تھا پھر قاہرہ سے تازہ دم فوجی دستے لے کر صلاح الدین دمیاط پہنچ گیا۔ فوج کے علاوہ اپنے ساتھ کئی لاکھ دینار بھی ساتھ لایا تھا تاکہ اخراجات میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ شاہ ایمالرک نے دمیاط کو محاصرے میں لیا تھا لیکن صلاح الدین نے اپنی فوجیں دور دور تک پھیلا کے شاہ کی فوجوں کو اس قدر تنگ کیا کہ ان کا ناک میں دم ہوگیا۔ نصرانی فوج کے رسد کے تمام راستے بند کر دیئے اور شاہ کی فوج بھوکوں مرنے لگی اور اس میں افراتفری پھیل گئی محاصرہ کرنے والے لشکری صاف الفاظ میں واپسی کا مطالبہ کرنے لگے۔ انہیں کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا صرف پھلوں پر گزارہ تھا جس سے ان کا ہاضمہ خراب ہوگیا اور پیٹ کی بیماریاں پھیلنے لگیں۔ ہر طرف قحط تھا یا بیماری ۔ شاہ ایمالرک محاصرہ کرکے پچھتا رہا تھا۔

موسم نے پہلے بھی مسلمانوں کے ساتھ دیا تھا جب شاخ زریں سے چلنے والا بحری بیڑا مخالف ہوا کی وجہ سے تین دن تاخیر سے دمیاط پہنچا۔ اور نصرانیوں کو پوری مدد نہ کر سکا۔ اب پھر موسم مسلمانوں کا ساتھ دینے پر آمادہ تھا۔ دمیاط کے محاصرے کے دوران سخت طوفان باد و باراں آیا۔ ہر جگہ جل تھل ہوگیا نصرانیوں کے خیمے آندھی سے اڑ گئے یا پانی

کے ریلے میں بہہ گئے۔ اس طوفان نے دریائے نیل میں بھی طوفانی کیفیت پیدا کردی
قسطنطنیہ سے آیا ہوا بحری بیڑا تہس نہس ہو کر رہ گیا سینکڑوں نصرانی دریا کی لہروں میں
گئے۔ منجنیقیں کیچڑ میں پھنس گئی ادھر دمیاط کے محصورین کو بدلہ لینے کا موقع مل گیا انہ
نے اپنے مورچے آگے بڑھا کر نصرانیوں پر منجنیقوں سے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ ا
سے اور تباہی مچی۔ لشکری پہلے ہی واپسی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ شاہ ایمالرک کو مجبور ہو
محاصرہ اٹھانا پڑا۔ یہ ایک بہت بڑی شکست تھی۔

دمیاط کا محاصرہ نومبر ۱۱۶۹ء کے آغاز میں شروع ہوا اور شاہ یروشلم کو دسمبر کے آ
میں محاصرہ اٹھا کر بھاگنا پڑا۔ تقریباً" پچاس دن کے اس محاصرے نے شاہ یروشلم کی فوج
شدید نقصان پہنچایا۔ پسپا ہونے والے لشکر کی حالت اتنی خستہ تھی کہ بقول ایک یو
مورخ کے واپس آنے والے اس طرح گرتے پڑتے اور بھوکے پیاسے واپس آ رہے تھے
وہ کسی قحط زدہ شہر سے نکالے گئے ہوں۔ شہنشاہ قسطنطنیہ کا وہ بحری بیڑا جو بڑی شا
پھریرے اڑاتا آیا تھا۔ اس حال میں واپس ہوا کہ آدھے سے زیادہ جہاز تباہ یا خاکستر ہو
تھے اور باقی جہاز اس قدر شکستہ تھے کہ انہیں ایک دوسرے میں باندھ کر گھسیٹا جا رہا تھا۔

دمیاط کی زبردست شکست نے یروشلم کے شاہ ایمالرک کی جارحانہ طاقت کو ختم کر
اور اسے اپنی سلطنت بچانے کی فکر پڑ گئی۔ دمیاط کی فتح نے مصری عوام کی کایا پلٹ کر دی
یوں تو عوام صلاح الدین کے آہستہ آہستہ ہمنوا ہوتے جا رہے تھے لیکن داروغہ محلا
نجاح کے مارے جانے اور سوڈانی حبشیوں کی بغاوت میں جو خونریزی ہوئی تھی اس
قاہرہ کی فضا کو کچھ خراب کر دیا تھا۔ لیکن دمیاط میں صلاح الدین کو کامیابی حاصل ہوئی اس
مصریوں کی نظروں میں صلاح الدین کو مصر کا ہیرو بنا دیا۔ مصری ایک زمانہ سے یروشلم
بادشاہ کو خراج دیتے آ رہے تھے۔ صلاح الدین سے پہلے کسی مصری وزیر اعظم نے مصر
یروشلم کی غلامی سے چھڑانے کی کوشش نہیں کی لیکن جب دمشق کا شامی لشکر مصر میں
داخل ہوا تو اس نے نہ صرف یروشلم کو خراج دینا بند کر دیا۔ بلکہ شاہ ایمالرک کو پے
شکستیں دے کر یروشلم کی فلسطینی سلطنت کی کمر توڑ دی۔

دمیاط کی فتح سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ سوڈانی حبشی جو قاہرہ سے نکل کر ادھر اد
پھیل گئے تھے اور لوگوں کو صلاح الدین کے خلاف اکسایا کرتے تھے ان کی ریشہ دوانیاں بھ
ختم ہو گئیں دمیاط کے محاصرہ کے وقت ان باغی حبشیوں کی ایک کثیر تعداد پوشیدہ طور
دمیاط میں داخل ہو گئی تھی اور صلاح الدین کی شامی فوجوں کے خلاف حرکتیں کر رہی تھی
نصرانیوں کی شکست اور پسپائی نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

مصر کے کونے کونے میں دمیاط کی فتح کا جشن منایا گیا مصری عوام دور دراز علاقوں سے
صلاح الدین کو مبارکباد دینے قاہرہ پہنچے۔ صلاح الدین نے بھی ان کی دل سے پذیرائی کی
ور تحفہ و تحائف دے کر انہیں واپس کیا۔ مصری خلیفہ عاضد جس پر چوبیس گھنٹے غشی
اری رہتی تھی وہ اٹھ کے بیٹھ گیا۔ اور اپنے مصاحب جوہر استاد اور جلیس بن عبدالقوی کو
لعت فاخرہ دے کر صلاح الدین کے پاس مبارک باد کے لئے بھیجا مگر صلاح الدین اس
قت دمیاط سے واپس نہ آیا تھا۔ جلیس بن عبدالقوی پہلے مصر کے قاضی القضاۃ تھے شیر کوہ
نے تو انہیں بحال رکھا تھا لیکن صلاح الدین نے انہیں قاضی القضاۃ کے عہدے سے ہٹا دیا
تھا پھر جب خلیفہ عاضد نے بہت سفارش کی اور اپنی مصاحبی میں جلیسبن عبد القوی کو مانگا تو
صلاح الدین انکار نہ کر سکا۔ جوہر استاد خلیفہ عاضد کے مصاحب خاص اور حاجب تھے خلیفہ
اپنے اہم کاموں پر انہی دو مصاحبوں کو مامور کرتا تھا۔

صلاح الدین نے دمیاط میں ایمالرک شاہ یروشلم کی پسپائی کا حال اپنے آقائے ولی
نعمت سلطان دمشق نور الدین زنگی کو بھی لکھ بھیجا تھا۔ اس اطلاع سے دربار دمشق میں
صلاح الدین کے خلاف اڑتی ہوئی افواہوں کا بہت کچھ سدباب ہو گیا اس کے جواب میں
سلطان نے صلاح الدین کی جنگی حکمت عملی کی بہت تعریف کی اور اس کے والد نجم الدین
اور دوسرے تمام اہل خاندان کو مصر جانے کی اجازت دے دی۔ صلاح الدین نے دمیاط
کے اطلاعی خط میں اپنے عزیزوں کو قاہرہ بھجوانے کی درخواست کی تھی جسے سلطان نے
بعض امراء کی مخالفت کے باوجود منظور کر لیا تھا۔

صلاح الدین نے اپنے خاندان والوں کا قاہرہ میں شاندار استقبال کیا۔ اس خصوصی
جشن میں امرائے نوریہ کے علاوہ مصر کے تمام بڑے بڑے امراء اور عمائدین سلطنت نے
بھی شرکت کی اور صدقے کے طور پر صلاح الدین کے باپ نجم الدین نے ہزاروں دینار
نچھاور کئے صلاح الدین نے اس موقعہ پر ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا اور غریبوں اور
مسکینوں میں دل کھول کے خیرات تقسیم کی۔

رات جب تمام مہمان رخصت ہو گئے اور صلاح الدین کے گرد صرف اس کے عزیز و
اقارب رہ گئے تو صلاح الدین کی آنکھیں نم ہو گئیں اس خوشی کے موقعہ پر صلاح الدین کی
آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حیرانی ہوئی اس کا باپ نجم الدین ایوب اپنی جگہ سے اٹھ کر اس
کے پاس آیا اور گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"اے جان ایوب۔ یہ مقام مسرت اور خدا کا شکر ادا کرنے کی گھڑی ہے کہ ہم تمام
عزیز ایک جگہ پر جمع ہو گئے ہیں پھر تمہاری آنکھوں پر اشک کیوں۔ اگر یہ آنسو خوشی یا

اظہار تشکر کے ہیں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اور اگر تمہاری آنکھیں ہمارے آنے سے اشکبار ہوئی ہیں تو اے جان پدر۔ صاف صاف کہہ دو۔ ہم کسی اور طرف کو نکل جائیں۔ اور اپنی دنیا کہیں اور آباد کریں گے۔

"اے میرے قابل فخر اور محبوب باپ"۔ یہ کہتے ہوئے صلاح الدین کی آواز بھرا گئ اور آنکھیں خلوص و محبت کے موتی برسانے لگیں پھر جب ذرا دل ٹھہرا تو صلاح الدین نے کہا۔ "آپ نہیں جانتے کہ آپ لوگوں کی جدائی میں نے یہ دن کس طرح کاٹے ہیں۔ عین الدولہ باروقی نے قاہرہ میں بھی میری مخالفت کی تھی اور دمشق پہنچ کے بھی وہ میرے خلاف زہر اگل رہا ہے۔

"اس شیطان کی فکر نہ کرو میرے بیٹے"۔ نجم الدین ایوب نے اسے تسلی دی۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس نے تمہاری بہت غیبت کی مگر شریف الطبع سلطان پر اس کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا تم اپنے آنسو پونچھ ڈالو اور یہ سمجھو کہ عین الدولہ تمہارے لئے مرگیا ہے"

"بابا جان ۔ مجھے اس بات کا غم نہیں تھا کہ عین الدولہ میری برائیاں کر کے مجھے سلطان کی نظروں سے گرا دے گا"۔ صلاح الدین کے جذبات بھڑک اٹھے"۔ میں اور آپ سب سپاہی اور سپاہی زادے ہیں۔ ہم صرف اپنی تلوار کی روٹی کماتے ہیں۔ اگر سلطان ناخوش ہوگا تو ہم کسی اور ملک نکل جائیں گے اور شمشیر کے زور پر روزی پیدا کرلیں گے۔ اس وقت آپ سب کو اپنے قریب دیکھ کر میں آبدیدہ اس وجہ سے ہوگیا کہ مجھے سلطان دمشق سے یہ امید نہ تھا کہ وہ آپ لوگوں کو میرے پاس آنے دیں گے ایسی صورت میں جب عین الدولہ نے میرے خلاف اس قدر ہرزہ سرائیاں کی ہیں"

"چلو۔ تمہیں اب تو اطمینان ہوگیا کہ ہم تمہارے پاس آگئے اور سلطان کی طرف سے بھی تمہارا دل صاف ہوگیا ہوگا"۔ نجم الدین ایوب نے بڑے پیار سے کہا"۔ اب میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ اپنے مربی اور محسن سلطان کے خلاف کبھی تلوار بلند نہ کرنا اور نہ ہمارے خاندان پر احسان فراموشی کا الزام لگ جائے گا۔

"آپ اطمینان رکھئے بابا جان"۔ صلاح الدین نے مضبوط لہجے میں کہا۔ میں اپنے آقا کی فرمانبرداری اور خدمت بالکل اسی طرح کروں گا جیسے ایک نمک حلال غلام کرتا ہے سلطان دمشق تو بہت بڑی چیز ہیں ان کے اہل خانہ کی تابعداری میں بھی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھوں گا مگر آپ کو بھی میری ایک شرط قبول کرنا ہوگی؟

نجم الدین ایوب نے حیران نظروں سے صلاح الدین کو دیکھا"۔ شرط ـــــ کیا شرط ہے تمہاری"

"میں اپنے آقا نور الدین زنگی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے الطاف خسروانہ برتتے ے آپ لوگوں کو مصر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ صلاح الدین نے خلوص دل سے "مگر میں نے آپ سب کو صرف اس وجہ سے نہیں بلایا کہ میں یہاں اکیلا تھا یہ ٹھیک کہ آپ لوگوں کی محبت بہت ستاتی تھی لیکن آپ کو یہاں بلانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ نے مصر میں جو کچھ حاصل کیا ہے اس میں میرے والد کی کوششیں اور میرے بھائی ں اور عزیز داروں کی دعائیں شامل ہیں۔ اتنا کہہ کر صلاح الدین خاموش ہوگیا۔

بات ابھی نامکمل تھی۔ نجم الدین ایوب اور دوسرے عزیزوں کو فکر پیدا ہوگئی۔ کافی دیر ، تو نجم الدین ایوب نے وضاحت کی کہ "صلاح الدین یہ ٹھیک ہے کہ دعاؤں میں بہت ہوتا ہے ہم سب نے تمہارے ترقی درجات کی دعائیں ضرور کی تھیں لیکن جہاں تک کوششوں کا تعلق ہے تو یہ تمہاری محبت کا کرشمہ ہے ورنہ تمہیں بنانے اور سنوارنے یا تو مرحوم اسد الدین شیر کوہ کی کوششیں تھیں یا پھر خود سلطان معظم نے تمہاری ت کی ہے تمہیں اس کے لئے بھی ان کا شکر گزار ہونا چاہئے ۔

"آپ درست فرماتے ہیں بابا جان" ۔ صلاح الدین نے تسلیم کیا ۔ چچا جان اسد ن شیر کوہ نے مجھ پر جتنے احسانات کئے ہیں انہیں تو میں شمار بھی نہیں کر سکتا ان کا سب بڑا تو یہی احسان تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ مصر لائے حالانکہ میں مصر آنے پر بالکل تیار نا۔ چچا شیر کوہ اگر مجھے زبردستی یہاں نہ لائے ہوتے تو میں اس مقام تک کیسے پہنچتا۔ ، تک سلطان دمشق کا تعلق ہے تو وہ میرے مربی اور استاد اور آقا ہیں جس طرح ان والد محترم عماد الدین زنگی مرحوم اپنے امراء سے کہا کرتے تھے ۔ کہ انہیں دیکھو اور ان ا بننے کی کوشش کرو یہی بات سلطان عالی مقام بھی مجھ سے ہر موقعہ پر کہتے تھے اور یہ کی تربیت کا اثر ہے کہ میں نے مصر جیسی اجنبی حکومت اور سوڈانی حبشیوں پر قابو ل کیا۔ لیکن آپ سب کو مصر میں جمع کرنے کا میرا ایک خاص مقصد ہے۔

"صلاح الدین تمہارا ذہن کچھ الجھا ہوا ہے۔" نجم الدین نے اسے ٹوکا"۔ پہلے تم کوئی شرط منوانا چاہتے تھے اور اب کہہ رہے ہو کہ ہم لوگوں کو مصر میں بلانے میں را کوئی مقصد ہے آخر یہ سب کیا ہے ؟

"بابا جان آپ نے دونوں باتیں ٹھیک کہیں"۔ صلاح الدین نے تسلیم کیا۔ آپ لوگوں صر بلانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ مصر کی سلطنت میں اپنا حصہ حاصل کیجئے میری طرف اجازت ہے کہ جو اپنے کو جس عہدے کے قابل سمجھتا ہے اس عہدے پر فائز ہوجائے ے کوئی نہیں روکے گا اور جو روکے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا"۔

ہے یہ تمہاری سعادت مندی ہے کہ تم اپنی خوشیوں اور اپنے دست و بازو سے پیدا کر
اقتدار میں ہم لوگوں کے حصہ دار بنانا چاہتے ہو لیکن ہر شخص کو ایسا عہدہ دو جس کا وہ اہل
ہو۔

"مگر اہل اور نااہل کا فیصلہ کون کرے گا میرے خیال میں انسان اپنے بارے میں
دوسروں کی نسبت زیادہ جانتا ہے"۔ صلاح الدین نے جواب دیا۔

"کیا کہہ رہے ہو صلاح الدین ؟" نجم الدین الجھنے لگا۔ اس طرح تو تمہارا ہر بھائی مصر
کا وزیر اعظم بننے کا فیصلہ کرے گا۔ پھر تم کیا کرو گے؟"

"میرے کچھ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" صلاح الدین نے خوش دلی سے کہا۔ یہ
بات آپ کے سوچنے کی ہے فیصلہ آپ کو کرنا ہوگا"۔

"میں-----------مجھے-----------" نجم الدین ایوب نے اس کی طرف حیرت
سے دیکھا "ملک کے وزیر اعظم تم ہو اور فیصلہ مجھے کرنا ہے یہ کس طرح ممکن ہے؟"

"بابا جان " یہ اس طرح ممکن ہے کہ آج سے آپ مصر کے وزیر اعظم بن جائیں۔
صلاح الدین نے مستقل مزاجی سے کہا۔ میں نے آپ لوگوں کو اسی لئے دمشق سے بلوایا ہے
کہ آپ وزارت کا عہدہ سنبھالیں اور اپنی طرف سے مجھے اور دوسرے بھائیوں کو عہدہ بحتہ
خیال عطا کر دیجئے

نجم الدین اور دوسرے عزیزوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

نجم الدین نے کہا۔ "صلاح الدین یہ تمہاری سعادت مندی ہے لیکن خداوند تعالیٰ نے
جو عہدہ تمہیں بخشا ہے اس پر میرا یا کسی اور کا کوئی حق نہیں۔ اوپر والا اسے دیتا ہے جس
کو وہ اس کا اہل سمجھتا ہے تم نے یہاں تک پہنچنے کے لئے جس لگن اور ذہانت اور شجاعت
سے تگ و دو کی ہے وہ قابل تعریف ہے مستقبل کا علم صرف وحدہ لاشریک کو ہے لیکن
آثار یہ بتاتے ہیں کہ تم نے ایک اچھا آغاز کیا ہے انشاء اللہ تمہارے قدم آگے ہی بڑھتے
جائیں گے۔

صلاح الدین کچھ افسردہ ہوگیا۔ "بابا جان " میں نے سوچا تھا کہ مصر کی وزارت آپ
کے سپرد کر کے میں کچھ آرام کروں گا لیکن آپ اس پر آمادہ نہیں ہوتے اب میں کیا کروں
؟

تمہیں کسی بات کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ۔ خدا کی رضا پر راضی رہو اور آگے
بڑھنے کی کوشش کرتے رہو جو حاصل ہو اسے مقدر سمجھ کر قبول کرو اور جو نہ ملے اسے یہ
سمجھ کر بھول جاؤ کہ وہ تمہاری قسمت میں نہیں۔ " نجم الدین نے بیٹے کو مشفقانہ نصیحت
- نجم الدین ایوب نے اس سے اتفاق نہیں کیا"۔ نہیں صلاح الدین یہ کس طرح ممکن

"میں آپ کی نصیحت پر ہمیشہ عمل کروں گا۔" صلاح الدین نے سر تسلیم خم کر دیا۔
"لیکن آپ کو میری ایک بات ماننا پڑے گی۔ اسے آپ میری درخواست سمجھیں یا
ضد---؟"

"کہو کیا چاہتے ہو؟" نجم الدین نے محبت سے کہا۔

"آپ کو مصری حکومت میں کم از کم ایک عہدہ ضرور قبول کرنا ہو گا۔" صلاح الدین
نے واقعی بچوں کی طرح ضد کی۔ "اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ کون سا عہدہ پسند
فرماتے ہیں۔"

نجم الدین ایوب بیٹے کی ضد کے سامنے مجبور ہو گئے اور انہوں نے بڑے پس و پیش
کے بعد مصر کی وزارت خزانہ کو سنبھالنے کا وعدہ کر لیا۔ صلاح الدین نے اپنے تمام بھائیوں
اور عزیزوں کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کر کے انہیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ جو مصری حاکم
ان عہدوں پر کام کر رہے تھے انہیں ملک کے دور دراز علاقوں کا والی بنا کر بھیج دیا اور
انہیں وہیں جاگیریں بھی عطا کر دیں۔ اس طرح صلاح الدین کے ارد گرد تمام اس کے عزیز
جمع ہو گئے اور وہ مصری امراء اور عہدیدار جن سے کسی وقت بغاوت کا خطرہ پیدا ہو سکتا
تھا' قاہرہ سے دور چلے گئے۔ دوسرا فائدہ اس سے یہ ہوا کہ فاطمی خلیفہ عاضد کے ہمدردوں
کا حلقہ ٹوٹ گیا۔

قصر خلافت اور دیگر شاہی محلات کا داروغہ بہاء الدین قراقوش کو بنا دیا گیا تھا۔ جو
صلاح الدین کا خاص آدمی تھا۔ اس طرح محلات میں سوڈانیوں کا زور ختم ہو گیا اور ہر جگہ
صلاح الدین کے آدمی کام کرنے لگے۔ تمام محلاتی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہو گیا
اور خلیفہ محض ایک مذہبی پیشوا یا آئینی سربراہ بن کے رہ گیا۔ صلاح الدین کے عزیزوں کے
مصر آ جانے سے صلاح الدین کو بڑی تقویت حاصل ہوئی مگر اب مشکل یہ تھی صلاح
الدین دو کشتیوں پر سوار تھا۔ مصر میں وہ خلیفہ عاضد کا وفادار ملازم تھا خلیفہ عاضد کا تعلق
فقہ جعفریہ (شیعہ) سے تھا دوسری طرف اس کا آقا اور مربی سلطان نورالدین زنگی تھا جو حنفی
مذہب سے متعلق تھا اور بغداد کے عباسی خلیفہ کا معتقد۔

یہ وہ دور تھا جب مسلمانوں میں بیک وقت دو مختلف العقیدہ خلیفہ برسراقتدار تھے۔
ایک مصر کا خلیفہ جو فاطمی کہلاتا اور شیعہ فقہ کا رہبر سمجھا جاتا تھا۔ دوسرا بغداد کا عباسی
خلیفہ تھا جسے تمام اہل سنت اپنا خلیفہ تسلیم کرتے تھے۔ اگرچہ ان دونوں خلیفاؤں کی عسکری
طاقت ختم ہو چکی تھی لیکن وہ مذہبی اعتبار سے سب سے اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ جب سے
مصر میں صلاح الدین نے وزارت کا عہدہ سنبھالا تھا اس وقت سے سنیوں کو یہ امید بندھ گئی

تھی کہ جلد یا بدیر مصر بھی فاطمی خلیفہ سے کٹ کے عباسی خلیفہ کے حلقہ اثر میں آجا۔ گا۔

صلاح الدین کی اگرچہ مصر پر اس قدر گرفت تھی کہ وہ کوئی بھی قدم اٹھاتا تو بھی کس کو مخالفت کی جرات نہ ہوتی لیکن صلاح الدین کے بھی کچھ اصول تھے۔ اس نے اگر حنف مذہب کو رواج دینے کے سلسلے میں قدم اٹھائے تھے۔ بڑی بڑی حویلیوں اور عمارتوں کو شافع مدرسوں میں تبدیل کر دیا تھا پھر بھی مصر کے عوام اور خواص کے جذبات کا خیال تھا۔ نجار کی معزولی اور قتل سوڈانیوں کی بغاوت مصری عمائدین سلطنت کو دور دراز مقامات پر بھیجنا سب ایک ہی منصوبہ کی مختلف کڑیاں تھیں لیکن اب بغداد کے خلیفہ دمشق کے سلطان او[illegible] ن کے ساتھ [illegible] ہوئے امرائے نوریہ اس پر زور دے رہے تھے کہ مصر میں فاطمی خلیفہ کا خطبہ [illegible] ر کے عباسی خلیفہ کا نام اور خطبہ رائج کیا جائے۔ یہ بات صلاح الدین کے پیش نظر تھی لیکن [illegible] اتنا بڑا قدم اک دم نہ اٹھانا چاہتا تھا۔

فاطمی خلیفہ عاضد اب تک بیمار تھا۔ دیاط کی فتح نے پتہ نہیں اس میں کہاں سے طاقت پیدا کر دی کہ وہ اٹھ کے بیٹھ گیا۔ اپنے مصاحبوں کے ذریعہ صلاح الدین کو مبارکباد اور خلعت بھی روانہ کر دی اور ایک شب دیاط کی فتح کا جشن بھی منا ڈالا۔ خلیفہ نے صلاح الدین کو کئی بار پیغام بھیجا کہ وہ قصر خلافت آ کر خلیفہ سے ملاقات کرے لیکن اس کے امرا نے اس کی شدید مخالفت کی۔

فقیہ عیسیٰ ہکاری کو تو غصہ آ گیا۔ "آخر مصری ہمیں اس قدر بیوقوف کیوں سمجھتے ہیں۔ شامی لشکر کے لئے صلاح الدین کی زندگی اس قدر ضروری ہے جس طرح انسانی زندگی کے واسطے ہوا اور پانی ہم وزیر اعظم کو قصر خلافت بھیجنے کا خطرہ نہیں مول لے سکتے۔"

"فقیہ محترم۔ "صلاح الدین نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ "میں نے حریم خلافت اوار تمام محلات کو سوڈانیوں سے بالکل پاک کر دیا ہے اور ہر اہم جگہ ہمارے وفادار متعین ہیں۔ پھر کس بات کا خطرہ؟"

"محترم وزیراعظم۔ "فقیہ نے جواب دیا۔ "حدیث مبارک ہے کہ ہمیشہ حلال چیز کھاؤ اور جس چیز پر شبہ پیدا ہو اسے چھوڑ دو۔ آپ نے یقیناً حریم خلافت کو بدذاتوں سے پاک کر دیا ہے لیکن شبہ تو کیا جا سکتا ہے۔ کسی غیر معمولی بات کا امکان بھی تو موجود ہے۔ حریم خلافت ایک قلعہ اور بھول بھلیوں کا مرکز ہے۔ اس کے ٹیڑھے میڑھے راستے۔ آسمان سے باتیں کرتے ستون اور طویل طویل راہداریاں۔ یہ سب اچھا خاصا طلسم خانہ ہے۔ اگر وزیراعظم کو خلیفہ کا بلاوا اسی قدر عزیز ہے تو وہ ایک فوجی دستے کے ساتھ قصر خلافت جا سکتے

ہیں تاکہ وزارت کا رعب بھی قائم رہے اور کسی کی نیت میں فتور نہ آئے۔"

"مگر اس طرح تو حریم خلافت کا وقار ختم ہو جائے گا۔ "صلاح الدین نے مخالفت کی۔ "فاطمی خلیفہ کے گرد مصنوعی اقتدار کا جو ہالہ ہم نے بنا رکھا ہے وہاں اگر فوج کے قدم پہنچ گئے تو صدیوں کی روائتوں اور عقیدوں کی دیواریں زمین بوس ہو جائیں گی۔ ہم خلیفہ کو صدمہ پہنچا کر قتل نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہماری خواہش ہے کہ خلیفہ پر موت کا سائیہ پڑے تو دل مطمئن ہو کر وہ مصر کا خلیفہ تھا اور خلیفہ کی حیثیت ہی سے موت کی آغوش میں جا رہا ہے۔"

خلیفہ عاضد نے وزیر اعظم مصر کو کئی بار ملاقات کے لئے طلب کیا لیکن ہر دفعہ اس کے امرا اس کی راہ کا روڑا بن گئے اور وہ نہ جا سکا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ جب صلاح الدین دارلوازارت امرا سے گفتگو کے بعد محفل برخاست کرنے والا تھا تو صلاح الدین کا خاص غلام جس کا پہرہ ہمیشہ اس کمرے یا اس مقام پر لگتا تھا جہاں صلاح الدین جاتا تھا مجلس مشورت کے کمرے میں داخل ہوا اور چکر کاٹ کر صلاح الدین کے پاس پہنچا۔ صلاح الدین کسی امیر سے مخاطب تھا۔ اس کی نظر غلام پر پڑی تو وہ چونکا۔

"کیا بات ہے۔ تم کیوں آئے ہو؟" صلاح الدین فکر مند ہو گیا تھا۔ اس غلام کو بغیر کسی خاص وجہ کے پہرہ چھوڑنے کی اجازت نہ تھی۔

غلام تھوڑا سا صلاح الدین کی طرف جھکا۔ صلاح الدین سمجھ گیا کہ وہ کچھ سرگوشیوں میں کہنا چاہتا ہے۔ اس نے یہ مناسب نہ خیال کیا کہ محفل میں غلام کے ساتھ سرگوشیوں میں گفتگو کرے۔ اس لئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اہل مجلس سے معذرت کی اور غلام کے ساتھ بغلی کمرے میں چلا گیا۔

"ہاں اب بتاؤ کیا بات ہے؟" صلاح الدین کے لہجے میں انتظار تھا۔

"آقائے محترم۔ فاطمی خلیفہ تشریف لا رہے ہیں۔" غلام نے واضح الفاظ میں کہا۔

صلاح الدین اچھل پڑا ——— "کیا ——— کیا کہا تم نے۔ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوا ہے؟"

غلام نے ذرہ جرات سے کہا۔ "آقا میں جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ خبر بالکل درست ہے۔"

"اس خبر کا راوی کون ہے؟" صلاح الدین نے قدرے سخت لہجہ اختیار کیا۔ "خبر غلط ہوئی تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔"

"موتمن خلافت داروغہ محلات شاہی بہاء الدین قراقوش اس خبر کے راوی ہیں۔

"غلام نے بڑی بے خوفی سے کہا۔ "ان کا ہرکارہ ڈیوڑھی پر حاضر ہے۔ حکم ہو تو تصدیق ۔ لئے اس پیش کیا جائے"

صلاح الدین سوچ میں پڑ گیا۔ بہاء الدین قراقوش ایک انتہائی باعتماد اور وفادار انسا تھا۔ اس کی بھیجی ہوئی اطلاع کو غلط سمجھنے کی کوئی وجہ نظر نہ آئی۔ اسے غلط اطلاع دینے سزا بھی معلوم تھی۔ صلاح الدین افواہوں اور غلط باتوں کے سلسلے میں بڑا سخت تھا۔

اس نے سر جھٹکتے ہوئے پوچھا۔ "تفصیل سے بتاؤ قراقوش نے کیا اطلاع دی ہے؟"

غلام نے ادب سے جواب دیا۔ "محترم بہاء الدین قراقوش نے قاصد کے ذریعے پیغ بھیجا ہے کہ وزیراعظم کو اطلاع دی جائے کہ فاطمی خلیفہ آج صبح سے حریم خلافت سے با نکلنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ خلیفہ حریم خلافت سے کیوں نکل ر ہیں اور کہاں کا قصد ہے۔ محترم قراقوش نے خلیفہ محترم کا ارادہ معلوم کرنے کے لئے ت محلات کی جاسوس کنیزوں کو اس کام پر مامور کر دیا۔ آخر ان چالاک کنیزوں نے کسی نہ ک طرح خلیفہ کو اپنے دل کا راز ظاہر کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ خلیفہ محترم نے اعلان کر ہے کہ ان کا وزیراعظم ملکی معاملات میں اس قدر الجھا ہوا ہے کہ ان کے طلب کرنے ۔ باوجود حریم خلافت پر آنے کے لئے وقت نہیں نکال سکا اس لئے وہ خود دارالوزارت وزیراعظم سے ملاقات کے لئے جائیں گے۔"

"بڑے تعجب کی بات ہے۔" صلاح الدین کو کسی طرح یقین ہی نہ آ رہا تھا۔ "! نے یہ سنا ہے کہ خلیفہ محترم آج تک قصر خلافت سے باہر نکلے ہی نہیں۔ کبھی کبھی جھرو میں بیٹھ کے عوام کو دیدار کراتے تھے لیکن یہ سلسلہ بھی ان کی بیماری کی وجہ سے عرصہ ۔ بند ہو چکا ہے اور اب وہ حریم خلافت سے دارالوازارت تشریف لا رہے ہیں۔ پتہ نہیں کے ساتھ کون کون آئے گا؟۔"

"اس بارے میں قاصد نے کچھ نہیں بتایا میرے آقا۔" غلام نے جواب دیا۔ "جو استاد اور جلیس عبدالقوی تو ضرور ہمراہ ہوں گے۔"

"ہاں یہ بات تو یقینی ہے۔" صلاح الدین سوچتا ہوا بڑے ہال میں چلا گیا۔

امرائے نوریہ صلاح الدین کے اس طرح اٹھ کے چلے جانے سے کچھ پریشان ہو تھے۔ انہیں یہ تو اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی خاص اطلاع آئی جب سے وزیراعظم ان ۔ معذرت کر کے غلام سے گفتگو کرنے دوسرے کمرے میں گئے ہیں۔ صلاح الدین کے وا آنے سے ان کے بھٹکتے خیالوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور سب سوالیہ نظروں سے اسے د لگے۔

"آپ لوگ یقیناً بہت بے چین ہوں گے۔" صلاح الدین نے انہیں مخاطب کیا۔ "حریم خلافت سے آنے والی خبر زیادہ اہم تو نہیں لیکن دلچسپ ضرور ہے۔ آپ لوگ یقیناً اس اطلاع کو حیرت اور دلچسپی سے سنیں گے کہ فاطمی خلیفہ دارالوزارت یعنی اس محل میں تشریف لا رہے ہیں۔"

صلاح الدین نے تفصیل نہیں بتائی تھی۔ تفصیل بتاتا بھی تو کیا۔ اسے بھی تو صرف یہی بتایا گیا تھا کہ خلیفہ دارالوزارت آنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ وہ یہ زحمت کیوں گوارہ فرما رہے ہیں۔ ہمیں وجہ تو یہی بتائی گئی تھی کہ صلاح الدین خلیفہ کے پیہم اصرار کے باوجود حریم خلافت نہیں گیا تھا اس لئے وہ خود وزیراعظم سے ملنے آ رہے تھے۔ اس بات کا اظہار کچھ معیوب بلکہ خود ستائی معلوم ہوتا تھا اس لئے صلاح الدین نے اس تفصیل سے گریز کیا تھا۔

آخر فقیہ عیسیٰ ہکاری نے پوچھ لیا۔ "اس انہونی کی کوئی وجہ تو ہو گی۔ جس شخصیت نے عوام کو دیدار دینے کے لئے جھروکہ میں بیٹھنا چھوڑ دیا ہے وہ قصر خلافت اور دارالوزارت کا درمیانی فاصلہ کس طرح طے کرے گا؟"

"وجہ کوئی خاص معلوم نہیں ہو سکی۔" صلاح الدین نے پھر بھی نہ بتایا۔ "صرف یہی معلوم ہوا ہے کہ دارالوزارت آنے کی تیاریاں صبح سے ہو رہی ہیں۔"

اس پر قاضی فقیہ عیسیٰ بھی مسکرا دئے۔ "تیاریاں کس بات کی ہو رہی ہیں۔ کیا وہ کسی تقریب میں تشریف لا رہے ہیں یا دارالوزارت پر قبضہ کرنے کا ارادہ ہے۔"

فقیہ عیسیٰ ہکاری کی اس بات پر سب ہی مسکرا دیئے۔ امیر محمود حاری نے کہا۔ "فاطمی خلیفہ بادشاہ ہیں بلکہ شہنشاہ کہنا مناسب ہو گا۔ بادشاہوں اور شہنشاہوں کی تلون مزاجی مشہور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جس مقصد کے لئے صبح سے تیاریاں ہو رہی تھیں خلیفہ نے وہ مقصد ہی ختم کر دیا ہو یا آج کا معاملہ کل پر ٹال دیا ہو اور ساری تیاریاں دھری کی دھری رہ گئی ہوں۔"

"اس خیال کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔" صلاح الدین نے کہا۔ "بادشاہ تو بادشاہ ہی ہوتا ہے۔ ارادہ کرنے والا اپنے ارادے کو منسوخ بھی کر سکتا ہے۔ میں نے کچھ آدمیوں کو دریافت حال کے لئے قصر خلافت بھیجا ہے۔ بالفرض خلیفہ واقعی تشریف لا رہے ہیں تو ان کا کہاں اور کیسے استقبال کرنا چاہئے۔ اس معاملے کو ابھی سے طے کر لیا جائے تو بہتر ہو گا۔"

فقیہ عیسیٰ نے صرف چند جملوں میں اس مسئلہ کو طے کر دیا۔ انہوں نے کہا "خلیفہ

محترم نے اپنی آمد کی اطلاع ہمیں پیشگی نہیں دی اس لئے انہیں خوش آمدید کہنے میں تکلیف کی ضرورت نہیں۔ ہم سب یہاں سے اٹھ کے اس ہال کے باہر کھڑے ہو گے۔ اللہ اللہ خیر سلّا۔ اس سے زیادہ کی ضرورت ہی نہیں۔"

امیر محمود حارمی نے اس میں ذرا سی ترمیم کی۔ "میرا خیال ہے کہ خلیفہ محترم کی شکل میں تشریف لائیں گے۔ اس لئے یہ زیادہ بہتر ہو گا کہ ہم اس ہال کے درواز استقبال کرنے کی بجائے دارالوزارت کے صدر دروازے پر انہیں خوش آمدید کہیں خلیفہ کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ تو قصر خلافت سے وزیر اعظم کے استقبال کے لئے آ۔ وزیراعظم نے انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے اپنے دفتر کے باہر بھی قدم نہیں نکالے۔"

اس بات کو سب نے سراہا۔

صلاح الدین کو اک دم خیال آیا۔ اس نے کہا۔ "ہماری آج کی محفل ختم ہو رہا کہ خلیفہ کی آمد کی اطلاع ملی۔ اب پتہ نہیں کہ وہ آئیں گے بھی کہ نہیں اور آئیں کس وقت اگر آپ لوگ رخصت ہوتے ہیں اور خلیفہ اتفاقیہ آجاتے ہیں تو پھر آپ کو فوری طور پر کس طرح اطلاع دی جا سکے گی۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا آپ لوگ اس ہمیں کھانا تناول فرمائیں۔ کھانے کا وقت بھی ہو گیا ہے اور قصر خلافت ہے اب تک مزید خبر نہیں آتی۔"

سب نے وزیراعظم کی دعوت طعام قبول کر لی۔ فوراً کھانا چن دیا گیا اور سب یہاں سے اٹھ کے کھانے کے کمرے میں پہنچے۔ زرق برق لباس میں غلام ادھر ادھ رہے تھے یا ہاتھ باندھے حکم کے منتظر تھے۔ جب سب لوگ دستر خوان پر بیٹھ گئے تو الدین نے "بسم اللہ" کی صدا بلند کی اور تمام امیر کھانے میں مصروف ہو گئے۔

☆

کھانا ختم ہوا تھا اور سلفچیوں میں ہاتھ دھلوائے جا رہے تھے کہ ادھر سے ڈھول کی آوازیں سنائی دیں۔ سب کے کان کھڑے ہوئے اور انہوں نے حیران نظروں سے دوسرے کو دیکھا۔ صلاح الدین بھی حیران ہو رہا تھا کہ اس کا وہی غلام پھر حاضر ہوا او کسی تکلیف کے صلاح الدین کے پاس پہنچ کے بولا۔

"آقا کے بلند اقبال۔ فاطمی خلیفہ محترم قصر خلافت سے دارالوزارت آنے کے سوار ہو چکے ہیں۔ امکان ہے کہ وہ ایک بڑے جلوس کی صورت میں دارالوزارت آ گے۔"

سب ہکا بکا رہ گئے۔ ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ کچھ دیر سب پر بھی بے ک

طاری رہی پھر صلاح الدین نے سنبھل کر کہا۔ "معزز امرا اور حاضرین خلیفہ محترم کے استقبال کے لئے صدر دروازے پر تشریف لے چلئے۔"

فقیہ عیسیٰ نے سوال کیا۔ "کیا وزیراعظم کو یقین ہے کہ خلیفہ واقعی دارالوزارت ہی تشریف لا رہے ہیں؟"

صلاح الدین نے جواب دینے کے بجائے اپنے غلام کی طرف دیکھا۔ اس نے سر جھکا کر بلند آواز میں کہا۔۔۔۔ "خلیفہ محترم نے شاہی گاڑی پر سوار ہوتے ہوئے اعلان فرمایا تھا کہ وہ دارالوزارت تشریف لئے جا رہے ہیں۔"

اس بات کی تصدیق کی ضرورت اس وجہ سے نہ محسوس ہوئی کہ ڈھول اور تاشوں کی آوازیں دارالوزارت تک پہنچنا شروع ہو گئی تھیں۔ سب کے کان آوازوں پر لگ گئے اور صلاح الدین کو مصر کا فتنہ پرداز وزیراعظم ملک شاور یاد آگیا۔ مرے ہوئے انسان کو برے نام سے یاد نہیں کرنا چاہیے مگر بعض لوگ اس قدر بدنام ہوتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد بھی وہ اکثر یاد آجاتے ہیں۔ صلاح الدین کو ملک شاور اس وجہ سے یاد آیا کہ جب ملک شاور اور صلاح الدین نصرانیوں کو شکست فاش دے کر قاہرہ میں داخل ہوا اور فاطمی خلیفہ نے لشکر کی پذیرائی بھی کی تو بھی ملک شاور اپنے آپ کو وزیراعظم ہی سمجھتا رہا۔ اس نے مصر کو نصرانیوں کے ہاتھ فروخت کرنے کی کوشش نہ کی تھی بلکہ شامی لشکر کو گھیر کے ختم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا یہ تو شیر کوہ کی دور اندیشی تھی کہ وہ نصرانیوں اور مصریوں کا محاصرہ توڑ کر دمشق واپس ہو گیا۔

یہ سب کچھ کیا دھرا ملک شاور کا تھا لیکن وہ اس قدر بدنیت اور اور بے ضمیر تھا کہ جب شیرکوہ دوسری مرتبہ فاتحانہ مصر میں داخل ہوا تو وہ پہلے جیسے دھوم دھڑکے کے ساتھ شیرکوہ کو مبارکباد دینے گیا۔ صرف ایک ہی بار نہیں بلکہ وہ پورے جاہ وجلال کے ساتھ روزانہ شیرکوہ کی خدمت میں سلام کرنے حاضر ہوتا۔ اسے ذرا بھی شرم نہ آتی تھی کہ اس شخص کے سامنے تو نہ جائے جسے اس نے فریب سے ختم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا یہ عالم ہوتا تھا کہ جہاں دن چڑھا۔ اس نے جلوس کا حکم دیا۔ آگے آگے جھنڈے نقارے۔ بوق و قرنا بجتے ہوئے اس کے پیچھے محافظوں کے مسلح دستے اور درمیان میں ملک شاور اس کروفر سے گھوڑے پر سوار چلتا تھا جیسے وہ دولہا ہے اور باقی سب براتی۔

صلاح الدین کے کان میں جو آوازیں آ رہی تھیں یہ بالکل ویسے ہی نقاروں اور بوق قرنا کی آوازیں تھیں۔ صلاح الدین نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "بے شک یہ فاطمی خلیفہ کا جلوس ہے۔ ہم سب کو ان کا استقبال دارالوزارت کے صدر دروازے پر کرنا ہے آپ

لوگ میرے ساتھ آیئے۔"

صلاح الدین نے قدم اٹھائے تو تمام امرا اس کے ساتھ ہو لئے۔ دارالوزارت پہلے ہی شور مچ گیا تھا کہ خلیفہ معظم تشریف لا رہے ہیں۔ غلام اور کنیزیں روزانہ تبدیل کرتے تھے پھر بھی بعض کنیزوں نے فوراً دوسرے جوڑے بدل لئے۔ پھر وہ سب اور سلیقے سے راستے کے دونوں طرف ہاتھ باندھ کے کھڑے ہو گئے۔ ان لوگوں دروازے پر پہنچتے ہی جلوس سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ جلوس کیا تھا یوں معلوم ہوتا تھا پورا قاہرہ الٹ آیا ہے۔ قاہرہ والوں نے کئی سال سے اپنے خلیفہ کا جو ان کا سب سے مذہبی پیشوا بھی تھا' دیدار نہیں کیا تھا۔ انہیں جو خبر ملی فاطمی خلیفہ کھلی گاڑی میں دارالوزارت جا رہا ہے تو وہ سڑکوں پر امڈ آئے۔

جلوس کا وہی انداز تھا جو ملک شادر اختیار کرتا تھا۔ آگے آگے باجے گاجے۔ بو قرنا۔ ڈھول تاشے اس کے پیچھے محافظ دستے۔ پہلے یہ محافظ سوڈانی حبشی ہوتے تھے اب کی جگہ سفید فام محافظوں نے لے لی تھی۔ محافظوں کے پیچھے ایک کھلی گاڑی میں سامنے طرف پورے شاہی لباس میں خلیفہ بیٹھا تھا۔ خلیفہ کے سامنے کی نشست پر جوہر استاد جلیس بن عبدالوی بیٹھے تھے۔ اس گاڑی کے پیچھے ایک اور بند شاہی گاڑی تھی جس خلیفہ کی سب سے محبوب بیوی سوار تھیں۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ آخر خلیفہ صلاح الدین ملاقات کے لئے آئے تھے تو انہیں اپنے ساتھ کسی خاتون کو لانے کی کیا ضرورت تھی۔ حال یہ عقدہ جلوس کے دارالوزارت پہنچنے کے بعد کھلا۔ ان دونوں گاڑیوں کے دائیں با اور پشت کی طرف بھی مسلح پہریدار سوار چل رہے تھے۔

"آج خلیفہ بے نقاب ہیں اور عام دیدار دے رہے ہیں۔" یہ آواز ہر طرف بلند اور مصری ایک دوسرے کو دھکے دیتے۔ قطاریں توڑتے آگے بڑھنے کی کوشش کر ر تھے۔ دارالوزارت کے سامنے کا پورا میدان سیڑھیوں تک ضعیف العقیدہ دیدار کرنے وا سے بھرا تھا۔ فاطمی علماء کے ایک گروہ نے مشہور کیا تھا کہ جس نے زندگی میں ایک بار خلیفہ وقت کی صورت دیکھ لی اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ دوسرے گروہ نے بات پھیلائی تھی کہ جس پر فاطمی خلیفہ کی نظر پڑ جائے گی وہ بلا حساب کتاب جنت میں جا گا۔ اس طرح کے مختلف نعروں سے ہر مجتہد نے اپنی دکان سجا رکھی تھی۔

نقاروں اور قرنوں کے شور سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی اور میدان میں بڑھتا جا رہا تھا جسے مسلح سوار بڑی مشکل سے سنبھال رہے تھے اور لوگوں کے درمیان را بنا رہے تھے کہ جلوس دارالوزارت تک پہنچ سکے۔ صلاح الدین اور تمام لوگ دارالوزا

سیڑھیوں کے اوپر کھڑے تھے اور دور سے آتے جلوس کو دیکھ رہے تھے۔ فاطمی خلیفہ کا زار ختم ہونے کے باوجود لوگ اسے دیکھنے کو ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے تھے۔ یہ م کا خلیفہ کے ساتھ محبت کا کھلا ہوا ثبوت تھا۔ جلوس جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا عوام راستہ دینے کے لئے خود سمٹتے جا رہے تھے باقی کام سواروں کے سپرد تھا وہ گھوڑے ڑا کے چھوٹے راستے کو بڑا کر رہے تھے۔

دونوں شاہی گاڑیاں دارالوزارت کی سیڑھیوں کے نیچے پہنچیں اور صلاح الدین اپنے تھیوں کو لے کے سیڑھیوں کے نیچے اتر آیا۔ خلیفہ کھلی گاڑی میں اپنے دونوں مصاحبوں ساتھ بیٹھا تھا۔ گاڑی رکتے ہی صلاح الدین نے آگے بڑھ کے خلیفہ کو تعظیم پیش کی۔ یفہ کی رنگت زرد ہو رہی تھی لیکن وہ زبردستی مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جوہر استاد ر جلیس بن عبدالقوی نے خلیفہ کو سہارا دے کر گاڑی سے اتارا۔ نیچے اور سیڑھیوں پر قیمت قالینوں کا فرش تھا۔

خلیفہ نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔ "ہمارے وزیراعظم بہت مصروف ہیں اس لئے خود ان سے ملاقات کے لئے آ گئے۔"

"یہ خلیفہ محترم کی عین بندہ نوازی ہے۔" صلاح الدین نے خوشدلی سے کہا۔ "آپ نے قدم رنجہ فرما کر غلام پر حددرجہ کرم فرمایا ہے۔"

"وزیراعظم" خلیفہ نے بڑی محبت سے کہا۔ "ہمارے مصاحب تمہاری بہت تعریف رتے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم بہت مصروف رہتے ہو۔ ہم تمہاری خدمات سے بہت ش ہیں۔" پھر انہیں جیسے خیال آیا۔ بولے۔ "وزیر اعظم۔ اس بند گاڑی میں تمہارے لیفہ کی آبرو ہے۔ اسے عزت سے اتروا کے اندر لے چلو۔"

"ابھی حکم کی تعمیل ہوتی ہے خلیفہ محترم۔" صلاح الدین نے جواب دیا۔ "آپ عوام لو اپنے دیدار سے سرفراز فرمایئے تاکہ یہ اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں۔"

خلیفہ کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کے اوپر پہنچا اور ہاتھ ہلا کر لوگوں کو خاموش لیا پھر دھیمی آواز میں بولا۔ "خلیفہ اور خلافت کے پرستاروں۔ اپنے خلیفہ کو جی بھر کے دیکھ لو۔ شاید پھر یہ موقعہ نہ ملے۔ دیکھو اگر مصر کی سلامتی اور خوشحالی چاہتے ہو تو وزیراعظم کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ یہی تمہارا نجات دہندہ اور ہمدرد ہے۔"

خلیفہ کی آواز دھیمی تھی لیکن خلیفہ کے ہاتھ ہلانے سے پورے مجمع پر سناٹا چھا گیا تھا اور اس کی آواز دور تک سنی جا رہی تھی۔ خلیفہ خاموش ہوا تو عوام نے اس کے حق میں نعرے بلند کرنا شروع کر دیئے پھر دیکھتے ہی دیکھتے میدان خالی ہو گیا۔

صلاح الدین نے حکم دیا۔ "شاہی خواتین کو احترام سے اتروا کر زنانخانہ میں جائے۔"

کنیزیں تعمیل حکم کے لئے بند گاڑی کی طرف دوڑ پڑیں۔

فاطمی خلیفہ عاضد نے نرمی سے کہا۔ "ہماری آبرو کو زنانخانہ میں بھیجنے کے بجا کمرے میں پہنچایا جائے جہاں وزیر اعظم سے ہماری گفتگو ہو گی۔"

خلیفہ نے صلاح الدین کو تذبذب میں دیکھا تو کہا۔ "وزیر اعظم کو اس میں کیا ؟ محسوس ہو رہی ہے۔ یہ ہماری خواہش ہے۔"

"خلیفہ محترم کی خواہش کا ضرور احترام ہو گا۔" صلاح الدین نے فوراً جواب دیا۔

"ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ ہم تخلئے میں گفتگو کریں۔" خلیفہ کی بات پر ؟ الدین کو پھر تامل ہوا۔ خلیفہ نے لجاجت سے کہا۔ "وزیر اعظم۔ شاید یہ ہماری آخری ہو گی اس لئے ہماری ہر خواہش کی تعمیل کا حکم دیا جائے۔"

صلاح الدین نے اسی وقت تمام امرا اور دیگر اراکین سلطنت کو رخصت کر دیا کامل تخلیہ کا حکم دیا۔ امرائے نوریہ نے خلیفہ کی باتیں خود سنی تھیں۔ وہ خاموشی سے گئے۔ صلاح الدین خلیفہ کو لے کر اس کمرے میں آ بیٹھا جہاں اسے گفتگو کرنا تھی۔ کے دماغ میں سخت الجھن تھی۔ آخر خلیفہ اس گفتگو میں جو بقول اس کے آخری گفتگو ایک خاتون کو کیوں شامل کرنا چاہتا ہے۔ صلاح الدین نہ تو آدم بیزار تھا اور نہ ا عورتوں سے نفرت تھی لیکن اس نے بچپن سے جوانی تک نہایت سادہ' پروقار اور متق جیسی زندگی گزاری تھی۔ اس وقت اس کی عمر تیس اکتیس سال ہو رہی تھی۔ یہ عمر زیادہ نہیں اور اسے جوانی کا عالم ہی کہا جائے گا لیکن صلاح الدین نے اقتدار حاصل کر کے باوجود آج تک سوائے اپنی منکوحہ بیوی کے اور کسی طرف نظر نہیں اٹھائی تھی۔

صلاح الدین کی پوری زندگی پر نظر ڈالی جائے تو بس اس میں کوئی اسکینڈل نہیں۔ یوں یورپین مورخوں نے اس کی ذات پر بڑی رومانوی انداز میں کیچڑ اچھالنے کی کوشش ہے۔ یہاں تک کہ ایک مورخ افسانہ نگار نے صلاح الدین اور شہنشاہ انگلستان رچرڈ والدہ کے عشق پر کئی ناول بھی تصنیف کر ڈالے ہیں لیکن ان کی یہ کوشش بیکار ثا ہوئی۔ صلاح الدین کی چھپن سالہ زندگی سنجیدہ بہادر اور پاکباز انسان کی زندگی ہے۔ کئی ایسا اتفاق ہوا کہ اس کے سامنے حسین ترین خواتین کے مقدمے پیش ہوئے لیکن اس قدم کبھی نہ بہکے اس نے پوری عمر کسی غیر عورت کی طرف بد نظر سے نہیں دیکھا۔

صلاح الدین اور خلیفہ جس کمرے میں بیٹھے تھے وہاں بالکل تخلیہ تھا بلکہ اس کے ؟

ور دور تک کوئی کنیز یا غلام نظر نہ آتا تھا۔ اسی عالم میں اس خاتون کو خلیفہ کے پاس لایا گیا جسے وہ اپنی "آبرو" کہہ رہا تھا۔ آنے والی کا لباس سیاہ ریشمی کپڑے کا تھا جس پر سونے کا کام کیا ہوا تھا اور چہرے پر ایک رومال اس طرح لپٹا ہوا تھا جس سے صرف اس کی روشن اور چمکدار آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس خاتون نے بغیر تعارف ہوئے جھک کے بڑے ادب سے صلاح الدین کو سلام کیا۔ اس کی اس حرکت پر خلیفہ مسکرا دیا۔

"در شہوار۔ نقاب اتار دو۔ وزیر اعظم سے پردے کی ضرورت نہیں۔"

خلیفہ نے اس کے تعارف کا آغاز کیا۔ پھر وہ پلٹ کے صلاح الدین سے بولا۔ "وزیر اعظم در شہوار ہماری عزیز ترین ملکہ ہیں۔ اس بات سے تم ضرور حیران ہو گے کہ ہم انہیں یہاں کیوں لائے اور تمہارے سامنے ان کا نقاب کیوں اتروایا ہے؟"

"خلیفہ محترم مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔" صلاح الدین نے سپاٹ لہجہ میں کہا۔

"اگر کوئی اہم ضرورت تھی تو مجھے قصر خلافت طلب کر لیا ہوتا تاکہ کسی کو یہاں لانے کی زحمت نہ گوارہ کرنا پڑتی۔"

"خیر اس کی وجہ ہم بعد میں بیان کریں گے۔" خلیفہ نے کہا۔ "سب سے پہلے ہم تمہیں دمیاط میں کامیابی کی مبارک باد دیتے ہیں۔ نصرانی ایک عرصہ سے مصر سے خراج وصول کر رہے تھے نئی وزارت نے مصر کو اس ذلت سے نجات دلائی۔ اب نصرانی مصر پر پورے قبضہ کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ دمیاط کا محاصرہ اسی کا شاخسانہ تھا۔"

"خلیفہ محترم نے درست فرمایا۔" صلاح الدین نے جواب دیا۔ "خلیفہ محترم کو شاید علم ہو کہ اب تک صرف یروشلم کا نصرانی شاہ ایمالرک مصر پر حملہ آور ہوتا تھا لیکن دمیاط کا محاصرہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کا نتیجہ تھا۔ شاہ ایمالرک نے مصر کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد یورپ کے تمام درباروں میں اپنے سفیر بھیجے تھے اور ان سے تثلیث اور عیسائیت کے نام پر فوجی مدد طلب کی تھی۔ ہسپانیہ اور صقلیہ نے اپنے فوجی روانہ کر دیئے تھے۔ مشرقی رومی شہنشاہ نے بھی دو سو سے زیادہ جہاز بھیجنے کا وعدہ کیا تھا لیکن شاہ یروشلم بیرونی طاقت پر ایسا پھولا کہ اس نے رومی شہنشاہ کے بحری بیڑے کا انتظار بھی نہ کیا اور دمیاط پہنچ گیا بہر حال خدائے جل شانہ' نے مصر پر اپنا کرم کیا اور رومی شہنشاہ کے بھیجے ہوئے دو سو پچیس جہاز بھی محاصرہ کرنے والوں کو کوئی خاص مدد نہ کر سکے۔"

"ہاں وزیر اعظم ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم نے دریائے نیل کی دمیاط شاخ پر پانی کے اندر آہنی زنجیروں کا ایسا جال بچھا دیا تھا کہ رومی جہاز محاصرہ کرنے والوں کی مدد نہ کر سکے۔"

خلیفہ نے اس بات کو بڑی شان سے بتایا شاید یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ ملکی حالات سے

پوری طرح باخبر رہتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ خلیفہ اگر چاہتا تو ملک کی چھوٹی بڑی ہر خبر سے باخر رہ سکتا تھا
اسے ایسی باتوں کے سننے کی کب فرصت تھی۔ پہلے وہ تمام اوقات خوبصورت کنیزوں او
نئی متعہ میں آئی ہوئی دوشیزاؤں کے ناز نخرے میں الجھا رہتا تھا پھر جب بیمار ہوا تو پھر ب
سے بہ مشکل ہی سے اٹھ سکتا تھا۔ اسے خبریں ملنے کا ذریعہ صرف اس کے دو مصاحب
استاد اور جلیس بن عبدالقوی تھے جو اس وقت بھی خلیفہ کے ساتھ تھے لیکن صلاح ال
نے ان پر ہی نہیں بلکہ قصر خلافت کے تمام غلاموں اور کنیزوں پر پابندی عائد کر دی تھ
خلیفہ کو کسی ایسی بات کی خبر نہ دی جائے جس سے اس کی بیماری بڑھ جانے کا امکا
سوائے ان خبروں کے جس سے خلیفہ کو خوشی اور مسرت حاصل ہو۔ محلات پر صلاح ال
کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ ہر ایک خود کو صلاح الدین کا غلام سمجھتا تھا اور اس
وفاداری ظاہر کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔

صلاح الدین نے مصر اور قاہرہ میں بہت سی تبدیلیاں کی تھیں۔ مصری جاگیردار دو
دور دراز علاقوں میں بھیج دیا گیا تھا تاکہ خلیفہ کے ہمدردوں کی قاہرہ میں تعداد گھٹ کر
ہونے کے برابر رہ جائے۔ شہر کوتوال۔ قاضی شہر۔ داروغہ محلات۔ وزیر خزانہ اور تمام
عہدوں پر مصریوں کے بجائے شامی یا پھر صلاح الدین کے اعتماد کے لوگ مقرر کئے
تھے۔ اس نے فاطمیوں کے کئی محلات کو شافعی عقیدہ کے اسکولوں میں تبدیل کر دیا ت
سوائے جلیس عبدالقوی اور جوہر استاد کے خلیفہ کے حلقہ میں اور کوئی پرانا نمک خوار باقی
رہ گیا تھا خلیفہ کے یہ دونوں مصاحب بظاہر خلیفہ کے وفادار تھے لیکن وہ دراصل وزیر اع
کے لئے خلیفہ کی جاسوسی کرتے تھے۔ انہوں نے خلیفہ کو اب تک یہ بہ بتایا تھا کہ قاہرہ
پورے ملک مصر کا عقیدہ آہستہ آہستہ تبدیل ہو رہا تھا۔

صلاح الدین نے شاید اسے خوش کرنے کے لئے کہا۔ "خلیفہ محترم ملکی حالات ۔
اس قدر باخبر رہتے ہیں اس کا مجھے علم نہ تھا۔ جہاں تک رومی جہازوں کو روکنے کی حکم
عملی کا تعلق ہے تو وہ مجھے بروقت سوجھی تھی۔ دیاط دریائے نیل کی جس شاخ پر آباد ہے
ایک جگہ بہت تنگ ہو گئی ہے۔ دیاط آنے والے جہازوں کو اس تنگ شاخ سے گز
ضروری تھا۔ میں نے وہاں پانی کے نیچے اس کنارے سے اس کنارے تک ایک موٹی زنج
لگوا دی اور اس میں جگہ جگہ کانٹے لگوا دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو جہاز اس نیل
سے گزرنے کی کوشش کرتا وہ کسی نہ کسی کانٹے میں الجھ جاتا۔ صرف چار گھنٹے میں ا
جہاز کانٹوں میں پھنس گئے کہ دریائی راستہ بند ہو گیا اور رومی جہاز محاصرہ کرنے والوں

د کو نہ پہنچ سکے۔"

"خدا تمہیں دراز عمر دے اور تم مصر کی اس طرح خدمت کرتے رہو۔" خلیفہ نے
صلاح الدین کو دعا دی پھر درشہوار کی طرف دیکھ کے کہا۔ "وزیر اعظم۔ یہ ہماری محبوب ملکہ
درشہوار ہیں۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہماری زندگی کے دن بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔ گو کہ
موت برحق ہے لیکن انسان اگر عمر طبعی کو پہنچ کے انتقال کرے تو اس کا صدمہ متعلقین کو
کم ہوتا ہے پھر ابھی تو ہماری عمر کا پھول اچھی کھل بھی نہ پایا تھا کہ اس پر خزاں غالب آ گئی
"

صلاح نے خلیفہ کا قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "خلیفہ محترم۔ آپ اس قدر مایوسی کی
باتیں نہ کیجئے۔"

"وزیر اعظم۔ یہ مایوسی یا کم ہمتی کی باتیں نہیں۔" خلیفہ نے بڑے حوصلے سے کہا۔
لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے خود بیماریوں کو دعوت دی اور اپنی موت کو پکارا ہے لیکن کسی نے
آج تک حقیقت میں جھانک کر نہیں دیکھا۔ نہ ہم نے بیماریوں کو دعوت دی اور نہ موت کو
پکارا ہے بلکہ مفاد پرستوں نے ہماری کمسنی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بیماریوں کو ہماری طرف
دھکیل دیا۔ موت کو ہمارے قریب کر دیا۔ ہمیں شراب کباب اور شباب کی آب جو میں
غوطے دیئے گئے۔ ہم جب ابھرتے تو ہمیں دوبارہ غوطہ دے دیا جاتا۔ ہمیں جب ہوش آتا تو
پھر سے شراب میں نہلایا جاتا پھر جب ہم نے اپنی جوانی اور جوانی کی طاقتوں کو کھو دیا تو ہم
پر عیاشی کا الزام لگایا گیا۔ مگر کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ ہمیں عیاش کس نے بنایا ——" پھر
خلیفہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

صلاح الدین نے محسوس کیا کہ اتنی باتیں کرنے سے خلیفہ بہت تھک گیا ہے اور
ضعف کی وجہ سے کانپ رہا ہے۔ اس نے کہا۔ "آپ اب گفتگو نہ فرمائیے خلیفہ محترم آپ
بہت تھکے نظر آ رہے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ بیماری بڑھ جائے۔"

"وزیر اعظم۔ تمہارا شکریہ کہ تمہیں ہماری بیماری کا احساس ہوا۔" خلیفہ نے ہانپتے
ہوئے کہا۔ "ورنہ ہمارے کانوں میں یہی آوازیں آتی ہیں کہ امیر المومنین بالکل تندرست
ہیں۔ جوان ہیں چہرہ شگفتہ ہے۔ ذرا کسلمندی ہے جو دو چار روز میں ختم ہو جائے گی۔ سنا تم
نے۔ یہ ہیں ہمارے مشیروں اور وفاداروں کی باتیں حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ جانتے ہیں
کہ ہم ہوا کی دوش پر اڑ رہے ہیں۔ طوفانی لہروں میں بہہ رہے یا پھر کاغذی ناؤ پر سوار ہیں
جو کسی وقت الٹ سکتی ہے۔"

صلاح الدین نے اسے پھر روکا۔" محترم خلیفہ مصر۔ میری درخواست ہے کہ آپ زیادہ

گفتگو نہ کیجئے۔ آپ حکم دیجئے کہ آپ کی کیا خواہش ہے۔ ان خاتون کے لئے میں کر
سکتا ہوں؟"

صلاح الدین کو خلیفہ مصر پر رحم آنے لگا۔ کثرت عیاشی نے اس کی جوانی غارت کر
تھی۔ اسے اطلاع دی گئی تھی کہ خلیفہ صاحب فراش ہے اور طبیب اعظم نے سختی
تاکید کی ہے کہ خلیفہ کے بستر کے قریب کوئی بیگم نہ جانے پائے یہاں تک کہ اس
خاص کمرے میں کنیزوں تک کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا تھا لیکن خلیفہ کے ساتھ اس وق
بھی ایک ماہ پارہ تھی جس کی سفارش کرنے وہ قصر خلافت سے دارالوزارت آیا تھا۔

"ہم شکر گزار ہیں وزیراعظم کے تم نے ہماری بات غور سے سنی اور ہماری سفارش
غور کرنے کا وعدہ کیا۔" خلیفہ کے طاقت کم ہو رہی تھی اور آواز بھی دھیمی پڑ گئی تھی۔

صلاح الدین گھبرا گیا کہ کہیں خلیفہ کا دارالوزارت ہی میں آخری وقت نہ ہو جائے
اس نے جلدی سے کہا۔ "خلیفہ محترم آپ حکم دیجئے۔ ارشاد فرمایئے۔ میں حاضر ہوں۔"

"سنو وزیراعظم۔" خلیفہ نے طاقت سمیٹ کے کہا۔ "ہمارے بعد ––––––'"

"نہیں خلیفہ محترم۔ یہ الفاظ استعمال نہ کیجئے۔" صلاح الدین پھر چونکا پڑا۔

خلیفہ نے احسان مندی کی نظروں سے صلاح الدین کو دیکھا۔ "اچھا۔ درشہوار کو ایک
آراستہ و پیراستہ محل دیا جائے۔ چار کنیزیں اور چار غلام خدمت پر مامور ہوں اور ماہانہ
اخراجات کے لئے اسے ایک چھوٹی سی جاگیر دی جائے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں بلکہ عہد کرتا ہوں کہ اگر مجھے مصر کی حکومت میں اتنا اقتدار
حاصل رہا کہ میں آپ کی خواہش کی تکمیل کا حکم دے سکوں تو میں اس میں کچھ پس و پیش
نہ کروں گا۔" صلاح الدین نے فوراً وعدہ کر لیا۔

"میرے دل کو بہت اطمینان حاصل ہوا وزیراعظم۔" خلیفہ نے متشکر نظروں سے وزیراعظم
کو دیکھا۔

"اس کے علاوہ کوئی اور حکم؟" صلاح الدین نے پوچھا۔

"مصر کو اپنا ملک اور وطن سمجھنا اور رعیت سے محبت کرنا۔" خلیفہ نے شاید خلوص
سے کہا کیونکہ وہ تو اپنی رعیت کی خدمت کرنے کے قابل ہی نہ تھا۔

"آپ کچھ دیر آرام فرمایئے خلیفہ محترم۔" صلاح الدین نے پیش کش کی۔

"نہیں وزیراعظم۔ ہم جس کام کے لئے آئے تھے وہ پورے ہو گئے۔ اب ہم واپس
جائیں گے۔" یہ کہتے ہوئے خلیفہ نے اٹھنے کی کوشش کی۔

اب درشہوار کے جسم میں بھی جیسے جان پڑ گئی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور خلیفہ کو

را دے کر کھڑا کیا۔ صلاح الدین نے چاہا کہ خلیفہ کچھ دیر اس کے محل میں آرام کر کے
ں جاتے مگر خلیفہ نہ مانا۔ تخلیہ ختم کر دیا گیا۔ غلام اور کنیزیں بھاگ کے اندر آئے۔ اور
اح الدین کے اشارے پر خلیفہ کو سہارا دے کر لے چلے یوں مضمحل خلیفہ جس طرح آیا
اسی طرح واپس چلا گیا۔ مگر صلاح الدین اس کی حالت دیکھ کر مغموم ہو گیا۔

☆

درشہوار کو طبیب اعظم کے پاس امانتاً رکھا گیا تھا۔ جس طرح خلیفہ کو اپنے اوپر اعتماد
تھا اسی طرح وہ کسی دوسرے پر بھی اعتماد نہ کرتا تھا۔ درشہوار کے جانے کے چار پانچ روز
۔ تو خلیفہ نے واقعی آنکھیں نہ کھولیں۔ قصر خلافت کی کنیزوں اور غلاموں کو خلیفہ کے
نے جینے کی کوئی پرواہ نہ تھی اس لئے کہ وہ خلیفہ کے پرانے ملازم نہ تھے۔ صلاح الدین
تمام قدیم ملازمین کو یا تو برخاست کر دیا تھا یا پھر دوسرے محلات میں بھیج دیا تھا اور اپنی
ے اور اپنے اعتماد کے غلاموں اور کنیزوں اور پہرہ داروں کو قصر خلافت کے اندر باہر
ر کیا تھا۔ خلیفہ کو بھی اپنے پرانے ملازمین سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے کہ خدمت تو
ہ کی کرتے لیکن اصل میں نوکر داروغہ محلات کے ہوتے تھے۔ پس جب جو تمن خلافت
تختہ اٹھا اور پرانے ملازموں کو ہٹا کر نئے ملازم رکھے گئے تو خلیفہ کو اس تبدیلی پر نہ تو
ا تعجب ہوا اور نہ افسوس اس کے لئے نئے اور پرانے دونوں ہی برابر تھے۔

قصر خلافت سے در شہوار کے جانے کے ایک ہفتہ بعد ایک شام خلیفہ نے اچانک
ھیں کھول دیں۔ اور کسی کو خوشی ہوئی ہو یا ہوئی ہو مگر خلیفہ کے دونوں مصاحب جن کی
یاں اور زندگیاں خلیفہ کی زندگی سے وابستہ تھیں۔ ان کے چہرے مسرت سے دمک
ے۔ جب سے خلیفہ کی بیماری میں شدت پیدا ہوئی تھی جوہر استاد اور جلیس بن عبدالقوی
اپنے گھر جانا چھوڑ دیا تھا خلیفہ نے ان سے پہلے ہی کہا تھا کہ وہ قصر خلافت کے مہمان
، میں رہا کریں مگر اس وقت ان مصاحین کو خلیفہ کی زیادہ پروا نہ تھی اس لئے وہ ٹال
تے لیکن اب تو وہ پوری طرح خلیفہ سے وابستہ تھے اور رات دن اس کی خدمت میں
، رہتے تھے۔ خلیفہ کو بھی ان کی خدمات کا اعتراف تھا اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ جب
ا موقعہ ملا وہ صلاح الدین سے ان دونوں کی سفارش کریں گے۔ اس دن خلیفہ معہ
ہوار کے وزیراعظم سے ملنے جانے لگا تو جوہر استاد اور جلیس بن عبدالقوی نے ہاتھ باندھ
، ان سے عرض کیا تھا کہ وہ وزیراعظم سے ان کے بارے میں ضرور ذکر کریں۔

جلیس بن عبدالقوی نے تو درشہوار سے گڑگڑا کے درخواست کی تھی۔ "بیگم عالیہ
ہ جب امیرالمومنین' وزیراعظم سے گفتگو فرما رہے ہوں تو آپ انہیں یاد دلا دیجئے گا کہ

امیرالمومنین کو اپنے خانہ زادوں کے لئے بھی کچھ کہنا ہے۔"
درشہوار خلیفہ سے بہت ناراض تھی۔ وہ طبیب اعظم کے پاس آرام سے رہ رہ
کہ ایک دن خلیفہ نے چند غلاموں' کنیزوں اور جوہراستاد کو طبیب اعظم کے گھر بھی
اسے حکم دیا کہ وہ درشہوار کو لے کے فورا قصر خلافت پہنچے۔ طبیب اعظم اور درشہو
وہاں کچھ اور ہی گل کھلا رکھے تھے اور بڑے بڑے منصوبے بنائے تھے۔ درشہوار کو خ
بلاوا بہت ناگوار گزرا لیکن خلیفہ ابھی زندہ تھا اور اس کا حکم کم از کم عمائدین سلطن
ضرور چلتا تھا بشرطیکہ اس کا حکم تعلق حکومت کے کسی محکمہ کے بارے میں نہ ہو۔
اعظم نے درشہوار کو حالات کو اونچ نیچ سمجھائی اور اسے قصر خلافت جانے پر آمادہ کرلیا
اس نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ایک بیمار آدمی کے پاس جانے سے یہ بہتر سمجھتی
محل کی دیوار پھاند کے جان دے دے۔ یہ گفتگو اگرچہ طبیب نے تنہائی میں کی تھی
جہاندیدہ جوہراستاد درشہوار کا چہرہ دیکھ کر فورا تاڑ گیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔
جوہراستاد کے دل میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ سوائے خلیفہ کی مصاحبت کے انہیں او
کام نہ تھا۔ خلیفہ بھی بیمار تھا۔ خلیفہ جب تک اچھا رہا جوہراستاد اور جلیس بن عبداللہ
انعام و اکرام دیتا رہتا تھا مگر اب وہ سلسلہ بھی ختم تھا اور دونوں مصاحبوں کو روٹیو
لالے پڑے ہوئے تھے۔ اب جو جوہراستاد کو طبیب اعظم اور درشہوار کے مابین کچھ
میں کالا نظر آیا تو اس نے صورت حال سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ طبیب اعظم کے محل
واپسی کے وقت جوہراستاد زبردستی درشہوار کی بندگاڑی میں گھس کے بیٹھ گیا تھا۔ درشہ
اس کی یہ حرکت بہت بری معلوم ہوئی تھی لیکن وہ یہ سوچ کے خاموش ہو گئی کہ
سلطانی میں اس کا کوئی ہمدرد نہیں پھر کیوں نہ وہ جوہراستاد کی خدمات سے فائدہ اٹھا
جوہراستاد سے کبھی اس کی گفتگو تو نہ ہوئی تھی لیکن پردہ بھی نہ تھا۔
بند شاہی گاڑی قصر خلافت کی طرف رواں دواں تھی اور اس میں بیٹھے ہوئے
استاد اور درشہوار گفتگو کی خواہش رکھنے کے باوجود خاموش تھے حالانکہ درشہوار نے اپ
بالکل بے تاثر بنا لیا تھا تاکہ جوہراستاد کو یہ نہ محسوس ہو کہ وہ اس سے ناراض ہے پھ
جوہر کی ہمت نہ پڑ رہی تھی کہ گفتگو کا آغاز کرے۔ آخر اس کا موقعہ خود بخود پیدا ہو
گاڑی نے ایک زور کا جھٹکا کھایا اور درشہوار اچھل کر جوہراستاد پر آگری۔ جوہراستا
نہایت ادب سے درشہوار کو اپنے سے الگ کر کے اس کی نشست پر بٹھا دیا۔
بات درشہوار ہی نے شروع کی۔ "جوہراستاد اگر آپ اس وقت سامنے نہ بیٹھے ہ
تو میرا سر ضرور کسی چیز سے ٹکراتا پھر پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔؟"

"عالیہ محترمہ۔" جوہراستاد نے فورا ایک نیا خطاب ایجاد کیا۔ "غلام تو آپ کے
اشارے پر اپنی کھال کے جوتے بنا کر پیش کر سکتا ہے۔ آپ حکم تو دیجئے۔"
"جوہراستاد۔ میں کس قدر بدنصیب ہوں کہ کسی ہمدرد سے کھل کے بھی بات نہیں کر
سکتی۔" درشہوار نے جوہراستاد کو متاثر کرنے کے لئے اپنے لہجہ میں رقت پیدا کی۔
جوہراستاد خود ہی درشہوار کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔ وہ ذرا اور کھلے۔
"عالیہ محترمہ آپ خلیفہ کی طرف سے بالکل اطمینان رکھئے میں قصر خلافت کے تمام
معاملات سنبھال لوں گا۔ آپ باہر کی فکر کیجئے۔"
درشہوار نے جوہراستاد کو غور سے دیکھا اور دھیمی آواز میں کہا۔ "جوہراستاد پہیلیاں
نہ بجھاؤ جو کہنا ہے واضح الفاظ میں کہو۔ میری طرف سے مطمئن رہو۔ مجھ سے کوئی نقصان
نہ پہنچے گا۔"
"عالیہ محترمہ۔" جوہراستاد نے گلا صاف کیا۔ "اگر آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں تو میں
یہ کہوں گا کہ میں اور آپ دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ اس لئے کہ ہم دونوں کا
مفاد صرف ایک ہستی سے وابستہ ہے اور وہ ہستی امیرالمومنین فاطمی خلیفہ العاضد کی ہے۔"
"یہ بات آپ نے ٹھیک کہی جوہراستاد۔" درشہوار نے ٹھنڈی سانس لی۔ "لیکن ہم
اور کربھی کیا سکتے ہیں۔ اور کون سہارا دے سکتا ہے ہمیں؟"
"عالیہ محترمہ۔" جوہراستاد نے سنبھل کے کہا۔ "بظاہر آپ مجبور ہیں لیکن قدرت
نے آپ کو ایسی خوبیوں اور حسن و جمال سے نوازا ہے کہ جس دروازے کی طرف نظر
اٹھائیں گی وہ خود بخود کھل جائے گا۔ مشکل تو میری ہے جو امیرالمومنین کی آنکھیں بند
ہوتے ہی کنگال ہو جائے گا۔" اور جوہراستاد نے واقعی موٹے موٹے آنسو بہانا شروع کر
دیئے۔
"دل نہ چھوٹا کرو جوہراستاد۔" درشہوار نے اسے تسلی دی۔ "اگر خدا نے خلیفہ کو اٹھا
لیا تو میں یقین دلاتی ہوں کہ جہاں میں جاؤں گی وہاں تم کو بھی لے جاؤں گی۔"
"بہت بہت نوازش ہے آپ کی۔" جوہراستاد نے شکریہ کا اظہار کیا۔
"مگر محترمہ عالیہ۔ یہ باتیں وقت پر سوچنے کی نہیں۔ انہیں تو قبل از وقت سوچنا ہوتا
ہے۔ آپ کہاں تشریف لے جائیں گی۔ جوہراستاد کس دروازے پر جبہ سائی کرے گا۔ یہ
باتیں ابھی سے سوچ لینا چاہئے اور ہو سکے تو طے بھی کر لینا چاہئے۔"
"جوہراستاد تم نے مجھے تو مشورہ دے دیا لیکن اپنے لئے کیا کیا ہے تم نے؟" درشہوار
نے الٹا سوال کر دیا اپنے ہی لئے تو کر رہا ہوں اب تو میں سب کچھ آپ کے لئے سوچ رہا

ہوں"۔

"آپ جو کچھ کر رہے ہیں میرا مطلب ہے جو کچھ آپ نے سوچا ہے وہ مناسب تو
مگر آپ اس پر قائم رہ سکتی ہوں تو بہت مناسب ہوگا"۔ جوہر استاد نے فوراً جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کیا سوچا ہے؟" در شہوار مسکر
انسان کے اندازے اکثر غلط ہوتے ہیں"

"محترمہ عالیہ نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا۔ جوہر استاد نے کہا اندازے عام طور پر
ہوتے ہیں لیکن دل کی حالت چہرے پر بکھر جائے تو پڑھنے والا غلطی نہیں کرتا ——————

گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رکی تو جوہر استاد اور در شہوار کو ہوش آیا وہ قصر خلافہ
پہنچ گئے ہیں جوہر استاد نے فوراً کہا۔ محترمہ عالیہ آپ جس زندہ لاش کے پاس جا رہی ہ
زمین اس کا بوجھ زیادہ دن نہ اٹھا سکے گی اس لئے اپنا ارادہ میں پختہ رہیں"

در شہوار نے کچھ جواب دینا چاہا لیکن قصر خلافت کی کنیزوں نے گاڑی کو گھیر لیا جو
استاد اتر کر ایک طرف کھڑے ہوگئے اور در شہوار کنیزوں کے جلوس میں خلیفہ کے حضو
پہنچی۔

"تم ہمیں چھوڑ کے کیوں چلی گئی تھیں در شہوار؟" خلیفہ نے اسے دیکھ کے
شکایت کے لہجے میں کہا۔ "ہم صبح سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

"امیر المومنین ۔ میں آپ سے کب جدا ہونا چاہتی تھی لیکن برا ہو اس منحوس طبیب
اعظم کا اس نے مجھے آپ سے الگ ہونے کا حکم دیا اور آپ مان گئے۔" در شہوار ۔
مصنوعی افسردگی سے کہا

"ہاں ہاں ان دونوں ہماری طبیعت کچھ ایسی ہی تھی خلیفہ نے پیار سے کہا۔ تم ا
گئیں کہ پھر ادھر کا رخ ہی نہ کیا کیا ہمیں بالکل بھول گئیں تھیں؟

"کیا فرماتے ہیں امیر المومنین۔" در شہوار نے لہجے میں محبت کی پوری توانائیاں بھ
دیں" وہاں تو مجھے کسی پہلو چین نہ ملتا تھا لیکن روز یہی اطلاع ملتی تھی کہ دشمنوں کی طبیع
ٹھیک نہیں آج جب جوہر استاد نے اطلاع دی کہ آپ بالکل صحت یاب ہیں اور چہ
مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہے تو نہ پوچھئے کہ کتنی مسرت ہوئی۔ میں ۔
لباس میں تبدیل نہیں کیا جس طرح بیٹھی تھی اسی طرح کے اٹھ چلی آئی"۔

در شہوار صاف جھوٹ بول رہی تھی اس نے ایک گھنٹے تک طبیب اعظم سے بحث ک
تھم ... جب اس کے سمجھانے سے قصر خلافت آنے پر آمادہ ہوئی تو اپنی تیاری میں لگ گ
... لباس تبدیل کیا مشاطہ سے بال بنوائے سنگار کئے پھر گاڑی پر سوار ہوئی تھی اس

کا خیال تھا کہ خلیفہ چراغ سحری ہے اس کی بیماری کوشش کے باوجود اسکے چہرے سے ظاہر
ہو رہی تھی۔'

مگر در شہور کو اس وقت حیرت ہوئی جب خلیفہ نے ایک کنیز کو اشارہ کیا اور وہ آداب
بجا لا کر باہر چلی گئی در شہوار یہی سمجھی کی خلیفہ نے کنیز کو کمرے سے اس وجہ سے بھیج دیا
ہے کہ شاید وہ کوئی خاص بات کہنا چاہتا ہے لیکن خلیفہ نے بالکل خاموشی اختیار کی پھر یہ
اموشی اس وقت ٹوٹی جب کمرے سے باہر جانے والی کنیز واپس آئی اور اس کے پیچھے قاضی
ہر آ رہے تھے اس کا دل دھک سے رہ گیا در شہوار نے طبیب اعظم کے ساتھ اپنے
متقبل کے کچھ خواب بنے تھے جو قاضی کو دیکھ کر تمام بکھر کر رہ گئے تھے۔

قاضی شہر کو شاید پہلے ہی یہ حکم دے دیا گیا تھا اس لئے انہوں نے آتے ہی در شہوار
ر فاطمی خلیفہ العاضد کی رسم متعہ ادا کی اور خلیفہ کو اس کی مبارک باد دی۔ رسم ادائیگی
، وقت خلیفہ نے کنیز کو وہاں سے ہٹا دیا اور سوائے ان تین اور کوئی اس رسم کے وقت
جود نہ تھا لیکن جو کہا گیا ہے کہ شاہی محلات کی ہوائیں بھی جاسوسی کرتی ہیں اور در و
ار کے کان رکھتے ہیں تو یہ صورت یہاں بھی پیش آئی۔ قاضی شہر جب رخصت ہوئے تو
آ کر انہیں معلوم ہوا کہ جو رسم اس قدر خاموشی سے ادا کی گئی تھی اس کی خبر ان کے
آنے سے پہلے ہی عام ہو چکی تھی۔

طبیب اعظم کے محل سے آنے کے بعد یا یوں کہنا چاہئے کہ در شہوار سے متعہ کے
ہفتے بعد خلیفہ العاضد کی طبیعت پھر خراب ہونا شروع ہوئی طبیب اعظم اب بھی
رے دن خلیفہ کی مزاج پرسی کے لئے آتے تھے لیکن خلیفہ اپنی بیماری کو ان سے چھپاتا
ور کوئی دوا استعمال نہ کرتا تھا اس دوران طبیب اعظم اور در شہوار کی آنکھیں کئی بار
ہوئیں مگر وہ ایک دوسرے سے بالکل اجنبی بنے رہے پھر ایسا ہوا کہ خلیفہ کو غشی کے
ے پڑنے لگے اور پھر جب اس نے خود بھی یہ محسوس کر لیا کہ اب یہ ریت کی دیوار
دن قائم نہیں رہ سکتی تو وہ در شہوار کو لے کر وزیر اعظم سے ملاقات کے لئے دار
رت گیا اور اپنی محبوبہ کے مستقبل کے لئے ہر ممکن پیش بندی کرا دی۔

فاطمی خلیفہ العاضد نے در شہوار کو صلاح الدین کے سامنے پیش کر کے اس کے لئے
ت کا وعدہ تو کر لیا لیکن اپنے لئے نہ کچھ مانگ سکا اور نہ کوئی رعایت حاصل کر سکا اس
اپنے لئے مانگنے کی یوں ضرورت محسوس نہ کی کہ اس کے ہر خواہش بغیر کہے پوری
ا تھی اس کے پاس جواہرات کا ایسی قیمتی خزانہ تھا جو کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے
، ہوگا پھر صلاح الدین کے پاس تھا بھی کیا جو وہ خلیفہ کو دیتا ۔ مصر کی تمام آمدنی ملک

کے اصلاح احوال اور رعیت کی بھلائی پر خرچ ہوجاتی تھی خلیفہ کی ایک خواہش ضرو
تھی جسے صرف صلاح الدین پوری کرسکتا تھا اور وہ خواہش تھی اس کے بحیثیت خلیف
برقرار رہنے کی جو اس کے بغیر کہے اب تک پوری ہو رہی تھی۔

مصر میں جب کوئی وزیر تبدیل ہوتا تو خلیفہ پر کچھ دنوں کے لئے ایک بڑا سخت
پڑتا تھا کوئی اس کے اختیارات کم کرنے کی فکر کرتا تو کوئی اس کی بیش بہا دولت کو
کرنے کی کوشش میں لگ جاتا تھا لیکن صلاح الدین کے وزیر اعظم ہونے کے بعد ا
کے تمام جھگڑوں سے چھٹکارا مل گیا تھا۔ پہلے اسے نجاح اور اس کے سوڈانی غلامو
کنیزوں سے جان کا خطرہ رہتا تھا لیکن اب تمام سوڈانی محلات سے نکال دیئے گئے تھے
نئے غلام اور کنیزیں اور محافظ اس کا بڑا احترام کرتے تھے۔ خلیفہ کو یہ معلوم ہوگیا
نجاح اور اس کے بیشتر ہمدردوں کا خاتمہ ہوگیا تھا لیکن خلیفہ نے اس بارے میں کہ
کوئی گفتگو نہ کی تھی یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اسے یہ تبدیلی خوش آئند لگی تھی۔

صلاح الدین اگرچہ تقریباً" اکتیس سال کا ہوچکا تھا اور یہ عمر کاروبار سلطنت چلا۔
لئے اس زمانہ کے لحاظ سے بہت کم تھی لیکن صلاح الدین نے اپنی ذاتی قابلیت او
کاوش سے اس مصر میں امن و امان قائم کر دیا تھا جہاں امرائے علویہ کا سکہ چلتا تھا ا
کی اصل باگ دوڑ ایمالرک شاہ یروشلم کے ہاتھ میں رہتی تھی اس نے نہ صرف امرا۔
کا شیرازہ بکھیر دیا تھا بلکہ شاہ یروشلم کو ایسا زچ کیا تھا اس نے چیرہ دست حبشیوں کو
ملک سے نکال کر شمالی حصے میں بند کر دیا تھا لیکن اسے پھر بھی پوری طرح اطمینان
تھا مصر میں اقتدار اعلیٰ اس کے ہاتھ میں تھا لیکن مصر میں فاطمی خلیفہ اور فاطمی خلافت
تھی اور جب تک خلیفہ اور خلافت قائم تھی اس وقت تک علویوں کی سازش اور ا
خدشہ نظرانداز نہ کیا جاسکتا تھا۔

صلاح الدین نے مصر میں کئی سخت قدم اٹھائے تھے لیکن خلیفہ العاضد کے مع
وہ نرم پڑ جاتا تھا اس کے ذہن میں خلیفہ کے لئے کئی نرم گوشے موجود تھے خلیفہ کا
یا راستہ سے ہٹانا کوئی مشکل کام نہ تھا لیکن جب بھی کوئی ایسا وقت آتا تو خلیفہ پر ا
آجاتا اور وہ اس خیال کو ذہن سے نکال دیا کرتا تھا۔

لیکن کچھ دنوں سے وہ اس معاملہ میں بہت پریشان تھا دنیائے عجم کے ایک
مصر تشریف لائے ہوئے تھے ان کے ارادے اگرچہ نیک تھے مگر اس سے کوئی نیا
جنم لے سکتا تھا فقیہ صاحب نے بزعم خود صلاح الدین کو اپنے پاس بلوایا تھا تاکہ
مسئلہ پر گفتگو ہو سکے صلاح الدین اگرچہ علماء اور فضلاء کی بڑی عزت کرتا تھا لیکن

جاسوسوں نے اسے مطلع کر دیا تھا کہ دنیائے عجم کے معروف فقیہ امیر العالم جشانی مصر اس
لئے تشریف لائے ہیں کہ وہ فاطمی خلیفہ کی خلافت ختم کر کے مصر میں بغداد کا عباسی خلافت
رائج کریں۔ صلاح الدین کے خیال میں بھی یہ ایک نیک کام تھا کیونکہ وہ خود حنفی عقیدہ کا
پابند تھا بغداد سے روز کوئی نہ کوئی عالم قاہرہ پہنچ کے اسے خلافت بدلنے کا مشورہ دیتا جب
صلاح الدین اسے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کرلیتا تو پہلے وہ صلاح الدین سے
مودبانہ درخواست کرتا اور جب اس درخواست پر بھی خاموشی اختیار کی جاتی تو وہ صلاح
الدین کے خلاف اول فول بکنے لگتا تھا۔ لطف یہ تھا کہ صلاح الدین ان کے غصے کو بھی پی
جاتا تھا اور وہ اپنا منہ پیٹ کر رہ جاتا تھا۔

فقیہ امیر العالم جبشانی کو قاہرہ آئے کئی ہفتے ہو چکے تھے لیکن صلاح الدین ان سے
ملاقات سے گریز کر رہا تھا یہ نہیں کہ وہ فاطمی خلافت کا ہمدرد تھا بلکہ اس کی خاموشی صرف
اس وجہ سے تھی کہ وہ فاطمی خلیفہ کو اس آخری وقت میں یہ اس کا خیال تھا اتنا بڑا صدمہ
نہیں دینا چاہتا تھا بلکہ سوچ رہا تھا کہ یہ مسئلہ اپنے آپ ہی حل ہوجائے تو زیادہ بہتر ہے
یکن روز روز کے فقیہ حشبانی کے ملاقات کے تقاضے اسے پریشان کر رہے تھے اسے مربی
ور آقا نور الدین زنگی سلطان دمشق نے بھی اس کے پاس پیام بھیجا تھا کہ فاطمی خلافت کا
س قدر جلد فیصلہ ہوجائے اتنا ہی صلاح الدین کے لئے فائدہ مند ہوگا۔

صلاح الدین نے فقیہ جبشانی کو اب تک ٹالے رکھا تھا لیکن سلطان کے پیہم اصرار
نے اسے گھبرا دیا تھا۔ انہی دنوں وہ ایک دن جامعہ سیدنا حسین کے سامنے سے گزر رہا تھا
شہور ہے کہ اس مسجد میں امام حسینؑ کا سر مبارک دفن ہے پہلے یہ دمشق اور عسقلان میں
ن رہا۔ وہاں سے ۵۸ھ ہجری میں حلفائے فاطمی مصر لائے اور جامعہ ازہر کے اس مسجد
سا دفن کیا۔ اتفاق سے فقیہ امیر العالم جبشانی بھی جامعہ سیدنا حسین میں آئے تھے وہ جامعہ
ے باہر نکل رہے تھے کہ کہ ان کی نظر صلاح الدین پر پڑی صلاح الدین صرف دو محافظ
اروں کے ساتھ ادھر سے جا رہا تھا فقیہ جبشانی نے ایک لمحہ میں فیصلہ کیا اور جھٹ صلاح
مدین کے گھوڑے کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے صلاح الدین نے فوراً راسیں کھینچ لیں۔
فقیہ محترم کو پہنچانتا تو نہ تھا لیکن ان کے لمبے جبہ اور لمبی داڑھی کو دیکھ کر اندازہ لگایا کہ
ضرور کوئی بزرگ ہستی ہیں اور جرات مند بھی کیونکہ مصر کا تو کوئی شخص صلاح الدین کو
سرراہ روکنے کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔

صلاح الدین کے سوار فوراً آگے بڑھے لیکن صلاح الدین نے انہیں ہاتھ کے اشارے
ے روک دیا اور گھوڑے سے اتر پڑا۔

"امیر صلاح الدین سپہ سالار لشکر شامی میرا نام امیر العالم جبشانی ہے فقیہ امیر الع
نے خود ہی اپنا تعارف کروا دیا۔

صلاح الدین نے ایک لمحہ ذہن پر زور دیتے ہی انہیں شناخت کر لیا۔ فقیہ معظم زہ
نصیب کہ آپ سے ملاقات ہوئی مجھے آپ کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی اور میں جلد
آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والا تھا"۔

فقیہ جبشانی بھی بہت تیز تھے انہوں نے فوراً کہا۔ میں خود آپ کے پاس آنے والا ت
لیکن آپ کی مصروفیت نے مجھے باز رکھا۔ آپ کو میری آمد کا علم تھا تو یہ بھی معلوم ہو گا ک
میرے آنے کا مقصد کیا ہے ؟"

"جی ہاں فقیہ معظم مجھے علم ہے"۔ صلاح الدین فکر مند ہو گیا۔

"تو پھر کیا حکم ہے میرے لئے؟" فقیہ نے صلاح الدین کو باتوں میں الجھا کے اپ
مطلب کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

"میں مخالف تھوڑی ہوں۔" صلاح الدین نے تعطل پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"تو کیا اعلیٰ حضرت سلطان بغداد مخالف ہیں؟" فقیہ نے دریافت کیا۔

"بالکل نہیں = انہوں نے بھی مجھے کئی پیغام بھیجے ہیں۔ صلاح الدین نے اقبال کیا۔

"تو پھر میں اس نیک رسم کی ادائیگی کی تاریخ خود ہی مقرر کر لو"۔ فقیہ نے دو ٹوک
سوال کیا۔

"آپ میرے پاس تشریف لایئے بر سر راہ گفتگو کچھ اچھی معلوم نہیں ہوتی۔" صلا
الدین نے فوراً ٹالنے کی کوشش کی۔

"بہتر ہے میں حاضر ہوں گا۔------"

انجام و آغاز

فقیہ امیر العالم جبشانی نے ایک امیر کے ذریعہ وزیر اعظم صلاح الدین سے ملاقات کی
اجازت مانگی۔ صلاح الدین نے بلا غدر اجازت دے دی۔ فقیہ امیر العالم کو آج ملاقات کے
لئے آنا تھا۔ دارالوزارت میں صبح ہی سے چہل پہل ہو گئی تھی۔ مسئلہ اہم تھا اس لئے
دربای امراء کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ صلاح الدین نہ بادشاہ تھا نہ سلطان اس لئے وہ دربار
نہ لگاتا تھا لیکن سب جانتے تھے کہ فاطمی خلیفہ العاضد کا بس نام ہی نام ہے اور مصری
حکومت کی تقدیر کا مالک وزیر اعظم صلاح الدین ہے۔ شاید اسی وجہ سے اس کی مجلس
شورت کو دربار کا نام دیا گیا تھا۔ صلاح الدین نے تمام امراء کو خصوصی پیغام بھیجا تھا کہ وہ
اس مجلس میں ضرور شریک ہوں کیونکہ آج یہ فیصلہ ہو جائے گا۔ مصر میں فاطمی خلیفہ کا
خطبہ بند کر کے عباسی خلیفہ کا خطبہ جاری کیا جائے۔

اس جگہ اگر چند سطروں میں خطبہ کی اہمیت بیان کر دی جائے تو قاری خواہ مخواہ کی
دماغ سوزی سے بچ جائیں گے۔ مذہب اسلام میں حضور مقبول صلی وسلم کے اس جہاں سے
پردہ کر جانے کے بعد خلافت کا آغاز ہوا۔ چونکہ یہ ایک نیا مسئلہ تھا اس لئے اس کے
اصول و قواعد ترتیب دینے کے بجائے چند بااثر۔ متقی اور دانشوروں کے باہم مشورے سے
اپنے ہی میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر دیا مگر یہ طریقہ مستقل نہ ہو سکا اور خلافت راشدہ
کے آئندہ تین خلفاؤں کے انتخاب کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ اس کے بعد خلافت
کا انداز سلطانی اور بادشاہی ہو گیا۔ جو طاقتور ہوتا وہ بزور شمشیر سند خلافت پر قابض ہو
جاتا۔

پھر خلافت پر وہ وقت آیا کہ اس کی عسکری قوت ختم ہو گئی اور خلیفہ مسلمانوں کا ایک

مذہبی پیشوا بن کر رہ گیا۔ اس خلافت پر ایک دور یہ بھی آیا کہ اس میں بیک وقت دو خلا
ہونے لگے۔ ایک خلیفہ جو بغداد میں رہتا تھا عباسی کہلاتا۔ اس خلیفہ کو تمام فقہ حنفیہ وا
اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے تھے دوسرا خلیفہ مصر کے صدر مقام قاہرہ میں تھا جسے فاطمی خلیفہ کہا
اور فقہ جعفریہ کے تمام لوگ اسے اپنا خلیفہ تسلیم کرتے تھے۔ ان خلیفاؤں کے نام ج
کے خطبہ میں شامل ہوتے تھے۔ اس وقت مصر میں فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا
اور وہاں کا سرکاری مذہب فقہ جعفریہ پر کاربند تھا۔ چنانچہ فقیہ امیرالعالم جبشانی مصر ا
واسطے تشریف لائے تھے کہ مصر کی تمام مساجد کے خطبہ میں فاطمی خلیفہ العاضد کے بجا
بغداد کے عباسی خلیفہ المستنئی باللہ کا نام جاری کیا جائے۔

یہ مجلس مشورت اس غرض کے لئے اکٹھا ہوئی تھی کہ اس مسئلہ کے حل کی کوئی ا
صورت نکالی جائے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ تمام امراء آچکے تھ
اب صرف صلاح الدین کے آنے کا انتظار تھا۔ فقیہ جبشانی کو دوپہر سے کچھ پہلے کا وقت
گیا تھا تاکہ اس دوران صلاح الدین امرائے نوریہ سے صلاح و مشورہ کرسکے۔ جس اجل
میں زیادہ لوگوں کی شرکت کا امکان ہوتا اس کا انتظام دارالوزارت کے بڑے ہال میں
جاتا تھا۔ یہ مجلس اسی بڑے ہال میں لگی تھی۔ آخر صلاح الدین کا خاص غلام ہال
داخل ہوا۔ وہ ہمیشہ صلاح الدین کی نشست کی دائیں جانب کھڑا ہوتا تھا۔ اس کے آ
سے تمام امراء چوکنے ہو گئے۔ غلام کی آمد اس بات کی دلیل تھی کہ صلاح الدین محل
برآمد ہونے والا ہے۔ تمام لوگ مؤدب ہو گئے اور دھیمی آواز میں گفتگو کرنے لگے۔

یہ وقت صلاح الدین کے آنے کا تھا لیکن اس کے بجائے حریم خلافت کا ایک غلام
میں آیا اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور آہستہ قدم چلتا صلاح الدین کے
کے پاس پہنچا۔ حریم خلافت سے آنے والا غلام بھی وہ خاص غلام تھا جو خلیفہ کی خد
خاص پر مامور تھا۔ صلاح الدین کے غلام نے ایک قدم آگے بڑھ کے اس کا استقبال ک
دونوں میں آہستہ آہستہ کچھ گفتگو ہوئی اور آنے والا غلام جس انداز سے اندر آیا تھا
طرح واپس چلا گیا۔ حریم خلافت کے غلام کی آمد سے لوگوں میں تجسس پیدا ہوگیا ک
خلیفہ کی صحت کے بارے میں ان دنوں مختلف قسم کی افواہیں اڑتی رہتی تھیں۔ خاص
فاطمی خلیفہ کا وہ متعہ جو اس نے بیماری کے دوران در شہوار سے کیا تھا۔ اس کے
درباری امراء کے لئے خلیفہ کا معہ اپنی محبوبہ کے دارلوزارت آنا اور خلیفہ کا در شہوا
لئے مراعات کی درخواست کرنا بھی ایک اہم موضوع بنا ہوا تھا جس میں اہمیت کم اور
کا پہلو کچھ زیادہ ہی تھا۔

اسی وقت صلاح الدین ہال میں داخل ہوا۔ چونکہ صلاح الدین وزیر اعظم تھا اس لئے
ں کی نشست نیم دائرے میں بیٹھے ہوئے امراء سے قدرے بلند تھی۔ اس بلند جگہ پر
اں صلاح الدین بیٹھتا تھا' بالکل اسی طرح کا قالین کا فرش تھا جیسا دوسرے لوگوں کے
ے لگایا گیا تھا۔ وزیر اعظم کے احترام میں تمام لوگ اپنی نشستوں سے کھڑے ہوگئے اور
ں وقت تک کھڑے رہے جب تک صلاح الدین اپنی جگہ بیٹھ نہ گیا۔ اس کے ساتھ تمام
ب اپنی اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔

صلاح الدین کا غلام خاص گھٹنوں کے بل اس کے شانہ کے ساتھ لگ کر بیٹھا اور
رگوشیوں میں وزیر اعظم سے کچھ کہا۔ صلاح الدین کو شاید غلام کی کہی بات ناگوار گزری۔
ں کا چہرہ فوری طور پر متغیر ہوگیا اور اس نے تقریباً چیخ کے حکم دیا۔

"پیش کرو اس غلام کو۔"

صلاح الدین نے اتنے غصے یا تیز آواز میں حکم دیا تھا کہ تمام درباری جیسے چونک
ے۔ سب کا خیال فوراً حریم خلافت سے آنے والے غلام کی طرف گیا اور وہ تمام
وسے ختم ہوگئے جو ان کے ذہنوں میں کلبلا رہے تھے۔ خدانخواستہ اگر غلام کوئی خبر بد لایا
تا تو صلاح الدین کو اس وقت غصہ کیوں آتا۔ اس کا مطلب تھا کہ حریم خلافت سے کوئی
ر اطلاع آئی ہے۔

صلاح الدین کا غلام تیزی سے باہر گیا اور لمحوں میں حریم خلافت کے غلام کو لے کر
ہس آگیا۔ غلام نے ادب سے صلاح الدین کو سلام کیا جیسے اس نے سر کی جنبش سے
ل کیا اور اس کے ساتھ ہی شیر کی طرح گرجا۔

"تم کس کے غلام ہو؟"

حریم خلافت کا غلام لرز اٹھا مگر فوراً ہی سنبھل کے بولا۔۔۔ "عالی مقام وزیر اعظم۔
ے خلافت کی خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔" اس نے ادب سے وضاحت کی۔

"تم خلیفہ کی خدمت پر مامور ہو پھر کسی دوسرے کا پیغام لے کے کیوں آئے؟" صلاح
دین کے لہجے میں تلخی اب بھی پہلے جیسی تھی۔

اس مرتبہ غلام نے جرات کا ثبوت دیا۔ "غلام کی غلطی معاف فرمائی جائے لیکن جس
ت مجھے خلافت کی خدمت پر مامور کیا گیا اس وقت خلیفہ محترم کنیزوں اور غلاموں کی
ظت میں حریم خلافت میں تنہا رہتے تھے لیکن اب صورت حال مختلف ہے۔ خلافت کے
تھ اب محترمہ عالیہ درشہوار بھی حریم خلافت میں نہ صرف شب بسر کرتی ہیں بلکہ شب و
ز وہیں قیام فرماتی ہیں اس لئے خلافت کی خدمت کے ساتھ میں نے محترمہ عالیہ کی

خدمت بھی اپنے اوپر فرض کر لی۔ اس وقت محترمہ عالیہ کا پیغام وزیر اعظم کے پاس
کے آنا میرے اسی فرض منصبی کا ایک حصہ ہے۔ غلام امید کرتا ہے کہ اس کی غلطی در
فرمائی جائے گی۔۔"

"بے شک تم نے اپنا فرض ادا کیا۔ ہمیں اس کی خوشی ہے۔" صلاح الدین نے
کے اقدام کو سراہا۔ "لیکن اس خیال سے کہ تم سے یہ نامناسب فرض پھر نہ ادا ہو سکے
تمہیں خلیفہ کی خدمات سے سبکدوش کرتے ہیں۔ کل سے تم اپنے آپ کو ہماری خدمت
مامور سمجھنا۔"

"محترم اعلیٰ۔۔" غلام نے جلدی سے کہا۔ "میں اس قدر دانی اور عزت افزائی
لئے وزیر اعظم کا شکر گزار ہوں۔"

صلاح الدین اس کی طرف سے منہ گھما کر درباری امراء کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے
لہجے میں کہا۔ "آپ حضرات یقیناً یہ سننا پسند کریں گے کہ فاطمی خلیفہ کی نئی پسند درش
نے ہمیں وہ کون سا پیغام بھیجا ہے جس سے ہمارے لہجے میں تلخی آ گئی۔"

پھر صلاح الدین نے بغیر جواب کا انتظار کئے کہنا شروع کیا۔ "درشہوار نے اس
کے ذریعے یہ پیغام بھیجا ہے کہ فاطمی خلیفہ نے گزشتہ دو دن سے آنکھ بند نہیں کی اس
اس کے معالجہ کا معقول انتظام کیا جائے۔ سنا آپ نے۔ ہمیں حکم دیا جا رہا ہے۔ جس
کی خلیفہ نے خود کبھی کوشش نہ کی۔ وہ درشہوار کہلا رہی ہے۔"

"یہ وزیر اعظم مصر کی توہین ہے۔۔" امرائے نوریہ سے ایک نے کہا۔

حریم خلافت کے غلام نے دخل دینے کی ہمت کی۔ "قابل احترام وزیر اعظم۔
معاف فرمایا جائے اس لئے کہ میں محترمہ عالیہ کا پیغام صحیح طور پر بیان نہیں کر سکا۔ م
عالیہ نے دراصل وزیر اعظم مصر کو خلیفہ کی حالت غیر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ درخوا
کی تھی کہ خلیفہ کے علاج کے لئے حکما اور اطباء کا ایک بورڈ بٹھایا جائے تاکہ ان کے ام
کی صحیح تشخیص ہو اور معقول علاج ہو سکے۔۔"

"ٹھیک ہے لیکن درشہوار کی درخواست پر اس لئے غور نہیں کیا جا سکتا کہ خلی
علاج ملک کے سب سے بڑے حکیم یعنی طبیب اعظم مصر کے مشورہ کے تحت ہو رہا
ہم اس معاملہ میں کوئی دخل اندازی پسند نہیں کرتے۔ تم واپس جا سکتے ہو۔۔" اس
ساتھ ہی صلاح الدین نے رخ دوسری طرف کر لیا۔

پیغام لانے والا غلام دل شکستہ سا واپس جانے کے لئے مڑا۔ اسی وقت صلاح ا
نے مڑ کر اسے روکا۔ "ٹھہرو۔۔۔ اپنی محترمہ عالیہ سے کہہ دینا کہ صلاح الدین ملک کا

اعظم ہونے کی وجہ سے خلیفہ محترم سے لے کر ایک دربان تک کے حالات سے باخبر رہتا
ہے انہوں نے یہ کیوں فرض کر لیا کہ ہم خلیفہ کی بگڑتی حالت سے واقف نہیں۔ ہمیں
خلیفہ کی زندگی ان سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ آئندہ ہمیں یاد دلانے کی کوشش نہ کی
جائے۔"

غلام نے صلاح الدین کی بات غور سے سنی پھر سر جھکائے باہر چلا گیا۔

مجلس کا ماحول بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ درباری اس معاملے میں صلاح الدین کے ہمنوا
تھے۔ امرائے نوریہ بعض معاملات میں اس کی مخالفت کرتے مگر جہاں تک صلاح الدین کے
کردار کا معاملہ تھا تو وہ اسے انتہائی متقی اور پرہیز گار سمجھتے تھے۔ انہیں بھی درشہوار کا ایک
فضول پیغام بھیجنا اچھا نہ لگا۔ آخر وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ کہیں اس نے صلاح الدین کو بھی
خلیفہ العاضد کی طرح حسن پرست اوردل پھینک تو نہیں سمجھا کہ اس طور رابطہ سے اس
سے تعلقات بڑھانے کی کوشش شروع کر دی۔ بہر حال گربہ کشتن روز اول باید (بلی کو پہلے
ہی روز مارنا چاہئے) کے مصداق صلاح الدین نے اسے پہلے ہی پیغام پر ڈانٹ دیا اور یہ
اس ڈانٹ کا اثر تھا کہ درشہوار نے اپنی کئی جائز ضرورت کے لئے بھی وزیر اعظم کو اطلاع
نہ دی۔

صلاح الدین نے درشہوار کے پیام بر کو ڈانٹ کر بھگا دیا تھا مگر اب اسے افسوس بھی
ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں خلیفہ کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب نہ ہو گئی ہو
جس کی اطلاع اسے کل رات ملی تھی۔ وہ خلیفہ کی طرف سے بے خبر نہ تھا۔ صبح دوپہر اور
شام تینوں وقت اسے خلیفہ کی حالت سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ ان اطلاعات سے اسے یہ تو
اندازہ ہو گیا تھا کہ خلیفہ کچھ ہی دنوں کا مہمان ہے اور یہی بات درشہوار نے کہلوائی تھی۔
ہو سکتا ہے وہ خلیفہ سے مخلص ہو اور خلیفہ کی محبت اسے وزیر اعظم کو اطلاع دینے اور مزید
بہتر علاج کی درخواست کرنے پر مجبور کیا ہو۔۔

حاضرین مجلس بھی اسی کی طرح خاموش تھے۔ شاید وہ بھی درشہوار ہی کے بارے میں
سوچ رہے تھے۔ ہو سکتا ہے وہ یہ سوچ رہے ہوں کہ درشہوار نے وزیر اعظم کو پیغام بھیج
کے اس کی توہین کی ہو یا پھر اس نے صلاح الدین کو اپنے حسن کے جال میں پھانسنے کی
کوشش کی ہو۔ بات کچھ بھی ہو لیکن محفل کا رنگ بڑا گمبھیر اور انتہائی سنجیدہ تھا۔ یہ حالت
معلوم نہیں کب تک قائم رہتی کہ فقیہ امیر العالم جبشانی کے آنے کی اطلاع ملی۔ صلاح
الدین نے انہیں فوراً بلا لیا۔ یہ مجلس مشورت انہی سے گفتگو کے لئے منعقد کی گئی تھی۔
امیر العالم فقیہ جبشانی سے ان کے اعلیٰ مذہبی مرتبہ کی وجہ سے صلاح الدین نے اپنے

امراء کے آگے اور بالکل اپنے سامنے بیٹھنے کی درخواست کی۔ فقیہ جبشانی اپنی اس افزائی پر بہت خوش ہوئے۔ ان کے دل میں جو وسوسے پیدا ہو رہے تھے وہ ختم ہوگئے۔

"اے امیر صلاح الدین سپہ سالار لشکر شام اور وزیر اعظم مصر اس قدر دانی کے میں آپ کا شکر گزار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میری درخواست کو بھی اسی انداز میں قبولیت بخشا جائے گا۔"

"فقیہ محترم۔ مجھے افسوس ہے کہ اس دن میں آپ سے سرراہے زیادہ گفتگو سکا۔" صلاح الدین نے نرمی سے کہا۔ "جہاں تک آپ کی درخواست یا مطالبہ کا تعلق اس کے بارے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ مجھے اس پر نہ تو اعتراض ہے اور نہ لیکن گزشتہ دنوں اس ملک میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے ہیں جس کی وجہ سے میر کام میں کچھ تاخیر کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ اجازت مرحمت فرمائیں۔۔۔"

"مجھے علم ہے وزیر اعظم۔۔" فقیہ جبشانی نے سیدھے لفظوں میں کہا۔ "لیکن یہ خلیفہ کی خواہش ہے جسے پورا ہی ہونا چاہئے۔"

"خلیفہ بغداد کا حکم سر آنکھوں پر لیکن مصر کے ۔۔۔۔۔۔۔"

صلاح الدین دلیلیں پیش کرنا چاہتا تھا لیکن فقیہ امیرالعالم جبشانی نے اس کی بات دی۔ "محترم وزیر اعظم۔ قطع کلامی کے لئے مجھے معاف فرمایا جائے۔ مصر کے حالات ہی ہوں لیکن اس دینی کام میں اب تاخیر نہ ہونا چاہئے جبکہ سلطان دمشق نے بھ اجازت دے دی ہے۔۔۔"

"محترم فقیہ ۔۔۔ میں نہ خلیفہ بغداد کی خواہش رد کر سکتا ہوں اور نہ سلطان کے حکم سے سرتابی کی جرات ہے۔" صلاح الدین کا لہجہ اور نرم ہو گیا۔ "آپ ا نوریہ سے تبادلۂ خیال کیجئے اگر ان کی بھی یہی خواہش ہے تو پھر آپ کو اختیار ہے۔"

صلاح الدین خود بھی فاطمی خلافت کے بجائے عباسی خلافت لانا چاہتا تھا لیکن ا یہ بھی خواہش تھی کہ اس تبدیلی کی اطلاع بیمار خلیفہ العاضد کو نہ ہونا چاہئے۔ اس طریقہ یہ تھا کہ فاطمی خلیفہ العاضد کی موت کا انتظار کیا جائے لیکن فقیہ جبشانی اس بات ماننے پر کسی طرح آمادہ نہ تھے۔ ایک طرف تو وہ خلیفہ بغداد کے قاصد تھے ا طرف اس کے پاس سلطان دمشق کا زبانی حکم بھی تھا۔ اسی وجہ سے وہ اور شیر ہو ر اور ان کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر صلاح الدین نے مزید انکار کیا تو وہ اپنے مصر میں عباسی خلیفہ کا اعلان کر دیں گے۔

امیرالعالم فقیہ جبشانی نے قاہرہ کے بیشتر امراء جو تمام کے تمام امرائے نوریہ ۔

اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔ مصر کے پرانے امراء جو امرائے علویہ کہلاتے تھے یا تو خود ہی قاہرہ وڑ گئے تھے یا صلاح الدین نے انہیں دور دراز علاقوں میں جاگیریں عطا کر کے قاہرہ سے بھیج دیا تھا۔ ایسی صورت میں امیرالعالم فقیہ جبشانی کی مخالفت کون کرتا۔ سب نے اپنی ئید سے وزیر اعظم صلاح الدین کو آگاہ کر دیا۔ صلاح الدین نے پہلے ہی خاموشی اختیار کر تھی جس کا مطلب خاموشی نیم رضا۔ امیرالعالم کو اس سلسلہ میں کچھ زیادہ تگ و دو نہ کرنا پڑی۔ مجلس میں امرائے نوریہ کی کثیر تعداد موجود تھی جو امیر وہاں موجود نہ تھے ان سے میرالعالم نے ان کے گھر جا کر ملاقات کی اور ان کی رضا مندی حاصل کر لی۔

ایک مستند تاریخ کے مطابق خلیفہ بغداد کے قاصد اور سلطان دمشق نورالدین زنگی کے فرستادہ امیرالعالم فقیہ جبشانی نے 567 ھ کے پہلے جمعۃ المبارک کو قاہرہ کی ایک جامعہ سجد میں صبح ہی سے ڈیرے جما لئے۔ انہوں نے قاہرہ کے تمام علماء کو مطلع کر دیا تھا کہ وہ س سال کے پہلے جمعہ کو اس نیک کام کی تکمیل کریں گے جس کے لئے انہیں تمام علماء عجم کی تائید حاصل ہے۔ چنانچہ قاہرہ کے تمام علماء بھی وقت سے بہت پہلے مسجد پہنچ گئے۔ یہ سجد اہل سنت کی تھی لیکن پچھلے جمعہ تک اس مسجد میں فاطمی خلیفہ العاضد کا نام خطبہ میں پڑھا جاتا تھا۔ اس مسجد کے پرانے پیش امام نے جب قاہرہ کی اس مسجد میں تمام علماء کو اکٹھا ہوتے دیکھا تو اسے کچھ تعجب ہوا۔ علماء کے علاوہ اس جمعہ کو امرائے نوریہ کی ایک کثیر تعداد بھی مسجد میں آئی تھی۔ یہ بات بھی پیش امام کے لئے باعث حیرت تھی۔

جوں جوں نماز کا وقت قریب آتا جاتا تھا لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ باہر سے آنے والے یہ بھی بتا رہے تھے کہ شہر کے چوراہوں پر انہوں نے مسلح سواروں کی گشت میں اضافہ بھی دیکھا ہے۔ مسلح گشت تو روز ہی ہوتی تھی لیکن سواروں میں اتنا اضافہ ہوا تھا کہ وہ دیکھنے والوں کی نظروں میں بھی آگیا اور مسجد میں پہنچ کر انہوں نے ایک دوسرے سے سرگوشیاں شروع کر دیں۔ جامعہ مسجد کا خطیب جو پیش امام بھی تھا وہ اتنے بہت سے نمازیوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے اس مسجد میں جمعہ کی نماز میں اتنے نمازی کبھی جمع نہ ہوئے تھے۔

پھر خطبہ کی اذان شروع ہونے لگی تو جامعہ کا خطیب منبر پر کھڑے ہونے کے لئے آگے بڑھا۔ اس وقت الامیرالعالم فقیہ جبشانی نے اس کے قریب جا کر کہا۔ "خطیب و پیش امام۔ آج مجھے خطبہ پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔"

خطیب و پیش امام اسے نہیں پہچانتا تھا لیکن فقیہ جبشانی صورت و شکل سے بھی متقی اور پرہیزگار معلوم ہوتے تھے۔ خطیب نے انہیں قدرے تعجب سے دیکھا پھر ادب سے

دریافت کیا۔ "بزرگ برادر۔ میں نے آپ کو اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ کیا آپ اپنا تعارف کرانے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے؟"

"خطیب جامعہ۔ میرا نام امیرالعالم فقیہ جبشانی ہے۔ میں قاہرہ میں نو وارد ہوں۔ فقیہ نے بھی اسی ادب سے جواب دیا۔

"سبحان اللہ۔" کہہ کر خطیب نے فقیہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ "آپ کی آمد مصر کے لئے مبارک ہے۔ آپ خطبہ بھی عطا فرمائیے بلکہ آج کی نماز جمعہ بھی آپ ہی پڑھائیں گے۔"

"شکریہ خطیب محترم--" فقیہ جبشانی بھی خوش ہو گئے کہ خطبہ پڑھنے کی اجازت آسانی سے مل گئی۔

خطیب نے اسی وقت سوال کیا۔ "فقیہ اعظم۔ میں اس جامعہ کا قدیم خطیب و پیش امام ہوں۔ آپ ضرور خطبہ ارشاد فرمائیے لیکن کم از کم یہ تو فرمائیے کہ آج کا خطبہ پڑھنے کا آپ کو کس نے حکم دیا ہے؟"

"خطیب معظم۔ میں علمائے عجم کا نمائندہ ہوں۔ انہوں نے مجھے خطبہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔" فقیہ جبشانی نے بڑے رعب سے کہا۔

خطیب نے کوئی اعتراض تو نہ کیا لیکن صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ فقیہ کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہے۔ فقیہ نے اسے مطمئن کرنے کے لئے وضاحت کی۔ "آپ فکر نہ کیجئے خطیب معظم۔ اس جامعہ میں آج خطبہ پڑھنے کا حکم مجھے خلیفہ بغداد المتقی عباسی نے بھی دیا ہے اور میں ان کے حکم کی تعمیل کے لئے بغداد سے قاہرہ پہنچا ہوں۔"

"بجا فرمایا۔ درست فرمایا۔" خطیب نے سرہلایا مگر وہ یوں سرہلا رہا تھا کہ اس کا دل مطمئن نہیں ہے۔

آپ ابھی مطمئن نہیں معلوم ہوتے ہیں خطیب محترم؟" فقیہ کو آخر سوال کرنا ہی پڑا۔

"یہ بات نہیں ہے فقیہ اعظم۔" خطیب نے گھبرائے لہجہ میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہا کہ اس اہم فیصلہ کی اطلاع مصر کے وزیر اعظم کو ضرور ہو گی--؟"

"کیوں نہیں---" فقیہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "اس کی خبر صرف سپہ سالار افواج شام امیر صلاح الدین کو ہی نہیں بلکہ اس اہم خطبہ کا حکم مجھے سلطان دمشق نورالدین زنگی نے بھی دیا ہے۔ میں نے آج کے خطبہ کی اجازت وزیر اعظم مصر سے براہ راست حاصل کی ہے۔"

اب تو کسی انکار کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وزیر اعظم مصر کا نام سن کے خطیب کو بھی آگیا تھا۔ "بسم اللہ-- آپ تو ضرور خطبہ پڑھیے۔ اعتراض کرنے کی کس میں ہمت " خطیب نے نرمی سے کہا پھر موذن کو اذان دینے کا اشارہ کیا۔ وہ بے چارہ خطیب کو بزرگ سے گفتگو میں مصروف دیکھ کر رک گیا تھا۔

خطیب و پیش امام کے اشارہ پر خطبہ کی اذان ہوئی۔ امیرالعالم فقیہ جبشانی نے اذان ہوتے ہی منبر پر قبضہ کر لیا اور خطبہ شروع کر دیا۔ نمازی چونکہ خطیب کی آواز سے ا اورمانوس تھے وہ ایک غیرمانوس آواز سن کر کچھ متجب ہوئے۔ انہوں نے گردن اٹھا منبر کی طرف دیکھا۔ ایک نیا خطیب خطبہ پڑھ رہا تھا اور پرانا خطیب اگلی صف میں بیٹھا کا خطبہ غور سے سن رہا تھا۔ وہ بھی مطمئن ہو کے خطبہ سننے لگے مگر اس وقت وہ ضرور نکے جب خطیب نے خطبہ میں خلیفہ العاضد کے بجائے خلیفہ المستفی کا نام پڑھا۔ خطبہ درمیان میں کوئی یوں بھی بول سکتا تھا۔ پھر جب خطبہ کے بعد جماعت کھڑی ہوئی اور بہ پڑھنے والے بزرگ ہی نے نماز پڑھانا شروع کر دی تو پھر نہ کسی کو اعتراض ہوا اور نہ ب۔

نماز کے بعد نمازیوں میں کچھ دیر چہ میگوئیاں ضرور ہوئیں لیکن جب انہیں یہ بتایا گیا فاطمی خلیفہ العاضد کا نام نکال کے عباسی خلیفہ المستفی کا نام وزیر اعظم مصر سلطان ق اور خود خلیفہ بغداد کے حکم پر شامل کیا گیا ہے تو وہ مطمئن اور پرسکون ہو کر اپنے روں کے چلے گئے۔

مصر میں جو مذہبی انقلاب آیا تھا اس کی کسی نے مخالفت نہ کی۔ مصری عوام صلاح ین کی طرف اس قدر راغب تھے کہ ان کے دل میں عقیدہ جاگزیں ہو گیا تھا کہ مصر پر ف صلاح الدین جیسا مضبوط انسان ہی حکمرانی کر سکتا ہے۔ اس اعتقاد کی ایک وجہ گزشتہ ں کی غزہ اور المیدت پر صلاح الدین کی یورش تھی۔ یہ کامیاب یورش دمیاط کے مرے کے دوسرے سال یعنی 1170ء میں ہوئی تھی۔

دراصل دمیاط میں نصرانیوں کی شکست نے صلاح الدین کے حوصلے بلند کر دیئے تھے۔ ں نے نصرانیوں کو گھبرانے اور پریشان کرنے کے لئے یروشلم کی سلطنت کی سرحدی چوکی یا غازہ پر حملہ کر دیا۔ یہ فلسطین کی سب سے جنوبی شہری حکومت تھی۔ یہ شہر زمانہ قدیم ے بہت سے تجارتی راستوں کا نقطۂ اتصال تھا۔ 1480ء قبل مسیح میں جب تیونس نے ں پر فوج کشی کی تو اس شہر میں اس کی لشکر گاہ تھی۔ پھر 720 قبل مسیح میں سرعون روم نے اس پر قبضہ کیا۔ 332 قبل مسیح میں سکندر اعظم نے پانچ ماہ کے محاصرہ کے بعد اس پر

قبضہ کیا تھا۔ یہ بدنصیب شہر کئی بادشاہوں، رومیوں، یہودیوں، اور عربوں کے ہاتھوں تارا
ہوا۔ صلیبی جنگوں میں بھی اسے کافی اہمیت حاصل رہی۔ 1799ء میں اس اہم شہر
نپولین بونا پارٹ نے فتح کیا۔ پہلی جنگ عظیم میں یہاں تین جنگیں ہوئی تھیں۔

غزہ یا غازہ پہنچنے سے پہلے صلاح الدین کو داروم کے قلعہ سے نمٹنا پڑا۔ یہ ش
ریمارک کا ایک مضبوط قلعہ تھا اور غازہ کی حفاظت کرتا تھا۔ قلعہ کی حفاظت نصرانی بہادرو
کے سپرد تھی جو ٹمپلرز اور ہاسپٹلز کہلاتے تھے۔ صلاح الدین نے قلعہ کا محاصرہ کیا تو قل
داروں نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا اور کئی روز تک صلاح الدین کا قبضہ نہ ہونے دیا۔ ا
عرصہ میں شاہ ریمارک کو اطلاع پہنچ گئی اور وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ قلعہ داروم کی
کے لئے پہنچ گیا۔ صلاح الدین جو اپنی جنگی حکمت عملیوں کے لئے مشہور ہو چکا تھا اس ۔
اس محاصرہ میں وقت ضائع کرنے کے بجائے راتوں رات خیمے ڈیرے اکھاڑے اور محاص
چھوڑ کر غازہ چل پڑا۔

صبح کو جب قلعہ داروں نے فصیلوں سے جھانک کر دیکھا تو میدان صاف تھا۔ ان
سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ صلاح الدین رات میں کدھر چلا گیا۔ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب
غازہ کے شہری بے سروسامانی کے عالم میں قلعہ داروم کے سامنے جمع ہونا شروع ہوئے ا
انہوں نے بتایا کہ غازہ پر صلاح الدین کا قبضہ ہو چکا ہے اور اس کا لشکر داروم کے قلعہ
طرف واپس آرہا ہے۔ قلعہ والے اس خبر سے اس قدر گھبرائے کہ انہوں نے ان پریشا
حال لوگوں کے لئے قلعہ کے دروازے نہیں کھولے۔ انہیں اس بات کا خوف تھا کہ کہی
صلاح الدین کا لشکر وہاں پہنچ کے ان کے ساتھ ہی قلعہ میں داخل نہ ہو جائے۔ اس حماقت
اور بے دردی کا یہ نتیجہ ہوا کہ صلاح الدین کے لشکر کے تعاقب کرنے والے دستے قل
تک پہنچ گئے اور انہوں نے ان بھاگ کے آنے والوں کو قتل کر دیا لیکن قلعہ والوں ۔
ان کی ذرا بھی مدد نہ کی۔

صلاح الدین کا مقصد قبضہ کرنا نہ تھا۔ دشمن کو دہشت زدہ کرنا تھا۔ اس نے پور
علاقہ کو تاخت و تاراج کیا واپس چلا گیا۔ اسی سال کے آخر میں صلاح الدین نے ایلہ
ایلات بحر قلزم (بحر احمر) کی خلیج عقبہ کی ایک مشہور بندر گاہ ہے۔ حاجی مکہ و مدینہ جا
کے لئے اس بندرگاہ کو استعمال کرتے تھے۔ مسلمانوں کے لئے اس کی ایک مذہبی اہمیت بھ
تھی وہ یہ کہ عہد قدیم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا بحری بیڑہ اسی جگہ سے روانہ ہ
تھا۔ ایلات بندر گاہ تھی اس لئے اس پر قبضہ کے لئے بحری طاقت کی بھی ضرورت تھی
صلاح الدین نے اس مشکل پر قابو پانے کے لئے قاہرہ میں بڑی بڑی فولڈنگ کشتیاں تیا

رائیں۔ یہ کشتیاں کئی حصوں میں ہوتی تھیں۔ انہیں الگ الگ اونٹوں پر لاد کر بحرہ قلزم
تک لایا گیا جہاں انہیں جوڑ کر مکمل کشتیاں تیار کی گئیں۔ یہ کشتیاں جہازوں کی طرح بھاری
بھرکم تھیں۔ ایلات پر صلاح الدین نے بری اور بحری دونوں سمتوں سے حملہ کیا۔ دشمن
(نصرانی) اس حملہ کی تاب نہ لا سکے اور صلاح الدین کا ایلات پر قبضہ ہو گیا۔

ایلات پر قبضہ اور غازہ کی تباہی ایسے واقعات تھے جس کے سبب صلاح الدین نے
مصریوں کا دل موہ لیا۔ وہ صلاح الدین سے اس قدر متاثر ہوئے کہ باوجود اپنی تمام مخالفتوں
کے جنگ کے موقعہ پر کیا فاطمی اور کیا سوڈانی، تمام لوگ اس کے لشکر میں شامل ہو کر
دشمن کا مقابلہ کرتے تھے یہ اور بات ہے کہ جنگ کے خاتمہ پر اکثر لوگ پھر صلاح الدین
کے خلاف ہو جاتے اور اس کی جڑیں کاٹنے کی فکر کرتے تھے۔

ان حالات میں قاہرہ کی تبدیلی کا عوام پر کوئی اثر نہ ہوا۔ انہوں نے خطبہ میں خلیفہ
العاضد کے نام کے بجائے خلیفہ المستضی کا نام سنا ایک لمحے کے لئے چونکے لیکن کوئی ردعمل
ظاہر نہ کیا۔ صلاح الدین کو عوام کے مزاج کا حال کا اندازہ تھا اس لئے اس نے بھی پس و
پیش کا راستہ چھوڑ کے جرات مندانہ قدم اٹھایا اور حکم جاری کیا کہ ------

"مصر کے تمام خطیبوں پر فرض ہے کہ وہ جمعہ کے خطبہ میں عباسی خلیفہ المستضی
بامراللہ کا نام جاری کریں۔"

اس حکمنامہ سے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ پھر بھی صلاح الدین کو فاطمی
خلیفہ کا اس قدر لحاظ تھا یا ان کے جذبہ ترحم نے اسے مجبور کیا کہ اس نے داروغہ
محلات بہاء الدین قراقوش کو بلا کر حکم دیا۔

"خبردار۔ خلیفہ العاضد کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ان کا نام خطبہ سے خارج کر دیا گیا
ہے۔ اگر ان کی زندگی باقی ہے اور وہ صحت یاب ہوگئے تو کبھی نہ کبھی انہیں اس تبدیلی کا
علم ہو جائے گا لیکن کم از کم میں یہ نہیں چاہتا کہ خلیفہ کو بیماری کی اس حالت میں یہ معلوم
ہو کہ ان کا نام خطبہ سے خارج کیا گیا ہے۔ ان کی پرسکون موت میں تلخی نہ گھلنی
چاہئے۔"

طبیب اعظم یعنی خلیفہ کے معالج کو اندازہ ہو گیا تھا کہ خلیفہ صرف چند دن کا مہمان
ہے۔ پچھلے کئی دن سے خلیفہ نے آنکھ نہیں کھولی تھی۔ درشہوار بہت تھوڑے دن طبیب
اعظم کی سپردگی میں رہی تھی لیکن اس مختصر عرصہ میں دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب
آگئے تھے۔ طبیب اعظم ادھیڑ عمر کا انسان تھا۔ کہتے ہیں کہ مرد بوڑھا نہیں ہوتا اور اگر مرد
قسمت سے حکیم اور طبیب ہو تو پھر سونے پر سہاگہ۔ ہرچند کہ طبیب اعظم جوانی کی حدیں

پار کر چکا تھا لیکن درشہوار کی چند روزہ قربت نے اسے پھر سے جوان کر دیا تھا۔ درشہوار خ
بھی بہت چالاک تھی۔ طبیب کا زیادہ وقت درشہوار کی حویلی میں گزرتا۔ اکثر رات کو بھ
وہ اسی حویلی میں ٹھہر جاتا لیکن درشہوار اتنی قربت کے باوجود اپنے اور طبیب اعظم کے
درمیان ایک حد رکھی تھی اک خاص فاصلہ رکھا تھا۔ یہ ضرور تھا کہا کہ اس نے طبیب کو
یقین دلا دیا تھا کہ اس کی دوسری پسند طبیب اعظم ہی ہوگا یعنی خلیفہ کی وفات کی صورت
میں درشہوار کوئی اور ٹھکانہ ڈھونڈنے کے بجائے اسی حویلی میں ہمیشہ کے لئے اٹھ آئے گی۔

درشہوار نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کے کیا تھا۔ اسے بھی علم تھا کہ خلیفہ کوئی دن
مہمان ہے۔ یہ ضرور تھا کہ خلیفہ نے اسے دیکھتے ہی پسند کر لیا تھا اور اس وقت وہ خلیفہ کی
عزیز ترین محبوبہ تھی۔ لیکن خلیفہ کے بعد اس کا کیا حشر ہو گا۔ اس بارے میں اس کا ذہن
پہلے تو نہ صاف تھا لیکن طبیب اعظم نے اپنے مفاد کے خاطر خلیفہ کے بعد کا نقشہ کچھ ایسے
انداز سے کھینچا تھا کہ درشہوار کانپ اٹھی تھی۔ طبیب نے کچھ زیادہ غلط بھی نہ کہا تھا۔ ہاں
اس کے کہنے کا انداز ضرور غلط تھا۔ خلیفہ العاضد کی چار نو بیاہتا بیویاں تھیں۔ جس میں سے
ایک تو محلرائے خلافت کے داروغہ ضرغام کی بیٹی تھی۔ ضرغام پہلے داروغہ محلات تھا پھر
مصر کی وزارت عظمیٰ پر فائز ہوا۔ اس نے اپنے دوست ملک شاور گورنر ملید سے دغابازی
کی تھی۔ ملک شاور بھی ایک ہی فتنہ تھا۔ ضرغام سے شکست کھا کر وہ دمشق پہنچا اور شامی
فوجوں کی مدد سے ضرغام کو نہ صرف وزارت سے نکالا بلکہ اسے صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا۔
اس کی ایک لڑکی سے خلیفہ نے شادی کی تھی۔ ضرغام یعنی اس کا خسر تو مرچکا تھا لیکن اس
کی بیگم کا شاہی محلات میں بڑا رعب داب تھا۔ باقی تین بیویاں چونکہ باقاعدہ نکاہی بیاہی
تھیں اس لئے وہ بھی بڑے رعب سے رہتی تھیں۔

فاطمی خلیفہ کی چار نکاحی بیویوں کے علاوہ حریم خلافت میں بے شمار خوب صورت
عورتیں اور بھی تھیں جن میں سے بہت سے عورتوں سے خلیفہ نے متعہ کیا تھا اور باقی وہ
تھیں جو اصل میں کنیزیں تھیں لیکن خلیفہ کی منظور نظر ہونے کی وجہ سے ان کا شمار کنیزوں
میں نہ ہوتا تھا اور کنیز ہوتے ہوئے بھی انہیں ایک غلام اور ایک ایک کنیز کی خدمات کی
سہولت حاصل تھی۔ اسی طرح کی ایک کنیز درشہوار بھی تھی لیکن فاطمی خلیفہ نے اس سے
متعہ کر کے اس کا مرتبہ بھی بیگمات سے بھی بڑھا دیا تھا۔ خلیفہ اگرچہ بیس اکیس سال ہی کا
تھا لیکن اس نے اس جوانی کو جوانی میں ہی برباد کر کے بڑھاپے کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ اس
لئے اگر یہ کہا جائے کہ خلیفہ نے درشہوار سے بوڑھے کا عشق کیا ہے تو کچھ غلط نہ ہو گا۔

یہ اس کے عشق ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ درشہوار کو زیادہ دن اپنے سے جدا نہ رکھ سکا اور
ب اعظم کے منع کرنے کے باوجود اسے واپس بلوا لیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے درشہوار
متعہ کیا اور شب عروسی کا بھی انتظام کر ڈالا۔ پھر یہ شب عروسی کئی راتوں پر محیط ہو گئی
س دن ختم ہوئی جب اس کے ہاتھ پیروں نے تقریباً" جواب دے دیا۔ شاید یہ درشہوار
حسن کا کرشمہ تھا کہ خلیفہ اسے لے کر دارالوزارت گیا اور صلاح الدین سے اس کے
مراعات حاصل کیں۔

ظاہر میں تو درشہوار کا طوطی بول رہا تھا۔ خلیفہ جب بھی بیماری کی غفلت سے چونکتا تو
ے پہلے درشہوار کو پوچھتا۔ درشہوار کو معلوم تھا کہ یہ چراغ سحری کسی وقت گل ہو
ہے پھر بھی وہ خلیفہ کو اس عالم میں نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اس کے دن کا چین اور رات
نیندیں اڑ گئی تھیں۔ وہ ایک سونے کے پنجرے میں قید تھی جہاں پھڑپھڑا بھی نہیں سکتی
اس قید سے اسے اسی وقت رہائی مل سکتی تھی جب خلیفہ قید حیات سے آزاد ہو
۔ شیطان نے اسے کئی بار بہکایا کہ اے نادان جب تیری رہائی خلیفہ کی موت سے
ہے تو پھر اس موت کو قریب لا کر خلیفہ کو اپنے راستے سے ہمیشہ کے لئے کیوں نہیں
تی لیکن درشہوار شیطان کی اس آواز پر کان دھرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوتی تھی۔ وہ
سئلہ پر ایک لمحہ کے لئے بھی سوچتی تو اس کا دل فوراً" جواب دیتا کہ ایسی نادانی ہرگز نہ
ورنہ اس محل کے در و دیوار تیرے خلاف گواہی دیں گے اور تو نے طبیب اعظم کے
سہارے کا بت جو اپنے ذہن میں تراش رکھا ہے وہ بھی چور چور ہو کر رہ جائے گا۔
طبیب اعظم نے اس سے واضح لفظوں میں کہا تھا۔
درشہوار۔ میرے دروازے تمہارے لئے اس وقت کھل جائیں گے جب تمہارا سہارا
جائے گا۔"

یہ سہارا خلیفہ کی زندگی تھی۔ طبیب اعظم کے کہنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ خلیفہ کی
میں درشہوار کو نہیں اپنا سکتا ہاں اگر یہ سہارا ختم ہو جائے تو اس کے دروازے
ار پر کھل جائیں گے لیکن اس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ درشہوار اپنے سہارے کو خود
رکے اس کے پاس آجائے۔ اگر خدانخواستہ درشہوار ایسی نادانی کی حرکت کرتی تو اسے
کے لئے کوئی آگے نہ آتا۔ طبیب اعظم اس کے قریب آنے کے بجائے اس سے کچھ
ور ہو جاتا۔ ان خیالوں نے اسے ایک گناہ کبیرہ سے بچائے رکھا تھا۔ طبیب اعظم
جانتا تھا کہ اگر اس نے درشہوار کو اس بات کا مشورہ دیا تو درشہوار کے ساتھ ساتھ
ے بھی اس قتل کا الزام آجائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ جب طبیب اعظم، خلیفہ کو دیکھنے آتا

توکنیز کے ذریعہ درشہوار کو خلیفہ کی خواب گاہ سے پہلے ہی ہٹوا دیتا تاکہ کسی کو اس پر شبہ ہو۔ درشہوار کو اس کی یہ بات پہلے تو سخت ناگوار گزری تھی اور طبیب اعظم کی طرز ناامید بھی ہو گئی تھی لیکن ایک شب اس نے خلیفہ کے پاس جاتے ہوئے درشہوار راہداری میں بلوایا تھا۔

درشہوار راہداری میں کھڑی طبیب اعظم کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ طبیب اعظ اپنے کہنے کے مطابق راہداری میں آیا۔ اس نے درشہوار کو مرمریں ستون کے سہارے کھ دیکھا لیکن اس کے پاس سے اس طرح گزر گیا جیسے ہوا کا جھونکا کہ ادھر سے آیا اور اد چلا گیا مگر ہوا کے جھونکے کی طرح درشہوار کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے ایک سرگوشی ضرور کی تھی۔

"درشہوار میں اپنے وعدے پر قائم ہوں مگر خبردار کوئی غلط قدم نہ اٹھانا۔"

اس سرگوشی نے درشہوار کے حوصلوں میں جان ڈال دی تھی اور وہ کوئی غلط قد اٹھانے کے بجائے ایک تابعدار بیوی کی طرح خلیفہ کی خدمت میں حاضر رہتی حالانکہ ا خدمت اور حاضری میں نہ تو خلوص تھا اور نہ محبت بلکہ وہ تو ہر گھڑی اس ڈرامے اختتام کی دعا مانگا کرتی تھی۔

مگر جب حریم خلافت کے شبستانوں' راہداریوں اور روشوں پر یہ افواہ گردش کرنے کہ فاطمی خلیفہ کو خلافت کے عہدے سے برطرف کر کے خطبہ میں بغداد کے عباسی خل المستنی کا نام شامل کر دیا گیا تو درشہوار گھبرا گئی اور اس پر ایک نامعلوم خوف سے لر طاری ہو گیا۔ اس نے فورا" اپنی کنیز خاص کو بھیج کے طبیب اعظم کو بلوا لیا۔

طبیب اعظم اس دزدیدہ نظری اور مصلحت آمیز گریز سے پریشان تھا۔ اگر اس درشہوار کو دور ہی دور سے دیکھا ہوتا تو شاید اس پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوتا لیکن درشہوار ا کی حویلی میں چند روز گزار آئی تھی۔ لوگ تو صرف چند لمحوں کی ملاقات کو نظروں اور میں بٹھا کر زندگی گزار دیتے ہیں یہاں چند روز مسلسل طبیب اعظم' درشہوار کے قریب ر تھے۔ ان کا دن اور رات کا بیشتر وقت اس کے پاس گزرتا تھا۔ سنجیدہ' غیر سنجیدہ اور دل باتیں ہوتی تھیں۔ طبیب اعظم نے کچھ وعدے بھی کر ڈالے تھے پھر بھلا وہ درشہوار حسین و جمیل ہستی کی جدائی سے بے قرار نہ ہوتے یہ کیسے ممکن تھا۔ خلیفہ نے درشہوار ان کی حویلی سے واپس بلایا تو طبیب اعظم کے سینے پر جیسے آرے چل گئے یا یوں کہنا چا وہ جگر کو پکڑ کر رہ گئے مگر خلیفہ کا حکم تھا۔ فاطمی خلیفہ لاکھ بے دست و پا تھا لیکن تھا تو خلیفہ طبیب اعظم نہ تو درشہوار کو روک سکے اور نہ خلیفہ کا کچھ بگاڑ سکے۔

درشہوار کے طبیب اعظم کی حویلی سے آنے کے بعد کیا حال ہوا اس بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں اپنے حال سے بے حال ہو گئے۔ درشہوار کو اپنے ستقبل کا جو مضبوط سہارا ملا تھا وہ اس کے ہاتھ سے نکلتا معلوم ہوا اور طبیب اعظم کو اس قت کی ایک عظیم ماہپارہ کی قربت حاصل ہوئی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا۔ خلیفہ نے زندگی کا آخری سنبھالا لیا تھا اس لئے طبیب اعظم ان کے پاس جاتے تو بہت محتاط رہتے۔ خلیفہ نے رشہوار کو خود ہی طبیب اعظم کے گھر بھیجا تھا اس لئے ان دونوں کے درمیان پردہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا لیکن جس وقت طبیب خلیفہ کے پاس ہوتا تو درشہوار اس سے اس ندر بیگانگی سے پیش آتی جیسے وہ ایک دوسرے کو جانتے ہی نہ ہوں۔ طبیب اعظم بھی اتنی ی احتیاط برتتا اور اگر دونوں کی نظریں اتفاقیہ چار ہو جاتیں تو گھبرا کر نظریں نیچی کر لیتے۔

طبیب اعظم کے لئے درشہوار کا بلاوا کسی مژدہ جانفزا سے کم نہ تھا۔ اس نے تمام احتیاطوں اور مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور فورا" بن سنور کر چلنے پر آمادہ ہوا۔ درشہوار کو حقیقت میں طبیب اعظم سے نہ تو کوئی دلچسپی تھی اور نہ محبت۔ وہ تو ایک مجبور محسن کی طرح طبیب اعظم کی شخصیت سے دلچسپی لینے لگی تھی۔ اسے اپنا تاریک مستقبل صاف نظر آرہا تھا اس وقت تو درشہوار ضرور خوش ہوئی تھی جب شاہی غلام نے اسے بتایا تھا کہ اس کا سودا فاطمی خلیفہ العاضد کے لئے کیا گیا ہے - یہ ایک خوش کن تصور تھا پھر جب وہ ایک دن واقعی حریم خلافت کی چکا چوند کر دینے والی روشنیوں میں پہنچی تو اسے معلوم ہوا کہ جنت تو اس دنیا میں بھی موجود ہے۔

مگر درشہوار کا روشنیوں کا یہ طلسم کدہ اس وقت بحر ظلمات میں بدل گیا جب اسے معلوم ہوا کہ خلیفہ ایک ہمیشہ کا بیمار شخص ہے اور اس کے دست و پا میں اتنی توانائی بھی نہیں کہ وہ درشہوار کی اٹھتی جوانی کو چند لمحوں کے لئے بھی سہارا دے سکے اور یہی وجہ تھی کہ اس نے پہلے ہی روز خلیفہ سے نظریں چرا کر طبیب اعظم کی طرف دیکھا تھا۔ بہر حال یہ سب تو پچھلی باتیں تھیں۔ اس وقت تو سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ پہلے فاطمی خلیفہ کا نام خطبہ سے نکالا گیا پھر وزیر اعظم مصر نے اپنے ایک اعلان کے تحت خلیفہ مصر کو خلافت کے عہدہ سے معزول کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ اس کا اثر درشہوار پر کیا پڑے گا۔ اس کی اس الجھن اور پریشانی کو اس وقت صرف طبیب اعظم ہی دور کر سکتا تھا۔

درشہوار اپنے خیالوں میں گم بیٹھی تھی کہ اسے طبیب اعظم کے آنے کی اطلاع دی گئی۔ درشہوار نے جلدی سے اٹھ کر آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھا اور بال درست کئے۔

"طبیب اعظم کو برابر کے کمرے میں بٹھاؤ۔" درشہوار نے کنیز سے سرگوشی کی۔

کنیز حکم سن کر باہر کی طرف چلی گئی اور درشہوار ایک بغلی دروازے سے گزر کر کے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس کے پہنچتے ہی کنیز طبیب اعظم کو لے کر آگئی۔ درشہوار اس استقبال میں کھڑی ہو گئی۔ کنیز اسکا اشارہ پا کر پہلے ہی باہر چلی گئی تھی۔

طبیب اعظم نے جھجکتی نظر درشہوار پر ڈالی۔ "رخساروں کے گلاب کیوں مرجھا ہیں۔"

"خزاں کا موسم جو چڑھ آیا ہے۔" درشہوار نے شاید جل کر جواب دیا۔ "ایسے موسم میں پھول پتے کی شاخیں تک مرجھا جاتی ہیں۔"

"نصیب دشمناں مزاج تو اچھے ہیں؟" طبیب اعظم نے اداس ماحول میں مزاح کا پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"کیا طبیب اعظم نے خلیفہ کے بارے میں کوئی نئی بات نہیں سنی؟" درشہوار نے اس خبر کی طرف متوجہ کیا جس کے لئے اسے بلایا گیا تھا۔

طبیب اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا لیکن اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔ "درشہوار مجھے یہ بتانا چاہتی ہیں کہ امیرالمومنین' فاطمی خلیفہ مصر العاضد اپنے منطقی انجا پہنچنے والے ہیں؟"

"نہیں طبیب اعظم۔" درشہوار چڑ کے بولی۔۔ "میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آپ امیرالمومنین اب میرے امیرالمومنین نہیں رہے۔"

"درشہوار درست فرما رہی ہیں۔" طبیب اعظم نے سنجیدہ لہجہ اختیار کیا۔ "لیکن ط شاہی کو یہ بات اس وقت سے معلوم ہے جب پہلی مرتبہ حکومت کا اقتدار مصر کے اعظم کے ہاتھ میں آیا تھا۔ امیرالمومنین العاضد اسی دن سے مسلمانوں کے امیرالمو ہونے کے بجائے صرف حریم خلافت کے امیرالمومنین ہو گئے تھے۔"

"طبیب اعظم ۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔" درشہوار جھلا اٹھی۔ "امیرالمو نہ تو اب امیرالمومنین ہیں اور نہ خلیفہ مصر۔ مصری حکومت بغداد کے خلیفہ المستضی کے اثر چلی گئی ہے۔"

"مگر درشہوار کو اس کی فکر کیوں پڑ گئی" طبیب اعظم کے لہجے میں بھی تلخی آگئی۔ نے تو اپنا مستقبل محفوظ کر لیا ہے۔"

"میں نے؟" درشہوار نے حیرت سے طبیب اعظم کو دیکھا۔ "یہ ہوائی کسی دشمن اڑائی ہوگی۔ اگر میں محفوظ ہوتی یا میرا مستقبل محفوظ نظر آتا تو میں طبیب اعظم کو ملا کی تکلیف کیوں دیتی۔"

"درشہوار۔۔" طبیب اعظم بلبلا اٹھا۔ "کیا یہ غلط ہے کہ آپ حکومت سے مراعات حاصل کرنے دارالوزارت گئی تھیں؟"

"یہ صحیح بھی اور غلط بھی۔۔" درشہوار نے جواب دیا۔ صحیح صرف اس حد تک ہے کہ میں دارالوزارت گئی تھی اور غلط اس لئے کہ میں دارالوزارت خود نہیں گئی تھی بلکہ آپ کے امیرالمومنین مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ جہاں تک مراعات کے حاصل کرنے کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے وزیر اعظم سے کوئی گفتگو نہیں کی اور نہ وزیر اعظم نے مجھے اس قابل سمجھا کہ مجھ سے گفتگو فرماتے۔ مراعات کی گفتگو خلیفہ اور وزیر اعظم کے درمیان ہوتی رہی تھی۔

"آپ اس گفتگو کے وقت موجود ضرور تھیں۔ یہ تو ٹھیک ہے ناں؟" طبیب اعظم نے سے قائل کرنے کی کوشش کی۔

"طبیب اعظم۔ آپ مجھ سے کیا کہلوانا چاہتے ہیں۔ درشہوار افسردہ ہوگئی اور اس کی آنکھیں چھلک آئیں۔ "میں قسم کھاتی ہوں کہ مجھے یہ بھی نہیں یاد کہ ان دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی اور کیا طے پایا۔۔" درشہوار سسکیاں بھرنے لگی۔

طبیب اعظم کا دل فوراً پسیج گیا۔ "درشہوار نے پلو سے آنکھیں پونچھیں۔ "ہم نے آپ سے کیا کیا امیدیں باندھ رکھی تھیں۔ آپ نے تو ہمارا دل ہی توڑ دیا۔"

"نہیں نہیں۔ ایسا نہ کہو درشہوار۔۔" طبیب اعظم بھی لعن طعن چھوڑ کر نرم پڑ گیا۔ حسن کی تپش نے اسے پگھلا کے رکھ دیا۔ "میں نے پہلے دن جو وعدہ کیا ہے اس پر اب بھی قائم ہوں۔"

"معاف کیجئے طبیب اعظم۔" درشہوار نخرے سے بولی۔۔ "آپ کی باتوں میں پہلے دن جیسا جوش نہیں ہے۔"

"تم بھی تو اب پہلے دن جیسی نہیں ہو درشہوار۔" طبیب اعظم کے منہ سے اک دم نکل گیا۔

طبیب اعظم نے درشہوار پر اراداتاً طنز نہیں کیا تھا لیکن اس کے کہنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ درشہوار اسے اپنے اوپر طنز سمجھ بیٹھی اور پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ طبیب اعظم کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ایک تو انہیں باتیں کرتے اتنی دیر ہو گئی تھی دوسرے درشہوار نے آنسوے بہانا شروع کر دیئے تھے اس کو خوف پیدا ہوا کہ اگر کوئی کنیز اندر آگئی تو اس کی پارسائی کا سارا بھرم کھل جائے گا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں درشہوار۔۔" طبیب اعظم کا انداز ملتجانہ تھا۔ اگر میری بات

ناگوار گزری ہو تو معاف کردو۔ میرے دل میں کوئی بدگمانی نہیں۔"

"قسمت بگڑے تو اسی طرح اپنے پرائے ہو جاتے ہیں۔" درشہوار نے حسن ایک اور ادا دکھائی۔

طبیب اعظم پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔ "بس بھی کرو درشہوار۔ اب میری توبہ ۔ اور نہیں کہوں گا۔"

درشہوار کو بھی وقت کی نزاکت کا احساس ہوا۔ اس نے کہا۔ "اب فرمایئے اعظم کے اس اعلان کا ہم لوگوں پر میرا مطلب ہے کہ شاہی بیگمات پر کیا اثر پڑے ہمارا شمار اب شاہی بیگمات کی حیثیت سے نہیں ہو گا؟"

طبیب اعظم کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "درشہوار۔ یہ بتاؤ ا میں تمہارا مشیر کون ہے۔ کہیں وہ غلام تو نہیں ایسے مشورے نہیں دیتا جو تمہیں خا حضور میں لایا تھا؟"

"نہیں طبیب اعظم۔" درشہوار نے سنبھل کے جواب دیا۔ "یہ ٹھیک ہے خلافت تک اس نے مجھے پہنچایا تھا لیکن اس کا صلہ میں نے ایک قیمتی ہار کی صور اسے ادا کر دیا تھا۔ مگر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"پہلے ایک بات بتاؤ۔۔" طبیب اعظم نے دریافت کیا۔ "یہ تم سے کس نے ک خلیفہ تمہیں شاہی خاندان میں داخل کرے گا۔"

"اس میں کسی کے بتانے کی کیا ضرورت ہے۔۔" درشہوار نے اپنی عقلمندی یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ جب خلیفہ کسی عورت سے نکاح کرتے ہیں تو خاندان میں داخل ہو جاتی ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ لیکن خلیفہ نے تم سے نکاح کب کیا ہے؟" طبیب اعظم نے کے سامنے ایک ایسی بات کہی جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

"واہ طبیب اعظم۔ آپ کو اس کی خبر ہی نہیں۔" درشہوار نے شوخی دکھائی جس دن آپ کی حویلی سے آئی ہوں اس دن اور اسی دم خلیفہ نے مجھ سے نکاح انہوں نے قاضی کو پہلے ہی بلوا لیا تھا۔ میرے یہاں آتے ہی قاضی نے نکاح پڑھ د کو اس کی خبر ہی نہیں۔ یعنی چراغ تلے اندھیرا۔"

طبیب اعظم کو ہنسی آگئی۔ "اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تمہارا مشیر کوئی غلط نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ خلیفہ نے تم سے نکاح نہیں کیا تھا۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں طبیب اعظم۔۔" درشہوار نے حیران نظروں سے اسے

میں خود اپنے نکاح میں موجود تھی۔"

"درشہوار۔ وہ نکاح نہیں متعہ تھا۔" طبیب اعظم نے کہا۔۔ "نکاح اور متعہ میں جو رق ہے وہ تم نے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی اور اگر بتایا گیا ہے تو غلط بتایا گیا۔ نکاح ے درجہ کو متعہ کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ تو مرد اور عورت میں ایک وقتی معاہدہ ہوتا ہے۔ شاہ یا خلیفہ اگر کسی عورت سے متعہ کرتا ہے تو وہ عورت شاہی خاندان میں نہ تو داخل ہو لتی ہے اور نہ اسے شاہانہ مراعات حاصل ہو سکتی ہیں۔"

درشہوار سناٹے میں آگئی۔ "لیکن طبیب اعظم۔ مجھے تو تمام بیگمات سے اونچا مقام صل ہے۔ محل کے غلام اور کنیزیں میرے حکم کے تابع ہیں۔ عمائدین سلطنت تک رے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ میرے سوا کسی اور بیگم کو خلیفہ کی خواب گاہ میں داخل نے کی اجازت نہیں۔ کیا اب بھی میرا مرتبہ کسی بیگم سے کم ہے؟"

"مرتبہ یا مقام سے اصول اور قانون متاثر نہیں ہوتے درشہوار۔۔" طبیب اعظم نے ے سمجھانے کی کوشش کی۔۔ "اگر خلیفہ کے بجائے العاضد بادشاہ ہوتے اور وہ متعہ کے ر تمہیں اپنے ساتھ شاہی تخت پر بھی بٹھایا کرتے تو بھی تمہیں ایک نکاحی ملکہ کے برابر ے حقوق حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ بہر حال اب اس خیال کو تم دل سے نکال دو اور یہ سوچو ہ جس سے تم وابستہ ہو جب وہ سہارا ختم ہوجائے گا تو پھر کیا ہو گا۔؟" "طبیب ظم آپ نے مجھے تسلی دینے کے بجائے اور گھبرا دیا۔" درشہوار نے پریشانی سے کہا۔ "میں یہ سوچ کے ایک حد تک مطمئن تھی کہ میرا ابھی کوئی شرعی حق ہو گا جو مجھے خود ہی مل ئے گا۔ اصل پریشانی تو مجھے وزیر اعظم کے اس اعلان کی تھی جس کے ذریعہ اس نے برالمومنین العاضد کو خلافت ہی سے معزول کردیا۔ آپ اس سلسلے میں کوئی راہ دکھایئے اور تری کی صورت پیدا کیجئے۔"

"درشہوار۔ وزیر اعظم کے اعلان کے آگے تو کوئی دم بھی نہیں مار سکتا۔۔" طبیب ظم نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔ "اعلان ہو چکا ہے اور اس پر عمل بھی شروع ہو گیا۔ مارے لئے اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ وزیر اعظم کے حکم سے ہو سکتا ہے۔"

"وزیر اعظم نے میرے لئے خلیفہ سے وعدہ کر لیا ہے۔" درشہوار نے بتایا۔ "لیکن اگر ا محل چھوڑنے کا حکم ہوا تو میں کیا کروں گی؟"

ایسا نہیں ہو گا درشہوار۔" طبیب اعظم نے خیال ظاہر کیا۔ "وزیر اعظم نے برالمومنین کو معزول کیا ہے۔ اس کی مراعات نہیں چھینی ہیں۔ شاہی خاندان یا خلیفہ کے رے متعلقین کے لئے بھی حکم میں کوئی ذکر نہیں۔"

"اعلان کے علاوہ وزیر اعظم نے کوئی زبانی حکم تو نہیں دیا؟" درشہوار کے دل کا چور تھا۔ "داروغہ محلات بہاء الدین قراقوش کو بھی تو کوئی حکم دیا جا سکتا ہے؟"

"اس سلسلہ میں تم اطمینان رکھو۔" طبیب اعظم نے انکشاف کیا۔ "قراقوش کی سے گفتگو ہوئی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ وزیر اعظم کے اعلان سے خلیفہ کے ء اور کوئی تو متاثر نہیں ہوتا۔ قراقوش نے مجھے صاف الفاظ میں بتایا تھا کہ صلاح الدین، خ کا بہت لحاظ کرتا ہے لیکن اسے یہ اعلان مجبوراً کرنا پڑا۔ تم جانتی ہو کہ صلاح الدین ش افواج کا سپہ سالار ہے اس لئے وہ فاطمی خلیفہ کا ملازم یعنی وزیر اعظم نہیں ہو سکتا۔ ا ایک طرف تو ہونا ہی تھا۔ پھر بھی اس نے قراقوش کو سخت حکم دیا ہے کہ اگر کسی فرد نے خلیفہ کو یہ اطلاع دی کہ اسے خلافت سے معزول کیا گیا ہے تو اس شخص کو سولی پر دیا جائے گا۔"

"طبیب اعظم۔۔" درشہوار نے ٹھنڈی سانس لی۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وزیر ا کا یہ حکم خلیفہ کی موت تک کے لئے ہو۔ اس کے بعد دوسرا حکم جاری کردیں۔"

"ایسی فضول باتوں کو نہیں سوچا کرتے درشہوار۔۔" طبیب اعظم نے درشہوار نصیحت کی۔۔ "ایسی باتیں سازشی لوگ سوچا کرتے ہیں۔ تم خلیفہ کی زندگی میں بالکل م ہو۔۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں طبیب اعظم۔" درشہوار مغموم ہوگئی تھی۔ "میں نے کو اسی وجہ سے تو بلایا تھا کہ آپ مجھے میرے مستقبل کے بارے میں کوئی مشورہ دیجئے۔"

"درشہوار۔۔" طبیب اعظم اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ "تم میرا وعدہ کیوں بھول رہی خلیفہ کے بعد میں اپنا وعدہ نبھاؤں گا۔"

"اور اگر وزیر اعظم نے وہ کچھ نہ ہونے دیا جو آپ چاہتے ہیں؟" درشہوار نے ا بالکل نئے خدشہ کا اظہار کیا۔

طبیب اعظم پھر بیٹھ گیا۔ "درشہوار کوئی بات ایسی ضرور ہے جو تمہیں بار بار چ دے رہی ہے مگر تم اسے ظاہر نہیں کرنا چاہتیں۔ مجھے بتاؤ، وہ کیا بات ہے جو تمہیں ا نامعلوم خوف میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ آخر وزیر اعظم کو کیا پڑی ہے کہ وہ خلیفہ کے م کے بعد بھی تمہارے معاملات میں دلچسپی لے اور تم اس کے حکم کی پابند رہو۔۔"

"آپ نے ٹھیک فرمایا طبیب اعظم۔۔" دراصل میں نے ایک غلطی کی ہے جس ہر وقت ڈرتی رہتی ہوں۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے آپ سے وہ غلطی اب چھپائے رکھی۔ بات یہ ہوئی کہ کچھ دن پہلے خلیفہ کی طبیعت ایک دم خراب ہو گئی اور

پیدا ہوا کہ کہیں خدانخواستہ ان کا آخری وقت نہ آگیا ہو۔ اس وقت مجھ سے نادانی یہ کہ اس کی اطلاع آپ کو بھیجنے کے بجائے میں نے براہ راست وزیر اعظم کو بھجوا دی۔"

درشہوار نے اتنا کہہ کر چور نظروں سے طبیب اعظم کو دیکھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے ایک خطرناک جرم کیا اور اسے مجھ سے بھی چھپایا" اعظم نے تلخ لہجے میں کہا۔ "وزیر اعظم نے تمہاری اس اطلاع پر کس رد عمل کا کیا۔؟"

"وزیر اعظم مجھ پر سخت ناراض ہوئے اور سختی سے منع کیا کہ خلیفہ کے بارے میں انہیں اطلاع نہ دی جائے اس لئے کہ خلیفہ کا مسئلہ ان کا ذاتی مسئلہ ہے اور اس مسئلہ ہ کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔" درشہوار نے تھرائی آواز میں کہا جیسے اس پر اب وف طاری ہو۔

"شکر کرو کہ بات وزیر اعظم کی ناراضگی تک رہی۔" طبیب اعظم نے کہا۔ "میں نے ، کہ وزیر اعظم بہت سخت ہیں۔ اپنی باتوں میں خصوصیت کے ساتھ وہ کسی کی دخل در ت قطعی پسند نہیں کرتے اور فوراً سزا دیتے ہیں۔"

"مگر میں نے کوئی ایسی ویسی بات تھوڑی کہلوائی تھی۔۔" درشہوار نے جواب دیا۔ میں خلیفہ کی تیمار دار اور بیوی ہوں۔ خلیفہ کی طبیعت زیادہ بگڑی اس لئے میں نے ظم کو اطلاع دی۔ اس سزا کا کیا دخل ہے۔ میں نے کونسا جرم کیا تھا۔؟"

"بات ٹالنے کی کوشش نہ کرو درشہوار۔۔" طبیب اعظم نے کہا۔ "تم نے وزیر اعظم ع دے کر اپنی طاقت کا اندازہ لگایا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"طبیب اعظم۔ مجھ پر کیوں الزام لگا رہے ہیں۔۔" درشہوار نے غمگین آواز میں کہا۔ ، پاس کون سی ایسی طاقت ہے جسے میں وزیر اعظم پر آزماؤں گی۔؟"

"ہے۔۔ ہے۔۔ تمہارے پاس ہے۔" طبیب اعظم پھر کھڑا ہو گیا۔ "تمہارے پاس ی طاقت ہے۔ تم نے وزیر اعظم پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی۔ تم مصر کے نئے وزیر و سمجھ نہ سکیں۔ صلاح الدین کا کردار بے داغ ہے بالکل اسی طرح دمشق کا سلطان بے داغ کردار کا مالک ہے۔ دمشق سے قاہرہ تک صلاح الدین کے دامن پر ہلکا سا ی نہ لگ سکا۔ تم پر وہ ناراض ہوا۔ یہ ایک بہت معمولی سزا ہے۔ وہ تمہیں کوئی زا بھی دے سکتا تھا۔"

ر چھوڑیئے اس بات کو۔۔" درشہوار نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ "میں غلط

تھی یا صحیح اب اس ذکر سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے بتایئے میں کیا کروں۔ آج خلیفہ
کیا گیا ہے کل اسے اس محل سے بے دخل بھی کیا جا سکتا ہے پھر میں کیا کروں گ
جاؤں گی۔"

"یہی تو میں کہتا ہوں کہ تم صلاح الدین کو سمجھ نہیں سکیں۔" طبیب اعظم
"وہ سخت ضرور ہے لیکن سنگدل نہیں۔ اس نے خلیفہ کو معزول کیا لیکن یہ اعلان
اس اعلان کی خبر خلیفہ کو نہ ہونے پائے اور اگر کسی شخص نے یہ بات خلیفہ تک
اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ جو شخص اس قدر نرم دل ہو وہ بھلا ایک بیمار کو اس
سے کس طرح نکال سکتا ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے لیکن کسی وقت کوئی انہونی بھی تو ہو سکتی ہے؟" درشہوار ا
بار اپنے حق میں صاف اور واضح فیصلہ سننا چاہتی تھی۔

"ہر بات ممکن نہیں ہوتی درشہوار۔۔" طبیب اعظم نے تھکے لہجے
"خدانخواستہ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے اور تمہیں کوئی بہتر ٹھکانہ نہ مل سکے
دروازے تمہارے لئے کھلے ہوں گے۔ میں تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔"

درشہوار کی جیسے ساری تکلیف دور ہو گئی۔ وہ پہلے اک ادا سے مسکرائی پھر
ہنس پڑی اور یوں لگا جیسے دبستاں کھل گیا۔ پھولوں کی بارش ہونے لگی۔

درشہوار نے طبیب اعظم کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا دیا۔

"یہی الفاظ تو سننا چاہتی تھی آپ کے منہ سے۔" درشہوار نے کچھ ایسی ادا
طبیب اعظم ریشہ خطمی ہو گیا۔

طبیب اعظم نے عالم سرخوشی اور سرشاری میں کہا۔ "یہ بات میں نے پ
تھی اور آج بھی گفتگو کے آغاز ہی میں دہرائی تھی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں طبیب اعظم" درشہوار نے اسے دزدیدہ نظروں
"لیکن میں یہ الفاظ بار بار سننا چاہتی ہوں۔ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے منہ
سن کے میں کس قدر خوشی اور طمانیت محسوس کرتی ہوں۔"

تھوڑی دیر تک دونوں ہنس ہنس کے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران طبیب
خشک میوؤں سے مدارت کی گئی پھر وہ ہنسی خوشی اٹھ کے چلا گیا۔

10 ستمبر 1171ء (567ھ) کو موصل کے دلیر فقیہ امیر العالم جشانی نے
کے مستقل خطیب کے آنے سے پہلے جمعہ کا خطبہ پڑھا جس میں فاطمی خلیفہ
بجائے عباسی خلیفہ المستضی کا نام لیا گیا۔ اس سے اگلے دن صلاح الدین وزیر ا

اعلان کے ذریعہ مصر کی تمام مساجد میں فاطمی خلیفہ کا خطبہ بند کر کے عباسی خلیفہ کا
جاری کیا پھر دو دن بعد صاحب فراش فاطمی خلیفہ العاضد نے عدم کی راہ لی۔ ایک بیان
مطابق مرنے والے نے آخری رات کو آخری سنبھالا لیا اور اچانک آنکھیں کھول دی
ں۔

درشہوار اس کے قریب تھی۔ خلیفہ کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ درشہوار نے جھک کر
کان خلیفہ کے منہ کے قریب کر دیئے۔

خلیفہ نے بہت نحیف آواز میں کہا۔ "میرا آخری وقت ہے۔ وزیر اعظم کو بلایا
ئے۔"

خلیفہ کی سانس اکھڑ گئی اور وہ اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔ درشہوار نے اس کی بات
لی تھی مگر اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وزیر اعظم صلاح الدین نے اسے
سے منع کر دیا تھا کہ خلیفہ کی بیماری کی کوئی خبر اسے نہ بھیجی جائے۔ وہ اسی کشمکش میں
کہ خلیفہ نے دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ درشہوار پھر اس پر جھک گئی۔

"وزیر اعظم کو جلدی سے بلاؤ۔۔۔" خلیفہ کی آواز میں درد تھا۔ التجا تھی۔

درشہوار کو مجبوراً" کہنا پڑا۔ "وزیر اعظم نے منع کیا ہے کہ انہیں آپ کے بارے
کوئی خبر نہ دی جائے۔"

پتہ نہیں خلیفہ نے درشہوار کی آواز سنی کہ نہیں لیکن اس کی آنکھیں جو بند ہوئیں تو
رہ نہ کھل سکیں۔ درشہوار نے جی کڑا کر کے کہہ تو دیا لیکن اب وہ بھی پریشان ہو گئی۔
ں کا دل بھی اندر سے چاہا کہ خلیفہ کی یہ آرزو کسی طرح پوری ہو جائے۔ اس نے فوراً"
ہر استاد اور بلیس بن عبدالقوی کو طلب کیا۔ وہ ایک عرصہ کے بعد قصر خلافت میں آئے
۔ طبیب اعظم نے سختی سے تاکید کی تھی کہ خلیفہ کے پاس کوئی نہ جائے۔ خلیفہ کے
دل مصاحب بھاگم بھاگ حریم خلافت پہنچے۔ ان دونوں کے اشک رواں تھے۔ قصر خلافت
، ہرکارے نے انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ خلیفہ زندہ ہیں یا موت کی آغوش میں جا چکے
۔ انہیں یہی خیال تھا کہ خلیفہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

درشہوار نے انہیں بڑی جلدی میں بتایا۔ "خلیفہ کی خواہش ہے۔ نہیں نہیں۔ انہوں
ے التجا کی ہے کہ وزیر اعظم کو فوراً" بلایا جائے۔"

"شکر ہے۔" جوہر استاد نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہماری تو جان ہی نکل گئی
تھی۔ اچھا امیرالمومنین ملاقات کرنا چاہتے ہیں وزیر اعظم سے؟"

"جوہر استاد۔ بحث نہ کیجئے۔ فوراً" دارالوزارت جایئے اور خلیفہ کی التجا پیش کیجئے۔"

درشہوار نے مختصر الفاظ استعمال کئے۔

"مگر عالیہ محترمہ ———"

"جوہر استاد—" درشہوار دانت کٹکٹا کے بولی— "کچھ مت کہئے۔ جایئے۔"

جوہر استاد اور جلیس بن عبدالقوی حریم خلافت سے نکل کر سیدھے دارال
پہنچے۔ دارالوزارت کے صدر دروازے کا پہرے دار اعلیٰ بڑا نیک اور خدا ترس تھ
نے جب سنا کا خلیفہ کا آخری وقت ہے اور وزیر اعظم سے ملنا چاہتے ہیں تو اس
اندر اطلاع بھجوا دی۔ صلاح الدین بھی اس خبر سے ایسا متاثر ہوا کہ دونوں مصاح
فورا" طلب کر لیا۔

"محترم وزیر اعظم—" جوہر استاد نے گھبرائے لہجے میں کہا۔ "امیرالمومنین کا د
پر ہے۔ مرنے سے پہلے آپ کو دیکھنے کی التجا کی ہے۔ مرنے والے———"

"ٹھہرو—" صلاح الدین نے اسے روک دیا۔

دارالوزارت کے تقریبا" تمام لوگ جاگ پڑے تھے۔ صلاح الدین نے چار امی
بلانے کے لئے غلام روانہ کر دیئے۔ جوہر استاد اور جلیس بن عبدالقوی کو مہمان خا
ٹھہرنے کا حکم ہوا۔ امراء دارالوزارت پہنچے تو صلاح الدین تیار ہو کر باہر آچکا تھا۔
الدین اسی وقت سوار ہو کر قصر خلافت پہنچا لیکن موت نے خلیفہ کو اتنی مہلت نہ دی
اپنے دل کی آخری خواہش بیان کر سکتا۔ صلاح الدین کو اس کی موت کا کافی صدمہ
اس نے صبح کو تعزیتی دربار کیا اور مرحوم خلیفہ کو اچھے الفاظ میں یاد کیا۔ اس نے خلیف
عزیزوں کو اجازت دی کہ وہ جس طرح اور جس اہتمام سے خلیفہ کا جنازہ اٹھانا چاہتے
اٹھائیں۔ تمام اخراجات شاہی خزانہ سے ادا کئے جائیں گے۔ دارلوزارت اور دیگر
محلات پر ایک ہفتہ کیا سوگواری کا عالم طاری رہا۔

صلاح الدین کے اس حسن سلوک کو دشمنان اسلام نے اپنی تحریروں میں اس
بیان کیا کہ مصر کے آخری خلیفہ العاضد نے مرنے سے پہلے وزیراعظم صلاح الدین
ملاقات کی درخواست کی۔ صلاح الدین ملاقات کے لئے تیار ہوا لیکن اس کے امراء
اس کے دل میں شکوک پیدا کر دیئے اور اس نے قصر خلافت جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

اس الزام کے بارے میں صرف یہی دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ اگر صلاح الدین
قدر سنگدل ہوتا تو یہ حکم کیوں دیتا کہ خلیفہ عاضد کو یہ ہرگز نہ بتایا جائے کہ اسے خلا
سے معزول کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ صلاح الدین نے قصر خلافت کا داروغہ بہاء ال

راقوش کو مقرر کیا تھا جس نے سوڈانی غلاموں اور کنیزوں سے قصر خلافت ہی نہیں بلکہ
رے دارالخلافہ کو صاف کر دیا تھا پھر بھلا اس کے دل میں کون شبہ پیدا کر سکتا تھا۔ صلاح
ین سپاہی زادہ تھا اور خود ایک جری اور بہادر سپہ سالار تھا پھر قصر خلافت جانے سے کس
رح خوف کھا سکتا تھا۔

فاطمی خلیفہ مرحوم نے اپنے پسماندگان میں چار بیویاں' چار بہنیں اور گیارہ بیٹے
وڑے ان کے علاوہ دوسرے رشتہ دار تھے جن کی مجموعی تعداد ایک سو باون (152) کے
ب بیان کی گئی ہے۔ خلافت ختم ہونے سے یہ پہلے ہی بے سہارا ہو گئے تھے۔ خلیفہ کے
نال سے ان پر جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ چنانچہ ان پریشاں حال مرد اور خواتین نے وزیر اعظم
ے پاس ایک روز وفد بھیجا اور رحم کی اپیلیں کیں صلاح الدین کو خلیفہ کی موت کا بڑا
رمہ تھا اس نے وفد کو پورے تعاون کا یقین دلایا اور اس امر کی خواہش کی وہ فردا" فردا"
یفہ کے ہر عزیز و رشتہ وار سے تعزیت نہیں کر سکتا اس لئے تمام اعزا و اقربا ایک محل
ں جمع ہو جائیں تاکہ صلاح الدین ان سے ایک ہی وقت میں تعزیت کر سکے۔

اس طرح شاہی محلات کے سب سے عظیم قصر جسے قصر کبیر کا نام دیا گیا تھا اور جس
ں خلیفہ العاضد مقیم تھا اس کے بڑے ہال میں مرحوم کے تمام عزیز و اقارب جمع ہوئے
ر وزیراعظم صلاح الدین ان سے تعزیت کے لئے بہ نفس نفس معہ اپنے تمام افراد کے
یا۔ خلیفہ کی ہر بیگم اور عزیز اپنی درخواست صلاح الدین کے حضور میں ذاتی طور پر پیش
رنے کا خواہش مند تھا لیکن صلاح الدین نے کہا کہ وہ پہلے ان مراعات کا ذکر کرے گا جو
ں نے خلیفہ کے متعلقین کے لئے اپنے طور پر طے کی ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی مرد
خاتون اس سے ملنا چاہے گی تو اسے بھی اجازت دی جائے گی۔ خلیفہ کے عزیزوں نے
یر اعظم کی اس بات کو بہت پسند کیا۔

صلاح الدین نے پہلے مرحوم خلیفہ کی ان خوبیوں اور اوصاف کا ذکر کیا جو ایک نیک
سان میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد وزیر اعظم نے واضح الفاظ میں اعلان کیا۔ "خلیفہ
رحوم کی تمام بہنوں یا بیگمات اور صاجزادگان اور دیگر تمام متعلقین کے عیش و آرام کے وہ
ام لوازم بر قرار رہیں گے جو خلیفہ کی حیات میں جاری تھے۔ اس سب اخراجات کی
دائیگی شاہی خزانہ سے ہو گی۔ تمام بیگمات اور رشتہ داروں کے وہ القاب و خطاب جو خلیفہ
ی طرف سے انہیں عطا ہوئے تھے وہ برقرار رہیں گے۔ کسی عزیز و اقارب کے غلاموں
ور کنیزوں کی تعداد نہیں ان کی زندگی میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔ لیکن شاہی
حلات کی تعداد نصف کر دی جائے گی۔ حریم خلافت یعنی قصر کبیر میں چونکہ فاطمی خلیفہ کا

مقام رہتا تھا اور اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے اس لئے یہ عظیم قصر اس کا سامان و خزانہ
کے قبضہ میں رہے گا میں یعنی وزیر مصر اس قصر میں منتقل نہیں ہو گا بلکہ اس قصر
حکومت مصر کے دفاتر قائم کئے جائیں گے۔"

ایک روایت کے مطابق جس وقت صلاح الدین نے ان مراعات کا اعلان کیا تو
کے عزیزوں اور رشتہ داروں کے آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہو گئے ان کے
میں بھی نہ تھا کہ ایک غیر ملک' غیر فرقہ کا وزیر اعظم خلیفہ کے انتقال کے بعد ان کے
تمام آسانیاں اور عیش و عشرت کا سامان برقرار رکھے گا۔ اس کے بعد کسی کو اپنی عرضی
کرنا یا ملاقات کی ضرورت پیش نہ آئی۔

خلیفہ کی چار نکاحی بیویوں کے علاوہ بہت سی متعی خواتین بھی تھیں۔ ان کے لئے
الگ محل معہ سازو سامان اور لونڈی غلاموں کے دیا گیا۔ وہ اس محل میں تا عمر رہ
تھیں۔ اگر شادی کرنا چاہیں تو سرکاری اخراجات پر شادی کر کے محل سے رخصت ہو
ہیں۔ جتنے محلات شاہی خاندان والوں کے لئے دئے گئے۔ ان کا انتظام بھی قراقوش کے
تھا۔ اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر ان کے محلات کے گرد سخت پہرہ لگا دیا۔ باہر کے
شخص کو ان محلات کی حدود میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ دوسری طرف شاہی خا
والوں کو بھی ان حدود سے باہر نکلنے کی ممانعت تھی کیونکہ انہیں ضرورت کی ہر چیز حکو
کی طرف سے مہیا کی جاتی تھی۔ اس احتیاط کے باوجود شاہی خاندان کے کچھ لوگوں
محلات سے نکل کے حکومت کے خلاف کچھ گڑ بڑ کرنے کی کوشش کی۔ صلاح الدین
قراقوش کو تاکید کی تھی کہ شاہی خاندان کے کسی فرد کے ساتھ سختی نہ کی جائے خواہ وہ
ہی بڑی غلطی کیوں نہ کریں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ صلاح الدین نے خلیفہ کے ا
کے بعد بھی افراد خانہ کے ساتھ نہایت شرافت کا مظاہرہ کیا۔

خلیفہ العاضد کی معزولی اور موت کی خبریں دور دراز کے علاقوں میں ایک سات
پہنچیں۔ بغداد میں اس خبر سے مسرت کی لہر دوڑ گئی اور مصر میں فاطمی خلیفہ کے
عباسی خلیفہ کا خطبہ جاری ہو گیا ہے۔ المستضئ خلیفہ بغداد نے سلطان دمشق نور الدین
کو دو خلعتیں بھجوائیں۔ ایک خلیفہ بغداد کے لئے اور دوسری خلعت صلاح الدین ایو
لئے جواب مصر کا صحیح معنوں میں سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ خلیفہ بغداد نے مصر کے
بڑے بڑے خطیبوں کو بھی خلعتیں بھجوائیں اور ساتھ میں سیاہ علم بھی روانہ کئے۔(
عباسیوں کا خاص نشان تھا جو معززین اور معتبرین کی عزت افزائی کے لئے بھیجا جاتا تھا۔
قصر خلافت جو قصر کبیر کے نام سے مشہور تھا اس کے بارے میں تاریخی شواہ

لوم ہوتا ہے کہ اس قصر میں چار ہزار کمرے تھے۔ ایک طلائی پھاٹک تھا جو ایک طلائی ہال
ں کھلتا تھا۔ ایک بلند و بالا شہ نشیں تھی۔ شہ نشیں پر ایک طلائی تخت رکھا تھا۔ فاطمی
یفہ اس تخت پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ خلیفہ جس وقت جلوس فرماتا تو اس کے گرد ندیم
رخدام ہوتے۔ شاہی خادموں میں یونانیوں اور سوڈانوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی۔ سامنے
ب زردوزی چلمن پڑی ہوتی جس کے پیچھے بیٹھ کے خلیفہ جشن دیکھتے تھے۔ قصر میں زدیں
ا تھا جس کے ستون سنگ مرمر کے بنے ہوئے تھے۔ ایک دیوان عالم بھی تھا۔ دیوان کے
نبد میں کھڑکی لگی تھی۔ ہر دو شنبہ اور چہار شنبہ کو یہ کھڑکی کھولی جاتی اور خلیفہ اس میں
ھ کے عوام کو اپنا جلوہ دکھاتا۔ دیوان عام ہی میں ایک بلند مقام پر فریادی کھڑے ہو کر
لیفہ کو اپنی فریاد سناتے اور خلیفہ اس کی داد رسی کرتا تھا۔

وزیر اعظم صلاح الدین نے اس محل کا جو خزانہ بحق سرکار ضبط کیا تھا اس کی تفصیل
کچھ اس طرح ہے: چار انگل لمبا ایک ہیرا جس کا نام جبل نور تھا۔ ایک یاقوت جس کا وزن
(2400) چوبیس سو قیراط تھا۔ مشہور مورخ ابن اثیر نے اس ہیرے کو اپنی آنکھوں سے
یکھا تھا۔ اس کے علاوہ خزانہ میں زمرد' موتی' چاندی سونے کے ظروف' مینا کاری اور
ست کاری کی طلائی طشتریاں' طلائی تجوریاں' سامان میں صندل' آبنوس اور ہاتھی دانت کا
فرنیچر اور جواہرات سے مرصع دوسرا سامان۔ مشک کافور سے بھری ہوئی صراحیاں' بیش قیمت
بلوریں اور چینی کے جام' سونے چاندی کے چوکھٹوں میں جڑے ہوئے آئینے جن پر زمرد
اور عقیق کے حاشئے بنے تھے۔ سنگ سلیمان کی نہریں' بے شمار سونے چاندی کے کامدار
برتن' بادشاہوں اور خلیفاؤں کی تصاویر سے مزین سونے کے کارچوبی شجر' ریشم اور جامعہ
دار۔

ایک اور بیان کے مطابق فاطمین کی دولت جو جواہرات یا زیورات کی شکل میں تھی
مدتوں تک ضرب المثل بنی رہی۔ اس سنگ ساق کی میزیں' بے شمار برنجی ظروف جن پر
سونے چاندی کا کام تھا۔ مرصع دیوار پوش' بھاری زری کے ریشمی پارچے جن پر بادشاہوں کی
شبیہیں زری میں بنی ہوئی تھیں۔ یہ کل دولت جو مصر کے وزیر اعظم صلاح الدین کے قبضہ
میں آئی اس میں سے ایک چیز بھی اپنے پاس نہ رکھی اور نہ کوئی سامان اپنے استعمال میں
لایا۔ اس نے یہ ضرور کیا کہ کچھ نادر و نایاب چیزیں اس نے اپنے مربی اور آقا سلطان نور
الدین زنگی کے پاس دمشق روانہ کردیں۔ اسی طرح کچھ اور چیزیں اس نے اپنے ساتھی
امرائے نوریہ اور دیگر عمائدین سلطنت میں تقسیم کر دیں۔ باقی تمام ہیرے جواہرات' سونا
چاندی اور دیگر سامان و ظروف فروخت کر کے تمام رقم بیت المال میں داخل کر دی۔ صلاح

الدین کو فاطمی خلفاء کے کتب خانہ سے ایک لاکھ بیس ہزار کتب کا بیش قیمت ذخیرہ
دستیاب ہوا۔ یہ پورا کا پورا کتب خانہ صلاح الدین نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری جو بعد
اس کا وزیر بھی ہوا یعنی قاضی فاضل کو عطا کیا گیا۔

صلاح الدین کا شاہی لشکر اور امرائے نوریہ تو اس کے مطیع اور فرمانبردار تھے ہی لیکن
اس کے حسن سلوک نے مصری عوام کو بھی اس کا ہمنوا بنا دیا اور ان کے دل سے غریبت
احساس ختم ہو گیا۔ صلاح الدین نے پہلے ہی عوام کے لئے قاہرہ میں جگہ جگہ اور دوسرے
شہروں میں کتب خانے اور شفا خانے کھلوا دیئے تھے۔ اب جو بیت المال بھرا تو اس نے
ایسے ہی کاموں پر دل کھول کے رقم خرچ کی۔ عوام پر اس کا اور زیادہ اچھا اثر ہوا۔

ان کاموں سے فارغ ہوا تو اسے ایک دن اچانک مرحوم خلیفہ سے کئے ہوئے وعدے
کا خیال آیا۔ اس نے اگرچہ خلیفہ کی بیگمات اور دوسری خواتین کا معقول بندوبست کر دیا تھا
لیکن خلیفہ عاضد اپنی بیماری کے دوران درشہوار کو ساتھ لے کر اس کے پاس آیا تھا اور
درشہوار کے لئے خاص مراعات کی درخواست کی تھی۔ وزیر اعظم صلاح الدین نے اس کی
درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے درشہوار کو تمام مراعات دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب وہ
اس وعدے کو نبھانا چاہتا تھا۔ پس اس نے درشہوار کو دارلوزارت طلب کیا۔ بہاء الدین
قراقوش نے درشہوار کو ان خواتین کے ساتھ رکھا تھا جہاں اس جیسی خواتین کا قیام تھا۔
خلیفہ نے جن خواتین سے متعہ کیا تھا انہیں دو الگ محلوں میں رکھا گیا تھا۔ ان کے آرام و
آرائش کا پورا بندوبست تھا۔ ہر ایک کی خدمت پر کئی کئی کنیزیں مامور تھیں لیکن ان
محلات کے قریب کسی مرد کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ بعض تواریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ
داروغہ محلات بہاء الدین قراقوش بڑا سخت انسان تھا۔ اس نے شاہی خاندان کے مردوں
اور عورتوں کو الگ الگ محلوں میں رکھا تھا اور انہیں ایک دوسرے سے ملنے کی اجازت
نہیں تھی۔

یہ بات قطعی خلاف واقعہ ہے اور سراسر صلاح الدین پر تہمت ہے۔ صلاح الدین
اس قدر ظالم اور سخت دل نہیں ہو سکتا کہ وہ بہن بھائیوں اور ماں بیٹوں کو الگ رکھنے کا
حکم دیتا۔ یا تو یہ صلاح الدین کو بدنام کرنے کی نصرانی کوشش ہے یا پھر کسی غلط فہمی کی بنا پر
ایسا لکھا گیا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ فاطمی خلیفہ جن خواتین سے متعہ کرتا وہ عام طور پر زر
خرید یا تحفہ میں آئی ہوئی کنیزیں ہوتیں وہ شاہی حرم میں تنہا آتی تھیں۔ ان کے آگے پیچھے
کوئی نہ ہوتا تھا۔ ایسی خواتین کو ضرور سب سے الگ رکھا گیا تھا اور ان کے محلات کی حدود
میں مردوں کا داخلہ ممنوع تھا۔

شاہی خاندان کی خواتین جو وزیر اعظم کے حضور میں اپنی عرضداشت پیش کرنا چاہتی
تھیں یا جنھیں وزیر اعظم طلب کرتا تھا وہ سب ہر جمعرات کو دارالوزارت میں حاضر کی جاتی
تھیں۔ وزیر اعظم نے بھی عجب سادہ طبیعت پائی تھی۔ قصر کبیر خالی ہونے تو اس کے سازو
ساماں سے فائدہ اٹھایا اور نہ اس قصر میں رہائش اختیار کی۔ وہ مع اپنے اہل و عیال اور
خاندان والوں کے دارالوزارت میں رہتا تھا۔ خلیفہ کے انتقال کے بعد وہ دارالوزارت ہی
میں مقیم رہا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اسے دارالوزارت کے در و دیوار سے محبت ہو گئی
تھی۔

جمعرات کو درشہوار کو بہاء الدین قراقوش کے مسلح محافظوں کے پہرے میں
دارالوزارت پہنچایا گیا۔ اس دن شاہی خاندان کی کچھ اور خواتین بھی وزیر اعظم کے پاس
درخواست لے کر آئی تھیں یا بلائی گئی تھیں۔ دارالوزارت میں یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ آنے
والی خواتین کو ان کے درجے اور مرتبہ کے مطابق مہمان خانوں میں بٹھایا جاتا۔ پہلے ان کی
خاطر مدارت کی جاتی پھر باری باری انہیں وزیر اعظم کے سامنے پیش کیا جاتا۔

سب سے پہلے درشہوار کا بلاوا آیا۔

"خاتون محترم—— وزیر اعظم نے آپ کو باریابی کی اجازت دی ہے۔" کنیز نے ادب
سے اطلاع دی۔ درشہوار کھڑی ہو گئی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو
رہے تھے۔ وہ بار بار سوال کرتی کہ اسے کیوں طلب کیا گیا ہے جبکہ اس نے کوئی درخواست
نہیں دی تھی۔ درشہوار نے کنیزوں سے یہی سنا تھا کہ جمعرات کو ایسی خواتین کو طلب کیا
جاتا ہے جو وزیر اعظم کے حضور کوئی عرضی پیش کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ ایسی خواتین کو بھی
بلایا جاتا ہے جن کے بارے میں داروغہ محلات کوئی شکایت کرتا ہے۔ کسی خاتون سے
شکایت کی صورت میں پہلے بہاء الدین قراقوش ذاتی طور پر اس خاتون سے گفتگو کرتا اور اگر
بات بڑھ جاتی تو قراقوش اسے وزیر اعظم کے پاس بھجواتا تھا۔ درشہوار کے ساتھ ایسی کوئی
صورت پیش نہ آئی تھی۔ اس نے عرضی بھی نہیں دی تھی اور نہ قراقوش کو اس سے کوئی
شکایت پیدا ہوئی تھی۔

ایسے ہی خیالوں میں الجھی درشہوار، کنیز کے پیچھے چلتی ہوئی اس کمرے میں پہنچی جو اس
کی نشستگاہ تھی۔ عام مقدمات ہوں یا شاہی خاندان اور ان کے متعلقین کی درخواستیں صلاح
الدین ایسے تمام موقعوں پر اپنے وزیر اور قاضی فاضل کو بلا لیا کرتا تھا۔ قاضی فاضل
جمعرات کے دن پیش ہونے والے مقدمات کو صرف سنتا رہتا تھا۔ اسے اس وقت بولنے کی
ضرورت پڑتی تھی جب صلاح الدین کسی زیر فیصلہ مقدمہ کے بارے میں شرعی صورت حال

پوچھتا۔

کنیز نے درشہوار کو کمرے کے دروازے پر چھوڑا۔ وہ اندر گئی اور دوسرے ہی لمحے واپس آکر دوشہوار کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ درشہوار گھبرائی اور لرزتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ پھر ڈرتے ڈرتے نظریں بلند کیں اور جھک کر وزیر اعظم اور قاضی فاضل کو ادب سے سلام کیا۔ وہ قاضی کو نہیں پہچانتی تھی مگر قاضی چونکہ وزیر اعظم کے برابر ایک ہی منبر پر بیٹھے تھے جس سے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ ضرور کوئی اہم شخصیت ہے۔

"خاتون۔ تمہیں اس لئے بلایا گیا ہے کہ مرحوم خلیفہ نے اپنی زندگی میں ہم سے تمہارے لئے کچھ مراعات مانگی تھیں۔" وزیر اعظم نے اسے طلب کرنے کی وضاحت کر دی۔

"کنیز اس عزت افزائی کے لئے وزیر اعظم کی شکر گزار ہے۔" درشہوار نے سنبھل کر کہا۔ وزیر اعظم کے نرم لہجے نے اسے بڑی طمانیت بخشی تھی۔

"ہم نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تم سے تمہاری موجودہ رہائش کے بارے میں دریافت کریں۔" صلاح الدین نے اسی نرم لہجے میں دریافت کیا۔ "اگر تمہیں کوئی تکلیف ہے تو بے جھجک بیان کرو۔ ہم تمہیں الگ محل میں منتقل کر دیں گے۔"

درشہوار سوچ میں پڑ گئی۔ "اے بیواؤں اور بے کسوں کے مہربان آقا۔ میں اپنی طلبی کی اطلاع سے اس وقت تک الجھن میں گرفتار رہی کہ آخر مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے جس کی بنا پر وزیر اعظم نے مجھے طلب فرمایا ہے۔ میں اپنے بارے میں فوری طور پر نہ کچھ سوچ سکتی ہوں اور نہ فیصلہ کرنے کے قابل ہوں اگر وزیر اعظم مجھ پر کرم کرتے ہوئے کچھ وقت دے سکیں تو میں کسی نتیجہ پر شاید پہنچ سکوں۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" صلاح الدین نے اسے تسلی دی۔ "یہ تمہارا امتحان نہیں کہ پریشان ہو۔ ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ خلیفہ سے ہم نے جو وعدہ کیا تھا اس میں کچھ کمی بیشی ہوئی ہے اور تم اس سے کس حد تک مطمئن ہو۔"

"وزیر اعظم مجھے معاف فرمائیں گے اگر میں یہ کہوں کہ قصر خلافت سے میرے موجودہ محل کا کوئی مقابلہ نہیں تو کچھ غلط نہ ہوگا۔" درشہوار نے حوصلے سے کہا۔ بہر حال میرا تعلق شاہی خاندان سے نہیں اس لئے مجھے شکوہ کرنے کا حق نہیں۔ میں جہاں ہوں خوش ہوں۔"

صلاح الدین اس کے اس بیباکانہ اظہار سے بڑا متاثر ہوا۔ چند لمحے سوچ کے بولا۔
"ہمیں افسوس ہے کہ قراقوش نے تم پر وہ توجہ نہیں دی جس کی تم حقدار ہو۔"

"مجھے کسی سے شکایت نہیں۔ یہ تو اپنی اپنی تقدیر ہے۔" درشہوار نے غمگین لہجہ میں کہا۔ "داروغہ محلات نے کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کی۔ مجھے بھی میری حیثیت کے مطابق رہائش دی گئی ہے۔ اگر میرا نصیب اچھا ہوتا تو خلیفہ مجھے کیوں چھوڑ جاتے۔"

"اس کوتاہی کی ذمہ داری ہماری مصروفیت ہے۔" صلاح الدین نے بڑی فراخدلی سے اپنی بے توجہی کا اقرار کر لیا۔ "آئندہ جمعرات تک اگر تمہیں مطمئن نہ کیا گیا تو ہم سے شکایت کرنے آسکتی ہو۔"

درشہوار نے جھک کر رخصتی سلام کیا۔ کنیز اس کمال نوازش پر وزیر اعظم کا دوبارہ شکریہ ادا کرتی ہے۔"

وہ جس طرح کنیز کے پیچھے چل کر آئی تھی اسی طرح واپس ہوئی۔ خواتین کا کافی ہجوم تھا۔ وزیر اعظم دوپہر تک ان سے گفتگو مکمل نہ کر سکے۔ اس لئے خواتین سے کھانا کھانے کی درخواست کی گئی۔ کھانے کا انتظام بھی تین الگ الگ کمروں میں کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد بھی سہ پہر تک گفت وشنید کا سلسلہ جاری رہا۔ وزیر اعظم نے اس دن کسی کو باریابی کا اجازت نہ دی اور باہر کے تمام کام معطل رہے۔ مغرب سے کچھ پہلے یہ سلسلہ ختم ہوا۔ فوراً سواریاں ڈیوڑھی سے لگ گئیں اور خواتین سوار ہونے لگیں۔

درشہوار کی شکوہ شکایت حقیقت پر مبنی تھی۔ جب سے درشہوار حریم خلافت میں داخل ہوئی تھی دوسری تمام بیگمات اور خواتین کا داخلہ حریم خلافت میں بند کر دیا گیا تھا۔ صرف درشہوار کو خلیفہ کی قربت حاصل تھی۔ پورے قصر بلکہ تمام شاہی محلات میں درشہوار کے نام کا ڈنکہ بجتا اور سب چھوٹی بڑی بیگمات سامنے ہونے پر درشہوار کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں درشہوار کا یہ اقتدار ایک آنکھ نہ بھاتا تھا اور سب اسے حسد کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ پھر جب خلیفہ کا انتقال ہوا تو ان کی نظریں اک دم پھر گئیں۔ بہاء الدین قراقوش نے بھی درشہوار کو خلیفہ کی متعہ کی ہوئی خواتین کے زمرے میں شامل کیا حالانکہ اسے علم تھا کہ خلیفہ نے خاص طور سے درشہوار کے سلسلہ میں وزیر اعظم سے ملاقات کی تھی اور کچھ مراعات حاصل بھی کی تھیں۔

درشہوار کو قراقوش کے اس عام سلوک سے شکوہ تھا لیکن اس نے اس کا شکوہ اس لئے نہ کیا کہ شاید وزیر اعظم خلیفہ کے مرتے ہی اپنے وعدے سے پھر گیا ہو۔ ادھر جب وزیر اعظم نے بہاء الدین قراقوش کو بلا کر اسے درشہوار کے بارے میں کچھ ہدایات دیں تو قراقوش نے اپنی کوتاہی کی معافی مانگی حالانکہ اسے تمام باتوں کا علم تھا لیکن اس نے خلیفہ کی دوسری بیگمات کی ناراضگی کے خیال سے درشہوار کے ساتھ کسی خصوصی سلوک کا اظہار نہ

کیا تھا۔

دارالوزارت سے واپس آنے کے دو ہی گھنٹے بعد بہاء الدین قراقوش بذات خود درشہوار کے پاس آیا۔ اس سے معذرت کی پھر بڑی خوشامد کر کے درشہوار کو چھوٹے مگر بہت آراستہ پیراستہ محل میں منتقل کیا۔ اس کی خدمت کے لئے کنیزوں کا اضافہ کیا گیا۔ قراقوش نے بڑے فخر سے درشہوار کو بتایا کہ اس نے درشہوار کو جو محل دیا ہے اس کے مقابلہ کا محل کسی شاہی بیگم کے پاس نہیں ہے۔ درشہوار کو بہاء الدین قراقوش سے شکایت تھی لیکن اس نے درشہوار کو اب ایک ایسے محل میں منتقل کر دیا تھا جس پر حریم خلافت کا شبہ ہوتا تھا۔

درشہوار اپنے نئے محل میں ایک حد تک مطمئن ہو گئی تھی مگر سازو ساماں ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔ درشہوار کو محل کی تنہائی کاٹنے کو دوڑتی تھیں اس کے پاس کئی کنیزیں بھی تھیں جو تعلیم تربیت سے آراستہ معلوم ہوتی تھیں لیکن قراقوش کا ایسا رعب تھا کہ درشہوار کنیزوں کو اپنے دل کا حال بتاتے ڈرتی تھی۔ محلات میں مقیم خواتین ایک دوسرے کے پاس آسکتی تھیں لیکن درشہوار سے تقریباً" ہر بیگم حسد کرتی جو اب نفرت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ دن بھر ایک کمرے میں پڑی رہتی۔ بہت دل گھبراتا تو تمام کنیزوں کو جمع کر کے ان کی باتیں سنتی رہتی لیکن خود کلام نہ کرتی۔ قراقوش نے تمام محلات میں جاسوس کنیزیں چھوڑ رکھی تھیں اور یہ جاسوس اسے محلوں کی ایک ایک بات پہنچاتی تھیں۔

درشہوار کو طبیب اعظم پر سخت غصہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس مصیبت کے وقت طبیب اعظم اس کی مدد کرے گا لیکن اس نے اس طرح خاموشی اختیار کر رکھی تھی جیسے وہ درشہوار کو جانتا ہی نہ تھا۔ خلیفہ کا انتقال کیا ہوا کہ شاہی محلات کے دن رات بدل گئے۔ پہلے قصر خلافت سے درشہوار کو عارضی طور پر ایک شاہی مہمان خانہ میں بھیج دیا گیا۔ قصر خلافت کے بعد ایک ایک کر کے تمام شاہی محلات بحق سرکار ضبط کر لئے گئے۔ درشہوار کی طرح دوسری بیگمات کو بھی مہمان خانوں میں منتقل کیا گیا پھر جب بیگمات اور دوسری خواتین کے لئے چند محلات مخصوص ہوئے تو ان سب کو ان محلوں میں پہنچا دیا گیا۔

یہ نہیں کہ طبیب اعظم کو درشہوار کا خیال نہ تھا۔ خلیفہ کا انتقال ہوا تو درشہوار کی تصویر اس کی نظروں کے سامنے آکھڑی ہوئی لیکن شاہی محلات میں اس قدر اکھاڑ پچھاڑ ہو رہی تھی کہ طبیب اعظم کی محلات کی طرف جانے کی ہمت ہی نہ پڑی۔ وہ اب صرف اس وقت محلات کی طرف جاتے جب انہیں کسی بیگم یا دوسری خاتون کی طرف سے بلاوا ملتا۔ اس وقت بھی یہ کیفیت ہوتی کہ طبیب اعظم کو بلانے کی درخواست زبانی یا تحریری طور پر

داروغہ محلات کو پیش کی جاتی پھر داروغہ کا ایک غلام طبیب اعظم کے پاس جاتا اور انہیں لے کر بیگم کے پاس پہنچاتا تھا۔ ان پابندیوں کی وجہ سے طبیب اعظم بہت الجھتے تھے اور ریضہ کی نبض دیکھ کر فوراً" واپس آجاتے تھے۔

رشہوار اگرچہ ان سے خفا تھی لیکن اتنی بے خبر بھی نہ تھی کہ یہ بھی نہ جان سکتی کہ طبیب اعظم بیگمات کے بلاوے پر محلات میں آتے رہتے ہیں۔ ایک بار تو اس کا دل کچھ ایسا بے چین ہوا کہ اس نے طبیب اعظم کو بلانے کے لئے ایک کنیز کو بھیج دیا مگر اسے فوراً" خیال آیا کہ اس کا یہ قدم کوئی فتنہ کھڑا کر سکتا ہے جس کے نتیجے میں یہ عیش و آرام تم ہو سکتا ہے۔ اس نے دوڑ کے کنیز کو پکڑ لیا جو دروازے تک پہنچ چکی تھی۔ قصہ یہ تھا ہ پچھلے چار روز سے طبیب اعظم برابر والے محل میں کسی مریضہ کو دیکھنے آرہے تھے۔ ان روز میں کسی مرد کو آنے کی اجازت نہ تھی اس لئے پردہ کرنے نہ کرنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ درشہوار کی نظر پہلے ہی دن طبیب اعظم پر پڑ گئی تھی لیکن وہ سوائے ٹھنک کے ھڑے ہو جانے کے اور کچھ نہ کر سکی۔ مزید دو دن اسی طرح گزرے پھر چوتھے دن وہ پنے اوپر قابو نہ رکھ سکی اور کنیز کو بلانے بھیج کر پھر دوڑ کے پکڑنے کا واقعہ پیش آیا۔

درشہوار کی پرانی کنیز کسی اور محل میں منتقل ہو چکی تھی۔ وہ کنیز درشہوار کی راز دار ی تھی اور وفا دار بھی۔ نئے محل میں نئی کنیزوں کے درمیان رہتے ہوئے اسے چند ہی دن لزرے تھے۔ اگر اسے طبیب اعظم دکھائی نہ پڑتے تو شاید وہ کسی کنیز سے بے تکلف ونے کی کوشش نہ کرتی۔ وہ کنیز جسے درشہوار نے طبیب اعظم کو بلانے کے لئے بھیجا پھر ڑ کر روک لیا تھا' درشہوار کے اس اضطراری فعل سے بہت متعجب ہوئی تھی لیکن شہوار سے وہ بے تکلف نہ تھی اس لئے خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔

چار پانچ دن کے بعد درشہوار نے اسی کنیز کو تنہائی میں بلایا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" درشہوار نے نرمی سے پوچھا۔

"نیل۔۔" کنیز نے مختصر جواب دیا۔

"نیل یعنی دریائے نیل۔ تمہاری آنکھیں بھی دریائے نیل جیسی گہری ہیں۔" درشہوار نے اس کی خواہ مخواہ تعریف کی۔

"محترمہ عالیہ۔" کنیز نے افسردگی سے کہا۔ "میری آنکھیں گہری ضرور ہیں لیکن ایک انکھ میں سفید جزیرہ بھی ہے جسے شاید آپ نہیں دیکھ سکیں۔"

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں؟" درشہوار الجھ کر رہ گئی۔

"ملاحظہ فرمائیے محترمہ عالیہ۔۔۔" کنیز نے دونوں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ "میری بائیں

آنکھ میں ایک سفید داغ ہے۔ نظر آیا آپ کو؟"

درشہوار نے غور سے دیکھا۔ "ہاں ایک ہلکا سا نشان ہے مگر یہ نہ تو دکھائی اور نہ برا محسوس ہوتا ہے۔"

"محترمہ عالیہ ---" کنیز نے سنبھل کے کہا۔ "سب کہتے ہیں کہ میں صورت ش اچھی ہوں۔ تربیت یافتہ بھی ہوں اور ایک اچھی کنیز ثابت ہو سکتی ہوں۔ لیکن اس داغ نے میری زندگی برباد کر کے رکھ دی ہے۔ جس بیگم کے پاس بھیجی جاتی ہوں و ہفتہ بعد مجھے بدلوا دیتی ہے۔"

"کیوں۔ کیا وجہ ہے اس کی؟" درشہوار نے حیرت کا اظہار کیا۔

"سب کہتی ہیں کہ سفید نشان نحوست کی نشانی ہے۔" نیل نے جواب دیا۔ "خیال ہے کہ میں جس گھر میں رہوں گی وہ برباد ہو جائے گا۔ میں دربدر پھر رہی ہوں مستقل ٹھکانہ نہیں ملتا۔"

"یہ سب وہم کی باتیں ہیں۔" درشہوار نے بے پرواہی سے کہا۔ "میں تمہیں پاس رکھوں گی۔ ہمیشہ ساتھ رکھوں گی۔"

نیل کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ "آپ کتنی عظیم ہیں محترمہ عالیہ۔"

"نیل میں تم پر اعتبار کر سکتی ہوں؟" درشہوار نے پوچھا۔

"جی محترمہ عالیہ --- میں سمجھی نہیں۔" نیل گھبرا گئی۔

"میرا مطلب ہے کہ اگر میں تمہیں کوئی راز کی بات بتاؤں تو تم اس راز کو محفوظ گی۔" درشہوار نے نیل کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔

"محترمہ عالیہ --- میں آپ کے راز کو جان سے زیادہ عزیز رکھوں گی۔" نیل سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "آپ مجھ پر پورا اعتماد کر سکتی ہیں۔ آپ پر جان قربان کر دینے مجھے خوشی ہو گی۔"

"بس بس۔ اعتبار آگیا مجھے۔ کل تمہارا امتحان لوں گی۔" درشہوار نے مسکرا کر کہا گلے میں پڑا قیمتی ہار نیل کے حوالے کر دیا۔

نیل بہت خوش تھی کہ اسے مستقل سہارا مل گیا۔ درشہوار نے اسے یقین دلایا تھ وہ نیل کو اپنے سے جدا نہیں کرے گی اور اسے یہ محل چھوڑ کر کسی اور جگہ جانا پڑا تو نیل کو اپنے ساتھ لے جائے گی۔ اس رات اسے خوشی کے مارے نیند نہیں آرہی تھ درشہوار کے پاس سے وہ اٹھ کر وہ دیر میں آئی تھی۔ اس نے بڑے دل سے درشہوار

ی مالش کی تھی۔ وہ روز دو شہوار کا سر دباتی تھی کہ آج جس انداز سے نیل نے اس کا دبایا اس سے درشہوار بڑا سرور حاصل ہوا۔ کہاں تو یہ حال تھا کہ درشہوار نیل کے نے کے بعد گھنٹوں کروٹیں بدلتی تھی تب کہیں جا کے اسے نیند آتی تھی لیکن اس رات کے سر دبانے سے اسے ایسی لذت حاصل ہوئی اور سکون ملا کہ اس کی آنکھیں بند نے لگی۔ اس کا دل چاہا کہ نیل کو رخصت کر کے خواب کا لطف اٹھائے لیکن اسے خیال کہ کہیں نیل کو اس کی بات ناگوار نہ گزرے۔ اس لئے وہ خاموش پڑی رہی۔ پھر نہ نے کب اسے نیند آگئی اور نیل غلام گردش میں اپنے کمرے میں چلی گئی۔

صبح کو درشہوار بیدار ہوئی تو اس کی طبیعت معمول سے زیادہ ہشاش بشاش تھی۔ نیل جلدی سے اس کی خدمت میں پہنچ گئی تھی۔ اس نے درشہوار کو منہ ہاتھ دھونے میں دی۔ اتنے میں ناشتہ تیار ہو کر آگیا۔ درشہوار نے نیل کو ناشتہ میں اپنے ساتھ شامل کر ۔ اس طرح چوبیس گھنٹے کے اندر اندر دونوں میں خاصی بے تکلفی اور دوستی پیدا ہو گئی۔ شہوار اپنے حسن سلوک اور حسن کلام سے نیل کو اپنا گرویدہ کر رہی تھی تاکہ اس سے ب مرضی کام لے سکے۔ دوسری طرف نیل بھی اس کے آگے بچھی جا رہی تھی اور شہوار کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

درشہوار ایسے دریچہ کے پاس بیٹھی تھی جہاں سے محل کے قریب سے گزرنے والے اف نظر آتے تھے۔ دو گھڑی دن چڑھا تھا کہ درشہوار کو سامنے سے طبیب اعظم گزرتے ھائی دیئے۔ انہوں نے اپنی سواری پہلے ہی چھوڑ دی تھی۔ جب وہ محل کے بالکل قریب ئے تو درشہوار نے ٹہوکا مار کر نیل کو کھڑا کر دیا۔

"ادھر دیکھو نیل۔ وہ سامنے کون جا رہا ہے؟" درشہوار نے اشارہ سے بتایا۔

نیل مسکرائی۔ "آپ میرا امتحان لے رہی ہیں محترمہ عالیہ۔ یہ اپنے طبیب اعظم ہیں۔ یگمات کی نبض دیکھنے روز آتے ہیں۔"

"ہاں نیل یہ طبیب اعظم ہیں۔" درشہوار نے سنبھل کے کہا۔ "تمہارا کام یہ ہے کہ ب طبیب اعظم واپس جانے لگیں تو تم انہیں میرے پاس لے آنا۔"

"اللہ خیر کرے!" نیل نے گھبرا کر درشہوار کو دیکھا۔ "خیریت تو ہے آپ کے مزاج کیسے ہیں۔؟"

"طبیعت کچھ خراب ہے۔---" درشہوار آواز دبا کر بولی۔ "انہیں بلا کے لاؤ گی تو معلوم ہو جائے گا کہ مجھے کیا بیماری ہے۔---"

"کیا کہوں ان سے؟" نیل نے پوچھا۔

"کہہ دینا درشہوار کی طبیعت خراب ہے۔" درشہوار نے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے۔۔" نیل سرہلاتی ہوئی باہر کی طرف چلی۔
درشہوار نے ہمت کر کے طبیب اعظم کو بلاوا تو بھیج دیا تھا لیکن اندر ہی اندر تھی کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ پھر اس نے دریچہ بند کر دیا اور اپنے کمر آگئی۔ اب اس پر انتظار کی کیفیت طاری تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا' اس کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ڈیڑھ دو گھنٹے اس کے بڑی بے چینی اور الجھ گزرے۔ وہ کئی بار دریچے کے پاس گئی کہ کھول کے باہر دیکھے لیکن پھر سوچ کے آگئی۔

اس وقت نیل اسے واپس آتے دکھائی دی لیکن وہ تنہا تھی۔ طبیب اعظم ا ساتھ نہ تھے۔ درشہوار کا دل دھک سے رہ گیا۔ کہیں راز تو نہیں کھل گیا یا پھر طبیب نے ملنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ اس قدر گھبرا گئی تھی کہ نیل اس کے پاس آکر گئی اور درشہوار کو اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہ پڑی بلکہ اسے آتے دیکھ کر وہ آنکھ کر کے لیٹ گئی۔
"محترمہ عالیہ۔۔" نیل نے آہستہ سے آواز دی۔
"ہوں۔۔" درشہوار نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"میں نے طبیب اعظم سے کہا تھا۔۔" نیل نے دھیمی آواز میں کہا۔
"اتنا آہستہ کیوں بول رہی ہو۔ کیا طبیب اعظم نے تمہیں ڈانٹا ہے۔" درشہ پوچھا۔
"ڈانٹتے کیوں مجھے؟" نیل نے جواب دیا۔ "وہ بے چارے تو بہت اچھے ہیں۔ نے میرا نام پوچھا۔ خیریت معلوم کی۔ اتنے بڑے آدمی ہیں اور مجھ جیسی معمولی خیریت پوچھتے ہیں۔ کیوں محترمہ عالیہ ہیں نا وہ اچھے اپنے طبیب اعظم؟"
درشہوار کڑھ بھی رہی تھی اور لطف بھی لے رہی تھی۔۔ "وہ تو اچھے ہیں مگر انہوں نے کیا جواب دیا؟"
"بہت اچھا جواب دیا۔" نیل پھولے نہ سماتی تھی۔۔ "ایسی نرمی سے بات کر کہ بس سنا کرے۔ محترمہ عالیہ آپ نے کبھی ان سے بات کی ہے؟"
"نیل۔۔۔ نیل۔ یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم۔" درشہوار چیخ پڑی۔ "میں نے کس لئے بھیجا تھا؟"
"میں نے کہا تھا ان سے" نیل گھبرا گئی۔ "میں نے کہا کہ محترمہ عالیہ آپ کو

ہیں۔" اتنا کہہ کر نیل پھر جیسے سوچ میں پڑ گئی۔
درشہوار نے ڈانٹا۔ "نیل تم جواب دے رہی ہو کہ مذاق کر رہی ہو؟"
نیل نے سر کو جھٹکا دیا اور بولی۔ "معاف کیجئے محترمہ عالیہ۔ طبیب اعظم ایسی اچھی باتیں کرتے ہیں کہ میں اس میں کھو کے رہ گئی۔ اب میں آپ کو سب باتیں بتاتی ہوں۔ انہوں نے میرا نام پوچھا۔ حال پوچھا پھر دیر تک آپ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔۔۔"
"میرے بارے میں کیا باتیں کرتے رہے؟" درشہوار نے دلچسپی سے پوچھا۔
"وہ کہہ رہے تھے۔ زمانے نے کیسا انقلاب دکھایا ہے۔ محترمہ عالیہ کس محل میں تھیں اور اب کہاں آگئی ہیں۔ سینکڑوں کنیزیں ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھیں۔ دن بھر سلام ہوتے تھے۔ محترمہ عالیہ جہاں جاتی تھیں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں۔ امیرالمومنین تو آپ کو آنکھ میں رکھتے تھے۔ سر پر بٹھاتے تھے۔ انہوں نے جتنا پیار آپ کو دیا۔۔۔۔۔۔"
"اچھا یہ باتیں رہنے دو۔ طبیب اعظم آئے کیوں نہیں۔" درشہوار نے بات مختصر کر دی۔
"وہ آنے کو تیار تھے لیکن داروغہ۔۔۔ وہی محلوں کا داروغہ بڑا بد ذات ہے۔" نیل نے چبا چبا کے کہنا شروع کیا۔ "طبیب اعظم کہنے لگے کہ وہ آپ کا نام داروغہ کے دفتر میں لکھا دیں گے۔ بس پھر آئیں گے۔"
"کب آئیں گے کوئی دن تاریخ بتائی ہے۔" درشہوار الجھنے لگی۔
"ہاں ہاں جی۔۔ تاریخ بتائی ہے۔ کل کیا تاریخ ہے محترمہ عالیہ؟" نیل سر پکڑ کے سوچنے لگی۔
"تاریخ ڈالو چولھے میں۔ کیا کل آ رہے ہیں طبیب اعظم؟" درشہوار بے چین ہو گئی۔
"جی ہاں کل آئیں گے یا پرسوں۔ کہتے تھے دو چار دن میں کسی وقت آجاؤں گا۔" نیل نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے کہا۔ "محترمہ عالیہ۔ آپ میری سفارش کر دیجئے گا ان سے۔"

"کاہے کی سفارش۔ تمہیں کیا ہوا ہے؟" درشہوار نے حیرانی سے پوچھا۔
"وہی جی میری آنکھ کے سفید داغ کے لئے۔" نیل نے معصومیت سے کہا۔
"کیوں وہم کرتی ہے نیل۔ اچھی خاصی صورت ہے۔ دوسرے کو اپنا عیب بتانے سے بکی ہوتی ہے۔" درشہوار نے ہمدردی کی۔۔ "جو نہیں جانتا اسے کیوں بتاؤ تم۔ اگر خدانخواستہ یہ داغ بڑھنے لگے تو پھر طبیب سے بتانا ضروری ہے۔"

"آپ ٹھیک فرماتی ہیں محترمہ عالیہ۔۔" نیل کی سمجھ میں درشہوار کی بات آگ
"کیوں بتاؤں کسی کو اپنا عیب۔ بس آج سے داغ کے بارے میں بالکل نہیں سوچوں گی۔

دوسرے دن ابھی سویرا ہی تھا کہ نیل بھاگتی ہوئی درشہوار کے کمرے میں داخل ہو
درشہوار ابھی بستر پر تھی۔ آہٹ پا کر پلٹ کے دیکھا۔ سامنے نیل کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے نیل۔ اتنے سویرے کیوں آئی ہو؟" درشہوار نے نرمی سے پوچھا۔

"جی وہ۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔ آگئے ہیں محترمہ عالیہ۔۔۔" نیل اب تک ہانپ ر
تھی۔

"کون آگئے؟" درشہوار نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔

وہ حیران اس لئے تھی کہ اس کا ملنے والا نہ تھا۔

"عالیہ محترمہ وہی۔ اپنے طبیب اعظم۔" نیل نے درشہوار کو چونکا دیا۔

"ارے طبیب اعظم۔" درشہوار اچھل کے کھڑی ہو گئی۔ "دوڑ کے جاؤ۔ انہیں مہ
خانہ میں لے جاؤ۔"

نیل مسکرائی پھر ہنسنے لگی۔

"کیا کھڑی کھڑی ہنس رہی ہے۔ جاتی کیوں نہیں۔" درشہوار نے مصنوعی غصہ
کہا۔

"محترمہ عالیہ۔۔۔۔ کیا آپ مجھے بے وقوف سمجھتی ہیں۔" نیل نے جواب دیا۔ "
انہیں مہمان خانہ میں پہنچا کے آپ کو اطلاع دینے آئی ہوں۔"

"شاباش۔ شاباش۔ ہماری نیل کتنی عقلمند ہے۔" درشہوار نے اس کی دل سے تعر
کی۔ "اب میں تجھے کبھی نہیں چھوڑوں گی۔"

"اب آپ جلدی سے تیار ہو جایئے محترمہ عالیہ۔" نیل نے بزرگانہ انداز میں ک
"مہمان کو زیادہ انتظار نہ کرانا چاہئے۔"

"وہ مہمان نہیں میرے طبیب ہیں۔ میرے بلاوے پر آئے ہیں۔" درشہوار نے ک
"میں تیار ہو رہی ہوں۔ تم ذرا مشاطہ کو بلا لاؤ۔ بال ٹھیک کراؤں گی۔"

نیل مشاطہ کو بلانے چلی گئی۔

طبیب اعظم مہمان خانہ میں بیٹھے الجھ رہے تھے۔ وہ کل شام ہی کو داروغہ محلات
الدین قراقوش کے پاس پہنچے تھے۔ قراقوش اتفاق سے دفتر میں موجود تھا۔ وہ انتہائی بدد
اور سخت ہونے کے باوجود طبیب اعظم کو دیکھ کے کھڑا ہو گیا۔ طبیب اعظم کو بڑی عز
سے بٹھایا اور نرمی سے آنے کا سبب دریافت کیا۔ طبیب اعظم نے بتایا کہ امیرالمومنین

بیوہ درشہوار نے انہیں اپنے علاج کے لئے بلایا ہے۔ قراقوش کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔
اس نے جس عزت سے خوش آمدید کہا تھا اسی عزت سے انہیں رخصت کیا اور پھر صبح
ہوتے ہی طبیب اعظم درشہوار کے محل پر پہنچ گئے۔

"طبیب اعظم۔" نیل کی آواز پر طبیب چونک پڑا۔

"کیا بات ہے کہو۔" طبیب نے سنبھل کے کہا۔

"آپ کو تھوڑا سا انتظار کرنا ہو گا۔" نیل نے جواب میں کہا۔

"کیوں ۔۔۔ کیا درشہوار اس وقت تک سو رہی ہیں؟" طبیب اعظم نے قدرے
ناگواری سے پوچھا۔

"جی نہیں طبیب اعظم محترمہ عالیہ بیدار ہو چکی ہیں" نیل نے ہلکی سی سوخی سے کہا۔

"جب تک درشہوار نہیں آتیں تم میرے پاس ٹھہرو گی" پتہ نہیں طبیب اعظم کیوں کیا
شائد وہ تنہا بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تھا۔

"مگر وہ ۔۔۔۔" نیل انگلیاں چٹخانے لگی "محترمہ عالیہ نے مجھے آواز دی تو ۔۔۔۔
غضب ہو جائے گا طبیب اعظم ۔۔۔ مجھے آپ جانے دیجئے"

"ایک شرط پر جا سکتی ہو" طبیب اعظم نے بڑے رعب سے کہا۔

"جی ۔۔۔۔ جی ہاں ۔۔۔ شرط ۔۔۔۔ بتایئے شرط" نیل اپنی جان چھڑانا چاہتی تھی۔

"شرط یہ ہے کہ سچ سچ بتا دو کہ درشہوار کیا کر رہی ہیں؟" اور وہ مسکرانے لگے۔

"طبیب اعظم! آپ نے تو مجھے ڈرا دیا تھا ۔۔۔" نیل بھی مسکرائی "میں نے جب آپ
کے آنے کی اطلاع دی تو محترمہ عالیہ بستر میں تھیں آپ کا نام سن کے چونکی پھر فرمایا کہ
آپ کو مہمان خانے میں بٹھایا جائے جب میں آپ کی طرف آئی تو انہیں گیسو سنوارنے
کے لئے مشاطہ کو بلوایا تھا میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت لباس تبدیل کر کے گیسو سنوار روا
رہی ہوں گی"

"بہت اچھی گفتگو کرتی ہو کیا نام ہے تمہارا؟"

"نیل"

"نام بھی بہت اچھا ہے" طبیب نے تعریف کی "اب تم جا سکتی ہو"

"کیا میں چلی جاؤں؟"

"تمہاری مرضی ۔۔۔۔ مگر میں نہیں روکتا" طبیب اعظم پریشان ہو گیا اس نے تو بس
معلومات حاصل کرنے کے لئے نیل سے شوخی کی تھی لیکن وہ تو جیسے پیچھے لگ گئی۔

نیل پژمردہ ہو کر چلنے لگی حالانکہ اس کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا وہ طبیب اعظم کے

منہ سے اپنی تعریف سننا چاہتی تھی۔
درشہوار واقعی لباس تبدیل کر کے اور بال بنوا کے واقعی پری بن چکی تھی نیل کو دیکھ
ہی بولی "طبیب اعظم کو لے آؤ"
نیل کو شوخی سوجھی بولی "محترمہ عالیہ ---- طبیب اعظم تو بعد میں دیکھیں گے پ
میں تو اس چودھویں کے چاند کو دیکھ لوں"
سیاہ لباس میں اس کا گلاب جیسا چمکتا چہرہ بدلی سے نکلا ہوا چاند ہی معلوم ہوتا
درشہوار نے شرماتے ہوئے کہا "چل ہٹ رہنے دے، بلا کے لا انہیں"
نیل اٹھلاتی ہوئی چلی۔
طبیب اعظم کو پسینے چھوٹ رہے تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ درشہوار ان کی آمد
بناؤ سنگھار کر رہی ہے [illegible] ت خوش ہوئے لیکن یہ خیال کر کے گھبرا گئے کہ اگر درشہوا
نے ان سے پوچھا کہ اب تک اس کی خبر کیوں نہ لی تو وہ کیا جواب دیں گے۔
"چلئے آپ کی طلبی ہوئی ہے" نیل نے اٹھلا کے کہا۔
طبیب اعظم نے چونک کے دیکھا "اچھا ---- کیا میں چلوں۔ مجھے بلایا ہے درشہوار
نے؟"
"جی ہاں آپ کو طلب کیا گیا ہے حسن کے دربار میں ذرا سنبھل کے جایئے گا" طبیب
اعظم پہلے ہی بوکھلائے ہوئے تھے نیل کی اس بات پر اور زیادہ بوکھلا گئے۔
"کیوں - کیا بات ہے کیا مزاج بگڑا ہوا ہے درشہوار کا" طبیب کے بڑھتے قدم اک دم
رک گئے تھے۔
"جی ہاں شعلہ جوالہ بنی بیٹھی ہیں خاک ہو جایئے گا دم کے دم میں" نیل نے ان کا
اور خون خشک کر دیا۔
"اچھا چلو دیکھا جائے گا"
طبیب اعظم، نیل کے پیچھے پیچھے چلنے لگے درشہوار ان کی پیشوائی کے لئے اپنی خواب
گاہ کے دروازے پر کھڑی تھی طبیب اعظم نے جھجکتی ہوئی نگاہ اٹھائی اور درشہوار کو دیکھا
پھر وہ آگے نہ بڑھ سکے اور بت بنے حسن کے اس پیکر کو دیکھتے رہے سیاہ ماتمی لباس میں اس
کا حسن نکل کر رہ گیا تھا اس پر غضب یہ کہ درشہوار اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی طبیب
اعظم کے پیر کانپ رہے تھے اور درشہوار اس کی اس کیفیت سے محظوظ ہو رہی تھی۔
ادھر یہ منظر تھا اور دوسری طرف نیل کی حالت دیکھنے کے قابل تھی وہ ان دونوں کے
درمیان سے ذرا ہٹ کے کھڑی ہو گئی تھی لیکن طبیب اعظم اور درشہوار کی نظروں کے

ا کو دیکھ کر ہونق بن گئی تھی وہ کبھی درشہوار کو دیکھتی اور کبھی طبیب اعظم کو، طبیب
م تو خیر بوکھلائے ہوئے تھے درشہوار کا حسن ہی ایسا تھا کہ جو دیکھ پاتا دیوانہ ہو جاتا لیکن
رشہوار کو کیا ہوا تھا وہ بھی طبیب اعظم کو اک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔
"درشہوار کے مزاج کیسے ہیں؟" طبیب اعظم نے آخر بات شروع کی۔
"شکر ہے - اچھی ہوں۔ آپ اپنی سنایئے؟" درشہوار نے جواب دیا اور پھر نیل کو دیکھ
کچھ اشارہ کیا۔
نیل چپکے سے ایک طرف چلی۔
درشہوار نے اسے تاکید کی "ذرا خیال رکھنا"
"جی اچھا ----" نیل نے جواب دیا اور ایک طرف نکل گئی۔
"مہمان کو بیٹھنے کو بھی نہیں کہو گی؟" طبیب اعظم مسکرا پڑے۔
"میں آپ کو مہمان نہیں سمجھتی ہاں اگر آپ مہمان ہی بننا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو
ان خانہ میں ٹھہرنا ہو گا" درشہوار نے ہنس کے کہا۔
"میں بلاوے پر آیا ہوں اب چاہے جہاں ٹھہراؤ میں ہر بات میں خوش ہوں" طبیب
م اس کے حسن سے پوری طرح مرعوب ہو گئے تھے۔
"فی الحال تو آپ میری خواب گاہ میں تشریف لایئے"
دونوں کمرے میں آ گئے درشہوار مسہری پر طبیب اعظم ایک مرصع آبنوسی کرسی پر بیٹھ
۔
"ہاں - اب بتایئے - آپ میرے بلاوے پر کیوں آئے آپ کا دل کبھی نہ چاہا آنے
" درشہوار نے ایک ادائے خاص سے کہا۔
"میرے قدم احتیاط نے پکڑ رکھے تھے درشہوار" طبیب اعظم نے بتایا "اس دوران
ے بڑے انقلاب آئے پرانے ندیم و امیر ادھر ادھر ہو گئے کچھ گوشہ نشیں ہو گئے جو لوگ
عمل تھے انہیں جاگیریں دے کر سرحدوں پر بھیج دیا گیا تمام شہری جائدادیں بحق سرکار
ط ہو گئیں قصر کبیر اجڑ گیا تمام ہیرے جواہرات سونا چاندی قیمتی ظروف اور اعلیٰ درجہ کا
نوسی اور بلوری ساز و سامان کھڑے کھڑے فروخت کر دیا گیا بعض چیزیں تو ایسی نایاب
یں کہ دنیا کے کسی خزانہ میں نہ ہوں گی"
درشہوار نے ایک آہ کھینچی "وہ ہماری تقدیر میں نہ تھیں اتنا خزانہ اور مال و اسباب پا
ے تو وزیراعظم خوش ہو گئے ہوں گے ان سے امیر تو کوئی بادشاہ نہ ہو گا"
"نہیں درشہوار ----" طبیب اعظم سنجیدہ ہو گیا "وزیراعظم نے اس میں سے ایک

چیز بھی نہ لی اور درہم و دینار میں نہ ہاتھ لگایا"

"جی —— کیا فرمایا آپ کے وزیراعظم نے کچھ نہیں لیا تو یہ سب کسے دیا گیا" ،
نے حیرانی سے پوچھا۔

طبیب اعظم نے کرسی پر پہلو بدلا "اس معاملہ میں وزیراعظم صلاح الدین نے
مثال قائم کر دی اس نے شاہی خزانہ کا نام بیت المال رکھا تمام ہیرے جواہرات ا
سامان نیلام عام سے فروخت کر کے کروڑوں دینار بیت المال میں داخل کئے اس پیسہ
سے عوامی اور فلاحی کام ہوں گے اسکول شفا خانے اور مکتب خانے کھولے جائیں
وزیراعظم نے اپنی مقررہ تنخواہ کے علاوہ ایک حبہ بھی بیت المال سے نہیں لیا ہاں ا
کچھ چیزیں بطور تحفہ اپنے سلطان کو بھیج دیں اور کچھ ساماں امیروں میں تقسیم کر
اپنے پاس کوئی چیز نہیں رکھی حالانکہ لوگوں کا خیال تھا کہ قاہرہ کی دولت سے دمش
خزانے بھر جائیں گے"

"خیر —— چھوڑیئے ان باتوں کو" درشہوار نے بے دلی سے کہا "اس دولت کا ذ
ہے جو ہماری تقدیر میں نہیں اب چاہے وہ قاہرہ میں رہے یا دمشق پہنچ جائے آپ
مستقبل کا حال بتایئے یہ کس طور گزرنے گا؟"

"میں شائد تم سے زیادہ بے چین رہا ہوں درشہوار" طبیب اعظم نے کہا "مجھے ا
دن تک یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ تم کہاں ——"

"بس رہنے دیجئے' آپ منہ دیکھی باتیں کرتے ہیں" درشہوار نے ناگواری کے
میں کہا "اگر آپ کو میرا خیال ہوتا تو میری تلاش کرتے لوگ تو خدا کو ڈھونڈ لیتے ہیں"

"یہ بات نہیں ہے درشہوار" طبیب اعظم نے جواب دیا "انتظامی معاملات
وزیراعظم بہت سخت ہے بڑے بڑے امیروں کا قلع قمع کر دیا ہے اس نے' مجھے اپنا
بچانا مشکل ہو رہا تھا وہ تو پچھلے دنوں میں نے چار پانچ شاہی امیروں کا علاج کیا تھا او
سے خوش تھے ورنہ مجھے بھی جواب مل گیا ہوتا امیرالمومنین کی آنکھ بند ہوتے ہی جا
جال بچھ گیا تھا میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی تمہارے بارے میں یوں نہ دریاف
کہ قراقوش نے بڑی سختی کر رکھی تھی میں نے سوچا کہ لینے کے دینے نہ پڑ جائیں پھر
خیال تھا کہ امیرالمومنین نے تمہارے لئے مراعات حاصل کر لی تھیں تم جہاں بھی
آرام سے ہو گی"

"طبیب اعظم ——" درشہوار نے مایوسی سے کہا "آرام دراصل دل اور دماغ
ہے غریب کا دل غنی ہوتا ہے اس لئے وہ اپنی جھونپڑی میں بھی پیر پھیلا کے سوتا ہے

اگر بادشاہ ہو مگر دل بے چین ہو تو محلوں میں بھی چین نہیں ملتا مجھے ایک محل ملا پھر دوسرا
اس سے اچھا ملا مگر دل کو اطمینان نہیں سوائے اس کنیز نیل کے اور کوئی نہ تو ہمدرد ہے اور
نہ کسی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ایک دن آپ نظر آتے تو دل کو کچھ عجب طرح کی خوشی
ہوئی پھر کئی دن آپ دکھائی نہیں دیئے پھر دل ایسا بے چین ہوا کہ بھوک پیاس اڑ گئی روز
آپ کے آنے کے وقت دریچے میں جا بیٹھتی مگر آپ جیسے ادھر کا راستہ ہی بھول گئے"

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میرا ایک بار پھر ادھر آنا ہوا اور نیل مجھے ملی اس نے
تمہارا پیغام کیا دیا جیسے خزاں رسیدہ چمن میں بہار آگئی شکر ہے کہ آج تمہارا دیدار ہو رہا
ہے"

"اب بتایئے نا —— میرے لئے کیا کرنا ہے —— یا مجھے کیا کرنا چاہئے ——؟"
درشہوار نے بڑی امیدوں سے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا تم بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے بتاؤ نہیں تو مجھے حکم دو" طبیب اعظم نے
اپنا دل کھول کے رکھ دیا۔

"مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں نہ کھانے کی نہ کپڑے کی" درشہوار بڑے خلوص سے
اقبال کیا "وزیراعظم نے بھی ایک دن بلوایا تھا بڑی مہربانی سے پیش آئے اور رہنے کے لئے
پہلے سے زیادہ اچھا محل دینے کا حکم دیا"

طبیب اعظم نے درشہوار کو پہلے غور سے دیکھا پھر دریافت کیا "وزیراعظم کی مہربانی میں
کوئی غرض تو پوشیدہ نہیں تھی؟"

"بالکل نہیں ——"

"کوئی بناوٹ یا لگاوٹ؟"

"ایسی کوئی بات نہیں تھی طبیب اعظم" درشہوار نے الجھتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی اسی خاص مہربانی کی کوئی وجہ تو ضرور ہو گی؟" طبیب اعظم کو اطمینان نہ ہو رہا
تھا۔

"میں نے بتایا تو آپ —— امیرالمومنین نے وزیراعظم سے وعدہ لیا تھا کہ اس کی
موت کے بعد میرے اعزازات اور محل وغیرہ اسی طرح برقرار رہیں گے" درشہوار نے
تفصیل بیان کی "قصر کبیر تو بحق سرکار ضبط ہو گیا اس لئے اس میں تو کسی کو بھی حصہ نہ ملا'
مجھے بھی چند عورتوں کے ساتھ رکھ گیا پھر یہ محل دیا گیا"

"اچھا یہ بتاؤ' تمہارا اپنا کیا ارادہ ہے" طبیب اعظم نے اس سے سوال کیا۔

"میں آپ کے وعدہ کا انتظار کر رہی ہوں" درشہوار نے شرما کے کہا۔

"یعنی تم میرے ساتھ رہنا پسند کرو گی؟" طبیب اعظم اس سے واضح الفاظ میں سننا تھا۔

"جی ہاں ---- ہم دونوں نے یہی عہد کیا تھا" درشہوار نے کہا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری بیوی کے علاوہ دو بچے بھی ہیں جو جوانی میں قدم رہے ہیں" طبیب اعظم نے صاف الفاظ میں کہہ دیا۔

"میں دو جوان بچوں کی ماں بننا پسند کروں گی" درشہوار نے فیصلہ کر دیا۔

طبیب اعظم نے اطمینان کا سانس لیا "مجھے تمہارے فیصلہ سے بڑی خوشی ہوئی' خیال تھا کہ شائد تم بھی کسی شامی امیر کو پسند کرو گی"

"کیوں ---- کیا شامی امیروں میں سرخاب کے پر لگے ہوتے ہیں" درشہوار نے کیا۔

طبیب اعظم نے جواب دیا "دنیا چڑھتے سورج کی پرستش کرتی ہے۔ اس وقت ش لشکر مصر پر قابض ہے اس لئے اکثر شاہی بیگمات اور دوسری خواتین اپنے مفاد کی خا شامیوں سے رشتہ کی خواہشمند ہیں میں نے سنا ہے اس مضمون کی درخواستیں قراقوش معرفت وزیراعظم کو بھیجی جا چکی ہیں مرحوم امیرالمومنین چاروں بیواؤں اور بہنوں نے ش امیروں سے شادی کی خواہش کی ہے"

"کیا امیرالمومنین سے متعلق کوئی عورت کسی مصری امیر سے شادی کی درخواست ن دے سکتی؟" درشہوار نے سوال کیا۔

"ضرور درخواست کر سکتی ہے بشرطیکہ کوئی مصری امیر اسے قبول کرنے پر آمادہ ہ طبیب اعظم نے جواب دیا۔

"آپ کا شمار بھی مصری امیروں میں ہوتا ہے" درشہوار نے دریافت کیا۔

"بے شک ---- مگر میں ایسا امیر ہوں جس کا حال تم جانتی ہو" طبیب اعظم بولا۔

"میں اپنی درخواست قراقوش کی معرفت وزیراعظم کو بھیج رہی ہوں میرا خیال ہے آپ سے رضامندی حاصل کی جائے گی"

"میں تو پہلے ہی غلام ہو چکا ہوں" طبیب اعظم نے ہنس کے کہا۔

"میں کب درخواست بھیجوں؟" درشہوار نے دریافت کیا۔

"کچھ دن انتظار کرنا ہو گا حالانکہ مجھے تم سے زیادہ جلدی ہے" طبیب اعظم نے ...ہی بیگمات کی درخواستوں کا فیصلہ اس جمعہ تک ہونے کا امکان ہے"

دونوں کی یہ ملاقات بڑی کامیاب رہی طبیب اعظم جس حور کو حاصل کرنا چاہتے تھے

ن کی گود میں پکے آم کی طرح آگری تھی طبیب اعظم نے بتایا تھا کہ بیگمات کی درخواستیں ں جمعہ تک نمٹ جائیں گی اس کے بعد دوسری خواتین کے لئے راستہ کھل جائے گا شہوار بہت خوش تھی۔ اس سے زیادہ نیل خوش تھی اس کی مالکہ کو محل کی قید سے یا ں کہنا چاہئے کہ داروغہ محلات بہاء الدین قراقوش کی قید سے نجات مل رہی تھی اس کی ۔نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ خود آزاد ہونے کے بعد نیل کو بھی آزاد کر دے گی اور وہ ں غلام یا جس مرد سے شادی کرنا چاہے گی اس کے ساتھ اس کا عقد کر دیا جائے گا ادھر ب اعظم کی مسرتوں کا حال دیکھنے والا تھا وہ اگرچہ ادھیڑ عمر کا تھا لیکن کھلائی پلائی اور علم ، کے زور پر اس میں جوانوں جیسی طاقت موجود تھی اور چہرے مہرے سے بھی وہ تیں ں سال سے زیادہ کا نہ معلوم ہوتا تھا اس کے دو لڑکے جوان ہو رہے تھے لیکن اس پاس اتنی دولت تھی کہ وہ دو بیویوں کے اخراجات آسانی سے پورے کر سکتا تھا۔

جیسا کہ قارئین پڑھ چکے ہیں کہ سوڈانیوں نے اپنے اقتدار کے لئے خلیفہ عاضد کی ، ہی میں بغاوت کر دی تھی اور پچاس ہزار سوڈانی جنہیں مصری امراء کی حمایت حاصل صلاح الدین کے خلاف اک دم اٹھ کھڑے ہوئے تھے لیکن صلاح الدین نے کچھ اپنی ، عملی اور کچھ طاقت سے ان کا قلع قمع کر دیا تھا صلاح الدین نے سوڈانیوں کی مرکزیت کر دی تھی اور یہ لوگ شمالی مصر کی طرف بھاگ گئے تھے بظاہر ان کا خاتمہ ہو گیا تھا اندرون خانہ یہ لوگ سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے ان کے تعلقات قاہرہ یقیم ایسے مصریوں سے تھے جن کے امیروں کو دور دراز صوبوں میں بھیج دیا گیا تھا ان لاوہ ان سوڈانیوں نے شاہی خاندان کے بعض افراد جن میں کچھ شہزادے بھی شامل ی تعلقات تھے یہ سب لوگ وقت کا انتظار کر رہے اور بغاوت کی آگ اندر ہی اندر ہی تھی۔

رئین اس جمعہ کو جب بیگمات کی درخواستوں کا فیصلہ ہونا تھا تو شہر میں اک دم افواہ ، باغی سوڈانیوں نے بغاوت کر دی ہے اور وہ قاہرہ تک پہنچ گئے یہ افواہ اس تیزی لی کہ عمائدین سلطنت اور امرائے نوریہ پریشان ہو گئے اس افواہ میں اس وقت اور پیدا ہو گئی جب بیان کیا گیا کہ مصر کے مرحوم امیرالمومنین خلیفہ عاضد کا بڑا لڑکا داؤد ر نے خلافت اور امارت کا دعوی کیا ہے اور سوڈانیوں اور بعض مصری امرا نے اس ، پر بیعت کر لی تھی۔

ں خبر کا پھیلنا تھا کہ تمام شاہی محلات کا محاصرہ کر لیا گیا اور شہزادہ داؤد بن عاضد کی روع ہوئی شہزادہ داؤد نے جو یہ خبر سنی تو وہ خوفزدہ ہو گیا اور بڑی خاموشی کے ساتھ

کسی اور محل میں جا کے چھپ گیا اس کو شاید خیال یہ آیا ہو کہ اسے گرفتار کر
دیا جائے گا ادھر جب ایک فوجی دستہ داؤد بن عاضد کو لینے اس کے محل پر پہنچا تو ا
سے غائب پایا پھر کیا تھا محل محل سخت تلاشی شروع ہو گئی اور اس تلاشی میں ا
برتی گئی کہ بیگمات اور شاہی خاندان کے افراد نے اس خانہ تلاشی کو اپنی توہین
مزاحمت شروع کر دی اس طرح ایک ہنگامہ کی صورت پیدا ہو گئی بہاء الدین ق
داروغہ محلات تھا اور اس علاقہ کی ذمہ داری اس پر تھی' وہ اس صورت حال
پریشان ہوا اور فوراً وزیراعظم کے پاس گیا۔

مصر کے وزیراعظم صلاح الدین کو بھی ان افواہوں اور خبروں کی اطلاع پہلے
تھی قراقوش نے مزید بتایا کہ "محاصرہ کے بعد شہزادے داؤد بن عاضد کی گرفتاری
جب محلات کی تلاشی لینا شروع کی تھی تو شاہی خاندان کے افراد نے ہنگامہ کر
الدین کو سخت غصہ آیا اس نے کہا "اگر شہر میں افواہ پھیل جائے تو کیا تم بغیر
جنگ شروع کر دو گے آخر تم نے محلات کا محاصرہ کیوں کیا جبکہ وہ علاقہ پہلے
تمہارے نگہداشت میں ہے؟"

"محترم وزیراعظم" قراقوش نے معذرت کے انداز میں کہا "مجھے بتایا گیا کہ ا
میں شہزادہ داؤد بن عاضد شامل ہے تو میں نے محاصرہ کا حکم دیا"

"قراقوش' تمہیں معلوم تھا کہ اس علاقہ میں اس ملک کے سابق حکمرانوں
اقارب مقیم ہیں پھر بھی تم نے محاصرے کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش
صلاح الدین نے بڑے طیش سے کہا "تم نے شاہی خاندان کی توہین کی ہے اور
گئی مراعات کا مذاق اڑایا ہے تم نے اپنے احکامات میں آمریت کا اظہار کیا حا
مروت کا حکم دیا گیا تھا تمہارے بجائے یہ ذمہ فقیہ عیسیٰ ہکاری کو سونپی جا
دارالوزارت میں رہو گے ----"

صلاح الدین نے قراقوش کو فوری طور پر معزول کر دیا فقیہ عیسیٰ ہکاری کو
محاصرہ ختم کر کے شاہی خاندان کے افراد سے اس زیادتی پر معذرت کی جا
ہکاری نے اس حکم کی پوری پوری تعمیل کی شاہی خاندان کے افراد نہ صرف
بلکہ انہوں نے شاہی فوجی دستے کے ساتھ جو مزاحمت کا رویہ اختیار کیا تھا ا
مانگی۔ شام ہونے سے پہلے پہلے شہزادہ داؤد بن عاضد جو دوسرے محل میں
وہ باہر آگیا اور اس نے اعلان کیا کہ میں وزیراعظم کا وفادار ہوں۔ افواہیں اور
دم توڑ گئیں۔ اس سے اگر کسی کو نقصان ہوا تو وہ شاہی خاندان کی بیگمات
درخواستوں پر جمعہ کے بعد غور ہونا تھا مگر جمعہ کا پورا دن اس ہنگامہ میں گزر گیا۔

ایک انار سو بیمار

مسلمان بادشاہوں نے مصر کے صدر مقام کو جنوب سے شمال مشرق میں ہٹا کر کئی بار
د کیا تھا پہلا صدر مقام انفسطاط تھا۔ فسطاط کے معنی خیمہ کے ہیں اس کی بنیاد 641ء
مسلم جنرل اور دانشور ابن العاص نے رکھی تھی دوسرا در مقام العسکر تھا جسے 750ء
عباس جنرل کے کیمپ کی جگہ تعمیر کیا گیا تھا تیسرا صدر مقام ابن طولون نے 869ء میں
قطائی کے نام سے تعمیر کیا تھا پھر چوتھا اور آخری صدر مقام قاہرہ ہے جو آج تک بڑی
ب و تاب سے موجود ہے قاہرہ کی بنیاد 649ء میں اس وقت کے ایک فاطمی جنرل جوہر
رکھی فاطمیوں کا اصل مرکز شمالی افریقہ کے شہر قیروالون میں تھا پھر جب فاطمیوں نے مصر
کیا تو جنرل جوہر نے اپنے فاطمی آقا و خلیفہ معزالدین کی رہائش کے لئے القاہرہ جو بعد میں
ہرہ مشہور ہوا' کی بنیاد رکھی۔

اس شہر کا نام المدینہ بھی تھا جہاں خلیفہ اپنے بے شمار حرم' کنیزوں اور غلاموں کے
تھ رہا کرتا تھا محل کے گرد وزیروں' امیروں اور سرکاری دفتروں کی شاندار عمارتیں بنی
ئی تھیں اس کا وسیع احاطہ مضبوط دیواروں اور فارمن طرز کے عالیشان دروازوں سے
وظ کیا گیا تھا صلاح الدین نے فاطمی محلات کے خزانوں کا بیشتر حصہ اپنے آقا نورالدین
گی کو بھیج کر اس کے دل میں اپنے لئے اور زیادہ جگہ حاصل کر لی تھی ان بیش بہا خزانوں
بہت کم حصہ امرائے نوریہ میں تقسیم کیا گیا تھا خود صلاح الدین نے اپنے لئے کچھ بھی
ہیں لیا تھا اس نے فاطمی خلیفہ کے شاہی محل میں جانے کے بجائے دارالوزارت میں قیام
و ترجیح دی تھی اور قصر خلافت کو سرکاری دفتر میں تبدیل کر دیا تھا۔

صلاح الدین کے دل میں کچھ ہو لیکن بظاہر وہ سلطان دمشق نور الدین زنگی کا مطیع و
رمانبردار تھا قاہرہ کی تمام مساجد کے خطبوں میں سلطان دمشق کی صحت و سلامتی کی دعائیں

مانگی جاتی تھیں مصر میں جو سکے ڈھالے جاتے تھے اور ان میں سلطان دمشق کا نام
غرضیکہ صلاح الدین نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے اس کی فرمانبرداری پر آنچ آ
بھی وہ ان امرا کی طرف سے خائف تھا جو اسے قاہرہ میں چھوڑ کے دمشق واپس
تھے اور دربار میں رہ کر صلاح الدین کے خلاف سلطان کے ہر وقت کان بھرتے ر
اور شائد یہی وجہ تھی کہ صلاح الدین کے دل میں سلطان کی طرف سے ایک قسم
بیٹھ گیا تھا اور وہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ اگر اس کا کبھی سلطان سے سامنا ہوا یا سلطان
اس پر غلبہ حاصل کر لیا تو پھر اس کا زندہ بچنا ناممکن ہو گا۔

فاطمی خلیفہ العاضد کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی باب عالی یعنی سلطان دمشق
قاصد قاہرہ پہنچا اور اس نے دارالوزارت میں صلاح الدین سے ملاقات کی شاہی قا
تخلیہ میں ملاقات کی درخواست کی تھی اس لئے صلاح الدین نے اسے دارالوزارت
کمرے میں بلایا جہاں وہ امرا اور وزراء سے خصوصی ملاقات کرتا تھا قاصد نے حاض
پر سلام کے بعد صلاح الدین کو سلطان دمشق نور الدین زنگی کا ایک فرمان پیش کیا۔

صلاح الدین نے فرمان کو بوسہ دے کر اسے ریشمی خریطہ سے باہر نکال کے
فرمان میں صلاح الدین کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ فوری طور پر سرحدی قلعہ الشوبک پر
کے اسے تباہ کر دے صلاح الدین پر یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ اگر سلطان نے
محسوس کی تو وہ خود بھی صلاح الدین کی مدد کے لئے قلعہ الشوبک آجائے گا صلاح ا
اس فرمان سے بڑی مسرت ہوئی دراصل مصر کے حالات درست ہونے کے بعد صلا
کا دل اسے جہاد پر اکسا رہا تھا یہ ٹھیک ہے کہ صلاح الدین نے آج تک جتنی لڑائ
تھیں اس میں اس کا جذبہ جہاد کارفرما رہا تھا لیکن بالشوبک پر حملہ دراصل نصرانی
یعنی براہ راست شاہ یروشلم پر حملہ ہو گا۔

قلعہ الشوبک اور قلعہ کرک پر قبضہ کا منصوبہ صلاح الدین نے دو تین سال
بنایا تھا اس نے سوچ رکھا تھا کہ ذرا اطمینان ہوتے ہی وہ ان دونوں قلعوں پر ح
کرے گا کیونکہ الشوبک کا قلعہ سلطنت شام اور سلطنت مصر کی سرحد پر ایک سنتر
دیتا تھا اور دونوں ملکوں کے تجارتی قافلے ادھر سے ہی گزرتے تھے اس چھوٹے
شاہ یروشلم بالڈون اول نے 1115ء میں تعمیر کرایا تھا اس کی چمکدار سفید فص
پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھی اس پہاڑی پر زیتون کے باغات اور ترائی میں خوبانی
باغات تھے اتنی بلندی پر ہونے کی وجہ سے شامی قافلے قلعہ والوں کی نظروں سے
سکتے تھے اور ان کے لئے یہ قلعہ ایک مصیبت بنا ہوا تھا۔

صلاح الدین نے کچھ دن پہلے اپنے جاسوسوں کو خبردار کیا تھا کہ وہ موجودہ شاہ یروشلم
ایمالرک کی نقل و حرکت پر خصوصی نظر رکھیں اور اگر ایمالرک یروشلم سے باہر جائے تو
اس کی خبر فوراً قاہرہ پہنچائی جائے۔ چنانچہ صلاح الدین نے دمشق کے قاصد کو ایک ہفتہ
کے لئے قاہرہ میں ٹھہرا لیا صلاح الدین کے باپ نجم الدین ایوب نے اسے اچھی طرح سمجھا
دیا تھا کہ وہ جب دمشق کو قاصد بھیجے یا دمشق کا قاصد اس کے پاس آئے تو اس کا رویہ
بہت فدیانہ ہونا چاہئے تاکہ قاصد دمشق جاکر اس کی مہمان نوازی اور سلطان سے وفاداری
کا معقول الفاظ میں اظہار کرے۔

صلاح الدین نے قاصد سے درخواست کی "اے مہربان شاہی قاصد' میں فرمان شاہی
سے آگاہ ہوا اور اس کی بجا آوری میں کسی قسم کی تاخیر نہ ہو گی' میں کل ہی قلعہ الشوبک
کی طرف روانہ ہو جاتا لیکن تم اس شہر خوباں سے آئے ہو جو میرا وطن ہے اور جہاں
میرے آقا اور مربی سلطان دمشق قیام فرما ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں تم مجھے کم از کم
ایک ہفتہ اپنی مہمان نوازی کا موقعہ دو تاکہ میرے دل کو سکون حاصل ہو۔"

قاصد اس کے پر خلوص رویہ سے بہت متاثر ہوا اس نے جواب دیا "اے مصر کے
میر گورنر آپ ٹھیک کہتے ہیں وطن کی محبت ہی کچھ اور ہوتی ہے میں بھی چونکہ وطن سے
عام طور پر دور ہی رہتا ہے اس لئے میں وطن کی محبت سے واقف ہوں سلطان معظم نے
مجھے واپسی کے بارے میں کوئی واضح حکم نہیں دیا تھا اس لئے میں اپنی عزت افزائی پر فخر
کروں گا"

"میں ذاتی طور پر شاہی قاصد کا شکریہ ادا کرتا ہوں" صلاح الدین نے اس کا شکریہ ادا
کیا اور ناظم مہمان خانہ کو حکم دیا کہ شاہی قاصد کی خاطر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔

یہ محض اتفاق تھا کہ شاہی قاصد کو قاہرہ میں ٹھہرے صرف دو دن ہوئے تھے کہ
یروشلم بھیجا ہوا ایک جاسوس واپس آیا اور اس نے بتایا "امیر محترم' شاہ یروشلم ایمالرک دو
دن پہلے قسطنطنیہ روانہ ہوا ہے"

صلاح الدین اس اطلاع پر چونکا "اس کی واپسی کی کب تک امید ہے!؟"

"یہ تو نہیں معلوم ہو سکا امیر" جاسوس نے جواب دیا "لیکن اس کے آنے جانے میں
کم از کم دو ہفتے تو ضرور ہی لگ جائیں گے"

صلاح الدین کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا "اچھا تم یروشلم واپس جاؤ اور ایمالرک کے
واپس آنے کی جب اطلاع ملے تو اس وقت میں جہاں بھی ہوں تم وہاں پہنچ کے مجھ سے
ملاقات کرو"

جاسوس کی سمجھ میں صلاح الدین کی پوری بات تو نہ آئی مگر اسے تعمیل حکم ضرو
اس لئے سلام کر کے واپس ہوا اور اسی دن یروشلم چلا گیا۔

"شاہی قاصد" صلاح الدین نے ٹھہرے لہجہ میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ تم
مہمانداری کا شرف میں زیادہ دن نہ حاصل کر سکا مجھے کسی ایسی اطلاعات موصول ہو
کہ شائد میں کل صبح قلعہ بالشویک کی طرف روانہ ہو جاؤں تم جب تک چاہو یہاں
سکتے ہو"

قاصد نے عرض کیا "اے امیر گورنر' میں آپ کے حکم کے تحت قاہرہ میں رک
ورنہ مجھے تو فرمان پہچانے کے بعد واپس جانا چاہئے تھا اگر آپ کل روانہ ہو رہے
واپس جانے کی اجازت دیجئے میں بھی سرحد تک آپ کے ساتھ چلوں گا"

"یہ بالکل صحیح ہے۔ صبح کو تم ہمارے ساتھ چلو گے" صلاح الدین نے جواب دیا۔

قسطنطنیہ اس زمانہ میں مشرقی شہنشاہ روم کا دارالسلطنت تھا انہیں باز نطینی شہنشا
کہا جاتا تھا اور اس تعلق سے اسے سلطنت باز نطینی بھی پکارتے تھے قسطنطنیہ کا
مینوبل کامنی نس تھا جس کی بیٹی سے شاہ ریمالرک نے شادی کی تھی شاہ ریمالرک جب
مصیبت میں گرفتار ہوتا تو مدد کے لئے قسطنطنیہ بھاگا تھا۔

جنوب میں شاہ دمشق کے ایک امیر نے حکومت مصر پر قبضہ کیا ہے اگر مسلمانو
جنگ شروع ہوئی تو اسے شمالی اور جنوبی دونوں محاذوں پر سخت مقابلہ کرنا پڑے گا۔
ایمالرک اسی سلسلہ میں اپنے خسر شہنشاہ کامنی نس کے پاس قسطنطنیہ گیا تھا کہ اس
مسلمانوں کے متوقع جنگ کے لئے مدد حاصل کرے نیز یورپی ممالک میں ایک بار پھ
ایسی تحریک شروع کرے جو صلیبی جنگ کے نام پر سلطنت یروشلم کی مدد پر آمادہ ہو۔

صلاح الدین میں چونکہ شوق جہاد پیدا ہو گیا تھا اس لئے وہ عیسائیوں سے نبر
ہونے کے لئے چپکے چپکے تیاریاں کر رہا تھا چونکہ ملک شام اور مصر دونوں ملکوں کے
الشویک کی وجہ سے وہ راستہ اختیار کرتے گھبراتے تھے اس لئے یہ قلعہ بہت پہلے سے
الدین کی نظر میں تھا سلطان دمشق کے فرمان نے اس کے شوق پر تازیانہ کا کام کی
صلاح الدین نے رات بھر میں اپنے محفوظ لشکر کو روانگی کے لئے تیار کر لیا دمشق کا
اس کے ساتھ تھا اور اس نے قاصد کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ سلطان دمشق کو
کہ صلاح الدین نے اس کے حکم کی پوری تعمیل کی ہے اور وہ قلعہ کی طرف اپنے لشک
روانہ ہو چکا ہے۔

قلعہ کے قریب پہنچ کے قاصد اس سے جدا ہو گیا صلاح الدین نے اسے رخ

نے وقت کہا "سلطان عالی مقام کی خدمت میں عرض کرنا کہ صلاح الدین قلعہ الشویک پر
چکا ہے امید ہے کہ بہت جلد قلعہ پر قبضہ کی خبر حضور عالی میں بھیجی جائے گی۔ سلطان
یہ بھی عرض کرنا کہ قلعہ بالشویک کا معرکہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا اور اسے سلطان
غلام ہی سر کر لے گا اس لئے سلطان عالم کو کوئی تردد نہ ہونا چاہئے سلطان اگر اس
حملہ کے لئے زحمت نہ گوارہ فرمائیں تو زیادہ بہتر ہے یوں سلطان مالک اور میرے آقا

صلاح الدین کے اس پیغام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سلطان دمشق سے کسی وجہ
یا بلا وجہ خائف تھا اور اس کا سامنا کرتے ڈرتا تھا بہرحال ادھر قاصد روانہ ہوا اور
صلاح الدین قلعہ کی طرف بڑھا چونکہ یہ ایک سرحدی قلعہ تھا اور اپنے محل وقوع کی
ے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا اس لئے شاہ ایمالرک کے قلعدار نے قلعہ بندہو کے
ت کا فیصلہ کیا صلاح الدین اس مضبوط اور اہم قلعہ کو برباد نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے
نے حاکم قلعہ کے پاس ایک وفد بھیجا اور پیشکش کی کہ اگر قلعدار ہتھیار ڈال دے تو
اور اس کے لشکریوں کو قلعہ سے بحفاظت نکل جانے دیا جائے گا۔

قلعہ بہت بلندی پر تھا اور صلاح الدین کا لشکر شام کے وقت وہاں پہنچا تھا اس کی آمد
قلعدار کو ہو گیا تھا اس نے اسی وقت ایک قاصد شاہ یروشلم کی طرف دوڑا دیا تھا اس
علاوہ یہ قلعہ اپنی تعمیر سے اب تک نصرانیوں کے قبضہ میں تھا اس لئے وہ سوچ ہی نہ
تھے کہ اس پر صلاح الدین جیسا نیا جنرل قبضہ کر سکے گا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلاح
کے بھیجے ہوئے قاصد کو قلعہ میں داخل بھی نہ ہونے دیا اور وہ بغیر گفتگو کئے واپس

صلاح الدین کا لشکر پہاڑی کے نیچے خوبانی کے باغات میں محفوظ مقام پر خیمہ زن تھا
الدین کا بھیجا ہوا قاصد رات بھر پہاڑی ڈھلوں پر بھٹکتا ہوا صبح دم واپس آیا اس
تک سوائے محافظ سواروں کے باقی لشکر آرام کر رہا تھا صلاح الدین نے قاصد کا حال
یکھا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کی سفارت ناکام ہوئی ہے پھر بھی اس نے قاصد کو
کا موقعہ دیا۔

صلاح الدین یہ تفصیل سنتے سنتے تھک گیا تھا اس نے قاصد سے کوئی سوال نہ کیا یہ
ضرور کیا کہ اب اس قاصد کو آئندہ سفارت کا کوئی کام سپرد نہ کرے گا۔ صلاح الدین
ر اپنے امرا اور سرداروں سے مشورے کرتا رہا آخر یہ طے پایا کہ رات کو سپاہی
ا پر چڑھنا شروع کریں اور صبح ہوتے ہوتے چوٹی پر پہنچ کے قلعہ والوں کو حیران کر

وہیں ممکن ہے کہ اس وقت قلعدار ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو جاتے اور قلعہ بغیر تباہ ہوئے اس کے قبضہ میں آجائے۔

صلاح الدین کا لشکر چونکہ نشیب میں تھا اور دشمن اس کے سر پر پہاڑی کی چوٹی اس لئے اس بات کا بھی امکان تھا کہ اوپر سے کسی وقت بھی بھاری پتھر لڑھکا کر نقصان پہنچایا جا سکتا تھا اس خطرے کے پیش نظر صلاح الدین نے لشکر کو حکم دیا تھا وہ اپنے اسی چٹانوں کے نیچے لگائیں جو باہر کی طرف جھکی ہوں اور چھت کا کام دے سکتی لشکریوں نے اس ہدایات کے تحت خیمے لگائے تھے شام کے وقت جب صلاح الدین لشکر کے ساتھ پہاڑی کے اوپر چڑھنے کی تیاری کر رہا تھا کہ یکایک اوپر سے آگ برسنا ہو گئی۔ یہ آگ اس قدر تیزی سے برس رہی تھی کہ صلاح الدین کے لشکری گھبرا صلاح الدین نے فوراً اعلان کرایا کہ تمام لوگ چٹانوں کے نیچے ہو جائیں اور اس تک باہر نہ نکلیں جب تک انہیں حکم نہ دیا جائے۔

اوپر سے برسنے والی یہ آگ دراصل رال کی ہانڈیاں تھیں پرانی جنگوں میں رال نفت کا عام استعمال ہوتا تھا نفت بھی ایک قسم کا تیل تھا رال اور نفت دونوں بڑی تیزی آگ پکڑتے ہیں رال یا نفت کو ہانڈیوں میں بھر دیا جاتا ہے پھر انہیں دشمن لشکر پر پھینکا ہے۔ شعلے لپکاتی ہوئی یہ ہانڈیاں ٹوٹنے پر اور تباہی مچاتی ہیں اور یہ شعلے دور دور تک جاتے ہیں شعلوں اور آگ کی اس بارش سے صلاح الدین کے لشکر کو کچھ زیادہ نقصان پہنچ سکا کیونکہ اعلان ہوتے ہی لشکری بھاگ بھاگ کے چٹانوں کی آڑ میں ہو گئے تھے شعلوں نے بہت سے خیمے جلا دیئے اور صلاح الدین پہاڑی پر چڑھنے کے منصوبے کو رات مکمل نہ کر سکا۔

دوسرے دن صلاح الدین نے پہلے اپنے لشکر کو پہاڑی کے گرد پھیلا کر سخت محا پھر چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سنبھل سنبھل کے اوپر چڑھیں اور کوئی محفوظ اور راستہ تلاش کریں اس کوشش میں بھی کچھ سپاہی زخمی ہوئے کیونکہ قلعہ کے اندرونی جگہ جگہ زیتون کے باغات میں چھپے تھے اور جب کوئی سپاہی ان کی زد پر آتا تو وہ تیر اسے زخمی کر دیتے لیکن اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ صلاح الدین کو ایک صاف اور راستہ مل گیا جس سے گزر کر وہ زیادہ نقصان اٹھائے بغیر قلعہ تک پہنچ سکتا تھا۔

لیکن دوسری رات بھی پہلی رات والا واقعہ پیش آیا رات کا آغاز ہوتے ہی آگ بارش پھر شروع ہو گئی اور یہ بارش کل کی نسبت آج زیادہ تھی اس میں ایک بات بھی اضافہ ہو گیا وہ یہ کہ کل تو اس آگ کا نشانہ صلاح الدین کی خیمہ گاہ تھی لیکن

پہاڑی کے چاروں طرف آگ برسائی جا رہی تھی شائد قلعہ والوں نے دن کے وقت صلاح الدین کے ان سپاہیوں کو دیکھ لیا تھا جو اوپر آنے کا راستہ ڈھونڈ رہے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری رات بھی لشکر پہاڑی پر نہ چڑھ سکا۔

صلاح الدین اپنے سپاہیوں کی جانیں فضول ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے یہی خاموشی اختیار کی جیسے وہ اپنی خیمہ گاہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا قلعہ والے آئندہ دو راتیں بھی آگ برساتے رہے مگر پھر اس میں کمی ہوتی گئی جس سے اندازہ ہوا کہ یا تو ان کے پاس رال اور نفت کی کمی ہو گئی یا انہوں نے بھی اپنے سامان جنگ کو بیکار ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا صلاح الدین اس دوران بظاہر خاموش رہا مگر اس کے سپاہی رات کے وقت ایک ایک کر کے درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے اوپر چڑھتے رہے۔

چھ دن کی مسلسل کوشش کے بعد صلاح الدین کا لشکر پہاڑی کے اوپر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا صلاح الدین قلعہ کے سامنے اچانک نمودار ہوا تو محصورین اسے دیکھ کے حیران رہ گئے قلعدار کو بتایا گیا کہ صلاح الدین کا لشکر قلعہ کے سامنے پہنچ گیا اس نے قلعہ کے ایک برج سے جھانک کر اس کی تصدیق کی اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے صلاح الدین اور اس کے لشکر کی بہادری کے قصے قلعدار پہلے ہی سن چکا تھا اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اسی جرنل نے اپنے چچا اسد الدین شیر کوہ کے ساتھ شاہ یروشلم کو شکستوں پر شکستیں دے کر مصر سے بے دخل کر دیا تھا اور اب صلاح الدین مصر پر قبضہ کر چکا ہے۔

قلعدار نے اپنے سرداروں کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ سردار فیصل صلاح الدین کے لشکر کو دیکھ چکے تھے یہ لشکر بڑے اطمینان سے اپنے مورچے قائم کر رہا تھا وہ پہلے ہی بد حواس ہو گئے تھے قلعدار کے سامنے پہنچے تو ان کے منہ سے آواز بھی نہ نکلتی تھی قلعدار نے ان کی حالت دیکھ کے دل کا حال معلوم کر لیا تھا۔

”میرے بہادر سردارو!“ قلعدار نے ان میں حوصلہ پیدا کرنے کے لئے کہا ”یہ ٹھیک ہے کہ دشمن ہمارے سر پر آگیا ہے لیکن مجھے اپنے بہادروں سے امید ہے کہ ------“

”محترم قلعدار“ ایک سردار نے قلعدار کی بات کاٹ دی ”پہلے یہ بتایئے کہ ہمارے سینکڑوں سپاہی جو زیتون کے باغوں سے خوبانی تک جاسوسی اور حفاظت کے لئے مقرر تھے وہ سب کہاں ہیں آخر یہ لشکر اوپر کس طرح آگیا ہمارے جاسوسوں اور محافظوں نے ہمیں اطلاع کیوں نہیں دی“

دوسرے سردار نے اس سے سخت بات کہی اس نے کہا ”ہم تین راتوں تک دشمن پر

آگ برساتے رہے تاکہ وہ اوپر نہ آسکیں لیکن یہ لوگ بھوت بن کر اوپر چڑھ آئے کہ ایسا تو نہیں ہوا کہ وہ آگ جو ہم نے اپنے خیال میں دشمن پر برساتی تھی وہ ہمار جاسوسوں اور محافظ پر برستی رہی اور وہ سب کے سب جل کے خاک ہو گئے"

قلعدار پر سوالات کا سلسلہ شروع ہوا تو بڑھتا ہی گیا ایک اور سردار نے کہا "آج ا ہفتہ ہونے کو آیا جب ہم نے شاہ یروشلم کو اس محاصرہ کی اطلاع بھیجی تھی مگر یروشلم وا تو جیسے کانوں میں تیل ڈال کے بیٹھے ہیں انہوں نے ہماری کوئی خبر نہیں لی"

چوتھے سردار نے جیسے لگی پر اور لگائی اس نے کہا "میرا خیال ہے کہ یروشلم سے ا کمک نہیں آئے گی کیونکہ ہمارے قاصد کو دشمنوں نے ضرور گرفتار کر لیا ہو گا یہ لو واقعی بھوت پریت ہیں ورنہ ہمارا کوئی جاسوس تو واپس آکے بتاتا کہ اس کے ساتھیوں پر گزری یا پھر یروشلم جانے والا قاصد ہی کمک کی خبر لاتا"

"ہم کس قدر بے بس ہیں قلعدار محترم" کسی نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"یہ لوگ ہمیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کے رکھ دیں گے" ایک مایوس سردار نے کہا

"کس قدر بزدلی کی باتیں کر رہے ہو میرے سردارو!" قلعدار کو غصہ آگیا "آپ لو نے ہر بات کو فرض کر لیا لیکن یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے سپاہیوں اور محافظ نے بہادری سے مقابلہ کر کے جان دی ہو اسی طرح یروشلم سے بھی ناامید نہ ہونا چاہئے عجب کہ ایک دو دن میں وہاں سے بھی کمک آجائے"

ایک سردار نے بے دلی سے کہا " قلعدار محترم! آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں"

"جی ہاں! فرمایئے آپ نے ہمیں کیوں بلایا ہے" ایک آواز میں زیادہ تلخی تھی۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے حوصلہ بلند کئے اور سر سے کفر باندھ کے دشم کے مقابلہ پر ڈٹ جایئے " قلعدار نے بڑی جرات سے کہا۔

"لیکن قلعدار" ایک غصہ میں بھری آواز ابھری "یہ کوئی مذہبی جنگ نہیں کہ ہم سے کفن باندھ کے اور آنکھیں بند کر کے خندق میں پھاند پڑیں دشمن کے مقابلہ پر ہمار طاقت بہت کم ہے"

قلعدار اپنے سرداروں کی کڑوی اور کسیلی باتیں سن کے مایوس ہو گیا آخر اس - پست آواز میں دریافت کیا "اچھا آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟"

ہم وہی چاہتے ہیں جس کی خواہش دشمن نے ہم سے کی تھی" ایک طرف سے کو بولا۔ قلعدار بگڑ گیا "کیا تم دشمن کے آگے ہتھیار ڈالنا چاہتے ہو؟"

اس سردار نے جواب دیا "اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں"

"نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا" قلعدار نے غصہ سے کہا "میں اس طرح خاموشی سے ہیار نہیں ڈال سکتا۔ "ابھی تو ایک دن بھی جنگ نہیں ہوئی۔ ہمارے سپاہی فصیلوں پر مڑے ہمارے حکم کے منتظر ہیں"

" قلعدار محترم! اگر آپ نے مقابلہ کی کوشش کی تو پھر ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ کے گا۔ پھر حملہ آور ہماری کوئی شرط تسلیم نہ کرے گا" کسی سردار نے واضح کیا۔

"ہم دشمن سے گفت و شنید بھی تو کر سکتے ہیں" قلعدار نے ایک رائے پیش کی " اصرے کے دوران سفارتی کارروائیاں شروع ہوتی ہیں ہم ایک سفارت دشمن کے پاس بھیجیں گے وہ سفارت جواب لے کر آئے گی ہم پھر سفارت بھیجیں گے جواب کے لئے ہلت طلب کریں گے بہت ممکن ہے کہ اس دوران ہمیں یروشلم سے مدد حاصل ہو بائے۔

یہ رائے بڑی معقول تھی۔ کوئی سردار اس کی مخالفت نہ کر سکا۔

قلعدار نے کہا "میرا خیال ہے آپ لوگ میری رائے سے متفق ہیں؟"

" قلعدار محترم! آپ کوشش کر کے دیکھ لیجئے نتیجہ کچھ نہ نکلے گا" ایک سردار نے کہا۔

قلعدار نے ایک لمحہ کی دیر نہ کی اس نے دو سرداروں کو ساتھ لیا نیزے سفید پرچم اڑایا اور قلعہ کا دروازہ کھلوا کے باہر نکلا دونوں سردار اس کے دائیں بائیں چل رہے تھے قلعدار نے خبردار کیا "خبردار کسی پر یہ نہ ظاہر ہونا چاہئے قلعدار تمہارے ساتھ ہے تمہیں صرف یہ ظاہر کرنا ہے جیسے اس سفارت کا میں سردار ہوں اور تم میرے نائب ہو"

دونوں نے اثبات میں سرہلایا۔

قلعدار نے مزید تاکید کی۔ "تمام گفتگو میں خود کروں گا۔ تم لوگ دخل نہ دینا۔ کوئی اچھی بات ذہن میں آئے تو مجھے چپکے سے بتا دینا"

دونوں ساتھیوں نے پر تائید میں سرہلایا۔

صلاح الدین حملہ کی تیاری کر رہا تھا اس کا ایک ہفتہ پہلے ہی خراب ہو چکا تھا وہ مزید وقت برباد کرنے پر آمادہ نہ تھا صلاح الدین سرداروں کو ہدایات دے رہا تھا کہ پہرے پر موجود ایک سپاہی نے آکے عرض کیا۔

"اے امیر وزیراعظم! قلعہ سے تین سوار برآمد ہو کر ادھر آرہے ہیں۔ ایک سوار کے نیزے پر سفید پرچم ہے"

صلاح الدین کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک پیدا ہوئی "انہیں آنے دو اور عزت سے ہمارے پاس لاؤ۔ یہ امن کی سفارت ہے اس کے وقار میں ذرا بھی کوتاہی نہ ہونی چاہئے"

اس کے ساتھ صلاح الدین نے پلٹ کر میدان کی طرف دیکھا امن کے تینوں سا
آہستہ آہستہ اس طرف بڑھ رہے تھے صلاح الدین کو گھڑ سوار دیکھ کر ذرا تعجب ہوا ا
بلندی پر گھوڑوں کا پہنچنا واقعی تعجب خیز تھا جبکہ اوپر سے آنے والی کوئی بھی پگڈنڈی ایسی
تھی جس پر گھوڑا چل سکتا ہو مگر اس وقت یہ مسئلہ سوچنے کا نہ تھا سوار قلعہ اور خندق ک
درمیان کا چھوٹا سا میدان پار کر چکے تھے اور اب خندق کے اس پار کھڑے اس پر لکڑی
پل ڈلوا رہے تھے لکڑی کے تختوں کا یہ مضبوط پل زنجیروں سے بند ہوا تھا خطرے کے وقت
اس پل کو خندق پر سے کھینچ کے ایک طرف رکھ دیا جاتا تھا اور جب خطرہ دور ہو جاتا تو پ
پل کو دوبارہ خندق پر بچھا دیتے اور راستہ بن جاتا۔

اتنی بلندی پر گہری خندق میں پانی کی موجودگی ہی تعجب خیز تھی قلعہ کے اندر یقیناً" پا
کا بڑا ذخیرہ ہو گا جس سے یہ خندق بھری جاتی ہو گی لکڑی کے پل سے گزر کر سوار ا
طرف آگئے تھے جہاں سے صلاح الدین کے پیادوں کی صفیں شکل سے سو گز ہوں گی صلا
الدین ان صفوں کے پیچھے چلا گیا تھا۔

جب سوار بالکل قریب پہنچ گئے تو صلاح الدین کا ایک سردار جو استقبالیہ افسر مقرر
گیا تھا وہ دو قدم آگے بڑھا اور اس نے تین سپاہیوں کو اشارہ کیا' سپاہی بڑھ کے سوارو
کے پاس پہنچ گئے انہوں نے سواروں کو اترنے میں مدد دی اور جب وہ گھوڑوں سے اتر گ
تو ان کے گھوڑے سنبھال لئے۔

استقبالیہ افسر سفارت کاروں کو خوش آمدید کہنے آگے بڑھا۔

"میں امیر صلاح الدین سپاہ سالار افواج دمشق مقیم قاہرہ کی طرف سے سفارت ک
خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ لوگوں کا ورود مبارک ہو" استقبالیہ افسر نے مسکراتے ہوئ
مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

اس کے جواب میں قلعدار جو آگے تھا اس نے اپنے بازو کھول دیئے گویا وہ مصافح
کے بجائے بغلگیر ہونا چاہتا ہے استقبالیہ افسر نے بھی بازو کھول دیئے دونوں بڑی گرم جوش
سے ملے قطع نظر اس کے کہ ان کے دلوں میں کیا تھا استقبالیہ افسر نے قلعہ دار کے بعد باق
دونوں سے بھی معانقہ کیا پھر وہ انہیں [illegible] کر صلاح الدین کی طرف چلا۔

"میرے ساتھ تشریف لایئے۔ میں آپ کی ملاقات سالار افواج امیر صلاح الدین سے
کراتا ہوں"

قلعدار نے جواب میں کہا "میں اور میرے ساتھی اس عزت افزائی کے لئے آپ کے
امیر کے شکر گزار ہیں"

امیر کے سامنے پہنچ کے افسر استقبالیہ نے سفارت کاروں سے کہا "آپ لوگ امیر لشکر
ے سامنے ہیں"

سفارت کاروں نے ادب سے سر جھکا دیا۔ پھر قلعدار نے جھجکتے ہوئے نظر اٹھائی۔ "
یر محترم" اور قلعدار کی آواز حلق میں اٹک گئی۔

بعض مورخوں کا بیان ہے کہ صلاح الدین کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ ساتھ بلا کا
عب تھا وہ بہت کم کھل کے ہنستا تھا ہاں مسکراتا ضرور تھا لیکن اس کی مسکراہٹ' سنجیدگی
ر رعب میں دب کے رہ جاتی تھی یہ کیفیت اس کے سلطان دمشق ہونے تک قائم رہی
لطان ہونے کے بعد تو اس کا چہرہ اس قدر پر رعب اور پر جلال ہو گیا تھا کہ انسان نظریں
انے کی جرات ہی نہ کرتا تھا۔

قلعدار نے خود کو سنبھالا اور کہا "امیر محترم نے سفارت کاروں کو جو عزت بخشی ہے
س کے لئے ہم اور قلعدار الشوبک آپ کے ہمیشہ شکر گزار رہیں گے"

صلاح الدین نے متانت سے جواب دیا "ہمیں خوشی ہے کہ قلعدار نے نبرد آزمائی کے
بجائے گفت و شنید کا راستہ اختیار کیا"

"اعلیٰ ظرف امیر" قلعدار بولا " قلعدار قلعہ آپ کے حوالے کرنے پر آمادہ ہیں لیکن
اس کے لئے ہمیں کچھ وقت چاہئے تاکہ ہم اپنا انتظام کر سکیں اور تکلیف و پریشانی سے بچ
جائیں"

"انتظام کے لئے کتنا وقت درکار ہو گا؟" صلاح الدین نے سوال کیا۔

"محترم امیر! ہم اپنا اسلحہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ اس بات کی ہمیں اجازت
دی جائے" قلعدار نے لجاجت سے کہا اور کنکھیوں سے صلاح الدین کو دیکھا۔

"قلعہ والوں کو صرف اسلحہ نہیں بلکہ ہر چیز لے جانے کی اجازت ہو گی" صلاح الدین
نے مختصر سا جواب دیا۔

"بہت بہت شکریہ امیر" قلعدار خوش ہو گیا۔ "صرف دس دن تک ہم سے کوئی تعرض
نہ کیا جائے"

"شرط منظور کی جاتی ہے لیکن گیارھویں دن ہم سے کوئی شکوہ نہ ہو"

قلعدار الشوبک اور صلاح الدین میں معاہدہ ہو گیا صلاح الدین مطمئن ہو گیا کہ دس
دن بعد قلعہ بغیر خون بہائے اس کے ہاتھ آجائے گا۔ قلعدار بھی خوش خوش واپس ہوا کہ
حالات نے اسے قلعہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا پس یہ معاہدہ بہت غنیمت تھا۔ اگر اس
دوران یروشلم سے کمک آتی جاتی ہے تو وہ شاہ یروشلم کے سامنے بھی سرخرو رہے گا کہ

اس نے معاہدہ کافریب دے کر صلاح الدین کو قلعہ پر حملے سے باز رکھا تھا اور اگر
سے کوئی مدد نہ ملی تو وہ معہ تمام ساز و سامان کے قلعہ سے نکل کر کسی طرف جا سکتا
حوادث زمانہ کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ انسان خود کو کتنا ہی محفوظ اور مطمئن کیے
سمجھے مگر جب قدرت مخالف ہو جائے تو کسی کی ایک نہیں چلتی قلعہ الشوبیک کو دس دا
مہلت دیئے ابھی ایک دن گزرا تھا کہ دربار دمشق سے ایک قاصد صلاح الدین کی خد
میں حاضر ہوا وہ دور شاہوں اور خلیفاؤں کا تھا اور ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ پتھر
ہوتا تھا اس لئے دارالسلطنت اور دارالخلافہ سے دور علاقوں کے امیر اور گورنر اپنے جا
دارالخلافہ یا صدر مقام پر مقرر کرتے تھے جو ان کے خلاف دربار میں ہونے والی سازشو
خبریں فوراً" متعلقہ گورنر یا امیر کو پہنچاتے تھے اور امیر و گورنر اس خبر کے تحت حفا
انتظام کرتا تھا۔

امیر و گورنر تو خیر بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے اس لئے ان کا بادشاہ وقت سے خو
کھانا درست تھا لیکن خود بادشاہ بھی اپنے گورنروں اور امیروں کی طرف سے مطمئن نہ
تھا اس لئے وہ خود بھی اپنے جاسوس گورنروں اور امیروں کے علاقہ میں مقرر کرتا تھا جو ا
دم دم کی خبریں بھیجتے تھے اور بادشاہ ان خبروں کے تحت گورنر یا امیر کے خلاف قدم اٹھاتا
بڑی بڑی مضبوط سلطنتوں میں جاسوس کے بجائے بادشاہ وقت کی طرف سے ہر علاقہ میں
پرچہ نویس" مقرر کئے جاتے تھے جو براہ راست بادشاہ کے ملازم ہوتے اور علاقہ کے حا
کے خوف سے بالاتر ہو کر بادشاہ کو سچی خبریں بھیجتے تھے یہ نظام بڑا کامیاب تھا اور اس
بادشاہ وقت کو دور دراز علاقوں کی خبریں بہت جلد پہنچ جاتی تھیں۔

قاصد سیدھا صلاح الدین کے پاس پہنچا صلاح اسے لے کر اپنے خیمہ میں آگیا دربا
دمشق سے کسی خبر کے آنے کی اطلاع ہی بڑی اہمیت رکھتی تھی صلاح الدین کی دربار دمش
میں موافقت اور مخالفت دونوں کا پلہ تقریباً" برابر تھا خود صلاح الدین کے ساتھ جو امرائے
نوریہ تھے ان میں بھی بعض امرا سلطان دمشق کے وفادار تھے اور صلاح الدین کی جاسوسی
کرتے تھے مگر بظاہر وہ صلاح الدین کے وفادار تھے اور اپنے کسی فعل سے ثابت نہ ہونے
دیئے کہ صلاح الدین کے وفادار نہیں قاصد کے آنے سے ان کے کان ضرور کھڑے ہوئے
ہوں گے۔

مگر عجب اتفاق ہوا کہ دربار دمشق سے آنے والے قاصد کے فوراً" بعد مصر سے صلاح
الدین کے والد نجم الدین کا غلام آگیا۔ اس کا آنا بھی بڑی اہمیت کا حامل تھا قاہرہ سے آنے
والے غلام کو امیروں نے گھیر لیا لیکن اس نے قطعی زبان نہیں کھولی اور صلاح الدین کے

غ ہونے کا انتظار کرتا رہا دمشق کے قاصد سے گفتگو کے بعد صلاح الدین نے اپنے والد
ے غلام کو طلب کیا اور اس سے دیر تک باتیں کرتا رہا۔

صلاح الدین جب دونوں قاصدوں سے گفتگو کے بعد خیمہ سے باہر آیا تو اس کے
رے پر پریشانی کے آثار تھے اس نے دونوں قاصدوں کو اسی وقت رخصت کر دیا پھر اپنے
مرا اور سرداروں سے مخاطب ہوا اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا "اے دربار
مشق کے وفادار، حضرت ظل سبحانی سلطان معظم نے قاصد کے ذریعہ مطلع کیا ہے کہ
لطان بہ نفس نفیس ایک لشکر جرار کے ساتھ اس طرف تشریف لا رہے ہیں تاکہ اپنے
ورنر کی مدد فرمائیں اور قلعہ الشوبیک نیز قلعہ کرک پر سلطانی پرچم لہرائیں۔ سلطان معظم
نے کوئی فرمان جاری نہیں کیا تھا بلکہ قاصد کے ذریعہ اطلاع بھجوائی تھی میں نے اپنی اور
پ لوگوں کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کیا ہے اور قاصد کے ذریعہ اطلاع بھیجی ہے کہ ہم
وگ ان کے ورود کے لئے چشم براہ ہیں"

اس اطلاع دینے کے بعد صلاح الدین نے امرا پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور کہا "میرا
یال ہے کہ آپ لوگ یہ معلوم کرنے کے لئے بھی بے چین ہوں گے قاہرہ سے والد محترم
نے کیا خبر بھیجی ہے اس کے لئے عرض ہے کہ شمالی مصر کے ان علاقوں میں جہاں سوڈانی
بشی اکٹھے ہو گئے تھے وہاں کچھ فاطمی امرا اور شہزادے پہنچ گئے اور انہوں نے ہمارے
لاف بغاوت کا علم بلند کر دیا ہے ہم نے ان حبشیوں کے خلاف پہلے بھی ایک لشکر بھیجا تھا
یکن بد ذات حبشیوں نے قسمیں کھا کر اپنی وفاداری کا اعلان کیا تھا انہوں نے ہمیں فریب
یا اور فاطمی خلافت کے دعویداروں کے ساتھ ہو گئے ہیں"

امرائے نوریہ میں سے ایک امیر نے جس کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ صلاح الدین
کے خلاف ہے، کہا۔ "ان حالات میں امیر صلاح الدین کیا قدم اٹھانا چاہتے ہیں؟"

امیر صلاح الدین نے جواب دیا "ظاہر ہے کہ قلعہ الشوبیک کے مقابلہ پر مصر کی
سلطنت زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس لئے میں محاصرہ اٹھا کر قاہرہ جا رہا ہوں تاکہ ایک طرف
قاہرہ کو مضبوط کروں دوسری طرف باغیوں کی سرکوبی کے لئے معقول لشکر بھیج سکوں"

صلاح الدین نے امیر کو جواب دینے کے بعد نظریں اس کے چہرے پر گاڑے رکھی
تھیں اس سے سوال کرنے والے امیر کو اندازہ ہو گیا کہ صلاح الدین کے اس موال یا
اعتراض پر خوش نہیں ہے چنانچہ امیر نے کوئی اور سوال نہ کیا خاموش ہو گیا۔

صلاح الدین نے فوری کوچ کا حکم دیا اور شام ہونے سے پہلے پہلے پورے لشکر کو
پہاڑی کے نیچے لے آیا پھر وہاں سے سیدھے راستے سے قاہرہ کی طرف روانہ ہوا۔ پہاڑی

سے نیچے اترنے کے بعد اس نے اپنے قاصد کے ذریعہ سلطان کو ایک نامہ بھیجا جو کچھ طرح تھا۔

جیسا کہ سلطان والاتبار کو علم ہے کہ سابق فاطمی خلیفہ العاضد نے سیاہ فام حبشیوں کے سردار نجاح کی لڑکی سے شادی کی تھی جس کے صلہ میں العاضد نے نجاح کو شاہی محل کا امیر ساماں بنا دیا تھا اس پر ساماں نے شاہی محلات کی تمام کنیزوں اور غلاموں کو برخاست کر کے ان کی جگہ سوڈانی حبشیوں اور حبشنوں کو مقرر کر دیا تھا پھر جب نجاح نے مصری سلطنت کے خلاف سازش کر کے مصر سے شاہی اقتدار ختم کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں گرفتار ہو کر قتل کر دیا گیا تو اس کی قوم یعنی سیاہ فام سوڈانیوں نے زبردست بغاوت کر دی اور مصر کے دارالوزارت جس میں غلام مقیم تھے پر حملہ کر دیا میں نے حبشیوں کے حملے کو پسپا کر دیا اور انہیں قاہرہ سے نکال باہر کیا یہ لوگ تتر بتر ہو کر ایک بار پھر شمالی مصر میں جمع ہو گئے میں نے ان کے مکمل خاتمہ کے لئے ایک لشکر روانہ کیا لیکن وہ معافی مانگ کر مطیع ہو گئے اب انہی لوگوں نے بعض فاطمی سرداروں اور شہزادوں کے ساتھ پھر سے بغاوت کر دی ہے اس لئے میں اپنے والد محترم کی ایک اطلاع پر قلعہ الشوبک کا محاصرہ چھوڑ کر مصر واپس جا رہا ہوں کیونکہ شمالی مصر میں بغاوت کے پیش نظر اور اس کے خاتمہ کے لئے میرا قاہرہ میں ہونا بہت ضروری ہے چونکہ مصر کے حالات غیر معمولی ہو گئے ہیں اس لئے دربار عالی میں یہ فریضہ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔

احقر غلام
صلاح الدین امیر د گورنر اور سپہ سالار افواج شام
مقیم بلاد مصر

قاہرہ پہنچ کے صلاح الدین نے باب عالی سے قاصد کے آنے سے لے کر ا
الشوبک کا محاصرہ چھوڑنے کے تمام حالات سے اپنے والد نجم الدین ایوب کو آگاہ کیا۔ ی
نہ معلوم ہو سکا کہ نجم الدین ایوب نے ان حالات پر کس رد عمل کا اظہار کیا لیکن وہ
مند ضرور ہو گیا وہ امرائے نوریہ جو صلاح الدین کے ساتھ قلعہ الشوبک گئے تھے انہوں

ں بات کو غلط رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ صلاح الدین قاہرہ میں پہنچتے
ی فوجی تیاریوں میں لگ گیا تھا اس لئے سرداروں کی توجہ اس طرف ہو گئی حالانکہ ان سب
ا یہ خیال تھا کہ صلاح الدین دراصل سلطان دمشق کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے
شوبک کا محاصرہ ختم کر کے مصر واپس آ گیا۔

بعض امرا کا یہ بھی خیال تھا کہ صلاح الدین اپنے محسن و آقا سے باغی ہو گیا ہے اور
مر کی سلطنت کو ہڑپ کرنا چاہتا تھا کیونکہ اگر شمالی مصر میں بغاوت ہو بھی گئی تھی تب بھی
ے الشوبک کا محاصرہ نہیں چھوڑنا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ قلعہ تو دس دن بعد اس کے ہاتھ
یں آ ہی جاتا تھا۔ پھر مصر میں صلاح الدین کے سات بھائی اور درجنوں بھتیجے موجود تھے
یں سیف الدین ابوبکر العادل جیسا عظیم سردار بھی تھا جو حبشیوں کی بغاوت تو کیا اگر پورا
ر بھی باغی ہو جاتا تو بھی انہیں ختم کرنے کے لئے وہ کافی تھا۔

ابھی امرائے نوریہ اور محلات میں یہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ بات کھل کر سامنے
ئی۔ ہوا یہ کہ صلاح الدین کا مقرر کیا ہوا ایک جاسوس دمشق سے بھاگم بھاگ قاہرہ پہنچا
جاسوس نصف شب کے بعد دارالوزارت پہنچا تھا اس نے داروغہ دارالوزارت سے
خواست کی کہ وزیراعظم سے اس کی ملاقات اسی وقت کرائی جائے دارالوزارت کے
ان خانہ میں وزارت کے تمام افسران جمع ہو گئے لیکن کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ صلاح
ین کو اس وقت بیدار کیا جائے۔

جاسوس کو سخت غصہ آیا اور اس نے صاف الفاظ میں کہا "میں آپ لوگوں سے پھر
واست کرتا ہوں کہ وزیراعظم کو میری ذمہ داری پر جگا دیا جائے کیونکہ میں ایک ایسی خبر
کر آیا ہوں جس کا وزیراعظم تک فوری طور پر پہنچنا انتہائی ضروری ہے اگر آپ نے
ا درخواست نہ تسلیم کی تو کل وزیراعظم سے صاف صاف کہہ دوں گا کہ اس تاخیر کے
دار آپ لوگ ہیں"

جاسوس نے دراصل ان لوگوں کو وارننگ دی تھی۔ آخر طے یہ کیا گیا کہ دربار عالی
سے آنے والے قاصد کی ذمہ داری پر وزیراعظم کو بیدار کیا جائے اور اگر وزیراعظم حکم
دے تو قاصد کو جو دراصل صلاح الدین کا جاسوس تھا' ان کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

صلاح الدین کے خاص محافظ نے وزیراعظم کو آہستہ سے بیدار کیا۔ صلاح الدین ہڑبڑا
اٹھ بیٹھا۔

"خیریت ہے کیا بات ہے؟" صلاح الدین نے گھبرائے لہجہ میں کہا۔

"آقائے محترم! دربار دمشق سے قاصد آیا ہے اور اسی وقت آقا سے ملنا چاہتا ہے"

محافظ نے بتایا۔

"دربار دمشق سے؟" صلاح الدین پریشان ہو گیا۔

"جی ہاں آقا" محافظ نے کہا "ہم لوگوں نے تو انکار کر دیا لیکن اس نے ہمیں دھ دی کہ اگر اسے آپ کے پاس اسی وقت نہ پیش کیا گیا تو وہ تمام متعلقہ لوگوں کی آپ شکایت کرے گا"

صلاح الدین نے اسے فوراً طلب کر لیا لیکن وہ پریشان تھا کہ خدا معلوم سا دمشق نے کونسی اطلاع بھیجی ہے جسے اس تک پہنچانے کے لئے قاصد اس قدر بے ہے۔

پھر جب قاصد اس کے سامنے پیش ہوا تو صلاح الدین اسے دیکھ کر مسکرا دیا کیو سلطان کے قاصد کے بجائے اس کا ذاتی جاسوس تھا جسے سوائے صلاح الدین کے عز کے اور کوئی نہ پہچانتا تھا۔ صلاح الدین نے کہا "مجھے خبر دی گئی ہے کہ دربار دمشق قاصد آیا ہے۔ اچھا ہوا کہ تمہیں کوئی پہچان نہیں سکا"

"وزیراعظم محترم!" قاصد نے سنبھل کے کہا "مجھے افسوس ہے کہ آپ سے ملے لئے مجھے دارالوزارت کے محافظوں سے گستاخی کرنا پڑی اور آپ کو بھی تکلیف دی میں ایک انتہائی پریشان کن خبر لے کر حاضر ہوا ہوں"

صلاح الدین نے چونک کر اسے دیکھا "پریشان کن خبر ـــــ" صلاح الدین ـ کے الفاظ دہرائے پھر خود ہی بولا "دمشق سے آنے والی پریشان کن خبر صرف یہ ہو سکے کہ میرے بد خواہوں نے سلطان معظم کے کان بھرے ہوں اور وہ مصر پر لشکر کشی آ رہے ہوں"

جاسوس نے آنکھیں پھاڑ کے صلاح الدین کو دیکھا پھر اس کی آنکھیں کھلی گئیں۔

صلاح الدین نے اسے حیران دیکھا تو متانت سے کہا "گھبراو مت! میں ہر طرح سننے کے لئے تیار ہوں۔ تم بے جھجک بیان کرو؟"

"وزیراعظم! خدا آپ کو زندہ و سلامت رکھے" جاسوس نے جواب دیا "کس قد کی بات ہے کہ جو اطلاع لے کر میں حاضر ہوا ہوں اس کی خبر آپ کو ہو گئی۔ یقینا کے قبضہ میں جنات ہیں جو آپ کو خطرے سے آگاہ کر دیتے ہیں"

"تفصیل بیان کرو" صلاح الدین نے فکر مندی سے کہا۔

جاسوس نے تفصیل بیان کرنا شروع کی۔

"جس وقت آپ کا نامہ حضور سلطان میں پیش ہوا، سلطان معظم اس وقت دربار خاص کا جلوس فرما رہے تھے سلطان نے بڑی بے تابی سے آپ کا نامہ پڑھنے کا حکم دیا ان کی بیتابی اس وجہ سے تھی کہ ان دنوں سلطان کی پوری توجہ قلعہ الشوبک کی طرف تھی اور اس وقت بھی سلطان اسی قلعہ پر گفتگو فرما رہے تھے پہلے تو سلطان کے چہرے پر خوشگوار آثار پیدا ہوئے پھر ان کی تبدیلیوں پر بل پڑ گئے ـــ"

"ٹھہر ذرا ـــ!" صلاح الدین نے اسے روک دیا "پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے یہ تفصیل کس سے سنی اور پھر اس کی تصدیق کا کیا طریقہ اختیار کیا؟"

"وزیراعظم!" جاسوس نے فوراً جواب دیا "اس دن دربار میں جو حالات پیش آئے وہ سب میں نے خود دیکھے اور سنے ہیں میں ان دنوں دربار میں کفش برداری کی خدمت پر مامور تھا یہ خدمت میرے عزیز کے سپرد تھی جو بیمار ہو گیا تھا اور اس کی جگہ میں خدمت انجام دے رہا تھا"

"شاباش! تمہاری خدمات سے میں بہت خوش ہوں۔ اب آگے بیان کرو" صلاح الدین نے اس کی تعریف کی۔

صلاح الدین بعض معاملات میں بہت سخت تھا۔ جن آدمیوں کو اس نے خاص کام سپرد کئے تھے ان کے معاملات پر خاص نظر رکھتا تھا۔ اس کا جاسوسی کا محکمہ بھی "خاص خدمت" کے ذیل میں آتا تھا۔ جاسوسوں کی فراہم کردہ اطلاعات کی وہ بڑی چھان بین کرتا تھا۔ جس وقت جاسوس نے سلطان دمشق نور الدین زنگی کے چہرے کے تاثرات بیان کئے تو اسے شک ہوا کہ شائد جاسوس حفاظتی کام لے رہا ہے اس لئے اس نے اپنے اطمینان کے لئے اس سے سوال کیا تھا پھر جب جاسوس نے بتایا کہ وہ خود دربار میں موجود تھا تو صلاح الدین نے بڑی ایمانداری سے اس کے کام کی تعریف کی۔

جاسوس نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا جہاں سے اس کی بات کٹ گئی تھی۔ اس نے کہا "سلطان معظم کا چہرہ خط پڑھے جانے کے دوران متغیر ہوتا رہا پھر جب خط ختم ہوا تو ان کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ درباریوں پر سناٹا چھایا ہوا تھا اور وہ دم بخود بیٹھے تھے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ سلطان نے امراء پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر شیر کی طرح گرج کر کہا کہ صلاح الدین کے دماغ میں ضرور فتور آگیا ہے جو وہ ہمیں حیلے بہانوں سے مصر آنے سے روکنا چاہتا ہے وہ ہمیں حکم دینے والا کون ہوتا ہے ـــــ حالانکہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وزیراعظم نے سلطان سے درخواست کی تھی کہ وہ زحمت نہ فرمائیں"

"تم آگے بیان کرو ـــ" صلاح الدین گہری فکر میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

"پھر سلطان نے باری باری ہر امیر سے اس کی رائے معلوم کی" جاسوس نے اپنا
جاری رکھی "جو امیر آپ کے ہمدرد تھے انہوں نے گول میں بات کی لیکن جو امرا آپ
مخالف تھے انہوں نے سلطان کی باتوں کی تائید کی مجھے صرف امیر عین الدولہ باروقی کا
جملہ یاد رہ گیا اس بدطینت امیر نے صاف الفاظ میں کہا کہ امیر صلاح الدین کے خط
بغاوت کی بو آتی ہے سلطان نے عین الدولہ باروق کے تبصرے کی تائید کی اور فیصلہ
وہ صلاح الدین کی طفل تسلیوں میں نہیں آئیں گے اور اس طرح کی عدول حکمی کے
کے لئے وہ مصر پر حملہ کریں گے اس کے ساتھ ہی سلطان نے لشکر کی تیاری کا حکم د
"

مصری وزیراعظم کے لئے یہ وقت بڑا سخت تھا اس نے سلطان دمشق کے فیصلے کو تحمل سے سنا اسے معلوم تھا کہ سلطان مطلق العنان ہے۔ اسے اپنے فیصلے سے کوئی روک سکتا۔

صلاح الدین نے سمجھ لیا کہ یہ سلطان کا انتہائی اقدام ہے اس لئے اسے بھی فیصلہ کرنا ہو گا اس نے جاسوس کو رخصت کرتے ہوئے حکم دیا "تم اس طویل سفر میں تھک چکے ہو گے تمہیں آرام کی ضرورت ہے لیکن حالات بہت سنگین ہیں تم جس قد ممکن ہو سکے دمشق واپس چلے جاؤ لیکن جس وقت تک تم یہاں ٹھہرو یہ احتیاط برتو کہ امرائے نوریہ میں سے کسی کی نظر نہ پڑے ورنہ وہ تم سے خواہ مخواہ کے سوالات کریں
"

"وزیراعظم کا حکم ہو تو میں ابھی دمشق روانہ ہو جاؤں" جاسوس نے دلیری سے ہاں اگر مجھے دوپہر تک آرام کا موقعہ مل جائے تو میری تمام تھکن دور ہو سکتی ہے"

"بہتر ہے کہ تم دوپہر کے بعد ہی روانہ ہو مگر احتیاط لازمی ہے" اس آخری ہدایت بعد صلاح الدین نے اسے رخصت کر دیا۔

رات کا کچھ حصہ ابھی باقی تھا۔ اسے یوں بھی نیند نہ آ رہی تھی۔ اس نے یہ خیال کیا کہ اس تازہ صورت حال پر وہ صبح تک اپنے طور پر غور کرے پھر اس معا دربار میں پیش کر کے اپنے قرابت داروں اور امرائے نوریہ کی رائے معلوم کی جا۔ جنگ یا موت سے نہیں ڈرتا ہے سپاہیانہ زندگی اور اقتدار کی جنگ میں تو موت سپا فتراک سے بندھی رہتی ہے لیکن سوال یہ تھا کہ اگر جنگ چھڑ گئی تو قاہرہ میں موجود نوریہ میں سے کتنے امیر اس کا ساتھ دیں گے کیونکہ سلطان کا مقابلہ کرنا کسی بھی ا لئے بہت مشکل تھا خود صلاح الدین جب اپنے دل کو ٹٹولتا تو اس کا دل بے دھڑک

بیتا کہ اپنے ولی نعمت' آقا اور استاد سے مقابلہ کرنا اور اس کے سامنے ننگی تلوار لے کر جانا اتنی بڑی نمک حرامی ہے جس کی مثالیں تاریخ میں کم ہی ملیں گی اسی ادھیڑپن میں سویرا ہو گیا اور نماز فجر کی اذان سنائی دی۔ صلاح الدین کلمہ پڑھتا ہوا اٹھا اور وضو کرنے میں مصروف ہو گیا۔

نماز کے بعد صلاح الدین نے ناظم دربار کو طلب کر کے اسے حکم دیا "آج کے تمام کاروبار سلطنت منسوخ کئے جاتے ہیں صرف امرائے نوریہ اور میرے تمام عزیز و اقارب کو مطلع کیا جائے کہ وہ سورج طلوع ہونے کے ساتھ دارالوزارت میں جمع ہو جائیں کیونکہ ان سب سے ایک مسئلہ پر صلاح مشورہ مقصود ہے"

ناظم دربار غور سے وزیراعظم کا حکم سنتا ہے اور ان کے خاموش ہو جانے کے بعد اس نے جانے کی اجازت مانگی۔ اس وقت صلاح الدین نے اپنا حکم پھر دہرایا۔ "تاکید رہے کہ صرف امرائے نوریہ اور میرے ان عزیزوں کو دربار میں جمع ہونے کی اطلاع دی جائے جو دربار میں حاضری دیا کرتے ہیں۔ باقی تمام کاروبار معطل کیا جاتا ہے"

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ مصر میں مقیم امرائے نوریہ اور صلاح الدین کے عزیز و اقارب دارالوزارت میں جمع ہونا شروع ہو گئے ہر شخص پریشان اور ہر چہرہ متفکر تھا صلاح الدین کا باپ نجم الدین ایوب اور ماموں شہاب الدین ہمہ وقت قاہرہ میں رہتے تھے۔ وہ بھی دربار آ گئے۔ نجم الدین ایوب سب سے زیادہ پریشان تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ رات کو کون سا ایسا واقعہ پیش آیا جس نے صلاح الدین کو مجلس مشورت طلب کرنے پر مجبور کر دیا تھا کل شام کو اس کی صلاح الدین سے ملاقات ہوئی تھی لیکن اس نے کسی غیر معمولی واقعہ کی طرف اشارہ تک نہ کیا تھا۔

صلاح الدین اپنے باپ کی بہت عزت کرتا تھا وہ تمام معاملات میں باپ سے مشورہ کرتا اور اس کی بات کو مقدم رکھتا تھا اس اہم معاملہ میں بھی باپ سے قبل از وقت مشورہ کرنا اس کا فرض تھا لیکن اسے اس کا موقعہ ہی نہ مل سکا۔ دمشق سے آنے والا جاسوس اس تک نصف شب گزر جانے پر پہنچا تھا پھر اس سے گفتگو ہوئی اور اس نے جاسوس کو رخصت کر دیا اس وقت تک صبح کاذب کا وقت ہو چکا تھا صلاح الدین نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس وقت باپ کو تکلیف دے جبکہ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ صبح کو مجلس مشاورت منعقد کرے گا جس میں اس کا باپ بھی شریک ہو گا۔

بہرحال اب دربار خاص بلکہ مجلس مشاورت میں اس کے تمام رشتہ دار اور امرائے نوریہ حاضر ہو گئے تھے صلاح الدین نے سب پر ایک نظر ڈالی پھر متانت سے کہا "سب سے

پہلے تو میں معذرت پیش کروں گا کہ میں نے آپ لوگوں کو اس قدر سویرے زحمت
لیکن بات ہی ایسی تھی کہ میں ایک لمحہ انتظار نہ کر سکتا تھا۔ اب میں اپنے دوست
ہمدردوں اور رشتہ داروں پر افسوس کے ساتھ اس بات کا انتظار کر رہا ہوں کہ دربار د
میں میرے بد خواہوں نے سلطان معظم کے اس قدر کان بھرے ہیں کہ انہیں میرے
غداری اور حکم عدولی کا شبہ ہونے لگا ہے۔ چنانچہ سلطان عالی مقام اپنے اس غلام کی س
کے لئے ایک لشکر جرار کے ساتھ مصر کا رخ کر رہے ہیں ظاہر ہے کہ یہ خبری فوری تو
مطالبہ کرتی ہے اور اس لئے میں نے آپ لوگوں کو زحمت دی ہے آپ لوگ میر
بزرگ اور ہمدرد ہیں مجھے مشورہ دیجئے کہ اس سلسلہ میں مجھے کیا قدم اٹھانا چاہئے؟"

اس خبر سے دربار پر سناٹا چھا گیا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہر شخص تھرا اٹھا سلطان دمش
لشکر لے کر مصر آنے کا مطلب تھا کہ دمشق کی عظیم مسلم مملکت اور مصر کی ابھرتی ہ
مسلمان ریاست آپس میں ٹکرا جائیں۔ وہ وقت کیسا بھیانک ہو گا جب مسلمان کی تا
مسلمان ہی کی تلوار سے ٹکرائے گی اگر صلاح الدین نے سلطان دمشق نور الدین زنگی
پنجہ آزمائی کی کوشش کی تو زمانہ کیا کہے گا یہی کہ ایک آقا کے مقابلہ پر اس کا غلام
ایک محسن کے سامنے ایک احسان فراموش کھڑا ہو گیا کیا یہ غلط تھا کہ جب صلاح الدین
باپ نجم الدین ایوب کو قلعہ تکریت سے نکلنا پڑا تھا تو اسے نور الدین زنگی کے باپ
الدین زنگی نے اپنے سائیہ عافیت میں جگہ دی تھی اور یہ بھی حقیقت تھی خود صلاح الد
کی پرورش اور تربیت سلطان نور الدین زنگی نے کی تھی صلاح الدین کو صلاح الدین بنا
میں اس کے چچا اسد الدین شیر کوہ کا بھی بڑا حصہ تھا فنون سپہ گری کے گروں سے صلا
الدین کو شیر کوہ ہی نے آگاہ کیا تھا لیکن یہ سلطان نور الدین زنگی کی بلندی نظری اور ا
ظرفی تھی جس نے صلاح الدین کی تربیت میں اس قدر دلچسپی لی جیسے صلاح الدین' امیر
الدین کا بیٹا نہیں بلکہ سلطان نور الدین زنگی کا اپنا لخت جگر ہو۔

دربار کا سناٹا طول کھینچتا جا رہا تھا درباریوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس معاملہ
کیا مشورہ دیں کس رائے کا اظہار کریں ایک طرف وہ سلطان تھا جس کے وہ سب ملازم ا
غلام تھے دوسری طرف وہ جواں عمر سپہ سالار اور مصر کا وزیر اعظم تھا جس نے اپنی شمشیر
ہروار اور حکمت عملی سے مصر سے تقریباً" دو سو سالہ فاطمی اقتدار ختم کر دیا تھا جس
معرکوں نے یروشلم کے نصرانی شاہ ایمارک کی چیرہ دستیوں سے مصر کو محفوظ کیا اور ا
شکستوں پر شکستیں دے کر اسے اپنی حدود میں سمٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا اور آج سلط
مصر' سلطنت یروشلم ہی نہیں بلکہ شہنشاہ قسطنطنیہ کا منی نس کے لئے بھی خطرہ بن گئی تھی

ان باتوں کے علاوہ صلاح الدین کے سات بھائی اور بھتیجے اس کے اس قدر وفادار اور
جاں نثار تھے جو صلاح الدین کے پسینہ پر اپنا خون بہانے کے ہر وقت تیار رہتے تھے ان کا
سلطان دمشق سے کوئی تعلق نہ تھا وہ تو صلاح الدین اور صرف صلاح الدین کو جانتے تھے
شائد یہی جذبہ تھا جس نے نوعمر تقی الدین عمر کو دربار کا سکوت توڑنے کا موقعہ دیا نوعمر تقی
الدین' امیر صلاح الدین کے ایک بھائی نور الدولہ شاہاں شاہ کا بیٹا تھا۔

تقی الدین تلوار ٹیک کے کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا تھا اس نے اپنی
تلوار بے نیام کی اور لہراتے ہوئے کہا "اگر نور الدین زنگی نے مصر میں قدم رکھا تو خدا کی
قسم ہم اس سے لڑیں گے اور اس ملک سے نکال دیں گے"

نوجوان تقی الدین کے اس پرجوش اعلان سے صلاح الدین کے دوسرے عزیز و
اقارب جن کی گردنیں سلطان دمشق کا نام سن کر جھک گئی تھیں ان کی گردنیں بھی اکڑ
گئیں اور وہ بولنے کے لئے پر تولنے لگے لیکن نجم الدین ایوب نے کسی کو بولنے کا موقعہ نہ
دیا اور غصہ میں بھرا ہوا کھڑا ہوا۔

نجم الدین نے تقی الدین کو مخاطب کر کے کہا "او بد زبان لڑکے! منہ سنبھال کر بات کر
ورنہ مجھے تیری زبان تراشنا پڑے گی۔ تیری یہ مجال کہ شاہ دولاں' سلطان دمشق کا نام تو بغیر
القاب کے لے۔ کیا تجھے اپنا سر کاندھوں پر بھاری اور تو جان بوجھ کے شیر مشرق کو للکار رہا
ہے تیرا اگر یہ خیال ہے کہ اس دربار میں کوئی تیری ہمنوائی کرے گا تو یہ تیری بھول ہے
ہمارے مربی' ہمارے آقا اور ہمارے شاہ معظم' سلطان عالم اعلیٰ حضرت نور الدین زنگی ہیں"

پھر نجم الدین ایوب نے بھی تلوار نیام سے نکالی لی اور اسے لہراتے ہوئے صلاح الدین
سے سوال کیا "اے شہسوار اور شمشیر زن صلاح الدین' میں تیرا باپ نجم الدین ایوب ہوں
اور اس بے لگام تقی الدین کے برابر کھڑا ہوا شخص تیرا سگا ماموں شہاب الدین ہے اس
دربار میں کیا کوئی دوسرا آدمی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ تمہیں ہم دونوں سے زیادہ چاہتا ہے یا
ہم سے زیادہ کسی اور نے تمہیں پیار دیا ہے؟"

"ہرگز نہیں بابا جان" صلاح الدین نے فوراً" انکار کیا "آپ دونوں بزرگوں سے زیادہ
نہ مجھے کس نے چاہا ہے اور نہ چاہ سکے گا"

"تو سن اے صلاح الدین! باوجود تجھ سے اس قدر پیار اور محبت کے اگر میری یا
تیرے ماموں کی سلطان دمشق سے ملاقات ہو جائے تو یقین کر کہ ہم اس کی خاک پا کو بوسہ
دیں گے اس کے آگے سر جھکائیں گے اور اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کے چلیں گے اور
اگر وہ ہمیں تیرا سر قلم کرے' کا حکم دیں گے تو ہم اس کی فی الفور تعمیل کریں گے اس بات

سے اندازہ لگا لے کہ جب ہم جو کہ تیرے پیارے ہیں وہ تیرے ساتھ یہ سلوک کریں گے
تو پھر غیروں کا تیرے ساتھ کیا رویہ ہو گا اگر سلطان معظم یہاں آجائیں تو ہم سب اور پورا
لشکر اس کی تعظیم کرے گا ملک شام کی طرح ملک مصر بھی اس کا ہے وہ اگر ہمیں سرفراز
کرے تو ہم اس کے شکر گزار ہوں گے اور اگر معزول کر دے تو ہم اس کے حکم کے
سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔"

باپ کے خطاب سے صلاح الدین کا سر جھک گیا تھا۔ نجم الدین ایوب نے سانس لے
کر کہا "اے میرے بیٹے اگر تجھے اپنے باپ' خاندان اور خود تیرے اوپر سلطان دمشق کے
احسانوں میں سے ایک احسان بھی یاد ہے تو بے شک سلطان کو کہلوا دے کہ اے میرے
آقا مجھے معلوم ہے کہ آپ کو اس غلام پر غداری کا شبہ ہے اور آپ کا ارادہ اس ملک پر
حملہ کرنے کا ہے لیکن اس زحمت اور تکلیف کی کیا ضرورت ہے آپ ایک اونٹنی پر ایک
قاصد کو یہاں بھیج دیجئے تاکہ وہ ایک پلکے سے میری گردن باندھ کے آپ کے حضور میں
پیش کر دے مصر میں کسی کی اتنی ہمت نہیں کہ آپ کے قاصد کی بھی مزاحمت کر سکے"

آخر میں نجم الدین نے حاضرین سے کہا "آپ اصحاب واپس جا سکتے ہیں۔ ہم سب
لوگ سلطان دمشق نور الدین زنگی کے غلام ہیں وہ جو سلوک چاہیں ہمارے ساتھ کر سکتے
ہیں۔ یہاں کسی میں زبان ہلانے کا بھی یارہ نہیں"

جب سب چلے گئے اور صرف نجم الدین اور صلاح الدین رہ گئے تو نجم الدین نے بیٹے
کو سمجھایا "صلاح الدین بیٹے' امیروں اور حکمرانوں کو اپنے دل کا حال افسروں کے سامنے
کبھی نہ بیان کرنا چاہئے کیونکہ دو کشتیوں میں بیٹھے افسروں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا امرائے
نوریہ میں بہت سے حاسد موجود ہیں ان سے بھلائی کی توقع رکھنا عبث ہے اگر میں تقی الدین
کی بات کی تائید کرتا تو تمہارے یہی قاصد سلطان کو اور زیادہ تمہارے خلاف بھڑکاتے اور
جنگ تک نوبت پہنچ جاتی اس وقت جنگ جو کہ خانہ جنگی ہو گی ہمارے لئے مفید نہیں میں
نے مصالحت کا طریقہ اختیار کیا اور ایسی باتیں اپنی زبان سے کہیں کہ اگر امرا ان باتوں کو
سلطان تک پہنچائیں گے تو اس سے تمہیں نقصان کے بجائے فائدہ ہی پہنچے گا"

صلاح الدین نے باپ کے مشورہ پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا "بابا جان! آپ نے
بالکل صحیح مشورہ دیا اور بڑی دور اندیشی سے کام لیا میں آپ کی باتوں کو بالکل اسی طرح
اپنے خط میں درج کروں گا جس طرح آپ نے اس وقت کہی ہیں"

مشورہ نہایت مناسب تھا صلاح الدین نے اسی وقت اپنے ہاتھ سے خط لکھا اور با اعتماد
قاصد کے ذریعہ دمشق روانہ کر دیا۔ نجم الدین اس سلسلہ میں اتنا بے چین تھا کہ بعد دوپہر

وہ خود صلاح الدین سے ملنے پہنچ گیا "بابا جان خیریت تو ہے آپ نے کیونکر تکلیف فرمائی
مجھے بلوا لیا ہوتا" صلاح الدین کے انداز سے پریشانی اور حیرت کا اظہار ہوتا تھا۔

"بس یونہی آگیا" نجم الدین نے اسے مطمئن کرنے کے لئے کہا "ارے ہاں تم نے
سلطان کو خط بھیج دیا؟"

"خط بھیج دیا اور قاصد کو تاکید کی کہ وہ جلد از جلد دمشق پہنچنے کی کوشش کرے"
صلاح الدین نے اطمینان سے جواب دیا "میں نے قاصد سے کہہ دیا ہے کہ سلطان جہاں
اور جس جگہ بھی ہوں یہ خط انہیں وہیں پہنچایا جائے"

"شاباش بیٹے۔ یہ تم نے بڑا اچھا کیا" نجم الدین کا لہجہ بھی مطمئن تھا "یہ بات تو خیر
اس مصلحت کی تھی جو حکمرانوں کو اکثر پیش آتی ہیں ورنہ اس سے ہٹ کے حقیقت تو یہ
ہے کہ میرے اور جوان عمر تقی الدین کے خیالات میں ذرہ برابر فرق نہیں اس بچے نے
سلطان کے خلاف زبان کھول کر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ایوبی خاندان میں تقی الدین
جیسے سر پھرے جوان بھی موجود ہیں جو کسی مصلحت کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنی اور اپنے
خاندان کی سربلندی چاہتے ہیں"

"بابا جان آپ درست فرما رہے ہیں" صلاح الدین نے کہا "میں بھی اس وقت مصلحتاً
خاموش رہا ورنہ میرا دل چاہا تھا کہ اس جوان کی پیٹھ ٹھونکوں اور اس کی جرات کی داد دوں"

"تمہیں علم نہیں صلاح الدین کہ اس وقت میرے دل پر کیا گزری تھی جب تم نے
یہ کہا تھا کہ سلطان کو تم پر غداری کا شبہ ہے اور وہ مصر پر فوج کشی کر رہے ہیں" یہ الفاظ
ادا کرتے وقت بوڑھے جرنیل کا جسم کانپ رہا تھا۔ یقین کرو بیٹے مصر تو خیر ایک عظیم
سلطنت ہے اگر سلطان تم سے اس ملک کا ایک گنا واپس لینے کی کوشش کرے تو میں اور
میرا پورا خاندان مرنے مارنے پر تیار ہو جائے گا۔ اس ملک میں سب سے پہلے تمہارے چچا
اسد الدین شیر کوہ نے نصرانیوں کے تسلط سے آزاد ملک کا تصور دیا پھر اس کی بنیاد رکھی اور
تم نے اس بنیاد پر ایک عظیم اسلامی سلطنت کا ایوان تعمیر کیا کیا تمہاری قربانیوں کو ضائع کیا
جا سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں"

نجم الدین ایوب کا اندازہ ٹھیک تھا صلاح الدین کی مجلس مشاورت سے اٹھتے ہی تمام
امرائے نوریہ نے اپنے اپنے طور پر آج کی مجلس کی پوری روداد سلطان کو لکھ بھیجی وہ
امرائے نوریہ جو صلاح الدین کے بہی خواہ تھے ان کی تحریریں صلاح الدین کی موافقت میں
تھیں انہوں نے پر زور الفاظ میں صلاح الدین پر "غداری" کے الزام کی تردید کی تھی رہے

وہ امرا جو صلاح الدین کے نہ موافق تھے اور نہ مخالف انہوں نے سادہ الفاظ میں آج ک
واقعات کی تفصیل لکھی تھی اور اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہ کیا تھا۔

صلاح الدین نے تو سلطان کو دوپہر کے بعد خط لکھا تھا اور اس کا قاصد قریب شا
دمشق روانہ ہوا تھا لیکن امرائے نوریہ نے سلطان کو اپنی کارگزاری دکھانے کے لئے فورا
ہی اپنے قاصد دمشق روانہ کر دیئے تھے جو صلاح الدین کے قاصد سے بہت پہلے سلطان کے
پاس پہنچ گئے تھے۔ سلطان دمشق نے اس وقت تک لشکر کوچ کا حکم نہ دیا تھا اور اس ک
ترتیب میں مصروف تھا کہ امرائے نوریہ کے قاصد یکے بعد دیگرے آنے شروع ہو گئے
امرائے نوریہ کے پیغامات ہی سے سلطان کے خیالات میں صلاح الدین کی طرف سے نا
پیدا ہو گئی تھی پھر جب صلاح الدین کا خط موصول ہوا تو سلطان نور الدین زنگی اپنے مص
نائب کی طرف سے بہت کچھ مطمئن ہو گیا تھا۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا دل پور
طرح صاف ہو گیا لیکن یہ ضرور ہوا کہ اس نے مصر پر فی الحال قوت کشی کا ارادہ ملتوی
دیا سلطان بڑا جہاندیدہ تھا ممکن ہے کہ اس کو دل میں یہ بھی خیال آیا ہو کہ یہ فوج کشی م
اور دمشق دونوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ ایک اندازے کے مطا
صلاح الدین نے اس قدر طاقت حاصل کر لی تھی کہ وہ نصرانی بادشاہ یروشلم کا نہ صرف
آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے بلکہ خود بھی یروشلم پر حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہے اس۔
اس نے صلاح الدین کے زبانی اظہار اطاعت پر خوشنودی کا اظہار کیا اور مصر کے خلا
فوج کشی سے باز رہا۔

پھر جب دمشق سے اطلاع پہنچی کہ سلطان نور الدین نے صلاح الدین کے معذر
نامہ کو شرف قبولیت بخشا ہے اور اس نے فوجی تیاریوں کو منسوخ کرنے کا حکم جاری کیا
تو قاہرہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ صلاح الدین اسی وقت باپ کے پاس پہنچا اور محبت
بھرے لہجہ میں کہا "بابا جان خدا آپ کا سایہ میرے سر پر قیامت تک برقرار رکھے ا
اطلاع آئی ہے کہ سلطان نے مصر پر حملہ کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے لشکر کی تیاری منسوخ
گئی ہے اور میرے خط میں لکھی گئی حقیقتوں کو سلطان نے منظور فرمایا ہے۔"

نجم الدین ایوب کی بوڑھی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چمک اٹھے اس نے بھرا
ہوئے لہجہ میں کہا "صلاح الدین شکر ہے کہ ہم ایک بڑی مصیبت سے محفوظ رہے ورنہ
خدانخواستہ مصر اور دمشق کے لشکر ٹکرا جاتے تو دو میں سے ایک کا خاتمہ لازمی تھا جیتنے
بھی نقصان ہی میں رہتا اس لئے کہ اس جنگ کے بعد اس میں اتنی سکت بھی نہ رہتی کہ
شاہ یروشلم کے حملے کو بھی روک سکتا۔

"بے شک بابا جان آپ صحیح فرماتے ہیں میں جب اس جنگ کا تصور کرتا ہوں تو اپنی
جگہ کانپ اٹھتا ہوں" امیر صلاح الدین وزیراعظم مصر نے جو خود ایک زبردست سلطنت کا
مالک بن گیا تھا یہ کہہ کر ایک بڑی حقیقت کا اعتراف کیا۔

سلطنت مصر میں بڑی تیزی سے تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ مرحوم فاطمی خلیفہ کے خاندان
والوں کو صلاح الدین نے جو مراعات دے رکھی تھیں اس سے وہ جائز اور ناجائز فائدے
اٹھا رہے تھے شاہی خاندان کی دیکھ بھال اور ان کے معاملات کو طے کرنے کے لئے پہلے
بہاؤ الدین قراقوش کو مقرر کیا گیا تھا لیکن اس نے شاہی خاندان کے افراد پر کچھ سختی کی تھی
جس کی بنا پر لوگ اس سے برہم ہو گئے یہ بات جب صلاح الدین تک پہنچی تو اس نے اس
عہدے سے قراقوش کو ہٹا کر فقیہ عیسیٰ ہکاری کو لگایا گیا تھا فقیہ عیسیٰ ہکاری' شاہی خاندان
والوں کے لئے فرشتہ ثابت ہوئے انہوں نے شاہی خاندان پر سے بہت سی پابندیوں کا خاتمہ کر
دیا اب وہ لوگ نہ صرف آپس میں مل جل سکتے تھے بلکہ قاہرہ کے دوسرے محلوں میں بھی
جانے لگے تھے۔

یہ سب کچھ ہوا مگر شاہی خاندان کے افراد کی شادی پر اب بھی بدستور پابندی تھی اور
ہر شخص کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنی شادی کے سلسلہ میں دارالوزارت سے اجازت
حاصل کرنا پڑتی تھی۔ شادی کی یہ درخواست اگر مرد کی طرف ہوتی تو اسے اپنی پسند کی
عورت کے کوائف دینا ہوتے اور اگر درخواست دہندہ عورت ہو تو اسے اپنی پسند کے مرد
کے بارے میں ضروری اطلاعات فراہم کرنا پڑتی تھیں اس طرح ایک درخواست درشہوار
نے بہاؤ الدین کے ذریعہ وزیراعظم کی منظوری کے لئے پیش کی تھی لیکن اسی دوران شہزادہ
داؤد بن عاضد کی بغاوت کی افواہ اڑی اور پکڑ دھکڑ اور گھر گھر تلاشی شروع ہو گئی صلاح
الدین سے بعض شہزادوں نے شکایت کی بہاؤ الدین قراقوش نے بغاوت کی آڑ لے کر
شہزادوں پر زیادتی کی ہے پس صلاح الدین کے تحقیقات کے بعد بہاؤ الدین کو اس عہدے
سے ہٹا دیا۔

اس کے بعد قلعہ الشوبک کے محاصرے کا واقعہ پیش آیا اور صلاح الدین خود ایک
مشکل میں پھنس گیا اگر اس کا باپ نجم الدین ایوب اسے سلطان دمشق کے پاس معذرت
نامہ بھیجنے کا مشورہ نہ دیتا تو پھر نہ جانے مصر کا کیا حشر ہوتا مختصر یہ کہ اس الٹ پلٹ میں
درشہوار کی درخواست کہیں غتر بود ہو گئی جب کافی عرصہ گزرنے پر بھی درشہوار کو جواب نہ
ملا تو اسے فکر ہوئی درشہوار کی کنیزوں اور غلاموں نے طبیب اعظم کو اس محل میں آتے

جاتے کئی بار دیکھا تھا لیکن سوائے درشہوار کی راز دار کنیز نیل کے اور کوئی نہ جانتا تھا کہ درشہوار نے طبیب اعظم کے ساتھ شادی کی اجازت مانگی ہے۔

درشہوار کی حمیت گوارہ نہ کرتی تھی کہ وہ طبیب اعظم سے اپنی درخواست کے بارے میں کچھ پوچھے وہ طبیب اعظم پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ شادی کے لئے بے چین ہے۔ درشہوار شادی کے لئے بے چین تو نہ تھی لیکن شادی اس کی ضرورت بن گئی تھی ملکی حالات میں مد و جزر پیدا ہو رہا تھا بغاوت کی افواہیں روز اڑا کرتی تھیں ان حالات میں وہ چاہتی تھی کہ کس طرح ایک ٹھکانے لگ جائے اور ایسا نہ ہو کہ کوئی بڑا انقلاب آجائے اور اس کی مراعات ختم کر دی جائیں۔

طبیب اعظم کا درشہوار کے محل آنا جانا بھی ان دنوں کچھ ہو گیا تھا دراصل جب سے فقیہ عیسیٰ ہکاری نے شاہی خاندان کی نظامت کا عہدہ سنبھالا تھا اس وقت سے اخراجات کے کم کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تھا اس کی زد میں بہت سے لوگ آگئے تھے قصر کبیر یعنی خلافت کے تمام ملازمین اب تک شاہی خزانہ سے مشاہرہ پا رہے تھے حالانکہ فاطمی خلیفہ العاضد کی وفات کے بعد ان کا کوئی کام نہ رہ گیا تھا سرکاری خزانہ پر یہ ایک طرح کا بوجھ تھا فقیہ عیسیٰ ہکاری نے ان بیکار ملازمین کو دوسرے دفتروں اور دوسرے شہروں میں تعینات کرنے کی سفارش کی تھی پس وہ لوگ جو حلال کی روزی کمانا چاہتے تھے وہ تو باقی رہ گئے لوگ خود ہی ملازمت چھوڑ گئے تھے۔

طبیب اعظم اور اس کی طرح کے اور بہت سے عہدیدار جو فاطمی خلیفہ کی ذات سے وابستہ تھے ان کے لئے کوئی کام باقی نہ رہ گیا تھا فقیہ عیسیٰ ہکاری نے یا تو ان کا مشاہرہ بند کر دیا تھا یا نصف کر دیا تھا طبیب اعظم کے پاس ایک چھوٹی سی جاگیر تھی اور قاہرہ میں تین چار محل نما حویلیاں تھیں ان کا مشاہرہ بند ہوا تو ان کا چہرہ بھی شکن آلود ہو گیا شکنیں غصہ کی نہیں بلکہ فکر کی تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے درشہوار کے پاس کم کر دیا تھا۔

ایک دن درشہوار نے رازدارانہ انداز میں نیل سے کہا "تو دیکھ رہی ہے نیل کہ طبیب اعظم کے رویئے میں کچھ دنوں سے فرق آگیا ہے؟"

"محترمہ عالیہ!" نیل نے فوراً جواب دیا "یہ بات میں کئی دن سے آپ سے کہنا چاہتی تھی لیکن اس خیال سے زبان بند رکھی کہ کہیں محترمہ عالیہ کو ناگوار نہ گزرے۔ طبیب اعظم کی بات تو بالکل صاف ہے ان میں آپ کے لئے پہلی سی لپک باقی نہیں رہی پہلے آتے تو اپنی عمر سے منہ موڑ کر جوانوں کی طرح گدگدیاں کرتے تھے ان کے آنے سے

میں رونق آجاتی تھی کہیں اب ان کا آنا بھی کم کم ہے اور بات کرنا بھی کم کم"

"ٹھیک ہے نیل۔ میں بھی اسی طرح محسوس کرتی ہوں مگر اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟" نیل نے اس سے سوال کیا۔

"بھلا یہ اندازہ تو نے کیسے لگایا؟" درشہوار نے دلچسپی ظاہر کی۔

"پہلی بات تو یہ کہ طبیب اعظم کو اپنی زندگی میں آپ جیسی حسینہ کے قریب بیٹھنا تو درکنار بات کرنا بھی نصیب نہ ہوا ہو گا دوسرے یہ کہ ان کے لئے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ وہ خلیفہ محترم کی محبوب ترین بیوہ کے شوہر ہونے والے ہیں یہ تو ان کی خوش قسمتی ہے کہ آپ انہیں اپنے محل میں داخل ہونے دیتی ہیں ورنہ وہ تو اس قابل بھی نہیں کہ شاہی خاندان کی کوئی عورت ان سے علاج کے علاوہ دوسری بات کرے" نیل اپنی رو میں درشہوار کی تعریفیں کرتی چلی گئی۔ اس کی تعریف کچھ غلط بھی نہ تھی ایسی [illegible] عورتیں بہت کم پیدا ہوتی ہیں اور قسمت والے ہی کو ملتی ہیں۔

درشہوار نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "ان باتوں کے باوجود اسے شادی سے دلچسپی نہیں معلوم ہوتی۔ مجھے اجازت کی درخواست دیئے کتنے مہینے ہو گئے اس نے آج تک نہ تو مجھ سے پوچھا ہے اور نہ خود کوئی کوشش کی"

مالکن اگر مہربان ہو تو کنیز اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے یہی جذبہ نیل کے دل میں پیدا ہوا اس نے کہا "محترمہ عالیہ! میں بہت حقیر سی کنیز ہوں لیکن آپ اجازت دیں تو میں آپ کے کام کے لئے ناظم کے دفتر کے علاوہ دارالوزارت بھی جا سکتی ہوں"

درشہوار نے تعجب سے اسے دیکھا "تم ------ تم دارالوزارت جاؤ گی؟"

درشہوار کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی "میرا خیال ہے کہ پہلے تم یہاں کے ناظم کے دفتر جاؤ اگر وہاں کچھ پتہ نہ چلے پھر دارالوزارت جانا"

"آپ اس کی فکر نہ کیجئے محترمہ عالیہ" نیل نے کہا "آپ کو اپنے کام سے مطلب ہے تو وہ دارالوزارت سے ہو یا پھر قصہ سلطانی سے ہو"

"بھئی واہ! تجھ میں تو بڑی ہمت ہے نیل۔ مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا ورنہ اب تک میرا کام ہو چکا ہوتا" درشہوار کو اس پر اعتبار ہوتا جا رہا تھا۔

نیل نے پوچھا "مجھے کب جانا ہو گا محترمہ عالیہ؟"

"یہ تمہاری مرضی! جب چاہے چلی جاؤ" درشہوار نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا۔

"میں آج ہی سے اپنا کام شروع کئے دیتی ہوں" نیل نے فیصلہ کر دیا "ہاں ایک بات

مجھے اور بس اللہ آتی ہے گنتی تک دس ہوں کی ہی نام بس لکھی پڑھی میں دوں بتا کو

کرلوں گی"

م آپ ایک پرچی ہی پر اپنا لکھ دیجئے باقی میں سب کچھ کرلوں گی"

"میرچی پر نام لکھوں!" درشہوار سوچ میں پڑ گئی۔

"محترمہ عالیہ۔ آپ پرچی پر نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتیں تو میری ہتیلی پر لکھ دیجئے"

ں نے درشہوار کی الجھن دور کر دی۔

درشہوار خوش ہو گئی "ہاں یہ ٹھیک ہے اچھا ادھر آؤ؟"

درشہوار نے اسے پاس بلا کر اس ہتھیلی پر اپنا نام لکھ دیا۔

نیل کنگھی چوٹی سے تو ہر وقت درست رہتی تھی اس نے نیا جھلملاتا جوڑا پہنا اور

کانوں میں چھوٹی بالیاں ڈال لیں ورشہوار نے بالیاں دیکھ کے منہ بنایا۔

"یہ بالیاں پہن کے جائے گی کیا کہیں گے لوگ کس کی کنیز ہے" درشہوار نے اس کی

بالیاں اتروا دیں اور اپنے گوشوارے اسے پہننے کے لئے دیئے۔

نیل نے درشہوار کے گوشوارے پہن لئے۔

درشہوار اسے دیکھ کے مسکرا رہی تھی۔

"ذرا آئینہ میں منہ تو دیکھ" درشہوار اسے دیکھ کے مسکرا رہی تھی۔

زیور بھی کیا چیز ہے بن گہنے صرف چاند اچھا لگتا ہے ورنہ عورت کا حسن تو زیور ہی

سے دوبالا ہوتا ہے نیل نے اپنا چہرہ آئنہ میں دیکھا تو خود اپنے آپ سے شرما گئی وہ بہت

صاف گو تھی اس نے درشہوار کو بتایا تھا کہ اس ایک آنکھ میں سفید داغ ہے مگر اس کا داغ

کون دیکھتا چہرہ ایسا خوبصورت ہو گیا تھا کہ مرد دیکھے تو بس دیکھے ہی جائے۔

آخر نیل اس سج دھج سے نکلی کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ گئے۔

اس علاقہ میں آمد و رفت بہت کم رہتی تھی۔ پھیری والے بھی نہیں آتے تھے قدم

قدم پر پہرہ لگا تھا جب سے بغاوت کی افواہ پھیلی تھی محافظوں میں اضافہ کر دیا گیا تھا شاہی

معاملات کے ناظم کا دفتر اسی علاقہ میں تھا نیل کو وہاں پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی بس ایک

جگہ اسے پوچھنا پڑا اور وہ دو سڑکیں پار کر کے ناظم کے دفتر پہنچ گئی۔

نیل کو دفتری کاموں کا پتہ نہ تھا اس نے نظام کا دفتر پوچھا اور سیدھی دفتر میں داخل

ہو گئی دفتر کے اندر ایک بزرگ بیٹھے کاغذات الٹ پلٹ کر رہے تھے نیل نے ان کی بزرگی

کا لحاظ کیا اور سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گئی اس نے سوچا کہ بزرگ کاغذات سے فارغ ہ

جائیں تو وہ بات کرے لیکن بزرگ کا کام ختم ہی نہ ہوتا تھا وہ ایک کاغذ اٹھاتے اسے غو

سے پڑھتے کچھ سوچتے پھر اس پر کچھ لکھ کے الگ رکھ دیتے پھر دوسرا کاغذ اٹھا لیتے نیل ایک

گھنٹے تک یہی لکھا پڑھی دیکھتی رہی ا۔ ۔ ۔ تنگ آ گئی۔

"بزرگ محترم! میری بات بھی سنئے" نیل نے بڑے ادب سے کہا۔ بزرگ نے سر

اٹھا کر دیکھا "کیا بات ہے بیٹی۔ بے جھجک کہو میں سن رہا ہوں"

"مجھے ناظم صاحب سے ملنا ہے وہ کب آئیں گے؟" نیل نے اسی مہذب انداز میں

سوال کیا بزرگ پھر چونکے "تمہیں صرف ناظم صاحب سے ملنا ہے کہ کوئی کام بھی ہے؟"

نیل گھبرا گئی "جی ــــ جی وہ ــــ آپ غلط سمجھ رہے ہیں مجھے ان سے کام ہے"

"کام کی نوعیت بتا سکتی ہو؟" بزرگ کے لہجے میں اک دم کرارا پن آگیا تھا۔

"جی مجھے انہی سے کچھ عرض کرنا تھی" نیل سوائے ناظم کے اور کسی سے بات نہیں

کرنا چاہتی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ اچھا تمہارا نام کیا ہے؟" بزرگ کے انداز میں رعب پیدا ہو گیا

تھا۔

"میرا نام نیل ہے۔ مگر کام میرا نہیں ہے" نیل نے صاف کہہ دیا۔

"پھر کس کا کام ہے؟" بزرگ کا انداز حاکمانہ ہو گیا۔

نیل واقعی رعب میں آگئی اس کی آواز گلے میں اٹکنے لگی اس نے منہ سے جواب

دینے کے بجائے اپنی ہتھیلی بزرگ کے آگے کر دی جس پر "درشہوار" لکھا تھا۔

بزرگ کو تیسری بار جھٹکا لگا۔ انہوں نے نیل کو غور سے دیکھا "تم ــــ تم ــــ

عالیہ درشہوار کی کیا لگتی ہے۔ میرا مطلب ہے تمہارا ان سے کیا رشتہ ہے؟"

"میں محترمہ عالیہ کی کنیز ہوں بزرگ محترم" نیل نے حوصلہ سے کہا۔

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا بیٹی؟" بزرگ نے کام ایک طرف رکھ دیا۔

"آپ نے پوچھا کب تھا؟" نیل نے قدرے شوخی سے کہا۔

"اچھا خیر ــــ کام کیا ہے محترمہ عالیہ کا؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ بات تو میں ناظم صاحب ہی کو بتاؤں گا" نیل نے پھر شوخی دکھائی۔

میں ہی ناظم ہوں۔ فقیہ عیسیٰ ہکاری مجھے کہتے ہیں" فقیہ نے بڑی سادگی سے کہا۔

نیل گھبرا کے کھڑی ہو گئی "آپ ــــ آپ ــــ فقیہ محترم - مجھ سے کوئی

ستاخی ہو گئی ہو تو معاف فرمایئے۔

"تم نے کوئی گستاخی نہیں کی " فقیہ سادگی سے بولے "اس جگہ جو بھی آتا ہے وہ

لان ہوتا ہے اور پریشانی میں انسان کا دماغ ٹھکانے نہیں رہتا میری کوشش ہوتی ہے کہ

اب کو مطمئن کروں ہاں تم نے کام نہیں بتایا ابھی تک؟"

ــــ .. محتـ. عالیہ نے ایک درخواست دی تھی۔ اسے تین مہینے . گئے ہر

"جواب اب تک نہیں ملا محترمہ عالیہ جواب نہ پانے کی وجہ سے بہت پریشان ہیں" نیل نے ناظم کو وہ سب کچھ بتا دیا۔

ناظم کی پشت پر ایک کھڑکی تھی۔ انہوں نے وہ کھڑکی کھولی اور کسی کو آواز دی نیل نے گردن اونچی کر کے دیکھا کھڑکی کے اس طرف ایک بڑا ہال تھا جہاں بہت سے لوگ کام کر رہے تھے اتنے میں ایک آدمی باہر کی طرف داخل ہوا۔

"جی میں حاضر ہوں کیا حکم ہے؟" آنے والے نے کہا۔

نیل سمجھ گئی کہ یہ وہی شخص ہے جسے ناظم نے آواز دی تھی۔

اس کی آواز پر ناظم نے اس کی طرف دیکھا۔ "دیکھو تین چار ماہ سے پہلے سے اب تک کے کاغذات کی پڑتال کرو ایک درخواست محترمہ عالیہ درشہوار کی آئی ہوئی ہے اس پر کیا کارروائی ہوئی اگر درخواست موجود ہو تو میرے پاس لے آئے"

آدمی چلا گیا ناظم کام میں لگ گئے اور نیل ادھر ادھر کا جائزہ لینے لگی۔ اسی وقت دو آدمی اور داخل ہوئے انکی عمریں تیس تیس سال کی ہوں گی دونوں کی صحت اچھی تھی لیکن لباس میں فرق تھا ایک کا لباس امیرانہ اور دوسرا اوسط درجہ کا لباس پہنچے تھا جس کا لباس امیرانہ تھا اس نے ناظم کے قریب پہنچ کے ادب سے سلام کیا۔

ناظم نے سر اٹھایا اور آنے والے کو دیکھ کر مسکرائے "زہے نصیب' شہزادے نزار تشریف لائے ہیں"

"میں فقیہ محترم کے سلام کو حاضر ہوا ہوں" شہزادہ نزاد بھی مسکرایا۔

"آپ تشریف رکھئے' میں ایک منٹ میں فارغ ہو کے آپ سے بات کرتا ہوں" یہ کہہ کے ناظم پھر کام میں لگ گئے۔ شہزادہ نزار اور دوسرا آدمی نیل سے ذرا ہٹ کے بیٹھ گئے۔

نیل نے انہیں آتے دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ وہ کوئی اہم آدمی ہیں ایک کے بار- میں تو معلوم ہو گیا کہ وہ شہزادے ہیں ظاہر ہے کہ ان کا تعلق فاطمی خلیفہ کے خاندان- ہو گا رہا دوسرا آدمی تو اس کا راز نہیں کھل رہا تھا۔ نیل نے اس کے بارے میں سوچا کہ ضرور شہزادے نزار کا غلام ہے اگر وہ دوست ہوتا تو اس کا لباس بھی کم و بیش شہزاد جیسا ہی ہوتا۔

ناظم نے گردن اٹھائی اور نیل کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا سوائے اس کے شہزادے کا ساتھی بھی اسے چور نظروں سے دیکھ رہا تھا یہ نیل کا وہم نہیں تھا بلکہ اس- مرتبہ اس کی طرف دیکھا تھا اور دونوں بار اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تھا۔

ناظم نے شہزادے نزار کو مخاطب کیا "شہزادے بہادر! میں نے آپ کی درخواست کے جملہ کوائف کی تحقیقات کی مجھے خوشی ہے کہ آپ کی تحریر کردہ کوئی بات غلط نہیں آپ کی جاگیر کسی غلطی کی بنا پر ضبط ہوئی ہے۔ میں نے آپ کے کاغذات دارالوزارت بھیج دیئے ہیں"

ناظم کی بات کٹ گئی۔ کیونکہ وہ آدمی جسے ناظم نے درشہوار کی درخواست کے سلسلہ میں کہا تھا وہ ایک بھاری رجسٹر لے کے آ گیا۔ اس نے رجسٹر ناظم صاحب کے سامنے پھیلا دیا اور ایک جگہ انگلی رکھ کے بولا "یہ ملاحظہ فرمایئے۔ محترمہ عالیہ درشہوار کی درخواست کا یہ اندراج موجود ہے اس کے دوسرے اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ درخواست دارالوزارت بھیجی گئی تھی لیکن اس کی واپسی کا کوئی اندراج نہیں ملتا"

ناظم فقیہ عیسیٰ ہکاری کچھ سوچنے لگے۔ شہزادہ نزار چونک پڑا تھا اسے معلوم تھا کہ درشہوار مصر کی حسین ترین خاتون ہے اور وہ کچھ عرصہ قصر کبیر میں مرحوم فاطمی خلیفہ کی محبوب ترین بیوی رہ چکی ہے اس کے دل میں ایک گدگدی سی پیدا ہوئی شہزادہ نزار نے اب تک شادی نہیں کی تھی جاگیر کے ضبط ہو جانے کی وجہ سے وہ کافی پریشان تھا کسی دشمن نے اس پر الزام لگایا تھا کہ شہزادہ کا تعلق باغی سوڈانیوں سے ہے اس شبہ میں اس کی جاگیر بحق سرکار ضبط ہو گئی تھی۔

ناظم نے سر اٹھا کے نیل کی طرف دیکھا "تم نے اپنا کیا نام بتایا تھا بیٹی؟"

"نیل" نیل نے جواب دیا۔

"ہاں نیل! محترمہ عالیہ سے کہنا کہ ان کی درخواست دارالوزارت بھیجی گئی تھی لیکن اس کی واپسی کا کوئی اندراج نہیں ملتا" ناظم نے ٹھہر ٹھہر کے کہا "یہ سب کچھ محکمہ کے کسی کارکن کی بے پروائی کی وجہ سے ہوا ہے میں اس کی تحقیق کروں گا اور خطا کار کو سزا ملے گی بالفرض اگر درخواست نہ مل سکی تو میں محکمہ کے کسی ذمہ دار شخص کو محترمہ عالیہ کی خدمت میں بھیجوں گا تاکہ وہ ان کی دوبارہ درخواست تیار کرائے۔ نئی درخواست پر میں اپنی نگرانی میں عمل درآمد کراؤں گا"

نیل ناظم کی باتیں غور سے سن رہی تھی لیکن اس کی نظریں بار بار بھٹک رہی تھیں کیونکہ شہزادے نزار کا ساتھی اسے بار بار دیکھ رہا تھا اور نہ معلوم نظروں ہی نظروں میں کیا پیغام دے رہا تھا وہ اس نظربازی میں مصروف تھی کہ ناظم کی آواز ابھری۔

ناظم شہزادے سے کہہ رہے تھے "آپ کے کاغذات وزیراعظم کے ملاحظہ کے لئے روانہ کر دیئے ہیں۔ آپ کو فرصت ہو تو ذرا دارالوزارت چلے جایئے تاکہ صحیح صورت حال

معلوم ہو سکے"

"جی بہتر ہے میں اسی وقت جا رہا ہوں" شہزادے نے جواب دیا پھر جیسے اسے اک دم کچھ خیال آیا "فقیہ محترم! اگر آپ اجازت دیجئے تو میں محترمہ عالیہ کی درخواست کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر کے آپ کو اطلاع دیتا جاؤں"

ناظم نے نیل کی طرف دیکھا اور کہا "مجھے تو کوئی اعتراض نہیں لیکن ان سے پوچھ لیجئے ---- یہ ہیں نیل ۔ محترمہ عالیہ کی خاص کنیز۔ یہ اجازت دے دیں تو آپ اس بارے میں بھی دریافت کر سکتے ہیں"

شہزادے نزار نے نیل کی طرف دیکھا "اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں محترمہ عالیہ کی درخواست کے بارے میں بھی معلومات حاصل کروں"

نیل نے سوچتے ہوئے کہا "یہ تو بڑا نیکی کا کام ہو گا۔ میں خود بھی اس سلسلہ میر دارالوزارت جانا چاہتی تھی لیکن میرے پاس سواری نہیں ہے اور مجھے یہاں کے راستے بھ معلوم نہیں"

"اگر تم دارالوزارت جانا چاہتی ہو تو میرے ساتھ چل سکتی ہے میری سواری موجود ہے مجھے محترمہ عالیہ کا کام کر کے بہت خوشی محسوس ہو گی" شہزادے نزار نے بڑی بے تکلفی سے نیل کو سواری کی پیشکش کر دی۔

نیل نے فقیہ عیسیٰ ہکاری کی طرف دیکھا جیسے وہ ان کی اجازت چاہتی ہو فقیہ نے "جا سکتی ہو یہ شاہی خاندان کے ایک نیک جاگیردار ہیں"

نیل کا حوصلہ بڑھ گیا اور وہ دارالوزارت جانے کے لئے تیار ہو گئی اس نے بڑے مہذب طریقے سے شہزادے کا شکریہ ادا کیا "میں مہذب شہزادے کی شکر گزار ہوں انہوں نے میرے کام ---- میرا مطلب ہے کہ آپ نے محترمہ عالیہ کے کام میں ا قدر دلچسپی ظاہر کی"

"شکریہ کی کیا ضرورت ہے۔ میں اپنے کام سے جا رہا ہوں۔ آپکے ساتھ جانے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا" شہزادے نے نزار نے جواب دیا۔

پھر وہ سب ناظم فقیہ عیسیٰ ہکاری کو سلام کر کے باہر آئے سیڑھیوں کے نیچے ان کی گاڑی کھڑی تھی رتھ نما خوبصورت گھوڑا گاڑی شہزادہ نزار اور ان کا ساتھی ایک طرف گئے اور ان کے مقابل کے کوچ پر نیل بیٹھی۔ دارالوزارت زیادہ دور نہ تھا یہ لوگ جلد وہاں پہنچ گئے دارالوزارت کہنے کو تو وزیراعظم صلاح الدین کی رہائش گاہ تھی لیکن اس مردانہ حصے میں خدا معلوم کتنے دفتر قائم تھے مردانہ اور زنانہ حصہ کے درمیان میں

گیٹ تھا جس پر صرف ایک سنتری کھڑا تھا۔

شہزادے نزار نے اپنے ساتھی سے کہا "قسام تم نیل کے ساتھ برآمدے میں بیٹھو۔ میں کام کر کے ابھی آتا ہوں"

قسام نے جواب میں سر ہلایا شہزادہ ایک طرف روانہ ہو گیا۔

"ادھر آجاؤ نیل۔ میں یہاں کئی بار آچکا ہوں" قسام کو گفتگو کا موقعہ مل گیا۔

نیل نے قسام نے آنکھوں آنکھوں میں کئی باتیں کی تھیں مگر اب جو قسام نے زبان سے گفتگو کا آغاز کیا تو وہ جھجک گئی اور چپ چاپ اس کے ساتھ چلنے لگی۔ طویل راہ داری میں بیٹھنے کے لئے جگہ جگہ نشستیں لگی تھیں قسام نے ایک جگہ رک کر ایک نشست کی طرف اشارہ کیا۔

شہزادے نزار کے آنے سے ان کی گفتگو ختم ہو گئی شہزادہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ قسام نے اسے دیکھتے ہی پوچھا "میرے آقا آپکا چہرہ اس وقت کھلا پڑتا ہے کیا وزیراعظم نے ہماری سن لی ہے؟"

"تم بھی خوش ہو جاؤ قسام" شہزادے نے مسرت سے کہا "وزیراعظم نے واقعی ہماری سن لی ہے ہماری جاگیر واگزار ہو گئی ہے"

"مبارک مبارک۔ آپ کو مبارک ہو آقا" پھر قسام نے نیل کی طرف دیکھ کے کہا "نیل تم بھی آقا کو مبارک باد دو۔ شہزادے کی ضبط شدہ جاگیر واپس مل گئی ہے"

"شہزادے بہادر کی خدمت میں یہ کنیز بھی مبارکباد پیش کرتی ہے" نیل نے قسام کے کہنے کے مطابق مبارکباد دی۔

"شکریہ!" شہزادہ یہ کہہ کر چپ سا ہو گیا مگر فوراً ہی بولا "بھئی مجھے افسوس ہے تمہاری محترمہ عالیہ کی درخواست کا کوئی پتہ نہیں خیال یہ ہے کہ درخواست دارالوزارت تک پہنچی ہی نہیں"

"آپ کا پھر بھی شکریہ شہزادے بہادر" نیل نے کہا "آپ کی یہ کیا کم انسانیت ہے کہ آپ نے ایک اجنبی کے لئے اتنی تکلیف اٹھائی"

"ارے چھوڑو بھی ان تکلفات کو" شہزادہ نزار نے بے تکلف ہونے کی کوشش کی "یے محترمہ عالیہ کی درخواست کس بارے میں تھی؟"

"شہزادے بہادر! کنیز کا یہ کام نہیں کہ وہ مالکن کے رازوں کو کریدتی پھرے پھر اگر مجھے معلوم بھی ہوتا کہ اس میں کیا لکھا تھا تو بھی میں شائد آپ کو نہ بتاتی" نیل کا جواب نت تھا۔

"نیل اگرچہ تمہارا جواب گستاخی کی حدود میں آتا ہے مگر میں بہت خوش ہوا ایک وفادار کنیز کا یہی کردار ہونا چاہئے" شہزادے نزار کو ناگوار گزرا تھا لیکن وہ نیل کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

قسام نے بھی شوخی دکھائی "میرے آقا نیل تو بہت خوبیوں کی مالک ہے میں تو اس کی باتوں سے اس قدر خوش ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا"

"ٹھیک ہے بھئی۔ جب نیل اس قدر سلیقہ مند اور وفادار ہیں تو ان کی مالکن کیسی ہوں گی" شہزادہ نزار نے ایک ہلکی سی سسکی لی۔

نیل چونکی پھر اس کے تصور میں طبیب اعظم کی تصویر گھوم گئی اور وہ طبیب اعظم او شہزادہ نزار کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ شہزادہ نزار خوبصورت اور جوان اس کے مقابلہ طبیب اعظم جو اپنے بڑھاپے کو ہواؤں کے زور پر روکے ہوئے ہیں پھر شہزادہ حیثیت م طبیب اعظم سے کم بھی نہیں۔ اب تو شہزادے کی جاگیر بھی بحال ہو گئی ہے۔

تینوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ نیل کے بتائے راستہ پر گاڑی چلتی رہی محترمہ عالیہ درشہوا کے محل کے گیٹ پر رک گئی۔

نیل نے گاڑی سے اتر کر کہا "کیا شہزادے بہادر اور قسام کوئی مشروب پینے کی عزت بخشیں گے؟"

شہزادہ نزار راستے بھر یہی سوچتا آرہا تھا کہ کسی طرح درشہوار کے محل پر اترنے موقع ملے نیل کی دعوت پر اس کا جی خوش ہو گیا مگر اس نے کسر نفسی سے کام لیا" مجھے تمہاری ضیافت کھانے میں بھی عذر نہیں مگر تمہاری محترمہ عالیہ کیا سوچیں گی کہیں ناراض نہ ہوں کہ تم نے بن بلائے مہمانوں کی خاطر مدارت کیوں کی"

نیل نے جواب دیا "شہزادے بہادر میں پہلے ہی عرض کر چکی ہوں کہ محترمہ عالیہ قدر بد اخلاق نہیں کہ گھر آئے مہمان کو نکال دیں"

شہزادہ اور قسام دونوں بے تکلف گاڑی سے اتر آئے، پہریدار نے گیٹ کھول نیل دونوں کو لئے ہوئے مہمان خانہ میں آئی اور انہیں وہاں بٹھا کے اندر کی طرف بھاگ

"اس کا پتہ تو میں نے پہلے کیا تھا" نیل نے کہا "ناظم صاحب نے تمام کاغذات ڈالے پر صرف یہ پتہ چلا کہ درخواست آئی تھی اور دارالوزارت بھیج دی گئی ہے وہاں اب تک واپس نہیں آئی"

"چلو قصہ ختم ہوا۔ اتنی سی بات تھی پھر یہ قسام اور شہزادے کہاں سے کود درشہوار نے ذرا نرمی سے کہا۔

"محترمہ عالیہ ان کا تعلق بھی تو آپکی درخواست سے ہے" نیل معصومیت سے بولی۔

"کیا۔۔۔ کیا ۔۔۔ ان کا تعلق میری درخواست سے ہے یہ تو کیا بک رہی ہے۔ میں نہ م کو جانتی ہوں نہ کسی شہزادے کو پھر ان کا تعلق میری درخواست سے کیسے نکل آیا"

"محترمہ عالیہ! آپ مجھے بتانے تو دیجئے آپ بولنے ہی نہیں دیتیں" نیل نے سوھا سا بنایا۔

"اچھا بھئی بتا ۔۔۔۔ کیا کہنا چاہتی ہے؟" درشہوار نے اسے اجازت دے دی۔

"جی محترمہ عالیہ ۔۔۔۔ شہزادے نے بھی درخواست دی تھی اور اس کا جواب بھی زارت سے نہیں آیا تھا ۔۔۔۔"

"کیا شہزادے نے بھی شادی کی اجازت مانگی تھی" درشہوار نے چونک کے سوال کیا۔

"نہیں محترمہ عالیہ انہوں نے شادی کی درخواست نہیں دی تھی ویسے وہ ہیں ابھی ے بڑے لمبے چوڑے اور سرخ و سفید لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ضرور ایک

"تو کیا وہ تجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟" درشہوار نے اک دم سوال کر دیا۔

نیل شرما گئی ۔۔۔۔ "نہیں محترمہ عالیہ ۔۔۔۔ میرے لئے تو قسام ۔۔۔۔"

"یعنی تو نے قسام کو پسند کر لیا ہے۔ خیر جب وہ رشتہ مانگے گا تو میں خیال رکھوں گی" درشہوار نے اس کا دل رکھنے کو کہہ دیا۔

"آپ تو مجھے بات پوری ہی نہیں کرنے دیتی ہیں" نیل بھولے پن سے بولی۔

"ارے کیا وہ مہمان خانہ میں بیٹھے ہیں؟" درشہوار گھبرا گئی۔

"جی ہاں عالیہ محترمہ یہی تو میں آپ سے کہہ رہی تھی۔ آپ سن ہی نہیں رہی تھیں" نیل نے جواب دیا۔

درشہوار نے سر پکڑ لیا "اری کمبخت پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

ر وہ دونوں شہزادے نزار کی خاطر و مدارت کے انتظام میں لگ گئیں۔

قلعہ کرک

نیل محل کے اندر درشہوار کے ساتھ خاطرداری کا انتظام کرنے لگی۔
ادھر مہمان خانہ میں شہزادہ نزار اور قسام' نیل کا انتظار کر رہے تھے جب ا
آنے میں دیر ہوتی تو دونوں فکر مند ہو گئے۔ قسام اپنے آقا کا منہ چڑھا اور رازدار
اسے شہزادہ پر رہ رہ کے غصہ آرہا تھا جب اس سے برداشت نہ ہوا تو بولا بلکہ پھٹ پڑ
"شہزادے آپ بنتا ہوا کام بگاڑ دیتے ہیں بھلا نیل کے ساتھ اس محل تک آ
ضرورت تھی نیل نے درشہوار سے بتایا ہو گا کہ شہزادے نزار اس کے ساتھ آ
آپ کی عزت دو کوڑی کی رہ گئی ہو گی انہوں نے نیل کو بھی پھٹکار دیا ہو گا کہ تو ا
مرد کو اپنے ساتھ کیوں لائی ------"
"قسام ---- قسام" شہزادے نے اسے ٹوکا "کس طرح کی فضول باتیں کر
درشہوار کا تو بیچ میں ذکر ہی نہیں آیا نیل کے پاس سواری نہیں تھی میں نے ایک
قدم اٹھایا اور اسے پہچانے یہاں تک آگیا"
"ٹھیک ہے میرے آقا" قسام نے جواب دیا "آپ اخلاقاً" یہاں تک آئے
محل کے اندر آنے کو کس نے کہا تھا؟"
"وہ تو نیل نے دعوت دی تھی یہ بات تو اخلاق سے بعید تھی کہ میں اس کی د
نہ قبول کرتا" شہزادہ اپنے اوپر الزام لینے کو تیار نہ تھا۔
آخر قسام نے سچی بات کہہ دی "مجھے نہ بہلایئے شہزدے آپ کے دل میں
خیال اسی وقت پیدا ہو گیا تھا جب آپ کو معلوم ہوا تھا کہ نیل' درشہوار کی کنیز

نے اسے خود دارالوزارت جانے کو کہا پھر درشہوار کی درخواست تلاش کرائی یہ تمام باتیں
آپ نے اس لئے کی تھیں کہ کسی طرح آپ کی رسائی درشہوار تک ہو جائے مگر اب آپ
کو معلوم ہو گا کہ یہاں آنے سے "رسائی" نہیں بلکہ رسوائی ہوئی ہے"
"مجھے اس کی پروا نہیں' درشہوار تک پہنچنے میں اگر رسوائی ہوتی ہے تو ہو جائے"
شہزادے نے اس طرح کہا جیسے ان کا عشق بہت عرصہ سے چل رہا تھا "تم نے ابھی درشہوار
کو دیکھا نہیں جب دیکھو گے تو کہہ اٹھو گے کہ اسے دست قدرت نے بڑی فرصت میں
تراشا ہے"
"مگر آپ نے اسے کب دیکھا ہے جو اس قدر تعریف فرما رہے ہیں؟" قسام نے ان
کی بات پکڑی۔
"دیکھا نہیں سنا تو ہے' کہنے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ خلیفہ کا انتقال نہ ہوتا تو
درشہوار تمام بیگمات میں "بڑی بیگم" کے درجہ پر فائز ہوتی امیرالمومنین تو ایک دن درشہوار
کو ساتھ لے کر وزیراعظم کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس کے لئے خاص عنایت کی سفارش
کی تھی"
"یہ بات تو میں نے بھی سنی ہے" قسام نے سر ہلایا "لیکن میرے آقا۔ آپ کو
درشہوار کے پاس بڑے وقار سے آنا چاہئے تھا' پہلے نیل سے یہ تو پوچھ لیتے کہ درشہوار نے
کسی اور سے رشتہ تو نہیں جوڑ لیا"
"تو پاگل ہے گدھا کہیں کا" شہزادے نے اسے پیار میں ڈانٹا "نیل کا مجھے لے کر
آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ درشہوار نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا"
"خدا کرے آپ کا خیال درست ہو اور آپ اپنی مراد کو پہنچیں" قسام نے جیسے
شکست تسلیم کر لی۔
"اب تم نے کی عقل کی بات" شہزادہ خوش ہو گیا "مگر ایک بات کی کمی رہ گئی قسام"
"کس بات کی کمی؟" قسام نے پوچھا۔
"یہی کہ ہم نے نیل کو یہ نہیں جتایا کہ میں اب تک کنوارا ہوں" شہزادے نے
فکرمندی سے کہا۔
قسام مسکرایا "شہزادے بہادر' میں آپ کا غلام ہوں یہ فرض میں نے ادا کر دیا ہے
میں نے نیل کو صرف یہی نہیں بتایا کہ ہمارے شہزادے اب تک کنوارے ہیں بلکہ یہ بھی
کہہ دیا کہ شہزادے نزار کا غلام بھی کنوارا ہے"
"بہت شریر ہو تم" شہزادہ ہنس پڑا "اس کا مطلب ہے کہ تم نے بھی اپنا انتظام شروع

کر دیا قسام کہیں ایسا تو نہیں کہ نیل نے تمہارے طفیل مجھے بھی محل کے اندر آ…
دعوت دی ہے؟"

"نہیں میرے آقا ایسی بات نہیں ہے" قسام بولا "نیل نے کچھ سوچ ہی کے ا…
ہو گا خیر جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا اب دیکھئے تقدیر کیا دکھاتی ہے"

ان کی گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ نیل آ گئی اس کے ساتھ دو کنیزیں اور دو غلا…
تھے ان کے سروں پر خوان رکھے تھے جس پر ریشمی خوان پوش دھرے تھے نیل
معذرت پیش کی "شہزادے بہادر معاف فرمایئے مجھے باتیں کرنے میں دیر ہو گئی در
محترمہ عالیہ آپ لوگوں کے بارے میں مطمئن ہونا چاہتی تھیں"

"اطمینان ہو گیا محترمہ عالیہ کا؟" شہزادے نزار نے پوچھا۔

"جی ہاں بالکل مطمئن ہو گئیں" نیل نے کہا "میں نے انہیں بتایا کہ شہزادے
فاطمی خاندان کے ایک معزز فرد ہیں وہ اپنے کام سے دارالوزارت جا رہے تھے مجھ
اپنے ساتھ لے گئے اور اب مجھے یہاں پہچانے آئے ہیں"

"پھر محترمہ عالیہ نے کیا فرمایا؟" شہزادے نے بے چینی سے پوچھا۔

"محترمہ عالیہ نے مجھے ڈانٹا کہ جب انہوں نے تیرے ساتھ اتنا سلوک کیا تو تو
باہر کیوں چھوڑ آئی انہیں فوراً اندر لا اور خاطر و مدارت کے بعد رخصت کر" او
شہزادے نزار کو دیکھ کے مسکرانے لگی۔

"نیل تم اتنی دیر بعد آئی ہو اور بھی تو کچھ کہا ہو گا محترمہ عالیہ نے؟" شہزاد…
کرید کی۔

"شہزادے بہادر، محترمہ عالیہ میری مالکن ہیں اور میں ان کی کنیز" نیل نے شہزاد…
سمجھانے کے انداز میں کہا "آپ جانتے ہیں کہ آقا اور خادم میں بہت سی باتیں ہوتی
غلام کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے آقا کی باتیں ہر جگہ ظاہر کرتا پھرے۔ جس طر…
آپ کی کوئی بات مجھ سے نہیں کہہ سکتا اسی طرح میں محترمہ عالیہ کی کوئی بات آپ…
بتا سکتی۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اس سلسلہ میں مجبور نہیں کریں گے۔ یہ بات م…
بھی آپ سے کہہ چکی ہوں"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو نیل" شہزادہ نزار شرمندہ ہو گیا۔

قسام نے بھی شہزادے کو گھور کے دیکھا جیسے شہزادے کو اس کی غلطی جتا رہا تھا۔
کنیزوں اور غلاموں نے میوے اور مشروب سلیقے سے میز پر چن دیئے تھے اور
ہاتھ باندھ کے کھڑے ہو گئے تھے۔

شہزادے نے نیل سے کہا "تم ہمارے ساتھ شامل نہیں ہو سکتیں؟"

"نہیں شہزادے" نیل نے انکار کیا "انسان کو اپنی اوقات نہ بھولنا چاہئے"

"نیل تم کس قدر سمجھدار ہو اگر محترمہ عالیہ کے پاس نہ ہوتیں تو میں تمہیں ہر قیمت
پر اپنے ساتھ لے جاتا" شہزادے نے نیل کی تعریف کی۔

نیل سمجھدار ہو یا نہ ہو مگر بعض موقعہ پر اس سمجھداری کی بات کرتی تھی کہ سننے والا
عش عش کر اٹھتا تھا شہزادے کی تعریف پر وہ مسکرائی "شہزادے بہادر، اس میں سمجھداری
کی بات نہیں یہ تو صرف مالک کی قدردانی ہوتی ہے جو غلام کو عقلمند بنا دیتی ہے آپ کے
قسام بھی تو کچھ کم سمجھدار نہیں اور آپ بھی ان کی بھرپور قدردانی فرماتے ہیں"

"تم نے سچ کہا نیل" قسام نے فوراً تائید کی "خدا شہزادے نزار جیسا آقا ہر ایک کو
دے"

"قسام، تم نے پھر مجھے آقا کہا" شہزادے نے مصنوعی غصہ سے کہا "تم میرے ہمدرد
ہو قسام، میں نے کسی معاملے میں تم سے فرق نہیں رکھا" اور شہزادے نے قسام کا ہاتھ پکڑ
کے اسے اپنے برابر بٹھا لیا۔

"آپ کی نوازش ہے آقا کہ آپ مجھے اپنے برابر جگہ دیتے ہیں" قسام نے کہا "لیکن میں
اس وقت کچھ نہیں کھا سکوں گا میرے آقا"

"کیوں نہیں کھاؤ گے، تم بھی تو صبح سے میرے ساتھ پریشان ہو رہے ہو" شہزادے
نے اسے پھر کھانے کی دعوت دی۔

"میرے آقا، شہزادے بہادر" قسام نے نیل کی طرف نظر اٹھائی "میں بھلا کچھ کیسے
کھا سکتا ہوں جبکہ میری میزبان نیل ہاتھ باندھے سامنے کھڑی ہے"

"نہیں قسام، تم شہزادے بہادر کے حکم کی تعمیل کرو، کنیزوں کی زندگی تو ہاتھ باندھے
ہی گزر جاتی ہے" نیل نے ایک بار پھر سمجھداری کی بات کی "اگر کبھی وقت آیا تو میں
تمہارے ساتھ ضرور شریک ہوں گی"

آقا اور غلام میوے ٹونگتے چباتے اور کھاتے رہے پھر کنیزوں نے انہیں مشروب پیش
کیا شہزادے کا وہاں سے اٹھنے کو جی نہ چاہتا مگر قسام کے اشارہ کرنے پر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا نیل، تمہارا بہت بہت شکریہ" شہزادہ افسردگی سے بولا "کاش ہمیں یہاں پھر آنا
نصیب ہو"

"کاش میں شہزادے بہادر کو سر آنکھوں پر بٹھا سکتی" نیل نے فوراً جواب دیا "لیکن
میرا یہ منصب نہیں کہ میں شہزادے کو دعوت پر بلاؤں ہاں قسام میرے گروہ کے ہیں ان کا

جب جی چاہے آسکتے ہیں"
شہزادہ اور افسردہ ہو گیا لیکن قسام کا جیسے غنچہ دل کھل گیا۔
جب دونوں واپس ہو رہے تھے تو قسام نے کہا "شہزادے بہادر آپ خواہ مخواہ افسر ہوتے ہیں نیل نے راہ کاٹی نہیں بلکہ راستہ کھلا رکھا ہے آگے ہماری قسمت"
"مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے" شہزادے نے قسام کی بات سے اتفاق کیا۔
نیل ان دونوں کو رخصت کر کے محل میں گئی تو محترمہ عالیہ کو اپنا منتظر پایا وہ بہت بے چین نظر آرہی تھیں نیل کو آتا دیکھ کر دو قدم آگے بڑھ آئیں نیل مسکرا دی۔
"محترمہ عالیہ' وہ چلے گئے" نیل نے ہاتھ ہلا کر کہا۔
"چلے گئے!" درشہوار جیسے حیران رہ گئی۔
"کیا وہ نہ جاتے؟" نیل نے شوخی سے پوچھا۔
"ہاں' نہیں نہیں" درشہوار گھبرا گئی "مگر تم نے مجھے تو بتایا ہوتا"
"آپ کو کیا بتاتی محترمہ عالیہ" نیل منہ بنا کے بولی "انہوں نے کہا ہم جا رہے ہیں' نے کہا جایئے اب میں کیا کہتی آپ سے؟"
"کچھ اور بھی تو کہا ہو گا؟" درشہوار نے دلچسپی سے پوچھا۔
"ہاں کچھ کہا تو تھا" نیل بن کے بولی "یاد نہیں کیا کہا تھا"
"اچھا بن مت بہت" درشہوار نے غصہ دکھایا "یاد کر کے بتا کیا کہا تھا انہوں نے؟"
"ہاں یاد آگیا" نیل کھلکھلا کے ہنسی "شہزادے بہادر نے کہا تھا کاش ہمیں پھر یہاں آنا نصیب ہو"
"اچھا یہ کہا تھا" درشہوار نے چہک کر کہا "پھر تو نے کیا جواب دیا؟"
"میں نے کہہ دیا شہزادے بہادر میری مجال نہیں کہ میں آپ کو دعوت دے سکوں" نیل نے اٹھلا اٹھلا کے بتایا۔
"چل تو بھی نری احمق نکلی" درشہوار جیسے روٹھ گئی "کسی بہانے بلا لیا ہوتا"
"محترمہ عالیہ' میں یہ کیسے کر سکتی تھی آپ نے کہا تھا مجھ سے" نیل نے سنجیدگی اختیار کی۔
"میں نے کہا تو نہیں تھا ----" درشہوار کچھ سوچنے لگی۔
ذرا دیر بعد بولی "ہاں یاد آیا' تو کہہ رہی تھی ان کی جاگیر بحال ہو گئی"
"بالکل بحال ہو گئی اب وہ شہزادے بھی ہیں اور جاگیردار بھی" نیل شوخ نظروں سے درشہوار کو دیکھنے لگی۔

"عمر کتنی ہو گی ان کی؟" درشہوار نے ایک دم سے پوچھا۔
"یہی تیس پینتیس سال' میں نے آپ کو پہلے بھی تو بتایا تھا" نیل نے بتایا۔
درشہوار نے آج تک کسی جوان آدمی سے گفتگو نہ کی تھی جن بردہ فروشوں نے اسے پکڑا تھا ان کے چہرے ایسے تھے کہ دیکھے خوف آئے پھر قصر خلافت کا ایک غلام اسے خرید کے خلیفہ کے پاس لے گیا وہ اگرچہ جوان تھا لیکن وہ صرف مفاد پرست تھا خلیفہ بھی جوان تھا لیکن سدا کا بیمار وہ زندہ ہی کتنے دن رہا طبیب اعظم کو اس نے خلیفہ کے حضور ہی میں دیکھا ان کی جوانی ڈھل چکی تھی حالانکہ وہ اپنے کو جوان ثابت کرتے تھے۔
"شہزدہ دیکھنے میں کیسا لگتا ہے؟" درشہوار نے خیالوں سے چونک کے پوچھا۔
"شہزادہ خوبصورت ہے' جوان ہے' صاحب حیثیت اور ایک بڑی جاگیر کا مالک ہے"
نیل کو شہزادہ نزار کی جاگیر کی کوئی تفصیل معلوم نہ تھی لیکن اس نے جاگیر میں "بڑی" کا ٹکڑا اپنی طرف سے لگا دیا۔
درشہوار پھر خیالوں میں کھو گئی۔ نیل اسے ذرا دیر دلچسپی سے دیکھتی رہی پھر چہک کے بولی "اگر محترمہ عالیہ کا حکم ہو تو شہزادے بہادر تک پہنچنے کا کوئی راستہ نکالا جائے؟"
درشہوار نے نیل کو غور سے دیکھا "تو مجھے بنا تو نہیں رہی ہے؟"
"محترمہ عالیہ" نیل نے سنبھل کے کہا "کنیز کبھی اپنی مالکن کو بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی"
"نہیں نہیں نیل" درشہوار نے بات سنبھالی "میرا مطلب کچھ اور نہیں دراصل میری پرانی کنیز کچھ عجیب طبیعت کی تھی اس کی روش سے مجھے کچھ نقصان بھی پہنچا تھا"
"آپ بے فکر رہیے محترمہ عالیہ' نیل اپنی جان دے دے گی مگر آپ کو نقصان نہیں پہنچنے دے گی" نیل نے بہت پر یقین لہجہ میں کہا۔
"درشہوار نے مسکرا کے کہا "اچھا بتاؤ' شہزادے تک تمہاری رسائی کیسے ہو گی؟"
"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ آپ بس حکم دیجئے" نیل نے جواب دیا۔
"پتہ نہیں وہ تمہارے جانے کو کیا سمجھیں' ہو سکتا ہے کہ انہیں ناگوار گزرے؟" درشہوار نے اپنے خدشہ کا اظہار کیا۔
"میں سیدھی ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔ انہیں یہ بھی نہ معلوم ہو سکے گا کہ آپ نے مجھے ان کے پاس بھیجا ہے" نیل نے درشہوار کو یقین دلایا۔
"میں سمجھ گئی۔ تم شہزادے کے غلام سے ملو گی کیا نام ہے اس کا؟" درشہوار نے مسکرا کے کہا۔

نیل کی چوری پکڑی گئی وہ شرما کے بولی "قسام"

"ہاں قسام' اچھا میری طرف سے اجازت ہے تمہیں' درشہوار نے ایک نئے عش
ڈول ڈالا۔

ایسی پریشان نظر عورتوں کا کوئی اعتبار نہیں ان کے پیش نظر صرف اپنا عیش و آ
ہوتا ہے فاطمی خلیفہ کی بیماری کے پیش نظر درشہوار نے طبیب اعظم کا سہارا ڈھونڈا تھا
لئے کہ اس وقت طبیب اعظم سے بہتر کوئی شخص اس کی پہنچ سے دور تھا اب جو اس
شہزادہ نزار کا حال سنا تو بغیر اس سے ملے اس کی طرف راغب ہو گئی کنیز نیل اس کا
دینے پر اس لئے آمادہ ہو گئی کہ اس کا بھی اسی میں مفاد تھا اس کا آنا جانا اگر شہزادے
کے محل میں ہو جاتا تو وہ اپنے پسندیدہ غلام قسام سے آسانی سے مل سکتی تھی درشہوار
ایک کنیز پہلے بھی اسی طرح ایک غلام کے گھر بیٹھ گئی تھی۔

نیل نے دو تین دن دوڑ دھوپ کر کے شہزادے نزار کے محل کا پتہ معلوم کر لیا ا
کیا معلوم تھا کہ درشہوار اس معاملے میں اتنی زیادہ دلچسپی لیں گی کہ اسے شہزادے کے پا
بھیجنے پر بھی آمادہ ہو جائیں گی ورنہ وہ شہزادے یا قسام سے ان کا پتہ معلوم کر لیتی پتہ مع
کرنے میں اس سے ایک اور غلطی ہوئی وہ ڈھونڈنے نکلی تو اس نے ہر جگہ شہزادہ نزار کا
لیا اس کے جواب میں اسے ہر جگہ جواب ملا کہ پہلے وہ یہ بتائے کہ وہ کس خاندان
شہزادی ہے جو اس طرح شہزادے کو تلاش کر رہی ہے نیل بڑی کھسیانی ہوئی اب اس
یہ ترکیب کی کہ شہزادے نزار کے بجائے اس نے اس شہزادے کا پتہ پوچھا جس کی جاگی
ابھی کچھ ہی دن پہلے بحال ہوئی تھی مگر پھر بھی اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ایک
وہاں شہزادوں کے محلات ایک سے شروع ہوتے تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے تھے
شہزادہ نزار کی طرح کئی اور شہزادوں کی جاگیریں بھی بحال ہوئی تھیں۔

نیل ایک کنیز تھی اس لئے وہ ہر محل کے صدر دروازہ پر کسی غلام یا کنیز سے شہزاد
نزار کا پتہ پوچھتی تھی ظاہر ہے کہ کسی نئے شہزادے سے بات کرتے ہوئے وہ گھبراتی
پھر اسے ایک نیا خیال آیا اور دو چار محل کے جب اگلے محل پر پہنچی تو اس نے ایک غلا
سے سوال کیا۔

"کیوں بھائی قسام کا تعلق کس محل سے ہے؟"

غلام نے بڑے سلیقہ سے جواب دیا "بہن تو یہاں بیٹھو' میں ابھی قسام کو بلائے لا
ہوں"

یل کو بڑا تعجب ہوا اور اسے اپنی غلطی پر افسوس بھی ہوا اس نے اگر سوچ لیا ہوتا کہ
لاموں سے کسی غلام کا پتہ تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن شہزادے کا پتہ معلوم کرنا
ل ہو گا نیل ایک بڑی تپائی پر آرام سے بیٹھ گئی غلام نے اپنے ساتھی کو نیل کا خیال
کھنے کو کہا اور قسام کو بلانے چلا گیا دس پندرہ منٹ کے بعد جب وہ واپس آیا تو قسام اس
ے ساتھ تھا پھر جب نیل اور قسام نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ ایک دوسرے کو دیکھتے
رہ گئے ان کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔

"نیل مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ تم یہاں آئی ہو" قسام نے کپکپاتی آواز میں
ا۔

شوخ نیل نے شوخی دکھائی "یقین نہیں آرہا ہے تو مجھے چھو کے یقین کر لو"

قسام اس کے اس جواب سے جھوم اٹھا "اب یقین آگیا مجھے" اور قسام نے نیل کے
ھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"قسام" اسے بلا کے لانے والے غلام نے دخل دیا۔ "اندر بیٹھ کے باتیں کرو" یہاں
ب آتا ہے ایک جاتا ہے"

قسام نے شکرگزار نظروں سے اسے دیکھا اور نیل کو لئے ہوئے ایک کمرے میں چلا گیا
صدر دروازے کی بغل میں بنا ہوا تھا اور جہاں غلام اپنی ڈیوٹی کے بعد آرام کرتا تھا۔

"تمہیں یہاں تک پہنچنے میں زیادہ پریشانی تو نہیں ہوئی؟" قسام نے بڑے پیار سے
چھا۔

"کچھ ایسی پریشانی!" نیل نے منہ بنایا "صبح سے جگہ جگہ ماری ماری پھر رہی ہوں' اب
کے اس بھائی سے معلوم ہوا"

"تعجب کی بات ہے' مجھے تو اس بستی میں ہر شخص جانتا ہے" قسام نے خجل ہو گیا"
نہیں تم نے کس سے کس پوچھا کہ میرا پتہ معلوم نہ ہو سکا؟"

نیل نے پھر شوخی دکھائی "اس میں میری ہی غلطی تھی۔ میں ہر دروازے پر شہزادے
ار کو پوچھتی تھی اور لوگ مجھے مشکوک نظروں سے دیکھتے تھے بہتوں نے تو مجھ پر آوازے
ی کے یہاں میں نے تمہارا نام لیا اور تم میرے سامنے ہو"

"نیل" قسام نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا "یہ شہزادوں کی بستی ہے جس میں
کڑوں شہزادے رہتے ہیں ممکن ہے کہ بعض شہزادے کچھ شہزادوں کے نام جانتے ہوں
نہ سب اپنے اپنے رنگ میں ہیں یا یوں سمجھو کہ اپنے میں مگن ہیں انہیں ایک دوسرے
خبر نہیں ہوتی یا وہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن اس بستی کے دروازے ہم

لوگوں کے قبضہ میں ہیں اور ہم نہ صرف ایک دوسرے کو جانتے ہیں بلکہ پہچانتے بھی ہمارے دکھ درد اور خوشیاں مشترک ہیں"

"یہی تو میں بھول گئی تھیں قسام، سچ ہے ہمارا دکھ درد ہمارے ہی آدمی جان سکتے ہ نیل ایک دم سنجیدہ باتیں کرنے لگی۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو، کہو کیسے آنا ہوا؟" قسام نے اسے پیار بھری نظروں سے د نیل کی نظریں تاب نہ لا سکیں اور جھک گئیں "کیوں، کیا مجھے نہیں آنا چاہئے تھا؟"

"نیل تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ تمہارے آنے سے مجھے کتنی خوشی ہوئی" قسا محبت الفاظ میں چھلنے لگی "میرا روز دل چاہتا تھا کہ تمہارے پاس جاؤں مگر ہمت نہ پڑتی تمہاری اس دن کی باتوں سے مجھے حوصلہ تو ہوا تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ بغیر تمہارے بلا تمہارے پاس آجاؤں میں تمہاری محترمہ عالیہ درشہوار کے مزاج سے بھی واقف نہیں وہ مرحوم خلیفہ کے حرم میں رہ چکی ہیں کہیں میرا آنا انہیں ناگوار نہ ہو"

"محترمہ عالیہ کے سلسلہ میں تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں" نیل نے اسے در نظروں سے دیکھا "تمہارے پاس آنے کے لئے انہوں نے مجھ سے خود کہا"

"اچھا ۔۔۔!" قسام نے حیرت سے پوچھا "لیکن انہیں کیا سوجھی، کیا تم نے ان اپنے اور میرے بارے میں کچھ بتایا تھا؟"

"نہیں قسام" نیل نے انکار میں سر ہلایا "یہ باتیں کسی کو بتائی نہیں جاتیں، بات ہے کہ جب میں نے بتایا کہ شہزادے نزار جوان اور خوبصورت ہیں ان کی جاگیر بھی بحال گئی ہے تو محترمہ عالیہ درشہوار نے کچھ دلچسپی ظاہر کی اور مجھ سے پوچھا کہ کیا شہزا کنوارے ہیں بس اس طرح بات سے بات نکلتی رہی اور اب میں تمہارے سامنے ہوں"

"کیا محترمہ عالیہ درشہوار نے اب تک کہیں رشتہ کا اشارہ نہیں کیا میرا مطلب ہ انہیں خلیفہ مرحوم کی بیوہ ہونے کی حیثیت سے بڑا سے بڑا رشتہ مل سکتا ہے انہوں نے کس پسند تو نہیں کیا؟" قسام نے ایک ہی سوال میں سب کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی "ن میرا خیال ہے کہ اب تک ایسی کوئی بات نہیں" نیل نے بتایا "ایک کچا سا تعلق ان کا نے محسوس کیا ہے لیکن اسے کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی یہی وجہ ہے کہ تمہارے شہزا نزار میں انہوں نے دلچسپی ظاہر کی ہے اگر شہزادے کردار کے مناسب ہیں تو یہ رشتہ منا رہے گا اور اگر شہزادے محض تفریحاً محترمہ عالیہ سے شادی کرنا چاہیں تو پھر اس بات یہیں ختم کر دینا چاہئے"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو نیل، میں بھی کسی غلط کام میں نہیں پڑنا چاہتا" قسام نے

زاری سے کہا "میں شہزادے نزار کے ساتھ بہت دنوں سے ہوں اور ان کی رگ رگ واقف ہوں یہ تو میں نہیں کہتا کہ شہزادے فرشتہ ہیں لیکن وہ ہزاروں سے بہتر ہیں اب ان کی شادی نہیں ہوئی اس کی یہ وجہ نہیں کہ انہیں کوئی لڑکی نہیں ملتی اچھے اچھے آئے مگر شہزادے نے سب نا منظور کر دیئے اب رہا محترمہ عالیہ درشہوار کا معاملہ تو نہیں جانتا تھا کہ درشہوار سے وہ پہلے سے واقف ہیں وہ اقرار تو نہیں کرتے لیکن میرا ہے کہ وہ درشہوار کو کسی جگہ دیکھ چکے ہیں اس لئے وہ ان کے دیوانے ہو رہے ہیں"

"اس کا مطلب ہے کہ بات کچھ بن سکتی ہے" نیل نے ہنس کے کہا "یہ تو ظاہر ہے محترمہ عالیہ درشہوار کنواری نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ بھی فرشتہ نہیں ہو سکتیں خیال ہے کہ اگر یہ بیل مونڈھے چڑھ جائے تو اچھا ہی ہو گا"

"لیکن نیل پہلے تو اپنی بیل مونڈھے چڑھنا چاہئے" قسام نے بے صبری سے کہا "ایسا کہ شہزادے کو درشہوار مل جائے اور ہم دونوں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا "

"واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے" نیل چیخ کے بولی "اگر اپنی بات نہ بنی تو میں محترمہ عالیہ کو قدم آگے نہ بڑھنے دوں گی پھر ابھی تو بسم اللہ ہوئی ہے اگر شہزادے نے درشہوار کو بھی لیا ہے تو یہ یک طرفہ بات ہے ابھی تو درشہوار بھی شہزادے کو دیکھیں گی اور رہیں گی"

"لیکن ایک بات کا خیال رکھنا نیل" قسام نے نیل کو ہوشیار کیا "شہزادے کی وجاہت نے بھی دیکھی ہے اگر درشہوار نے انہیں دیکھ لیا تو فوراً پسند کر لیں گی ایسی صورت درشہوار کہیں تمہارے ہاتھوں سے نہ نکل جائیں"

"اس کی فکر نہ کرو نیل" نیل نے پر اعتماد لہجے میں کہا "میں نے ایسی کچی گولیاں نہیں ل درشہوار دیکھیں گی اپنی آنکھوں سے لیکن شہزادے کو پسند یا نا پسند کریں گی میری ا سے سمجھے کہ نہیں؟"

"ٹھیک ٹھیک، بالکل سمجھ گیا" مگر اب سوال یہ ہے کہ دونوں کی ملاقات کس طرح ہا جائے؟" قسام نے کہا "محترمہ عالیہ تو شہزادے سے ملنے آنے سے رہیں ہاں شہزادے سکتے ہیں وہاں شرط یہ کہ محترمہ عالیہ انہیں دعوت دیں"

"نہیں قسام یہ کیسے ہو سکتا ہے درشہوار انہیں کس رشتے سے بلائیں گی" نیل نے ہ دیا "یہ تو آ بیل مجھے مار والا معاملہ ہو جائے گا درشہوار تو بدنام ہو جائیں گی، ناظم ان جواب بھی طلب کر سکتے ہیں"

"یہ بات بھی ٹھیک ہے" قسام نے سر ہلایا "مگر ابھی اتنی جلدی بھی کیا ہے' ہم
ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہیں گے' کوئی موقعہ ہوا تو انہیں ملا دیں گے ورنہ
دن یونہی چلنے دیں گے"

"یہ بات ہو گئی' اب ذرا شہزادے بہادر سے بھی مل لیا جائے" نیل نے تجویز
کی۔ قسام نے فوراً" مخالفت کی "شہزادے سے ملنے کی کیا ضرورت ہے' معاملہ ہمارا
تمہارے درمیان ہے' ہم جب اور جیسا چاہیں گے اس پر عمل کریں گے"

"تم بڑے خود غرض ہو قسام" نیل نے ہنس کے کہا "میں تمہارے پاس کیا آگئی
اپنے آقا کو بھول گئے' یہ بات ٹھیک نہیں' میں محترمہ عالیہ کے حکم پر یہاں آئی تھی
شہزادے سے ملنا بہت ضروری ہے تاکہ دوبارہ آنے کا بہانہ مل سکے"

"خیر' تمہاری مرضی ہے' ورنہ ان سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں" قسام اب بھی
کر رہا تھا۔ اس نے شہزادے کے کردار کی بہت تعریف کی تھی لیکن اس وقت وہ گھبرا
شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ نیل کا شہزادے سے سامنا ہو۔

"تم کیسی فضول باتیں کر رہے ہو قسام" نیل چڑ گئی "شہزادے ہوں یا درشہوار
میل رکھنے ہی میں ہمارا فائدہ ہے"

"کہہ تو دیا کہ چلو میں ملائے دیتا ہوں" قسام نے بے دلی سے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

نیل بھی اٹھ کے کھڑی ہو گئی "میں سمجھ گئی' تمہیں اپنے آقا پر اعتماد نہیں مگر
تم مجھ پر تو اعتماد کر سکتے ہو میں ایسی ویسی کنیز نہیں کہ ہر طرف تاک جھانک کرتی پھروں"

"اوہ ---- تم تو ناراض ہو گئیں' میں نے ایک بات کہی تھی تم اسے اپنے اوپر
گئیں" قسام نے جواب دے کر نیل کی طرف دیکھا۔

نیل' قسام کی آنکھوں میں محبت کی چمک دیکھ کر پانی ہو گئی اور اس کے ساتھ چلنے
دونوں باہر نکلے تو صدر دروازہ کا محافظ غلام خشک میوے سے بھری پلیٹ لئے آتا دکھائی دیا

"ارے کہاں چلے تم دونوں' میں تمہارے لئے ----" اور غلام نے میوے کی پلیٹ
آگے کر دی۔

قسام اور نیل نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر واپس آگئے انہوں نے غلام کو بھی زبردستی
اپنے ساتھ بٹھا لیا اور پھر تینوں نے خوب میوے کھائے پھر قسام نے غلام کی اس پرخلوص
خاطرداری پر اس کا شکریہ ادا کیا۔

قسام' نیل کو لئے اپنے محل پر پہنچا تو شہزادہ اسے باغ کی روش پر ٹہلتا مل گیا شہزادے
نے نیل کو دیکھ کر حیرانی کا اظہار کیا "ارے نیل تم کیسے آگئیں' کوئی اطلاع بھی نہیں دی

ے بہادر' نیل ایک کنیز ہے اسے کہیں آنے جانے کے لئے اطلاع دینے کی
" نیل نے جواب دیا "یہ چونچلے تو بادشاہوں اور بادشاہ زادوں کے ہوتے ہیں
ے برآمد ہوں تو آگے آگے باجا بج رہا ہو اور مسلح زریں کمر غلام مارچ کرتے
"

کہہ رہی ہو نیل" شہزادہ افسردہ ہو گیا "اسی چمک دمک اور بیجا نمود و نمائش نے
ت ختم کر دی اگر ہم اپنے آپے میں رہتے تو یہ دن دیکھنا نہ نصیب ہوتا خیر تم
کیسے بھول پڑیں؟"

ے! آپ بڑی جلدی افسردہ ہو جاتے ہیں" نیل نے بات بنائی "اگر اب میں
کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں تو بھی آپ افسردہ ہو جائیں گے؟"

بھئی ایسی بات نہیں ہے" شہزادے کی افسردگی دور نہ ہوئی تھی "دراصل مجھے
ڑکا پسند نہیں"

ے آپ جوان ہیں' اعلیٰ خاندان کے ہونے کے علاوہ ایک بڑے جاگیردار ہیں پھر
گی سے بیزار نظر آتے ہیں سادگی اچھی چیز ہے لیکن ہر موقعہ پر سادگی اچھی
رتی" نیل نے خوب چبا چبا کے کہا "ہمارے محترمہ عالیہ اس پریشانی کے عالم
کی خوشیوں میں بھرپور حصہ لیتی ہیں"

محترمہ عالیہ بہت خوش مزاج ہیں؟" شہزادے نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

کی خوش مزاج" نیل نے اترا کے کہا "ہماری محترمہ عالیہ ہر تہوار کو تہوار کی
اور اگر تہوار دور ہو تو خوشی کے موقعے پیدا کر کے خوشیاں مناتی ہیں انہوں
کو خوشیوں کے پانی سے دھو ڈالا ہے"

حوصلے والی ہیں محترمہ عالیہ" شہزادے نے خواہ مخواہ تعریف کی "مگر اس طرح
ت بڑھ جاتے ہوں گے؟"

ے بہادر' محترمہ عالیہ شہزادی نہیں مگر امیرزادی ضرور ہیں وہ اخراجات کی پروا
نیل نے بھی اپنی شہزادی کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانا شروع کر
ایک جاگیردار نے محترمہ عالیہ کا رشتہ مانگنے کا ارادہ کیا محترمہ عالیہ کو معلوم ہو
جاگیردار کے پاس کہلا بھیجا کہ اس کی جاگیر تو میری کنیزوں اور غلاموں کی
بھی برداشت نہیں کر سکتی پھر وہ ان سے شادی کس طرح کرے گا"

برا گیا اس نے دبی زبان سے کہا "نیل' میری جاگیر بھی شاید چھوٹی ہی ہے تو کیا
یہ کا خیال چھوڑ دینا چاہئے؟"

"واہ شہزادے' بھلا آپ کا اور اس جاگیردار کا کیا مقابلہ" نیل نے فوراً
جاگیردار تھا اور اور آپ جاگیردار کے علاوہ شہزادے بھی ہیں شاہی خاندان کے مع
کی باتیں تو الگ ہی ہوتی ہیں"

شہزادے نے چونک کے نیل کو دیکھا "نیل کیا محترمہ عالیہ کے حضور کبھی
ہوتا ہے؟"

"آپ تو بہت بھولے ہیں شہزادے" نیل نے ہنس کے کہا "اگر آپ کا ذ
میں اس وقت آپکے محل پر کیوں آتی میں نے کہا نا کہ کچھ باتیں صاف صاف
جاتیں"

شہزادے کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں "اس کا مطلب ہے کہ محترمہ عالیہ
یہاں بھیجا ہے؟"

"آپ مجھ سے کیوں کہلوانا چاہتے ہیں" نیل بولی "میں یہاں آئی ہوں
اجازت سے آسکتی ہوں' اپنے آپ تو نہیں آئی"

شہزادے نے معنی خیز نظروں سے اپنے غلام قسام کو دیکھا۔

"میرے شہزادے آقا" قسام نے ہنس کر کہا "میں نیل کو آپ کے پاس
اس کی کوئی وجہ بھی ہو گی میں بیوقوف نہیں ہوں"

"چلو اندر چل کے بیٹھو کیا یہیں کھڑے کھڑے سب باتیں ہو جائیں گی ا
حال چال پوچھنا ہے" شہزادہ مسرت سے کھلا پڑا رہا تھا۔

نیل نے شوخی سے کہا "باقی باتیں دوسرے پھیرے پر ہوں گی میں آپ
معلوم کرنے آئی تھی اللہ کا شکر ہے کہ آپ بخیریت ہیں"

"خیرت تو خیر ہو گئی میرے لئے کیا حکم ہے؟" شہزادے نے امید بھری نظروا
کو دیکھا۔

"شہزادوں کو حکم نہیں دیا جاتا' درخواست کی جاتی ہے" نیل نے جواب دیا۔

"درخواست' مگر درخواست تو میں کرنا چاہتا ہوں" شہزادے کے منہ سے جیسے

"شوق سے اپنی درخواست دیجئے محترمہ عالیہ کے حضور پیش ہو گی تو معقول
گا" نیل نے ایک ہی جملہ میں سب کچھ کہہ دیا۔

"واہ نیل' تم نے طبیعت خوش کر دی جی تو چاہتا ہے کہ تمہارا منہ موتیوا
دوں مگر اس وقت یہ انگوٹھی تمہاری نذر ہے" شہزادے نے انگلی سے انگوٹھی ا
کو پکڑا دی۔

شہزادے بہادر ---- اچھا اب رخصت"
لپٹ کے چلنے لگی شہزادے نے روکا "ٹھہرو میں تمہیں سواروں سے بھجواتا ہوں"
فکر نہ کیجئے قسام مجھے پہنچا آئے گا" نیل نے ہنس کے کہا۔
بھی تیز قدموں کے ساتھ نیل کے پاس پہنچ گیا اور دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

ح الدین نے بحیثیت وزیراعظم یا ایک حکمران کے مصر کا پورا نظام سنبھال لیا تھا
ت سے جتنے امرا منسلک تھے انہوں نے یا تو اطاعت قبول کر لی تھی یا پھر سازشوں
کر ختم ہو گئے تھے جو امرا زندہ تھے اور انہوں نے وفاداری کا حلف اٹھایا تھا صلاح
ان پر مہربانی کی تھی لیکن ان کا تقرر قاہرہ سے دور دراز علاقوں میں کیا تھا اس
ی مرکزیت ختم ہو گئی تھی اور وہ منتشر ہو کر رہ گئے تھے۔
نی حبشیوں پر بھی تقریباً" قابو پا لیا گیا تھا۔ ان کو قاہرہ اور قاہرہ کے قریب تمام
ے محلوں سے بے دخل کر دیا گیا تھا جو کچھ بچے تھے وہ شمال اور شمال مغرب کے
ں جا کر آباد ہو گئے تھے ہرچند کہ انہوں نے پر امن رہنے کا وعدہ کیا تھا لیکن کبھی
کڑھی میں ابال آجاتا ہے اور وہ کسی پرانے مصری امیر یا شہزادے کے بھڑکانے پر
بلند کرتے جنہیں آسانی سے دبا دیا جاتا۔
ونی حالات درست کرنے کے ساتھ ساتھ صلاح الدین نے اپنی سرحدوں کو بھی
ی مضبوط کر لیا تھا نصرانی سلطنت یروشلم نے مصریوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر
راج تک وصول کرنا شروع کر دیا تھا لیکن جب صلاح الدین کے چچا اسد الدین
قدم اس ملک میں آئے اس وقت سے سلطنت یروشلم کا اثر و رسوخ مصر پر سے
ع ہوا دمشق کے سلطان نور الدین زنگی نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اگر مصر کی کمزور
ں فوراً" مدد نہ کی گئی تو اس پر یروشلم کے نصرانی بادشاہ کا قبضہ ہو جائے گا۔
سلطان نور الدین زنگی نے مصر کی طرف یکے بعد دیگرے کئی لشکر روانہ کئے اور
سپہ سالار اسد الدین شیر کوہ نے نصرانی بادشاہ ایمالرک کی فوجوں کا منہ پھیر دیا۔
مصر پر مکمل قبضے کا خواب بکھر کر رہ گیا اس بہادر سپہ سالار کے بعد جب مصر کے
اور وزیراعظم کی دستار فضیلت صلاح الدین کے سر پر رکھی گئی تو مصر میں حالات
اور انقلاب آیا صلاح الدین نے یروشلم کے شاہ ایمالرک کو دمیاط میں شکست فاش
سے اس کو سرحدوں میں محدود ہو جانے پر مجبور کر دیا شاہ ایمالرک مصر پر قبضہ
تھا اور کہاں اب اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اسے اپنی شمالی اور جنوبی دونوں سمتوں

کی سرحدوں کی فکر پڑ گئی تھی۔

صلاح الدین کی طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اس نے 1171ء میں قلعہ
حملہ کیا تھا یہ قلعہ شام اور مصر کی سرحد پر نصرانیوں کے ایک شہری کی طرح
دونوں مسلم ممالک کے قافلے اس کی نظر میں رہتے تھے اور دونوں ہی مملکتوں
خطرے کی گھنٹی بنا ہوا تھا صلاح الدین نے اس قلعہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا
والے صلاح الدین کی اجازت سے اپنا مال و اسباب باندھ رہے تھے کہ ایک غیر
پیش آیا۔

ہوا یوں کہ صلاح الدین کو اطلاع ملی کہ سلطان دمشق نور الدین زنگی بہ
قلعہ الشوبک کی طرف کوچ کرنے والا ہے یہاں تک تو بات درست ہے لیکن
الدین یکایک قلعہ الشوبک سے قاہرہ واپس ہو گیا تو متعصب یورپی مورخوں نے ا
طرح کی تاویلیں کی' انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ صلاح الدین
سے اس لئے واپس آگیا کہ وہ سلطان نور الدین زنگی سے ڈرتا تھا اور وہ سلطان
نہیں کرنا چاہتا تھا۔

یہ سراسر بہتان ہے کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ فاطمی امرا اور ش
حکومت ختم ہو جانے کے بعد بھی حصول اقتدار کے لئے کوششیں کرتے رہے
جس وقت صلاح الدین قلعہ الشوبک کا محاصرہ کئے ہوئے تھا قاہرہ میں بنو فاط
سازش کا جال پھیلایا تھا جس کی خبر صلاح الدین کو الشوبک پہنچائی گئی اور وہ اس
اثر سے اس قدر پریشان ہوا کہ فوراً" قاہرہ واپس چلا گیا۔

صلاح الدین نے یہی بات سلطان دمشق کو لکھ دی تھی مگر صلاح الدین
امیروں نے سلطان کو بھڑکا کر اسے مصر پر فوج کشی کے لئے آمادہ کر دیا صلاح
اپنے باپ کے مشورے سے سلطان کو ایک ایسا معذرت نامہ لکھا اور اس ا
وفاداری کا اظہار کیا کہ سلطان دمشق کا دل صلاح الدین کی طرف سے صاف
امرائے نوریہ جو مصر سے دمشق واپس چلے گئے تھے وہ سلطان کو صلاح الدین ک
بدگمان کرتے رہتے تھے۔

سلطان دمشق کی بدگمانی کے بارے میں یورپین مورخ کچھ نہیں لکھتے بلکہ
صلاح الدین کو مطعون کرتے ہیں کہ وہ سلطان کی آمد کی خبر سن کر قاہرہ بھاگ
فرض بھی کر لیا جائے کہ صلاح الدین نے قلعہ الشوبک کا محاصرہ سلطان کے
سے چھوڑا تھا تو بھی صلاح الدین کو برا نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ ہر مختصر

ہوتی ہے اس دور میں صوبہ کے گورنر' قلعہ کا قلعدار کسی ملک کا بادشاہ خود سر اور
الفتان ہوتا تھا اور نور الدین زنگی تو سلطان دمشق تھا اور سلطان مشرق کے لقب سے
جاتا تھا سلطان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہوتا تھا دمشق میں مقیم امرائے نوریہ
سلطان سے صلاح الدین کے بارے میں بہت زہر اگلا تھا اس لئے صلاح الدین کا
ن کی نظروں سے دور رہنا ہی مصلحت تھا ممکن تھا کہ سلطان' صلاح الدین سے الٹے
ے سوالات کرتا یا پھر یہ بھی ممکن تھا کہ صلاح الدین جو ایک بہادر باپ کا بہادر بیٹا تھا
لطان کے کسی سخت کلام پر غیظ میں آجاتا تو پھر اس وقت کیا ہوتا۔

ان باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صلاح الدین اپنے مربی اور ولی نعمت کا دل سے
ر اور فرمانبردار تھا اس نے اگر سلطان کا سامنا کرنے سے گریز کیا تو اس کے پاس اس
ئی کا جواز اور سبب بھی موجود تھا لیکن دمشق میں بیٹھے ہوئے صلاح الدین کے دشمن
ے نوریہ اپنی ذلیل حرکتوں سے باز نہ آرہے تھے انہیں الشوبک کے معاملہ میں سیاسی
ہوئی تھی اور بوکھلا گئے تھے اس لئے یہ بدطینت امرا موقعہ کی تلاش میں تھے اور
یہ موقعہ مل بھی گیا جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

الشوبک کے محاصرے کے دوران دلوں میں پڑے ہوئے شکوک و شبہات کو ایک سال
تھا کہ دربار یعنی قاہرہ میں سلطان دمشق کا ایک تازہ فرمان صلاح الدین کو موصول ہوا
ت صلاح الدین کی مجلس میں جو دھیرے دھیرے دربار کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا
نوریہ کے علاوہ صلاح الدین کا باپ نجم الدین ایوب اور اس کے تمام بھائی بند
تھے سلطان دمشق کا فرمان قیامت صغرا سے کم نہ سمجھا جاتا تھا۔

ں وقت کوئی اہم مسئلہ زیر بحث تھا کہ ایک غلام دربار میں داخل ہوا اور سیدھا
م صلاح الدین کے پاس پہنچ گیا غلام کی یہ حرکت درباری آداب کے خلاف تھی تمام
شکن آلود ہو گئے لیکن جہاندیدہ نجم الدین ایوب اور ذہین صلاح الدین غلام کے اس
نے پر فکر مند ہو گئے مگر ان کی یہ فکر صرف چند لمحوں کی تھی آنے والے غلام نے
لدین سے کچھ سرگوشی کی پھر جس تیزی سے وہ آیا تھا اسی تیزی سے واپس ہوا لوگوں
ن آلود چہروں پر اب حیرت کے آثار بھی پھیل گئے تھے۔

ی وقت صلاح الدین کی گمبھیر آواز سنائی دی "معزز امرا اور وفاداران تاج دمشق
لی کا قاصد سلطان معظم کا ایک اہم فرمان لے کے آیا ہے فرمان کے مندرجات سے
کو آگاہ کیا جائے گا"

لاح الدین کی بات ختم ہوئی تھی کہ دمشق کا قاصد اسی غلام کی رہنمائی میں دربار

میں آیا قاصد کو دیکھ کے صلاح الدین اپنی مسند سے کھڑا ہو گیا "خوش آمدید شا
آپ کا آنا ہمارے لئے باعث افتخار ہے"

سلطانی قاصد کے استقبال کے لئے وزیراعظم مصر کے کھڑے ہو جانے تمام د
اس کی تقلید میں اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے۔

قاصد نے قریب پہنچ کر کہا "میں اس عزت افزائی کے لئے وزیراعظم مص
حاضرین کا شکرگزار ہوں"

پھر قاصد نے ریشمی خریطے سے شاہی فرمان نکال کے صلاح الدین کو دیا صلا
نے رسم کے مطابق فرمان کو پہلے سر پر رکھا پھر چوم کے اسے کھولا اس وقت صلا
نجم الدین اور تمام دوسرے حاضرین کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے صلاح ا
فرمان پر سرسری نظر ڈالی سلطان مشرق کا فرمان صرف چار لفظی تھا صلاح الدین
سے نظریں ہٹا کر پہلے نجم الدین ایوب کو دیکھا پھر دوسرے درباریوں پر نظر دوڑائی
نے صلاح الدین کی نظروں کا جواب نظروں ہی میں دے دیا تھا۔

صلاح الدین نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "آقائے محترم کا پیغام صرف چا
مشتمل ہے' فرمان غور سے ساعت فرمایئے اور اپنے مشورے سے آگاہ کیجئے فرمان
صرف یہ ہیں۔

قلعہ کرک کو سرنگوں کیا جائے

فرمان پڑھ کے صلاح الدین نے خاموشی اختیار کی لوگوں پر پہلے ہی سکوت
سلطان کے مختصر فرمان سے وہ کچھ گھبرا گئے اور سوچنے لگے۔

صلاح الدین نے اپنے باپ نجم الدین ایوب کی طرف دیکھا باپ بیٹے کی
میں تصادم ہوا جس کے نتیجہ میں بوڑھے نجم الدین نے تیزی سے تلوار کھینچ کے سر
کی اور شیر کی طرح گرجا "مجھے افسوس ہے کہ دمشق کے وفاداروں اور جان نثار
فرمان سلطانی کے بارے میں رائے دینے میں اتنی دیر کی میرے ساتھیو' آقا اور غلا
بہت نازک مگر بڑا مضبوط بھی ہوتا ہے کیونکہ آقا حکم دیتا ہے اور غلام اس حکم کی
فوراً" سر جھکا دیتا ہے غلام کے ذہن میں سوائے تعمیل ارشاد کے اور کوئی خیال دا
نہیں ہو سکتا میں نے سلطانی فرمان کی اطاعت میں اپنی تلوار بلند کر دی ہے اور یہ
وقت تک بلند رہے گی جب تک شاہی لشکر قلعہ کرک کی طرف کوچ نہیں کرتا"

نجم الدین ایوب نے یہ سیاسی اور ولولہ انگیز الفاظ کہنے کے بعد صلاح الدین ک
دیکھا صلاح الدین نے باپ کی تقلید کی اور فوراً" اعلان کیا "میں سلطان مشرق کے ا

خادم کی حیثیت سے اعلان کرتا ہوں کہ شاہی فرمان کی تعمیل میں شاہی فوجیں اسی وقت قلعہ
کرک کی طرف روانہ ہوں گی اور مجھ پر اس وقت تک کھانا حرام ہے جب تک میں قاہرہ
سے قلعہ کرک کی طرف کم از کم نصف منزل کا فاصلہ نہ طے کر لوں میری عدم موجودگی میں
میرے اور بزرگوار مصر میں میری نیابت فرمائیں گے آپ لوگ اپنے گھروں کو جایئے اور
مختصر ترین وقت میں کوچ کے لئے میدان میں جمع ہو جایئے"

دربار سے امرائے نوریہ اٹھے تو ان کے قدم بوجھل بوجھل تھے اور احساس ندامت
سے ان کی آنکھیں اوپر نہ اٹھ رہی تھیں وہ سوچ رہے تھے کہ بوڑھے نجم الدین ایوب نے
ایک بار پھر اپنی بڑائی ثابت کر دی بے شک وہ سلطان کا سب سے زیادہ وفادار امیر ہے اور
اسی وجہ سلطان نور الدین بجا طور پر اس خاندان کی سرپرستی کرتا ہے وفاداری میں اس کا بیٹا
صلاح الدین دو قدم اس سے آگے ہی ہے صلاح الدین نے اس وقت لشکر کی روانگی کا حکم
دے کر فیصلے پر دہلے کی مثال قائم کی ہے ہم سے ہر ایک کو نجم الدین ایوب اور صلاح
الدین کے نقش قدم پر چل کے سلطان سے اپنی وفاداری کا ثبوت دینا چاہئے مگر پتہ نہیں کہ
سلطان کا فرمان سن کر ہم خاموش کیوں رہے اور اظہار وفاداری کے اس موقعہ سے بھی
باپ بیٹے نے فائدہ اٹھایا۔

روانگی سے پہلے سب سے اہم مسئلہ لشکر کے انتخاب کا تھا اس کے بعد فرائض تقسیم
چونکہ وقت بہت کم تھا اس لئے نجم الدین ایوب نے اس معاملہ میں صلاح الدین کا ہاتھ
بٹایا پہلے فوجی دستوں کا انتخاب ہوا پھر خوراک' باربرداری کے جانوروں کا انتظار' لشکر کی
منزلوں کا انتظام' غرضیکہ تمام محکموں کے سردار مقرر کئے گئے اور ہراول دستوں کو دربار
برخاست ہونے کے صرف نصف گھنٹے بعد روانہ کر دیا گیا۔

اسی تیز رفتاری کے تین حصوں میں منقسم لشکر کی روانگی ہوئی جس وقت دارالوزارت
کے سامنے کے میدان میں فوجی سوار حرکت کرتے دکھائی دیئے لوگوں کے کان اسی وقت
کھڑے ہوئے اور آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے
اصل معاملہ کا علم کسی کو نہ ہو سکا لیکن یہ ضرور ہوا کہ کوچ کے وقت تقریباً" پورا قاہرہ
اپنے بہادر لشکر کو بن بلائے رخصت کرنے کے لئے میدان کے گرد جمع ہو گیا لطف کی بات
یہ تھی کہ جو آ رہا تھا اس کے ساتھ پھولوں سے بھری ٹوکری ہوتی پھر جب لشکر روانہ ہوا یہ
ساری ٹوکریاں سواروں پر خالی کر دی گئیں۔

کیرک یا کرک کا مشہور قلعہ' الشوبک کے شمال میں بحر مردار کی جنوبی سرحد کے قریب
تھا جس طرح قلعہ الشوبک مصر اور شام کے قافلوں کے راستے میں تھا اسی طرح یہ قلعہ بھی

تجارتی راستوں پر تھا اور اسے شام کی کنجی کہا جاتا تھا کرک کا قلعدار اپنی خودسری کی و
سے شاہ کرک کہلاتا تھا اور یہ مسلمانوں کے پہلو کا ایک مستقل کانٹا تھا کرک کی بنیاد
رومن طرز تعمیر کی تھی اور اسے کوہ سیر کی بلند ترین چوٹی پر بنایا گیا تھا سطح سمندر سے اس
بلندی تقریباً" تین ہزار فیٹ تھی قلعہ کے نیچے گرم پانی کے چشمے زرخیز وادی اور پھلو
کے باغات تھے قلعہ انتہائی مضبوط تھا اور محل وقوع کی وجہ سے ناقابل تسخیر تصور کیا جاتا
قلعہ کرک اور شہر کرک کے درمیان ایک خوفناک خندق تھی اس خندق سے قلعہ تک ایک
زمین دوز راستہ جاتا تھا جو دو ڈھلوان چٹانوں میں کاٹ کر بنایا گیا تھا ایک سیدھی چٹان اس
کے مشرقی حصہ کی حفاظت کرتی تھی یہ ایک مشہور اور مضبوط جنگی قلعہ تھا مشہور تھا کہ اگر
قلعہ میں کھانے پینے کا وافر انتظام کر دیا جائے تو یہ طویل مدت تک ایک نہیں بلکہ کئی
محاصروں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

صلاح الدین ایک اعلیٰ قسم کے حکمران کے ساتھ ساتھ ایک بہت عظیم جنرل بھی تھا
اس نے مختصر عرصہ میں مصر کے اردگرد کے تمام ممالک، جنگی اور شہری مقامات، وہاں
آب و ہوا اور تمام راستوں سے پوری واقفیت حاصل کر لی تھی بلکہ ان یادداشتوں کو نقشو
میں محفوظ کر لیا تھا اس نے جس وقت شاہی فرمان میں قلعہ کرک کا نام پڑھا تو اس کے
دماغ میں قلعہ کا ایک ہلکا سا نقشہ آگیا تھا وہ قلعہ کی مضبوطی سے واقف تھا لیکن ان تما
مشکلات اور دشواریوں کے باوجود اس نے قلعہ کی طرف روانگی میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ
اور فوراً" تعمیل حکم میں لگ گیا وہ سلطان سے ضروری انتظام کے لئے کچھ وقت بھی مانگ
سکتا تھا لیکن اس نے فوراً" تعمیل کر کے نہ صرف دمشق میں موجود اپنے دشمنوں کے چہر
پر طمانچہ مارا بلکہ یہ بھی ثابت کیا کہ وہ اور اس کا باپ سلطان دمشق کے وفادار ہیں اور ان
کے ہر حکم کی تعمیل اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

صلاح الدین آندھی اور طوفان کی طرح قلعہ کرک کی طرف روانہ ہوا اب تک
نصرانی، مصر پر حملہ کرتے تھے مگر اب خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں میں اتنی طاقت پیدا کر د
تھی کہ وہ نصرانی قلعوں پر فوج کشی کر رہے تھے ڈیڑھ سال پہلے صلاح الدین نے قلعہ
الشوبک کا محاصرہ کیا تھا لیکن قاہرہ میں بغاوت کی افواہ کی اطلاع پا کر صلاح الدین کو ا
وقت محاصرہ اٹھانا پڑا جب قلعہ الشوبک والوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی اور قلعہ خا
کرنے کے لئے انہوں نے چند دنوں کی مہلت مانگی تھی۔

اور اب یہ دوسرا موقعہ تھا کہ صلاح الدین نصرانی قلعہ کرک کی طرف جا رہا تھا جو ا
مضبوطی اور محل وقوع کی بنا پر الشوبک سے زیادہ ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا اس سفر یا بلا

ح الدین نے منزلیں مختصر کر دیں اور ڈیڑھ منزل اور کبھی دو منزل پر قیام کرتا اچانک
ے سامنے نمودار ہوا قلعہ کرک پر صدیوں سے کسی نے حملہ نہ کیا تھا اس لئے قلعہ
لہ آور یا محاصرہ کے الفاظ تک بھول چکے تھے لیکن جب شامی لشکر کے سواد کرک
ے گرد پھیل گئے تو شہر والوں کو یقین ہو گیا کہ محاصرے میں آگئے ہیں اور اب ان
اور مال صلاح الدین کے رحم و کرم پر ہے۔

لاح الدین نے اپنی لشکر گاہ شہر کے اس پار اس جگہ قائم کی جہاں سے قلعہ تک
ز دروازہ جاتا تھا اس نے شہر پر نہ حملہ کیا اور نہ اسے نذر آتش کیا بلکہ اس کا لشکر
اموشی برہنہ تلوار بلند کئے شہر کے اس سرے سے داخل ہو کر اس سرے پر پہنچ گیا
وں کے دروازے بلند کئے دروازوں یا کوٹھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور آنے
طرے کے تصور سے کانپ رہے تھے لیکن نہ کوئی طوفان پیدا ہوا نہ قیامت ہی ٹوٹی
ہوتے ہوتے ان کے گھروں میں چولہے جل گئے۔

رج غروب ہونے پر چند سوار شہر کی کارواں سرائے پر پہنچے سرائے کا بڑا دروازہ بند
وں کے سردار نے دروازہ کھٹکھٹایا اور سرائے کے مالک کو یقین دلایا کہ اسے کوئی
نہیں پہنچایا جائے گا بشرطیکہ وہ لشکر سے تعاون کرنے پر آمادہ ہو مرتا کیا نہ کرتا
کے مالک نے چند لمحوں بعد دروازہ کھول دیا اور شامی سوار سرائے میں داخل ہو گئے
کا مالک تھر تھر کانپ رہا تھا مسافروں اور دوسرے لوگوں کے چہرے فق تھے اور وہ
آنکھوں سے اجنبی سواروں کو دیکھ رہے تھے۔

اروں کے یقین دلانے پر مالک سرائے کے حواس کچھ درست ہوئے اس کی مدد سے
معززین ایک فہرست تیار کی گئی پھر مالک سرائے کے ساتھ دو سوار کئے گئے کہ وہ
فہرست کے مطابق ہر معزز شہری کے گھر پر دستک دے اور اسے حکم دے کہ وہ
سالار لشکر کے سامنے پیش ہو جائے اگر کسی شخص نے حکم عدولی کی تو اس کی ذمہ
داس پر ہو گی مالک سرائے اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا کہ معززین شہر نے اگر اسی
ون کیا جس کا اظہار مالک سرائے نے کیا ہے تو انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

کام بڑا وقت طلب اور صبر آزما تھا لیکن مالک سرائے نے اس میں نمایاں کام کیا
ب تک ایک درجن معززین شہر صلاح الدین کے خیمہ پر پہنچ چکے تھے صلاح الدین
زین شہر کی بڑی عزت افزائی اور نرم لہجے میں کہا "آپ لوگ جانتے ہیں قلعہ ایک
م ہوتا ہے جبکہ شہر کی حفاظت اگرچہ حاکم قلعہ کے ماتحت ہوتی ہے لیکن شہر کی
سے وابستہ نہیں ہوتی اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ ہمارے لشکر نے شہری آبادی کو

کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور نہ محاصرے کے دوران انہیں کسی طرح کا نقصان
سلوک کے صلہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ معززین شہر ہم سے تعاون کریں اور ہمیں
کرنے کی کوشش کریں جو ہمیں قلعہ سر کرنے کے لئے درکار ہو گی۔"

صلاح الدین نے یہ کہہ کر دراصل شہریوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا
نے اس پیشکش پر بڑی فراخدلی کا ثبوت دیا انہوں نے پہلے ایک دوسرے کو اشار
ایک بزرگ نے سب کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا "اے شامی سپہ سالار کرک کے
آپ کے لشکر گزار ہیں کہ آپ کے لشکر نے نہ تو بستیوں کو تاراج کیا اور نہ
خاکستر کیا ہم اس با عزت پیشکش کے لئے بھی آپ کے شکر گزار ہیں اور آ
دلاتے ہیں کہ ہم محاصرے کے سلسلے میں ہر وہ چیز آپ کو مہیا کریں گے جو آ
طلب فرمائیں گے۔"

پہلا بزرگ خاموش ہوا تو دوسرے بزرگ نے اس کی بات کو آگے بڑھایا
اسلام کے جواں عمر اور جواں مرد سپہ سالار! سب سے پہلے تو میں اس بات کا اظہ
سمجھتا ہوں کہ یہ لشکر اور اس سپہ سالار کی تعریف کے قابل ہے کہ اس نے ایک
کو فتح کرنے کا ارادہ کیا ہے جو اپنی جدید تعمیر کے بعد سے آج تک کسی سے ز
دوسری بات یہ کہ ہم اپنے پورے تعاون کا آپ کو اس لئے بھی آپ کو یقین دلا
قلعہ کرک کے مالکان ہم شہریوں کو اپنا غلام تصور کرتے ہیں زرخیزداری اور باغا
بھال تو ہم لوگوں کے ذمہ ہے لیکن اس سے فائدہ قلعہ والے اٹھاتے ہیں وہ شہر
کو پکڑ لے جاتے ہیں اور ان سے بیگار لیتے ہیں۔"

صلاح الدین اور اس کے سرداروں نے دونوں بزرگوں کی باتیں بڑی توجہ
کچھ دیر اور بھی باتیں ہوئیں جس میں بزرگوں نے انہیں بتایا کہ قلعہ کے گرد جو
اس کے نیچے سے ایک زمین دوز راستہ قلعہ تک گیا ہے اگر اس راستہ پر کسی طر
جائے تو قلعہ تک آسانی سے پہنچا جا سکتا ہے کیونکہ اس راستہ کے دونوں جانب
چٹانیں ہیں شہر والوں نے زمین دوز راستے کے دروازے کی نشاندہی کر دی اور خ
گھاٹی میں اس دروازہ تک پہنچنا نہایت دشوار ہے پھر بھی اگر کوئی وہاں پہنچ جا
ترچھی چٹانوں سے اس قدر پتھر لڑھکائے جاتے ہیں کہ دروازے کے قریب پہنچ
میں دب کر رہ جاتا ہے۔

صبح کو صلاح الدین نے چند سرداروں کے ساتھ اس گھاٹی کا اچھی طرح
جہاں زمین دوز راستے کا دروازہ بتایا گیا تھا پھر اس نے ایک سردار کو حکم دیا کہ د

لے کر گھاٹی میں اترے اور دروازے کی صحیح جگہ معلوم کرے سردار صلاح الدین کے
م کی فوراً تعمیل کی اور چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا گھاٹی میں اتر گیا اس نے واپس آ کے بتایا کہ
ک جگہ چٹان میں دروازے کا نشان تو ہے مگر اسے اندر کی طرف سے ایک اور چٹان نے
کل بند کر دیا ہے اور اس میں کوئی دراز تک نظر نہیں آتی۔

اس سے اگلی صبح صلاح الدین نے چند جوانوں کا ایک دستہ بنایا اور اسے حکم دیا کہ
کی روشنی میں اوپر کی طرف چڑھیں اور دشمن کی ان کمین گاہوں کو تلاش کریں جو قلعہ
ے باہر ڈھلوان پر قائم کی گئی ہیں شاہی جوانوں نے چٹانوں اور اپنی ڈھال کی آڑ لے کر
پر چڑھنا شروع کر دیا یہ لشکری کافی اوپر چڑھ گئے اور ان کا راستہ کسی نے نہ روکا اب وہ
بئن ہو کر اوپر کی طرف چڑھنے لگے ٹھیک اسی وقت انہیں یوں محسوس ہوا جیسے پہاڑ بڑی
ی چٹانوں میں تبدیل ہو گیا ہے اور یہ چٹانیں اوپر سے لڑھکتی ہوئی ان کے سروں پر گر
ی ہیں۔

لشکریوں نے فوراً اپنے قدم روکے اور ایسی چٹانوں کی آڑ میں پناہ لی ڈھلوان پر چھت
کام کرتی تھیں مگر یہ کام بہت پھرتی سے کیا گیا اور جن لشکریوں نے ذرا بھی تساہل سے
لیا وہ زخمی ہوئے بغیر نہ رہ سکے چونکہ پتھروں کی یہ بارش ہر طرف ہو رہی تھی اس لئے
م لشکری قریب ترین چٹانوں کی آڑ میں ہو گئے یہ سلسلہ کافی دیر جاری رہا پھر رک گیا
ریوں نے پہلے سے زیادہ احتیاط کے ساتھ دوبارہ چڑھنا شروع کیا اب وہ ایک پناہ گاہ سے
ذ اور بھاگ کے دوسری پناہ گاہوں میں پہنچ جائے ان کی رفتار کافی سست ہو گئی پھر ان
اوپر چڑھنا اس وقت بالکل بند ہو گیا جب ان پر پتھروں کے بجائے تیروں کی بارش شروع
ا۔

دشمن کے تیر انداز جیسے انہیں دیکھ دیکھ کے تیر پھینک رہے تھے کیونکہ تیر ان کے
ل پاس گرتے تھے اور اگر وہ جلدی سے آڑ میں نہ ہو جاتے تو ان کا زخمی ہونا لازمی تھا
آگے تو نہ بڑھ سکے لیکن انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ کس قدر بلندی تک راستہ صاف ہے
ر کہاں سے خطرہ شروع ہوتا ہے جب اندھیرا پھیلنے لگا تو وہ واپس ہوئے اور اپنے سپہ
مار کو دن بھر کی کارگزاری سے آگاہ کیا۔

صلاح الدین نے اسی وقت مجلس مشاورت منعقد کی اور سرداروں کو صورت حال بتائی
ل گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ قلعہ کو سر کرنے کے لئے دونوں محاذوں پر کوشش کی
ئے یعنی ایک طرف تو لشکری اوپر چڑھنے کی کوشش کریں دوسری طرف خندق کے نیچے
ین دوز راستے کے دروازہ کو کسی طرح کھولا جائے صلاح الدین نے اس کی یہ تدبیر پیش کی

کہ چٹانوں سے بند راستے کے نیچے سرنگ کھودی جائے اور اس میں لکڑیاں بھر
دکھائی جائے اس طرح اڑے گی اور ساتھ میں دروازے کو بند کرنے والی چٹانیں
جائیں گی یہ ایک نہایت مفید تدبیر تھی سب نے اس پر اتفاق کیا اور فوراً ہی ا
انتظامات شروع ہو گئے۔

پتھریلی زمین میں سرنگ کھودنا اور اس حالت میں کہ زمین کے اندر بھی چٹانیں
انتہائی دشوار گزار کام ہے مگر شاہی لشکریوں اور ساتھ آئے ہوئے ماہرین ارضیات
کوششیں جاری رکھیں اور سرنگ نصف کے قریب تیار ہو گئی مگر ہوتا وہی ہے جو قد
منظور ہوتا ہے ایک دن شام کے وقت قاہرہ سے ایک تیز رفتار قاصد پہنچا اور اس
ایسی خبر سنائی کہ صلاح الدین کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"محترم وزیراعظم ----" قاصد نے سلام کے بعد عرض کیا "آپ کے وا
سردار نجم الدین ایوب شدید زخمی ہیں اور آپ کی صورت دیکھنے کے آرزو مند ہیں"

خبر بڑی لرزہ خیز تھی۔ صلاح الدین کو اپنے باپ سے بہت محبت تھی ا
اسدالدین شیرکوہ کے انتقال کے بعد صلاح الدین ہر اہم معاملہ میں اپنے باپ سے
کرتا تھا اس خبر سے صلاح الدین کے ہاتھ پیر تو لرز اٹھے تھے پھر بھی اس نے خود کو
اور پوچھا "پدر بزرگوار زخمی کس طرح ہوئے؟"

"محترم وزیراعظم" قاصد نے جواب دیا "سردار نجم الدین ایوب فوجوں کا معا
رہے تھے کہ باب الفتح کے باہر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور مع سوار زمین پر آرہا
شدید زخمی ہوئے ہیں اور آپ کو فوراً بلایا ہے"

قلعہ الشوبک کے محاصرے کے دوران مصر میں بغاوت کی افواہ پھیلی تھی اور
الدین کو جیتی جنگ کو ادھورا چھوڑ کے قاہرہ واپس جانا پڑا تھا اور اس وقت بھی ویسی
اس سے زیادہ خطرناک صورتحال پیدا ہو گئی تھی مصر کے حالات کو درست اور قا
رکھنے کے لئے نجم الدین ایوب جیسے مدبر اور دل گردے کے سردار کی ضرورت تھی
الدین کے لئے مصر اور نجم الدین ایوب دونوں انتہائی اہمیت رکھتے تھے کیونکہ نجم الد
حالت سے باغی فائدہ اٹھا سکتے تھے اور صلاح الدین کی اتنے دنوں کی محنت خاک میں م
تھی۔

صلاح الدین نے واپس جانے کا فیصلہ تو فوراً ہی کر لیا تھا پھر بھی اس نے
اطمینان کے لئے قاصد سے استفسار کیا "کیا بابا جان کے زخم مندمل ہونے کی کوئی
نہیں؟"

"مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم اللہ کی ذات سے ناامید نہیں ہوتے" قاصد نے
ہمدردی سے کہا "وہ تو مردے میں بھی جان ڈال سکتا ہے مگر سردار نجم الدین بہت زیادہ زخمی
ں میں آپ سے جلد قاہرہ جانے کی درخواست کرتا ہوں"

"اس کا مطلب ہے کہ تم بابا جان کی زندگی سے ناامید ہو گئے ہو؟" صلاح الدین نے
خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"میں سوائے آپ سے درخواست کرنے کے اور کچھ نہیں کہنا چاہتا" یہ جواب دے
کر قاصد نے سر جھکا لیا۔

صلاح الدین نے سمجھ لیا کہ حالات واقعی بڑے گمبھیر ہو گئے ہیں اس نے فوراً
سرداروں کو جمع کیا صلاح الدین اس قدر پریشان تھا کہ وہ سرداروں سے ٹھیک طرح گفتگو نہ
کر سکا اور سرداروں نے قاصد سے پورے حالات معلوم کئے اسی وقت کوچ کا حکم ہو گیا
اور سرنگ کی کھدائی کا کام وہیں پر چھوڑ دیا گیا خیمے اکھاڑے جانے لگے اور سامان گاڑیوں
پر بار ہونے لگا میدان میں صرف صلاح الدین کا خیمہ باقی تھا کہ ایک سوار کسی طرف سے
نمودار ہوا اس نے اپنے گھوڑے کی لگامیں وزیراعظم کے خیمہ کے قریب پہنچ کے کھینچیں۔

صلاح الدین کا محافظ غلام تیزی سے سوار کے پاس پہنچا اور قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھ کے
تحکمانہ لہجے میں پوچھا "کون ہو تم؟"

اس کے جواب میں سوار نے آہستہ سے کچھ کہا جسے سنتے ہی غلام صلاح الدین کے
خیمے میں داخل ہوا پھر چند لمحوں بعد وہ واپس آیا اور سوار سے کہا "اندر چلو، تمہیں
وزیراعظم نے طلب کیا ہے"

سوار نے قدم بڑھائے تھے کہ صلاح الدین خود خیمہ سے نکل آیا اور سپاٹ لہجے
میں بولا "میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں عقاب"

جواب میں عقاب نے سر جھکا کر اسے تعظیم پیش کی "مجھے فوراً اذن گفتگو عطا کیا
جائے"

صلاح الدین نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا پھر اسی طرح سوار کو لئے ہوئے اپنے
خیمے میں واپس آگیا۔ جب صلاح الدین اور سوار خیمے میں داخل ہو رہے تو صلاح الدین
نے ٹھہر کے اپنے غلام کو تاکید کی تھی "عقاب کے آنے کی کسی کو خبر نہ ہو اور ہماری گفتگو
میں کوئی مخل نہ ہونے پائے"

غلام بہت تھکا ہوا تھا اور صلاح الدین اس کے آنے سے سخت فکرمند تھا صلاح
الدین نے آنے والے سوار کو عقاب کے نام سے مخاطب کیا تھا یہ اس کا اصلی نام نہ تھا

دراصل وہ صلاح الدین کی طرف سے دمشق میں مقیم جاسوسوں میں سے ایک تھا صلا
الدین نے اپنے تمام جاسوسوں کے نام پرندوں کے نام پر رکھے تھے مثلاً بلبل، ہنس ا
فاختہ وغیرہ۔

صلاح الدین نے خیمے میں داخل ہوتے ہی کہا "عقاب وہ خبر جلد سناؤ جو تمہارے د
پر بوجھ اور ہماری فکرمندی کا باعث ہے؟"

"آقائے محترم" قاصد (جاسوس) نے کہا "سلطان دمشق نے لشکر کی تیاری کا حکم
ہے"

"یہ شعلہ کس ملک کو خاکستر کرنے کا عزم رکھتا ہے؟" صلاح الدین نے ٹھہرے ل
میں کہا۔

"اعلان ہوا ہے کہ یہ آتش بداماں لشکر قلعہ کرک کو پھونکنے آ رہا ہے" قاصد
انکشاف کیا، صلاح الدین نے قدر تلخ لہجے میں کہا "لشکر کی سرداری کس کے سپرد ہے؟"
"سلطان مشرق بہ نفس نفیس خود یہ فرض ادا فرمائیں گے" قاصد نے دوسرا انکشا
کیا۔

صلاح الدین نے ایک ٹھنڈی سانس لی "افسوس کہ دشمن اپنی ریشہ دوانیوں سے با
نہیں آتے سلطان کو مجھ پر اتنا بھی اعتماد نہیں کہ میں اس مہم کو تنہا سر کر سکتا ہوں خیر ا
وقت تو میں قاہرہ واپس جا رہا ہوں پدر بزرگوار گھوڑے سے گر کے شدید زخمی ہیں ان
حالت بہت نازک ہے آج ہی مجھے اطلاع ملی اور میں نے فوراً واپسی کا حکم دے دیا۔"

صلاح الدین نے اسی وقت اپنے دوسرے غلام کو بلوایا اور حکم دیا "تم اس وقت
دمشق روانہ ہو جاؤ اور دربار عالی میں میری طرف سے عاجزانہ عرض کرو کہ میں سلطان
غلام صلاح الدین سپہ سالار اور وزیراعظم مصر مقیم قاہرہ اپنے والدماجد کے شدید زخمی ہو
کی خبر پا کر قلعہ کرک کا محاصرہ ختم کر کے قاہرہ واپس جا رہا ہے، خطرہ ہے کہ والد کے زخ
ہونے سے دشمن علم بغاوت نہ بلند کر دیں اس لئے واپسی ضروری ہے باقی باتیں تم زبا
بیان کر دینا جاؤ فوراً تیاری کر کے روانہ ہو جاؤ"

ادھر غلام رخصت ہوا ادھر صلاح الدین نے عقاب کو بھی رخصت کیا "عقاب اگر
تم بہت تھکے ہو اور تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے لیکن ہم اس وقت قاہرہ واپس
رہے ہیں تم چاہو تو ہمارے ساتھ قاہرہ چل سکتے ہو وہاں کچھ دن آرام کرنے کے بعد دمش
واپس جانا"

عقاب نے اس پیشکش سے فائدہ اٹھایا اس کے بال بچے قاہرہ میں تھے اس نے کہا

میں آپ کے ساتھ قاہرہ چلنے پر آمادہ ہوں"
"ٹھیک ہے، چلو میرے ساتھ" صلاح الدین نے اسے اجازت دے دی۔
صلاح الدین کی بھی کیسی قسمت تھی، ڈیڑھ سال پہلے الشوبک کا محاصرہ کیا تو قاہرہ میں
ں کی افواہ نے اسے محاصرہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور اب وہ اپنے والد نجم الدین
کی خراب حالت کی خبر پا کر قلعہ کرک سے محاصرہ اٹھا کر واپس جا رہا تھا راستے بھر
طرح طرح کے خیالات گھیرے رہے گو کہ وہ دمشق سے سلطان کے آنے کی خبر پانے
پہلے ہی قاہرہ واپس جانے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ دمشق کے امرائے نوریہ
ن کے پھر کان بھریں گے کہ صلاح الدین نے اس دفعہ بھی سلطان کا سامنا کرنے سے
کیا ہے اور باپ کی خراب حالت کا بہانہ کر کے قاہرہ واپس ہو گیا ہے۔
صلاح الدین اسی طرح کے وسوسوں میں الجھا ہوا قاہرہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا لشکر
منزل پیچھے رہ گیا تھا اور چند سرداروں اور امرا کے ساتھ بہت آگے نکل آیا تھا ایک
باپ کی خستہ حالت کا خیال تو دوسری طرف سلطان دمشق کے جلال کا تصور، وہ
خاموشی سے مگر اپنے آپ سے الجھتا ہوا قاہرہ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ مخالف سمت
ایک تیز رفتار سوار آتے دکھائی دیا صلاح الدین کا دل نہ معلوم کیوں دھڑکنے لگا سوار
آیا اور جب اس کی نظر صلاح الدین پر پڑی تو وہ فوراً گھوڑا روک کے بیچ راستے میں
ہو گیا صلاح الدین نے بھی قریب آ کر گھوڑا روک لیا۔
سوار نے صلاح الدین کو ادب سے سلام کیا مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔
صلاح الدین کو الجھن ہوئی اس نے خود ہی سوار کو مخاطب کیا "سوار تم شامی معلوم
نے ہو اگر تم واقعی شامی ہو تو بتاؤ مجھے دیکھ کے تم رک کیوں گئے؟"
سوار اب بھی خاموش رہا۔
صلاح الدین نے اپنا سوال دہرایا "اگر تم شامی ہو تو ضرور جانتے ہو گے کہ میں مصر کا
اعظم ہوں اور میرے سوال کا جواب نہ دینا گستاخی میں داخل ہے؟"
سوار جس کے چہرے کا رنگ بار بار بدل رہا تھا اب خاموش نہ رہ سکا اور چیخ مار کر
نے لگا صلاح الدین کو اور زیادہ حیرت ہوئی اس نے نرمی سے دریافت کیا "اے بندہ خدا،
پر کیا افتاد پڑی کہ تو اس طرح روتا ہے؟"
سوار اسی طرح روتا پیٹتا گھوڑے سے اترا اور اپنے سر کے بال نوچ کے بولا "میرے
میرے سردار، میں آپ کا خادم ہوں اور دارالوزارت سے یہ خبر لے کر آ رہا ہوں کہ
ک سردار اور دانشوروں کے دانشور آپ کے والد محترم نجم الدین ایوب ہم لوگوں کو

چھوڑ کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں' اب ہم انہیں کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔

صلاح الدین آگے نہ سن سکا سوار دیر تک کچھ کہتا رہا سوار کو روتا دیکھ کر
سردار وہاں آگئے انہوں نے صلاح الدین کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ تو گم سم ہو
ممکن ہے کہ وہ سن رہا ہو اور اس میں جواب دینے کی طاقت نہ رہ گئی ہو صلاح الدین
حال دیکھ کر سرداروں نے اپنے طور پر اعلان کیا کہ لشکر بغیر کوئی منزل کئے قاہرہ کی
رواں رہے گا دوسرا صلاح الدین کے دائیں بائیں اس کے گھوڑے سے گھوڑا ملا
لگے شامی سرداروں نے صلاح الدین کو اس سے پہلے اتنا مغموم نہ دیکھا تھا وہ چاہتے
کسی طرح صلاح الدین اور یہ لشکر خیریت سے قاہرہ پہنچ جائے وہاں بہت سے
امرائے نوریہ بھی موجود تھے ان کی موجودگی میں صلاح الدین کی طبیعت بحال ہو سکتی
کسی نہ کسی طرح یہ لشکر گرتا پڑتا قاہرہ پہنچا ہر لشکری سوگوار تھا ہر آنکھ پرنم تھی
ہر لب پر ٹھنڈی آہیں تھیں صلاح الدین نے جیسے چپ کا روزہ رکھا تھا بقیہ تمام راستے
وہ نہ منہ سے بولا اور نہ کسی کے سوال کا جواب دیا لشکر قاہرہ پہنچا تو شہر کی سرحد پر
بڑے بڑے اور امرا اس کے استقبال کو یا تو کہنا چاہئے کہ صلاح الدین سے نجم الدین
کی تعزیت کو موجود تھے صلاح الدین کو دیکھ کر ان کے آنسو چھلک آئے اور وہ سسکیاں
بھرنے لگے۔

فقیہ موسیٰ ہکاری نے آگے بڑھ کے صلاح الدین کے گھوڑے کی باگ پکڑی' صلاح
الدین خاموشی سے نیچے اترا اور فقیہ محترم کے کاندھے پر سر رکھ کر بچوں کی طرح سسکیاں
بھرنے لگا۔ یہ منظر بڑا رقت آمیز تھا۔ صلاح الدین کی سسکیوں میں اور پچاسوں سسکیاں
شامل ہو گئیں لوگوں کی داڑھیاں اشکوں سے تر ہو گئی تھیں ان کی سمجھ میں نہ آرہا تھا
صلاح الدین سے کس طرح تعزیت کریں کیونکہ چچا اسدالدین شیرکوہ کی وفات کے بعد صلاح
الدین کی محبت اور مشورت کا مرکز نجم الدین ایوب ہی تھا وہ ہر اہم موقعہ پر صلاح الدین
کے سینہ سپر ہو جاتا صلاح الدین جب بھی دشمنوں کے نرغے میں پھنستا تو نجم الدین
اسے ایسا مشورہ دیتا کہ دشمنوں کے منہ پھر جاتے تھے۔

نجم الدین ایوب کا نام آتے ہی تکریت کا وہ واقعہ یاد آجاتا ہے جب ایک شام
شکست خوردہ لشکر دریائے دجلہ کے کنارے آکر ٹھہرا دریا کے دوسرے کنارے ایک
چوٹی پر تکریت کا قلعہ واقع تھا جو ایک مغرور سنتری کی طرح ہر سمت نگراں معلوم ہوتا
اس شکست خوردہ لشکر کے عقب میں اس کا دشمن بڑھا چلا آرہا تھا جس کے نامعلوم خو
سے لشکر کا ہر سوار لرزہ براندام تھا۔

آخر سردار لشکر نے دریا کے کنارے آکر بڑی حسرت سے بلند و بالا قلعہ کی طرف دیکھا
لشکر کے دشمن سے بچاؤ کا واحد ذریعہ یہ قلعہ ہو سکتا تھا کیونکہ اگر یہ لشکر کسی طرح
پار کر کے اس قلعہ میں داخل ہو جاتا تو پھر دشمن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہوتا اس لشکر کو
نقصان نہ پہنچا سکتا پھر اسے تائید غیبی ہی کہئے کہ حاکم قلعہ نے دریا پار لشکر کی بد حالی
پریشانی کا اندازہ لگایا اور کشتیوں کا ایک بیڑہ بھیج کے پورے لشکر کو بحفاظت اس سمت
آیا اب لشکر دشمن کی پہنچ سے بالکل محفوظ تھا یہ رحم دل اور دور اندیش حاکم قلعہ نجم
ین ایوب ہی تھا۔

اس جگہ نجم الدین ایوب کے خاندان کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا اس لئے کہ نجم
ین ایوب ہی خاندان ایوبیہ کا بانی تھا جس خاندان میں اسدالدین شیرکوہ اور صلاح الدین
ف جیسے بہادر' شہ زور اور حکمرانی کے جذبہ سے بھرپور ہستیاں پیدا ہوئیں نجم الدین
ب نہ عربی تھا اور نہ ترک یہ دراصل روادیہ قبیلہ کا ایک کرد تھا اس کی پیدائش آرمینیا
دادین کے نزدیک ارجانہ کان نامی ایک گاؤں میں ہوئی تھی کرد قوم نہایت سرکش اور
بدوش زندگی گزارتے تھے زمانہ قدیم سے یہ لوگ ایران اور ایشیائی کوچک کے درمیانی
ڑی سلسلوں میں جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں اور آج کل بھی ان کی یہ جدوجہد ایران
روس کی سلطنتوں کے لئے درد سری بنی ہوئی ہے کرد قوم کے مزاج کا اندازہ لگایا جائے
یہ لوگ قبائلی طرز زندگی تاج و تاراج مہمان نوازی جاں بازی عزت وفاداری کی حفاظت
بہادری میں عہد قدیم کے عربوں سے ملتے جلتے ہیں۔

مسلم مورخین ایوب کے خاندان کو دادین کے معزز ترین خاندانوں میں بتاتے ہیں
ین کو دابیل بھی کہا جاتا تھا جو دسویں صدی عیسویں میں شمالی یا وسطی آرمینیا کا
السلطنت تھا نجم الدین ایوب کے باپ شادی بن مروان کو اگرچہ عزت اور شہرت ورثہ
ملی تھی لیکن دادین پر زوال آگیا شادی کثیرالاولاد تھا اس لئے اس نے دادین چھوڑ کے
راد جانے کا قصد کیا اس نے سنا تھا کہ خلیفہ بغداد بہادروں اور شمشیر زنوں کو انعام و
رام سے نوازتا ہے اسی خیال سے اس نے بغداد جانے کا فیصلہ کیا اسے اپنی اور اپنے
بوں کی بہادری اور شجاعت پر بڑا فخر تھا۔

خوش قسمتی سے شادی بن مروان کا ایک دوست ان دنوں بغداد کا شحنہ تھا وہ دوست
ں کا نام بہروز تھا وہ بھی دوادین کا رہنے والا تھا چنانچہ شادی بن مردان معہ اہل و عیال
دھا بغداد پہنچا اور اپنے دوست سے مدد کا طالب ہوا بہروز شہر کوتوال ہونے کی وجہ سے
ت با اثر تھا اس کی سفارش سے شادی بن مروان کے بڑے بیٹے نجم الدین کو قلعہ تکریت

کا حاکم مقرر کر دیا گیا اس طرح یہ خاندان تکریت کے قلعہ میں پہنچ گیا پھر اسی قلعہ م ایک شکست خوردہ لشکر کو پناہ دینے کا واقعہ پیش آیا جس نے بظاہر اس خاندان کی راہ م کانٹے بو دیئے مگر یہ کانٹے جلد ہی پھول بن گئے اور اس طرح نجم الدین ایوب' اسد الد شیرکوہ اور صلاح الدین ماہتاب اور آفتاب بن کر چمکے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تکریت کے قلعہ میں شکست خوردہ لشکر کو پناہ دینے والا قلعہ دار نجم الدین ایوب تھا اور جس کو پناہ دی گئی تھی وہ موصل کا حاکم عماد الدین ز تھا عماد الدین زنگی نے سلجوقی شہزادوں کی اقتدار کی جنگ میں ایک شہزادہ کا ساتھ دیا تھا او مخالف فوجوں سے شکست کھا کر دجلہ کے کنارے پہنچا تھا اگر اسے تکریت میں پناہ نہ ملتی خدا معلوم اس کا کیا حشر ہوتا۔

اس زبردست احسان کے صلہ میں عماد الدین زنگی جب تکریت سے رخصت ہوا تو ا نے نجم الدین ایوب کو قول دیا کہ اگر نجم الدین کبھی ضرورت محسوس کرے تو فوراً موصل آجائے تاکہ اس کے احسان کا بدلہ اتارا جا سکے بدقسمتی یا خوش قسمتی سے ایسا موقعہ بہ جلد آگیا بغداد کا شحنہ جس نے نجم الدین ایوب کو تکریت کا قلعدار مقرر کرایا تھا وہ عما الدین زنگی کا سخت مخالف تھا جب اسے معلوم ہوا کہ نجم الدین نے عماد الدین زنگی ک تکریت کے قلعہ میں پناہ دی تھی تو اسے سخت طیش آیا اور وہ نجم الدین ایوب کا مخالف ہ گیا اب وہ موقعہ کی تلاش میں تھا کہ نجم الدین کو عماد الدین زنگی کو پناہ دینے کی سزا دے۔

اسی زمانہ میں نجم الدین ایوب کا چھوٹا بھائی اسد الدین جو ایک خوبصورت' گرانڈیل اور بہت بڑا شمشیر زن تھا اس کا جھگڑا تکریت کے بد معاشوں کے ایک گروہ سے ہو گ مشہور ہے کہ بہادر آدمی بڑا رحمدل ہوتا ہے اس کی یہی رحم دلی تھی جس نے ایوب خاندا کو تباہ کر کے رکھ دیا بدمعاشوں کے گروہ نے ایک شریف عورت کو گھیر لیا تھا اور اسے اغو کر کے لے جانا چاہتے تھے اتفاق سے اسدالدین ادھر آنکلا پھر کیا تھا اسدالدین ایک طرف اور بدمعاشوں کا پورا گروہ دوسری سمت خوب تلوار چلی اسد الدین نے بدمعاشوں کو مار بھگا اور ان میں سے ایک بدمعاش اسدالدین کے ہاتھ سے مارا گیا۔

جو بدمعاش مارا گیا تھا اس کا بھائی بہت با اثر تھا اور اس کی رسائی خلیفہ بغداد تک تھ اس نے بغداد پہنچ کر دربار میں فریاد کی کہ تکریت کے قلعدار کے بھائی اسدالدین نے اس بھائی کو خواہ مخواہ قتل کر دیا ہے چونکہ بغداد کے شحنہ بہروز نے نجم الدین کو قلعدار تکریت مقرر کیا تھا اس لئے یہ مقدمہ اس نے خود اپنے ہاتھ میں لے لیا بہروز پہلے ہی نجم الدین کے خلاف ہو گیا تھا چنانچہ اس نے خلیفہ سے کہہ کر نجم الدین کو تکریت کی قلعداری سے

معزول کر دیا۔

بہروز نے اپنی بد طینتی کا پورا مظاہرہ کیا اس نے صرف نجم الدین کو صرف معزول ہی نہیں کیا بلکہ جسے نیا قلعدار مقرر کیا گیا تھا اسے خلیفہ کا ایک فرمان دیا گیا جس میں نجم الدین کو حکم دیا گیا کہ اگر اسے معزورلی کا حکم دن میں موصول ہو تو وہ شام سے پہلے قلعہ خالی کر دے اسی طرح اگر اسے حکم نامہ شام کو موصول ہو تو وہ صبح ہونے سے پہلے قلعہ سے نکل جائے۔

1138ء کی وہ رات بڑی بھیانک تھی جب قلعدار تکریت نجم الدین کو معزولی کا فرمان پہنچا اور اسے حکم ہوا کہ وہ صبح ہونے سے پہلے قلعہ خالی کر دے اس قیامت خیز منظر کا نقشہ کھینچنا مشکل ہے کیونکہ اس قیامت پر ایک اور قیامت ٹوٹی' نجم الدین ایوب کی بیوی حاملہ تھی اور اسے درد زہ شروع ہو چکا تھا وہ دردوں میں مبتلا تھی اور نجم الدین جلدی جلدی سامان بندھوانے میں مصروف تھا پھر ٹھیک پچھلے پہر جب اس کا سامان قلعہ سے نکلنے والا تھا کہ قلعہ کے اس کمرے میں جہاں نجم الدین کی بیوی درد سے تڑپ رہی تھی' ایک نومولود کی چیخ بلند ہوئی۔

اس خاندان پر شائد یہی رات سب سے بھاری تھی ایک طرف نجم الدین سر جھکائے معزولی کے حکم کی تکمیل میں لگا تھا اور دوسری طرف ایک نئی جان نے اس دنیا میں آنکھیں کھولی تھیں' ضعیف الاعتقاد لوگ بچہ کی اس بے وقت کی پیدائش کو یقیناً بڑا منحوس کہیں گے لیکن اس بچہ کی پیدائش نے وہم' وسوسہ اور شگون کی تمام باتوں کو رد کر کے رکھ دیا تھا کیونکہ اس رات پیدا ہونے والا یہ بچہ منحوس نہیں بلکہ اس خاندان کے لئے ایک نیک شگون ثابت ہوا یہ بچہ صلاح الدین تھا جس نے سلطان صلاح الدین ایوبی بن کر نصرانی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔

نجم الدین ایوب اپنے بھائی اسدالدین کو لے کر معہ دیگر اہل خانہ موصل کے حکمران عماد الدین زنگی کے پاس پہنچا عماد الدین نے اپنا وعدہ پورا کیا اور دونوں بھائیوں کو دربار موصل سے وابستہ کر لیا ۔علبک کی فتح پر نجم الدین کو وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا پھر وہ دمشق کا گورنر ہوا صلاح الدین نے ایسے باپ کے سائے میں پرورش پائی پھر اسد الدین جو اس وقت شیرکوہ کے نام سے مشہور ہو چکا تھا' نے صلاح الدین کو عماد الدین زنگی کی وفات کے بعد موجودہ سلطان نور الدین زنگی کے حضور میں پیش کیا اس کے بعد جب صلاح الدین مصر پہنچا اور اس کے چچا اسدالدین شیرکوہ کا انتقال ہو گیا تو وہ جوان جو بظاہر خاموش طبیعت اور مذہبی خیال کا معلوم ہوتا تھا اس کے جوہر کھلنا شروع ہوئے اور وہ وزیراعظم مصر کے اعلیٰ

عہدہ پر فائز ہو گیا۔

صلاح الدین نے اپنے باپ اور اہل خاندان کو قاہرہ بلوا لیا تھا اور باپ کے قیم
مشوروں کے سہارے مشکل سے مشکل حالات پر قابو پا رہا تھا ان کی آنکھیں بند ہو
سے صلاح الدین کی دنیا تاریک ہو گئی اس کا محبت کرنے والا باپ اور ایک مشفق رفیق کا
کے لئے اس سے جدا ہو گیا تھا صلاح الدین باپ کا جس قدر بھی غم کرتا وہ کم تھا۔

صلاح الدین کی قلعہ کرک سے واپسی پر یورپین مورخین نے اپنی عادت کے مطا
طرح طرح کے افسانے تراشے ہیں انہوں نے کرک سے واپسی کو الشوبک کی واپسی سے
دیا ہے اور لکھا ہے کہ صلاح الدین میں سلطان دمشق نور الدین زنگی کا سامنا کرنے
جرات ہی نہ تھی اور وہ ایسے موقعہ پر بھاگ نکلتا تھا اس سلسلے میں سوائے اس کے اور
کہا جا سکتا ہے کہ دشمنان اسلام ہر موقعہ پر مشاہیر اسلام کو بدنام کرنا اپنا فرض سمجھتے ہ
صلاح الدین کے سلسلہ میں ان کی یہی کوشش رہی کہ اسے سلطان دمشق کا باغی ثابت کر
اور اس کی بہادری اور شجاعت کو بزدلی سے تعبیر کریں۔

صلاح الدین کی قلعہ کرک سے واپسی باپ کے انتقال کی وجہ سے ہوئی تھی یہ ٹھی
ہے کہ سلطان دمشق نے قلعہ کرک جانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ صلاح الدین
قاہرہ واپس جانا اس سے کہیں زیادہ ضروری تھا کہ وہ کرک میں ٹھہر کر سلطان کی آمد
انتظار کرتا اگر وہ ایسی غلطی کرتا تو خدا معلوم اس وقت تک مصر کا کیا حال ہو جاتا اور قا
میں موجود امرائے نوریہ پر کیا گزرتی بہرحال قاہرہ پہنچ کے اس نے امرائے نوریہ اور ا
عزیزوں سے صلاح مشورے کئے جس میں طے پایا کہ سلطان کے پاس ایک معتمد قاصد
جائے جو ایک طرف تو سلطان کو الشوبک اور کرک سے واپسی کی صحیح وجوہات سے آ
کرے دوسرے طرف سلطان کے دماغ میں پیدا ہونے والے ان وسوسوں کو زائل کرے
صلاح الدین کے مخالف امرا نے پیدا کر دیئے تھے۔

دمشق بھیجنے کے لئے یوں تو قاہرہ میں کئی امرائے نوریہ موجود تھے لیکن صلاح الدین
نظر انتخاب فقیہ عیسیٰ ہکاری پر ٹھہری اس نے فقیہ صاحب کو تنہائی میں طلب کیا یہاں
اس بات کا اعادہ کر دیا جائے تو بہتر ہو گا کہ صلاح الدین نے اس کام کے لئے فقیہ
ہکاری کا انتخاب کیوں کیا تھا اس کی وجہ تھی کہ جس وقت صلاح الدین کے چچا اسد الد
شیرکوہ جو مصر کے وزیر اعظم کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھا' کا انتقال ہوا تو اس کا جانشین منـ
کرنے کا سوال اٹھا [illegible] نور الدین زنگی کے مصر پر فوج کشی کے وقت امرائے نوریہ

ب پورا گروہ اسد الدین شیرکوہ کے ساتھ کر دیا تھا اور انہیں اختیار دیا تھا کہ وہ ہر اہم
قعہ پر باہم مشورہ سے خود فیصلہ کر لیا کریں انہیں بار بار سلطان دمشق کی اجازت کی
رورت نہیں۔

"امرائے نوریہ" وہ امرا کہلاتے تھے جنہیں سلطان نور الدین زنگی کے جنگ اور امن
، زمانہ میں اچھی طرح پرکھ کر اپنے دامن سے وابستہ کر لیا تھا چنانچہ ان کی ایک تعداد
رے لشکر کے ساتھ بھی روانہ کی گئی تھی یہ امرا جس قدر بہادر تھے اسی قدر تندخو اور
سر بھی تھے شیرکوہ کے انتقال کے وقت قاہرہ میں جتنے امرائے نوریہ تھے ان میں عمر کے
ے صلاح الدین سب سے چھوٹا تھا لیکن صلاح الدین نے بلبیس اور دوسری جنگوں
اپنی شجاعت کا سکہ بٹھا دیا تھا اس لئے انتخاب کے وقت فقیہ عیسیٰ ہکاری نے صلاح
ین کا نام شیرکوہ کے جانشین کے لئے پیش کیا تھا۔

صلاح الدین میں اگرچہ تمام قائدانہ صلاحیتیں موجود تھیں لیکن بعض امرائے نوریہ
یہ اعتراض کیا کہ صلاح الدین ابھی بہت کم عمر ہے اور کم عمری کی وجہ سے اس میں
، کی بھی کمی ہے اس لئے صلاح الدین کے بجائے کسی معمر امیر کو شیرکوہ کا جانشین یعنی
کا نیا وزیر اعظم منتخب کیا جائے اس موقعہ پر فقیہ عیسیٰ ہکاری نے امراء کے سامنے ایک
بت تقریر کی اور بتایا کہ تجربہ کا تعلق عمر سے نہیں بلکہ انسان کے عملی کاموں سے ہوتا
، اور اس سلسلہ میں صلاح الدین نے جتنی جنگوں میں حصہ لیا اور شجاعت کے جوہر
ئے اس تک کوئی امیر نہیں پہنچتا اسی طرح انتظامی معاملات میں بھی صلاح الدین نے
دریہ کے گورنر کے طور پر بہت کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے اور اسکندریہ کو اندرونی
بیرونی دباؤ کے باوجود نصرانیوں کے حوالہ نہیں کیا یہاں تک کہ شیرکوہ اسکندریہ کے
رہ کی خبر سن کر جنوبی مصر سے واپس آگیا اور نصرانیوں کو محاصرہ چھوڑ کے بھاگنا پڑا۔

فقیہ عیسیٰ ہکاری کی اس تقریر نے دشمنوں کے منہ پھیر دیئے اور امرائے نوریہ کے
امیروں نے فقیہ عیسیٰ ہکاری کا ساتھ دیتے ہوئے صلاح الدین کو مصر کا وزیر اعظم منتخب
یا۔ اگرچہ یہ انتخاب اتفاق رائے سے ہوا تھا لیکن بعض امرائے نوریہ اس فیصلے کے
ـ تھے اور انہوں نے مصلحتاً اس سے اتفاق کیا تھا ایک امیر تو کھلم کھلا صلاح الدین کا
ـ ہو گیا اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اس عہدہ کے لئے صلاح الدین سے زیادہ
کا حق ہے کیونکہ وہ صلاح الدین سے عمر میں بڑا اور زیادہ تجربہ رکھتا ہے یہی نہیں بلکہ
نے صلاح الدین کے ماتحت کام کرنے سے انکار کر دیا اور قاہرہ سے دمشق واپس چلا
ں وقت سے اب تک یہ امیر جس کا نام عین الدولہ باروتی تھا دربار دمشق میں صلاح

الدین کی مخالفت کے مواقع ڈھونڈا کرتا تھا۔

عین الدولہ باروقی کے علاوہ قاہرہ میں بھی دو تین امیراوپری دل سے صلا
سیادت تسلیم کرتے تھے ورنہ اصل میں وہ بھی عین الدولہ باروقی کے ہم خیال
سلطان کو صلاح الدین کے بارے میں خفیہ رپورٹ بھیجا کرتے تھے صلاح الدی
فقیہ عیسیٰ ہکاری کو دمشق بھیجنا چاہتا تھا کہ اسے ان پر سب سے زیادہ اعتماد
سلطان نور الدین زنگی بھی ان کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا۔

پس صلاح الدین نے فقیہ عیسیٰ ہکاری سے کہا "بزرگ محترم' ابا جان کے
بعد میں آپ ہی کو اپنا سب کچھ سمجھتا ہوں الشوبک کے قلعہ سے میری اچانک
دشمنوں نے جو میرے اور سلطان کے درمیان غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی
توڑ تو ابا جان مرحوم نے نکال لیا تھا مگر اب وہ اس دنیا میں نہیں اور قلعہ کرک
کو آڑ بنا کر دربار دمشق ہی دشمن پتہ نہیں کیسی کیسی باتیں کر رہے ہوں گے اس
یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو دمشق بھیجا جائے اور آپ اپنی صوابدید کے مطابق سلط
صاف کرنے کی کوشش کریں"

فقیہ عیسیٰ ہکاری نے متانت سے جواب دیا "محترم وزیراعظم' الشوبک ہو
دونوں مقامات سے لشکر کی واپسی کے مضبوط دلائل موجود ہیں کیا بزرگ سردار نج
انتقال نہیں ہوا اور کیا نجم الدین وزیراعظم کے والد بزرگوار نہیں تھے کیا ایک سع
بیٹے کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ نہ صرف باپ کے غم سے نڈھال فوراً الل
پاس پہنچے بلکہ اس سرزمین کو محفوظ رکھنے کے لئے بھی فوراً واپس آئے جسے حا
کے لئے لشکر شام نے خون بہایا ہے"

"یہ حقیقت ہے کہ میری حمایت میں بہت سی دلیلیں ہیں" صلاح الدین نے
سلطان کے سامنے کون زبان کھول سکتا ہے' سلطان صرف امرائے نوریہ ہی کی بات
اور ان کے دربار میں جتنے امرائے نوریہ موجود ہیں اس میں سے بیشتر میرے مخالف

"وزیراعظم کو پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں" فقیہ عیسیٰ ہکاری -
الدین کو اطمینان دلایا "سردار نجم الدین کے انتقال کی خبر سلطان کو مل چکی ہو گی ا
نے پھر بھی اس واقعہ کو کوئی اور رنگ دیا ہو گا تو میں وہاں پہنچ کے سب سنبھال ل
سلطان کو اصل حالات سے آگاہ کروں گا"

فقیہ عیسیٰ ہکاری دمشق پہنچے وہ ایک خاص مشن پر آئے تھے انہیں مناسب
مناسب بات کہنے کا ڈھنگ بھی آتا تھا سلطان دمشق نور الدین زنگی کے مزاج -

ری طرح واقف تھے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سلطان اپنے دربار میں کسی امیر کی تعریف
ند نہ کرتا تھا اس لئے انہیں بہت سنبھل کے گفتگو کرنا تھی۔ انہیں صلاح الدین کی
یف بھی اس انداز میں کرنا تھی کہ سلطان کو ناگوار نہ گزرے فقیہ عیسیٰ کی عمر ساٹھ کے
ب تھی لیکن وہ جوانوں کی طرح گھوڑا سرپٹ بھگاتے قاہرہ سے دمشق پہنچے تھے انہوں
نے صطبل اپنا گھوڑا دمشق کے قصر سلطانی کے صدر دروازے پر جا کے روکا تھا اس وقت
بار لگا تھا فقیہ عیسیٰ گھوڑے سے اتر کے سیدھے دربار میں پہنچ گئے انہیں دربار کے تمام
ردار جانتے تھے اس لئے کسی نے روکنے ٹوکنے کی کوشش نہ کی۔

فقیہ عیسیٰ ہکاری نے دربار میں داخل ہو کر جب سلام پیش کیا تو درباریوں اور خود
طان کو بڑی حیرت ہوئی سلطان دمشق نے کمال تعجب سے پوچھا "امیر عیسیٰ ہمیں اپنی
نکھوں پر یقین نہیں آرہا کہ تم ہمارے دربار میں کھڑے ہو' قاہرہ سے کب آئے؟"

"سلطان معظم" فقیہ عیسیٰ ہکاری نے ہاتھ باندھ کے کہا "غلام سیدھا قاہرہ سے آرہا
ہے میں نے ابھی اپنا گھوڑا دربار کے صدر دروازہ پر چھوڑا ہے"

"تم نے تو کمال کر دیا امیر عیسیٰ" سلطان نے کہا "ابھی قاہرہ سے آرہے ہو تو کچھ دیر
رام کیا ہوتا پھر دربار آجاتے"

"حضور عالی! اگر میں دمشق پہنچ کے پہلے تھکن دور کرتا اس کے بعد سلام کو حاضر ہوتا
میرا سلام باسی ہو چکا ہوتا اور مجھے وہ لذت اور سکون حاصل نہ ہوتا جو اس وقت کے
لام میں حاضر ہوا ہے" فقیہ عیسیٰ نے ایک معمولی بات کو اس انداز میں کہا کہ سلطان کا
رہ مسرت سے چمک اٹھا۔

"سبحان اللہ امیر عیسیٰ' ہم تمہاری محبت کے قائل ہو گئے" سلطان نے فوراً ان کی
یف کی پھر ایک لمحہ توقف کے بعد پوچھا "ہمارے نائب کا کیا حال ہے امیر عیسیٰ" اب
لطان کا چہرہ مطمئن ہو گیا تھا۔

فقیہ عیسیٰ ہکاری نے فوراً وقت سے فائدہ اٹھایا اور بڑی سنجیدگی سے کہا "سلطان معظم
ی تربیت نے جس ہیرے کو تراشا تھا اس کی چمک دمک سے سلطنت مصر روشن ہو گئی ہے
پ کا وہ غلام آج بھی دمشق کی طرف منہ کر کے عالی جاہ کی نوازشوں کا اقرار کرتا ہے اور
ضور کی درازی عمر کی دعا مانگتا ہے"

سلطان اور خوش ہوا اس نے فوراً کہا "بے شک' بے شک' اس نے ہماری تربیت کا
صحیح فائدہ اٹھایا"

فقیہ عیسیٰ نے کوئی جواب نہ دیا لیکن صلاح الدین کے مخالف امرا کے چہروں کا رنگ

اڑ گیا۔

سلطان نے فقیہ عیسیٰ ہکاری کو دیکھتے ہوئے کہا "امیر عیسیٰ تم جا کے آرام کرلو اگر
چاہو تو تم رات کو حاضر بھی ہو سکتے ہو"

"جہاں پناہ کا سایہ ہم پر قیامت تک قائم رہے" پھر فقیہ نے رخصتی سلام کیا اور
سے نکل گئے۔

دن کا باقی حصہ فقیہ عیسیٰ ہکاری نے پرانے دوستوں سے ملاقات میں گزارا،
ہکاری جس وقت سے مصر گئے تھے انہیں واپس آنے کا موقع نہیں ملا تھا انہوں نے
دوستوں سے مل کے پرانی یادیں تازہ کیں اس گلی سے گزرے جہاں ان کی حویلی تھی
کے دکانداروں نے انہیں فورا پہچان لیا اور مصر کے حالات پوچھنے لگے فقیہ عیسیٰ ہکاری
بڑے امیر تھے لیکن محلہ والوں کے ساتھ وہ گھل مل گئے اور ساتھیوں کی طرح باتیں کر
لگے۔

فقیہ عیسیٰ ہکاری کے صرف ایک لڑکی تھی جس کی شادی عرصہ ہوا ہو چکی تھی
وقت وہ اور اس کا شوہر دمشق کے شمال میں .علبک میں رہائش پذیر تھے .علبک ا
مشہور تاریخی قصبہ اور شہر ہے صلاح الدین کا باپ نجم الدین ایوب جب تکریت کے
سے نکل کر عماد الدین زنگی کے پاس معہ اپنے اہل خاندان کے پہنچا تھا تو اسے سب
پہلے .علبک کا حکم مقرر کیا تھا فقیہ عیسیٰ ہکاری نے سوچا تھا کہ دمشق کی واپسی سے پ
بیٹی داماد سے ملاقات کے لئے .علبک ضرور جائیں گے۔

فقیہ کے یار دوستوں اور شناسائیوں کا حلقہ اتنا وسیع تھا کہ ان سے ملاقات ک
کرتے اسے رات ہو گئی پھر بھی وہ بہت سے دوستوں سے نہ مل سکا سلطان نے اس
کی ملاقات کا اشارہ کیا تھا وہ جلدی جلدی احباب سے جان چھڑا کے قصر شاہی کی
روانہ ہوا قصر کے دروازوں پر پہنچا تو ایک محافظ نے آگے بڑھ کے ان کا استقبال کیا اور
لفظوں میں کہا۔

"عالی جاہ بڑے دیر سے آپ کے منتظر ہیں کئی بار حاجب نے آکر آپ کے بار
دریافت کیا ہے، آپ فورا حضور شاہ میں تشریف لے جایئے"

محافظ نے مفتی صاحب کی رہبری کے لئے اپنا ایک آدمی ساتھ کر دیا جو انہیں
خاص مقام تک لے گیا وہاں اس نے فقیہ کو شاہی محافظوں کے سپرد کیا جو اسے
سلطان مشرق نور الدین زنگی کی طرف چلا' سلطان نور الدین اپنی خواب گاہ کے برابر
چھوٹے ہال میں موجود تھا اس جگہ سلطان خاص خاص لوگوں کو قدم بوسی کی اجازت د

ہال اور شاہی خواب گاہ کی آرائش و زیبائش کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں دمشق کا قصر
ی صدیوں سے خلیفاؤں اور مختلف بادشاہوں کا مسکن رہا تھا اس میں ہر مکین اپنی طبیعت
مذاق کے مطابق کمی بیشی کرتا رہتا تھا سلطان نور الدین زنگی کی زندگی کا مقصد ہی جہاد
اس لئے اس کمرے میں جو دراصل ملاقات کے لئے استعمال ہوتا تھا دیواروں پر اس قدر
لحہ ٹنگا ہوا تھا کہ یہ ایک چھوٹا سا اسلحہ خانہ بن گیا تھا۔

سلطان مشرق اس مہمان خانہ یا اسلحہ خانے میں کچھ بے چینی سے ٹہل رہا تھا کہ اسے
یہ عیسیٰ ہکاری کے آنے کی اطلاع دی گئی سلطان نے بلا توقف انہیں بلوا لیا فقیہ ہال میں
خل ہوا تو سلطان بالکل دروازے کے سامنے کھڑا تھا اور اس کی نظریں دروازے کی طرف
تیں سلطان کو اس انداز میں دیکھ کے فقیہ عیسیٰ پریشان ہو گئے اور گڑ بڑا کے فورا آداب
ں کیا۔

سلطان مشرق نور الدین زنگی کو شاید فقیہ عیسیٰ ہکاری کی یہ بوکھلاہٹ پسند آئی۔ انہوں
نے تبسم فرمایا اور کہا "امیر عیسیٰ تم ابھی تک تھکے ہوئے ہو' طبیعت نہیں ٹھیک تھی تو صبح
و آجاتے' اتنی جلدی کیا تھی کب واپس جانے کا ارادہ ہے؟"

سلطان نور الدین زنگی نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے تھے فقیہ پہلے ہی گھبرائے
وئے تھے سلطان کے سوالوں نے انہیں اور پریشان کر دیا سلطان کو شاید یہ ان کی حالت
سے لطف ہو رہا تھا انہوں نے حکم دیا "امیر عیسیٰ' اس چوکی پر بیٹھ کے پہلے اپنے حواس
رست کرو پھر باتیں ہوں گی"

فقیہ عیسیٰ ہکاری نظریں جھکائے چوکی کی طرف بڑھے قریب پہنچے مگر اس پر بیٹھے تھے "
ہاں پناہ آپ کھڑے ہیں پھر یہ غلام بیٹھنے کی کیسے جرات کر سکتا ہے؟ اللہ اللہ اس وقت
کے درباری اپنے بادشاہ کا کس قدر احترام کرتے تھے حالانکہ سلطان نے خود ان سے بیٹھنے کو
کہا تھا لیکن فقیہ نے کھڑے ہوئے سلطان کے سامنے بیٹھنے سے گریز کیا۔

سلطان نے فرمایا "بزرگ امیر' اگرچہ امرا پر شاہی احترام لازم ہے لیکن شاہی حکم اس
سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے"

"حکم حاکم جان وارد" فقیہ محترم نے کہا اور بے تکلف چوکی پر بیٹھ گئے۔

زر نگار چوکی دیکھنے کے قابل تھی اس کے پائے پٹیوں پر جگہ جگہ جواہرات لگے تھے
اور سونے چاندی کے تاروں سے پھول بوٹے بنے تھے اس زر نگار صندلی چوکی ایک بیش
قیمت قالیچہ بچھا تھا جس کے ایک کونے پر ایک مخملی جانماز رکھی تھی۔

سلطان کچھ اور قریب آکر کھڑا ہو گیا" بزرگ امیر' ہم سے آنکھیں ملا کر گفتگو کرو"

فقیہ عیسیٰ ہکاری نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

"بزرگ امیر ----" سلطان نور الدین نے کمال سنجیدگی سے کہا "کیا ہمارا پرو
صلاح الدین آج بھی اسی طرح ہمارا مطیع و فرمانبردار ہے جیسے وہ دمشق میں ہوا کرتا تھا؟"

"سلطان معظم!" فقیہ عیسیٰ ہکاری نے بھی اسی سنجیدگی سے جواب دیا "اس سلسلہ م
غلام یہ کہنے پر اکتفا کرے گا کہ صلاح الدین بیانگ دہل اور برسر دربار یہ کہتا ہے کہ اگرچہ
میرا وہ باپ جس کا نام نجم الدین ایوب تھا اور جس کی میں اولاد ہوں' اس دنیا سے کوچ کر
گیا ہے لیکن میرا وہ ثانوی باپ جس نے مجھ کندہ ناتراش کو تراش کر اور تربیت دلا کر اپنے
پیروں پر کھڑا کرنا سکھایا ہے اس کا سایہ میرے سر پر قائم ہے اور اسی کی چھاؤں میں م
دشمنوں کے حربوں کو بیکار اور ریشہ دوانیوں کے جال کو کاٹ رہا ہوں"

"بزرگ امیر' تمہاری زبان سے یہ باتیں سن کے ہمیں بڑی مسرت ہوئی" سلطان نے
کہا "ہم جانتے ہیں کہ تم ایک دین دار اور راست گو امیر ہو' ہم نے اسی لئے تمہیں صلا
الدین کے ساتھ مصر روانہ کیا تھا ہمیں اگرچہ بہت سی غلط باتیں بتائی گئی تھیں لیکن آ
صلاح الدین کی طرف سے ہمارا دل بالکل صاف ہو گیا ورنہ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم مص
پہنچ کے خود اپنی آنکھوں سے وہاں کے حالات دیکھیں گے"

"مصر کے لوگ حضور کے دیدار کے مشتاق ہیں" فقیہ نے فورا تائید میں کہا "سلطان
کی یہ سب سے بڑی کرم نوازی ہو گی کہ وہ مصر کی سرزمین کو قدم بوسی کی عزت بخشیں"

سلطان نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا "عیسیٰ ہکاری' ہمیں شام اور موصل کے
جھگڑوں سے فرصت ہی کہاں ملتی ہے کہ دور کا سفر اختیار کر سکیں' جہاں تک مصر کا تعلق
ہے اسے ہم صرف سلطنت دمشق کا ایک حصہ ہی دیکھنا چاہتے ہیں ورنہ صلاح الدین
سمجھدار ہے وہ اپنی حکمت عملی کے تحت ہر قدم اٹھا سکتا ہے"

"سلطان عالی کے خیالات کس قدر بلند ہیں" فقیہ نے تعریف کی "سلطان کی ایک
حوصلہ افزائی ہی تو وابستگان تخت و تاج کے وفاداری اور جاں نثاری میں اضافہ کرتی ہے خدا
سلطان کو تا ابد زندہ و سلامت رکھے"

قسام اور نیل کے لئے جیسے بلی کے بھاگوں چھیکا ٹوٹا' دونوں شہزادہ نزار سے رخصت ہو
کر آہستہ آہستہ چلنے لگے' دونوں میں سے کسی کو بھی جلدی نہ تھی نیل کو درشہوار نے
شہزادے نزار کا پتہ معلوم کرنے بھیجا تھا نیل نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا اس نے شہزادے
نزار کا نہ صرف پتہ معلوم کیا تھا بلکہ ان کے دل میں اتر کے درشہوار کے لئے محبت کی جلتی

بھی دیکھ لی تھی اسی لئے اسے کوئی جلدی نہ تھی۔

قسام بھی اسی طرح فرصت میں تھا شہزادہ نزار اسی کے ذریعہ درشہوار تک پہنچ سکتا تھا
قسام اس منزل کا پہلا سنگ میل تھا تو نیل کو دوسرے سنگ میل ہونے کا درجہ
ل تھا اس طرح قسام اور نیل میں جس طرح کا رابطہ پیدا ہو رہا تھا اس کی مثال ایک
دو کاج سے دی جا سکتی تھی ایک طرف نیل اور درشہوار تھی تو دوسری طرف قسام اور
وہ نزار تھا اور ان سب کا مفاد آپس میں گڈ مڈ تھا۔

قسام شہزادہ نزار کے محل سے روانہ ہوا تو اس نے جان بوجھ کے دور کا راستہ اختیار
نیل بہت چالاک تھی اس نے فورا محسوس کر لیا کہ قسام نے دور کا راستہ اختیار کیا ہے
درشہوار کے محل تک پہنچنے میں کافی وقت صرف ہو اور اس طرح قسام کو نیل سے گفتگو
حال دل بیان کرنے کا پورا موقعہ مل جائے نیل بھی یہی چاہتی تھی قسام اسے پسند آگیا
اور قسام کو اس کی آنکھ کا وہ ہلکا سا سفید تل بھی نظر نہ آیا تھا جس کی وجہ سے نیل اپنی
جنسوں میں بدشکل مشہور تھی۔

قسام بہت بے صبر نظر آ رہا تھا اس لئے اسی نے گفتگو کا آغاز کیا مگر پہلے اپنے آپ کو
رکھا اس نے نیل سے آنکھیں چار کرتے ہوئے پوچھا "نیل تمہارا کیا خیال ہے کیا
درشہوار میرے شہزادے کو پسند کر لیں گی؟؟"

"یہ ضروری تو نہیں ہے قسام" نیل نے جواب دیا "درشہوار نے ایک بار بھی
شہزادے کو نہیں دیکھا' جب تک وہ شہزادے کو دیکھ نہ لیں اس وقت تک کچھ نہیں کہا جا
سکتا"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو نیل" قسام نے جواب دیا "محبت اور شادی کے لئے ایک
دوسرے کا دیکھنا اور پسند کرنا ضروری ہے"

"میں تمہاری یہ بات بھی نہیں مان سکتی قسام" نیل نے اس کی یہ بات بھی کاٹ دی
"جہاں تک شہزادے نزار کا تعلق ہے وہ صرف شاہی خاندان کے ایک شہزادے یا فرد
ہیں اس کے علاوہ ان میں اور کوئی ایسی خوبی موجود نہیں جو عورت کو ان کی طرف راغب کر
سکے برخلاف اس کے درشہوار ایک غیر معمولی عورت ہیں ان کا پہلا اعزاز یہ ہے کہ وہ مصر
کے خلیفہ کی بیوہ ہے دوسری بات ان کا بے مثال حسن ہے سب جانتے ہیں کہ مصر میں
درشہوار سے زیادہ خوبصورت عورت کوئی اور نہیں"

"مگر نیل تم نے یہ غور نہیں کیا کہ میرے شہزادے بھی خوبصورت ہیں اور انہوں نے
بھی درشہوار کو اب تک آنکھوں سے نہیں دیکھا" قسام نے اپنے آقا کی تعریف کرنا چاہی۔

بس رہنے دو اپنے شہزادے کو" نیل نے منہ بنایا "اسی مصر میں بلکہ تمہارے محلہ میں ایک سے ایک خوبصورت شہزادہ پڑا ہے اور سب جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں انہیں کوئی اپنی بیٹی نہیں دینا چاہتا خود تمہارے شہزادے کا کیا حال ہے وہ بھی جوانی کے سرے پر کھڑے ہیں ایک دو سال اور شادی نہ ہوئی تو کوئی منہ بھی نہ لگائے گا"

قسام نے محسوس کیا کہ نیل کا مزاج کچھ بگڑ رہا ہے اس لئے اس نے فوراً" رخ بدلا اور بولا "ارے چھوڑو بھی ان شہزادوں کو' ہمیں انسے کیا لینا ہمارا ان کا تو بس یہ واسطہ ہے کہ یہ ہمیں تنخواہ دیتے ہیں اور ہم نیک نیتی سے ان کی خدمت کرتے ہیں جہنم میں جائیں یہ سب انہوں نے تو ہماری باتوں کا ستیاناس کر دیا کیوں نہ نیل میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟"

نیل خواہ مخواہ مسکرا دی "ٹھیک کہا تم نے' ذرا وقت ملا ہے تو ہم ان کی باتیں کیوں کریں"

"تو اب میں اپنی بات کر سکتا ہوں؟" قسام نے اسے محبت سے دیکھا۔

"کرو باتیں ----" اور نیل شرما گئی۔

"کیا باتیں کروں --؟" قسام نے چھیڑا۔

"میں کیا جانوں ----" نیل نے مصنوعی غصہ دکھایا۔

"اچھا میں کیسا ہوں یعنی تمہیں کیسا لگتا ہوں؟" قسام نے پوچھا۔

"تم اپنے شہزادے سے اچھے ہو" نیل نے ادا دکھائی۔

"سچ ---؟" قسام پھول گیا۔

پھر خاموشی طاری ہو گئی جیسے دونوں کچھ سوچ رہے ہوں۔

"کچھ اور بولو ناں ---" نیل نے کہا۔

"اچھا اب کب ملو گی؟" قسام کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو یہی کہہ بیٹھا۔

"یہ کیا بات ہوئی قسام' ابھی میں تمہارے ساتھ ہوں اور تم آگے کی بات کہہ رہے ہو" نیل چاہتی تھی کہ قسام کوئی ایسی بات کہے جس سے اس کا دل خوش ہو۔

"نیل تم دنیا میں مجھے سب عورتوں سے زیادہ اچھی لگتی ہو۔ جی چاہتا ہے کہ ہم تم یونہی چلتے رہیں اور یونہی عمر ختم ہو جائے" آخر قسام کی زبان کھل ہی گئی۔

"کاش ایسا ہو جائے قسام" نیل کے ہونٹ پھڑکنے لگے' "یہ بات اس وقت ہو سکتی ہے کہ شہزادے نزار اور درشہوار ایک ہی جگہ رہنے لگیں"

"یعنی دونوں کی شادی ہو جائے ----" قسام نے مسکرا کے کہا۔

قسام اور نیل اس طرح کبھی سیدھی اور کبھی الٹی باتیں کرتے درشہوار کے محل پہنچ گئے نیل اسے باہر چھوڑ کے اندر چلی گئی۔ درشہوار نے اسے دیکھتے ہی پھٹکار لگائی "ارے آنے کا یہ وقت ہے خدا کی پناہ' صبح سے شام کر دی' کیا قسام نے تجھے پکڑ کے بٹھا لیا تھا' مجھے بالکل ہی بھول گئی وہاں جا کے"

درشہوار اسے ڈانٹ پلا رہی تھی اور نیل دانت نکالے کھڑی تھی جب درشہوار بک بک کے خاموش ہوئی تو نیل بولی "اے محترمہ عالیہ! یہ کیسا زمانہ آیا کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے' آپ نے ہی تو مجھے شہزادے نزار کی خیر خبر لینے کے لئے بھیجا تھا اور اب مجھ کو باتیں سنا رہی ہیں"

شہزادہ نزار کے نام پر درشہوار ٹھنڈی پڑ گئیں' بڑے چاؤ سے پوچھا "شہزادے سے ملی تو --- خیریت سے تو ہیں وہ؟"

"خیریت کہاں محترمہ عالیہ --- وہ بیچارے تو ----" اور نیل نے روہانسا منہ بنا کر ٹھنڈی سانس لی "بس اللہ ہی رحم کرے ان پر ---"

"ارے ارے' کیا ہوا شہزادے کو' خیریت تو ہے اری کچھ منہ سے تو بول' چپ کیوں سادھ لی تو نے؟" درشہوار گھبرا گئی اور نیل کو جھنجھوڑنے لگی۔

"محترمہ عالیہ! کیا بتاؤں' بس یوں سمجھئے اللہ نے جان بچا لی" نیل نے چبا چبا کے کہنا شروع کیا "مگر جاں بچنے سے کیا ہوتا ہے' زندگی بھر کے لئے ----"

"خدا کے لئے کچھ بتا تو نیل' کیا ہوا ہے شہزادے کو" درشہوار کا رنگ فق ہو گیا۔

"مجھ سے تو ان کا حال بیان نہیں کیا جاتا" نیل نے مکاری سے سسکیوں کے درمیان کہا "آپ قسام سے پوچھ لیجئے ----"

"قسام!" درشہوار نے حیرانی سے نیل کو دیکھا "یہ قسام کون ہے؟"

"وہی قسام' شہزادے نزار کا غلام' میں آپ کو بتا تو چکی ہوں" نیل نے افسردگی سے جواب دیا۔

"اچھا قسام' مگر وہ ہے کہاں؟" درشہوار حواس باختہ ہو رہی تھی۔

"باہر کھڑا ہے' میں اسے ساتھ لائی ہوں' وہی شہزادے کا حال بیان کرے گا" نیل نے بڑی سادگی سے کہا۔

"کہاں کھڑا ہے وہ" یہ کہتے ہوئے درشہوار باہر کی طرف چلی۔

نیل نے دوڑ کے اسے پکڑ لیا "ہوش میں آیئے محترمہ عالیہ! آپ کے سر پر دوپٹہ تو ہے نہیں پھر آپ باہر جا رہی ہیں' قسام کو آپ کیا جانیں وہ غیر مرد ہے اس سے آپ کیا

کہیں گی؟"

درشہوار کو جیسے ہوش آگیا --- "ہاں نیل، میں اس سے کیا بات کروں گی، م اسے جانتی بھی نہیں، کیسی پاگل ہوں میں بھی، اچھا تو ہی بتا دے شہزادے نزار کو کیا ہے؟"

"محترمہ عالیہ! آپ کو شہزادے کا بہت خیال ہے؟" نیل نے ایک دم سوال کر دیا۔

"ہاں ----- نہیں ----- دیکھو نا نیل، انسان ہی انسان کے کام آتا ہے، انسانی ہمدردی ہے" درشہوار نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"اچھا اگر میں کہوں کہ شہزادے نزار کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی ہے تو پھر؟" نیل آنکھیں لٹکا کے کہا۔

"تیرے منہ میں آگ لگے، ٹھیک بتا کیا ہوا شہزادے کو؟" درشہوار کو پسینے چھوٹ تھے۔

"کچھ بھی نہیں ہوا، وہ بالکل ٹھیک ہیں" نیل ہنسنے لگی۔

"مگر تو کہہ رہی تھی کہ ----"

"وہ تو میں مذاق کر رہی تھی ----"

"خدا تجھے غارت کرے، ایسا خطرناک مذاق کرتی ہے، میری تو جان ہی نکل گئی" درشہوار کی جان میں جان آئی۔

"بڑی ہمدردی ہے آپ کو شہزادے سے مگر آپ نے تو ان کو دیکھا بھی نہیں ہے" نیل نے درشہوار کو پھر چھیڑا۔

"ایک بار دیکھا تھا مگر دور سے" درشہوار نے اقبال کیا۔

"اب قریب سے دیکھنا چاہتی ہیں کیا؟" نیل نے دریافت کیا۔

"میں نے تجھے بھیجا کس لئے تھا؟" درشہوار مصنوعی غصہ سے بولی۔

"جی محترمہ عالیہ! میں پورا کام کر کے آئی ہوں" نیل نے سنجیدگی اختیار کی "شہزاد نزار بہت اچھے آدمی ہیں، طبیعت بڑی باغ و بہار پائی ہے آپ پر تو بس سو جان سے نثار "

"چل ہٹ، رہنے بھی دے کیوں بنا رہی ہے؟" درشہوار شرما گئی۔

"آپ کی جان کی قسم، میرے ساتھ آنے کی ضد کر رہے تھے، کہتے تھے کہ محترمہ عا سے سفارش کر دو"

نیل خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اور درشہوار لجائی جا رہی تھی شرمائی جا

"س بات کی سفارش کرا رہے تھے تم سے؟" درشہوار نظریں نیچی کر کے کہا۔

"سفارش اس بات کی کہ آپ ان کے حال رحم فرمائیے اور انہیں اپنے قدموں میں فرا لیجئے۔ میں نے ان کی درخواست آپ کے حضور پیش کر دی اب آپ کو اختیار ہے ے بچارے کو قبول کیجئے یا نا منظور کر دیجئے"

"درشہوار کچھ سوچ کے بولی "تمہاری سفارش تو ٹھیک ہے مگر ابھی تو کوئی جھگڑے طے ہوں گے"

"کیسے جھگڑے، میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی" نیل نے اٹھلا کے کہا۔

"نیل میری ایک درخواست دارالوزارت تک پہنچ چکی ہے جب تک اس کا فیصلہ نہ ہو کسی اور طرف کیسے دیکھ سکتی ہوں"

"چولہے میں جھونکئے اس درخواست کو۔ اس کا تو پتہ ہی نہیں چل سکا" نیل نے بے ئی سے کہا "اگر آپ کو شہزادہ نزار پسند آجائے تو ایک نئی درخواست دے دیجئے کسے م ہے کہ آپ نے پہلی درخواست میں آپ نے کس کا نام لکھا تھا اب کی یہ درخواست قسام کے ----"

نیل کہتے کہتے اک دم رک گئی، اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔

درشہوار نے پوچھا "یہ ایکا ایکی تمہیں کیا ہو گیا نیل، پریشان کیوں ہو گئیں؟"

درشہوار کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اس نے پھر پوچھا "کچھ بتاؤ تو بھی۔ تم نے مجھے بھی ان کر دیا؟"

"خیر میں اس سے معافی مانگ لوں گی" نیل نے پھر خود کلامی کی پھر درشہوار کی طرف کے مسکرائی "محترمہ عالیہ! میرے ساتھ قسام آیا ہے وہی شہزادے نزار کا ملازم" اور نے نظریں نیچی کر لیں۔

درشہوار ہنس کے بولی "یوں کہو، تم قسام کو ساتھ لے کے آئی ہو؟"

"جی، محترمہ عالیہ ---" نیل نے اقرار کیا "اسے ساتھ لائی نہیں بلکہ وہ بیچارہ مجھے ں تک پہنچانے آیا تھا میں اسے باتوں میں بالکل ہی بھول گئی"

"مگر وہ ہے کہاں، کدھر چھوڑا ہے اسے؟" درشہوار نے سخت لہجے میں کہا "آخر تم واس کیوں ہو جاتی ہو؟"

"میں نے اسے مہمان خانہ میں بٹھا دیا تھا مگر اب اس کا سامنا کرتے شرم آ رہی ہے۔ نے ملتجی نظروں سے درشہوار کو دیکھا۔

"اچھا چلو، میں تمہاری صلح صفائی کرا دوں گی" درشہوار نے پیشکش کی۔

"آپ ـــ محترمہ عالیہ آپ" نیل نے حیرانی سے درشہوار کو دیکھا۔

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے میں پردہ تو نہیں کرتی پھر قسام تو تمہارا ـ" درشہوار جملہ نامکمل چھوڑ کے ہنسنے لگی۔

"آپ محترمہ عالیہ! اس کنیز پر کس قدر مہربان ہیں" نیل نے تشکر نظروں سے درشہوار کو دیکھا۔ نیل اور درشہوار دونوں ایک ساتھ مہمان خانہ میں داخل ہوئیں ا انہیں دیکھ کے حواس باختہ ہوگیا اس کا منہ کھل گیا اور آنکھیں پھیل گئیں قسام ا استقبال میں کھڑا ہو گیا پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا درشہوار کی شخصیت ہی کچھ ایسی دلکش پرکشش تھی دیکھنے والا بدحواس ہو جاتا تھا نیل اس کی بدحواسی سے خوش ہو رہی تھ درشہوار کو اس پر رحم آگیا اس نے نرمی سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ قسام، ہم نے تمہارا سلام قبول کرلیا"

اور قسام جلدی سے سلام کے لئے جھک گیا۔

ابھی ان لوگوں کی گفتگو شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ ایک کنیز نے اندر آکر اطلاع

"محترمہ عالیہ دارالوزارت کا ہرکارہ حاضر ہے اور کوئی اطلاع لے کر آیا ہے"

دارالوزارت یعنی وزیراعظم مصر صلاح الدین کا دفتر جس میں اس کی رہائش بھی اس دفتر کے نام ہی سے لوگ کانپ اٹھتے تھے اس دفتر سے ترقی اور تنزلی کے احکا ہوتے تھے اور اس محل کے زیر سایہ فوجی چھاؤنی تھی جہاں سے لشکر دشمن کی سرکو لئے روانہ ہوتا تھا۔

درشہوار نے نیل کو دیکھا پھر ایک لمحہ سوچ کے کہا "نیل تم جاؤ اور دارالوزار ہرکارے کو اپنے ساتھ لے آؤ"

نیل باہر گئی ذرا دیر بعد نیل کے ساتھ ہرکارہ آگیا درشہوار اور قسام اس وقت نشستوں پر بیٹھ چکے تھے اندر داخل ہو کر نیل نے ہرکارے سے کہا "تم اس وقت عالیہ کے سامنے ہو"

ہرکارے نے ادب سے سلام کیا "محترمہ عالیہ آپ نے ایک درخواست دی سلسلہ میں متعلقہ حاکم نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ خود یا کسی کے ذریعہ اپنی در کی پیروی کے لئے دارالوزارت حاضر ہوں ـــ"

درشہوار سناٹے میں آگئی۔ اس نے گھبرا کے نیل کی طرف دیکھا۔ نیل بھی پریشان تھی۔ قسام ان دونوں کو پریشان دیکھ کر خود بھی پریشان ہو گیا۔

ایک ستارہ اور ٹوٹا

فاطمی خلیفہ عاضد کے افراد خانہ اور اہل خاندان کے لئے جو محکمہ قائم کیا گیا تھا اس موجودہ سربراہ یا ناظم اعلیٰ فقیہ عیسیٰ ہکاری تھے جو ان دنوں وزیراعظم مصر امیر صلاح ن کے ایک خاص مشن پر دربار دمشق گئے ہوئے تھے ان کی عدم موجودگی میں قزل نام ا ایک سردار ان کی جگہ کام کر رہے تھے قزل کی تمام عمر فوجی خدمات میں گزری تھی اس دہ نظم وضبط کے بہت پابند تھے انہوں نے اس محکمہ کا انتظام سنبھالتے ہی اسے فوجی پر چلانا شروع کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام گزشتہ درخواستوں کو دو ہفتوں کے اندر نمٹا دیا گیا اس سے محکمہ کا بوجھ بھی ہلکا ہو گیا اور شاہی خاندان کے افراد بھی خوش ہو

اب صرف چند الجھے ہوئے معاملات رہ گئے تھے جن میں سے کچھ تو شہزادوں کے آپس جھگڑوں کے بارے میں تھے اور کچھ وہ درخواستیں تھیں جو ادھر ادھر ہو گئی تھیں اور کوئی پتہ نہ ملتا تھا ناظم محکمہ نے اس سلسلہ میں وزیراعظم کو مفصل رپورٹ پیش کی میں کہا گیا کہ گمشدہ درخواستوں کے لئے حکم دیا جائے کہ انہوں نے درخواست دں سے دوبارہ حاصل کیا جائے اور ان کا فوری فیصلہ کیا جائے شاہی خاندان کے افراد جھگڑوں کے بارے میں یہ ئے دی گئی کہ شاہی خاندان کے سات بزرگ شہزادوں کی نا دی جائے جو اس طرح کے جھگڑے نمٹائے وزیراعظم نے یہ دونوں مشورے قبول ئے اس پر فوراً عمل شروع ہو گیا۔

بزرگ شہزادوں کی مجلس عمل کے قیام سے اس محکمہ کا کام بالکل ہی ختم ہو گیا رہا درخواستوں کا معاملہ تو ان میں بھی شہزادوں کے آپس کے اختلافات پر بیشتر تیں تھیں جو مجلس عاملہ کی طرف منتقل ہو گئیں۔ شاہی افراد کی شادی کے سلسلہ میں

صرف دو درخواستیں تھیں ایک تو محترمہ عالیہ کی اور دوسری کسی اور بیوہ شہزادی ک
دونوں کو دارلوزارت بلا لیا گیا۔

محترمہ عالیہ درشہوار دارالوزارت جانے سے گھبرا رہی تھیں۔ انہوں نے ہرکا
رخصت کر دیا لیکن اس کے جاتے ہی بڑے غصہ سے اعلان کیا کہ وہ دارالوزا
صورت بھی نہیں جائیں گی اس وقت درشہوار کے پاس کنیز خاص نیل کے علاوہ
کا غلام قسام بھی موجود تھا۔ درشہوار کو جلال میں دیکھ کر قسام بھی گھبرا گیا نیل ک
کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی۔

درشہوار کچھ دیر پھولی بیٹھی رہی پھر آپ ہی بولی "دیکھو بھلا یہ بھی کوئی حکم۔
دارالوزارت میں حاضر ہوں' میری کوئی حیثیت ہی نہیں' درخواست میں نے دی
ہو گئی ہے تو میں اس کی ذمہ دار نہیں' وہ لوگ خود تلاش کریں میں کیوں ان
کرنے جاؤں"

محترمہ عالیہ ------" قسام نے جرات کی "میری یہ مجال نہیں کہ آپ
معاملات میں کچھ بول سکوں' میں صرف یہ جانتا ہوں کہ یہ حکم قطعی غلط ہے اور
حکم دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

قسام نے درشہوار کی بات کی تائید کی تھی۔ وہ بہت خوش ہوئی۔ "یہی تو میں
ہوں' میرا وقت بگڑ گیا تو کیا میری عزت بھی ختم ہو گئی' وزیراعظم نے مرحوم خلیفہ
کیا تھا کہ وہ میری سرپرستی کریں گے اور میری مراعات میں کوئی فرق نہ آئے گا"

قسام نے پھر بولا "آپ کے مرتبہ سے سب واقف ہیں محترمہ عالیہ' اس
جرات کیسے ہوئی کہ آپ کو دارالوزارت میں طلب کرے"

نیل نے دیکھا کہ قسام خواہ مخواہ درشہوار کی ہمدردی حاصل کرنے کی کو
ہے' اس سے بات بگڑ بھی سکتی تھی درشہواز خلیفہ کی زندگی میں کچھ اور تھی لیکن
کی حیثیت تبدیل ہو چکی ہے اور اس کا شمار محکوم طبقے میں ہوتا ہے اگر اس نے
نہ مانا اور اکڑی بیٹھی رہی تو خدا معلوم کیا فتنہ کھڑا ہو جائے۔

نیل نے فوراً قسام کو ٹوکا "تم چپ رہو قسام۔ تمہیں حالات صحیح علم نہیں
محترمہ عالیہ کا مسئلہ ہے وہ خود اسے حل کریں گی"

"میں معافی کا خواستگار ہوں محترمہ عالیہ" پھر قسام نے نیل کی طرف دیکھا
اسے اشارے سے کہا کہ وہ اس وقت چلا جائے۔

قسام نے ایک لمحہ بعد کہا "محترمہ عالیہ مجھے اجازت دیجئے' شہزادے بہادر

ں گے' میں پھر حاضر خدمت ہوں گا"

ائب نہ ہو جانا قسام" نیل نے ایک خاص ادا سے کہا "کل نہیں تو پرسوں ضرور آنا
لا گل ہو گیا "ضرور اب ضرور آؤں گا میں حکم سے انکار نہیں کر سکتا ہوں"
ام جواب کا انتظار کئے بغیر واپس ہو گیا۔

ام کے جانے کے بعد بہت دیر تک خاموشی رہی۔ درشہوار اپنے خیال میں گم تو نیل
وں میں کھوئی ہوئی تھی آخر خاموشی کا طلسم ٹوٹا درشہوار مسکرائی اور بولی۔
جھے کیا ہو گیا ہے' ایسی خاموش ہوئی جیسے سانپ سونگھ گیا ہو؟"

پ کو غصہ جو آگیا تھا محترمہ عالیہ" نیل نے دبی آواز میں کہا۔

مہ مجھے آیا اور خاموشی تجھ پر طاری ہوئی۔ یہ بھی کوئی بات ہے؟" درشہوار نے
مہ سے کہا حالانکہ وہ یہ غصہ بھی مصنوعی تھا۔

پ مالکن ہیں غصہ کر سکتی ہیں لیکن جو غصہ اپنا نقصان کرے وہ اچھا نہیں ہوتا"
اصحانہ انداز اختیار کیا۔

ا بس رہنے بھی دے' بڑی آئی نصیحت کرنے والی" درشہوار نے منہ بنایا "نقصان
ہنا کیا' تھوڑا سا خون جلا ہو گا اور کیا ہوا؟"

ا کے علاوہ بھی کچھ نقصان اور ہوا ہے" نیل نے سنجیدگی اختیار کی۔

ر ----- اور کیا نقصان ہوا؟" درشہوار نے حیرانی سے پوچھا۔

میرے ساتھ قسام نہیں آیا تھا؟" نیل نے اس سے الٹا سوال کیا۔

ا آیا تھا مگر میں نے اس سے تو کچھ نہیں کہا؟"

پ کیا کہتیں' کہنے کو تو وہ خود آیا تھا" نیل نے افسردگی سے کہا "وہ بے چارہ کیا
ایا تھا اور یہاں کیا ہو گیا" آپ کے غصہ نے سب کام بگاڑ دیا"

ے افسوس ہے نیل' واقعی بڑی غلطی ہوئی' اب کیا کرنا چاہئے" درشہوار انگلیاں
ئے بولی۔

ب کیا ہو سکتا ہے" نیل نے افسوس سے کہا "ایک تو آپ نے قسام کو گفتگو کا
دیا دوسرے آپ نے ضبط کا اظہار کرنے کے بجائے ایک غیر مرد کے سامنے بے
بے بات غصہ دکھایا۔ قسام کیا سوچتا ہو گا اور شہزادے نزار کو آپ کے بارے میں
کی ناکہ آپ غصے کی بہت تیز ہیں"

ب کہہ رہی ہو نیل" درشہوار افسردہ ہو گی "مجھے اتنی سی بات پر اس قدر چراغ پا
ئے تھا"

"محترمہ عالیہ ---- ایک ددست تو سو دشمن' آپ نے غصے میں ناظم ـ
جو کچھ کہا ہے وہ اگر ناظم کے کانوں تک پہنچ گیا تو خدا معلوم کیا قیامت آجائے
ملکہ مصر ہیں اور نہ شاہی محل میں رہتی ہیں ہم سب وزیراعظم مصر ادر ان
کے غلام کے برابر ہیں" نیل کے دل میں جو کچھ بھرا تھا وہ سب اس نے اگل د
درشہوار پریشان ہو گئی۔ اس نے پوچھا "کیا قسام یہ سب باتیں ناظم تک
"

"قسام فرشتہ نہیں ہے محترمہ عالیہ ----" نیل نے جواب دیا "پھر ابھ
مزاج سے بھی واقف نہیں' امید تو نہیں کہ وہ ایسی کمینی حرکت کرے گا اس
آقا کی بات بھی اٹکی ہوئی ہے اس لئے شائد وہ ایسا نہ کرے کمین کل کو وہ
بھی ہو سکتا ہے پھر دشمنی تو سب کچھ کر ڈالتی ہے"

"یہ تو ہے ----" درشہوار نے جیسے خود سے کہا پھر چونک کے بولی "نیل
کہا تھا کہ قسام کے آقا کی ایک بات اٹکی ہوئی ہے اس سے تمہارا کیا مطلب
بات ہے؟"

"وہی بات جو قسام آپ سے کہنے آیا تھا اور آپ نے اسے کہنے کا موقع
نے بات کھولتے ہوئے کہا "دراصل شہزادے نزار آپ کے تمنائی ہیں اور انہ
کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ باتوں باتوں میں آپ کا خیال معلوم کرے"

"ہائے نیل' یہ بات تو نے مجھے پہلے ہی بتا دی ہوتی" درشہوار ہاتھ ملنے لگ

"خیر جو ہو گیا سو ہو گیا مگر آئندہ خیال رکھئے گا محترمہ عالیہ ---" نیل
اطمینان دلانے کے لئے کہا "قسام نے اس محل سے ناتا توڑا نہیں ہے میں
کو کہہ دیا ہے وہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔ گستاخی معاف اگر وہ آپ کے
گا تو آپ کی کنیز نیل یعنی میرے ئے آئے گا اور آتا ہی رہے گا"

"اچھا تو یہ بات ہے" اور درشہوار مسکرانے لگی۔

"اب بتایئے محترمہ عالیہ آپ کی کیا رائے ہے" نیل نے اصل مسئلہ
طرف شہزادے نزار کی آپ کے لئے درخواست ہے دوسری طرف وہ درخوا
آپ نے طبیب اعظم سے شادی کے لئے دی تھی۔ میرا خیال ہے کہ آپ کی
فیصلہ ہو گیا ہے یعنی آپ کو طبیب اعظم سے شادی کرنے کی اجازت مل گئی ؟

"لیکن اب میں طبیب اعظم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ وہ بات پرانی ہ
اس بے مروت نے تو ادھر کا راستہ ہی چھوڑ دیا ہے۔ میں ایسے خشک آدمی

کتی ہوں" محترمہ عالیہ نے ٹھہر ٹھہر کے کہنا شروع کیا "یہ ٹھیک ہے کہ مجھے سہارے کی
ضرورت ہے لیکن یہ سہارا مضبوط ہونا چاہیئے میں اپنے آپ کو کسی بیمار یا بوڑھے کے
نہیں باندھ سکتی"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ طبیب اعظم سے آپ کوئی رشتہ
ڑیں گی" نیل نے اس کی باتوں سے یہی سمجھا تھا' "لیکن اب سوال یہ ہے کہ آپ
و کیا جواب دیں گی"

"جواب تو خیر میں دے لوں گی" درشہوار نے بڑے استقلال سے کہا "لیکن ابھی تو یہ
رنا باقی ہے کہ میں دارالوزارت جاؤں کہ نہ جاؤں' تمہارا کیا مشورہ ہے نیل؟"

"میرا خیال ہے کہ آپ کو ناظم کا حکم ماننا چاہیئے" نیل نے پہلے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا "
پ حکم کی تعمیل نہیں کرتیں تو ناظم طاقت سے بھی اپنا حکم منوا سکتا ہے۔ میں نے سنا
، آج کل ناظم کے عہدے پر ایک فوجی سردار کام کر رہا ہے ان فوجیوں سے خدا ہی
، ان کی کھوپڑی الٹی ہوتی ہے دوست بنیں تو جان نچھاور کر دیں اور مخالفت پر اتریں تو
تک اتار لیتے ہیں"

"نیل میرا خیال ہے کہ شاہی ہرکارے نے یہ بھی کہا تھا کہ میں اپنی درخواست کی
کسی اور کے ذریعہ بھی کر سکتی ہوں؟" درشہوار کا خیال صحیح تھا' ناظم نے ہرکارے کے
درشہوار کو اجازت دی تھی کہ وہ اگر خود پیروی نہ کر سکے تو کسی اور کو اختیار دے کر
نمائندہ کی حیثیت سے بھیج سکتی ہے۔

"جی محترمہ عالیہ' ہرکارے نے یہ ضرور کہا تھا" نیل نے درشہوار کی بات کی تائید کی
لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ اپنا نمائندہ کیسے بنائیں گی' نمائندہ کوئی مرد ہی ہو سکتا ہے"

"کیا شہزادے نزار یہ فرض نہیں ادا کر سکتے؟" درشہوار کا خیال اک دم شہزادے کی
گیا۔

"محترمہ عالیہ' کسی وقت آپ بچوں جیسی باتیں کرنے لگتی ہیں" نیل نے مسکرا کے
ے کہا "کیا آپ شہزادے کو یہ بتا سکیں گی کہ پہلے آپ نے طبیب اعظم کے ساتھ
کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ شہزادے کے دل میں کیا کیا خیال پیدا ہوں گے اس کی
میں آپ کی کیا وقعت رہ جائے گی؟"

"میری عقل پر پھٹکار" درشہوار نے اپنا سر پکڑ لیا "اس درخواست کی تو شہزادے کو
بھی نہ ملنا چاہیئے ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا"

"پھر تو آپ کو خود ہی دارالوزارت جانا ہو گا؟" نیل نے فوراً" کہا۔

"ٹھیک ہے میں خود جاؤں گی اور ناظم سے صاف الفاظ میں کہوں گی کہ م
اعظم سے شادی نہیں کرنا چاہتی اس لئے میری درخواست مجھے واپس کر دی جائے"
"اگر ناظم نے پوچھا کہ کیوں شادی نہیں کر سکتی تو آپ کیا کہیں گی؟" سمجھ
نے آنکھیں لٹکا کے سوال کیا۔
"تو ---- تو کہہ دوں گی میرا شادی کا ارادہ نہیں" درشہوار نے نیل کو ا
دیکھا جیسے کہہ رہی ہو دیکھ میں نے کیا معقول جواب سوچا ہے۔
"ٹھیک فیصلہ ہو گیا' آپ کہہ دیں گی کہ آپ نے شادی کرنے کا ارادہ تبد
ہے" نیل نے پہلے کی طرح پھر آنکھیں گھما کر کہا "لیکن محترمہ عالیہ آپ کو شہزا
کی درخواست کا بھی فیصلہ کرنا ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ شہزادے کے حق
کریں گی۔ اس صورت میں آپ ایک بار شادی سے انکار کے بعد پھر شہزادے
شادی کرنے کی درخواست کیسے کر سکتی ہیں۔ ناظم پوچھ سکتا ہے کہ شادی کوئی بچور
نہیں کہ جب چاہا انکار کر دیا اور جب چاہا اقرار کر لیا؟"
"یہ تو بڑی مشکل ہو گی۔ اب میں کیا کروں؟" درشہوار بہت گھبرا گئی۔
"محترمہ عالیہ' دل نہ چھوٹا کیجئے' مشکل پڑی ہے تو آسان بھی ہو جائے گی"
تسلی دی "یہ تو طے ہے کہ آپ کو دارالوزارت جانا ہو گا' ناظم سے دشمنی مول
بات نہیں"
"تم میرے ساتھ چلو گی نا؟" درشہوار نے پوچھا۔
"کیوں نہیں محترمہ عالیہ' میں تو سرکار کی کنیز ہوں آپ کے حکم سے کیسے انکا
ہوں" نیل نے مالکن کو اور حوصلہ دیا "میں آپ کے ساتھ ہوں گی' اگر کوئی ا
سوال کیا گیا تو میں جواب دوں گی آپ بالکل فکر نہ کیجئے"
درشہوار اور نیل کے لئے ناظم کی طرف سے دارالوزارت میں طلبی ایک کٹ
بن گیا تھا۔ درشہوار بہت پریشان تھی' اس نے ایک طویل عرصہ سے محل سے قد
تھا' وزیراعظم سے ملنے وہ مرحوم خلیفہ عاضد کے ساتھ گئی تھی اس کے بعد سے وہ
گئی تھی سوائے اس کے کہ حرم شاہی سے اٹھ کے یہاں آگئی تھی درشہوار کی
دارالوزارت پہنچ کے بہت آسان ہو گئی اس قدر آسان کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتی
دوسرے دن درشہوار اور نیل اپنی سواری میں محل سے نکلیں' انہوں نے کو
ملازم ساتھ نہ لیا تھا بیرونی دروازے پر پہنچ کے نیل نے محترمہ عالیہ درشہوار کا نام
ناظم کے حکم پر دارالوزارت جا رہی ہیں محافظوں کے سردار کو جب معلوم ہوا

لیفہ کی چہیتی بیوی درشہوار دارالوزارت جا رہی ہیں تو وہ سلام کے لئے حاضر ہوا اور
رشہوار کے منع کرنے کے باوجود پانچ مسلح سواروں کا دستہ درشہوار کی گاڑی کے ساتھ کر
ا۔
سواروں کے پہرے میں درشہوار دارالوزارت پہنچی تو لوگوں کو تجسس ہوا کہ یہ کس کی
اری ہے سواروں نے بتایا کہ مرحوم خلیفہ کی ایک بیگم درشہوار' ایک درخواست کے سلسلے
ں دارالوزارت تشریف لائی ہیں یہ خبر ناظم تک پہنچی تو گھبرا کے بھاگا ہوا آیا اسے کیا پتہ تھا
جس درخواست دہندہ کو اس نے دارالوزارت طلب کیا ہے وہ عام شہزادہ یا شہزادی نہیں
خلیفہ عاضد کی چہیتی بیوہ ہے۔
ناظم نے سواری کے پاس پہنچ کے پہلے محترمہ عالیہ کو ادب سے سلام کیا پھر معذرت
ی کی "میں معذرت خواہ ہوں کہ میں نے جنابہ عالیہ کو یہاں آنے کی زحمت دی دراصل
یہ معلوم نہ تھا کہ وہ درخواست آپ نے دی تھی"
نیل نے سواری کا پردہ سرکا کر جواب دیا "محترمہ عالیہ آپ کی شکرگزار ہیں کہ آپ
وقت بھی انہیں اس قدر عزت دیتے ہیں"
ناظم نے عرض کیا "جنابہ عالیہ' مجھے افسوس ہے کہ آپکی درخواست دفتری کاغذات میں
ادھر ہو گئی ہے آپ اس درخواست کے کوائف زبانی بیان کر دیجئے میں اسی وقت آپ
حق میں فیصلہ کر دوں گا"
نیل نے پردے سے پھر سر نکالا "محترمہ عالیہ اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتی ہیں
ل جس سلسلہ میں درخواست دی گئی تھی اب وہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے اس لئے محترمہ
اس کی پیروی نہیں کرنا چاہتیں وہ اس وقت آپ کے حکم کی تعمیل میں دارالوزارت
ف لائی ہیں"
ناظم نے بھی درشہوار کے مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے دوبارہ معذرت کی "میں محترمہ
سے ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں کہ انہیں یہاں آنے کی زحمت اٹھانا پڑی"
نیل کو اک دم کچھ خیال آیا تو اس نے فوراً کہا "ناظم محترم' محترمہ عالیہ کا خیال ہے
ہ سادگی کے ساتھ تو رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں اگر ناظم محترم فرمائیں تو اس
میں باقاعدہ درخواست پیش کی جائے"
"محترمہ عالیہ کو درخواست دینے کی کوئی ضرورت نہیں" ناظم نے ادب سے کہا "
ظم مصر امیر صلاح الدین نے شاہی خاندان سے متعلق تمام افراد کو اس بات کی
ت دے دی ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے تحت شادی بیاہ کے رشتے استوار کر سکتے ہیں

شائد محترمہ عالیہ کو اس بات کا علم نہیں ہو سکا وزیراعظم مصر نے تو یہاں تک اجازت د
دی ہے کہ خاندان شاہی کے ارکان مخصوص علاقے کو چھوڑ کر جہاں چاہیں سکونت اختیار
سکتے ہیں"

درشہوار اور نیل محل واپس پہنچیں تو انہیں قسام کو اپنا منتظر پایا' نیل صدر درواز
ہی پر سواری سے اتر گئی اور بند گاڑی میں درشہوار کو لئے زنان خانے پہنچ گئی۔

"قسام' تم آج کیسے آگئے' خیریت تو ہے؟" نیل نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

قسام نے بھی ہنس کے جواب دیا "اگر تمہیں میرا آنا ناگوار گزرا ہو تو میں واپس
جاتا ہوں۔

"نہیں نہیں' میں تو خوش ہوں کہ تم آگئے" نیل نے نخرے سے کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم اور محترمہ عالیہ دارالوزارت گئی تھیں؟" قسام نے پریشانی
پوچھا "کہو کیسی گزری؟"

"گزری کیسی' بس جیسی گئی تھی ویسی ہی آگئی ہوں' باقی سب خیریت ہے" نیل ب
سے بولی۔

"ہم سے اچھی تو تم ہو کہ ہر وقت ہنستی اور مسکراتی رہتی ہو" قسام نے افسردگی
کہا۔

"میں مسکراتی رہتی ہوں تو کیا تم روتے رہتے ہو' تمہیں کیا پریشانی ہے' اچھی
اور آقا مہربان ہم لوگوں کو اس کے سوا اور کیا چاہئے" نیل نے ترچھی نظروں سے قس
دیکھا۔

"پریشانی یہ ہے کہ تم نے دو دن بعد بلایا تھا اور میں ایک دن پہلے ہی آگیا" قسا
ٹھنڈی سانس لی اور سر جھکا لیا۔

"بس رہنے بھی دو' مت بناؤ مجھے' شہزادے بہادر بے چین ہو رہے ہوں گے
تمہیں بھیجا ہے" نیل نے قسام کو تیز نظروں سے دیکھا۔

"بڑا افسوس ہے نیل' تمہیں شہزادے کی بے چینی تو نظر آگئی لیکن میرے دل
گزر رہی ہے اس کا ذرا بھی خیال نہیں" قسام نے جل کے کہا۔ "اچھا اچھا۔ مہمان
میں بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔"

اور نیل اٹھلاتی' بل کھاتی محل میں چلی گئی۔ قسام اسے جاتا دیکھتا رہا اور ج
نظروں سے اوجھل ہو گئی تو ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

فاطمی شہزادہ نزار اور ناز آفریں درشہوار کی شادی میں کوئی چیز مانع نہ تھی' خلیفہ

رشتہ داروں پر حکومت کی طرف سے شادی کے لئے جو پابندی لگائی گئی تھی وہ تمام
ی پابندیوں کے ساتھ یکسر ختم کر دی گئی تھی وزیراعظم مصر نے شہزادوں کی بطور دلجوئی
الطران کے لئے ایک الگ محکمہ قائم کیا تھا ممکن ہے وزیراعظم کا یہ خیال ہو کہ اس کی
مہربانی سے شہزادے اس کے احسان مند ہوں گے اور حکومت کے خلاف کسی سازش
رکت سے گریز کریں لیکن اس سے حکومت کو کوئی فائدہ نہ ہو سکا۔

مصر میں شامی حکومت قائم ہو چکی تھی جس کا سربراہ وزیراعظم امیر صلاح الدین ایوبی
لی خلیفہ کے نام کے بجائے خطبہ میں بغداد کے عباسی خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا بظاہر مصر
یک مضبوط حکومت برسراقتدار تھی لیکن فتنہ پرور سوڈانی جو فاطمی دور حکومت میں سیاہ
ر کے مالک تھے وہ اقتدار سے محروم کر دیئے گئے تھے اور یہ محرومی مسلسل بغاوتوں کی
کرتی رہتی تھی وزیراعظم نے ہر بار ان کی بغاوت کو سختی سے کچلا تھا لیکن وہ باز نہ
تھے اور کسی نہ کسی بہانے فتنہ پیدا کرتے رہتے تھے۔

صلاح الدین کو سوڈانیوں کی زیادہ فکر نہ تھی اس لئے کہ ان کے بڑے بڑے سردار
جا چکے تھے اور انہیں شمالی مصر بھیج کر ان کی مرکزیت ختم کر دی گئی تھی لیکن اس
ں نے اپنی طاقت ختم ہونے کے بعد فاطمی شہزادوں کو حکومت وقت کے خلاف اکسانا
رکانا شروع کر دیا تھا چنانچہ ہر بغاوت کے پیش منظر میں کوئی نہ کوئی فاطمی شہزادہ ہوتا جو
ت کا دعوی کر کے علم بغاوت بلند کر دیتا کچھ جذباتی قسم کے مصری جوان اور زیادہ تر
اس بغاوت کو اور ہوا دیتے پھر جب سرکاری فوج ان کا قلع قمع کرنے پہنچتی تو وہ
مانگنے لگتے تھے۔

ان حالات میں صلاح الدین نے یہی بہتر خیال کیا اس نے فاطمی خلیفہ کے پس ماندگان
بود کے لئے جو محکمہ بنایا تھا اس کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس پر اٹھنے والے بھاری
ات سے کوئی اور ادارہ بنایا جائے جس سے مصری عوام کو فائدہ پہنچ سکے پس وزارت
لم سے پہلے شہزادوں پر لگائی گئی پابندیاں اٹھائی گئیں پھر رفتہ رفتہ اس محکمہ کو بند کر دیا
ں طرح مرحوم خلیفہ کے تمام قرابت دار عوام کی طرح آزاد ہو گئے اور اپنی مرضی
ندگی گزارنے لگے۔

نیل نے دارالوزارت میں جس ذہانت کا ثبوت دیا تھا اس سے درشہوار خوشی سے
نہ سمائی تھی وہ اپنی کنیز کی عقلمندی کی پہلے ہی قائل تھی لیکن اب تو وہ اس کی
مند بھی ہو گئی تھی نیل قسام کو رخصت کر کے آئی تو درشہوار نے اسے اپنے سینے
لگایا اور بڑے پیار سے اس کے منہ کو کئی بار چوما۔

"تو کس قدر سمجھدار ہے نیل" درشہوار نے اسے سینے سے ہٹاتے ہوئے کہا
"یہ سب آپ کی صحبت کا طفیل ہے محترمہ عالیہ" نیل نے بڑے فخر سے
سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب فاطمی خلیفہ کی دل
اپنے سینے سے لگا کر میرا منہ چومیں گی' میں خود پر جس قدر فخر کروں وہ کم ہے"
"نیل' تو نے میرا دل جیت لیا ہے" درشہوار کھلی پڑ رہی تھی' "میں دا
جاتے کس قدر خوفزدہ تھی لیکن تو نے ناظم سے ایسے سوال و جواب کئے نہ صرف
گیا بلکہ ہمیں دارالوزارت کے خوف سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا مل گیا"
"پھر اب کیا ارادہ ہے آپ کا؟" نیل نے شوخی سے پوچھا۔
درشہوار نے اسے تعجب سے دیکھا۔ کس بارے میں پوچھ رہی ہو؟"
"اس غریب شہزادے نزار کے بارے میں جس کی نیندیں آپ نے حرام کر
نیل نے برجستہ جواب دیا۔
درشہوار شرما گئی "میں نے کب ان کی نیندیں حرام کی ہیں میرا تو ان سے
بھی نہیں ہوا؟"
"ٹھیک ہے' آپ ملاقات کے لئے تیار ہوئیے' میں آمنا سامنا کرا دوں گی'
مضبوط لہجے میں کہا۔
"مگر میں ----- میں ----" درشہوار پر حجاب طاری ہو گیا اور اس کی ز
گئی۔
"صاف بات بتائیے محترمہ عالیہ ----" نیل نے اس کا سر اونچا کر کے پو
شہزادے سے شادی کرنا چاہتی ہیں یا نہیں؟"
"ایک بار کہہ تو دیا' بار بار کہتے مجھے شرم آتی ہے" درشہوار نے پھر سر جھکا ل
"اب میری سنئے" نیل اس کے سامنے بیٹھ گئی "قسام بتا رہا تھا کہ شہزادے کی
بہت ابتر ہے' زندگی کے لالے پڑے ہیں انہیں؟"
"ہائے ہائے' کیا ہوا انہیں؟" درشہوار گھبرا گئی۔
"بستر سے لگ گئے ہیں' بیچارے' کھانا پینا چھوٹ گیا ہے' دن بھر چھت کو
رات آسمان کو تکتے رہتے ہیں" نیل نے چبا چبا کر بتایا۔
"مگر کیوں ---- کیا ہوا ہے انہیں' کونسی بیماری ہے یہ؟" درشہوار نے زور
پوچھا۔
"اس بیماری کو محبت کہتے ہیں محترمہ عالیہ" نیل نے ہنستے ہوئے کہا "مرض

تو اسے عشق کہا جاتا ہے"
"پھر اس کا علاج کیا ہے؟" درشہوار نے بھی شوخی دکھائی۔
"حکیم اس کا علاج "شربت دیدار" بتاتے ہیں" نیل نے جواب دیا۔
"اگر یہ ممکن نہ ہو تو ----؟"
"تو مریض اللہ کو پیارا ہو جائے گا اور آپ اس کے غم میں عمر بھر روتی رہیں گے"
نیل ترکی بہ ترکی جواب دے رہی تھی۔
"مرض اور علاج دونوں قابل غور ہیں' ہم سوچ کے جواب دیں گے" درشہوار نے
شاہانہ انداز میں کہا۔
"اگر آپ سوچتی رہیں اور مریض جان سے چلا جائے تو الزام کس پر آئے گا؟" نیل
نے پھر طنزیہ انداز میں کہا۔
"شہزادے اس قدر غیرت مند نہیں کہ جان سے گزر جائیں۔ قسام سے کہا جائے کہ
شربت دیدار تیار کیا جا رہا ہے"
"قسام کل پھر آئے گا محترمہ عالیہ ----" نیل نے یاد دہانی کے لئے کہا۔
"کل تک دوا تیار ہو جائے گی۔ قسام سے کہو کہ بیمار شہزادے کو اپنے ساتھ لے کے
آئے"
درشہوار نے فیصلہ کر دیا' نیل خوش ہو گئی۔
شہزادہ نزار کا دعوی تھا کہ اس نے درشہوار کی ایک جھلک دیکھی ہے۔ یہ خبر قسام سے
... اور نیل سے درشہوار کو پہنچی۔ درشہوار نے اپنی لا علمی کا اظہار کیا اب یہ بات الٹی چلی
درشہوار نے نیل کے سامنے لا علمی کا اظہار کیا تھا نیل نے قسام کو جھٹلایا کہ شہزادے کا
دعوی غلط ہے قسام شرمندہ ہو گیا اس نے دعوی اور جواب دعوی اپنے آقا شہزادہ نزار کے
سامنے پیش کیا مگر کچھ تلخی کے ساتھ۔
"شہزادہ قسام کا بڑا خیال رکھتا تھا قسام اس کا غلام بھی تھا اور مونس و ہمدرد بھی۔
شہزادہ نے دنیا سے ناتا توڑ کے قسام کو اپنا دوست بنا لیا تھا اور اس پر وہ علی الاعلان فخر کرتا
اس نے قسام کے چہرے پر افسردگی اور غصہ کو فوراً بھانپ لیا۔
اس نے نرمی سے پوچھا "کیا آج نیل کی ڈانٹ پڑی ہے تم پر جو اس طرح منہ بنا
رکھا ہے؟"
شہزادے کے انداز میں شوخی تھی' قسام نے فوراً معذرتانہ لہجہ اختیار کیا "نیل نے
ڈانٹا تو نہیں مگر طنز ضرور کیا تھا اس نے"

"کیا طنز کیا تھا ذرا ہم بھی تو سنیں؟" شہزادے نے قسام کا غصہ ختم کرنے کے دلچسپی ظاہر کی۔

"اس نے کہا تھا ----" اور قسام سوچنے لگا' پھر بولا "اس نے کہا تھا کہ محترمہ کو دیکھنے والا ہوش میں نہیں رہتا' تمہارے شہزادے نے بے پر کی اڑائی ہے"

"بے شک' بے شک' وہ واقعی اتنی خوبصورت ہوں گی" شہزادے نے جیسے خود کی "قسام تم نے جو محترمہ عالیہ کو کھلی آنکھوں دیکھا' تم بتاؤ کیا وہ اس قدر خوبصورت کہ نظریں ان کے دیدار کی تاب نہیں لا سکتیں؟"

"شہزادے بہادر آپ پوچھ رہے ہیں تو میں بتاتا ہوں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عالیہ کو کوشش کرنے کے باوجود نظر بھر کر نہیں دیکھ سکا چاند میں میل ہے مگر ان میں میں شاعر نہیں ورنہ شائدان کے حسن کا نقشہ کھینچ سکتا" قسام نے تعریف نہیں کی حقیقت بیان کر دی۔

محترمہ عالیہ درشہوار یقیناً کسی اعلیٰ گھرانے کی چشم و چراغ تھی جو بردہ فروشوں ہاتھوں گرفتار ہو کر فاطمی خلیفہ کے عشرت کدہ تک پہنچی خلیفہ سے متعہ کے ذریعہ ہونے کے بعد وہ بہت خوش نظر آتی تھی خلیفہ عاضد بھی اس کے حسن جہاں سوز اور چہرے کو دیکھ کر ایک بار تو بستر مرگ سے اٹھ بیٹھا تھا مگر یہ درشہوار کی بد نصیبی تھ عاضد زیادہ دن زندہ نہ رہ سکا اور اسے چند دنوں بعد ہی حریم خلافت سے نکلنا پڑا اسے سے نہیں بلکہ اپنی عزت و توقیر اور بے پناہ اختیارات سے محبت تھی درجنوں اور سیکڑ نہیں بلکہ ہزاروں حسین کنیزیں ہر وقت اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ شمع محفل ہے اور کنیزوں کے غول کے غول پروانے جو نچھاور ہو آمادہ نظر آتے تھے شاید یہی وجہ تھی اس نے حریم خلافت سے نکلتے وقت دو چار آنسو تھے۔

شہزادہ اپنی قسمت پر جس قدر ناز کرتا وہ کم تھا قصر خلافت سے باہر ہونے باوجود درشہوار کا حسن بے مثال اور بے داغ تھا اور ایک روایت کے مطابق درشہوار وقت کی سب سے زیادہ حسین عورت تھی اس کے بارے میں یہ روایت بھی مشہور ہے پر کئی کنیزیں عاشق ہو گئی تھیں جنہوں نے داروغہ محلات سے سفارش کرا کے اپنے آ درشہوار کی خدمت پر مامور کرایا تھا۔

شہزادہ نزار اور درشہوار کی بات چیت باقاعدہ شروع ہوئی مگر اس بات چیت میں محلوں کے علاوہ باہر کے کسی مرد یا عورت کو شامل نہیں کیا گیا درشہوار کی طرف سے ا

کنیز نے بات کی اس طرح شہزادے نزار کی نمائندگی کا فرض قسام نے ادا کیا اس گفتگو کے دوران ایک بار قسام نے دبی زبان میں درخواست کی۔

"شہزادے نزار کی خواہش ہے کہ گفتگو کی تکمیل سے پہلے ایک بار انہیں محترمہ عالیہ ملکہ درشہوار کے حضور میں باریابی کی اجازت دی جائے"

نیل نے بڑی سختی سے جواب دیا "شہزادے نزار کی درخواست قابل غور نہیں اس لئے محترمہ عالیہ اجازت دینے کے حق میں نہیں"

قسام کو درخواست منظور ہونے کی پوری امید تھی اس نے شہزادہ کو پہلے ہی سے شرف دیدار کا مژدہ بھی سنا دیا اس انکار سے وہ بہت پریشان ہوا اس نے جرح کے انداز میں کہا "محترمہ عالیہ کے حضور کہا جائے کہ اب تو شادی کے تمام معاملات طے ہو چکے ہیں اور صرف شادی کی تاریخ مقرر ہونا باقی رہ گیا ہے اس لئے اب شہزادے کا حضور حسن میں پیش ہونا کوئی عیب بھی نہیں پردہ غیروں سے کیا جاتا ہے اپنوں سے پردہ جائز نہیں"

"شہزادے کا یہ خیال بھی غلط ہے" نیل نے بڑی تمکنت سے جواب دیا "شادی سے چند روز پہلے تو اپنوں سے بھی پردہ ہو جاتا ہے چچا زاد اور خالہ زاد بہن بھائی ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کا سامنا روز ہی ہوتا ہے لیکن رشتے کی بات چل پڑتی ہے لڑکی اپنے چچا زاد اور خالہ زاد بھائیوں سے بھی پردہ کرنے لگتی ہے"

قسام جھلا اٹھا۔ اس نے مذہب کا سہارا لیا "شرع میں حکم ہے کہ شادی سے پہلے لڑکے لڑکی کی رضا مندی حاصل کرنا ضروری ہے پھر بھلا ان کی ملاقات میں کیا حرج ہے۔ محترمہ عالیہ اس ملاقات کے وقت کسی اور عورت کو بھی اپنے ساتھ رکھ سکتی ہیں"

"شرعی حکم سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ شادی سے پہلے لڑکے کو لڑکی دکھائی بھی جا سکتی ہے لیکن شہزادے کے معاملہ میں اس کی ضرورت نہیں" نیل نے صاف جواب دے دیا۔

"کیوں ---- کیوں ضرورت نہیں' تم خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ لڑکا' لڑکی کو دیکھ سکتا ہے۔ اس لئے شہزادے کو محترمہ عالیہ کے دیدار کی اجازت شرعی ضرورت ہے اور ان کا یہ حق ہے"

نیل نے ٹھہر کے گمبھیر آواز میں جواب دیا "شہزادے کو اس کی قطعی ضرورت نہیں اور انہوں نے اپنا یہ حق بھی کھو دیا ہے۔ اس لئے کہ خود شہزادے کے کہنے کے مطابق انہوں نے محترمہ عالیہ کو ایک بار دیکھا تھا"

اس جواب سے قسام کا منہ کھلا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ کنیز بول رہی

ہے یا کوئی قاضی مقدمہ کا فیصلہ کر رہا ہے۔

"شہزادہ نزار التماس کرتے ہیں کہ محترمہ عالیہ اپنے فیصلے پر نظرثانی فرمائیں' قسام
دوسری طرح نیل کو قائل کرنا چاہا۔

نیل نے مسکرا کے کہا "شہزادے کا التماس قبول ہوا۔ انہیں جمعہ کے دن ملکہ عالیہ
دیدار نصیب ہو گا۔ اب شادی کی تاریخ مقرر کی جائے"

قسام بہت خوش ہوا "شہزادہ نزار کی طرف سے شکریہ قبول فرمایا جائے محترمہ عالیہ
طرف سے جو بھی تاریخ مقرر کی جائے گی وہ شہزادے کو قبول ہو گی"

نیل جیسے سوچنے لگی چند لمحوں کے بعد بولی "شہزادے نزار بہت بے چین نظر آتے
اس لئے شادی کی تاریخ اسی ہفتے میں مقرر ہونا چاہئے ----"

"بہت بہت نوازش' شہزادے بہت شکر گزار ہوں گے" قسام نے خوشی سے پھول
بات کاٹ دی اور شکریہ ادا کیا۔

نیل کے چہرے پر ایک شرارت آمیزیا پر اسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے بزر
خواتین کی طرح انگلیوں پر دنوں کو گنا پھر کہا "آج اتوار کا دن ہے پھر پیر منگل بدھ'
خیال ہے جمعرات کا دن مبارک رہے گا۔ شہزادے کیا فرماتے ہیں"

"بالکل ٹھیک" قسام جلدی سے بولا "شہزادے کو شکریہ کے ساتھ جمعرات کا دن منظ
ہے"

"شہزادے اور ان کا خادم خاص قسام کو مبارک ہو' یہ بات تو طے ہو گئی لیکن ا
معاملے میں شہزادے ذرا سی چوک یا غلطی ہو گئی اسے اسی وقت درست کر لیا جائے تو
اچھا ہو گا۔" نیل نے شوخ نظروں سے قسام کو دیکھا۔

قسام بڑا حیران ہوا "چوک' غلطی' شہزادے سے کیا غلطی ہوئی ہے؟"

نیل نے جواب دیا "شہزادے نے محترمہ عالیہ سے ملاقات کی درخواست کی تھی
محترمہ عالیہ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے جمعہ کے دن ملاقات کا وعدہ فرمایا
لیکن اب اس درخواست کو منسوخ کیا جاتا ہے اس لئے کہ محترمہ عالیہ جمعرات کو شہزاد
نزار کے محل میں پہنچ چکی ہوں گی۔ جمعہ کو کسی مزید ملاقات کی ضرورت نہ ہو گی"

قسام سناٹے میں آگیا "تم کس قدر چالاک ہو نیل' تم نے جمعہ کا دن اسی وجہ
مقرر کیا تھا کہ تم جمعرات کو شادی کی تاریخ مقرر کرنا چاہتی تھیں' اس طرح تم اپنی ہی با
اوپر رکھی میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں"

"خاموش ہو جاؤ قسام" نیل نے کڑک کے کہا "تم اس وقت محترمہ عالیہ کی کنیز نیل

نہیں کر سکتے کیونکہ یہ گفتگو شہزادے نزار اور محترمہ عالیہ کے درمیان ہو رہی ہے
اور قسام یہاں موجود ہی نہیں ہیں"

قسام نے اسے ایک بار پھر حیران نظروں سے دیکھا اور سنبھل کے بولا "میں محترمہ
سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی کنیز نیل کی زبان بند کرائیں کیونکہ اب میں اپنے
قسام اور محترمہ عالیہ کی کنیز نیل کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"

"گفتگو کا اختتام ہو چکا ہے۔ محفل برخاست کی جاتی ہے۔ شہزادے کو جو کہنا ہے وہ
ملاقات میں عرض کریں"

یہ کہہ کے کنیز کھڑی ہو گئی۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ نیل اور قسام کے درمیان جتنی گفتگو ہوئی
وں نے اپنے اپنے مالکوں کے نمائندہ کے حیثیت سے کی تھی لیکن اس موقعہ پر محترمہ
درشہوار اور شہزادہ نزار بھی موجود تھے درشہوار نے شہزادہ نزار کو شادی کی تاریخ مقرر
نے کے اپنے محل پر بلوایا تھا شہزادے کا خیال تھا کہ شاید اس بہانے اس کی درشہوار
ملاقات ہو جائے اس لئے وہ بہت بن سنور کے تشریف لائے تھے لیکن انہیں درشہوار
محل پر پہنچ کے بہت مایوسی ہوئی۔

ہوا یہ کہ شہزادے اور قسام کو مہمان خانہ میں بٹھایا گیا اس مہمان خانے کے بیچوں بیچ
چلمن ڈال کر اسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا ان دونوں حصوں کے درمیان صرف
ہی نہ تھی بلکہ چلمن کے ایک طرف باریک سفید جالی کا پردہ بھی لگایا گیا تھا تاکہ ایک
سے دوسری طرف کچھ بھی نظر نہ آئے کے لئے شہزادے کے مہمان خانے میں
ہوتے ہی نیل نے قسام کے ذریعہ شہزادے کو اس بات کا پابند کر دیا تھا کہ وہ اس
میں گونگے بن کے بیٹھیں گے اور کوئی سوال کرنے یا جواب دینے کی کوشش نہیں
گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نیل اور قسام میں سوال و جواب ہوتے رہے یہاں تک کہ
کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی لیکن شہزادے نزار بت بنے بیٹھے رہے اور جب وہاں سے
تو دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت خود کو سمجھتے ہوئے اٹھے اور نیل کا شکر ادا
تے ہوئے رخصت ہو گئے۔

مشہور ہے کہ چاند چڑھتا ہے تو سب دیکھتے ہیں درشہوار شاہی خاندان کے محلے میں
تے ہوئے بھی اجنبی تھی وہ نہ کسی سے خود ملتی تھی اور نہ کسی کو اپنے محل میں بلاتی تھی
کم لوگوں کو معلوم تھا کہ یہاں مصر کی سب سے زیادہ حسین عورت اور فاطمی خلیفہ کی نو
بیوہ درشہوار رہتی ہے لیکن جیسے ہی خبر پھیلی کہ شہزادے نزار اور فاطمی خلیفہ کی بیوہ

در شہوار شادی کر رہے ہیں تو ہر شہزادی اور شہزادے کو در شہوار دیکھنے کا شوق
شہزادیاں بن بلائے مہمان کی طرح در شہوار کے پاس آنا شروع ہو گئیں۔

دوسرے دن تو یہ حال ہوا کہ در شہوار کے محل میں بیگمات اور شہزادیوں
ہجوم ہو گیا کہ در شہوار کو اپنا محل چھوٹا معلوم ہونے لگا بیگمات اور شہزادیاں آ
در شہوار کو گلے ملتیں پھر شادی میں نہ بلانے کا شکوہ کرتیں۔

ایک بیگم نے کچھ اس انداز سے شکوہ کیا "در شہوار بیگم ہماری محبت
تمہارے بلائے بغیر آگئے محل سے نکلوا تو نہ دو گی ہمیں؟"

"توبہ کیجئے بیگم صاحبہ' آپ میری بزرگ ہیں' بھلا یہ جرات کیسے کر سکتی ہو
کو مجبوراً انہیں خوش آمدید کہنا پڑا "میں نے سوچا تھا کہ تقریب سے ایک دا
بیگمات کو بلاوا بھیجوں گی اب یہ ان کی خوشی کہ آئیں یا نہ آئیں"

"ان خوش نصیبوں میں کیا میرا نام بھی تھا؟" ایک شوخ شہزادی نے در شہ
طرف مخاطب کر لیا۔

"کیوں نہیں شہزادی' تمہارا نام تو سرفہرست ہے کہو تو میں فہرست منگوا کے
دوں" در شہوار نے سفید جھوٹ بولا تھا وہ اس شادی کی کسی کو اطلاع بھی نہ
تھی۔

"شکریہ آپ کا ---" شہزادی نے مسرت سے جواب دیا "میں ضرور آؤں
میں بلکہ ایک دن پہلے ہی آجاؤں گی آپ ناراض تو نہ ہوں گی؟"

"توبہ توبہ' تم کیسی باتیں کرتی ہو شہزادی "در شہوار نے پیار سے کہا "ضر
آنکھوں پر بٹھاؤں گی میں تو کہتی ہوں کہ تم ابھی سے آجاؤ"

غرض یہ کہ بیگمات اور شہزادیوں نے ایک ایک کر کے پہلے تو شکوے شکایت
کھولے پھر در شہوار سے شادی میں شرکت اجازت لے کر واپس ہوئیں اس طر
دن بھی مہمان داری میں گزر گیا۔

ادھر شہزادے نزار کے محل پر بھی اس قسم کا ہجوم تھا۔ شہزادے کو در شہوار
سے منع کر دیا گیا تھا کہ شادی میں دھوم دھڑکے کی ضرورت نہیں اس لئے اس
دعوت نامہ نہیں بھیجا تھا لیکن تمام بوڑھے اور جوان شہزادوں نے نزار کا محل آ
جب تک نزار نے سب کو بارات میں شرکت نہ دے دی اس وقت تک وہ اس
جمے بیٹھے رہے۔

دونوں طرف سے زبردستی کی مہمانداری نے اس شادی کی رونق میں اضـ

در شہوار نے حکم دیا کہ مہمانوں کے لئے اعلیٰ درجہ کا انتظام کیا جائے فرش فروش اور کھانے
کا بہترین انتظام ہونا چاہئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ خلافت ختم ہونے کے بعد بھی
خلیفہ کی بیوہ میں اتنا دم خم ہے کہ وہ ہزار دو ہزار مہمانوں کی خاطر و مدارت کر سکتی ہے
شہزادہ نزار نے بھی دل کھول کے انتظام کیا بارات چڑھی تو بلائے اور بن بلائے باراتیوں کی
تعداد دو ہزار سے زیادہ تھی۔

در شہوار نے مردوں کو کم مدعو کیا تھا لیکن شاہی خاندان کی کوئی بیگم یا شہزادی ایسی نہ
تھی جسے بلاوا نہ بھیجا گیا ہو اور سوائے بیمار اور معذور خواتین کے تمام بیگمات اور شہزادیاں
بارات کے دن در شہوار کے محل میں موجود تھیں بارات کا بڑا شاندار استقبال ہوا نکاح کے
بعد مہمانوں کی شاندار دعوت ہوئی پھر جب در شہوار کا ڈولا اٹھا تو اس قدر درہم و دینار
نچھاور ہوئے جیسے ساون بھادوں کی برکھا جھم جھم برسے۔

اس طرح محترمہ عالیہ در شہوار کسی تاجدار یا خلیفہ کی ملکہ تو نہیں بن سکی لیکن ایک
محبت کرنے والے شہزادے کی دلہن بنی شہزادہ خود بھی محبت کا بھوکا تھا اس نے در شہوار کو
اپنی محبتوں سے نہال کر دیا اور جواب میں در شہوار نے شہزادے کی فرمانبرداری اور تابعدار
میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ شہزادے اور شہزادیوں کی شادیاں اکثر پانی کا بلبلا ثابت ہوتی تھیں
لیکن ان دو دلوں کے ملاپ نے دوسروں کے لئے ایک مثال قائم کر دی در شہوار نے اپنی
شادی پر طبیب اعظم کو بھی مدعو کیا تھا مگر وہ شریک نہیں ہوئے شاید اسی لئے کہ انہوں نے
در شہوار کی طرف سے کس وجہ کی بنا پر آنکھیں پھیر لی تھی۔ خیال ہے ان کے مالی حالات
بگڑ گئے تھے۔ بھوکے پیٹ سے عشق نہیں کیا جاتا۔

قلعہ الشویک اور کرک پر فوج کشی ناکام ہو گئی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ شامی فوجوں
نے کمزوری کا مظاہرہ کیا امیر صلاح الدین نے غلط منصوبہ بندی کی تھی دونوں قلعوں پر لشکر
کشی کی کمان صلاح الدین کے ہاتھ میں تھی قلعہ الشویک کا محاصرہ اس قدر سخت ہوا تھا کہ
قلعہ والے قلعہ حوالے کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن ٹھیک اس وقت قاہرہ سے فاطمی
شہزادوں کی بغاوت کی اطلاع پہنچی اور صلاح الدین محاصرہ اٹھا کر قاہرہ واپس آگیا یہ محض
اتفاق تھا کہ سلطان مشرق نور الدین زنگی انہی دنوں صلاح الدین کی مدد کے لئے الشویک
جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اسے صلاح الدین کی واپسی کی خبر ملی اور اس نے اپنا ارادہ ملتوی
کر دیا۔

کچھ ایسا ہی اتفاق قلعہ کرک کے محاصرہ کے وقت ہوا۔ قلعہ کرک صلح کی بات چیت

کر رہا تھا کہ قاہرہ میں امیر صلاح الدین کے والد امیر نجم الدین کے گھوڑے سے
واقعہ پیش آیا اور صلاح الدین کو مجبوراً محاصرہ اٹھا کر قاہرہ جانا پڑا اس دفعہ بھی سلا
الدین اپنے لشکر کو ترتیب دے کر صلاح الدین کی مدد کے لئے قلعہ کرک کی طرف
حکم دینے والا تھا کہ صلاح الدین کی کرک سے واپسی کی اطلاع سلطان کو ملی اور ا
کوچ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

قارئین کی یاد دہانی کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ دربار دمشق میں امیر صلا
کے کئی مخالف امیر موجود تھے جنہیں صلاح الدین اور اس کے خاندان کا اقتدار ایک
بھاتا تھا اور وہ سلطان سے اس خاندان کے بارے میں لگائی بجھائی کرتے رہتے تھے ا
موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے قلعہ الشوبک اور قلعہ کرک سے صلاح الدین کے
اس وقت اٹھایا تھا جبکہ ہر دو موقعوں پر سلطان نور الدین زنگی، صلاح الدین کی مد
کرنے والا تھا دشمنوں کے لئے یہ موقعہ کافی تھا انہوں نے سلطان دمشق کے کان میں
کہ صلاح الدین مصر کی وزارت پر فائز ہونے کے بعد خود سر اور باغی ہو گیا ہے ا
اپنے پورے خاندان کو قاہرہ بلوا لیا ہے اور اب سلطان مشرق سے سامنا کرنے سے
ہے۔

سلطان نور الدین زنگی اگر صلاح الدین اور اس کے باپ اور چچا نجم الدین او
الدین شیرکوہ کی خدمات کا دل سے قائل تھا پھر بھی صلاح الدین کے دونوں محاذو
اچانک واپس آنے سے اس کے دل میں بھی وسوسے نے جنم لیا جسے صلاح الدین
مخالف امرا نے اور ہوا دی خوش قسمتی سے پہلے موقعہ پر صلاح الدین کے باپ نے
زبردست چال چل کے صلاح الدین کو سلطان کے غضب سے بچا لیا اور سلطان
صلاح الدین کی طرف سے صاف ہو گیا۔

دوسرے موقعہ یعنی قلعہ کرک سے واپسی کے وقت بھی صلاح الدین کو اس کے
نجم الدین نے ہی بچایا نجم الدین ایوب گھوڑے سے گرنے کے بعد انتقال کر گیا تھا
الدین نے اس موقعہ پر اپنے دیرینہ رفیق فقیہ عیسیٰ ہکاری کو دمشق بھیجا اور انہوں
سلطان سے وضاحت کی کہ صلاح الدین کی کرک سے واپسی کی وجہ سے بغاوت لشکر
نہیں بلکہ نجم الدین کے گھوڑے سے گرنے کا حادثہ تھا جس کی اطلاع پا کر صلاح ا
قاہرہ واپس ہوا تھا مگر وہ باپ کو زندہ نہ پا سکا اور اس کے قاہرہ پہنچنے سے پہلے ہی نجم ا
کا انتقال ہو گیا۔ سلطان نے صلاح الدین کی معذرت قبول کر لی ہو سکتا ہے کہ سلطان
مصلحت سے کام لیا ہو کیونکہ سلطان کو صلاح الدین کی عسکری طاقت کا علم تھا

خدانخواستہ صلاح الدین اور نور الدین کے لشکر آپس میں ٹکرا جاتے تو دونوں سے ایک ہارتا
لیکن جیتنے والے کی جیت بھی ہار کے برابر ہوتی کیونکہ اس کا لشکر بھی تباہ ہو چکا ہوتا۔
الشوبک اور کرک دونوں قلعوں پر فوج کشی اگر سلطان دمشق کی اجازت سے کی گئی
تھی لیکن صلاح الدین کے لئے یہ دونوں موقعے اس قدر کٹھن ثابت ہوئے جس نے اس
کے وجود کو ہلا کے رکھ دیا ہو سکتا ہے ان واقعات کے پیش نظر اس نے یہ سوچا کہ اگر
خدانخواستہ اسے کسی وقت مصر چھوڑ کر کسی اور جگہ جانا پڑے تو وہ کدھر کا رخ کرے گا
صلاح الدین کا آقا مربی اور استاد سلطان نور الدین زنگی ایک مطلق العنان بادشاہ تھا اس کے
دربار میں صلاح مالدین کے مخالف امیر موجود تھے وہ اگرچہ اب تک صلاح مالدین کو کوئی
نقصان نہ پہنچا سکتے تھے لیکن وہ سلطانی اور شہنشاہی دور تھا اور سلطان اور شہنشاہ کی نظر کس
وقت بھی پھر سکتی تھی امیر صلاح الدین نے شائد نوشتہ دیوار پڑھ لیا تھا اس لئے اس نے
اپنی سلامتی کے لئے پیش بندیاں کرنا شروع کر دی تھیں۔

شاید یہی کچھ سوچتے ہوئے اس نے مصر کے قریب شمالی افریقہ کے دو صوبے جو مکمل
ریاستیں تھیں ان کی طرف ایک لشکر بھیجا یہ ریاستیں طرابلس اور برقہ تھیں جس سردار کی
کمان میں لشکر روانہ کیا گیا اس کا نام بہاء الدین قراقوش تھا مصر کی فاطمی خلافت کو صلاح
الدین نے جس حکمت عملی سے ختم کیا تھا اس کی وجہ سے وہ دور و نزدیک میں بہت مشہور
ہو چکا تھا چنانچہ جب مصری لشکر کی خبر طرابلس اور برقہ میں پہنچی تو مخبروں نے یہی بتایا کہ
صلاح الدین کا لشکر طرابلس کی طرف بڑھ رہا ہے وہی صلاح الدین جس نے یروشلم کے
بادشاہ ایمالرک کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے اور وہی صلاح الدین جس نے تین صدی پرانی
مصر کی فاطمی خلافت کو چند دنوں میں ہمیشہ کے لئے اکھاڑ کے پھینک دیا تھا۔

اس طرح امیر صلاح الدین کا نام ہی طرابلس اور برقہ پر قبضے کا سبب بن گیا اور دونوں
ریاستوں کے صوبے داروں نے معمولی سی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے بے شک یہ
ایک شاندار کامیابی تھی یہ مقامات دربار دمشق سے دور بھی تھے لیکن شمالی افریقہ کے یہ
ساحلی علاقے ہر وقت بری اور بحری حملوں کی زد میں رہتے تھے اس لئے صلاح الدین نے
اس علاقہ میں کوئی فوجی چھاؤنی بنانے کی کوشش نہ کی جو اس کے کسی مشکل وقت میں کام
آ سکتی۔

طرابلس اور برقہ کی فتح کے بعد صلاح الدین کی نظریں جنوب کی طرف اٹھیں اور اس
نے اپنے بڑے بھائی شمس الدولہ توران شاہ کی سرکردگی میں لشکر سوڈان کی طرف روانہ کیا
ممکن ہے کہ صلاح الدین نے سوڈان پر اس لئے فوج کشی کرائی ہو کہ سوڈانی حبشیوں نے

قاہرہ میں اس کے خلاف زبردست بغاوت کی تھی توران شاہ بڑا دلیر اور بہادر تھا وہ ا
تیزی سے سوڈان کی طرف چلا راستہ بڑا دشوار گزار تھا صحرائی اور ریگستانی علاقہ
وحشی اور جنگلی سوڈانی قبائل کی مزاحمت لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود توران ش
آگے ہی بڑھتے رہے اور سوڈانیوں کے سر قلم کرتا ہوا ان کے صدر مقام ابری
گیا۔

ابریم پر قبضہ کے لئے ایک مہیب جنگ ہوئی جس میں ہزاروں سوڈانی کام آ
ابریم کو نہ بچا سکے اور اس پر توران شاہ نے مصر کا پرچم لہرا دیا اس بے آب و
میں داخل ہونا پھر ابریم پر قبضہ کرنا توران شاہ ہی کا کام تھا ورنہ وہاں کے جنگلی ق
قدر خطرناک تھے کہ ان پر آج تک کسی غیر ملکی نے قابو نہ پایا تھا مشہور ہے کہ
جنگلات میں بعض ایسے قبائل بھی ہیں جو سوائے اپنے قبیلے کے کسی اور قبیلے والے
نہیں ملتے انہوں نے اپنے علاقے میں اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی ہے اور اس میں
ہیں اس بات کا یقین شاید توران شاہ کو نہ آتا اگر اس کا ایک لشکری ایسے ہی
حادثاتی طور پر نہ پہنچ گیا ہوتا۔

مصری فوج کا وہ لشکری جس نے ایسے ہی ایک الگ تھلگ قبیلے کا حال بیان ک
نام مناف تھا ابریم پر قبضہ کے بعد توران شاہ نے اس جگہ مستقل قیام کا ارادہ کیا ا
ایک شہر آباد کرنے کے انتظام میں لگ گیا اس ویرانہ میں کسی بڑے شہر کی بنیاد رکھنے
ہی غلط تھا لیکن توران شاہ جس قدر دلیر تھا اسی قدر ضدی بھی تھا اس نے حکم دیا
کے اردگرد کا علاقہ صاف کیا جائے اور یہاں سے شمال کی طرف ایک سڑک بنائی جا
کے ذریعہ شمال کے شہروں سے تعمیر کا سامان منگا کے ابریم میں ایک بڑا شہر تعمیر کیا جا
یہ کام بڑا مشکل تھا مگر حکم حاکم جاندارد کے مصداق ہر شخص کام میں لگ گیا
پتھریلی زمین کو ہموار کیا جانے لگا اور جھاڑیوں اور کانٹے دار درختوں کو تراشا ج
لشکری مناف کی ڈیوٹی ان محافظوں کے ساتھ لگی جنہیں سڑک کی تعمیری کام کی حفا
کام سونپا گیا تھا جنگلی قبائل سڑک کی تعمیر میں رخنہ ڈالتے تھے اور روز کسی نہ کسی جگ
کر کے کام کرنے والوں کو زخمی کر دیتے ان حملہ آوروں کو روکنے کے لئے جگہ جگ
تعینات کئے گئے تھے ان محافظوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی رہتی تھیں تاکہ پہریدار چوبیں
اپنے کام پر موجود رہیں دن بھر پہرہ دینے والے رات کو سوتے تھے اور رات پہرہ
والے دن کو سوتے تھے ان کے آرام کے لئے خیمے لگا دیئے گئے تھے۔
مناف کی ڈیوٹی رات کو ہوتی تھی پس وہ رات بھر پہرہ دیتا اور صبح کو واپس آکر

جاتا تھا ہر خیمے میں چار محافظ سوتے تھے ایک صبح رات کے پہریداروں میں تین
اپنے خیمے میں پہنچ گئے مگر چوتھا محافظ واپس نہ پہنچا تو اس کے ساتھیوں کو فکر ہوئی
انہوں نے اس کی تلاش شروع کر دی واپس نہ آنے والا یہی محافظ مناف تھا یہ خبر دوپہر
ہر طرف پھیل گئی محافظوں کے سردار نے چاروں طرف لشکری دوڑائے کہ مناف کو
کریں مگر تمام دن کی تلاش بیکار ثابت ہوئی اور شام کو یہ تصور کر لیا گیا کہ مناف کو
جنگلی جانور یا تو مار کے کھا گیا ہے یا پھر وحشی حملہ آور اسے اٹھا لے گئے ہیں۔
مناف کے غائب ہونے کی خبر جب توران شاہ کو پہنچی تو اس نے محافظ دستوں میں
کر دیا لیکن ٹھیک ہفتہ بعد مناف اچانک واپس آگیا مناف اکیلا نہ تھا اس کے ساتھ
نہایت حسین دوشیزہ تھی جس کے لباس میں کپڑے کی دو پٹیاں تھیں جن سے اس نے
بدن اور ستر چھپایا تھا لشکریوں کو مناف کے آنے کی خوشی بھی تھی اور تعجب بھی لشکری
کے ساتھ آنے والی دوشیزہ کو گھور گھور کے دیکھ رہے تھے اور وہ دوشیزہ مناف کے
پیچھے جا رہی تھی۔
آخر مناف نے یہ کہہ کر ساتھیوں کو اور حیرت میں ڈال دیا "یہ جنگلی لڑکی تمہاری
یعنی میری بیوی ہے، اسے اس طرح نہ دیکھو"
اس دوران مناف کی اچانک واپسی کی خبر سپہ سالار توران شاہ تک پہنچ گئی اور اسے یہ
بتایا گیا کہ مناف کے ساتھ ایک خوبصورت جنگلی لڑکی بھی ہے توران شاہ بھی بہت
ہوا اور دریافت حال کے لئے مناف کو اپنے خیمے پر بلا لیا۔
مناف سپہ سالار کے پاس جانے ہی والا تھا کہ ادھر سے اس کا بلاوا آگیا وہ جنگلی لڑکی کو
لئے ہوئے سپہ سالار کے سامنے پہنچا مناف نے دستور کے مطابق سپہ سالار کو سلام
اور اپنے ساتھ آنے والی لڑکی سے کسی اور زبان میں کچھ کہا لڑکی نے بھی مناف کو اسی
میں جواب دیا پھر مناف نے سلام کرنے کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر لڑکی کو اشارہ کیا۔
لڑکی مسکرائی اور سپہ سالار کی طرف رخ کر انہیں ہاتھ اٹھا کر سلام کیا توران شاہ کو
زیادہ تعجب ہوا اس نے پوچھا "مناف یہ لڑکی کون ہے اور تم اسے لشکر میں کیوں لائے؟

مناف نے بتانا شروع کیا "محترم سپہ سالار! اس لڑکی کا نام شوبو ہے اور یہ ایک جنگلی
کے سردار کی بہن ہے"
"ٹھیک ہے یہ کسی کی بہن اور کسی کی بیٹی ہے" توران شاہ نے سخت لہجے میں کہا "مگر
اسے اس طرح لشکر میں کیوں لائے ہو، کیا تم نہیں جانتے کہ کسی لڑکی کو ورغلا کر بھگا لانا

دینی اور دنیاوی دونوں قانونوں میں بہت بڑا جرم ہے۔"

"میرے آقا! میرے حاکم یقین کیجئے کہ میں نے نہ اسے ورغلایا ہے اور نہ... ہوں" مناف نے بڑی رقت سے کہا "یہ بیچاری ایک ایسی مصیبت میں گرفتار تھی... جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو اس کی مدد کرنے پر ضرور آمادہ ہو جاتا"

توران شاہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا "اچھا تفصیل سے بتاؤ کہ تمہیں یہ لڑکی... اور اس پر کیا مصیبت آئی تھی جس نے تمہیں اسے اغوا کرنے پر آمادہ کیا خبردا... مت بولنا ورنہ سخت سزا دی جائے گی؟"

"سپہ سالار کے سامنے ایک معمولی لشکری جھوٹ نہیں بول سکتا میرے آقا... نے بڑے استقلال سے کہا "میں تفصیل سے بیان کرتا ہوں کہ میں ایک ہفتہ کہاں... اور یہ لڑکی مجھے کن حالات میں ملی ہے۔"

یہ کہہ کر مناف خاموش ہوا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا جیسے وہ اپنے ذ... مجتمع کر رہا ہو۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا "سپہ سالار کو علم ہو گا کہ مجھے ان محافظ د... شامل کیا گیا تھا جو سڑک بنانے والوں کی حفاظت پر مامور ہیں۔ میں رات کی ڈیوٹی د... ایک ہفتہ پہلے میں رات کی ڈیوٹی ختم کر کے واپس آرہا تھا کہ مجھے دور پر کوئی... دکھائی دیا صبح پوری طرح نمودار نہ ہوئی تھی اور دور کی چیز صاف دکھائی نہ دیتی... ایک دم خیال آیا کہ یہ بھاگنے والا ضرور کوئی جاسوس ہے جسے سوڈانیوں نے ہمارے مخبری کے لئے بھیجا ہو گا یہ خیال آتے ہی میں اس کے پیچھے بھاگ پڑا"

مناف سانس لینے کے لئے رکا پھر کہنا شروع کیا "میرے آگے بھاگنے والا بڑ... سے بھاگ رہا تھا مگر میں نے ہمت نہ ہاری اور اسے پکڑنے کے لئے اپنی رفتار اور... دی روشنی پھیل چکی تھی اور دور تک صاف نظر آرہا تھا میں نے دیکھا کہ ایک نن... جس کے جسم پر برائے نام ہی کپڑے تھے وہ ناک کی سیدھ میں بے تحاشہ بھاگ... اسے نہ نشیب کی فکر ہے اور نہ فراز کی کئی اونچے اونچے ٹیلے اور چٹانیں آئیں جنہ... نے بغیر کسی دقت کے عبور کر لیا میرے آقا مجھے اس طرح اس کے پیچھے بھاگتے ہو... گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا میں نہ اتنی تیز بھاگنے کا عادی تھا اور نہ زیادہ دیر تک بھاگ... تھا میری رفتار آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور میرا اور اس کا درمیانی فاصلہ اسی طرح... بڑھنے لگا اب ہم ایک پتلی پگڈنڈی پر بھاگ رہے تھے جس کے ایک طرف گہرا نالہ... دوسری طرف خاردار جھاڑیاں پھر گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔

"میں بہت تھک گیا تھا اور واپسی کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ میرے آگے بھاگنے وا...

...دم رک کے کھڑا ہو گیا جیسے کسی نے اس کا راستہ روک لیا ہو میرا حوصلہ بڑھ گیا اور میں تیزی سے بھاگ کر اس کے پاس پہنچ گیا میں نے دیکھا کہ بھاگنے والا کوئی جاسوس نہیں بلکہ یہی لڑکی شوبو ہے۔

یہ کہتے ہوئے مناف نے شوبو کی طرف دیکھا جو گم سم کھڑی تھی، مناف نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "شوبو سے نظر ہٹا کر میں نے پگڈنڈی کی طرف دیکھا تو شوبو کے رک کے کھڑے ہونے کا سبب سمجھ میں آگیا تنگ پگڈنڈی پر ایک اژدہا بڑے اطمینان سے لیٹا تھا اور اپنا بھاری پھن اٹھا کر شوں شوں کی آوازیں نکال رہا تھا شوبو نے اپنی حفاظت کے لئے ایک موٹی لکڑی اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اور جب اژدہا شوں کر کے اس کی طرف پھن پھیلاتا تو وہ پوری طاقت سے لکڑی اس کے پھن پر دے مارتی مگر اس لکڑی کا اژدہے کے پھن پر کیا اثر ہو سکتا تھا۔

میں کبھی اژدہے کو اور کبھی شوبو کو دیکھتا تھا۔ پھر ایک بار میری اور شوبو کی نظریں چار ہوئیں تو میں نے اس کی آنکھوں خوف کے علاوہ مایوسی اور بے بسی کو تیرتے دیکھا میں نے اگرچہ دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر بھاگنے والا میرے ہاتھ آگیا تو پہلے میں خود اس کی اچھی طرح مرمت کروں گا اس کے بعد آپ کے حضور میں اسے پیش کروں گا لیکن اس وقت شوبو کی غم ناک آنکھیں دیکھ کر میری انسانیت جاگ اٹھی اور میں نے کمر میں لٹکی تلوار کھینچی یہ تلوار مجھے بھاگتے وقت ایک بوجھ محسوس ہو رہی تھی لیکن اس وقت اسی بوجھ نے مشکل آسان کی۔

میں نے پینترا بدل کر اژدہے کے پھن پر بھرپور وار کیا میرا خیال تھا کہ بھرپور وار سے اس کا پھن کٹ جائے گا میر میرا خیال غلط ثابت ہوا زخم کھا کر اژدہا غصے میں آگیا اور میری طرف اپنے بھاری دم کو سمیٹ کر بڑھنے لگا میں بھی اپنے ناکام وار سے جھلا اٹھا تھا اس لئے میں نے رخ بدل بدل کر اس کے پھن کو نشانہ بنایا اور تھوڑی ہی دیر بعد اس کا پھن جسم سے الگ ہو چکا تھا شوبو اطمینان کا سانس لیا اور شکرگزار نظروں سے میری جانب دیکھا تلوار کے وار کرتے کرتے میرا دم پھول گیا تھا اور میں پسینے میں شرابور ہو گیا تھا مگر شوبو کی شکرگزار نظروں نے مجھے تازہ دم کر دیا اور میں بھی مسکرا دیا۔

اس وقت شوبو نے اپنی زبان میں کچھ کہا جسے میں سمجھ نہ سکا اور یہ خیال کر کے شائد شوبو میرا شکریہ ادا کر رہی ہے میں نے اپنا سر ہلا دیا اور تائید میں ہاتھ بھی ہلایا۔ پتہ نہیں کیا سمجھی اس نے مردہ اژدہے کے جسم پر سے ایک جست لگائی اور پگڈنڈی پر آگے کی طرف چلنے لگی۔ میں حیران نظروں سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا تھوڑی دور جانے کے بعد اس نے

پلٹ کر مجھے دیکھا پھر مسکرائی اور مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔

شوبو کے اشارے میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ میں سحرزدہ سا اس کے پیچھے چلنے لگا۔

مناف نے بتایا کہ وہ اور شوبو نصف گھنٹے کے قریب چلتے رہے مناف نے اس سے اس لئے گفتگو نہ کی کہ شوبو کی بات سمجھ ہی نہ سکتی تھی اور میں شاید اسی وجہ سے خاموش تھا پھر سامنے کی طرف ایک پہاڑی سلسلہ دکھائی دیا یہ پہاڑیاں زیادہ بلند نہ تھیں مگر بہت ڈھلوان اور چکنی تھیں جن پر چڑھنا ناممکن نظر آتا تھا مناف نے دور تک نظریں دوڑائیں کہ شائد کوئی درہ دکھائی دے مگر اسے کچھ نظر نہ آیا شوبو کھڑی مسکراتی رہی شائد وہ مناف کی پریشانی پر خوش ہو رہی تھی مناف کو اس کی اس حرکت پر بڑا غصہ آیا۔

پھر ایسا ہوا کہ شوبو نے مناف کا ایک ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور سیدھی پہاڑیوں پر اس طرح چڑھنے لگی جیسے بندر درخت پر چڑھتا ہے اس کے سہارے سے مناف بھی چڑھنے لگا وہ دونوں جھکے جھکے چڑھ رہے تھے شوبو کے چہرے پر پریشانی کے قطعی آثار نہ تھے مگر مناف جی میں ڈر رہا تھا کہ اگر شوبو نے اس کا ہاتھ ذرا بھی ڈھیلا کیا تو لڑھکتا ہوا نیچے پہنچے گا اور اس کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہوں لیکن کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا اور دونوں پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے اور مناف کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ یہ پہاڑی ایک دائرے کی طرح گھومتی چلی گئی ہے جس کے درمیان میں گھاس کے میدان اور جنگل نظر آ رہا ہے یہ احاطہ چاروں طرف سے یہ پہاڑی کئے ہوئے ہے۔

شوبو نے اس کا ہاتھ اب نہ چھوڑا اور اسی طرح پکڑے ہوئے دوسری طرف ڈھلوان اترنے لگی مناف کو اترنے میں کوئی پریشانی محسوس نہ ہوئی یہ دونوں ابھی نیچے نہ پہنچے تھے کہ مناف کو نیچے جنگلیوں کا ایک غول نظر آیا وہ سب ڈنڈوں اور تیر کمان سے مسلح تھے مناف یہ صورت حال دیکھ کر کانپ اٹھا اس نے سوچا کہ یہ وحشی اس لڑکی کے قبیلے والے ہیں اور اس کے نیچے اترتے ہی اس کے ٹکڑے کر دیں گے لیکن شوبو کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔

ابھی تھوڑی سی ڈھلوان باقی رہ گئی تھی کہ شوبو نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا مناف کے ہوش اڑ گئے اس نے جلدی شوبو کا ہاتھ پکڑ لیا اور چلایا کہ وہ اسے اکیلا نہ چھوڑے شوبو اس کی زبان تو نہ سمجھ سکی مگر اس نے یہ ضرور سمجھ لیا کہ اس کا محسن اس کے قبیلے والوں کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا ہے شوبو نے بڑے پیار سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور تھپتھپانا شروع کیا پھر آہستہ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا مناف نے پریشان نظروں سے شوبو کو دیکھا جس نے جواب میں اس نے مناف کو اس طرح دیکھا جیسے اسے تسلی دے رہی ہو اور

ر مناف کی جیسے تسلی ہو گئی ہو۔

شوبو اتر کے اپنے قبیلے والوں میں پہنچی تو ایک جوان نے آگے بڑھ کے شوبو کے الجھے ہوئے بال پکڑے اور چیخ چیخ کے کچھ بکنے لگا۔ شوبو بھی اسے تیز آواز میں جواب دیتی رہی اور اپنے بال چھڑانے کی کوشش کرتی رہی پھر جانے کیا ہوا کہ اس جوان نے شوبو کے بال موڑ دیئے اور دوڑ کے مناف کے پاس پہنچا مناف نے موت اپنے سامنے دیکھی تو تلوار کھینچ لی وہ بزدلوں کی طرح مرنا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے تلوار نہ چلانا پڑی کیونکہ آنے والا جوان اس کے سامنے سجدہ میں گر گیا تھا۔ شوبو کے قبیلے والے جو اس کے اردگرد کھڑے تھے وہ بھی مناف کے پاس پہنچ کے سجدہ ریز ہو گئے مناف نے اپنی تلوار میان میں کر لی۔

دشمنی کے بادل چھٹ گئے اور دوستی کی پھوار پڑنے لگی۔ شوبو کے قبیلے والوں نے مناف کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا اور سب کے سب ناچتے گاتے ایک جلوس کی صورت میں میدانی چراگاہ کی طرف واپس ہوئے شوبو آگے آگے چل رہی تھی میدان کے سر پر جہاں سے جنگل شروع ہوتا ہے وہ مناف کو اتارا گیا بیچ میں آگ کا الاؤ جل رہا تھا جس کے چاروں طرف اس قبیلے کے باقی لوگ بیٹھے تھے ایک طرف کسی جانور کی دو کھالیں بچھی تھیں ایک کھال پر ایک رعب دار آدمی جس کی عمر پچاس کے قریب تھی' بیٹھا تھا چار پانچ اس کے پیر اور بدن دبا رہے تھے دوسرے لوگ بڑے ادب سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

شوبو کے بال پکڑنے والا جوان گروہ سے الگ ہو کر اس شخص کے پاس پہنچا جو کھال پر بیٹھا تھا وہ دوسری کھال پر بیٹھ گیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ جوان رتبہ میں اس رعب دار آدمی سے کم نہ تھا پھر اس جوان نے اپنی زبان میں اس سے باتیں شروع کر دیں بیچ بیچ وہ مناف کی اشارے کرتا جا رہا تھا رعب دار آدمی جیسے خوش ہو رہا تھا اس نے کئی بار بڑی دلچسپی اور محبت سے مناف کی طرف دیکھا مناف کے برابر شوبو کھڑی تھی جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ رعب دار آدمی اس قبیلے کا مہنت یا مذہبی گرو تھا اور وہ جوان شوبو کا سگا بھائی تھا جسے مناف اپنا رقیب سمجھ بیٹھا تھا۔

شوبو کا بھائی دراصل قبیلے کا سردار تھا دلچسپ بات یہ تھی شوبو اور اس کا بھائی بہت خوبصورت اور سرخ و سفید رنگت کے تھے جبکہ باقی تمام مرد اور عورتیں سیاہ فام تھیں مناف نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ بہت پہلے یورپ کے ایک میاں بیوی نے جن کے ساتھ ان کی جوان بیٹی بھی تھے اس علاقے میں آنے کی کوشش کی تھی جس کے نیچے میں ان وحشیوں نے میاں بیوی کو قتل کر دیا اور جوان لڑکی کو قبیلے کے سردار نے اپنے جھونپڑے میں رکھا۔ اس سے جو لڑکا پیدا ہوا وہ ماں کی طرح سرخ و سفید تھا بڑا ہو کر وہ قبیلہ سردار بنا

اس طرح سردار کے لئے یہ لازمی ہو گیا کہ وہ سفید و سرخ رنگ کا ہو۔

اس قبیلے کے بڑے عجیب و غریب رسم و رواج اور قانون تھے قبیلہ سردار ا
پیشوا کا رتبہ تقریباً" برابر ہوتا تھا سردار کا حکم ہر ایک مانتا تھا سوائے پیشوا کے، وہ پ
مشورے سے قبیلے پر حکومت کرتا تھا یہ قبیلہ دوسرے قبیلوں سے بالکل الگ تھلگ
میں سے بیرونی دنیا کسی نے بھی نہ دیکھی تھی وہ اپنی زندگی قدیم طرز پر گزارتے تھے
کھود کے اس میں سرنگ سی بناتے پھر اس کو گھاس پھوس سے ڈھک کے گھر بناتے
کے تیر کمان بھدے تھے تلوار انہوں نے پہلی بار مناف کے پاس دیکھی تھی ان کے
لوہے کا موٹا ڈنڈا ہوتا تھا جس کی نوک پتھر پر گھس کر وہ بھالے اور نیزے کے
استعمال کرتے تھے۔

ان میں اجتماعی شادیوں کا رواج تھا ہر چاند رات کو جشن منایا جاتا مرد اور عورتیں
ہی شراب پیتے اور رقص کرتے تھے اس رقص میں عورتوں کے علاوہ بالغ لڑکیا
شریک ہوتی تھیں ان لڑکیوں کو جشن میں شریک ہونے کی اجازت نہ تھی جو خواتی
مخصوص ایام میں ہوتی تھیں انہیں ناپاک سمجھا جاتا اور ایک الگ گھر میں رکھا جاتا ت
رات کو قبیلے کے سب سے بہادر جوان کو اجازت ہوتی کہ وہ جس لڑکی کو چاہے اپنے
لے جا سکتا تھا صرف ایک لڑکی پر بس نہ تھی وہ اس رات جتنی لڑکیوں کو چاہے اپنی ہ
نشانہ بنا سکتا تھا۔

اس کے انتخاب کے بعد دوسرے جوانوں کو اجازت ہوتی کہ وہ اپنی پسند کی لڑکی
پکڑ لیں وہ جس کا ہاتھ پکڑتے وہ لڑکی اس کی بیوی ہو جاتی لیکن اس کے باوجود وہ اپ
کو دو راتوں تک اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا لڑکی کو ایک رات مذہبی پیشوا کی ہ
شکار ہونا پڑتا دوسری شب وہ قبیلہ سردار کے گھر رہتی تیسری شب سے وہ اپنے پسند
والے مرد کے ساتھ رہنا شروع کرتی تھی یہ شادیاں صرف ایک ماہ کے لئے ہوتیں د
چاند رات کو پھر اسی طرح کا جشن ہوتا اور ہر جوان اپنی پسند کی بیوی دوبارہ چنتا وہ ع
جو ایک بار مذہبی پیشوا اور قبیلہ سردار کے گھر رہ چکی ہوتی تھیں انہیں اس مرحلہ سے
گزرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی ان کا عارضی شوہر ہاتھ پکڑ کر سیدھا اپنے گھر لے جا
تھا۔

شوبو کا بھائی جب پیشوا کو پورا قصہ سنا چکا تو اس نے شوبو اور مناف کو اپنے پاس
اور ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں پھر شوبو کے بھائی کے کان میں سرگوشی کی ش
بھائی سر ہلاتا رہا شوبو کے کان گفتگو کی طرف لگے تھے اس نے گفتگو سنی تو حیا سے ا

سرخ ہو گیا پیشوا نے کھڑے ہو کر شوبو اور مناف کا پورا واقعہ قبیلے والوں کو سنایا ان کے
دلوں میں بھی مناف کے لئے احترام کا جذبہ جاگ اٹھا اور وہ اسے عقیدت سے دیکھنے لگے
ان میں ایک بھاری ڈیل ڈول کا جوان مناف کو گھور گھور کے دیکھ رہا تھا اسے شاید پیشوا
کی زبان سے مناف کی بہادری کی تعریف ناگوار گزری تھی مناف نے اس کی نظروں سے
پہچان لیا کہ وہ مناف کو پسند نہیں کرتا اور وہ کسی وقت اس کا دشمن ہو سکتا ہے۔

پیشوا نے شوبو کو اپنے قریب بلا کر اس سے کچھ پوچھا شوبو نے سر ہلا کر جواب دیا اور
شرم سے دہری ہو گئی پھر پیشوا دوبارہ کھڑا ہوا اور اس نے کوئی اعلان کیا اس اعلان پر وہ دیو
ہیکل انسان پھر کے کھڑا ہو گیا اور بڑی گستاخی سے پیشوا سے سوال و جواب کرتا رہا پیشوا کو
بھی غصہ آگیا تھا اس نے اسے بہت ڈانٹا پھنکارا اور بیٹھنے کا حکم دیا لیکن وہ کسی بات پر اڑا
رہا پھر جب اس نے ہاتھ سے مناف کی طرف اشارہ کر کے غصہ سے کچھ کہا تو مناف کو
یقین ہو گیا یہ سب جھگڑا اسی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ ادھر شوبو کی یہ حالت تھی کہ وہ مناف
کے پہلو سے چپٹی جا رہی تھی جب بات بہت بڑھ گئی تو قبیلہ سردار نے اس دیو نما انسان
ڈانٹ کے بٹھایا پھر محفل برخاست ہو گئی شوبو نے اپنی بہن سے کچھ کہا شوبو' شوبو' مناف کا
ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چلنے لگی۔

مناف کا دماغ سخت پریشان ہو رہا تھا اسے اپنے اوپر غصہ بھی آ رہا تھا کہ یہ سب
خود اس کا کیا دھرا ہے شوبو لاکھ خوبصورت اور دلنواز سہی مگر اس کے لئے خود کو ہلاکت میں
ڈالنا کوئی عقلمندی نہ تھی اس نے اپنے آپ بالکل شوبو کے حوالے کر دیا کیونکہ وہی اس کی
ہمدرد تھی اور اس کی مدد سے وہ ان جنگلوں سے نجات پا سکتا تھا شوبو اسے سرنگ نما
جھونپڑی میں لے گئی جس کا چھپر اوپر سے جگہ جگہ پھٹا تھا۔

اب مناف کو یہ الجھن پیدا ہوئی کہ وہ شوبو سے گفتگو کس زبان میں کرے کیونکہ گفتگو
کے بغیر وہ اپنی رہائی کی کوئی تدبیر نہ کر سکتا تھا کہتے ہیں کہ محبت کی زبان کچھ اور ہی ہوتی
ہے جسے دو محبت بھرے دل بغیر الفاظ کا سہارا لئے اپنی بات دوسرے تک پہنچا دیتے ہیں
ظاہر ہے کہ مناف کو شوبو سے محبت بیک نظر ہوئی تھی اس لئے وہ جان کی پروا نہ کرتے
ہوئے ان بھیڑیوں کے بھٹے میں آگیا تھا شوبو کے دل میں بھی یہی جذبہ موجزن ہوا تھا ایک تو
مناف نے اژدہے سے اس کی جان بچائی تھی دوسرے مناف شوبو کے مانند سرخ سفید تھا
شوبو اس نسبت کی وجہ سے مناف کے اور زیادہ قریب ہو گئی تھی وہ بچپن ہی سے چاہتی تھی
کہ اس کی شادی ان کالوں کے بجائے کسی گورے سے ہو مگر قبیلے میں سوائے اس کے بھائی
کے اور کوئی گورا نہ تھا وہ نہ جانے کیوں بھائی سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی حالانکہ اس

قبیلے میں سگی بہن سے کیا بیٹا اپنی ماں سے بھی شادی کر سکتا تھا۔

بہرحال شوبو اور مناف کی محبت کی زبان میں گفتگو شروع ہوئی اور یہ دونوں ر
بے تکان باتیں کرتے رہے مناف نے اشاروں میں پوچھا کہ یہاں کوئی اور تو نہیں ؟
شوبو نے اشاروں ہی میں جواب دیا کہ انہیں اس گھر میں اکیلے رہنے کا حکم دیا گیا۔
مناف نے اس دیو نما انسان کے بارے میں کئی سوال کئے اس پر شوبو نے اسے سمجھایا
بے ڈالی آدمی قبیلہ کا سب سے طاقتور جوان ہے اور شوبو سے شادی کا خواہش م
لیکن جب پیشوا نے اعلان کیا شوبو جوان ہو گئی ہے اس نے اس غیر ملکی کو پسند کیا۔
غیر ملکی بھی اس کو پسند کرتا ہے اس لئے ان دونوں کی شادی اب کی چاند رات میں
اس بے ڈول نے اس پر احتجاج کیا اور کہا کہ وہ سب سے زیادہ طاقتور ہے اس لئے
پہلا حق اس کا ہے پھر بہت تکرار کے بعد پیشوا نے فیصلہ کیا کہ چاند رات سے ایک
پہلے غیر ملکی اور اس دیو سے کشتی کا مقابلہ ہو گا دونوں میں سے جو جیتے گا وہ شوبو کا حق
گا۔

اس پر مناف نے سینہ تان کر شوبو کو یقین دلایا کہ وہ دیو کا مقابلہ کر کے اسے
کرے گا جیسا کہ کہا گیا ہے کہ یہ تمام باتیں مناف نے ایک ہی رات میں شوبو سے
کی تھیں اور اس نے آئندہ کے لئے پروگرام بھی بنا لیا تھا یہ بات بہت عجب خیز
ہوتی ہے لیکن ضرورت ایجاد کی ماں ہے مناف اور شوبو دونوں ایک دوسرے کی زبان
قطعی ناواقف تھے لیکن ان کے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہو گیا تھا اور اسی محبت نے
رہنمائی کی اور انہوں نے اشاروں ہی اشاروں میں اپنے دل کی باتیں دوسرے
پہنچائیں۔

مناف اور شوبو تمام رات اس زمین دوز جھونپڑے میں تنہا رہے تھے لیکن صبح ا
نے اپنے بھائی اور پیشوا کے سامنے پر زور الفاظ میں اپنے اور مناف کے پاکیزہ ہو
دعوی کیا تھا اور ان دونوں نے اس کی بات کا یقین کر لیا تھا پھر مناف کو کسی سے
کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ اس کی نمائندگی کا فرض شوبو نے اپنے سر لے لیا تھا ا
پیشوا کو بتایا کہ غیر ملکی جوان قبیلے کے دیو ہیکل پہلوان سے کشتی کا مقابلہ کرنے پر تیا
اور اگر اس نے یہ مقابلہ جیت لیا تو وہ شوبو سے شادی کرے گا۔ پیشوا نے بھی اعلان
تھا کہ قاعدے کے مطابق اگر غیر ملکی نے یہ مقابلہ جیت لیا تو وہ شوبو کو اس کے حوا
دے گا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ شوبو پہلی شب پیشوا اور دوسری شب اپنے بھائی
کے ساتھ گزارے گی۔

چاند رات کو چار دن اور مقابلہ کو صرف تین دن باقی تھے مناف اور وہ قوی ہیکل دیو
دونوں مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے قبیلے والوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا تھا مناف نے
خود محسوس کیا اور شابو نے بھی اس بات کی تصدیق کی قبیلے کے تقریباً" نصف سے زیادہ لوگ
یہ چاہتے ہیں کہ غیر ملکی جوان' قبیلے کے دیو کو شکست دیدے' یہ ان کی خواہش تھی لیکن
ان میں صرف چند ہی ایسے تھے جن کا خیال تھا کہ غیر ملکی اس دیو کو پچھاڑ سکے گا ورنہ عام
خیال یہی تھا کہ وہ دیو اپنے فولادی پنجے سے غیر ملکی کی گردن مروڑ کے اس کا خاتمہ کر دے
گا۔

آئندہ تین دن اور تین راتیں بھی شابو اور مناف نے سب سے الگ اسی سرنگ نما
جھونپڑے میں گزارے شابو کو یہ گمان تھا کہ وہ دیو کے مقابلے سے پہلے ہی غیر ملکی کو ختم
کرنے کی کوشش کرے گا اس نے مناف کو ہوشیار کر دیا تھا اس لئے مناف ہر وقت چوکنا
رہتا تھا شوبو کے بھائی یعنی قبیلہ کے سردار نے مناف کی تلوار بہت پسند کی تھی اور مناف کو
مجبوراً اپنی تلوار اسے تحفہ کے طور پر دینا پڑی تھی لیکن شابو اپنے بھائی سے یہ کہہ کر تلوار
واپس لے آئی تھی کہ غیر ملکی کو دیو کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ ہے اس لئے مقابلہ کے
دن تک وہ تلوار اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے سردار نے موقعہ کی نزاکت کے پیش نظر تلوار
واپس کر دی تھی جسے مناف ہر وقت اپنی کمر سے لٹکائے رکھتا تھا اور رات کو برہنہ تلوار
اپنے قریب رکھ کر لیٹتا تھا۔

تین دن گزرے اور مقابلے کا دن آیا تو صبح ہی سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ مقابلہ
بڑے میدان میں ہونا تھا مقابلہ شام کے وقت ہونا تھا لیکن میدان میں مرد عورتیں اور بچے
دوپہر سے پہنچنا شروع ہو گئے تھے دیو ہیکل پہلوان اپنے چند دوستوں کے ساتھ دوپہر ڈھلتے ہی
میدان میں آگیا تھا اور لکڑی کے ترشے ہوئے پیالے میں بھر بھر کے شراب پی رہا تھا اور
بھینسے کی طرح ڈکار رہا تھا۔

مناف' شوبو کے ساتھ میدان میں پہنچا۔ اس وقت بھی تلوار اس کی کمر سے لٹکی تھی
اس نے میدان کی دوسری جانب اپنے مخالف کے بالکل مقابل اڈہ جمایا میدان اگرچہ کافی بڑا
تھا لیکن اس کے دو اطراف سے گہری کھائیں تھیں جن کے نیچے پہاڑی نالے بہتے تھے ان
گہرائیوں کو دیکھ کر خوف معلوم ہوتا تھا اگر خدا نخواستہ ان کھائیوں میں کوئی گر جائے تو اس
کی موت لازمی تھی۔

مقابلہ سے کچھ دیر پہلے مذہبی پیشوا اور قبیلہ سردار ایک ساتھ میدان میں آئے ان
کے بیٹھنے کے لئے سموردار کھالیں زمین پر بچھا دی گئی تھیں ان کے بیٹھنے کے بعد مقابلہ کرنے

والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ خالی ہاتھ میدان میں آئیں مناف نے تلوار الگ کر دی پھ
اتارے اس کے جسم پر صرف ایک جانگیا نما لنگوٹ باقی رہ گیا تھا دوسرا پہلوان تو
تھا اس نے کمر کے گرد کسی جانور کی کھال لپیٹ رکھی تھی جو اس کے آگے پیچھے ک
سے چھپاتی تھی۔

دونوں مقابلہ کرنے والوں کو الگ الگ اس طرح کھڑا کیا گیا کہ ان کے درمیا
سو قدم کا فاصلہ تھا پھر پیشوا نے ہاتھ ہلایا جو مقابلہ شروع ہونے کا اشارہ تھا اشارہ ہو
دونوں ایک دوسرے کی طرف بھوکے شیر کی طرح غراتے ہوئے بڑھے قبائلی وحشی
جسم اور لمبے قد کا تھا اور اس طرح دونوں ہاتھ آگے کر کے پنجے کھول کے بڑھ رہا
وہ اپنے مقابل کی گردن پکڑ کے مروڑ دے گا مناف آگے بڑھتے ہوئے پر سکون تھا
تھا وہ وحشی کے مقابلہ میں طاقت کے معاملہ میں بہت کمزور تھا مگر ایک فوجی کی حیثیت
اس میں بلا کی چستی اور پھرتی موجود تھی اور یہی اس کی سب سے بڑی طاقت تھی۔
نے قریب پہنچ کے مناف کو پکڑنا چاہا مگر وہ مچھلی کی طرح تڑپ کے اس کے ہاتھوں
سے نکل گیا اور اس کی پشت کی طرف پہنچ کے اس نے وحشی کی پیٹھ پر اس زور ک
ماری کہ وہ لڑکھڑا گیا اور زمین پر گرتے گرتے بچا۔

وحشی کا جوابی حملہ بڑا خطرناک تھا اس نے مناف کو دبوچنے کی کوشش کی مناف
کے پھر اس کے ہاتھوں کے نیچے سے نکلا مگر وحشی ہوشیار تھا اس نے فوراً اپنے دونو
نیچے کر لئے اس طرح مناف کا جسم تو اس کی گرفت میں نہ آسکا مگر اس کی ایک ٹانگ
کے ہاتھ میں آگئی وہ مناف کی ٹانگ پکڑ کے اسے کھینچتا ہوا گہری کھائی کی طرف چلا
زمین پر گھسٹتا جا رہا تھا اور ٹانگ چھڑانے کی کوشش بھی کر رہا تھا وحشی کے دوست
کر اسے داد دے رہے تھے دوسری طرف شابو چیخ رہی تھی اور مناف کو گہری کھا
خبردار کر رہی تھی مناف نے آخر کھائی کے کنارے پر پہنچنے سے پہلے اپنی ٹانگ چھڑا
طرح خطرہ ٹل گیا۔

لڑنے والوں اور دیکھنے والوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا تھا وحشی نے کئی بار منا
ٹانگ پکڑی اور کھائی تک گھسیٹ کے لے گیا مگر مناف نے خود کو آزاد کرا لیا اور
پیٹھ پر کئی بار لاتیں جمائیں مقابلہ جاری تھا اور اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا مگر ا
مقابلہ کا فیصلہ نہ ہو سکا تھا مناف نے بتایا کہ وہ شام ہونے سے پہلے کسی نتیجہ پر
چاہتا تھا اس لئے کہ وہ خطرہ مول لے کے خود ہی کھلاڑی کے قریب پہنچ گیا اور ا
وحشی کو موقعہ فراہم کیا کہ وہ اسے دھکیل کے کھائی میں گرا دے۔ وحشی یہ دیکھ کر

ہوا ہو گا چنانچہ اس نے مناف کو دونوں ہاتھ پھیلا کر کھائی کی طرف رگیدنا شروع کر دیا
بڑی ہوشیاری سے پیچھے ہٹتا رہا پھر ایک خاص جگہ پہنچ کے وہ چیتے جیسی پھرتی سے
دے کر وحشی کے دائیں ہاتھ کے نیچے سے نکلا اور اس کی پشت پر پہنچ کے پوری
ے جست لگائی اور اپنی دونوں ٹانگیں وحشی کی پیٹھ پر جما دیں یہ اتنا بھرپور حملہ تھا کہ
سنبھل نہ سکا اور منہ کے بل زمین پر گر پڑا اس وقت وحشی کا منہ کھائی کی طرف تھا
نے طاقت مجتمع کر کے اٹھنے کی کوشش کی اسی وقت مناف نے جست لگا کر دوسرا حملہ
ر وحشی کی تھوڑی زور سے زمین سے ٹکرائی۔
وحشی لہولہان ہو گیا تھا پھر بھی اس نے اٹھنے کی کوشش کی جو مناف نے لات مار کر
بنا دی پھر مناف اسے لاتیں مار مار کر کھائی کے کنارے تک لے گیا اور اسے کھڑا
کا موقعہ دیا جب وہ کھڑا ہو گیا تو مناف نے ایک بار پھر دونوں لاتیں اس کے جسم پر
ں وحشی کا رخ مناف کی طرف تھا اور پشت کھائی کی جانب' مناف کے حملے سے وہ لڑ
کے پیچھے کی طرف گرا اس نے زمین پر ہاتھ ٹیکنے کی کوشش کی مگر وہ زمین نہ پکڑ سکا۔
کے ہاتھ کھائی کے کنارے سے ٹکرائے اور اس کا بھاری جسم نیچے گہری کھائی میں
گیا گرتے گرتے اس نے ایک خوفناک چیخ ماری جس سے پورا میدان گونج اٹھا یہ اس
خری چیخ تھی کیونکہ کھائی میں گر کر اس کی ہڈیاں پسلیاں تک چور چور ہو گئی تھیں۔
چیختا چلاتا مجمع ایک دم خاموش ہو گیا تھا اسے چپ لگ گئی قبیلے والے عام طور پر وحشی
ان کے ہمدرد تھے وحشی اپنے قبیلے کی ناک تھا وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ایک اوسط
ے کا غیر ملکی اس دیو قامت کو کھائی میں دھکیل دے گا۔ ان کے لئے تو یہ ناقابل یقین
تھا حادثہ اور سانحہ تھا قبیلہ سردار اور پیشوا بھی ہکا بکا رہ گئے تھے کئی منٹ تک تو لوگوں
ہ کیفیت تھی جیسے وہ بے جان ہو گئے ہوں بت بن گئے ہوں پھر پیشوا نے سر کو جھٹکا دے کر
با ہوش ہونے کا اظہار کیا وہ اس دنگل یا کشتی کا منصف تھا کشتی ختم ہو چکی تھی اور
لوگوں کو اس کا نتیجہ بھی معلوم ہو گیا تھا لیکن اس نتیجے پر پیشوا کے اعلان کی مہر لگنا باقی
پیشوا کسی طرح کا اعلان بھی کر سکتا تھا وہ کھائی میں گرنے والے کو بھی فاتح قرار
و بھی کسی کو مخالفت کی جرات نہ ہو سکتی تھی۔
آخر پیشوا نے قبیلہ سردار کو حکم دیا کہ وہ چار آدمیوں کے ساتھ کھائی میں اترے اور
ئی میں گرنے والے کے بارے میں اطلاع دے کیونکہ اصول کے مطابق جب تک
ت کھانے والا اپنی شکست تسلیم نہ کرے دوسرے کو فاتح نہیں قرار دیا جا سکتا تھا قبیلہ
لا نے پیشوا کے اس حکم کو سراہا شائد انہیں امید تھی کہ ان کا پہلوان زندہ ہے اور وہ

واپس آکر پھر مقابلہ کرے گا مگر قدرت پہلے ہی فیصلہ کر چکی تھی قبیلہ سردار نے ا
بتایا کہ وحشی پہلوان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں اور اس کا بھیجہ کھوپڑی
آگیا ہے۔

سردار قبیلہ نے وحشی پہلوان کی موت کی تصدیق کر دی اس پر پیشوا نے غیر مل
کو کشتی کا فاتح قرار دیا اور اعلان کیا کہ آج سے شابو کو غیر ملکی کی بیوی سمجھا جا
بھاگ کے مناف کے پاس گئی اور اس کے سینے سے لگ گئی شابو کی مسرت کا یہ عا
وہ بار بار مناف کے منہ کو چوم رہی تھی اور اپنا جذبات سے بھرا سینہ مناف کے
رگڑ رہی تھی اس قبیلے میں حیا نام کی کوئی چیز نہ تھی ہر چاندرات کو بیویوں کی معیا
جاتی تھی اور ہر مرد کو دوسری بیوی کے انتخاب کا حق حاصل تھا اس لئے مرد جس ع
پسند کرتے اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور اسی جگہ یا دو چار قدم ہٹ کے وہ ہنی مون منا
انہیں ذرا بھی شرم نہ آتی نہ کوئی روکتا اور نہ ٹوکتا سب ہی ایک رنگ میں رنگ جا
جس ماحول میں سگی بہن اور ماں جائز ہو وہاں شرم و حیا کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔

شابو اور مناف کو پیشوا نے اپنے پاس بلایا پیشوا کے ساتھ شابو کا بھائی بھی
پیشوا نے مناف کو اس کی کامیابی پر مبارکباد دی مناف نے شابو سے قبائلی زبان سیکھ
اس نے پیشوا کا شکریہ ادا کیا پھر پیشوا نے اسے بتایا کہ شابو اس کی بیوی بن چکی۔
شابو کو اپنی پہلی اور دوسری رات پیشوا اور قبیلہ سردار کے پاس گزارنا ہو گی اس کے
غیر ملکی کی بیوی بن جائے گی اس کے علاوہ غیر ملکی کو اس قبیلے سے باہر جانے کی
اجازت نہ ہو گی اگر اس نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو پہاڑیوں پر متعین
اسے قتل کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔

شابو نے مناف کو قبیلہ کا یہ اصول پہلے ہی بتا دیا تھا اس لئے مناف نے ا
خلاف نہ کچھ کہا اور نہ کسی قسم کے تاثر کا اظہار ہونے دیا پیشوا نے شابو کو منا
ساتھ جانے کی اجازت دے دی لیکن اسے تاکید کی کہ وہ نصف شب کے قریب پ
جھونپڑے میں پہنچ جائے شابو نے اس کے حکم پر سر جھکا دیا مگر اب شابو کا چہرہ پژمر
تھا وہ آنکھیں چرا رہی تھی اور مناف نے محسوس کیا کہ شاید رو رہی ہے آنسوؤں
قطرے اس کی آنکھوں سے کوشش کے باوجود ٹپک پڑے تھے مناف کو اس کے غم ک
گیا تھا لیکن اس نے شابو کو کوئی تسلی نہ دی اور اسے لئے ہوئے خاموشی سے جھونپ
پہنچ گیا۔

روز کی طرح شابو اس رات چہک نہ رہی تھی بلکہ گٹھری بنی ایک طرف بیٹ

ناف کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے شابو کو بتایا کہ وہ جس معاشرے اور ماحول کا باشندہ
ے وہاں کا مرد اپنی بیوی کو کسی دوسرے کے ساتھ ہنستے بولتے بھی دیکھ لے تو دونوں کو یا تو
قتل کر دے گا یا پھر خود قتل ہو جائے گا شابو نے اسے حیران نظروں سے دیکھا جیسے وہ اس
کا مطلب نہ سمجھ پائی ہو پھر مناف نے بڑے جوش سے اعلان کیا کہ شابو اس کی بیوی ہے
اور وہ کسی دوسرے کو یہ اجازت نہ دے گا کہ وہ شابو کے کنوارے بدن کو ہاتھ بھی لگا
سکے شابو کے لئے وہ جان کی بازی لگا دے گا بشرطیکہ شابو کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو۔

شابو اسے پہلے ہی دل دے بیٹھی تھی اس نے جواب میں اپنی آمادگی کا اظہار کیا اور
کہا کہ وہ مناف کے ہر حکم کی تعمیل کرے گی مناف کو اس سے بڑی تقویت پہنچی شابو کو
آدھی رات کے وقت پیشوا کے جھونپڑے میں جانا تھا اس جھونپڑے کو قبیلے کی تمام عورتیں
اور کنواری لڑکیاں جانتی اور پہچانتی تھیں برائے نام شادی شدہ عورتیں ایک شب اس
جھونپڑے میں پیشوا کے ساتھ گزار چکی تھیں اور جو کنواری تھیں انہیں اس جھونپڑے کا
محل وقوع بیاہی عورتوں نے بتا دیا تھا اور ان کے کان میں یہ بھی پھونک دیا تھا کہ اگر مرنے
کے بعد بلاؤں سے نجات حاصل کرنا ہے تو پیشوا کے حکم سے انکار نہ کرنا اور اسے پہلی
شب خوش کر کے مرنے کے بعد کی مسرتیں حاصل کر لینا ان حالات میں کوئی لڑکی پیشوا یا
قبیلہ سردار کے جھونپڑے میں جانے سے کیسے انکار کر سکتی تھی۔

یہ تو شابو پہلی لڑکی تھی جسے مناف نے بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا مناف نے شابو کو پیشوا
کے جھونپڑے کی طرف روانہ کرنے سے پہلے یہ اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اگر اسے اپنے
پہلے شوہر کی خوشی اور خوشنودی منظور ہے تو وہ خود کو پیشوا سے دور رکھے اس کی ترکیب
مناف نے یہ بتائی تھی کہ وہ پیشوا کو بہانے بہانے اپنے ہاتھ سے شراب پلاتی رہی یہاں
تک کہ پیشوا بالکل بے خود اور بے سدھ ہو جائے اس کے بعد مناف اپنا کام شروع کرے
ا جس کا اس نے شابو کو کوئی حوالہ نہ دیا تھا۔

شابو روانگی کے آخری لمحے تک مناف کی باتیں سنتی اور انہیں ذہن نشین کرتی گئی پھر
جب مناف نے سرنگ نما جھونپڑے سے نکل کر آسمان پر نظریں دوڑائیں تو ستاروں کے
زاویوں سے اس نے اندازہ لگایا کہ نصف شب گزرنے والی ہے اس نے شابو کو باہر لا کر
رخصت کیا اور اسے سمجھا دیا کہ وہ پیشوا کے جھونپڑے میں بالکل نہ گھبرائے اور نہ اپنے کو
تنہا محسوس کرے شابو نے اس منزل سے گزرنے کے لئے اپنے دل کو کافی مضبوط کر لیا تھا
مگر عین چلتے وقت وہ گھبرا گئی اور اس نے ضد کر کے پوچھا کہ پیشوا کے بے سدھ ہونے
کے بعد کیا ہو گا مناف بھی بات کو نہ چھپا سکا اور اس نے بتایا کہ وہ پیشوا کے جھونپڑے

کے پاس ہی موجود رہے گا اور جب پیشوا بے سدھ ہو جائے گا تو وہ جھونپڑے میں
کے شابو کو اپنے ساتھ لے آئے گا اور وہ دونوں اس وقت بھاگ کھڑے ہوں گے۔

شابو کو یہ منصوبہ تو پسند آیا مگر اس نے یہ اعتراض کیا کہ جب یہاں سے بھاگنا
ہے تو پھر وہ پیشوا کے جھونپڑے میں کیوں جائے اور ابھی کیوں نہ فرار ہونے کی کو
کریں مناف کو شابو کی سادہ لوحی پر ہنسی آگئی اس نے شابو کو بتایا کہ پیشوا اس قد
وقوف نہیں کہ وہ شابو اور اس نے غیر ملکی شوہر کو بھاگ جانے کا موقعہ دے اس نے
کے پیچھے ضرور آدمی لگا رکھے ہوں گے جنہیں حکم ہو گا کہ اگر شابو وہاں جانے سے
کرے یا بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے گرفتار کر لیا جائے اور مزاحمت کی صورت میں
کر دیا جائے شابو اپنے ہونے والے شوہر کی عقلمندی کی قائل ہو گئی اور اس سے
ہوئے رخصت ہوئی۔

مناف کا اندازہ درست تھا شابو کچھ ہی دور چلی تھی کہ اسے قبیلہ سردار یعنی
بھائی ادھر آتے ہوئے ملا اس کے ساتھ کئی مسلح آدمی تھے شابو کو آتے دیکھ کر وہ بہت
ہوا اور اس کے ساتھ پیشوا کے جھونپڑے تک گیا پیشوا نئے شکار کے انتظار میں جھ
کے باہر ہی ٹہل رہا تھا قبیلہ سردار نے شابو کو پیشوا کے حوالے کر دیا پیشوا نے اسے
دے کر رخصت کیا اور شابو کو لے کر سرنگ نما جھونپڑے میں اتر گیا جھونپڑے کے
لکڑی کے مٹکوں کے اندر شراب بھری رکھی تھی پینے کے لئے لکڑی ہی کے پیا
قبائلی درخت کے تنے کے کئی ٹکڑے کر لیتے پھر انہیں اندر سے کھوکھلا کر کے
پیالے بناتے تھے۔

کسی کنواری لڑکی کا شادی کی پہلی رات مذہبی پیشوا کے ساتھ اور دوسری رات
کے سردار کے ساتھ گزارنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے اور عام حالات میں اسے ذہن
کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا لیکن تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضرت انسان نے
لڑکیوں کی عزت سے کھیلنے کے لئے ہر دور میں مختلف ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں کسی
قبیلے میں مذہب کا لبادہ اوڑھ کر عورت کی عصمت کا مذاق اڑایا گیا تو کسی جگہ دولت
اور اقتدار کے زور پر عورت کی عصمت کا نیلام ہوا عرب میں نور اسلام کے پھیلنے سے
ایسی ظلمت کا راج تھا جس میں دنیا کا ہر عیب جائز تھا اس ضمن میں ظلمت کدہ عرب
بادشاہ عملیق کا نام بہت مشہور ہوا۔ بادشاہ عملیق کی حکومت مکہ اور مدینہ کے درمیان
کے علاقہ پر تھی اس علاقہ میں عربوں کے دو قبیلے طسم اور جدیس آباد تھے عملیق طسم
بادشاہ تھا بڑا ظالم اور حد درجہ کا عیاش تھا جدیس قبیلہ کی طاقت طسم والوں سے کم

جدیس والے چپ چاپ ظلم سہتے رہتے تھے ظلم کا یہ طریقہ ہے کہ اگر اسے نہ روکا
تو یہ مظلوم کو بزدل بنا دیتا ہے اور مظلوم ظلم سہتے سہتے اپنی خود داری اور آن بھی کھو
تا ہے جدیس قبیلے کے لوگوں کا یہی حال تھا وہ ظلم کے عادی ہو گئے تھے اور بڑی سے
ذلت خوشی خوشی برداشت کر لیتے تھے ایک دفعہ جدیس قبیلے کے کسی فرد سے کوئی غلطی
ئی جس سے شاہ عملیق کو جلال آگیا اس نے اعلان کرا دیا کہ آج سے جدیس والوں کی
لڑکی بیاہی جائے اسے پہلے دولہن بنا کر شاہی محل میں بھیجا جائے وہ پہلے رات عملیق کے
ھ بسر کرے پھر دوسرے دن اس کو رخصت کیا جائے۔

جدیس قبیلے کے لئے یہ حکم ان کی غیرت کی موت کے برابر تھا لیکن وہ ظلم سہتے سہتے
ت کا نام ہی بھول گئے تھے چنانچہ انہوں نے دلہنوں کو پہلی رات کے لئے عملیق کے محل
نا شروع کر دیا کئی سال تک یہ رواج یا حکم چلتا رہا پھر جدیس قبیلے کی ایک غیرت مند
ن کی غیرت جاگ اٹھی اس نے محل میں جانے سے انکار کر دیا مگر اس کے بے غیرت
یوں اور باپ نے اسے پکڑ کر محل میں پہنچا دیا کہتے ہیں کہ اس دلہن نے عملیق کو سخت
ب دیا اور سخت مزاحمت کی مگر کمزور لڑکی کہاں تک مقابلہ کر سکتی تھی آخر عملیق نے
نے اس کی آبرو چھین لی اور صبح کو اسے ڈانٹ کر بھگا دیا۔

جدیس کی وہ دلہن جس کا سب کچھ لٹ گیا تھا مگر اس سے غیرت کا احساس کوئی نہیں
ن سکا تھا وہ گرتی پڑتی تباہ حال اور دریدہ لباس اپنے محلے میں پہنچی اور بازار کے چوراہے
کھڑے ہو کر اپنے قبیلہ کے لوگوں کو آواز دی لوگ اس کے گرد جمع ہوئے تو اس نے
یں للکارتے ہوئے کہا۔

"اے قبیلہ جدیس کے بے غیرت لوگو! آؤ میرے پھٹے کپڑے دیکھو' میرے جسم پر وہ
ن تلاش کرو جو ظالم عملیق نے لگائے ہیں اور اس عصمت اور آبرو کو دیکھو جو عملیق نے
ردستی مجھ سے چھین لی ہے"

کہتے ہیں کہ اس با غیرت دلہن نے ایک چیخ ماری اور اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کو پورے
یلے کے سامنے تار تار کر کے برہنہ ہو گئی اور اعلان کیا وہ اس وقت تک اپنے جسم پر کوئی
ڑا نہیں ڈالے گی جب تک عملیق سے اس ظلم کا بدلہ نہیں لیا جائے گا اس نے اس قدر
ہدت تقریر کی کہ جدیس کی برسوں سے سوئی ہوئی غیرت جاگ اٹھی کہاں تو ان کا یہ
ل تھا کہ جب وہ برسر اقتدار قبیلہ طسم کے کسی شخص کو آتا دیکھتے تو اس کے راستہ چھوڑ
ے ایک طرف کھڑے ہو جاتے اور کہاں ان کو ایسا جلال آیا کہ انہوں نے تلواریں کھینچ
ں اور عملیق کے محل پر حملہ کر دیا عملیق کے محافظوں اور اس کی فوجوں نے جدیس

والوں کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ آندھی اور طوفان کی طرح قسم کے
دھکیلتے ہوئے اس کے محل میں داخل ہو گئے اور جب تک عملیق کے ٹکڑے ٹکڑے
دیئے انہوں نے محل کو نہیں چھوڑا۔

وہ عملیق تو اپنے انجام کو پہنچ گیا لیکن عملیق تو ہر زمانے اور ہر قوم میں
ہیں اور آج بھی ملکوں ملکوں عملیق پائے جاتے ہیں یہ وڈیرے، زمیندار، تعلقہ دار
دار ان میں کوئی نہ کوئی عملیق ضرور ہوتا ہے جو پیسے یا اقتدار یا مذہب کی آڑ میں
ڈولیاں روک لیتا ہے پھر جب غریبوں اور مظلوموں کی غیرت جاگتی ہے تو وہ آن
بھی وہ حشر کرتے ہیں جس سے عرب کا بادشاہ عملیق دو چار ہوا تھا۔

خیر یہ قصہ تو ایک جملہ معترضہ کے طور پر بیان ہوا اصل حال تو شابو کا بیان
مناف کے سمجھائے ہوئے منصوبے کے تحت شابو نے پیشوا کو بھر بھر کر شراب
دینا شروع کئے ایک دو، آٹھ دس بارہ، پیشوا کا پیٹ تھا کہ مٹکہ، شابو نے پیالے
شراب کا پورا مٹکہ خالی کر دیا لیکن پیشوا اتنی پینے کے باوجود نہ تو بے سدھ ہوا ا
نے پینے سے انکار کیا اب تو شابو کو ہول اٹھنا شروع ہو گئے وہ اس خیال سے
رہی تھی کہ اگر پیشوا بے سدھ نہ ہوا تو کیا ہو گا شابو نے گھڑے سے پیالے
کئے پیشوا تین پیالے اور پی گیا پھر اس نے شابو کو ہاتھ ہلا کر منع کیا۔

شابو نے ہاتھ روک لیا اور یہ انتظار کرنے لگی کہ پیشوا بے سدھ ہو کر گر
جھونپڑے سے نکل کے مناف کے پاس پہنچ جائے جھونپڑے کے منہ پر جلتی
تقریباً" بجھ چکی تھی لیکن کسی کسی وقت کوئی لکڑی شعلہ کی طرح جل اٹھتی اور
میں اجالا پھیلا جاتا آخری تاریخوں کی چاند کی مدھم روشنی بھی جھونپڑے کے چھ
سوراخوں سے اندر آرہی تھی اسی روشنی میں پیشوا ایک بھوت کے ہیولے کے ما
طرف بڑھ رہا تھا شابو سمٹتی جارہی تھی اور دہشت سے اس کے جسم پر لرزہ پید
شابو ہٹتے ہٹتے سرنگ کی دیوار سے جا لگی اور پیشوا اس کے سر پر پہنچ گیا۔

شابو کا بدن جیسے سن پڑ گیا پیشوا کا ہاتھ اس کی طرف بڑھ رہا تھا شابو کو
صورت نظر نہ آرہی تھی پھر پیشوا کا ہاتھ اس کے سر سے مس ہوا اور شابو کو
اس نے آنکھیں بند کر لی اور پوری طاقت سے اپنی طرف بڑھتے ہوئے پیشوا کے
ایک بھرپور لات ماری اس کے ساتھ ہی کسی بھاری چیز کے گرنے کی آواز آئی ا
گھبرا کے آنکھیں کھول دیں پیشوا اس کے سامنے فرش پر چت پڑا تھا شابو نے
نظریں دوڑائیں ایک لوہے کی سلاخ کھڑی تھی جس کا سرا گھس کر نوکیلا کیا گیا تھا

شابو نے ہمت کی بڑھ کے لوہے کی سلاخ اٹھائی اور اس کی نوک پیشوا کے سینے میں
اتار دی پیشوا کے جسم میں ہلکی سے حرکت پیدا ہوئی شابو سلاخ پر زور دیئے پیشوا پر جھکی
اس نے سلاخ پر اور وزن ڈالا پھر سلاخ کو باہر کھینچا اس کے ساتھ ہی پیشوا کے سینے
سے خون کا فوارہ ابل پڑا شابو کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اور وہ سلاخ وہیں پھینک کر
باہر کی طرف بے تحاشہ بھاگی۔

"تو میرے آقا میرے سپہ سالار! یہ ہے وہ شابو جسے میں پیشوا کے جھونپڑے سے لے
کر بھاگا ہوں تو اب تک بھاگتا ہی رہا ہوں، میں نے پیچھے کی طرف مڑ کے بھی نہیں دیکھا"
مناف نے اپنی داستان کو ختم کیا۔

سپہ سالار توران شاہ اس واقعہ سے متاثر ہوا اس نے حکم دیا "اس جنگلی لڑکی ہمت
اور وفاداری دونوں ہی قابل داد ہے۔ اسے نہلا دھلا کر لباس پہنایا جائے پھر پہریدار مناف
سے اس کا نکاح پڑھایا جائے"

سپہ سالار کے حکم کی فوراً" تعمیل کی گئی۔ لشکر کے ساتھ بار برداری کا کام کرنے والے
مزدوروں کے ساتھ ان کے بیوی بچے بھی تھے ان سے شابو کے لئے لباس لیا گیا ہے اور
انہی عورتوں نے شابو کو نہلا دھلا اور کپڑے پہنا کر لشکر میں بھیج دیا۔ ہر لشکر کے ساتھ
قاضی چلتے تھے جن کا شمار لشکر میں کیا جاتا تھا قاضی نے شابو اور مناف کا نکاح پڑھایا سپہ
سالار توران شاہ خود شابو کا سرپرست بنا اور ایک باپ کی طرح شادی کی تمام رسومات میں
شریک ہوا شابو نے مذہب اسلام قبول کر لیا اور اس کا اسلامی نام شازیہ رکھا گیا۔

توران شاہ نے شہر بنانے کا حکم تو دے دیا تھا اور اس کے لئے سڑک کی تعمیر بھی
شروع ہو گئی تھی لیکن ایک تو سڑک کی تعمیر میں حبشی روزانہ رخنے ڈالتے تھے دوسرے
کھانے پینے کا جو ذخیرہ توران شاہ اپنے ساتھ لایا تھا وہ تیزی سے ختم ہو رہا تھا خیال یہ تھا
کہ جنوب میں پہنچ کے پھر سامان جمع کر لیا جائے گا لیکن جس علاقے میں لشکر خیمہ زن تھا
اس اور اس کے اردگرد سوائے مکئی کے اور کسی اناج کی کاشت نہ ہوئی تھی حبشیوں کی
صرف مکئی غذا تھی اور اسی پر ان کی گزر ہوتی تھی اس طرح توران شاہ کا یہ خواب دھرا رہ
گیا کہ وہ جنوب میں ایک بڑا شہر آباد کر کے وہاں مستقل سکونت اختیار کرے گا گرم خشک
آب و ہوا میلوں تک پانی کا پتہ نہ ہوتا اس پر اناج پیدا نہ ہوتا ان باتوں کی وجہ سے توران
شاہ کا دل اچاٹ ہو گیا اس نے لشکر کے سرداروں سے مشورہ کیا سرداروں کا متفقہ فیصلہ یہ
تھا کہ یہ مقام رہنے کے قابل نہیں اس لئے پورے سال صرف مکئی پر گزر کرنا حبشیوں کے
لئے تو ممکن ہے مگر اس کا لشکر صرف مکئی پر گزر نہیں کر سکتا۔

توران شاہ نے سڑک تعمیر کرنے کا حکم واپس لے لیا اور شہر کی تعمیر کا خیال
نکال دیا اس وقت تک کئی سو حبشی گرفتار کئے جا چکے تھے انہیں غلام بنا لیا گیا تھا تو
نے قاہرہ واپسی کا حکم دیا تو حبشی غلاموں کا ایک پورا قافلہ لشکر کے ساتھ تھا
توران شاہ شازیہ اور مناف کی رہبری میں اس عجیب و غریب قبیلے میں پہنچا قبیلے وا
مزاحمت کی کوشش کی کچھ مارے گئے اور باقی گرفتار کر لئے گئے گرفتار ہونے وا
شازیہ کا بھائی بھی تھا۔

شازیہ کا بھائی چونکہ قبیلہ کا سردار تھا اس لئے اسے سپہ سالار توران شاہ ک
پیش کیا گیا سپہ سالار نے اسی وقت مناف اور شازیہ کو بھی بلوا لیا بھائی بہن کی آنکھ
بھائی بہن کو پورے لباس میں دیکھ کر حیران رہ گیا توران شاہ نے بھائی کو شازیہ سے
اجازت دے دی شازیہ نے اس سے قبیلہ سے بھاگنے سے لے کر مناف سے شادی
تمام واقعات بے کم و کاست بیان کر دیئے بھائی اپنی بہن کے حالات سن کر بہت
اور بہن کی ترغیب پر وہ بھی مسلمان ہو گیا توران شاہ نے اسے اپنے لشکر میں شا
اس کے قبیلے کے زندہ بچنے والے تمام لوگ گرفتار ہوئے تھے شازیہ اور اس کے
سفارش پر انہیں رہائی دے دی گئی انہیں بیشتر مسلمان ہو کر یا تو لشکر میں ملازم ہو گ
بستی میں واپس چلے گئے وہ چند مسلمانوں میں رہے تھے ان کے طور طریق دیکھ ک
نے برائیوں سے توبہ کر لی اور نیک زندگی گزارنے لگے۔

قاہرہ واپس پہنچ کے توران شاہ نے اپنے وزیراعظم بھائی کو لشکر کشی کی پوری
بتائی آخر میں اس نے کہا کہ پانی کی شدید کمی اور اناج کی نایابی کی وجہ سے وہ علا
کے قابل نہیں اور نہ اسے آسانی سے ترقی دی جا سکتی ہے یہ مہم اگرچہ ناکام ہ
لیکن توران شاہ کے ساتھ غلاموں کی کثیر تعداد گرفتار ہو کے آئی تھی ان سب
کاموں میں لگایا جو آئندہ چل کے مفید شہری ثابت ہوئے۔

صلاح الدین کے سلسلے میں یہ بات ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہئے کہ مغربی مو
اگر مسلمان مشاہیر کے حالات ترتیب دینے میں بڑی محنت سے کام لیا ہے لیکن
لئے ہر وہ مسلم بادشاہ سردار یا فاتح قابل مذمت ہے جس کا عیسائیوں سے سابقہ پڑا
الدین چونکہ مجاہد اعظم اور صلیبی جنگوں کا ہیرو ہے اس لئے اس کی برائی کر
زبان نہیں تھکتی۔ صلاح الدین نے شمالی افریقہ میں طرابلس اور برقہ پر قبضہ کے
روانہ کی اور اس میں کامیابی حاصل ہوئی تو مغربی مورخ نے لکھ دیا کہ مہم تو
مصروف رکھنے اور مال اکٹھا کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی۔

صلاح الدین نے توران شاہ کو سوڈان بھیجا تو انہوں نے لکھ مارا کہ صلاح الدین کو نور
دین کے لشکر سے بچنے کے لئے ایک محفوظ جائے پناہ چاہئے تھی اور سوڈان چونکہ قاہرہ
دور اور غیر آباد علاقہ تھا اس لئے اس نے فتح کرنے لشکر بھیجا گیا تھا توران شاہ واپس آیا
انہوں نے فوراً نکڑا لگایا کہ سوڈان ویران جگہ تھی اس لئے صلاح الدین نے اسے اپنی
گاہ نہیں بنایا عرض یہ کہ وہ صلاح الدین کی کسی مہم کو "جہاد" نہیں کہتے حالانکہ جہاد ہی
کا مقصد زندگی تھا اور اس کے لئے وہ بستر مرگ تک کوشاں رہا سلطان نور الدین زنگی کا
صلاح الدین کی طرف سے صاف ہو گیا تھا یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ سلطان نے مصلحتاً
ح الدین کی فتوحات اور جہاد کی اجازت دی تھی کیونکہ دونوں کے تصادم کی صورت میں
ی نہیں کہہ سکتا تھا کہ کس کو فتح حاصل ہو گی۔

مصر کے دارالحکومت کو مسلم فرمانرواؤں نے جنوب سے شمال مشرق کی طرف کئی بار
کر آباد کیا موجودہ دارالسلطنت قاہرہ کو قاہرہ بننے تک کئی مرحلوں اور ناموں سے گزرنا پڑا
ملک میں پہلا اسلامی دارالسلطنت الفسطاط تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ اسلامی
حکومت میں مصر کو مشہور دانشور اور سپہ سالار عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کے زمانہ
641ء میں فتح کیا تھا انہوں نے فسطاط کے مقام پر اپنی لشکر گاہ قائم کی تھی پھر جب
بن العاص' سکندریہ فتح کرنے چلے اور انکے لشکر نے خیمے اکھاڑنا شروع کئے تو انہیں بتایا
ایک خیمہ میں کبوتر نے انڈے دیئے اور ان سے بچے نکل آئے ہیں عمرو بن العاص نے
دیا کہ اس خیمہ کو بالکل نہ چھیڑا جائے چنانچہ لشکر روانہ ہو گیا اور وہ خیمہ اسی طرح
وہ رہا۔

جب عمرو بن العاص فتح سکندریہ سے واپس آئے تو خیمہ اس طرح موجود تھا خیمہ کو
میں فسطاط کہتے ہیں اس لئے عمرو بن العاص نے پھر وہیں قیام کیا اور ایک شہر آباد کیا
کا نام الفسطاط رکھا گیا۔

مصر کا دوسرا دارالسلطنت "الشکر" بنا الشکر کی بنیاد ایک عباسی جنرل نے 750ء میں
کیونکہ اس جنرل کے لشکر نے اس مقام پر قیام کیا تھا۔

پھر اس کے تقریباً" سوا سو سال بعد ابن طولون نے 869ء میں القطائی کو دارالسلطنت
جو شمال مشرق میں تھا یہ دارالسلطنت پورے سو سال تک قائم رہا اس کے ٹھیک ایک
بعد فاطمی خلافت قائم ہوئی اور فاطمی خلیفہ کے جنرل جوہر نے مصر کو فتح کیا فاطمیوں کا
اور صدر مقام قیروان میں تھا جوہر نے اپنے خلیفہ کی رہائش کے لئے ایک شہر آباد کیا

اور اس کا نام قاہرہ رکھا۔

قاہرہ کی بنیاد کے لئے ایک روایت بہت مشہور ہے جسے تاریخی حیثیت حاصل ہے روایت کچھ اس طرح ہے کہ 358ء یعنی 969ء میں فاطمی جنرل جوہر صقلی ۔ کے بعد 17 شعبان 358ء یوم سہ شنبہ یعنی فسطاط کی تعمیر سے 337ء سال بعد علو ۔لین عبدین کے لئے جدید شہر منصورہ المحصورہ کی بنیاد ایک زاغ صحرائی کے جنتر اشارہ پر رکھی جوہر نے یہ فیصلہ کیا تھا شہر کی بنیاد کے ساتھ دارالامارہ مدارس شفاخا مسجد دارلقضاء دغن کے سنگ بنیاد ایک ہی وقت میں رکھے جائیں گے اس کے لئے جھنڈیوں میں ڈوری باندھ کے گھنٹیاں لٹکا دی گئیں کہ ساعت مسعود پر جب گھنٹیا جائیں تو ہر جگہ سنگ بنیاد نصب کرنا شروع کر دیئے جائیں اس فیصلے کے مطابق مسعود پر جب گھنٹیاں بجیں تو سنگ بنیاد رکھنا شروع کر دیئے گئے تعمیر کا کام زور شروع ہو گیا فاطمی خلیفہ معزالدین اللہ کی آمد کے دن قریب آ رہے تھے اس عمارتیں وقت سے پہلے بن کر تیار ہو گئیں۔

کہتے ہیں جنرل جوہر صقلی مغموم تھا شائد اس کو یہ طریقہ پسند نہ آیا تھا یا جو طرح کی عمارتیں بنوانا چاہتا تھا اس میں کچھ کمی رہ گئی تھی اسے اس شہر کا مجوزہ منصورہ المحصورہ بھی پسند نہ تھا آخر جب فاطمی خلیفہ مصر پہنچا اور اپنے جنرل جوہر بنائے ہوئے دو محلوں میں سے ایک محل میں ٹھہرا تو اس نے زائچہ بنایا خلیفہ مفرا علم الافلاک اور علم نجوم کا ماہر تھا اس نے زائچہ دیکھ کر کہا کہ اس وقت آفتاب میں ہے اور سلطان فلک مریخ ہے جو قاہر آسمان ہے اس لئے شہر کا نام منصور الم بجائے قاہرہ رکھا جائے جو ہر صقلی یہ نام سنکر پھڑک اٹھا اور اس کی غمگینی ختم ہو طرح یہ نیا شہر منصورہ کے بجائے قاہرہ کے نام سے مشہور ہوا۔

مصر کی مشہور یونیورسٹی جو تمام عالم اسلام میں مشہور ہے یعنی جامعہ ازہر اس بھی اسی فاطمی جنرل نے رکھی تھی دراصل جوہر صقلی نے اس شہر کی بنیاد بغداد رکھی تھی اس نے شہر کے وسط میں دو محل بنوائے تھے فاطمی خلیفہ نے جب قا دارالخلافہ بنایا تو وہ ان میں سے ایک قصر جس کا نام قصر کبیر تھا میں رہنے لگا قصر آئندہ تمام فاطمی خلیفہ رہائش پذیر رہے تھے۔

تمام مشرقی حکمران فن تعمیر کا ذوق رکھتے تھے اور اس پر فخر بھی کرتے تھے صلا نے بھی فن تعمیر میں دلچسپی لی اس نے چاروں دارالحکومتوں کو ملانے کی کوشش انصاط العساکر القطائی اور قاہرہ کے گرد ایک فصیل بنانے کا منصوبہ بنایا تاکہ

الحکومت یکجا ہو جائیں اور یہ فصیل، فصیل شہر کا کام دے۔ اس لئے اس نے کوہ مقطم مغربی پہاڑیوں پر ایک قلعہ قصرالجبل کے نام سے تیار کرنے کا منصوبہ بنایا وہ چاہتا تھا کہ قلعہ حکومت کا مرکز اور ایک ایسی فوجی چھاؤنی بن جائے جو شہر کی نگرانی اور بیرونی دفاع کا م کر سکے صلاح الدین نے قلعہ تو بنا لیا لیکن پورا منصوبہ مکمل نہ ہو سکا۔

سوڈان کی مہم کے اگلے سال یعنی 1174ء کے آغاز میں صلاح الدین کے شیر دل ئی شمس الدولہ توران شاہ نے بھائی کے سامنے یمن پر فوج کشی کا منصوبہ پیش کیا پہلے ن کیا جا چکا ہے کہ قاہرہ میں ملک یمن کا ایک شاعر اور مورخ عمارہ رہتا تھا جس نے لاح الدین کے خلاف فاطمی شہزادوں اور سوڈانیوں کا ساتھ دیا تھا عمارہ نے اپنے ملک یمن زرخیزی خوشحالی اور خوبصورتی کے بارے میں بے شمار شعر کہے تھے ان اشعار کو صلاح ین اور توران شاہ نے بھی سنا تھا تورانشاہ کے دل میں یمن فتح کرنے کا خیال عمارہ کے عار سن کے ہی پیدا ہوا تھا۔

صلاح الدین نے بھائی کے منصوبہ پر غور کیا اور اسے اجازت دے دی توران شاہ نے ن کی مہم کے لئے زبردست تیاری کی پھر فروری 1174ء میں مکہ معظمہ کی طرف لشکر کر بڑھا صلاح الدین کی فتوحات اور اس کے بھائی بھتیجوں اور بیٹیوں کی بہادری کا شہرہ ے عرب میں پھیل چکا تھا جب توران شاہ کا عظیم لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو عرب کے مشہور سردار نے اس کا ایک منزل آگے بڑھ کر استقبال کیا توران شاہ اور عرب سردار لشکروں نے یمن پر بھرپور حملہ کیا یمنیوں نے بھی حتی الامکان مزاحمت کی مگر زیادہ دیر مزاحمت نہ کر سکے کچھ جھڑپوں اور ایک ایک جنگوں کے بعد توران شاہ نے زبید' جنید ن اور صفاء پر قبضہ کر لیا باقی قلعے بھی اسی سال فتح کر لئے گئے توران شاہ نے تائز کو الحکومت اور دو سال تک وہاں حکومت کر کے مصر لوٹ گیا۔

صلاح الدین ایک طرف دور دراز علاقوں میں فتوحات کے لئے لشکر بھیج رہا تھا دوسری ف مصر میں اس کے خلاف یکے بعد دیگرے سازشیں ہو رہی تھیں صلاح الدین کے ف جس قوم نے سب سے زیادہ بغاوتیں کیں وہ سوڈانی تھے جو شکست کھانے اور معافی نے کے بعد پھر نئے انداز سے سازش کرتے رہتے تھے صلاح الدین کے خلاف وہ سازش ت زبردست تھی جس کا سرغنہ شاعر عمارہ یمنی تھا عمارہ نے مصریوں' سوڈانیوں یروشلم کے شاہ ایمالرک اور شاہ صقلیہ کا تعاون حاصل کیا کسی کو دولت کا لالچ دیا کسی کو حکومت کا ے یہ ہوا کہ بحری اور بری دونوں جانب سے صلاح الدین پر وار کیا جائے سازش بڑی لامت تھی اگر خدانخواستہ سازش کامیاب ہو جاتی تو مصر کا نقشہ ہی بدل جاتا لیکن جس کو

الله رکھے اسے کون چکھے' قدرت کو صلاح الدین سے ابھی بہت بڑے بڑے کام لینا ۓ
کے دشمنوں کی ناکامی کے اسباب خود انہیں کے ہاتھوں پیدا کر دیئے۔

عمارہ کو شاہ صقلیہ اور شاہ یروشلم نے اپنی مدد کا پورا یقین دلایا تھا لیکن کہتے ہیں
کا دل کتنا' وہ اب بھی گھبرا رہا تھا اور چاہتا تھا کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں کا تعاون
ہو جائے چنانچہ اس نے ایک عالم دین کو اپنے اعتماد میں لینے کا فیصلہ کیا وہ خود عالم د
گھر گیا اور سازش کے تمام پہلو اس کے سامنے کھول کے رکھ دیئے عالم دین نے
اگر اس نے سازش میں شریک ہونے سے انکار کیا تو یہ لوگ اسے یقیناً" قتل کر د
اس نے سازش کو خوب سراہا اور اپنی طرف سے ہر تعاون کا وعدہ کیا اسے دکھانے
عالم دین نے کچھ ایسے کام بھی کئے جس سے سازشیوں کو یقین ہو گیا کہ عالم دین
سازش میں شریک ہے اور ہر قدم پر ساتھ دے گا۔

عالم دین نے انہیں دھوکے میں رکھا اور ایک رات دارالوزارت پہنچا اور وز
صلاح الدین کو پوری سازش سے آگاہ کر دیا صلاح الدین نے عالم دین کو تو حفاظت
کے گھر پہنچا دیا اور سازش کی اپنے طور پر تحقیق کی تو عالم دین کی باتوں کی تصدیق
اب صلاح الدین نے ایسا انتظام کیا کہ سازشیوں کے پورے گروہ کو اچانک چھاپہ
گرفتار کر لیا سازشیوں کو یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ ان کا راز کس نے طشت ازبام
صلاح الدین کے حکم سے ان تمام لوگوں کی گردنیں اڑا دی جو اس سازش میں شر
کچھ اور لوگ بھی گرفتار ہوئے تھے جن پر جرم ثابت نہ ہو سکا انہیں قتل تو نہیں کیا
وہ قاہرہ بدر کر دیئے گئے جلا وطن ہونے والوں میں مصری' سوڈانی اور کچھ ترکمان بھی

قاہرہ میں تو یہ ہوا ادھر شاہ یروشلم کو جب سازش کی ناکامی کا علم ہوا تو اس
لشکر کو مصر کی طرف کوچ کرنے سے روک دیا اس طرح وہ تو بچ گئے لیکن شاہ
سازش ناکام ہونے کی خبر نہ مل سکی اور اس نے 282 جہازوں کا ایک بحری بیڑہ سا
کی مدد کے لئے اسکندریہ روانہ کر دیا اسکندریہ پر یہ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ شہ
شدید مزاحمت کے باوجود صقلیہ کی فوج خشکی پر اتر گئی اور اس نے منجنیقوں اور دبابو
شہر کی دیوار پر حملے شروع کر دیئے اسکندریہ کی فوج کو حملہ آوروں کو پسپا کرنے
عرق ریزی کرنا پڑی بہرحال انہیں پسپا کر دیا گیا لیکن اسکندریہ والوں کا کافی نقص
دوسری صبح حملہ آوروں نے پھر زبردست حملہ کیا اور اپنی منجنیقوں اور دبابوں کو شہر
کے اور قریب لے آئے خوش قسمتی سے دوسرے دن فوج کو شہر والوں کی طرف مد
اور حملہ آوروں کو پھر پسپا کر دیا گیا تیسرے دن اسکندریہ والے سنبھل چکے تھے ز

ں نے پوری قوت لگا دی لیکن اسکندریہ کی فوج کو شہر سے اتنی مدد حاصل ہو گئی تھی
ں نے نہ صرف حملہ روک لیا بلکہ دوپہر کے بعد جوابی حملہ کیا حملہ آور کو جوابی حملے
قع نہ تھی انہیں یقیناً" حیرانی ہوئی ہو گی دوپہر سے شام تک شدید جنگ ہوتی رہی اور
علوم ہوتا تھا جیسے دونوں طرف کے لشکر نے زمین میں اپنے قدم گاڑ دیئے ہیں اور
انچ پیچھے نہیں ہٹتے ہیں۔

شام کے وقت اسکندریہ والوں کو غیبی مدد اس طرح حاصل ہوئی کہ وہ ہرکارہ جسے
ریہ سے وزیراعظم کے پاس قاہرہ بھیجا گیا تھا وہ اس خبر کے ساتھ واپس آیا کہ
ظم ایک لشکر کے ساتھ اسکندریہ کوچ کر چکے ہیں اور بس کسی دم پہنچنے والے ہیں اس
نے اسکندریہ کے محصورین میں جیسے روح پھونک دی انہوں نے سنبھل کے ایسا
ت حملہ کیا کہ دشمنکے پیر اکھڑ گئے اور سامان حرب چھوڑ کے پسپا ہونا شروع ہوا
ین نے حملہ آوروں کی منجنیقیں اور دبابے جلا دیئے اور انہیں بحر روم کی لہروں میں
یا صقلیہ والوں نے بھاگ کے جان بچائی اور جہازوں پر سوار ہو کے ایسے غائب
جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

اضح رہے کہ یہ باغیوں کی طرح سے اقتدار حاصل کرنے کی دوسری بڑی کوشش تھی
شش کا سرغنہ سوڈانی داروغہ محلات نجاح تھا اس نے بھی مصریوں اور شاہ یروشلم کو
لے کے اقتدار پر قبضہ کی کوشش کی تھی لیکن بہاء الدین قراقوش نے وزیراعظم کو اس
اکی اطلاع دے دی جس کے نتیجے میں کئی سردار معہ نجاح کے قتل کر دیئے گئے اس
سازش کوئی عملی قدم اٹھانے سے پہلے ختم کر دی گئی مگر اس دفعہ سازشیوں نے شاہ
کے علاوہ شاہ صقلیہ (سسلی) کو بھی سازش میں شریک کیا تھا مگر یہ سازش بھی ناکام ہو
سازش کے تمام کرتا دھرتا لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔

زنگی سلطنت کا خاتمہ

سلطان نور الدین زنگی کی وفات کا جس قدر غم کیا جائے وہ کم ہے۔ سلطان کی وفا
دنیا کی بے ثباتی کا ایک بین ثبوت ہے۔ مشہور ہے کہ ۶ مئی کو وہ احباب میں بیٹھا دنیا
ناپائیداری اور بے ثباتی پر بڑے فلسفیانہ انداز میں گفتگو کر رہا تھا اور اس کے صرف نو
بعد یعنی ۱۵ مئی ۱۱۷۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملا اور اپنے پیچھے بے ثباتی عالم کی مثا
چھوڑ گیا۔ سلطان صرف مسلمانان عالم ہی میں محبوب نہ تھا بلکہ اس کے سخت مخالفین ا
یورپی مورخین بھی اس کے صفات کی تعریف کرتے ہیں۔

ولیم آف ٹائمز کہتا ہے :۔

"نور الدین منصف مزاج، دانشمند اور دیندار
شہزادہ تھا لیکن نصرانیوں کے معاملہ میں سخت کوش اور جابر تھا۔"

تاریخ اسلام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد صرف
حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سوا سلطان نور الدین زنگی اس وقت کے تمام مسلم حکمرانوں
عظیم تھا۔ عباسیوں کی عظیم سلطنت جب مفاد پرستی، خودغرضی اور عیش و عشرت کے سب
کمزور ہوئی تو پہلے آل جویہ نے مسلمانوں کی عظمت کو سنبھالا دیا پھر آل سلجوق برسراقتد
آئے پھر جب ملک شاہ سلجوق کے بعد سلجوقی شہزادوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو ایک
خاندان میدان سیاست میں ابھرا۔ یہ خاندان دراصل سلجوقی دربار کے غلاموں کا تھا
اتابک کے نام سے مشہور ہوئے۔

ان غلاموں میں ایک غلام نے خوارزم شاہی سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کے بادشاہ علا
الدین خوارزم شاہ اور منگول حملہ آور چنگیز خان میں جنگ ہوئی تھی۔ ایک دوسرے غلا
عماد الدین زنگی نے موصل میں ایک حکومت کی بنیاد ڈالی۔ امیر عماد الدین نے صلیبی جنگو

یں نام پیدا کیا تھا پھر اس کے بیٹے سلطان نور الدین زنگی نے نصرانیوں کو ناکوں چنے
بوائے۔ عماد الدین زنگی کے قتل پر زنگی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ موصل میں
اد الدین زنگی کے بڑے بیٹے سیف الدین غازی نے حکومت بنائی اور حلب کو دارالسلطنت
ا کر نور الدین زنگی نے حکومت قائم کی جو آگے چلی موصل کی حکومت سے بہت آگے نکل
ئی کیونکہ نور الدین زنگی نے دمشق فتح کر کے ملک شام کی سب سے بڑی حکومت بنالی
ی۔

نورالدین باوجود ایک بڑی حکومت کا سلطان ہونے کے اپنی ذاتی زندگی میں بڑا قانع اور
فایت شعار تھا۔ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ نورالدین نے حکومت کے بیت المال
ے ایک پیسہ نہیں لیا۔ اس سلسلے میں نورالدین اور اس کی بیوی جو سلطانہ کہلاتی تھی کے
میان ایک موقعہ پر مکالمہ ہوا وہ قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لئے تحریر کیا جاتا
ہے۔

سلطان دمشق کے قصر کبیر میں رہتا تھا لیکن اس کی بیگم کی یہ حالت تھی کہ اس کے
ا چار جوڑے کپڑوں کے علاوہ پانچواں جوڑا نہ تھا۔ کسی تقریب کے موقعہ پر بیگم نے
بت عاجزی سے سلطان سے عرض کیا۔ "جہاں پناہ اگر تقریب میں پہننے کے لئے دو
ے کپڑے بنوانے کا حکم صادر فرمایا جائے تو عین نوازش ہوگی۔؟"

نورالدین نے ذرا توقف کے بعد کیا۔ "بیگم، چار پانچ ماہ پہلے تم نے دو جوڑے بنوائے
، وہ کیا ہوئے؟"

بیگم نے تنک کے جواب دیا۔ "میں نے وہ دو جوڑے اس وقت بنوائے تھے جب پچھلے
ے پھٹ کے چیتھڑے ہو گئے تھے۔ آخر میں ملک شام کی ملکہ ہوں۔ مجھے سلطانہ کہا
ہے۔ عام دنوں میں نہ سہی لیکن تقریب کے موقعہ پر تو مجھے نیا جوڑا پہننا چاہیے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ میری آمدنی محدود ہے۔ اسی میں سب کچھ کرنا پڑتا
" سلطان نے متانت سے جواب دیا۔

سلطانہ کو اور زیادہ طیش آیا۔ اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "آخر آپ دن رات محنت
تے ہیں۔ جنگ میں فوج کے آگے چلتے ہیں تو کیا اتنے بڑے شاہی خزانے پر میرا کوئی حق
؟"

بیگم۔ تمہارے سوچنے کا یہ انداز غلط ہے" سلطان نے سرزنش یا سمجھانے کے انداز
کہا۔ "شاہی خزانہ پر نہ تمہارا حق ہے اور نہ میرا۔ یہ تو ضرورت مند مسلمانوں کا بیت
مال ہے۔ اسے صرف ملک کی حفاظت یا رعایا کی بھلائی پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔"

"پھر میں اپنی ضرورتیں کہاں سے پوری کروں۔" بیگم لاجواب ہو کے بولی۔ "کیا سلط
یہ پسند فرمائیں گے کہ میں اپنے اخراجات کے لئے اپنے میکے سے خرچ منگواؤں۔"

"خدا کا شکر ادا کرو بیگم۔" سلطان نے پرخلوص لہجے میں کہا۔ "ہم بیت المال سے
جو ماہانہ لیتے ہیں اس سے ہماری گزر بسر ہوتی ہے۔ ہاں اگر تمہیں رقم کی ضرورت ہے
میں فرمان جاری کئے دیتا ہوں کہ حمص میں میری ذاتی ملکیت میں جو تین دکانیں ہیں ا
سالانہ کرایہ تمہیں دیا جایا کرے۔"

بیگم چڑ گئی۔ بولی' "عالیجاہ۔ مجھ پر مہربانی کی ضرورت نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ
دکانوں کا سال بھر کا کرایہ صرف دو دینار ہوتا ہے۔ میں اس بخشش کو شکریہ کے سا
نامنظور کرتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ میں رعایا کی امانت
ہاتھ لگانے سے مجبور ہوں۔" سلطان نے صاف جواب دیدیا۔

اس چھوٹے سے واقعہ سے سلطان نور الدین زنگی کی زندگی گزارنے کا انداز ظاہ
ہے۔ بیت المال کے اس خزانے سے ہی اس نے اتنا بڑا لشکر تیار کیا تھا جو نصرانیو
آنکھیں دکھاتا تھا۔ اسی بیت المال سے اس نے اسد الدین شیرکوہ کو ایک لاکھ دینار د
ایک عظیم لشکر مصر کی فتح کے لئے روانہ کیا تھا۔ یہ ایک لاکھ کا خرچ تو لشکر کے اخرا
کے لئے تھا اس کے علاوہ اس نے ہر لشکری کو بیس بیس دینار اس کے ذاتی خرچ کے
عطا کئے تھے۔ بہرحال یہ سلطان نور الدین کی کفایت شعاری یا دوراندیشی تھی جس کے
مصر فتح ہوا۔ نصرانیوں کو نہ صرف بلبیس اور اسکندریہ میں ہزیمت اٹھانا پڑی بلکہ جب
صقلیہ نے ۲۸۲ جہازوں کے بحری بیڑے سے اسکندریہ پر چڑھائی کی تو انہیں منہ کی کھا
اور پھر وہ ایک زمانہ تک مقابلہ میں نہ آسکے۔

بلاشبہ سلطان نور الدین زنگی ایک شجاع اور نیک دل و نیک طبیعت انسان تھا۔ ا
ساری زندگی صلیبی محاربات میں گزری۔ جہاں تک اس کی دینداری کا تعلق ہے تو ا
لئے وہ واقعہ ایک ثبوت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جب اسے خواب میں حضو
اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور حضورؐ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہو
کہ اے نورالدین تو آرام سے سو رہا ہے اور مجھے یہ دو کافر تکلیف دے رہے ہیں
کی تفصیل یہ ہے کہ یہودیوں اور نصرانیوں نے سازش کی کہ کسی طرح مسلمانوں کے
حضرت محمد رسول اللہ کے جسد مبارک کو مدینہ سے غائب کردیا جائے تاکہ مسلما
مرکزیت کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے لئے انہوں نے دو ایسے عیسائیوں کا انتخاب کیا

ے اچھی طرح واقف تھے اور ان کی صورت و شکل بھی عربوں سے ملتی تھی۔
ن دونوں کو پورا منصوبہ ذہن نشین کرا کر مدینہ بھیج دیا گیا۔ انہوں نے روضہ مبارک
ر کے باہر کی طرف ایک مکان کرایہ پر لیا اور اس مکان کے ایک کمرے سے سرنگ
شروع کی۔ سرنگ کی کھدائی سے جو مٹی نکلتی تھی اسے وہ تھیلوں میں بھر کے صبح کو
ے نکل جاتے تھے پھر مٹی کو ٹھکانے لگانے کے بعد تمام دن روضہ مبارک پر مشکیں
زائرین کو پانی پلاتے تھے۔ اس طرح انہوں نے لوگوں کا اعتماد حاصل کرلیا تھا۔ ادھر
ن تین راتوں تک برابر حضورؐ کو دیکھتا تھا اور ہر بار حضورؐ دو آدمیوں کی طرف اشارہ
ہی کہتے تھے کہ یہ دونوں مجھے تکلیف پہنچا رہے ہیں۔

سرے دن نورالدین زنگی شیرکوہ اور چند سواروں کو لے کر مدینہ چل پڑا۔ حاکم حجاز کو
کے آنے کی خبر ہوئی تو دوڑا ہوا آیا۔ سلطان نے حاکم کو حکم دیا کہ مدینہ کے تمام
کو ہمارے سامنے سے گزارا جائے۔ حاکم اس حکم کو نہ سمجھ سکا اس نے حکم پر فوراً
ا اور ڈگی پٹوائی کہ مدینہ کا ہر مرد حاکم حجاز کے محل کے دروازے کے سامنے سے
ے اور سلطان دمشق نور الدین زنگی کے دیدار سے فیضیاب ہو۔ حکم کی دیر تھی کہ
ے لوگ سلطان کے دیدار کو گھروں سے نکل پڑے۔ صدر دروازے پر سلطان کے
ت بچھایا گیا اور حاکم حجاز کے لئے سلطان کے تخت کے برابر ایک مسند لگا دی گئی لیکن
جاز نے سلطان کے احترام میں مسند پر بیٹھنے کی بجائے سلطان کے تخت کے ساتھ
، ہونے کو ترجیح دی۔

ک قطار باندھ کر سلطان کے سامنے سے گزرنے لگے۔ سلطان ہر شخص کو بغور دیکھتا
ں تک کہ سب لوگ اس کے سامنے سے گزر گئے۔ سلطان بڑا مایوس ہوا اس نے
ے پوچھا کہ کیا تمام مدینہ والے سامنے سے گزر گئے یا کوئی باقی ہے۔ حاکم نے جواب
تمام لوگ دیدار سے فیضیاب ہو چکے ہیں سوائے ان دو بزرگوں کے جو نماز فجر کے بعد
وی میں ٹھہر جاتے ہیں اور شام تک مشکوں سے زائرین کو پانی پلاتے رہتے ہیں۔
نے حکم دیا کہ انہیں بھی پیش کیا جائے۔ حاکم مدینہ نے ان کی بزرگی اور دینداری کی
شروع کردی لیکن سلطان نے سختی سے حکم دیا کہ انہیں فوراً حضور میں پیش کیا

اکم مدینہ خود کچھ آدمی لے کر مسجد نبوی پہنچا اور ان سے بڑی عاجزی سے کہا کہ وہ
لطان دمشق کے دیدار کو چلیں انہوں نے بہانے تراشنا شروع کئے پھر آنا کانی کرنے
حاکم مدینہ کو تو حکم مل چکا تھا کہ انہیں پیش کیا جائے چنانچہ وہ انہیں سمجھا بجھا کر خلیفہ

کے حضور لے گیا۔

سلطان نورالدین زنگی کی نظر ان پر پڑی تو وہ چیخ اٹھا کہ ان دونوں نفتیول
گرفتار کیا جائے۔ حکم سلطان، کون انکار کر سکتا تھا۔ دونوں گرفتار ہوئے۔ سلطا
ساتھ لے کر ان کے گھر گیا۔ ان کا گھر مسجد نبوی کے پچھواڑے تھا۔ گھر کی تلا
سوائے چند کھانے کے برتنوں اور کچھ برآمد نہ ہوا۔ ایک کمرہ جو مسجد نبوی کی
ساتھ بنا ہوا تھا اس میں ایک لانبی چٹائی بچھی تھی۔ چٹائی ہٹائی گئی تو اس کے نی
ایک لمبا چوڑا تختہ بچھا ہوا تھا۔ اس تختہ کو ہٹایا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے نیچے
سرنگ ہے۔ کئی آدمی سرنگ میں اترے اور شمعیں ہاتھ میں لئے دور تک چلے گئے۔

سرنگ کو ناپا گیا تو معلوم ہوا کہ سرنگ حضورؐ کے روضہ اقدس کے نیچے تک
اگر ایک دو دن اور پتہ نہ چلتا تو نصرانی لعنتی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ سا
پوچھنے پر انہوں نے جرم کا اقبال کر لیا۔ سلطان نے انہیں سولی پر چڑھوا دیا۔ سا
الدین زنگی اس واقعہ کو بڑی عقیدت سے بیان کرتا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی
حضور صلی وسلم نے تین شب تک مسلسل خواب میں اپنے دیدار سے مشرف کیا تھا۔

سلطان نور الدین زنگی کی وفات پر صلیبیوں اور خاص کر شاہ یروشلم اور شاہ
خوب بغلیں بجائیں کیونکہ یہ دونوں بادشاہ سلطان دمشق سے بالواسطہ شکست کھا چ
ان کا خیال تھا کہ سلطان نورالدین زنگی کے انتقال سے شام کی زبردست سلطنت زو
ہو جائے گی اس لئے کہ سلطان کا لڑکا ابھی کمسن تھا اور اتنی بڑی سلطنت کو نہیں
سکتا تھا۔ یورپ کے بادشاہوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ مسلمانوں کو کمزور دیکھتے
مذہبی جنگ کا ڈول ڈالتے تھے۔ اس مذہبی جنگ کو صلیبی جنگ کا نام دیا جاتا تھا۔
سلطان نورالدین زنگی کے انتقال کرتے ہی شاہ یروشلم نے یورپ کے نصرانی بادشا
صلیبی جنگ کے لئے تیار رہنے کی اصلاع دی۔

عیسائیوں کی یہ پہلی کوشش نہ تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کو (حاکم بدہن) مٹا
لئے وہ پہلے بھی بھرپور کوشش کر چکے تھے۔ چنانچہ ۴۸۹ھ (۱۹۰۶ء) میں عیسائیوں نے م
کے خلاف پہلی صلیبی جنگ لڑی تھی۔ اس کی کیفیت یہ تھی کہ یورپ کا متحدہ لشک
ہوا تو لشکر کے آگے آگے سونے کی صلیب اٹھائے راہب چل رہا تھا۔ یہ لشکر لوٹ
اور ہنگری اور برطانیہ کے لوگوں سے لڑتا جھگڑتا ایشیائی کوچک میں داخل ہوا۔ ایشیا کو
حکمران سلطان قلیج ارسلان اور قونیہ اس کا دارالسلطنت تھا۔ سلجوقی سلطان اپنے لش
ساتھ یورپ کے متحدہ لشکر کے سامنے صف آرا ہوا۔ ایک زبردست جنگ ہوئی جس

ن ارسلان اور اس کے لشکریوں نے اپنی شجاعت اور بہادری کے جھنڈے گاڑ دیئے۔
لشکر کو اس قدر زبردست شکست ہوئی کہ ایک بیان کے مطابق ان کا کوئی فوجی میدان
ے جان بچا کر نہ بھاگ سکا اور سب کے سب قتل ہو گئے۔

دوسری صلیبی جنگ ۵۴۲ھ میں لڑی گئی۔ اس مرتبہ سلطان نورالدین زنگی نے نصرانیوں
خواب، چکنا چور کر دیئے۔ "الرہا" جسے نصرانیوں نے پہلے فتح کر لیا تھا اسے سلطان
دین زنگی نے چند ہزار سپاہیوں کے ساتھ حملہ کر کے ان سے چھین لیا۔ انہوں نے
بار پھر پاپائے روم سے فریاد کی اور یہ التجا کی کہ ایشیا کے عیسائیوں کی مدد کے لئے
کے بڑے بڑے ممالک کا لشکر بھیجا جائے۔ پاپائے روم عیسائیوں کا سب سے بڑا پیشوا
ہے۔ پاپائے روم نے یورپ کے تمام شاہوں کو حکم دیا کہ وہ صلیبی جنگ کے لئے اپنی
وج روانہ کریں۔ انطاکیہ، فرانس، جرمنی، آسٹریا اور انگلستان وغیرہ کے لشکر شاہ یروشلم
رد کو چل پڑے۔ یہ لشکر بڑھتے ہوئے دمشق کے قریب پہنچ گئے۔ ان کا ارادہ
لطنت دمشق پر قبضہ کر کے سلطان نورالدین زنگی کی طاقت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کرنا
لطان نورالدین زنگی ذرا نہ گھبرایا اور مقابلہ پر ڈٹ گیا۔ شاہ فرانس لوئس ہفتم اور شاہ
کونراؤ نے بہت زور مارا مگر ان کی ایک نہ چلی اور وہ منہ کی کھا کر واپس ہو گئے۔

۱۱۷۴ء کا سال صرف مسلمانوں پر برق بن کر نہیں گرا بلکہ اس نے شام کی سب سے
نصرانی سلطنت یروشلم کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ مئی کے مہینے میں سلطان نور الدین کا انتقال
اور اس کے صرف دو ماہ بعد یعنی جولائی ۱۱۷۴ء میں ایمالرک شاہ یروشلم بھی اس دنیا
اٹھ گیا۔ بلاشبہ ایمالرک نصرانیوں کا ایک ذہین اور بہادر بادشاہ تھا۔ اس نے مصر سے
الدین کے قدم اکھاڑنے کے لئے کئی جتن کئے لیکن صلاح الدین اس سے کہیں زیادہ
اور شجاعت کا مالک تھا اس لئے ایمالرک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جس
سلطان نور الدین زنگی نے اپنا کوئی جانشین نہ چھوڑا تھا اسی طرح شاہ یروشلم کا بھی
مناسب جانشین نہ ہو سکا۔ ایمالرک کے مرنے کے بعد بالڈون تخت یروشلم پر بیٹھا۔
ی عمر اس وقت تیرہ سال کی تھی اور بعض مورخوں کے مطابق بالڈون کوڑھ کا مریض
تھا۔ اس لئے ریمنڈ آف طرابلس اس کا سرپرست اعلیٰ بن گیا۔

ان حالات میں اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت دمشق اور یروشلم دونوں کے تخت خالی
کچھ غلط نہ ہوگا اور یہ بات بھی غلط نہ ہوگی کہ اگر صلاح الدین یروشلم کے بگڑے
حالات سے فائدہ اٹھانا چاہتا تو اس کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ صلاح الدین کے
بہترین اور آزمودہ کار لشکر تھا۔ اگر وہ یروشلم کا رخ کرتا تو کسی میں ہمت نہ تھی کہ وہ

اس کا راستہ روکتا۔ لیکن صلاح الدین نے کمزور ہمسایہ پر ہاتھ اٹھانا مردانگی کے خلا
اور یروشلم کے حالات سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ صلاح الدین د
معاملات میں بھی دخل دینا نہیں چاہتا تھا لیکن سلطنت دمشق کے حالات دو ماہ کے ا
اس قدر دگرگوں ہو گئے کہ اگر صلاح الدین اس طرف توجہ نہ کرتا تو خود اس کے
استاد نور الدین زنگی کی عظیم سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی
صلاح الدین نے پھر بھی تحمل کا ثبوت دیا۔ مرحوم سلطان کا جانشین صالح اسمٰعیل
گیارہ سال کا تھا۔ اس کی عمر سے فائدہ اٹھا کر ایک امیر شمس الدین ابن مقدم
سرپرست اور کار پرداز سلطنت بن بیٹھا مگر دوسرے امرائے نوریہ بگڑ بیٹھے جس کا نتیج
کہ زنگی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔

سلطان نور الدین کا بھتیجا سیف الدین جو موصل کا والی تھا۔ اس نے الجزیر
کرلیا۔ اس دوران موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دوسرا امیر سعد الدین بن
دمشق کے کمسن بادشاہ صالح اسمٰعیل کو لے کر حلب پہنچا۔ اس نے امیر الامرا شمس
ابن دایہ اور حلب کے دوسرے اتابکی امرا کو گرفتار کرلیا اور حکومت کی باگ دوڑ ا
میں لے لی۔ شمس الدین ابن مقدم دمشق میں رہ گیا تھا۔ اس نے جوش انتقام می
الدین والی موصل کو دمشق آنے کی دعوت دیدی مگر سیف الدین موصل چھوڑ کے
آمادہ نہ ہوا۔

نورالدین کے دوسرے امرا یہ افراتفری اور طوائف الملوکی دیکھتے اور دل ہی
کڑھتے تھے آخر وہ سب ایک جگہ اکٹھا ہوئے اور یہ صلاح ٹھہری کہ امیر صلاح ا
مصر سے بلایا جائے کیونکہ ان کے خیال میں سلطنت دمشق کو صرف صلاح الدین ہی
تھا۔ انہوں نے صلاح الدین کو خط لکھا کہ اگر آپ دمشق کی عظیم سلطنت کو حاسد
مفاد پرستوں سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو قاہرہ سے فوراً دمشق روانہ ہو جائے ورنہ
اور خودغرض امرا مسلمانوں کی ہڈیوں پر قائم ہونے والی اس سلطنت کو سینکڑوں حصو
تقسیم کردیں گے۔

صلاح الدین کو جب یہ خط ملا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے دل میں نورالدین
اولاد کا بڑا احترام تھا۔ وہ دمشق کو فتح نہ کرنا چاہتا تھا لیکن دمشق کے حالات واقعی اب
پہنچ چکے تھے کہ اگر وہ بھی اس موقعہ پر خاموش رہتا تو وہی کچھ ہو سکتا تھا جس کا ذکر
کیا گیا تھا۔ صلاح الدین نے پھر بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور دمشق روا
پہلے امرائے نوریہ کو ان کی حرکتوں سے باز رکھنے کے لئے ایک بار دمشق میں ایک خ

جس کا مضمون اس طرح تھا:---

الصالح اسمٰعیل بن سلطان نور الدین زنگی
اور تمام امرائے نوریہ کے نام امیر
صلاح الدین بن نجم الدین ایوب
وزیراعظم مصر کا کھلا ہوا خط

میں صلاح الدین ولد نجم الدین وزیراعظم مصر سب سے پہلے اپنے مرحوم مربی سلطان
ین کے فرزند ولی ہند الصالح اسمٰعیل اور امرائے نوریہ مقیم دمشق اور ملک شام کو تاج
ت دمشق کے ساتھ پورے خلوص سے اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلاتا ہوں پھر حکم
وں کہ "الصالح بن نورالدین" کا نام خطبہ میں شامل اور سکو ن پر کندہ کیا جائے۔
اس حکم کے بعد امرائے نوریہ کو متنبہ کرتا ہوں کہ ان کے رشک و رقابت نے
ت کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اگر سلطان نورالدین تم سے کسی کو بھی میری جگہ مقرر
ے کے قابل سمجھتے یا پھر کسی پر میری طرح اعتماد کرتے ہوتے تو وہ اسے مصر کی گورنری
ور مامور کرتے کیونکہ مصر سلطنت دمشق کا اہم ترین علاقہ تھا۔ اب ان کا اچانک
ہو گیا ورنہ وہ اپنے بیٹے کا سرپرست اور اتالیق سوائے میرے اور کسی دوسرے کو نہ
۔ مجھے یہ سن کر سخت تکلیف ہوئی ہے کہ تم میرے آقا اور ولی نعمت کے بیٹے کی
تی کا غلط دعوی کر رہے ہو۔ یہ خیال رہے کہ میں بہت جلد دمشق پہنچ کر الصالح بن
دین کی وفاداری کا حلف اٹھاؤں گا اور سلطان مرحوم کے احسانات کا اپنی خدمت سے
ملہ دوں گا جو تاریخ میں یادگار رہے گا اور تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے کردار کے
ق سلوک کروں گا خاص کر ان امرا کو ضرور پیش نظر رکھوں گا جنھوں نے سلطنت کے
کو نظرانداز کیا ہے۔"

صلاح الدین کا خیال تھا کہ اس کے اس حکم نامہ یا تادیبی خط کا خاطر خواہ اثر ہوگا
دمشق اور شام کے دوسرے علاقوں کے والیوں اور امرا پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔
ل کا شہزادہ سیف الدین ایک ایک کر کے شام کے شہروں کو دباتا رہا اور دمشق کے امرا
دبائے بیٹھے رہے۔ ان کے خیال میں مصر کا صلاح الدین اور موصل کا سیف الدین
ل طور پر ان کے دشمن تھے۔ ان دونوں سے نجات کا انہوں نے یہ طریقہ نکالا کہ
انے رشوت دے کر فرنکس (نصرانی) سے صلح کرلی۔ یہ اسی قسم کی ساز باز تھی جیسی
ا کے ایک وزیر انز نے کی تھی۔ امیر صلاح الدین کو جب اس ساز باز کی خبر ملی تو اسے
کے سوا باقی تمام امرائے نوریہ سے نفرت ہوگئی۔

یہی وہ موقعہ تھا جب امیر سعد الدین بن کمشتگین' الملک الصالح اسمٰعیل کو د
بہلا پھسلا کے حلب لے گیا تھا۔ اس خبر نے صلاح الدین کو اس قدر بے چین کر
میں مزید انتظار کا مادہ نہ رہا۔ اس نے اپنے اس خط کے رد عمل کا بھی انتظار نہ کر
نے دمشق کے دربار میں بھیجا تھا۔ صلاح الدین نے سلطنت مصر کا انتظام اپنے بھا
حوالے کیا اور صرف سات سو چیدہ سواروں کو لے کر دمشق چل پڑا۔ نصرانی سلطنت
کی اگرچہ خود بھی کچھ اچھی حالت نہ تھی مگر مسلمانوں سے جو انہیں ازلی بغض تھا
پر انہوں نے دمشق کے راستے میں انکو روکنے کا فوری منصوبہ بنایا اور یروشلم کا لشکر ق
پر فوراً" پہنچ گیا۔ قلعہ کرک' شام اور دمشق کے راستے پر تھا۔ صلاح الدین نے اس
محاصرہ بھی کیا تھا لیکن اپنے والد نجم الدین کے گھوڑے سے گرنے کی خبر پاکر اسے
محاصرہ اٹھا کر قاہرہ واپس جانا پڑا تھا۔

یروشلم نے قلعہ کرک پر لشکر بھیج کر صلاح الدین کو زچ کرنے کی ایک اچھ
عملی اختیار کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ صلاح الدین قلعہ کرک کے ساتھ جا
راستے سے گزرے گا اور یروشلم کا لشکر صلاح الدین کو اس ریگستانی علاقے میں کچھ
حد تک پریشان کرسکے گا۔ لیکن صلاح الدین نصرانیوں سے کہیں زیادہ دوراندیش
نصرانی جاسوسوں نے یروشلم میں صلاح الدین کی روانگی کی خبر پہنچا دی تھی تو صلا
کے جاسوسوں نے بھی قاہرہ میں یہ اطلاع دی تھی کہ یروشلم کا لشکر قلعہ کرک پر
ہے۔ پس صلاح الدین نے قاہرہ سے روانگی کے وقت تو یہ اطلاع دی تھی کہ یرو
قلعہ کرک پر جمع ہو گیا ہے۔ پس صلاح الدین نے قاہرہ سے روانگی کے وقت تو
راستہ اختیار کیا جو قلعہ کرک ہو کر گزرتا تھا لیکن رات کے اندھیرے میں اس
تبدیل کردیا اور اس ریگستانی علاقے پر چل پڑا جس راستے سے اس کے جاسوس د
قاہرہ اور قاہرہ سے دمشق آتے جاتے رہے تھے۔

صلاح الدین کی اس حکمت عملی نے نصرانیوں کا سارا منصوبہ خاک میں
نصرانیوں کے جاسوس سوار راستے کے اردگرد دور دور تک صلاح الدین کے لشکر
کرتے رہے مگر اس کا انہیں کوئی نشان نہیں ملا پھر جب انہیں پانچویں دن اطلا
قاہرہ کا لشکر راستہ کاٹ کر کرک سے بہت آگے نکل چکا ہے تو وہ اپنا منہ پیٹ کر
ادھر صلاح الدین اپنے سات سو سواروں کے ساتھ دمشق پہنچ گیا۔

امیر صلاح الدین کے داخلے کے وقت دمشق میں سوائے شمس الدین ابن

اور کوئی قابل ذکر امیر موجود نہ تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ تمام امرائے نوریہ دمشق چھوڑ کے
چلے گئے تھے۔ صلاح الدین کے ہمدرد اور حمایتی امراء اس وقت بھی دمشق میں موجود تھے
مگر یہ امرا دوسروں کی طرح مفاد پرست نہیں تھے۔ وہ سلطنت دمشق کو مضبوط دیکھنے کے
خواہشمند تھے اور اسی لئے انہوں نے صلاح الدین کو مصر آنے کی دعوت دی تھی۔ سلطان
نورالدین زنگی کے انتقال کے وقت شمس الدین ابن مقدم سب امیروں پر حاوی تھا اس لئے
وہ زبردستی شہزادے ملک الصالح اسمٰعیل کا سرپرست بن بیٹھا اور کار سلطنت سنبھال لیا۔
لیکن کچھ دنوں بعد دوسرے امیر سعدالدین بن کمشتگین نے کمسن شہزادے کو ابن مقدم کے
خلاف ورغلایا اور شاہی محل کی کنیزوں اور غلاموں کی مدد سے شہزادے کو حلب لے کے چلتا
بنا۔ ابن مقدم اور اس کے ساتھیوں میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ شہزادے کو حلب سے
واپس لاسکتے۔ چنانچہ وہ صرف دمشق پر قناعت کر کے بیٹھ گئے۔

ابن مقدم کو صلاح الدین کے آنے کی خبر مل گئی تھی۔ دمشق میں کچھ فوج بھی تھی۔
ابن مقدم نے فوج کے سپہ سالار کو اپنے پاس بلانے کے بجائے خود اس کے پاس جانا
مناسب سمجھا۔ شامی لشکر انتشار کا شکار ہوگیا تھا۔ مرکزی فوج کے کئی حصے بکھرے ہو گئے
تھے۔ تھوڑی فوج سعد الدین بن کمشتگین کے ساتھ حلب چلی گئی تھی۔ کچھ دستے موصل چلے
گئے۔ بہت سے فوجیوں نے سلطان نورالدین کے انتقال کے بعد فوجی ملازمت چھوڑ دی تھی
اور دوسرے پیشے اختیار کرلئے تھے۔ دمشق میں جو فوج تھی وہ اگرچہ ابن مقدم کے زیر
کمان تھی اور اس کا سپہ سالار جسے خود ابن مقدم نے مقرر کیا تھا۔ وہ اگرچہ ابن مقدم کا
احسان مند تھا مگر ہوا کا رخ بدل چکا تھا اور امیر صلاح الدین کے دمشق پہنچنے کی خبروں نے
دمشق کی بساط سیاست کو الٹ کر رکھ دیا تھا۔

ابن مقدم جب فوجی چھاؤنی میں پہنچا تو دمشق کے سپہ سالار نے اس کا استقبال بڑا
سردمہری سے کیا۔ ابن مقدم نے فوراً" اندازہ کرلیا کہ فوج بھی صلاح الدین کی آمد کی خبر
سے متاثر ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن مقدم نے گفتگو میں خود پہل کی۔

ابن مقدم نے نہایت نرم اور دوستانہ لہجے میں کہا۔ "سالار دمشق کو معلوم ہو چکا ہوگا
کہ امیر صلاح الدین مصر کی حکومت اپنے بھائی بھتیجوں کے حوالے کر کے دمشق کی ہرنگی
حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے ایک عظیم لشکر کے ساتھ دمشق کی طرف بڑھ رہا ہے؟"

"امیر ابن مقدم کا خیال درست ہے" سالار نے بیدلی سے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ
امیر صلاح الدین دمشق تشریف لا رہے ہیں۔"

سالار کے اس جواب سے ابن مقدم کا دل بجھ گیا۔ پھر بھی اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

"کیا سپہ سالار کے خیال میں صلاح الدین کا دمشق آنا سلطنت دمشق سے غ
مترادف نہیں؟"

"اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں" سپہ سالار کا رویہ سرد تھا۔ "یہ تو اق
کرنے کا مسئلہ ہے اس کا جواب اقتدار کے حقدار ہی دے سکتے ہیں۔"

ابن مقدم کو پھر بھی کوئی کامیابی کی صورت نہ نظر آئی۔ اس نے بات گھما کر
"میں نے حقدار شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل کو جانشین مقرر کیا تھا۔ کیا آپ کے
شہزادہ ملک الصالح سلطنت دمشق کا جائز حقدار نہیں؟"

"ضرور ہے۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔" سپہ سالار نے مختصر سا جواب د
"امیر صلاح الدین دمشق کے صحیح وارث کا حق چھیننے آرہا ہے۔ اس لئے
ہے۔" سپہ سالار نے جرح کے انداز میں کہا۔

"یہ بات میں اور آپ نہیں کرسکتے۔ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ کسی کو غدار
کہیں۔ ہم تخت و تاج دمشق کے غلام ہیں اور ہماری وفاداری تخت و تاج دمشق
ہے۔" سپہ سالار نے ایک معقول بات کہہ کر امیر ابن مقدم کے خیالات تبدیل
کوشش کی۔

ابن مقدم مایوس ہو کے بولا۔ "تو کیا آپ دمشق کو بغیر جنگ کے صلاح ال
حوالے کردیں گے؟"

"ایسے موقعہ پر ہر بات ممکن ہے امیر ابن مقدم" سپہ سالار نے ٹکا سا جواب
"جہاں تک امیر صلاح الدین کے دمشق شہر میں داخلے کا تعلق ہے۔ اس کی
مزاحمت نہیں کریں گے۔ دمشق کی تمام شاہی فوج قلعہ دمشق میں جمع ہو چکی ہے۔
حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہم امیر صلاح الدین سے جنگ نہیں چاہتے لیکن یہ
کہ دمشق کا قلعہ امیر صلاح الدین کے حوالے اس وقت تک نہیں کیا جائے گا ج
ہم امیر موصوف سے بعض ضمانتیں اور وضاحتیں نہ حاصل کرلیں۔"

امیر ابن مقدم کی امید کا آخری ستارہ بھی ٹوٹ گیا۔ اب اسے اپنی فکر پڑ گ
نے بڑی امید سے کہا۔ "کیا میں امید کروں کہ سپہ سالار مجھے بھی قلعہ میں رہنے کی
عطا فرمائیں گے۔"

"ضرور ضرور ۔۔" سپہ سالار نے اسے یقین دلایا۔ "آپ آخر ایک معزز امیر ہ
آپ سلطان مرحوم کے جانشین شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل کے سرپرست رہ چکے ہیں۔
کہ یہ عرصہ بہت مختصر تھا لیکن دمشق کی تمام فوج نے آپ کو سرپرست تسلیم کرلیا تھا۔

ابن مقدم کا ڈوبتا دل ٹھہر گیا۔ اس نے لجاجت سے کہا۔ "سپہ سالار میں آپ کے اس
ان کو زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے شہزادے کی سرپرستی تمام امرا
کہنے سے قبول کی۔"

"آپ ٹھیک فرما رہے ہیں امیر ابن مقدم۔" سپہ سالار نے کہا۔ "لیکن میں
بھی دیکھا کہ جن امیروں نے آپ کی حمایت کی تھی ان میں ہی ایک امیر شہزادے
الصالح کو بڑی خاموشی حلب بھگا لے گیا۔ اس کے بعد شاہی لشکر کا بھی بٹوارہ ہوا اور
بھاری تعداد حلب چلی گئی۔ اگر شاہی لشکر تمام کا تمام دمشق میں رہتا تو شاید امیر صلاح
ین سے معقول شرائط پر صلح ہو جاتی۔ اس وقت تو ہم خود امیر صلاح الدین کے رحم و
م پر ہیں۔"

"مجھے حالات کی نزاکت کا صحیح اندازہ ہے سپہ سالار۔" ابن مقدم اس کی ہاں میں ہاں
کر اپنی بچت کی صورت پیدا کرنا چاہتا تھا۔ "پھر بھی میں آپ سے یہ درخواست کروں گا
امیر صلاح الدین سے صلح کے وقت آپ مجھے بھی معافی دلانے کی کوشش کیجئے گا۔"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میری سفارش آپ کے حق میں کس حد تک مفید
بت ہوگی مگر میں آپ کو یہ ضرور یقین دلاتا ہوں کہ میں اس سلسلے میں ہر قسم کی کوشش
روں گا۔"

دمشق کے سپہ سالار نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی۔ اس نے ابن مقدم پر یہ نہیں
اہر کیا کہ وہ امیر صلاح الدین کی خدمت میں پہلے ہی ایک سفارت روانہ کرچکا ہے۔ اس
مال کی تفصیل یہ ہے کہ شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل کے حلب منتقل ہو جانے سے یہ بات
اف ظاہر ہو گئی تھی کہ امرائے نوریہ میں اقتدار کے لئے رسہ کشی نہیں بلکہ کھلی خانہ جنگی
وگی۔ تخت کے ہمدردوں نے پہلے امیر موصل غازی سیف الدین کو دمشق آنے کی دعوت
ی لیکن والی موصل کو امیر صلاح الدین کی صلاحیتوں اور عسکری طاقت کا اندازہ تھا اس
لئے اس نے دمشق آنے سے قطعی انکار کردیا۔

ابن مقدم کو اطمینان ہوگیا۔ بولا "آپ دمشق کے لشکر کے سپہ سالار ہیں۔ آپ دمشق
ی سلطنت کو بچانے کے لئے جو مناسب سمجھے کریں لیکن میرا ضرور خیال رکھیے گا۔"

یہ کہہ کر ابن مقدم چلا گیا۔ سپہ سالار کو اس کی یہ مزید تاکید پسند نہ آئی۔ وہ ابن
مقدم کو سخت نظروں سے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک راہداری سے اتر کر نظروں سے
وجھل نہ ہوگیا۔

صلاح الدین کے دمشق کی طرف روانگی سلطنت یروشلم اور سلطنت دمشق میں

جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ یروشلم کے فوجی دستے قلعہ کرک پر ملا
روکنے کے لئے پہنچ گئے تھے لیکن امیر صلاح الدین انہیں جھکائی دے کر ریگستان
دمشق کے قریب پہنچ گیا۔ ادھر دمشق، حلب اور موصل میں اس خبر نے لرزہ پید
والی موصل نے چونکہ دمشق کے حالات میں ہاتھ ڈالنے سے انکار کردیا تھا اس
کچھ اطمینان تھا مگر حلب میں امیر سعد الدین بن کمشتگین کا حال پتلا ہو رہا تھا۔
ملک الصالح اسمٰعیل کو بہلا پھسلا کر حلب لے آیا تھا۔ اس سے ایک طرف تو د
جانے والے تمام امراء اس کے مخالف ہو گئے بلکہ وہ امرا بھی اس کے خلاف ہ
جرا" اپنا مطیع بنانا چاہتا تھا اور اب تو اسے سب سے بڑا خطرہ امیر صلاح الدی
سے تھا جو اس کی موت کا فرشتہ بن کے دمشق کی طرف محو پرواز تھا۔

امیر صلاح الدین بے انتہا ذہین تھا وہ اچانک دمشق نہیں پہنچا بلکہ دمشق ۔
کی دوری پر آکر اس نے قیام کیا۔ اسے دمشق، موصل اور حلب کی دم دم کی خبر
تھیں لیکن اس کا یہاں قیام کا یہ مقصد تھا کہ ایک تو اسے تمام مرکزی مقاما
خلاف اور موافقت میں ہونے والی کارروائیوں کی تازہ ترین صورت حال معلو
دوسرے یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ دمشق میں اس طرح داخل ہو جیسے اسے کوئی جل
اس کے اس عمل کا یہ اثر ہوا کہ اس کے مخالفین کی قوت برداشت جواب دے
بدحواس ہو کر الٹی سیدھی باتیں کرنے لگے۔

صلاح الدین کے اسی قیام کے دوران سپہ سالار دمشق کی سفارت اس کے
ہوئی۔ اس سفارت میں نائب سپہ سالار اور دمشق کے مفتی اعظم شامل تھے۔ م
نے سفارت کو اپنے تنہا خیمے میں بلایا تھا تاکہ وہ تنہائی میں سفارت سے کھل
کرسکے۔

سفارت سے صلاح الدین کا پہلا سوال بڑا سخت تھا جس نے دونوں ارکان
پریشان کردیا۔ صلاح الدین نے سفارت کاروں کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا۔
صلاح الدین وزیراعظم مصر اور سپہ سالار افواج شام مقیم قاہرہ' دمشق کی سفار
آمدید کہنے پر ہر گز تیار نہیں تاوقتیکہ یہ نہ معلوم ہو کہ سفارت کس ذمہ دار
نمائندگی کرنے آئی ہے اور اس میں کس حیثیت اور مرتبہ کے ارکان شامل ہیں۔'

ایک تو صلاح الدین کا پر رعب چہرہ جس سے شاہانہ جلال ٹپکا پڑتا تھا اس کی
نظریں نائب سپہ سالار کو تو پسینہ آگیا۔ مفتی دمشق نے اس کا ہاتھ دبا کر ہمت د
نے بھی خود کو سنبھالا اور دھیمی اور قدرے لرزتی زبان میں بولا۔ "اے امیر

دونوں کو آپ کی خدمت میں دمشق میں موجود شاہی لشکر کے سپہ سالار نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔"

"میں غدار کی بات سننے پر تیار نہیں۔" صلاح الدین نے اسے ٹوکا۔ "شاہی لشکر کے سپہ سالار تو میرے مربی اور آقا مرحوم سلطان نور الدین زنگی تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں سپہ سالار کا منصب کسی دوسرے شخص کو منتقل نہیں کیا پھر یہ دمشق کا سپہ سالار کون پیدا ہوگیا۔؟"

مفتی اعظم نے نائب سپہ سالار کو روک کر امیر کو خود جواب دیا۔ "اے امیر محترم سلطان دمشق کی اچانک موت نے دمشق اور سلطنت دمشق کا نقشہ الٹ کے رکھ دیا ہے۔ امرائے نوریہ کے بیشتر امیر بزعم خود دمشق کے وزیراعظم اور سپہ سالار اعظم بن بیٹھے تھے۔ پہلے امیر شمس الدین ابن مقدم نے اقتدار سنبھالا اور شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل کا سرپرست اور نگران بن بیٹھا۔ پھر شہزادہ کو دوسرا امیر سعد الدین کمشتگین حلب لے بھاگا اور حلب کو دارالسلطنت بنانے کا اعلان کردیا۔ ادھر والی موصل نے سلطنت دمشق کے کئی اہم شہر دبائے اور امرائے نوریہ کوئی مزاحمت کرنے کے بجائے سلطنت دمشق کی بندر بانٹ کرنے میں لگے رہے۔"

"یہ حالات بہت افسوسناک ہیں۔" صلاح الدین نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ "بزرگ رکن سفارت کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دل میں سلطنت دمشق کا سچا درد ہے۔ گفتگو آگے بڑھانے سے پیشتر میں چاہتا ہوں کہ محترم رکن اپنا اور اپنے ساتھی رکن کا تعارف کرائیں اور سفارت بھیجنے والے سالار فوج کے کوائف بیان کئے جائیں؟"

مفتی شہر نے جواب دیا۔ "امیر عالی مقام۔ اس سفارت کو بھیجنے والا اس گروہ سے تعلق رکھتا ہے جس نے آپ کو مصر آنے کی دعوت دی تھی۔ اگر امیر کو میرے دل میں سلطنت دمشق کا درد محسوس ہوا ہے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ سالار فوج تخت و تاج دمشق کا ایک سچا بہی خواہ ہے۔ میرے ساتھ آنے والا یہ رکن اسی سالار فوج کا نائب ہے۔ رہا میرا تعارف تو میں عرض کردوں کہ ملکی سیاست سے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں لیکن جب کسی مسلم ملک کا تخت و تاج داؤں پر لگ جاتا ہے تو علمائے دین اسے بچانے کے لئے تیغ و براں کی طرح میدان میں آتے ہیں۔ میں بھی ایسا ہی ایک مجاہد ہوں۔ اگر میں میری زندگی مذہب و ملت کے کام آجائے تو سمجھوں گا کہ مجھے اپنی زندگی بھر کی عبادت و ریاضت کا موقعہ مل گیا۔"

صلاح الدین' مفتی شہر کی باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے کہا۔ "اے بزرگ ہستی۔

یہ تو ظاہر ہے کہ آپ ایک عالم باعمل ہیں مگر کیا آپ یہ بتانے کی زحمت فرمائیں گے کہ فی الحال آپ کس حیثیت میں مذہب و ملت کی خدمت کر رہے ہیں۔؟"

"مجھے دمشق کا مفتی اعظم ہونے کا فخر حاصل ہے۔" مفتی نے جواب دیا۔ "میں اب آپ سے التماس کروں گا کہ خواہ کتنی ہی جانوں کی قربانی دینا پڑے لیکن سلطنت دمشق کو باقی ر چاہیے۔"

"میرے بھی یہی جذبات ہیں مفتی اعظم۔" صلاح الدین نے کہا۔ "میں یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ میری زندگی تک سلطنت دمشق باقی رہے گی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ہم نے آپ کو دمشق آنے کی دعوت دے کر کوئی غلطی نہیں کی۔" مفتی اعظم نے جواب دیا۔

"مجھے بھی خوشی ہے کہ میں نے آپ کی دعوت قبول کرلی اور آپ کی درخواست فوراً جواب بھیج دیا۔" صلاح الدین نے بھی اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

مفتی اعظم نے حیرانی سے صلاح الدین کو دیکھا۔ "امیر محترم۔ آپ کی طرف سے ہمیں کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ شاید اسی وجہ سے امرا نے دل چھوڑ دیا اور امیر شمس الدین گمشتگین شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل کو حلب لے جانے میں کامیاب ہوگیا۔"

صلاح الدین نے بھی حیرت کا اظہار کیا۔ "تعجب کی بات ہے کہ میرا خط دربار دمشق میں نہیں پہنچا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خط کسی مفاد پرست نے ضائع کردیا ہو۔ اس خیال کو اس وجہ سے اور تقویت پہنچتی ہے کہ میں نے وہ خط ایک خاص قاصد کے ہاتھ روانہ کیا تھا مگر وہ قاصد قاہرہ واپس نہیں پہنچا۔"

"میں امیر محترم کے خیال سے اتفاق کرتا ہوں۔" مفتی اعظم نے کہا۔ "عین ممکن ہے کہ وہ خط شمس الدین ابن مقدم یا سعد الدین بن گمشتگین کے ہاتھ پڑا ہو اور انہوں نے خط دبا کے قاصد کو قتل کرا دیا ہو۔"

امیر صلاح الدین کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "فرمائیے مفتی اعظم۔ سالار فوج نے آپ کے ذریعہ کیا پیغام بھیجا ہے؟۔"

مفتی اعظم بڑی دیر سے انتظار میں تھے کہ موقعہ ملے تو وہ سالار کا پیغام امیر صلاح الدین کو پہنچائیں لیکن گفتگو کا رخ کسی اور طرف ہوگیا تھا۔ امیر کے سوال کرتے ہی مفتی اعظم نے کہنا شروع کیا۔ "امیر محترم میں پہلے ہی عرض کرچکا ہوں کہ سالار فوج اور ہم سب تخت و تاج دمشق کے وفادار ہیں۔ ہم شہزادے ملک الصالح اسمٰعیل کو اپنا بادشاہ اور آقا تسلیم کرلیا ہے۔ ہم نے جب آپ کو دمشق آنے کی دعوت دی تھی تو اس خط میں بھی

اس بات کی وضاحت کردی تھی کہ ہم نے شہزادہ کو اپنا بادشاہ اور سلطان مرحوم کا جانشین چن لیا ہے لیکن بعض مفاد پرست امرا نے تخت و تاج کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں شروع کردیں ہیں اس لئے ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ فوری دمشق پہنچ کے مفاد پرستوں کی سرکوبی کیجئے اور سلطان کے جانشین کے ہاتھ مضبوط فرمائیے کیونکہ ہمارے خیال میں آپ کے سوا کوئی اور امیر اس سلطنت کی گرتی دیوار کو سہارا دینے کے قابل نہیں ہے۔"

مفتی اعظم اتنا کہہ کر امیر کی طرف دیکھنے لگے۔ جیسے انہوں نے اپنی بات مکمل کرلی ہو مگر ابھی نامکمل تھی اور امیر صلاح الدین اس خیال میں تھا کہ مخاطب اپنی بات مکمل کرلے تو وہ جواب دے۔ جب دونوں پر خاموشی طاری رہی تو امیر نے سر اٹھا کر مفتی اعظم کو دیکھا۔ مفتی اعظم خود بھی امیر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

امیر صلاح الدین نے خود ہی بات آگے بڑھائی۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے یہ سب باتیں آپ لوگوں کے اس خط میں لکھی گئی تھیں جو آپ نے مجھے قاہرہ بھیجا تھا۔ اب آگے فرمائیے کہ آپ کے سالار فوج اس سلسلے میں مجھ سے اور کیا چاہتے ہیں؟"

"سالار فوج اور ہم سب صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان سب باتوں کی تصدیق کردیجئے تاکہ ہم لوگ کھلے دل سے قعلہ میں آپ کا استقبال کرنے کا اہتمام کریں۔" مفتی اعظم نے سالار فوج کا عندیہ بیان کردیا۔

"مفتی اعظم، میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔" امیر صلاح الدین نے نرمی سے کہا۔ "میں نے آپ کے خط کی کسی بات کو رد نہیں کیا بلکہ آپ کے خیالات کو سراہا ہے۔"

"امیر محترم۔ کیا میں اس سے یہ نتیجہ نکالوں کہ آپ بھی شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل کو سلطان مرحوم کا صحیح جانشین تسلیم کرتے ہیں؟" مفتی اعظم نے ایک ہی جملے میں اپنا پورا مفہوم بیان کردیا۔

"بالکل ۔ بالکل ۔ شہزادہ اسمٰعیل کے سوا اور کوئی جانشین ہو ہی نہیں سکتا۔" امیر صلاح الدین نے پرزور تصدیق کی۔

"الحمدللہ۔" مفتی اعظم نے شکریہ ادا کیا۔ "امیر محترم گستاخی معاف صرف ایک بات کی اور وضاحت کردیجئے۔"

"ضرور۔ آپ بیان کیجئے۔" امیر نے مختصر سا جواب دیا۔

"ہمارے بعض امرا کا خیال ہے کہ آپ تخت دمشق پر قبضہ کرنے تشریف لائے ہیں اور شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل سے آپ کو کوئی ہمدردی نہیں؟" مفتی اعظم نے بڑے

استقلال سے سوال کیا۔

"لاحول ولا قوۃ" امیر نے فوراً کہا۔ "آخر امرا کے دل میں یہ خیال پیدا کیسے ہوا میں نے اپنے اس خط میں جو میں نے دربار دمشق روانہ کیا تھا واضح الفاظ میں کہا تھا کہ شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل کو تمام امرا سلطان مرحوم کا جانشین تسلیم کریں اور شہزادے کے نام خطبہ میں داخل کیا جائے اور ان کے نام کے فوراً سکے ڈھالے جائیں۔ یہی نہیں بلکہ میں نے خود سر امرا کو تنبیہہ کی تھی کہ اگر انہوں نے شہزادہ کی اطاعت سے انحراف کیا ان کو سخت سزا دی جائے گی۔ شہزادہ اسمٰعیل میرے آقا اور میں ان کا غلام ہوں میں اس لئے مصر سے چل کر یہاں آیا ہوں۔ مگر افسوس کہ مفاد پرستوں نے میرے آقا زاد کو دربدر کردیا اور اس عظیم سلطنت کے حصے بخرے کرنے میں لگ گئے۔"

"مجھے اجازت دیجئے امیر محترم۔" مفتی اعظم اٹھ کے کھڑے ہوگئے۔ "مجھے تمام وضاحتیں اور ضمانتیں حاصل ہوگئی۔ میں دمشق پہنچ کے سالار کو تمام باتوں سے آگاہ کردوں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ دمشق کے قلعہ سے باہر نکل کے آپ کا استقبال کریں گے۔"

"نہیں مفتی اعظم۔" امیر نے انہیں بیٹھنے کے لئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "ہم میں اور آپ میں جو گفتگو ہوئی ہے وہ ہمارے ہی درمیان رہے گی۔ اب آپ ہمارے مہمان ہیں اور ہمارے ساتھ ہی دمشق میں داخل ہوں گے۔"

امیر صلاح الدین نے تالی بجا کر ایک غلام کو اندر بلایا اور مفتی اعظم اور ان کے ساتھی کو اس تاکید کے ساتھ اس کے سپرد کیا کہ ان کا خیال معزز مہمانوں کی طرح کیا جائے۔

دوسرے دن امیر صلاح الدین نے دمشق کی طرف پھر کوچ کیا۔ اب اس کے سواروں کی رفتار تیز تھی۔ شام کے وقت جب امیر نے اپنا گھوڑا روکا تو وہاں سے دمشق صرف نصف منزل پر تھا اور اگر امیر چاہتا تو بڑی آسانی سے اسی شب دمشق پہنچ سکتا تھا لیکن امیر نے وہیں خیمے لگانے کا حکم دیا۔ دمشق والے بڑی بے چینی سے امیر صلاح الدین کا انتظار کر رہے تھے مگر جب انہوں نے سنا کہ امیر صلاح الدین دمشق سے صرف نصف منزل کے فاصلے پر رک گیا ہے تو ان کی بیتابی اس قدر بڑھی کہ اس کے چار ہمدرد امرائے نوریہ اسی رات امیر کے پاس پہنچ گئے۔

امیر صلاح الدین ایک رات اور ایک دن اسی جگہ مقیم رہا۔ ادھر دمشق سے اس کی خیمہ گاہ تک دمشق کے عوام اور خواص کا ہجوم در ہجوم آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ امیر صلاح الدین تمام دن اپنے خیمے کے باہر بیٹھا رہا۔ وہ ہر آنے والے سے مصافحہ کرتا یا بغلگیر

ان کی مزاج پرسی کرتا اور دلداری کرتا رہا پھر شام کے وقت وہ ایک جلوس کی شکل مشق کی طرف روانہ ہوا۔ نصف شب کے قریب جب اس کی سواری فصیل شہر کے پہنچی تو تقریباً" پورا شہر دمشق اسے دیکھنے کے لئے اُمڈ آیا اندھیرا ہونے کی وجہ سے امیر لوگوں سے نہ مل سکا۔ اس نے عوام و خواص سے معذرت کی اور اعلان کیا کہ وہ ے دن تمام لوگوں سے ملاقات کرے گا۔

لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے اور امیر صلاح الدین اپنے سات سو وں اور چند معززین شہر کے ساتھ شہر دمشق کے بڑے بازار میں رکا کھڑا تھا۔ وہاں سے فاصلہ پر دمشق کا قلعہ تھا جس کے برجوں پر روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ امیر صلاح نے سالار فوج کے بھیجے ہوئے وفد کے ارکان کو اب تک واپس جانے کی اجازت نہ تھی۔ اسی وجہ سے قلعہ کے تمام دروازے بند کرلئے گئے تھے اور برجوں اور میناروں پر مستعد ہو کر کھڑے تھے۔

امیر صلاح الدین نے قلعہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اپنے سواروں کے ساتھ آہستہ ہوا اپنے آبائی اور قدیم محل پر پہنچا۔ محل کے تمام پرانے ملازم اسے خوش آمدید کہنے لئے محل سے نکل آئے تھے۔ امیر صلاح الدین گھوڑے سے اترا اور بلا امتیاز ورجہ و ہر ملازم سے بغلگیر ہوا۔ یہ محل صلاح الدین کے باپ نجم الدین ایوب کو سلطان نور ین زنگی نے عطا کیا تھا۔ صلاح الدین جب ملازمین سے بغلگیر ہو کر محل میں داخل ہوا تو کے دل کی عجب حالت تھی۔ اس کی زندگی مہ و سال اس کے سامنے ایک ایک کر کے رنے لگے۔ اس کی آنکھیں نمناک بھی تھیں اور مسرت سے لبریز تھی۔ نمناک اس لئے آج وہ اس محل میں تقریباً" چھ سال بعد داخل ہو رہا تھا اور وہ خوش اس لئے تھا کہ ب وہ اس محل سے نکلا تھا تو وہ محض نجم الدین ایوب کا ایک خاموش طبع بیٹا تھا۔ سوائے کے کہ وہ ایک بااثر امیر کا بیٹا ہے اس میں کوئی اور خوبی نہ تھی لیکن اب وہ نہ صرف لطنت مصر کا مرد آہن اور بلاشرکت غیرے فرمانروا تھی بلکہ سلطنت دمشق بھی اس کے م چوم رہی تھی۔

امیر صلاح الدین ۱۱۳۸ء میں قلعہ تکریت میں بڑے نامساعد حالات میں پیدا ہوا تھا۔ شب وہ پیدا ہوا اس شب اس کے باپ نجم الدولہ کو قلعہ تکریت سے بے دخل کیا گیا تھا۔ اسی حادثہ کی وجہ سے صلاح الدین کو منحوس سمجھا جانے لگا تھا۔ پھر اس کی عمر کے بتدائی نو سال بعلبک میں گزرے جہاں اس کا باپ گورنر رہا تھا۔ ۱۱۴۶ھ میں جب اس کے والد نجم الدین ایوب کو دمشق کی گورنری ملی تو وہ بعلبک سے دمشق آگیا۔ اس طرح

دمشق کے اس محل میں اس نے مسلسل اٹھارہ سال گزارے۔ محل کی ہر اینٹ اور
سے صلاح الدین کو عقیدت کی حد تک محبت تھی۔ رات کے بیشتر حصہ تک و
راہداریوں اور کمروں اور روشوں میں گھومتا رہا۔

امیر صلاح الدین نہ صرف نمازی تھا بلکہ وہ تہجد گزار بھی تھا۔ اس کا ذہن
سے مذہب کی طرف مائل تھا پھر جب وہ سلطان نور الدین زنگی کے دربار میں پیش ک
سلطان کی دوررس نظروں نے صلاح الدین کے پیکر میں مستقبل کے ایک عظیم
ہیولا دیکھا تو اسے فوراً اپنی سرپرستی میں قبول کیا اور حکم دیا کہ :۔۔۔۔
"مجھے دیکھو اور خود کو میرے قالب میں ڈھالو"
اپنے مربی کا یہ قول صلاح الدین نے اپنی گرہ میں باندھ لیا اور اٹھارہ سال کی
کے بعد وہ دوسرا نور الدین بن گیا۔ شیرکوہ یہ سوچ بھی نہ سکا تھا کہ یہ کم گو تو
جوان ایک منجھا ہوا شمشیرزن اور ایک ذہین حاکم بن سکتا ہے مگر جب صلاح الدین
کے پہلے معرکہ میں اپنی شمشیر کے جوہر دکھائے تو شیرکوہ حیران رہ گیا۔ مختصر یہ کہ ج
صلاح الدین نے بچپن کے نو سال بعلبک میں نہایت خاموشی سے گزارے تھے ا
اس نے جوانی کے نو سال میدان جنگ میں بسر کئے۔ مصر میں اس کا قیام میدان ج
مترادف تھا۔ قدم قدم پہ مشکلات' روز روز کی جنگیں' سازشیں' بغاوتیں' صلاح الد
گری اور جہانداری کے ہر کرب سے گزر چکا تھا۔
مصر سے واپسی پر دمشق کی یہ پہلی صبح اس کے لئے کس قدر دلفریب تھی۔ پہ
وہ دمشق میں تھا خود کو سلطان نور الدین زنگی کا غلام کہنے پر فخر کرتا تھا اور آج
دمشق میں دوبارہ وارد ہوا تو پوری سلطنت دمشق اس کی غلامی کے لئے بے چین تھی۔
صلاح الدین حسب معمول تہجد کے لئے بیدار ہوا۔ تہجد کے بعد اس نے ورود
اور وظائف کا ورد کیا پھر نماز فجر ادا کی۔ کچھ وقت تلاوت میں گزارا پھر دربار کے ل
ہوگیا۔ لیکن پہلے کی تیاری اور آنے کی تیاری میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ صلاح
کے لئے دمشق کے زمین و آسمان الٹ گئے تھے۔ پہلے اسے سلطان کی سلامی کے لئے
جانے کی جلدی ہوتی تھی اور آج وہ اگرچہ سلطان نہ تھا مگر سلطان کے انداز میں دربا
تھا۔

صلاح الدین پورے خاندان کو قاہرہ میں چھوڑ کر دمشق آیا تھا۔ سات بھائیو
سے صرف ایک بھائی سیف الاسلام طغتگین اور دوسرے بھائی شاہان شاہ کا بیٹا فرخ شا

کے ساتھ آئے تھے۔ دونوں چچا بھتیجے نے تمام رات صلاح الدین کی خوابگاہ کے باہر برہنہ
تلواروں کے ساتھ پہرہ دیا تھا۔ محل کے مختلف مقامات پر بھی محافظ مقرر کئے گئے تھے۔
صلاح الدین تلاوت سے فارغ ہوا تو اس کا بھائی سیف الاسلام طغتگین گھبرایا ہوا خواب گاہ
میں داخل ہوا۔
صلاح الدین نے کلام پاک جزدان میں رکھنے کے بعد اس کی طرف دیکھا۔ "کیا ہوا۔
گھبرائے ہوئے کیوں ہو سیف الاسلام؟"
"محترم وزیراعظم' ہزاروں آدمی محل کے باہر میدان میں جمع ہیں اور آپ کے دیدار
کے لئے ضد کر رہے ہیں۔" سیف الاسلام طغتگین نے پریشان انداز میں کہا۔
"اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔؟" امیر نے اطمینان سے کہا۔ "تمہیں ان
کے خلوص کی قدر کرنا چاہیے۔"
"پھر میرے لئے کیا حکم ہے وزیراعظم؟" طغتگین نے عاجزانہ انداز میں پوچھا۔
"کوئی حکم نہیں سوائے اس کے کہ تم جاؤ اعلان کردو کہ اگر امرا اور معززین ہم سے
ملنا چاہتے ہیں تو دربار میں انتظار کریں۔ ہم پہلے عوام سے ملاقات کریں گے۔" امیر صلاح
الدین کا لہجہ اچانک شاہانہ ہوگیا تھا۔
امیر صلاح الدین اگرچہ مصر کا وزیراعظم تھا مگر اس کا امرا اور اپنے عزیز و اقارب پر
اس قدر رعب تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کے سامنے بول نہیں سکتا تھا۔
اس وقت اس کا بھائی سیف الاسلام طغتگین گھبرایا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔ ایسی صورت وہ
اپنی بات فوراً کہہ سکتا تھا لیکن اس نے اس وقت تک خاموشی اختیار کئے رکھی جب تک
امیر نے اس سے سوال نہ کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر صلاح الدین کو درباری طور
طریقوں اور نظم و ضبط کا اس وقت بھی خیال تھا جب وہ مصر کے وزیراعظم کے عہدے پر
فائز تھا۔

دوسرے بات یہ کہ امیر کے بھائی نے اسے "وزیراعظم" کہہ کے مخاطب کیا تھا شاید
اس لئے کہ اس کے عزیز و اقارب مصر کی وزارت کو دمشق کی امارت پر ترجیح دیتے تھے
کیونکہ لفظ امیر میں غلامی کا پہلو نظر آتا تھا۔ خواہ یہ غلامی سلطان نور الدین زنگی جیسے جلیل
القدر بادشاہ کی کیوں نہ ہو۔ صلاح الدین کے چچا اسدالدین شیرکوہ اور باپ نجم الدین ایوب
نے تمام عمر خود کو نورالدین زنگی کے غلام ہونے پر فخر کیا۔ صلاح الدین کا بھی پہلے یہی حال
تھا لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو وزیراعظم مصر کہلوانا پسند کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اب
بھی سرکاری گفتگو میں سلطان مرحوم کو اپنا آقا اور شہزادے ملک الصالح اسمٰعیل کو "آقا

زادہ" کہتا تھا۔

سیف الدین کے باہر جانے کے بعد امیر صلاح الدین نے لباس تبدیل کیا پھر د
خاص کے ساتھ باہر کی طرف چلا۔ غلاموں کے ہاتھ میں برہنہ تلواریں تھیں اور و
الدین کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ محل کے باہر لوگوں کا ایک جم غفیر تھا۔ سا
پورا میدان لوگوں سے بھر چکا تھا اور لوگ محل کی سیڑھیوں تک پہنچ چکے تھے۔ صلاح
کے برآمد ہوتے ہی تحسین و آفرین کا غلغلہ بلند ہوا۔ صلاح الدین نے ہاتھ اٹھا کر ا
نعروں کو پذیرائی بخشی پھر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ چند ہی لمحوں میں ایسی خا
چھا گئی۔ جیسے میدان میں کوئی متنفس موجود ہی نہ تھا۔

امیر صلاح الدین اپنی پر رعب آواز میں مجمع سے مخاطب ہوا۔ "میرے دو
ساتھیوں اور تخت و تاج دمشق کے وفادارو۔ میں یعنی امیر صلاح الدین تم سے الگ
بلکہ تم میں سے ہوں۔ میرا بچپن اور پوری جوانی دمشق کی گلیوں' سڑکوں اور باغو
گزری ہے۔ سلطان مرحوم نور الدین زنگی میرے اور میرے باپ اور چچا کے مربی
میں جس طرح سلطان مرحوم کا غلام تھا اسی طرح اپنے آقا زادے ملک الصالح اسمٰعیل
غلام اور وفادار ہوں۔ میں اس لئے نہیں آیا کہ دمشق کی سلطنت پر قبضہ کروں۔
اقتدار کی ہوس نہیں اور نہ میں مفاد پرست ہوں۔ میں چاہتا تو مصر سے ایک عظیم لشکر
کر بھی آسکتا تھا لیکن میں صرف سات سو محافظ سواروں کے ساتھ دمشق میں داخل
ہوں۔ میرے کوئی دوسرے ارادے نہیں سوائے اس کے کہ سلطنت دمشق اسی طرح
رہے جیسی سلطان مرحوم کے وقت میں تھی۔

"یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ سلطان مرحوم کی آنکھ بند ہوتے ہی مفاد پرست ا
اور داعیان ریاست نے سلطنت دمشق کے حصے بخرے شروع کر دیئے اور بزعم خود م
آقا زادے کے سرپرست بن بیٹھے۔ یقین کیجئے کہ اگر سلطان مرحوم اپنی زندگی میں شہزا
ملک الصالح اسمٰعیل کا کسی کو اتالیق مقرر کرتے وہ میری اور صرف میری ذات ہوتی اس
کہ اگر امرائے نوریہ میں انہیں مجھ سے زیادہ وفادار اور مناسب امیر ہوتا تو وہ اسے م
بجائے مصر کا وزیراعظم مقرر کرتے کیونکہ مصر سلطنت کا ایک صوبہ ہی نہیں بلکہ اپنی
ایک مکمل اور مضبوط سلطنت ہے۔

"میں آپ کے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ فوری طور پر شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل
نام کے سکے ڈھالے جائیں اور سلطنت دمشق کے تمام مساجد کے خطبوں میں ملک ال
اسمٰعیل کا نام شامل کیا جائے۔ آخر میں میں اس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ

نہ ہوس اور نہ پرواہ لیکن میں ان امرائے نوریہ کو قطعی معاف نہیں کروں گا جن
نے میرے آقا زادہ کو ورغلایا ہے اور سلطنت دمشق پر قابض ہونے کی کوشش کی
طرح وہ داعیان ریاست بھی میرے غضب سے نہ بچ سکیں گے جنہوں نے
دمشق کے کئی شہر اور علاقہ غصب کر کے اپنی ریاستوں میں شامل کر لئے ہیں۔"
صلاح الدین کی تقریر نے لوگوں کے دل جیت لئے۔ انہوں نے اس کی تعریف و
نعرے لگا کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ اس کی تقریر صرف عوام ہی نے نہیں سنی بلکہ
اور خواص جو اس کی ملاقات کے لئے دربار پہنچ چکے تھے وہ بھی اٹھ کر میدان میں
تعجب اس بات کا تھا کہ امیر صلاح الدین کی تقریر اور اس کے اعلانات نے جس
م کو متاثر کیا تھا اس سے کہیں زیادہ خواص نے اسے سراہا تھا۔
ملاقات ختم ہوئی۔ میدان آہستہ آہستہ عوام سے خالی ہو گیا۔ امیر صلاح الدین'
معززین شہر کے جلوس میں دربار میں پہنچا۔ صلاح الدین اب تک محض ایک امیر
اس نے امرائے نوریہ سے اسی طرح ملاقات کی جیسے وہ کسی سلطنت کا فرمانروا ہو۔
ناہ کے ہاتھ چوما کرتے تھے۔ بعض امرا نے صلاح الدین کی دست بوسی کی خواہش
رنے بے تکلف ہاتھ آگے بڑھا دیا پھر تمام لوگوں نے صلاح الدین کے ہاتھ کو
ے لگا کر بوسہ دیا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے سب سے مصافحہ کیا اور
معانقہ کی خواہش کی اس سے بخوشی بغلگیر ہوا۔ دوپہر کا وقت ہو چلا تھا۔ امیر دربار
یہ دربار محل کے مہمان خانہ میں سجا تھا۔ امیر محل کے اندر چلا گیا اور پھر شام
نہ ہوا۔

کی نماز کے وقت پھر دربار گرم ہوا۔ امرا نے حاضری دی۔ امیر ان سے دیر تک
اور حلب اور موصل کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ مغرب کی نماز اس
ریوں کے ساتھ پائیں باغ کے سبزہ زار میں پڑھی۔ نماز کے بعد پھر دربار شروع
ر کو اطلاع دی گئی کہ قلعہ دمشق سے سفارت آئی ہے۔ امیر نے کچھ سوچ کے
حاضری کی اجازت دی۔
رت میں صرف ایک آدمی تھا۔ باریش اور نورانی چہرہ امیر نے اس کے سلام
کیا۔ "بزرگ محترم اپنے آنے کا مقصد بیان کیجئے؟"
یراعظم۔ میں قلعہ دمشق سے سپہ سالار افواج دمشق کی درخواست لے کر حاضر
بزرگ صورت نے بڑے ادب سے جواب دیا۔
ا کا مطلب ہے کہ بزرگ محترم آپ سالار فوج کی سفارت کے فرائض انجام

دینے آئے ہیں۔" امیر نے دوسرا سوال کیا اور سفیر کو غور سے دیکھنے لگا۔

"امیر اعظم نے درست خیال فرمایا۔" بزرگ نے کہا۔ خادم قاضی شہر حضور عالی میں سپہ سالار افواج دمشق کی درخواست لے کر حاضر ہوا ہے۔"

"کس قسم کی درخواست ہے؟" امیر نے سرسری انداز میں پوچھا۔

قاضی شہر نے سنبھل کے کہا۔ "سپہ سالار درخواست گزار ہیں کہ انہیں قا شاہی کی چابیاں حضور عالی میں پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔"

"یہ پیش کش مشروط ہے کیا؟" امیر کا لہجہ اچانک سخت ہو گیا تھا۔

"پیش کش مشروط نہیں بلکہ مودبانہ ہے امیر اعظم۔۔" قاضی شہر نے فوراً

درباریوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ شہر کے دروازے امیر صلاح ال کھل گئے تھے۔ شہریوں نے امیر کا پرتپاک استقبال بھی کیا تھا لیکن قلعہ دمشق فوج کا قبضہ تھا اور اس کے دروازے صلاح الدین پر بند کر دیئے گئے تھے۔ دمش امرائے نوریہ جو امیر صلاح الدین کو خوش آمدید بھی کہہ چکے تھے انہوں درخواست کی تھی کہ قلعہ دمشق پر فی الفور حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا جا شمس الدین محمد ابن مقدم کو تاج دمشق سے غداری اور قلعہ پر قبضہ بے جا جائے مگر امیر صلاح الدین نے ان کی تمام دلیلیں سننے کے بعد کہا۔

"مجھے امرائے نوریہ کے جذبات کا احترام ہے لیکن میں سرزمین دمشق کے بھی میدان جنگ میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہ وہ مقدس زمین ہے جس کی مہک پے میں سمائی ہوئی ہے۔ یہاں پھولوں کی بارش تو ہو سکتی ہے لیکن خون کا ایک بہایا جا سکتا۔"

امیر کے اس جواب کے بعد امرا کی زبانوں پر مہر سکوت لگ گئی تھی پھر د قلعہ کے سالار فوج غیر مشروط طور پر قلعہ کی چابیاں حوالے کرنے کی پیش کش خوشی کی کوئی حد نہ رہی لیکن امیر صلاح الدین اب بھی خاموش تھا۔ اس کے بعد نہ معلوم صلاح الدین کیا سوچ رہا تھا۔ اس کی خاموشی نے طول ن ہو گئے اور دربار میں ایک دوسرے کو اشارے شروع ہو گئے۔

میر صلاح الدین نے بڑی غور و فکر کے بعد سر اٹھایا۔ درباریوں کی نظر ں۔ "دوستو" صلاح الدین نے قلعہ کی سفارت کی بجائے اپنے ساتھی

"میں اقتدار کا بھوکا نہیں اور نہ کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا ک گیری کی تمنا ہوتی تو میں سب سے پہلے یروشلم پر حملہ کرتا جہاں کا حکمران

ے بڑا دشمن شاہ ایمالرک مر چکا ہے اور اس کے بیمار جانشین کو نصرانی سرداروں ن ریاست نے بے دست و پا کر دیا ہے۔ اگر میں یروشلم پر حملہ کر کے اس پر قبضہ اریخ مجھے کبھی معاف نہ کرتی۔ یہی حال سلطنت دمشق کا ہے۔ شہزادہ ملک الصالح ض مفاد پرستوں کے ہاتھ میں کھلونا بنا ہوا ہے۔ میرے دمشق آنے کا یہ مقصد یں فصیل شہر پر قبضہ کر کے اور فصیل قلعہ پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان دمشق کا شہر ہو یا قلعہ یہ تو ملک الصالح کی میراث ہیں اور اسی وارث تخت و تاج کو ۔ مجھے قلعہ پر قبضہ کی کوئی جلدی نہیں۔ جلدی ہے تو ان امرا کو کیفر کردار تک جو ملک الصالح کو اپنی قید میں رکھے ہوئے ہیں۔"

صلاح الدین کی یہ تقریر نہیں بلکہ دل کی آواز تھی جس نے امرائے نوریہ کی قلب ے بالکل صاف کر دیئے اور وہ بیساختہ امیر صلاح الدین کا نعرہ بلند کر اٹھے۔ ہو گیا کہ صلاح الدین سلطنت دمشق کا دل سے خیر خواہ ہے۔

اموش ہوا تو قاضی شہر نے عرض کیا۔ "امیر اعظم کے جذبات کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں۔ تاریخ دمشق سے ان کی وفاداری شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ سچ تو وقت صرف امیر ہی ایسی ہستی ہیں جو دمشق کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دے سکتے

ا شہر نے رک کر امیر کو دیکھا اور بولا۔۔۔" کیا میں امیر کی گفتگو سے یہ نتیجہ حق بجانب ہوں کہ انہوں نے سپہ سالار اور افواج دمشق کی درخواست کو شرف ہے اور سپہ سالار فوج اس دربار میں خزانہ اور قلعہ کی چابیاں پیش کرنے آ سکتے

محترم۔ سالار فوج کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ کل صبح ہمارا عزیز بھتیجا نور الدولہ شاہان شاہ خود قلعہ دمشق پہنچ کے چابیاں حاصل کرے گا۔" امیر نے بار برخاست کر دیا اور قاضی شہر اور پہلی وزارت کے مفتی اعظم اور نائب سالار جانے کی اجازت دیدی۔

شہور ہے کہ جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ آبادی کی طرف بھاگتا ہے۔ امیر ابن مقدم کا شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل پر زور نہ چل سکا کہ اسے دوسرا امیر بن گمشتگین حلب لے بھاگا تھا۔ ادھر سے مایوس ہونے کے بعد اس دمشقی پہ سالار کو اپنے دام میں پھانسنے کی کوشش کی اور چاہا کہ وہ امیر صلاح الدین کی اخلت کی مزاحمت کرے لیکن سالار فوج نے بھی اسے ٹکا سا جواب دیدیا کہ وہ

فصیل شہر پر امیر صلاح الدین کو اس لئے نہیں روک سکتا کہ وہ خود بھی اسی
کے آب و دانہ کا پروردہ ہے۔ سالار فوج نے اسے یہ ضرور یقین دلایا تو
الدین نے کچھ ضمانتیں اور وضاحتیں نہ پیش کیں تو اسے قلعہ دمشق میں نہ
جائے گا۔

چونکہ شمس الدولہ ابن مقدم کا کردار مشکوک ہی نہیں بلکہ کھلا ہوا منا
تھا اور وہ جانتا تھا کہ صلاح الدین اسے ہرگز معاف نہ کرے گا اس لئے ا
کا سہارا ڈھونڈنے کے بجائے اپنے زور بازوں اور دل و دماغ پر اعتماد کرنے
مقدم کے ذاتی محافظ دستے میں پچاس آہن پوش سوار اب تک اس سے
جارہے تھے اور اس کے پسینے پر خون بہانے پر ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔
علاوہ ابن مقدم کے پاس ایک اور طاقت بھی تھی جو سو دوسو پر نہیں ہزا
بھاری تھی۔ وہ تھی اس کی پرجمال بیٹی ارمغانہ۔

ارمغانہ واقعی حور معلوم ہوتی تھی۔ اس کی ماں بچپن ہی میں انتقال
کے باپ ابن مقدم نے اسے ماں کی ممتا کا احساس نہ ہونے دیا۔ اس و
چاہتا تو شادی کرسکتا تھا لیکن اس نے معصوم ارمغانہ کے لئے اپنی جوانی تج
اور باپ دونوں بن کے پالا پوسا اور جوان کیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا
سے کس قدر شدید محبت تھی۔ ارمغانہ کو بھی باپ کی محبت اور قربانیوں کا
تھا اور وہ اپنے باپ کے لئے جان دینے پر بھی تیار ہوسکتی تھی۔

پھر جب سلطان نور الدین زنگی کا انتقال ہوا اور ابن مقدم کچھ امرا
شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل کا سرپرست بنا تو اسے دور کی سوجھی۔ ایک دن
کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "بیٹی تو جانتی ہے مجھے تجھ
ہے؟"

"ابا جان۔ میں صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ آپ دنیا کے تمام باپوں
سے محبت کرتے ہیں۔" ارمغانہ نے دل سے باپ کی محبت کا اعتراف کیا۔

ابن مقدم نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "ٹھیک کہتی ہو ارمغانہ۔
سب کچھ دیدیا۔ اپنا دھن و دولت اپنا وقت۔ یہاں تک کہ اپنی پوری
خوشیوں کو تم پر نثار کردیا۔"

ارمغانہ باپ کے گلے سے لگ گئی۔ "ابا جان۔ مجھے احساس ہے
خوشیاں میری جھولی میں ڈالی ہیں۔ کاش میں آپ کی محبت کا کچھ بدلہ آپ

"میں تم سے کسی بات کی خواہش نہیں کرتا۔" ابن مقدم نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔
"ہاں اکثر مجھے یہ خیال آتا ہے اگر تمہارے بجائے مجھے اللہ نے بیٹا دیا ہوتا تو اس وقت وہ
میرے برے دنوں میں کام آتا۔"

ارمغانہ افسردہ ہوگئی۔ "ابا جان' میں بیٹا تو نہیں بن سکتی لیکن آپ نے مجھے تمام مردانہ
صلاحیتوں کی تربیت دلائی ہے۔ میں فنون سپہ گری میں ایسی ہی طاق ہوگئی ہوں جیسے آپ کا
بیٹا ہوتا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں جسم پر اسلحہ سجاکر ہروقت آپ کے ساتھ رہا کروں اور
موقعہ پڑے تو آپ پر نثار ہوجاؤں۔

"میں تمہارے جذبہ ایثار کی قدر کرتا ہوں ارمغانہ" ابن مقدم دلگیر آواز میں بولا۔
"لیکن مجھے اس وقت ایک مرد کے طاقتور ہاتھ کی ضرورت ہے جو میری مشکلات میں ڈھال
ثابت ہو۔ میں مصائب میں بری طرح گھر گیا ہوں بیٹی۔ امرا نے میری خوشامد کر کے مجھے
شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل کا سرپرست بننے پر مجبور کیا مگر اب وہی لوگ میرے مخالف ہو
گئے ہیں۔ میں ان سے نمٹنے کی طاقت رکھتا ہوں مگر شہزادے کی تلون مزاجی نے مجھے پریشان
کر رکھا ہے۔ وہ گھڑی میں تولہ اور گھڑی میں ماشہ ہو جاتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے
کس طرح قابو کروں۔ اگر کچھ دن اس کی یہی حالت رہی تو نہ صرف اس کی سرپرستی سے
ہاتھ اٹھانا پڑیں گے بلکہ خود میری جان کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔"

"شہزادے کیا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کو کیوں پریشان کرتے ہیں؟" ارمغانہ نے پریشانی سے
پوچھا۔

"کہہ تو دیا بیٹی۔ اس کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بچوں کی طرح ضدیں کرتا
ہے۔" ابن مقدم نے مایوس انداز میں کہا۔ میں نے تمہیں ماں بن کے پالا ہے مگر شہزادہ
ایک ایسا مشکل سوال ہے جس کا حل میرے پاس نہیں۔"

"مشکل سوال کا حل بھی مشکل ہی سے ملتا ہے۔" ارمغانہ سنجیدگی سے بولی۔ "آپ
اس کے دل کی بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ شاہی محل میں پلنے والا بارہ سال کا لڑکا بچہ نہیں
کہا جاسکتا۔ اس میں یقیناً شعور ہوگا۔ آپ اس کی خواہشوں کا احترام کیا کیجئے۔"

ابن مقدم کچھ دیر سوچتا رہا پھر چونک کے بولا۔ "ہاں شہزادے کو ایک طرح سے قابو
کیا جاسکتا ہے"

"کس طرح ابا جان؟" ارمغانہ نے جلدی سے پوچھا۔

"اس کی شادی ہو جائے تو وہ سنبھل سکتا ہے۔" ابن مقدم نے فوراً جواب دیا۔
ارمغانہ شادی کے ... ر فطری حیا سے اس کی گردن نیچی ہوگئی۔

"کیوں بیٹی۔ تم خاموش کیوں ہوگئیں۔ تم ہی نے تو پوچھا تھا۔" ابن مقدم نے ا
خاموش دیکھ کر سوال کیا۔

ارمغانہ پھر بھی خاموش رہی۔ ابن مقدم نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "ارمغانہ کیا
محبت کا یہی صلہ ہے کہ اب تم میری بات کا جواب بھی نہیں دیتیں؟"

"ابا جان یہ بات نہیں ہے۔" ارمغانہ کو آخر زبان کھولنا پڑی۔ "دراصل شادی
کے معاملات کا مجھے کوئی تجربہ نہیں۔ میں کیا جواب دے سکتی ہوں آپ کو؟"

"آخر تمہاری بھی تو کوئی رائے ہونی چاہیے؟" ابن مقدم نے جواب کے لئے ا
زور دیا۔

"کس بارے میں ابا جان؟" ارمغانہ الجھ گئی۔

"میں نے کہا کہ اگر شہزادے کی شادی کر دی جائے تو وہ ٹھیک ہوسکتا ہے۔"
مقدم نے اپنی بات دوہرائی۔ "اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

ارمغانہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "ابا جان اگر آپ کا خیال درست ہے اور میرا
ہے کہ آپ نے صحیح اندازہ لگایا ہوگا۔ پھر آپ اس کی شادی کردیجئے۔ میں آپ کے
سے اتفاق کرتی ہوں۔"

"مگر سوال یہ ہے کہ شادی کس لڑکی سے کی جائے؟" ابن مقدم نے اس انداز
ارمغانہ کو دیکھا جیسے ارمغانہ کے پاس اس کا جواب تھا۔

ارمغانہ کی نظریں نیچی تھیں۔ اس نے سرسری سا جواب دیا۔ "آپ شاہی محلا
تمام لڑکیوں کو جانتے ہیں جسے مناسب سمجھے اس سے شادی کردیجئے۔ میرا خیال
شہزادے سے شادی کرنے پر ہر لڑکی تیار ہو جائے گی۔"

"تم بھی تیار ہو جاؤ گی کیا؟" ابن مقدم نے اک دم ارمغانہ سے سوال کردیا۔

ارمغانہ نے گھبرا کے باپ کو دیکھا پھر اس کا پورا بدن پسینے میں بھیگ گیا۔ ا
آہستہ سے کہا۔

"ابا جان۔ شہزادے کے لئے کسی شہزادی کا رشتہ موزوں رہے گا۔ آپ میرے
نہ سوچئے۔"

"ارمغانہ تم عقلمند ہو۔ ذرا سوچو اگر شہزادے کی شادی کسی شہزادی سے کردی
میری بات کب مانے گا۔" ابن مقدم نے خوشامدانہ رویہ اختیار کیا۔ "اگر تو شہزاد
شادی کرلے تو ہم دونوں کی قسمت کھل جائے۔ تو دمشق کی ملکہ بنے گی اور میں د
بے تاج بادشاہ ہو جاؤں گا۔"

ارمغانہ کمال حیرت سے باپ کی صورت دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ
یہ وہی باپ ہے جو اس کی بیماری کے دوران اسے تمام رات گود میں لئے کھڑا رہتا تھا
اب اس کی یہ حالت ہے کہ مجھے اقتدار کی سولی پر چڑھا رہا تھا۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے
انسان فطرتاً" برا نہیں ہوتا۔ اسے ماحول اور حالات برا بنا دیتے ہیں۔ ابن مقدم نے
ت سوچ کے کیا تھا۔ اسے امید تھی اس کی بیٹی اس بات میں اس سے ضرور تعاون
ے گی۔ ملکہ دمشق ایک ایسی لالچ تھی جو لڑکی قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتی لیکن پتہ نہیں
ارمغانہ کس فطری اور کس کردار کی لڑکی تھی کہ "ملکہ دمشق" کا تاج بھی اسے متاثر نہ
سکا۔

اس نے بڑے ادب سے کہا۔ "ابا جان عزت اور ذلت تو اللہ کی طرف سے ہوتی
ے۔ میں ملکہ دمشق سے زیادہ آپ کی بیٹی رہنے میں خوش ہوں۔ میں تو اس وقت کو کوستی
ں جب آپ اقتدار کی جنگ میں شامل ہوئے تھے۔ آپ کا دن رات کا آرام ختم ہوگیا۔
پرائے بن گئے اور اب وہ وقت آگیا کہ آپ اس اس جنگ کو جیتنے کے لئے اپنی بیٹی کو
ؤ پر لگا رہے ہیں۔"

"نہیں ارمغانہ۔ اس میں تیری بھلائی ہے۔ شاہی محل میں پہنچے گی تو تمام دنیا تیرے
منے جھکے گی۔" ابن مقدم بیٹی کو طرح طرح سے ترغیب دے رہا تھا۔ "میری عمر تو گزر
ی ہے۔ میں یہ سب کچھ تیرے لئے کر رہا ہوں۔"

"ابا جان آپ میری جان لے لیجئے مگر اس بات کے لئے مجبور نہ کیجئے۔" ارمغانہ
ہانسی ہوگئی۔ "آپ مجھے شاہی محل کے سازشی ماحول میں دھکیل رہے ہیں۔ وہاں میرا کون
اتھ دے گا؟"

"شہزادہ ـــ تمہارا ساتھ شہزادہ دے گا بیٹی۔" ابن مقدم نے ڈھٹائی سے کہا۔ "کیا
زادہ اس قدر ناسمجھ ہے کہ وہ تجھے سازشوں کا شکار ہونے دے گا؟"

"وہ واقعی ناسمجھ اور نادان ہے ابا جان۔" ارمغانہ جھنجھلا گئی۔

"نہیں بیٹی یہ تمہارا خیال ہے۔ اس کی عمر اگرچہ بارہ سال ہے مگر وہ شعور کی حدوں
ں داخل ہو چکا ہے بادشاہ زادے تو گیارہ بارہ سال میں جوان ہو جاتے ہیں۔" ابن مقدم
ے قائل کرنے پر بضد تھا۔

"ارمغانہ طرح طرح کے بہانے کر رہی تھی۔ وہ باپ کو صاف جواب نہیں دینا چاہتی
ی۔ "ابا جان خدا کے لئے مجھے مجبور نہ کیجئے۔ مجھے سب معلوم ہے۔ شہزادہ ابھی شکل سے
ں سال کا ہے۔ امیروں اور درباریوں نے اسے بارہ سال کا بنا دیا ہے۔ ارمغانہ کو غصہ

گیا۔ "میری عمر سولہ سال کی ہو چکی ابا جان۔ میرا اس کا کوئی جوڑ نہیں۔"

ابن مقدم خاموش رہا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس نے زیادہ زور دیا تو ارمغانہ باغی گی۔ شہزادے کا سرپرست بن کے اس نے اپنے دشمنوں میں کافی اضافہ کرلیا ارمغانہ کی بغاوت اسے ایک مستقل عذاب میں مبتلا کر دے گی۔ وہ کوئی اور تدبیر لگ گیا۔

ارمغانہ نے آج تک نہ اس طرح کی گفتگو کی تھی اور باپ کو اتنے تلخ جو تھے۔ اسے باپ سے بے پناہ محبت تھی۔ یہ اس محبت کا جواب تھا جو ابن مقدم سے جوانی تک اس کے ساتھ روا رکھی تھی۔ ابن مقدم کا فکر مند چہرہ ارمغانہ گیا۔ بڑے پیار سے بولی۔ "ابا جان آپ ناراض ہوگئے؟"

ابن مقدم نے ٹھنڈی سانس کے ساتھ جواب دیا۔ "نہیں بیٹی، کوئی اپنی ناراض ہو سکتا ہے؟"

ارمغانہ تڑپ اٹھی۔ اس کی مدافعت باپ کے ایک محبت بھرے جملے میں بہ جان۔ میں آپ کے لئے سب کچھ کرسکتی ہوں خواہ میری جان ہی کیوں نہ چلی ج آپ کے حکم پر سر جھکاتی ہوں۔"

"میری بیٹی!" اور ابن اقدم نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگالیا۔

اس رات ابن مقدم کو خوشی کے مارے نیند نہ آئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ہی شہزادے ملک الصالح اسمٰعیل کو ارمغانہ سے شادی کرنے پر رضامند کرے شہزادہ خوشی سے راضی نہ ہوا تو اس کام میں زبردستی سے بھی گریز نہ کرے گا۔ اور ابن مقدم خوشی خوشی شاہی محل پہنچا۔ مگر محل کے صدر دروازے پر اسے کچھ سنائی گئی۔

"امیر محترم۔" صدر دروازے کے محافظ اعلیٰ نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔ "رات پہر امیر سعد الدین بن کمشتگین جنوبی دروازے سے زبردستی محل میں داخل ہوئے ساتھ پانچ سو سواروں کا دستہ تھا۔ دروازے کے تمام محافظ لڑتے لڑتے قتل ہو گئے کمشتگین شہزادے ملک الصالح اسمٰعیل کو اپنے گھوڑے پر بٹھا کر اسی دروازے گئے۔"

ابن مقدم کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ وہ چند لمحے محافظ کو پھٹی پھٹی سے دیکھتا رہا بے تحاشہ محل کے مغربی دروازے کی طرف بھاگا۔ اس نے ہر در ایک سو مسلح سوار مقرر کئے تھے۔ محل کے اندر بھی اس نے دو سوار مقرر کئے گ

تگین کے سواروں نے تمام محافظوں کو قتل کردیا تھا۔ ان کی لاشیں مغربی دروازے سے کے اندر شہزادے اسمٰعیل کی خوابگاہ تک بکھری پڑی تھی۔

شمس الدین محمد ابن مقدم نے شہزادے کی خوابگاہ میں اندر جا کر دیکھا۔ وہاں کسی ت کے آثار نہ تھے۔ ابن مقدم شہزادے کے چھپر کھٹ پر سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ سونے چڑیا اڑ چکی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا شہزادہ بغیر چوں چرا امیر کمشتگین کے ہمراہ چلا گیا ابن مقدم کا تمام منصوبہ خاک میں مل گیا تھا۔

ارمغانہ ایک بڑے عذاب سے بچ گئی تھی۔ اس نے بظاہر باپ کی ہمدردی کی لیکن دل خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک آنے والی بلا سے اس کو بچالیا تھا۔ اس کے بعد ابن م کے حالات روز بروز خراب ہوتے گئے۔ قلعہ میں کافی فوج موجود تھی لیکن شہزادے حلب پہنچ جانے سے فوج کا دل ٹوٹ گیا۔ کچھ نے ملازمت چھوڑ دی۔ کچھ لشکر شہزادہ پاس حلب چلا گیا۔ باقی ادھر ادھر ہوگیا۔ ابن مقدم نے بھی ایک طرح کی گوشہ نشینی ار کرلی۔ اس میں ہمت نہ تھی کہ حلب پر حملہ کر کے شہزادے کو واپس دمشق لاتا۔

اب امیر صلاح الدین کے دمشق آنے کی خبر اڑی تو جیسے باسی کڑھائی میں ابال آیا۔ الدین ابن مقدم کے دل میں ایک بار پھر اقتدار حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ ح الدین کے دشمنوں نے اسے دربار دمشق میں کافی بدنام کر رکھا تھا۔ عوام بھی اس کے ف تھے اور قلعہ دمشق جہاں فوجی چھاؤنی تھی اور بچی کچھی فوج رہتی تھی اسے صلاح ین کی نیت پر شبہ تھا اور وہ اس کی وفاداری کے شاکی تھے۔ فوج نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ح الدین سے وفاداری کی ضمانت مانگے گی اور اگر صلاح الدین نے فوج کو مطمئن کیا تو اس کے حوالے کیا جائے گا ورنہ سخت مدافعت ہوگی۔

ابن مقدم قلعہ کی فوج اور صلاح الدین کو لڑانا چاہتا تھا لیکن سپہ سالار نے اسے ٹکا سا ب دے دیا۔ ادھر سے ناامید ہو کر ابن مقدم نے اپنے طور پر اقتدار پر قبضہ کی تدبیریں چنا شروع کیں مگر وقت کم تھا۔ درمیان میں صرف ایک رات تھی دوسرے دن صلاح ین کا بھتیجا فرخ شاہ قلعہ کی چابیاں لینے آرہا تھا۔ ابن مقدم کے پاس کچھ سوار تھے لیکن بڑے وفادار اور دلیر تھے۔ ابن مقدم کو ان سے بڑی امید تھی۔ دوسری طاقت اس کے ل ارمغانہ کی تھی۔ ایک بار اس نے ارمغانہ کو اپنی مقصد براری کے لئے رضامند کرلیا تھا ل دفعہ بھی وہ ارمغانہ کی کمان سے تیر چلانا چاہتا تھا۔

اس کے فتنہ پرور ذہن نے یہ منصوبہ بنایا کہ صبح کو جس وقت صلاح الدین کا بھتیجا فرخ شاہ قلعہ میں داخل ہو تو اسے قتل کردیا جائے اور فرخ شاہ کے ساتھ آنے والے سواروں

کو قابو میں کر کے قلعہ کا دروازہ بند کردیا جائے۔ اس طرح جب صلاح الد
ملے گی کہ قلعہ والوں نے اسے دھوکہ دیا ہے اور اس کے بھتیجے کو قتل کردیا
قلعہ پر حملہ آور ہوگا اور قلعہ کی فوج کو مجبوراً" قلعہ کی مدافعت کرنا پڑے گی۔
میں بہت خامیاں تھیں اور اس کے کامیاب ہونے کا کوئی امکان نہ تھا لیکن شم
مقدم کا جتنا دماغ تھا وہ اس کے مطابق کام کر رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن
کامیابی کا پورا یقین تھا اسی وجہ سے وہ ارمغانہ کو داؤ پر لگا رہا تھا۔

شمس الدین ابن مقدم نے اپنے منصوبہ کے مطابق ارمغانہ کو اپنے اعتما
کوشش کی۔ اس نے ارمغانہ کو پاس بلا کر اپنے سامنے بٹھایا۔ ارمغانہ نے ش
کرلیا تھا کہ آج اس کا باپ بہت خاموش خاموش اور پریشان ہے۔ باپ کی دل
ارمغانہ نے گفتگو میں خود پہل کی۔

"ابا جان۔ آپ بہت پریشان نظر آرہے ہیں۔" ارمغانہ نے آغاز کیا۔ "
اس صلح پر بڑی خوشیاں منا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس طرح قلعہ بھی
اور قلعہ والوں کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"یہ سب ان کا خیال ہے بیٹی۔" ابن مقدم نے کمال افسردگی سے کہا۔
اور قلعہ والوں کی تباہی پر رونا آرہا ہے۔ تم صلاح الدین کی فطرت سے وا
اسکندریہ، بلبیس اور قاہرہ میں اس نے جو تباہی مچائی تھی۔ اسے وہ دمشق میں
کل اس قلعہ کا کوئی برج اور مینار باقی ------"

"مگر ابا جان --- قلعہ کی مختصر فوج امیر صلاح الدین کو قلعہ میں داخل
روک تو نہیں سکتی" ارمغانہ نے دلیل پیش کی۔ جس طرح وہ شہر میں داخل
قلعہ پر بھی قابض ہوسکتا ہے۔"

"یہ تمہاری بھول ہے بیٹی ۔" ابن مقدم نے بڑی محبت سے ارمغانہ کی
"صلاح الدین کے ساتھ مشکل سے سات سو سوار ہیں اور قلعہ میں تین ہزار
ہے۔ ہمت کی جائے تو صلاح الدین کو بھاگنے کا راستہ نہیں مل سکتا۔"

"ابا جان۔ اگر اتنا لشکر ہے تو پھر سپہ سالار نے صلاح الدین کو شہر میں
ہونے دیا اور اگر وہ شہر میں داخل ہوگیا تھا تو اسے بغیر لڑے بھڑے قلعہ کی
کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟" ارمغانہ کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا۔ یہ نہیں کہ
مخالفت کر رہی تھی بلکہ وہ خود کو مطمئن کرنا چاہتی تھی۔

"اسی کی وجہ سپہ سالار کی خود غرضی اور مفاد پرستی ہے۔" ابن مقدم نے

سالار پر الزام لگایا۔ "اس نے صلاح الدین کے پاس خفیہ طور پر اپنے نائب کو بھیجا
بس نے دونوں میں معاہدہ کرا دیا ہے۔"

"کیا اس کی خبر دمشق کے لشکر کو نہیں ہے؟" ارمغانہ نے پھر ایک ذہانت بھرا سوال

"یہ بات نہیں بیٹی۔" ابن مقدم نے بیٹی کو پھر فریب دیا۔ "لشکر تو جنگ کرنا چاہتا ہے
سالار کی غداری کی وجہ سے وہ بھی خاموش ہے۔ لشکر کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے
سالار کے حکم پر چلتا ہے۔"

"پھر اب کیا ہوسکتا ہے ابا جان۔" ارمغانہ نے افسردگی سے کہا۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا
آپ بھی امیر صلاح الدین سے صلح کر کے ان جھگڑوں سے الگ ہو جائیں؟"

"ایسا نہیں ہوسکتا ارمغانہ --" ابن مقدم نے سختی سے کہا۔ صلاح الدین اعلان کر چکا
ہ وہ شہزادے کو ورغلانے والے امرا کو سخت سزا دے گا۔"

"ابا جان ۔ کیا کوئی ایسا راستہ نہیں کہ ہم قلعہ سے نکل کر کسی دوسری جگہ جائیں؟"
انہ نے معصومیت سے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ میں بزدل نہیں۔ صلاح الدین بھی میری طرح ایک امیر ہے۔ میں اس
بلہ کروں گا۔"

"مگر آپ کی مدد کون کرے گا ابا جان؟" ارمغانہ نے پوچھا۔

"میری مدد ۔ میری مدد وہ کرے گا جو مجھے چاہتا ہے ۔ میرے لئے جان دے سکتا ہے؟
الدین ابن مقدم نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

ارمغانہ نے باپ کو حیران نظروں سے دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ اس کے
ے کون اتنی محبت کرتا ہے جو اس نازک دور میں اس کی مدد کرے گا۔ اسے یہ تو
م تھا کہ جب وہ شہزادے ملک الصالح اسمٰعیل کا زبردستی سرپرست بن بیٹھا تھا تو آدھے
زیادہ امرائے نوریہ اس کے خلاف ہو گئے تھے۔ خود شاہی خاندان کے افراد نے اس
اس اقدام کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا تھا۔

"خدا کرے کوئی آپ کی مدد کرے اور آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو۔"
غانہ دعا کے علاوہ اور کیا کرسکتی تھی۔

"ارمغانہ۔ تعجب ہے کہ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ میرا چاہنے والا کون ہے میرے لئے
جان دے سکتا ہے۔" ابن مقدم نے ایک فضول سا سوال کیا۔

"اس کے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ابا جان۔" ارمغانہ الجھتے ہوئے بولا۔ "وہ جو بھی ہے

میں دعا کرتی ہوں کہ وہ آپ کی سچے دل سے مدد کرے اور اللہ آپ کو کامیابی عطا کر
"نہیں ارمغانہ۔ تم اتنی اہم ہستی کا نام تو پوچھو؟" ابن مقدم کو جیسے ضد ہوگئی
ارمغانہ نے بے دلی سے پوچھا۔ "اچھا بتایئے ابا جان وہ عظیم ہستی کون ہے؟"
"وہ عظیم ہستی سوائے میری ارمغانہ کے اور کون ہو سکتا ہے۔" اور ابن مقدم نے
بے شرمی سے دانت نکال دیئے۔
ارمغانہ چونک پڑی۔ "میں۔ میں آپ کی کیا مدد کروں گی۔۔۔؟"
"صرف تم ہی میری مدد کر سکتی ہو بیٹی۔" ابن مقدم نے اس قدر زور دے کر
اسے اپنی کامیابی کا یقین ہو۔
"میں کیا کروں گی۔ کچھ مجھے بتایئے تو ابا جان؟" ارمغانہ گھبرا گئی۔ اس کی پیشانی
کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں۔
"میں تجھے سب بتادوں گا۔ حوصلہ رکھو۔ دل کو سنبھال بیٹی۔ تو ایک بہادر باپ کی
بیٹی ہے۔" ابن مقدم نے ارمغانہ کی گھبراہٹ دور کرنے کی کوشش کی۔
"نہیں ابا جان۔ مجھے فوراً" بتایئے۔ کیا کام لینا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟"
بچوں کی طرح بلکنے لگی۔
"ہاں بتاتا ہوں۔ تو اکیلی نہیں ہوگی۔ تیرے ساتھ میرے اعتماد کا ایک آدمی بھی
ابن مقدم نے پھر سمجھایا۔
"بتایئے۔ بتایئے۔ میں آپ کے لئے جان دے سکتی ہوں لیکن کوئی ایسا کا
کروں گی جسے میرا دل میرا ضمیر قبول نہ کرے۔" ارمغانہ نے ذرا سا احتجاج کیا۔
"ارمغانہ تیری جان اور میری جان تو ایک ہی ہے۔ میں تیری جان کیسے
ہوں۔" ابن مقدم نے بظاہر بڑی محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "تجھے صرف میرا
اپنے باپ کو پھر سے اقتدار پر قبضہ کے لئے تھوڑی سی کوشش کرنا۔ ذرا ہاتھ پیر ہلا
باقی میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ میں اپنے محافظ دستے کے قلعہ کے دروازے
پاس موجود ہوں گا۔"
"آپ مجھے صاف صاف کیوں نہیں بتاتے ابا جان؟" ارمغانہ اٹھ کے کھڑی ہو
ابن مقدم بگڑ گیا اور ارمغانہ کو آہستہ آہستہ کچھ سمجھانے لگا۔

وہ والدین ظالم اور جنسی ہوتے ہیں جو دنیاوی مراعات حاصل کرنے کے
معصوم اولاد کو آلہ کار بناتے ہیں۔ شمس الدین ابن مقدم بھی اسی گروہ سے تعلق

بار پہلے بھی اپنی بیٹی ارمغانہ کو اپنے مفاد پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوا تھا اور
ارمغانہ یہ جانتے ہوئے بھی شہزادہ ملک الصالح اسماعیل کی عمر صرف دس سال ہے اور
سے چھ سال چھوٹا ہے باپ کی ضد سے مجبور ہو کر اس بات پر آمادہ ہوئی تھی کہ
سے شادی کرے گی لیکن قدرت کو اس کو اس عذاب سے بچانا منظور تھا اس لئے
مجوزہ شادی سے صرف ایک رات قبل دربار دمشق کا ایک دوسرا امیر سعد الدین بن
تگین شہزادہ کو فرار کرا کے حلب پہنچ گیا۔ اس طرح یہ بیل مونڈھے نہ چڑھ سکی۔
اب یہ ابن مقدم کی دوسری کوشش تھی۔ وہ ارمغانہ کے ہاتھوں ایک خطرناک کام کرا
اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ پہلے اس نے ارمغانہ کو اس مذموم اور خطرناک کام
لئے آمادہ کیا پھر اپنے محل سے نکل کے قلعہ کی چھاؤنی میں پہنچا۔ قلعہ کی تمام فوج
اپنے سپہ سالار کے ساتھ تھی لیکن ابن مقدم نے فوج کے ایک اہم سردار کو توڑ لیا
یوں کہنا چاہیے کہ وہ خود ابن مقدم کے قدموں میں پکے آم کی طرح آگرا تھا۔ اس
ر کا نام دانیال تھا۔ شمس الدین ابن مقدم کے زمانہ عروج میں یعنی اس وقت جب ابن
م شہزادہ ملک الصالح کا سرپرست بنا تھا۔ دانیال کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ ارمغانہ کو
مقدم کے محل سے اپنے پہرے میں شاہی محل پہنچائے کیونکہ ابن مقدم نے اقتدار
ل کر کے شاہی محل کے ایک حصے میں رہنا شروع کر دیا تھا اور ارمغانہ کو بھی وہیں بلوا
تھا۔

مشہور ہے کہ دانیال نے ارمغانہ کو اس کے محل سے شاہی محل منتقل کرنے کے
ن دیکھ لیا تھا اور وہ اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا تھا۔ مگر اس وقت ابن مقدم کو
اختیارات حاصل تھے اس لئے دانیال اپنی خواہش کا اظہار نہ کر سکا اور ارمغانہ کی
میں اندر ہی اندر جلتا رہا اور سلگتا رہا۔ اس کی خبر ارمغانہ کو بالکل نہ تھی مگر ابن مقدم
کی ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ دانیال اس کی بیٹی کو چاہنے لگا ہے۔ اگر ابن مقدم یہ
کردیتا تو کچھ برا نہ تھا لیکن اس کے دماغ میں تو ارمغانہ کو شہزادے کی بیوی بنانے کا
ا جاگزین تھا۔ اس لئے اس نے اس طرف توجہ نہ دی اور وہ بات دبی رہی۔
پھر جب شہزادہ ملک الصالح اسمعیل اس کے ہاتھ سے نکل کے حلب پہنچ گیا تو ابن
م نے فوراً" دانیال کا سہارا ڈھونڈا اور اسے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ
ق کے لشکر کا سپہ سالار بن جائے تو ارمغانہ سے اس کی شادی کروی جائے گی۔ دانیال
شاید انکار کردیتا یا پھر اس میں اتنی اہلیت نہ تھی اس لئے یہ بات بھی دبی رہی۔ ابن
بیک وقت شاتر اور شاطر تھا۔ اس نے ایک بار پھر دانیال کا تعاون حاصل کرنے کی

کوشش کی۔ ابن مقدم نے اس رات دانیال سے ملاقات کی جس رات کی صبح کو ز
قلعہ دمشق کا قبضہ لینے آنے والا تھا۔

"دانیال ---" ابن مقدم نے شرم و غیرت بالائے طاق رکھتے ہوئے اسے مخاطب
"تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے پہلے بھی ارمغانہ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دینے کا ا
تھا۔"

"مجھے یاد ہے امیر محترم۔" دانیال نے اقرار کیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آ
شرط پوری نہیں کرسکا۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ شرط یقیناً بہت مشکل تھی۔" ابن مقدم نے دانیال کی آنکھو
آنکھیں ڈالیں۔ "لیکن تمہیں یہ ضرور معلوم ہوا ہوگا کہ میں نے اب تک ارمغ
شادی نہیں کی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ارمغانہ کی قسمت تمہارے ساتھ
ہے۔"

"امیر محترم --- یہ میری خوش قسمتی ہوگی اگر آپ -----"

"ذرا ٹھہرو دانیال --" ابن مقدم نے اس کی بات کاٹی۔ "جو چیز آسانی سے حا
جائے وہ خواہ کتنی ہی قیمتی اور نایاب کیوں نہ ہو مگر اس کی قدر نہیں ہوتی۔ ارمغا
میری بیٹی ہونے کے علاوہ اپنے حسن اور دلکشی کا جواب نہیں رکھتی۔ اس کے حصو
لئے تمہیں کسی سخت منزل سے ضرور گزرنا ہوگا۔"

"حکم دیجئے امیر محترم۔" دانیال کے دل میں ارمغانہ کی محبت کی دبی ہوئی چنگاری
اٹھی۔ میں سخت سے سخت منزل سے گزرنے پر آمادہ ہوں۔ خواہ میری جان ہی کیوں
جائے۔"

"نہیں دانیال ۔ ایسا نہ کہو۔" ابن مقدم نے اپنی مکاری پر محبت کا غازہ ملایا۔
تمہاری جان اتنی ہی عزیز ہے جیسی تمہیں ہے۔ آخر تم ہمارے ہونے والے داماد ہو
تمہاری جان گنوا کر اپنی بیٹی کو بیوگی کا دکھ کس طرح دے سکتے ہیں۔"

"یہ آپ کی نوازش ہے امیر محترم۔" ابن مقدم کا داماد ہونے کا تصور دانیا
خیالوں کی حد سے پرے تھا۔ وہ خوشی سے پاگل ہوا جارہا تھا۔ "فرمایئے مجھے کس منز
گزرنا ہوگا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب میں آگ کا دریا بھی پار کرسکتا ہوں۔"

"تمہیں کوئی پریشانی نہ ہوگی دانیال ۔" ابن مقدم نے اسے تسلی دی۔ "تم
ارمغانہ کے ساتھ ہو گے ارمغانہ میرے منصوبے کی تکمیل کرے گی۔ تمہیں اس کے
بھیجنے کا یہ مقصد ہے کہ ارمغانہ لڑکی ہے۔ اسے ابھی نرم گرم کا تجربہ نہیں۔ اگر

ہیں موقعہ پر جھجک جائے یا اس پر خوف طاری ہو جائے تو تم فوراً اس کی جگہ
لوگے اور میرا منصوبہ پورا کرو گے۔"

"میں حاضر ہوں امیر محترم۔" دانیال ابھی سے خود کو ارمغانہ کے پہلو بہ پہلو چلتا
کرنے لگا تھا۔

شمس الدین ابن مقدم نے دانیال کو اپنے منصوبے کی جزئیات سے پوری طرح آگاہ
دانیال ارمغانہ کی محبت میں اس قدر ڈوب چکا تھا کہ وہ ابن مقدم کی ہر بات پر ہاں
رتا رہا۔ ابن مقدم نے جو منصوبہ بنایا تھا اس کے پیش نظر کامیابی کا سو نہیں تو پچاس
ضرور امکان تھا۔

دانیال کو سب کچھ سمجھا کے اور اسے پوری طرح تیار کرا کے ابن مقدم سیدھا سپہ
کے پاس پہنچا۔ سپہ سالار فرخ شاہ کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس کے
اور کئی سردار بیٹھے تھے۔ ابن مقدم مسکراتا ہوا سپہ سالار کے پاس پہنچا۔ ابن مقدم کی
ہٹ تعجب خیز تھی۔ اس لئے کہ امیر صلاح الدین اس کے خلاف تھا اور امکان تھا کہ
مقدم کو کوئی سخت سزا دی جائے گی۔

سپہ سالار نے پوچھا۔ "امیر بہت خوش نظر آرہے ہیں۔ کیا مجھے اپنی خوشی میں شامل
کریں گے؟"

"ضرور ضرور ---" ابن مقدم نے بڑی مسرت سے کہا۔ "میں خوشخبری سنانے ہی تو
کے پاس آتا ہوں۔"

"سنایئے۔ میں گوش بر آواز ہوں۔" سپہ سالار بھی مسکرا دیا۔

ابن مقدم نے بڑی مسرت سے بتایا۔ "میں نے اپنی بیٹی ارمغانہ کو امیر صلاح الدین کی
ت میں بھیجا تھا۔ اتنا کہہ کر ابن مقدم رک گیا۔ وہ سپہ سالار کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا۔

سپہ سالار کو ابن مقدم کے انکشاف پر تعجب ہوا۔ "پھر کیا ہوا امیر محترم؟"

"آپ سے کیا چھپانا سپہ سالار --" ابن مقدم نے بے تکلفی سے کہا۔ "دراصل میں
ارمغانہ کے ذریعہ امیر کے حضور اپنا معافی نامہ پیش کرایا تھا۔"

"اچھا اچھا۔ پھر امیر صلاح الدین نے کیا جواب دیا۔؟" سپہ سالار نے دھڑکتے دل سے
ل کیا۔

"امیر صلاح الدین بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے ارمغانہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا
جاؤ اپنے باپ سے کہہ دو کہ ہمیں شمس الدین ابن مقدم جیسے امرا کے تعاون پر فخر
اور یہ کہ ابن مقدم کو وہ تمام مراعات حاصل ہوں گی جو انہیں سلطان دمشق اعلیٰ

حضرت نور الدین زنگی مرحوم کے وقت میں حاصل تھیں۔"

"یہ تو بہت بڑی خوشخبری ہے امیر۔" سپہ سالار نے مصنوعی مسرت کا اظہار کر
آپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

"آپ کا شکریہ سپہ سالار۔" ابن مقدم نے ظاہری خلوص سے کہا۔ "ہاں یہ
آپ نے امیرزادے فرخ شاہ کے استقبال کے لئے کیا انتظامات کئے ہیں؟"

سپہ سالار پر ابن مقدم کی باتوں کا رعب پڑ چکا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ "
اپنے طور پر انتظام کرلیا۔ اب آپ جیسا فرمائیے ویسا کیا جائے؟"

"میرے لئے تو امیر صلاح الدین کا حکم ہے کہ میں قلعہ کے دروازے پر امیرز
استقبال کروں۔" ابن مقدم بڑی دلیری سے بول رہا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ اگر آ
محل کی سیڑھیوں پر ان کا استقبال کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اس طرح امیرزاد
جگہ استقبال ہوگا۔ پہلے قلعہ کے دروازے پر پھر محل کی سیڑھیوں پر۔ اس کا امیرز
زیادہ اچھا اثر پڑے گا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ امیر صلاح الدین کو اپنے بھائیوں م
سے زیادہ محبت نورالدولہ شاہان شاہ سے ہے اور امیرزادہ فرخ شاہ اسی شاہان شاہ ک
چراغ ہے۔ امیر صلاح الدین اپنے ساتھ صرف اسی بھتیجے کو لائے ہیں۔ فرخ شاہ کو
جس قدر خوش کریں وہ ہمارے لئے بہتر ہوگا۔"

سپہ سالار پہلے مرعوب ہو گیا تھا اور اب تو وہ ابن مقدم کا جیسے غلام ہوگیا۔
آپ جیسا حکم دیں گے ویسا ہی ہوگا۔ میں محل کی سیڑھیوں پر امیرزادے فرخ
استقبال کروں گا۔"

"ٹھیک ہے سپہ سالار۔" ابن مقدم کی گردن اکڑ گئی۔ "آپ ذرا قلعہ کے محاف
میرے بارے میں مطلع کردیجئے گا۔"

"آپ بالکل فکر نہ کیجئے۔ تمام محافظ آپ کے حکم کے تابع ہوں گے۔"

سپہ سالار نے اسی وقت اپنے ایک معتبر سوار کے ذریعے دروازے کے محافظ حاکم
بھیجا کہ وہ دروازے پر فرخ شاہ کا تمام انتظام امیر شمس الدین ابن مقدم کے سپرد
ہے۔ ان کے ہر حکم کی تعمیل ہر محافظ کا فرض ہے۔

ابن مقدم جب سپہ سالار کے پاس سے واپس ہوا تو اسے اپنے منصوبے کے پورا
کا کامل یقین ہو گیا تھا۔ واپسی پر وہ ایک بار پھر دانیال سے ملا اور اسے بتایا کہ وہ
مطمئن ہو کر کام کرے۔ اس لئے کہ صبح کو قلعہ کے دروازے پر وہ اور اس کا محاف
موجود ہوگا۔ دانیال اس خبر سے اور زیادہ خوش ہوا اس نے چشم تصور سے ارمغانہ ک
عروسی لباس میں دیکھا پھر یوں محسوس ہوا جیسے وہ ارمغانہ کا گھونگھٹ اٹھا کر اس کا چاند سا
مکھڑا دیکھ رہا ہے۔

ابن مقدم اب بھی آرام سے نہ بیٹھا۔ وہ اپنے دستے کے سواروں کو لے کر قلعہ کے
دروازے پر پہنچا۔ وہاں کے محافظوں کو سپہ سالار کا حکم مل چکا تھا۔ محافظوں کے حاکم نے
ابن مقدم کو ادب سے سلام کیا اور اس کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑا ہوگیا۔

ابن مقدم نے اسے حکم دیا۔ "امیرزادہ فرخ شاہ کا استقبال میں اور میرا محافظ دستہ
کرے گا۔ تم اپنے محافظوں کو راہداری میں منتقل کردو۔"

حاکم نے ابن مقدم کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ اس کے محافظ اپنی جگہیں چھوڑ کے
راہداری میں چلے گئے۔ ابن مقدم نے ان کی جگہ اپنے آدمی مقرر کردیئے۔ اسے اپنے
آدمیوں کو مزید کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ ابن مقدم نے انہیں پہلے ہی سمجھا بجھا دیا تھا۔

ان انتظامات کے بعد شمس الدین ابن مقدم اپنے محل پر پہنچا۔ ارمغانہ حسب دستور
جاگ رہی تھی۔ وہ اس وقت تک اپنے بستر پر نہ جاتی تھی جب تک اس کا باپ محل واپس
نہ آجاتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا تھا کہ ابن مقدم کسی وجہ سے محل واپس نہ آسکا اور ارمغانہ اس
کے انتظار میں تمام رات جاگتی رہی۔

وہ بڑی دلفریب صبح تھی۔ امیر صلاح الدین کے محل پر آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا
تھا۔ وہ مفاد پرست امرا جو شہزادہ ملک الصالح اسمٰعیل کے ساتھ حلب چلے گئے تھے وہ صلاح
الدین کی دمشق آمد پر واپس آگئے تھے۔ صلاح الدین نے اگرچہ اپنے خط میں مفاد پرست
امرا کو دھمکی دی تھی کہ انہیں ان کے کئے کی سزا دی جائے گی لیکن اس خط کو شمس الدین
ابن مقدم نے خود پڑھا تھا اور کسی دوسرے کو ہوا تک نہ لگنے دی تھی۔ اس لئے نیک
کردار اور بد کردار دونوں طرح کے امرا صلاح الدین کے حضور پیش ہو رہے تھے اور اپنی
وفاداری کا اظہار کر رہے تھے۔ صلاح الدین نے ان سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی تھی۔ یوں
معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے تمام امرا کو عام معافی دیدی تھی وہ ہر امیر سے بڑی بے تکلفی
سے مل رہا تھا۔

کچھ دن چڑھے صلاح الدین کا بھتیجا فرخ شاہ اپنے ایک سو چیدہ سواروں کے ساتھ محل
کے سامنے کے میدان میں پہنچ گیا۔ امرا کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ آج امیرزادہ فرخ شاہ
قلعہ دمشق کا قبضہ لینے جائے گا۔ اس کے جلوس کا منظر دیکھنے امرا کے علاوہ سینکڑوں شہری
بھی جمع ہو گئے تھے۔

"آقائے نامدار۔۔۔" امیر صلاح الدین کے غلام خاص نے عرض کیا۔ "امیرزادے کو

اطلاع کردو کہ اسے رخصت کرنے ہم اپنے ہمدرد امرا کے ساتھ آ رہے ہیں۔"

غلام جانے لگا تو جیسے صلاح الدین کو کچھ یاد آیا۔ اس نے غلام کو روک لیا اور سا
امرا سے بولا ۔۔" امیر زادہ فرخ شاہ قلعہ دمشق کا قبضہ لینے جارہا ہے کیا یہ مناسب ہے
اسے ہم اور تمام امرا رخصت کرنے میدان میں جائیں؟؟"

"یہ کوئی ضروری نہیں ہے امیر۔۔۔" ایک امیر نے کہا۔ "امیر زادہ فرخ کسی جنگ
نہیں جارہے ہیں وہ اس قلعہ میں تشریف لئے جارہے ہیں جو پہلے ہی سر ہو چکا ہے۔"

"امیر محترم۔ میری رائے اس کے برعکس ہے۔" دوسرے امیر نے کہا۔ "ہرچند
امیر زادہ کسی جنگ پر نہیں جارہا پھر بھی اسے قلعہ پر قبضہ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔
امیر اپنے مصاحبین کے ساتھ امیر زادے کو رخصت کریں گے تو اس سے نہ صرف ا
زادے کی حوصلہ افزائی ہوگی بلکہ اس واقعہ کی اہمیت میں بھی اضافہ ہوگا۔"

صلاح الدین نے دوسرے امرا کو بولنے کا موقعہ نہیں دیا اور خود اٹھ کے کھڑا ہوگیا۔
غلام نے باہر جا کر امیر کی آمد کا اعلان کردیا اور وہاں موجود تمام لوگ مودّب ہوگ
امیر صلاح الدین اپنے مصاحبین کے ساتھ محتاط قدم اٹھاتا محل سے برآمد ہوا۔ میدان
کھڑے ہوئے عوام نے امیر صلاح الدین کی سلامتی کے نعرے بلند کئے۔ امیر نے ہاتھ
کر ان کے نعروں کا جواب دیا پھر اس غلام کو اشارہ کیا۔ غلام سیڑھیوں سے اتر کر گھوڑ
پر سوار ہوا اور گھوڑا بھگاتا امیر زادہ فرخ کے پاس پہنچا جو اپنے ایک سو سواروں کے سا
میدان میں صفیں بنائے کھڑا تھا۔

غلام نے فرخ شاہ سے کچھ گفتگو کی اور فرخ شاہ غلام کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا محل
سیڑھیوں کے پاس پہنچا۔ پھر وہ دونوں گھوڑے سے اترے اور سیڑھیاں چڑھ کے امیر
پاس پہنچ گئے۔

فرخ شاہ نے امیر کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

صلاح الدین' فرخ شاہ کے سلام پر کوئی توجہ نہ دے سکا کیونکہ اس کی نظریں مید
کی طرف تھیں۔ فرخ شاہ کے ایک سو سوار میدان میں دور تک صفیں بنائے کھڑے تھ
امیر صلاح الدین ان سواروں کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے ان کی گنتی کر رہا ہو۔ حاض
امیر کو تعجب سے دیکھ رہے تھے کیونکہ اس نے اب تک فرخ شاہ کے سلام کا جواب تو
طرف رہا اس کی جانب نظریں نہ کی تھی۔

"فرخ شاہ ۔۔" امیر کی پر رعب آواز نے فرخ شاہ اور دوسرے لوگوں کو چونکا دیا۔

"جی ۔۔۔ امیر عالی مقام۔" فرخ شاہ امیر کے تلخ لہجے سے گھبرا گیا تھا۔

"جس وقت ہم قاہرہ سے روانہ ہوئے ہمارے ساتھ کتنے سوار تھے؟" امیر کا لہجہ پہلے
سے زیادہ تلخ ہو گیا تھا اور اس کی پیشانی پر ایک بل سا پڑ گیا تھا۔

"وزیر اعظم مصر اپنے ساتھ سات سو سوار لے کر روانہ ہوئے تھے۔" فرخ شاہ نے کچھ
نہ سمجھتے ہوئے بھی سواروں کی تعداد صحیح بتائی تھی۔

"ہونہہ ۔۔۔" امیر صلاح الدین نے ایک لمبی سانس لی۔ "دمشق کی طرف روانگی سے
ہمارا مقصد کیا تھا؟"

"یہ کہ امیر اپنے آقا زادے کے ہاتھ مضبوط کرسکیں اور مفاد پرست امرا کو ان کے غلط
اقدامات کی سزا دیں۔" فرخ شاہ کا خوف سے برا حال ہو رہا تھا۔

"ٹھیک تم نے ٹھیک بتایا۔" امیر کے لہجے میں ہلکی سی نرمی پیدا ہوئی۔ "اس وقت
تمہیں کونسی خدمت تفویض کی گئی ہے؟"

"یہی کہ میں امیر کے ایک غلام کی حیثیت سے دمشق کے قلعہ میں داخل ہوں اور
وہاں کی سالار سے خزانہ اور قلعہ کے دروازوں کی چابیاں حاصل کروں۔" فرخ نے بہت
سوچ کے جواب دیا مگر اس وقت تک خوف کی وجہ سے اس کا پورا جسم پسینے میں ڈوب گیا
تھا۔

"ایک سوال اور فرخ شاہ ۔۔۔" امیر کا لہجہ پھر تلخ ہوا۔ "یہ بتاؤ کہ مصر سے دمشق
آنے کا ہمارا سفر مشکلات کا حامل تھا یا تمہارا اس وقت قلعہ جانا زیادہ مشکل ہے؟"

فرخ شاہ گڑبڑا گیا۔ "جی امیر محترم۔ میں آپ کا سوال نہیں سمجھ سکا؟"

"بات صاف ہے فرخ شاہ ۔" امیر کی خشمگیں نظروں نے فرخ شاہ کو گھبرا دیا۔ "اس
وقت ہم زیادہ مشکل میں تھے یا اس وقت تم زیادہ مشکل میں ہو۔"

فرخ شاہ کو ذرا اطمینان ہوا۔ اس نے سنبھل کے جواب دیا۔ "امیر عالی مقام کا سفر
مشکل تھا کہ وہ صرف سات سو سواروں کے ساتھ ایک عظیم سلطنت کے صدر مقام کی
طرف آ رہے تھے جہاں ان کے دشمن زیادہ اور دوست کم تھے۔ اس کے مقابلے میں میرا یہ
مختصر سفر جس کا فاصلہ قدموں میں شمار کیا جاسکتا ہے بہت آسان ہے کیونکہ قلعہ کا قابض
سالار پہلے ہی ہتھیار ڈال چکا ہے۔"

امیر نے فرخ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔ "فرخ شاہ ایک ایسا قلعہ جس کا
سالار پہلے ہی ہتھیار ڈال چکا ہے کیا اس قلعہ میں تمہارا ایک سو سواروں کے ساتھ داخل
ہونا مناسب ہے۔ کیا قلعہ والے یہ نہ سوچیں گے کہ صلاح الدین نے دوستی کے ایک وفد
کو بھی ایک سو سواروں کے پہرے میں قلعہ میں بھیجا ہے۔ بتاؤ جواب دو؟"

"مجھ سے غلطی ہوگئی امیر۔۔ مجھے معاف فرمایا جائے۔" فرخ شاہ اور کیا کہہ سکتا
"یاد رکھو فرخ شاہ ۔۔" امیر نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "دوستوں کے
کھلے دل سے جاؤ خواہ تمہیں کچھ نقصان ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔ صلح کے بعد دوسرے
پر رعب ڈالنا اصول مردانگی کے خلاف ہے۔"

قلعہ دمشق کے تمام دروازے صبح ہی سے چشم انتظار کی طرح کھلے ہوئے تھے ا
والوں اور شہر والوں میں رابطہ قائم ہوگیا تھا۔ قلعہ کے تین اطراف کے دروازوں
بھیڑ بھاڑ ہوگئی تھی۔ لوگ کئی دن سے ایک دوسرے سے جدا تھے۔ سامان تجار
خوردونوش اندر کا اندر اور باہر کا باہر رک کر رہ گیا تھا۔ چوتھا یعنی صدر دروازہ جہا
گزر کر فرخ شاہ کو اندر جانا تھا وہاں سناٹا تھا۔ باہر کی طرف ایک متنفس تھا ہاں
دروازے کے اندر کچھ سوار ادھر ادھر گھوڑے دوڑاتے دکھائی دیتے تھے۔

اس دروازے پر دن چڑھے تک خاموشی طاری رہی۔ قلعہ کی فوج کے کچھ
دونوں جانب کی طویل راہداریوں میں کھڑے تھے۔ دروازے کے اندر کی طرف جن لو
کا پہرہ تھا وہ تمام کے تمام شمس الدین ابن مقدم کے آدمی تھے۔ اس دروازے کی
ابن مقدم کے حوالے کی گئی تھی۔ قلعہ کا سپہ سالار اپنی تمام فوج کے ساتھ شاہی مح
سامنے صف آرا تھا۔ سپہ سالار اور ابن مقدم میں یہی طے ہوا تھا کہ سپہ سالار اپ
کے ساتھ شاہی محل پر فرخ شاہ کا استقبال کرے گا۔

ادھر امیر صلاح الدین کی تنبیہہ پر فرخ شاہ نے اپنے ساتھ لے جانے والے
کی تعداد ایک سو سے گھٹا کر صرف دس سوار کردی تھی۔ دراصل امیر صلاح الدی
والوں کا دل جیتنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب فرخ شاہ نے صرف چند سوارو
ساتھ قلعہ میں داخل ہوگا تو اس کا یہ داخلہ دوستوں جیسا ہوگا اور قلعہ کی فوج کو یہ ا
نہ ہوگا کہ انہوں نے ہتھیار ڈالے ہیں یا وہ کسی دوسری طاقت کے محکوم ہوگئے ہیں
دن کافی چڑھ گیا تو امیر صلاح الدین نے فرخ شاہ کو کوچ کا اشارہ کیا اور فرخ اپنے
کے ساتھ منہ گھما کر قلعہ کی جانب روانہ ہوا۔

صرف گیارہ سواروں کا یہ رسالہ یا جتھا جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچا تو باہر کی
اس کا استقبال صرف دو آہن پوش سواروں نے کیا۔ اس میں سے ایک سوار گھوڑا
فرخ شاہ کے پاس آیا۔ فرخ شاہ سب سے آگے تھا۔

سوار نے جس کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھی گھوڑے پر ذرا خم ہو کر کہا۔ "
آمدید امیرزادے فرخ شاہ بن شاہان شاہ ۔۔ آپ کی تشریف آوری قلعہ والوں

ث صد افتخار ہے۔ قدم بڑھائیے سپہ سالار اور افواج دمشق اور امیر شمس الدین ابن
م قدم بوسی کے لئے آپ کے منتظر ہیں۔"

فرخ شاہ نے بھی خوشنودی کے اظہار میں اپنا سر ہلایا لیکن اسے تعجب ہو رہا تھا کہ
کا سردار استقبال کے لئے دروازے کے باہر کیوں نہیں آیا۔ اس کے علاوہ فرخ شاہ کو
بتایا گیا تھا کہ قلعہ کا حاکم صرف سالار فوج ہے مگر اس وقت آہن پوش سوار نے اس
کا اظہار کیا تھا کہ سپہ سالار افواج قلعہ اور امیر شمس الدین ابن مقدم اس کی پیشوائی
لئے اندر موجود ہیں۔ بہرحال یہ وقت سوچ بچار کا نہ تھا۔ فرخ شاہ بے تکلف اپنے
روں کے ساتھ جو اس سے دس قدم پیچھے چل رہے تھے قلعہ کے دروازے میں داخل
دونوں آہن پوش سوار امیرزادے کے دائیں بائیں اس کے گھوڑے سے گھوڑا ملا کر
رہے تھے۔

فرخ شاہ نے یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ وہ سالار فوج کے حجرے میں ان آہن پوش
روں سے کوئی سوال کرے۔ وہ سوار بھی نہایت خاموشی سے اس کے ساتھ ساتھ چل
تھے سوائے اس کے کہ دائیں جانب چلنے والا سوار بار بار اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ
تھا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے گھوڑا اس سے پورا طرح نہ سنبھل رہا ہو۔ فرخ شاہ ابھی یہ
رہا تھا کہ اسے پشت پر قلعہ کا صدر دروازہ بند ہونے کی گڑگڑاہٹ محسوس ہوئی۔ یہ
بہت تعجب خیز تھی جب وہ دروازے میں داخل ہوا تھا تو وہ پانوں پاٹ کھلا ہوا تھا۔ آخر
کے بند کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ امیرزادہ فرخ شاہ ایک بہادر باپ کا بیٹا تھا اس لئے
نے ذہن میں پیدا ہوتے وسوسوں کو جھٹک دیا اور آگے چلتا رہا۔

فرخ شاہ ابھی مشکل سے بیس گز چلا ہوگا کہ اسے اچانک ایک لرزتی آواز سنائی دی۔
"امیرزادے ہوشیار۔۔۔"

اس آواز کے ساتھ ہی فرخ شاہ کو اپنے بائیں پہلو میں ایک تلوار چمکتی دکھائی دی۔ وہ
چست اور پھرتیلا جوان تھا۔ "ہوشیار" کی آواز نے اسے خبردار کردیا تھا۔ اس نے بڑی
سے اپنے گھوڑے کو موڑ کر ایک طرف کرلیا پھر جو اس نے پلٹ کے دیکھا تو بڑا
ک منظر تھا۔ فرخ شاہ سے صرف پانچ قدم کے فاصلے پر اس کے پہلو بہ پہلو چلنے والے
ن پوش سوار ایک دوسرے سے الجھے ہوئے تھے۔ ان کی تلواریں آپس میں ملتی اور جدا
ہی تھیں۔

فرخ شاہ یہ تو سمجھ گیا تھا کہ اس پر کسی نے بائیں جانب سے حملہ کیا تھا۔ بائیں طرف
والا آہن پوش وہی تھا جس نے صدر دروازے کے باہر اسے خوش آمدید کہا تھا۔ ظاہر

تھا کہ اس پر اسی آہن پوش تلوار کا بھرپور وار کیا تھا جسے شاید دائیں طرف چلنے وا
نے اپنی تلوار پر روکا تھا اور اب وہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے تھے۔ فرخ
نہ کچھ معاملے کی اہمیت سمجھ گیا تھا مگر اس کے محافظ سوار جو اس سے کچھ فاصلہ پر
تھے ان کی سمجھ میں بالکل کچھ نہ آیا تھا۔ وہ گھوڑے روک کر کھڑے تھے اور فرخ
حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

فرخ شاہ کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا کہ وہ کیا کرے اسی وقت ایک آہن پوش
دوسرے آہن پوش کا زرہ کاٹتی اس کے پہلو میں داخل ہو گئی اور چیخ مار کر زمین
گیا۔ فاتح آہن نے اپنی تلوار واپس کھینچتے ہوئے امیرزادے کو وہیں سے مخاطب کیا۔

"امیرزادے آپ کو دھوکہ دیا گیا۔ فوراً قلعہ سے نکل جائیے۔"

فرخ شاہ کو پہلے ہوشیار کرنے اور اب قلعہ سے نکلنے کی درخواست کرنے وا
نسوانی تھی۔ اتنا موقعہ نہ تھا کہ وہ اپنی ہمدرد اور محسنہ کا شکریہ ادا کرتا۔ اس
گھوڑے کا رخ دروازے کی طرف کیا اور اپنے آدمیوں سے چیخ کر کہا۔ "بہادرو
دروازے جا پڑو اور اسے کھول کر باہر نکل جاؤ۔"

لمحوں میں فرخ شاہ اور اس کے ساتھی بند دروازے پر پہنچے۔ دروازے کی زنج
موٹی لکڑیوں کی ٹیک ابھی نہیں لگائی گئی تھی کہ فرخ شاہ کے سوار ان پر بازوں
جھپٹے اور پہلے ہی وار میں آٹھ محافظوں کا خاتمہ ہو گیا۔ محافظ بدحواس ہو گئے اور ا
ادھر ادھر بھاگنے کی کوشش کی مگر فرخ شاہ اور اس کے ساتھیوں کی تلواریں موت ب
پر گر رہی تھیں۔ دم کے دم میں آدھے سے زیادہ محافظ قتل ہو گئے پھر نہ جانے ک
بیس پچیس اور آدمی نکل پڑے۔ فرخ شاہ نے فوراً لڑائی کی حکمت عملی تبدیل کی۔

"ساتھیو دروازہ کھولنے کی کوشش کرو۔" فرخ شاہ کی آواز پر چھ سوار درواز
لگ گئے اور انہوں نے دونوں پٹوں کو دھکیلنا شروع کیا۔ دروازہ کافی بھاری تھا
آدمیوں سے نہ کھل رہا تھا۔ مگر کوشش کرنے والوں کی نظر اس زنجیر پر پڑی جے
دروازہ کھولا اور بند کیا جاتا تھا۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور سب زنجیر ے
اسے ایک طرف کھینچنے لگے۔ اس ترکیب سے دروازے کا ایک پٹ آہستہ آہستہ کھلن
ہوا۔ دروازہ ذرا سا کھلا تھا کہ ایک آدمی اس کے اندر سے نکل کے بھاگا اور بقیہ
کے دور تک بھاگتا چلا گیا اس کا رخ امیر صلاح الدین کے محل کی طرف تھا۔ پھر ا
گھڑ سوار نظر پڑا اس نے سوار سے گھوڑا مانگا اور اس پر سوار ہو کر امیر صلاح الد
پاس پہنچ گیا۔

"امیر ---- دھوکہ ---- فرخ شاہ دشمنوں میں گھر گئے ہیں۔ جلدی چلئے۔" آنے
لے سوار نے ساتھیوں کے درمیان ہانپتے ہوئے کہا۔

امیر صلاح الدین مہمان خانے میں امرا کے ساتھ بیٹھا گفتگو کر رہا تھا۔ موضوع سخن
ہ دمشق تھا۔ اسی وقت فرخ شاہ کے ساتھ جانے والے سوار نے اسے قلعہ والوں کی
اری اور فریب کاری کی اطلاع دی۔ پھر صلاح الدین کو غصہ بہت کم آتا تھا لیکن جب
جاتا تھا تو پھر وہ قابو میں نہیں رہتا تھا۔ سوار کے منہ سے نکلے ہوئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ
ے اسے مطلب سمجھنے میں کوئی پریشانی نہ ہوئی۔ وہ تڑپ کے اٹھا اور غلام خاص کو سواری
اشارہ کیا۔ غلام تیزی سے باہر کی طرف بھاگا۔

امیر کے ساتھ کے امرا بھی اس واقعہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور سمجھ چکے تھے وہ
ی امیر صلاح الدین کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور اس کے پیچھے چلنے لگے۔ امیر تیز قدم
تا یا یہ کہنا چاہیے کہ بھاگتا ہوا محل کی سیڑھیوں پر پہنچا۔ اس وقت اس کا غلام گھوڑا
لے سیڑھیوں کے نیچے پہنچ چکا تھا۔ امیر نے دو دو اور تین تین سیڑھیاں ایک ساتھ طے
رنا شروع کیں اور جب آخری چار سیڑھیاں باقی رہ گئیں تو وہ جست کر کے گھوڑے پر
نچ گیا۔

"لشکر قلعے پہنچے۔" صرف اتنا حکم دے کر اس نے گھوڑے کو مہمیز کیا باگیں اٹھائیں تو
ہم زدن میں قلعہ دمشق کے دروازے پر تھا۔ فرخ شاہ نے باوجود کم تعداد میں ہونے کے
روازے کے محافظوں کو پسپا کر کے دروازہ کھول دیا تھا اور اب وہ اس کے سوار بیچ
روازے میں کھڑے شمشیر کے جوہر دکھا رہے تھے۔ اندر کی طرف سے ان پر سواروں اور
یدلوں کی یلغار ہو رہی تھی جو اسے دھکیل کر قلعہ کا دروازہ بند کرنا چاہتے تھے جبکہ فرخ
اہ کی کوشش تھی کہ دروازہ بند نہ ہو سکے۔

امیر صلاح الدین جو آنے والوں میں سب سے آگے تھا اس نے دور ہی سے آواز
ی۔

"فرخ گھبرانا نہیں۔ ہم آگئے ہیں۔"

فرخ شاہ کے کانوں میں امیر کی آواز پڑی وہ ادھر ادھر مڑتے ہوئے چلایا۔ "امیر صلاح
لدین آگئے ہمارا لشکر آگیا۔"

فرخ شاہ کی آواز کی گونج ختم نہ ہوئی تھی کہ حملہ آوروں کے ہاتھ رک گئے اور وہ بے
تحاشہ اندر کی طرف بھاگے۔ امیر صلاح الدین فرخ شاہ کے پاس پہنچ گیا تھا۔ حملہ آوروں
کے بھاگ جانے سے لڑائی رک گئی تھی۔ امیر کو اپنے سامنے دیکھ کر فرخ شاہ گھوڑے سے

اتر پڑا۔ اس کے ساتھی بھی پاپیادہ ہو گئے۔

امیر نے گھوڑے سے اتر کر فرخ شاہ کی پیٹھ ٹھونکی۔ "تم نے اپنے باپ کی شجاعت
لاج رکھدی۔ تمہیں کتنے زخم آئے ہیں؟"

"ایک بھی نہیں امیر اعلیٰ مقام۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔" فرخ شاہ نے بڑی مس
سے کہا۔

"تمہارے کتنے سوار کام آئے۔" امیر نے اس کے سواروں کی طرف دیکھا جو ایک
جمع ہو گئے تھے۔

فرخ شاہ نے آدمی شمار کئے۔ "خدا کا شکر ہے امیر۔ میرا کوئی آدمی ضائع نہیں ہوا۔

"الحمدللہ۔۔" امیر نے خدا کا شکر ادا کیا۔

اسی وقت راہداریوں میں کھڑے ہوئے مسلح محافظوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے
دوڑتے ہوئے امیر صلاح الدین کے پاس آئے۔

"امیر عالی مقام ٦۔ ہم سب بالکل بے قصور ہیں۔ ہمیں معاف کیا جائے امیر۔۔"

"پھر یہ کون لوگ تھے جو ہمارے آدمیوں سے برسرپیکار تھے؟" اس نے جواب

"ہمارے سپہ سالار نے ہمیں حکم دیا تھا کہ صدر دروازے کی دیکھ بھال ابن مقدم
حوالے کردی جائے۔ امیر ابن مقدم نے ہمیں رات کے پچھلے پہر صدر دروازے
کے راہداری میں کھڑا کردیا تھا۔"

امیر کے تقریباً" دو سو سوار قلعہ میں داخل ہو گئے تھے۔ امیر نے حکم دیا۔ "ابن م
کو تلاش کیا جائے اور سپہ سالار افواج دمشق کو گرفتار کر کے ہمارے سامنے پیش
جائے۔" پھر امیر نے فرخ شاہ سے پوچھا۔ "فرخ یہ سب کیا ہے اور کیسے ہوا۔ اس
تفصیل بیان کرو۔"

فرخ شاہ نے امیر کو بتایا۔ "امیر محترم۔ میں محل سے کوچ کر کے قلعہ کے درواز
پہنچا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور باہر کی طرف دو مسلح آہن پوش میرے استقبال کے لئے کھ
تھے انہوں نے مجھ سے قلعہ میں داخل ہونے کی درخواست کی اور بتایا کہ ابن مقدم
فوج آپ کا استقبال شاہی محل کے سامنے کریں گے چنانچہ میں بے دھڑک قلعہ میں دا
ہوا۔ میری ساتھی مجھ سے کچھ قدم پیچھے آرہے تھے لیکن قلعہ کے دونوں آہن پوش
میرے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ میں قلعہ کے اندر چند ہی قدم چلا تھا کہ نقاب پو
میں سے ایک نے مجھے آواز دے کر ہوشیار کیا اور بتایا کہ میرے ساتھ دھوکہ کیا گیا۔
قبل اس کے کہ میں تلوار کھینچ سکتا کہ دوسرے آہن پوش نے بڑی پھرتی سے مجھ پر تلو

وار کیا۔ میں نے اپنے گھوڑے کو تیزی سے پیچھے ہٹایا لیکن اگر مجھے غیبی مدد نہ حاصل ہو
جاتی تو آہن پوش کی تلوار شاید میرا سر قلم کر جاتی اس وقت۔۔۔۔"

"غیبی مدد سے تمہاری کیا مراد ہے فرخ؟" امیر صلاح الدین نے اس کا قطع کلام کیا۔

"امیر عالی مقام۔۔۔" فرخ نے گلہ صاف کرکے بتایا۔ "میں نے آپ سے عرض کیا
ہے کہ مجھے ایک آواز نے ہوشیار کر کے بتایا تھا کہ میرے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔ اس کے
ساتھ ہی مجھ پر آہن پوش سوار نے تلوار کا وار کردیا مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب
میں نے دیکھا کہ دوسرے آہن پوش نے مجھ پر ہونے والے وار کو اپنی تلوار پر روک لیا
اور پھر وار کرنے والے پر پینترہ بدل کر ایسا حملہ کیا کہ تلوار اس کے پہلو میں اتر گئی اور
حملہ آور آہن پوش زمین سے لگ گیا۔"

"بات واقعی حیرت انگیز ہے مگر تمہیں بچانے والا دوسرا آہن پوش کون تھا؟" امیر
صلاح الدین نے دلچسپی سے دریافت کیا۔

"وہ۔۔۔۔" فرخ نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ "وہ ابھی یہیں تھی"

"وہ تھی۔۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو فرخ؟" امیر نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ کوئی عورت یا لڑکی تھی۔ ابھی یہیں تھی۔ میرے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کر رہی
تھی۔ فرخ شاہ پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"خیر وہ کوئی عورت تھی یا مرد۔ اسے تلاش کیا جائے۔ ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔"
امیر نے حکم دیا۔

"آپ شاہی محل پر چلئے امیر۔ میں اسے ڈھونڈ کر ابھی حاضر کرتا ہوں۔" فرخ شاہ
نے جواب دیا۔

"نہیں۔۔ تم ہمارے ساتھ چلو گے۔" امیر صلاح الدین نے فرخ شاہ کی بات سے
اتفاق نہ کیا امیر صلاح الدین نے فرخ شاہ کو روک لیا تھا اور وہ اسے ساتھ لے کر شاہی
محل جانا چاہتا تھا مگر پھر اس نے شاہی محل جانے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ "ہم اسی جگہ دربار
لگائیں گے اور دشمنوں کو سزا کا حکم دیں گے۔

قلعہ کے وہ پہریدار اور محافظ جنہیں ابن مقدم نے ہٹا کر اپنے آدمیوں کو مقرر کیا تھا۔
ان پہریداروں نے جب سنا کہ امیر اسی مقام پر دربار کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھاگے بھاگے ایک
رئیس کے گھر پہنچے اور وہاں سے چار قالین اٹھا لائے۔ وہ رئیس بھی ان کے ساتھ ہی امیر
کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ دربار تو نہ تھا لیکن اس زمانہ کے دستور کے مطابق علاقائی
گورنر اور بڑے جاگیردار بھی اپنے محلات میں احباب کی محفلیں جماتے تھے اور ان محفلوں

کو دربار کا نام دیتے تھے۔

دربار جما تو فرخ شاہ کو حکم دیا گیا۔ "شمس الدین ابن مقدم کو زندہ یا مردہ حاضر کیا جائے۔"

امیر صلاح الدین نے یہ حکم فرخ شاہ کو دیا تھا۔ فرخ شاہ جانے کے لئے تیار ہوا تو صلاح الدین نے کہا۔ "ابھی حکم ختم نہیں ہوا۔ پورا حکم سننے کے بعد روانہ ہونا فرخ۔"

فرخ سر جھکا کر کھڑا اور مزید حکم کا انتظار کرنے لگا۔

امیر صلاح الدین نے کہا۔ "شمس الدین ابن مقدم کے علاوہ قلعہ کی فوج کے سالار کو بھی گرفتار کر کے حاضر کیا جائے کیونکہ فرخ شاہ پر حملہ بغیر سالار فوج کی مرضی کے نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک بڑی سازش معلوم ہوتی ہے اس میں قلعہ کے متعدد اشخاص ملوث ہیں۔ اس لئے ہمارے پاس قلعہ سے جو پہلا صلح کا وفد بھیجا گیا تھا اس کے ارکان کو بھی گرفتار کیا جائے۔ ان میں دمشق کے مفتی بھی شامل تھے۔ انہیں عزت سے پیش کیا جائے اور جب تک ہم ان کے متعلق کوئی اور حکم نہ دیں انہیں احترام سے حراست میں رکھا جائے۔ یہی سلوک قاضی شہر کے ساتھ ہوگا جو سالار فوج کی طرف سے وفاداری اور اطاعت کا پیغام لے کر گئے تھے۔ ان احکامات کی فوراً تعمیل ہو۔"

فرخ شاہ نے تعمیل حکم کی اجازت مانگی۔ اس پر امیر صلاح الدین نے اسے تاکید کی۔ "فرخ شاہ ملزموں کے ساتھ کوئی بدتمیزی یا زیادتی نہ کی جائے۔ ان پر اب تک جرم ثابت نہیں ہوا ہے اور انہوں نے اپنی صفائی بھی پیش نہیں کی۔ تم سالار فوج کی گرفتاری کے لئے اپنے ساتھ پچاس سوار لے جاسکتے ہو اور اگر زیادہ مزاحمت ہو تو ہمیں اطلاع دی جائے۔

فرخ شاہ نے جانے کے لئے پھر قدم اٹھایا تھا کہ امیر کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔ "فرخ اس آہن پوش سوار کی تلاش ضروری ہے جس نے نہ صرف تمہیں خطرے سے آگاہ کیا بلکہ حوصلے سے کام لے کر تم پر حملہ آور ہونے والے کا خاتمہ کردیا۔ مقتول کی لاش بھی پیش کی جائے۔"

امیر صلاح الدین خاموش ہو چکا تھا لیکن فرخ شاہ کی ہمت نہ پڑ رہی تھی کہ قدم اٹھائے بادا کہ امیر اسے رکنے کا حکم دے۔

"فرخ شاہ تم جاسکتے ہو۔۔۔" آخر امیر نے اسے جانے کی اجازت دیدی۔

فرخ شاہ تو ادھر چلا گیا اور امیر صلاح الدین ان معززین قلعہ سے مخاطب ہوئے جو امیر کی آمد کی خبر سن کر وہاں جمع ہو گئے تھے۔ امیر نے ان لوگوں سے پوچھا۔ "آپ لوگوں میں سے کون بتا سکتا ہے کہ صبح کا واقعہ کس طرح پیش آیا اور اس فریب کاری اور کھلی خلاف ورزی کے کون لوگ ذمہ دار ہیں۔۔۔"

پورے مجمع کے پاس اس سوال کا جواب نہ تھا۔ دراصل وہ امیر کا سوال ہی نہ سمجھ سکے تھے۔ وہ بت بنے کھڑے رہے تو امیر نے اپنا سوال دُہرایا۔ "آپ لوگ بالکل نہ گھبرائے۔ ہم تو اصل مجرموں کے نام معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے صبح کی لڑائی دیکھی تو ہوگی؟"

مجمع سے ایک نے جرات سے کام لیتے ہوئے زبان کھولی۔ "اے امیر۔ آپ کس واقعہ اور کس لڑائی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ ہم لوگ تو آپ کی آمد کی خبر سن کر دیدار کو حاضر ہوئے ہیں"

"اچھا تو آپ لوگوں کو کچھ بھی نہیں معلوم" امیر کے لہجے میں حیرت کی آمیزش تھی۔

"بالکل نہیں امیر۔۔۔ ہمیں بالکل خبر نہیں کہ صبح کو کیا ہوا اور کس نے فریب کاری کی۔" اس آدمی نے جواب دیا۔

"اگر کوئی نہیں جانتا تو ہم بتاتے ہیں۔" امیر نے پیش کش کی۔ "کل ہمارے پاس قلعہ کے سالار کا پیغام پہنچا تھا کہ وہ خزانہ اور قلعہ کی چابیاں لے کر ہمارے پاس آنا چاہتا ہے۔ یہ پیغام لانے والے قاضی شہر تھے۔ ہم نے اس پیغام کا یہ جواب بھیجا تھا کہ سالار فوج کو ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں بلکہ کل یعنی آج صبح ہمارا بھتیجا فرخ شاہ خود قلعہ میں آئے گا اور ضروری کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ حسب اعلان ہم نے آج صبح امیر زادے فرخ شاہ کو صرف دس سواروں کے ساتھ قلعہ بھیجا۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ ہمارا جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں لیکن جب صبح کو امیر زادہ قلعہ میں داخل ہوا تو اس کے داخلے کے ساتھ ہی قلعہ کا دروازہ بند کردیا گیا اور امیر زادے فرخ شاہ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ فرخ شاہ نے حملہ آوروں کا اس وقت تک مقابلہ کیا جب تک ہم مزید کمک لے کر قلعہ نہیں پہنچ گئے۔"

بات ختم کرنے کے بعد امیر نے اپنے مخاطب کے چہروں پر نظر ڈالی۔ ان کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے اور وہ ایک دوسرے کو اس انداز سے دیکھ رہے تھے جیسے پوچھ رہے ہوں۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ پھر گفتگو کرنے والے نے جواب دیا۔ "امیر محترم۔ آپ نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے اس کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ ہمیں تو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حاکم قلعہ نے آپ سے صلح کی گفتگو کی ہے اور اسے اس میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ نیز یہ کہ قلعہ کا قبضہ بغیر کسی جنگ کے آپ کو دیدیا جائے گا۔ ہم لوگ اس بات سے بہت

خوش تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ آپ کب تشریف لائیں اور ہم آپ کے دیدار سے فیضیاب ہوں۔"

امیر صلاح الدین سمجھ گیا کہ قلعہ والے تمام واقعات سے بالکل بے خبر ہیں۔ اس نے اعلان کیا کہ " قلعہ کے کسی شخص سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے۔ آپ لوگ مطمئن ہو کے اپنے گھر جائیے۔"

لوگ خاموشی سے مگر خوش خوش اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد فرخ شاہ واپس آتا دکھائی دیا۔ وہ پیدل آرہا تھا اور اس کے عقب میں ہزاروں آدمی آتے ہوئے دکھائی دیے۔ امیر نے کھڑے ہو کر دیکھا۔ فرخ شاہ کے ساتھ ایک شخص تھا جس کے گلے میں تلوار چمک رہی تھی۔ گلے میں تلوار لٹکانے کا مطلب تھا کہ اس نے اطاعت قبول کرلی ہے۔ امیر نے اندازہ لگایا کہ یہ شخص قلعہ کا سالار ہوسکتا ہے۔

فرخ شاہ کی دوسری جانب تین آدمی اور چل رہے تھے۔ قریب آنے پر امیر صلاح الدین نے انہیں پہنچا لیا۔ وہ مفتی شہر اور قاضی شہر تھے۔ تیسرا آدمی وہ تھا جو پہلے وفد میں مفتی شہر کے ساتھ امیر کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور خود کو سالار فوج کا نائب بتاتا تھا۔ ان چاروں کے پیچھے قلعہ کی ایک ہزار فوج کے لشکری تھے۔ ان کے گلوں میں بھی اطاعت کے لئے تلوار لٹکی ہوئی تھیں۔

امیر صلاح الدین نے گرجدار آواز میں حکم دیا۔ "لشکریوں کو دور رکھا جائے۔ فرخ شاہ اپنے ساتھ کے تینوں اشخاص کو لے کر حاضر ہو۔"

فرخ شاہ نے فوراً پلٹ کر لشکریوں کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب الٹے پیروں واپس ہونے لگے۔ فرخ شاہ اس وقت تک ہاتھ ہلاتا رہا جب تک لشکری دور نہ پہنچ گئے۔ پھر ساتھ آنے والوں کو لے کر امیر صلاح الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔

سالار فوج ۔۔ اس کا نائب ' قاضی شہر اور مفتی شہر نے امیر صلاح الدین کو سلام کیا۔ انہیں دیکھ کے امیر کا مزاج برہم ہوگیا تھا۔ اس نے درشت لہجے میں سوال کیا۔ "تم لوگوں کو اپنے جرم کا اقبال ہے؟؟"

سالار فوج نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ امیر سے گفتگو وہ خود کرے گا۔ اس لئے اس کے ساتھی خاموش رہے اور سالار فوج نے کہا۔ "امیر عالی مقام ۔۔ ہم مجرم ہیں مگر اس کے نہیں کہ آپ سے غداری کی یا آپ کو فریب' امیرزادے فرخ شاہ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ ہمارا جرم صرف یہ ہے کہ ہم نے غدار ملک و ملت امیر شمس الدین ابن

مقدم کی بات پر اعتبار کرلیا جس کے نتیجے میں اس وقت ہم امیر کے حضور میں مجرموں کی طرح حاضر ہوئے ہیں۔ فریب دراصل ابن مقدم نے کیا اور امیرزادے پر حملہ اس کے حکم سے کیا گیا کیونکہ قلعہ کے صدر دروازہ کی حفاظت اس کے ذمہ داری تھی۔"

"تمہاری بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔" امیر نے الجھتے ہوئے کہا۔ "آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ ایک طرف تو جرم کا اقرار کرتے ہو دوسری طرف انکار۔ صاف صاف حالات بیان کرو۔"

"امیر محترم ۔۔" سالار نے بڑے استقلال سے کہا۔ "کل شام امیر شمس الدین ابن مقدم میرے پاس آئے اور بیان کیا کہ آپ نے انہیں معاف کر کے ان کی امارت بحال کردی ہے۔ مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی پھر انہوں نے امیرزادے کے استقبال کے بارے میں انتظامات کا حال پوچھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں قلعہ کی پوری فوج کے ساتھ قلعہ سے باہر نکل کے امیرزادے کا استقبال کروں گا۔ اس پر وہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے کہ وہ خود بھی اپنے محافظ دستے کے ساتھ صدر دروازے پر امیرزادے کا استقبال کرنا چاہتے ہیں۔ پھر انہوں نے تجویز پیش کی کہ امیرزادے فرخ شاہ کا استقبال ایک جگہ کے بجائے دو مقامات پر کیا جائے وہ اس طرح کے صدر دروازے پر امیر ابن مقدم' امیرزادے کا اپنے آدمیوں کے ساتھ استقبال کریں اور میں امیرزادے کا استقبال شاہی محل کے دروازے پر پوری فوج کے ساتھ کروں۔ ان کا خیال تھا کہ امیرزادے نے فرخ شاہ کا استقبال جب دو مقامات پر ہوگا تو امیرزادے پر اس کا اچھا اثر ہوگا۔

"امیر عالی مقام۔ بس اس جگہ میں دھوکہ کھا گیا۔ ابن مقدم کی مکاری میں نہ سمجھ سکا اور اس کے کہنے پر میں نے صدر دروازے پر استقبال کام اس کے سپرد کردیا اور میری اس غلطی کا یہ نتیجہ ہوا کہ امیرزادے پر قاتلانہ حملہ ہوا اور ان کے آدمیوں کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔"

امیر یہ بیان سن کر متعجب ہوا۔" ہوسکتا ہے کہ تمہارا بیان درست ہو لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ ابن مقدم ہمارے عزیز بھتیجے کو قتل کر کے کیا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اگر خدانخواستہ امیرزادہ قتل ہوجاتا تو کیا ہم دمشق چھوڑ کے قاہرہ واپس چلے جاتے۔ ہمارے سوار تو پھر بھی زندہ رہتے اور ہم قلعہ دمشق کو کسی وقت بھی فتح کرسکتے تھے؟"

"امیر عالی مقام ۔۔" سالار نے جواب دیا۔ "اس سوال کا جواب تو وہ شاطر ابن مقدم ہی دے سکتا ہے۔ خدا معلوم اس نے کیا منصوبہ بنایا ہے۔ خدا کا شکر ہے امیرزادے محفوظ رہے ورنہ اس غلط فہمی کی بنا پر قلعہ والوں کا خدا معلوم کس قدر خون بہہ جاتا۔"

"تم اپنے بیان کے ثبوت میں کوئی شہادت پیش کرسکتے ہو؟" امیر نے اچانک سوال
"امیر محترم۔ میں مفتی اعظم کو ثبوت میں پیش کرتا ہوں۔ میں نے کل رات ا
کر ابن مقدم سے ملاقات کی پوری تفصیل سنائی تھی اور انہوں نے بھی اس بات ک
تھا کہ ابن مقدم کے کہنے کے مطابق ایک جگہ کے بجائے دو جگہ امیرزادے کا استقبا
زیادہ بہتر رہے گا۔"

"مفتی اعظم ----" آپ کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا کہ ابن مقدم اتنی زبردست چا
رہا ہے؟"

"مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔ میں ابن مقدم کے فریب کو بالکل نہ سمجھ
مفتی اعظم نے بڑی سادگی سے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔

امیر صلاح الدین بڑی دیر تک اس مسئلہ پر غور کرتا رہا مگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ
"بات ابھی تک صاف نہیں ہوسکی۔" امیر نے فرخ شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
تک ابن مقدم گرفتار نہیں ہوتا ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ فرخ شاہ یہ تمہار
داری ہے کہ یا تو ابن مقدم کو پیش کردو یا پھر اس آہن پوش کو ہمارے پاس لاؤ جس
تمہیں خطرے سے آگاہ کیا اور تمہارے دشمن کے پہلو میں تلوار اتاری تھی۔"

فرخ شاہ نے اطاعت میں گردن جھکا دی۔ "میں امیر کے حکم کی تعمیل میں اپنی جا
دوں گا۔"

امیر نے فیصلہ کیا۔ "بہرصورت یہ بات تو یقینی ہے کہ سالار فوج اور دوسرے لوگ
ابن مقدم کی فریب کاری کے شکار ہوئے ہیں۔ ان کی صرف یہ غلطی ہے کہ وہ ابن
کے فریب میں آگئے۔ انسان آخر خطا کا پتلا ہے۔ ہم سب کو معاف کرتے ہیں۔"
تمام لوگوں کے چہرے مسرت سے چمک اٹھے۔

خانہ جنگی

شمس الدین کی سازشوں ' ریشہ دوانیوں اور مکاریوں کی فہرست کافی طویل تھی
اس کا پورا نام امیر شمس الدین محمد بن عبدالملک المقدم تھا۔ یہ شخص ایک سازشی ذہن کا
مالک تھا اس لئے اس سے ہر قدم پر ایک جرم سرزد ہوتا تھا۔ قلعہ دمشق کے قبضہ کے
سلسلہ میں اس نے جو گھناؤنا کردار ادا کیا اس کا پردہ چاک ہونے پر نہ صرف اہل دمشق نے
اس پر لعنت بھیجی بلکہ اس کی نیک اور خوبرو بیٹی ارمغانہ اس قدر شرمسار ہوئی کہ وہ گوشہ
نشیں سی ہوگئی۔ لوگوں کے سامنے آنے کی اسے ہمت نہ تھی۔

شمس الدین المقدم نے اس سے پہلے سلطان نورالدین زنگی کے انتقال پر
وطن دشمنی کا ایک ایسا کھیل کھیلا کہ جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔
سلطان کی وفات پر جب جانشینی کا سوال پیدا ہوا تو اس وقت شمس الدین المقدم دمشق میں
موجود تھا۔ تمام امرائے نوریہ 'سرداران فوج اور معززین شہر سر جوڑ کر بیٹھے تھے۔ ان
معززین میں قاضی کمال الدین شہرزوری شامل تھے انہوں نے بزرگ ہونے کی حیثیت سے
سلطان مرحوم کے بیٹے الملک الصالح اسمٰعیل کو تخت دمشق کا وارث نامزد کیا اور امیر شمس الدین
محمد بن عبدالملک المقدم کو ملک صالح کا نگراں' سلطنت کا منتظم اور سربراہ مقرر کیا۔
لوگ المقدم کے دل کا حال نہ جانتے تھے اس لئے کسی نے اس انتخاب کی مخالفت نہ کی
اور شمس الدین المقدم کو اقتدار سونپ دیا گیا۔

اس وقت سلطنت دمشق سے تعلق رکھنے والے دو امیر زیادہ طاقتور تھے
ایک تو مصر کا وزیراعظم صلاح الدین اور دوسرا سلطان مرحوم کا بھتیجا سیف الدین غازی
جس کو سلطان مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں موصل کا حاکم مقرر کیا تھا۔
سلطان کی وفات پر اس نے الجزیرہ کے تقریباً تمام قلعے فتح کرلئے تھے۔
دمشق میں امیر شمس الدین ابن مقدم کو خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ اگر مصر سے

صلاح الدین ایوبی نہ بھی آیا تو موصل کا حاکم سیف الدین غازی ضرور دمشق
کوشش کرے گا۔ اس طرح شمس الدین ابن مقدم اپنے مفاد کی خاطر ملا
سیف الدین غازی دونوں ہی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔

اس دوران جبکہ صلاح الدین ابھی مصر سے روانہ بھی نہ ہوا تھا،
مسلمان علاقوں کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ عیسائیوں نے اندازہ کرلیا تھا
الدین زنگی کی وفات سے سلطنت دمشق کی مرکزیت ختم ہوچکی ہے۔ دمشق
لڑکا برسر اقتدار ہے اس لئے اگر مسلمانوں کے دوردراز علاقوں پر حملہ کیا جا
کے لئے کوئی نہ پہنچ سکے گا۔ پس فرنگی تیزی سے مسلم علاقے میں داخل ہو
نے مشہور قلعہ بانیاس پر قبضہ کرلیا یہ قلعہ براہ راست دمشق کی مرکزی حکو
تھا۔ اس نئی مصیبت سے دمشق کے امراء میں بڑا اضطراب پیدا ہوا۔

قاضی کمال الدین شہرزوری نے ابن مقدم سے کہا تھا۔" اے امیر مح
قلعہ پر کافروں کے قبضہ سے سلطنت دمشق کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔ بانیاس
واپس لینے کے لئے آپ کو سلطنت کے طاقتور امراء کا تعاون حاصل کرنا چاہئے

شمس الدین محمد بن عبدالملک المقدم سمجھ گیا کہ قاضی کیا کہنا چاہتے ہ
بن کے پوچھا۔"قاضی کن امراء کا تعاون چاہتے ہیں؟"

"ظاہر ہے کہ فرنگی خطرہ کو صرف دو امیر دور کرسکتے ہیں۔" قاضی کم
زوری نے بے دھڑک جواب دیا۔ "ایک امیر مصر کا وزیراعظم صلاح الدین ا
امیر موصل کا حاکم سیف الدین غازی۔ ان میں سے آپ جس کا بھی تعاون
گے وہ سلطنت دمشق کے لئے مفید ہوگا۔"

امیر شمس الدین بن المقدم نے قاضی کمال کو قدرے سختی سے جوا
محترم یہ فقہ کا مسئلہ نہیں جسے آپ حل کریں گے ملکی معاملات میں چاروں ط
پڑتی ہے۔ حاکم موصل سیف الدین غازی کا کردار آپ کے سامنے ہے سلطا
بند ہوتے ہی اس نے الجزیرہ میں ادھم مچا دیا اور ایک ایک کرکے تمام قلعوا
اس سے دمشق کی بھلائی کی کیاامید کی جاسکتی ہے۔"

"آپ درست فرمارہے ہیں امیر۔" قاضی کمال نے تائید کی۔ "لیکن
مسلمان علاقوں پر قبضہ ہے ان کے مقابلے میں سیف الدین غازی ہماری
گا۔"

"اور مدد کرنے کے بہانے دمشق پر قبضہ کرلے گا۔" امیر شمس الد

لہجے میں جواب دیا قاضی کمال شہرزوری امیر کے جواب پر سناٹے میں آگئے لیکن
دل میں ملک اور قوم کا سچا درد تھا اس لئے اس سخت جواب کے باوجود انہوں نے
ہمت کی۔ "امیر محترم اگر آپ کا خیال ہے کہ حاکم موصل فرنگیوں کے مقابلہ پر
کوئی مدد نہیں کرے گا تو اس پر خاک ڈالئے اور امیر صلاح الدین سے فوجی مدد
بھیجئے تاکہ بانیاس کے قلعہ کو کافروں سے جلد از جلد آزاد کرایا جاسکے؟"

"قاضی محترم۔ خدا کے لئے آپ مجھے ایسے مشورے نہ دیجئے۔" امیر شمس الدین
ہا۔ "ملکی دباؤ بچوں کے کھیل نہیں ہوتے بانیاس کے بارے میں امراء سے مشورہ کیا
ہے۔"

قاضی کمال الدین شہزوری دل برداشتہ ہوکے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ مشورے
بیٹھے فرنگی دمشق کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کے بانیاس سے بھی آگے بڑھ آئیں
میں نہیں سمجھتا کہ امیر صلاح الدین سے کمک منگانے سے کیا نقصان ہو جائے گا جبکہ
نے ملک الصالح اسمٰعیل کی جانشینی پر مسرت اور اطاعت کا اظہار کیا ہے۔"

قاضی کمال الدین تو بڑا بڑاتے چلے گئے مگر شمس الدین بن المقدم کو فکر پڑگئی کہ
بات بگڑ نہ جائے قاضی اس کے خلاف کوئی محاذ نہ بنائیں۔ چنانچہ اس نے صرف ان
کو اعتماد میں لیا جن کا مفاد ابن مقدم سے وابستہ تھا پھر اسی دن شام کو تاج۔ دمشق کی
سے اعلان کیا گیا کہ شاہی فوجیں بانیاس سے فرنگیوں کو نکالنے کے لئے روانہ ہورہی
اس اعلان سے جہاں قاضی کمال الدین شہزوری کے آنسو پچھ گئے وہاں امیر شمس
پر لوگوں کا اعتماد کچھ اور بڑھ گیا۔

امیر شمس الدین بن المقدم کا اعلان بڑا دل خوشکن تھا مگر المقدم نے اس اعلان کو
طرح جامہ پہنایا وہ قابل نفرت بن گیا۔ امیر شاہی لشکر لے کر دمشق سے نکلا اور بانیاس
کچھ دور پہنچ کے پڑاؤ ڈال دیا۔ ادھر قلعہ بانیاس کا یہ حال تھا کہ اس پر فرنگی قبضہ نہ
ئے تھے بلکہ انہوں نے صرف قلعہ کا محاصرہ کیا تھا۔ بانیاس کا محاصرہ کرکے فرنگی یہ
لگانا چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں اب کتنی طاقت ہے کیونکہ وہ اب بھی مسلمانوں سے
تھے۔ ان کو اس بات کا خوف تھا کہ اگر بانیاس پر قبضہ کرکے اسے تباہ کردیا گیا تو
مسلمان آپس کے جھگڑے بالائے طاق رکھ اکٹھا نہ ہو جائیں اور فرنگیوں کو لینے کے
پڑ جائیں۔

فرنگیوں کو پتہ چلا کہ دمشق کا شاہی لشکر بانیاس کو بچانے پہنچ گیا تو وہ بہت پریشان
اور الجھن میں محاصرہ اٹھانے کی باتیں کرنے لگے اسی شام امیر الامراء شمس الدین محمد

بن عبدالملک المقدم کا قاصد فرنگی خیمہ گاہ میں پہنچا تو کافروں کی باچھیں کھل گئیں
ان کی صفوں میں بھاگنے کے منصوبے تیار ہورہے تھے اور کہاں اب وہ اکڑ کے بیٹھ
امیر شمس الدین نے اپنے ایک خاص معتمد کو صلح کی بات کرنے فرنگیوں کے
اور اسے سمجھادیا کہ فرنگیوں سے بہر صورت صلح کرنی ہے۔ اس عقلمند نے
ڈرانے دھمکانے کے بجائے ان کے سامنے اپنی کمزوریاں بیان کرنا شروع کردیں
فرنگی سالار فوج کو بتایا کہ دمشق کی مرکزی حکومت اس وقت خانہ جنگی میں الجھی
سلطنت کے دو طاقتور حریف دمشق پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں ایک طاقت مصر کے
صلاح الدین ایوبی کی ہے جو قاہرہ سے دمشق کے لئے پر تول رہا ہے۔ د
موصل کے حاکم سیف الدین غازی کی ہے جس نے الجزیرہ کے تمام قلعوں
ہے۔ اب وہ کسی وقت اپنے لشکر جرار کے ساتھ دمشق کا رخ کرسکتا ہے۔ ب
کے بعداس نےفرنگی سالار سے درخواست کی وہ بانیاس کا محاصرہ اٹھا کر واپس چلا
جہاد کے نام پر دمشق کی دونوں حریف طاقتیں یکجا ہوجائیں گی پھر ایک صلیبی
ہوجائے گی جس کی تباہ کاریوں کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

صلح کے سفیر نے فرنگیوں پر یہ باتیں واضح کی کہ دمشق کی مرکزی حکومت
امیر شمس الدین بن المقدم اس کوشش میں ہیں کہ مصر کے صلاح الدین او
سیف الدین کا گٹھ جوڑ نہ ہونے پائے اور وہ آپس میں ٹکرا کے ختم ہوجائیں۔
نے فرنگی سالار سے درخواست کی کہ وہ بانیاس کا محاصرہ اٹھا کے اپنے علاقے
جائیں کیونکہ یہ بات ان کے حق اور مفاد میں ہےاس پر سالار کو پیش کش کی
فوری طور پر محاصرہ ختم کردیں تو اس کے لئے انہیں ایک معقول رقم پیش کی
اندھا کیا چاہے دو آنکھیں فرنگی محاصرہ اٹھانا چاہتے تھے۔ صلاح الدین
کا انہیں اندازہ نہیں تھا بلکہ وہ اس سے بہت خائف تھے اس لئے وہ محا
راضی ہوگئے۔ انہیں اس کے صلہ میں ایک معقول رقم ادا کی گئی جو شمس الد
شاہی خزانہ سے نکال کے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس رقم کی صحیح مقدار کا پتہ
سوائے اس کے کہ یہ رقم لاکھوں دینار کی شکل میں ادا کی گئی۔

صلاح الدین کے جاسوس نے اسے قاہرہ خبر پہنچائی تو اس نے سرپٹ
اسی وقت اپنا قافلہ دمشق روانہ کیا جس نے یہاں پہنچ کے نئے بادشاہ کا
امرائے نوریہ کے سامنے سخت الفاظ میں صلاح الدین کا پیغام سنایا۔
صلاح الدین نے اس بات پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے کہ بانیا

رنے کے لئے شاہی افواج نے بزدلی کا ثبوت دیا اور فرنگیوں کو قلعہ خالی کرنے کے
لاکھ دینار بطور رشوت ادا کئے گئے۔ امیر صلاح الدین کی خیال میں فرنگیوں کو
دے کر امرائے نوریہ نے موت کے فرشتے کو گھر دکھادیا ہے۔ اب ان کا جب جی
ادہ کسی مسلم علاقہ پر چڑھ دوڑیں گے اور بغیر رقم حاصل کئے واپس نہ جائیں گے۔
م مصر نے یہ بھی پیغام دیا ہے کہ امراء کی بدعنوانیوں کی وجہ سے سلطنت دمشق کے
ہورہے ہیں اور وہ خود دمشق پہنچ کر اپنے آقائے مرحوم کے فرزند شاہ دمشق ملک
و بدعنوان امراء سے نجات دلائیں گے۔"

قاصد جب یہ سخت جملے ادا کررہا تھا اس وقت بہت سے امرائے نوریہ وہاں موجود
کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ وہ قاصد کو روکے سوائے قاضی کمال الدین شہزوری کے
نے امیر الاشمس الدین المقدم کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ قاضی اور دوسرے امراء کو
دین نے یہ بتایا تھا کہ اس نے قلعہ بانیاس کو فرنگیوں سے بزور شمشیر واپس لیا ہے۔
، اس جھوٹ کا بھانڈہ آج پھوٹ گیا تھا۔ قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجنے کے بعد امیر
دین نے امیر شمس الدین المقدم کو ایک نہایت سخت خط لکھا تھا مگر اسی دوران امیر
نا کمسن شاہ دمشق ملک الصالح کو حلب اغوا کرکے لے گیا۔ یہ خبر ایسی تھی جس نے
دین کو فوری طور پر دمشق روانہ ہونے پر مجبور کردیا تھا۔

ر جب صلاح الدین صرف سات سو سواروں کے ساتھ منزلیں مارتا دمشق پہنچ گیا تو
ت امیر شمس الدین نے قلعہ کو صلاح الدین سے بچانے کے لئے اپنی معصوم بیٹی
لو استعمال کیا لیکن نیک دل دوشیزہ وہ کردار ادا نہ کرسکی جس کے لئے اس کے باپ
ہ دے کر اسے تیار کیا تھا۔ ان دو واقعات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ابن
اعمالنامہ پہلے ہی سے سیاہ تھا۔ اس بے شرم نے یہ بھی نہ لحاظ کیا کہ اگر اس کی
انہ صلاح الدین کے بھتیجے فرخ شاہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہوجاتی تو اس کے
کا کیا بنتا۔ کم از کم دمشق کا کوئی غیرت مند نوجوان ارمغانہ کو اپنی بیوی بنانے پر
ہوتا۔

صلاح الدین اپنے سواروں کے ساتھ قلعہ دمشق میں منتقل ہوگیا۔ تھااس نے فرخ
م دیا تھا کہ وہ شمس الدین، ابن المقدم کو زندہ یا مردہ اس کے سامنے حاضر کرے
اعمال کی سزا دی جاسکے۔ فرح شاہ کے لئے یہ بھی حکم تھا کہ اگر ابن المقدم ہاتھ
تو کم از کم اس نقاب پوش خاتون کا پتہ لگایا جائے تاکہ ابن مقدم کی پوری سازش
مائے۔ فرخ شاہ نے ابن مقدم کو نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ قلعہ اور شہر کے کونے

کونے میں پہنچا تھا اور ابن مقدم کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن
غائب ہوا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

اب رہا اس خاتون کا سوال جس نے نقاب پوش کو قتل کر کے فرخ شاہ
اس خاتون کے متعلق بھی فرخ شاہ کو کچھ علم نہ تھا کہ وہ کون ہے اور اس نے
یہ مہربانی کیوں کی۔ فرخ شاہ جس وقت قلعہ دمشق میں داخل ہوا تھا اسے دو نقاب
دائیں بائیں سے اپنے حلقے میں لے لیا تھا پھر اچانک اس نے ایک نقاب پو
آواز سنی اور دیکھا کہ اس نے دوسرے نقاب پوش کو جو فرخ شاہ پر حملہ کر رہا
اسے حملہ سے باز رکھا بلکہ اپنی تلوار اس کے پہلو میں اتار کے ہمیشہ کے لئے
کردیا۔ پھر ہنگامہ راہ گیر شروع ہوگیا اور فرخ شاہ اپنی محسنہ کو نہ دیکھ سکا۔ ہنگا
کے بعد بھی فرخ شاہ کو وہ نقاب پوش حسینہ نظر نہ آئی۔

فرخ شاہ کو اس نقاب پوش حسینہ میں اس لئے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی ک
صرف اس کی جان بچائی بلکہ اس پر ناقابل فراموش احسان بھی کیا تھا بلکہ اس
قطعی بے لوث تھی۔ اگر اس نے یہ کردار کسی مفاد کی خاطر ادا کیا ہوتا تو ا
ہو کر اپنی خدمت کا صلہ حاصل کرنا چاہئے تھا مگر وہ بھی بالکل اسی طرح غائب
شمس الدین المقدم روپوش ہوا تھا۔ فرخ شاہ کو اس کی تلاش اس وجہ سے
امیر صلاح الدین نے اسے اس کام پر مامور کیا تھا دوسرے یہ کہ وہ اپنی محـ
اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا مگر وہ پر خلوص ہستی نہ تو فرخ شاہ کو تلاش بـ
سکی اور نہ اس نے خود امیر صلاح الدین یا فرخ شاہ کے سامنے پیش ہونے کی

صلاح الدین نے قلعہ دمشق پر قبضہ کرتے ہی شاہی خزانے کا منہ کھ
کھول کے لوگوں میں انعام و اکرام تقسیم کئے۔ اس کے پاس صرف سات
دمشق کی شاہی فوج کے بھی حصے بخرے ہوگئے تھے۔ صلاح الدین فوری طور
لشکر نہیں منگانا چاہتا تھا مگر اسے ایک بھاری لشکر کی سخت ضرورت تھی تاک
حاکم سیف الدین غازی کا زور توڑے اور الجزیرہ کے وہ تمام قلعے واپس ـ
ماتحت تھے۔ اس نے زبردست بھرتی شروع کی اور بہت جلد ایک لشکر تیار ہو

امیر صلاح الدین نے دمشق کے خزانے سے لشکر تیار کیا تھا لیکن وہ ج
وہ کمسن ملک الصالح اسمٰعیل کے نام پر کرتا اور لوگوں کو یہی تاثر دیتا کہ وہ
کا مطیع اور وفادار ہے۔ اس کے اس اظہار نے اس کے مخالفوں کو بھی اثر
تھا۔ امرا یوں بھی چڑھتے سورج کی پرستش کرتے ہیں۔ انہوں نے محسوس

ا چراغ گل ہوگیا ہے اور صلاح الدین اس خاندان کے کھنڈرات پر ایوبی سلطنت کی
عمارت تعمیر کر رہا ہے۔ انہوں نے آہستہ آہستہ صلاح الدین کے دامن سے وابستہ
ع کرلیا تھا۔ وہ امرا جو گوشہ نشین ہوگئے تھے وہ پھر عملی زندگی میں واپس آ گئے
ں صلاح الدین کی صورت میں ایک نیا سلطان دمشق نظر آرہا تھا۔

صلاح الدین کے بھتیجے فرخ شاہ کو مجلس یا درباری زندگی سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔
لئے اس نے صلاح الدین کے ساتھ قیام کرنے سے گریز کیا تھا اور وہ مصر سے
ے سواروں کے ساتھ فوجی بیرک میں رہتا تھا۔ فرخ شاہ کا بچپن دمشق ہی میں گزرا
دمشق سے اس وقت قاہرہ منتقل ہوا تھا جس وقت امیر صلاح الدین مصر کا
بنا تھا اور اس نے سلطان نورالدین زنگی مرحوم سے اپنے خاندان والوں کو مصر
درخواست کی تھی۔ اس طرح فرخ شاہ اپنے خاندان والوں کے ساتھ قاہرہ پہنچا تھا
میر صلاح الدین اسے اپنے ساتھ ایک بار پھر دمشق لے آیا تھا۔

شاہ بڑا خوبصورت جوان تھا۔ اس میں اپنے باپ نورالدولہ شاہان شاہ کی طرح
ر مردانگی کوٹ کوٹ کے بھری تھی لیکن وہ طبعاً خاموش تھا یا پھر وہ اس وجہ سے
خاموش رہتا کہ اسے جوانوں میں اٹھنے بیٹھنے کے بہت کم مواقع میسر آئے تھے۔ ہاں
ں میں وہ بہت خوش رہتا تھا۔ اسے قلعہ میں آئے ایک ہفتہ گزر رہا تھا کہ ایک
وہ کھانے کے بعد دو گھڑی آرام کے لئے بستر پر دراز ہوا تو اس کے غلام نے
ہراتے ہوئے کہا۔

ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

شاہ نے حیران نظروں سے غلام کو دیکھا۔ "تجھے دھوکہ تو نہیں ہوا۔ کون ہے وہ

یہ تو میں نہیں جانتا کہ کون ہیں مگر یقین کیجئے کہ مجھے کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہوا
ری بات کا یقین نہ ہو تو باہر چل کے دیکھ لیجئے یا پھر اسے اندر آنے کی اجازت
غلام نے اٹک اٹک کے فرخ شاہ کو بتایا۔

ضرور پاگل ہوگیا ہے۔ فوجی بیرک میں اور عورت؟" فرخ شاہ نے اسے ڈانٹ دیا۔
ب ہے۔ میں اس سے کہے دیتا ہوں کہ آقا سے ملاقات نہیں ہوسکتی۔" غلام نے
م کیا۔

مگر مجھے سوچنے دے۔" فرخ شاہ نے اسے واپس جانے سے روک دیا پھر کچھ
بولا۔ "اچھا لے آ اس خاتون کو۔"

چند لمحوں بعد غلام ایک خاتون کو اندر لایا۔ اس کے چہرے پر آدھا نقاب تھا
روشن روشن آنکھیں اور نصف پیشانی نظر آ رہی تھی۔

"میں امیر زادے کی خدمت میں سلام عرض کرتی ہوں۔" خاتون کی مترنم آ
فرخ شاہ کو چونکا دیا۔

فرخ شاہ اب تک سر جھکائے بیٹھا تھا۔ خاتون کے سلام کرنے پر اس نے
اٹھائیں پھر جھجکتے ہوئے کہا۔ "خاتون تم ---- تم وہی تو نہیں ہو؟"

"جی بالکل وہی ہیں آقا۔ انہی کے آنے کی میں نے آپ کو اطلاع دی تھی
نے فرخ شاہ کی بات اچک لی۔

"تم خاموش رہو ----" فرخ شاہ نے غلام کو دوسری مرتبہ ڈانٹا۔

غلام منہ لٹکا کر باہر کی طرف جانے لگا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" فرخ شاہ نے اس کے قدم روک دیئے۔

"باہر جا رہا ہوں آقا۔ ضرورت پڑے تو بلا لیجئے گا۔" غلام نے نظریں نیچی
جواب دیا۔

"نہیں -- تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ بیٹھ جاؤ۔"

فرخ شاہ نے غلام کو دوسرا حکم دیا اور وہ چپ چاپ بیٹھ گیا۔ فرخ شاہ درا
میں عورت سے گفتگو نہ کرنا چاہتا تھا یا یوں کہنا چاہیے کہ اس نے آج تک
عورت سے تنہائی تو تنہائی لوگوں کے سامنے بھی بات نہیں کی تھی۔

"میں امیر زادے سے کچھ عرض کرنے حاضر ہوئی ہوں۔" خاتون نے کہا۔

فرخ شاہ کو یوں محسوس ہوا جیسے کہیں بلبل چہچہا رہا ہو۔ کتنا لوچ ہے اس
آواز میں مگر یہ آواز جانی پہچانی معلوم ہوتی ہے۔ فرخ شاہ خیالوں میں گم ہو
نے سر کو جھٹکا دیا اور سنبھل کے پوچھا۔

"کیا نام ہے تمہارا خاتون؟"

"میں مظلوم ہوں امیر زادے اور مظلوم کا کوئی نام نہیں ہوتا" خاتون کی
ہو گئی۔

فرخ شاہ نے جرات کر کے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں نے تمہیں پہلے بھی
ہے؟"

"کبھی نہیں امیر زادے۔ آپ نے مجھے کہیں نہیں دیکھا۔" خاتون نے
کی۔

"ہاں ہاں نہیں دیکھا ہوگا۔" فرخ شاہ گھبرا گیا۔ "دراصل بعض آوازیں اتنی ملتی جلتی
ہیں کہ دھوکہ ہو جاتا ہے۔"

ارمغانہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر امیر زادے یہ فرمائیں کہ انہوں نے میری آواز پہلے
سنی ہے تو میں اس سے انکار نہیں کروں گی۔"

"کیا کہا تم نے۔ یہی ناں کہ میں نے تمہاری آواز پہلے بھی سنی ہے؟" فرخ شاہ نے
گی سے اسے دیکھا لیکن ارمغانہ نے بھاری پلکیں جھپکا کے سر جھکا لیا۔

"جی امیر زادے۔ میں نے یہی عرض کیا تھا۔ اس کی آواز میں افسردگی گھل رہی تھی۔

"ہاں۔ اب بتاؤ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" امیر زادہ فرخ شاہ سنبھل کے بیٹھ گیا۔

"امیر زادے ماضی قریب کے اس واقعہ کی طرف ذہن دوڑائے جب آپ چند سواروں
ساتھ اس قلعہ کے صدر دروازے پر تشریف لائے تھے۔" ارمغانہ نے اس کی
شت کو جھنجوڑا۔

فرخ شاہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "اس واقعہ کا ایک ایک لمحہ۔ ایک ایک قدم اور
ایک حد پر میری نظر ہے۔ تم کیا پوچھنا چاہتی ہو مجھ سے؟"

"حاکم قلعہ کی طرف سے وہ آہن پوش اور نقاب پوش سواروں نے آپ کا استقبال کیا
--" خاتون سرد لہجے میں بتا رہی تھی کہ فرخ شاہ نے اسے روک دیا۔

"ٹھہرو خاتون --- اس کے آگے میں بیان کرتا ہوں۔" اور فرخ شاہ نے جیسے خواب
نا شروع کیا۔

"دونوں سوار میرے دائیں بائیں تھے۔ ایک سوار کا گھوڑا بے قابو ہو رہا تھا جیسے اس
سنبھل نہ رہا ہو۔ اور -- وہ پھر میری پشت کی طرف سے ایک لرزتی ہوئی آواز
۔ امیر زادہ ہوشیار۔ میں نے پلٹ کے دیکھا تو میرا استقبال کرنے والے دونوں آہن
ایک دوسرے سے شمشیر زنی کر رہے تھے۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ اسی وقت
آہن پوش کی تلوار دوسرے آہن پوش کی پسلیوں میں داخل ہو کر اس کے دل تک
ئی۔ آخر بہادر جوان نے مقتول کے جسم سے اپنی تلوار کھینچتے ہوئے کہا۔ امیر زادے
کو دھوکہ دیا گیا۔ فوراً" قلعہ سے نکل جائیے۔ کیوں خاتون یہی کچھ پیش آیا تھا ناں

"جی ہاں امیر زادے۔ یہی کچھ ہوا تھا۔" اب اس کی آواز غم کی گہرائیوں میں ڈوبی
ہی تھی۔

"اور مجھے تھرتھراتی آواز میں خبردار کرنے اور قلعہ سے نکل جانے کا حکم دینے والی

عظیم ہستی تم ہو۔۔۔ کیا میں نے غلط تو نہیں کہا خاتون؟۔۔۔"

"امیرزادے نے ایک ایک لفظ درست فرمایا۔۔۔" خاتون نے غمناک آواز میں دیا۔

امیرزادہ فرخ شاہ اٹھ کے کھڑا ہوگیا۔ "اگر وہ درست ہے تو پھر یہ بھی درست میں اس وقت اپنی اس محسنہ کے سامنے کھڑا ہوں جس نے مجھے نہ صرف موت سے بلکہ مجھ پر حملہ کرنے والے کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔"

خاتون نے کوئی جواب نہ دیا لیکن اس کی خوبصورت آنکھوں کے کٹورے پڑے۔

"ارے رے ۔ یہ کیا میں اپنی محسنہ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔" ز نے بڑے خلوص سے کہا۔ "مجھے بتاؤ کہ وہ کون ظالم ہے جس نے تمہیں رونے پر ہے۔"

"میں کسی کے سلسلے میں آپ کے پاس آئی ہوں۔ امیرزادے۔" اس کی سسکیا گئیں۔

"خدا کے لئے جلدی بتاؤ۔ جب تک میں اس سے تمہارا بدلہ نہ لے لوں مجھے نہیں آئے گا۔" اور امیرزادہ کا ہاتھ کمر میں لگے خنجر کے قبضہ پر پہنچ گیا۔

"نہیں امیرزادے۔ میں اس سے بدلہ نہیں لے سکتی۔" خاتون کی سسکیاں جا آنسو رواں تھے۔

امیرزادہ سوچ میں پڑ گیا۔ "پھر میں تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں؟"

"میں اپنے دل کا غم کھول کے آپ کے سامنے رکھتی ہوں۔" خاتون نے آن ڈالے۔ "پھر آپ فیصلہ کیجئے آپ میری کیا مدد کرسکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔" امیرزادہ فرخ شاہ بیٹھ گیا۔

"سنئے امیرزادے۔" خاتون نے واضح الفاظ میں مخاطب کیا۔۔ "میرا نام ارمغا اور میں امیر شمس بن عبدا لملک کی بیٹی ہوں۔۔" ارمغانہ نے رک کے امیرزا چہرے پر اپنے اظہار کا تاثر تلاش کیا مگر امیرزادے کے چہرے کسی طرح کے تاثر خالی تھا۔

"کہو کہو ۔۔ رک کیوں گئیں خاتون؟" امیرزادہ فرخ شاہ نے اسے خاموش دیکھ

"میرا خیال تھا آپ مجھے پہچان گئے ہوں گے۔ کیا آپ امیر شمس الدین کو جانتے؟ ارمغانہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"امیر شمس الدین کا نام سنا ہے۔ مگر میں ان سے زیادہ واقف نہیں۔" فرخ شاہ نے زور دیتے ہوئے کہا۔

ارمغانہ نے کچھ سوچا پھر بولی۔ "کیا آپ شمس الدین ابن مقدم کو بالکل بھول گئے؟"

"ابن مقدم۔" فرخ شاہ چونکا۔ شمس الدین ابن مقدم جس نے قلعہ اور امیر صلاح ایوبی کی فوجوں کو لڑانے کی کوشش کی تھی؟"

"جی ہاں امیرزادے ۔۔" ارمغانہ نے نظریں جھکا کے کہا۔ "میں اسی ابن مقدم کی بیٹی جسے باپ کہتے ہوئے آج میری گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔"

"میں نہیں جانتی کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔" اس نے غمگین آواز میں کہا۔ "میں تو یہ جانتی ہوں کہ اس نے اپنی بیٹی کو کسی کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں "

"نہیں ارمغانہ ۔۔" فرخ شاہ نے پہلی مرتبہ اس کا نام لیا۔ "ہر ایک کے اعمال اس ساتھ ہوتے ہیں۔ تم کسی کی بھی بیٹی ہو مگر میرے لئے قابل احترام ہو۔ تم نے مجھے دی ہے۔ میری محسن ہو تم۔ میں تمہیں امیر کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ تمہیں قدر انعام سے نوازیں گے۔"

"نہیں امیرزادے۔ میں امیر کا سامنا نہیں کرسکتی۔ آپ مجھے معاف کردیجئے ۔ میں ری ہوں۔" ارمغانہ نے افسردگی سے کہا۔ "میں اپنے باپ کے جرم میں برابر کی ہوں۔ میں بھی اس بھیانک سزا کی حقدار ہوں جو آپ نے میرے باپ کے لئے ہے۔"

ارمغانہ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ تمام عمر میں کرب میں مبتلا رہو کہ مجھے میری محسنہ ملی بھی اس کے احسان کا کوئی بھی صلہ نہ دے سکا۔"

"امیرزادے اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ میں نے آپ کے ساتھ کوئی نیک کیا ہے تو مجھے صلہ دینے کے بجائے میری آنکھوں سے بہنے والے اس خون کو روک شرم و ندامت کے آنسو بن کر میری آنکھوں سے جاری رہتا ہے۔"

"مگر۔۔۔۔ مگر ارمغانہ مجھے بتاؤ تو سہی کہ تمہارے آنسو کس طرح رک سکتے ہیں؟" شاہ جذباتی ہوگیا۔ "میں اپنی محسنہ کو رونے کے بجائے ہنستا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"امیرزادے اگر آپ چاہتے ہیں کہ میرا کچوکے دیتا ہوا ضمیر مطمئن ہو جائے تو آپ گنہگار باپ شمس الدین ابن مقدم کو معاف کردیجئے۔ ارمغانہ کی آنکھیں پھر برسنے "اگر آپ نے مجھے مایوس کیا تو پھر مجھے سوائے موت کی آغوش کے اور کہیں سکون

نہ مل سکے گا۔"

"امیر زادہ فرخ شاہ پریشان ہوگیا۔ ارمغانہ اس شخص کے لئے معافی چاہتی تھی ج
صلاح الدین کی نظروں میں ملک و قوم دونوں کا دشمن اور غدار تھا پھر صلاح الدین ۔
کی گرفتاری پر فرخ شاہ کو مامور کیا تھا۔

"نیک خاتون ارمغانہ ----" فرخ شاہ نے بہت سوچنے سمجھنے کے بعد کہا۔
تمہارے غم کا اندازہ ہوگیا ہے۔ مگر تمہارا ضمیر تو مجرم نہیں۔ جو کچھ ہوا وہ ابن مقدم
فعل تھا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو بخدا میں ابن مقدم کو دل سے معاف کرتا ہوں
کا جرم کتنا ہی گھناؤنا سہی مگر وہ اس کردار کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں رکھتا جو
میرے بچانے کے سلسلے میں ادا کیا۔ لیکن میرے معاف کردینے سے ابن مقدم کے جر
کوئی کمی نہیں ہوسکتی کیوں وہ امیر صلاح الدین کا مجرم ہے اور وہی اسے معاف
ہیں۔"

"میں آپ کی شکر گزار ہوں امیر زادے۔" ارمغانہ نے گھٹی آواز میں کہا۔ "
نے میرے دل کا بوجھ ختم کردیا۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ جب آپ کو معلوم ہو
اس باپ کی بیٹی ہوں جو تخت دمشق کا غدار ہے تو آپ مجھے ملاقات کا بھی شرف
بخشیں گے۔"

امیر زادے نے اسے مطمئن دیکھ کر کہا۔ "ارمغانہ اب میں تم سے ایک درخوا
کروں گا؟"

"آپ حکم دیجئے امیر زادے۔ میں انکار نہیں کروں گی۔" ارمغانہ کے لہجے میں
پیدا ہوگیا تھا۔

امیر زادے نے بھی ٹھہر ٹھہر کے کہنا شروع کیا۔ "امیر کو یہاں تک تو معلوم ہو
ابن مقدم نے قلعدار کو فریب دے کر اپنے ذاتی دستہ کا پہرہ صدر دروازے پر لگا دیا
ابھی تک ان کا ذہن صاف نہیں ہوسکا امیر نے مجھے ایک طرف تو ابن مقدم کی گرفتا
حکم دیا ہے اور دوسری طرف یہ بھی کہا ہے کہ اس نقاب پوش خاتون کو بھی تلاش کیا جا
جس نے عین وقت پر اس کے بھتیجے کی جان بچائی ہے۔ امیر اس سلسلے میں تمہارا شکریہ
کرنا چاہتے ہیں۔"

"مگر آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" ارمغانہ نے الجھتے ہوئے دریافت کیا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ امیر کے پاس چلو۔ پھر تم موقعہ دیکھ کے
وقت جب امیر تمہارا شکریہ ادا کررہے ہوں تو خود امیر سے اپنے باپ کے لئے معافی

کو کیا عجب ہے کہ امیر اس کا جرم معاف کردیں۔" فرخ شاہ کا مشورہ بڑا مخلصانہ تھا۔ اس
میں اس بات کا امکان موجود تھا کہ امیر شمس الدین کو ارمغانہ کے اہم کام کی وجہ سے
معافی مل سکتی ہے۔

"ٹھیک ہے امیر زادے ---" ارمغانہ نے اس کی بات مان لی۔ "اگر آپ کا خیال
ہے کہ اس طرح میرے باپ کو معافی مل سکتی ہے تب تو میں چلنے کے لئے تیار ہوں۔"

اسی رات فرخ شاہ نے امیر صلاح الدین سے تنہائی میں عرض کیا۔ "امیر محترم۔ شمس
الدین ابن مقدم کی تلاش جاری ہے۔ ہاں اس واقعہ کا ایک اہم چشم گواہ مجھے مل گیا ہے۔
حکم ہو تو اسے حضور میں پیش کیا جائے۔"

"اگر تمہارا گواہ اس سلسلے میں کوئی نئی بات بتا سکتا ہے تو اسے لے آؤ ورنہ فضول لوگوں
کی باتیں سننے سے صرف وقت ہی ضائع ہوگا۔" صلاح الدین نے بے دلی سے کہا۔

"امیر عالی مقام۔ اگر وہ کوئی نئی بات نہ بتا سکے تو بھی آپ نے اسے حاضر کرنے کا حکم
دیا تھا۔" فرخ شاہ نے گفتگو کو پراسرار بنا دیا تھا۔

"فرخ۔ تم معموں میں کیوں بات کر رہے ہو۔" امیر نے الجھتے ہوئے کہا۔ "آخر وہ کون
شخص ہے جس کو پیش کرنے کے لئے میں نے کہا تھا اور تم اسے پیش کرنے کی از سر نو
اجازت چاہتے ہو؟"

"وہ میری محسنہ ارمغانہ ہے۔ جس نے قلعہ کے اندر مجھے پہلے خطرے سے آگاہ کیا پھر
مجھ پر حملہ کرنے والے نقاب پوش کے دل میں اپنی تلوار اتار دی تھی۔" فرخ شاہ نے
بڑے جوش و جذبے سے کہا۔

"شکر ہے کہ تم نے اس طلسم کو بے نقاب کیا۔" صلاح الدین نے سپاٹ لہجے میں
کہا۔ "تم اس قدر پراسرار باتیں کیوں کرنے لگے ہو فرخ۔ جسے تم محسنہ کہہ رہے ہو شاید
اس کا نام ارمغانہ ہے۔ اس کے پیش کرنے میں یہ پس و پیش کیوں۔ وہ تمہاری محسنہ نہیں
بلکہ اس نے ہمارے اہم لشکری کی جان بچا کر ہم پر بھی احسان کیا ہے۔ وہ اس وقت ہے
کہاں؟"

"یہ میں نے اس سے نہیں پوچھا امیر---" فرخ نے جواب دیا۔ "اس کا دل بہت
دکھا ہوا ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ امیر نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس نقاب پوش خاتون
کو ان کے پاس پیش کیا جائے۔ وہ فوراً تیار ہوگئی۔ میں صبح کو آپ کے سامنے پیش کروں
گا۔"

"ٹھیک ہے تم اسے لے آؤ۔" امیر نے کہا۔ "ہم اسے انعام بھی دیں گے اور وہ

الجھنیں جو ہمارے ذہن میں پیدا ہوئی ہیں انہیں دور کریں گے۔ بہتر ہے کہ تم اسے شام کے وقت لاؤ۔"

ارمغانہ سے فرخ شاہ نے امیر کے پاس جانے کا وعدہ لے لیا تھا۔ دوسرے دن صبح حسب وعدہ فرخ شاہ کے پاس آئی۔ امیر نے ارمغانہ سے ملاقات کے لئے شام کا وقت مقرر کر تھا۔ فرخ شاہ نے اسے یہ بات بتائی۔

"ارمغانہ۔ امیر تم سے شام کے وقت ملیں گے۔" فرخ شاہ کا انداز بڑا بے تکلفانہ تھا۔ وہ ارمغانہ کی نظروں میں نظریں ڈال کر بات کر رہا تھا۔

ارمغانہ نے نظریں جھکاتے ہوئے جواب دیا۔" مجھے امیر سے ملتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔؟"

"اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔" فرخ شاہ نے اسے حوصلہ دیا۔ "وہ تو تمہیں انعام دینے کو کہہ رہے تھے۔ پھر ملاقات کے وقت میں بھی تو تمہارے ساتھ موجود ہوں گا۔"

ارمغانہ نے نظریں اٹھائیں تو فرخ شاہ کو اسی بیتابی سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔ امیرزادہ ایک بات کہوں آپ کو ناگوار تو نہ ہوگی؟"

"ضرور کہو ارمغانہ۔" فرخ شاہ چہکا۔ "مجھے تمہاری بات بری نہیں لگے گی۔"

"اگر آپ نے امیر کے سامنے بھی یہی انداز اختیار کیا تو ان پر اچھا تاثر نہ ہوگا۔" ارمغانہ نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

فرخ شاہ نے اسے چونک کے دیکھا۔ "کیسا تاثر۔ میں کیا ارمغانہ؟"

امیر زادے۔ میری آپ سے یہ دوسری ملاقات ہے اور آپ مجھے اس قدر بے تکلفی سے دیکھ رہے ہیں کہ دوسرا آدمی اس کا کوئی غلط مطلب بھی نکال سکتا ہے۔" ارمغانہ کی آواز دھیمی مگر لہجے میں تلخی موجود تھی۔

امیرزادے کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے کہا۔ "معاف کرنا ارمغانہ۔ میں اپنی اس بے تکلفی پر سخت شرمندہ ہوں۔ تمہیں آئندہ مجھ سے شکایت نہ ہوگی۔"

امیر صلاح الدین نے دمشق پر قبضہ کے بعد یہ محسوس کیا کہ اب دمشق کی وہ اہمیت نہیں جو سلطان نور الدین زنگی کی حیات میں تھی۔ دمشق سلطان کا دارالسلطنت تھا اس کی شہرت اور اہمیت سلطان کی موجودگی کی وجہ سے تھی۔ بغیر سلطان کے دمشق محض ایک قدیم شہر تھا اس کو دارالسلطنت کہنا کسی طرح درست نہ تھا۔ سلطان کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا وارث و جانشین ملک الصالح اسمٰعیل دمشق کی بجائے حلب پہنچ گیا تھا پھر یہ کہ امیر صلاح الدین نے دمشق پر قبضہ بھی اس اعلان کے بعد ہی کیا تھا کہ وہ سلطنت کے وارث ملک

صالح کا وفادار اور محض ایک امیر ہے اور یہ کہ میں قاہرہ سے اس لئے آیا ہوں کہ وارث و تاج کو مفاد پرست امیروں کے چنگل سے چھڑا کے ان کے ان شہروں کو واپس دلا جو دمشق کے ماتحت تھے۔

امیر صلاح الدین یہ بھی جانتا تھا کہ ملک الصالح اسمٰعیل کے دل میں گھر پیدا کرنا یا حلب سے واپس لانا لوہے کے چنے تھے حالانکہ اس نے خطبہ میں ملک الصالح کا نام ل کرنے کا حکم دے دیا تھا اور سکے پر بھی اسی کا نام درج کیا جا رہا تھا۔ صلاح الدین کے ف تو وہ امیر دشمن تھے جو سلطان مرحوم کی حیات میں سر دربار صلاح الدین کے خلاف ہر افشانی کرتے تھے اور اب وہی حلب میں بیٹھے ملک الصالح کو یہ باور کرا رہے تھے کہ اگر سن بادشاہ ایک بار صلاح الدین کے ہاتھ لگ گیا تو پھر وہ دنیا کی صورت نہ دیکھ سکے گا۔ لاح الدین نے فی الحال حلب پر قبضہ کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بجائے شمس الدین ن مقدم جیسے منافق دشمنوں کا قلع قمع کرنا چاہتا تھا جن کا آزاد رہنا کسی وقت بھی کوئی فتنہ ڑا کر سکتا تھا۔

امیر صلاح الدین نے فرخ شاہ کو بچانے والی خاتون کو شام کے وقت اس لئے بلوایا تھا کہ اس سے اطمینان سے گفتگو ہو سکے۔ فرخ شاہ پر قاتلانہ حملے کی سازش کے سلسلے میں ے قلعہ لانے جو معلومات فراہم کی تھیں انہیں جھٹلانے کی تو کوئی وجہ نہ تھی لیکن اس کی صدیق کسی اور ذریعے سے اب تک نہ ہوئی تھی۔ امیر کو یقین تھا کہ ملاقات کو آنے والی اتون نہ صرف سازش کی گمشدہ کڑیاں مہیا کرے گی بلکہ قلعدار کے بیان کی بھی تصدیق رسکے گی۔

امیرزادہ فرخ کو ارمغانہ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا تھا لیکن اس نے امیر کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ارمغانہ سازش کا پورا حال بیان کرے اور اگر امیر سے کچھ انعام دینا چاہے تو وہ اپنے گناہ گار اور منافق باپ کے لئے امیر صلاح الدین سے عافی طلب کرے۔

فرخ شاہ وقت مقررہ پر ارمغانہ کو ساتھ لے کر پہنچ گیا۔ امیر صلاح الدین کی نظر میں س خاتون کی ملاقات شاید بہت اہم تھی اس لئے اس نے اپنی شام کی تمام مصروفیات نسوخ کر دی تھیں اور وہ فرخ شاہ اور خاتون کے آنے کا منتظر تھا۔ اسی وقت غلام نے حاضر ہو کے فرخ شاہ کے آنے کی اطلاع دی۔ امیر نے فرخ شاہ کو فوراً بلوالیا۔ فرخ شاہ امیر کے سامنے پہنچا تو ارمغانہ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ اس کے چہرے پر نصف نقاب تھا جس نے ندر داخل ہوتے ہوئے الٹ دیا تھا۔ اس دور کے رواج اور تہذیب کے مطابق امیر یا

سلطان رعیت کا باپ خیال کیا جاتا تھا اس لئے کوئی عورت امیر و سلطان سے پردہ نہ کرتی تھی۔

فرخ شاہ نے پہلے امیر کو سلام کیا پھر ارمغانہ نے حسب دستور مودبانہ کورنش پیش کی۔ فرخ شاہ نے ارمغانہ کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "امیر عالی مقام یہی ہیں وہ خاتون جنہوں نے اگر مجھے عین موقعہ پر خبردار نہ کیا ہوتا اور پھر مجھ پر حملہ کرنے والے کو کمال پھرتی سے موت کے گھاٹ نہ اتارا ہوتا تو آج میں اس دربار میں موجود نہ ہوتا۔"

امیر صلاح الدین نے فرخ شاہ اور ارمغانہ کو داخل ہوتے وقت سرسری نظر سے دیکھا تھا لیکن جب فرخ شاہ نے ارمغانہ کے تعارف میں "خاتون" کا لفظ استعمال کیا تو صلاح الدین نے چونک کر اس خاتون کو دیکھا۔ پھر امیر نے ارمغانہ سے نظر ہٹا کر فرخ شاہ کو دیکھا۔

"فرخ شاہ تم اس کمسن لڑکی کو خاتون کے بزرگ الفاظ سے متعارف کرا رہے ہو۔" "کیا اس کا سبب بیان کرو گے؟" امیر نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"جی ہاں امیر عالی مقام۔" فرخ شاہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "دراصل اس ہستی نے میری جان بچا کر ایک ایسا کام کیا ہے جس کا شمار عظیم ترین کارناموں میں ہونا چاہیے میں نے ان کی عظمت کو پیش نظر رکھ کر انہیں "خاتون" کے لفظ سے متعارف کرایا ہے۔"

"بے شک ۔ بے شک احسان کرنے والا عظیم ترین مرتبہ پر فائز ہوتا ہے۔" امیر نے تائید کی۔ "ہماری نظر میں یہ خاتون صرف تمہاری محسنہ نہیں بلکہ انہوں نے ہم پر بھی اتنا ہی احسان کیا ہے۔ کیا محترم خاتون ان واقعات کو اپنی زبان سے دہرانا پسند کریں گی جس کے لئے انہیں یہاں آنے کی تکلیف دی گئی ہے۔"

"امیر عالی مقام ۔" ارمغانہ نے سر کو ذرا خم کرکے کہنا شروع کیا۔ "کنیز کا نام ارمغانہ ہے میں کس کی بیٹی ہوں اس بارے میں میں اپنے بیان کے آخر میں بتاؤں گی۔ امید ہے کہ امیر مجھے اس سلسلہ میں معاف فرمائیں گے۔" ارمغانہ نے جھجکتے ہوئے امیر کو دیکھا۔

"کوئی مضائقہ نہیں ۔" امیر نے مختصر جواب دیا۔ وہ جلد از جلد اصل حالات سے باخبر ہونا چاہتے تھے۔ ارمغانہ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "جس صبح کو امیر زادے فرخ شاہ قلعہ دمشق کا قبضہ لینے آنے والے تھے اس سے پہلی رات کو مجھے کچھ واسطے دیئے گئے کہ میں اس بات پر آمادہ ہوگئی کہ صبح کو دانیال کے ساتھ امیر زادے فرخ شاہ کو خوش آمدید کہنے قلعہ کے صدر دروازے سے باہر جاؤں گی اور میں اور دانیال امیر زادے کو اپنے ساتھ لے کر اندر آئیں گے۔ ہمیں یقین دلایا گیا تھا کہ امیر زادے فرخ شاہ کے قلعے میں

داخل ہوتے ہی صدر دروازہ بند کردیا جائے گا۔ اس وقت دانیال امیر زادے پر اچانک وار کرکے انہیں قتل کردے گا۔ میرا کام صرف دانیال کی معاونت کرنا تھا۔"

امیر صلاح الدین نے اس موقعہ پر ارمغانہ کا قطع کلام کیا۔ "یہ دانیال کون شخص تھا؟" امیر کی تیوریوں پر اس وقت تک بل پڑ چکے تھے۔

"دانیال قلعہ کا محافظ فوج کا معمولی سا سردار تھا۔" ارمغانہ نے پھر نظریں نیچی کرلیں۔ "اس بے غیرت دانیال نے کسی وقت مجھے دیکھ لیا تھا اور مجھ سے شادی کا خواہشمند تھا۔ اس حوالے سے دانیال کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ اگر امیر زادے کو قتل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اس کی شادی میرے ساتھ کردی جائے گی۔ اس طرح اپنی مجبوریوں کے تحت اس مذموم قتل میں دانیال کا ساتھ دینے پر تیار ہوگئی۔ صبح کو میں نے اور دانیال نے زرہ بکتر پہنا اور خود کو سر پر اس قدر جھکایا کہ چہرہ نظر نہ آئے۔ اس ہیئت میں ہم دونوں امیر زادے فرخ شاہ کے استقبال کو قلعہ سے باہر پہنچے۔ امیر محترم یقین کیجئے کہ میں نے امیر زادے فرخ شاہ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا مگر جب میری پہلی نظر ان پر پڑی تو میں ان کی معصوم صورت دیکھ کر کانپ اٹھی۔ میرے دل میں یہ سوال اٹھا کہ اس بے گناہ کو کیوں قتل کیا جارہا ہے۔ جنگ میں اگرچہ ان باتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا مگر یہ ضرور دیکھنا پڑتا ہے کہ کون حق پر ہے اور کوئی ناحق تلوار بلند کررہا ہے۔

"مجھے معلوم تھا کہ امیر قاہرہ سے اس لئے تشریف لائے ہیں کہ وہ کمسن بادشاہ ملک الصالح کو مفاد پرست امیروں سے چھڑا کر تخت دمشق پر بٹھائیں۔ اس لئے میں امیر کو حق پر سمجھتی تھی۔ پس نیکی اور بدی کی جنگ میرے دل میں اس وقت تک جاری رہی جب امیر زادے فرخ شاہ قلعہ میں داخل ہوکر اس مقام پر پہنچے جہاں ان پر دانیال کو وار کرنا تھا۔ مجھے خوشی ہے اور میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے میری رہنمائی کی اور میرے دل میں چھڑی ہوئی جنگ میں نیکی کو فتح حاصل ہوئی۔ میں نے اسی وقت امیر زادے کو آواز دے کر خبردار کیا کہ انہیں دھوکہ دیا گیا ہے اور وہ قلعہ سے فوراً نکل جائیں۔ ٹھیک اس وقت جب دانیال کے ارادے کا بھانڈہ پھوڑ رہی تھی، دانیال نے امیر زادے پر بھرپور وار کردیا۔ میں نے محسوس کیا کہ امیر زادے ابھی میری بات کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکے ہیں اور غفلت میں ہوسکتے ہیں۔ اس لئے میں نے دانیال کا وار اپنی تلوار پر روکا اور تلوار کی نوک اس کے سینے میں پیوست کردی۔ دانیال اگرچہ اپنی زنجیروں کا جال پہنے ہوئے تھا لیکن میری تلوار کا زاویہ ایسا تھا کہ وہ دانیال کے اندر تک اترتی چلی گئی اور وہ گھوڑے کی زین سے لٹک گیا۔ عالم مقام امیر یہ تھے وہ واقعات جن سے آپ کا باخبر ہونا ضروری تھا۔"

امیر نے ایک لمبی سانس لی۔ "قابل احترام ہے وہ ماں جس کی لوکھ سے تم نے ج
ہے اور اس عظیم شخص کو سلام کرنا چاہتا ہوں جو تمہارا باپ ----------"

"نہیں امیر۔ نہیں ہرگز نہیں --" ارمغانہ چیخ پڑی۔ "میرا باپ اس قابل نہیں
اپنے کالے منہ کے ساتھ آپ کا سامنا کرسکے۔"

امیر نے تعجب سے ارمغانہ کو دیکھا۔

ارمغانہ نے خود کہنا شروع کیا۔ "میں آپ کو اپنے باپ کا نام بتاتے ہوئے ڈرتی
کہ کہیں اس کا نام سن کر آپ میری طرف سے منہ نہ پھیر لیں۔

امیر صلاح الدین چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ "اے میرے بھتیجے اور میری
ارمغانہ تم دل چھوٹا نہ کرو۔ تم نے اس قدر عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ تمہارے
کے گناہوں کا سایہ اسے تاریک نہیں کرسکتا ہم تمہارے باپ کا نام پوچھنا بھی ن
چاہتے۔"

"جی ----" ارمغانہ نے حیران نظروں سے امیر صلاح الدین کو دیکھا۔

"ہاں ارمغانہ ۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے سامنے کھڑی ہوئی بہادر بیٹی کس بزدل باپ
پروردہ ہے۔" امیر نے جھجلائے لہجے میں کہا۔

"آپ میرے باپ کو جانتے ہیں امیر؟" ارمغانہ کی حیرت بڑھ گئی تھی۔

"ہم جانتے ہیں کہ تم شمس الدین ابن مقدم کی بیٹی ہو۔ مگر ہم تمہیں اس کے نام
نہیں پہنچانا چاہتے۔ تم ابن مقدم کی نہیں تاج دمشق کی بیٹی ہو۔"

اتنا کہہ کر امیر صلاح الدین کی طبعیت کچھ ایسی بے مزہ ہوئی کہ وہ اٹھ کے اندر
گیا۔ کسی سے کچھ کہا بھی نہیں۔ ارمغانہ نے حیران نظروں سے فرخ شاہ کی طرف دیکھا
فرخ شاہ خود بھی مجسم حیرت بنا کھڑا تھا۔

فرخ نے یہی مناسب سمجھا کہ اس وقت امیر صلاح الدین سے اس سلسلہ میں
گفتگو نہ کی جائے۔ ارمغانہ نے اس کے خیال سے اتفاق کیا۔ محل سے باہر نکل
ارمغانہ نے دلگیر آواز میں کہا۔ "پتہ نہیں کب تک میں باپ کے گناہوں کا بوجھ اٹھا
پھروں گی؟"

"پریشان ہو ارمغانہ --" فرخ نے اسے تسلی دی۔ "کاش میں تمہارے بوجھ کو
کرسکتا۔"

"نہیں امیرزادے۔ آپ ایسی کوشش بھی نہ کیجئے گا ورنہ آپ بھی اس آگ کی لپ
میں آجائیں گے جو مجھے پھونکے ڈال رہی ہے۔" ارمغانہ ایک طرف چلنے لگی۔

"ارمغانہ۔ کیا تم اپنا پتہ ٹھکانہ نہیں بتاؤ گی۔" فرخ شاہ افسردگی سے بولا۔ "میں تمہارا
بانٹ تو نہیں سکتا لیکن تمہارا پتہ معلوم ہو جائے تو تمہیں حالات سے تو آگاہ کرسکوں
امیر اس وقت ایک درد لے کر محل میں گئے ہیں۔ وہ تمہارے کارنامے سے جس قدر
ہوئے تھے' ابن مقدم کے ذکر نے اتنا ہی انہیں غمگین کردیا ہے۔ افسوس ہے کہ امیر
تمہیں کوئی انعام نہیں دیا۔"

"امیرزادے-- کیا یہ انعام کچھ کم ہے کہ امیر نے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ میں ملک
م کے دشمن کی بیٹی ہوں۔ مجھ سے نہایت سلیقے سے آخری وقت تک بات کی ورنہ میں
باپ کے گناہ کی پاداش میں گرفتار بھی کی جاسکتی تھی--" ارمغانہ کی غمگین آواز لرزتی
ں ہو رہی تھی۔

"مجھے اپنا پتہ تو بتادو ارمغانہ۔" فرخ شاہ کا لہجہ خوشامدانہ ہو گیا تھا۔ "میں گاہے گاہے
ے ملتا رہوں گا۔"

"ابھی نہیں امیرزادے۔ غم کے بادل چھٹنے میں دیر لگے گی۔"
ارمغانہ نفریدہ قدموں سے ایک طرف چلنے لگی۔

ن صفحات میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان نور الدین زنگی کی وفات کے ساتھ
ا کے بھتیجے سیف الدین غازی نے الجزیرہ کے تقریباً تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔
چونکہ تخت دمشق کے ماتحت تھا اس لئے اس پر سلطان نورالدین زنگی کے بیٹے اور
ملک الصالح اسمٰعیل کا قبضہ برقرار رہنا چاہیے تھا مگر شخصی حکومتوں میں جس کی لاٹھی
ں بھینس کا قانون چلتا ہے۔ ملک الصالح اسمٰعیل گیارہ سال کا نوعمر لڑکا تھا چنانچہ
، نوریہ نے اسے اپنے اثر میں لے لیا۔ پہلے اسے شمس الدین ابن مقدم نے دمشق
ت نشین کیا پھر کچھ ہی دن بعد گمشتگین (گمشتگین) کمسن بادشاہ کو حلب لے اڑا۔ اس
ادر افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ملک الصالح اسمٰعیل کے چچا زاد بھائی نے ایک ایک کر
زیرہ کے تمام شہر اور قلعے دبا لئے اور ان پر اپنے حاکم مقرر کردیئے۔
زیرہ میں حمص، صحاۃ، قلعہ مرعش، سلیجیہ، تل خالد اور الرہا (اڈیسہ) کے شہر اور قلعے
تھے۔ امیر صلاح الدین نے دمشق پر قبضہ کے بعد اعلان کیا کہ وہ الجزیرہ کے ان تمام
ور قلعوں کو حاکم موصل سیف الدین غازی کے قبضے سے آزاد کرائے گا جو پہلے
کے ماتحت تھے۔ یہ امیر صلاح الدین کی زبردست حکمت عملی تھی۔ وہ حاکم موصل
راست نہیں ٹکرانا چاہتا تھا [illegible] چھوٹے مقبوضات کو ایک ایک کر کے اس

طرح واپس لینا چاہتا تھا جس طرح سیف الدین غازی نے ان پر قبضہ کیا تھا۔

امیر صلاح الدین نے قاہرہ سے اپنے کچھ بھائی بھتیجوں کو دمشق بلوالیا تھا۔ چنانچہ ا
نے دمشق میں اپنے بھائی سیف الاسلام گمشتگین کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود لشکر لے
حمص کی طرف بڑھا۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عام طور سے شہر اور قلعہ الگ ا
حاکموں کے ماتحت ہوتے تھے۔ صلاح الدین حمص پہنچا تو حاکم شہر نے حمص اس کے حوا
کردیا لیکن قلعے پر قبضہ نہ ہوسکا۔ اسے فتح کرنے کے لئے محاصرہ ضروری تھا۔ صلاح ال
نے وہاں کچھ روز ٹھہر کر نیا لشکر تیار کیا اور حمص کے محاصرے پر کچھ لشکر چھوڑ کر حما
طرف بڑھایا۔

قلعہ حماۃ کا قلعدار خرویک تھا۔ اس نے قلعہ دینے سے انکار کیا۔ صلاح الدین
حاکم قلعہ کے پاس ایک سفارت بھیجی اور حاکم کو یہ پیغام دیا کہ وہ تخت دمشق کے شاہ
الصالح کا فرمانبردار ہے اور یہاں اس لئے آیا ہے کہ ملک الصالح کے وہ شہر اور قلعے
الدین غازی سے واپس لے جس پر اس نے غاصبانہ قبضہ جما رکھا ہے۔ اب کوئی ایسی و
تھی کہ حاکم قلعہ خرویک قلعہ حوالے کرنے میں پس و پیش کرتا۔ اس طرح صلاح الد
ایک اور اہم قلعہ مل گیا۔

حمص اور صحاۃ کے بعد اب حلب صلاح الدین کے نشانے پر تھا جہاں سلطان نورا
زنگی کا کمسن بیٹا ملک الصالح اسمٰعیل موجود تھا۔ یہ بدنصیب بادشاہ جب دمشق میں تھا تو
الدین ابن مقدم کے زیر اثر بلکہ ماتحت تھا اور جب اسے گمشتگین اپنے ساتھ حلب۔
تو بھی اس کی حالت تبدیل نہ ہوئی اور گمشتگین نے گورنر اور وزیراعظم دونوں ع
سنبھال کے ملک الصالح اسمٰعیل کو بے بس کردیا تھا۔ امیر صلاح الدین شاید کبھی حلب
نہ کرتا لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ صلاح الدین کو فوراً حلب روانہ ہونا پڑا۔

وہ واقعہ کچھ اس طرح پیش آیا کہ صحاۃ کی فتح پر صلاح الدین نے وہاں عزیزالدین
نائب مقرر کیا۔ اس کے ساتھ ہی عزیز الدین کو سفیر بنا کر حلب بھیجا گیا۔ سفارت
مقصد یہ تھا کہ ملک الصالح سے مصالحت کی گفتگو کی جائے۔ صلاح الدین یہ نہیں چا
کہ ملک الصالح سے اس کی جنگ ہو۔ اس لئے اس نے عزیز الدین کو حکم دیا تھا کہ
اور کچھ دو کے اصول پر ملک الصالح سے بات کی جائے اور جنگ کی نوبت نہ آئے
سفارت بری طرح ناکام ہوئی۔ عزیز الدین کو حلب کی سرحد پر گرفتار کر کے گورنر
کے سامنے پیش کیا گیا۔

"تم نے حلب میں داخل ہونے کی کیوں کوشش کی؟" گمشتگین نے بڑی رعونت

ا۔ گمشتگین ۔۔ "عزیز الدین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں سفیر ہوں اور اپنے
امیر صلاح الدین کی طرف سے زنگی بادشاہ ملک الصالح کے لئے صلح و دوستی کا پیغام لے کے
ہوں۔"

صلاح الدین صلح کا پیغام دینے والا کون ہوتا ہے۔ وہ تو غاصب ہے۔ اس نے دمشق
قانونی قبضہ کیا ہے۔" گمشتگین نے سخت غصہ سے کہا۔

امیر گمشتگین ۔۔ آپ میرے امیر صلاح الدین کی تحقیر کر رہے ہیں۔" عزیز الدین
ری بہ ترکی جواب دیا۔ "میں شاہ ملک الصالح کے پاس پیغام لایا ہوں۔ آپ مجھے ان
گفتگو کرنے دیجئے اور ہماری گفتگو میں دخل نہ دیجئے۔"

عزیز الدین تم ایک قیدی ہو اور کسی قیدی کو شاہ ملک الصالح سے گفتگو کی اجازت
ی جاسکتی۔" اس محفل میں شاہ ملک الصالح بھی موجود تھا مگر وہ ڈرا اور سہما بیٹھا تھا۔
ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ زبان کھول سکے۔

اگر میں شاہ ملک الصالح سے گفتگو نہیں کرسکتا تو مجھے واپس جانے کی اجازت دی
۔" عزیز الدین نے گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا۔

تم واپس بھی نہیں جاسکتے۔" گمشتگین نے صاف جواب دیدیا۔

آپ ایک سفیر کو زبردستی روک کے تمام رائج قوانین کی توہین کر رہے ہیں۔ اس کا
پ کے اور سلطنت حلب کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ میرا امیر مجھے رہائی دلانے ضرور
ا۔" عزیز الدین نے بھی سینہ تان کے جواب دیا۔

تو پھر دو آواز اپنے امیر کو دیکھتے ہیں کہ وہ حلب کی سرزمین پر کیسے قدم رکھتا ہے۔"
شتگین نے ایک خوفناک قہقہ لگایا۔ بادشاہ ملک الصالح پہلے ہی خوفزدہ ہو رہا تھا اس
قہقہ سے اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔

گمشتگین نے حکم دیا۔ "اس بدزبان کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔"

جانے عزیز الدین کی گرفتاری کی خبر کس طرح امیر صلاح الدین کو پہنچ گئی اور وہ لشکر
تو حلب پہنچ گیا۔ گمشتگین کے ساتھ اگرچہ کافی لشکر تھا لیکن اس نے مدافعانہ جنگ
دی اور قلعہ کے دروازے بند کر کے بیٹھ گیا۔

ب کا محاذ حمص اور حماۃ سے مختلف تھا۔ ان دونوں شہروں اور قلعوں کو امیر صلاح
نے یہ کہہ کر حاصل کیا تھا کہ وہ شاہ ملک الصالح کا فرمانبردار ہے اور الجزیرہ کے تمام
والی موصل سیف الدین غازی سے آزاد کرا کر اپنے آقا زادے ملک الصالح کے

حوالے کرنا چاہتا ہے۔ لیکن حلب کے محاذ پر اس کے بیان پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اور
صلاح الدین کے بھیجے ہوئے سفیر عزیز الدین کو سرحد پر گرفتار کر کے پہلے اسے گمشتگین
کے سامنے پیش کیا گیا پھر قید خانے کے حوالے کردیا گیا۔

صلاح الدین نے حلب کا محاصرہ کیا تو گمشتگین پریشان ہوگیا۔ حلب میں گمشتگین کے جو
امیر تھے وہ اسے دل سے نہ پسند کرتے تھے کیونکہ گمشتگین کا رویہ ملک الصالح کے ساتھ
سخت اور تحقیر آمیز تھا۔ ملک الصالح خود بھی اپنے گورنر اور وزیر گمشتگین کو پسند نہ کرتا
بلکہ اس سے ہر وقت ڈرا اور سہما رہتا تھا۔ اس نے یہ اندازہ کرلیا تھا کہ گمشتگین
شطرنج کے مہرے کی طرح استعمال کر رہا تھا اور اسے جب بھی پورا اقتدار حاصل ہو
ملک الصالح کا کانٹا نکال پھینکے گا۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہ گمشتگین سے بگاڑ کے نہ
چاہتا تھا۔ اس کی جان گمشتگین کے ہاتھ میں تھی اور اس کا ایک اشارہ ملک الصالح
کو ہستی سے مٹانے کے لئے کافی تھا۔

صلاح الدین کے محاصرہ کی وجہ سے ملک الصالح کی قدر و منزلت بڑھ گئی
گمشتگین کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ اپنی بہتر فوج اور دفاعی حکمت عملیوں سے ا
الدین کو شکست نہیں دے سکتا۔ صلاح الدین مصر کی بیشتر جنگوں میں شریک ہوا تھا
جنگوں کی اس نے خود کمان بھی کی تھی۔ اس نے مصریوں کے علاوہ شاہ یروشلم کے
چھڑا دیئے تھے۔ اس قدر تجربہ کار جرنل سے جنگ کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ گمشتگین
الدین کا مقابلہ صرف اس صورت میں ہوسکتا تھا کہ حلب کے تمام عوام
اور خلوص دل کے ساتھ ساتھ دیں مگر عوام گمشتگین کو پسند نہ کرتے تھے۔

گمشتگین بڑا شاطر امیر تھا۔ اس نے سوچا کہ صلاح الدین کو قلعہ حلب سے
دور رکھا جاسکتا ہے جب حلب کے علاوہ صلاح الدین کے لئے اور کئی محاذ کھل
جائیں۔ گمشتگین نے اس سلسلے میں زبردست منصوبہ بندی کی لیکن اس کے منصوبے
طور پر اس وقت عمل ہوسکتا تھا جب حلب کے عوام اس کے جھنڈے کے نیچے
جائیں۔ پھر اس نے اس کا حل بھی سوچ لیا۔

گمشتگین نے ایک دن حلب کے تمام امرا اور معززین شہر کو جمع کیا پھر ملک
لے کر ان کے سامنے پہنچا۔ ملک الصالح کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ اگرچہ کمسن تھا لیکن
وزیروں کی چالبازیوں اور اکھاڑ پچھاڑ نے اسے تجربہ کار بنا دیا تھا۔ اس کے خیال
معززین شہر کو اکھٹا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صلاح الدین کے محاصرے کو توڑنے
کوئی متفقہ تدبیر کی جائے اور پھر ملک الصالح کے نام پر قدم اٹھایا جائے۔ وہ

بہت بگڑا ہوا تھا اور اب اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر گمشتگین نے اس سے الٹی سیدھی باتیں کیں
تو وہ اس کے بخیے ادھیڑ دے گا۔ باپ کے انتقال کے وقت سے ملک الصالح نے سیاہ لباس
پہننا شروع کر دیا تھا۔ گمشتگین کے کہنے پر ملک الصالح مسند پر بیٹھ گیا تھا۔ تمام لوگ قالینوں
کے فرش پر بیٹھے تھے اور گمشتگین جو حلب کا گورنر اور وزیراعظم تھا۔ وہ ملک الصالح کی
چوکی کی دائیں جانب ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

گورنر گمشتگین نے خود ہی گفتگو کا آغاز کیا۔ "اے شاہ دمشق و حلب الملک الصالح
اسمٰعیل آپ کا یہ غلام یعنی گمشتگین آپ کو دمشق سے بعض امرا کی مخالفت کے باوجود حلب
لے آیا تھا تاکہ آپ مفاد پرستوں کے چنگل سے نکل جائیں لیکن ــــــ"

ملک الصالح آخر گیارہ سالہ بچہ ہی تو تھا۔ اسے گمشتگین کی باتوں پر غصہ آگیا۔ اس نے
گمشتگین کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "امیر گمشتگین ہمیں شاہ دمشق اور حلب کے نام سے
مخاطب نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ دمشق ہم سے پہلے چھن گیا تھا اور حلب اس وقت
محاصرے میں ہے۔ کیا پتہ اس کا انجام بھی دمشق جیسا ہو اور صلاح الدین اس پر بھی قابض
ہو جائے۔"

گمشتگین ملک الصالح کا یہ طنزیہ انداز سن کر غصہ سے جل اٹھا مگر بڑا موقعہ پرست تھا
اس لئے تحمل سے بولا۔ "اے شاہ معظم۔ یہ خاکسار آپ کو دمشق سے اس لئے نکال لایا
تھا کہ وہاں کے درودیوار آپ کے دشمن ہو گئے تھے۔ اگر آپ کو دمشق اتنا ہی عزیز ہے تو
میں آپ کو وہاں پہنچا آؤں گا۔ رہا حلب پر صلاح الدین کے قبضہ کا سوال تو اس کے لئے
میں یہ عرض کروں گا کہ حلب کا دفاع یا اس پر قبضہ صرف اور صرف آپ کے حکم سے
ہوسکتا ہے۔"

ملک الصالح پہلے ہی چڑا ہوا تھا۔ کڑ کے جواب دیا۔ "کیا میں اور کیا میرا حکم۔ تم لوگوں
نے میرے ہاتھ پیر باندھ دیئے ہیں اور زبان پر تالے ڈالے ہیں۔ میں اگر کہوں کہ حلب کو
صلاح الدین کے حوالے کردو تو تم نہیں مانو گے اور اگر کہوں کہ محاصرہ کرنے والوں کو منہ
توڑ جواب دو تو بھی تم میری بات تسلیم نہیں کروں گے۔"

"شاہ۔ آپ ہمیں حکم دے کے تو دیکھئے۔" گمشتگین مکاری سے بولا۔ "ہم سب آپ
کے تابعدار ہیں۔ جہاں تک حلب کو حوالے کرنے کا تعلق ہے تو یہ بہت آسان بات ہے۔
صلاح الدین نے پیغام بھیجا ہے کہ سلطان مرحوم کے چشم و چراغ کو اس کے حوالے کردیا
جائے تو وہ حلب کا محاصرہ اٹھا کر دمشق واپس چلا جائے گا۔ وہ صرف آپ کو حاصل کرنا چاہتا
ہے۔ اب آپ اس کے پاس جانے کے لئے تیار ہوں تو اس وقت معاہدہ ہو سکتا ہے۔"

"مگر ـــــ مگر ـــــ ملک الصالح گھبرا گیا ـــــ" تم لوگ کہتے ہو کہ صلاح
بہت ظالم ہے وہ مجھے قتل کرا کے پوری سلطنت پر قبضہ کرے گا۔ "کیا ایسے ظالم مح
پاس میرے لئے بہتر ہوگا؟"

"شاہ معظم ۔ بہتر اور بدتر کا حال تو اس وقت معلوم ہوگا جب وہ آپ پر قبضہ
کرے گا۔" گمشتگین بات گھما پھرا کر کہہ رہا تھا۔ "آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں اس
کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔ آپ جو چاہیں فیصلہ کریں لیکن اگر جلد فیصلہ نہ کیا تو
کو بچانے کے لئے صلاح الدین کی شرط مان لیں گے۔"

"کیا کہا ـــــ؟" ملک الصالح بدحواس ہوگیا۔ "کیا تم مجھے اس ظالم کے حوالے کردو
وہ مجھے قتل کر دے۔ تمہیں مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ میں سلطان نورالدین کا بیٹا
تم نے مجھے بادشاہ تسلیم کیا ہے۔ تم اپنے بادشاہ کو ایک بھیڑیئے کے حوالے کیوں کر
ہو؟"

"اس کے علاوہ ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں شاہ معظم؟" گمشتگین نے الفاظ کے
ملک الصالح کو پھنسانے کی کوشش کر رہا تھا۔ "ہم حکم کے بندے ہیں۔ ہماری ز
آپ کا حق ہے۔ فرمایئے ہمارے لئے کیا حکم ہے؟

"کیا تم صلاح الدین کو شکست دے کے یہاں سے بھگا نہیں سکتے ہو؟" ملک ا
دو ٹوک سوال کیا گمشتگین نے کوئی جواب نہ دیا اور چپ چاپ کھڑا رہا۔

تھوڑے انتظار کے بعد ملک الصالح بولا۔ تم خاموش کیوں ہو گمشتگین ۔ بو
نہیں۔ کیا ہم اتنے ہی کمزور ہیں کہ صلاح الدین کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔"

"شاہا ـــــ ہم میں طاقت بھی ہے اور ہمت بھی ۔" گمشتگین نے بڑے جوش
"مگر ہم دو محاذوں پر جنگ نہیں کرسکتے۔"

"دو محاذ ـــــ" ملک الصالح نے تعجب سے گمشتگین کو دیکھا۔ "دو محاذوں
کیا مطلب ہے۔"

"میں بتاتا ہوں شاہ معظم ۔" گمشتگین آخر ملک الصالح کو اس راستے پر لے
وہ لے جانا چاہتا تھا۔

"پہلا محاذ تو قلعہ کی فصیلیں ہیں اور دوسرا محاذ قلعہ کی شہری آبادی ہے۔
لئے ہم لڑ سکتے ہیں اور اسے بچاسکتے ہیں لیکن سول آبادی کو کون سنبھالے گا
ہمدردی آپ کے بجائے صلاح الدین سے ہیں۔ انہیں قابو میں کون رکھے گا۔ فو
جنگ کرتے ہوں اور شہری آبادی دشمن سے رابطہ قائم کر رہی ہو گی۔"

گمشتگین ۔ عوام تو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ میرے خلاف کیسے قدم اٹھائیں
ر

کیا آپ کو اس بات کا پورا یقین ہے؟" گمشتگین نے زور دے کر کہا۔
بالکل یقین ہے۔ سو فیصدی ـــ" ملک الصالح نے بڑے اعتماد سے کہا۔
شاہ معظم اگر آپ کو یقین ہے کہ عوام آپ کے ہمدرد اور وفادار ہیں تو قلعہ سے باہر
کے آپ عوام سے وفاداری کا حلف لیجئے اور ان سے قسم کھلوایئے کہ وہ آپ کو
میں تنہا نہ چھوڑیں گے۔" گمشتگین نے آخر گھما کر اپنا منصوبہ بیان کردیا۔
"مگر یہ کیسے ہوگا گمشتگین" ملک الصالح نے گھبرا کے کہا۔ "تمام لوگ محل میں کیسے
گے؟"

"شاہ عوام سے خطاب کرنے پر آمادہ تو ہوں۔ باقی انتظام میں خود کروں گا۔" گمشتگین
امیابی پر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

"میں تیار ہوں گمشتگین ۔ لیکن تم بھی ایک وعدہ کرو گے؟" ملک الصالح شاید اپنی
لی چاہتا تھا۔

"میں بغیر سنے وعدہ کرتا ہوں۔ آپ جو فرمائیں اس پر عمل کروں گا۔" گمشتگین نے
وعدہ کرلیا۔

"میری تم سے درخواست ہے کہ اس جنگ کا خواہ کچھ بھی انجام ہو لیکن تم مجھے صلاح
ین کے حوالے نہ کرو گے۔" ملک الصالح کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے صلاح
ین کے بارے میں بہت بھرا گیا ہے۔

گمشتگین نے فوراً جواب دیا۔ "یہ میرا آپ سے وعدہ ہے شاہا۔ اگر خدانخواستہ ہمیں
ب کا قلعہ چھوڑنا پڑا تو آپ میرے ساتھ ہوں گے۔ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گی۔ـ"

حلب کے قلعہ میں صرف قلعہ کی آبادی ہی نہ تھی بلکہ جب سے حالات بگڑے تھے
ا وقت سے حلب کے شہری جو قلعہ کے باہر رہتے تھے آہستہ آہستہ قلعہ کے اندر منتقل
نے لگے تھے۔ اس لئے قلعہ میں گنجائش سے زیادہ ہی لوگ مقیم تھے۔ شاہ حلب اپنے
ام سے عام ملاقات کریں گے تو لوگ بڑے حیران ہوئے۔ جس طرح علوی، عباسی اور مصر
کے فاطمی خلیفہ سات پردوں میں رہتے اور صرف خاص خاص موقعوں پر اپنا دیدار کراتے
ے اسی طرح تمام مسلم بادشاہ رعیت سے تقریباً بے تعلق رہتے تھے۔ دیوان خاص اور
وان عام میں آنے کے علاوہ وہ شہروں اور آبادیوں سے بھی جب گزرتے تھے تو پورے
زم اور حشم کے ساتھ فوجی سواروں اور پیادوں کے پہروں کے ساتھ۔ عوام کو یہ معلوم ہی

نہ تھا کہ بادشاہ کبھی عوام کے درمیان بھی آسکتا ہے۔

اعلان کے مطابق دوسرے دن لوگ نماز فجر کے بعد ہی سے قلعہ کے وسیع اور ع
میدان میں جمع ہونے شروع ہوگئے اور دھوپ نکلتے نکلتے اس قدر اژدہام ہوگیا ہے کہ
پھینکیں تو سرہی سر جائے۔ حلب کے وہ بیمار جو چل پھر نہیں سکتے تھے ان کے علاوہ
میں کوئی مرد، عورت، بچہ، بوڑھا ایسا نہ تھا جو اپنے بادشاہ کو دیکھنے میدان میں جمع نہ ہ
ہو۔ میدان کے درمیان میں قلعہ پر تخت رکھ کے اونچا اسٹیج بنایا گیا تھا جہاں سے
الصالح کو دیدار دینا تھا۔ پھر اعلان ہوا کہ شاہ دمشق الملک الصالح تشریف لا رہے ہیں۔
محل قلعہ کے اندر تھا وہاں سے میدان تک قالین بچھا کر راستہ بنایا گیا تھا۔

کمسن شاہ الملک الصالح سیاہ ماتمی لباس میں محل سے برآمد ہوا۔ اس کے آگے شاہی ن
اعلان کرتا چل رہا تھا۔ اس کے عقب میں شاہی پرچم بردار تھا پھر ملک الصالح امرا اور
کے جلوس میں سر جھکائے آہستہ آہستہ اسٹیج کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ملک الصالح کا سر کھ
اور اس کے ریشمی بال ہوا سے اس کے چہرے پر لہرا رہے تھے۔ شاہ کے چہرے پر
چھائی تھی۔ حلب کے عوام اسے دیکھ کے سناٹے میں آگئے۔ بعض لوگ تو سسکیاں ب
لگے۔ آگے چلنے والا نقیب خاموش ہوگیا تھا۔ آواز اس کے حلق میں اٹک کے رہ گئی تھ

اسٹیج پر پہنچ کے ملک الصالح نے سیاہ عبا کی آستین ہوا میں لہرائی اور بھرائی آواز
گویا ہوا۔

"میرے بھائیوں، میری بہنوں میرے بزرگوں، میرے دوستوں اور تخت و تاج دمشق
شیدائیوں اور وفادار و سلطنت دمشق کے اس وارث کی طرف دیکھو جس کے لئے دمشق
سرزمین تنگ ہوگئی۔ تمہارے عظیم سلطان نورالدین زنگی کے اس چشم و چراغ کو مفاد
اور غداری کی آندھیوں نے ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا ہے۔ میں وطن چھوڑ
تمہارے دروازے پر آیا لیکن وہ صلاح الدین جسے میرے عالی مقام باپ کی چشم کرم
ذرہ سے آفتاب بنایا وہی صلاح الدین آج میرے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ اے حلب ا
سلطان کے بدنصیب بیٹے کو آج دیکھ لو۔ جی بھر کے دیکھ لو کیونکہ کل پھر تم اسے نہیں
سکو گے۔ صلاح الدین کا درندہ صفت لشکر حلب کو گھیرے پڑا ہے اور پکار پکار "
الصالح" کا مطالبہ کر رہا ہے اب تمہارے لئے امن کا صرف یہی راستہ ہے کہ تم مجھے
غاصب صلاح الدین کے حوالے کردو جس نے میرے نام پر دمشق، حمص، صحاۃ پر قبضہ
ہے جس نے میرا حق مارا ہے جو شاہی خاندان کو دربدر کر رہا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ملک الصالح نے عبا کا گریبان چاک کردیا اور اسٹیج سے اتر

دیکھو ۔۔۔ اپنے شہزادے اور بادشاہ کا حال دیکھو۔ میں اپنے قاتلوں کے پاس
صلاح الدین صرف مجھے سولی پر چڑھانا چاہتا ہے وہ تمہارے شہر کو کوئی نقصان
پائے گا۔ میں تم لوگوں کے آرام کے لئے اپنی زندگی کی قربانی دے رہا ہوں۔
الصالح کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں اور وہ
عالم میں بال نوچ رہا تھا۔ یکایک مجمع میں ہلچل پیدا ہوئی بالکل اسی طرح جیسے
طوفان آجائے اور موجیں بپھر پڑیں۔

نہیں۔ مرحوم سلطان کے بیٹے کو ہم نہیں جانے دیں گے۔" مجمع میں سے کسی نے
کر کے اعلان کیا۔

ہزاروں آدمیوں کی آوازیں اس آواز میں مل گئیں۔ ملک الصالح کو لوگوں نے سر پر
اور ہر طرف آوازیں بلند ہوئیں۔

صلاح الدین غدار ہے۔"

صلاح الدین غاصب ہے۔"

ملک الصالح ہمارا بادشاہ ہے۔"

حلب ہمارا ہے، دمشق ہمارا ہے۔"

صلاح الدین پر حملہ کرو۔ اسے مار بھگاؤ۔"

پھر تو ہر طرف تلواریں ہی تلواریں بلند ہوئیں۔ کہاں تو لوگ ملک الصالح کو
ں" کہہ کر اسے حلب سے نکالنے کا مطالبہ کر رہے تھے اور کہاں اب وہ ملک الصالح
ن دینے پر تل گئے تھے۔ گمشتگین کا منصوبہ بڑا کامیاب ہوا۔ اس نے عوام کے اس
سے پورا فائدہ اٹھایا۔ حلب کے لشکر کو فوراً" جارحانہ جنگ کا حکم دیا گیا۔ قلعہ کا صدر
زہ کھول دیا گیا اور حلب کے فوجیوں اور عوام کا ایک سیلاب دروازے سے نکل کے
صلاح الدین کی ان صفوں پر ٹوٹ پڑا جو حیران نظروں سے ان آنے والوں کو دیکھ رہا
صلاح الدین کی فوج باقاعدہ تربیت یافتہ تھی لیکن اسے اس بے ترتیب اور بے ہنگم
ی یلغار کو روکنے میں سخت دقت ہوئی بپھرے اور ملک الصالح کے نعرے لگاتے عوام
ح الدین کے لشکر پر اس طرح ٹوٹ ٹوٹ کے گر رہے تھے جیسے پروانے شمع پر نثار ہوتے
ہے

صلاح الدین اور اس کے سردار اس اچانک حملے سے سخت مضطرب ہوگئے تھے۔ عوام
بے جگری سے لڑ رہے تھے جس طرح مسلمان جہاد کرتے ہیں۔ صلاح الدین کی سمجھ
نہ آرہا تھا کہ حلب کے وہ عوام جو گمشتگین سے بدظن ہو رہے تھے ان کے دماغوں اور

ذہنوں میں وہ کونسی بات ڈالی گئی جس نے ان میں شہر والوں کی طاقت بھر دی۔ اے
دفاع کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ کیونکہ حلب کے عوام پچھلے خیموں تک پہنچ گئے تھے جہاں
سامان خوردونوش کے علاوہ اسلحہ کا ذخیرہ بھی تھا۔

یہ جنگ یا خانہ جنگی دوپہر سے پہلے شروع ہوئی تھی اور اب شام کے سائے لمبے
جارہے تھے لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہو رہا تھا۔ صلاح الدین کے لشکر کے مقابلہ میں
کی فوج اور عوام بہت ناتجربہ کار تھے اور وہ محض جوش و جذبہ کے زور پر لڑ رہے تھے۔
کا نتیجہ یہ ہوا کہ حلب کے مرنے والوں کی تعداد سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک پہ
تھی۔ اندھیرا پھیل گیا تھا لیکن گمشتگین فوجوں کو واپسی کا حکم نہ دے رہا تھا وہ جانتا
حلب کے عوام میں ملک الصالح کی تقریر نے جو آگ پھونکی ہے وہ کل باقی نہ رہے گی۔
کی کوشش تھی کہ رات ہونے سے پہلے پہلے صلاح الدین کو میدان سے مار بھگا دیا جا

ادھر صلاح الدین اس بپھرے ہوئے مجمع کو جو کسی طرح بھی باقاعدہ فوج نہیں
جاسکتی تھی بڑی کوشش اور حکمت عملی سے پچھلے خیموں تک جانے سے روک رہا تھا۔
علم تھا کہ اگر حلب کے عوام نے پچھلے خیمے تباہ کردیئے تو اس کی فوج بددل ہو جائے گی
ممکن ہے کہ وہ میدان چھوڑ بھاگے۔ پھر قدرت نے صلاح الدین کا ساتھ دیا اور
ہزاروں مقتول میدان میں چھوڑ کر قلعہ واپس چلاگیا۔ خیال ہے کہ صلاح الدین کے
نے اس بات کو غنیمت سمجھا اور بجھے بجھے دل سے اپنے خیمے اور سامان سمیٹنے لگے۔
معرکہ میں صلاح الدین کے لشکری زیادہ کام نہ آئے تھے لیکن زخمیوں کی تعداد بہت
تھی۔

زیادہ زخمی صلاح الدین کے لشکری ہوئے تھے لیکن قلعہ کے اندر تقریباً" ہر گھر ماتم کدہ
بنا ہوا تھا۔ شاید ہی کوئی ایسا گھر ہوگا جس کا کوئی فرد نہ کام آیا ہو۔ اس چیز نے
دل توڑ دیا تھا اور پھر جب صبح کو اس نے قلعہ سے باہر جنگ کے لئے لشکر جمع کر
کوشش کی تو عوام کی طرف سے بڑی سرد مہری کا مظاہرہ ہوا اور ایک شخص بھی تعاون
آیا۔ وہ اچھا ہوا کہ صلاح الدین نے خود قلعہ پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ دراصل
اپنے زخمیوں کی طرف سے پریشان ہو گیا تھا اور کچھ دن لشکر کو آرام دینا چاہتا تھا۔

صلاح الدین نے حلب والوں کی اس جنگ سے جس میں پچاس فیصد سے زیادہ غیر
اور غیر تربیت یافتہ لوگ تھے یہ سبق حاصل کیا کہ میدان جنگ میں بہترین اسلحہ اور
تربیت سے زیادہ لڑنے والوں کا جوش اور جذبہ کام کرتا ہے۔ صلاح الدین نے مصر میں
آدھے لشکروں سے عیسائیوں کے اپنے سے چار گنا زیادہ لشکر کو شکست دی تھی لیکن آج حلب

میدان میں اس کی کوئی حکمت عملی کام نہ آئی اور اب وہ قلعہ پر حملہ کرنے کی بجائے
صرف اس کے محاصرے پر اکتفا کر کے بیٹھ گیا۔

ادھر گمشتگین کو یہ اندازہ ہوگیا کہ صلاح الدین کو میدان جنگ میں شکست دینا ناممکن
ہے قلعہ والے ایک روز تو ملک الصالح کے رونے دھونے پر قلعہ سے نکل کے صلاح
الدین کے لشکر سے دست و گریباں ہوگئے لیکن انہیں جلد ہی معلوم ہوگیا کہ آپس کی لڑائی
دوسری چیز ہے اور میدان میں نکل کے مخالف لشکر سے مقابلہ کوئی اور ہی بات ہے یہی وجہ تھی
کہ قلعہ کا کوئی شخص باہر جاکے لڑنے پر آمادہ نہ ہوا اور گمشتگین کو پھر سے قلعہ بند ہونا پڑا۔
وہ یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ جب تک صلاح الدین حلب کا محاصرہ کئے ہوئے ہے اس وقت تک
اس کی جان محفوظ نہیں۔ وہ امیر جو اس کی طرف سے جان توڑ کے لڑتے تھے، کسی وقت
بھی لالچ میں آکر کا اس کا ساتھ چھوڑ سکتے تھے۔ اس لئے کہ امیر صلاح الدین کا سورج چڑھ
رہا تھا اور اس کی روشنی کے مقابلہ میں چھوٹے بڑے تمام ستارے مدھم پڑتے جارہے
تھے۔

مگر گمشتگین کا تخریب پسند دماغ کسی صورت شکست ماننے پر تیار نہ تھا۔ حلب کی فوجوں
سے وہ صلاح الدین کو شکست نہ دے سکتا تھا اس لئے اس نے نئے دوست اور حلیف پیدا
کرنے کے لئے اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر وہ خوشی سے چلا اٹھا:۔۔۔

"حشیشین ۔۔۔ حشیشین ۔"

اس زمانہ میں حشیشین دہشت اور موت کا نام سمجھا جاتا تھا۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ
حشیش جو ایک نوتو بھی تھا۔ ایک تحریک بھی تھی اور ایک مضبوط سلطنت بھی تھی' اس کی
کچھ تفصیل بیان کردی جائے۔ حشیش کے معنی بھنگ کے ہوتے ہیں۔ یہ ایک نشہ آور بوٹی
ہے جس کو کھرل میں پیس کر پانی ملا کے شربت تیار کرتے ہیں۔ اس کا نشہ یا سرور انسان کو
آسمانوں پر اڑا لے جاتا ہے اور اسے ہر چیز رنگین دکھائی دیتی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ
حشیش سے سب سے پہلے حسن بن صباح نے کام لیا اور اس نے اس نشہ کے قاری اور
فرضی جنت کے شیدائیوں کو اپنے قابو میں کر کے بڑے بڑے علماء' فضلاء' امرا' وزرا اور
بادشاہوں تک کو قتل کرادیا اور پھر یہ لفظ اس قدر دہشت ناک بن گیا کہ لوگ خواب میں
بھی چونک پڑتے تھے۔ ممکن ہے مورخوں کا یہ خیال صحیح ہو کہ حسن بن صباح اس فرقہ کا
بانی ہے لیکن ہمیں یہ فرقہ یا اس سے ملتا جلتا یہ فرقہ خلافت راشدہ میں بھی ملتا ہے۔ اس
فرقہ کا مختصر حال بیان کرنا بھی قاری کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

ذرا خلافت راشدہ پر غور فرمائیے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صرف فطری

موت ہوئی۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کو ایک ایرانی نژاد غلام نے شہید کیا۔ خلیفہ سوئم
عثمانؓ بھی شہید کئے گئے اور چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کو تو ابن ملجم نے محض اپنی م
خوش کرنے کے لئے قتل کیا تھا۔ اب ذرا تاریخ پر غور فرمایئے۔ بنی اسرائیل (یہود
اپنی کتابوں سے پہلے ہی علم ہو گیا تھا کہ آخری نبی ارض حجاز میں پیدا ہوں گے
انہوں نے حضورؐ کی ولادت سے بہت پہلے مکہ، مدینہ اور دوسرے شہروں میں آب
شروع کردیا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ آخری نبی جس قوم میں پیدا ہوگا
تمام اقوام کی سرتاج ہوگی اور وہ نبی میدان حشر میں سب سے پہلے اپنی قوم کی ش
کرے گا۔ چنانچہ ان کی خواہش تھی کہ آخری نبی یہودی خاندان میں پیدا ہو مگر خ
قوم عرب کو اس اعزاز سے سرفراز کرنا تھا اس لئے حضورؐ کی ولادت بنی ہاشم میں ہو
حضورؐ کا لایا ہوا دین اسلام ان کی حیات ہی میں عرب کی حدود سے نکل کر دور درا
پھیل گیا۔

چنانچہ یہودی قوم مسلمانوں کے سخت خلاف تھی اور اس کی کوشش ہوتی تھی م
کو خانہ جنگی میں مبتلا کر کے تباہ کیا جائے یا پھر مسلمانوں کے عمائدین کو قتل کر کے
طاقت کمزور کی جائے۔ مشہور ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور میں یہودیوا
مسلمانوں کے خلاف ایک تحریک چلائی۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے ایک تعلیم یافتہ ی
جو عربی زبان پر پوری قدرت رکھتا تھا اسے مسلمانوں کے بھیس میں یمن بھیجا۔ ا
میں یمن کا دارالسلطنت سباء تھا وہی مقام سباء ہے۔ جہاں کی ملکہ بلقیس سباء اور
سلیمانؑ کا قصہ مشہور ہے۔ چنانچہ اس یہودی جوان نے سباء پہنچ کے اپنا نام عبداللہ
کیا اور زہد و تقویٰ میں وہ مقام پیدا کیا کہ وہاں کے تمام علماء محدث اور فقیہ ا
ماننے لگے۔

پھر اس عبداللہ بن سباء کی شہرت یمن سے مدینہ اور مدینہ سے دمشق تک پہنچ
جہاں جاتا ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا اور دین کا وہ جو نکتہ بیان کرتا وہ پتھر کی لکیر بن جا
چالاک یہودی عبداللہ بن سباء کے بے شمار قصے مشہور ہیں جن کے بیان کرنے ک
گنجائش نہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں منافرت پھیلانے والی تحریکیں
اسلام ہی میں پیدا ہو گئی تھیں اور ان مخالف تحریکوں کا بانی عبداللہ بن سباء ہے۔
بن سبا نے قطامہ نامی ایک عورت کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے عاشق ابن ملجم سے
کرے کہ وہ اپنے عشق کے ثبوت میں (نعوذ باللہ) حضرت علیؑ کا سر مبارک لائے
طرح قطامہ کی فرمائش پر ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو شہید کرنے کا عہد کیا۔ یہ بھی

کہ عبداللہ بن سباء نے حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن
اصؓ کو بھی قتل کرانے کا منصوبہ بنایا تھا اور ان کے قتل پر الگ الگ تین سبائیوں کو
عبداللہ بن سباء کے پیروکار سبائی کے نام سے پکارے جاتے تھے مقرر کیا اس کے لئے ایک
دن اور ایک ہی وقت مقرر کیا۔ منصوبہ کے مطابق تینوں مقتدین پر ایک ہی وقت میں
کیا گیا۔ یہ حملہ نماز فجر کے دوران ہونا تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اس لئے محفوظ رہے
ان کی طبیعت خراب تھی اور اس دن وہ نماز فجر کے لئے مسجد میں نہ جاسکے تھے۔
رت امیر معاویہؓ بھی اس دن اتفاقیہ طور پر مسجد میں نہیں گئے تھے اس لئے اس شر سے
وظ رہے۔ حضرت علیؓ کی موت کا وقت آگیا تھا چنانچہ وہ نماز فجر میں تشریف لے گئے اور
سجدے میں ابن ملجم نے آپ پر زہر آلود خنجر یا تلوار سے وار کیا۔ زہر تمام جسم میں
یل گیا۔ جو حضرت علیؓ کی شہادت کا باعث ہوا۔

اس تفصیل سے مطلب یہ تھا کہ حشیش کی تحریک سے پہلے بھی مسلمانوں کو نقصان
پنچانے کے لئے یہودیوں نے مختلف ناموں سے تحریکیں چلائیں۔ اس قسم کی تحریکیں
اصل سیاسی ہوتی تھیں لیکن ان پر مذہب کا پردہ ڈالا جاتا تھا۔ باطنی تحریک، معتزلہ تحریک،
ارجی تحریک، قرامطہ تحریک اور سب سے خطرناک حشیش تحریک جسے فدائی تحریک کہا جاتا
ا۔ ان کا ایک ہی مقصد تھا یعنی مسلمانوں میں خانہ جنگی پیدا کرنا اور مشہور علماء اور
دشاہوں کو ختم کرنا۔

اب ہم حشیشن کے بارے میں کچھ بیان کرتے ہیں جن سے حلب کے گورنر اور
زیراعظم گمشتگین نے اس لئے رابطہ قائم کیا کہ اس کے خیال میں امیر صلاح الدین کو
رف حشیشن ہی حلب کے محاصرے سے باز رکھ سکتے تھے۔ یہاں پر اس تحریک کی پوری
فصیل نہیں لکھی جاسکتی کیونکہ امیر صلاح الدین کے سلسلے میں صرف ایک بار اس کا ذکر
آیا ہے۔ جو قاری اس کے مفصل حالات پڑھنا چاہتے ہیں وہ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کا
تاریخی ناول فردوس بریں کا مطالعہ کریں جس میں اس شیطانی تحریک کا تفصیلی ذکر کیا گیا
ہے۔ یہاں پر ہم صرف اس کا مختصر حال تحریر کر رہے ہیں۔

حشیش بھنگ کو کہتے ہیں اور حشیشن بھنگ پینے والے۔ یہ ٹھیک طور پر نہیں کہا جاسکتا
کہ حشیش پینا اس تحریک میں فرض تھا یا ایک لازمہ زندگی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے حسن بن
صباح نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے حشیش کا پینا لازمی قرار دیا ہو۔ ابن خلدون کے
خیال میں یہ تحریک قرامطہ سے ملتی جلتی ہے لیکن یہ قرامطہ سے نکلی نہیں ہے بلکہ یہ ایک
نیا فرقہ تھا جسے اسماعیلیہ کہا جاسکتا ہے۔ مصر کے فاطمی خلیفہ مستنصر کے زمانہ میں اس کی دو

"سلام علی مستنصر باللہ امیر الدنیا و قاہر السلاسل الدین"

صباحی تحریک جسے "فدائی تحریک" بھی کہتے تھے اس کا طریقہ واردات یہ تھا کہ
صباح کے ہرکارے شہروں شہروں گھومتے اور وہاں سے ضرورت مند جوانوں کو بہلا
قلعہ الموت پر لے آتے۔ پھر انہیں چند دن کے لئے اس جنت میں داخل کیا جاتا
بن صباح نے بڑی محنت اور کاریگری سے تعمیر کی تھی۔ اس جنت میں دودھ کی نہ
تھیں۔ جواہرات کے طیور شاخ پر چہچہاتے تھے۔ کیف آور ہوائیں چلتی تھیں۔ خ
اور حسین حور غلمان خدمت میں موجود ہوتے۔ محلات پر جواہرات کی پچی کاری
سورج کی روشنی میں ہیرے جگمگا کر آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرتے تھے۔ دودھ
بہترین شراب کی نہریں بھی بہتی تھیں۔ اور اس جنت میں داخل ہونے والے کی
طرح خاطر و مدارت کی جاتی تھی جیسے ہمارے عقیدے کے مطابق نیک لوگوں کی
قدر و منزلت ہوگی۔

سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ جنت میں داخل ہونے والے کو سب
شراب طہور کا جام پلایا جاتا تھا جو کہ دراصل بھنگ کا شربت ہوتا تھا پھر جب ا
طاری ہو جاتا تو اسے گدھے پر بٹھا کر البرز کے مختلف راستوں سے گزارتے تھے
بتاتے تھے کہ وہ اس وقت دوسرے آسمان پر پھر تیسرے آسمان پر ہے۔ اس طرح
عالم میں اسے جنت میں داخل کرتے اور کچھ دن وہ حسین عورتوں جنہیں حور
تھا ان کے ساتھ اپنا وقت گزارتا تھا اس طرح جب اس داخل ہونے والے کو
جاتا تھا کہ وہ واقعی جنت میں ہے تو پھر اسے بھنگ پن سے نکالا جاتا تھا۔ جب وہ
آتا تو منظر یکسر تبدیل ہو چکا ہوتا تھا۔ جنت کی چاٹ پڑ جانے پر وہ پھر جنت کی خوا
اسے کسی امیر، وزیر یا بادشاہ کو قتل کرنے کا حکم دیا جاتا اور بلا عذر اپنے خنجر
شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔

ایک دو قتل کے بعد اسے "فدائی" کے عہدے پر فائز کیا جاتا۔ اسے بار با
سیر کرائی جاتی اور وہ بار بار بلا عذر لوگوں کو قتل کرتا رہتا۔ اس سلسلے میں پوری
فدائی کی مدد کرتی۔ جس کو قتل کرنے کا کام سونپا جاتا وہاں کے مرکز کو مطلع کر
فلاں فدائی فلاں شخص کو ختم کرنے آ رہا ہے۔ پس اس فدائی کو ہاتھوں ہاتھ ل
اسے وہاں تک پہنچانے کا بندوبست کرایا جاتا جہاں اسے اپنا کام کرنا ہوتا۔ یہاں تک
کہ ہر ملک کے لشکر میں فدائی ملازم تھے اور بوقت ضرورت وہ اپنے ساتھیوں کی
تھے۔ ایک مورخ کے مطابق فدائیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ حشیشین کے باد

ب شیخ الجبل تھا۔ مختلف ادوار میں ان کے مختلف نام کے پیشوا ہوتے تھے لیکن وہ
شیخ الجبل کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ مسلمانوں کے یہ ازلی اور ابدی دشمن تھے۔
مسلمان اخلاقی طور پر اس قدر گر چکے تھے کہ وہ اپنی خانہ جنگی اور دشمن کے خلاف
وں سے مدد لیتے تھے اور انہیں بھاری رقم ادا کرتے تھے۔ ان کی داستان قتل و غارت
اس قدر طویل ہے کہ اس کے لئے ایک الگ کتاب چاہیے۔
خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اب ہم اصل حالات کی طرف آتے ہیں۔ حلب کے
ن میں امیر صلاح الدین اور محصور امیر گمشتگین کے لشکروں میں ایک زبردست معرکہ
ہوا تھا لیکن پورے دن کی شدید جنگ کے بعد کوئی فریق فتح نہ حاصل کر سکا تھا۔ امیر
ح الدین کے وہ سوار جو مصر میں معرکے سر کر چکے تھے وہ حلب کے غیر تربیت یافتہ لشکر
کست دینے میں ناکام ہو گئے تھے۔ حلب والے دراصل بڑے جوش و جذبے سے لڑے
۔ کمسن بادشاہ نے ان کے سامنے آنسو بہائے تھے اور انہیں تاج دمشق اور اپنے آباؤ
اد کی قسمیں دلائی تھیں اس لئے وہ کٹ کٹ کر گر رہے تھے لیکن میدان نہ چھوڑتے
۔ یہاں تک کہ رات کا اندھیرا طاری ہوگیا۔ دوست دشمن کی تمیز ختم ہوگئی اس لئے
رک گئی۔ حلب کا لشکر قلعہ میں واپس چلا گیا اور امیر صلاح الدین جس نے آج تک
قدر شدید جنگ کبھی نہ لڑی تھی۔ اپنے لشکر کے ساتھ خیموں میں واپس آگیا۔
اس جنگ سے ایک طرف تو قلعہ والوں کے حوصلے پست ہوگئے اور انہوں نے فیصلہ
یا کہ وہ جہاں تک ہو سکے گا قلعہ کی حفاظت کریں گے اور دوبارہ قلعہ سے نکل کے جنگ
کوشش نہ کریں گے اس لئے کہ ایک دن کی جنگ میں ہزار آدمیوں سے زیادہ ہاتھ دھونا
ے تھے۔ ادھر امیر صلاح الدین پریشان تھا کہ حلب والے ملک الصالح کو کس قدر چاہتے
کہ ان کے خون دریا بہہ گئے لیکن قلعہ والوں کے قدم پیچھے نہیں ہٹے۔ وہ تمام رات
اروں کے ساتھ صلح مشورے کرتا رہا اس نے جنگ کی حکمت عملی بھی تبدیل کی پھر بھی
بح کے وقت پریشان تھا اور خدا سے دعا مانگ رہا تھا کہ اس کی مشکل آسان ہو۔
امیر صلاح الدین سے خدا تعالیٰ کو ابھی بہت سے کام لینا تھے اس لئے اس کی دعا قبول
ئی اور قلعہ والوں نے باہر نکل کے جنگ کرنے کی کوشش نہ کی۔ صلاح الدین نے اسے
یمت سمجھا اور قلعہ کا محاصرہ سخت کر کے بیٹھ گیا۔ حلب کے گورنر اور وزیر گمشتگین کی
فطرت تھی کہ وہ اہم سے اہم معاملہ میں بھی کسی دوسرے امیر سے مشورہ نہ کرتا تھا۔ یہ
ی ہو سکتا ہے کہ اسے اپنے کسی امیر پر اعتماد نہ رہا ہو یا پھر وہ اپنے آپ کو عقل کل کا
لک سمجھتا تھا۔ بہرحال اس نے ایک رات بھی بیکار نہ کی اور جنگ کی اس رات کو جب

اس کا لشکر قلعہ میں واپس آگیا تو اس نے تین سواروں کی ایک سفارت ترتیب دی
تینوں کو آگے پیچھے کوہ البرز کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ جلد از جلد قلعہ الموت پہنچ
الجبل کو گمشتگین کا پیغام پہنچائیں۔ تین سواروں کو الگ الگ بھیجنے کا یہ مقصد تھا کہ ا
میں سے دو مارے جائیں تو تیسرا وہاں تک پہنچ جائے۔

حشیش کا قلعہ الموت جہاں شیخ الجبل کا مسکن تھا اور جہاں حسن بن صباح نے ج
رکھی تھی۔ اس کا راستہ نہایت خطرناک تھا دوسرے یہ کہ اگر کوئی لشکر شیخ الجبل
کے لئے بھیجا جاتا تھا تو اس کی اطلاع شیخ الجبل کو بہت پہلے ہو جاتی تھی اور وہ اپنی
کے پورے پورے انتظامات کرلیتا تھا۔ لشکر کے علاوہ جو سفارتیں اس کے پاس بھیج
تھیں اس کی اطلاع بھی سفارت کے قلعہ تک پہنچنے سے بہت پہلے شیخ الجبل کو ہ
تھیں۔ وہ اگر مناسب سمجھتا تو سفارت کو قلعہ میں بلوالیتا ورنہ سفارت کار کا راستے
خاتمہ کردیا جاتا تھا۔

امیر گمشتگین کے پہلے دو سفیروں کا تو پتہ نہ چلا کہ ان پر کیا گزری لیکن تیسرا
پہاڑی سلسلے کے قریب پہنچ گیا جس کی چوٹی قلعہ الموت یعنی عقابوں کا گھونسلہ واقع
بڑی سمجھداری سے انہیں راستوں پر سفر کرتا ہوا آیا تھا جس کی نشاندہی امیر گمشتگین
کی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گمشتگین اس سے پہلے شیخ الجبل تک پہنچا تھا
کسی ایسے شخص کے ساتھ ان راستوں سے گزرا تھا جو قلعہ الموت کو جاتے تھے۔
کا سفیر اس راستے کے اختتام پر آکر رک گیا کیونکہ آگے سے بند تھا اور نیچے ا
کھائی تھی۔ اسے گمشتگین نے یہی بتایا تھا کہ راستے کے اختتام پر شیخ الجبل کے آد
ہوں گے جو اسے خود آگے لے جائیں گے۔

پس بالکل اسی طرح ہوا۔ گمشتگین کے سوار نے راستے کے اختتام پر گھوڑا ر
کہ گھنے درختوں میں سے تین آدمی یوں نکلے جیسے درختوں نے اگل دیا ہو۔ سوا
پیدل آتا دیکھ کر خود بھی گھوڑے سے اتر پڑا۔ آنے والوں کے چہروں پر چھوٹی
تھیں۔ ان کی روشن آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ ان کے چہروں سے
معلوم ہوتا تھا۔

سوار سلام کے لئے ہاتھ ... بسم انداز میں کہا
آمدید اے گورنر حلب کے سفیر۔ تمہارا آنا اس سرزمین ... لئے مبارک ہو۔"
سوار ان کی بات سن کر حیران رہ گیا۔ وہ سیدھا حلب سے آرہا تھا۔ پھر ان
اس کے آنے کی خبر پہلے کیسے پہنچ گئی۔ مگر اسے خیال آیا کہ شاید اس کے دونو

پہلے ہی پہنچ چکے ہیں۔
سوار نے اپنا شک رفع کرنے کو پوچھا۔ "اے بندگان کرام۔ کیا میرے پہلے دونوں
آپ تک پہنچ سکے۔ ہمیں افسوس ہے سلیمان غیاث کے دونوں ساتھی ضرور راستے سے
گئے اس لئے اب تک یہاں نہیں پہنچ سکے" ایک بزرگ صورت نے سوار کا نام لے
جواب دیا۔
سوار کو اور تعجب ہوا۔ اس نے پوچھا۔ "بزرگ محترم۔ میرے ساتھی آپ تک نہیں
مگر آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"
اس میں تردد کی زیادہ ضرورت نہیں۔ بزرگ صورت نے کہا۔ "خدائے جل شانہ
رشتے بھی پیدا کئے ہیں جن کے لئے فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ہمیں تینوں سواروں
نام اور ان کی روانگی کے اوقات ان کے چلنے کے ساتھ ہی معلوم ہو گئے تھے۔ ہمیں یہ
علم ہے کہ تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے؟" سوار سلیمان نے ایک لحہ توقف کیا پھر بولا
امید کروں کہ آپ مجھے شیخ الجبل کے حضور پیش کریں گے۔
"ضرور سلیمان ضرور ---" سلیمان کو جواب ملا۔ "ہم لوگ اس لئے یہاں موجود

سلیمان جلد سے جلد شیخ الجبل کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ "میں تیار ہوں۔ لے چلئے"

"ہم شیخ الجبل کے حضور میں پیش ہونے والوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتے ہیں۔ امید
آپ کو ناگوار نہ گزرے گا۔" بزرگ نے شرط پیش کی۔
"آپ جس طرح چاہیں مجھے لے جاسکتے ہیں۔" سلیمان نے کوئی اعتراض نہ کیا۔
ان میں سے ایک بولا ---" آپ کا گھوڑا یہیں پر رہے گا۔ واپسی میں آپ اسے
کرلیجئے گا۔"
ایک نے سلیمان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگا۔ راستہ
اور اونچا نیچا تھا لیکن سلیمان بے دھڑک ان کے ساتھ چلتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اسے
ہوا جیسے وہ سیڑھیاں چڑھ رہا ہے۔ سلیمان نے سیڑھیاں گنیں۔ وہ تعداد میں پچھتر
سیڑھیاں ختم ہوئیں تو سلیمان کی آنکھیں کھول دی گئیں۔ اب وہ ایک چوکور چٹان
تھا اور نیچے دور تک سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھیں۔ سلیمان کے ساتھ صرف دو آدمی
تھے۔ تیسرا آدمی کہیں چلا گیا تھا۔
سلیمان کے سامنے کی طرف ایک اونچی چٹان دیوار کی طرح عمودی شکل میں کھڑی تھی۔

جس کی چوٹی دیکھنے کے لئے سلیمان کو گردن پیچھے کی طرف لے جانی پڑی۔ چٹان
میں ایک تاریک راستہ اندر کی طرف جاتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد تیسرا فدائی واپس
اسی تاریک راستے سے آیا تھا۔

"مبارک ہو سلیمان۔ حضرت سیدنا شیخ الجبل نے تمہیں باریابی کی اجازت
ہے۔" فدائی نے بڑے مسرت سے کہا۔ جس وقت وہ سیدنا شیخ الجبل کے الفاظ ا
سے ادا کر رہا تھا اس وقت اس نے آنکھیں بند کر کے اپنا سر جھکا لیا تھا جس س
تھا کہ فدائی شیخ الجبل کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ امیر صلاح الدین کے دور حکو
قلعہ الموت کے شیخ الجبل کا نام سیدنا راشد اللہ تھا۔

سلیمان اس انتظار میں تھا کہ فدائی اس اندھیرے راستے میں داخل ہوں تو
کے ساتھ چلے لیکن وہ تینوں چپ چاپ کھڑے سامنے کی چٹان کو دیکھ رہے تھے
زلزلہ سا آگیا۔ یہ لوگ جہاں کھڑے تھے وہ ہل رہی تھی اور سلیمان ڈر رہا تھا
سامنے والی چٹان اپ پر نہ آجائے لیکن فدائیوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا تھا او
اطمینان سے کھڑے تھے۔

پھر سامنے کی چٹان میں یکایک ایک بڑا سوراخ ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
اندر سے پتھر کا ایک لمبا چوڑا ٹکڑا ایک طرف کو کھسک گیا ہے اور اس میں ایک
گیا۔ دو فدائی آگے پیچھے اس راستے میں جو کہ دروازہ کی شکل کا تھا داخل ہوئے
فدائی نے سلیمان کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر دروازے میں داخل ہوا۔ جب یہ
پہنچ گئے تو پھر گڑگڑاہٹ ہوئی اور پتھر کا وہ دروازہ جو ایک طرف ہٹ گیا تھا خود بخ
پر واپس آگیا اور اس طرح چٹان میں پیوست ہوگیا جیسے وہ وہاں سے ہٹا ہی نہ تھا۔

اب سلیمان نے اندر کے منظر پر نظر ڈالی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ
چٹان کے پیچھے ایک خوبصورت اور بڑا شہر آباد تھا۔ عالیشان محلات، چوڑی سڑ
اور سبزہ زار جن میں شفاف پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ سلیمان کے ساتھ وا
قدموں سے چل رہے تھے اور سلیمان کو ان کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد و
عظیم الشان محل پر پہنچے۔ سلیمان نے ایسا عالیشان محل حلب یا دمشق میں بھی
فدائی سلیمان کو لئے سیڑھیاں چڑھ کے محل کی راہداری میں پہنچے۔ اس میں ایک
وسیع کمرہ تھا جس میں چند لوگ رجسٹروں پر جھکے ہوئے تھے۔ سلیمان کو اندازہ
دفتر ہے جس میں حساب کتاب رکھا جاتا ہے۔

سلیمان ۔ کچھ دیر وہاں ... پڑا پھر ایک فدائی اسے بلانے آیا۔ فدائی کے

داریوں اور کمروں سے گزرتا ہوا ایک بڑے ہال کے دروازے پر پہنچا۔ دروازے پر
یوں کی جھالر کا پردہ پڑا تھا اور چار خوبصورت لڑکے جن کی عمر میں دس گیارہ سال
ادہ نہ تھیں۔ کمر میں نیچہ لگائے اور سروں پر سبزی تاج سجائے کھڑے تھے۔ فدائی
مان کو ان لڑکوں کے حوالے کیا اور واپس ہوگیا۔ ان میں سے ایک لڑکا بھاگ کے
اور چاندی کی چوکی اٹھا لایا اور سلیمان کو اس پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

مان کو وہاں بیٹھے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ چار انتہائی خوبصورت لڑکیاں، اعلیٰ
باس پہنے۔ جسم کے ہر حصہ پر ہیرے جواہرات کے زیور سجائے پردہ ہٹا کر باہر
سلیمان ان کا حسن دیکھ کر بدحواس ہوگیا۔ ان حسن کی دیویوں نے بڑے سلیقے سے
ے سلیمان کو مجرا پیش کیا پھر ایک نے جیسے نغمہ بکھیر دیا۔ "معزز مہمان کی آمد باعث
ہے۔ حضور عالی میں آپ کو یاد کیا گیا ہے۔"

مان کو کوئی جواب نہ سوجھا اور گھبرا کر کھڑا ہوگیا۔

ن چاروں خوبصورت لڑکیوں نے جن کے بارے میں سلیمان کو بعد میں بتایا گیا کہ وہ
حوریں ہیں اور وہ خوبصورت لڑکے غلمان ہیں، سلیمان کو اپنے جلو میں لیا اور اسے
ے چلیں۔ سلیمان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے کمروں، دالانوں اور راہداریوں کی سجاوٹ اور
ر دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ اگر یہ جنت نہیں تو جنت کی نقل ضرور ہے۔
یں نہیں وہاں تو سیکڑوں کی تعداد میں حوریں اور غلمان اٹکھیلیاں کرتے پھر رہے
ا میں اس قدر خوشبو بسی تھی کہ سلیمان کیف میں ڈوبا جا رہا تھا۔ دھوپ کا پتہ نہیں
ں سے چھن کے آ رہی تھی کہ اس میں تمازت نام کو نہ تھی۔ پودے، پھل، پھول
کی نہریں جس میں گنگا جمنی کام کے بجرے پڑے تھے اور مرد عورتیں باہم بڑے
ے محو گفتگو تھے۔

یا اللہ یہ تو تیری جنت ہے" سلیمان کے دل میں ایک دم خیال آیا لیکن اس نے خود
خیال کو جھٹک دیا۔ اس نے لوگوں سے سن رکھا تھا کہ حشیشن کے شیخ الجبل نے
ات پر ایک جنت ارضی بنائی ہے جس کی لالچ دے کر شیخ لوگوں سے غلط کام کراتا
ل خیال کے آتے ہی سلیمان سر جھکا کے چلنے لگا۔ نہ معلوم کتنے دروازے اور
اطے کرنے کے بعد لڑکیاں سلیمان کو ایک ایسے کمرے میں لے گئیں جس پر کسی
خوابگاہ کا گمان ہوتا تھا۔

معزز مہمان۔ نظریں جھکا لو اس وقت تم اعلیٰ حضرت شیخ الجبل کے حضور میں ہو۔"
چلنے والی ایک لڑکی کی آواز تھی۔ کمرہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ مست خوشبو کی لپٹیں

پھیلی ہوئی تھیں۔ کئی حوریں ایک سانولی رنگت اور دراز قامت شخص کے آگے جھکی ہوئی
تھیں۔ سلیمان نے کنکھیوں سے اس کی صورت دیکھی۔ سوائے چمکدار آنکھوں کے ا
اس کے چہرے پر اور کوئی خوبصورتی یا تاثر دکھائی نہ دیا۔ وہ یقیناً شیخ الجبل تھا جو ز
تکیوں کے سہارے نیم دراز تھا۔ اس کے ہاتھ انگور کا ایک خوشہ تھا جس کے انگور توڑ
کھانے کی بجائے وہ منہ میں انگور لے کر کھا رہا تھا۔
"بیان کرو سلیمان تمہارے آقا گمشتگین نے تمہیں کس لئے بھیجا ہے؟" شیخ الج
پر رعب آواز ابھری۔
سلیمان نے وہاں کی باتوں سے بہت کچھ اندازہ کر لیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ شیخ
کو اس کے آنے کی پہلے ہی خبر ہو چکی ہے۔ اس لئے اس نے چالاکی سے کام لیا۔
حضرت شیخ الجبل کو علم ہے کہ گمشتگین کا یہ غلام کیا پیغام لے کر حاضر ہوا ہے۔"
"مرحبا۔ ہم تمہاری ذہانت کی تعریف کرتے ہیں۔" شیخ الجبل نے سلیمان کی
کی۔ "ہمیں سب کچھ علم ہے لیکن ہم تمہاری زبان سے ان باتوں کی تصدیق چاہتے ہ
"بہتر ہے عالی مقام شیخ۔" سلیمان نے جواب دیا۔ "میرے آقا گمشتگین کو ا
امیر صلاح الدین نے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ حلب کی فوجوں نے ایک بار قلعہ سے
صلاح الدین کی فوجوں پر حملہ کیا تھا۔ تمام دن سخت لڑائی ہوتی رہی لیکن ہم صلا
کے قدم میدان سے نہیں اکھاڑ سکے۔ اس وقت سے اب تک صلاح الدین حلب
گھیرے ہوئے ہے اور خبر ہے کہ اس نے حلب کو فتح کرنے کے لئے مصر سے لشکر منگایا
"سلیمان۔ تمہارے آقا گمشتگین کو علم ہونا چاہئے تھا کہ امیر صلاح الدین ایک
اور بہادر جنرل ہے۔ یہ تو حلب کا محاذ ہے اس نے مصر کے فاطمیوں اور یو
نصرانیوں کے چھکے چھڑا دیے ہیں۔ گمشتگین کو ایسے انسان سے مخاصمت مول نہیں
تھی۔" شیخ الجبل دھیمی آواز میں ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا لیکن اس کے انداز
شان اور شاہانہ تمکنت تھی۔
"شیخ عالی مقام۔" سلیمان نے بھی لفاظی سے کم لیا۔ میرے آقا گمشتگین کو
الدین کے تدبر اور شجاعت کا اندازہ تھا لیکن انہیں حلب میں موجود امرائے نوریہ
میں رکھا اور انہیں یہ باور کرایا کہ مرحوم سلطان کے بیٹے ملک الصالح کی حلب
صلاح الدین کو بے بس کر دے گی۔" یہ کہہ کر سلیمان خاموش ہو گیا۔ شاید وہ شیخ
عمل دیکھنا چاہتا تھا۔
بہر حال شیخ الجبل نے اسے ایسا جواب دیا کہ سلیمان کی عقل ٹھکانے آگئی

ب تمہارے آقا نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ جو کسی حد تک درست بھی تھا تو پھر اس
ے نکل کر صلاح الدین اور اس کے لشکر کو بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھانے
موقع دیا۔ اگر گمشتگین قلعہ بند رہتا تو عین ممکن تھا کہ صلاح الدین کچھ دنوں محاصرہ
کے بعد کسی اور طرف نکل جاتا۔"
ہیں یہی غلطی ہوگئی اے شیخ معظم۔" سلیمان نے فوراً اعتراف کر لیا۔" آقا محترم
پ کی خدمت میں اسی لئے بھیجا ہے کہ آپ حلب کو صلاح الدین کی لعنت سے پاک
"
گمشتگین محاصرہ ختم کرانا چاہتا ہے یا اس سے آگے کچھ اور بھی؟" شیخ الجبل یوں
رہا تھا جیسے اس دور کی عظیم ترین ہستی ہے اور اس کے منہ سے نکلا ہر لفظ پتھر کی
ہے۔"
شیخ معظم" سلیمان نے پینترہ بدلا اور صلاح الدین نے اگر محاصرہ اٹھا لیا تو بھی اہل
ے دلوں سے صلاح الدین کا خوف اور دہشت کم نہ ہوگی۔ اس مصیبت کا کوئی مستقل
ونا چاہئے۔"
ہونہہ۔" شیخ الجبل راشد الدین سنان نے ایک لمبی ہنکاری بھری پھر دیر تک سوچتا

سلیمان۔" شیخ الجبل نے بڑے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "گمشتگین کو خبر پہنچا دو کہ
الدین کا علاج ہو جائے گا لیکن اس کے صلہ میں ہمارے داعی حلب اور حلب کے
تمام علاقے میں باطنی تحریک کی دعوت عام دیا کریں گے ان پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔
ے ساتھ گمشتگین پر یہ بھی واضح کر دینا کہ اگر اس نے ہمارے اس اعلان کی خلاف
ی تو اس کا بھی وہی انجام ہوگا جو صلاح الدین کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔
سلیمان کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ اس کی سفارت کامیاب ہوئی تھی۔ "شیخ اعظم آپ
عظیم ہی نہیں بلکہ عظیم ترین ہیں۔ اس حکم کے علاوہ آپ نقد رقم کی ادائیگی کے
کچھ کہنا پسند فرمائیں گے۔
نہیں سلیمان۔ ہم دوستوں پر احسان کیا کرتے ہیں۔ احسان کی قیمت نہیں وصول
"
شیخ الجبل نے اسی وقت ایک حور سے جو کنیز بنی کھڑی تھیں کچھ سرگوشی کی۔ حور
کمرے میں گئی اور ایک بزرگ صورت انسان کو اپنے ساتھ لے کر آئی۔ شیخ الجبل
اسے بھی کچھ سرگوشیاں کی۔ اسی وقت ایک حور سونے کی تھالی میں مشروب کے دو

گلاس لئے شیخ الجبل کے پاس پہنچی۔ شیخ الجبل نے تھالی سے ایک گلاس اٹھا لیا پھر سلیا
سے کہا۔ "کمشتگین کے معزز سفیر۔ ہم پر معاہدے کی تکمیل پر شربت پیتے ہیں اور تم
بھی شربت پیش کرتے ہیں۔"

شیخ الجبل نے حور کو اشارہ کیا وہ دوسرا گلاس لے کر سلیمان کے سامنے گئی۔ اس
تھالی سے گلاس اٹھا لیا۔ شیخ الجبل نے گلاس اپنے منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔ "پی جاؤ
سلیمان یہ جام صلاح الدین کی موت کا اعلان ہے۔ تمام عالم کو اس کی تلوار سے نجات
جائے گی۔"

سلیمان کے خوشی کی وجہ سے جیسے پر لگ گئے تھے۔ اس جام کو منہ سے لگا لیا اور
الجبل کے ساتھ ساتھ پورا جام ایک ہی سانس میں حلق سے اتار لیا۔ سلیمان کو عجیب
کیف محسوس ہوا۔ اس نے ایک ہلکی سی جھرجھری لی پھر اس پر غنودگی طاری ہونے
قریب کھڑی حوروں نے اسے اپنی آغوش میں سنبھال لیا پھر جب سلیمان کی آنکھ کھلی تو
نے خود کو ایک قالین پر لیٹا ہوا پایا۔ وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا اس کا گھوڑا اس کے قریب
تھا اور وہی تینوں فدائی جو اسے شیخ کے پاس لے گئے تھے اس کے سرہانے ہاتھ با
کھڑے تھے۔

ایک فدائی نے کہا۔ "سفارت کی کامیابی مبارک ہو معزز سلیمان آپ کا گھوڑا
ہے"

"آپ لوگوں کا شکریہ" سلیمان مسکرایا۔ "امام اعظم کا حکم ہے کہ آپ جہاں
فرمائیے وہاں تک ہم آپ کو حفاظت کے ساتھ پہنچا دیں۔"

"اس مہربانی کا مزید شکریہ۔" سلیمان مسکرایا "مجھے راستے کا علم ہے میں پہنچ
گا۔"

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ قلعہ الموت کے شیخ الجبل کے محل میں
خاص دفتر تھا جہاں ان لوگوں کا مکمل ریکارڈ جنہیں شیخ الجبل کے حکم سے اس کے فدا
کردیتے تھے ہر قتل کے بارے میں مفصل حالات لکھے جاتے تھے مثلاً" قتل کی در
کس امیر' وزیر یا سربراہ مملکت نے کی۔ کیا شرائط طے ہوئیں پھر کن فدائیوں کو قتل
سپرد کیا گیا وغیرہ۔ شیخ الجبل نے ایک حور کے ذریعہ جس شخص کو بلوایا تھا وہ شیخ
کہلاتا تھا یہ شیخ الجبل نے اسے صرف امیر صلاح الدین کا نام بتایا تھا باقی تمام
احکامات شیخ القتال کو جاری کرتا تھا اور قتل کی تکمیل کے بعد وہی مقررہ رقم یا
مراعات حاصل کرتا تھا۔

لب کا محاصرہ بدستور جاری تھا۔ گورنر اور وزیر کمشتگین کی پریشانیاں بڑھتی جا رہی
لاح الدین نے نئی فوج بھرتی کرلی تھی اور مصر سے بس لشکر آنے کی خبر تھی۔
ن نے ایک طرف تو قلعہ الموت کے شیخ الجبل سے رابطہ قائم کیا تھا۔ وہ قلعہ الموت
اپنے سفیر سلیمان کو بھیج کر مطمئن سا ہوگیا تھا لیکن جب اس کے بھیجے ہوئے
میں سے کوئی بھی پلٹ کر نہ آیا تو اسے اپنی موت نظر آنے لگی۔ کمشتگین جس قدر
امیر تھا اسی قدر اس نے ذہن رسا اور ذکاوت پائی تھی۔ وہ صرف ایک رابطہ پر
ں کر سکتا تھا اس لئے اس نے ایک اور تدبیر کی۔

لطان نور الدین زنگی نے جنگ حارم (506ء ہجری) میں طرابلس کے حاکم سمنہ کو قید
جسے بعض مورخوں نے سمند لکھا ہے یہ دراصل ریمنڈ کاؤنٹ آف ٹریپولی تھا۔ امیر
ن نے ریمنڈ سے ایک بھاری رقم وصول کرکے اسے رہا کرا دیا تھا۔ رقم کے علاوہ
فرنگیوں کے قبضے میں جو مسلمان تھے انہیں بھی ریمنڈ کے صلہ میں آزاد کرا لیا تھا۔
سلطان نور الدین زنگی کی حیات میں ہوا تھا۔ ریمنڈ رہا ہونے کے بعد بالڈون چہارم
ں کے زمانہ میں لاطینی حکومت کا ولی مقرر ہوچکا تھا۔ چونکہ ریمنڈ' کمشتگین کا احسان
اور اس وقت نور الدین زنگی کے بیٹے ملک الصالح کا گورنر اور وزیر تھا اس سے
ٹاتے ہوئے کمشتگین نے ریمنڈ سے خط و کتابت شروع کردی تھی۔ اس طرح
ن نے ایک طرف حشیشین کے شیخ الجبل سے مدد مانگی تھی اور دوسرے اس کا رابطہ
ے بھی ہوگیا تھا اور ہر دو طاقتوں سے صرف شرائط طے ہونا باقی تھے۔

شتگین کو شیخ الجبل کی طرف سے صلاح الدین کو راستے سے ہٹانے کی پوری یقین
ئی تھی اور جب کمشتگین حلب میں حشیشن کا دفتر اور دعوت دینے پر راضی ہوگیا تو
ں کے حکم پر شیخ القتال نے چند فدائین کو صلاح الدین کے قتل پر مامور کردیا۔
کی منصوبہ بندی اس قدر مکمل ہوتی تھی کہ نامزد انسان کے بچ جانے کا سوال پیدا
ا تھا۔

ایک رات چار فدائی صلاح الدین کے خیمے میں داخل ہوئے۔ صلاح الدین بڑا نڈر
ا لیکن اپنی حفاظت کا بھی معقول انتظام کرتا تھا۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ فدائی سخت
کے باوجود صلاح الدین کے خیمے میں کس طرح داخل ہوئے کیونکہ کوئی پہریدار زخمی
ں ہوا تھا۔ بہر حال فدائی کسی طرح بھی داخل ہوئے ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ
آنے والوں کی تعداد چار تھی۔ تین فدائی تو اندر داخل ہوکر خیمے کے دروازے کے
ے ہوگئے چوتھے فدائی نے سوتے ہوئے امیر صلاح الدین کے قریب پہنچ کر ہاتھ

میں خنجر کو تولا پھر امیر کے دل کا نشانہ لے کر قدرے جھکا اور امیر پر بھرپور وار کیا
ہے کہ تدبیر کند بندہ اور تقدیر کند خندہ۔ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ فدائی
سوتے ہوئے انسان پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن اس کا خنجر ابھی صلاح الدین کے سینے
ایک فیٹ دور تھا کہ سوتے ہوئے صلاح الدین کا دایاں ہاتھ اٹھا اور خنجر چلا۔
کلائی صلاح الدین کی گرفت میں آگئی پھر ایک لمحہ گزرا تھا کہ خنجر صلاح الدین
تھا اور دوسرے ہاتھ سے صلاح الدین نے حملہ آور کی گردن دبوچ لی تھی۔

"طغرل۔" امیر کی گرجدار آواز خیمے میں گونجی۔ اس کے ساتھ ہی صلا
فدائی کی گردن پر اس زور سے مروڑی کہ اس کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔

یہ سب کچھ لمحوں میں ہوا تھا۔ خیمے کے اندر کھڑے ہوئے باقی تین فدائی
ساتھی کی درگت بنتی دیکھی تو خیمے سے نکل بھاگے۔

طغرل امیر کے ذاتی محافظ دستے کا سردار تھا۔ جس وقت امیر نے اسے آوا
سے چند قدموں کی دوری پر تھا۔ امیر کی آواز پر اس نے "جی آقا" کہا اور
بھاگا ابھی اس نے پہلا قدم اٹھایا تھا کہ امیر کی آواز دوبارہ بلند ہوئی۔

"طغرل کوئی بچ کے جانے نہ پائے۔"

طغرل کی سمجھ میں سب کچھ آگیا تھا۔ اس نے خیمے سے نکلتے ہوئے تین آ
دیکھ لیا تھا۔ اس کی تلوار بجلی کی طرح چمکی اور ایک فدائی زمین پر آرہا۔
شروع کردیا تھا۔ طغرل اپنے آقا کا حکم سن چکا تھا اس لئے خیمے کے اندر جا
اس نے ان دونوں کا تعاقب کیااور تھوڑی دور انہیں جالیا۔ ایک فدائی نے طغ
کھینچ مارا طغرل ایک طرف ہٹ گیا اور اسی وقت اس کی تلوار فدائی کے
ہوگئی۔ دوسرا فدائی خنجر تانے طغرل کی طرف بڑھا طغرل فدائی کے سینے سے
تھا۔ دوسرے کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ خاموش کھڑا ہوگیا۔ فدائی نے اس پر
نے وار خالی دے کر اس کے ٹخنوں پر اس زور سے لات جمائی کہ وہ لڑکھڑا گیا
آسانی سے اسے جہنم رسید کردیا۔

لشکر گاہ میں جاگ ہوچکی تھی لوگ دریافت حال کے لئے ادھر ادھر بھاگ
طغرل نے فوجیوں کو فدائیوں کی لاشیں حوالے کیں اور انہیں حکم دیا سم کہ ا
قلم کرکے امیر کے خیمے پر لائی جائیں۔ پھر وہ امیر کے خیمے کی طرف بھاگا۔

تمام لشکر جاگ گیا تھا اور بہت سے لوگ امیر کے خیمے کے سامنے جمع ہو
طرف مشعلیں جل گئیں تھیں اور لشکر گاہ جگمگا اٹھی تھی۔ طغرل بھاگتا ہوا ا

یمے پر پہنچا مگر وہاں کا عالم دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ فوجی سردار ہاتھ باندھے نیم دائرے میں
ے سامنے کھڑے تھے۔ امیر صلاح الدین کا چہرہ اگرچہ متین تھا لیکن اس کی آنکھوں
نگاریاں سی اٹھ رہی تھیں۔ امیر کے ایک ہاتھ میں خون آلود خنجر تھا اوردوسرے ہاتھ
ں فدائی کی گردن تھی جس نے اس پر حملہ کیا تھا۔ طغرل کو اس وقت تک کچھ معلوم
تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ اس نے ایک اندازہ ضرور لگایا تھا اوروہ اندازہ درست
ہوا۔

"آگے آؤ طغرل۔" صلاح الدین نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

طغرل سر جھکائے اس کے سامنے پہنچ گیا۔ خون آلود تلوار اب تک اس کے ہاتھ میں
امیر کے سامنے پہنچ کے طغرل نے اپنی تلوار زمین پر رکھ دی۔

"باقی حملہ آوروں کا کیا حشر ہوا طغرل؟۔" امیر نے بڑے جلال سے کہا۔

"وہ اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں امیر معظم۔" طغرل نے نظریں جھکاتے ہوئے جواب

"جو تم نے کہا ہے اس کا ثبوت پیش کرو۔؟" امیر کا جلال کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

ی وقت مجمع میں ایک طرف ہلچل ہوئی اور تین لشکری تین سروں کو اپنی تلوار پر بلند
اضر ہوئے۔ طغرل کا ڈوبتا دل ٹھہر گیا۔

"ثبوت حاضر ہے۔ امیر معظم" طغرل نے ٹھہری آواز میں کہا۔

پھر طغرل نے سر لانے والے کو اپنے قریب بلایا اور تین فدائیوں کے سر اپنی تلوار کے
رکھوائے اور امیر سے مخاطب ہوا۔ "جب امیر نے مجھے آواز دی اس وقت میں خیمے
ند قدم دور گیا تھا کیونکہ کچھ کھٹکا ہوا اور کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی تھی۔ میں اس
کی حقیقت معلوم کرنے جارہا تھا۔ اسی وقت امیر کی آواز بلند ہوئی اور میں خیمے کی
بھاگ پڑا۔ میں تین آدمیوں کو خیمے سے نکل کے بھاگتے دیکھا۔ ایک لمحہ ضائع کئے
ان پر حملہ کیا۔ ان میں سے ایک زمین پر گر گیا باقی دو بھاگ نکلے۔ میں تذبذب
پڑ گیا کہ بھاگنے والوں کا پیچھا کروں یا آپ کے خیمے پر جاؤں۔ اسی وقت آپ کا دوسرا
نائی دیا جس کا مطلب میری سمجھ میں یہی آیا کہ بھاگنے والوں کو روکا جائے۔ بس میں
طرف بھاگا اور ان دونوں کو بھی مار گرایا۔ اب مجھے امیر کے خیمے پر پہنچنے کی جلدی
لئے اپنا باقی کام ان لشکریوں کو سپرد کرکے حضور میں حاضر ہوگیا۔

"شاباش طغرل۔ تمہاری وفاداری قابل تعریف ہے۔" امیر نے کھلے الفاظ میں طغرل کی
کی لیکن چوتھا سر جو امیر صلاح الدین کے ہاتھ میں تھا وہ اب تک اسی طرح تھا۔

حاضرین پر سکوت طاری تھا کہ امیر کی آواز پھر بلند ہوئی۔ "یہ گردن۔۔"
گردن کو جھٹکا دیا تو اس میں خون کے قطرے گرنے لگے۔ "ہاں یہ گردن اس ملعو
جس نے میرے سینے کا نشانہ لے کر سوتے میں مجھ پر بھرپور وار کیا تھا پھر میں نہیں
کہ میری وہ کونسی نیکی تھی جو خدائے قدوس کے دربار میں قبول ہوئی تھی کہ جز
مجھے یوں عطا ہوا کہ ٹھیک اس وقت جب حملہ آور کا ہاتھ وار کے لئے اوپر بلند
مجھے کسی غیبی طاقت نے بیدار کردیا۔ آنکھ کھلتے ہی مجھے وقت کی سنگینی کا فوری ا
اور میں نے ایک ہاتھ سے حملہ آور کا وہ ہاتھ پکڑ لیا جس میں خنجر تھا۔ اس کے
میں دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ لی۔ میری انگلیاں اس کی شہ رگ پر
گئیں اسی وقت میں نے تم کو آواز دی تھی۔۔"

بڑا حیرت انگیز اور خونی واقعہ تھا۔ بظاہر حملہ آور چار معلوم ہوتے تھے۔ ا
اب تک امیر صلاح الدین کے ہاتھ میں تھی اور باقی تین گردنیں طغرل کی تلوار
رکھی تھیں۔ طغرل نے واقعی ایک گرانقدر کارنامہ کیا تھا۔ لوگ جوں جوں اس
واقعہ پر غور کرتے ان کی حیرت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا۔

حیرانی کے اسی عالم میں ایک بار پھر امیر کی گرجدار آواز ابھری۔ اس واقعہ ک
بھی اسی وقت ہوگی اور جب تک کارروائی ختم نہیں ہوتی یہ گردن اور خنجر میر
رہے گا۔ یہ خنجر میرا نہیں بلکہ مجھے خوشی ہے کہ میرا خنجر اس حملہ آور کے ناپاک
آلودہ نہ ہوا بلکہ یہ خنجر اپنے ہی مالک کے خون سے خون رنگ ہوگیا۔ لشکر گاہ
کو فورا" خبردار کیا جائے کہ کسی بھی شخص کو لشکر گاہ سے فرار نہ ہونے دیا جا
حکم یہ کہ تمام سردار اور رسالدار اپنے پیادوں اور سواروں کو لے کر میدان
جائیں بالکل اس طرح جیسے میدان جنگ میں صف آرا ہوتے ہیں اب تم سب
اجازت ہے سوائے طغرل کے۔"

تمام چھوٹے بڑے سردار جو وہاں جمع ہو گئے تھے تعمیل حکم کے لئے چل پڑ
کو ٹھہرنے کا حکم تھا اس لئے وہ سر جھکائے کھڑا رہا مگر اس کے پیر کانپ رہے
خدا معلوم اس سے کیا کیا سوال کرے گا کیونکہ اس حملہ کی پوری ذمہ داری
عائد ہوتی تھی۔

سب کے جانے کے بعد امیر صلاح الدین نے طغرل سے سوال کیا۔ "طغ
مانا کہ تم میری پکار کے وقت کسی خاص وجہ سے کچھ دور چلے گئے لیکن کیا تم
سامنے سے ہٹنے سے پہلے اپنے نائب کو خبردار اور ہوشیار رہنے کی تاکید کی تھی؟

"امیر معظم۔۔ انسان خطا کا پتلا ہے لیکن میں یہ قول صادق دہرا کر اپنی ذمہ داری سے
بچ کی کوشش نہ کروں گا۔ جس وقت میں خطرہ محسوس کر کے خیمے کے سامنے سے جانے
لگا تو میں نے اپنے نائب کو سختی سے تاکید کی تھی کہ خبردار کسی کو خیمے کے قریب مت آنے
دینا اور ضرورت پڑھنے پر جان دینے سے بھی دریغ نہ کرنا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ
میرے نائب نے ہوشیار رہنے کا یقین دلایا تھا۔ اس احتیاط کے باوجود اس حملہ کی ذمہ داری
مجھ پر عائد ہوتی ہے اور میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں امیر معظم۔

"ہونہہ۔۔" امیر نے سر ہلایا۔ "مجھے یقین ہے کہ تمہارا نائب ایک قابل اعتماد انسان
ہے۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حملہ آور خیمے کے اندر کس وقت داخل ہوئے کہ
تمہارے آدمی انہیں دیکھ نہ سکے۔"

"امیر معظم ۔۔ یہی بات میرے دل کو بھی کھٹک رہی ہے۔" طغرل نے مختصر جواب
دینا بہتر سمجھا۔

"تو جاؤ اس کھٹک کو دل سے دور کرو اور اپنے چاروں آدمیوں کو ساتھ لے کر میدان
میں ان لوگوں کے پاس پہنچو جو وہاں صف آرا ہو رہے ہیں۔"

طغرل کے ساتھ چار محافظ اور ہوتے تھے۔ ایک طغرل کا نائب باقی تین بااعتماد اور
وفادار۔ ظاہر ہے کہ امیر کے خاص محافظ دستوں کی امیر کے ذاتی محافظوں کی بھی اچھی طرح
چھان بین کی جاتی تھی اور خصوصا" اس وقت اور زیادہ احتیاطی تدابیر اختیار کی جاتی تھی
جب لشکر میدان جنگ میں ہو۔ امیر صلاح الدین کے اسی وجہ سے طغرل اور اس کے نائب
پر کوئی شبہ ظاہر نہ کیا بلکہ انہیں صفائی کا موقعہ دیا۔

ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ ستائیس آدمیوں کو گرفتار کر کے امیر صلاح الدین کے
سامنے پیش کیا گیا۔ یہ لوگ اس وقت گرفتار کئے گئے جب صفیں آراستہ ہو رہی تھیں اور
تمام چھوٹے بڑے سردار اور رسالدار اپنے فوجیوں کو پہچان پہچان کے صف میں کھڑے کر
رہے تھے۔ گرفتار ہونے والے یہ لوگ بھی صفوں میں جا کے گھس گئے تھے لیکن ان کے
رسالداروں نے جب تحقیق کی تو وہ غلط نکلے اور گرفتار کرلئے گئے۔ مگر عجیب بات اس وقت
سامنے آئی جب ان ستائیس آدمیوں نے بیانگ دہل اعلان کیا کہ وہ شیخ الجبل کے فدائی ہیں
اور انہیں صلاح الدین کو موت کے گھاٹ اتارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امیر صلاح الدین نے فدائیوں کی باتیں بڑے تحمل سے سنیں پھر حکم دیا کہ ان کی
گردنیں قلم کر کے قلعہ الموت کی پہاڑی کے نیچے پہنچا دی جائیں۔ حکم کی دیر تھی۔ سب
کی گردنیں اتار لی گئیں اور انہیں قلعہ الموت بھیجنے کی تیاری ہونے لگی۔

امیر صلاح الدین اس طرف سے فارغ ہوا تھا کہ لشکر گاہ کے محافظوں کی طرف
بیس لاشیں پیش کی گئیں۔ یہ ان فدائیوں کی لاشیں تھیں جنھوں نے رات کا فائدہ
لشکر گاہ سے نکل جانے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت تک مرنے والے فدائیوں کی
سنتالیس ہو چکی تھی اور ابھی سامان خوردونوش اور اسلحہ کے خیموں کی تلاش باقی تھی
کا نتیجہ بھی جلدی آگیا۔ پانچ آدمی وہاں سے گرفتار کر کے لائے گئے جنھیں فوراً
چڑھا دیا گیا۔

ان لوگوں کے علاوہ پچاس آدمی اور گرفتار ہوئے جو اپنا غلط نام اور پتہ لکھا
لوگوں میں شامل ہوگئے تھے جنھیں دوسرے دن امیر کے سامنے پیش کر کے نئے لشـ
بھیجنا تھا۔ ان سب کو الگ الگ بلا کر ان کا نام اور پتہ معلوم کیا گیا۔ یہ تحقیقات ام
کے سامنے شروع ہوئی جس میں ملک کے تقریباً تمام علاقوں کے لوگ نامزد کیے
تھے۔ اس طرح غلط اندراج کرانے والوں کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ ان کی تعداد پچپن تھی۔
کو شیخ الجبل پر اس قدر اعتماد ہوتا تھا کہ اس کے ذہن میں یہ بات جاگزیں بلکہ پتھر کی
جاتی تھی کہ وہ شیخ الجبل کے بتائے ہوئے کام کے سلسلہ میں اگر مارا گیا تو بغیر پوچھ گچھ
جنت میں جائے گا۔

ان پچپن فدائیوں نے گرفتار ہوتے ہی بتا دیا کہ وہ شیخ الجبل کے فدائی ہیں اور
صلاح الدین کی فوج میں بھرتی ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ امیر صلاح الدین نے انہیں بھی
پر لٹکا دیا امیر صلاح الدین پھر بھی مطمئن نہ تھا۔ اس کے خیال میں اب بھی لشکر میں
موجود ہیں لیکن اس کی تمام کوشش کے باوجود مزید کوئی فدائی پکڑا نہ جاسکا۔ یہاں یہ
قابل ذکر ہے کہ مفتی حکیم انتظام اللہ شہابی مرتب تاریخ ملت نے صاف الفاظ میں لکھا
کہ قلعہ اعزاز یا عزیز کے محاصرہ کے دوران اسمٰعیلی باطنیوں (فدائی) نے دو مرتبہ قا
حملہ سلطان صلاح الدین پر کیا۔ لیکن اس کی سند کسی دوسری تاریخ سے نہیں ملتی۔
ہے کہ پہلا حملہ حلب کے محاصرے کے دوران اور دوسرا حملہ قلعہ اعزاز کے محاصرہ
دوران ہوا ہو مگر دونوں مرتبہ خدا نے امیر کو بچالیا اور حملہ آور گرفتار ہو کر قتل ہوئے۔

امیر صلاح الدین کے ہاتھوں تقریباً سو سوا سو فدائیوں کا مارا جانا ایک بہت بڑا کا
تھا اس سے شیخ الجبل کی ساکھ کمزور پڑ گئی اور لوگوں نے اکا دکا فدائی کو جہاں پایا وہیں
خاتمہ کردیا۔ فدائیوں کے مارے جانے کا سب سے زیادہ غم امیر گمشتگین وزیر و گورنر
کو ہوا۔ شیخ الجبل کے ایک ذاتی غلام نے حلب پہنچ کر گمشتگین کو اطلاع دی۔
"امیر گمشتگین کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت امیر شیخ الجبل نے صلاح الدین کے

صادر فرمائے ہیں اور آپ کو اس کی موت پر مبارک باد دی ہے۔"
مبارکباد تو قبل از وقت ہے۔ صلاح الدین آج بھی اور اس وقت بھی زندہ
نے اسے پرے سے دیکھا ہے۔ وہ گھوڑے پر اپنے لشکریوں کو ہدایات دیتا پھر رہا
شتگین نے قدرے تلخ لہجے میں جواب دیا۔
بل کا قاصد مسکرایا۔ "امیر گمشتگین آپ کو حضرت شیخ کی طاقت کا اندازہ نہیں
س شخص کے قتل کا حکم صادر فرما دیں اسے مردوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ
یے کہ صلاح الدین مرچکا ہے۔"
بات ہے۔۔" گمشتگین چڑ گیا۔ "صلاح الدین میری آنکھوں کے سامنے چل
اور تم کہتے ہو کہ میں اسے مردہ سمجھ لوں۔ یہ کیا بکواس ہے؟"
مشتگین آپ شیخ الجبل کی توہین فرما رہے ہیں۔" قاصد نے بھی سختی سے جواب
شیخ الجبل کا حکم اٹل ہوتا ہے۔"
زیادہ بکواس مت کرو۔" گمشتگین نے اسے ڈانٹ دیا۔ "جس طرح تو بکواس کرتا
ح تیرا شیخ الجبل بھی بکواس کرتا ہے۔ شرائط طے کئے دو ہفتے گزر چکے ہیں مگر وہ
فدائی کو بھی غصہ آگیا۔ اس نے گمشتگین پر فوراً خنجر تان لیا۔ "خبردار اگر
شیخ کی شان کے خلاف زبان سے نکلا تو زبان کاٹ ۔۔۔۔"
جملہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ گمشتگین کے دو محافظ جو ہر دم اس کے ساتھ رہتے
پر ٹوٹ پڑے اور اسے دبوچ لیا۔
نے غصہ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ جس قدر خطرناک ہو اس سے
دغاباز اور بزدل ہو۔ تم مردوں کی طرح آواز دے کر وار نہیں کرتے بلکہ لوگوں
قتل کرتے ہو۔" پھر اس نے اپنے محافظوں کو حکم دیا۔ "اسے قید خانہ میں
رکھا جائے اگر ایک ہفتہ میں شیخ الجبل نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو اس
کو قتل کردیا جائے گا۔"
ے گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے اور قید میں ڈال دیا۔ دوسری صبح کو یہ خبر دور دور
شیخ الجبل کے فدائیوں نے امیر صلاح الدین پر سوتے میں قاتلانہ حملہ کیا لیکن
آور کو پکڑ کے اس کا سر قلم کردیا۔ اس حملہ آور کے ساتھ ایک سو کے قریب
کے لشکر میں داخل ہوئے تھے۔ ان کو بھی گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیا گیا۔ یہ
شتگین کو ملی تو اس نے فدائی قاصد کو اپنے سامنے بلوا کر اس کی گردن اڑوادی۔
ح الدین پر اس قاتلانہ حملے کے کئی ردعمل ہوئے۔ وہ شیخ الجبل سے اس قدر

متنفر اور منغض ہوا تھا کہ اگر اس وقت حلب کا محاصرہ جاری نہ ہوتا تو وہ اپنی پوری
سمیٹ کر قلعہ الموت کا رخ کرتا اور اس قلعہ کا نام تک مٹا ڈالتا۔ مصر میں جب م
اور سوڈانیوں نے بغاوت کی تھی اس وقت بھی امیر صلاح الدین کو یہ بتایا گیا تھا کہ
بغاوت کی پشت پر شیخ الجبل کا ہاتھ ہے جس نے سابق مصری امیر اور سوڈانیوں سے
خطیر رقم لے کر اس بغاوت کو کامیاب بنانے کی کوشش کی تھی۔

اس وقت وہ حلب کا محاصرہ ختم بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس سے اس کی استقام
دلیری پر حرف آتا تھا۔ بہرحال اس نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ وقت آتے ہی وہ شیخ
سے اس کا انتقام لے گا۔ امیر پر اس حملے کا ایک تعمیری رد عمل بھی ہوا جس نے ایک
اور نفرت کو دوستی اور محبت میں تبدیل کردیا۔ جس شب امیر پر حملہ ہوا اس رات ا
تمام رات بلکہ دن چڑھے تک نہ سوسکا۔ دوپہر تک اس کا جسم کسمند سا رہا۔ اسے
لوگوں سے ملاقات کرنا پڑی جو اسے نئی زندگی کی مبارکباد دینے آئے تھے۔

اس کا دماغ خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور جسم تھکن سے چور تھا۔ اس نے
چند لمحے کمر کو سیدھا کرلے اس نے کمر سے خنجر نکالا۔ صلاح الدین آرام کے وقت
سے کھول کے تکیہ کے نیچے رکھا کرتا تھا مگر یہ تو میدان جنگ تھا۔ کہاں کا بستہ کہ
ایک چادر کو دہرا تہرا کر کے تکیہ بنایا گیا تھا۔ صلاح الدین نے خنجر چادر کے تکیے
سرکایا تو اس کی انگلیاں کسی کاغذ سے ٹکرائیں۔ امیر صلاح الدین نے تکیہ ہٹایا تو وہا
بند خط رکھا تھا۔ امیر کو یاد آیا کہ گزشتہ شام ایک غلام یہ خط لے کر اس کے پاس
غلام کا بیان تھا کہ خط اسے امیر کے خیمے سے کچھ دور زمین پر پڑا ملا تھا۔ چونکہ
صلاح الدین کے نام تھا اس لئے غلام اسے اٹھا لایا۔

ممکن تھا کہ امیر صلاح الدین خط کھول کے پڑھتا لیکن جب اس نے خط کے
بھیجنے والے کا نام پڑھا تو اس کا مزاج برہم ہوگیا اور اس نے بغیر پڑھے خط کو تکیے
بھڑدیا تھا۔ جس نام نے امیر کا مزاج برہم کیا تھا وہ نام تھا:۔۔۔

گنہ گار۔ معافی کا خواستگار
شمس الدین محمد ابن مقدم

امیر کو اس وقت اس نام پر غصہ آگیا تھا لیکن اس وقت اس کا دل چاہا کہ وہ ذ
اور دیکھے کہ ابن مقدم اس قدر سنگین جرم کرنے کے بعد اس سے کس بنا پر اور کم
معافی کا خواستگار ہوا ہے۔ پس امیر صلاح الدین نے خط کھولا۔ لفافہ کے اندر صر
سطریں تحریر تھی جسے پڑھ کے امیر صلاح الدین چونک پڑا۔ وہ تحریر کچھ یوں تھی:

امیر معظم
میں گنہ گار اور خطاوار ہوں مگر میرا ایمان ہے
دمشق کی بکھرتی ہوئی سلطنت کی شیرازہ بندی
صرف آپ کرسکتے ہیں۔ خدا کے لئے اپنی
حفاظت کا معقول انتظام کیجئے۔ شیطان صفت
شیخ الجبل کے فدائی آپ کے لشکر تک پہنچ
چکے ہیں۔

معافی کا خواستگار
ابن مقدم

امیر صلاح الدین آرام کرنا بھول گیا اور دیر تک اس مختصر تحریر کے مندرجات پر غور
تا رہا۔ ابن مقدم ہرچند مفاد پرست تھا۔ اس نے دمشق پر قبضہ کے لئے بڑا خطرناک
م اٹھایا تھا لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو سلطان نورالدین زنگی کی وفات کے
د امرائے نوریہ میں سے تقریباً سب ہی امیر تخت دمشق کا خود کو حقدار سمجھتے تھے۔ کیا
س الدین ابن مقدم کیا سعد الدین کمشتکین سب نے اپنی اپنی بساط بھر کوشش کی تھی اور
ب بھی کر رہے تھے پھر صرف شمس الدین ابن مقدم کو اکیلا ہی غدار ملک و وطن کیوں کہا
ائے اور پھر اس صورت میں تخت دمشق پر قبضہ میں ناکام ہونے کے بعد اس نے صاف
اف الفاظ میں کہا تھا کہ۔

"دمشق کی بکھرتی ہوئی سلطنت کی شیرازہ بندی
صرف آپ کرسکتے ہیں۔"

ابن مقدم پر غداری کا الزام تو یہیں سے ختم ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ ابن مقدم
نے امیر صلاح الدین کے مخالف ہونے کے باوجود اسے شیخ الجبل کے فدائیوں سے خبردار
رہنے کی اطلاع دی تھی۔ یہ اطلاع صلاح الدین کو قاتلانہ حملے کے بعد پہنچی لیکن ابن
مقدم نے ایک دن پہلے ہی امیر کو خبردار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا ضمیر مجرم تھا اس
لئے وہ امیر کے سامنے خود نہ آسکا اور کسی ذریعہ سے بند لفافہ امیر تک پہنچا دیا۔

امیر صلاح الدین نے دماغ میں امڈتے خیالات کو جھٹکا دے کر الگ کیا پھر غلام سے
کہا۔ "فرخ شاہ کو فوراً حاضر کرو۔۔۔"

صلاح الدین کے کہنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ غلام اک دم بھاگ پڑا۔ خوش قسمتی سے
فرخ شاہ لشکر میں موجود تھا۔ وہ کسی ضروری کام سے دمشق گیا ہوا تھا اور اسی وقت واپس

آیا تھا۔

"امیر معظم نے آپ کو فوراً طلب کیا ہے۔" غلام نے ہانپتے ہوئے کہا۔

فرخ شاہ گھبرا کے کھڑا ہو گیا۔ "خیریت تو ہے۔ مزاج سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟"

"امیر زادے۔ مجھے صرف اتنا علم ہے کہ امیر ایک خط پڑھ رہے تھے پھر سوچتے ر
اس کے بعد چونک کے آپ کی طلبی کا حکم دیا۔ غلام نے اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا۔

فرخ شاہ نے مزید گفتگو بیکار سمجھی اور غلام کے ساتھ چل پڑا۔

امیر صلاح الدین لفافہ ہاتھ میں دبائے خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ اس وقت فرخ شاہ پ
اٹھا کر داخل ہوا۔ امیر کے قدم رک گئے۔

"فرخ شاہ ۔۔ امیر ابن مقدم کہاں ہے؟" امیر نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

فرخ شاہ لرز اٹھا۔ ابن مقدم کی گرفتاری کی ذمہ داری فرخ شاہ پر ڈالی گئی تھی لیک
فرخ شاہ امیر کے ساتھ حلب کے محاصرہ میں آیا ہوا تھا۔ وہ یکسوئی سے ابن مقدم کو تلاش
نہ کر سکا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

"مجھے اپنی کوتاہی کا احساس ہے امیر معظم۔ اس محاصرہ کی وجہ سے میں اس کی گرفتار
پر زیادہ توجہ نہ دے سکا۔ بہت جلد اس غدار کو آپ کے قدموں میں لا ڈالوں گا۔"

"ہونہہ ۔۔ امیر نے لمبی سانس لی۔ "ابن مقدم کی ایک بیٹی تھی۔ کیا نام تھا اس کا؟"

"ارمغانہ" فرخ نے نظریں نیچی کر لیں۔

"اس کا پتہ معلوم ہے تمہیں؟" امیر نے دوسرا سوال کر کے فرخ شاہ کو اور گھبرا دیا۔

"نہیں امیر معظم۔ وہ خود ہی ایک بار آئی تھی اور میں نے اسے آپ کے سامنے پیش
کر دیا تھا۔" فرخ شاہ نے ٹھہر ٹھہر کے جواب دیا۔ "وہ دوبارہ نہیں آئی اور میں نے اس سے
پتہ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔"

"تمہیں پتہ پوچھنا چاہیے تھا۔" امیر صلاح الدین نے زور دے کے کہا۔ "آخر وہ
تمہاری محسنہ تھی۔"

فرخ شاہ کو سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔ وہ صرف ایک نظر امیر پر ڈال کے رہ
گیا۔

"خیر۔۔" امیر نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "خیر وہ مل جائے تو اسے ہمارے پاس لے
کے آنا اور ہاں ابن مقدم تک یہ خبر پہنچانے کی کوشش کرو کہ اس کا خط ہمیں مل گیا ہے۔
اس کی خطا معاف ہوئی۔ وہ فوراً ہم سے ملنے کی کوشش کرے۔"

"جی امیر معظم ۔۔۔" فرخ شاہ نے گھبرا کے امیر کو دیکھا۔ "میں سمجھا نہیں، کیا

؟"

سمجھو گے بھی نہیں۔" امیر نے ہاتھ میں دبا خط اس کی طرف بڑھا دیا۔ "وہ گنہ گار
ہے لیکن غدار تخت و تاج نہیں ۔۔۔۔"

خ شاہ نے جلدی جلدی چار سطری خط پر نظر ڈالی اور اطمینان کا سانس لیا۔

ساحل کے قریب

وہ دمشق کے بڑے بازار میں سے ایک گلی میں گھومی تھی کہ کسی نے آوا
"ارمغانہ۔ ٹھہرو ارمغانہ"
ارمغانہ نے پلٹ کے دیکھا۔ امیر صلاح الدین کا بھتیجا فرخ شاہ گھوڑا بڑھائے ا
جانب آرہا تھا۔ یقیناً" یہ آواز فرخ شاہ کی تھی۔ ارمغانہ کی فرخ شاہ سے صرف دو تین
ملاقاتیں ہوئی تھیں پھر بھی وہ اس کے چہرے مہرے اور آواز کو نہیں بھول سکی تھ
یقین ہوجانے کے بعد کہ فرخ شاہ اسے آواز دے رہا ہے ارمغانہ بے تحاشہ گلی میں
گھی۔ وہ فرخ سے اب نہ ملنا چاہتی تھی۔ دونوں کی آخری ملاقات شاہی محل میں ہوا
جہاں فرخ شاہ نے اسے امیر کے سامنے اس لئے پیش کیا تھا کہ ارمغانہ کے فرخ شاہ
ہوئے احسان کے بدلے شاید امیر صلاح الدین اس کے باپ المقدم کا قصور معاف
لیکن امیر نے اسے رتی بھر امید کا بھی سہارا نہ دیا تھا اور وہ نہایت مغموم محل سے
ہوئی تھی۔

فرخ شاہ اس سے پہلے محل چھوڑ کے باہر آگیا تھا تاکہ ارمغانہ سے اپنی صفا
کرسکے۔ پھر اس نے ایک موڑ پر اچانک سامنے آکر معذرتانہ لہجے میں کہا تھا۔ "ارمغ
تم سے شرمندہ ہوں کہ امیر نے ابن مقدم کی تقصیر معاف نہیں کی۔"

"آپ کیوں شرمندہ ہوتے ہیں امیر زادے۔" ارمغانہ نے بڑے دکھ سے جوا
تھا۔ "دراصل بابا کی پیشانی پر غداری کا اتنا گہرا داغ ہے کہ میں اپنے احسان کے پا
اسے نہ دھو سکی۔ میں خود اپنی جگہ شرمندہ ہوں کہ میں نے احسان کی آبرو بھی خا
ملادی اور اپنی اور آپ کی نظروں میں گر گئی۔"

"یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں ارمغانہ۔" فرخ شاہ نے بات کو طول دینے کی

ر اس دن تم اپنی جان پر کھیل کر مجھے نہ بچاتیں تو آج میں تم سے ہم کلام کس
ح ہوتا۔"
اس وقت ان کے پاس سے ایک سوار دونوں کو گھورتا ہوا نکل گیا۔
"امیر زادے مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔" ارمغانہ نے گھبرائے لہجے میں کہا۔ "یوں
سرراہ گفتگو کرنا شرافت کے خلاف ہے۔"
"ٹھیک کہہ رہی ہو ارمغانہ۔" فرخ شاہ نے تائید کی۔ "مجھے اپنے ساتھ چلنے کی
زت دو تمہارے گھر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"
"آپ کیا کہہ رہے ہیں امیر زادے۔" ارمغانہ نے قدرے برہمی کا اظہار کیا۔ "جب
باپ کا دامن چھوٹا نہ میرا گھر ہے نہ در۔ آج اس سہیلی کے یہاں تو کل دوسری کے
۔"
"مجھے بہت افسوس ہے ارمغانہ۔" فرخ شاہ نے ہمدردی دکھائی۔ "میں تمہیں یوں بے
ارا بھی نہیں دیکھ سکتا۔"
"شکریہ امیر زادے۔" ارمغانہ نے قدم بڑھایا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ نہ تو میری فکر
یں گے اور نہ کبھی مجھے یوں راہ چلتے پریشان کریں گے۔"
ارمغانہ آگے بڑھ گئی اور فرخ شاہ کا کچھ کہنے کو کھلا ہوا منہ کھلا ہی رہ گیا۔
اس دن کے بعد آج اسے ارمغانہ دکھائی دی تھی۔ وہ بھی بھرے بازار میں۔ فرخ شاہ
اس کے قریب پہنچنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ اس نے ارمغانہ کو گلی
مڑتے دیکھا تھا لیکن جب وہ گلی میں داخل ہوا تو وہاں سناٹا پڑا ہوا تھا وہ مجبور ہو کے
ٹ گیا۔ فرخ شاہ کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ پچھلی اور آخری
ات میں ارمغانہ نے اپنے پیچھا کرنے سے روک دیا تھا۔ اگرچہ ارمغانہ کی یہ درخواست
م فرخ شاہ کے لئے بڑا تکلیف دہ تھا لیکن اس نے ارمغانہ کی اس خواہش کا احترام کیا
ر اس سے سامنا کرنے کی کوشش نہ کی۔ فرخ شاہ بہت دنوں تک دمشق میں مقیم رہا۔
غانہ بھی اسی شہر میں تھی۔ فرخ شاہ کو وہ کئی بار نظر آئی لیکن اس نے خود پر جبر کیا اور
ے ملاقات کی کوشش نہ کی۔ لیکن اس طرح کے ہر موقع پر فرخ شاہ کی کچھ ایسی
یت ہوتی جیسے کسی زخمی کا پرانا زخم تکلیف دینے لگے۔
فرخ شاہ نے کئی بار اس بات کا تجزیہ کیا کہ آخر وہ ارمغانہ سے ملاقات کے لئے اس
بے چین کیوں ہے جبکہ ارمغانہ نہ صرف اس سے گریز کرتی ہے بلکہ یہ بھی نہیں چاہتی
اسے روکا ٹوکا جائے۔ اس تجزئے کے نتیجے میں اس کے دل نے یہ طفل تسلی دی کہ

ارمغانہ اس کی محسن ہے اور محسن بھی ایسی کہ فرخ شاہ کی یہ زندگی اسی کی مرہون
ہے۔ موت و زندگی اگرچہ خدا کے ہاتھ میں ہے مگر خدا بھی تو زندگی اور موت کے جوا
کرتا ہے۔ قدرت کو فرخ شاہ کی زندگی عزیز تھی۔ اس نے ارمغانہ جو کہ ابن مقدم
تھی اس کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا کیا اور ارمغانہ اپنے ساتھی دانیال کا ساتھ د
بجائے اس کی مخالف ہوگئی اور آخرش دانیال کو تلوار سے ختم کر دیا۔

اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے فرخ شاہ ارمغانہ کو امیر صلاح الدین کے پا
گیا تھا لیکن امیر نے ارمغانہ کے احسان کا اعتراف کرنے کی باوجود اس کے باپ
الدین ابن مقدم کو معاف نہ کیا۔ پھر جب امیر صلاح الدین پر قلعہ الموت کے حا
الجبل کے حکم سے فدائن نے قاتلانہ حملہ کیا اور امیر قدرت خداوندی سے بچ گیا۔ ا
فورا بعد امیر صلاح الدین نے شمس الدین ابن مقدم کو نہ صرف معاف کردیا بلکہ ا
اس کی بیٹی سے ملاقات کی خواہش کی۔ امیر صلاح الدین کے مزاج میں اس تبدیلی کی
تھی کہ اپنے قاتلانہ حملے کے دوسرے دن امیر کو ابن مقدم کا ایک خط ملا جس میں ا
امیر کو حشیشن (فدائن) سے ہوشیار رہنے کی درخواست کی تھی ابن مقدم نے یہ خ
سے ایک دن پہلے پہنچانے کی کوشش کی تھی مگر وہ مقہور تھا اس لئے امیر کے پاس جا
بجائے اس نے وہ خط کسی اور ذریعہ سے امیر کو پہنچا دیا اور امیر نے اسے ابن مق
معافی کی درخواست تصور کرتے ہوئے پڑھنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔

لیکن امیر جب اپنی جان بچ جانے پر شکرانے کے نفل پڑھ رہا تھا تو ابن مقدم
اتفاقاً" اس کے ہاتھ لگ گیا۔ جسے پڑھ کے امیر نے شمس الدین ابن مقدم کو فوراً
اور فرخ شاہ کو حکم ہوا کہ وہ دونوں کو پیش کرے تاکہ انہیں ان کی خدمات کا
جاسکے۔ یہ واقعات حلب کے محاصرے کے دوران پیش آئے تھے۔ فرخ شاہ امیر کے
حلب آیا ہوا تھا۔ امیر کا حکم ہوتے ہی وہ دمشق روانہ ہوگیا تاکہ ارمغانہ اور اس کے
ابن مقدم کو تلاش کرکے امیر کے سامنے پیش کرے لیکن اس کی پہلی کوشش ناکام
ارمغانہ گلیوں میں گم ہوگئی تھی جسے فرخ شاہ تلاش نہ کرسکا۔

فرخ شاہ نے عہد کرلیا تھا کہ وہ ارمغانہ سے اس وقت تک ملاقات کی کوشش
کرے گا جب ابن مقدم گرفتار ہوکر اپنے انجام کو نہیں پہنچتا۔ وہ اپنے عہد پر قائ
امیر نے ابن مقدم کو معاف کردیا اور فرخ شاہ جس کے سپرد ابن مقدم کی گرفتاری
داری تھی اب اسے حکم دیا گیا کہ ابن مقدم کو احترام کے ساتھ پیش کیا جائے۔ ف
نے دمشق پہنچ کے ارمغانہ کی تلاش شروع کی۔ بدلے ہوئے حالات میں فرخ شاہ۔

شش نہ کی۔ وہ اب ارمغانہ سے اس لئے نہیں ملنا چاہتا تھا کہ اس سے ملنے کو اس کا
ل چاہتا تھا بلکہ اس دل کے چاہنے میں یہ مسرت بھی شامل ہوگئی تھی امیر' ارمغانہ کے
پ کو معافی کے ساتھ ساتھ انعام و اکرام سے بھی نوازنا چاہتے تھے لیکن وائے ناکامی کہ وہ
رمغانہ کو دیکھنے کے باوجود اس تک نہ پہنچ سکا۔

ارمغانہ' فرخ شاہ سے جان بچا کر بھاگتے اس گھر پہنچ گئی جہاں وہ عارضی طور پر مقیم
ی یہ اس کی گہری سہیلی حارثہ کا مکان تھا۔ پچھلے دو ہفتے سے وہ حارثہ کے پاس مقیم تھی
ر اب وہ وہاں سے بھی نقل مکانی کرنے والی تھی۔ وہ ایک جگہ جم کے نہیں رہ سکتی تھی
یونکہ اسے شبہ تھا کہ امیر صلاح الدین کے کارندے اسے دیکھتے ہی گرفتار کرلیں گے اور
س سے ابن مقدم کا پتہ ٹھکانہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔ ارمغانہ کو اپنے باپ کے
تعلق کچھ بھی علم نہ تھا۔ ابن مقدم سے اس کی آخری ملاقات اس رات ہوئی تھی جب
س کے باپ نے فرخ شاہ کے قتل کے سلسلہ میں دانیال سے تعاون کرنے کی درخواست کی
ھی اور ارمغانہ کو بادل نخواستہ محبت پدری سے مجبور ہو کر قتل جیسے گھناؤنے کام میں تعاون
ا وعدہ کرنا پڑا تھا۔ اس رات کے بعد اس نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کا گھربار
ی وقت لٹ گیا تھا جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ابن مقدم' فرخ شاہ کو قتل کرکے قلعہ
شق پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح ارمغانہ اسی دن سے خانماں برباد ہوگئی تھی اور
رفتاری کے ڈر سے جگہ جگہ چھپتی پھرتی تھی۔

حارثہ کے گھر پر دستک دے کے ارمغانہ گھر میں داخل ہوئی تو حارثہ اور اس کی ماں
ھک سے رہ گئیں ارمغانہ کا رنگ فق تھا۔ سانس پھول رہی تھی اور ہاتھ پیر کانپ رہے
تھے۔ حارثہ نے دوڑ کر پانی کا گلاس بھرا اور زبردستی ارمغانہ کے منہ سے لگا دیا۔ حلق سے
انی اترا تو اس کے ہوش ٹھکانے ہوئے مگر نظریں بھٹک رہی تھیں۔ وہ بار بار دروازے کی
طرف دیکھ رہی تھی۔

حارثہ کی ماں ایک جہاندیدہ خاتون تھیں انہوں نے ارمغانہ کی کیفیت بھانپتے ہوئے
پوچھا۔ "ارمغانہ بیٹی کیا کوئی غنڈہ تمہارا پیچھا کررہا ہے؟"

"ہاں خالہ جان ـــــ مگر نہیں نہیں وہ غنڈہ نہیں ہے۔" ارمغانہ گھبراگئی۔

"اے بیٹی ـــــ" حارثہ کی ماں کہتے کہتے رک گئی

حارثہ' ارمغانہ کی راز دار تھی وہ فوراً" بولی۔ "اماں آپ جاکر دوسرے کمرے میں
آرام کیجئے۔ میں ارمغانہ سے بات کروں گی۔"

بے چاری بڑی بی کچھ سوچتی اور سرہلاتی دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

"کون تھا وہ ۔۔؟" حارثہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ "چل میرے ساتھ میں مار ما
اس کا منہ لال کردوں تو میرا نام حارثہ نہیں۔" اور حارثہ نے ارمغانہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"سنو تو حارثہ۔۔" ارمغانہ نے آہستہ سے ہاتھ چھڑایا۔ "غنڈہ ونڈہ کوئی نہیں تھا
"پھر تو اس قدر گھبرائی ہوئی کیوں آئی تھی۔۔۔؟" حارثہ نے کرید کی
"اری وہی تھا۔" ارمغانہ نے بتانا شروع کیا۔ "پہلے مجھے آواز دی۔ میں آواز
پہچان گئی جب ادھر دیکھا تو اس نے اپنا گھوڑا میری طرف موڑ دیا۔ پھر جو میں بھاگی ہو
تمہارے گھر ہی پہنچ کے سانس لی۔"
"ارمغانہ تو بالکل پاگل ہے۔" حارثہ نے بے دھڑک کہا۔ "تو تو کہہ رہی تھی کہ
اس سے ملنا نہیں چاہتی؟"
"اور کیا بالکل ملنا نہیں چاہتی۔ اسی لئے تو بھاگ کھڑی ہوئی۔"
"کیوں مجھے بتانے چلی ہے۔ ابھی کہہ رہی تھی کہ اس نے پہلے مجھے آواز دی تو
"ہاں ہاں دی تھی آواز۔" ارمغانہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میں انکار تھوڑا
ہوں۔"
"ٹھیک ہے تو اس سے ملنا نہیں چاہتی۔ ہے ناں؟" حارثہ نے جرح کی
"ہاں ہاں کیا کروں اس سے مل کے۔ وہ امیر صلاح الدین کا بھتیجا سہی لیکن ا
حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہیں ارمغانہ نے منہ بنا کے کہا۔
"کوئی حیثیت نہیں" حارثہ نے سر ہلایا۔ "مگر جب اسکی آواز سنی اور پہچان لی
پلٹ کے اسے کیوں دیکھا۔ اس کا جواب دے مجھے۔ تو اسے ملنا نہیں چاہتی تو اس کی
پر کان کیوں دھرے؟"
"وہ۔۔۔۔وہ۔۔۔۔" ارمغانہ کو کوئی جواب نہ سوجھا۔
"دیکھ ارمغانہ۔ آج تجھے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تیرے دل میں امیر زادے فر
کے لئے کچھ جگہ ضرور ہے۔
حارثہ نے اسے اس طرح پکڑا تھا جیسے چور چوری کرتا پکڑا جائے۔ ارمغانہ ا
انگلیاں چٹخاتی رہی پھر حیا کے چند موتی اس کے گلاب جیسے رخساروں پر پھسل پڑے۔
"حارثہ۔" ارمغانہ نے جیسے سسکی بھری۔ "دل جلا ہو تو ہر چیز جلتی لگتی ہے۔
سب کچھ اجڑ گیا لٹ گیا۔ ماں کی شکل یاد نہیں۔ باپ نے اگرچہ پورا پیار دیا لیکن اق
ہوس نے انہیں بہکا دیا۔ وہ خود ڈوبے اور مجھے بھی ڈبو دیا۔"
حارثہ بڑی تیز طرار تھی۔ کڑک کے بولی۔ "یہ سب اپنی جگہ۔ مگر ماضی کا رد

روتی رہو گی۔ باپ نے ایک تو تمہیں مجرم بنا دیا پھر اکیلا چھوڑ بھاگا۔ میں تو کہتی ہوں
باتوں پر خاک ڈالو اور نئے سرے سے زندگی شروع کرو۔"
"مگر کس طرح۔ زندہ تو میں اب بھی ہوں اور کیا چاہتی ہو؟" ارمغانہ کی افسردگی بڑھتی
ہی تھی۔
"تم ایک بار اس سے مل کے تو دیکھو۔" حارثہ نے اس کی طرف جھکتے ہوئے مشورہ

"کس سے۔ امیر زادے سے۔ نا بابا نا۔ یہ نہ ہوگا مجھ سے۔" ارمغانہ نے جواب

"آخر ڈرتی کیوں ہے۔ کیا وہ تجھے کھا جائے گا؟" حارثہ اسے قائل کرنے لگی۔
"کیوں ملوں۔ میرا لگتا کون ہے؟" ارمغانہ نے منہ بنایا۔
"اس لئے ملو کہ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔" حارثہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
کھ ارمغانہ میں اگلے مہینے پرائی ہوجاؤں گی۔ پھر تو کہاں جائے گی۔ میرا یہ مطلب نہیں
اس گھر کے دروازے تیرے اوپر بند ہوجائیں گے۔ ماں بھی تجھے چاہتی ہے لیکن تجھے
ی کے کولھے سے لگ تو نہیں بیٹھنا ہے۔ تجھے بھی تو گھر بسانا ہے اپنا۔"
"اچھا۔ اچھا سوچوں گی۔ بجائے تسلی دینے کے میرا سر کھانے لگی۔" ارمغانہ نے اکتا
کے کہا۔

دوسرے دن وہ پھر بازار گئی مگر ڈرتے ڈرتے۔ ذرا کھٹکا ہوتا تو کئی کئی بار مڑ کے پیچھے
یکھتی۔ اور فرخ شاہ نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ ارمغانہ سے مل کے رہے گا۔ اب تو اس کی
یت بھی صاف تھی۔ وہ امیر صلاح الدین کے پیامبر کے طور پر بھی ارمغانہ سے مل سکتا
تھا۔ اس نے پہلے ہی دن وہ گلی اور اسکا نقشہ ذہن نشین کرلیا تھا۔ دوسری صبح ہوتے ہی اس
نے بازار کا رخ کیا اور ٹھیک اس گلی کے سامنے جس میں ارمغانہ غائب ہوئی تھی' کھڑا
ہوگیا۔ وہ آج گھوڑا ساتھ نہیں لایا تھا۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ اگر وہ ایک بار ارمغانہ کے
سامنے پہنچ گیا تو پھر وہ گفتگو کرنے سے پرہیز نہیں کرے گی کیونکہ اس کے باپ کا معافی نامہ
فرخ شاہ کی زبان پر تھا۔
انتظار بڑا ظالم ہوتا ہے پھر محبوب کے انتظار کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ فرخ شاہ نے
ارمغانہ سے اب تک محبت کی ایک بات بھی نہ کی تھی۔ اسے موقع ہی کب ملا تھا۔ پھر ان
کے درمیان ابن مقدم کا مقدمہ بھی تو تھا فرخ شاہ اس کی گرفتاری پر معمور کیا گیا تھا۔ اس
صورت حال میں فرخ شاہ اس سے کیا کہتا اور کہتا بھی تو اسے کسی امید افزا جواب کی امید

نہ ہوسکتی تھی۔ ارمغانہ کو یہی خیال ہوتا کہ فرخ شاہ اس پر ناجائز دباؤ ڈال رہا ہے۔
یہ فرخ شاہ کی خوش قسمتی تھی کہ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ شاید یہ حار
ڈانٹ پھٹکار اور سمجھانے بجھانے کا اثر تھا کہ ارمغانہ صبح ہی صبح بغیر ضرورت کے گھ
نکل پڑی۔ وہ پھونک پھونک کے قدم رکھ رہی تھی لیکن دل برابر دھڑکے جارہا تھا۔ اگر
شاہ کا آج سامنا ہوگیا تو کیا ہوگا۔ وہ اس کی بات کا جواب دے سکے گی کہ نہیں۔
جواب دے گی وہ؟ اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور وہ کون لگتا ہے اسے راہ میں ٹوکنے
ارمغانہ کو غصہ آنے لگا کہ اسی وقت دل کا کوئی دریچہ کھلا اور اس سے آواز آئی۔ ا
اگر فرخ شاہ سے بات نہیں کرنی تھی تو گھر سے کیوں نکلی؟ کیا کام تھا تجھے بازار میں ج
کھڑی ہوئی گھر سے۔

دل کی آواز نے ارمغانہ کے قدم روک دیئے۔ ٹھیک ہی تو کہتا ہے دل۔ میں گھ
کیوں نکلی ہوں۔ حارثہ بھی تو کہتی ہے کہ مجھے اس سے ملنا چاہئے۔ وہ میرا مخالف تو نہ
وہ میری مدد کرنا چاہتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس کے سپرد اس کے باپ کی گرفتاری کا کا
لیکن اس نے اب تک اس کے باپ کو گرفتار نہیں کیا۔ کیا پتہ کہ فرخ شاہ نے اس
باپ کا پتہ لگا لیا ہو اور اسے گرفتار نہ کیا ہو۔ ارمغانہ اور دل میں یہ باتیں ہورہی
ایک تیز رفتار گھوڑا گلی میں داخل ہوا۔ ارمغانہ ٹھٹک گئی۔ وہ سمجھی کہ یہ گھوڑا فرخ
لیکن وہ کوئی بے لگام گھوڑا تھا جس پر سوار قابو نہ پارہا تھا۔
پھر ارمغانہ نے پلٹ کر سڑک کی طرف دیکھا۔ بازار میں ابھی بھیڑ نہ ہوئی تھی۔ ا
لوگ چل پھر رہے تھے۔ اس نے قدم اٹھایا تھا کہ دل اس زور سے اچھلا جیسے سینے
جائے گا۔ سڑک کے اس پار فرخ شاہ سڑک کی لالٹین کے کھمبے کے ساتھ کھڑا تھا۔ ا
نظریں ادھر ہی تھیں۔ اس طرح ارمغانہ اور فرخ شاہ کی نظروں میں زبردست تصادم
ارمغانہ نے ارادہ کیا کہ بھاگ پڑے مگر زمین نے جیسے اس کے پیر پکڑ لئے۔ حارثہ کی
ڈانٹ اس کے سامنے آگئی۔ وہ بھاگ کے کہاں جائے گی؟ گھر گئی تو حارثہ کو کیا جواب
گی۔

ارمغانہ عام طور سے نصف نقاب میں رہتی تھی۔ فرخ شاہ نے اسے اسی انداز
دیکھا تھا سوائے اس دن کے جب ارمغانہ امیر صلاح الدین کے سامنے پیش ہوئی تھی۔
سے اس نے پردہ نہ کیا تھا کیونکہ امیر صلاح الدین اس وقت دمشق کا فاتح اور حاکم اعلیٰ
ارمغانہ اور فرخ کی نظریں ایک بار ملیں تو پھر الگ نہ ہوسکیں۔ وہ فرخ شاہ کے چہرے
تاثرات پڑھنے کی کوشش کررہی تھی۔ نظروں کا یہ تصادم کئی لمحے قائم رہا پھر ارمغا

ل آیا کہ وہ بازار میں کھڑی ہے۔ اس نے جلدی سے نظریں نیچی کرلیں۔
فرخ شاہ کو بھی ہوش آگیا۔ اس خیال سے کہ کہیں ارمغانہ پھر کہیں غائب نہ
جائے۔ فرخ شاہ تیز قدم اٹھاتا سڑک پار پہنچ گیا زمین اب تک ارمغانہ کے پکڑے ہوئے

"ارمغانہ مبارک ہو ۔ امیر شمس الدین ابن مقدم کی خطا معاف ہوگئی۔" فرخ شاہ
بغیر ایک لمحہ ضائع کئے کہہ ڈالا۔
ارمغانہ نے حیران نظروں سے فرخ شاہ کو دیکھا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا
"امیر زادے ۔" ارمغانہ نے بے یقینی کے انداز میں کہا۔ "آپ نے ابھی کیا کہا تھا۔
بار پھر فرمایئے۔ فرخ شاہ نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ میں نے غلط نہیں کہا
مغانہ۔ امیر صلاح الدین نے امیر شمس ابن مقدم کی خطا سے درگزر کیا ہے اور مجھے حکم
ا ہے کہ میں امیر موصوف اور ان کی بیٹی ارمغانہ کو ان کے سامنے پیش کروں تاکہ وہ
وں کو انعامات سے نوازیں۔"
"امیر زادے۔" یہ حکم میرے لئے تو ہوسکتا ہے لیکن میرے باپ کے لئے کیسے ہوسکتا
ہے جبکہ انہوں نے امیر صلاح الدین کی مخالفت کی اور آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا؟"
مغانہ کے انداز میں اب بھی بے یقینی تھی۔
"ارمغانہ۔" ابن مقدم نے ماضی میں جو کیا سو کیا لیکن حلب کے محاذ پر انہوں نے
بر صلاح الدین کی جان بچانے کی کوشش کی تھی۔" فرخ شاہ نے کہا۔ "میں تمہیں پوری
میل بتانے کو تیار ہوں بشرطیکہ تم میرے ساتھ شاہی محل چلو یا پھر وہاں لے چلو جہاں تم
بم ہو۔

ارمغانہ کے دل و دماغ میں مسرت کی زبردست لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ تنہائی میں جب بھی
نے باپ کے کردار پر غور کرتی تو اسے ابن مقدم کے تمام کام شیطانی نظر آتے۔ وہ اس
یجے پر پہنچی تھی کہ اس کا باپ بدی کے راستے پر اتنی دور جاچکا ہے جہاں سے اس کی واپسی
مکن نہیں لیکن اس وقت فرخ شاہ نے یہ نوید دے کر اس کا دل باپ کی طرف سے معاف
ردیا۔

کیا سوچ رہی ہو ارمغانہ؟ اسے خیالات میں الجھا دیکھ کر فرخ شاہ نے پوچھا۔
ہونہہ۔" ارمغانہ نے چونک کے جواب دیا۔ "آپ میرے ساتھ تشریف لایئے۔"
دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ ان دنوں آج جیسا ماحول نہ تھا کہ لڑکی بس اسٹاپ پر
کھڑی ہو تو بیس جوان اس کا طواف کرنے لگتے ہیں۔ نہ عیاشی تھی نہ فحاشی۔ لوگ ایک

دوسرے کے معاملات میں دخل نہ دیتے تھے۔ اپنے کام سے کام اور بس اللہ کا نام۔

یہ لوگ خاموشی سے چلتے ہوئے حارثہ کے دروازے پر پہنچے۔ ارمغانہ نے قدر سے کہا۔ "آپ ذرا انتظار فرمایئے میں اندر پردہ کرا کے بلاتی ہوں۔

پردے کا اگرچہ عام رواج نہ تھا لیکن بڑی بوڑھیاں باپردہ رہنے کو شرافت کی سمجھتی تھیں ارمغانہ پسینے میں ڈوبی اندر پہنچی حارثہ کی نظر پڑی تو گھبرا کے کھڑی ہوگئی۔

"کیا ہوا ارمغانہ اتنا گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟" حارثہ گھبرا گئی۔

ارمغانہ نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ آگئے ہیں۔"

"وہ آگئے ہیں کون آگئے ہیں؟ حارثہ گھبرا گئی۔

"ارے وہی امیرزادے فرخ شاہ۔" ارمغانہ نے سنبھل کے کہا۔

"امیرزادے فرخ شاہ وہی امیر صلاح الدین کے بھتیجے۔" حارثہ نے کرید کی

"ہاں ہاں وہی اور کون ہوسکتا ہے؟" ارمغانہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل

"تونے ہی تو کہا تھا کہ ان سے ملو۔ آج ذرا منہ لگایا اور وہ ساتھ لگے چلے آئے۔ مرا یہی بات تو بری ہوتی ہے۔ حارثہ گم سم کھڑی کچھ سوچ رہی تھی کہ اس کا بھائی بھا اندر آیا۔ "باجی ۔ باجی ۔ ایک خوبصورت سا آدمی باہر کھڑا ہے پتہ نہیں کون ہے وہ لگتا ہے۔"

حارثہ نے اسے ڈانٹا۔ "چپ رہ تو خبردار جو باہر گیا۔" پھر ارمغانہ سے بولی۔ اللہ وہ امیرزادے ہیں انہیں کہاں بٹھاؤں۔ بیٹھک (ڈرائینگ روم) تو نہیں ہے ار میں لے دے کے یہی دو کوٹھریاں ہیں۔" اس وقت حارثہ کی ماں اور بوڑھے باپ کا کوٹھری سے برآمد ہوئے ماں نے لڑکیوں کو حیران پریشان دیکھا تو پوچھا۔ "کیا ہوا۔ دونوں کو کیوں پریشان کھڑی ہو؟"

"اماں امیرزادے ہیں نا۔ امیر صلاح الدین کے بھتیجے وہ آئے ہیں۔" حارثہ تفصیل بتائی۔

ارمغانہ اپنے تمام حالات سے حارثہ اور اس کے والدین کو آگاہ کرچکی تھی۔ زادے کے نام سے حارثہ کے باپ چونکے۔ "امیرزادے فرخ شاہ؟"

"جی ہاں خالو جان۔" ارمغانہ نے تائید کی۔ "امیر صلاح الدین نے ابا جان کا معاف کردی ہے۔ یہی خبر دینے آئے ہیں مجھے۔"

"مگر وہ ہیں کہاں؟" بڑے میاں نے گھبرا کے پوچھا۔

"دروازے پر کھڑے ہیں۔" ارمغانہ نے بے دھڑک کہہ دیا۔

"کمبختو تم نے باہر کھڑا کیا ہے انہیں۔ اندر کیوں نہیں بلایا۔" یہ کہتے ہوئے بزرگ م دروازے کی طرف چلے۔

حارثہ نے جلدی سے ایک چارپائی پر صاف سی چادر بچھا دی۔ اسی وقت حارثہ کے والد رزادے کو لئے اندر آگئے۔

"بے تکلف تشریف لایئے۔ آپ سے کوئی پردہ نہیں کرتا۔" بزرگ نے بے تکلفی کا اظہار کیا۔ فرخ شاہ مسکین صورت بنائے چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"آپ نے بڑا کرم کیا امیرزادے۔" بزرگ بولے۔ "فرمایئے ہم غریب آپ کی کیا ت کرسکتے ہیں؟"

"بزرگ محترم۔" فرخ شاہ نے چپ کا دروازہ توڑا۔ "دراصل امیر شمس الدین ابن دم کا قصور امیر صلاح الدین نے معاف کردیا ہے بلکہ ابن مقدم کی ایک کارگزاری کے سلہ میں انہیں انعام دینے کا بھی اعلان فرمایا ہے۔"

"سبحان اللہ سبحان اللہ۔ امیر صلاح الدین بھی کیا خوبیوں کے مالک ہیں۔" بزرگ نے لاح الدین کی تعریفیں شروع کردیں۔ "بڑی نیک اور سنجیدہ طبیعت پائی ہے انہوں نے۔ ں برسوں امیر کو جامعہ دمشق میں درس و وعظ میں شریک دیکھا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ خاموش طبیعت بچہ ایک دن مصر کا وزیراعظم بنے گا۔"

"یہ آپ بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے بزرگ محترم۔" فرخ شاہ نے رسما" کہا۔

"امیرزادے ابھی آپ جوان ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کی نظر مستقبل پر نہ ہو لیکن ین کیجئے کہ میری بوڑھی آنکھیں امیر صلاح الدین کے سر پر دمشق کا تاج دیکھ رہی ہیں۔" بزرگ نے ایسے واضح الفاظ میں پیشن گوئی کی کہ سب چونک پڑے۔

"آمین ثم آمین۔" یہ آواز حارثہ کی والدہ کی تھی۔ انہوں نے فورا" شوہر کی تائید کی۔

فرخ شاہ کو بھی بولنا پڑا۔ "خدا کرے ایسا ہی ہو ہم صرف دعا کرسکتے ہیں۔"

حارثہ نے دیکھا کہ یہ تو سیاست کی محفل جم رہی ہے اس نے فورا" موضوع بدلا۔ "ابا جان امیرزادے ارمغانہ اور خالو ابن مقدم کی تلاش میں یہاں تک پہنچے ہیں۔ ارمغانہ تو یہاں موجود ہے لیکن خالو ابن مقدم کو کیسے تلاش کیا جائے؟"

فرخ شاہ کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ کھیلی۔ "چلئے ایک کام تو ہوگیا۔ ارمغانہ مل گئی ہیں تو اب ان کے والد بھی ضرور مل جائیں گے۔ جس شب امیر پر حشیشن والوں نے قاتلانہ حملہ کیا تھا اس کے دوسرے ہی دن امیر نے امیر شمس الدین ابن مقدم کی معافی کا اعلان کردیا تھا۔ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں ابن مقدم اور ان کی بیٹی ارمغانہ کو تلاش کرکے

ان کے سامنے پیش کروں۔"
"سبحان اللہ کیا طبیعت پائی ہے امیر صلاح الدین نے۔" بزرگ پھر شروع ہ
"خوش ہوئے تو ایسے کہ باپ کے ساتھ بیٹی کو بھی طلب فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ ا
ارمغانہ کو بھی انعام دیں گے۔
"خیال نہیں بلکہ یقیناً ایسا ہوگا۔" فرخ شاہ بولا۔ "اصل کارنامہ تو ارمغانہ
انجام دیا ہے اور سچ پوچھئے تو ابن مقدم کو معافی دلانے میں ارمغانہ کے کارنامے
دخل ہے۔"
"کارنامہ۔" بزرگ نے بیٹی کی طرف دیکھا۔ "کیوں حارثہ تمہیں معلوم ہے کہ ا
نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے مجھے تو کسی نے کچھ نہیں بتایا۔"
ارمغانہ نے تمام واقعات سے اپنی سہیلی حارثہ کو آگاہ کردیا تھا مگر اسے یہ بھی آ
تھی کہ وہ اس بات کا ذکر اپنے گھر والوں سے نہ کرے۔ بات منہ سے نکلے تو پرائی ہ
ہے اور ہر شخص اسے اپنے انداز میں سوچتا ہے۔ حارثہ نے اسی لئے اپنے باپ کو ار
کے بارے میں سوائے موٹی موٹی باتوں کے تفصیل سے کچھ نہ بتایا تھا۔
حارثہ نے فوراً بات سنبھالی۔ "جی ہاں ابا جان۔ ارمغانہ نے بہت بڑا کام کیا
آپ یوں سمجھئے کہ ارمغانہ کا کام ہی ہے جس نے امیر زادے کو ہم غریبوں کے گھر آ
مجبور کردیا۔"
"بے شک بے شک۔" بزرگ بولے۔ "بڑوں کی یہی پہچان ہے کہ وہ چھوٹوں
غریبوں کو حقیر نہ سمجھیں۔"
"بزرگ محترم آپ کے گھر آنا میرے لئے باعث فخر ہے اس لئے کہ اس گھر
میری محسنہ مقیم ہے۔ وہ ہستی جس نے مجھے نئی زندگی عطا کی ہے۔"
حارثہ کے والد نے پھر کان کھڑے کئے اور حارثہ نے دوبارہ بات سنبھالی۔ "اباجان ا
زادے صحیح فرما رہے ہیں ارمغانہ نے بہت بڑا کام کیا ہے میں آپ کو تفصیل سے بتا
گی۔"
"ٹھیک ہے ضرور کام کیا ہوگا۔" بزرگ خود کلامی کے انداز میں بولے۔ پھر ارمغ
سے مخاطب ہوئے۔ "کیوں بیٹی ارمغانہ اب تم کیا چاہتی ہو؟"
ارمغانہ چونک پڑی۔ "میں --- خالو جان میں کیا چاہتی ہوں۔ امیر زادے -
دریافت کیجئے یہ کیوں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟"
"بزرگ محترم۔" امیر زادے نے مہذب طریقے سے جواب دیا۔ "میرے لئے ابھ

؟ کہ میں امیر شمس الدین ابن مقدم اور ان کی صاحبزادی کو امیر صلاح الدین کے
پیش کروں۔ ایک ہفتہ سے میں حلب کا محاذ چھوڑ کے یہاں آیا ہوا ہوں۔ آج خوش
ے ارمغانہ مجھے مل گئی ہیں۔ اب آپ جیسا فرمائیے۔"
ہونہہ" کہہ کے بزرگ جیسے مراقبے میں چلے گئے لیکن چند ہی لمحوں بعد سر کو جھٹک
لے۔ "امیر زادے یہ تو فرمائیے کہ امیر صلاح الدین نے ابن مقدم کی معافی کا اعلان
ہے کہ ابھی نہیں؟"
"جی میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔" فرخ شاہ نے حیران نظروں سے بزرگ کو
حارثہ اور ارمغانہ کی سمجھ میں بھی نہ آیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔
"دیکھیے امیر زادے۔" بزرگ نے بزرگانہ انداز میں کہا۔ "حاکموں اور بادشاہوں کا
ہے کہ جب وہ کسی نا موجود یا مفرور کے لئے سزا کا اعلان کرتے پھرتے ہیں تو اس کا
ڈھنڈورہ پیٹا جاتا ہے۔ شاہی اعلانچی ڈھنڈورا مچا شہر شہر اور گلی گلی اعلان کرتے پھرتے
کہ فلاں بن فلاں مردود ہوا اور اسے گرفتار کرنے والے کو یہ انعام دیا جائے گا۔ اس
جب کسی بڑے امیر یا وزیر جو زیر عتاب ہو اور اسے معافی دیدی جائے تو بالکل اسی
معافی نامہ کا بھی اعلان کیا جاتا ہے۔ سمجھ گئے آپ امیر زادے؟"
"جی آپ درست فرما رہے ہیں۔ میں نے ایسا سنا ہے۔" فرخ شاہ نے اتفاق کیا۔
ن ابن مقدم کے معاملے میں امیر نے زبانی طور پر مجھ سے کہا اور انہیں پیش کرنے کا
یا۔ انہوں نے حلب میں سرداروں کے سامنے بھی اس معافی کا اعلان کیا تھا مگر
درچی وغیرہ کے لئے حکم نہیں ہوا تھا۔"
"امیر معظم نے تو اعلان کردیا اور محاذ جنگ پر ہوتے ہی اتنا ہی کافی تھا۔" بزرگ نے
پر روشنی ڈالی "اب اس معافی نامہ کی تشہیر کا انتظام تو دمشق کے گورنر کو کرنا چاہیے
آخر گورنر ہی تو امیر صلاح الدین کے نائب ہیں۔ آپ ان سے مل کے عام اعلان
یجئے۔ ظاہر ہے کہ ابن مقدم جان کے خوف سے کہیں پوشیدہ ہیں۔ ڈھنڈورچی کے
اعلان ہوگا تو یہ خبر ان تک ضرور پہنچے گی اور وہ خود بخود امیر کے سامنے حاضر ہو جائیں
"
"بزرگ محترم میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے صحیح طریقہ بتلایا۔" فرخ شاہ
بڑی مسرت سے کہا۔ دمشق کے گورنر میرے چچا سیف الاسلام طغرتگین ہیں میں ان
ل چکا ہوں اور میں نے ان سے اس معافی نامہ کا تفصیلی ذکر بھی کیا تھا۔ اب میں ان
دوبارہ ملوں گا اور اعلان عام کے لئے کہوں گا۔"

"ہاں امیرزادے۔" بزرگ نے تائید کی۔ "اگر آپ اپنے طور پر ابن مقدم کو برسو
تک تلاش کرتے پھریں تو بھی وہ آپ کے ہاتھ نہیں آئیں گے کیونکہ وہ تو زیر عتاب ہیں
وہ اپنے کو کسی کے سامنے کیسے ظاہر کر سکتے ہیں۔"

حارثہ کے بزرگ باپ کی بات بہت معقول تھی۔ امیرزادے فرخ شاہ نے ارمغانہ
وعدہ لیا کہ وہ جب تک ابن مقدم کی تلاش میں کامیاب نہیں ہوتا اس وقت وہ حارثہ
گھر سے کہیں اور نہیں جائے گی اس وعدہ وعید کے بعد فرخ شاہ گورنر دمشق سیف الاسلام
طغرگین کے محل کی طرف روانہ ہوا۔

فرخ شاہ نے دمشق آتے ہی طغرگین کو بتا دیا تھا کہ امیر صلاح الدین نے شمس الد
ابن مقدم کو معاف کر دیا ہے اور یہ کہ وہ حلب سے ابن مقدم اور اس کی بیٹی کی تلاش
دمشق آیا ہے لیکن اس امر کی تشہیر کے لئے نہ فرخ شاہ نے گورنر پر زور دیا تھا اور نہ
گورنر نے اس کی ضرورت محسوس کی تھی۔ گو سیف الاسلام طغرگین' فرخ شاہ کا چچا
لیکن شاہی آداب کے تحت وہ اسے چچا کے بجائے دمشق کے نائب سلطنت کے لقب
مخاطب کرتا تھا۔

"نائب سلطنت ـــ" فرخ شاہ نے ادب سے کہا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ شاہی دستو
کے مطابق جب مفرور مجرم کی سزا کا اعلان کیا جاتا ہے تو شاہ وقت کا یہ اعلان شہر شہر
گلی گلی ڈھنڈورچی پکارتا پھرتا ہے۔ یہی طریقہ کسی مجرم کے معافی نامہ کے معاملہ میں
اختیار کرتے ہیں۔ امیر صلاح الدین اگرچہ شاہ وقت نہیں لیکن دارالسلطنت پر ان کا
ہے اور آپ ان کے نائب ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ امیر صلاح الدین نے
الدین ابن مقدم کی معافی کا جو اعلان کیا ہے اس کی پوری تشہیر آپ کی طرف سے
چاہیے تاکہ یہ خبر ابن مقدم تک پہنچے اور امیر کے سامنے پیش ہو کے اپنی نیکی کا صلہ پا
نائب سلطنت نے فرخ شاہ کی بات بڑے غور سے سنی اور سوچ میں پڑ گیا۔ نجم الد
ایوب کا خاندان دراصل شمشیر زنوں اور بہادروں کا خاندان تھا۔ ان کی زندگیاں مید
جنگ میں سرداری کرتے گزرتی تھیں۔ نجم الدین اور اسد الدین شیرکوہ دونوں کی اولاد
سلطنت دمشق سے وابستہ تھیں اور سلطان نورالدین زنگی کے حکم کی تعمیل پر یہ لوگ جا
نثار کرنے پر آمادہ ہوتے تھے۔ پھر جب اسد الدین شیرکوہ کو مصر بھیجا گیا اور مصر کی وزا
کا قلمدان اس کے حوالے ہوا تو امور سلطنت اور شاہی قانون اور دستور کے سمجھنے

تے کا اسے موقعہ ملا۔ شیرکوہ کے بعد یہ ذمہ داری امیر صلاح الدین کو سونپی گئی۔ عجیب
تھی کہ امیر صلاح الدین جو شجاعت اور شمشیر زنی کے ساتھ ساتھ امور سلطنت کی
ت یہ پیدائشی طور پر موجود تھی اور اسی اہلیت کی بنا پر اس نے ایک طرف تو عیسائیوں
سوما" شاہ یروشلم سے کئی بار مورچے لئے اور دوسری طرف مصر کے فاطمی سردار جو اپنی
ذ مری میں کسی کو کچھ نہ سمجھتے تھے انہیں امیر نے اس خوبی سے نیچا دکھا کر اپنا مطیع کیا کہ
مصر اور دمشق میں اس کی تعریف کے ترانے بجنے لگے۔
مگر امور سلطنت کی سوجھ بوجھ اور شاہانہ طریقوں سے صرف امیر صلاح الدین ہی
واقف تھا اس کے بھائی بھتیجے اب تک محض سردار فوج اور میدان جنگ کے ماہر تھے۔
سلطنت کے اصولوں کا انہیں قطعاً پتہ نہ تھا۔ امیرزادے فرخ شاہ کا بھی یہی حال تھا۔ اگر
حارثہ کے بزرگ باپ اسے تشہیر کی بات نہ سمجھاتے تو وہ ابھی جانے کتنے سال تک ابن
مقدم کو ادھر ادھر تلاش کرتا پھرتا۔ یہی حال سیف الاسلام طغرگین کا تھا۔ وہ تلوار کے زور
پر حکومت تو کر رہا تھا مگر قاعدے قانون کا کوئی پتہ نہ تھا۔ پھر جب فرخ شاہ نے اس کے
کان میں بات ڈالی تو وہ فکر میں پڑ گیا۔
"فرخ شاہ ـ" گورنر سیف الاسلام نے فکر مند لہجے میں کہا۔ "تم اتنے روز سے دمشق
آئے ہو لیکن یہ بات تم نے مجھے آج بتائی ہے اگر پہلے کہا ہوتا تو اب تک میں کئی بار
ڈھونڈرا پٹوا چکا ہوتا۔"
"نائب محترم ـ" فرخ شاہ نے بڑے انکسار سے کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ بات
مجھے خود نہیں معلوم تھی۔ آج ایک بزرگ نے بتائی ہے تو میں آپ کے پاس آیا ہوں۔
آپ اس پر فوراً عمل کیجئے۔ اب دیر نہ ہونا چاہیے ورنہ امیر کے ناراض ہونے کا خدشہ
ہے۔"
"ضرور ضرور ـ یہ کام ابھی اور اسی وقت ہوگا۔" گورنر سیف الاسلام طغرگین نے
کہا۔ "لیکن یہ بتاؤ فرخ شاہ کہیں امیر اس بات کی پوچھ گچھ تو نہیں کریں گے کہ ہم نے ان
کے اعلان کی فوراً تشہیر کیوں نہیں کی؟"
طغرگین' امیر صلاح الدین سے بہت ڈرتا تھا۔ وہی نہیں بلکہ صلاح الدین کے بڑے
چھوٹے تمام بھائی اس سے خوفزدہ رہتے تھے۔ ان سب نے اپنی قسمت صلاح الدین سے
وابستہ کردی تھی اور اس کے حکم کو بالکل حکم خداوندی کی طرح مانتے تھے۔ فرخ شاہ سمجھ
گیا کہ گورنر گھبرا گیا ہے اس نے انہیں مطمئن کرنے کے لئے کہا۔
"نائب محترم ـ آپ امیر کی فکر نہ کیجئے اگر الٹی سیدھی پڑ گئی تو الزام میں اپنے سر

لے لوں گا۔ آپ بس فوراً تشہیر شروع کرادیجئے۔ میں اس قول کا قائل ہوں کہ دیر
درست آئید۔ اس کام میں اگرچہ ہماری ناقص معلومات کی وجہ سے کچھ دیر ضرور ہوئی
لیکن اس میں بھی کوئی اچھائی پوشیدہ ہے۔"

گورنر نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اور ناظم دربار کو بلا کر حکم دیا۔ "شہر شہر اور
گلی اعلان کیا جائے کہ امیر صلاح الدین نے امیر شمس الدین ابن مقدم کا قصور معاف
ہے اور ابن مقدم اور اس کی بیٹی کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ دونوں امیر کے سامنے پیش
اور انعام حاصل کریں۔"

ادھر گورنر کی زبان سے حکم نکلا ادھر ڈھنڈورچی اور اعلانچی ان تمام علاقوں میں
گئے جہاں جہاں امیر صلاح الدین کا قبضہ تھا اس طرح دو دن کے اندر ہر شخص کو م
ہوگیا کہ ابن مقدم نے جو کہ معتوب تھا کوئی ایسا کارنامہ انجام دیا ہے کہ امیر نے نہ م
اس کا قصور معاف کیا ہے بلکہ اسے انعام بھی دیا جائے گا مگر اتنی تشہیر کے باوجود امیر
الدین ابن مقدم نہ معلوم جس جگہ چھپا ہوا تھا کہ اسے کوئی خبر نہ ہوسکی۔ فرخ شاہ
ایک ہفتہ ابن مقدم کے انتظار میں دمشق میں ٹھہرا رہا لیکن سب بے سود۔ پھر حلب
اس کا بلاوا آگیا اور اسے فوراً روانہ ہونا پڑا۔ چلتے وقت وہ ارمغانہ سے مل بھی نہ سکا۔

فرخ شاہ نے دمشق کے قیام کے دوران ایک بار ارمغانہ سے ملنے کی کوشش کی
لیکن ارمغانہ ٹال گئی تھی اور اس نے حارثہ کے ذریعہ کہلوا دیا کہ وہ گھر پر موجود نہیں
اپنی خالہ کے گھر گئی ہوئی ہے۔ فرخ شاہ سمجھ گیا کہ ارمغانہ اس سے ملنے سے گریز کر رہی
ہے۔ اس کا اقدام درست تھا اس لئے کہ اب تک ابن مقدم کا کچھ پتہ نہ چلا تھا او
ارمغانہ باپ سے ملے بغیر اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کرنا چاہتی تھی۔ حلب
روانگی سے پہلے بھی فرخ شاہ حارثہ کے گھر گیا تھا لیکن یہی بتایا گیا کہ ارمغانہ اب تک
واپس نہیں آئی۔

حلب کے حالات اچانک بگڑ گئے تھے۔ گورنر گمشتگین نے دوہری چال چلی تھی۔ ایک
طرف تو اس نے قلعہ الموت کے شیخ الجبل کے ذریعہ امیر صلاح الدین کی زندگی کا چراغ گل
کرنے کی کوشش کی تھی پھر جب امیر صلاح الدین فدائیوں کے ہاتھوں بچ گیا اور کم و بیش
ایک سو فدائی جو امیر کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے گرفتار ہو کر قتل کردیئے گئے اس وقت
گمشتگین نے عیسائیوں سے پھر رابطہ قائم کیا۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان نور
الدین زنگی کے دور حکومت میں ریمنڈ کاؤنٹ آف ٹریپولی جو جنگ حارم میں گرفتار ہو کر
حلب میں قید کردیا گیا تھا۔ اسے گمشتگین نے ایک بھاری رقم اور کچھ مسلمان قیدیوں کے

رہا کرا دیا تھا۔ وہی ریمنڈ اس وقت نابالغ بالڈون چہارم کا سرپرست اور لاطینی سلطنت
بنا ہوا تھا۔

گمشتگین کا گماشتہ ریمنڈ کے پاس طرابلس (ٹریپولی) پہنچا۔ کاؤنٹ آف طرابلس کی
مسلمانوں کی خانہ جنگی پر لگی ہوئی تھیں اور وہ کسی بہتر موقعہ کی تلاش میں تھا۔ حلب
سے وزیر گورنر گمشتگین کے ہرکارے کی آمد ریمنڈ کے لئے ایک نوید مسرت تھی۔
نے گماشتہ کو فوراً اپنے محل میں طلب کرلیا۔

حلب کے گماشتہ نے کاؤنٹ کو کورنش پیش کیا تو کاؤنٹ نے گفتگو میں خود ہی پہل کی
حلب کے گورنر سعد الدین گمشتگین کے قاصد کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ قبل اس کے
قاصد ہمیں حلب سے لایا ہوا پیغام پہنچائے ہم قاصد سے اپنے دیرینہ دوست کی خیریت
م کرنا چاہیں گے۔ ہم اپنے دوست کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بہت بے چین تھے
حلب کی طرف اپنا ہرکارہ بھیجنے کی فکر میں تھے کہ ادھر سے تم آگئے۔ ہمیں تفصیل سے
کہ ہمارے دوست اور ان کے اہل و عیال خیریت سے تو ہیں۔ انہیں مصری وزیر صلاح
ن کی طرف سے کوئی پریشانی تو نہیں۔ ہمیں معلوم ہوا تھا کہ صلاح الدین مصر سے دمشق
گیا ہے اور اس نے کچھ علاقے بھی حاصل کرلئے ہیں۔ ہمیں یہ بھی بتایا جائے کہ
ے دوست گمشتگین اور وزیر صلاح الدین کے درمیان دوستی کے رشتے استوار ہیں کہ
ت کی دیوار اٹھ گئی ہے۔"

کاؤنٹ آف طرابلس نے بڑی چالاکی سے گمشتگین کے نمائندے کو مرعوب کرنے کی
ش کی تھی۔ اسے تمام حالات کا علم تھا۔ حلب کے محاصرہ کے بارے میں بھی وہ سب
جانتا تھا مگر اپنی دوستی کے اظہار کے لئے قاصد کے سامنے بالکل انجان بن گیا تھا۔

"عالی جناب کاؤنٹ آف طرابلس نے میرے آقا کے ساتھ اپنی دوستی کا جس انداز سے
کیا ہے۔ اس کے لئے میں اپنے آقا کی طرف سے کاؤنٹ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"
گمشتگین کا نمائندہ واقعی مرعوب ہوگیا تھا۔ "میرے آقا طرابلس کی طرف سے اس لئے
مند تھے کہ انہوں نے اس سے پہلے بھی آپ کے حضور ایک پیغام بھیجا تھا مگر اس پیغام
نہیں کوئی واضح جواب نہیں ملا تھا۔ اب اس خادم کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا گیا ہے
میں حلب کے محاصرے کی پوری تفصیل سے آپ کو آگاہ کروں اور آپ سے التماس
ہا کہ اس مشکل وقت میں آپ میرے آقا جنہیں آپ دوست کے محبوب نام سے یاد
تے ہیں ان کی نہ صرف زبانی بلکہ فوجی مدد فرمائیں۔

"ضرور۔ ضرور۔ ہم اپنے دوست کے لئے اپنی جان تک لڑا دیں گے۔" کاؤنٹ نے

جواب دیا۔ "ہمیں یاد پڑتا ہے کہ کچھ دن پیشتر امیر گمشتگین نے ہمیں مطلع کیا تھا کہ
پر صلاح الدین کے حملہ کا شدید خطرہ ہے اس لئے انہیں فوجی مدد کی ضرورت پڑ سکتی
قاصد سے ہم نے کہہ دیا تھا کہ گمشتگین جن کے ہم احسان مند بھی ہیں جب بھی
آواز دیں گے تو میدان میں ہم ان کے پہلو بہ پہلو نظر آئیں گے۔"

"عالی جناب کاؤنٹ نے درست فرمایا۔" گمشتگین کے قاصد نے کہا۔ "اس وقت
پر حملہ کا امکان تھا لیکن اب امیر صلاح الدین نے حلب کا محاصرہ کرلیا ہے۔ میرے
نے حوصلہ کر کے محاصرہ توڑنے کی کوشش کی تھی اور حلب کی فوجیں قلعہ کے در
کھول کر صلاح الدین کے لشکر پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ تمام دن شدید جنگ ہوتی رہی
فیصلہ نہ ہوسکا۔ شام کو مجبوراً حلب کی فوجوں کو قلعہ میں واپس آنا پڑا۔ اس کے بعد
الدین کو مصر سے کمک پہنچ گئی اور حلب کی فوجیں دوبارہ میدان میں نہ نکل سکیں۔ ا
اس محاصرے کو جلد نہ توڑا گیا تو حلب ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" کاؤنٹ نے بڑے جوش سے بولا۔ "جب تک ہم زند
حلب پر صلاح الدین قبضہ نہیں کرسکتا۔ تم امیر کو ہماری طرف سے اطمینان دلاؤ کہ و
نہ گھبرائیں۔ ہم بہت جلد بجلی بن کر صلاح الدین پر گریں گے اور اسے حلب کا محا
کرنے پر مجبور کردیں گے۔"

گمشتگین کا گماشتہ خوش ہوگیا۔ کاؤنٹ نے صاف الفاظ میں فوجی مدد کا اعلان کی

"کاؤنٹ محترم ۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کرسکوں۔ براہ کر
واپسی کی اجازت دی جائے۔ میرے آقا بے چینی سے منتظر ہیں۔"

"تم جاسکتے ہو قاصد ۔۔" کاؤنٹ آف طرابلس نے فوراً اجازت دیدی۔ "لیکن
بھی جلدی کیا ہے۔ تم ہمارے مہمان ہو۔ ابھی تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں او
معاملات پر گفتگو ہونا ہے۔ آج رات کو تم ہمارے ساتھ کھاؤ گے اسی وقت تمام معا
طے پائیں گے۔"

گماشتہ سمجھ گیا کہ کاؤنٹ محض دوستی کے ناطے گمشتگین کی مدد نہیں کرے گا بلکہ
مدد کا کا پورا پورا معاوضہ طلب کرے گا۔ اس سلسلہ میں گمشتگین نے قاصد کو کھلی
دیدی تھی کہ وہ کاؤنٹ آف طرابلس کی ہر شرط تسلیم کرے اور معاہدہ پر اس کی طرف
دستخط کردے۔ چنانچہ گمشتگین کا قاصد یا سفیر رک گیا اور اس نے واپسی پر زور نہ دیا۔

رات کے کھانے پر کاؤنٹ آف طرابلس نے اور زیادہ محتاط گفتگو کی۔ اس کے
سوال پر گمشتگین کا قاصد چونک پڑا۔ کاؤنٹ نے اس سے پوچھا تھا۔ "حلب ۔ قاصد

آقا کے یقیناً" راز دار ہو گے؟"

قاصد انکار نہ کرسکا۔ "میں اپنے آقا کا رازدار تو نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ مجھ پر
اعتماد کرتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں اپنے آقا کا پیغام لے کر آپ کے پاس
آیا ہوں حالانکہ ایسے موقعہ پر پوری سفارت بھیجی جاتی ہے۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے قاصد۔۔" کاؤنٹ نے سرسری انداز میں کہا۔ "ہمیں بھی امیر
گمشتگین کی طرف سے ایک بھرپور سفارت کے آنے کی امید تھی مگر شاید امیر نے یہ
مناسب نہ سمجھا اور تمہیں بھیجدیا۔ ظاہر ہے کہ امیر گمشتگین نے تمہیں بھی وہ اختیارات
ضرور سونپے ہوں گے جو سفارت کو دیئے جاتے ہیں؟"

قاصد کو پھر اقبال کرنا پڑا۔ "عالی مقام کاؤنٹ کا خیال درست ہے۔ آقائے محترم نے
مجھے پورے اختیارات دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔"

"خیر یہ بات تو ہوگئی۔" کاؤنٹ نے اطمینان کا سانس لیا۔ "قبل اس کے ہم گفتگو آگے
بڑھائیں تو یہ تو بتاؤ کہ شیخ الجبل نے اپنے فدائیں کے ذریعے امیر صلاح الدین پر جو قاتلانہ
حملہ کرایا تھا وہ ناکام کیوں ہوگیا۔ اس سے قبل تو فدائیں کبھی ناکام نہ ہوتے تھے؟"

"عالی مقام کاؤنٹ ۔" قاصد نے سوچتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک مجھے بتایا گیا ہے اس
سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امیر صلاح الدین عین حملہ کے وقت بیدار ہوگیا اور اس نے
حملہ آور کو پکڑ لیا اس کے بعد ۔۔۔۔۔"

"ٹھہرو قاصد ۔۔ ٹھہرو۔۔" کاؤنٹ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بھی روکا۔ "پہلے
یہ بتاؤ کہ صلاح الدین کے خیمے میں داخل ہونے والا حملہ آور اکیلا تھا یا اس کے ساتھ کئی
اور فدائیں بھی تھے؟"

"یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا محترم کاؤنٹ ۔" قاصد نے اکتاتے ہوئے کہا۔ "مشہور
تو یہ ہے کہ چار حملہ آور صلاح الدین کے خیمے میں داخل ہوئے تھے جس میں سے ایک
صلاح الدین کے ہاتھ سے مارا گیا اور باقی تین کو محافظوں کے سردار ظفرل نے ختم کرایا۔"

"میں نے اس سلسلے میں ایک بات اور سنی ہے۔ تم یقیناً" اسے جانتے ہو گے؟"
کاؤنٹ نے جیسے رواداری میں کہا۔

"فرمائیے محترم کاؤنٹ ۔" قاصد نے جواب دیا۔ "میرے علم میں ہوگا تو ضرور بتاؤں
گا۔"

"میں نے سنا ہے کہ امیر گمشتگین نے شیخ الجبل کو اتنی رقم کی ادائیگی نہیں کی جس کا
وعدہ کیا تھا۔ اس لئے شیخ الجبل کے فدائیں نے قاتلانہ حملے کا صرف ناٹک کیا تھا۔"

"نہیں محترم کاؤنٹ۔" قاصد نے انکار میں سر ہلایا۔ "یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے آقا اور شیخ الجبل میں کیا معاہدہ طے پایا تھا لیکن یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ جو وعدہ کرتے ہیں وہ پورا ضرور کرتے ہیں۔ آپ کو اس سلسلے میں بالکل مطمئن رہنا چاہیے۔"

"مجھے اعتبار ہے قاصد۔ صلاح الدین پر حملہ کی بات تو میں نے بر سبیل تذکرہ کی تھی۔" کاؤنٹ بات کو ٹال گیا۔ تم امیر گمشتگین کو پورا یقین دلا دینا کہ حلب کا محاصرہ ختم ہو جائے گا خواہ اس کے لئے ہمیں کچھ بھی کرنا پڑے لیکن انہیں پہلے اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔"

"محترم کاؤنٹ آپ کو میرا اعتبار کرنا ہوگا۔" قاصد نے جواب دیا۔ "ابھی کوئی نہیں ہوسکتا۔ آپ رقم مطلوبہ بیان فرمائیے۔ میں نہ صرف حلف پر وعدہ کروں گا بلکہ رقم لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔"

"ہاں۔ یہ ہوئی مردوں والی بات۔" کاؤنٹ خوش ہوگیا۔

اس کے بعد کاؤنٹ آف طرابلس اور گمشتگین کے گماشتہ میں دیر تک گفتگو ہوتی رہی یہ تو نہ معلوم ہوسکا کہ گمشتگین کی طرف سے کتنی رقم کی ادائیگی کا وعدہ کیا گیا لیکن معاملہ طے پا گیا اور قاصد واپس چلا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاصد حسب وعدہ ایک بار پھر کاؤنٹ کے پاس واپس آیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گمشتگین کے عہد نامہ کی رقم کی ادائیگی کردی تھی۔ اس کے ٹھیک دو ہفتہ بعد یعنی یکم فروری ۱۱۷۵ء کو ریمنڈ کاؤنٹ آف طرابلس فوجیں لے کر حمص کی طرف روانہ ہوا۔ حمص اور حماۃ کا اس وقت تک امیر صلاح الدین کی فوجیں محاصرہ کئے ہوئے تھیں۔

عیسائیوں کے حمص کی طرف پیش قدمی کی خبر جب امیر صلاح الدین کو حلب پہنچی اس نے فوراً" حلب کا محاصرہ اٹھایا اور بڑی تیزی رفتاری سے حمص کی طرف روانہ ہوا۔ کاؤنٹ آف طرابلس اور گمشتگین میں یہی معاہدہ ہوا تھا کہ کاؤنٹ امیر صلاح الدین کو حلب کا محاصرہ ختم کرنے پر مجبور کردے گا چنانچہ حمص پر حملے سے حلب کا محاصرہ ختم ہوگیا۔ اس طرح کاؤنٹ آف طرابلس نے اپنا وعدہ وفا کردیا۔ وہ دراصل امیر صلاح الدین سے نہ جنگ کرنا چاہتا تھا اور نہ اس میں اتنی طاقت تھی کہ امیر صلاح الدین جیسے دشمن کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ جب صلاح الدین کی فوجوں نے دریائے ارنت کے کنارے مورچہ بندی کی تو کاؤنٹ آف طرابلس پیٹھ دکھا گیا اور بغیر مقابلہ پر آئے اپنی فوج لے کر واپس چلا گیا۔

عیسائیوں کی واپسی پر امیر صلاح الدین نے آگے بڑھ کے پھر حمص کا محاصرہ کیا اور

...تک وہاں ٹھہرا رہا جب تک حمص نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ بیس دن کے سخت ...کے بعد حمص پر امیر صلاح الدین کا قبضہ ہوگیا۔ امیر صلاح الدین نے حمص کا ...مضبوط کیا پھر وہ بعلبک کی طرف چلا۔ بعلبک وہ پہلا قلعہ تھا جو صلاح الدین کے ...نجم الدین ایوب کو امیر عماد الدین زنگی نے عطا کیا تھا۔ اس وقت تک زنگی خاندان میں ...ثاہت نہ آئی تھی اور یہ خاندان امیر کہلاتا تھا۔

...قلعہ بعلبک کو امیر صلاح الدین کی زندگی میں بڑا دخل حاصل ہے۔ اس لئے کہ صلاح ...ین کے بچپن کے آٹھ نو سال یعنی ۱۱۴۶ تک جب امیر عماد الدین زنگی قتل ہوا، بعلبک ...گزرے تھے۔ تاریخ میں اس دور کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ عام خیال یہی ہے کہ صلاح ...ین نے بعلبک میں گزارے ہوئے بچپن کے زمانہ میں عام مسلمانوں کی طرح دنیاوی ...م حاصل کی ہوگی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ صلاح الدین کا باپ نجم الدین ایوب ...لبک کا گورنر تھا اس لئے صلاح الدین کو بہترین استادوں کی خدمات حاصل ہوئی ہوں گی ...نا یہ سب قیاس آرائیاں ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ صلاح الدین کا باپ اپنے زمانہ کا ...بڑا دیندار حکمران تھا۔ نجم الدین ایوب نے تارک الدنیا صوفیوں کے لئے بعلبک میں ...خانقاہ بھی بنوائی تھی۔

بہرحال کچھ نہیں ہوا لیکن یہ حقیقت ہے کہ صلاح الدین نے عمر کے تقریباً" نو سال ...لبک میں گزارے تھے۔ اس لئے اسے بعلبک سے انس سا تھا۔ اس نے کلام اللہ، ...رف نحو، دینیات، خطابت اور شاعری وغیرہ کی ابتدائی تعلیم اسی مقام پر حاصل کی تھی۔ ...ھویں صدی عیسوی میں اب حکمران خود کسی نسب سے تعلق رکھتے ہوں تکمران کی تعلیم کا ...یار عربوں جیسا ہی ہوتا تھا۔ حدیث و قرآن کی تعلیم اور علم نحو کی باریکیاں اس زمانہ کے ...یم یافتہ طبقہ کا علمی مشغلہ ہوا کرتی تھیں۔ بعلبک وہ شہر تھا جہاں صلاح الدین کو یہ خبر ملی ...اس کے باپ نجم الدین ایوب کا مربی اور آقا قتل کردیا گیا ہے۔ صلاح الدین نے اس ...م واقعہ کا کیا تاثر لیا اس کا کوئی علم نہیں کیونکہ اس وقت اس کی عمر صرف نو سال تھی ...راس عمر کے بچہ سے کسی تاثر کے اظہار کی توقع غلط معلوم ہوتی ہے۔

بعلبک کی فتح نے امیر صلاح الدین کو دمشق کے تقریباً" تمام شمالی علاقہ کا حاکم بنا دیا ...دمشق اس کے پاس پہلے ہی تھا۔ حمص، حماۃ اور بعلبک اب فتح ہوئے تھے۔ امیر ...لاح الدین کی طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ حلب کا دفاع مشکل نظر آرہا تھا۔ گمشتگین ...نے ملک الصالح کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے چچا زاد بھائی سیف الدین غازی سے مدد ...لب کرے۔ ملک الصالح، سیف الدین غازی کے بہت خلاف تھا۔ اس لئے سلطان

نورالدین زنگی کے انتقال کرتے ہی سیف الدین غازی نے سلطنت دمشق کے بڑ
دیگرے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ اسے یہ بھی خیال نہ آیا کہ اس کا بھائی
کمسن ہے۔ طمع نے اسے اندھا کردیا اور وہ سلطنت زنگی کا سب سے بڑا شہزادہ ہو
حیثیت سے اپنے دادا کی سلطنت پر اپنا حق سمجھتا تھا۔

ملک الصالح کی طرف سے ایک سفارت دوبارہ موصل بھیجی گئی۔ سیف الدین غازی
اسے بڑی مشکل سے بازیابی کی اجازت دی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید ملک الصالح الجز
وہ تمام علاقے جس پر سیف الدین غازی نے زبردستی قبضہ کرلیا ہے واپس مانگنے کے
سفارت آئی ہے۔ پھر جب اسے یقین دلایا گیا کہ سفارت کا مقصد کوئی علاقہ واپس لینا
بلکہ فوجی کمک مانگنا ہے تب سیف الدین غازی نے سفارت کو محل میں طلب کیا۔

ناظم سفارت نے باریاب ہو کر عرض کیا۔ "پہلے میں ملک الصالح اسمٰعیل پسر
دمشق نور الدین زنگی کی طرف سے آپ کے حضور جو کہ شاہی خاندان کے شہزادوں
امیروں میں عمر کے لحاظ سے سب سے بڑے اور افضل ہیں، سلام پیش کرتا ہوں۔"

"گفتگو مختصر کی جائے۔" والی موصل سیف الدین غازی نے الجھتے ہوئے کہا۔ "
رشتے، ناطے بتانے کی ضرورت نہیں۔ اگر ملک الصالح، سلطان دمشق کی اولاد ہے تو م
امیر عماد الدین زنگی کا پوتا ہوں اور میرا بھی سلطنت دمشق پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ
سکتا ہے۔"

"امیر ذیشان ـ ـ" ناظم سفارت نے ادب سے کہا۔ "ملک الصالح آپ کو اپنا بڑا
اور سلطنت دمشق میں سب سے زیادہ طاقتور اور عظیم امیر تسلیم کرتے ہیں۔ ملک الص
آپ سے کوئی اختلاف یا شکوہ نہیں بلکہ وہ تو آپ کی امداد کے خواہاں ہیں۔ انہیں امی
کہ آپ اس پر آشوب زمانہ میں ان کی اعانت فرما کر برادر بزرگ کا حق ادا کریں گے

ناظم سفارت نے بات سنبھال لی ورنہ غازی تو ہتھے پر سے اکھڑ گیا تھا۔ کچھ دیر
فکر کے بعد اس نے جواب دیا۔ "صالح ہم سے کس قسم کی اعانت کا امیدوار ہے؟"

"اے والی موصل اور عزت و حرمت سلطنت دمشق، ناظم سفارت نے اسے
کرنے کے لئے اور زیادہ خوشامدانہ طرز اختیار کیا۔ "اس وقت سلطنت دمشق پر غدا
غاصب صلاح الدین نے جو وقت ڈال رکھا ہے اس سے صرف آپ ہی نپٹ سکتے ہیں۔
دمشق پر قبضہ پھر حمص، حماۃ اور بعلبک کی فتح۔ اس نے پورا شمالی شام دبا لیا ہے۔
تو وہ خود کو الملک الصالح کا وفادار کہتا ہے لیکن انہیں حلب سے بھی نکالنے پر تلا ہوا
ملک الصالح کی وفادار شاہی فوجوں، وزیر گمشتگین کی عقلمندی اور حکمت عملی پر جوش لا

حلب کی شجاعت نے حلب کو اب تک صلاح الدین کی دست برد سے بچائے رکھا ہے لیکن
اب وہ حلب پر بہرصورت قبضہ کرنے کے لئے ایک طرف تو نیا لشکر تیار کر رہا ہے اور
دوسری جانب مصر سے اسے برابر فوجی کمک مل رہی ہے۔ ایسی صورت میں اگر اسے حلب
کے دوبارہ محاصرے سے نہ روکا گیا تو پھر حلب کی قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ ظاہر ہے۔"

"صلاح الدین اس وقت کہاں ہے؟" سیف الدین غازی نے دریافت کیا۔

"صلاح الدین بعلبک میں نئی فوجی بھرتی کر رہا ہے۔" ناظم سفارت نے جواب دیا۔
"معلوم ہوا ہے کہ اسے مصری کمک پہنچ چکی ہے اور اب وہ پوری طاقت سے حلب پر حملہ
آور ہو گا۔"

"کاؤنٹ آف طرابلس نے مسلم علاقوں پر حملہ کیا تھا۔ اس کا کیا انجام ہوا؟" تعجب
ہے کہ سیف الدین غازی کی معلومات اس قدر ناقص تھیں کہ اسے سوائے موصل کے کسی
اور جگہ کے بارے میں کچھ بھی علم نہ تھا۔

"اے محترم و معظم والی موصل ـ" ناظم سفارت نے جواب دیا۔ "ریمنڈ کاؤنٹ آف
طرابلس اپنی فوجیں لے کر حمص کی طرف چلا تھا۔ اس وقت صلاح الدین، حلب کا محاصرہ
کئے ہوئے تھا۔ اسے جیسے ہی اطلاع ہوئی وہ محاصرہ اٹھا کر کاؤنٹ کے مقابلہ پر روانہ ہوگیا۔
قبل اس کے کہ کاؤنٹ اور صلاح الدین میں مقابلہ کی نوبت آئے کاؤنٹ جو کہ حمص کے
قریب پہنچ چکا تھا۔ چپ چاپ واپس ہوگیا۔ عظیم والی موصل آپ اس بات سے اندازہ لگا
سکتے ہیں کہ صلاح الدین کی طاقت کس قدر بڑھ چکی ہے۔ عیسائی سلطنتیں اس کے مقابلے پر
آنے سے کتراتی ہیں۔ آپ نے شیخ الجبل کے فدائیوں کا انجام تو سنا ہوگا۔ انہوں نے ایک
سو سے زیادہ فدائیوں کی مدد سے صلاح الدین پر حملہ کیا تھا لیکن صلاح الدین کا کچھ نہ بگاڑ
سکے اور سب کے سب قتل کردیئے گئے۔"

"یہ بات یقیناً" حیرت انگیز ہے۔" سیف الدین غازی نے تبصرہ کیا۔ "بہرحال صلاح
الدین کا کچھ نہ کچھ علاج کرنا ہوگا۔"

"والی موصل کی بڑی کرم نوازی ہوگی۔" ناظم سفارت نے فوراً" کہا۔ "صلاح الدین
صرف آپ سے خوف کھاتا ہے اس لئے اس نے آپ کے کسی علاقہ پر ہاتھ نہیں ڈالا۔
دراصل وہ آپ کے مقابلہ پر نہیں آنا چاہتا۔"

"وہ مقابلہ پر نہیں آنا چاہتا تو ہم بھی اسے آزاد چھوڑنا نہیں چاہتے۔" اس کے ساتھ
ہی سیف الدین غازی نے اپنے درباریوں پر نظر ڈالی۔ اس نے دربار میں ایک ایک سردار کو
غور سے دیکھا۔ یہ تمام سردار زنگی خاندان کے مشہور شہسوار اور شمشیر زن تھے۔

سیف الدین نے ایک جگہ نظریں روک کر کہا۔ "زلقندار ۔۔"
زلقندار اپنی جگہ سے اچھل کے ایک قدم آگے آیا۔ "حکم ہو آقا محترم ۔۔"
"کیا صلاح الدین میں جرات ہے کہ ہمارے لشکر کے سامنے آئے؟" غاز
زلقندار سے استفسار کیا۔
"ہرگز نہیں آقا ۔۔" زلقندار نے جواب دیا۔ "صلاح الدین' زنگی سلطان کے
پر پلا ہوا محض ایک معمولی امیر ہے۔ اس کی رگوں میں زنگی خاندان کا ایک قطرہ بھی
اگر مقابلہ پر آئے گا تو منہ کی کھائے گا۔ آپ کی عظمت تسلیم کرے گا تو فلاح پائے گ
"صلاح الدین ہمارے بھائی ملک الصالح کو پریشان کر رہا ہے۔" سیف الدین غاز
تک زلقندار سے مخاطب تھا۔ "ملک صالح نے اگرچہ ہم سے کوئی مشورہ نہیں کیا بلکہ
امرا کے کہنے پر چلتا رہا مگر اس کی رگوں میں ہماری طرح زنگی خون ہے۔ اس نے ہمیں
دی ہے۔ ہم اسے مایوس نہیں کریں گے۔"
"یہ میرے آقا کی اعلیٰ ظرفی ہے۔" زلقندار بولا۔ "میرے لئے کیا حکم ہے آقا؟
"لشکر لے کر حلب جاؤ اور ملک صالح کے فوجیوں کو شامل کر کے صلاح الدین
کی غداری کی سزا دو ۔۔" سیف الدین غازی نے فیصلہ کر دیا۔
والی موصل کے اس فیصلے سے درباری' سردار اور امرا بہت خوش ہوئے۔ انہو
برملا غازی کی تعریف کی۔ "شاہا ۔۔" ایک امیر بولا۔ "ہماری تلواریں صلاح الدین
بازی کی سزا دینے کے لئے نیاموں میں بے چین ہیں۔ آپ نے فیصلہ کر کے ہمار
جیت لئے۔"

یہاں پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جس وقت اسد الدین شیرکوہ اور
الدین مصر بھیجے گئے تھے اس وقت مرحوم سلطان نور الدین زنگی نے امرائے نوریہ ک
جماعت ان کے ساتھ کر دی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر شیرکوہ یا صلاح الدین کو
قدم اٹھائیں تو امرائے نوریہ ٹوکیں اور انہیں سیدھا راستہ دکھائیں۔ بظاہر تو یہی م
لیکن درپردہ سلطان نے ان امرا کو اپنے خاص آدمیوں کی حیثیت سے لشکر کے ساتھ
کیا تھا تاکہ وہ مصر میں ہونے والے واقعات کی تفصیل سلطان دمشق کو روانہ کرتے ر
مصر جانے والے امرائے نوریہ نے بلاشبہ ہر معرکہ میں داد شجاعت دی اور شیر
شامی لشکر کے شانہ بشانہ لڑ کر مصر پر قبضہ میں آسانیاں پیدا کیں لیکن جب اسد الدین
جو اس وقت تک مصر کا وزیراعظم بن گیا تھا کا انتقال ہوا اور اس کی جانشینی کا سوال
تو امرائے نوریہ کا ہر امیر اپنے آپ کو قلمدان وزارت کا اہل سمجھتا تھا اور اس کی

کہ وہ شیرکوہ کا جانشین بنے۔ جہاں تک امرائے نوریہ کی شجاعت اور تاج دمشق سے
اس کا تعلق تھا تو وہ بہادر بھی تھے اور وفادار بھی اور وہ شیرکوہ کا جانشین ہونے کے اہل
تھے لیکن دمشق سے ہزاروں میل دور ایک غیر ملک میں اور ایک غیر مزاج رکھنے والی
کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کے دماغ اور سوجھ بوجھ کی ضرورت
اور یہی وجہ تھی فقیہ عیسیٰ ہکاری نے صلاح الدین کا نام وزارت کے لئے پیش کیا تھا۔
صلاح الدین اس وقت دوسرے امرا کے مقابلہ میں عمر کے لحاظ سے چھوٹا تھا لیکن دور
ئی اور جنگی مہارت میں دوسرے امرا اس سے کمتر تھے۔
جانشینی کے معاملہ میں امرائے نوریہ میں اختلاف پیدا ہوا تھا اور صلاح الدین کے
ت وزیراعظم ہونے کے اس اختلاف میں اور شدت پیدا ہو گئی تھی۔ بعض امرائے
تو مصر چھوڑ کے دمشق واپس آ گئے تھے۔ مصر سے واپس آنے والے امرا سلطان نور
زنگی سے صلاح الدین کی برائیاں کرتے رہتے تھے۔ پھر سلطان نور الدین کا انتقال ہوا
صلاح الدین دمشق واپس آیا تو دمشق اور اطراف میں صلاح الدین کے تمام مخالف امرا
اس کی سخت مخالفت اور مزاحمت کی۔ سیف الدین غازی کے دربار میں بھی صلاح
ن کے مخالف امرا موجود تھے اور وہ اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ سیف الدین
اور صلاح الدین کی جنگ ہو اور وہ صلاح الدین سے میدان میں بدلہ لے سکیں۔
زلقندار کا پورا نام عزیز الدین مسعود تھا اور یہ سیف الدین غازی کا بھائی تھا۔ سپہ
عزیز الدین زلقندار اور امیر موصل کا حکم پاتے ہی ایک بڑے لشکر کے ساتھ حلب کی
روانہ ہوا۔ حلب کا شاہ ملک الصالح اور اس کا وزیر گمشتگین سخت پریشان تھے۔
انے پہلے حشیشین کے شیخ الجبل کے ذریعہ امیر صلاح الدین کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی
ن کی گمران کا منصوبہ بار آور نہ ہوا پھر انہوں نے کاؤنٹ آف طرابلس کے ذریعہ
کا محاصرہ ختم کرانے کی تدبیر کی۔ اس میں بھی انہیں ناکامی ہوئی۔ اتنا ضرور ہوا کہ امیر
الدین کو کاؤنٹ آف طرابلس کے مقابلہ پر جانے کے لئے حلب کا محاصرہ ختم کرنا پڑا۔
امیر ادھر سے جلدی فارغ ہو گیا بلکہ اسی یلغار میں اس نے بعلبک بھی فتح کر لیا جہاں
کی زندگی کے پہلے نو سال گزرے تھے۔ اس طرح اب وہ دمشق کے شمال میں تمام شاہی
پر اس کا قبضہ ہو گیا اس کے جاسوسوں نے اس تک یہ خبریں پہنچا دی تھیں کہ حلب کے
گمشتگین نے کاؤنٹ آف طرابلس کو ایک بھاری رقم دے کر امیر صلاح الدین کے
پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا تھا۔ چنانچہ امیر صلاح الدین نے فیصلہ کیا تھا کہ اب وہ
پر بھرپور حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

صلاح الدین نے حلب پر حملہ کے لئے مصر سے ایک لشکر بھی طلب کرلیا تھا
سے دمشق روانہ ہو چکا تھا۔ ادھر تو یہ انتظامات تھے اور ادھر حلب والے بغلیں بجا
کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ موصل سے سیف الدین غازی نے ایک بڑا لشکر
طرف بھیج دیا تھا تاکہ ملک الصالح، اپنے اور موصل کے لشکر کی مدد سے امیر صلاح
ایسی کاری ضرب لگائے کہ اسے دمشق چھوڑ کر مصر کی طرف بھاگنا پڑے حلب م
گھی کے چراغ جلائے جارہے تھے کیونکہ موصل کا لشکر شام میں سب سے زیادہ ط
جاتا تھا۔

شاہ حلب ملک الصالح نے اعلان کردیا تھا کہ وہ اپنے تمام سردار، امرا اور م
کے ساتھ موصل سے آنے والے لشکر کا قلعہ سے باہر نکل کے استقبال کرے
استقبال کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ جگہ جگہ محرابیں بنائی جارہی تھیں غرضیکہ
جشن جیسا سماں تھا۔ شاہ حلب نے اعلان سے زیادہ اہتمام کیا تھا اور جب موص
عزیز الدین زلقندار کی سپہ سالاری میں حلب میں داخل ہوا تو قلعہ والوں نے وا
فرش راہ کردیں۔ لشکر پر اس قدر پھول برسائے گئے کہ راستہ پھولوں سے ا
ملک الصالح نے عزید الدین کو گلے لگایا اور وہیں کھڑے کھڑے پہلے والی موصل
معلوم کی پھر لشکر بڑی شان سے قلعہ میں داخل ہوا۔

پھر جب دوسرے دن موصل اور حلب کے لشکر قلعہ کے میدان میں شا
کے ملاحظہ کے لئے جمع ہوئے تو شاہ حلب کا سر فخر بلکہ غرور سے اکڑ گیا۔ بلاشبہ
نہ صلاح الدین کے پاس تھا اور نہ وہ دمشق میں رہ کے اتنا عظیم لشکر اکٹھا کرسکتا
الدین کے پاس اگرچہ بڑی آزمودہ کار فوج تھی۔ مصر سے بھی اسے فوجی کمک
پھر بھی صلاح الدین پریشان ہو گیا تھا اور وہ اس متحدہ لشکر سے ٹکرانے کے
چاہتا تھا کیونکہ لڑائی کو کچھ اور دن ٹالے بغیر وہ پوری طرح تیار نہ ہو سکتا تھا۔

حلب میں موصل کے لشکر کو پہنچے ہوئے تین دن ہو چکے تھے اور طے یہ ہ
ایک دن آرام کے بعد حلب اور موصل کے لشکر صلاح الدین سے جنگ کے
ہوں گے۔ صلاح الدین اس وقت صحاۃ کے نواح میں فوجیں لئے پڑا تھا اور ا
بچنے کے لئے تدبیریں سوچ رہا تھا۔ پھر آخری دن جبکہ دوسری صبح متحدہ لشکر کو
تھا۔ تو شاہ ملک الصالح کو اطلاع دی گئی کہ امیر صلاح الدین کی طرف سے
ایک رکنی سفارت آئی ہے یعنی اس سفارت کا واحد رکن عزیز الدین فرخ شاہ
عجب اتفاق تھا کہ صلاح الدین کا سفیر بھی عزیز الدین تھا اور ملک الصالح کے

لار کا نام بھی عزیز الدین زلقندار تھا۔
لک الصالح نے اپنے وزیر گمشتگین اور موصل کے سپہ سالار عزالدین زلقندار سے
کے بعد امیر صلاح الدین کے سفیر کو طلب کیا۔ فرخ شاہ ایک درباری غلام کی معیت
ب کے دربار میں پہنچا۔ گمشتگین اور زلقندار نے ملک الصالح کو سمجھا دیا تھا کہ وہ سفیر
تگو کرتے وقت اپنے شاہانہ وقار کو برقرار رکھے اور اپنی شان میں کسی قسم کی کمی نہ
دے۔

فرخ شاہ نے دربار میں داخل ہو کر سامنے کی طرف دیکھا۔ تخت شاہی پر کمسن شاہ ملک
لح اپنے اوپر جاہ و جلال طاری کئے بیٹھا تھا۔ تخت کے ایک طرف وزیر گمشتگین اور
ی جانب سپہ سالار زلقندار ہاتھ باندھے اور نظریں نیچی کئے کھڑے تھے۔ فرخ شاہ نے
ر کورنش پیش کی۔

"تمہارا نام؟" ملک الصالح نے بڑے رعب سے دریافت کیا۔

"عزیز الدین ۔۔" فرخ شاہ کا اصل نام عزیز الدین تھا۔ چونکہ وہ سفارت کے فرائض
ام دے رہا تھا اس لئے اس نے فرخ شاہ کے بجائے عزیز الدین نام بتایا۔

لک الصالح اس نام پر چونکا اور اس کی نظریں بیساختہ اپنے سپہ سالار عزیز الدین
دار کی طرف اٹھ گئیں۔ عزیز الدین زلقندار کو بھی اس بات پر حیرت ہوئی تھی اور وہ
و گھور کر دیکھ رہا تھا۔ ملک الصالح اور زلقندار کی طرح وزیر گمشتگین بھی سفیر کی زبان
عزیز الدین کا نام سن کر پریشان سا ہو گیا تھا۔

لک الصالح نے وزیر اور سپہ سالار سے نظریں گھما کر سفیر کو مخاطب کیا۔ "تمہیں
ح الدین نے سفارتی گفتگو کے لئے بھیجا ہے یا محض مذاق کے لئے؟" ملک الصالح کے
مں بہت تلخی آگئی تھی۔

فرخ شاہ کو واقعی نہیں معلوم تھا کہ دربار میں اس وقت ایک اور عزیز الدین موجود
۔ اس لئے اسے شاہ حلب کے سخت لہجے پر تعجب سا ہوا۔ "اے شاہ ملک الصالح جگر
ر مرحوم سلطان نور الدین زنگی میں محض ایک پیامبر یا سفیر کی حیثیت سے آپ کے
ار میں حاضر ہوں۔ مجھے کیا حق یا ضرورت ہے کہ شاہ حلب کی شان میں کسی قسم کی
تاخی کا تصور بھی کروں۔ آپ نے نام دریافت فرمایا اور میں نے عرض کردیا۔"

"تم نے اپنے آپ کو عزیز الدین کیوں کہا۔ تمہیں اپنا نام بتانا چاہیے تھا۔؟" ملک
الح کا غصہ کم نہ ہوا تھا بلکہ اس میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

فرخ شاہ چکرا گیا۔ "میں اپنی کم فہمی کی وجہ سے شاہ کی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا؟"

اس وقت گمشتگین نے دخل کیا۔ "سفیر۔ کیا تمہارا نام صرف عزیز الدین ہے
کے آگے پیچھے کچھ اور بھی ہے۔؟"

فرخ شاہ نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "میرا پورا نام عزیز الدین فرخ
نورالدولہ شاہان شاہ ہے۔ میرے والد شاہان شاہ امیر صلاح الدین کے سگے بھائی ہیں۔
"اس کا مطلب ہے کہ عزیز الدین ' صلاح الدین کا بھتیجا ہے۔" اور گمشتگین مسکرانے
لگا۔

"یہ ایک حقیقت ہے امیر محترم ---" فرخ شاہ نے الجھتے ہوئے کہا۔

"سفیر-- کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ اس دربار میں ایک اور عزیز الدین موجود ہے؟
اس کے ساتھ ہی گمشتگین نے نظریں گھما کر عزیز الدین زلقندار کو دیکھا۔

فرخ شاہ کی سمجھ میں پوری بات آگئی۔ اس نے جواب دیا۔ "دربار شاہ ملک الصالح
آپ کے سوا صرف ایک امیر اور موجود ہیں" اس کے ساتھ ہی اس نے زلقندار کی
دیکھا۔ "مجھے یقین ہے کہ دوسرے عزیز الدین یا آپ خود ہیں یا وہ دوسرے امیر ہیں۔"

عزیز الدین زلقندار نے فرخ شاہ کو گھور کر دیکھا۔ "ٹھیک ہے لیکن تمہارا نام
عزیز الدین ہے جبکہ میں عزیز الدین زلقندار ہوں اور اس فوج کا سپہ سالار ہوں جو
موصل اور میرے آقا سیف الدین غازی نے شاہ حلب ملک الصالح کی مدد کے لئے
ہے۔

زلقندار نے فرخ شاہ کو مرعوب کرنے کے لئے زبردستی اپنا تعارف کرایا تھا۔

ملک الصالح' صلاح الدین کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین
اس نے فرخ شاہ سے کہا۔ "ہمیں بتایا جائے کہ امیر صلاح الدین ہم سے کیا چاہتے ہیں
"شاہا ---" فرخ شاہ نے سنبھل کے جواب دیا۔ "میرے آقا امیر صلاح الدین
دمشق اور آپ کے وفادار ہیں۔ وہ آپ سے جنگ کے بجائے صلح کے خواہش مند ہیں۔

ملک الصالح نے تیوریوں پر بل ڈال کے کہا۔ "اگر امیر صلاح الدین ہمارے وفادار
تو انہوں نے دمشق پر قبضہ کیوں کیا؟"

"عالیجاہ ---" فرخ شاہ نے ملک الصالح کا پورا وقار برقرار رکھتے ہوئے جواب
"دمشق پر قبضہ اس لئے ہو گیا کہ شاہ وہاں موجود نہ تھے اور دارالسلطنت اپنے بادشاہ
خالی تھا۔۔" "مگر حلب میں تو ہم موجود ہیں پھر امیر صلاح الدین نے اس کا محاصرہ
کیا۔"

شاہ نے جرح کے انداز میں سوال کیا۔

"شاہ عالی مقام ۔ حلب میں آپ کی موجودگی اور غیر موجودگی برابر ہے اس لئے کہ
آپ کے بجائے آپ کے وزیر کا حکم چلتا ہے۔ میرے آقا چاہتے ہیں کہ شاہ معظم
تشریف لائیں اور امیروں اور وزیروں سے بالاتر ہو کر حکومت فرمائیں۔"

"تم صرف ایک سفیر ہو۔ " گمشتگین غصہ سے بھنا اٹھا۔ "تمہیں یہ حق کس نے دیا کہ
کے امیروں اور وزیروں کی توہین کرو؟"

"امیر محترم نے درست فرمایا۔ " فرخ شاہ نے آنکھیں ملا کے کہا۔ "میں صرف ایک
ہوں مگر امیر محترم یہ بھول گئے کہ سفیر اپنے بھیجنے والے کا نمائندہ ہوتا ہے۔ میں نے جو
کہا وہ میرے آقا کا کہا ہوا ہے اور آگے بھی جو کچھ کہوں گا وہ میرے آقا امیر صلاح
الدین کی زبان سے کہا ہوا سمجھا جائے۔"

گمشتگین کو معقول اور سخت جواب ملا تھا۔ وہ صرف تلملا کر رہ گیا۔

"ہم دمشق نہیں جانا چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ امیر صلاح الدین دمشق چھوڑ دیں۔"
ملک الصالح کا لہجہ بہت نرم ہو گیا تھا۔

"اے شاہ ذیشان -- میرے آقا دمشق پر آپ کے نام پر حاکم ہیں۔ تمام مفتوحہ علاقے
میں سکہ آپ کے نام کا چلتا ہے۔ مساجد میں امام خطبہ میں آپ ہی کا نام لیتے ہیں۔ میرے
آقا نے اپنے نام کو کہیں پر استعمال نہیں کیا۔" فرخ شاہ نے ایک ایک لفظ پر زور دے کے
کہا۔ فرخ شاہ بڑا خوبصورت جوان تھا۔ اس کے چہرے پر شجاعت اور ذہانت کی سرخی میں
نرمی بھی گھلی معلوم ہوتی تھی لیکن اس وقت وہ جس سنجیدگی سے گفتگو کر رہا تھا اس سے
ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ ایک منجھا ہوا سیاستدان ہے۔

"ہوں ---" ملک الصالح نے ایک لمبی سانس لی ۔ "اگر امیر صلاح الدین' دمشق پر
ہمارے نام سے حکومت کر رہے ہیں تو انہوں نے حمص اور حماۃ پر کیوں قبضہ کیا۔؟"

فرخ شاہ نے قدرے حیرانگی سے ملک الصالح کی طرف دیکھا لیکن جواب دینے کے
بجائے اس نے سر جھکا لیا جیسے وہ لاجواب ہو گیا ہو۔

"بولو۔ بولو سفیر-- اب تم خاموش کیوں ہو گئے۔" ملک الصالح بہت خوش ہو رہا تھا
شاید اس خیال سے کہ اس نے صلاح الدین کے سفیر کی زبان بند کر دی تھی۔ "شاید
تمہارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔؟"

"شاہ معظم --" فرخ شاہ گھٹی آواز میں بولا جیسے اسے جواب دیتے تکلیف ہو رہی
ہو۔ "اگر عالیجاہ کو حمص اور حماۃ پر امیر صلاح الدین کے قبضہ پر اعتراض ہے تو دونوں
قلعوں اور شہروں کی چابیاں حضور کے قدموں میں ڈال دی جائیں گی۔"

گمشتگین اور عزیز الدین زلقندار نے چونک کے اس طرح فرخ شاہ کو دیکھا جیسے انہ
اپنے کانوں پر اعتبار نہ ہو۔ ملک الصالح خود بھی اس جواب کی توقع نہ کر رہا تھا۔ اس
خیال تھا کہ امیر صلاح الدین کی طرف سے اس کا سفیر حمص اور حماۃ پر قبضے کا بھی کوئی جو
پیدا کرے گا۔

"سفیر ---" ملک الصالح نے رک رک کے کہا۔ تم نے ابھی کیا جواب دیا۔ ایک
پھر دہراؤ اسے؟۔"

"شاہ عالی مقام ---" فرخ شاہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرا جواب صاف
اور واضح ہے کہ اگر شاہ حمص اور حماۃ پر امیر صلاح الدین کا قبضہ پسند نہیں فرماتے تو
دونوں شہر اور قلعے سلطنت حلب کے حوالے کردیئے جائیں گے۔"

"ہوں ---" ملک الصالح نے دوبارہ ہمکاری بھری اور گمشتگین اور زلقندار کو اس
طرح دیکھا جیسے کہہ رہا ہوں کہ دیکھو میں نے اپنی باتوں کے طلسم میں صلاح الدین کے سفیر
کو اس طرح الجھا دیا ہے کہ وہ حمص اور حماۃ کے قلعے سلطنت حلب کے حوالے کرنے
آمادہ ہو گیا۔ فرخ شاہ نے اک دم ایسی بات کہہ دی تھی کہ وزیر گمشتگین اور سپہ سالا
عزیز الدین زلقندار الجھ کے رہ گئے تھے۔

شاہ ملک الصالح نے دیکھا کہ دونوں ذمہ دار ہستیاں بالکل خاموش ہیں تو اس نے
زلقندار سے دریافت کیا۔ "کیا ہمارے سپہ سالار عزیز الدین زلقندار اس سلسلے میں کچھ کہ
پسند فرمائیں گے؟"

"شاہ عالیشان ---" زلقندار نے زبان کھولی۔ "امیر صلاح الدین کے سفیر نے صرف
حمص اور حماۃ کا ذکر کیا ہے جبکہ صلاح الدین نے قلعہ بعلبک پر بھی قبضہ کرلیا ہے۔ اس
سلسلے میں سفیر کا کیا جواب ہے؟"

"سپہ سالار محترم ---" فرخ شاہ نے متانت سے کہا۔ "اگرچہ یہ ضروری نہیں ہے کہ
میں سپہ سالار کے کسی سوال کا جواب دوں۔ اس لئے کہ سفیر صرف حاکم اعلیٰ سے گفتگو
کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ سپہ سالار جن کا کام میدان جنگ میں فوج کو لڑانا ہوتا ہے وہ
سفارت کی ان باریک باتوں کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے ان دونوں باتوں کے باوجود چونکہ
سپہ سالار کو شاہ حلب نے بولنے کی اجازت دی تھی اس لئے میں ان کے سوال کا بھی
جواب دوں گا۔ سنئے سپہ سالار بہادر۔ میں نے حمص اور صحاۃ کے قلعوں کی شاہ حلب کو
پیش کش کی ہے۔ اب اگر سپہ سالار یہ ضروری سمجھتے ہیں میرے آقا امیر صلاح الدین
قلعہ بعلبک سے بھی ہاتھ اٹھالیں اور اسے شاہ کی نذر فرمائیں تو ایسا بھی ہو جائے گا۔ صلح

المر بعلبک بھی حلب کی سلطنت کے سپرد کردیا جائے گا۔"
ٹھیک ہے سفیر ---" شاہ ملک الصالح صلح پر آمادہ ہو گیا۔ "لیکن سفیر کے پاس اس
کی کیا ضمانت ہے کہ اگر ہم صلح کے معاہدے پر آمادہ ہو جائیں تو حمص، صحاۃ اور
ہمارے حوالے کردیئے جائیں گے۔
ے شاہ حلب۔ ہر سفیر اپنے آقا یا حاکم کا نمائندہ ہوتا ہے اور نمائندگی کرتے وقت
بات طے کرتا ہے خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو لیکن سفیر کی بات کا پاس کرنا اس کے آقا
حاکم کا فرض بن جاتا ہے شاہ اطمینان فرمائیں میں نے بحیثیت امیر صلاح الدین کے
ے کے جن قلعہ جات کو سلطنت حلب کے حوالے کرنے کا اعلان کیا ہے اس پر
بالضرور عمل ہوگا۔"
ٹھیک اس وقت وزیر گمشتگین نے جھک کے شاہ ملک الصالح سے سرگوشی کی۔ پتہ نہیں
ی بات تھی جسے سن کر شاہ کا چہرہ اتر گیا۔
شاہ نے بڑی بے دلی سے کہا۔ "اچھا ہم تمہاری پیش کش کا کل جواب دیں گے۔"
پھر شاہ نے اپنے مصاحب کو حکم دیا کہ امیر صلاح الدین کے سفیر عزیز الدین فرخ شاہ
اہی مہمان خانہ میں رکھا جائے اور اس کی خاطر داری اور عزت میں کوئی کسر نہ اٹھا
جائے۔ فرخ شاہ ملک الصالح کو سلام کر کے باہر آگیا۔

فرخ شاہ کے رخصت ہونے کے بعد حلب کے شاہی محل میں بڑی ہنگامی صورت حال
ہو گئی۔ ملک الصالح چاہتا تھا کہ امیر صلاح الدین سے جنگ کرنے کے بجائے صلح کرلی
مگر گمشتگین نے اسے صلح سے منع کیا تھا اور بات کل پر ٹالنے کی تاکید کی تھی۔
ملک الصالح کو اپنی بے بسی پر غصہ آرہا تھا۔ اس نے غصے اور غم سے بھرے لہجے میں
"کاش یہ مصالحت آج ہی ہو جاتی اور آج رات ہم لوگ سکھ اور آرام کی نیند سو
لیکن ہمارے وزیر نے شاید اس میں کچھ مصلحت دیکھی اور آج معاہدہ نہ ہونے
ہے"

سپہ سالار عزالدین زلقندار، شاہ ملک الصالح کا ہم خیال تھا۔ اس نے ترش لہجے میں
"میں نہیں سمجھ سکا کہ کل پر بات ٹالنے میں کیا مصلحت ہوسکتی ہے جبکہ صلاح الدین
میر قلعہ حمص، حماہ کے علاوہ بعلبک بھی ہمارے حوالے کرنے پر تیار ہوگیا تھا؟"
"اے حلب اور موصل کے لشکروں کے سپہ سالار۔" سعدالدین بن گمشتگین نے سربلند
تے ہوئے کہا۔ "بے شک صلاح الدین کی طرف سے ہمیں بہترین پیش کش کی گئی ہے

لیکن ہمیں پہلے یہ غور کرنا ہوگا کہ وہ کیا حالات اور واقعات ہیں جن سے مجبور ہوکر صلاح الدین نے تین اہم قلعے ہمیں طشتری میں رکھ کے پیش کیئے ہیں۔ کہیں یہ کوئی خواب یا دھوکہ تو نہیں۔"

"بے شک بے شک ۔" ملک الصالح بچوں کی طرح چیخا۔ "ہمارا وزیر کس قدر عقلمند ہے۔ ہم دھوکہ کھانا نہیں چاہتے۔ ہربات پر پوری توجہ دینی چاہئے۔"

گمشتگین کا سر غرور سے کچھ اور بلند ہوگیا۔ "ایک بات اور بھی ہے سپہ سالار عزالدین زلقندار ۔ امیر موصل سیف الدین غازی ہمارے حلیف اور کرم فرما ہیں۔ اگر ہم ان سے مشورہ کیئے بغیر معاہدہ کرتے ہیں تو انہیں اعتراض بھی ہوسکتا ہے۔"

امیر موصل کے نام پر عزالدین زلقندار بھی نرم پڑگیا۔ "وزیر حلب کی اس بات میں کافی وزن ہے امیر موصل کو اطلاع دینا بہت ضروری ہے۔"

ملک الصالح نے ایک نیا نقطہ اٹھایا۔ "امیر موصل سے مشورہ ضرور کرنا چاہئے لیکن کل تو ہمیں سفیر کو جواب دینا ہے۔ پھر یہ بھی خطرہ ہے کہ سفیر ہماری طرف سے مایوس ہوکر کہیں اپنی پیش کش واپس نہ لے لے۔"

"مجھے اسکی پیش کش کی پرواہ نہیں۔" گمشتگین نے زور دے کر کہا۔ "جنگ کی تیاریاں بالکل مکمل ہیں اور یہ ہماری جنگی تیاریوں کا ہی فیض ہے کہ صلاح الدین نے گھبرا کے صلح کی بات شروع کی ہے۔"

"تو کیا ہم کل اس سے کہہ دیں کہ ہم صلح نہیں کرسکتے اور میدان جنگ میں فیصلہ ہوگا؟" ملک الصالح کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوگئے تھے۔

"صاف جواب دینے کی ضرورت نہیں ہم کوئی بہانہ بھی کرسکتے ہیں۔" گمشتگین نے اس انداز سے کہا جیسے وہ ملک الصالح کو ڈانٹ رہا ہو۔

سپہ سالار زلقندار کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ "عالی جناب وزیر ہم جنگی لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ جو ملتا ہے اس پر فوراً قبضہ کرو۔ اس کے بعد آگے کی سوچو۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ہمیں حمص ، حماہ اور بعلبک جو بغیر لڑے بھڑے مل رہا ہے اسے لے لینا چاہئے پھر باقی کے لئے جنگ کرنا چاہئے کیوں عالی مقام وزیر آپ کا کیا خیال ہے؟"

گمشتگین اپنے سپہ سالار سے بگاڑنا نہیں چاہتا تھا نرمی سے بولا۔ "سپہ سالار زلقندار کی بات بہت معقول ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم کل اس سفیر سے حمص ، حماہ ، بعلبک کے ساتھ ساتھ دمشق کا مطالبہ بھی کریں۔ کیا عجیب ہے کہ صلاح الدین جنگ سے جان بچانا چاہتا ہو اور دمشق بھی ہمارے حوالے کرکے مصر واپس چلا

جائے۔"

ملک الصالح اور زلقندار دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر سپہ سالار بولا۔ "عقلمند وزیر کی بات دل کو لگتی ہے جب امیر صلاح الدین حمص ، حماہ اور بعلبک سے دستبردار ہوسکتا ہے تو پھر دمشق بھی چھوڑ دے گا ہمیں دمشق کا ضرور مطالبہ کرنا چاہئے۔"

آخر تھوڑی رد و کد کے بعد یہ طے پایا کہ دوسرے دن سفیر سے دمشق کا بھی مطالبہ کیا جائے۔ وہ اگر رضا مند ہوتا ہے تو معاہدہ کرلیا جائے ورنہ پھر جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ گمشتگین نے ملک الصالح اور عزالدین زلقندار سے کہہ دیا کہ کل سفیر سے صرف وہ گفتگو کرے گا خود ہی جنگ یا صلح کا فیصلہ کرے گا۔

صبح کو امیر صلاح الدین کے سفیر کو بھرے دربار میں طلب کیا گیا۔ دراصل گمشتگین تمام امراء اور سرداروں کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ صلاح الدین جنگ سے گھبرارہا ہے اور کس طرح عزت بچا کے مصر واپس جانا چاہتا ہے۔

گمشتگین نے دربار میں فرخ شاہ سفیر صلاح الدین سے بڑے سخت لہجے میں سوال کیا۔ سفیر تمہیں کیا امید ہے کہ ہم تمہاری پیش کش قبول کرلیں گے؟"

"وزیر محترم۔" فرخ شاہ نے اس کے تلخ لہجہ کی پرواہ نہ کی۔ "حکومت کا وہی وزیر سب سے زیادہ عقلمند ہوتا ہے جو جنگ سے گریز کرے اور شاہی خزانہ کو رعایا کی فلاح و بہبود پر خرچ کرے۔ اس وقت جنگ کرنے یا نہ کرنے کا آپ کو اختیار ہے۔ جنگ نہ کرنے کی صورت میں سلطنت حلب کو دمشق کے شمال میں تمام شامی قلعے اور شہر مفت مل جائیں گے۔ دوسری صورت جنگ کی ہے اور اس کا انجام صرف اوپر والا جانتا ہے اس کی پیشن گوئی سے کوئی پھر نہیں سکتا۔۔۔۔"

"سفیر زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔" گمشتگین نے سفیر کو روک دیا۔ "ہمیں معلوم ہے کہ صلاح الدین ہمارے مشترکہ لشکر کے مقابلہ پر نہیں نکل سکتا۔ وہ اپنی عزت بچانا چاہتا ہے اسی لئے وہ جنگ سے بھاگ رہا ہے لیکن ہم اسے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ ہم اسے جنگ میں گھسیٹیں گے اور یہ بتائیں گے کہ تاج دمشق سے غداری کی کیا سزا ہوتی ہے۔"

فرخ شاہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "میں سمجھ نہیں سکا کہ وزیر محترم کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"سنو اور غور سے سنو کہ ہم کیا کہنا چاہتے ہیں۔" گمشتگین غرایا۔ "صلاح الدین کی دانشمندی اور حکمت عملی یہ ہے کہ شمالی شام کے علاقے سلطنت حلب کو دے کر وہ جنگ کرنے کی بجائے

چپ چاپ دمشق واپس چلا جائے اور ہم موصل اور حلب کے مشترکہ لشکر کو منتشر کردیں پھر جب موصل کا لشکر واپس چلا جائے تو وہ حلب کو تنہا پاکر فوراً حملہ کرکے قبضہ کرلے لیکن ہم اس کی یہ تدبیر کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔"

فرخ شاہ چڑ گیا۔ "وزیر محترم میں جنگی حکمت عملی کا درس لینے نہیں آیا ہوں۔ میں نے صلح کی پیش کش کی اور اس کے صلے میں تین قلعے آپ کو دینے کا وعدہ کیا۔ اگر آپ کو یہ پیش کش منظور نہیں تو مجھے صاف الفاظ میں جواب دے دیجئے۔"

"صاف جواب یہ ہے۔" گمشتگین نے بڑے گھمنڈ سے کہا۔ "اگر صلاح الدین جنگ نہیں چاہتا تو وہ دمشق بھی ہمارے حوالے کردے ورنہ ہم دمشق کا قبضہ بزور شمشیر حاصل کرلیں گے۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو دمشق ہمارے حوالے کرتے ہو کہ نہیں؟"

"قابل احترام وزیر حلب۔" فرخ شاہ کے لہجے میں بھی تلخی آگئی۔ "میں اس دربار میں ایک سفیر کی حیثیت سے پیش ہوا ہوں اس لئے آپ کو میرے سامنے میرے آقا امیر صلاح الدین کی توہین نہیں کرنی چاہئے۔ آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ میرے آقا صلاح الدین کا مرتبہ تمام امرائے نوریہ اور تمام سرداران شام سے بلند و بالا ہے۔ امیر صلاح الدین کو جہانگیری اور جہانداری کا جتنا عظیم تجربہ حاصل ہے اس کی گرد تک بھی کوئی امیر پہنچ نہیں سکتا۔۔۔"

"رک جاؤ سفیر۔" گمشتگین نے اسے پھر روکا۔ "اگر تم صلاح الدین کی توہین برداشت نہیں کرسکتے تو ہم تمہارے منہ سے اپنی اور دوسرے امراء کی تذلیل بھی برداشت نہیں کرسکتے فضول باتیں کرنے کی بجائے تم ہمارے سوال کا دو ٹوک جواب دو۔"

"کس سوال کا جواب وزیر محترم؟" فرخ شاہ چڑ گیا تھا۔

"یہی کہ حمص، حماۃ اور بعلبک کی طرح امیر صلاح الدین دمشق بھی ہمارے حوالے کرسکتے ہیں کہ نہیں" گمشتگین نے بالکل واضح سوال کیا۔

"وزیر محترم اگر میرے آقا دمشق بھی چھوڑ دیں تو پھر وہ کہاں رہیں گے اور کہاں جائیں گے؟ فرخ شاہ نے بھی ایک سوال کیا۔

گمشتگین اس سوال کے لئے پہلے ہی تیار تھا۔ "صلاح الدین مصر سے آئے تھے اور انہیں مصر ہی واپس جانا چاہئے۔ ہم شام میں انہیں کہیں دیکھنا نہیں چاہتے۔ ہاں یہ ضرور وعدہ کرتے ہیں کہ اگر صلاح الدین مصر واپس جانا چاہیں تو انہیں راستے میں کوئی پریشان نہیں کرے گا۔ ہم انہیں بحفاظت مصر پہنچانے کا بھی انتظام کرسکتے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب پوری طرح سمجھ گیا ہوں وزیر محترم۔" فرخ شاہ نے کہا۔ "لیکن

آپ کے مطالبہ کو پورا کرنا میرے امکان میں نہیں۔ مجھے امیر نے جس قدر اختیارات دیئے تھے میں انہیں استعمال کرچکا ہوں۔ رہا دمشق کا مطالبہ تو اس کا فیصلہ امیر صلاح الدین ہی کرسکتے ہیں۔ میں اس ناکام گفتگو کے بعد واپس جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"تم جاسکتے ہو سفیر۔ ہمارا پیغام صلاح الدین تک پہنچا دینا۔ جواب دینا نہ دینا انکا کام ہے۔" گمشتگین نے گفتگو کا خاتمہ کردیا۔

فرخ شاہ نے ملک الصالح کو سلام کیا پھر پیٹھ موڑ کے چلا۔ ملک الصالح کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا تھا لیکن وہ گمشتگین کے سامنے بے بس تھا۔ درباریوں نے تمام گفتگو غور سے سنی تھی اور بیشتر کا خیال تھا کہ گمشتگین کو صلاح الدین کی پیش کش قبول کرلینا چاہئے تھی۔

فرخ شاہ دربار کے قالین کے کونے پر پہنچ کے رکا اور پلٹ کے بولا۔ "اے حلب کے بادشاہ اور درباریو۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امیر صلاح الدین شاہ سے جنگ نہیں چاہتے وہ اپنی پیش کش میں مخلص ہیں لیکن افسوس کہ ان کی پیش کش کو فوجی کمزوری سمجھا گیا۔ بہر حال آپ شاہد رہیں کہ امیر صلاح الدین کی طرف سے جنگ روکنے کی پوری کوشش کی گئی لیکن جنگ ناگزیر معلوم ہوتی ہے اور اس کا انجام صرف خلاق عالم کے ہاتھ میں ہے۔"

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ امیر صلاح الدین ان دنوں حماہ کے نواح میں تھا۔ فرخ شاہ نے ادھر ہی کا رخ کیا اور لشکر گاہ میں پہنچ کے امیر کو اپنے سفارت کی تمام گفتگو سے آگاہ کیا۔ فرخ شاہ نے آخر میں یہ بھی بتایا کہ ملک الصالح حمص اور حماہ لینے پر آمادہ ہوگیا تھا لیکن گمشتگین نے اسے سختی سے منع کیا اور خود دمشق کا مطالبہ پیش کردیا۔ گمشتگین دراصل امیر صلاح الدین سے بے حد خائف تھا۔ اسے اس بات کا خطرہ رہتا تھا کہ اگر ملک الصالح اور صلاح الدین میں میل ہوگیا تو ملک صالح جلد یا بعد میں امیر صلاح الدین کو شام کا وزیر اعظم بنادے گا اور اس صورت میں گمشتگین کے اقتدار کا خاتمہ ہوجانا ضروری تھا۔

بہر حال وزیر گمشتگین نے بظاہر اپنا اقتدار بچانے کی صورت پیدا کرلی تھی۔ اس لئے کہ صلاح الدین اور ملک الصالح کی صورت میں سب کچھ ہوسکتا تھا لیکن پھر ان دونوں میں لاگ یا میل جول کا کوئی امکان باقی نہ رہ جاتا تھا۔ گمشتگین اس کوشش میں لگا تھا کہ صلاح الدین کو ہر قیمت پر ملک شام سے نکال دیا جائے تاکہ ہر وقت کا یہ دھڑکا ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔

صلاح الدین نے فرخ شاہ کی تمام باتیں بڑی توجہ سے سنیں پھر اس نے کہا۔ "موت و زندگی اور فتح و شکست تو رب کعبہ کے ہاتھ میں ہیں لیکن گمشتگین جو چاہتا ہے اسے میں نہ

ہونے دوں گا۔ اگر میرا لشکر تباہ ہوا تو حلب و موصل کا مشترکہ بھی اس قابل نہ رہ جائے کہ پھر کسی لڑائی میں حصہ لے سکے۔ خدا کی قسم میرے فوجی دشمن کے ہر لشکری کو ایسا ز پہنچائیں گے وہ چلنے پھرنے کے بھی قابل نہ رہے گا۔"

"امیر معظم" فرخ شاہ نے کہا۔ "موصل سے لشکر آجانے کی وجہ سے گمشتگین ا ملک الصالح کا دماغ عرش پر پہنچ گیا ہے اور وہ سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔"

"ٹھیک ہے فرخ شاہ۔" صلاح الدین نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "کہ اگر گمشتگین جنگ چاہتا ہے تو ہم کب پیچھے ہٹ رہے ہیں جاؤ اور لشکر کو تیاریوں کا حکم سناؤ۔"

فرخ شاہ اور اس کے دستے نے اعلانچی کا فرض ادا کیا اور چند ہی لمحے میں پورے لشکر کو معلوم ہوگیا کہ جنگ ہونے والی ہے۔ پس انہوں نے وہاں سے اپنے خیمے اور ڈیرے اکھاڑے، اور امیر صلاح الدین کے ساتھ قردن حماہ کی طرف چلے۔ صلاح الدین کو شاید ہوگیا تھا یا اس نے اندازہ لگایا تھا کہ جنگ بہرصورت ہوگی اس لئے وہ چند دن پہلے دریا ارنت کی ایک گھاٹی کو منتخب کر آیا تھا۔ اپنے تمام لشکر کے ساتھ جس میں دمشق کے [...] شکن اور مصری فوج کے شمشیرزن موجود تھے اس گھاٹی میں پہنچ گئے۔ صلاح الدین نے [...] خیمے لگوائے اور دشمن کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بعض مورخوں نے یہ لکھا ہے کہ صلاح الدین کا سفیر موصل کے والی سیف الدین غازی کے پاس صلح کا پیام لے کر پہنچا تھا سیف الدین غازی نے وزیر اعظم مصر کو حکم دیا تھا کہ وہ شام کے تمام علاقے چھوڑ واپس مصر چلا جائے لیکن زیادہ امکان یہ ہے کہ موصل کا لشکر حلب پہنچ چکا تھا اس لئے شاہ بجائے موصل کے حلب گیا تھا۔ ایک تاریخی غلطی کی درستی فرمالیجئے۔ کسی پچھلی جگہ یہ لکھا گیا ہے کہ صلاح الدین پر حشیشن کے دو قاتلانہ حملے ہوئے لیکن دوسرے حملے کوئی سند نہیں ملتی۔ دوسرے حملے کی سند اور مفصل حالات بھی مل گئے ہیں جس کا آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

حلب اور موصل کے لشکر کی مجموعی تعداد صلاح الدین کے لشکر کی اگر دوگنی نہیں ڈیڑھ گنی ضرور تھی۔ شاید اسی طاقت کے بل بوتے پر گمشتگین نے صلح کے بجائے جنگ راستہ اختیار کیا تھا۔ بس مشترکہ لشکر صلاح الدین کی خیمہ گاہ تک پہنچ گیا اور اس سامنے صفیں درست کرنا شروع کردیں۔ صلاح الدین نے چونکہ اس پورے علاقہ کا مـ پہلے ہی کیا تھا اس لئے اس نے محل وقوع کے لحاظ سے اپنی فوجوں کی ترتیب بنائی تھی۔ جب 13 اپریل 1175ء کو حلب اور موصل کے مشترکہ لشکر نے طاقت کے زعم میں

صلاح الدین کے خلاف جنگ شروع کی تو پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت صلاح الدین کے لشکر کا ایک حصہ بظاہر پسپا ہوکر پیچھے کی طرف ہٹا۔ مشترکہ لشکر کے سپہ سالار زلقندار نے پسپا ہوتے ہوئے دشمن پر اور زیادہ دباؤ بڑھادیا اور اسے دور تک دھکیلتے چلے گئے۔

صلاح الدین کا پسپا ہوتا ہوا لشکر بظاہر شکست کھارہا تھا لیکن اصل میں وہ ایک تنگ نالے کے گرد اپنے نئے مورچے سنبھالنے کی کوشش میں تھا۔ چند گھنٹوں کی جنگ کے بعد حلب اور موصل کا لشکر گھاٹی کے ایک تنگ نالے میں اتر گیا۔ ٹھیک اسی وقت امیر صلاح الدین نے لشکر کو حکم دیا کہ وہ نالے میں اترنے والے دشمن لشکر کو گھیرلے۔ اس طرح تنگ نالے میں گھرے ہوئے لشکر کو صلاح الدین کے فوجیوں نے ٹکڑے کرکے رکھ دیا۔ وہ بھاگنا چاہتے تھے لیکن اب میں بھاگنے کا راستہ نہ ملتا تھا۔ ایک تو امیر صلاح الدین کا آزمودہ لشکر دوسری اس کی حکمت عملی کہ اس نے دشمن کو ایک تنگ نالے میں گھیر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے بری طرح شکست کھائی۔ صلاح الدین کے فوجیوں نے نہ صرف انہیں گھیر کے مارا بلکہ بھاگنے والوں کا حلب کے دروازے تک پیچھا کیا۔

اب گمشتگین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اسے حمص، حماہ اور بعلبک کے قلعے مفت مل رہے تھے لیکن اس نے کفران نعمت کیا اور اللہ کی اس کرم نوازی کو اپنے تکبر میں ٹھکرا دیا۔ حلب اور موصل کا لشکر منتشر ہوکر میدان سے بھاگا تھا۔ اس لئے وہ نصف کے قریب ہی حلب واپس آسکا۔ باقی نصف لشکر یا تو میدان جنگ میں امیر صلاح الدین کے لشکر کے ہاتھوں مارا گیا یا پھر جس کا منہ جدھر اٹھا ادھر بھاگ نکلا۔ اس بھاگے ہوئے لشکر کا حلب پہنچنا بھی مشکل تھا کیونکہ امیر صلاح الدین کا لشکر بھاگنے والوں کا پیچھا کرتا ہوا حلب پہنچ گیا اور اس نے حلب کا سختی سے محاصرہ کرلیا تھا۔

حلب کے عوام نے ایک بار ملک الصالح کی مدد کرکے اسے امیر صلاح الدین سے بچالیا لیکن اب وہ مدد کے لئے تیار نہ تھے۔ انہیں گمشتگین کے اقتدار سے بھی شکایت تھی کیونکہ وزیر موصوف ملک الصالح کے ساتھ تحقیر آمیز رویہ روا رکھتا تھا۔ بات بات پر اسے ڈانٹا اور قتل کرنے کی دھمکی دیتا تھا۔ یہ گمشتگین ہی تھا جس نے صلاح الدین سے جنگ کا [...] دیا تھا۔ صلاح الدین اور موصل کا سپہ سالار زلقندار دونوں ہی گمشتگین کے خلاف [...] تھے لیکن اب وہ خود محصور تھے۔ کچھ کر بھی نہ سکتے تھے۔ اس شکست کا یہ اثر ضرور [...] گمشتگین کا غرور خاک میں مل گیا اور اس نے ملک الصالح کی باتوں میں دلچسپی لینا [...] دی۔

حلب کے محاصرے کے تیسرے دن زلقندار نے ملک الصالح کے سامنے ایک جائزہ

پیش کیا۔ "شاہ معظم۔ آپ کے وزیر گمشتگین کی ضد اور غرور نے ہمیں یہ دن دکھایا ک
شکست کھا کر قلعہ میں بند ہوگئے ہیں۔ حلب اور موصل کا لشکر نصف سے زیادہ تباہ ہو
جو بچ بچا کر حلب پہنچا ہے اس کے حوصلے پست ہوگئے ہیں۔ حلب کے عوام آپ کا سا
دینے پر تیار نہیں۔ غنیمت ہے کہ امیر صلاح الدین نے ابھی صرف محاصرہ کیا ہے اگر ا
نے حملے شروع کردیئے تو عوام اور فوج میں بغاوت پیدا ہوسکتی ہے۔ کیا آپ کی نظر
حالات پر نہیں ہے؟"

ملک الصالح نے افسردگی سے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "میں سب دیکھ رہا ہوں
کچھ کرنا بھی چاہتا ہوں لیکن بے بس اور مجبور ہوں۔"

"شاہ آپ نہ بے بس ہیں اور نہ مجبور۔" زلقندار نے شاہ حلب کو حوصلہ دیا۔ "
حلب کے سربراہ ہیں۔ گمشتگین اگرچہ گورنر اور وزیر ہے لیکن ہے تو آپ کا خادم اور ن
آپ خود میں حوصلہ تو پیدا کیجئے۔ گمشتگین نے صلاح الدین کی پیش کش کو رد کرکے
سنگین غلطی کی ہے وہ اس پر یقیناً شرمندہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اسے اپنی غلطی کا اح
ہوگیا ہو۔"

"تم ہی بتاؤ سپہ سالار میں کیا کروں؟" غم وملال کی وجہ سے ملک الصالح کے منہ
الفاظ بھی نہ نکلتے تھے وہ بار بار ٹھنڈی سانسیں لیتا تھا۔

"آپ صرف اپنی مرضی کیجئے۔ حلب کا قلعہ کسی وقت بھی ہاتھ سے نکل سکتا ہے"
زلقندار نے گو اسے گمشتگین کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ "میں
کے ساتھ ہوں۔ اگر وہ سیدھی طرح نہ مانے گا تو میں اسے گرفتار کرلوں گا۔"

"تم یہ کرسکتے ہو سپہ سالار۔" ملک الصالح بڑے دکھ سے بولا۔ "لیکن گمشتگین
گرفتار کرنے سے حلب بچ تو نہ جائے گا۔ صلاح الدین آج کل میں قلعہ پر حملہ
کردے گا پھر ہم کیا کریں گے۔"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں شاہ معظم۔" زلقندار بولا۔ "قبل اس کے کہ قلعہ پر
شروع ہوں۔ ہمیں حلب بچانے کی کوشش کرنا چاہئے۔"

"مگر کس طرح؟" شاہ کی آواز لرز رہی تھی۔ "میں تو اس وقت سے ڈر رہا ہوں
مجھے گرفتار کرکے صلاح الدین کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اس سے پہلے میں خو
کرلوں گا۔"

"نہیں شاہ آپ ایسا نہیں کریں گے۔" زلقندار نے بڑے عزم سے کہا۔ "میں
مشورہ دیتا ہوں کہ آپ صلاح الدین سے فوراً صلح کی گفتگو شروع کردیجئے۔"

لیکن ــــ لیکن۔" شاہ اور کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی آواز بھرا گئی اور گلا رندھ گیا۔
آپ کے خیال میں صلح کی بات چیت کرنا کمزوری کی علامت اور شاہانہ وقار کی توہین
زلقندار نے شاہ کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھا۔ "یہ آپ کا وہم ہے شاہ معظم۔
لاح الدین جیسا طاقتور امیر ہمارے پاس صلح کی سفارت بھیج سکتا ہے تو حلب کی
ے صلح کی سفارت کیوں نہیں جاسکتی۔ میرا خیال ہے کہ صلاح الدین آپ سے براہ
کرانا نہیں چاہتا۔ وہ ضرور صلح پر آمادہ ہوجائے گا۔ آپ کوشش کرکے تو دیکھئے۔"
گمشتگین شاید اسے پسند نہ کرے۔" شاہ نے خیال ظاہر کیا۔
جہنم میں جھونکئے گمشتگین کو۔ وہ گڑبڑ کرے گا تو میں اسے گرفتار کرکے قید کردوں
لقندار کھل کے میدان میں آگیا۔ "مجھے اطلاع ملی ہے کہ صلاح الدین نے اپنے
علاقوں میں اعلان کرا دیا ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں سے آپ کا نام خارج کردیا
اگر آپ نے جلد صلح نہ کی تو آپ کو اور زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہے۔"
ز الدین زلقندار نے آخر شاہ ملک الصالح کو امیر صلاح الدین کے پاس سفارت
آمادہ کرلیا۔ پھر وہ دونوں گمشتگین کے پاس پہنچے۔ ان کے جانے سے پہلے زلقندار
ے اس کی فوجی دستوں نے اس علاقہ کو گھیرے میں لے لیا تھا جہاں گمشتگین مقیم
گمشتگین اس قدر خودسر اور مغرور تھا کہ وہ شاہ کو کبھی تعظیم نہیں پیش کرتا تھا لیکن
جب ملک الصالح، زلقندار کے ساتھ اس کے پاس پہنچا تو گمشتگین نے کھڑے ہو
دہ شاہ کو سلام پیش کیا۔
ہم صلاح الدین سے صلح کرنا چاہتے ہیں گمشتگین۔" شاہ نے بڑے وقار سے کہا۔
شاہ معظم۔ مختار کل ہیں۔ جو چاہیں کرسکتے ہیں۔" گمشتگین پہلے ہی حواس باختہ ہو رہا
انے چپ چاپ اپنی شکست تسلیم کرلی اور شاہ کے راستے سے ہٹ گیا۔
ہم امیر صلاح الدین کے پاس صلح کی بات چیت کے لئے ایک سفارت بھیجنا چاہتے
شاہ نے بغیر اسے مخاطب کئے جیسے خود سے کلام کیا۔
بہت مناسب خیال ہے شاہ معظم کا۔" گمشتگین نے اسی میں اپنی سلامتی دیکھی کہ وہ
ہربات پر "ہاں" کرتا رہے۔
اس سفارت پر ہم تمہیں مامور کرنا چاہتے ہیں؟" شاہ نے یہ اعلان کرکے گمشتگین کو

ما ـــ میں ـــ ـــ" گمشتگین نے بڑی مشکل سے تھوک نگلا۔ "شاہ کے حکم پر
سر ہے لیکن امیر صلاح الدین میرے بہت خلاف ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے دیکھ کر

انہیں غصہ آجائے اور صلح کی بات چیت میں کوئی رخنہ پڑ جائے۔"

"گھبراؤ نہیں گمشتگین۔" زلقندار کا انداز طنزیہ تھا۔ "صلاح الدین تمہیں
کرائے گا وہ ایک بہادر سردار اور حاکم ہے۔ ایک سفیر کو قتل کرا کے وہ اپنی شہرت
نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ بشر بہرم
ہے۔ اسے کسی وقت غصہ بھی آسکتا ہے۔ اس لئے میں شاہ سے درخواست کر
تمہارے بجائے وہ اس کام کے لئے کسی اور ذہین شخص کو نامزد فرمائیں۔"

"ٹھیک ہے ہم کسی اور کو بھیج دیں گے۔" شاہ ملک الصالح کو جیسے اپنی
احساس ہوگیا تھا۔ اس لئے وہ بڑی شان اور بڑے اطمینان سے گفتگو کر رہا
سفارت بہت جلد جانا چاہیے۔ ہمارا خیال ہے کہ کل کسی کو بھیج کر گفتگو
جائے؟"

موصل اور حلب کی متحدہ فوجوں نے اگرچہ میدان جنگ میں شکست کھائی
شکست شاہ ملک الصالح کے لئے فتح کا شاخسانہ بن گئی۔ وزیر گمشتگین کا منحوس
الصالح کے سر سے ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا اور شاہ نے سکھ اور اطمینان کا سانس
شدہ پروگرام کے مطابق دوسرے دن ایک رکنی سفارت صلاح الدین کے پاس بھیج
ہوتے ہی قلعہ پر سفید پرچم لہرا دیا گیا۔ جس کا مطلب تھا کہ قلعہ والے جنگ
امن کے خواہش مند ہیں۔ امیر صلاح الدین کو اطلاع دی گئی کہ قلعہ کے برج پر
اڑ رہا ہے۔ امیر صلاح الدین نے اپنے خیمے سے نکل کے سفید جھنڈے کو دلچسپی
اسی وقت قلعہ کا چھوٹا دروازہ کھلا۔ دروازے سے پہلے ایک شخص پھر
نکلا۔ وہ شخص گھوڑے پر سوار ہوا اور اس نے اپنے نیزے پر سفید کپڑا باندھ
بات کی علامت تھی کہ امن کا سفیر گفتگو کے لئے آرہا ہے۔ امیر صلاح
سرداروں کے ساتھ خیمے کی قطاروں سے آگے بڑھا اور اس نے خود آنے والے
کیا۔

"اے امن کے پیامبر تمہارا آنا مبارک ہو۔" امیر صلاح الدین نے اسے
کہا۔

"امیر صلاح الدین کو دمشق کی حکومت مبارک ہو۔" سفیر نے پہلے ہی جملے
الدین کو دمشق کا حاکم اور والی تسلیم کرنے کا اعلان کردیا۔

امیر صلاح الدین کا چہرہ سپاٹ تھا لیکن اس کے سردار ایک دوسرے کو
آنکھوں میں مبارک باد دے رہے تھے۔ امیر صلاح الدین نے پہلے سفیر سے

ر امیر صلاح الدین کے اس مشفقانہ رویہ سے بہت خوش ہوا۔ اسے امید بندھ
بات چیت ضرور کامیاب ہوگی۔

بات چیت امیر صلاح الدین کے خیمے میں شروع ہوئی۔ صلاح الدین کے علاوہ
ہی اس گفتگو میں شریک ہوئے۔ آغاز امیر صلاح الدین نے کیا۔

آقا زادے ملک الصالح کے مزاج کیسے ہیں؟"

۔ شاہ بخیریت ہیں اور آپ کو سلام بھیجا ہے۔" سفیر نے خوشدلی سے کہا۔

یں سلامت رکھے۔ میں ان کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟" امیر صلاح الدین
ں سے کہا۔

ظم کی خواہش ہے کہ آپ حلب کا محاصرہ ختم کر کے دمشق واپس تشریف لے
رنے وہ فرض ادا کیا جو اس کے سپرد کیا گیا تھا۔

ح الدین نے چند لمحے توقف کیا پھر کہا۔ "شاہ ملک الصالح نے کوئی شرط تو نہیں

ہیں۔" سفیر نے جواب دیا۔

کوئی خواہش نہیں سوائے اس کے آپ انہیں حلب کا حاکم اور بادشاہ تسلیم
نے یہ کہہ کر امیر کی طرف غور سے دیکھا۔

آقا زادے اس کے صلہ میں مجھے کیا عنایت فرمائیں گے؟" امیر صلاح الدین
سے کہا۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ جو بات طے ہونا ہے وہ اسی وقت اور اسی
طے پا جائے۔

ظم آپ کو دمشق کا والی تسلیم کرنے پر تیار ہیں۔" سفیر نے صاف لفظوں میں
دین کی دمشق کی بادشاہت کرنے کا اعلان کیا۔

بات کی اور وضاحت چاہیے سفیر۔" امیر صلاح الدین نے سنبھل کے کہا۔
ص حماۃ وغیرہ کے علاقے بزور شمشیر فتح کئے ہیں۔ ان کا قبضہ کسی دوسرے کو
لتا۔ شاہ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

لب آپ کو دمشق کے علاوہ شام کے تمام شمالی مفتوحہ علاقوں کا حاکم تسلیم کرتے
نے بے دھڑک کہہ دیا۔

لاح الدین کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ "تمہاری زبان
سفیر۔ میں الملک الصالح اسمٰعیل کو حلب کا بادشاہ تسلیم کرنے کا اعلان کرتا

سفیر نے بھی اعلان کیا۔۔ "میں شاہ حلب کی طرف سے امیر صلاح الدین اور دمشق کے تمام شمالی شامی علاقوں کا حاکم تسلیم کرتا ہوں۔"

"مبارک ۔۔۔ مبارک ۔۔۔" یہ دو آوازیں ان سرداروں کی تھیں الدین کے خیمے میں موجود تھے۔

امیر صلاح الدین نے اسی وقت محاصرہ اٹھانے کا اعلان کردیا اور سفیر کو احترام سے رخصت کیا۔ صلاح الدین کی طرف سے ملک الصالح اسمٰعیل کی نذ تحائف بھی بھیجے گئے۔ تحائف کے تھال کئی غلاموں کے سر پر رکھ کر انہیں کردیا گیا۔ سفیر غلاموں کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوا تو وہاں خوشی کے شادیا لوگ گلیوں اور بازاروں میں نکل آئے۔ ناچ گانے کی محفلیں جم گئیں۔ جنگ ہوئے بادل ہٹ گئے تھے۔ پھیکے اور افسردہ چہروں پر رونق آگئی تھی۔ قلعہ وا دیوانے ہوئے جارہے تھے۔

قلعہ کے باہر امیر صلاح الدین کا لشکر خیمے ڈیرے اکھاڑ رہا تھا۔ سامان جانوروں پر بار کیا جارہا تھا۔ لشکری بہت خوش تھے اس لئے نہیں کہ جنگ بلکہ اس لئے کہ امیر صلاح الدین دمشق کا حاکم یعنی بادشاہ بن گیا تھا۔ اس کے حماۃ، بعلبک، کفرتاب، بارین اور مقرہ تک کا علاقہ آگیا تھا۔ صلاح الدین کے کے وقت شاہ حلب ملک الصالح نے بھی رواداری کا مظاہرہ کیا۔ وہ اپنے تما اور عزیز الدین زلقندار کے ساتھ قلعہ سے نکل کے امیر صلاح الدین کے صلاح الدین نے اس کی پوری تعظیم کی۔ اس طرح دو دشمن دوست بن الدین کا لشکر حلب سے واپس ہوگیا۔

شام کی خانہ جنگی بظاہر ختم ہوگئی تھی۔ چنانچہ فرخ شاہ نے دمشق جا مانگی۔ اسے معلوم ہوگیا تھا کہ امیر صلاح الدین اب حماۃ جائے گا اور حماۃ رخ ہو اس کا کوئی علم نہ تھا۔ فرخ شاہ کو دراصل ارمغانہ کی یاد ستا رہی تھی حد تک تو کہا جاسکتا تھا کہ اسے ارمغانہ سے انسیت ہوئی جو اب محبت میں لیکن ارمغانہ کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی دیتی تھی لیکن حالات نے اسے پیس کے رکھ دیا تھا۔ اس کے شگفتہ اور شا اداسی چھائی رہتی تھی پھر جب فرخ شاہ نے اس سے مل کے بتایا کہ امیر صلاح اس کے باپ شمس الدین ابن مقدم کو معاف کردیا ہے اور اسے انعام د طلب کیا ہے تو اس کے چہرے کی رونق ایک بار پھر لوٹ آئی تھی۔ فرخ شاہ

تھی کہ جب تک اس کا باپ اسے نہ ملے اس وقت وہ اپنی سہیلی حارثہ کے گھر سے گیا اور نہ جائے۔

امیر سے اجازت لے کر فرخ شاہ سیدھا دمشق پہنچا۔ وہ رات کے وقت دمشق پہنچا تھا شاید وہ پہلے ارمغانہ کے پاس جاتا پھر کسی اور سے ملتا۔ رات اسے قلعہ میں گورنر کے پاس گزارنی پڑی۔ طغرگین نے اسے رات بھر سونے نہ دیا اور کرید کرید کے حماۃ، بعلبک اور حلب کے حالات دریافت کرتا رہا۔ فرخ شاہ لحاظ کے مارے کچھ نہ کہا اور اس کے سوالات کے خندہ پیشانی سے جواب دیتا رہا۔ اس طرح تین چوتھائی زیادہ رات گزر گئی جب کہیں طغرگین نے اس کی جان چھوڑی۔ فرخ شاہ کا تکلیف جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ وہ ایسا گھوڑے بیچ کے سویا کہ اس وقت تک اس کی آنکھ نہ کھلی جب سورج کی کرنوں نے اسے پسینے میں شرابور نہ کردیا۔

وہ جلدی جلدی نہایا دھویا پھر فوجی بیرک میں گیا۔ فرخ شاہ جب دمشق میں مقیم تھا تو اسی بیرک میں رہائش تھی اور اس کا مختصر سامان اب بھی وہیں رکھا تھا۔ اس نے تبدیل کیا پھر ارمغانہ کی طرف جانے کے لئے تیار ہوا۔ وہ بیرک سے نکلا تھا کہ گورنر کا خاص غلام اس کے پاس بھاگتا ہوا آیا۔

"امیرزادے آپ کہاں چلے گئے تھے۔ میں نے پورا محل چھان مارا۔؟" غلام مسلسل جارہا تھا۔

فرخ شاہ اس کی حالت دیکھ کر مسکرا دیا۔ "اب تو معلوم ہوگیا کہ میں کہاں تھا"

"جی ۔۔ وہ تو معلوم ہوگیا لیکن مجھے کیا پتہ تھا۔ جلدی تشریف لے چلئے۔ گورنر بہادر کا انتظار کر رہے ہیں۔" اور غلام گھوم کر چلنے لگا۔

"ذرا ٹھہرو۔۔" فرخ شاہ نے اسے روکا۔

غلام رک کر اس کے پاس واپس آگیا۔ فرخ شاہ بڑی الجھن میں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر گورنر کے پاس گیا تو وہ دو تین گھنٹوں سے پہلے اس کا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ ابھی وہ کوئی ترکیب بھی نہ پایا تھا کہ غلام گھبرائے لہجے میں بولا۔

"امیرزادے۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے۔ جلدی چلئے ورنہ گورنر میری ملازمت ختم کردیں گے۔"

"میں نہیں جاؤں گا ان کے پاس۔" فرخ شاہ نے جی کڑا کے صاف انکار کردیا۔

غلام کا حیرت سے منہ کھل گیا۔ "جی آپ نہیں جائیں گے۔ مگر کیوں؟؟"

"تم پوچھنے والے کون ہوتے ہو۔ میں تمہارا یا گورنر کا نوکر نہیں ہوں۔" فرخ شاہ

چڑچڑا ہو گیا تھا۔

"آپ غضب کرتے ہیں امیرزادے۔" غلام نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھ پر اور میرے بچوں پر ذرا بھی رحم نہیں آتا۔ آپ ایسے تو نہیں تھے۔ میں ... کہ آپ بہت رحمدل ہیں۔"

"جاؤ -- گورنر سے کہہ دو کہ فرخ شاہ چلا گیا۔" فرخ شاہ کو غصہ آ گیا۔ "... بچوں کو سولی پر تو نہیں چڑھوا دے گا۔"

"مگر امیرزادے۔ آپ یہاں موجود ہیں۔ پھر میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ آپ ... ہیں۔" ٹھیک ہے گورنر مجھے سولی پر نہیں چڑھائیں گے مگر ملازمت سے تو جواب ... گے۔ اس سے اچھا ہوتا کہ وہ سولی پر چڑھا دیتے۔ غلام نے رک رک کے التجا کی۔ "پھر جھوٹ بولنے کی میری عادت بھی نہیں ہے۔ آپ اگر مجھ پر ترس کھا کر چند ... لئے چلے چلیں تو میرے بچے آپ کو دعائیں دیں گے۔"

اب فرخ شاہ سے انکار نہ ہو سکا۔ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چلتا ہوا ... کمرے میں پہنچ گیا گورنر طغرگین کھانے کے کمرے میں تھا۔ وہ غلام کے ساتھ ... گیا۔ گورنر کھانے کے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ فرخ شاہ کو دیکھ کر تیزی سے اس ... بڑھا اور اس کا ایک بازو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"کمال کر دیا صاحبزادے ۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔" گورنر نے اس کے ... گرفت اور مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ "صبح سے ایک دانہ نہیں گیا منہ میں اور ... نہیں کہاں گھومتے پھر رہے ہو؟"

"میں نے آپ کا دانہ پانی بند تو نہیں کیا محترم گورنر ۔" فرخ شاہ چڑ گیا تھا ... پہلے کپڑے تبدیل کرنے گیا تھا کہ آپ اور آپ کے غلام نے پورا محل سر پر اٹھا ...

"دیکھو فرخ --" طغرگین پیار سے بولا -- "تم امیر صلاح الدین کے بھتیجے ... بھی کچھ لگتے ہو پھر تمہارے بغیر میں دانہ منہ میں کیسے ڈال سکتا تھا۔ سمجھ گئے نا ..."

"جی بالکل سمجھ گیا۔" فرخ شاہ کو دیر ہو جانے کا خیال بار بار ستا رہا تھا۔ "... دوست سے ملاقات کرنی ہے۔ آپ مجھے جلدی چھوڑ دیں گے نا۔"

"لو جی ۔ میں تمہیں چھوڑ کیسے دوں گا۔" گورنر نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ... بھی کوئی ذمہ داری ہے۔ خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو میں امیر کو کیا جواب دوں ..."

گورنر طغرگین ناشتے کے دوران فضول سی باتیں کرتا رہا۔ فرخ شاہ کو جا... تھی اس لئے وہ بھی ہاں ہاں کرتا رہا پھر درمیان ہی میں کھڑے ہوتے کہا۔

... ور نر بہادر ۔ مجھے بھی امیر کو جواب دینا ہے اس لئے آپ مجھے جانے دیجئے۔" فرخ ... یونہی کہہ دیا۔

... یر کا نام سن کر طغرگین نے بھی ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ "یہ بات تم نے مجھے پہلے ... نہیں بتائی۔ جاؤ جاؤ --- جلدی جاؤ ۔ امیر تم سے منٹ منٹ کا حساب لیں گے۔"

... رخ شاہ نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور محل سے نکل کے دم کے دم میں دمشق کے ... پہنچ گیا۔ بازار ابھی پوری طرح نہ کھلا تھا مگر بھیڑ بھاڑ ابھی سے شروع ہو گئی تھی۔ ... زار کے درمیان سے گلی حارثہ کے گھر کی طرف گھومتی تھی۔ وہ گلی میں داخل ہوا تو ... دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ پتہ نہیں ارمغانہ ملے گی کہ نہیں۔ کہیں حارثہ نے گھر ... لیا ہو۔ فرخ شاہ کو طرح طرح کے وسوسے ستا رہے تھے۔

... خیالات میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ حارثہ کے گھر سے چار گھر آگے نکل گیا۔ پھر ... خود ہی خیال آیا کہ شاید وہ راستہ بھول گیا ہے۔ اس نے کوئے یار کے ہر گھر کو ذہن ... ما لیا تھا مگر جس جگہ وہ پہنچا تھا وہاں کے گھر اور در و دیوار اسے اجنبی لگ رہے تھے۔ ... اسے دور پر ایک دو منزلہ مکان دکھائی پڑا۔ وہ مکان حارثہ کے مکان کی خاص نشانی ... اس سے تیسرا مکان حارثہ کا تھا جہاں ارمغانہ ٹھہری ہوئی تھی۔ فرخ شاہ واپس ہوا اور ... لوں میں حارثہ کے مکان پر پہنچ گیا۔

فرخ شاہ دروازے پر کھڑا تھا مگر اس کا دل تھا کہ جیسے سینے سے نکلا جا رہا تھا۔ کہیں ایسا ... جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے۔ اس کا ہاتھ کسی صورت دروازے کی زنجیر تک نہیں پہنچ ... ا۔ پھر قدرت نے اس کی خود مدد کی اور دروازہ خود بخود کھل گیا۔ فرخ شاہ نے چونک ... یکھا۔ دروازے کے اندر حارثہ کھڑی تھی۔ وہ بھی حیران نظروں سے فرخ شاہ کو دیکھ ... تھی۔

"کیا آپ -- آپ امیرزادے فرخ شاہ ہیں نا؟" حارثہ نے بے یقینی کے انداز میں ...

"ہاں حارثہ ۔ میں فرخ شاہ ہی ہوں -- وہ ---"

فرخ شاہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ حارثہ الٹے پیروں لوٹی اور پھر "ارمغانہ -- ارمغانہ" ... اندر کی طرف بھاگی۔

فرخ شاہ کا دل ٹھہر گیا۔ ارمغانہ گھر میں موجود تھی۔

چند لمحوں بعد حارثہ ہنستی ہوئی واپس آئی۔

"تشریف لایئے امیرزادے ۔" حارثہ نے اسے بے تکلفی سے اندر آنے کی دعوت

دی۔

فرخ شاہ اس وقت تک پوری طرح حواسوں پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے قدم
مکان کتنا بڑا تھا صرف دو کمرے یا کوٹھڑیاں۔ حارثہ کے والدین صحن میں بیٹھے تھے

"خالہ جان ۔ خالو جان السلام علیکم ۔۔" امیر زادے فرخ نے انہیں جھٹ
خالو بنا لیا حالانکہ پہلی ملاقات میں انہیں "بزرگ محترم" تک محدود رکھا تھا۔

"جیتے رہو بیٹے ۔۔" بڑی بی نے دعا دی۔

"خدا عمر دراز کرے اور مرتبے بڑھائے۔" خالو جان نے بھی دعا دی۔ "ادھر آ
پاس بیٹھو خالہ اٹھ کے کمرے میں چلی گئیں اور فرخ شاہ خالو کے سامنے چارپائی پ
بیٹھ گیا۔ حارثہ بھاگ کے دوسرے کمرے میں گھس گئی۔ فرخ شاہ نے اندازہ لگا
ارمغانہ بھی اسی کمرے میں ہے۔

خالو نے رسمی گفتگو شروع کردی۔ "بہت دنوں بعد آئے امیر زادے۔ خیریت ت
اس وقت کہاں سے آرہے ہو۔ شاید کسی دوسرے شہر گئے تھے۔ دمشق میں ہوتے ت
آتے۔"

بزرگ خالو نے ایک ساتھ بے شمار سوالات پوچھ ڈالے۔ فرخ شاہ گھبرا ہوا ان
دیکھ رہا تھا۔ اسے خالو کا صرف آخری سوال یاد رہ گیا۔ اسی کا جواب فرخ شاہ نے دیا

"جی ہاں۔ میں دمشق میں نہیں تھا ورنہ ضرور آتا۔" فرخ شاہ جواب دے کے
ہوگیا۔

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔ اچھا اتنے دن رہے کہاں؟" خالو پھر شروع ہوئے

فرخ شاہ کو یاد آیا کہ خالو نے ایک سوال یہ بھی کیا تھا۔ اس نے بتایا ۔۔ "
میں حمص، حماۃ ،علبک پھر حلب کے محاصرے میں مصروف رہا۔ پھر ایک بہت بڑ
ہوئی۔ اس جنگ میں زنگی خاندان کی پوری فوج ایک طرف تھی اور میرے امیر صلا
دوسری طرف تھے۔ یہ بڑی زبردست جنگ تھی لیکن ہمارے لشکر نے موصل اور حل
لشکروں کو کاٹ کے رکھ دیا ۔۔۔"

"اچھا ۔۔" خالو نے حیرانی کا اظہار کیا۔ "پھر تو امیر صلاح الدین کا پورا
قبضہ ہوگیا ہوگا۔

"بس یہی سمجھئے آپ ۔۔" فرخ شاہ بات کو مختصر کرنا چاہتا تھا۔ "اب ہمارے ا
اور تمام شمالی شامی علاقوں کے بادشاہ ہیں۔ وہ کسی کے ماتحت نہیں۔ ان کا کوئی آقا
فرخ شاہ باتیں کر رہا تھا مگر اس کی نظریں بار بار اس کمرے کی طرف اٹھ ر

حارثہ گئی تھی۔ اس وقت حارثہ اور ارمغانہ کمرے سے نکلیں۔

"بابا ۔۔ آپ اندر چلے جائیے۔ یہاں دھوپ آرہی ہے۔" حارثہ نے باپ کے قریب
پہنچ کے کہا۔

بزرگ خالو گفتگو ادھوری چھوڑ کے کمرے میں چلے گئے۔

حارثہ اور ارمغانہ، فرخ شاہ کے قریب کھڑی تھیں اور اس کا دل دھک دھک کر رہا
تھا۔ دل تو ارمغانہ کا بھی قابو میں نہ تھا مگر وہ حیا پتلی سر جھکائے خاموش نیچی نظریں کئے
ہوئے تھی۔

"امیر زادے ۔ کیا ارمغانہ کو بیٹھنے کے لئے نہیں کہے گا؟" حارثہ نے چہک کے کہا۔

"ہاں ۔۔۔ ہاں ۔۔۔ کیوں نہیں ۔۔۔ مگر حارثہ یہ گھر تو تمہارا ہے۔" فرخ شاہ بوکھلا
گیا تھا۔

"میں کب کہہ رہی ہوں کہ یہ آپ کا دولت کدہ ہے۔" حارثہ نے اسے اور بوکھلا
دیا۔

"بیٹھ جاؤ ارمغانہ ۔۔" اور فرخ شاہ چارپائی سے اٹھ کے کھڑا ہوگیا۔

ارمغانہ چارپائی پر ایک طرف بیٹھ گئی۔

"آپ بھی تشریف رکھیے امیر زادے ۔۔" حارثہ نے شوخی سے کہا اور ایک طرف
چل دی۔

"تم کہاں جارہی ہو حارثہ؟ ۔۔" ارمغانہ گھبرا گئی۔

"گھبراؤ نہیں ۔۔ امیر زادے کھا نہیں جائیں گے ۔۔" اور حارثہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔

فرخ نے ادھر ادھر دیکھ کے کہا۔ "تم گھبرا رہی ہو تو میں چلا جاؤں؟"

"نہیں نہیں ۔۔ میں بالکل نہیں گھبراتی ۔۔" ارمغانہ نے بڑے حوصلے سے کہا۔

"کچھ امیر المقدم کا پتہ چلا؟" فرخ شاہ نے بات شروع کی۔

"جی وہ آئے تھے میرے پاس۔" ارمغانہ نے بتایا۔

"اچھا ۔۔ کب آئے تھے ۔ کیا کہہ رہے تھے؟ فرخ شاہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کئی بار آچکے ہیں۔" ارمغانہ نے جواب دیا۔ "انہیں اپنی معافی کا علم ہوگیا لیکن وہ
امیر کے سامنے جاتے ڈرتے ہیں۔"

"ڈرتے کیوں ہیں۔ اعلان کے بعد تو انہیں بے خوف امیر کے سامنے پیش ہو جانا
چاہیے" فرخ شاہ نے بڑے جوش سے کہا۔ "میں انہیں اپنے ساتھ لے کے جاؤں گا۔ کہاں
ہیں وہ؟"

"وہ یہاں نہیں ٹھہرتے ہیں۔" ارمغانہ نے غم آلود لہجے میں کہا۔ "پتہ نہیں
گھر پڑے ہوئے ہیں۔" ارمغانہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"گھبراؤ نہیں ارمغانہ ---" فرخ شاہ نے تسلی دی۔ "مصیبت کے دن تو خ
ہیں۔ اب انہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ امیر انہیں کئی بار یاد کر چکے ہیں۔"

ارمغانہ کو کوئی اور بات سوجھ ہی نہ رہی تھی۔ فرخ شاہ نے بہت باتیں ب
تھیں لیکن ارمغانہ کے سامنے وہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ دونوں دیر تک خاموش بیٹھ
حارثہ آئی' اس نے دونوں کو خاموش دیکھا تو بگڑ گئی۔

"چپ کا روزہ رکھا ہے کیا دونوں نے -- امیر زادے آپ تو نے گھاٹ گھا
پیا ہے۔ کچھ بولئے نا۔"

"میں تو بول رہا ہوں مگر ارمغانہ خاموش ہیں۔" فرخ شاہ نے ساری بلا ارمغا
دی۔

"میں کب خاموش ہوں۔ ہر بات کا جواب دیا ہے میں نے۔ یہ خود ہی خاموش
تھے۔" ارمغانہ نے اپنا دفاع کیا۔

"اچھا اب زبان کھلی ہے تو چلتی رہنا چاہیے۔ میں جا رہی ہوں۔" اور حارثہ
ہو گئی۔

"بڑی شوخ ہے تمہاری سہیلی۔" فرخ شاہ نے بات شروع کی۔

"جی ہاں -- اس کی شوخ باتوں نے ہی مجھے زندہ رکھا ہے ورنہ میں تو غموں
کب کی مرچکی ہوتی ارمغانہ نے بھی جواب دینے میں دیر نہ کی۔

"کاش امیر المقدم سے ملاقات ہو گئی ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔" فرخ شاہ
موضوع شروع کر دیا۔

"میں ان کے آنے کی دعا ہی کر سکتی ہوں۔" ارمغانہ نے جواب دیا۔ "بابا ک
نے آدھا کر دیا ہے۔ ان کی صحت بہت گر گئی ہے۔"

ارمغانہ نے معلوم نہیں کتنے خلوص سے دعا کی تھی کہ اسی وقت درواز
ہوئی۔ حارثہ بھاگ کے دروازے پر پہنچ گئی۔

"کون ہے؟" حارثہ نے دروازے سے کان لگا دیئے۔

"حارثہ بیٹی -- میں ہوں تمہارا چچا شمس الدین --" باہر سے آواز آئی۔

"چچا شمس الدین آگئے۔" حارثہ نے وہیں سے آواز لگائی اور دروازہ کھول دیا
شمس الدین کی آواز سن کر فرخ شاہ اور ارمغانہ بھی دروازے کی طرف لپ

والدین بھی کمرے سے نکل کر دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ شمس الدین المقدم سر
ئے گھر میں داخل ہوئے۔ وہ واقعی بہت مضمحل تھے۔ فرخ شاہ نے انہیں صرف ایک بار
تھا اس حال میں دیکھ کے اسے افسوس ہوا۔ قسمت بگڑے تو سب کچھ بگڑ جاتا ہے۔

ارمغانہ بابا کہہ کر شمس الدین سے لپٹ گئی۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
ثہ کے والد نے انہیں سلام کیا۔ شمس الدین نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرخ شاہ نے
یں بڑے ادب سے سلام کیا۔

"میں امیر شمس الدین محمد ابن مقدم کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہوں۔"

شمس الدین المقدم نے سر اٹھا کر دھندلائی ہوئی نظروں سے فرخ شاہ کو دیکھا۔ "شاید
پ امیر زادے فرخ شاہ ہیں؟"

"جی۔ آپ نے درست فرمایا" فرخ شاہ نے جواب دیا۔

"امیر صلاح الدین آپ کے چچا ہیں؟" شمس الدین کی نحیف آواز میں ترشی آگئی تھی۔
اس ترشی کو سب ہی نے محسوس کیا۔ فرخ شاہ پریشان ہو گیا۔ "جی ہاں" سے آگے وہ
ہ اور نہ کہہ سکا۔

"امیر نے آپ کو میری گرفتاری پر مامور کیا ہے؟" شمس الدین ابن مقدم کے اس
ل میں تلوار کی کاٹ والا طنز پنہاں تھا۔

فرخ شاہ نے فوراً جواب دیا۔ "جی ہاں یہ درست ہے لیکن ----"

"میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔" شمس الدین ابن مقدم نے فرخ شاہ کو آگے نہ
لنے دیا۔

فرخ شاہ نے پھر وضاحت کرنا چاہی۔ "وہ حکم پرانا تھا اور اب ---"

"آپ مجھے گرفتار کر سکتے ہیں۔" المقدم نے دوبارہ قطع کلام کیا۔

فرخ شاہ پریشان ہو گیا۔ اس نے امداد طلب نظروں سے ارمغانہ کو دیکھا۔

"بابا ---" ارمغانہ نے دخل دیا۔ "آپ پرانا ذکر کیوں چھیڑتے ہیں۔ امیر معظم نے وہ
منسوخ کر کے نیا فرمان جاری کیا ہے۔"

"نئے حکم سے میرے گناہ تو نہیں دھل گئے۔ کیا کیا تکلیفیں اٹھائی ہیں میں نے روپوشی
کے دوران۔" امیر شمس الدین المقدم نے پرانی باتیں شروع کر دیں۔ "کبھی حلب میں تو
ی موصل میں۔ آج شام میں ہوں تو کل مصر پہنچا۔ زندگی کے اس لاش کو کیسے گھسیٹا ہے
انے۔ یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ کسی دوست نے مجھے پناہ نہیں دی۔ جو میرا کھاتے تھے
آنکھیں دکھانے لگے۔ دوسروں سے کیا شکایت خود اپنا خون اپنے خلاف ہو گیا۔---"

"بابا ۔ خدا کے لئے اس قصے کو نہ دہرایئے۔" ارمغانہ چیخ پڑی۔ "امیرزادے آپ کو لینے آئے ہیں امیر معظم صلاح الدین آپ کو کئی بار یاد کرچکے ہیں۔ ان کے ساتھ جایئے آپ۔"

"اب کہاں جاؤں بیٹی۔ زندگی اس قدر بوڑھی ہو گئی ہے کہ اس کا بوجھ مجھ سے نہیں اٹھتا۔" امیر شمس الدین المقدم کا لہجہ حد درجہ افسردہ اور مغموم ہو گیا تھا۔ وہ زندگی سے بیزار نظر آتے تھے۔

حارثہ کے بزرگ باپ جو اب تک بالکل خاموش تھے۔ انہوں نے المقدم کی باتیں سنیں تو جیسے انہیں اس بڑھاپے میں جلال آگیا۔ کڑک کے بولے۔

"امیر شمس الدین ۔ آپ کیا دیوانوں کی باتیں کر رہے ہیں۔ زندگی کبھی بوڑھی نہیں ہوتی۔ صدمات انسان کا دل بوڑھا کردیتے ہیں مگر یہ غبار صرف اس وقت تک رہتا ہے جب تک تقدیر پلٹا نہیں کھاتی۔ آپ نے جو کچھ بویا وہی کاٹا مگر اب اس کا ذکر بیکار ہے۔ حکومتوں اور اقتدار کے لئے تو یہ قول مشہور ہے کہ "تخت یا تختہ" آپ کو تخت نہ ملا مگر قدرت نے آپ کو تختہ سے بھی بچالیا۔ اب امیر صلاح الدین نے آپ کو معاف کیا ہے اور دربار میں طلب کیا ہے۔ جایئے اور دیکھیے کہ پردہ غیب سے کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔"

"تو تمہاری بھی یہی رائے ہے کہ دربار میں چلا جاؤں؟" شمس الدین المقدم کو ذرا حوصلہ ہوا۔

"ضرور جایئے امیر شمس الدین المقدم ۔۔" حارثہ کے والد نے کہا۔ "آپ نے تو دنیا ہی چھوڑ دی تھی ورنہ اگر آپ امیر صلاح الدین کے قدم بقدم جدوجہد پر غور کرتے تو اس نتیجے پر ضرور پہنچتے کہ آج کا یہ امیر کل کیا بن جائے گا۔ اس کا اندازہ کرنا ہی مشکل ہے۔ آپ کو نہ صرف اپنے لئے زندہ رہنا ہے بلکہ ابھی بیٹی ارمغانہ کے فرض سے بھی فارغ ہونا ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم ۔۔" شمس الدین ۔نے پہلی بار تائید کی۔ "لوگ دوسروں کے لئے بھی تو زندہ رہتے ہیں۔ میں اگر ارمغانہ کے لئے زندہ رہوں تو کوئی عجیب بات تو نہ ہوگی۔ رہا ارمغانہ کے فرض کی ادائیگی کا سوال تو اس کا حل میں نے پہلے ہی نکال لیا ہے۔"

"کیا کیا ۔" حارثہ کے باپ چونک کے بولے ۔ "آپ نے ارمغانہ کا رشتہ کہیں طے کرلیا ہے۔؟"

"صرف ارمغانہ کا نہیں۔ میں تو حارثہ کے لئے بھی لڑکا پسند کرلیا ہے۔" پھر شمس الدین المقدم میں اچانک جوانوں جیسی چستی آگئی۔ "میں امیر کے سامنے ضرور جاؤں گا اور اگر امیر نے مجھے کچھ دیا تو پھر تم دیکھو گے کہ میں ارمغانہ اور حارثہ کی شادی کس دھوم دھام سے کرتا ہوں۔"

فرخ شاہ اور ارمغانہ آنکھیں پھاڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ شمس الدین المقدم کیا کہہ رہے ہیں۔

سلطان
صلاح الدین الملک الناصر یوسف بن ایوب

1157ء کا سال صلاح الدین کے لئے اور زیادہ کامیابی اور شادمانی لایا
13 اپریل کو حلب اور موصل کے مشترکہ لشکر نے صلاح الدین پر حملہ کیا۔
صلاح الدین نے دریائے ارنت کی گھاٹی میں قرون حماہ پر مورچے لگائے تھے۔
مشترکہ لشکر کی کمان عزیزالدین زلقندار کے ہاتھ تھی جو شاہ موصل سیف غازی کا
بھائی تھا۔ یہ لشکر اپنی تعداد میں امیر صلاح الدین کے لشکر سے تعداد میں ڈیوڑھا
تھا لیکن اس لشکر میں دمشق اور قاہرہ سے آئے ہوئے تجربہ کار اور جنگ آزمودہ
سپاہی تھے جس نے تعداد کی کمی کو پورا کردیا تھا۔

صلاح الدین نے اپنی جنگی حکمت عملی سے متحدہ لشکر کو ایک تنگ نالے میں
بری طرح گھیر لیا پھر اس کے تجربہ کار لشکر نے متحدہ دشمن کے سپاہیوں کو کاٹ
کے رکھ دیا۔ صلاح الدین نے مفرور فوج کا حلب تک تعاقب کیا پھر شاہ حلب
ملک الصالح کے مشیر صلح پر مجبور ہوگئے اور طے یہ پایا کہ جو علاقہ جس کے پاس
ہے وہ اس کے قبضہ میں رہے گا۔

اس معاہدہ نے صلاح الدین کو ملک الصالح کی اطاعت اور فرمانبرداری
آزاد کردیا تھا۔ صلاح الدین نے حماۃ واپس پہنچ کر اپنی بادشاہی کا اعلان کرد
اس کے ساتھ ہی مصر اور شام کے مقبوضہ علاقوں میں الملک الصالح کے نام
خطبہ بند کردیا گیا۔ صلاح الدین نے مصری ٹکسال کو حکم بھیجا کہ اب مشترکہ
کے بجائے صرف اس کے نام کے سکے ڈھلوائے جائیں۔ صلاح الدین نے د
پر قبضہ کے بعد مصری ٹکسال سے دو سکے ڈھلوائے تھے ان پر ملک الصالح

لاح الدین دونوں کے نام مضروب تھے۔ اب جو نیا سکہ ڈھل کے آیا اس پر :۔
"الملک الناصر یوسف بن ایوب" لکھا گیا تھا۔ خیال رہے کہ صلاح الدین
سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام سے زیادہ مشہور ہوا لیکن اس کا اصل نام
لاح الدین یوسف تھا۔ "الناصر" اس کا لقب تھا ناصر کے معنی مددگار یا مدد کے
لئے تیار رہنے والا ہیں اور اس کا یہ لقب اس کی زندگی کی تمام جدوجہد اور
رنامون کا احاطہ کرتا ہے۔ صلاح الدین اسلام کی مدد کے لئے ہر وقت مستعد
تا تھا بلکہ اس کی زندگی کے آخری تقریباً" بیس سال تو خالص صلیبی جنگوں میں
زرے تھے۔

اس عرصہ میں صلاح الدین جو اب امیر صلاح الدین سے بادشاہ دمشق ہوگیا
اسے اپنے بھتیجے عزیزالدین فرخ شاہ کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی۔ فرخ
اس سے اجازت لے کر دمشق گیا ہوا تھا۔ وہ امیر شمس الدین المقدم اور
کی بیٹی ارمغانہ کو دمشق لانے کی تیاری کررہا تھا کہ صلاح الدین نے اسے
رز دمشق طغتگین کے ذریعہ فوراً" حماۃ پہنچنے کا حکم دیا۔ فرخ شاہ نے دل کا
لہ تو درمیان ہی میں چھوڑا اور شاہ دمشق کا حکم پاتے ہی حماۃ جانے کے لئے
ر ہوگیا۔

"ارمغانہ میں جلد ہی واپس آکے تم دونوں کو دمشق لے جاؤں گا۔" فرخ
نے اسے بتایا۔ "میرا خیال ہے کہ امیر ابن مقدم 'دمشق جانے میں کچھ تکلیف
سوس کررہے ہیں"۔ "میرا بھی یہی خیال ہے" ارمغانہ نے جواب دیا۔ "کاش
کچھ دن اور ٹھہر سکتے۔"

فرخ نے کہا۔ "شاید اس میں خدا کی مصلحت ہو۔ میں تو ان کی ہچکچاہٹ کی
نہیں سمجھ سکا۔ ممکن ہے کہ تمہیں کچھ بتائیں۔ بہر حال تم انہیں تیار کرنے
کوشش کرتی رہنا"

حارثہ نے آکر ایک اور خبر سنائی۔ "مجھے تو چچا امیر کی مرضی کچھ اور ہی
م ہوتی ہے" فرخ اور ارمغانہ چونک پڑے۔
"کچھ تو بتاؤ۔۔" ارمغانہ زیادہ پریشان نظر آرہی تھی۔
"وہ بابا سے باتیں کررہے تھے۔ کہتے تھے کہ وہ امیر زادے فرخ شاہ کا احسان
مں لینا چاہتے" حارثہ نے آہستہ سے کہا کیونکہ امیر شمس الدین المقدم اور
ۂ کے والد سامنے کی کوٹھری میں گفتگو کررہے تھے اور فرخ باہر جاتے جاتے

رک کر ارمغانہ سے گفتگو کرنے لگا تھا۔

"میں ان پر کیا احسان کررہا ہوں" فرخ شاہ نے جیسے خود سے سوال کیا۔

حارثہ نے ذرا تفصیل سے بتایا۔"چچا المقدم کا خیال ہے کہ آپ ان احسان کرکے ارمغانہ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں جبکہ انہوں نے ارمغانہ کے کسی اور کو پسند کرلیا ہے۔"

فرخ اور ارمغانہ کو پہلے ہی شبہ تھا امیر المقدم نے کچھ دن پہلے کہا تھا میں حارثہ اور ارمغانہ کی شادی بہت دھوم دھام سے کروں گا۔ اسی وقت دونوں چونک اٹھے تھے اور اب حارثہ نے صاف الفاظ میں انکے شک کو یقین بدل دیا تھا۔

"مگر میں تو ان پر کوئی احسان نہیں کررہا تھا" فرخ شاہ نے بے بسی کہا۔"مجھے پہلے امیر المقدم کی گرفتاری پر معمور کیا تھا اور اب میرے سپرد یہ ہے کہ انہیں شاہ دمشق کے سامنے پیش کروں تاکہ وہ اپنی خدمات کا صلہ حا کرسکیں۔ تمہارا کیا خیال ہے ارمغانہ؟"

"میرا خیال کس بارے میں؟" ارمغانہ پریشان ہوگئی۔

"یہی کہ میں نے ان پر پہلے نہ احسان کیا ہے اور نہ اب احسان ہوں۔" فرخ نے وضاحت کی۔

"بہر حال احسان تو آپ کا ہے ہم پر اس سے تو آپ انکار نہیں کر ارمغانہ نے جواب دیا۔

"رہا میری شادی کا مسئلہ تو اس کی میں ذمہ دار ہوں۔ اس میں اب کسی کے حکم کو تسلیم نہیں کروں گی۔"

"یعنی اگر تمہارے والد کہیں اور شادی کرنا چاہیں تو تم انکار کردوگی۔" نے فوراً سوال کیا۔

"اس کا جواب میں اس وقت نہیں دے سکتی۔" ارمغانہ نے مستقل سے جواب دیا۔ مگر یہ بات طے ہے کہ میری شادی۔ میری شادی ہے او میری مرضی سے ہوگی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ میں بابا کی مرضی کے بغیر نہیں کروں گی۔"

حارثہ نے سر جھٹک کے کہا۔ "عجیب بات ہے ایک طرف تم کہتی ہ شادی اپنی مرضی سے کرو گی اور دوسری طرف یہ شرط ہے کہ جب تک تمہا

نہیں شادی کی اجازت نہ دیں گے تم شادی نہیں کرو گی۔"

"بالکل یہی بات ہے۔ اس میں الجھن کیا ہے؟" ارمغانہ نے سوالیہ انداز کہا۔

"الجھن یہ ہے کہ اگر تمہیں تمہاری مرضی کی شادی کی اجازت نہیں دی تو کیا تم عمر بھر کنواری بیٹھی رہوگی؟"

"ہاں بھئی ایسا ہی ہوگا۔" ارمغانہ نے صاف الفاظ میں کہا۔ " اس سے پہلے نے مجھے دانیال کے ساتھ تعاون کرنے کو کہا تھا تو میں نے بڑے جبر کے ان کی بات مانی تھی لیکن جب انہوں نے کہا کہ دانیال کی کامیابی کی ت میں وہ میری شادی دانیال سے کردیں گے تو میں نے ان سے صاف الفاظ یں کہا تھا کہ میری شادی ۔ میری شادی ہے اور وہ میری مرضی سے ہوگی۔

حارثہ اور ارمغانہ کے باپ کمرے سے آنگن میں آگئے تھے فرخ نے اب ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور ارمغانہ پر ایک ایسی نگاہ ڈالی جس میں سینکڑوں ں کے ساتھ ایک دبی دبی التجا کی آمیزش بھی تھی۔

قرون حماہ پر صلاح الدین نے موصل اور حلب کی متحدہ فوجوں کو شکست دی شاید اسی وجہ سے انہوں نے حماہ کو اب اپنا عارضی مرکز بنالیا تھا وہ گھوم کر حماہ آجاتے۔ فرخ سیدھا ان کے پاس حماہ پہنچا۔ صلاح الدین کچھ جلدی تھے۔ انہوں نے حکم دیا۔

"تمہیں آج ہی بغداد جانا ہے۔ باقی ہدایات فقیہ عیسیٰ سے حاصل کرو" یہ دے کر صلاح الدین اپنے نائب سے پھر گفتگو میں مصروف ہوگئے۔

فرخ خاموشی سے خیمہ کے باہر آگیا پھر وہ فقیہ عیسیٰ ہکاری کے خیمہ پر ۔ مگر فقیہ عیسیٰ نے خیمہ بدل لیا تھا۔ ایک لشکری کے ساتھ وہ ان کے نئے پر گیا وہاں معلوم ہوا کہ فقیہ عیسیٰ شاہ دمشق صلاح الدین کے خیمہ پر گئے ئے ہیں۔ فرخ کو اک دم خیال آیا کہ اس نے فقیہ عیسیٰ کو صلاح الدین کے ں ہی دیکھا تھا۔ اسے اپنی بد حواسی پر افسوس ہوا۔

فرخ داخل ہونے والا تھا کہ سامنے سے فقیہ عیسیٰ آتے دکھائی دیئے۔ فرخ سے کھڑا ہوگیا۔

"میرے ساتھ آیئے امیر زادے" فقیہ عیسیٰ نے قریب پہنچ کے کہا۔

فرخ ان کے پیچھے خیمے میں داخل ہوا۔

"بیٹھیے۔ میں آپ کو تفصیل سے سمجھاتا ہوں۔" پھر فقیہ نے ایک بند لفا
اور ایک فہرست فرخ کی طرف بڑھائی۔ "یہ بند لفافہ خلیفۃ المسلمین ابو محمد حس
بن مستنجد الملقب بہ مستی بامر اللہ کے دربار میں پیش ہوکے بدست حاجب
خود خلیفہ بغداد کو دینا ہے۔"

امیر زادہ فرخ خلیفہ بغداد کا نام سن کر پریشان ہوگیا اس نے نام کو دہرا
اور یاد کرنے کی کوشش کی مگر قاصر رہا۔

فقیہ عیسیٰ نے اس کی پریشانی محسوس کرلی۔ انہوں نے دریافت کیا۔ "امیر
زادے آپ پریشان ہوگئے۔ کیا بغداد جانے سے گھبرا رہے ہیں۔"

"جی نہیں فقیہ محترم۔" امیر زادے فرخ فوراً بولا۔ "میں دراصل خلی
بغداد کا نام یاد نہ کرسکا۔ براہ کرم آپ ایک بار پھر ان کا نام لیجیے۔"

فقیہ عیسیٰ ہکاری کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ بولے۔ "میں نا
دہرائے دیتا ہوں لیکن آپ کو پریشان ہونے کی پرورت نہیں۔ پورا نام آپ
کہیں دہرانا نہیں پڑے گا۔ آپ انہیں صرف خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین
الفاظ سے مخاطب کرسکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کو یہ بتادوں کہ بغداد ہمار
دمشق اور قاہرہ سے کہیں بڑا شہر ہے۔ ایک زمانہ میں یہ شہر روئے زمین کا س
سے بڑا شہر تھا اور شہنشاہ روم کے خلیفہ کی بھی اس کے مقابلہ میں کوئی حقیق
نہ تھی۔ اس وقت اس کی رونق بہت کم ہوچکی ہے اور بغداد کے خلیفہ
حکومت صرف دارالخلافہ کے ارد گرد تک محدود ہوکر رہ گئی ہے۔ مگر بغداد کا خا
آج بھی عالم اسلام کا خلیفہ ہے۔ اور مسلمانوں کا کوئی بادشاہ اس وقت تک م
نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک بغداد کا خلیفہ اسے خلعت اور بادشاہی کا فرمان نہ جا
کردے۔ آپ کے بغداد جانے کا مقصد یہی ہے کہ آپ شاہ دمشق کی طرف
خلیفہ کے حضور پیش ہوکے اور خلعت و فرمان حاصل کیجیے۔"

بغداد کا نام آیا ہے تو اس کا مختصر احوال دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جہاں آج کل بغداد آباد ہے وہاں خاندان ساسانیاں
آخری دور میں ایک منڈی ہوا کرتی تھی جہاں مہینہ میں ایک بازار لگتا تھا۔ خ
اول حضرت ابو بکر صدیق کے عہد خلافت میں لشکر اسلام کے مشہور سپ
خالد بن ولید نے "انبار" پر دریائے دجلہ کے کنارے خیمے استادہ کئے تھے۔ ان
نے چند لشکریوں کے ساتھ اس منڈی کے موقعہ پر حملہ کیا تھا اور مال

رکے واپس ہوگئے تھے۔ اس کے بعد تاریخ میں بغداد کا ذکر عباسی خلیفہ
زمانے میں ملتا ہے۔

عباسی خلیفہ دوم ابو منصور دارالخلافت کے لئے موزوں جگہ کی
تے ہیں
را ہوا اس جگہ پہنچا۔ اس وقت یہاں پر عیسائیوں کے ایک فرقہ نسطوریا
ے گرجے تھے۔ راہبوں نے بتایا کہ دجلہ کی وہ تمام زمین جو اس دریا
راب ہوتی ہے اس میں یہ جگہ سب سے بہتر ہے۔ نہ یہاں ٹڈیوں کا حملہ
ہے اور نہ مچھر ہوتے ہیں۔ گرما میں راتیں سرد اور سرما میں خوشگوار ہوتی
غداد کی حیثیت اس وقت ایک گاؤں سے زیادہ نہ تھی۔ خلیفہ نے اس جگہ
کیا۔

ہماری پرانی کتابوں میں ایک پیشن گوئی لکھی ہوئی ہے کہ کسی زمانہ میں
ت اور دریائے دجلہ کے درمیان ایک شخص جس کا نام مقلاص ہوگا وہ
ہر آباد کرے گا۔"

"واللہ۔ مقلاص میں ہی ہوں"

پھر اس نے اظہار کیا کہ اسکی دایا اسے اس نام سے پکارتی تھی۔ دراصل
نام کا ایک مشہور قزاق تھا مگر منصور کا نام مقلاص اس وجہ سے پڑ گیا
ایک دن اس نے دایہ کا کاتا ہوا دھاگہ چرالیا اور اسے بیچ کر دوستوں کی دعوت
۔ دایہ کو جب منصور کی چوری کا پتہ لگا تو اسے محبت میں مقلاص کے نام
پکارنے لگ

مختصر یہ کہ خلیفہ جعفر منصور نے 125ء ہجری میں بغداد کی بنیاد رکھی اور
ء ہجری میں اس کی تکمیل ہوئی۔ تکمیل سے مطلب یہ ہے کہ سرکاری دفتر
آگئے۔ اس کے بعد عباسی خلیفہ نے اپنے مزاج کے مطابق اس شہر خوباں
منصور نے "مدینہ السلام" کا نام دیا تھا' میں اضافہ کیا اور نئے نئے قصر تعمیر
۔ ان تمام تعمیرات کی تفصیل تو نہیں دی جاسکی لیکن ان مشہور محلات کے نام
کی معلومات کے لئے درج کئے جاتے ہیں جو ایک زمانہ تک یاد گار رہے۔

پانچویں عباسی خلیفہ نے قصر جعفری تعمیر کرایا۔

ساتویں خلیفہ ہارون رشید نے قصر جعفری میں اضافہ کیا اور اس کا نام قصر
رکھ دیا۔ مامون رشید کی ملکہ بولان قصر حسنی میں رہتی تھی۔

سولھویں خلیفہ المعتمد کے عہد میں خلافت مشرقی بغداد میں منتقل ہوئی اور

خلیفہ نے تین قصر تعمیر کرائے جن کے نام قصر ثریا، قصر فردوس اور قصر تا

اٹھارویں خلیفہ المقتدر نے قصر الشجر اور دو چھوٹے قصر تعمیر کئے

تیئسویں خلیفہ ابوالقاسم المطیع ابن مقتدر نے قصر معزالدولہ، قصر طاؤ

مثمن اور قصر مربع تعمیر کرائے

اٹھائیسویں خلیفہ ابوالیاس المستظہر باللہ ابن مقتدی نے 427ھ 1075ع میں قصر ریحانین تعمیر کرایا۔ اسی قصر میں امیر زادہ فرخ، خلیفہ کے سامنے پیش ہوا تھا۔

اس کے بعد کوئی اور نیا قصر تعمیر نہیں ہوا سوائے ایک پرانے قصر ا 1170ع (529ھ) میں دجلہ کی طغیانی کی وجہ سے منہدم ہوگیا تھا جے مستفی نے از سر نو تعمیر کرایا۔

اگرچہ صلاح الدین ایوبی کا سلطنت عباسیہ سے براہ راست کوئی تعلق لیکن ایوبی خاندان نے عباسی خلافت کے دوران ہی ترقی حاصل کی پھر جب خاندان میں سلطانی کا پروانہ بھی عباسی خلیفہ کے دربار ہی سے جاری ہوا تھا لئے خلافت عباسیہ کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی یاد رکھنے کے قابل ہ قاری پسند کریں گے۔

پہلی بات تو یہ کہ عباسی خلافت کا آغاز 130ھ مطابق 747ع میں اس کا پہلا خلیفہ ابوالعباس عبداللہ بن محمد تھا مگر وہ اپنی سفاکی اور ظلم کی سے "سفاح" کے نام سے مشہور ہوا۔

دوسری بات یہ کہ اس خلافت نے بڑا عروج پایا۔ اسی خلافت کے خلیفہ ہارون رشید اور مامون رشید تھے لیکن نظام فطرت ہے کہ ہر کمال را ز اس لئے جب اس خلافت نے جادہ حق سے انحراف کیا اور لہو لعب میں ہوئی تو ان کا زوال ہوا اور 655ھ مطابق 1258ء میں بغداد کی اس خلافت کا خاتمہ منگول سردار ہلاکو خاں کے ہاتھوں ہوا۔ اس وقت عباسی معتصم باللہ تخت خلافت عباسیہ بغداد پر متمکن تھا جو اپنے وزیر ابن علقمی سازش کی وجہ سے منگول سردار ہلاکو خاں کے سامنے پیش ہوا اور اس کے ہلاک کردیا گیا۔

خلافت عباسیہ 747ء سے 1258ء تک قائم رہی تھی یہ درست ط پانچ سو گیارہ سال ہوتی ہے۔

بغداد کی تباہی کے بعد عباسی خلافت 1262ء میں از سر نو قاہرہ (مصر) میں ہوا اگرچہ یہ خلافت برائے نام ہی تھی پھر اس کے اٹھارہ خلیفہ برسراقتدار خلافت 1518ء تک قائم رہی۔ اس طرح یہ مدت خلافت دو سو چھپن بنتی ہے۔ مصر کی عباسی خلافت کا پہلا خلیفہ مستنصر باللہ اور آخری خلیفہ علی اللہ ثالث تھا۔

یہاں بغداد کے مشہور محلات کا حال "ضمناً" لکھا گیا ہے ورنہ دور عباسی کی زندگی سے قطع نظر اگر صرف بغداد، اس کے مختلف محلوں، بازاروں اور بازاروں کا تفصیلی حال لکھا جائے تو اس کے لئے ایک پوری کتاب کی ہوگی۔ اس سلسلہ میں ایک کتاب بعنوان "بغداد" مرتبہ خواجہ محمد عباداللہ بی اے امرتسری موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے اس کی پوری تفصیل ہوسکتی ہے۔

ہ عیسی ہکاری نے امیر زادے فرخ کو خوب اچھی طرح سمجھا بجھا کے تیار قیہ نے یہ بھی بتایا کہ خلیفہ بغداد اب برائے نام خلیفہ ہیں مگر ان کے اٹ پہلے ہی جیسے ہیں۔وہی لونڈی غلاموں اور خواجہ سراؤں کی فوج اور وہی محلات کی چمک دمک۔

فقیہ عیسی نے رازداری سے بتایا۔ "دیکھیے امیر زادے۔ خلیفہ بغداد کو ل اور ضعیف العقیدہ لوگ بت کی طرح پوجتے ہیں اور اس کے آستانہ پر رتے ہیں مگر خبردار رہے کہ آپ شاہ ملک شہنشاہ دمشق صلاح الدین یوسف ب کی نیابت کر رہے ہیں اس لئے نہ کسی بدعت کا شکار ہونے کی ت ہے اور نہ حاجب یا کسی عباسی وزیر کے رعب میں آئیے گا۔ ہمارے دنیاوی مرتبہ خلیفہ سے بہت بڑا ہے مگر خلیفہ ہمارے مذہبی پیشوا ہیں۔ ہمیں ان کا احترام لازم ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔"

میر زادہ فرخ نے فقیہ عیسی کے اطمینان کے لئے کہا۔ "آپ فکر نہ کیجئے محترم۔ میں نے اگرچہ شاہوں کے دربار نہیں دیکھے اور ان کے آداب سے ہوں لیکن بچپن میں ایک بار میں شاہ صلاح الدین کے ساتھ سلطان نور زنگی کے دربار میں گیا تھا۔ اس طرح میں نے اس دربار کی شان و شوکت رعب داب کا صرف ایک نظارہ دیکھا تھا۔ مجھے امید ہے کہ خلیفہ بغداد کا

دربار دمشق کے دربار سے زیادہ بڑا نہ ہوگا۔"

" اس کا اندازہ تو آپ کو بغداد جا کے ہی ہوگا۔" فقیہ عیسی نے جوا
"مگر یہ ضرور ہے کہ بغداد وہ جگہ ہے جس کے دیکھنے کی ہر شخص کے
آرزو ہوتی ہے۔"

"کیا آپ کا بھی بغداد جانے کو دل چاہتا ہے۔"

"کیوں نہیں امیر زادے فقیہ عیسی بولے۔" امیر زادے آپ خوش
ہیں کہ مدینہ السلام تشریف لئے جارہے ہیں۔ باسلامت روی و باز آئی (
سے جائے اور سلامتی سے واپس آیئے)

امیر زادے فرخ کو خلیفہ بغداد کے نام خط اور سامان کی ایک فہرست
تھی یہ سامان جو خلیفہ بغداد کو نذرانہ کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ ایک
قیمت جواہرات کا ہار۔ ایک زمرد کی تسبیح اور ایک کلام پاک رکھ کے پڑ
لئے ریل تھی۔ سونے کی بنی تھی اور اس میں ہیرے جڑے ہوئے تھ
سامان ایک صندوقچی میں رکھا تھا جسے زربفت کے کامدار غلاف میں لپیٹا
خلیفہ بغداد کو اگرچہ ہیرے جواہرات کی کوئی ضرورت نہ تھی اس لئے بغدا
خزانے میں منوں کے وزن سے ہیرے جواہرات بھرے تھے پھر بھی ہر با
خلیفہ سے اپنے لئے بادشاہت کا پروانہ حاصل کرتا وہ نذرانہ کے طور پر
کچھ چیزیں بھیجا کرتا تھا۔

فقیہ عیسی ہکاری نے امیر زادہ فرخ کو اپنے ساتھ پچاس سوار لے جا
اجازت دی تھی لیکن امیر زادہ اپنے ساتھ صرف دس سوار لے کر عازم
ہوا۔

بغداد میں مستفی بامر اللہ عباسی کا دور خلافت تھا۔ یہ خلیفہ طبعت کا
اور بڑا انصاف پسند تھا لیکن جن حالات میں اسے خلافت ملی تھی اس کا ذ
دردناک ہے۔ بات یہ ہوئی کہ مستفی کا والد مستجد کے زمانہ میں ابوجعفر
ملدی وزیر سلطنت تھی۔ مستجد اس کی بڑی قدر کرتا تھا لیکن دربار خلافت
دو امیر علاؤ الدین اور قطب الدین وزیر کے سخت خلاف تھے اور اسے راستے
ہٹانا چاہتے تھے۔

وزیر سلطنت ابوجعفر ملدی کو دونوں امراء کی سازش کا علم ہو گیا۔ اس
خلیفہ مستجد سے دونوں امیروں کی شکات کی۔ خلیفہ نے وزیر سلطنت کو حکم دیا

ں امرا کو گرفتار کرلیا جائے مگر وزیر سلطنت ابوجعفر ملدی کی قسمت خراب
خلیفہ مستجد اچانک بیمار ہوگیا اور بیمار بھی اتنا کہ بستر سے لگ گیا اس سے
امراء کی گرفتاری کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔

ادھر علاؤ الدین اور قطب الدین کو اطلاع مل گئی کہ خلیفہ نے وزیر سلطنت
کو ان کی گرفتاری کا حکم دیا ہے۔ ان دونوں نے خلیفہ کے قتل کی سازش
اور اس سازش میں خلیفہ کا طبیب بھی شامل ہو گیا۔ سازش کے تحت شاہی
خلیفہ کے پاس حاضر ہوا۔ خلیفہ چلنے پھرنے کے بھی قابل نہ تھا مگر طبیب
نے غسل کا مشورہ دیا۔ خلیفہ بستر سے اتر بھی نہیں سکتا تھا لیکن طبیب
الدین اور قطب الدین کی مدد سے خلیفہ کو حمام میں لے گیا اور دونوں
ں نے اس حمام میں بند کردیا جہاں وہ دم گھٹ جانے کی وجہ سے مرگیا۔

خلیفہ کے مرتے ہی دونوں امیر خلیفہ مستجد کے بیٹے الحسن کے پاس پہنچے۔
انہیں دیکھ کے گھبرا گیا۔ کیونکہ وہ دونوں خلافت کے ستون سمجھے جاتے
مگر انہوں نے گفتگو شروع کی تو ان کا انداز بڑا دوستانہ تھا۔

عضدالدولہ نے مستفی کو ادب سے سلام کرنے کے بعد کہا۔ الحسن آپ ولی
ہیں پھر خلیفہ کو سمجھاتے کیوں نہیں کہ وزیر سلطنت ابوجعفر معقول آدمی
اس لئے اسے برخاست کردیا جائے۔

"الحسن نے سہمے لہجے میں کہا۔" معزز امیر۔ میں تو ولی عہد بھی نہیں ہوں پھر
پ کیسے توقع کرسکتے ہیں کہ خلیفہ معظم میری بات مان لیں گے؟"

"نہیں الحسن آپ ولی عہد ہیں۔ ہم آپ کو ولی عہد سمجھتے ہیں اور جسے ہم
عہد سمجھتے ہیں وہی خلیفہ ہوگا۔" علاؤ الدین نے امیر زادے سے کہا۔

الحسن بڑا ذہین تھا وہ سمجھ گیا کہ ان دونوں کی مخالفت مہنگی ثابت ہوگی اس
اس نے طے کرلیا کہ وہ ان کسی بات کی مخالفت نہیں کرے گا۔

"پھر الحسن نے کیا سوچا۔؟" یہ سوال قطب الدین قائماز نے کیا جس کا لہجہ
سخت تھا کہ الحسن مستفی گھبرا کے کھڑا ہوگیا۔

الحسن نے لرزتے ہوئے کہا۔ "آپ دونوں جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں
"

"ہم چاہتے ہیں کہ آپ علاؤ الدین کو ابوجعفر کی جگہ وزیر مقرر کریں اور
یعنی قطب الدین قائماز کو سپہ سالار کے عہدے پر فائز کردیں۔" یہ کہتے

ہوئے قائماز کا ہاتھ قبضہ شمشیر پر پہنچ گیا۔

"بالکل۔ بالکل ایسا ہی ہوگا۔ جو آپ چاہتے ہیں میں ویسا ہی کروں گا

"قائماز کا ہاتھ شمشیر پر دیکھ کر الحسن کو پسینے چھوٹ رہے تھے۔

"ہوگا نہیں بلکہ آپ ابھی اعلان کیجئے۔" قطب الدین کی تلوار نصف سے
زیادہ نیام سے باہر آگئی تھی۔

"ہاں --- ہاں میں نے اعلان کردیا۔" الحسن کا گلا خشک ہونے لگا۔

"اس طرح نہیں۔" قطب الدین قائماز نے الحسن کی طرف بڑھتے ہوئے کہا
یوں کہیے کہ میں ابو محمد حسن بن مستجد اعلان کرتا ہوں کہ امیر علاؤ الدین
میرے وزیر اور امیر قطب الدین قائماز سپہ سالار کے عہدے پر فائز کئے گئے
ہیں۔"

الحسن گھبرا گیا۔

"مگر دیکھیے نا --" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "میرے اعلان کرنے سے کیا
ہوگا جب کہ ---"

"سب کچھ ہوگا---" اور قائماز کی تلوار نیام سے نکل کے بلند ہوگئی۔

الحسن نے فوراً اعلان کیا۔

محمد ابو محمد حسن امیر علاؤ الدین کو وزیر اور امیر قطب الدین قائماز کو سپہ
سالار مقرر کیا۔

بس اب آپ اپنا دایاں ہاتھ بڑھایئے۔ قائماز نے حکم دیا۔

ابو محمد حسن نے سحر زدہ انسان کی طرح ہاتھ آگے کر دیا۔

"میں ابو محمد حسن بن مستجد کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتا ہوں۔" پہلے
قطب الدین قائماز نے بیعت کی۔

اس کے بعد علاؤالدین نے بیعت کر کے ابو محمد حسن کی خلافت کی تصدیق
کردی۔

ابو محمد حسن کی یہ کیفیت تھی کہ وہ منہ کھولے کھڑا تھا اور کبھی علاؤ الدین
اور قطب الدین کی طرف نہ دیکھتا تھا۔

"دربار میں تشریف لے چلیے امیرالمومنین۔ خلیفہ مستجد کا انتقال ہو چکا ہے
دوسرے امراء آپکے دربار میں بیعت کے لئے حاضر ہیں۔" علاؤ الدین نے مسکراتے
ہوئے کہا۔

ر حسن کی سمجھ میں یہ معمہ اب آیا۔ پہلے دونوں امیروں نے اپنا اپنا عہدہ
پھر ابو محمد حسن کو بغداد کا خلیفہ بنا دیا۔ ابو محمد حسن، مستنی بامراللہ کے
ء خلیفہ ہوا۔ یہ عباسی خلافت کا تیتسواں خلیفہ تھا۔ یہ واقعہ ۵۶۲ ہجری کا

جس وقت امیرزادہ فرخ بغداد میں داخل ہوا تو ابو محمد حسن المستقی خلیفہ
خلافت کی باگ دوڑ امیر علاؤ الدین اور امیر قطب الدین قائماز کے ہاتھ
جو بالترتیب خلیفہ کے وزیر اور سپہ سالار بن چکے تھے۔ ان دونوں امیروں
پہلے وزیر ابو جعفر بن ملدی سے پرخاش تھی اس لئے انہوں نے ابوجعفر
کے بہانہ قصر ریحانن میں بلا کر قتل کردیا تھا اور لاش دجلہ میں پھنکوا

زادہ فرخ کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ بغداد، دمشق ہی جیسا شہر ہوگا۔
اور خوبصورت شہر کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ بغداد دریائے دجلہ کے
ف آباد تھا۔ امیر زادہ فرخ اپنے سواروں کے ساتھ فصیل شہر میں داخل
ت و چوبند محافظوں میں سے ایک سوار اس کے قریب آیا۔ امیر زادہ
آگے تھا۔ اس لئے سوار نے اسے مخاطب کیا۔

بتہ المنصور اور شہروں کے سرتاج بغداد میں آپ کا آنا مبارک ہو۔ میں
سلطین امیرالمومنین ابو محمد حسن مسنی بامراللہ کی طرف سے آپ کو خوش
تا ہوں۔

علم و ادب، دولت و ثروت کے گہوارہ اور تہذیب و تمدن کے مرکز کے
ں کو سلام پیش کرتا ہوں۔"

نے پہلے جیسے مہذب انداز میں سوال کیا۔

ل فصیل شہر کے صدر دروازہ کا ایک ادنی خادم ہوں اور میرے فرائض
اخل ہے کہ مسافروں اور خصوصاً آپ جیسے صاحب علم غیر ملکیوں کے
عام کا انتظام کروں اور دفتری اندراج کے لئے یہ دریافت کروں کہ معزز
ال سے تشریف لائے ہیں اور اگر ناگوار نہ ہو اور وہ بتانا بھی پسند کریں
وں کہ ان کے اس شہر میں قدم رنجہ فرمانے کا کیا مقصد ہے۔"

زادے نے جواب دیا۔

چہ مجھے سوائے شاہی محل کے عمال یا حریم خلافت کے قابل احترام

صاحب کے کسی اور کو اپنی شناخت کرانے کا حکم نہیں لیکن یہ محسوس ک
ہوئے کہ مجھ سے سوال کرنے والا سلطنت اور خلافت کا ایک ذمہ دار رکن
اس لئے میں اپنا تعارف کراتا ہوں۔"

"بسم اللہ ۔۔ محترم مہمان۔" سوار نے بات آگے بڑھائی۔

امیر زادے عزیز الدین نے کہنا شروع کیا۔

"میرا خیال ہے کہ دولت بغداد کے معزز رکن دمشق اور ملک شام
ضرور واقف ہوں گے۔ میں اس ملک اور اس شہر سے آرہا ہوں۔ مجھے ملک
اور ملک مصر کے بادشاہ اعلیٰ حضرت صلاح الدین ایوبی نے حکم دیا ہے کہ
بغداد پہنچ کر امیرالمومنین کے حضور اپنے شاہ کی طرف سے نذر عقیدت
کروں۔"

"سبحان اللہ زہے نصیب۔" یہ کہتے ہوئے سوار گھوڑے سے اتر کر قدر
ہوا اور اس نے امیر زادہ فرخ کو فوجی سلام پیش کیا۔ پھر بولا۔

"اے عالی مقام مہمان۔ میں بڑے ادب سے اپنی گستاخی کی معافی چاہتا
کہ میں نے آپ کو اپنے سوالات کے جواب دینے کی زحمت دی۔ میری
جرات نہیں کہ آپ سے کسی قسم کی گفتگو یا سوال و جواب کروں۔ براہ کر
اجازت دیجئے کہ میں آپ کی اس مقام تک رہنمائی کروں جہاں تشریف ۔
آپ کا مقصد ہے۔"

"اے تمیز دار محافظ۔ ہم تمہارے شکرگزار ہوں گے اگر تم امیرالمومنین
پہنچنے میں ہماری رہنمائی کرو گے۔"

امیر زادہ فرخ کی بات ختم ہوتے ہی محافظ سوار اپنے گھوڑے پر سوار
مہمانوں کے آگے آگے چلنے لگا۔

بغداد کیا عجب شہر تھا۔ نہایت خوشنما' صاف ستھرا' فصیل شہر کے اند
گہری خندق تھی جو شفاف پانی سے بھری تھی۔ اس خندق پر جگہ جگہ
پڑے تھے۔ ان میں رسے اور زنجیریں لگی تھیں اور جب ضرورت ہوتی
کھینچ کے پل کو خندق سے الگ کردیا جاتا۔ خندق کے دوسری جانب ایک
فصیل تھی جو پہلے ہی جیسی مضبوط اور اونچی تھی۔ اس فصیل کے بڑے د
سے یہ لوگ اندر داخل ہوتے۔ وہاں بے شمار خوبصورت اور عالیشان محلا
جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے۔ درمیان میں باغات تھے۔ ان باغا

ر پھولدار درخت تھے جن کی ہریالی دیکھ کر آنکھوں میں تراوت آجاتی تھی۔
ب یہ لوگ اس عظیم الشان محل کے پاس پہنچے تو امیر زادہ فرخ کو گمان ہوا
خلیفہ بغداد کا محل ہے۔ اس نے سوار سے دریافت کیا۔

ے برادر۔ کیا ہم منزل مقصود سے قریب ہیں؟"

قدرے مسکرایا بولا۔

حمل فرمائیے اور بغداد کی سیر کرتے چلئے۔"

یر زادہ پر بغداد کا پہلے ہی رعب پڑ چکا تھا۔ اب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا
یفہ وقت کا محل واقعی بہت بڑا ہوگا۔ محل کی قطاروں سے گزر کر وہ ایک
میں پہنچے۔ اس میدان کے چاروں طرف دکانیں تھیں۔ دکانوں کی ترتیب
رح تھی اگر پارچہ جات کی دکانیں شروع ہوتیں تو ان کے درمیان کوئی اور
نہ آتی۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ ختم ہوتا اور دوسری سامان کی دکانوں کا
شروع ہوجاتا۔ میدان کے درمیان میں ایک باغ تھا۔ محافظ سوار نے بتایا کہ
باغ میں ایک باغ وحش (چڑیا خانہ) ہے جس میں پرندوں کے علاوہ ملک
کے جانور اور درندے موجود ہیں۔

یرزادے نے سوال کرنے کا سلسلہ بند کردیا تھا اور شاید محافظ سردار نے یہ
اری ازخود اختیار کرلی تھی۔ وہ جب کسی چیز کی وضاحت محسوس کرتا تو خود
نے لگتا۔ اس طرح وہ آگے بڑھتے رہے اور محافظ انہیں بغداد کی عجیب و
چیزوں کی تفصیل بتاتا رہا۔ وہ سب اب تک تین فصیلیں پار کرچکے تھے جس
سے ہر فصیل قلعہ کی فصیل سے کسی طرح کم نہ تھی۔ فصیلوں کے درمیان
بڑے عالیشان محلات کی قطاریں تھیں۔ بعض محل تو اس قدر خوبصورت
ان پر آنکھ نہ ٹھہرتی تھی۔ امیر زادہ اور اس کے ساتھ آنے والے یہ
ہے تھے کہ جب یہ محلات باہر سے اس قدر خوبصورت ہیں تو ان کی
آرائش کا کیا حال ہوگا۔

ن کے گھوڑوں کی رفتار کم تھی مگر ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد بھی وہ اب
ر خلافت پر نہیں پہنچ سکے۔ پھر جب وہ ایک فصیل کے قریب پہنچے تو محافظ
اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عزز مہمان۔ ہم حریم تک آپہنچے ہیں۔"

یر زادے فرخ نے گھبرا کے سامنے کی طرف دیکھا مگر اسے سوائے فصیل

کے کچھ اور دکھائی نہ دیا اس نے دریافت کیا۔

"شاید ہم حریم خلافت کے قریب پہنچ گئے ہیں؟"

"جی نہیں معزز مہمان ـ" محافظ نے جواب دیا۔ "ہم حریم خلافت سے ا
دوڑ ہیں لیکن اس فصیل نما دیوار کا نام بھی "حریم" ہے۔ ہم بغداد والے ہمی
اس فصیل یا دیوار کو کہتے ہیں جو خلفاء عباسی کے محلات اور مقبروں کا اح
کرتی ہے۔ آپ ابھی دیکھیں گے کہ حریم کے اندر صرف محلات اور مقابر
نہیں بلکہ وہاں ایک پورا شہر آباد ہے اور یہ شہر ہی اصل میں بغداد کا دل ہے۔

اس حریم یا فصیل میں ایک بہت عظیم دروازہ تھا شاید اس وجہ سے اس
اندر شاہی محلات تھے۔ اس دروازے سے گزر کر جب یہ لوگ اندر پہنچے تو ا
زادہ فرخ کا یہ خیال درست نکلا حریم کے اندر ایک سے ایک خوبصورت اور
شان محل تھا۔ ہر محل کے سامنے یا تو میدان تھا یا ایک بڑا باغ تھا۔

محل سب سے پہلے تعمیر ہوا اس کا نام قصر جعفری تھا۔ اس کی بنیاد پانچ
خلیفہ ہارون رشید مجددی کے زمانہ میں رکھی گئی۔ الف لیلیٰ کی تمام کہانیاں
خلیفہ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ پھر تو یہاں ہر خلیفہ نے قصر بنانے شروع کر
مگر یہ محلات عام طور سے خشت خام سے تیار کئے جاتے تھے اور یہ مٹی ا
صدی بعد عام طور پر اس مٹیل میں مل جاتی تھی جس سے یہ اینٹیں بنائی
تھیں۔

محافظ کے اس عالی شان قصر کی سیڑھیوں کے پاس گھوڑا روکا۔ وہاں چاق
چوبند باوردی سوار اور پیادے پہرہ دے رہے تھے۔ امیر زادہ فرخ نے اطمینان
سانس لیا کہ چلو قصر ختم ہوا اور وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔

احتیاط کے طور پر امیر زادہ نے اپنے راہبر سے دریافت کیا۔ "میرا خیال
کہ ہم قصر خلافت کے بہت قریب ہیں؟"

راہبر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ یقیناً" قصر خلافت کے قریب
امیر المومنین خلیفہ سے اب بھی آپ بہت دور ہیں۔"

"کتنا وقت لگ جاتا ہے خلیفہ سے ملاقات میں؟" امیر زادہ اور پریشان ہو
"ایک ہفتہ ــــ ایک ہفتہ یا پھر ایک سال۔" راہبر نے جواب دیا۔
عرصے کے گزر جانے کے باوجود میں کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ا
دربار خلافت میں طلب کیا جائے گا۔"

یہ کہہ کر محل کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

امیر زادے نے اسے آواز دے کر روکا۔ "تم کب واپس آؤ گے۔ کب تک
را انتظار کریں؟"

"آپ یہیں ٹھہریے میں ابھی واپس آتا ہوں۔" اور وہ بھاگ بھاگ کے
یاں طے کرنے لگا۔

امیر زادہ فرخ کو وہاں کھڑا ہونا بہت شاق گزر رہا تھا۔ ہر راہگیر انہیں
ن نظروں سے گھورتا ہوا نکلتا تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ محافظ سردار
ہی واپس آکر بولا۔ "آپ میرے ساتھ چلئے میرا کام یہیں تک تھا آگے آپ
وسرے لوگ لے جائیں گے۔"

"مگر ہمارے گھوڑوں کا کیا بنے گا؟" امیرزادہ فرخ نے پوچھا۔

راہبر نے پیچھے گھوم کے دیکھا۔ اس کی پشت پر ایک درجن سے زیادہ غلام
باندھے کھڑے تھے۔

راہبر بولا۔ "گھوڑے یہ سنبھالیں گے آپ لوگ بے فکر ہو کے میرے ساتھ
"

امیر زادہ فرخ اور اس کے ساتھی سوار محافظ رہبر کے ساتھ چلنے لگے۔ ابھی
ڑھیاں چڑھ کے اوپر ہی پہنچے تھے ایک شخص بھاگتا ہوا محافظ رہبر کے پاس

ں نے پھولی سانسوں میں کہا۔ "جلدی چلو۔ دمشق کے سفیر کی طلبی ہو گئی

ہاں ہاں ـ میں نے اندر اطلاع دی تھی شاہ مصر و شام کا سفیر آیا ہے۔
پہنچتے ہی اندر سے غلام خاص آگیا۔ سفیر کا انتظار کیا جارہا ہے۔

افظ نے امیر زادے فرخ کی طرف دیکھا۔ "مبارک ہو۔ آپ کی فوراً طلبی
ورنہ یہاں تو لوگ مہینوں پڑے انتظار کرتے رہتے ہیں۔"

ان میں سفیر کون ہے۔" آنے والے نے امیر زادے کی طرف دیکھ کے
ے سوال کیا۔

ہی سفیر ہیں۔" اور محافظ نے امیر زادہ کا ہاتھ پکڑ کر اس آدمی کے ہاتھ
یا۔ "اب یہ آپ کے سپرد ہیں۔ میں بری الذمہ ہوں۔"
ٹھیک ہے تم جاسکتے ہو۔" اس نے محافظ کو رخصت کردیا۔

"آپ کو اندر طلب کیا گیا ہے۔ غلام خاص آپ کو لے جانے کے میرے دفتر میں بیٹھا ہے۔" آنے والے نے کہا۔ آپ کے ساتھی میرے دفتر بیٹھیں گے۔ صرف آپ اندر تشریف لے جائیں گے۔"

"مگر آپ --- آپ کی تعریف؟" امیر زادہ فرخ نے متانت سے کہا۔

"میں استقبالیہ افسر ہوں۔ آپ سے مل کے بہت خوشی ہوئی۔" اس لجاجت سے کہا۔

"مگر مجھے اس وقت خوشی ہوگی جب آپ مجھے اندر بھجوا دیں گے۔" امیر نے خوشدلی سے کہا۔

"ضرور ضرور ---- آپ ابھی اندر جائیں گے۔ بے فکر رہیے ہم آپ خادم ہیں۔"

استقبالیہ افسر سب کو اپنے دفتر میں لے گیا۔ وہاں ایک زریں کمر غلام تھا۔ وہ استقبالیہ افسر کو دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا سفیر تشریف لے آئے؟" غلام نے پوچھا۔

"ہاں آگئے ہیں۔ وہ سفیر صاحب ہیں۔" افسر استقبالیہ نے فرخ کی طرف کیا۔

غلام نے آگے بڑھ کے امیر زادہ فرخ کو ادب سے سلام کیا۔ "آپ ساتھ تشریف لے چلیے۔ اندر آپ کو یاد کیا گیا ہے۔"

فرخ نے سلام کا جواب دیا اور اس زریں کمر غلام کے ساتھ ہولیا۔

یہ قصر اندر سے بہت بڑا تھا۔ امیر زادہ ایک راہداری میں داخل ہوا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ محل میں بے شمار کمرے تھے او راہداری کے علاوہ دوسری راہداریاں بھی تھیں۔ پھر اس کے اندر وائیں ایک باغ شروع ہوگیا۔ خوبصورت کیاریاں اور راستوں کے کنارے پھولوں طرح قطاریں تھیں جیسے گل فروشوں نے دکانیں لگائی ہوں۔

یہ سب کچھ تھا۔ وسیع و عریض، طویل راہداریاں، باغ اور روشیں م زادہ کچھ حیران حیران تھا۔ آخر وہ زریں کمر غلام سے سوال کر ہی بیٹھا۔

"کیوں بھائی۔۔ کیا خلیفہ بہت سادگی پسند ہیں؟"

غلام اس کی آواز یا سوال پر رک کے کھڑا ہوگیا۔ اس نے ادب سے

"سفیر محترم نے یہ اندازہ کس بات سے لگایا؟"

م نے اس سے الٹا سوال کردیا وہ پریشان ہوگیا۔ اس نے جواب دیا۔
ئی ۔۔ یہ عالیشان محل، لمبی لمبی راہداریاں، بڑے بڑے دالان، باغ، سب اس محل میں لیکن لونڈی غلاموں کا کوئی پتہ نہیں۔ میں دمشق کے سلطان دیکھا کیا شان ہے اس کی۔ جگہ جگہ چوکی پہرہ ۔ کہیں غلام چپ چاپ کھڑے ہیں تو کہیں متحرک جیسے گشت پر ہوں مگر تمہارے خلیفہ کے محل رونق نہیں۔ کوئی شان نہیں۔ باہر سے آنے والوں پر کیا اثر پڑتا ہوگا انی کا؟"

ین کر غلام بڑی دلچسپی یا حیرانی سے امیر زادہ کا منہ دیکھ رہا۔ امیر زادہ کا م ہوا تو غلام نے کہا۔

پ مجھے بڑی زبردست غلط فہمی میں مبتلا نظر آتے ہیں؟"

رزادے نے جواب دیا۔ "کیوں بھائی۔ کیا میں نے کوئی بات غلط کہی؟"

ھا پہلے آپ یہ فرمایئے کہ آپ نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ یہ محل، قصر ہے؟ غلام نے مسکراتے ہوئے مگر کچھ طنزیہ انداز میں امیر زادے سے ا۔

م کے سوال پر جیسے امیر زادے کی آنکھوں پر سے پردہ اٹھ گیا۔ پہلے غلام کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہے پھر یہ سوال کہ کس نے بتایا ہے کہ قصر ہے۔ امیر زادہ واقعی غلط فہمی میں مبتلا تھا اور اس نے اس کا برملا کیا۔

نے ٹھیک کہا بھائی۔ میں واقعی غلطی سے اسے قصر خلافت سمجھ بیٹھا تھا۔ کیا بات ہے ناں؟"

پ بہت ذہین ہیں سفیر محترم"

م نے جواب دیا پھر خود ہی تفصیل بتانے لگا۔" یہ محل دراصل امیر کے وزیراعظم امیر علاؤالدین کا ہے۔ میرے آقا امیر علاؤالدین بغداد کے ے زیادہ عقلمند آدمی ہیں۔ بڑے رعب دار اور ٹھاٹ باٹ کے مالک ہیں۔ ا سے مل کے ضرور خوش ہوں گے۔"

کن مجھے وزیراعظم کے سامنے کیوں پیش کیا جارہا ہے جبکہ میں اپنے شاہ مصر کا نامہ امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین کے نام لایا ہوں اور مجھے انہی نور پیش ہونا ہے؟"

"قابل احترام سفیر۔" غلام نے ادب سے جواب دیا۔ "بڑے لوگوں کی با
بڑی ہوتی ہیں۔ وزیراعظم نے مجھے حکم دیا کہ محترم سفیر کو احترام کے ر
آؤ۔ میں آپ کے پاس حاضر ہوگیا۔ اب رہا یہ سوال کہ آپ کو کس
ہے اور کس کے حضور پیش ہونا ہے۔ یہ آپ وزیراعظم سے دریافت
حکم ہو تو میں آگے بڑھوں۔"

امیر زادے نے غلام کو گھور کے دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ "قاضی کے
چوہے سیانے" یہ غلام اپنے آقا سے بھی تیز معلوم ہوتا ہے اس
خوبصورتی سے بات ٹال دی تھی۔

"چلو مجھے جلد وزیراعظم کے سامنے پیش کرو۔" یہ کہہ کر امیر زادہ
ساتھ چلنے لگا۔

آگے بڑھے تو راہداریوں میں کچھ لوگ چلتے پھرتے نظر پڑے۔ وہ
بڑھتے گئے اسی اعتبار سے راہداریوں میں لوگوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔
کہ غلام ایک کمرے کے سامنے رک گیا۔ اس کمرے پر چار نیزہ برداز
پہرہ تھا اور سوائے دائیں جانب کی راہداریوں کے اس کمرے کے آس
آدمی نہ تھا۔

غلام امیر زادہ کو باہر کھڑا کر کے کمرے میں چلا گیا۔ پھر فوراً ہی
اور امیر زادے کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ امیر زادے نے اندر داخل ہ
کہ ایک ادھیڑ عمر کا شخص فائلوں میں سرجھکائے ہوئے ہے۔ یہ کمرہ نواد
بجا ہوا تھا اور وزیراعظم کے عہدے کے مطابق اسے آراستہ کیا گیا تھا۔

"السلام علیکم ---" امیر زادے فرخ نے مسلمانوں کی طرح سلام کیا

"بیٹھ جاؤ ---" سلام کا جواب دینے کے بجائے وزیراعظم نے اسے
لئے کہا۔

امیر زادہ جوان تھا اور جوانی کا خون اس کی رگوں میں دوڑ رہا
خلیفہ کے وزیراعظم کی یہ تمکنت جو اس کے خیال میں نخوت تھی پسنا
وہ چڑچڑایا بیٹھا تھا کہ وزیر نے سوال کردیا۔

"شاہ دمشق نے تمہیں کیوں بھیجا ہے؟"

سوال بڑا کھردرا سا تھا امیر زادہ فرخ پہلے ہی چڑا ہوا تھا۔ اس
کھردرا سا جواب دیا۔

شاہ دمشق نے مجھے امیرالمومنین کے حضور پیش ہونے کا حکم دیا ہے۔"
لیکن شاہ دمشق نے پیغام کیا بھیجا ہے؟" وزیراعظم نے پہلی مرتبہ سر اٹھا
ر زادے کو دیکھا۔
قابل احترام وزیراعظم ---" امیر زادہ فرخ سنبھل کے بولا۔ " میرے آقا
اح الدین یوسف بن نجم الدین ایوب صرف دمشق کے بادشاہ ہی نہیں بلکہ
قبضہ اقتدار میں مصر جیسا عظیم ملک بھی ہے۔"
یراعظم نے ٹیڑھی نظروں سے امیر زادے کو دیکھا۔
ام کیا ہے تمہارا؟"
ام امیر زادہ عزیز الدین فرخ شاہ نورالدولہ شاہان شاہ۔ خاندانی امیر ہوں شاہ
د مصر اعلیٰ حضرت صلاح الدین یوسف میرے سگے چچا ہیں۔" فرخ شاہ نے
تمکنت سے اپنا تعارف کرایا۔
ایک بادشاہ کے بھتیجے ہونے پر بہت غرور ہے؟" وزیراعظم نے جل کے کہا۔
خ شاہ نے فوراً" جواب دیا۔
ر نہیں فخر ہے۔ شاہ صلاح الدین یوسف کا غلام بھی اپنے اوپر فخر کرتا
امیر زادے فرخ شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
اچھا چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ تمہارے شاہ نے کیا پیغام بھیجا ہے۔"
م سیدھا بیٹھ گیا۔
پیغام ایک بند لفافہ ہے اور وہ لفافہ خلیفہ محترم و معظم کے نام ہے۔" فرخ
پورے وقار سے گفتگو کر رہا تھا۔
وہ لفافہ پیش کرو۔" وزیراعظم کا انداز تحکمانہ ہوگیا تھا۔
مجھے لفافہ امیرالمومنین کو پیش کرنے کا حکم ہے۔" فرخ شاہ اکڑ گیا۔
مگر یہاں میرا حکم چلتا ہے۔ میں وزیراعظم ہوں میرے حکم کے بغیر تم خلیفہ
ے ملاقات نہیں کرسکتے۔" وزیراعظم نے رعب ڈالا۔
اگر امیرالمومنین سے ملاقات نہیں ہوسکتی تو کوئی بات نہیں۔ میں دمشق کا
جاتا ہوں۔ واپس چلا جاؤں گا مگر وہ امانت جو مجھے امیرالمومنین خلیفہ بغداد کو
کرنا ہے اسے کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں دیا جاسکتا۔"
میر زادہ فرخ شاہ نے اتنی مستقل مزاجی سے جواب دیا کہ وزیراعظم بغداد
رہ گیا۔ پھر جب امیر زادہ نے اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے دمشق واپس جانے کی اجازت دی جائے۔"

تو وزیراعظم بغداد کا حیرانی سے منہ کھل گیا۔ اس وقت دربار خلافت
ہی مرد آہن تھے۔ ایک وزیراعظم علاؤ الدین اور دوسرا سپہ سالار قطب
قایماز۔ ان دونوں کے سامنے بغداد کے عوام تو ایک طرف رہے کوئی امیر
نہیں مارسکتا تھا۔ امیر زادہ فرخ شاہ کے کھرے کھرے جوابوں سے وزیر
منہ پھر گیا۔

آخر نرم پڑتے ہوئے کہا۔

"دمشق کے جوان بہت تیز طبیعت ہوتے ہیں۔"

"عالی مقام وزیراعظم ---" امیر زادہ فرخ شاہ نے بھی نرم لہجہ اختیا
میں دمشق واپس جارہا ہوں اگر کوئی بات ناگوار گزری ہو تو معاف کردیجئے گا

"کہاں جارہے ہو؟" وزیراعظم علاؤ الدین اپنی جگہ سے اٹھ کے فرخ شا
پاس آگیا۔

"اب تم میرے ساتھ امیر المومنین کے پاس چلو گے" یہ کہہ کے وز
نے فرخ شاہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لئے ہوئے راہداری میں آگیا۔

علاؤ الدین بڑا مغرور تھا۔ بڑے بڑوں کو منہ نہ لگاتا مگر امیر زادہ فر
نے اسے ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ اس کا دماغ ٹھکانے آگیا۔ باہر ان دو
جس نے دیکھا حیران رہ گیا۔ دوسری طرف راہداری میں جو لوگ کھڑے
وزیراعظم سے ملاقات کے لئے دور دور سے آئے تھے۔ ان کو آئے ہوئے کم
کئی دن ہوگئے تھے ان کی اب تک طلبی نہیں ہوئی تھی۔

وزیراعظم کے ساتھ چلتے ہوئے امیر زادہ کو محسوس ہوا وہ واقعی محلا
راہداریوں اور راستوں سے گزر رہا ہے۔ وزیراعظم کا محل اگرچہ طویل و
تھا مگر اس میں زیادہ سجاوٹ نہ تھی مگر فرخ شاہ جن راستوں سے گزر ر
وہاں سے اسے اپنے دونوں طرف محلات ہی محلات دکھائی دے رہے تھے
سے ایک عالیشان ایک سے ایک خوبصورت محل۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے
زمین سے اگتے ہیں اسی طرح یہ محلات بھی اس زمین پر اگ آئے تھے۔

"کیا قصر خلافت ابھی دور ہے؟" امیر زادہ فرخ شاہ نے چلتے چلتے پوچھا۔

"ہم قصر خلافت کے سامنے ہیں۔" وزیراعظم علاؤ الدین نے قدم روک
کہا۔ "بتاؤ کہ قصر خلافت کونسا ہے؟"

زادہ نے رک کر اپنے سامنے اور دائیں بائیں دیکھا۔ دو قصر سامنے۔ دو
اور دو ہی بائیں جانب تھے۔ اس نے ایک لمحہ سوچ کے کہا۔
امنے کے دونوں قصر باقی محلوں سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ میرا خیال ہے کہ
کے دونوں قصروں میں سے ایک قصر، قصر خلافت ہے۔
ذہین بھی ہو نوجوان --" علاؤ الدین نے اس کی ذہانت کی داد دی۔
کے دونوں قصر امیرالمومنین کے ہیں۔ ایک قصر میں وہ دربار لگاتے ہیں
میں حرم سردار شاہی خواب گاہ ہے۔"

مستنی قصر دارالریحانین میں رہتا تھا۔ عباسیوں کو حکومت لئے چار سو
زیادہ ہو چکے تھے۔ اس دوران انہوں نے بڑے عالیشان محلات تعمیر کئے
ن کے ساتھ ساتھ وہ منہدم اور معدوم ہوتے گئے۔ قصر دارالریحانین کو
لیفہ مستظہر نے تعمیر کرایا تھا۔ اس نے سوق الریحانین کا اکثر حصہ اور دار
اور دار سیدہ کو مسمار کراکے اس کی جگہ قصر دارالریحانین بنوایا تھا۔ اس
میدان تین سو گز مربع تھا۔ وسط میں ایک باغ تھا۔ قصر میں تیس سے
شاہ کمرے تھے۔ دربار میں خاتون بھی ایک قصر تھا یہ باب ثوبیہ کے متصل
اس قصر میں شہزادی فاطمہ رہا کرتی تھی جو ملک شاہ سلجوقی کی پوتی اور خلیفہ
کی بیوی تھی۔

زادی فاطمہ کا نکاح خلیفہ مقتفی کے ساتھ ۱۱۳۹ء (۵۳۴ ہجری) میں ہوا تھا۔
فاطمہ کی علمی قابلیت کی مورخین بہت تعریف کرتے ہیں۔ شہزادی کا انتقال
گاہ خاتون میں ۱۱۴۷ء (۵۴۳ ہجری) میں ہوا تھا۔

ارالریحانین کی تعمیر کے پچاس سال بعد مستظہر کے پوتے مستنجد باللہ نے
میں اسی قصر میں ایک جھروکہ (جسے منظر کہتے تھے) بنوایا تھا۔ عباسی خلیفہ
محلات سے بہت کم باہر نکلتے تھے۔ عوام کے اصرار پر وہ ہفتہ میں ایک بار
جھروکہ میں بیٹھ جاتے اور عوام اس جھروکہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے
کا دیدار کرتے تھے۔ دیدار کا بس نام ہی تھا۔ اتنی دور اور بلندی سے کیا
دکھائی دیتا ہوگا۔ عوام کو صرف جھروکہ نظر آتا تھا جسے دیکھ کر وہ تصور
ے تھے کہ انہوں نے خلیفہ کا دیدار کیا ہے۔

وزیراعظم کے اچانک قصر خلافت پہنچنے سے قصر کے پہریداروں کو کنیزوں
ل میں کھلبلی مچ گئی کیونکہ وزیراعظم ہی دراصل سلطنت عباسیہ کا مالک تھا۔

خلیفہ تو بس برائے نام ہوتے ۔ ان کے صرف دو کام تھے۔ پہلا کام بادشاہوں
شاہی سند روانہ کرنا۔ ہر نیا بادشاہ اس وقت تک مستند نہیں مانا جاتا تھا جب
اس عباسی خلیفہ بادشاہی سند نہ بھجوائے۔ دوسرا کام مذہبی تھا۔

جب کوئی بڑا عالم ۔ مفتی یا فقیہ بغداد میں آتا اس سے خلیفہ کی طرف
وعظ کی دعوت دی جاتی۔ واعظ اس جھروکے کے نیچے میدان میں وعظ دیتا
خلیفہ اس جھروکے میں بیٹھ کے وعظ سنتا تھا۔ ایسے موقعہ پر خلیفہ کی بیگمات
لڑکے لڑکیاں بھی خلیفہ کے ساتھ وعظ سننے میں شریک ہوتے۔ ان کے لئے
کی راہداری میں چلمنیں ڈال دی جاتی تھیں۔ عام سننے والوں کے لئے میدان
فرش بچھایا جاتا تھا اور عوام کے داخلہ کے لئے قصر کا ایک دروازہ کھول دیا
تھا۔

خلیفہ مستنفی اگرچہ دیندار آدمی تھا لیکن اس کے دور خلافت میں وعظ کی
ایسی محفل کا ذکر نہیں ملتا لیکن اس کے بیٹے ناصر الدین اللہ کے زمانہ میں
عظیم الشان محفل وعظ منعقد ہوئی تھی اس وعظ میں ابن جبر خود موجود تھا
نے تو اس کی تفصیل لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔۔۔

"باب بدر کے قریب خلیفہ کے محل کے اندر ایک میدان میں شیخ جمال ا
ابی الفضل بن علی الجوازی کی مجلس وعظ منعقد ہوئی۔ مجلس کے ایک طرف
ناصر الدین اللہ ان کی والدہ' بیٹیاں' بیٹے اور دیگر رشتہ دار جھروکوں میں
وعظ سن رہے تھے اور دوسری طرف مخلوق کے واسطے ایک دروازہ کھول دیا
پورے میدان میں فرش بچھا ہوا تھا۔ ابن جبیر نے اس مجلس کی تاریخ ۱۵ ماہ
۵۸۱ ہجری لکھی ہے۔

وزیراعظم بغداد کو خلیفہ بغداد سے ملاقات کے لئے اجازت لینے کی ضرورت
تھی وہ جس وقت چاہیے خلیفہ کے پاس چلے جاتے انہیں روکنے کی کسی
اجازت نہ تھی۔ مگر وزیراعظم کو آتے دیکھ کر چند غلام اور کنیزیں بھاگ کے
کے پاس پہنچیں اور انہیں وزیراعظم علاؤ الدین کے آنے کی خبر کی۔ خلیفہ
اپنی محفل اسی وقت برخاست کردی۔ خلیفہ وزیراعظم کی بہت قدر کرتے اور
بھی کرتے تھے۔

وزیراعظم امیر زادہ فرخ شاہ کو ساتھ لئے ہوئے سیدھے خلیفہ مستنفی کے
پہنچے۔ وزیراعظم نے قدرے خم ہو کر خلیفہ کو سلام پیش کیا۔ امیر زادے نے

قلید میں سلام کیا۔ خلیفہ نے اپنا دایاں ہاتھ وزیراعظم کی طرف لمبا
وزیراعظم علاؤ الدین نے خلیفہ کے ہاتھ کو آنکھوں سے لگا کر بوسہ دیا امیر
خ شاہ نے وزیراعظم کی پیروی کی۔

اعظم علاؤالدین نے بڑے فخر کے ساتھ کہا۔ "میں امیرالمومنین کے حضور
ں کو بڑے فخر کے ساتھ پیش کر رہا ہوں جس کی آمد کا دربار خلافت
دن سے انتظار ہو رہا تھا۔"

ؤ الدین ---" خلیفہ نے امیر زادہ فرخ شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
ہمارا اشارہ اس جوان کی طرف ہے۔"

امیرالمومنین کے اندازے کی داد دیتا ہوں۔" علاؤ الدین نے خوشامدانہ
کہا۔

جوان کا لباس چغلی کھا رہا ہے کہ بغدادی نہیں۔؟" خلیفہ کا انداز سوالیہ

ؤ الدین نے جواب دیا۔ "جی ہاں امیرالمومنین صرف یہی نہیں کہ یہ کسی
ملک سے آیا ہے بلکہ اس شخص نے بغداد کو آج پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔"

جلدی بتاؤ یہ کون ہے۔ ہمارے صبر کا امتحان نہ لو علاؤ الدین؟" خلیفہ بے
کیا تھا۔

امیرالمومنین یہ جوان شاہ مصر جو اب شاہ دمشق بھی ہیں یعنی شاہ صلاح
یوسف ایوبی کا سفیر ہے اور حضور خلیفہ میں اپنے آقا کا ایک خط پیش کرنا
ہے۔"

لیفہ مستنفی شاہ صلاح الدین کا نام سن کر حیرت سے کھڑا ہوگیا۔

ارے --- تم --- تم صلاح الدین کے سفیر ہوں۔ کیسا ہے ہمارا بیٹا۔ ہم
بہت یاد کرتے ہیں۔"

لیفہ نے ایک ہی سانس میں نہ جانے کیا کیا کہہ گیا۔

لیفہ چپ ہوا تو امیر زادے فرخ شاہ نے ادب سے کہا۔ "شاہ صلاح الدین
بالکل صحیح و سلامت ہیں امیر المومنین وہ اور اہل دمشق اور اہل مصر آپ
درازی عمر کی دعا کرتے ہیں۔"

خدا اسے زندہ و سلامت رکھے۔" خلیفہ مستنفی نے خلوص دل سے دعا
سلطان نور الدین زنگی کے انتقال سے ہم بہت پریشان تھے۔ ہمیں معلوم

ہوا تھا سلطان کے انتقال کے بعد امرائے نوریہ نے سلطنت دمشق کی بندر بانٹ شروع کردی ہے۔ مگر جب ہمیں صلاح الدین کے مصر سے آنے کی اطلاع ملی ہمیں اطمینان ہو گیا۔ ہمیں امید تھی کہ صلاح الدین یوسف سلطان دمشق کا جانشین ثابت ہوگا۔ ہماری یہ امید پیدا ہوئی۔ تمہیں علاؤ الدین نے بتایا ہوگا جب صلاح الدین نے حماۃ میں باغیوں کے متحدہ لشکر کو شکست دی اس دن پورے بغداد میں چراغاں ہوا تھا اور صلاح الدین کی سلامتی کی دعائیں مانگی تھیں۔"

"میں شاہ دمشق کی طرف سے آپ کے خلوص کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ دمشق پہنچ کے میں انہیں بتاؤں گا کہ امیرالمومنین اور دربار خلافت کے متعلقین کے میں صلاح الدین کے لئے کس قدر پیار اور محبت ہے۔" امیر زادہ فرخ شاہ بھی سفارت کا حق ادا کیا۔

پھر امیر زادہ نے وہ زرنگار صندوقچی اور صلاح الدین کا خط خلیفہ کو پیش کیا صندوقچی تو خلیفہ کے برابر کھڑے ہوئے حاجب نے سنبھال لی اور خط کے خلیفہ نے علاؤ الدین کی طرف اشارہ کیا۔

"علاؤ الدین نے لفافہ چاک کیا پھر خط پڑھا لکھا تھا:۔۔۔

امیرالمومنین خلیفہ المسلمین ابو محمد حسن بن مستنجد الملقب بہ مستضی بامراللہ کے حضور حقیرونیاز مند صلاح الدین یوسف بن ایوب کی عرضداشت شروع کرتا ہوں اس ذات پاک کے نام سے جس کی تعریف لکھنے کے لئے دنیا کے تمام سمندروں کے برابر روشنائی ناکافی ہے اور بعد اسی نبی پاکؐ کی مدحت اور ثناء کے جس نے معراج کا اعلیٰ ترین اعزاز پایا۔ یہ بندہ ناچیز عرض پرواز ہے کہ حماۃ میں موصل اور حلب کے مشترکہ لشکر کو شکست دینے کے بعد نہ صرف ملک شام کے عوام اور خواص بلکہ شہزادہ ملک الصالح جو اپنی کسی ناسمجھی کے باعث امراء کے بہکانے سے میرے خلاف کھڑا ہوا تھا اس نے بھی مجھے ملک شام اور ملک مصر کا حکمران تسلیم کرلیا ہے۔ آپ کی ذات والا صفات سے امید ہے کہ اس بندہ ناچیز کو دمشق اور قاہرہ کی مسند شاہی کی مسند عطا فرمائیں

گے۔ الموٴمنین صلاح الدین کو ہر موقعہ پر اپنی خدمت پر مستعد اور تیار پائیں

نیاز مند

حقیر ناچیز صلاح الدین یوسف بن ایوبی

راعظم علاؤ الدین کے خاموش ہوتے ہی خلیفہ مستضی پکار اٹھا۔

شک ۔۔ بے شک ۔۔ سلطان نور الدین زنگی کے تم ہی جانشین ہو۔ دین تم پر اللہ کی برکتیں نازل ہوں۔ ہماری دعا ہے کہ دمشق اور مصر اِن نصرانیت کی جو خس و خاشاک پھیلی ہوئی ہے اسے تم صاف کرو۔"

زادے فرخ شاہ نے گرہ لگائی۔

برالموٴمنین ۔۔ میرے آقا شاہ دمشق نے جس طرح خانہ جنگی کا خاتمہ کیا طرح وہ یروشلم کی عیسائی حکومت کو جو آئے دن مسلم علاقوں میں لوٹ رہتی ہے۔ اس سے بھی ایک فیصلہ کن جنگ کی تیار کر رہے ہیں۔"

ان اللہ ۔۔۔ سبحان اللہ ۔ اللہ اُس کے ارادوں میں استقامت پیدا

"

نے صلاح الدین کو دوبارہ دعا دی پھر حاجب کو حکم دیا۔

لاح الدین کے لئے خلعت فاخرہ پیش کی جائے اور ہاں علاؤ الدین تم اتب سے سفیر شاہی لکھا کر ابھی پیش کرو۔ ہم صلاح الدین کو نورالدین طرح "سلطان" کا لقب عطا کرتے ہیں۔"

میں امیرالموٴمنین کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

براعظم علاؤ الدین جو کاتب سے سند سلطانی لکھانے جارہا تھا اس نے پلٹ نہ سے عرض کیا۔

امیرالموٴمنین۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا قاصد سلطان کا سگا بھتیجا ہے۔ یہ بفہ کی عنایت کا حقدار ہے۔"

بہت خوب ۔۔ کیا نام ہے تمہارا؟" خلیفہ نے مسرت سے کہا۔

غلام کا نام عزیز الدین فرخ شاہ ہے امیرالموٴمنین۔" فرخ شاہ نے فخر سے

لیفہ نے حاجب سے کہا۔

"سلطان کے بھتیجے کے لئے بھی ایک خلعت پیش کی جائے۔"

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ خلیفہ بغداد کا کام مذہبی مجالس میں شرکت ا
بادشاہوں کو سند اور خلعت بانٹنا رہ گیا تھا اس لئے اس کے توشہ خانہ میں ت
شدہ خلعتوں کے انبار لگے رہتے تھے۔ ان میں خلعت فاخرہ بھی تھیں جو خا
خاص لوگوں کو دی جاتی تھیں اور عام خلعتیں بھی تھیں۔ بہرحال خلعت فاخرہ
یا عام خلعت جب بہ کسی کو دی جاتی تھیں تو نہ صرف اس کا اپنے ہم چشم
میں مرتبہ بڑھ جاتا تھا بلکہ وہ خود کو صاحب خلعت ہونے پر فخر کرتا تھا۔

خلیفہ کے حکم کی دیر تھی کہ دونوں خلعتیں دربار میں آگئیں۔ دونوں خلعتیں
الگ الگ سونے کے خوانوں میں رکھی تھیں۔ جن پر زرنگار خوان پوش ڈ
ہوئے تھے۔ ان خوانوں کو چاندی کی ایک چوکی پر جو مسند خلافت کے قریب ر
تھی۔ اس پر رکھا گیا اور اوپر سے خوان پوش بنادیئے گئے۔

اس دوران وزیراعظم علاؤ الدین نے امیر زادہ فرخ شاہ کو خلعت وصول کر
کے طریقے سمجھا دیئے تھے چنانچہ جب حاجب نے سفیر دمشق کا نام بلند آ
سے پکارا تو امیر زادہ فرخ شاہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا مسند خلافت کے سامنے آ
حاجب نے امیر زادے والا خوان چوکی سے اٹھا کر خلیفہ مستضی کے سامنے کیا
خلیفہ نے اس پر ہاتھ رکھا۔ یہ اس بات کی اجازت تھی کہ خلعت حقدار کو
جائے۔

خلیفہ نے خوان سے ہاتھ کھینچا تو حاجب نے خوان امیر زادے کی ط
کرویا۔ امیر زادے نے خوان میں رکھی ہوئی خلعت جس کے گرد ریشم کے
بندھے تھے اٹھالی پھر وہ الٹے پیروں اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ وزیراعظم نے
غلام کو قریب بلالیا تھا۔ امیر زادہ نے اپنی خلعت اس غلام کے حوالے کردی۔
ایک حاجب نے یہ آواز بلند کی۔

"امیر المومنین المسلمین ابو محمد حسن بن مستنجد الملقب نہ مستضی با
سلطان مصر و شام صلاح الدین یوسف ایوبی کو خلعت فاخرہ معہ کلاہ گلوبند
پارچہ جات سے نوازتے ہیں سفیر دمشق اس عظیم تحفہ کو وصول کرے۔"

اس آواز پر امیر زادہ فرخ شاہ نے ایک بار پھر حرکت کی اور مسند خلا
کے سامنے پہنچا۔ حاجب نے خوان خلیفہ کے سامنے کیا۔ خلیفہ نے اس پ
رکھ کر اجازت دی۔ چونکہ خوان بھاری تھا اس لئے حاجب خود اس خوان کو

ے کھڑے ہونے کی جگہ تک لے گیا۔ وزیراعظم نے حاجب کو یہ کہہ کر
بھیج دیا کہ خوان بعد میں قصر خلافت بھیج دیا جائے گا۔

ب مسئلہ فرمان خلافت یعنی صلاح الدین کو "سند سلطانی" باقی تھا۔ اس کے
حاجب نے پھر سفیر دمشق کو آواز دی۔ فرخ شاہ نے مسند خلافت کے سامنے
ے سند سلطان کا لفافہ وصول کیا۔ اسے آنکھوں سے لگایا اور سر پر رکھے
الٹے پیروں اپنی جگہ واپس گیا۔

س پروقار تقریب میں سوائے وزیراعظم بغداد کے اور کوئی عمال خلافت موجود
۔ خلیفہ مستضی نے وزیراعظم کو تاکید کی کہ شامی سفیر کو وہ شام کے کھانے
ے ساتھ لائے چنانچہ رات کو امیر زادہ فرخ شاہ نے خلیفہ اور وزیراعظم کے
کھانا کھایا۔ وہاں سپہ سالار افواج بغداد قطب الدین قائماز سے بھی امیر
ی ملاقات ہوئی۔ سپہ سالار کو پیغام بھیج کے خلیفہ نے بلوالیا تھا۔

ھانے کے بعد خلیفہ نے وزیراعظم کو حکم دیا کہ شامی سفیر کو تین روز تک
البلاد بغداد میں ٹھہرایا جائے اور اسے پورے بغداد کی سیرا کرائی جائے۔
طرح امیر زادے فرخ شاہ کو مشرقی اور مغربی دونوں طرف پھیلے ہوئے بغداد
وب سیر کرائی گئی۔ اگرچہ عباسی خلافت زوال پذیر تھی اور اس کے بیشتر
ے بھی چھن گئے تھے مگر بغداد کی رونق اب بھی قائم تھی۔ اس شہر میں بڑی
ت تھی۔ لوگ مطمئن اور بے فکر تھے خلافت کے خزانے ہیرے جواہرات
بھرے تھے مگر خلافت بغداد کی عسکری طاقت روز بروز کمزور ہوتی جارہی تھی۔
ت کے کسی حصہ میں بھی خلفشار نہ تھا اس لئے فوج کی طرف خلیفہ کی توجہ
اتی تھی۔

حلب سے واپسی پر صلاح الدین کچھ روز حماۃ میں ٹھہرا پھر فوج لے کر بعوص
طرف کوچ کیا۔ وہ شام کے ان تمام مقامات کو واپس لینا چاہتا تھا جس پر
نور الدین زنگی کا قبضہ تھا اور ان کے انتقال پر یا تو وہ باغی ہو کر آزاد ہو
ئے تھے یا پھر سلطان مرحوم کے کمسن شہزادے ملک الصالح اسمٰعیل کی کمزوری
ئدہ اٹھا کر صالح کے چچا زاد بھائی سیف الدین کے قبضے میں چلے گئے تھے۔
الدین غازی نے سلطان کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کے علاقوں پر زبردستی
شروع کردیا تھا۔ وہ تو خیر ہوئی کہ دمشق کے بعض عقلمند امرا نے مصر سے

امیر صلاح الدین کو بلالیا جس نے آتے ہی منہ زور اور مفاد پرست امرائے لوریہ
کو سیدھا کرنا شروع کردیا۔

بعوص بھی ان علاقوں میں سے ایک تھا جس کا حاکم سلطان کی وفات پر خود
مختار ہو گیا تھا۔ اس کے صلاح الدین کے لشکر کے آنے کی خبر سنی تو فوراً
ہتھیار ڈال دیئے اور صلاح الدین کا بعوص پر بغیر جنگ کے قبضہ ہوگیا۔ وہاں سے
صلاح الدین پھر اپنے عارضی مرکز یعنی حماہ واپس آیا۔ صلاح الدین کی بعوص
سے واپسی کے دوسرے ہفتہ امیر زادہ فرخ شاہ دربار خلافت واپس آیا اس کے
ساتھ خلیفہ بغداد کا خادم خاص آیا تھا تاکہ وہ تصدیق کرے کہ امیر زادہ فرخ شاہ
جو سند سلطانی لایا ہے وہ دربار خلافت سے جاری ہوئی ہے۔

صلاح الدین کے سامنے جب امیر زادہ نے سند سلطانی' خلعت فاخرہ' کلاہ' گلو
بند اور ریشمی پارچہ جات پیش کئے تو صلاح الدین مسرت سے بے قابو ہو گیا اور
اس نے امیر زادہ فرخ شاہ کو گلے لگالیا۔ حماۃ' حمص' .علبک' دمشق اور شام
کے تمام مقبوضات میں جشن شادمانی منانے کے احکامات جاری ہوئے اور غرباء و
مساکین میں نقد رقم اور کھانے کا سامان تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسی ہفتہ امیر
صلاح الدین نے حماۃ میں دربار خاص لگایا جس میں تمام علاقوں کے حکمران اور
گورنر شریک ہوئے۔

اس دربار میں صلاح الدین نے مقبوضہ علاقوں پر حاکم مقرر کئے۔ اس نے
حماۃ اپنے ماموں شہاب الدین محمود کو دیا۔ حمص کا حاکم ناصر الدولہ بن شیرکوہ کو
مقرر کیا گیا۔ اس دربار میں امیر زادہ فرخ شاہ نے دربار خلافت کے تمام واقعات
سب کے روبرو بیان کئے۔ صلاح الدین نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ دمشق پہنچ کے
جامعہ دمشق میں خلیفہ مستضی کی عطا کی ہوئی خلعت فاخرہ' گلوبند اور کلاہ پہنے گا
اور اس وقت وہ خلیفہ کا دیا ہوا خطاب یعنی "سلطان" ہونے کا اعلان کرے گا۔
دربار کے بعد صلاح الدین نے خلیفہ کے غلام خاص کو جوڑا' گھوڑا اور معقول
رقم دے کر بغداد رخصت کیا اور اس کو بخیریت پہنچانے کے لئے پچاس سواروں
کا دستہ مقرر کردیا۔ پھر صلاح الدین نے امیر زادے کو بلا کر حکم دیا کہ امیر شمس
الدین المقدم کو دمشق میں اس کے سامنے پیش کیا جائے کیونکہ اس نے المقدم
کو .علبک کا عامل مقرر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔
امیر زادہ فرخ شاہ اسی دن دمشق روانہ ہوگیا تاکہ صلاح الدین کے دامشق

نے پر اس کے استقبال کے انتظامات کرائے نیز امیر شمس الدین المقدم کو
ر کے شاہ صلاح الدین کے سامنے پیش کرے۔ یہ اور بات ہے کہ اسے
ی سب سے زیادہ خوشی اس وجہ سے تھی کہ وہاں اسے ارمغانہ سے
ی پوری امید تھی۔
ق پہنچ کے امیر زادہ فرخ شاہ نے سب سے پہلے گورنر دمشق طغرگین
ض تواریخ میں طغتگین لکھا گیا ہے) سے ملاقات کی اور اطلاع دی۔
لطان سلطنت مصر و شام صلاح الدین یوسف بن ایوبی دمشق تشریف لا رہے
گورنر دمشق طغتگین نے فرخ شاہ کو حیران نظروں سے دیکھا۔
پ کی حیرانی بجا ہے چچا طغرگین" فرخ شاہ نے مسکرا کے کہا۔ "قبل
کہ آپ مجھ سے اس بارے میں کوئی سوال کریں۔ میں خود اس اجمال کی
بیان کرتا ہوں۔ ٹھیک ہے ناں؟"
رخ شاہ۔ تم اب کچھ زیادہ ہی عقلمند ہوتے جارہے ہو اور اس کے ساتھ
۔" گورنر دمشق نے بڑے پیار سے اپنے بھتیجے کو دیکھا۔
حاکم دمشق نے درست فرمایا۔" فرخ شاہ کی طبعیت میں نہ جانے کیوں
ئی تھی۔ "میری شوخی ہو یا عقلمندی یہ سب اس ہستی کا فیض ہے جس کی
میں مامور ہوں۔ اب آپ کی اطلاع کے لئے عرض کرتا ہوں کہ عباسی
اد مستضی نے ہمارے آقا اور چچا جان امیر صلاح الدین کو "سلطان مصر و
ل سند عطا فرمائی ہے اور میں خلعت فاخرہ گلو بند اور کلاہ سے بھی نوازا
"

ان اللہ کیا مسرت آمیز خبر سنائی ہے تم نے۔ دل باغ باغ ہوگیا۔"
واقعی بہت خوش ہوا۔ دراصل سلطان صلاح الدین کے تمام بھائی بھتیجے نہ
ں سے محبت کرتے تھے بلکہ اس کے وفادار بھی تھے۔ سلطان نے بھی ہر
حوصلہ افزائی کی اور اس کی اہلیت کے مطابق عہدے عطا کئے تھے۔
شاہ نے پھر شوخی دکھائی۔ "یہ خبر تو نوید مسرت تھی اب ایک اہم خبر
خبر یہ ہے کہ سلطان صلاح الدین خلیفہ بغداد کے عطا کئے ہوئے لقب کا
مشق میں اعلان فرمائیں گے وہیں ان کی دستار بندی ہوگی اور وہ خلعت
ب تن کریں گے۔ علم تقریب جس میں سلطنت دمشق و مصر کے تمام
ے حاکم شریک ہوں گے کا انتظام آپ کے سپرد کیا گیا ہے۔ سلطان نے

اس سلسلہ میں کسی شان و شوکت کے اظہار کا حکم تو نہیں دیا لیکن یہ تو
سلطان کے شایان شان ہونا چاہیے۔

"انشاء اللہ ---" حاکم دمشق نے بڑے استقلال سے کہا۔ " سلطان عالی
کی خدمت کا یہ پہلا موقعہ ہے۔ میں انتظامات میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا ر
گا۔"

فرخ شاہ ابھی گورنر دمشق کے پاس تھا کہ حماۃ سے ایک تیز رفتار قاصد
اور اس نے گورنر دمشق کو جشن شادمانی منانے کی اطلاع دی۔ قاصد بہت
میں تھا وہ اطلاع دے کے آگے چلا گیا۔ اس اطلاع کی وضاحت امیر زادہ
شاہ نے کی۔

"سلطان نے یہ حکم دیا ہے کہ خلیفہ بغداد کی سند اور خلعت عطا کرنے
سلسلہ میں پوری مملکت میں جشن شادمانی منایا جائے اور غرباء اور مساکین
کپڑے، نقد رقم اور کھانے اجناس تقسیم کی جائیں۔"

گورنر سے گفتگو کے بعد امیر زادہ فرخ شاہ نے اس طرف کا رخ کیا
اس کا دل کھنچا چلا جارہا تھا۔ فرخ شاہ کی یہ خوش قسمتی تھی کہ جب وہ ا
کی سہیلی حارثہ کے گھر پہنچا تو وہاں ارمغانہ اور اس کے والد امیر شمس
المقدم موجود تھے۔ فرخ شاہ کا دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ اس نے امیر
اور حارثہ کے والد کو ادب سے سلام کیا اور ادب سے بیٹھ گیا۔ فرخ کو
بیٹھتے ہی اندازہ ہوا کہ گھر میں بے انتہا سنجیدگی طاری ہے تمام چہرے چپ
اور گھمبیر سے ہیں۔

فرخ شاہ گفتگو کا آغاز کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ شمس
المقدم نے خود ہی پہل کردی۔" امیر زادے آپ شاید مجھے امیر صلاح الدین
پاس لے چلنے کے لئے آئے ہیں؟"

"جی ہاں -- میں کسی حد تک اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔" فرخ ش
مختصر سا جواب دیا۔ اس نے المقدم کی گفتگو کی تلخی اور ایک قسم کی
محسوس کرلی تھی۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ وہ ان سے کوئی سوال نہ کر
انہیں کھلنے دے۔

اور آخر المقدم خود ہی کھلنا شروع ہوئے۔

"امیر زادے -- آپ میرے لئے کس قدر پریشان ہو رہے ہیں۔ آ

کوششوں سے مجھے معافی ملی اور آپ ہی کی کوشش شاید مجھے اپنی خدمات کا کچھ
صلہ بھی مل جائے لیکن آپ کی اس تمام تگ و دو کا میں شکریہ تو ادا کرسکتا
ہوں اس کے سوا میرے پاس آپ کے لئے کچھ اور نہیں۔"

شمس الدین المقدم نے ٹھہر ٹھہر کے الفاظ ادا کئے اور فرخ شاہ اس کے
الفاظ کی تلخی کو محسوس کرتا اور دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ المقدم خاموش ہوئے
تو فرخ شاہ نے کہا۔

" بزرگ و محترم امیر میں معافی کے ساتھ آپ سے اختلاف کی جرات کر رہا
ہوں۔ بصد ادب عرض ہے کہ آپ کی معافی یا آپ کو صلہ دیئے جانے کے
سلسلہ میں میری کوشش کو ذرہ برابر دخل نہیں کہ میں کوئی ایسی شخصیت نہیں جو
سلطان صلاح الدین کے کسی فیصلہ پر اثر انداز ہوسکے۔ سلطان کا ہر فیصلہ اپنا
ہوتا ہے خواہ وہ مقابلہ انعام کا ہو یا تعزیر کا۔ براہ کرم آپ اس خیال کو ذہن
سے نکال دیجئے کہ میں نے آپ کے لئے کوئی کوشش کی ہے اس لئے بھی آپ
سے کسی صلہ کی خواہش بھی نہیں رکھتا۔

فرخ شاہ کے لہجے میں بھی ذرا سی تلخی آگئی تھی۔ المقدم نے جواب دیا۔

"امیر زادے ۔ میں نے صرف اپنا خیال ظاہر کیا تھا اگر اس سے آپ کی
دل آزاری ہوئی تو میں معذرت چاہتا ہوں۔ جہاں تک امیر صلاح الدین کا
----"

"قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں امیر محترم --" فرخ شاہ نے اس کی بات
کاٹ دی۔ " آپ کو شاید علم نہیں کہ حماۃ کی جنگ میں سلطان صلاح الدین نے
موصل اور حلب کے مشترکہ لشکر کو شکست فاش سے دوچار کیا تھا اور شکست
خوردہ لشکر کا تعاقب حلب تک کیا گیا تھا۔ پھر حلب نے خود مصالحت کی کوشش
کی اور اس معاہدہ کے نتیجہ میں حاکم حلب ملک الصالح اسمٰعیل پسر سلطان نور
الدین زنگی نے صلاح الدین بن یوسف کو ملک مصر اور ملک شام کا بادشاہ تسلیم
کرلیا۔ اس طرح امیر صلاح الدین اب شاہ مصر و شام ہو چکے ہیں اس لئے
انہیں محض "امیر" کہنا ان کی توہین کے مترادف ہے ۔ پھر ایسی صورت میں جبکہ
انہیں خلیفہ بغداد نے سلطان مصر و شام کا لقب عطا کیا ہے۔"

"اچھا -- یہ کب ہوا۔" المقدم نے گھبرا کے پوچھا۔ ارمغانہ، حارثہ کو بھی
اس انکشاف پر حیرانی تھی۔

"یہ نوید مسرت اسی ہفتہ میں موصول ہوئی ہے۔" فرخ شاہ نے جواب
"اس سلسلہ میں بہت جلد ایک عظیم تقریب سلطانی اور کلاہ بندی ہونے والی
اس کی اطلاع گورنر دمشق تک پہنچ چکی ہے اور اس کا اعلان آج ہی متو
---"

فرخ شاہ کی گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ ڈھنڈورچی کے ڈھنڈورا پ
آواز سنائی دی۔

"لیجئے وہ اعلان ہو رہا ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے" فرخ شا
اسے مخاطب کیا۔

شمس الدین المقدم بظاہر منہمک نظر آرہا تھا مگر ڈھنڈورے کی آواز سن ا
کھڑا ہوا "چلو ہم سب باہر چل کے سنتے ہیں کہ کیا اعلان ہو رہا ہے۔"

شمس الدین المقدم کو شاید فرخ شاہ کی بات کا اعتبار نہ آیا تھا اس
اپنے کانوں سے اعلان سننا چاہتا تھا۔ شمس الدین المقدم حارثہ کے والد اور
زادہ فرخ شاہ باہر چلے گئے اور حارثہ اور ارمغانہ باہر کے دروازے سے لگ
کھڑی ہوگئیں۔

اعلانچی نے اعلان کیا۔

"ملک خدا کا حکومت سلطان صلاح الدین ایوبی کی۔ اعلان کیا
جاتا ہے کہ خلیفہ بغداد المستنصی بامراللہ نے ملک مصر و شام
کے بادشاہ کو "سلطان" کا لقب اختیار کرنے کی سند عطا کی
ہے۔ اس سلسلہ میں عوام و خاص کو ایک ہفتہ تک جشن
شادمانی منانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ صاحب ثروت لوگوں سے
امید ہے کہ وہ غربا اور مساکین میں نقد اور جنس کی صورت
میں خیرات تقسیم کر کے انہیں بھی اس خوشی میں شریک
کریں گے۔

دوسرا اعلان یہ ہے کہ سلطان عالی مقام صلاح الدین
ایوبی بہت جلد دمشق میں نزول فرمائیں گے اور جامعہ دمشق
میں ان کی کلاہ بندی ہوگی اور وہ خلیفہ بغداد کی عطا کی ہوئی
خلعت فاخرہ کو زیب تن فرمائیں گے۔ اس تقریب میں ہر
خاص و عام کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔"

اعلان ختم ہوا تو شمس الدین المقدم نے منہ بنا کر کہا۔ "اچھا تو امیر صلاح
اب سلطان صلاح الدین یوسف ایوبی کے نام سے پکارے جائیں گے؟
المقدم کے کہنے کا اندازہ سوالیہ تھا جیسے اسے اب بھی اعتبار نہ آیا ہو۔
امیر زادہ فرخ شاہ نے ایسے بے اعتباری کے عالم میں شمس الدین المقدم پر
اور انکشاف کیا۔

"بزرگ امیر ۔۔ اس اعلان کے بعد میں سلطان صلاح الدین کا حکم آپ تک
تا ہوں۔ سلطان نے میرے ذریعے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اور آپ کی
رمغانہ بنت شمس الدین المقدم جامعہ دمشق کی اس تقریب میں شریک ہوں
لطان کی کلاہ بندی اور خلعت فاخرہ کو پہننے کے سلسلہ میں برپا ہونے والی ہے
تقریب میں امیر شمس الدین المقدم کو بعلبک کی حکمرانی کا پروانہ عطا کیا
گا اور ارمغانہ کو سلطان معظم اپنے دست مبارک سے انعام عطا فرمائیں
فرمایئے بزرگ محترم اب آپ کا کیا خیال ہے؟

"اس کا مطلب ہے کہ امیر زادے آپ کی تمام کوششیں بارآور ہوئیں۔"
لمقدم نے اسی کھردرے لہجے میں کہا۔ "رہا میرا مسئلہ تو میں سلطان کے حکم
یل کے لئے تقریب میں ضرور شرکت کروں گا۔ اگر ارمغانہ کی اس وقت
رخصتی نہ ہوئی تو یہ بھی میرے ساتھ آئے گی۔

امیر زادے کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اسے آج اندازہ ہوا کہ
شمس الدین المقدم کس قدر کمینہ اور سفلہ ہے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ
صلاح الدین کو کم از کم اس بارے میں ضرور آگاہ کردے امیر شمس الدین
دل میں اس قدر کدورت بھری ہے کہ وہ کسی وقت دغا بازی کرسکتا ہے
امیرزادہ کے دل میں اس طرح کے خیالات پیدا ہورہے تھے کہ المقدم نے
ایک اور ظلم کیا اس نے بڑی سرد مہری سے کہا۔

"امیر زادے آپ نے سلطان کا حکم مجھ تک پہنچایا جس کا جواب میں آپ
دے چکا ہوں۔ اب اگر کوئی مزید حکم بھیجیں تو آپ براہ کرم اسے بیٹی حارثہ
بادیجئے۔ میں اور ارمغانہ آج اس گھر سے چلیں جائیں گے۔"

امیر المقدم نے امیرزادہ کا راستہ ہی بند کردیا۔ اس کی اس بات سے صاف
ہوگیا کہ وہ نہیں چاہتا کہ امیر زادے اور ارمغانہ کی ملاقات ہو اور یہ کہ
نے ارمغانہ کی کسی دوسری جگہ شادی طے کردی ہے۔ اس سلسلہ میں ارمغانہ

کا کیا رد عمل تھا اس کا پتہ امیر زادے کو مشکل ہی چل سکتا تھا کیونکہ ا
المقدم نے ایک طرح اسے منع کردیا تھا کہ وہ حارثہ کے گھر مت جائے۔

امیر زادے فرخ شاہ نے اب وہاں ٹھہرنا مناسب نہ خیال کیا اور انہیں
کرکے جدا ہوگیا۔ آج جس تلخ تجربہ سے اس کا واسطہ پڑا تھا اس نے اس
دل توڑ کے رکھ دیا تھا۔ آیا تو وہ بہت خوش خوش تھا لیکن واپسی پر اسے
قدم من من کے محسوس ہورہے تھے۔ امیر زادہ اپنے چچا معتکین حاکم دمشق
ساتھ نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا لیکن اس کی حالت ایسی غیر ہورہی تھی کہ وہ
دمشق کے قلعہ میں پہنچا اور چچا سے سر درد کا بہانہ کرکے ایک کمرے میں
پڑ رہا۔

ادھر شہر اور قلعہ میں عید جیسا سماں تھا۔ جشن شادمانی کا اعلان ہوچکا تو
لوگوں نے اس جشن میں بھر پور حصہ لینا شروع کردیا تھا۔ کہیں ڈھول تاشے
رہے تھے تو کہیں موسیقی کی محفلیں لگی تھیں۔ حلوائیوں کی دکان پر تازہ م
تیار ہورہی تھیں۔ بازاروں کی رونق بڑھ گئی تھیں۔ بچے مختلف جگہوں
بازاروں میں رنگین جھنڈیاں لئے گھوم رہے تھے۔ لوگ ٹولیوں میں گھوم رہے
اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے نعرے لگارہے تھے۔

امیر زادے فرخ شاہ کی شام کو کچھ طبیعت ٹھہری تو وہ فصیل قلعہ پ
گیا۔ ابھی مغرب کی اذان نہ ہوئی تھی لیکن گھر گھر روشنی ہورہی تھی اور
کا سماں پیدا ہوگیا تھا۔ امیر زادہ آج بہت افسردہ تھا۔ دل بہلانے کے لئے
کے دفتر میں چلا گیا لیکن معلوم ہوا کہ گورنر معتکین تو دوگھنٹے پہلے انتظام
سلسلے میں شہر گئے ہوئے ہیں اور اب تک قلعہ واپس نہیں آئے۔ شہر کے
اس کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ اس نے چاہا کہ حارثہ کے گھر جاکر ا
کے بارے میں معلومات حاصل کرے مگر اس نے اس ارادے کو خود ہی
اس لئے کہ وہاں امیر شمس الدین المقدم سے بھی ملاقات ہوسکتی تھی جس
اسے وہاں آنے سے منع کردیا تھا۔

شمس الدین المقدم کی ذہنی کیفیت کے بارے میں وہ جس قدر غور کر
قدر الجھتا چلا جاتا۔ جس وقت صلاح الدین قاہرہ میں تھا اس وقت یہ ا
دمشق میں امراء کی اس جماعت میں شامل تھا جو صلاح الدین کی ہمدرد
جب سلطان نورالدین زنگی کے انتقال پر صلاح الدین کو دمشق آکے کاروبار

ے لئے دعوت دی گئی تو وہ اس میں بھی پیش پیش تھا لیکن جب صلاح
دمشق پہنچ گیا تو خدا معلوم اسے کیا ہوا کہ وہ باغی ہوگیا اور درپردہ امیرزادہ
شاہ کو قتل کراکے قلعہ دمشق پر قبضہ کا پروگرام بنا بیٹھا۔

امیرزادہ فرخ شاہ کے دل میں ارمغانہ کے لئے جو جگہ پیدا ہوئی تھی پہلے
ت نہ تھی بلکہ ارمغانہ کا وہ جرات مندانہ قدم تھا جس کے ذریعہ اس نے
زادے کو موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا تھا۔ یہ بھی عجیب بات تھی کہ
نے فرخ شاہ کو ارمغانہ کے ذریعے قتل کرانے کی کوشش کی اور ارمغانہ
اپ کا ساتھ دینے کی بجائے فرخ شاہ کو بچانے پر تیار ہوئی اور دانیال کو قتل
ے فرخ شاہ کو بچالیا۔

ارمغانہ کا یہ اقدام تھا جس نے امیر المقدم کو ارمغانہ اور فرخ شاہ دونوں
الف بنادیا۔ پھر سلطان صلاح الدین نے فرخ شاہ کو المقدم کی گرفتاری پر
کیا۔ المقدم روپوش ہوگیا تھا لیکن اسے معلوم ہوگیا کہ اس کی گرفتاری پر
شخص کو مامور کیا گیا ہے جسے اس کی بیٹی ارمغانہ نے بچایا تھا۔ اس لئے
کی فرخ شاہ کے خلاف نفرت میں اور اضافہ ہوگیا۔ اس کے اس نئے
ے کہ وہ ارمغانہ کی کسی دوسری جگہ شادی کررہا ہے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ
ف فرخ شاہ سے نہیں بلکہ اپنی بیٹی سے بھی بدلے لے رہا تھا۔ حالانکہ اب
ت تبدیل ہوگئے تھے اور سلطان اس مخالف امیر کو بعلبک کی حکمرانی بخش رہا

کہتے ہیں کہ کسی کی فطرت اور طینت نہیں بدلتی۔ دوسرے ہی ہفتہ سلطان
الدین کی جامعہ دمشق میں بڑی دھوم دھام سے کلاہ پوشی ہوئی۔ مصر اور
کا کوئی ایسا امیر نہ تھا جس نے اس تقریب میں شرکت نہ کی ہو۔ معززین
ر قلعہ نے بھی تقریب میں بھرپور حصہ لیا۔ امیر فرخ شاہ اگرچہ اس تقریب
بحیثیت ایک کارکن کے پیش پیش تھا لیکن اس کا دل امیر المقدم کی باتوں
بہت دکھا تھا۔

پھر اس وقت تو وہ اور زیادہ افسردہ ہوا جب اس نے اس تقریب میں شمس
المقدم کو تنہا شریک ہوتے ہوئے دیکھا۔ شمس الدین المقدم کو وہاں بھی
زادے فرخ شاہ کا سہارا لینا پڑا اس لئے گورنر کے دوسرے کارکن شمس
کو نہیں پہچانتے تھے اوروہ امیر جو اس محفل میں شریک ہوئے تھے وہ

المقدم کی حرکتوں کی وجہ سے اس سے کترا کے نکل جاتے اگر امیر زاد
شاہ اس کی مدد نہ کرتا تو وہ نہ تو سلطان تک پہنچ سکتا اور نہ بعلبک کی
حاصل کرسکتا۔

شمس الدین المقدم کو اگرچہ معاف کیا جاچکا تھا اور اس کا علم تما
نوریہ کو ہوچکا تھا لیکن جب امیر المقدم جامعہ دمشق پہنچا تو وہ ہر شخص
اجنبی تھا۔ پہچاننے والوں نے بھی اسے پہچاننے کی کوشش نہ کی۔ وہ در
ادھر بھٹکتا رہا کسی نے اس سے سیدھے منہ بات نہ کی۔ وہ تو اتفاق تھا
زادہ فرخ شاہ کی اس پر نظر پڑگئی۔ المقدم کو اکیلا دیکھ کر اسے اگرچہ ا
تھا اور شاید غصہ بھی آیا تھا لیکن اس نے شرافت کا دامن نہ چھوڑا
کارکن کی حیثیت سے المقدم کا استقبال اس کا فرض تھا۔ فرخ شاہ
کے ساتھ اس کے پاس پہنچا۔

"خوش آمدید امیر شمس الدین المقدم۔" فرخ شاہ نے پرجوش انداز
کا استقبال کیا۔

"ہاں امیر زادے میں سلطان صلاح الدین کے حکم سے کیسے
تھا۔ المقدم نے رک رک کر کہا۔ "پھر آپ نے بھی تو تائید کی تھی۔"

امیر زادہ فرخ شاہ اس کے اس کھردرے انداز گفتگو سے بہت چڑا
نے ضبط سے کام لیا۔

"تشریف لے چلئے امیر محترم۔" فرخ شاہ نے مہذب طریقے سے
آپ کو صحیح مقام پر پہنچادوں گا۔"

فرخ شاہ کی اس پیش کش پر بھی اس نے کسی خوشی کا اظہار نہ
"امیر زادے آپ زیادہ تکلیف نہ فرمائیے۔" المقدم کا وہی کھردرا
"آپ بس مجھے جلدی فارغ کردیجئے۔"

فرخ شاہ نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔ اس نے پوچھا۔
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا امیر محترم۔ آپ تقریب میں
ہیں کیا اندر تشریف نہیں لے چلیں گے۔"

"اگر بعلبک کی سند حکمرانی مجھے آپ یہیں پہنچادیجئے تو آپ کا ا
امیرالمقدم نے بڑی بیگانگی سے کہا۔

"امیر محترم ۔ آپ کیا فرمارہے ہیں۔ سند حکمرانی آپ کو سلا

گے۔ میں اس میں کس طرح دخل دے سکتا ہوں۔" فرخ شاہ اس کے
ے الجھنے لگا تھا۔
خیر کوئی بات نہیں۔ میں اس وقت تک ٹھہرا رہوں گا۔" المقدم نے بے
کہا۔

رخ شاہ اسے اپنے ساتھ لے گیا اور امرائے نوریہ کے ساتھ کھڑا کردیا۔
محسوس کیا کہ امرائے نوریہ میں سے کسی نے بھی اس سے صاحب
نہیں کی۔ امراء دراصل المقدم کی تلون مزاجی سے واقف تھے اور تلون
سان کسی کا وفادار نہیں رہ سکتا۔ بعض امیروں نے تو اس کی طرف سے
لیا تھا۔

ر صلاح الدین کو اپنی بات کا کس قدر خیال تھا۔ وہ جامعہ دمشق آیا تو
نے اسے باری باری سلام پیش کیا۔ جب المقدم کی باری آئی تو سلطان نے

"امیر المقدم ہم نے آپ کو بعلبک عطا کیا۔ اس وقت سند دینے کا موقعہ
کل فرمان آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔" پھر جیسے سلطان کو کچھ یاد آگیا وہ
تمہاری بچی کہاں ہے؟"

بدقسمتی سے وہ بیمار ہوگئی ہے سلطان معظم۔" امیر المقدم نے جواب دیا
خ شاہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ صاف جھوٹ بول رہا تھا۔
سلطان فرخ شاہ سے مخاطب ہوا۔ "امیر زادے تم سند حکمرانی اور ان کی بیٹی
م ان کے گھر پہنچا دینا۔"

رخ شاہ نے اطاعت میں سرجھکا لیا۔

سلطان صلاح الدین اور فرخ شاہ تقریب کے ہنگاموں میں لگ گئے۔ قاضی
جامعہ دمشق کے پیش امام نے سلطان کو خلیفہ مستضی کی بھیجی ہوئی خلعت
پہنائی۔ گلو بند زیب گلو کیا اور کلاہ بندی کی رسم ادا کی گئی۔ عوام کو
اس تقریب میں مدعو نہیں کیا گیا تھا لیکن وہ اپنے محبوب سلطان کو ایک
یکھنے کے لئے جامعہ دمشق کے گرد دور دور تک جمع ہوگئے تھے۔ سلطان نے
مایوس نہیں کیا اور رسوم کی ادائیگی کے بعد وہ جامعہ دمشق کے اس اونچے
ے پر کھڑا ہوگیا جہاں سے موذن اذان دیتا تھا۔
عوام نے اپنے نئے سلطان کو دیکھا تو نعرہ ہائے مسرت بلند کئے۔ انہیں یوں

محسوس ہوا جیسے خدا نے انہیں صلاح کی صورت میں پھر سلطان نور ا
دیا ہے۔ عوام کا یہ احساس ایک ایسی حقیقت بنا جسے دنیا نے تسلیم کیا
پرائے سب ہی یہ پکار اٹھے کہ جس پودے کی نورالدین نے آبیاری ک
ایک تناور درخت کی صورت میں بلند ہوا۔

شادیوں میں عام طور سے دولھا کے ساتھ شہ بالا ہوتا ہے تو اس ت
اگر صلاح الدین کو دولھا تصور کیا جائے تو شہ بالا کا روپ فرخ شاہ
تھا۔ امیر زادہ فرخ شاہ کو بھی خلیفہ بغداد نے خلعت عطا کی تھی او
تقریب میں خلعت زیب بدن کرکے آئے تھے۔ پھر چونکہ وہ اور گو
ملتگین اس تقریب کے کرتا دھرتا تھے اس لئے فرخ شاہ ایک شہ بالا
میں سلطان صلاح الدین کے گرد گھوم پھر رہا تھا۔

خدا خدا کرکے یہ عظیم تقریب بخیروخوبی انجام پزیر ہوئی۔ دوسری
نے دربار خاص منعقد کیا۔ اس دربار میں سلطان نے اپنے امراء اور
سرداروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں انعام و اکرام مرتبہ اور خ
جاگیروں سے نوازا۔ اسی دربار میں امیر شمس الدین المقدم کو حاکم بعلب
جانے کا اعلان ہوا۔ امیرالمقدم چونکہ دربار میں موجود نہ تھا اس لئے ا
حکمرانی امیر زادہ فرخ شاہ نے وصول کی۔

پھر جب امیر زادہ فرخ شاہ امیر شمس الدین المقدم کی بیٹی کا نقد
المقدم کی سند لے کر حارثہ کے گھر پہنچا تو گھر پر سوائے المقدم کے
موجود نہ تھا۔ گھر کے خالی ہونے کی وجہ نہ تو امیر زادے نے دریافت ک
شمس الدین المقدم نے یہ ضرورت محسوس کی کہ وہ اس کی وضاحت کر
طرح فرخ شاہ کو یہ علم ہی نہیں ہوسکا کہ ارمغانہ کہاں اور کس حالت م

کئی دن کے بعد سلطان صلاح الدین نے فرخ شاہ کو بتایا کہ امیر ش
المقدم اپنا نیا عہدہ سنبھالنے کے لئے بعلبک روانہ ہوچکا ہے اور یہ
شمس الدین اور اسکی بیٹی بعلبک کو روانگی سے پہلے سلطان کی سلام
ہوئے تھے۔ ان حالات میں امیر زادے فرخ شاہ نے یہی مناسب سمجھا کہ
ارمغانہ کا خیال چھوڑ کے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں خلوص دل
جائے اور غیب سے بہتر حالات پیدا ہونے کی امید رکھے۔

قرون حماہ پر 13 اپریل 1175ء کو امیر صلاح الدین نے موصل اور

زبوں کو شکست دی اور شاہ حلب ملک الصالح نے صلاح الدین سے صلح
اسے دمشق اور شام کے تمام مقبوضہ علاقوں کا خودمختار بادشاہ تسلیم کرلیا۔
ئی 1175ء کو خلیفہ بغداد المستضی کی طرف سے اسے مصر و شام کے
ہونے کی سند موصول ہوئی جس کا جشن سلطان نے جامعہ دمشق میں منایا۔
ے بعد اس سال کوئی اور واقعہ پیش نہ آیا۔ سوائے اس کے ملک الصالح کا
م و مصر کے خطبہ سے اور سکے سے خارج کردیا گیا اور ان دونوں ملکوں
مساجد میں صلاح الدین ایوبی کی خودمختار حکمراں کی حیثیت سے خصوصی
مانگی گئیں۔

شن سلطان منانے کے دن ہی سے شام اور مصر کی مساجد میں الصالح کی
سلطان صلاح الدین کا نام خطبہ میں شامل کیا گیا۔ جہاں تک سکوں کا تعلق
ں سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ صلاح الدین کے مصر سے دمشق
ے بعد کچھ عرصہ تک سکہ "الصالح" کے نام پر چلتا رہا پھر سکے میں الصالح
م کے ساتھ صلاح الدین کا نام بھی شامل ہوگیا۔ یہ سکے غالباً" صلاح الدین
شق پر قبضہ کے بعد دمشق کی ٹکسال سے جاری ہوئے تھے۔ ان دونوں
کے سکے آج بھی برٹش میوزیم میں موجود ہیں۔ پھر ملک الصالح اور صلاح
کے معاہدہ کے بعد جس میں صلاح الدین ایوبی کو مصر اور شام کے تمام
علاقوں کا بادشاہ تسلیم کیا گیا تھا مصر کی ٹکسال سے جو سکے جاری ہوئے ان
ملک الناصر یوسف بن ایوب" درج کیا گیا۔

ام خیال یہ تھا کہ قرون حماہ پر موصل اور حلب کی مشترکہ فوجوں کو جو
ہوئی اس کے بعد زنگی خاندان اور ایوبی خاندان کی جنگوں کا خاتمہ ہوگیا
یا نہیں ہوا۔ سلطان صلاح الدین اگرچہ سال کے باقی دنوں میں بظاہر ملکی
میں مصروف رہا مگر درپردہ وہ نئی فوج بھرتی کررہا تھا۔ اس کے ساتھ اس
ے بھی آزمودہ کار فوجی دستوں کو منگواکر دمشق کے لشکر میں شامل کردیا

دوسری طرف زنگی خاندان کا شاہ الصالح خاموش ہوگیا تھا لیکن اس کا سب
بڑا ہمدرد والی موصل سیف الدین غازی اپنی شکست کے زخم چاٹ رہا تھا۔
ماہ کی جنگ میں وہ بذات خود شریک نہیں ہوا تھا بلکہ موصل کے لشکر کی
لاری اس کے بھائی عزیز الدین زلقندار نے کی تھی اور اس کی ماتحتی میں

حلب اور موصل کا مشترکہ فوجوں نے قرون حماہ پر شکست کھائی تھی۔ اپنے
کی اس شکست پر سیف الدین نے غم کے آنسو تو بہائے مگر سلطان صلاح الا
کو ملک شام کا سلطان تسلیم نہ کیا اور بدلہ لینے کی کوششیں کرتا رہا۔

والی موصل سیف الدین نے دیار بکر اورالجزیرہ جیسی چھوٹی چھوٹی جاگیر
سے نئی فوج بھرتی کی۔ اس طرح اس کے پاس چھ ہزار کا لشکر ہوگیا۔ اس
خیال میں یہ لشکر بھی ناکافی تھا۔ اس لئے وہ مزید لشکر حاصل کرنے کے لئے
پہنچا۔ حلب میں سیف الدین کا بھائی عزیزالدین زلقندار پہلے سے موجود تھا۔
کے علاوہ امیر سعدالدین گمشتگین بھی حلب ہی میں تھا۔ زلقندار اور گمشتگین دو
نے اس معاہدہ کی مخالفت کی تھی جس میں الصالح نے صلاح الدین کو مصر
شام کے مقبوضات کا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا۔

سیف الدین کی اچانک معہ چھ ہزار کا لشکر لے کر حلب پہنچ جانے
الصالح پریشان ہوگیا۔ اس نے صلاح الدین سے معاہدہ پر دستخط کئے تھے۔ و
الدین نے اسے زبانی طور پر یہ اطمینان دلایا تھا کہ وہ اس کا وفادار رہے گا۔
کے ساتھ ہی صلاح الدین نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اس وفاداری اور اطا
گزاری کے باوجود دمشق کے قریب یا دمشق کے خلاف کسی قسم کی شو
برداشت نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس مسئلہ پر الصالح اور سیف الدین میں کچھ
گرمی بھی ہوئی تھی۔

سیف الدین نے کہا تھا۔ "تم ابھی بچے ہو۔ صلاح الدین کو چالوں کو
سمجھ سکتے۔ جس نے دمشق پر قبضہ کرلیا ہو وہ تمہارا وفادار کس طرح رہ
ہے۔

الملک الصالح سیف الدین سے چھوٹا تھا اور اسے "بڑے بھائی" کہہ
مخاطب کرتا تھا۔ چنانچہ ملک الصالح نے جواب دیا۔ "معاہدہ کو ابھی سال بھی
گزرا۔ ہم کس طرح اس معاہدے کو توڑ سکتے ہیں۔

سیف الدین گھبراگیا۔ "ملک الصالح اس وقت کو یاد کرو جب تم پر وقت
تھا اور تم نے مجھ سے مدد طلب کی تھی میں تمہیں صاف جواب دے کر
الدین سے صلح کرسکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا اور معقول فوج اپنے بھا
سالاری میں تمہاری مدد کو روانہ کروی۔ کیا اس کا یہی صلہ ہے کہ تم نے
سے انکار کردو؟

بڑے بھائی۔" ملک الصالح نے پھر اپنی بات دہرائی۔ "صلاح الدین نے
ی اور اطاعت گزاری کا یقین دلایا ہے پھر ہم اس کے خلاف کیسے
ہیں؟"

الصالح" سیف الدین نے بڑی حقارت سے کہا۔ "تمہاری حیثیت ہی کیا
لب کے ایک کٹھ پتلی بادشاہ ہو۔ وہ بھی میری وجہ سے اگر تمہارے
برا خوف نہ ہوتا وہ تمہیں تخت سے اتار کر اپنی بادشاہی کا اعلان

الصالح کو والی موصل کی یہ بات بہت ناگوار گزری۔ گر وہ کچھ نہ کرسکا
یثیت واقعی نہ ہونے کے برابر تھی۔ پس وہ اپنی ذلت کو پی کر رہ گیا
نے بات گمشتگین پر ڈال دی اس نے سیف الدین کو جواب دیا۔
ے بھائی" آپ نے جو فرمایا میں اسے درست تسلیم کرتا ہوں لیکن
ر یا اقرار سے حلب کے لشکر پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ دراصل فوج
امیر سعدالدین گمشتگین کے کہنے میں ہے اگر امیر اجازت دیتے ہیں تو
کار نہیں۔"

گمشتگین تو صلاح الدین سے ادھار کھانے بیٹھا تھا۔ وہ تو صلاح الدین
یا اس کی موت کے دن میں خواب دیکھا کرتا تھا۔ سیف الدین کے
لے کے آنے سے اسے امید بندھی تھی کہ شاید اب صلاح الدین کو
ائے۔ اس نے سیف الدین کو اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا دیا تھا۔
کے تحت ہی سیف الدین نے ملک الصالح کو کٹھ پتلی بادشاہ کہا تھا۔
الصالح نے بات گمشتگین پر ڈالی تو سیف الدین نے ہنس کے کہا۔ ملک
ر کرو کہ تمہارا وزیر امیر گمشتگین تم سے زیادہ عقلمند ہے۔ اس وقت
ن کی بڑھتی ہوئی طاقت پر ایک کاری ضرب لگا کر اسے ہمیشہ کے لئے
لکا ہے وہ ابھی صرف نام کا سلطان بنا ہے اگر واقعی ہم نے اسے
، کا موقعہ دیا تو پھر موصل اور حلب بھی اس کی طاقت کے سامنے بند
سکیں گے۔ کیوں امیر گمشتگین تمہارا کیا خیال ہے؟"
گمشتگین اور عزیزالدین زلقندار دونوں اس گفتگو میں شریک تھے۔
گمشتگین نے فوراً جواب دیا۔ "والی موصل کا خیال بالکل درست ہے۔
ہے کہ صلاح الدین کی طاقت کے اس پودے کو جس نے اس زمین سے

سر نکالنا شروع کیا ہے فوراً" جڑ سے اکھاڑ کے پھینک دیں۔"

ادھر دمشق کے قلعہ میں ایک شب شام کے مشرقی علاقہ سے آئے ایک جاسوس نے سلطان صلاح الدین سے فوری طور پر ملنے کی درخواس
سلطان پر حشیشن کا ایک فدائی حملہ کرچکا تھا اس لئے سلطان نے رات کے ملاقات پر پابندی عائد کردی تھی۔ شاہی محلات کے ناظم نے جاسوس کو روک دیا اور صبح تک انتظار کرنے کا حکم دیا۔ جاسوس اکڑ گیا اس نے کہا۔

"ناظم محترم اگر آپ نے مجھے سلطان تک پہنچنے سے روکا تو میں دیواریں پھاند کر ان تک پہنچ جاؤں گا۔ اس لئے کہ میں سلطان کو جو ا پہنچانا چاہتا ہوں ان کا تعلق سلطنت دمشق کی سلامتی سے ہے اور میں ا لئے اپنی جان تک دے سکتا ہوں۔"

بیچارہ ناظم پریشان ہوگیا جاسوس کو باہر ہی چھوڑ کے وہ سلطان کو اطلا پہنچا۔

"سلطان معظم ایک جاسوس شام کے مشرقی علاقے سے آیا ہے۔ او عالی میں فوراً" پیش ہونا چاہتا ہے۔ میں نے اسے صبح تک انتظار کرنے کو بھڑک اٹھا اور بولا کہ جو اطلاع سلطان تک پہنچانا چاہتا ہے اس کا تعلق دمشق کی سلامتی سے ہے اور اگر اسے اندر آنے کی اجازت نہیں دی اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہر صورت میں آپ تک پہنچے گا۔"

سلطان صلاح الدین کو یہاں تک اطلاع مل چکی تھی کہ والی موصل اور الجزیرہ سے فوج بھرتی کررہا ہے مگر اس کے آئندہ کے ارادوں کا نہیں۔ اس جاسوس کے آنے سے سلطان کا ماتھا ٹھنکا۔ ہر چند کہ وہ را بہت کم کسی سے ملاقات کرتا تھا پھر بھی وہ جاسوس کو نظرانداز نہ کرسکا۔

سلطان نے قدرے توقف کے بعد فرمایا۔ "جاسوس کی شناخت کے ب پیش کیا جائے"۔ وہ ایک پرانا جاسوس تھا۔ اسے سب ہی پہچانتے تھے محلات نے اس کی شناخت کی اور غلام کے ساتھ جاسوس کو حضور عالی دیا۔ سلطان کچھ کاغذات کا مطالعہ کررہا تھا انہیں چھوڑ کر وہ جاسوس سے ہوا۔

"مخبر وہ کونسی خبر ہے جس نے تمہیں مجبور کیا کہ تم اسی وقت ہمار

ے لئے بضد ہوئے جبکہ تمہیں معلوم ہے کہ رات کے وقت صرف اہم ات کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔"

مخبر کو شاید اپنے اوپر بڑا اعتماد تھا اسی لئے پراعتماد لہجے میں بولا۔

"غلام کی خبر کا تعلق والی موصل سیف الدین کے ان اقدامات کے بارے جو سلطنت دمشق کے لئے مشکلات پیدا کرسکتے ہیں۔"

مخبر نے رک کر سلطان کی طرف دیکھا وہ سلطان کے چہرے پر اپنی بات کا دیکھنا چاہتا تھا مگر سلطان کا چہرہ پہلے بے تاثر تھا اس میں کوئی فرق نہ آیا۔ و تعجب ہوا مگر اس کا یہ تعجب سلطان نے خود ہی دور کردیا۔

"مخبر اگر تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ سیف الدین نے دیار بکر اور الجزیرہ سے نئی ج بھرتی کرکے اپنے لشکر کو دوگنا کرلیا ہے تو ہمارے لئے یہ خبر نئی نہیں کیونکہ ار بکر اور الجزیرہ سے یہ اطلاعات ہمیں پہلے ہی موصول ہوچکی ہیں۔"

"سلطان معظم" مخبر نے پہلے جیسے اعتماد سے کہا۔ "اگرچہ میری اطلاع کا ق اسی سلسلے سے ہے لیکن میری خبر کا آغاز سیف الدین کے حلب پہنچنے اور ں رونما ہونے والے واقعات سے ہے اگر عالی جاہ کو ان باتوں کی بھی اطلاع چکی ہے تو غلام اپنی کم فہمی کی معافی کا درخواستگار ہے۔"

مخبر نے کنکھیوں سے دیکھا کہ سلطان اس کی بات پر چونک پڑا۔

"مخبر جلد کہو تم کیا خبر لائے ہو؟" سلطان نے بڑی بے چینی سے دریافت یا۔

مخبر کا چہرہ دمک اٹھا اس نے بڑے اطمینان اور سکون سے کہنا شروع کیا۔ الی جاہ والی دمشق کے پاس اپنا چھ ہزار کا لشکر تھا۔ اس نے دیار بکر اور رے مقامات سے بھی اتنا ہی لشکر اور بھرتی کیا لیکن وہ خود کو سلطان دمشق کے مقابلے پر آنے کے لئے مطمئن نہ کرسکا۔ پھر اس نے حلب کا رخ کیا وہاں لی موصل کا بھائی ذلقندار جو قرون حماہ میں میدان چھوڑ بھاگا تھا حلب میں موجود تھا۔"

مخبر نے رک کر سانس لی پھر آگے چلا۔ "سیف الدین نے ملک الصالح سے حلب کے لشکر کو طلب کیا تاکہ وہ اسے آپ کے خلاف استعمال کرسکے لیکن غلام کی اطلاع کے مطابق ملک الصالح کی نے انکار کردیا۔ پھر شاید ملک الصالح کو شیر کی نوک پر رضامند کرلیا گیا اور حلب کا لشکر دغاباز گمشتگین کی سالاری میں

سیف الدین کے ساتھ حلب چھوڑ چکا ہے۔ اس سے آگے کا حال بیان نہیں
کرسکتا اس لئے کہ میں حلب چھوڑ کر دمشق کی روانہ ہوگیا تھا۔"

سلطان صلاح الدین نے شاید اطمینان کا سانس لیا۔"ہمیں تمہاری کارگزاری
سے مسرت ہوئی مخبر تم اپنے کام پر واپس جاسکتے ہو۔"

ابن خلدون کے مطابق سیف الدین غازی 571ہجری 1176ء میں سلطان
صلاح الدین سے اپنے لشکر کی شکست کا بدلہ لینے موصل سے روانہ ہوا۔ اس
نے کیفار اور ماردین کے حکام کو ملاکر چھ ہزار کے لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور ماہ
ربیع الاول میں نصیبین پہنچا وہاں اس نے موسم سرما گزارا۔ جب غازی کا لشکر
وہاں زیادہ دیر تک رہنے سے گھبراگیا تو اس نے حلب کی طرف کوچ کیا۔ وہاں
اس کے ساتھ ملک الصالح کا لشکر گمشتگین خادم کی قیادت میں شامل ہوگیا۔

واقعات کچھ بھی ہوں لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ والی موصل کے
لشکر کے ساتھ حلب کا بھی لشکر تھا جس کی قیادت گمشتگین کے سپرد تھی اور یہ
بھی سب تسلیم کرتے ہیں یہ مشترکہ لشکر اس بار بھی صلاح الدین کے لشکر سے
دو گنا سے کم نہ تھا۔ سلطان صلاح الدین اپنے لشکر کے ساتھ دمشق سے بڑی
تیزی سے روانہ ہوا۔ روایت ہے کہ ۱۱ اپریل ۱۱۷۶ء کو جب سلطان نے دریائے
ارنت عبور کیا تو اتنا زبردست سورج گرہن تھا کہ زمین پر اندھیرا چھا گیا اور دوپہر
میں آسمان پر تارے چمکنے لگے۔ لیکن سلطان اس بدشگونی کے باوجود آگے ہی
بڑھتا رہا۔ حالانکہ اس کے کئی سرداروں نے اسے گرہن کے دوران لشکر کو کوچ
سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

سلطان صلاح الدین' حماۃ سے کچھ آگے بڑھا تھا کہ وہ ایک حادثہ سے بال
بال بچ گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس وقت سلطان کے سپاہی الترکمان کے
اپنے گھوڑوں کو ادھر ادھر پانی پلاتے پھر رہے تھے کہ والی موصل سیف اللہ کا
لشکر اچانک اس کے سر پر پہنچ گیا۔ سیف الدین کے لئے یہ بہترین موقعہ تھا کہ
وہ سلطان کے منتشر لشکر پر حملہ کردے۔ اس صورت میں اس کی کامیابی کے بہت
امکانات تھے لیکن سیف الدین خود جھجک گیا اور فوجوں کو ترتیب دے کر جنگ کا
فیصلہ کیا۔ پھر جب دوسرے دن مقابلہ پر آیا تو اس نے سلطان کو اپنے مقابلہ کے
تیار کیا۔

یہ جنگ جس مقام پر لڑی گئی اس کا نام تل سلطان Mount of Sultan

جگہ حلب سے صرف پندرہ میل کے فاصلہ پر تھی۔ یہ دست بدست
ی خونریز تھی۔ ایک طرف خاندان زنگی کے تمام خانوادے ایک عظیم لشکر
لڑ رہے تھے تو دوسری طرف خود سلطان صلاح الدین اپنے بہت سے
وں اور دمشق اور مصر کے آزمودہ کار سپاہیوں کے ساتھ داد شجاعت دے
۔ جنگ میں ایک وقت ایسا آیا کہ سیف الدین کے حلیف اربل کے
نے اپنے دستوں کے ساتھ صلاح الدین کے میسر (بایاں بازو) پر اتنا دباؤ
وہ پسپائی پر مجبور ہوگیا۔ سلطان صلاح الدین قلب میں لڑ رہا تھا کہ اسے
پیچھے ہٹنے کی خبر ملی۔ سلطان نے فوراً" اپنے حفاظتی دستہ کو ساتھ لیا اور
اور طوفان کی طرح اربل کے حکمران کے دستوں پر جا پڑا۔

طان صلاح الدین کے اس حملہ نے جنگ کا نقشہ بدل کیا۔ کہاں تو اس کا
ا ہو کر پیچھے ہٹ رہا تھا اور کہاں یہ حالت ہوئی کہ شکست کھاتے ہوئے
نے پلٹ کر حملہ کردیا۔ ادھر سلطان کے محافظدستے نے اربل کے دستوں کو
بانتہ کردیا تھا۔ اس دہری مار سے وہ ایسے گھبرائے کہ ان کے قدم اکھڑ گئے
ں کا جدھر منہ اٹھا بھاگ پڑا۔ اربل والوں کے بھاگتے ہی سیف الدین کا
ر بھی بدحواس ہو کر میدان چھوڑ بھاگا۔ اتا بیگ یعنی خاندان زنگی کے کئی
بڑے افسر اس جنگ میں کام آئے۔ کیمپ اور گھوڑے' خیمے اور سامان سب
ح افواج کے ہاتھ لگا۔

سلطان کی جنگ نے سلطان صلاح الدین کی قائدانہ اہلیت اور جنگی
کا ثبوت مہیا کردیا۔ بے شمار قیدی زخمی ہاتھ آئے جن میں بڑے بڑے
ل تھے۔ سلطان نے تمام قیدیوں کو رہا کردیا۔ ان پر نہ کوئی سختی کی اور نہ
زخمیوں کا۔ اس نے خود علاج کرایا اور انہیں آزادی دیدی کہ وہ تندرست
کے بعد جہاں جی چاہے جاسکتے ہیں۔ اس طرح اس دشمن کے سپاہیوں کے
ل اپنے لئے جگہ پیدا کرلی۔ بہت سے سپاہیوں نے سلطان کے لشکر میں
نے کی خواہش کی جنہیں سلطان نے فوراً" ملازم رکھ لیا۔

گی تو سلطان کے حسن سلوک سے اس قدر متاثر تھے کہ تندرست ہونے
د ان میں سے ایک بھی واپس نہیں گیا اوربہتوں نے لشکر سلطانی میں
ت اختیار کرلی۔ زنگی خاندان کے جو افسر گرفتار ہوئے تھے انہیں سلطان نے نہ
رہا کردیا بلکہ انہیں تحفے تحائف دے کر رخصت کیا وہ لوگ حلب موصل

پہنچے تو سلطان کی تعریف کرتے کرتے ان کے منہ نہ تھکتے تھے۔

سلطان نے شکست خوردہ لشکر کے ساتھ تو ایسا سلوک کیا کہ وہ سلطان گرویدہ ہوگئے مگر اس نے اپنے لشکریوں کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر سلوک کیونکہ اسی لشکر کے زور پر سلطان نے تل سلطان کا معرکہ سر کیا تھا۔ سلا نے حکم دیا کہ میدان جنگ میں جس قدر بھی مال غنیمت حاصل ہوا ہے وہ کا تمام لشکریوں میں تقسیم کردیا جائے۔ اس طرح سلطان کے لشکریوں کو اس مال غنیمت ملا کہ وہ سلطان کی کمان میں ہر جگہ لڑنے کو آمادہ ہوگئے۔

سلطان صلاح الدین کے لشکر نے تل سلطان کی کمان میں بڑی جانفشانی دَ تھی مگر سلطان نے لشکر کو مال غنیمت دے کر خوش کردیا تھا اور وہ مطمئن ہ دوسرے معرکہ کے لئے تیار تھے پھر سلطان نے انہیں چند دن آرام دیا پھ یا مرغلہ کی طرف کوچ کیا۔ یہ مقام تل سلطان سے ایک دن کی مسافت پ سلطانی لشکر کی کامیابی کی خبر دور دور تک پھیل گئی تھی اس لئے حاکم نبرہ نے مقابلہ کے قلعہ سلطان کے حوالے کردیا۔

سلطان صلاح الدین فوجی حکمت عملی میں ید طولی رکھتا تھا۔ اسے احساس تہ لشکر مزید فتوحات کا خواہاں ہے اس لئے اس نے نہ صرف ایک دن کے کے بعد من بچ کی طرف کوچ کیا۔ من بچ قریب ہی تھا وہاں کا حاکم قطب ا نیال بن المن بچ تھا۔ وہ اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے بہت بدنام تھا۔ سلطا آمد سن کر وہ موصل بھاگ گیا۔ والی موصل سیف الدین غازی شکست کھانے بعد اپنے دارالسلطنت موصل پہنچ گیا تھا۔ اس نے اپنے بھائی عزیز الدین زلا کو بچے کھچے سپاہیوں کے ساتھ حلب بھیج دیا تھا۔ سیف الدین غازی شاید صلاح الدین سے کسی مقابلہ کی تیاری کر رہا تھا۔ اس لئے اس نے حاکم مر قطب الدین نیال کو خوش آمدید کہا اور اسے رقہ کا حاکم بنا دیا۔

ادھر سلطان صلاح الدین ایوبی نصرت اور کامرانی کے جھنڈے اڑاتا ہوا اعزاز پہنچا۔ یہ مشہور اور مضبوط قلعہ من بچ سے مغرب جانب واقع تھا۔ نے وہاں پہنچتے ہی قلعہ کا سختی سے محاصرہ کرلیا۔

عقاب آشیانہ

قلعہ اعزاز بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ سلطان صلاح الدین نے اس کا بڑا سخت ہ کیا تھا لیکن ایک ہفتہ گزر جانے کے باوجود قلعہ کی طرف سے صلح کا کوئی نہیں آیا۔ سلطان پر حشیشن کے قاتلوں کی طرف سے ایک حملہ ہوچکا تھا سلطان نے فیصلہ کر لیا تھا وہ خانہ جنگی سے فارغ ہونے پر ان کرایہ کے ن کا ضرور کچھ بندو بست کرے گا لیکن خانہ جنگی کا یہ سلسلہ ختم ہونے ہی ہ آرہا تھا۔

15 مئی 571 عیسوی کو محاصرہ شروع ہوا تھا کہ اس کے آٹھویں دن ن کے ایک فدائی نے سلطان پر پھر قاتلانہ حملہ کیا۔ سلطان پہلے ہی حملہ محتاط ہوگیا تھا اور محاذ پر اور زیادہ محتاط رہتا تھا۔ اس شب سلطان اپنے ایک ر کے خیمے میں آرام کررہا تھا کہ اچانک ایک فدائی خیمے میں گھس آیا۔ ان ا نے کسی طرح پتہ لگایا تھا کہ سلطان اس رات کسی سردار کے خیمے میں ا کرے گا۔

جس وقت سلطان پر حملہ ہوا سلطان نیم دراز تھا۔ اس نے خود کے نیچے کا ا سر پر ڈال رکھا تھا۔ قاتل نے سلطان کی گردن پر وار کیا اور خنجر خود سے ا کر رہ گیا۔ پھر اس نے دوسرا وار گردن پر کیا۔ سلطان چونکہ بیٹھا تھا اس ہ پوری طرح مدافعت نہ کرسکا اور فدائی کا خنجر سلطان کی گردن تک پہنچ گیا ن خنجر اس جالی میں الجھ گیا جو سلطان گردن کے گرد باندھتا تھا۔ اس لئے کا وار گردن کو زخم نہ پہنچا سکا۔

سلطان نے اس کی کلائی پکڑلی اور جھٹکا دے کر خنجر چھین لینے کی کوشش کی

مگر خنجر اس کے ہاتھ میں اس قدر جما ہوا تھا کہ نہ چھٹ سکا۔ سلطان نے
فوراً اپنا خنجر نکال کے فدائی کے سینے میں اتار دیا۔ قاتل زمین پر گر گیا لیکن
خنجر اب تک اس کی انگلیوں میں چپکا ہوا تھا۔

سلطان ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک اور فدائی تیزی سے خیمے میں
داخل ہوا اور اس نے سلطان پر بھرپور وار کیا لیکن سلطان اب کھڑا ہوچکا تھا
اس نے ایک ہاتھ سے قاتل کے خنجر والے ہاتھ کو پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے
اس کی گردن پکڑ کے اس زور سے مروڑی کہ وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس دفعہ
سلطان نے پہرے کے محافظ کو آواز دی۔

محافظ اس تیسرے فدائی سے الجھا ہوا تھا جو سلطان کے خیمے سے اب تک
واپس نہیں آئے تھے۔ آخر تھوڑی جدوجہد کے بعد محافظ نے اس فدائی کو
جہنم بھیج دیا۔ اس وقت تک لشکر بیدار ہوچکا تھا اور بہت سے لشکری وہاں
ہوگئے تھے جہاں تیسرا فدائی مارا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین بھی خیمہ کے
آگیا۔ اس نے حکم دیا کہ خیموں کے گرد سخت پہرہ لگادیا جائے اور ہر اجنبی
گرفتار کیا جائے اگر کوئی بھاگے تو اسے تیروں سے چھلنی کردیا جائے۔

رات بھر لشکر میں پھیلے ہوئے فدائی گرفتار ہوتے رہے۔ ان سے پتہ چلا
درجنوں فدائی لشکر میں ملازم ہوچکے ہیں اور یہ تینوں فدائی جو اس وقت ما
گئے ہیں سلطان کے محافظ دستہ میں شامل ہونے کی کوشش کررہے تھے۔ سلطان
صلاح الدین نے تمام گرفتار فدائین کے سر قلم کرادیئے۔

صبح کو سلطان نے قلعہ اعزاز پر چاروں طرف سے حملہ کیا۔ اس حملہ
قلعہ اعزاز کو نقصان تو بہت پہنچا لیکن قلعہ فتح نہ ہو پایا۔ آخر سلطان نے
کردیا کہ جب تک قلعہ فتح نہیں ہوگا لشکر کسی طرف نہیں جائے گا اور
خیمے لگے رہیں گے۔

قلعہ پر روز بروز دباؤ بڑھتا جارہا تھا محاصرہ اس قدر سخت تھا کہ نہ کوئی
سے اندر جاسکتا تھا اور نہ کوئی اندر سے باہر آسکتا تھا۔ قلعہ میں آہستہ
سامان رسد ختم ہونا شروع ہوا۔ آخر اڑتیس یا چالیس دن کے بعد قلعہ
نے اپنی شکست تسلیم کرلی اور معمولی مراعات کے بدلہ میں قلعہ سلطان
الدین کے حوالے کردیا۔

اس محاصرے کے دوران ہی سلطان صلاح الدین کو پتہ چل گیا کہ حا

گمشتگین نے فدائین سے دوسری مرتبہ سلطان پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا۔ پہلے
کے لئے گمشتگین نے فدائین کے سردار اعلیٰ شیخ الجبل کو ایک خطیر رقم ادا
تھی۔ سلطان صلاح الدین اب گمشتگین سے اس قدر برگشتہ خاطر ہوگیا تھا کہ
اعزاز سے فارغ ہوتے ہی اس نے لشکر کا رخ حلب کی طرف کردیا اور وہاں
کے حلب کا تیسری بار محاصرہ کرلیا۔

حلب میں اس وقت والی موصل سیف الدین غازی کا بھائی زلفندار بھی
تھا۔ سلطان نے محاصرہ کرتے ہی قلعہ پر حملے شروع کرادئے لیکن جیسا کہ
ہی بیان کیا گیا ہے کہ اہل حلب سلطان نور الدین زنگی مرحوم کے بیٹے الملک
لح سے بہت محبت کرتے تھے اس لئے وہ ہر موقعہ پر جان توڑ کے لڑتے تاکہ
الصالح کے پاس کم از کم ایک علاقہ تو باقی رہے اس دفعہ بھی حلب والوں
اس قدر زبردست مدافعت کی کہ سلطان فتح نہ کرسکا۔ جب زیادہ دن گزر گئے
پھر صلح کی بات چیت شروع ہوئی۔ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر سفارتیں
جاتی رہیں۔ اہل حلب کا صرف یہ مطالبہ تھا کہ الملک الصالح کے لئے حلب
ز دیا جائے اس کے صلہ میں سلطان جو شرط لکھیں قبول کرلی جائے گی۔

آخر سلطان صلاح الدین کو اہل حلب کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا اس سلسلہ میں
عام سا معاہدہ لکھا گیا جس میں سلطان نے ملک الصالح کی حلب ریاست کو
کرلیا تھا۔ اس کے جواب میں ملک الصالح نے سلطان صلاح الدین کے تمام
مقبوضہ علاقوں پر سلطان کی بادشاہی تسلیم کی۔ اس معاہدہ کی ایک خاص بات
تھی کہ اس پر حلب کے علاوہ کیفار ماردین اور موصل کے نمائندوں نے بھی
ظ کئے۔ سلطان نے اسی وقت محاصرہ اٹھا لیا اور اس کا لشکر خیمہ گاہ میں
آگیا۔

سلطان صلاح الدین دوسرے دن دمشق واپس جانے کا ارادہ کررہا تھا کہ
قلعہ حلب کی طرف سے ایک درخواست موصول ہوئی۔ قلعہ کا خاص ہرکارہ
الصالح کا پیغام لے کر آیا تھا جس میں سلطان صلاح الدین سے درخواست
گئی تھی الملک الصالح کی چھوٹی بہن یعنی شہزادی حلب کو اپنے حضور میں باریابی
اجازت دے۔ سلطان صلاح الدین نے اس پر مسرت کا اظہار کیا اگر انہیں
گاہ میں آنے میں کوئی تکلیف ہو تو سلطان صلاح الدین ان سے ملاقات کے
قلعہ حلب میں آنے کے لئے تیار ہے۔

القصہ شہزادی سلطان صلاح الدین کی خیمہ گاہ میں کنیزوں اور غلاموں کے
جلو میں آئی۔ سلطان صلاح الدین نے خیمہ سے نکل کر شہزادی کا استقبال کیا اور
بڑی عزت سے اسے خیمہ میں اپنی جگہ پر بٹھایا اور خود دوسری نشست پر بیٹھ
سلطان صلاح الدین حلب کی شہزادی کااس قدر احترام کررہا تھا جیسے وہ شہزادی
نہیں بلکہ سلطان صلاح الدین کا آقا نورالدین زنگی ہے۔

صلاح الدین نے بڑے ادب کے ساتھ شہزادی سے کہا۔ "میری آقا زادی
شہزادی حلب نے خیمہ گاہ میں آنے کی کیوں تکلیف گوارہ کی جبکہ میں نے قاصد
سے کہہ دیا تھا کہ شہزادی مجھے قلعہ میں بھی بلوائیں تو میں سر کے بل ان کی
خدمت میں حاضر ہوجاؤں گا۔"

شہزادی اگرچہ بالکل کمسن تھی لیکن اس کی بہترین تربیت ہوئی تھی اس نے
جواب دیا۔

"سلطان میری جو عزت افزائی فرما رہے ہیں اس کے لئے میں ان کی شکر
گزار ہوں لیکن ان حالات میں سلطان کو نہیں بلکہ مجھے سلطان کے پاس آنا
تھا۔"

"حالات خواہ کچھ بھی ہوجائیں لیکن آقا زادی پر تو اس کا کوئی اثر نہیں
ہونا چاہئے۔" سلطان کا لہجہ اور انداز اب بھی مودبانہ تھا۔ "فرمائیے میں شہزادی
کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔"

شہزادی نے معصومیت سے کہا۔"سلطان میں آپ کے پاس ایک درخواست
لے کر آئی ہوں۔"

"آقا زادی آپ مجھے شرمندہ نہ کیجئے آپ مجھے حکم دے سکتی ہیں۔" سلطان
نے ادب ملحوظ رکھتے ہوئے اسی نرمی سے کہا۔

"سلطان وعدہ فرمائیے کہ میں جو سوال کروں گی اسے آپ نامنظور نہیں کریں
گے۔" شہزادی کو جس طرح سکھا پڑھا کر بھیجا گیا تھا اس کے مطابق شہزادی
گفتگو کررہی تھی۔ گمشتگین اور ملک الصالح نے اسے سمجھادیا تھا کہ سلطان
اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک وہ پورا کرنے کا وعدہ نہ کریں۔

سلطان نے لجاہت سے کہا۔"آقازادی سوال کرکے مجھے شرمندہ نہ کیجئے
حکم دے کے دیکھئے۔"

شہزادی نے بات کی تکرار کی۔ "آپ وعدہ کرتے ہیں کہ میرا سوال

نہیں"

"نہیں آقا زادی ہرگز نہیں" سلطان نے زور دے کے کہا۔"میں آپ کے
حکم سے انکار کر ہی نہیں سکتا۔"

"یعنی آپ نے وعدہ کرلیا؟" شہزادی پکا وعدہ لینا چاہتی تھی۔

"جی آقا زادی میں نے وعدہ کیا آپ فرمائیے۔ سلطان نے شہزادی کو یقین

!

"میں سلطان سے چاہتی ہوں کہ وہ مجھے قلعہ اعزاز عطا فرمادیں۔" شہزادی
سہمے سہمے انداز میں کہا۔

اعزاز کا معروف قلعہ صلاح الدین نے چالیس دنوں کے محاصرے کے بعد فتح
یا تھا۔ محاصرے کے دوران جانی نقصان کوئی نہ ہوا تھا لیکن ان چالیس دنوں
لشکر کو جو جانفشانی کرنا پڑی تھی۔ سلطان نے نظریں نیچی کرکے کہا۔"اور کوئی
آقا زادی"

سلطان کا مقصد تھا کہ شہزادی کی کوئی اور خواہش ہے یا وہ اس سلسلے میں
اور کہنا چاہتی ہے لیکن شہزادی ابھی بچی تھی وہ سمجھی کہ شاید سلطان اسے
اعزاز نہیں دینا چاہتا اور اسے کچھ اور مانگنے کو کہہ رہا ہے۔ وہ جلدی سے
۔

"کیا --- کیا سلطان نے میری درخواست نامنظور فرمادی؟"

"نہیں آقا زادی آپ کیسی بات کہہ رہی ہیں" سلطان نے وضاحت کی۔
را مقصد ہے کہ آپ کی کوئی اور بھی خواہش ہے"

سلطان نے فقیہہ ہکاری کی طرف دیکھا جو سلطان کے مصاحب وزیر اور
ب تینوں فرائض ایک ساتھ ادا کررہے تھے۔

"فقیہہ محترم" سلطان کی آواز فرط جذبات سے بھراگئی تھی۔ میری آقا زادی
کو سمجھائیے کہ اگر انہوں نے اس وقت مجھے سے دمشق بھی طلب کیا ہوتا تو
ب کعبہ کی قسم میں ابھی سب کچھ چھوڑ کے مصر روانہ ہوجاتا۔ فرمان جاری
ئے کہ ہم نے قلعہ اعزاز سے اپنا قبضہ اٹھالیا۔ آقا زادی کو اختیار ہے کہ وہ
طرف سے جسے چاہیں قلعہ اعزاز کا حاکم مقرر کریں۔

پھر سلطان نے اشارہ کیا اور جواہرات سے بھرے ہوئے تین خوان لا کے
زادی کے سامنے رکھے گئے۔

سلطان نے فرمایا۔ "آقا زادی یہ نذرانے قبول کیجئے"
شہزادی کی خوشی کے مارے آواز نہیں نکلتی تھی اس نے گھٹی ہوئی آواز
کہا۔ "سلطان میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں آپ واقعی سلطان ہیں"
سلطان نے حکم دیا۔ "ہم اور ہمارے تمام عمائدین سلطنت حلب کی آقا
کو حلب تک رخصت کرنے جائیں گے۔"
پھر لوگوں نے دیکھا کہ سلطان دمشق صلاح الدین ایوبی نے سہارا د
شہزادی حلب کو گھوڑے پر سوار کیا اور اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کے چلے
مصر اور دمشق کے تمام عمائدین سلطان کے جلوس میں پا پیادہ چل رہے تھے
یہ مختصر جلوس قلعہ کے دروازہ پر پہنچا تو لوگوں کی آنکھیں کھلی کی
گئیں۔ اللہ اللہ کیا احترام تھا سلطان کو اپنے آقا کا۔ اپنے والی نعمت
نورالدین زنگی کا۔ یہ سچ ہے کہ صلاح الدین کو ایوب نے صلاح الدین نہیں
تھا بلکہ نور الدین زنگی کی اعلیٰ مگر خاموش تربیت تھی جس کی ٹھنڈی بھٹی
سونا کندن بن کے نکلا تھا۔

صلاح الدین اور ملک الصالح کے اس معاہدہ سے جس میں ملک الصا
ساتھ زنگی خانوادا کے تمام معروف ارکان شامل تھے شام کی خانہ جنگی کا
ہوگیا۔ ملک الصالح کو حلب دیا گیا تھا وہ اس پر قانع ہوگیا۔ والی موصل سیف
غازی نے قرون حماہ اور موصل پر شکست پر شکستیں کھائیں تھیں اس نے
کی کمر توڑ کے رکھ دی تھی۔ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ بچی کھچی ریا
غنیمت سمجھے سلطان صلاح الدین سے پھر ٹکرانے کی کوشش نہ کرے کیونکہ
کی طاقت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔

انہی دنوں سلطان کے فرنگیوں سے بھی معاہدہ ہوگیا تھا۔ اگرچہ
(فرنگی) مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کو کوئی وقعت نہ دیتے تھے او
نے اپنا یہ وطیرہ (وتیرہ) بنایا تھا کہ جب زور نہ چلے اس وقت تک
پابندی کرو اور جب طاقت آجائے یا کوئی سنہری موقع مل جائے تو معاہدہ
نہ کرو۔ چنانچہ معاہدہ ہونے کے چند ہی دنوں بعد انہوں نے "بکاع" کی
حملہ کرکے اسے لوٹ لیا۔ فصلوں کو جلادیا اور آبادیوں کو ویران کردیا۔
پر اپنے ساتھ مویشیوں کے گلے بھی لیتے گئے۔ اس کے علاوہ ان کے
مال غنیمت بھی لگا تھا۔

سلطان صلاح الدین نے معاہدے کی خلاف روزی اور فرنگیوں کے ظلم و ستم
شدت سے محسوس کیا لیکن انتقام کے ابھرتے ہوئے لاوے ! اسے
کے چھینٹوں سے ٹھنڈا کرنا پڑا کیونکہ فرنگیوں کے علاوہ ایک اور طاقت
تیزی سے ابھر رہی تھی جس نے دوبار اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا یہ اس کی
قسمتی تھی کہ وہ بال بال بچ گیا تھا۔ چنانچہ اس نے پہلے اس چور طاقت
ونے کا فیصلہ کیا جو البرز کے پہاڑوں میں بیٹھی انسانی جانوں سے کھیل رہی
ان کرایہ کے قاتلوں نے صرف شام ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی علاقوں میں
م مچا رکھاتھا۔ پس صلاح الدین نے فیصلہ کیا کہ وہ ان کے پہاڑی علاقوں میں
کے ان کا خاتمہ کرے گا۔
حلب سے معاہدے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر سے جو لشکر
یا تھا اسے واپس بھیج دیا اور باقی لشکر کے ساتھ وہ کوہ سماک کے دروں کی
چلا۔ یہ پہاڑی سلسلہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا تھا اور ان پر ان بد
حشیشن کا پورا پورا قبضہ تھا۔ اس طویل پہاڑی سلسلہ سے کسی قافلہ کا نکلنا
ممکن تھا بلکہ بعض سرداروں اور بادشاہوں نے حشیشن کو ختم کرنے کے لئے
ائی کی تو انہیں اپنی فوج سے ہاتھ دھونا پڑے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی
اپنے لشکر کے ساتھ ان کے مغربی مرکز مصیاف پر حملہ کیا تھا۔ اس حملہ کی
یل بیان کرنے سے پہلے اس فرقہ حشیشن جنہیں باطینہ، اسمٰعیلہ اور نزار بھی کہا
تا کے بارے میں کچھ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔
حشیش بھنگ کو کہتے ہیں اور حشیشن بھنگ پینے والے کو کہتے ہیں مگر یہ پتہ
ا کہ بھنگ پینا اس فرقہ کے مذہبی لوازم میں ضروری تھا یا پھر حسن بن صباح
ی جنت جس کا نام فردوس بریں تھا اس میں داخلہ کی یہ لازمی شرط تھی۔
جنت ارضی جس کا نام اس کے بنانے والے حسن بن صباح نے رکھا تھا۔
ک اتنا بڑا دھوکہ تھا جس پر ہر دیکھنے والے کو اعتبار آجاتا تھا اور وہ اس جنت
ا ایک بار داخل ہونے کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ دیکھنے کی آرزو پیدا ہوجاتی
تھی۔

فردوس بریں کی دیواروں میں اوپر سے نیچے تک سیکڑوں بلکہ ہزاروں اور
موتی ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے جن کی چمک دمک دیکھ کر انسان پاگل سا
ہوجاتا تھا۔ کچھ حال ایسی ہی حیرت انگیز عمارتوں کی کھڑکیوں اور دروازوں کا تھا۔

یہ کھڑکیاں اور دروازے ٹھوس سونے یا چاندی کے بنے ہوتے تھے جن کے
بیچ لعل اور زمرد جڑے جاتے تھے۔ ہر چھت مرصع تھی جن میں جواہرا
جگنو ہر دم جگمگ جگمگ کرتے تھے۔ فرش پر سبزہ بیگانہ اور ہرے بھرے
درختوں پر روشنی اس طرح بکھرتی تھی جیسے قوس قزح کے ساتوں رنگ چھ
بکھیر دیئے گئے ہوں۔ درختوں پر جواہرات کے ترشے ہوئے پرندے بیٹھے
دیتے تھے جو ہوا کے خنک اور سبک جھونکے کے ساتھ نغمہ سرائی کرتے
دودھ کی نہریں بھی تھیں جن میں بجرے پڑے ہوتے جن میں مردوں اور
کے جوڑے خوش گپیاں کرتے دکھائی دیتے تھے۔ خوبصورت پروں والی عورتیں
نازک نازک حوریں ادھر ادھر گھومتی دکھائی دیتی تھیں۔ جنت کا سماں پیدا
کے لئے یہاں خوبصورت اور نوخیز لڑکے یعنی غلمان بھی مہمانوں کی خدمت
نظر آتے تھے۔

یہاں ہر شخص اپنے رنگ میں مست نظر آتا تھا کسی کو کسی پر اعترا
ہوتا تھا۔ نیا مہمان جب اس جنت میں داخل ہوتا تو اسے حوریں گھیر لیتی
اس کا ہاتھ پکڑ کے جنت کی سیر کراتیں۔ خوبصورت کشتیوں اور بجروں پر د
نہر کی سیر کراتیں۔ لذیذ لذیذ پھلوں سے تواضع کرتیں۔ انہیں جو نازنین پسن
وہ اس کی خدمت پر مامور کردی جاتیں اور اسے دنیا کی ہر چیز مہیا کردی
اس مہمان کو دو چار یا ایک ہفتہ اس جنت میں رکھا جاتا پھر جنت کی شرا
پیالہ اسے پیش کیا جاتا جسے پیتے ہی وہ بے ہوش ہوجاتا اور وہ اس جنت
پھر اس جگہ بھیج دیا جاتا جہاں سے اسے لایا گیا تھا۔

ظاہر ہے کہ اس جنت میں جو شخص چند دن گزار لیتا تھا وہ پھر وہاں
کے لئے بے چین ہوتا اور حشیشن کے امام جسے شیخ الجبل کہا جاتا تھا اس
گرگوں کی خوشامد کرتا اسے پھر جنت میں بھیج دیا جائے۔ اس طریقے سے
جنت میں دوبارہ بھیجے جانے کا حکم دیا جاتا مگر مشروط طور پر شرط یہ ہوتی کہ
الجبل کے نامزد کئے ہوئے شخص کو خنجر مار کر ختم کردے۔ شیخ الجبل د
کرائے کے قاتلوں کا ٹھیکہ دار تھا۔ قاتلوں کو وہ اپنی جنت کا جلوہ دکھا
میں کرلیتا اور ان سے بڑے بڑے امراء، وزراء اور بادشاہوں تک کو قتل
تھا اور اس سے جو کثیر رقم حاصل ہوتی تھی اسے وہ اپنی تیار کی ہوئی جن
صرف کرتا تھا۔

خطرناک گروہ یا فرقہ کے دو اہم مرکز تھے۔ ایک مشرقی مرکز دوسرا مغربی
ان مراکز کے دروازے جو پتھر کے ہوتے اور پہاڑوں میں اس طرح جڑے
تے کہ ان کے درمیان ذرا سی دراڑ بھی نظر نہ آتی تھی۔ ان دروازوں
کے کھولنا ناممکن تھا یہ صرف اندر ہی سے کھولے جاسکتے تھے دروازوں کے
ما ہوتا تھا :-
سلام علی متعصر باللہ امیر الدنیا و قاہر السلاصل الدین"
عبارت پتھر پر ہی کندہ ہوتی تھی۔ بہر حال یہ حشیشن جب اس جنت کی
نکل کے دنیا میں آتے تو شیطانوں سے بڑھ کے خطرناک ہوتے تھے۔ فتنہ
اور قتل و غارت میں ایسے ماہر ہوجاتے تھے ان کی جرات پر حیرت ہوتی
ہم طور سے ان شیاطین سے امیروں، وزیروں، سرداروں اور بادشاہوں کو
انے کا کام لیا جاتا تھا۔ حشیشن کے دفاتر پورے مشرق وسطیٰ میں پھیلے
تھے جو اپنے آدمیوں سے پورا تعاون کرتے اور قتل کے بعد قاتل کو بچا
مدد دیتے تھے۔
ان قاتلوں کو شیخ الجبل کی طرف سے "فدائین" کا خطاب دیا گیا تھا وہ قتل
تے بلکہ اپنے شیخ کے حکم پر فدا ہوجاتے تھے۔ جو فدائی پکڑا جاتا اور پھانسی
ما دیا جاتا اسے شہید کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ لوگ شاہی محلات اور
سرداروں کے خیمے میں گھس جاتے تھے اور لمحوں میں نامزد انسان کو موت
ات اتار دیتے تھے۔ یہ اس قدر جراتمند ہوتے تھے کہ انگریزی کا نو
ASSASSIN اس خونی حشیشن سے مشتق ہے گویا ایسن اور حشیشن ہم

حشیشن کی تحریک میں ایک تو انسان کو بھنگ کا ٹھنڈا شربت پلایا جاتا تھا اور
یہ تاثر دیا جاتا تھا کہ یہ شرابا" طھورا ہے اور جس پر یہ عمل کیا جاتا تھا
شیخ الجبل اور اس کی جنت سے قریب تر کرتا چلا جائے گا۔ اس
میں ایسے ایسے قاتل بھی تھے جنھوں نے اپنے خنجر سے ایک دو نہیں بلکہ
قتل کئے تھے۔ یہ قاتل شیخ الجبل کے محبوب خدمتگاروں میں شامل ہوتے
رانہیں ہر ہفتہ اس جنت ارضی کی سیر کی اجازت ملتی تھی
حشیشن تحریک کا بانی "حسن بن صباح" تھا اس کا قول تھا کہ :-
"ہر مقدس شے کو سلطنت اور مذہب کے کھنڈروں میں دفن کردو۔"

علامہ ابن خلدون کا خیال ہے کہ حشیشن کے عقائد فرقہ قرامطہ سے ملتے جلتے ہیں اور یہ اس فرقہ کی ایک شاخ ہے۔ قرامطہ فرقہ، جو اسلام کے کسی اصول کو نہیں مانتے تھے بلکہ ایک نئی شریعت کے موجد تھے۔ نماز صرف دو وقت پڑھتے لیکن طہارت اور پاکیزگی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ شراب یا عورت سے ملاپ اس فرقہ میں جائز تھا مگر حشیشن کو ہم قرامطہ کی شاخ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ ان کے عقائد اسمٰعیلیہ فرقے سے ملتے جلتے ہیں۔ مصر کے فاطمی خلیفہ المستنصر کے زمانہ میں اس کی دو شاخیں ہوگئیں ایک مستعلویہ اور دوسری نزاریہ۔ مستنصر کے بڑے بیٹے کا نام نزار تھا۔ خلافت اس کو ملنا چاہئے تھی لیکن نزار کی بہن نے چھوٹے بھائی مستعلی کے حق میں فیصلہ دیا اور وہ خلیفہ ہوگیا۔ نزار اسکندریہ چلا گیا اور وہاں خلافت کا دعوےٰ کیا مگر مستعلی کی فوجوں نے اسے شکست دی اور قید کرکے قتل کردیا۔

حشیشن کا بانی حسن بن صباح اسی نزار کی امامت کے قائل تھے۔ حسن بن صباح اس کا داعی تھا اور اس نے مشرق میں اس کی دعوت دی اس لئے نزاریہ کو مشرقی اسمٰعیلیہ کہہ سکتے ہیں اس حسن بن صباح کا شجرہ نسب کچھ یوں تھا:

حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین بن الصباح بن الطہری۔

حسن بن صباح کی ملاقات ناصر خسرو سے ہوئی جو فاطمی فرقہ کا داعی تھا تو حسن بن صباح کا جھکاؤ اسمٰعیلی مذہب کی طرف ہوگیا۔ حسن بن صباح دو اسمٰعیلی داعیوں کے ساتھ حلقہ اصفہان کے بڑے شیخ ابن عطاش کے پاس پہنچا۔ شیخ ابن عطاش اس وقت رے میں مقیم تھے۔ حسن بن صباح ان کے پاس سات برس رہا پھر 471ھ میں شیخ نے اسے مصر جانے کا حکم دیا۔

یہ زمانہ فاطمی خلیفہ المستنصر کا تھا جس کے بیٹے مستعلی اور نزار تھے۔ بعد ان دونوں بھائیوں میں جانشینی کا جھگڑا چلا تو مصر کے وزیر امیر بدر جمالی نے حسن بن صباح کو مصر چھوڑنے پر اس لئے مجبور کردیا کہ حسن بن صباح خلیفہ کے بڑے بیٹے نزار کی خلافت کے حق میں تھا۔ اس طرح حسن بن صباح پھر اصفہان واپس آگیا اور "نزاریہ" کے نام سے دعوت دینے لگا۔ اس وقت قرامطہ کی طاقت ٹوٹ چکی تھی چنانچہ بچے کچھے قرامطی اس نزاریہ تحریک میں شامل ہوگئے۔ چونکہ مصر میں نزار کا چھوٹا بھائی مستعلی خلیفہ تھا اسے لئے نزار یا نزاریہ تحریک چلی اور باطنیہ کے نام سے موسوم ہوگئی۔

باطنی حسن بن صباح کی سرداری میں آہستہ آہستہ ایران کے قلعوں پر قبضہ کرتے رہے۔ آخر 483 ہجری میں حسن بن صباح نے کوہ البرز کے ایک بلند اور دشوار قلعہ "الموت" پر قبضہ کرلیا۔ یہ قلعہ کو شہر قزوین کے علاقہ میں صوبہ دیلم کا ایک مشہور قلعہ تھا جس کی بلندی کی وجہ سے دیہاتی لوگ اسے طالقان شکرے کا گھونسلہ کہتے تھے۔ طالقان دراصل ایک سلسلہ کوہ کا نام بھی ہے اس لئے اسے آشیانہ عقاب بھی کہا جاسکتا ہے۔

اس آشیانہ عقاب کو مرکز بنانے کے بعد عقاب یعنی "حسن بن صباح" مسلمانوں کے لئے ملک الموت بن گیا اور اس نے قتل و خون ریزی کا بازار گرم کردیا۔ پھر 485 ہجری میں اس دور کی ایک عظیم ہستی نظام الملک طوسی کو حسن بن صباح کے ایک فدائی نے قتل کردیا۔ اس تحریک میں لفظ فدائی کا اضافہ اسی حسن بن صباح نے کیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو جنت کا فریب دے کر انہیں قاتل بنا دیا تھا اسے تحریک فدائی بھی کہا جاتا ہے۔

سلجوق سلطان ملک شاہ کی وفات پر جب جانشینی کا جھگڑا چلا تو ان نزاریوں، باطنیوں یا فدائیوں نے اس بات سے بہت فائدہ اٹھایا۔ ملک شاہ کے جانشین برکیارق نے ان قاتلوں کی خدمات حاصل کرلیں وہ جس کو قتل کرانا چاہتا اس کا نام حسن بن صباح کو بھجوادیتا اور چند ہی دنوں میں اس کا خاتمہ ہوجاتا۔ یہ بات جب ہی عمائدین سلطنت کو معلوم ہوگئی اور انہوں نے برکیارق پر الزام لگایا کہ وہ باطنیہ فرقہ میں شامل ہوگیا ہے حالانکہ وہ باطنیوں سے اپنے دشمنوں کو ختم کرانے کا کام لیتا تھا۔ برکیارق کی جب زیادہ بدنامی ہوئی تو اس نے باطنیوں کو ختم کرنے کے احکامات صادر کردئے۔ اس سے شہروں میں رہنے والے "تقریباً" تمام فدائین ختم ہوگئے اور ان کا زور ٹوٹ گیا لیکن قلعوں پر ان کا ہی قبضہ رہا۔

سلطان سنجر نے بھی فدائین کو ختم کرنے کا قصد کیا تھا مگر حسن بن صباح نے اسے صلح کرنے پر مجبور کردیا۔ ایک مغربی مورخ کے مطابق حسن بن صباح نے اپنی تحریک شام کے ملک میں بھی پھیلانے کا فیصلہ کیا اور یہ لوگ شمال مشرق سے شام میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے سلجوق امیر رضوان بن تتش ان کے لشکر میں شامل ہوا۔ اس نے ایک ماہ تک جمعہ کے خطبہ میں فاطمی خلیفہ مستعلی کا نام پڑھوایا۔ فدائیوں نے بانیاس کو اپنا پہلا مستحکم قلعہ بنایا۔ پھر شام کے متعدد

قلعے ان کے قبضہ میں آگئے۔ انہوں نے یہاں بھی ایرانیوں کے فدائیوں والا طریقہ اختیار کیا اور قتل و غارت گری کا کام کرتے رہے۔ اب مصیاف کو انہوں نے اپنا مرکز بنالیا تھا جہاں ان کا شیخ رہتا تھا کہتے ہیں ان کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں جب اس پر دوباہ انہوں نے حملے کئے تو ان کا شیخ الجبل راشد اللہ بن سفیان باستان تھا۔ اس کا مرکز مصیاف تھا جس پر سلطان صلاح الدین نے حملہ کیا تھا اور اسے محاصرے میں لیا تھا۔

مغربی مورخ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فدائیوں کے خلاف مہم کو بالکل ناکام قرار دیتے ہیں اور یہاں تک کہتے ہیں کہ سلطان فدائیوں سے خوفزدہ ہوکر بھاگ کھڑا ہوا تھا حالانکہ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سلطان نے شیخ الجبل کے بہت سے علاقوں کو تباہ کردیا تھا اور پھر اس نے ان کے سب سے مضبوط قلعہ مصیاف کا محاصرہ کیا تھا۔ یہ قلعہ سب سے مستحکم اور بلندی میں آشیانہ عقاب سے کم نہ تھا۔ اور ایک ناقابل دسترس چوٹی پر واقع تھا اس کے نشیب میں ایک ویران گھاٹی تھی۔ سلطان نے قلعہ پر شدید سنگ باری کی اور پیہم یورش کی مگر قلعہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔

فدائیوں کے ایک ہمدرد مورخ نے مصیاف پر حملہ کی ایک مافوق الفطرت تصویر کشی کی ہے جو قارئین کے مطالعہ کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگی۔ یہ مورخ جو دراصل افسانہ تراش تھا اس کا نام ابو الفراس تھا اس کا بیان اس طرح ہے :-

صلاح الدین نے مصیاف کا محاصرہ کیا تو شیخ الجبل وہاں موجود نہ تھا۔ سلطان کا فرمان جس میں اسے قبول اطاعت کا حکم دیا گیا تھا وہ شیخ الجبل کے قریب ایک گاؤں میں موصول ہوا۔ اس نے قاصد سے کہا کہ وہ سلطان سے ملنا چاہتا ہے۔ محاصرہ کی وجہ سے مصیاف کا راستہ بند تھا۔ اس لئے شیخ الجبل اپنے دو ساتھیوں کو لے کر ایک پہاڑ کی چوٹی کی طرف جابیٹھا اور وہاں سے محاصرہ کے نتیجے کا انتظار کرنے لگا۔ سلطان صلاح الدین نے (شیخ الجبل کو پہاڑی پر) دیکھا کہ شیخ الجبل سامنے کی پہاڑی پر بیٹھا ہے۔ اسے یقین ہوگیا کہ دشمن اس کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے اس نے چند آدمیوں کو شیخ کی گرفتاری کے لئے چوٹی کی طرف بھیجا۔ لیکن اسے گرفتار کرنے کے لئے جانے والے اس وقت بے بس ہوگئے

انہیں کسی غیبی طاقت نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ انہیں اپنے اعضاء ں محسوس ہوئے۔

ابوالفراس کے مطابق یہ شیخ الجبل کی کرامت یا خرق عادت کا اثر تھا۔ اس معتقدین کا عقیدہ تھا کہ شیخ انسان کی شکل میں زندہ خدا تھا چنانچہ شکست اور پریشان حال قاصد واپس صلاح الدین کے پاس گیا اور اس نے تمام بیان کی۔ ان کی محیر العقول اطلاع سے صلاح الدین بے حد خوفزدہ ہوگیا۔ اپنے اوپر دونوں حملے یاد تھے۔ اب اسے (سلطان کو) شبہ ہونے لگا کہ شاید ں شیطان کی مافوق الفطرت طاقت سے نہ بچ سکے گا۔ اس نے اپنے خیمے رد کرد مٹی اور راکھ بکھرادی تاکہ چوری چھپے آنے والے کے پیر کے نشان بن جائیں۔ صلاح الدین کے پہرہ داروں کو رال کی مشعلیں دی گئیں اور پہرہ دینے والی گارڈ کو ہر گھنٹہ تبدیل ہونے کا حکم دیا گیا لیکن خوف نے ن کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس آرام کی نیند رخصت ہوگئی۔

ابوالفراس آگے چل کے ایک اور دلچسپ انکشاف کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ ب ایسا ہوا کہ سلطان کے پہریداروں نے دیکھا کہ مصیاف کی فصیل پر یک روشنی نیچے اترنے لگی۔ یہ روشنی وہاں پہنچی جہاں شیخ الجبل بیٹھا تھا پھر نی سلطان کے لشکر میں داخل ہوئی سلطان کے خیمہ کے پاس جگنو کی طرح ر غائب ہوگئی۔ ابوالفراح کا بیان ہے کہ ٹھیک اس وقت جب مصیاف سے والی روشنی سلطان کے خیمے کے پاس آکے جگنو کی طرح چمک کے غائب ٹھیک اسی وقت سلطان کی آنکھ کھل گئی اور اس نے سائے کو خیمے سے باہر ح جاتا ہوا دیکھا۔

سلطان اٹھ کے بیٹھ گیا اس نے محسوس کیا کہ اس کے لیمپ کی جگہ تبدیل گئی ہے۔ پھر اسے دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس کے بستر کے قریب تکونی رکھی ہیں۔ روٹیوں کی ساخت اس طرح کی تھی جیسی اسمٰعیل پکاتے تھے۔ کے اوپر ایک کاغذ کا پرچہ رکھا ہوا تھا۔ اس پرچہ کو خنجر کی نوک سے روٹی ت کیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خنجر زہر آلود تھا۔ سلطان خنجر ہٹا کر الا جب اسے پڑھا تو لکھا تھا :-

سلطنت کے بادشاہ کی قسم تیرے پاس جو کچھ ہے وہ نہ رہے گا۔ ہر چیز لبعہ اقتدار میں ہے۔ تیری طاقت اور اقتدار کے باوجود فتح ہماری ہوگی ہم

تجھے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تجھے اس وقت تک زندہ رکھا جائے گا جب تک
عمالوں کی تجھے سزا نہ مل جائے۔"

تحریر پڑھ کر سلطان نے ایک زور دار چیخ ماری پہریدار اور محافظ
آئے۔ سلطان نے انہیں روٹیاں ، خنجر اور پرچہ دکھایا وہ سب بھی خوفزدہ
شیخ الجبل سلطان کے سرہانے تک آیا تھا اور یہ رقعہ لکھ کر رکھ گیا تھا۔ کر
نہ تو اس کو دیکھا تھا اور نہ پیروں کی آواز سنی تھی۔ مگر جب خیمے کے
مٹی یا راکھ بکھیری گئی تھی اس پر پاؤں کے نشان بنے تھے۔ یہ نشان
طرف جارہے تھے۔

سلطان نے کہا۔"میں نے شیخ الجبل کو جاتے دیکھا ہے لوگ اس کے
میں جو بتاتے ہیں وہ اسے مختلف ہے"

پھر اس نے اپنے نائب کو حکم دیا۔"کسی کو شیخ الجبل کے پاس بھیجو ا
سے کہو کہ ہمیں یہاں سے بخیریت نکل جانے دے اس سے یہ بھی کہنا کہ ا
پچھلی غلطیوں کو معاف کردے۔"

سلطان کے نائب نے ایک ہرکارہ شیخ الجبل کے پاس بھیجا ہرکارہ سید
کے پاس پہنچ گیا اور سلطان کی درخواست زبانی پیش کی۔

شیخ الجبل نے جواب دیا۔" تمہارا بادشاہ جب تک محاصرہ برقرار رکھے
تک اس کی جان کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔"

ہرکارہ نے واپس جاکر سلطان کے سامنے شیخ الجبل کا جواب بیان
سلطان صلاح الدین یہ جواب سن کر محاصرہ چھوڑ چھاڑ اور لشکر لے کر ا
روانہ ہوگیا۔ لشکر کے راستہ میں ابن مندخ نام کا ایک پل پڑتا ہے۔ ج
اس پل پر پہنچا تو پل کے محافظوں نے صلاح الدین کو بتایا کہ وہ بے فکر
گزر جائیں کیونکہ اس کی راہداری کا پروانہ پل کے محافظ سردار کے پاس
ہے۔

ابوالفراح کا یہ بیان کس قدر مضحکہ خیز اور لغو ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ
کے فدائی مسلمان بادشاہوں اور والیوں کے لشکر میں قبل از وقت ملازمت
کرتے تھے تاکہ وقت مقررہ پر وہ بادشاہ یا والی کو آسانی سے اپنے خنجر کا
سکیں۔ یہ بات خود سلطان کو بھی معلوم تھی اور اس پر دوبارہ قاتلانہ
تھا۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر سلطان خشیشن کے شیخ الجبل ـ

تو اس سے بدلہ لینے کے لئے ان خطرناک قاتلوں کے سب سے محفوظ مرکز
لہ کیوں کرتا۔

اصل قصہ یہ تھا کہ سلطان صلاح الدین نے پہلے تو خشیشن کے چھوٹے قلعے اور
تہس نہس کیں پھر اس نے ان کے مغربی مرکز مصیاف کا محاصرہ کیا۔ یہ
مرہ اس قدر سخت تھا اور سلطان کی منجنیقوں نے قلعہ پر اس قدر پتھر برسائے
کہ خشیشن اور ان کے شیخ الجبل کا ناطقہ بند ہوگیا اور انہیں اپنی جیت کی
صورت نظر نہ آرہی تھی۔ مصیاف پر رات دن پتھر برستے رہتے تھے محاصرہ
خت تھا کہ شیخ الجبل کو باہر سے کوئی مدد نہ مل سکتی تھی۔ جب محاصرہ کی
اں حد سے بڑھ گئیں تو شیخ الجبل نے سلطان صلاح الدین کے ماموں شباب
ن حارمی کے پاس اپنی سفارت بھیجی اور ان سے درخواست کی کہ وہ سلطان
ح الدین سے اس کی جان بخشی کرادیں۔

سلطان کے ماموں نے سلطان سے سفارش کی کہ شیخ الجبل کو معاف کردیا
ے وہ وعدہ کرتا ہے سلطان صلاح الدین کے لشکر کی طرف کبھی رخ نہیں
ے گا اور نہ سلطان کے کسی معاملہ میں دخل دے گا۔ سلطان صلاح الدین
صاف انکار کردیا کہ اس بے دین کے وعدوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا پھر
اس نے دو مرتبہ سلطان پر قاتلانہ حملے کرائے ہیں اس لئے اسے زندہ نہیں
وڑا جائے گا۔ شباب الدین حارمی نے شیخ الجبل کو اطلاع بھیجی کہ اس کی
وں سے سلطان بے انتہا ناراض ہے اور اسے معاف کرنے پر کسی طرح آمادہ
ں ہورہا۔

شیخ الجبل بہت گھبرایا ہوا تھا اس نے شباب سے درخواست کی کہ وہ شیخ
ل کو سلطان کے سامنے پیش کرے اور شیخ الجبل خود سلطان سے معافی مانگے گا
آئندہ کے بعد اس کے معاملات میں دخل دینے سے توبہ کرے گا۔ پس شباب
ین حماہ سے چل کے سلطان صلاح الدین کے پاس آیا اور دوبارہ سفارش کی
شیخ الجبل کو سلطان کے پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ اس طرح شیخ الجبل سنان
نیاں شباب الدین حارمی کے ساتھ سلطان صلاح الدین کے سامنے پیش ہوا۔
ایک لانبے قد کا دبلا آدمی تھا اور چلنے میں اس کی کمر میں خم پیدا ہوجاتا تھا۔
ر جھکائے ہوئے سلطان کے سامنے آیا اور اس سے معافی طلب کی۔ سلطان
اپنے ماموں کی بے انتہا سفارش پر اسے معاف کردیا اور محاصرہ اٹھا کر واپس

آگیا۔

پچھلے صفحات میں ذکر ہوچکا ہے کہ سلطان صلاح الدین نے اپنے مصر
قیام کے دوران جب وہ امیر صلاح الدین سے مصر کا گورنر تھا اپنے ایک بھا
شمس الدین توران شاہ کو ایک لشکر کے ساتھ یمن کی فتح پر بھیجا تھا۔ توران
نے وہاں پہنچ کر یمن فتح کیا اور اس ملک کا پورا انتظام کرکے صلاح الدین
بلاوے پر دمشق آگیا۔ صلاح الدین اپنی طاقت دمشق اور قاہرہ کے گرد جمع کر
تھا اس لئے اس نے توران شاہ کو یمن سے واپس بلا لیا تھا۔

ادھر سلطان صلاح الدین حشیشن کے مرکز مصیاف کا محاصرہ اٹھانے کے
دمشق واپس آیا تو توران شاہ وہاں موجود تھا۔ صلاح الدین تقریباً" دوسال سے
سے باہر تھا اور وہاں جانا چاہتا تھا۔ توران شاہ کے آنے سے اسے تقویت م
اس نے دمشق (ملک شام) کا انتظام توران شاہ کے سپرد کیا اور خود مصر روا
ہوگیا۔ صلاح الدین جب مصر سے دمشق آیا تھا تو اس نے ابوالحسن بن سنان
سقحان بن محمد کو مصر میں اپنا نائب مقرر کیا تھا جو اب تک بڑی خوش اسل
سے انتظام سلطنت چلا رہا تھا۔

سلطان صلاح الدین کا قاہرہ میں بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔ وہ یہاں
روانہ ہوا تھا تو امیر صلاح الدین تھا اور اب وہ سلطان دمشق اور قاہرہ ہو
واپس آیا تھا۔ اس کے علاوہ سلطان نے حشیشن جیسے جابر اور خونی فرقہ کو
ٹیکنے پر مجبور کردیا تھا۔ یہ فرقہ مصر کے سابق فاطمی امیروں کو بھی مصر کے خلا
بھڑکایا کرتا تھا۔ فرنگی بھی ان قاتلوں سے کام لیا کرتے تھے۔ اس طرح سلط
صلاح الدین نے حشیشن کا زور توڑ کے فرنگیوں اور سابق امراء کا بالواسطہ زور
دیا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا قاہرہ کی سرحد پر پرجوش استقبال کیا گیا اور
سے دارالوزارت اور شاہی محل تک اسے جلوس کی شکل میں لایا گیا۔ یہ جلو
جن بستیوں اور راستوں سے گزرتا وہاں کے لوگ جلوس میں شامل ہوجاتے
طرح شاہی محل تک پہنچتے پہنچتے جلوس میں شامل لوگوں کی تعداد دولاکھ سے ز
ہوگئی۔ اس میں وہ مرد عورتیں اور بچے شامل تھے جو اپنے بالا خانوں پر کھڑ
سلطان صلاح الدین کے حق میں پرجوش نعرے بلند کررہے تھے۔
مصر کی فوج جو کمک کے طور پر دمشق بھیجی گئی تھی وہ رخصت پر پہلے

آچکی تھی۔ سلطان نے دوسرے دن دربار عام لگایا۔ غرباء اور مساکین میں
کپڑا اور نقد رقم تقسیم کی گئی۔ صلاح الدین شام کی جنگوں میں حاصل ہونے
والے مال غنیمت کا ایک حصہ مصر ساتھ لے کے آیا تھا۔ اس کو مصر کے بیت
المال میں جمع کردیا گیا۔ یہ دراصل اس حق خدمت کا صلہ تھا جو مصری فوج نے
شام میں شامیوں کے دوش بدوش میدان جنگ میں ادا کی تھی۔
سلطان صلاح الدین کو سب سے بڑی فکر فصیل شہر اور فصیل قلعہ کی تھی
اس کے خیال میں بیرونی حملوں کو روکنے کے قابل نہ تھیں۔ سلطان نے دونوں
فصیلوں کی مرمت اور اس میں اضافہ کا ایک نیا منصوبہ بنایا اور اس کام پر
قراقوش کو مامور کیا۔ قراقوش سلطان کے لئے بڑی خدمات انجام دے چکا تھا اور
تجربہ کار تھا۔ فصیل کا احاطہ تقریباً" انتیس ہزار تین سو فیٹ تھا۔ یہ کام
شروع ہوا تو بس ہوتا ہی رہا۔ تیس سال بعد سلطان صلاح الدین کے بھتیجے نے
اسے تکمیل تک پہنچایا۔ قلعہ کے بانی کا یہ کتبہ باب المدرج پر اب بھی موجود
ہے:

"الملک الناصر صلاح الدنیا و الدین" ابو فتح یوسف بن ایوب نے اس قلعہ
تعمیر کا حکم دیا اور زیر ہدایت العادل سیف الدین ابوبکر محمد اور زیراہتمام امیر
قراقش بن عبداللہ مملوک ملک الناصر' 579 ہجری بمطابق 84-1183ء تعمیر
ہوا۔

اس کے علاوہ 280 فٹ گہرا کنواں بیر یوسف صلاح الدین کے حکم سے
اُن نے چٹان میں کٹوایا تھا۔ صلاح الدین کی مشہور یادگاروں میں قاہرہ کا
...ریز اور بالائی مصر کی نہر جو اب تک موجود ہے۔ اس نہر کو نہر یوسف بھی
کہتے ہیں۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں جیزہ کی پتھر دیوار ہے یہ دیوار پتھر کے اہرام
مقبروں سے صحرا کے دامن تک سات میل دور چالیس محرابوں پر تعمیر کی گئی
۔ یہ دراصل عربوں کے حملوں کی مدافعت کے لئے تیار کی گئی تھی لیکن کبھی
اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔
سلطان صلاح الدین کو مصر میں مصروف دیکھ کر فرینکس (فرنگی) نے ہاتھ پیر
نکالے اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ قلعہ الحارم پر حملہ کردیا۔ یہ قلعہ شاہ حلب
الملک الصالح کے علاقہ میں تھا۔ ملک الصالح تو قلعہ کو کوئی کمک نہ بھیج سکا مگر
قلعہ کے گورنر نے اس وقت بڑا کام دکھایا۔ وہاں کا گورنر ارمغانہ کا باپ

شمس الدین بن المقدم تھا۔ وہ بعلبک سے فوجی دستے لے کر نکلا اور الحار
قریب ایک دلدلی جنگل میں چھپ گیا پھر اچانک فرینکس پر حملہ کرکے انہیں
نقصان پہنچایا۔ المقدم کے اس اچانک حملہ سے بہت سے فرینکس مارے گ
امیر المقدم نے دوسو فرینکس کو گرفتار کرلیا۔

امیر المقدم کے ہاتھوں مار کھا کر فرنگی لشکر نے دمشق کی سرحد پ
کردیا۔ دمشق کے حاکم توران شاہ کو فرنگیوں کے حملے کی اطلاع ملی تو وہ
سے فوج لے کر نکلا اور مروج کے مقام پر فرنگیوں کے مقابل ہوا۔ مرو
فرنگیوں اور دمشق کی فوج میں شدید جنگ ہوئی جس میں توران شاہ کو
ہوگئی اور اسے پسپا ہونا پڑا۔ اس جنگ میں دمشق کا ایک مشہور سردار
الدین ابوبکر بن السادر فرنگیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔

فرنگیوں کے ان حملوں کی خبر قاہرہ پہنچی تو سلطان صلاح الدین فورا
لے کر فرنگی علاقوں کی طرف چل پڑا۔ وہ عسقلان پہنچا مگر اس کے مقابلہ م
نہیں آیا۔ خیال تھا کہ اب نصرانی لشکر دمشق پر حملہ کرنے گیا ہے۔ سلطا
رملہ اور لد کو تاراج کیا اور یروشلم کی سرحد کے ساتھ دور دور تک اپنے
پھیلا دیا۔ مگر اچانک نامعلوم کس طرف سے نکل کے فرنگی لشکر سلطان
الدین کے سامنے آگیا اس میں سینکڑوں ٹمپلرز اور نائٹ تھے۔ لشکر کے آگ
آف بیت اللحم، اصلی صلیب جسے صلیب الصلبوت کہا جاتا ہے اٹھا کے
تھا۔

فرنگیوں کے لشکر کی تعداد کا کہیں ذکر نہیں ملتا بہر حال یہ ایک بڑا لش
جس میں بالیان، ریجنلڈ آف سیدن، ڈرڈی، شد آف کی ٹمپل اور جو
دے سینے جیسے فرنگیوں کے لڑاکے موجود تھے۔ مغربی مورخ ایک طرف یہ
ہیں کہ سلطان صلاح الدین کے ساتھ چھبیس ہزار کا لشکر تھا پھر دوسرے
یہ کہتے ہیں کہ سلطان کا لشکر مختلف شہروں میں گھسا ہوا حملے کررہا تھا۔
مورخوں کے مطابق سلطان کا تمام لشکر منتشر حالت میں شہروں کو گھیر
مصروف تھا اور سلطان کے ساتھ اس وقت اس کے محافظ دستوں او
سرداروں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ سلطان اگر چاہتا تو پسپا ہوکر پیچھے ہٹ
مگر اس نے اس مختصر سواروں کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کا فیصلہ کیا اور
میں ڈٹ گیا۔

انچہ رملہ کے قریب تل جزار کے مقام پر 25 نومبر 1177ء کو سلطان
دین اور نصرانی لشکر کا مقابلہ ہوا۔ ایک طرف سلطان اپنے محافظ دستہ اور
یوں کے ساتھ موجود تھا اور اس کے مقابلہ پر 375 نائٹس، سیکڑوں
ور ہزاروں سواروں اور پیادوں کا نصرانی لشکر تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ بڑی
ل تھی۔ ایک طرف سے نائٹس اور ٹمپلز حملہ آور ہورہے تھے تو
طرف نصرانی سواروں کے غول کے غول سلطان کو گھیرے میں لینے کی
کررہے تھے۔

طان صلاح الدین اور ان کے محافظوں اور حواریوں نے بڑا سخت مقابلہ
طان کے ایک بھتیجے محمد نے سلطان کی حفاظت میں بہادری کے بہت جوہر
سلطان کا دوسرا بھتیجا جس ابھی عنفوان شباب تھا اور مسیں بھیگ رہی
سلطان کی حفاظت کرتے کرتے قربان ہوگیا۔ تمام دن لڑائی ہوتی رہی پھر
تے ہوتے نصرانیوں نے ایک زبردست حملہ کرکے سلطان کے حفاظتی دستے
ٹنے پر مجبور کردیا۔ سلطان نے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھایا اور
(نصرانیوں کے مطابق اونٹ) جنگل کی طرف موڑ دیا۔ سلطان کے اہم
میں فقیہ عیسیٰ ہکاری بھی تھے جو شام تک مقابلہ کرتے رہے تو رات
ایک طرف نکل گئے مگر راستہ بھول گئے اور نصرانیوں نے انہیں گرفتار

طان صلاح الدین نے کسی اچانک حملہ کی پیش بندی نہیں کی تھی اور
ور تک پھیلا دیا تھا۔ اس لئے انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ عیسائیوں
ن کی اس شکست پر بہت بغلیں بجائیں۔ سلطان کئی دن جنگلوں میں بھٹکتا
اور اس کے چند ساتھی بھوک پیاس کی تکلیف سے دوچار ہوئے پھر
جھیلتے ہوئے کسی طرح قاہرہ پہنچے۔ سلطان کو اس جنگ میں بھاری جانی
ٹھانا پڑا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے خاص دوست اور سردار فقیہ
ری فرنگیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے ہیں تو اسے بہت افسوس ہوا۔
عیسیٰ ہکاری کا حال یہ ہوا کہ جب وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹے تو رات
ان کے ساتھ ان کے بھائی ظہیر اور کچھ ساتھی بھی تھے۔ یہ لوگ
ے بھٹک گئے اور رات بھر ادھر ادھر بھٹکے پھرے اور صبح دم انہیں
ے ایک دستے نے گرفتار کر لیا۔ سلطان صلاح الدین نے ان لوگوں ساتھ

ہزار دینار فدیہ ادا کرکے رہا کرالیا۔ اس طرح مسلمانوں کا جانی نقصان کے
مالی نقصان بھی ہوا۔ اسلحہ کا پورا ذخیرہ اور سامان خورد و نوش بھی نصرانیوں
ہاتھ لگا۔ اور وہ اسے یروشلم اٹھا لے گئے۔

محاذ پر ایک ذرا سی غلطی کس طرح شکست کا شاخسانہ بن جاتی ہے اس
مثال جزار کا معرکہ ہے سلطان صلاح الدین نے عقلان پہنچ کر جب نصرانیوں
اپنے مقابل پایا تو اس نے اندازہ لگایا کہ نصرانی خوفزدہ ہوکر دور کے شہروں
بھاگ گئے ہیں لیکن یہ اندازہ غلط تھا۔ نصرانی لشکر نے سلطان کو اندر آ
موقعہ دیا تھا پھر جب سلطان نے اپنے لشکر کو ٹکڑوں اور گروہوں کی شکل
شہروں میں گھس جانے کا حکم دیا تو نصرانیوں نے اس موقعہ سے بھرپور فائدہ
اور فوراً" سلطان اور محافظ دستے کو گھیرے میں لے کر شکست سے دوچار ک
اس مغربی مورخ نے لکھا ہے سلطان نے چھبیس ہزار لشکر کے ساتھ عقلا
حملہ کیا تھا۔ پھر عیسائیوں نے انہیں جزار کے میدان میں بری طرح شکست
اور سلطان کے لشکر کو کاٹ کے رکھ دیا۔ جس کے نتیجہ میں سلطان کا پورا
قتل ہوگیا اور مشکل ہی چند لشکری میدان سے جانیں بچاکر بھاگ سکے تھے۔

مغربی مورخ کے اندازے میں اگرچہ بہت مبالغہ ہے لیکن یہ حقیقت ہ
سلطان کے ساتھ جانے والا لشکر اس بری طرح تباہ ہوا تھا کہ سلطان کو ا
سر نو ترتیب دینا پڑا۔ اپنی اس شکست کے بارے میں سلطان صلاح الدین
دمشق میں اپنے بھائی توران شاہ کو جو خط لکھا وہ کچھ یوں ہے۔

خط کے شروع میں حماسہ کے ایک شاعر کا شعر لکھا تھا
جس کا مطلب یہ تھا کہ :-

"میں نے تمہیں اس وقت یاد کیا جب ہمارے درمیان
نیزوں کی بوچھاڑ تھی اور گندم گوں سیدھے نیزے ہم پر حملہ
کررہے تھے"

آگے چل کے سلطان نے لکھا :-

"ہم کئی مرتبہ ہلاکت اور تباہی کے کنارے پر پہنچ گئے
اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان خطرات سے بچایا۔ وہ ہم سے کوئی
کام لینا چاہتا ہے اس کے حکم کے مطابق میں ثابت قدم اور
صحیح و سالم رہا۔"

سلطان صلاح الدین کے جو فوجی دستے فرنگیوں کے شہروں میں گھس گئے
ان میں سے کچھ شہید ہوئے، کچھ گرفتار ہوئے اور بہت کم بچ کے واپس
سکے گرفتار ہونے والوں کو سلطان نے فدیہ ادا کرکے رہا کرالیا تھا۔

1178ء کے چند ماہ سلطان صلاح الدین اور اس کے لشکر کے لئے بہت
ثابت ہوئے۔ جنوب میں سلطان کو رملہ (جزار) میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا
ٹھیک اسی وقت شمالی حماہ پر مصیبت آئی۔ ان دنوں ایک فرنگی سردار ساحل
م پر فرنگیوں کی طاقت کو جمع کررہا تھا۔ اس نے دولت کے زور پر ایک بڑا
ر بنا لیا تھا۔ اس کی خبر دمشق میں پہنچ گئی تھی لیکن دمشق کے حاکم توران شاہ
نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ تاریخ تو یہاں تک بتاتی ہے کہ جس وقت فرنگی
ر حماہ کی طرف بڑھ رہا تھا تو والی دمشق حالات سے باخبر ہونے کے باوجود عیش
شرت میں مبتلا تھا۔

نئے فرنگی سردار کے تحت فرنگیوں کے ایک بڑے لشکر نے حماہ پر حملہ
دیا۔ حماہ کا حاکم سلطان صلاح الدین کا ماموں شہاب الدین حارمی تھا وہ اس
ت سخت بیمار تھا۔ فرنگیوں کا حملہ اس قدر اچانک تھا کہ حماہ کا شہر آدھے سے
ادہ فرنگیوں کے قبضہ میں آگیا۔ باقی شہر اور قلعہ مسلمانوں کے پاس رہا۔ مسلمان
راصل قلعہ بند ہوکر مدافعت کرنا چاہتے تھے لیکن اس صورت میں انہیں بقیہ
ر سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے تھے۔

ادھر فرنگیوں کا محاصرہ سخت ہوتا جارہا تھا حاکم حماہ تو صاحب فراموش تھا۔
کے نائب نے تمام فوجی سرداروں کو اکٹھا کرکے مشورہ کیا۔ سرداروں نے
رہ دیا کہ شہر کا ایک حصہ تو دشمن کے قبضہ میں جاچکا ہے اس لئے اگر اس
ت کمزوری کا اظہار کیا گیا تو دشمن پورے شہر پر قابض ہوجائے گا۔ پھر قلعہ کو
انا ناممکن ہوجائے گا۔ اس لئے رائے یہ ٹھہری کہ بجائے آدھے شہر کی حفاظت
نے کے تخت یا تختہ کے مصداق شہر کے مقبوضہ حصے کو واپس لینے کے لئے
م حملہ کردیا جائے اس سے گومگو کی حالت ختم ہوجائے گی اور جلد قبضہ بھی
ائے گا۔

پس حماہ کے فوجی سردار مجاہدین اسلام کی طرح جھرجھری لے کر اٹھ کھڑے
ئے اپنے سرداروں کا جوش و جذبہ دیکھ کر ان کے ماتحت لشکری بھی سرفروشی
تیار ہوگئے اور دوسرے دن مسلمانوں نے اچانک فرنگیوں پر جوابی حملہ شروع

کردیا۔ فرنگی اس کا تصور بھی نہ کرسکتے تھے۔ وہ تو یہ سمجھ کے محاصرہ کئے
تھے کہ دوچار دن میں شہر کا باقی حصہ ان کے قبضہ میں آجائے اور پھر وہ
مضبوطی سے محاصرہ میں لے کر اس پر بھی قبضہ کرلیں گے۔

مسلمانوں کے اس جوابی حملہ سے وہ سخت پریشان ہوئے انہوں نے
جانے کی بہت کوشش کی لیکن مسلمان اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے ان
طرح جا پڑے کہ جیسے عقاب اپنے شکار پر جھپٹتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے
نے سیکڑوں فرنگیوں کو تہہ تیغ کردیا۔ فرنگی حملہ آور بدحواس ہوگئے اور ا
ہونا پڑا۔ مسلمانوں نے شام ہونے سے پہلے شہر کا وہ حصہ جو حملہ آورو
قبضہ میں آگیا تھا ان سے واپس لے لیا اور دفاع کو مضبوط کرکے مدافع
اختیار کرلیا۔

فرنگیوں میں افراتفری پڑگئی تھی ان کے سردار نے یہی غنیمت جان
مسلمانوں نے شہر واپس لینے کے بعد شہر سے باہر نکل کر حملہ نہیں کیا ور
انہیں شکست کھا کر بھاگنا پڑتا۔ پھر دوسرے دن صبح کو مسلمانوں نے فص
سے جھانک کے دیکھا تو میدان صاف تھا۔ فرنگی اپنے خیمے اکھاڑ کر واپ
تھے۔ یہ حماہ کے محاصرے کا تیسرا دن تھا کہ فرنگیوں کو مجبور ہوکے محا
کرکے حماہ سے پیچھے ہٹنا پڑا۔

پھر اس دن اطلاع ملی کہ فرنگی حماہ سے ہٹ کر "الحارم" پہنچ گئے
انہوں نے "الحارم" کا سخت محاصرہ کرلیا ہے۔ حماہ میں اتنی طاقت نہ تھ
"الحارم" کی مدد کو جاتا۔ دمشق کا والی توران شاہ محفل عیش جمائے بیٹھا ت
حلب ملک الصالح کو الحارم کی مدد کرنا چاہئے تھی کیونکہ یہ علاقہ اسی ک
مگر وہ اس وجہ سے کوئی قدم نہ اٹھا سکا کہ اس میں اور اس کے وزیر
میں سخت اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ حلب میں جب "الحارم" کے محاصرے کی
تو الملک الصالح نے فوجی اقدام کے بجائے فرنگیوں کو ایک معقول رقم
"الحارم" سے واپس جانے پر آمادہ کرلیا۔ اس کے اس بزدلانہ اقدام میں
مخالف گمشتگین بھی برابر کا شریک تھا۔

ملک الصالح نے الحارم کو بچانے کے لئے فرنگیوں کو ایک بڑی کثیر
کی تھی فرنگیوں نے الحارم سے محاصرہ تو اٹھا لیا مگر اب ان کے حوصلے ب
تھے اور ان کے ہاتھ مفت کی دولت آگئی تھی۔ ادھر حماہ والے مطمئن ہو

ں نے فرنگیوں کو شہر سے مار بھگایا ہے اس لئے اب ادھر آنے کی
نہ کریں گے لیکن فرنگی الحارم کو چھوڑ کے ایک دم حماہ کی طرف گھوم
انہوں نے حماہ شہر اور قلعہ کو چھوڑ کے باقی تمام مضافاتی بستیاں تہہ و بالا
اور انہیں لوٹ مار کے جلا دیا۔

ہ کے والی شہاب الدین حارمی جو حماہ پر پہلے حملہ کے وقت شدید بیمار تھا
ں کا انتقال ہوچکا تھا۔ حماہ والے اس صدمہ سے دوچار تھے اور سلطان کی
ے کوئی نیا حاکم پہنچ جانے کے منتظر تھے کہ ایک بار پھر ان پر فرنگیوں
بت نازل ہوگئی۔ مرحوم والی حماہ کے نائب نے ایک بار پھر مجلس مشورہ
ں اور طے پایا کہ فصیل شہر سے نکل کر فرنگیوں کا مقابلہ کیا جائے ورنہ
جنگ میں شہر ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ فرنگی اس وقت تک آس
آبادی کو خاکستر کرکے حماہ شہر پر حملہ کی تیاری کررہے تھے۔

ر قبل اس کے کہ فرنگی حماہ کی فصیل شہر پر حملہ آور ہوتے حماہ کے
سرکردگی میں وہاں موجود لشکر سروں سے کفن باندھ کے حملہ آوروں پر
۔ فرنگی حماہ کی فوج سے پہلے بھی شکست کھا چکے تھے اس لئے ان کے
ئے نہ بن پڑی اور ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ حماہ کی فوج نے ان کی گھبراہٹ
زوری سے فائدہ اٹھایا اور بڑھ چڑھ کر اتنے زبردست حملے کئے کہ فرنگیوں
ہٹ کر پھر اپنی صف بندی کرنا پڑی لیکن حماہ کی فوج نے ان کی ساری
ڈی توڑ پھوڑ کے رکھ دی اور اس قدر دباؤ ڈالا کہ فرنگیوں کو سر پر پیر
بھاگنا پڑا۔ اس طرح حماہ والوں نے نہ صرف اپنے والی کی عدم موجودگی
ر اور قلعہ کی پوری حفاظت کی بلکہ حملہ آوروں کو مار بھگایا اور ان کے
ے لشکری گرفتار کرلئے۔

ں جنگ میں فرنگیوں کا بہت جانی نقصان ہوا تھا۔ اس لئے نائب والی نے
تولین کے سروں کو اکٹھا کیا اور فرنگی قیدیوں کے ساتھ فتح کے اس تحفہ کو
ا صلاح الدین ایوبی کے پاس روانہ کیا۔ سلطان صلاح الدین نے رملہ کے
یروشلم کے لشکر کے ہاتھوں بری طرح شکست کھائی اور اس کے ساتھ کا
لشکر آدھے سے زیادہ تباہ ہوگیا تھا لیکن سلطان نے اس شکست سے بددل
کی بجائے سبق سیکھا اور صرف تین دن کے اندر اس نے اپنا نیا لشکر تیار
سلطان کا رابطہ دمشق سے قائم تھا اور اسے دمشق کے شمال میں مسلمان

علاقوں پر فرنگیوں کے حملوں کی برابر اطلاعات مل رہی تھیں اس لئے وہ
سے بڑی تیزی سے دمشق کے شمالی اور مشرقی علاقوں کو بچانے کے لئے
ہوا۔

سلطان صلاح الدین ابھی پہنچا بھی نہ تھا کہ حماہ پر فرنگیوں کے دوسرے
کی اطلاع ملی اور سلطان کے حمس پہنچنے سے پہلے ہی حماہ والوں نے فرنگیو
شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ پھر جب سلطان حمس پہنچ گیا تو حماہ والوں کی
سے فرنگیوں کی شکست کی نوید کے ساتھ فرنگی قیدیوں اور فرنگی مقتولین کے
اس کے سامنے پیش کئے گئے۔ سلطان کے لشکر کو جنوب میں شکست ہوئی تھ
اس میں بہت سے لشکری قتل ہوئے تھے۔ اس کے بدلے میں سلطان نے
قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

سلطان کو حمس میں آئے ہوئے تیسرا دن تھا کہ اسے فرنگی قیدیوں کا
اور تحفہ موصول ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شام کے نئے فرنگی سردار
فرنگیوں کو اکٹھا کرکے جو لشکر ترتیب دیا تھا اس نے سب سے پہلے حلب
علاقہ پر حملہ کیا تھا اور اس حملہ میں بعلبک کا گورنر امیر شمس الدین ا
فرنگیوں کے مقابل آیا تھا اور اس نے فرنگیوں کو شکست دے کر مار بھگایا
امیر المقدم کے ہاتھ بہت سے فرنگی قیدی بھی آئے تھے جنہیں وہ اپنے
بعلبک لے گیا تھا۔ چونکہ اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی مصر گیا ہو
اس لئے امیر المقدم نے فرنگی قیدیوں کو قید خانہ میں رکھا تھا تاکہ جب
مصر سے واپس آئے تو اپنی کارکردگی کے ثبوت میں المقدم ان قیدیوں کو
کے سامنے پیش کرے۔

المقدم کو جب اطلاع ملی کہ سلطان صلاح الدین مصر سے حمس پہنچ
تو وہ فوراً فرنگی قیدیوں کو ساتھ لے کر سلطان کی طرف روانہ ہوا۔ امیر
کے ساتھ اس کی بیٹی ارمغانہ بھی تھی۔ جب یہ باپ بیٹی سلطان کے سا
سلطان صلاح الدین کے پاس اس کا بہادر بھتیجا عزالدین فرخ شاہ بھی بیٹھا
فرخ شاہ اور ارمغانہ کی نظریں چار ہوئیں تو ان کے دلوں پر جیسے قیامت
گئی۔ ارمغانہ نے تو حیاء کی وجہ سے چند لمحوں کے بعد اپنی نظریں نیچی کر
فرخ کی نظر کی پیاس تو بجھتی ہی نہ تھی وہ ٹکٹکی باندھے ارمغانہ کو دیکھ
تھا۔

امیر المقدم نے سلطان کو سلام پیش کیا۔ باپ کی تقلید میں ارمغانہ بھی
کے سامنے خم ہوکر آداب بجا لائی۔
"یہ تمہاری بیٹی ہے المقدم ؟" سلطان نے سوالیہ انداز میں کہا۔
"جی عالیجاہ یہ میری بیٹی اور آپ کی کنیز ہے۔" المقدم نے بڑے مہذب
سے جواب دیا۔
"کچھ دن پہلے تم نے بتایا تھا کہ یہ بیمار ہے۔ اب کیا حال ہے اس کا؟"
کو پتہ نہیں کیوں المقدم کی بیٹی میں دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ اس نے ایک تو
پہچان لیا تھا اب اس کی بیماری کا حال بھی پوچھ رہا ہے۔
"ارمغانہ اب بالکل ٹھیک ہے عالی جاہ۔" پھر المقدم نے بیٹی کی طرف دیکھ
شاید طنزاً کہا۔ "تم خوش قسمت ہو ارمغانہ سلطان معظم نے نہ صرف تم کو
لیا بلکہ تمہاری خیریت بھی دریافت کی ہے۔"
ارمغانہ نے جھک کے پھر تسلیم پیش کی اور ادب سے کہا۔ "میں سلطان
کی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے میری خیریت دریافت فرمائی۔"
سلطان صلاح الدین نے ارمغانہ کو جواب دینے کی بجائے امیر المقدم سے
"امیرالمقدم تمہاری بیٹی نے ہمارے بھتیجے عزالدین فرخ شاہ پر ایسا احسان کیا
ہے نہ ہم بھول سکتے ہیں اور نہ فرخ شاہ۔"
پھر سلطان نے فرخ شاہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں فرخ
تمہارا کیا خیال ہے؟"
"عالیجاہ میں نہ امیر شمس الدین ابن المقدم کو بھول سکتا ہوں اور نہ ان کی
کے احسان کو کبھی بھلا سکوں گا۔ کاش میں اس احسان کو کسی طرح اتار
" فرخ شاہ نے ٹھہر ٹھہر کے کہا اور آخر میں ارمغانہ کی طرف دیکھا۔
امیر المقدم شاید فرخ شاہ سے جل گیا تھا اس نے فوراً بات کا رخ موڑا۔
"عالیجاہ دمشق سے آپ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاکر بدبخت فرنگیوں نے
کے زیر تسلط علاقہ پر اچانک حملہ کردیا۔" امیر المقدم نے سلطان کی توجہ
طرف کرنے کے لئے اپنی کہانی شروع کردی مگر سلطان نے قطع کلام کیا۔
سلطان اس حملہ کا تمام حال اور المقدم کی کارکردگی اپنے آدمیوں سے پہلے
ن چکا تھا اس لئے اس نے کہا۔ "المقدم ہمیں فرنگیوں کے حملہ کا حال اور
ی دلیری کی تمام داستان اپنے آدمیوں سے معلوم ہوچکی ہے۔ ہم تمہارے

اس دلیرانہ اور شجاعانہ کارنامہ سے خوش ہوئے۔ ہم نے سنا ہے کہ تم نے کچھ فرنگیوں کو گرفتار کیا ہے ان کا کیا بنا؟"

"عالیجاہ ان بدبختوں کو میں آپ کے قدموں میں پیش کرنے ساتھ لایا ہوں۔" امیرالمقدم نے بڑے فخر سے جس میں تکبر کی آمیزش تھی گردن اٹھا کر فرخ شاہ کی طرف دیکھا۔

"بہت خوب" سلطان نے مسرت سے کہا۔ "ہم قیدیوں کو تمہاری صوابدید پر چھوڑتے ہیں چاہو تو انہیں قتل کردو یا پھر فدیہ لے کر چھوڑ دو۔"

"جو حکم ہو عالیجاہ" المقدم پھول گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ قیدیوں کو قتل کرنے یا زرفدیہ لے کر چھوڑنے کا اختیار صرف بادشاہ یا سلطان کو ہوتا تھا سوائے اس کے کہ سلطان اپنے طور پر یہ اختیار کسی گورنر یا والی کے سپرد کردے۔

المقدم نے گردن گھما کر حاضرین کو دیکھا جیسے وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ سلطان کے اس حکم کا دوسرے امیروں اور سرداروں پر کیا اثر ہوا؟ اسوقت اس کی نظر فرخ شاہ پر پڑی جس کی نظر ارمغانہ کے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔

المقدم بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "عالیجاہ میں حضور عالی میں ایک درخواست اور پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"اجازت ہے کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو کیونکہ ہم بھی تمہیں ایک انعام چاہتے ہیں۔ سلطان صلاح الدین نے بڑے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"امیرالمقدم کو بے چینی ہوگئی" اس نے کہا "عالیجاہ آپ مجھے پہلے انعام فرمایئے تب میں اپنی درخواست پیش کروں گا۔"

"نہیں امیرالمقدم تم نے درخواست کا ذکر پہلے کیا ہے اس لئے تم درخواست پیش کروگے۔ سلطان متانت سے بولا۔

"عالیجاہ میں درخواست پیش کرتے اس لئے گھبرارہا ہوں کہ کہیں آپ میری درخواست نامنظور نہ فرمادیں اور پھر میں انعام سے بھی محروم رہ جاؤں" امیرالمقدم نے اپنی لالچ کا اظہار کردیا۔ سلطان نے امیرالمقدم کو یقین دلایا۔ نہ کرو المقدم درخواست پیش کرو۔"

"عالیجاہ" امیرالمقدم نے کہنا شروع کیا۔ "میری درخواست ہے کہ عالیجاہ اپنے تمام امراء اور والیان علاقہ جات کے میرے غریب خانہ کو عزت بخشیں

بچی کی شادی کی تقریب سعید میں شرکت فرمائیں۔"

"کیا کیا؟" سلطان چونک کر سیدھا ہوگیا۔ "کیا تم نے اپنی بیٹی کا رشتہ کہیں کردیا ہے؟"

"جی عالیجاہ بن ماں کی بچی ہے ارمغانہ میں اسے زیادہ دن تک گھر میں نہیں رکھ سکتا۔" المقدم نے بڑی معصومیت سے کہا اور کنکھیوں سے فرخ شاہ کی طرف دیکھا۔

فرخ شاہ کا چہرہ دھواں دھواں ہورہا تھا۔ پتہ نہیں اس کچھ دکھائی دے رہا تھا یا نہیں۔ جب اس نے المقدم کے ساتھ ارمغانہ کو سلطان کے پاس آتے دیکھا تو وہ کس قدر خوش ہوا تھا۔

اب تک اس کی نظریں ارمغانہ ہی کے ارد گرد گھوم رہی تھیں مگر المقدم نے منحوس خبر سنا کر اس کے خوابوں کا تانا بانا بکھیر دیا تھا۔

ادھر سلطان سناٹے میں آگیا تھا وہ نہ معلوم کیا سوچ بیٹھا تھا کہ المقدم نے اپنی بیٹی کی شادی کی خبر سنا کر اسے مبہوت کردیا۔

امیر شمس الدین المقدم نے سلطان کو ناخوش دیکھا تو اپنی التجاء دہرائی۔ "کیا المقدم کی درخواست کو شرف قبولیت عطا نہیں کریں گے؟"

"امیرالمقدم" سلطان نے سپاٹ لہجہ میں کہا۔ "بیٹی کی تقریب کب منعقد ہوگی؟" المقدم نے انگلیوں پر حساب لگا کے بتایا۔ قمری مہینہ ختم ہونے میں چار دن باقی ہیں بس نئے چاند کی چھ تاریخ کو ارمغانہ کا عقد اور رخصتی ہوگی۔"

"کیا عقد ابھی نہیں ہوا ہے؟" سلطان نے نہ جانے کیوں سوال کیا؟

"عالیجاہ میرے خاندان میں منگنی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔" امیرالمقدم نے بات کی۔

"منگنی میں نے دو ماہ پہلے کردی تھی بس رخصتی باقی ہے۔"

"ابھی نکاح بھی تو باقی ہے امیرالمقدم۔" سلطان نے پھر سوال کیا۔

"جی عالیجاہ وہ بھی ہوجائے گا بات تو منگنی ہی سے پکی ہوجاتی ہے۔ ہم میں منگنی توڑنے کا رواج نہیں ہے عالیجاہ۔ امیرالمقدم نے اس طرح کہا جیسے یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ وہ دراصل اپنی سادگی ہی سادگی میں سلطان اور فرخ شاہ کو یہ بتادینا چاہتا تھا کہ اس نے ارمغانہ کا رشتہ طے کردیا ہے۔ اس لئے اس کا خیال دل سے نکال دیا جائے سلطان امیرالمقدم کا منہ دیکھتا رہ

گیا۔

"ہمیں افسوس ہے امیرالمقدم ہم تمہاری اس خوشی میں شریک نہ ہو
گے۔" سلطان نے افسردگی سے کہا۔

"عالیجاہ اگر آپ مصروفیت کی وجہ سے شرکت نہیں فرماسکتے تو امیر زادہ
شاہ کو حکم دیجئے کہ وہ آپ کی نمائندگی فرمائیں۔ ان کی شرکت میرے لئے
مسرت ہوگی۔ امیرالمقدم نے سلطان سے امیرزادہ کی شرکت کی درخواست
جھجک محسوس نہ کی۔

امیرالمقدم کی اس بات پر ہر ایک حیران رہ گیا۔ امیرزادہ فرخ شاہ
حیران ہی نہیں بلکہ پریشان بھی ہوگیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے المقدم نے
کے سینے میں دوسرا خنجر گھونپ دیا ہو۔ اس کے لئے یہ خبر ہی قیامت سے
تھی کہ اس کی پسند کو کسی اور کے حوالے کیا جارہا ہے۔ اس پر ستم یہ کہ
شادی میں شریک ہوکے اپنے ہاتھوں سے ارمغانہ کو ڈولے میں بٹھاتا ہے۔

بیچاری ارمغانہ اپنی جگہ پریشان تھی اس نے باپ کے سامنے قسم کھائی
کہ امیرزادہ فرخ شاہ کے علاوہ کسی اور جگہ شادی کرنے کے بجائے تمام
کنواری بیٹھی رہے گی لیکن پھر اس کی قسم پر المقدم نے بھی قسم کھائی کہ
ارمغانہ سال رواں کے اندر المقدم کی مرضی کے مطابق شادی کرنے پر آما
ہوئی تو وہ خود کشی کرلے گا۔

ان حالات میں بیچاری ارمغانہ کیا کرتی۔ اس نے اپنی سہیلی حارثہ سے
کیا۔ حارثہ امیرالمقدم کے احسانوں تلے دبی تھی۔ المقدم نے نہ صرف حار
شادی کے تمام اخراجات برداشت کئے تھے بلکہ حارثہ کے والدین اور اس
شوہر کو اپنے ساتھ بعلبک لے گیا تھا۔ حارثہ نے بھی ارمغانہ سے سفارش
وہ اپنے باپ کی جان بچانے کے لئے اس کے کہنے کے مطابق شادی کرلے
وہ باتیں تھیں کہ ارمغانہ کو شادی پر تیار ہونا پڑا اور اسے امیرزادہ فرخ ش
تصویر کو اپنے دل سے نکالنا پڑا۔

پھر امیرالمقدم نے ارمغانہ پر ایک اور ظلم کیا وہ یہ کہ جب فرنگی قیدیو
سلطان کے حضور پیش کرنے حمص جانے لگا تو بیٹی کو حکم دیا کہ وہ بھی اس
ساتھ حمص چلے۔ اس بات کی حارثہ نے سخت مخالفت کی اور امیرالمقدم کو
باتوں میں سمجھانے کی کوشش کی کہ حمص میں سلطان کے ساتھ امیرزادہ فرخ

ا ہے۔ اگر ارمغانہ اور فرخ شاہ کا آمنا سامنا ہوگیا تو کوئی نیا گل بھی
ہے مگر ضدی المقدم کے دل میں تو فرخ شاہ کے خلاف غبار بھرا ہوا
غانہ اور فرخ شاہ کی موجودگی میں یہ اعلان کرنا چاہتا تھا کہ اس نے
ہیں اور رشتہ طے کردیا ہے اور فرخ شاہ کا یہ بات سن کر کس قدر
گا۔ المقدم تو فرخ شاہ سے انتقام لینا چاہتا تھا اور وہ قدم قدم پر انتقام
۔ فرخ شاہ کو ارمغانہ کی شادی میں بلانا بھی ایک طرح کا انتقام تھا۔
ان نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد امیرالمقدم کی درخواست قبول کرلی۔
ایک موقعہ پر شبہ ہوا تھا کہ شاید امیرزادہ فرخ شاہ کو ارمغانہ سے کچھ
ہے۔ اس نے سوچا تھا کہ کسی مناسب موقعہ پر وہ امیرالمقدم سے اس
بات کرے گا۔ آج ارمغانہ کو المقدم کے ساتھ دیکھ کر سلطان نے سوچا
ج وہ فرخ شاہ اور ارمغانہ کی شادی کے لئے المقدم سے سفارش کرے
ن نے اپنی گفتگو میں یہ کہہ کر کہ آج وہ المقدم کو ایک انعام دے
بات کا اشارہ کیا تھا کہ وہ فرخ شاہ کو المقدم کی فرزندی میں دینے کی
ے گا۔ المقدم نے ارمغانہ کی شادی کا اعلان کرکے سلطان کو خاموش
بور کردیا تھا۔

م کی باتوں سے سلطان کی طبیعت کچھ مکدر ہوگئی تھی۔ اسی لئے اس
ے بددلی سے کہا تھا۔ "ٹھیک ہے ارمغانہ کی شادی میں فرخ شاہ بھی
یں گے۔"

باہ میرے لئے یہ باعث انبساط اور افتخار ہوگا کہ امیر زادہ فرخ شاہ
ی شادی میں سلطان معظم کی نیابت کریں۔ ازراہ الطاف خسروانہ عالیجاہ
و تاکید فرمادیں کہ اس سلسلہ میں کوئی تغافل نہ برتیں۔ المقدم کا انداز
لیکن اس سے اس کی خباثت بھی ظاہر ہوتی تھی۔

ان رکھو امیرالمقدم امیر زادے ضرور شریک ہوں گے۔" اس کے ساتھ
کھڑا ہوگیا جو اس بات کی علامت تھی کہ دربار برخاست ہوا اور سب
خیموں میں واپس جاسکتے ہیں۔ امیرالمقدم ارمغانہ کو ساتھ لے کر خیمہ
یا۔ سلطان جاتے جاتے رک گیا پھر اس نے تخلیہ کا حکم دیا سب
ے باہر جاچکے تھے۔ فرخ شاہ اور دو ایک امیر باقی رہ گئے تھے تخلیہ
کر وہ بھی خیمے کے پردے کی طرف بڑھے۔ فرخ شاہ بھی جانے والوں

میں شامل تھا اور بھاری بھاری قدموں سے خیالات میں کھویا چل رہا تھا۔
سلطان اس دوران پھر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے غلام سے سرگوشیوں میں کہا
وہ فرخ شاہ کو واپس لے آئے۔ غلام تیزی سے فرخ شاہ کی طرف بڑھا جو
کا پردہ اٹھاکر باہر نکلنے والا تھا۔
"سلطان آپ کو یاد فرمارہے ہیں امیرزادے۔" غلام نے آہستہ سے کہا۔
فرخ شاہ چونک پڑا پھر سانس درست کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے بلارہے
سلطان جیسے اسے غلام کی بات پر اعتبار نہ آیا ہو۔"
"جی ہاں امیرزادے سلطان معظم نے مجھے آپ کو واپس لانے کا حکم
ہے" غلام نے اسے ٹھہر ٹھہر کے سمجھایا۔
فرخ شاہ اس کے ساتھ واپس آگیا سلطان مسند پر بیٹھا تھا۔ اس نے
شاہ کو اپنے سامنے بیٹھا لیا اور بزرگوں کی طرح سمجھایا۔
"فرخ شاہ ہم نے تمہیں یہ سمجھانے کو بلایا ہے کہ امیر شمس الدین ا
ایک بہترین ناظم مدبر فنون جنگ کا ماہر اور مرد میدان ہے لیکن یہ شخص
اعتماد نہیں دوسرے کے احسان کو ایک لمحے میں بھول جاتا ہے اور سازشی ذ
مالک ہے۔ اس نے اپنی بیٹی کا کہیں اور رشتہ کردیا ہے اس کا ہمیں افسوس
تھا اس لئے کہ اس بہادر اور انسان دوست لڑکی کو ہم نے تمہارے لئے پن
تھا اور آج اس سلسلے میں ہم المقدم سے گفتگو کرنے والے تھے مگر اس
اس کی شادی کی اطلاع دے کے ہمیں روک دیا۔ مگر اب ہم اس نتیجے پر
ہیں کہ یہ اچھا ہی ہوا کہ تم اس رشتے سے بچ گئے۔ ظاہر ہے کہ اس کی
سے شادی کے بعد تمہارا اور اس کا روز روز سامنا ہونا تھا اور اس کے دل
تمہارے لئے جو کدورت ہے اس کی بنا پر جلد یا بعد کوئی نہ کوئی فتنہ ضرور
ہونا تھا۔"
"میں سلطان معظم کے خیالات سے بالکل متفق ہوں۔" فرخ شاہ نے
کے خیالات کی تائید کردی۔"
"صرف تمہیں نہیں فرخ شاہ" سلطان نے زور دے کر کہا۔ "تم ابھی
ہو اور تمہیں بہت ترقی کرنا ہے۔ اس لئے تمہیں بہت پرسکون ہونا چاہئے
اس سکون کے لئے تمہیں جلد از جلد شادی کرنا ہوگی ہم تمہارے لئے کوئی
لڑکی پسند کریں گے۔"

"بہتر ہے سلطان معظم۔" فرخ شاہ کو تسلی ہوئی۔ "آپ مجھے ہر حال میں
تابع پائیں گے۔"
"شاباش ہم تمہیں اور تقی الدین کو اپنے بیٹوں میں شمار کرتے ہیں"
عزا تقی الدین اور عزا الدین فرخ شاہ دونوں سگے بھائی تھے۔ ان دونوں
بھائیوں نے سلطان صلاح الدین کے ساتھ صلیبی جنگوں میں بڑے نمایاں کارنامے
سرانجام دیئے تھے۔"
سلطان صلاح الدین کی باتوں سے فرخ شاہ کو بڑا حوصلہ ہوا اور شاید اس
نے یہ سوچا کہ:۔
اور بھی غم ہیں زمانہ میں محبت کے سوا'
اس نے فیصلہ کیا کہ وہ محبت میں آنسو بہانے کے بجائے میدان میں
ون بہائے گا۔ اس دن سے امیرزادہ فرخ شاہ کی معمولات میں ایک
ی تبدیلی آگئی اور عشق عاشقی میں الجھا ہوا ذہن خالی ہوا اور اس میں
اور شوق شہادت کا دریا موجیں لینے لگا۔
زمانہ میں بالڈون چہارم شاہ یروشلم نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ دمشق
پر حملہ کیا۔ اس فرنگی لشکر نے مسلمانوں کی آبادیاں برباد کردیں بڑی
کی اور بہت سے مسلمانوں کو گرفتار کرلیا۔ سلطان نے خبر پاتے ہی ایک
روانہ کیا اس لشکر کی سپہ سالاری سلطان نے عزالدین فرخ شاہ کو دی۔
بڑی تیزی سے دشمن کی طرف بڑھا فرنگی لشکر قتل و غارت گری اور
کے بعد واپس جانا چاہتا تھا کہ فرخ شاہ لشکر لے کر ان کے مقابلہ پر
ئی اور اسلامی لشکر میں بڑی خونریز جنگ ہوئی فرخ شاہ نے شجاعت کے
دکھائے اور نصرانیوں کو میدان چھوڑنے پر مجبور کردیا۔
ی لشکر بڑی بے سروسامانی کا عالم میں پسپا ہوا۔ مسلمانوں نے بہت سے
وں کو گرفتار کرلیا۔ دوبدو جنگ میں نصرانیوں کے سردار ٹورون ہمفری
ہوئی اوراسے فرخ شاہ نے گرفتار کرلیاتھا۔ مغربی مورخوں نے لکھا ہے
کہ آف ٹورون یروشلم کے شاہ بالڈون کو بچاتے ہوئے مسلمانوں کے
آگیا۔ ہمفری کی بہادری کے ساتھ ابن کثیر نے لکھا ہے :۔
"الفاظ ہمفری کی تعریف سے قاصر ہیں۔ وہ بہادری اور
ہا بکدستی کے لئے ضرب المثل تھا۔ مسلمانوں کی تهدید

"تنبیہہ اور پریشان کرنے کے لئے خدا نے اسے عذاب کی صورت ... کر رکھا تھا۔"

سلطان صلاح الدین نے عزالدین فرخ شاہ کو ایک لشکر کی سرداری کا یہ موقعہ دیا تھا جس میں فرخ شاہ نے ہمفری آف ٹولڈن کو قتل کرکے دشمن بھاگنے پر مجبور کردیا تھا۔ فرخ شاہ اپنی کامیابی کے بعد جب سلطان کے حضور ہوا تو سلطان نے اسے بہت شاباش دی۔

ہمفری کے مارے جانے کا نصرانیوں کو بڑا قلق تھا۔ چنانچہ اس کا بدلہ کے لئے انطاکیہ اور لاذقیہ کے پرنس نے مسلمان کے قلعہ شیرز پر حملہ کر حاکم شیرز نے سلطان صلاح الدین کو کمک کے لئے اطلاع بھجوائی۔ سلطان موجود نہ تھا۔ وہ بانیاس گیا ہوا تھا۔ پھر سلطان نے اطلاع پا کر فرخ شاہ دوسرے بھائی تقی الدین عمر اور ناصر الدین کو فوج کمک کے ساتھ شیرز بھیج د

سلطان صلاح الدین ایوبی بانیاس میں اس لئے گیا تھا کہ وہاں فرنگیوں حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر کے قریب ایک قلعہ بنا لیا تھا جس کا نام الاضرار تھا۔ پس سلطان نے دمشق سے لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور بانیاس گیا۔ وہاں بیٹھ کے سلطان نے نصرانی شہروں پر حملہ کے لئے اپنے فوجی روانہ کئے مگر اس وقت سلطان نے اپنے پاس بھی کافی لشکر رکھا تاکہ اگر سمت سے اچانک حملہ ہو جائے تو اس کا رملہ جیسا حال نہ ہو۔

اس کے بعد سلطان نے قلعہ مخاضتہ الاضرار کی طرف کوچ کیا اور وہاں کر قلعہ پر حملہ کردیا۔ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ دشمن کے پاس کتنی ہے۔ قلعہ والوں کی طرف سے کسی خاص ردعمل کا اظہار نہ ہوا۔ سلطان یہاں بھی چند فوجی دستے نصرانی شہروں کی طرف چھاپہ مارنے کے لئے بھیجے بھیجے ہوئے دستوں میں سے ایک دستہ پر فرنگیوں کے بادشاہ نے اپنی فوجوں حملہ کردیا۔ جنگ چھڑ گئی تو مسلمانوں نے سلطان سے مدد کی درخواست کی۔ فوجیں لے کر اس طرف چل پڑا۔

جس وقت سلطان وہاں پہنچا تو دونوں لشکروں میں شدید جنگ ہو رہی سلطان نے اپنی فوجوں سے فرنگیوں کو شکست دی اور انہیں تباہ کردیا۔ فر بادشاہ مشکل سے جان بچا کر بھاگ نکلا مگر رملہ اور نابلس کا حاکم جو فرنگی ساتھی تھا گرفتار ہوگیا۔ اس کا دوسرا بھائی بھی گرفتار ہوا جو جبیل اور

ما فرنگیوں کے مددگار فرقے فداویہ داسا تاریہ کے سردار بھی گرفتار ہوئے۔ لہ کا حاکم جس کا نام ارتیزاں تھا اس نے ڈیڑھ لاکھ زرفریہ اور ایک ہزار قیدیوں کی رہائی کے بدلہ میں خود کو رہا کرالیا۔

ں جنگ میں فرخ شاہ کے بھائی تقی الدین عمر نے فرنگیوں سے مقابلہ کر یں بھگا کر اپنی بہادری کا دشمنوں سے لوہا منوالیا۔

سلطان نے اپنا لشکر لے کر پھر بانیاس واپس آیا۔ یہاں سے اس نے چھوٹے فوجی دستوں کو فوجی علاقوں میں تاخت و تاراج کے لئے بھیجا۔ اس زمانہ کی حکمت عملی اس طرح تھی کہ جب کسی بڑے قلعہ یا شہر پر حملہ کیا جاتا کا محاصرہ کرنے کے بعد یا پہلے ہی کچھ فوجی دستے قرب و جوار کے علاقوں وں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ اس کا اصل مقصد یہ جس قلعہ یا شہر کا محاصرہ کیا گیا ہے یا محاصرہ کرنے کا ارادہ ہے اس کو لئے کمک نہ پہنچ سکے اور دہشت کی وجہ سے کمک بھیجنے والے اپنے یں رہیں۔ سلطان نے یہ سب کچھ اس حکمت کے تحت کیا تھا۔

ی دستوں کی روانگی کے بعد سلطان پھر قلعہ مخاضتہ الاضرار پہنچا اور اس کا کرلیا۔ یہ قلعہ بہت مستحکم اور مضبوط تھا۔ کئی دن کی کوشش کے بعد جب میابی نہ ہوئی تو سلطان نے فصیل کو سرنگ کے ذریعہ اڑا دینے کا حکم دیا۔ رنگ کھدنا شروع ہوئی۔ ادھر سرنگ کھدتی رہی اور ادھر دشمن کو مصروف لک سے بے خبر رکھنے کے لئے قلعہ پر حملہ جاری رہے۔ آخر سرنگ کھد ہوئی۔ پھر اس میں لکڑیاں بھر کر آگ لگائی گئی۔ سرنگ پھٹ کے اڑی ں سے خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا کیونکہ اس سے فصیل کا صرف ذرا سا حصہ جس سے حملہ آور قلعہ میں داخل نہیں ہوسکتے تھے۔

لطان نے دوبارہ سرنگ کھودنے کا حکم دیا۔ ادھر سلطان کو اطلاع ملی کہ طبریہ شمن فوجیں اکٹھا ہو رہی ہیں تاکہ قلعہ مخاضتہ الاضرار کو بچانے کے لئے شکر پر عقب سے حملہ آور ہوں۔ اس اطلاع پر سلطان نے سرنگ کی ں کوششیں تیز کرادیں۔ پھر قسمت نے سلطان کا ساتھ دیا۔ روایت کے یک عام سا آدمی جس کا تعلق سلطانی لشکر سے نہ تھا وہ شمشیر برہنہ ہاتھ ، نہ معلوم کس طرح فصیل کے اوپر چڑھ گیا سلطان لشکر نے جو ایک فصیل پر چڑھتے دیکھا تو وہ بھی یلغار کرتا ہوا فصیل کی طرف بڑھا اور اتنا

زبردست حملہ کیا کہ قلعہ والے کچھ نہ کرسکے اور سلطانی لشکر کے بے شمار
سیڑھیاں لگا کر قلعہ پر چڑھ گئے۔

قلعہ کے اوپر دست بدست جنگ ہوئی اور آخر قلعہ فتح ہوگیا۔ ایک روا
یہ بھی ہے کہ دوسری سرنگ جب پھٹی تو فصیل کا ایک حصہ اڑ گیا اور مسل
قلعہ میں داخل ہوئے بہرحال روایت کچھ بھی ہو لیکن انجام قلعہ کی تسخیر پر
سلطان کو یہ عظیم فتح ماہ ربیع الاول ۵۷۵ ہجری بمطابق ۱۱۷۹ء حاصل ہو
سلطان کے حکم کے مطابق قلعہ کی فصیل کو توڑ کر زمین کے برابر کردیا گ
فرنگیوں کا جو لشکر طبریہ میں اکٹھا ہو رہا تھا۔ اسے جب قلعہ کی تسخیر پر اس
بربادی کا حال معلوم ہوا تو وہ لوگ منتشر ہو کر اپنے اپنے ٹھکانوں کو وا
ہوگئے۔ ایک بیان کے مطابق فرنگی لشکر اس وقت قلعہ مخاضتہ الاضرار پہنچا
وہاں قلعہ کے بجائے مٹی اور پتھر کا ایک ڈھیر لگ گیا تھا۔

امیر شمس الدین ابن المقدم کی بیٹی کی تاریخ شادی بہت قریب آگئی
امیر زادہ فرخ شاہ نے سلطان سے کچھ دن کے لئے دمشق جانے کی خواہش
اظہار کیا۔ سلطان کو یقین تھا کہ امیر زادہ بعلبک جانا چاہتا ہے مگر اس نے
شاہ سے اس سلسلہ میں کوئی گفتگو نہ کی اور اسے اجازت دیدی۔ فرخ شاہ کو
تو بعلبک ہی تھا مگر وہاں جانے سے پہلے اپنے دماغ کو بالکل پرسکون کرنا
تھا۔ سلطان کے سمجھانے کا اس پر پورا اثر ہوا تھا اسے ارمغانہ سے بھی
شکایت نہ تھی کیونکہ وہ غریب اپنے ظالم باپ کے اختیار میں تھی وہ اس کے
مرضی کے مطابق کام لے سکتا تھا۔

فرخ شاہ کو ارمغانہ کی کمزور طبعیت کا بھی تجربہ اور مشاہدہ تھا۔ اس
باپ امیرالمقدم نے جب اسے سردار دانیال کے ساتھ فرخ شاہ کے قتل پر
کیا تھا تو وہ چپ چاپ دانیال کے ساتھ اس کے قتل پر آمادہ ہو کر آگئی
وہ تو فرخ شاہ کی قسمت اچھی تھی کہ خدا نے ارمغانہ کے دل میں نیکی ڈال
اور اسے فرخ شاہ کی بھولی صورت پر رحم آگیا ورنہ اس دن فرخ شاہ کا
ہوجانا ضروری تھا۔ فرخ شاہ نے سوچا کہ جب ارمغانہ باپ کے کہنے سے
بے گناہ کو قتل کرنے پر آمادہ ہوسکتی ہے تو پھر اس سے اور کوئی کام لینا
کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔

مغانہ کا خیال تو وہ اپنے دل سے ہی نکال چکا تھا مگر اس وقت اس نے
کو معاف کر کے اپنا دل پوری طرح مطمئن کرلیا پھر بعلبک جانے کا قصد
بعلبک کا دمشق سے فاصلہ پچاس میل کے لگ بھگ تھا۔ یہ سفر وہ ایک
بھی باسانی طے کرسکتا تھا لیکن وہ قصداً دو دن پہلے بعلبک روانہ ہوا
بعلبک سے صرف بیس میل پہلے اس نے ایک سرائے میں قیام کیا پھر
دن صبح کو بعلبک روانہ ہوا۔

میل کا فاصلہ کیا ہوتا ہے پھر فرخ شاہ جیسے شہسوار کے لئے تو ایک گھنٹے
تھا۔ فرخ شاہ دن چڑھے سرائے سے روانہ ہوا اور دوپہر سے پہلے فصیل
داخل ہوگیا۔ بعلبک ایک پرانا تاریخی مقام تھا۔ سلطان صلاح الدین کے
میر نجم الدین ایوب کو اس شہر و قلعہ کی گورنری زنگی امیر عماد الدین والی
نے عطا کی۔ تھی اور سلطان صلاح الدین کے عہد طفلی کے کئی سال اس
میں گزرے تھے۔

رخ شاہ شہر میں داخل ہوا تو اسے حیرت نے گھیر لیا۔ امیر شمس الدین ابن
اس کا والی تھا اور اس کی بیٹی کی آج شادی تھی مگر شہر پر اس شادی کے
آثار نظر نہ آتے تھے۔ فرخ شاہ کو اچانک خیال آیا کہ وہ یقیناً" شادی کی
بھول گیا ہے۔

چاند کی چھ تاریخ" فرخ شاہ نے ذہن پر زور دے کے سوچا۔ یہی تاریخ امیر
نے سلطان کو بتائی تھی۔ بھولنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ کل پانچ
آج چھ۔ پھر بھی فرخ شاہ گھوڑے سے اترا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔
بزرگ صورت دور سے آتے دکھائی دیئے۔ فرخ شاہ نے گھوڑا سائیہ میں
اور ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔

بزرگ قریب آئے تو فرخ شاہ نے سلام کے بعد ان سے دریافت کیا۔
محترم آج کون سی تاریخ ہے؟"

بزرگ نے جواب میں کہا۔ "چھ تاریخ ہے آج۔" پھر اس کے ساتھ سوال
اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ کہاں سے آنا ہوا؟"

آپ کا خیال درست ہے بزرگ۔" فرخ شاہ نے جواب دیا۔ "بعلبک
ایک بار آیا تھا وہ بھی چند گھنٹوں کے لئے۔"

مگر کہاں ہے تمہارا سوار؟" بزرگ نے اپنا سوال دہرایا۔

"دمشق کا رہنے والا ہوں محترم۔" فرخ شاہ نے بتایا پھر چاہا کہ بزرگ
کچھ پوچھے مگر بزرگ نے اسے موقعہ نہ دیا۔

"سبحان اللہ سبحان اللہ ۔ دارالسلطنت دمشق سے آئے ہو۔" بزرگ ـ
شروع کردیا۔

"وہاں ہمارا بیٹا سلطان الدین بھی تو رہتا ہے۔ اعلیٰ حضرت سلطان عال
صلاح الدین یوسف خدا کی اس پر لاکھوں برکتیں نازل ہوں۔"

"آمین ۔ ثم آمین ۔" پھر فرخ شاہ نے فوراً سوال کردیا۔ "ایک بات
سے دریافت کرنا چاہتا ہوں بزرگ محترم؟"

"ضرور پوچھو بیٹے ۔" بڑے میاں بے تکلف ہو گئے۔ "تم تو ہمارے
کے شہر کے رہنے والے ہو۔"

"بعلبک کے والی امیر المقدم ہیں نا؟" فرخ شاہ نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں ۔ یہاں کے گورنر امیر شمس الدین محمد بن المقدم ہی ہیں۔
کوئی کام ہے ان سے ؟" بزرگ نے جواب دینے کے ساتھ ہی سوال بھی ک

"مجھے کوئی کام تو نہیں ہے۔" فرخ شاہ نے ٹھہر ٹھہر کے کہا۔ "آ
تاریخ ہے اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آج امیر شمس الدین ابن المقدم
کی شادی ہونا تھی؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ آج شادی ہونا تھی ۔۔" یہ ک
بزرگ کی آواز بھرا گئی اور ان کی آنکھوں سے غم نمی بن کے چمکنے لگا۔

فرخ شاہ گھبرا گیا۔ "یہ آپ کو کیا ہوا بزرگ محترم۔ آپ کی آنکھیں
بھیگ گئیں؟"

"تمہیں علم نہیں بیٹے ورنہ تم بھی میری طرح آنسو بہاتے۔" ان کی
چھلک پڑی تھیں۔ " جس بچی کی آج شادی ہونا تھی وہ دو دن پہلے ا
پیاری ہوگئی۔ آج اس کا سوئم ہونا ہے۔ عورتیں بتاتی ہیں کہ انہیں
خوبصورت بچی زندگی میں نہیں دیکھی۔ محل میں کہرام مچا ہوا ہے۔ لوگو
گھروں میں دو دن سے کھانا نہیں پکا۔ پورا شہر اور قلعہ بچی کے غم میں
اور افسردہ ہے۔ دیکھونا ہر طرف کیسی ویرانی چھائی ہے۔ درو دیوار سے ا
برستی ہے۔ کسی کام کو جی نہیں چاہتا اور اس کے باپ پر پہاڑ ٹوٹ پڑا
ایسی دہاڑیں مارتا ہے کہ کلیجہ ہل جاتا ۔۔۔۔۔"

رگ نہ معلوم کب تک ارمغانہ کا ماتم کرتے رہے اور اس کے المناک
لوگوں پر تاثر بیان کرتے رہے مگر فرخ شاہ کچھ بھی نہ سن سکا۔ اس کے
اسی وقت بند ہوگئے جب بزرگ نے بتایا تھا کہ "دو دن پہلے اللہ کو
ہوگئی۔۔۔"

جب ہوش آیا تو اس سے دور پہنچ چکے تھے اور وہ اکیلا اپنے گھوڑے کی
پڑے کھڑا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ یہیں سے واپس چلا جائے۔ اب ابن
کے پاس جا کے کیا کرے گا۔ فرخ شاہ نے تو ارمغانہ کی رخصتی کا غم
کرنے کا خود میں حوصلہ پیدا کرلیا تھا مگر یہ غم تو اس غم سے کہیں زیادہ
ہے۔ وہ آخری بار ارمغانہ کو دیکھ بھی نہ سکا۔ وہ اللہ کو کیسے پیاری ہوئی
نے اس پر ظلم تو نہیں کیا۔ کیا پتہ اس نے شادی سے انکار کردیا ہو اور
نے اپنی عزت بچانے کے لئے اسے زہر دے دیا ہو۔ گلا گھونٹ کے مار
وہ بعلبک کا مالک ہے۔ اس سے کون پوچھ سکتا تھا۔

خ نے پلٹ کے گھوڑے پر سوار ہونے کی کوشش کی مگر اس کے پیر جیسے
ے گئے۔ رکاب میں پیر ڈالنے کے لئے اسے کتنی کوشش کرنا پڑی پھر
پر بیٹھ کے خیال آیا کہ واپس جا کے سلطان کو کیا جواب دے گا کیا
و یہ ناگوار نہ گزرے گا کہ میں بعلبک گیا اور میں نے المقدم سے اظہار
بھی نہ کیا۔ سلطان بہرحال المقدم کی اہلیت کا قائل تھا اس کی کمزوری
لیکن وہ فنون حرب میں واقعی بہت ماہر تھا۔

شاہ نے گھوڑے کا رخ محل کی طرف موڑ دیا۔ بعلبک کا گورنر ایک
ن محل میں رہتا تھا۔ یہ محل قلعہ کے اندر تھا اور اس کی تزئین سلطان
دین کے والد امیر نجم الدین ایوب نے اپنی گورنری کے زمانہ میں کی
خ شاہ قلعہ میں داخل ہوا تھا کہ سامنے سے ایک گھوڑا گاڑی آتی دکھائی
ا کھلی گاڑی میں المقدم بیٹھا تھا اور اس کی گاڑی کے دونوں جانب مسلح
رہے تھے۔ فرخ شاہ گھوڑا روک کے کھڑا ہوگیا۔

ا فرخ شاہ کے پاس پہنچی تو امیر المقدم کی نظر اس پر پڑی۔ غلام تیزی
ی سے اترا۔ فرخ شاہ نے بھی گھوڑا چھوڑ دیا تھا۔ المقدم کا حال بہت برا
تھا۔ اس کے جبے کے بٹن کھلے تھے اور منہ پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔
ے اتر کر وہ فرخ شاہ کے پاس آیا اور "ہائے امیر زادے" کہہ کے اس

پر لپٹ گیا۔ پھر جو اس نے پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کیا ہے تو راہ
رک کے کھڑے ہوگئے۔ فرخ شاہ کا دل تو پہلے ہی رو رہا تھا۔ المقدم
دیکھ کر اس کے بھی آنسو نکل آئے۔ امیر المقدم ایسے دہاڑیں مار کے ر
کہ پاس کھڑے ہوئے لوگ بھی آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکے۔

فرخ شاہ نے مشکل سے امیر المقدم کو اپنے سے الگ کیا اور "صبر
کیجئے امیر جس کی امانت تھی اس نے واپس لے لی۔ ہم آپ کیا کر سکتے
المقدم نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "امیر زادے مرنا تو سب کو ہے
ایسے مرنا ہے رات کو اچھی بھلی سوئی اور ایسی سوئی کہ پھر آنکھ ہی نہ
کچھ کہا نہ سنا۔ جانے کس کی نظر لگ گئی اسے۔ کون سا غم کھا گیا اسے

پھر المقدم اک دم چپ ہوگیا۔ سنبھل کے بولا۔ "آپ کب تشریف
کیا آپ کو میرے غم کا علم ہوگیا تھا؟"

"نہیں امیر محترم ۔۔" امیرزادے نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "میں ا
رخصت کرنے آیا تھا۔ اس نے اتنی جلدی کی۔ انتظار بھی نہ کیا۔ مجھے
ورنہ دو دن پہلے آجاتا۔"

المقدم نے ٹھنڈی سانس لی۔ "ہاں امیر زادے۔ کسی کو پتہ نہ تھا۔
والوں کو کتنی خوشی تھی اس شادی کی۔ ان کے دلوں میں کیا کیا ارمان
سب دل ہی میں رہ گئے۔"

المقدم نے امیر زادہ کا گھوڑا سنبھالنے کا ایک سوار کو حکم دیا پھر فر
لے کر گھوڑا گاڑی پر بیٹھ گیا۔ المقدم نے اپنا جانا ملتوی کردیا تھا۔ وہ
شاہ محل میں آگئے۔

المقدم نے خود ہی بتایا۔ "کوئی بیماری آزاری نہ تھی ارمغانہ کو ۔
تھی۔ حارثہ اس سے روز ملنے آتی تھی۔ قریب ہی ہے اس کا گھر۔ چا
سے ارمغانہ کچھ چپ چاپ تھی۔ میں حکیم کو بلا کر دکھایا۔ انہوں
دیکھی اور اطمینان دلایا کہ بچی کو آپ کا ساتھ چھوٹنے کا غم ہے۔ مگر
اسے کھا گیا۔ بھلا کوئی ایسا غم کرتا ہے۔ تم ہی بتاؤ امیر زادے اسے کو
تو مجھے بتایا ہوتا۔ میرے سوا اور کون ہے اس کا۔ باپ بھی میں ماں
مجھی کو اس کے لئے کچھ کرنا تھا مگر وہ کچھ کہتی تو ۔۔۔۔۔"

فرخ شاہ نے محسوس کیا کہ شدت غم سے امیر المقدم بہکنے لگا ہے

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ زیادہ مت بولئے بلکہ آرام کیجئے۔"
م کو ارمغانہ کا سوئم تھا۔ محل کی تمام راہداریاں اور پائیں باغ میں آدمی
ی تھے۔ زنانخانہ میں عورتیں بھری تھیں۔ سب کی سب پر ایک ہی کلمہ

"اللہ ایسی جوان موت کسی کو نہ دکھائے"

خ شاہ کی طبیعت بہت بھاری ہو گئی تھی۔ سوئم سے فارغ ہونے پر اس
ے اجازت مانگی۔ امیر المقدم کو دو تین روز قیام کی درخواست کی مگر
نے مجبوری ظاہر کی۔ پھر اسی رات فرخ شاہ بعلبک سے روانہ ہوگیا۔
انے کے بجائے اس نے محاذ کا رخ کیا جہاں سلطان لشکر لئے مقیم تھا۔
طان قلعہ مخانتہ الاضرار کو پیوند زمین کرنے کے بعد وہیں ٹھہرا ہوا تھا۔
خیال تھا کہ فرنگیوں کا وہ لشکر جو طبریہ میں جمع ہو رہا تھا شاید مقابلہ پر
انہی دنوں امیر زادہ فرخ شاہ سلطان کے پاس پہنچا اور سلام کر کے چپ
بیٹھ گیا۔

یا دمشق سے آرہے ہو فرخ شاہ؟" سلطان نے اسے خاموش دیکھ کر
کیا۔

ہاں دمشق گیا تھا مگر اس وقت بعلبک سے آرہا ہوں عالیجاہ ۔ "فرخ شاہ
ردگی سے جواب دیا۔

اچھا!" سلطان نے سر ہلایا۔ "امیر شمس الدین کا کیا حال ہے۔ اس کی
شادی ہوگئی؟"

عالیجاہ آپ کے امیر شمس الدین المقدم غم زدہ ہیں آج کل ان پر غموں کا
ٹ پڑا ہے۔"

خ شاہ نے بتایا ۔ "وہ اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتے تھے لیکن ۔۔۔۔ "
تنا کہتے کہتے رک گیا۔

لیکن کیا ۔۔۔ خاموش کیوں ہوگئے؟ ۔ سلطان نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

خ شاہ نے افسردگی سے کہا۔ "عالیجاہ وہ شادی کس کی کرتے۔ ان کی بیٹی کا
دی سے دو دن پہلے ہی انتقال کرگئی۔"

کیا کہا ۔ " سلطان چونک پڑا۔ " وہ بچی انتقال کر گئی تم کب گئے تھے

”میں ٹھیک شادی کے دن پہنچا تھا عالیجاہ ۔ فرخ شاہ نے بتایا ۔ ”امیر
الدین المقدم مجھے قلعہ سے نکلتے ہوئے مل گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ا
دو دن پہلے اچانک انتقال کر گئی ہے اس دن اس کا سوئم تھا۔“
”تم نے معلوم کیا لڑکی کو کیا بیماری تھی؟“ سلطان کا دماغ کچھ چڑھا
تھا۔
”میں .علبک گیا تو میرا خیال تھا کہ آج وہاں بڑی رونق ہوگی۔ آخر گو
بیٹی کی شادی تھی۔ مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شہر پر ویرانی طاری تھی
نے اس بزرگ سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے بھی یہی بتایا تھا کہ
کی بیٹی دو دن پہلے مرگئی تھی اس کے سوگ میں پورا شہر ماتم کناں تھا۔“
سلطان صلاح الدین بھی اس خبر سے افسردہ ہوگیا۔ وہ تھوڑی دیر تک
جھکائے بیٹھا رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کے بولا ۔ ”خدا کرے میرا خیال غلط ہ
اس وقت سلطان کے پاس دمشق کا سابق گورنر شمس الدولہ توران شا
بیٹھا ہوا تھا۔ سلطان کو اس کے بارے میں بہت سی شکائتیں موصول ہوئی
جن کی بنا پر توران شاہ کو دمشق سے اپنے پاس بلوایا تھا۔
توران شاہ نے سلطان سے سوال کردیا۔ ”عالیجاہ .علبک پر ہمارے خاند
پہلا حق ہے۔ آپ .علبک کی گورنری مجھے عطا کردیجئے؟“۔
”فضول باتیں مت کرو توران شاہ۔“ سلطان نے اسے جھڑک دیا۔ ”
میں ایک گورنر پہلے سے موجود ہے۔“
”پھر کیا ہوا عالیجاہ -- اسے کوئی اور علاقہ دے دیجئے اور .علبک مجھے د
“ توران شاہ جیسے ضد پکڑ گیا۔ ”میری سلطنت دمشق اور مصر کے لئے
ہیں۔ کیا میں ایک قلعہ کی گورنری کے بھی قابل نہیں۔؟“
”اچھا اچھا ۔ سوچیں گے ہم ۔“ سلطان نے اسے ٹال دیا۔
”آپ سوچیں گے عالیجاہ ؟ “ توران شاہ سلطان کا منہ چڑھا تھا۔ اس
بات چھیڑ دی۔ سوچتے ہیں چھوٹے لوگ ۔ آپ سلطان ہیں فرمان جاری فر
میں کل ہی .علبک روانہ ہو جاؤں گا۔“
اسی وقت غلام نے اطلاع دی کہ حاکم کیفا کا قاصد حاضر ہوا ہے۔
اپنے بھائی توران شاہ کی باتوں سے بددل ہو رہا تھا۔ اس نے قاصد کی
غنیمت جانا اور اسے طلب کرلیا۔

مد نے اندر آکر سلام پیش کیا۔
مود کا کیا حال ہے قاصد؟“ سلطان نے قاصد سے دریافت کیا۔ حاکم کیفا
کا پورا نام تھا نور الدین محمود عالی قلیچ ارسلان ۔ سلطان اسے صرف محمود
تھے۔
الیجاہ ۔ میرے آقا اس وقت سخت مصیبت میں ہیں اور اعلیٰ حضرت سے
د کی درخواست فرمائی ہے۔“ قاصد نے ادب سے جوا دیا۔
یا مصیبت پڑی اس پر کس نے حملہ کردیا؟“ سلطان نے پوچھا۔
مد نے ادھر ادھر دیکھ کے کہا۔ عالیجاہ ان کا اور ان کے خسر کا خاندانی
ہے۔ میرا مطلب ہے دونوں میں ذاتی اختلاف ہے کئی بار چھڑپیں ہو چکی
ب انہوں نے جنگ کا اعلان کردیا ہے۔“
علان کردیا ہے تو محمود سے کہو کہ جنگ کرے۔ میں خسر داماد کے جھگڑے
ل [illegible] ضرورت ہے۔“ سلطان نے سرا سا منہ بنایا۔
الیجاہ -- میرے آقا آپ کی طرف سے کیفا اور آمد کے والی ہیں۔ ان پر
ن پڑی [illegible] پ کے نہیں تو پھر کس کے دروازے پر جائیں۔“ قاصد
ے اچھے انداز سے اپنے آقا کی وکالت کی۔
طان نے حیرت سے قاصد کو دیکھا۔ ”تم قاصد ہو یا محمود کے وزیر؟“
مد گھبرا گیا۔ ”عالیجاہ -- غلام کی گستاخی معاف فرمائی جائے۔ شاید میری
ہے مرتبے سے بہت بلند تھی۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔“
قاصد -- تمہاری اپنے آقا کے ساتھ وفاداری سے ہم خوش ہوئے۔“
نے نرمی سے کہا۔
یا محمود کے خسر نے کیفا پر حملہ کردیا ہے یا صرف جنگ کا اعلان کر کے
یا ہے؟“
شاید دھوکا دیا ہے عالیجاہ ۔ لیکن جنگ ضرور ہوگی۔ خبر ملی ہے کہ حاکم بلاد
نے فوجی تیاریاں مکمل کرلی ہیں اور وہ کسی وقت بھی حملہ کرسکتا ہے۔“
و جہاں تک علم تھا وہ اس نے بتا دیا۔
اچھا تم جاؤ اور محمود کو اطمینان دلادو کہ ہم اس کی مدد کو پہنچ رہے ہیں۔“
ن نے اسے جواب دے کر واپس بھیج دیا۔
یسا کہ سلطان نے فرمایا۔ یہ واقعی خسر داماد کا خاندانی اور ذاتی جھگڑا تھا۔ نور

الدین محمود عادل جو سلطان کی طرف سے کیفا اور آمد کا والی تھا۔ اس نے قلعہ رعیان کے حاکم قلیچ اور ارسلان کی بیٹی سے شادی کی تھی مگر محمود کچھ زیادہ ہی شوخ طبیعت تھا۔ اس نے ایک خوبصورت اور شریف بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کرلی اور بیوی کی سوکن کو اسی گھر میں لے آیا۔ ظاہر ہے محمود کی پہلی بیوی اعلیٰ خاندان کی تھی جبکہ دوسری بیوی کسی نچلے طبقہ کی تھی۔ اس طرح دونوں میں لڑائی جھگڑا شروع ہوا اور یہ روز کا معمول بن گیا۔

پھر وہ وقت آیا کہ قلیچ ارسلان کی بیٹی میکے جا کے بیٹھ گئی۔ قلیچ ارسلان نے بیٹی کو جہیز میں بہت کچھ دیا تھا۔ اسے داماد پر سخت غصہ آیا مگر رشتہ کی نزاکت کی وجہ سے خاموش رہا اور معززین کے ذریعہ داماد کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ محمود بددماغ اور ضدی تھا۔ اس نے کسی کی کوئی بات نہ سنی اور آخر نوبت جنگ تک پہنچ گئی۔ ان میں کئی بار معمولی جھڑپیں ہو چکی تھیں مگر کسی بڑی جنگ کی نوبت نہ آئی تھی۔

قلیچ ارسلان نے بڑے صبر و سکون سے بیٹی کو دوبارہ شوہر کے پاس بھیجنے کی کوشش کرتا رہا مگر محمود نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ دراصل اس نے جس عورت سے دوسری شادی کی تھی وہ بالکل جاہل تھی ورنہ بڑے لوگوں کے گھر دو بیویوں کا ہونا کوئی عجیب بات نہ تھی۔ آخر تنگ آ کے قلیچ ارسلان نے محمود کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ محمود کو اپنے آقا سلطان صلاح الدین کا زعم تھا۔ اس نے آقا سے مدد طلب کی اور صلاح الدین کو اس کی مدد پر آمادہ ہونا پڑا۔

سلطان صلاح الدین نے محمود کے حق میں فوجی اقدام سے پہلے معاملہ کی پوری حقیقت سے آگاہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ اسے بتایا گیا کہ محمود اور قلیچ ارسلان ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور اس شادی کے بعد تو انہیں اور قریب ہو جانا چاہیے تھا لیکن قلیچ ارسلان کی بیٹی اپنے اوپر سوکن برداشت نہ کرسکی اور شوہر سے جھگڑا کر کے میکے آبیٹھی۔ باپ نے سمجھا بجھا کے بیٹی کو شوہر کے گھر جانے کے لئے شرط پر رضامند کرلیا کہ اس کا شوہر محمود اسے سوکن کے ساتھ رکھنے کے بجائے الگ حویلی میں رکھے اور دونوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرے۔

بات معقول تھی۔ قلیچ ارسلان کے ایک قاصد کے ذریعہ محمود کو پیغام بھیجا

ی بیوی شوہر کے پاس جانے کے لئے آمادہ ہے اس لئے محمود خود آئے
متعمد کے ذریعہ بیوی کو بلوائے اور اسے الگ جگہ رکھے اور برابری
بھی کرے۔ قاصد محمود کے پاس پہنچا تو اس نے یہ شرط فوراً منظور
ب وہ محل کے اندر گیا تو اس کی دوسری بیوی نے نہ جانے اس پر کیا
ا کہ اس نے واپس آکر قلیچ ارسلان کو صاف جواب دے دیا۔
ارسلان سے جا کے کہہ دو کہ محمود ان کا ماتحت نہیں اگر بیٹی کو بھیجنا
کے ساتھ بھجوا دو یا خود پہنچا دو۔ میری بیویاں ایک ہی محل میں رہیں
سلوک دونوں کے ساتھ برابر کا ہوگا۔"
یہ جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے ہمت کر کے کہا۔
حاکم کیفا ابھی آپ نے حاکم بلا دوام کی شرط مان لی تھی اور اپنی بیگم
بلانے پر بھی آمادہ ہو گئے تھے۔ الگ رہائش کا بھی آپ نے اعلان کیا
ب آپ صاف انکار کر رہے ہیں۔ براہ کرم اپنے فیصلہ پر نظر ثانی

کیفا محمود کو غصہ آگیا۔ "تم قاصد ہو یا میرے مشیرکار۔" جو میں نے
وہ جواب قلیچ ارسلان حاکم بلادوام کو پہنچا دو۔ اس جواب میں کوئی ترمیم
سکتی۔"
ر نے کچھ اور کہنا چاہا مگر محمود نے اسے روک دیا۔ "مزید کی ضرورت کی
نہیں۔ تم واپس جاسکتے ہو۔"
ر کے لئے سوائے واپس جانے کے اور کوئی چارہ نہ تھا وہ سلام کر کے
ا۔ قلعہ رعیان پہنچ کے قاصد نے حاکم بلادام قلیچ ارسلان کو بتایا۔
ے میرے آقا۔ حاکم کیفا دل کا برا نہیں معلوم ہوتا۔ اس نے آپ کا
ہی تمام باتیں مان لی تھیں۔ شاید وہ خود بیوی کو واپس لینے یہاں آتا
ب وہ محل کے اندر گیا اور پھر واپس آیا تو اس کا دماغ الٹ چکا تھا۔ اس
شرط ماننے سے انکار کردیا اور صاف الفاظ میں کہا کہ انہیں میری بیوی
ہنا ہے تو اسے پہنچا جائیں مگر دونوں کو ایک ہی گھر میں رہنا ہوگا۔"
ارسلان ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ پھر کچھ دنوں بعد اس نے
فا کو الٹی میٹم دیدیا کہ اگر ایک ماہ کے اندر محمود اپنی بیوی کو واپس
نے اور شرطیں تسلیم کرنے کا اعلان کرنے میں ناکام رہا تو کیفا اور آمد پر

بیک وقت حملہ کر کے دونوں قلعہ کو تباہ و برباد کردیا جائے گا۔
یہ حالات سننے کے بعد سلطان نے فرمایا۔ "ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے
غلطی محمود کی ہے دوسری بات یہ ہے کہ محمود اپنی دوسری بیوی کے کہنے میں
اور اس کے اشاروں پر چلتا ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ محمود ہمارا والی ہے
نے ہم سے مدد مانگی ہے اور ہم نے وعدہ بھی کرلیا ہے۔"
سلطان کے پاس اس وقت فرخ شاہ بیٹھا تھا۔ اس نے عرض کیا۔ "عالیجا
مجھے اجازت دی جائے تو اس سلسلے میں کچھ عرض کروں؟۔"
"فرخ شاہ ۔ یہ جھگڑا میاں بیوی اور خسر داماد ہے تم ان میں سے کوئی
تو پھر کیا کہنا چاہتے ہو؟" سلطان نے فرخ شاہ کو شاید یہ بتانے کی کوشش کی
وہ ابھی کنوارہ ہے اس لئے ان معاملات کی اونچ نیچ سے واقف نہیں۔
مگر فرخ شاہ جس قدر بہادر تھا اسی قدر ذہین بھی تھا۔ اس نے سلطان
سامنے اس جھگڑے کا ایسا حل پیش کیا کہ سلطان حیران رہ گئے۔
فرخ شاہ نے کہا ۔ "عالیجاہ ۔ میں نے کسی سے سنا ہے یا کہیں پڑھا ہے
زن و زو (میاں بیوی) میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ان میں صلح کرانا کار ثو
ہے۔ آپ قلیچ ارسلان سے سفارش کیجئے کہ وہ محمود کو معاف کردے تاک
اپنی بیوی کو لے جائے۔"
سلطان کو فرخ شاہ کا یہ مشورہ پسند آیا۔
"فرخ شاہ ہم تمہارے مشورے سے خوش ہوئے۔ اب تم خود ہی ہمارا
قلیچ ارسلان کے پاس لے جاؤ اور اسے جنگ سے باز رکھو۔"
فرخ شاہ نے سلطان کے حکم پر سر جھکا دیا اور دوسرے دن شاہی قاصد
فرائض ادا کرنے قلعہ رعیان روانہ ہوگیا۔
قلیچ ارسلان نے فرخ شاہ کا پرجوش استقبال کیا۔ اسے معلوم تھا کہ فرخ
ایک بہادر سمجھدار سردار اور سب سے بڑھ کے یہ کہ سلطان صلاح الدی
بھیجا ہے۔ فرخ شاہ نے کھانے پر گفتگو شروع کی۔
بزرگ حاکم بلادام ۔ سلطان معظم نے نور الدین محمود حاکم کیفا کی سفا
کی ہے کہ آپ محمود کو معاف کردیجئے اور اس کی بیوی کو اس کے پاس
دیجئے۔
قلیچ ارسلان سوچ میں پڑ گیا۔ سلطان نے اگرچہ سفارش کی تھی لیکن

ن حکم ہی کا درجہ رکھتی تھی اگر انکار کرتا تو سلطان کا غضب مول لیتا ہے
تا تھا کہ سلطان اپنے حاکموں اور والیوں کا بہت لحاظ کرتے ہیں۔
بہت دیر سوچنے کے بعد بولا ---" محترم امیر زادے ۔ میں سلطان معظم
حکم کے تحت محمود کو معاف کرتا ہوں۔ رہا اس کی بیوی کو واپس بھیجنے کا
تو میں اس سلسلے میں اپنی بیٹی سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔"
"ضرور ضرور ۔ آپ صاحبزادی سے مشورہ کرلیجئے۔"
امیر زادے سے اجازت لے کر قلیچ ارسلان اندر گیا اور دیر تک بیٹی سے
کرتا رہا۔ پھر منہ لٹکائے ہوئے واپس آیا۔ امیر زادہ سمجھ گیا کہ بیوی میاں
پاس جانے پر آمادہ نہیں قلیچ ارسلان نے اس کی تائید کردی۔
"محترم امیر زادے ۔ میری بیٹی سلطان معظم کی شکر گزار ہے کہ انہوں نے
کے معاملہ میں اتنی دلچسپی لی۔ وہ کیفا جانے پر بھی آمادہ ہے لیکن اس نے
ن سے درخواست کی ہے کہ اس کے شوہر کو حکم دیا جائے کہ وہ دونوں
ں کو الگ الگ محلوں میں رکھے۔"
امیر زادہ کا خیال درست نکلا۔ بیوی مشروط طریقے سے شوہر کے پاس جانے پر
تھی۔ چند لمحے سوچنے کے بعد امیر زادے نے کہا۔ بزرگ حاکم بلا دردم ۔
کی بیٹی کی شرط معقول ہے۔ پھر بھی اگر محمود اس شرط کو تسلیم کرنے سے
کردے تو؟"
قلیچ ارسلان نے فوراً جواب دیا۔ اس صورت میں محمود تمام قلعے واپس
ے جو میری بیٹی کو جہیز میں دیئے گئے تھے۔"
یہ مطالبہ بھی درست تھا۔ فرخ شاہ رخصت ہو کے سلطان کے پاس پہنچا اور
بتایا کہ بیوی شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے بشرطیکہ اسے دوسرے مکان میں
جائے۔
سلطان کو جلال آگیا۔ "ہم نے کوشش کی مگر قلیچ ارسلان نے ہماری سفارش
ا دی ہے محمود کی مدد کو جانا پڑے گا۔"
فرخ شاہ سناٹے میں آگیا۔ سلطان نے اسے بولنے کا موقعہ ہی نہ دیا اور
بھی کرلیا۔ سلطان کے فیصلہ کو کوئی نہیں بدلوا سکتا تھا۔ پس سلطان لشکر لے
چل پڑا۔ اس نے حلب کو بائیں ہاتھ چھوڑا اور تل باشر ہوتا ہوا قلعہ رعیان
گیا۔ نور الدین محمود بھی سلطان کی آمد سن کر وہاں آگیا۔

فرخ شاہ بہت پریشان تھا۔ اس کے خیال میں یہ بلاوجہ کی جنگ تھی جس م
جتنی ہی جانوں کے ضائع ہونے کا احتمال تھا۔ فرخ شاہ نے سلطان سے تو کچھ
کہا بلکہ نور الدین محمود کو سمجھایا کہ وہ بلا وجہ کی ضد کر کے قیمتی جانوں
نقصان نہ کرے اور بیوی کو الگ مکان میں رہنے کا وعدہ کرے۔ نور الدین
دوسری بیوی کے بھڑکانے پر قلیچ ارسلان کو صاف جواب دیا تھا مگر جب اس
فرخ شاہ نے سمجھایا تو اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے خود سلطا
کے سامنے اپنی غلطی تسلیم کرلی اور بیوی کو ساتھ لے جانے پر رضامند ہوگیا۔

جنگ کے آئے ہوئے بادل چھٹ گئے ۔ امیر زادہ فرخ شاہ کی کوشش
جنگ ہوتی ہوئی رک گئی۔ سلطان نے فرخ شاہ کے ساتھ محمود کو قلعہ رعیان بھ
دیا۔ محمود نے وہاں اپنے خسر سے معافی مانگ لی۔

اس طرح ایک اجڑا ہوا گھر پھر سے بس گیا۔ محمود اپنی بیوی کو کیفا
گیا۔ پھر اللہ کا کچھ ایسا کرم ہوا کہ محمود اپنی دوسری بیوی سے جو ایک پس
گھرانے کی خوبصورت عورت تھی ناراض ہوا اور یہ ناراضگی اس قدر بڑھی
محمود نے اسے طلاق دے کر ہمیشہ کے لئے محل سے رخصت کردیا۔

غافل فرمانروا

الدین کو خانہ جنگیوں میں گھرے ہوئے ساتواں سال تھا۔ صلاح الدین
اور آقا سلطان نور الدین زنگی نے 15 مئی 1174ء کو انتقال کیا تھا۔
118ء چل رہا تھا کہنے کو تو سلطان صلاح الدین نے تقریباً" پورا ملک
یا تھا لیکن اب بھی بعض علاقے اس کو سلطان تسلیم نہ کرتے تھے۔
دل میں دراصل شروع ہی سے جہاد کا جوش تھا اور وہ اہل فرنگ کے
ر جہاد کرنا چاہتا تھا۔ یہ نہیں کہ اس دوران اس نے نصرانیوں سے
کی تھی لیکن اس کے دل کے ارمان اب تک نہ کھل سکے تھے۔ مصر
کے دوران بھی اس کے شاہ یروشلم کے ساتھ کئی معرکے ہوئے لیکن
ت دمشق کے سلطان کا نائب تھا اس لئے نصرانیوں کے خلاف کوئی ند
کتا تھا۔

ب سلطان نورالدین زنگی کے بعد مصر کے ساتھ ساتھ اس کا دمشق
وگیا تو اس کے شوق جہاد نے ایک بار پھر چٹکیاں لینا شروع کیا۔ مگر برا
انہ جنگی کا جس نے سلطان صلاح الدین کو اپنے نصب العین کی تکمیل
دیا۔ یوں تو مسلمان چھ سو سال سے برابر دنیا کے کسی نہ کسی حصہ
ا شمع پر پروانہ وار قربان ہوتے اور اس روشنی کو تاریک گوشوں تک
رہے تھے لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی کا شوق جہاد صرف جذبہ جہاد
نہیں تھا بلکہ اس کے دل میں ایک اور اعلیٰ اور ارفع خیال بھی جاگزیں
خیال تھا بیت المقدس کو نصرانیوں کے ہاتھوں سے چھین کر اس پر اللہ
م لہرانا تھا۔

المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔ اسی قبلہ کی طرف مسلما

وقت تک منہ کرکے نماز پنجگانہ ادا کرتے رہے جب تک خانہ کعبہ کی ط
سجدہ کرنے کا حکم خداوندی نازل نہیں ہوا۔ اس طرح بیت المقدس گزشتہ
صدی سے نصرانیوں کے قبضہ میں چلا آرہا تھا۔ نصرانیوں نے 1099ء میں یر
(بیت المقدس) پر قبضہ کیا تھا۔ اس سے پہلے یہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں
مگر جب سلطان ملک شاہ سلجوقی کا انتقال ہوا تو سلجوقی شہزادوں میں ایسی خانہ
شروع ہوئی جس میں نہ صرف قونیہ کی عظیم سلطنت تباہ بلکہ مسلمانوں کا قبلہ
اور ملک شام کا تقریباً سارا علاقہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور مسلمان مقد
چادر اوڑھ کے سوگئے۔

پھر اپنی تباہ شدہ سلجوقی سلطنت کی خاکستر سے اتابکہ موصل کی چڑ
بھڑکی۔ اتابک اتالیق اور استاد کو کہتے ہیں۔ اتابکہ کا جد امجد عماد الدین ز
سلجوقی شہزادہ کا اتالیق تھا جس نے سلجوقی چراغ گل ہونے کے بعد موصل
حریت اور جوش جہاد کا چراغ روشن کیا۔ عماد الدین زنگی ہی دراصل صلاح
کے باپ نجم الدین ایوب کا مربی اور آقا تھا۔ جس نے ایک احسان کے
نجم الدین ایوب کو بعلبک کے قلعہ کا حاکم بنادیا۔ پھر عماد الدین زنگی کے
بیٹے سلطان نورالدین زنگی نے نہ صرف دمشق میں ایک ایسی اسلامی مملکت ک
رکھی جس نے نصرانیوں کی عظیم طاقت سے آنکھیں ملانا شروع کردیں۔

سلطان صلاح الدین یوسف ایوبی اسی سلطان نورالدین زنگی کا پروردہ امی
تھا جس نے اپنے چچا امیر اسد الدین شیرکوہ کے ساتھ مصر کی فاطمی سلط
خاتمہ کیا اور نصرانیوں اور خصوصاً شاہ یروشلم سے کئی بار جنگ کی۔ سلطان
الدین کی نظریں بار بار بیت المقدس کی طرف اٹھتیں اور وہ خانہ جنگیوں
جلد سے جلد پیچھا چھڑا کر اپنے دل کی اس آرزو کی تکمیل میں خود کو م
کرنا چاہتا تھا۔

اس وقت تک سلطان صلاح الدین کی دھاک پورے ایشیائی کوچک
وسطی) پر بیٹھ گئی تھی۔ سلطان دریائے فرات سے دریائے نیل کے علاقوں
مسلم حکمراں تھا۔ تمام چھوٹی چھوٹی ریاستیں اور شہزادے نہ صرف اس کی
کرتے تھے بلکہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں سلطان کو ثالث کا درجہ دیتے
سلطان اپنے جذبہ میں پر خلوص تھا اس لئے وہ اپنے اس مرتبہ سے کوئی
[illegible] شش نہیں کرتا تھا اور تمام علاقوں میں امن و امان برقرا

ش کرتا تھا۔
1180ء میں ایسا ہوا کہ دریائے فرات کے کنارے شام کے سرحدی شہر
میں ایک بین العلاقائی مجلس منعقد ہوئی جس میں سلطان قونیہ خلیج،
دوم، شاہ آرمینیہ سقمان دوم، شاہ موصل عزالدین مسعود جو غازی سیف
کے بعد شاہ موصل ہوا تھا اور جسے جلب کے شاہ ملک الصالح نے مرنے
ز حلب کا بھی وارث بنا دیا تھا شریک ہوئے۔ ان شاہوں کے علاوہ اس
الجزیرہ، ازبل، کیفا اور ماردین کے شہزادوں نے بھی شرکت کی۔
طان صلاح الدین ایوبی نے اس مجلس کی صدارت کی اور باہمی گفتگو اور
شورے سے تمام شرکاء دوسال کے لئے امن کے معاہدے پر رضامند
نانچہ معاہدہ تیار ہوا۔ سب نے اس پر دستخط کئے اور زبانی قسم کھائی کہ وہ
کاربند رہیں گے اور اپنی حدود میں امن و امان قائم رکھیں گے۔ یہ ایک
کام تھا اور ہر شخص نے اطمینان کا سانس لیا۔
ں دوران یورپ اور ایشیاء کے بہت سے ملکوں میں تبدیلیاں آگئی تھیں۔
ا شاہ لوئی مرگیا تھا اور اس کی جگہ فرانس کا بادشاہ آگسٹس بن گیا تھا۔
کا اسقف اعظم الیکزنڈر کے بجائے نیو سی الیس ہوگیا تھا۔ قسطنطنیہ کے
دم کامنی نس کے بجائے تخت قسطنطنیہ پر الکسی الیس براجمان تھا۔ بغداد کی
خلافت میں بھی تبدیلی آگئی تھی۔ عباسی خاندان کے تینتسویں (33) خلیفہ
ا انتقال ہوگیا تھا۔ اس کی جگہ الناصر تخت خلافت پر بیٹھا تھا۔
وسطہ کے دوسالہ معاہدہ سے پہلے سلطان صلاح الدین کو ایک بار پھر شمس
لمقدم سے مورچہ لینا پڑا۔ یہ امیر بڑا تجربہ کار اور شجاع تھا لیکن خودسری
ے تباہ کر رکھا تھا۔ سلطان نے اسے بعلبک کی حکومت بخشی دی تھی مگر
ق ہوا کہ جب صلاح الدین کے بھائی توران شاہ کو دمشق کے حاکم کی
ے فرنگیوں کے ہاتھوں شکست ہوئی تھی اور جس میں دمشق کا ایک مشہور
سالار سیف الدین ابوبکر بن السلار ہوا تھا۔ اس وقت توران شاہ کو دمشق
کم کی حیثیت سے معذول کردیا گیا تھا۔ توران شاہ اس وقت سے سلطان
لدین کے ساتھ ہی رہنے لگا تھا۔
ر جب سلطان صلاح الدین نے شمس الدین المقدم کو بعلبک کا حاکم بنادیا
ن شاہ کو امر بہت ناگوار گزرا۔ وہ اکثر بعلبک جانے کے لئے کہتا رہتا تھا

مگر سلطان ٹالتا رہا۔ پھر جب اس نے بہت ضد کی تو سلطان نے اسے بعلبک
حکمرانی کا پروانہ دے دیا۔ اتفاق سے اسی دن المقدم دمشق آیا۔ سلطان نے
سے بھی زبانی کہہ دیا۔ لیکن جب توران شاہ اس سے بعلبک کا قبضہ لینے
وہ قلعہ بند ہوگیا اور اس نے بغاوت کردی۔

توران شاہ نے واپس آکے سلطان سے المقدم کی بغاوت کی شکایت
سلطان کو شمس الدین المقدم کی جرات پر بڑی حیرت ہوئی۔ سلطان کی طاقت
وقت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ ملک شام کا ہر چھوٹا بڑا اس کے نام سے
تھا اور حکم عدولی یا بغاوت کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ بہر حال سلطان
بعلبک کے لئے ایک لشکر تیار کرایا اور اس کا سالار عزالدین فرخ شاہ کو
کیا۔ فرخ شاہ نے دبے الفاظ میں احتجاج کیا۔

"عالیجاہ خدا کے لئے آپ مجھے بعلبک نہ بھیجئے۔ میں امیر المقدم
نہیں کرنا چاہتا۔"

"بیوقوف نہ بنو فرخ شاہ۔ ہم تم اس سے صلاح کی گفتگو کرنے نہ
رہے بلکہ بعلبک پر قبضے اور امیر شمس الدین کو قید کرنے کے لئے بھ
ہیں حالانکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ المقدم کو قید کرکے ہم ایک بہتر سردار
ہوجائیں گے۔"

فرخ شاہ کے خیال میں امیر شمس الدین المقدم ایک سرپھرا انسان
کوئی سرپھرا اور پاگل انسان ہی اپنی اکلوتی بیٹی پر اس قدر ظلم کرسکتا تھا
ہی چھوڑ جائے۔ اس لئے فرخ شاہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ المقدم کے مقابل
ہو۔

فرخ شاہ کچھ کہنے کے لئے پھر منہ کھولا مگر سلطان نے اسے اشا
روک دیا۔

"تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بعلبک پر قبضہ کے بعد ہم
تحفہ دیں گے۔"

فرخ شاہ میں مخالفت کی طاقت نہ تھی۔ اس نے حکم پر سر تسلیم

"میں عالیجاہ کے حکم کی تکمیل میں آج ہی بعلبک روانہ ہوجاؤں گ

فرخ شاہ سلام کرکے رخصت ہونے لگا تو سلطان نے اسے روک

"ہم نے تمہیں ایک تحفہ دینے کو کہا ہے فرخ شاہ۔ تم نے پوچ

کون سا ایسا تحفہ ہے جس کا اعلان ہم پہلے کررہے ہیں؟"

"عالیجاہ آپ مصر اور شام کے سلطان ہیں۔ کوئی بھی تحفہ دے سکتے ہیں
فرخ شاہ نے بات ختم کرنے کے لئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو فرخ" سلطان نے کہا۔ "لیکن یہ تحفہ تمہاری طبیعت
مطابقت رکھتا ہے اور تمہیں اس کی ضرورت بھی ہے۔ اس لئے ہم تمہیں
تے ہیں کہ بعلبک سے واپس آنے پر تمہاری شادی ہوگی۔ لڑکی ہم نے
رے لئے خود پسند کی ہے۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے بھائی نورالدولہ شاہاں شاہ کے دونوں بیٹوں تقی
ین محمد اور عزالدین فرخ شاہ سے بہت محبت کرتا تھا۔ سلطان کی محبت صرف
وجہ سے نہ تھی کہ وہ دونوں بھائی اس کے بھتیجے تھے بلکہ ان کی شجاعت اور
مانبرداری نے انہیں سلطان کے بہت قریب کردیا تھا۔ خصوصاً" سلطان کو فرخ
ے گہرا لگاؤ تھا اور اس کا اظہار اس نے آگے چل کے عملی طور پر کیا۔

ارمغانہ کے انتقال یا خودکشی نے فرخ شاہ کو خانگی زندگی کے تصور ہی سے
ت ہوگئی تھی۔ عورت کے معاملہ میں وہ پہلے بھی بے حس تھا مگر ارمغانہ کی
لک اور دھاکہ خیز ملاقات نے اس کی ویران زندگی میں محبت کے پھول بوٹے
ائے تھے اور اس نے ارمغانہ کو اپنا شریک حیات بنانے کا فیصلہ بھی کرلیا تھا۔
لطان کو بھی اس کی خبر تھی اور وہ کسی مناسب موقعہ کی تلاش میں تھے کہ امیر
س الدین المقدم نے اس کی شادی کا دعوت نامہ دے کر سلطان کا منہ بند
یا تھا۔ پھر جب فرخ شاہ سلطان کے حکم سے ارمغانہ کی شادی میں شرکت
لئے پہنچا تو خود المقدم نے اسے ارمغانہ کی موت کی اطلاع دی۔

فرخ شاہ کے دل میں محبت کی جو چنگاری چمکی تھی وہ دب گئی اور اس نے
ا دل پھر تیر تلوار سے لگالیا۔ سلطان نے اس وقت شادی کا ذکر چھیڑا تو ایک
کے لئے اس کے دل میں گدگدی پیدا ہوئی مگر اچانک ارمغانہ کے تصور نے
ے افسردہ کردیا۔ وہ سلطان کو جواب دینے والا تھا کہ اسی وقت توران شاہ آگیا
لا بات آگے نہ بڑھ سکی۔

"عالیجاہ آپ نے میری درخواست کا کیا فیصلہ کیا؟" توران شاہ نے آتے ہی
ل کیا۔

سلطان کو توران شاہ کا یہ انداز پسند نہ آیا لیکن سلطان بھائی بھتیجوں سے

بہت محبت کرتا تھا اس لئے نرمی سے بولا۔ "توران شاہ ایک بات کو بار بار د
دہراتے ہم نے تمہاری درخواست منظور کرلی ہے۔ فرخ شاہ لشکر لے کے ج
ہے۔ بعلبک کے قبضہ کے بعد تمہیں وہاں بھیجا جائے گا۔"

"عالیجاہ لشکر کے ساتھ میں بھی بعلبک پر قبضہ کرسکتا ہوں۔" توران شاہ
گستاخانہ انداز میں کہا۔ "آپ لشکر کی کمان مجھے دیں۔"

سلطان چڑ گیا۔ بولا۔ "توران شاہ سلطان تم ہو کہ میں ہوں۔ ہم جس ک
سمجھتے ہیں اسے لشکر کا سالار بناتے ہیں۔"

توران شاہ پھر بھی خاموش ہوا۔ "عالیجاہ لشکر کے ساتھ مجھے بھی جانے کی اجا
دی جائے۔"

"تم کیا کروگے وہاں جاکے؟" سلطان کو غصہ آگیا۔ "سالار فرخ شاہ ہے
اس کا چلے گا۔"

توران شاہ بڑا ڈھیٹ پھر بولا: "فرخ شاہ بے شک سالار ہے میں سپاہیوں
طرح جنگ کروں گا۔"

اب فرخ شاہ نے اعتراض کیا۔ "آپ میرے چچا ہیں توران شاہ۔ میں
کو حکم دیتے ہوئے اچھا نہ معلوم ہوں گا۔"

توران شاہ نے فوراً جواب دیا اور بڑی ذہانت کا جواب دیا۔ "کیا
معظم کے بڑے بھائی سلطان کی کمان میں جنگ نہیں کرتے۔ تمہارا حکم ما
فرض ہوگا۔"

سلطان سمجھ گیا کہ توران شاہ نہیں مانے گا اس نے توران شاہ کو فر
کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی۔ پھر فرخ کو سمجھایا۔

"فرخ شاہ بعلبک کی گلیوں میں ہم کھیلے ہیں۔ ہمیں وہاں کے راستو
عمارتوں سے محبت ہے۔ خونریزی سے پرہیز کرنا امیر شمس الدین مطیع ہوجا
اسے گرفتار نہ کرنا۔ اپنے خیمے میں جگہ دینا اور اسے عزت سے ہمار
لانا۔"

"بہتر ہے عالیجاہ" فرخ شاہ نے سر جھکایا۔ "تمام احکامات پر عمل ہوگا۔

فرخ شاہ لشکر لے کر بعلبک پہنچ گیا۔ سلطان نے خونریزی سے منع
پر قلعہ پر حملہ کیسے کرتا محاصرہ کرکے بیٹھ گیا اور محاصرہ میں روز۔ سختی کر
سخت محاصرہ ہی شمس الدین کو اطاعت پر مجبور کرسکتا تھا۔ المقدم قلعہ

بر بیٹھا تھا۔ فصیل پر تیر انداز موجود تھے لیکن انہیں اس وقت تک تیر چلانے
کی اجازت نہ تھی جب تک فصیل پر حملہ نہ ہو۔ یہ عجیب طرح کا محاصرہ تھا نہ
محاصرہ کرنے والا پتھر برساتا نہ محصور تیر چلاتے۔

توران شاہ یہ دیکھ کر جلتا تھا۔ ایک دن فرخ شاہ کو سنانے کے لئے بولا۔
میں نے یمن میں بڑے بڑے قلعوں کو دنوں میں فتح کرلیا تھا۔"

"وہ کس طرح چچا توران شاہ؟" فرخ شاہ نے زہر خند کیا۔

"اس طرح کہ ایک دم یلغار کی۔ قلعہ پر سیڑھیاں لگائیں اور اوپر چڑھ
گئے۔ زیادہ مدافعت کا امکان ہوا تو سرنگ میں لکڑیاں بھر کر فصیل کو اڑا دیا۔"
توران شاہ نے بڑے فخر سے کہا۔

" اس کے صلہ میں آپ کو فاتح یمن کا خطاب ملا تھا" فرخ شاہ نے
الیہ انداز میں کہا۔

"ہاں ملا تھا۔" توران شاہ نے جواب دیا۔ "بہادری کا مظاہرہ کرنے والوں کو
اب ملتا ہے۔"

"کتنے آدمی کام آتے تھے ایک قلعہ فتح کرنے میں؟" فرخ شاہ نے پوچھا۔

"جنگ میں مرنے والوں کو نہیں گنا کرتے۔" توران شاہ نے اکڑ کے جواب

"اب فرمایئے مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"چاہتے کیا ہیں؟ حملہ کرو اور قلع فتح کرلو۔"

"اور جب قلعہ فتح کرکے جاؤں تو سلطان مجھے سولی پہ چڑھادیں۔" فرخ شاہ
غصہ سے کہا۔"

"کیوں کیوں سولی پر کیوں چڑھائیں گے۔" توران شاہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"میرے پیارے چچا جان۔" توران شاہ نے گھورتے ہوئے کہا۔ "چچا
جان" فرخ شاہ دانت پیس کے بولا۔ "سلطان نے فرمایا تھا کہ خونریزی سے پرہیز
کرنا۔ المقدم اطاعت کرلے تو اسے گرفتار نہ کرنا۔ آپ مجھے سلطان کی نظروں
گرانا چاہتے ہیں۔"

"ارے نہیں نہیں تم تو ناراض ہوگئے فرخ۔" توران شاہ نے فرخ کو غصہ
دیکھا تو خوشامد پر اتر آئے۔ "میں نے یونہی بات کی تھی۔ لشکر تمہاری کمان
ہے تم جیسا چاہو کرو۔"

محاصرہ طول کھینچ رہا تھا اور توران شاہ کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔ انہیں بعلبک پر قبضہ کی جلدی تھی۔ اس لئے وہ فرخ شاہ پر رعب ڈالنے یا اپنی بے چینی ثابت کرنے کے لئے رات کے بیشتر حصہ میں خیمے کے سامنے ٹہلتے رہتے تھے۔ ادھر محاذ جنگ بالکل خاموش تھا نہ شمس الدین المقدم محاصرہ توڑنے کی کوشش کرتا اور نہ فرخ شاہ حملے کا حکم دے رہا تھا۔ اسی طرح پورا ایک ہفتہ گزر گیا اور دونوں طرف سے کوئی ہلچل نہیں ہوئی۔ توران شاہ کی حالت دیکھنے والی تھی۔ فرخ شاہ جیسے سنجیدہ آدمی کو بھی ان کی بیقراری دیکھ کے ہنسی آتی تھی۔

پھر ایک دن قلعہ کا دروازہ کھلا اور سوار نیزہ پر سفید کپڑا باندھے نکلا۔ سفید پرچم یا کپڑا امن کی نشانی تھی۔ فرخ شاہ امن کی ایک رکنی سفارت کے استقبال کے لئے خیمے سے باہر نکل آیا۔ توران شاہ بھی اس کے پاس آکے کھڑا ہوگیا۔ سوار آہستہ آہستہ آرہا تھا۔

توران شاہ نے تبصرہ کیا۔ "ذرا چال تو دیکھو معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے نہیں گدھے پر سوار ہے۔"

"چچا جان۔" فرخ شاہ نے ادب سے درخواست کی۔ "امن کا سفیر ہے۔ خ کے لئے کوئی ایسی ویسی بات نہ کیجئے گا کہ شرمندگی اٹھانا پڑے۔"

"واہ میں کیوں بات کرنے لگا۔ سپہ سالار تم ہو میں کچھ نہیں بولوں گا۔"

توران شاہ مسلسل اور ہر بات میں بول رہے تھے مگر بڑی معصومیت سے فرما ر تھے کہ میں کیوں بولوں گا۔

سوار قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ خود امیر شمس الدین المقدم ہے۔ ف شاہ نے آگے بڑھ کے اس کا استقبال کیا۔

"امیر شمس الدین المقدم میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ کی تشر آوری میرے لئے باعث فخر ہے۔" فرخ شاہ نے بڑے خلوص سے کہا۔

جس طرح فرخ شاہ کو المقدم کو دیکھ کر تعجب ہوا تھا اسی طرح المقدم شاہ کو دیکھ کے چونکا۔ "امیر زادے آپ ۔ کیا آپ عالیجاہ کے ساتھ تش لائے ہیں۔"

فرخ شاہ کے جواب دینے سے پہلے قریب کھڑے ہوئے توران شاہ جواب دیا۔ "سلطان معظم چھوٹے چھوٹے قلعوں کو سرنگوں کرنے نہیں آتے۔

سالار عزالدین فرخ شاہ ہیں۔"

فرخ شاہ توران شاہ کو گھور کے رہ گیا۔ بھلا ان کو دخل دینے کی کیا رت تھی۔ المقدم نے فرخ شاہ سے سوال کیا تھا وہی جواب دیتا۔

فرخ شاہ ہی نہیں المقدم بھی توران شاہ کی اس بے جا مداخلت سے جل تھا۔ اس نے جواب دیا۔ "درست فرمایا آپ نے توران شاہ۔ سلطان معظم قلعوں کو فتح کرنے نہیں جایا کرتے لیکن شاید آپ کو علم نہیں کہ سلطان رزادے کو اہم جنگوں پر سپہ سالار بنا کر بھیجتے ہیں۔"

توران شاہ نے بعلبک کے قلعہ کو چھوٹا کہا تھا اور فرخ شاہ کی سپہ سالاری کوئی اہمیت نہ دی تھی اس طرح اس نے اپنے خیال میں المقدم اور فرخ شاہ وں ہی کو حقیر کرنے کی کوشش کی تھی لیکن امیر شمس الدین المقدم نے اسے جواب دیا کہ اس کے دانت کھٹے ہوگئے تھے۔

فرخ شاہ نے شاید المقدم کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھا پھر المقدم سے ۔ "امیر محترم فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔"

"امیر زادے۔" المقدم نے سنبھل کر کہا۔ "میں امیر شمس الدین نہیں بلکہ بک کے حاکم کا سفیر ہوں۔ مجھے آپ کی کسی خدمت کی حاجت نہیں۔"

"پھر کیا سفیر محترم یہ فرمائیں گے کہ وہ قلعہ سے نکل کر دشمن کے خیموں کیوں تشریف لائے ہیں۔" فرخ شاہ نے بھی سنجیدگی اختیار کی۔

"امیر زادے میں سلطان کے پاس امن کا پیام لے کے آیا تھا لیکن وہ آئے ہیں۔" المقدم نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ کے امن کا پیغام لینے کا مجھے اختیار ہے امیر محترم۔" شمس الدین کے ل کے جواب میں فرخ شاہ نے کہا۔ "مگر ابھی تک امن شکنی کسی طرف سے مل ہوئی ہر طرف امن ہی امن ہے۔ قلعہ کے اندر امن اور قلعہ کے باہر ن کے شاہی لشکر کے خیموں میں امن۔ کیا آپ نقص امن کا شکوہ کرنے ہیں؟"

"میں سلطان سے کچھ مانگنے آیا تھا امیرزادے۔ اور میں جو مانگنا چاہتا ہوں آپ کو دینے کا اختیار نہیں ہے۔" شمس الدین المقدم نے کہا۔

"امیر محترم آپ کو مانگنا چاہتے ہیں صرف وہی میرے اختیار سے باہر نہیں ں آپ کو کچھ نہیں دے سکتا۔" فرخ شاہ نے اپنی مجبوری ظاہر کردی۔

"ہاں میں آپ کو ایک چیز ضرور دے سکتا ہوں بشرطیکہ آپ اس کی خواہش کریں۔"

"بھلا وہ کون سی چیز ہے امیرزادے۔ ذرا مجھے بھی تو بتایئے۔" المقدم نے دلچسپی سے پوچھا۔

"وہ چیز عزت اور احترام" فرخ شاہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "سلطان معظم نے فرمایا تھا کہ اگر امیر شمس الدین المقدم اطاعت قبول کرلیں تو ان کا احترام کیا جائے اور انہیں سلطان کے پاس بڑی عزت سے لے جایا جائے۔"

"میں اپنے آقا سلطان دمشق و مصر اور امیر زادے آپ کا بھی شکر گزار ہوں کہ سلطان مجھے اب بھی قابل احترام سمجھتے ہیں۔" امیرالمقدم نے پر خلوص سے کہا۔ پھر کھڑے ہوتے بولا۔ "امیرزادے کیا میں آپ سے بغلگیر ہو سکتا ہوں؟"

واضح رہے کہ فرخ شاہ امیر المقدم کو اپنے خیمہ میں لے آیا تھا اور یہ گفتگو خیمہ میں فرش خاک پر بچھی ہوئی ایک چٹائی پر ہوئی تھی۔

امیر زادہ ، المقدم کی اس فرمائش پر پریشان ہوگیا۔ "امیر المقدم میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا آپ مجھ سے بغلگیر کیوں ہونا چاہتے ہیں؟"

"یہ بھی میں آپ کو بتادوں گا آپ میری درخواست تو قبول فرمائیے" المقدم نے اصرار کیا۔

امیر زادہ کو اس کی خواہش پوری کرنے کے لئے کھڑا ہونا پڑا۔ امیر المقدم فرخ شاہ کے سینے سے سینہ ملاکر کھڑا ہوگیا پھر اس نے سرگوشی کی۔

"امیر زادے میں جب آپ کو دیکھتا ہوں تو یقین کیجئے کہ مجھے اپنی ارمغانہ یاد آجاتی ہے۔"

امیرزادے فرخ شاہ کے جسم سے غم کی ایک تیز لہر دور کر نکل گئی نے سرگوشی کی۔

"امیر میرے ساتھ توران شاہ ہیں۔ آپ کچھ خیال فرمائیں۔"

امیر شمس الدین اس سے الگ ہوگیا۔

فرخ شاہ نے دریافت کیا۔ "امیر آپ نے کیا فیصلہ کیا؟"

"کیسا فیصلہ امیر زادے؟"

"کیا آپ سلطان کی اطاعت قبول کرتے ہیں؟"

شمس الدین المقدم نے بڑے مدبرانہ انداز میں کہا۔ "امیرزادے غلاموں
روز تجدید عہد نہیں کرایا جاتا۔ میں سلطان کا غلام ہوں اور آخری
غلام رہوں گا۔"

د و اللہ۔ آمین۔" فرخ شاہ کی زبان سے نکلا۔

ن شاہ نے فوراً دخل دیا۔ "امیر اس کا مطلب ہے کہ تم قلعہ بعلبک
دار ہوگئے۔"

ر توران شاہ میں بعلبک سے اسی دن دستبردار ہوگیا تھا جس دن سلطان
کو یہ قلعہ عطا کرنے کا اعلان کیا تھا۔" امیر شمس الدین نے بالکل واضح
کہا۔ "رہا میرے قلعہ بند ہونے کا سوال تو اس کے لئے عرض ہے کہ
غلام بھی اپنے آقا سے اکڑ جاتا ہے آخر اس کا بھی تو کوئی حق ہے۔
نے والا اگر ایک حکم ماننے سے انکار کردے تو کیا آقا اسے قتل کردے

ز نہیں امیر المقدم۔" فرخ شاہ نے تائید کی۔ "شاید یہی وجہ ہے کہ
کی حکم عدولی کو بھی برداشت کرجاتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے ہمیشہ
ریف کی ہے۔"

آخر آقا ہی ہوتا ہے۔"

کیا ارادہ ہے آپ کا؟" فرخ شاہ نے پوچھا۔

کیا ارادہ ہوسکتا ہے۔ سلطان میرا آقا اور میں اس کا غلام۔"

آپ میرے ساتھ چل رہے ہیں دمشق۔"

شمس نے ایک لمحہ سوچا۔ دمشق تو مجھے جانا ہی ہے۔ مجھے سلطان سے
بھی ہے۔" امیر دمشق چلنے پر آمادہ ہوگیا۔

ر آپ قلعہ والوں سے کہہ آیئے کہ وہ آپ کا انتظار نہ کریں اور یہ
دمشق جارہے ہیں۔" فرخ شاہ نے امیر المقدم کو اصول کی بات بتائی۔

آپ تشریف رکھئے میں ابھی قلعہ ہوکے آرہا ہوں۔"

شمس الدین المقدم نے جواب دے کے اپنے دونوں بازو کھول دیئے
خ شاہ سے بغلگیر ہونا چاہتا تھا۔ فرخ شاہ کو بھی نہ جانے کیا سوجھی کہ
ل کے سینے سے لگ گیا۔ پھر دیر تک اسی طرح سینے سے کھڑا رہا۔

شاہ امیر شمس الدین المقدم کو دمشق لے گیا لیکن سلطان اس سے اس

قدر ناراض تھا کہ اسے دربار میں آنے کی اجازت نہ دی۔ ایک دن ، دو دن ، چار دن گزر گئے مگر سلطان کا غصہ ٹھنڈا ہونے کا نام نہ لے رہا تھا۔ امیر المقدم مہمان خانہ میں پڑے پڑے تنگ آگیا تھا۔ امیرزادہ فرخ شاہ اس سے روز ملنے آتا اور تسلی دے کر چلا جاتا اور امیر المقدم کو روز یہ امید بندھتی کہ شاید آج سلطان بازیابی کی اجازت دی ہو۔

مگر فرخ شاہ آتا اور افسردگی سے مطلع کرتا۔ "امیر محترم سلطان آج بھی آپ کے حق میں فیصلہ نہیں کرسکے۔"

امیرالمقدم کا دل بیٹھا جاتا اور وہ پھر آئندہ روز پر امید لگا لیتا۔ ایک دن امیر المقدم صبح سے ہی جزبز ہورہا تھا۔ فرخ شاہ اپنے وقت مقررہ لینے آیا اور بولا۔

"امیر محترم۔ سلطان۔"

فرخ شاہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ امیر المقدم نے اسے روک دیا اور چیخ کے بولا۔ "بس امیرزادے بہت ہوچکی۔ میرا فیصلہ سلطان نہیں بلکہ میں خود کروں گا۔"

"امیر محترم۔" فرخ شاہ نے دخل دیا۔ "آپ میری بات تو سنئے"

"نہیں امیرزادے اب تک میں آپ کی سنتا تھا لیکن آج آپ میری سنیں گے۔ میں نے اپنا فیصلہ خود ہی کرلیا ہے۔ آپ سلطان معظم سے میری جانب سے عرض کیجئے کہ شمس الدین ابن المقدم کے قتل کا حکم صادر فرمایا جائے کیونکہ وہ انتظار کے اس کرب کو ختم کرنا چاہتا ہے آپ جایئے اور ان سے کہہ دیجئے۔"

فرخ شاہ نے امیرالمقدم کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ "امیر محترم میں آپ کے اور سلطان کے درمیان نہیں آنا چاہتا جو کہنا ہے وہ آپ خود سلطان سے جاکے کہہ دیجئے کیونکہ سلطان نے آج آپ کو دربار میں طلب کیا ہے۔"

"ہائیں" المقدم حیران رہ گیا۔ "آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا امیرزادے؟"

"آپ نے مجھے بولنے کا موقع ہی کب دیا تھا۔" فرخ شاہ نے اسے جواب دیا۔

پھر فرخ امیر المقدم کو ساتھ لے کر دربار میں پہنچا۔ المقدم نے سلطان کو دیکھتے ہوئے سلام پیش کیا۔ اسے اندازہ ہوا کہ سلطان کی تیوریوں پر اس دن بھی بل پڑے ہیں۔"

ا اس طرح یہ کہ آور صرف مال و دولت ہی میں دوسری ریاستوں پر فوقیت ں رکھتی تھی بلکہ اس مختصر سی ریاست میں دولت علم کے بھی بیش بہا خزانے ود تھے۔ تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ آور کی سرکاری لائبریری میں لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ علم کا یہ اتنا بڑا خزانہ ہے کہ سوائے بغداد کے کوئی ر شہر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

تیسری انفرادیت اس ریاست کو اس وجہ سے حاصل تھی کہ چاروں طرف لمان ریاستوں اور مسلم تہذیب میں گھرے ہونے کے باوجود آور کی ریاست نصرانی ریاست کا نقشہ پیش کرتی تھی۔ آور کا فرمانروا مسلمان ، وزیر مسلمان بادی مسلمان، عمارتیں مسلم طرز تعمیر کا نمونہ مگر پھر بھی اس ریاست پر کسی ی حکومت کا شبہ ہوتا تھا۔ شاہی محل پر جایئے تو بیشتر پہریدار عیسائی ، کنیزیں ی غلام عیسائی ملباس عیسائی گفتگو کا انداز نصرانی بلکہ شاہی محل کے پائیں باغ ایک چوبی (لکڑی کا بنا ہوا) چھوٹا سا مگر خوبصورت گرجا بھی بنوایا گیا تھا اور ب کچھ لوازمات صرف ایک ہستی یعنی فرمانروائے آور کی عیسائی ملکہ مرنیا کی ا کی وجہ سے کیا گیا تھا۔

مشہور ہے کہ مسلمان جہاں جاتے ہیں یا جس جگہ رہتے ہیں وہاں کی ہر چیز مان کرلیتے ہیں۔ لیکن ریاست آور میں یہ کام ملکہ مرنیا نے کیا تھا۔ وہ عیسائی جس دن سے شاہی محل میں داخل ہوئی تھی اس روز ہر چیز جیسے کافر ہوگئی روایت ہے کہ آور کی ملکہ مرنیا ایک عیسائی راہب مسٹر فلپ اوفالڈ کی بیٹی راہب فلپ نے مرنیا کو نن بنایا تھا تاکہ وہ عمر بھر دوشیزہ رہ کر کنواری مریم بادت کرتی رہی مگر مسٹر فلپ کا یہ ارادہ اس وقت تبدیل ہوگیا یا انہوں نے ارادہ کو خود بدل دیا جب ریاست آور کے عاشق مزاج اور جوان عمر فرمانروا ں کی بیٹی مرنیا پر دل آگیا۔

اس خوبصورت مگر تباہ کن حادثہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ن آور کا ولی عہد جس روز باقاعدہ ریاست کا بادشاہ بنا تھا اس دن ایک اتنا ن منایا گیا تھا جس کی مثال ملک شام کی ریاستوں میں نہیں ملتی۔ نوجوان آور نے اپنی تاجپوشی کی رسومات ادا ہونے کے بعد حکم دیا کہ اعلیٰ حضرت سواری پر سیر کو نکلیں گے اور اس طرح اپنی پیاری رعیت کو دعوت نظارہ لئے انہوں نے کہیں سن لیا تھا کہ عباسی خلیفہ رزمگاہوں میں داد شجاعت

دینے کے بعد اب محل نشیں بلکہ جھروکہ نشیں ہوگئے ہیں اور اپنی محبوب ...
کے بے حد اصرار پر کبھی کبھی یا ہفتہ مہینے میں ایک بار جھروکہ میں آبیٹھتے ہیں
کیونکہ انہیں اب محلاتی رنگ رلیوں میں اس قدر مشغولیت رہتی ہے کہ وہ روز
دربار خاص یا دربار عام نہیں لگاسکتے۔

فرمانروا رائے آور نے اپنے ایام شہزادگی میں عباسی خلیفہ کے اس وتیرہ پر
بڑا غور کیا تھا اور ان کی عقل رسا نے یہ تینجہ نکالا تھا کہ انہیں اپنی انفرادیت
برقرار رکھنے کے لئے عباسی خلفاء کے بالکل برعکس یعنی جس طرح وہ اپنی رعایا کو
کبھی کبھی درشن دیتے تھے ' فرمانروائے آور اپنی رعایا کو روزانہ درشن دیا کرے
گا۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ وہ شاہی سواری میں شاہی لباس زیب تن کرکے
شاہانہ شان و شوکت سے آور کے تمام کوچہ و بازار کا دن میں کم از کم ایک بار
ضرور چکر لگایا کرے گا۔ یہ ولی عہد شہزادے کی عہد طفلی کی طفلانہ باتیں تھیں مگر
جس روز انہوں نے بادشاہت کا تاج اپنے سر پر رکھا اس دن یہ باتیں حقیقت
کا روپ دھار گئیں۔

فرمانروائے آور نے اپنے اس خواب کو حقیقت میں تبدیل کرنے کے لئے
بہت پہلے سے تیاریاں شروع کردیں تھیں۔ اس نے حکم دیا تھا کہ اس کی سواری
کے لئے ایک شاہی رتھ تیار کیا جائے جو سوائے پہیوں کے اور پورے کا پورا
خالص سونے کا ہو۔ مقصد یہ تھا کہ شاہی سواری تمام کی تمام سونے کی بنائی
جائے اور سوائے سونے کے اور کوئی دھات استعمال نہ ہو۔ چنانچہ اس قسم کا رتھ
ان کی تاجپوشی سے بہت پہلے تیار ہوگیا تھا اور انہوں نے اسے پسند فرمایا تھا۔
سوائے اس کے رتھ کے پہیے لکڑی کے تھے جن پر سونے کے پتر چڑھائے گئے
تھے اور لگامیں چمڑے کی تھیں جس پر سونے کے تار لپیٹے گئے تھے۔

امیر بہاء الدین بن نیاں اس سلطنت کا کرتا دھرتا اور وزیراعظم تھا۔ اس
نے بچپن سے جوانی تک ولی عہد کے رنگ ڈھنگ دیکھے تھے یا یوں کہنا چاہئے کہ
اسے شہزادے کی کمزوریوں کا علم ہوگیا تھا۔ امیر بہاء الدین ایک انتہائی تند
مزاج بلکہ ایک جابر قسم کا امیر تھا اور خود سر اتنا تھا کہ اپنی من مانی کے آگے
کسی دوسرے کی چلنے نہیں دیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو بغیر کسی قدغن اور
روک ٹوک کے ہر قسم کے اختیارات ملنا چاہئے تھے۔ یہ اختیارات حاصل کرنے
کے لئے امیر نے بہت پہلے سے تدبیریں شروع کردی تھیں۔ شہزادے کے گرد اس

ے اپنے اعتماد کی چند کنیزیں اور غلام مقرر کئے تھے جن کے ذریعہ امیر کو
ے کی پسند و ناپسند کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی تھیں۔

شیطانی طبیعت والوں کے کام اکثر شیطان کرتا ہے۔ آور کا وزیراعظم بھی
ن کا چیلا تھا اس نے سوچا تھا کہ حکومت کے نظم ونسق کے اختیارات حاصل
نے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تاجپوشی کے بعد آور کے فرمانروا کو کسی طرح
محل میں قید کردیا جائے۔ مگر قید اس طرح ہوکہ فرمانروا محل سے باہر نکلنے
خود پرہیز کرنے لگے۔ پس اس کے شیطانی کام میں شیطان نے اس کا بھرپور
ہ دیا اور عین تاجپوشی کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے فرمانروا کو
محل کے دلفریب قید خانے میں ہمیشہ کے لئے قید کردیا۔

ولی عہد کی تاجپوشی میں نزدیک اور دور کی بہت سی ریاستوں کو دعوت دی
تھی لیکن شاطر وزیر امیر بہاء الدین بن نیاں نے کسی ملک کے والی یا
ے کو مدعو نہیں کیا تھا بلکہ عام طور سے وزیروں کو بلایا گیا تھا اور وزیر بھی
جو اپنی اپنی حکومتوں کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ تاجپوشی کے دن قلعہ
ہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ رعایا کی دلبستگی کے لئے ناچ رنگ کے
ا طائفے بلائے گئے تھے۔ تاجپوشی کا جشن ایک ہفتے تک منایا جاتا تھا اور
و خواص کو حکم دیا گیا تھا کہ جشن کے دوران سوائے کھیل تماشوں اور ناچ
کے اور کوئی کام نہ ہوگا۔ نہ کسی کے گھر چولہا جلے گا۔ ہر گھر پر شاہی
ے کھانا پہنچایا جائے گا۔ وزیر امیر بہاء الدین نے واقعی اس قدر اعلیٰ قسم
نظامات کئے تھے جو قابل ستائش تھے۔ وزیر اپنے فرمانروا کو پوری طرح متاثر
اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتا تھا۔

تاجپوشی کے دن آور کے حکمران کے سر پر تاج نہیں رکھا گیا اس لئے ایک
ت کے حکمراں کو "شاہ" بننے کا حق حاصل نہ تھا۔ ملک شام میں صرف
صلاح الدین کو سلطانی اور حکمرانی کی سند عباسی خلیفہ بغداد نے عطا کی تھی
ایک شاہ ملک الصالح تھا جو ولی عہد سلطنت ہونے کی وجہ سے خود کو شاہ
تھا اور لوگ بھی سلطان نورالدین زنگی مرحوم کی نسبت سے اسے شاہ یا
لئے سے نہ ہچکچاتے تھے۔ تاج شاہی کے علاوہ فرمانروا آور کی تاجپوشی کے
تمام دیگر رسومات ادا کی گئیں۔ اسے لباس فاخرہ پہنا کر جس میں ہزاروں
اروں میں ہیرے جواہرات ٹانکے گئے تھے۔ سونے کی ایک چوکی پر بٹھایا گیا تھا

جو تخت شاہی کی طرح آراستہ کی گئی تھی۔

اس کے بعد نذرانہ کی رسم ادا کی گئی امراء عمائدین ریاست اور متمول
شہریوں نے نذریں پیش کیں پھر ان نذرانوں سے بڑھ کے انہیں نوازا گیا۔ کسی
قیمتی پارچہ جات کا تحفہ ملا تو کسی کو موتیوں اور جواہروں کے ہار عطا کئے گئے
شہر میں جگہ جگہ فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم ہونے کے لئے کپڑے، جنس ا
ضروریات زندگی کی بہت سی چیزیں تقسیم کرنے کے لئے رکھی گئیں تھیں۔ مگر
کے عوام کی خوشحالی اور دولتمندی کہ جشن کے ایک ہفتے کے دوران کیا مجال
کوئی فقیر اس جگہ کے قریب سے گزرے۔ یہ تقسیم کا سامان جس طرح آیا ا
سجایا گیا تھا اسی طرح اجاڑ اور واپس بھیج دیا گیا۔ یقیناً" اس ریاست کے خوا
عوام پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش تھی جس نے انہیں اپنی ضرورتوں سے
نیاز کردیا تھا۔

ان رسموں کے بعد جنہیں تاجپوشی کا نام دیا گیا تھا۔ ولی عہد نے جو
آور کا حکمراں بن گیا تھا حکم دیا کہ اس کی شاہی سواری کا جلوس محل شاہی
ہوکے بڑی سڑک اور بڑے بڑے محلوں سے گذر کر محل واپس آئے۔
نے وزیر بہاء الدین بن نیاں سے ایک دن پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس کا
برآمد ہوگا۔ اس اشارہ پر امیر بہاء الدین نے صبح ہی کو شاہی سواری کو آرا
پیراستہ کرا دیا تھا اور شاہی رتھ محل کے باہر سیڑھیوں کے نیچے لاکر کھڑا
تھا۔ حکمراں کا حکم پاتے ہی امیر بہاء الدین نے فوراً" اعلانچی کے ذریعہ پور
میں ڈگ پٹوادی کہ ریاست آور کے والی اور حکمراں کا جلوس سڑکوں اور
سے گذرنے والا ہے اس لئے لوگ اپنے حکمراں کا استقبال اور دیدار کر
لئے سڑکوں کے کنارے قطار در قطار کھڑے ہوجائیں۔ خواتین کو حکم دیا گیا
اپنے مکان کی چھتوں سے جلوس کا منظر دیکھیں۔

نقارہ پر چوٹ پڑی ڈھول تاشے بجنے لگے۔ مختصر ریاست کی مختصر فو
بہت چاق و چوبند اور نئے اسلحہ سے آراستہ جلوس کے آگے پیچھے اور
بائیں چلنے لگے۔ امراء اور معززین شہر کو حکم تھا کہ آور کے حکمراں کے
پاپیادہ چلیں۔ وزیر باتدبیر امیر بہاء الدین نے شہر کے کسی مفتی، فقیہ یا
کو جلوس میں شرکت کی دعوت نہیں دی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا
ضرور اس جلوس کو خلاف شرع قرار دینے میں ذرا بھی رعایت نہیں کر

اس تقریب پر وزیر نے بے دریغ روپیہ پانی کی طرح بہایا تھا۔
شاہی جلوس دیکھنے کے لئے پورا شہر و قلعہ اُمڈ آیا تھا۔ سڑک کے دونوں
لوگ اپنے حکمراں کی تعظیم اور اس کے دیدار کے لئے جمع تھے۔ چھتوں اور
انوں پر عورتیں پرے جمائے بیٹھی تھیں۔ جس سمت سے جلوس گزرتا،
ڑے ہوئے بچے خوشی سے تالیاں بجاتے، بڑے اپنے حکمراں کی درازی عمر
ے لگاتے' خواتین کا عالم ہی کچھ اور تھا وہ کوٹھے پر چڑھی تھیں جلوس
ر اوپر نیچے کے بیشتر خواتین نے ٹولیاں بنالی تھیں اور جلوس سے بے خبر ہوکر
ں میں مشغول ہوگئی تھیں۔ ان کی باتیں کسی خاص موضوع سے متعلق نہ
۔ چولہا ہانڈی اور دال ترکاری سے شروع ہوکر یہ باتیں ملکی حالات پر
تک پہنچ گئی تھیں۔ بعض عورتیں اور لڑکیاں ایک کوٹھے سے دوسرے
ور دوسرے سے تیسرے پر پھاند پھاند کے اپنی پرانی سہیلیوں کو تلاش
تیں۔

پھر جلوس اچانک ایک جگہ رک گیا کہنے والے کہتے ہیں کہ فرمانروائے
خود ہاتھ کے اشارے سے جلوس کو رکنے کا حکم دیا تھا۔ یہ ایک بڑی
چوراہا تھا اور چاروں طرف لوگوں کا اژدہام تھا۔ فرمانروا نے اپنے وزیر
الدین بن نیاں کو جو اس کے رتھ کے ساتھ پیدل چل رہا تھا اسے
ا اور اسے سرگوشی میں کچھ کہا۔
ر سہلاتا ہوا شاہی سواری کے پاس سے ہٹ کر سڑک کے کنارے اس
جہاں مسلمانوں کے درمیان ایک نصرانی راہب کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ
سال کی دوشیزہ تھی۔ دونوں کے لباس گرد آلود تھے۔ ان کے گلوں میں
ی صلیبیں لٹک رہی تھیں۔ چہرے مہرے سے وہ مسافر معلوم ہوتے تھے۔
بہاء الدین نے قریب پہنچ کے اس لانبے بوڑھے آدمی کو مخاطب کیا جو
ے اوپر نظر آتا تھا۔
نام ہے تمہارا بزرگ محترم؟"
وڑھا اور اس کے ساتھ کی لڑکی شاہی رتھ کے پاس سے آتے ہوئے
یرانی اور قدرے خوف سے دیکھ رہے تھے۔ جب آنے والے نے اسے
مہذب انداز میں مخاطب کیا تو اس کا خوف کچھ کم ہوا۔
ایک نصرانی راہب ہوں اور میرا نام فلپ رونالڈ ہے۔" بوڑھے نے

بھی بڑی تمیزداری سے جواب دیا۔
"اور یہ لڑکی جو تمہارے ساتھ ہے یہ کیا لگتی ہے تمہاری؟" وزیر
سوال کیا۔
"بوڑھے نے چند لمحے سوچنے کے بعد جواب دیا۔ میرے بیٹا یہ
جس نے اپنی ساری زندگی کنواری مریم پر نچھاور کردی ہے اور ایک پا
گئی ہے۔"
وزیر بہاء الدین نے فلپ کے جواب پر غور نہیں کیا بلکہ وہ بات
جس کے لئے فرمانروا نے اسے بھیجا تھا۔ "مقدس راہب ہمارے فرما
دونوں کو شاہی محل میں بلایا ہے۔ وہ تم دونوں سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں
بوڑھا کائیاں تھا آخر اس نے دنیا دیکھی تھی وہ سمجھ گیا کہ اسے
میں کیوں بلایا جارہا ہے۔ بے پروائی سے بولا۔ "تمہارے فرمانروا ایک
کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔ خیر میں آجاؤں گا مگر یہ بچی نہیں آسکے گی
اس نے دنیا کا تمام عیش و آرام چھوڑ دیا ہے۔ شاہی محل میں جا
کی وہ قسم ٹوٹ جائے گی جو اس نے "نن" بننے کے وقت کھائی تھی۔
"یہ میں کچھ نہیں جانتا تمہیں فرمانروا نے طلب کیا ہے اگر ت
جانے سے انکار کرے گی تو میں تمہیں زبردستی لے جاؤں گا۔" وزیر
نے بڑے سخت لہجے میں کہا۔
راہب تو اپنی قیمت بڑھا رہا تھا پھر بھی اس نے بات کو طول د
ایک سوال اور کیا۔ "کیا فرمانروا نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ انکار کی
ہمیں طاقت کے زور پر اٹھوالیا جائے۔"
"ہاں ہاں یہ فرمانروا کا حکم ہے۔ اب بتاؤ سیدھی طرح چلتے ہ
وزیر کا لہجہ سخت ہوگیا تھا۔
"فرمانروا تو خدا کا نائب ہوتا ہے اس کے حکم سے کون انکار
راہب نے جواب دیا۔ "میں ضرور چلوں گا میری بیٹی مرنیا بھی فرما
کرکے خوش ہوگی۔"
وزیر بہاء الدین نے جلوس کے ساتھ چلنے والے ایک سوار ا
کہا۔ سوار تیزی سے ایک طرف روانہ ہوگیا۔ بہاء الدین اپنے فرما
واپس گیا۔ اس سے باتیں کیں اور واپس آکر پھر فلپ اور مرنیا

اسی وقت جلوس میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ آگے بڑھنے لگا۔ فلپ اور
ا جاتے جلوس کو دیکھتے تو کبھی اس آدمی کو جس نے انہیں حکم دیا تھا اور
ے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔
بلوس کے گزرنے کے بعد راہب نے کہا۔ "میرے بیٹے تم نے میرا نام
ا نے بتایا لیکن تم نے مجھے اب تک نہیں بتایا کہ تم کون ہو اور ہمیں
ل میں کیوں طلب کیا گیا ہے؟"
مقدس باپ" وزیر کے لہجہ میں اچانک تبدیلی آگئی تھی۔ مجھے افسوس ہے
ے الفاظ سے آپ کو تکلیف پہنچی۔ میں اس کے لئے آپ سے معافی
ں۔
راہب نے ایک لمحہ وزیر کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ کچھ سوچا اور بولا۔
بیٹے یہ میری بات کا جواب تو نہیں ہے۔ ویسے ہم راہب کسی کی بات کا
ا مانتے۔"
"مقدس باپ" وزیر خوش ہوگیا۔ "اب میں آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں میرا
میر وزیر بہاء الدین ہے اور میں اس ریاست کا سب سے بڑا وزیر یعنی
ں ہوں۔ رہا اس سوال کا جواب کہ آپ کو شاہی محل میں کیوں طلب کیا
ہے اس کا جواب فی الحال وہی ہے جو میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں یعنی
ے ریاست اور آپ دونوں سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔
"ہوں۔" راہب نے زور سے ہنکاری بھری۔ "تمہارے فرمانروا کی شادی
ہے کیا؟"
وزیر نے چونک کر راہب کو دیکھا۔ "مقدس باپ کسی فرمانروا کے بارے
یے سوالات نہیں پوچھے جاتے کیونکہ اس سوال سے فرمانروا کی توہین ہوتی
فرمانروا تو فرمانروا ہی ہوتا ہے۔ وہ تو روز ایک شادی کرسکتا ہے اور اگر
نہ بھی کرے تو اسے کیا فرق پڑتا ہے؟"
"تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا بیٹے۔ مگر مجھے بہت فرق پڑتا ہے۔ راہب
فلپ نے ذرا ناگوار لہجے میں کہا جیسے اسے وزیر کے جواب سے تکلیف
ہ۔
وزیر بہاء الدین کو بھی اس کا احساس ہوگیا تھا۔ اس نے بات بنانے کے
لئے "مقدس باپ آپ کو ناگوار گزرا ہو تو مجھے ایک بار پھر معافی دیجئے۔

دراصل فرمانروا جوان ہیں۔ انہیں کوئی تجربہ نہیں ہے ان کی فرمانروائی کا ابھی یہ
پہلا دن ہے۔ پھر میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کسی قسم کا وسوسہ
اپنے دل میں نہ پیدا ہونے دیں۔ فرمانروا کی طرف سے آپ کو کوئی نقصان نہیں
پہنچ سکتا۔ میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ آپ نے مجھے بیٹا کہا ہے میں
کسی کو آپ کی طرف ٹیڑھی نظریں نہ اٹھانے دوں گا۔"

"میرے وزیر بیٹے اب تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔" راہب کے
چہرے پر ایسا کھنچاؤ پیدا ہوا جیسے وہ مسکرا رہا ہو مگر اس کی مسکراہٹ اس کی لانبی
اور بے ترتیب داڑھی میں اٹک کر رہ گئی تھی۔

"آپ بہت عقلمند بھی ہیں مقدس باپ۔" وزیر خوشامد کرنے لگا۔ "اب آپ
سے ملاقات ہوتی رہے گی۔ میرا مطلب ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر
ہوتا رہوں گا۔"

فلپ کچھ جواب دینا چاہتا تھا کہ ایک بند گاڑی ان کے قریب آکے رکی
"گاڑی میں تشریف رکھئے مقدس باپ۔" وزیر بہاء الدین نے بڑی عاجزی سے
درخواست کی۔ راہب نے مرنیا کو اشارہ کیا پھر دونوں بڑی بے تکلفی سے گاڑی
میں بیٹھ گئے۔ وزیر کے حکم سے گاڑی کے پردے گرادئے گئے۔ گاڑی چلی تو
کے دائیں بائیں دو مسلح سوار چل رہے تھے۔ راہب فلپ نے پردے
جھانکا۔ وزیر اپنے گھوڑے پر سوار ہوکے کسی طرف جارہا تھا۔

فلپ نے آہستہ سے کہا۔ "مرنیا معلوم ہوتا ہے ہم اپنی منزل پہ آگئے۔"
مرنیا چہرے سے بہت بھولی معلوم ہوتی تھی لیکن تھی سمجھدار۔ اس
فلپ سے جو دراصل اس کا باپ تھا کہا۔ "بابا کیا آپ کو یقین ہے کہ
شاہی محل میں جگہ مل جائے گی؟"

"بیٹی مرنیا جب خداوند یسوع مسیح اور کنواری مریم کے طفیل ہم محل
طرف جارہے ہیں تو پھر ان کی دعا سے محل میں جگہ بھی مل جائے گی۔"
نے بیٹی کو امید دلائی۔ "میں جانتا ہوں کہ تمہیں ریاست کے حکمراں کے
پیش کیا جائے گا۔ اب یہ تمہاری قابلیت ہے کہ تم اس موقعہ سے فائدہ اٹھا
حکمراں کے دل میں اپنے لئے جگہ پیدا کرو۔"

مرنیا نے اپنے باپ کو کوئی جواب نہ دیا بلکہ کسی گہری سوچ میں ڈوب
بارہویں صدی عیسوی کے آغاز ہی سے ملک شام اور بحر روم کے کنارے

ریاستوں کا چراغ گل ہونا شروع ہوگیا تھا۔ پہلے تو موصل کے اتابک
زنگی نے نصرانیوں کو شکست دے کر بانیاس اور الرہا جیسے علاقے نصرانیوں
چھین لئے تھے۔ پھر اس کے بیٹے نورالدین زنگی نے تو اپنی زندگی ہی جہاد
لئے وقف کردی تھی۔ نورالدین زنگی خود بہادر تھا۔ اسی لئے وہ بہادروں کی
دانی کرتا تھا۔ ایوبی خاندان کا وہی آقا اور مربی تھا۔ اس نے اپنے دور میں نجم
الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ جیسے سرداروں کو اپنے دامن عاقبت میں پناہ
کر اپنی سلطنت کو اس قدر مضبوط کردیا کہ اس کا لشکر شام سے نکل کر مصر
پہنچا اور اس پر قابض ہوگیا۔

اس صدی میں مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہوچکے تھے۔ انہیں اپنی
عظمت پارینہ کا نہ صرف احساس تھا بلکہ وہ اپنے ماضی کو پھر واپس لانا چاہتے
تھے۔ سلطان نورالدین زنگی کے انتقال پر اگرچہ ایشیاء اور یورپ کی ریاستوں اور
بادشاہتوں نے خوب بغلیں بجائی تھیں لیکن ان کی یہ خوشی زیادہ دن برقرار نہ رہ
سکی کیونکہ سلطان نورالدین کے فوراً بعد اس کا تربیت یافتہ امیر صلاح الدین
یوسف ایوبی اس شان اور تمکنت سے شام کے سیاسی افق پر سورج بن کر ابھرا
کہ شام کی تمام اسلامی اور نصرانی ریاستیں اس سے کانپنے لگیں۔

چونکہ نصرانیوں کے ادبار کا زمانہ شروع ہوچکا تھا۔ اس لئے انہوں نے بڑی
بڑی مسلمان ریاستوں میں آباد ہونا شروع کردیا۔ اس آباد ہونے کا یہ مقصد نہ تھا
کہ اسلامی ریاستوں میں ہر چیز سستی اور امن و امان کا دور دورہ تھا بلکہ ان کا
خاص مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی خوبصورت بیٹیوں اور بہنوں کو کوشش کرکے کسی
طرح شاہی محل تک پہنچائیں اور جب یہ دوشیزائیں ملکہ کا مرتبہ حاصل کرلیں تو
ان کے توسط سے نصرانیوں کے لئے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کریں۔ غریب
نصرانی تو اپنی جوان بیٹیوں کو لے کر اسلامی ریاستوں کے قہوہ خانوں میں مہینوں
پڑے رہتے تھے اس خیال سے کہ ان کی بیٹی کی شادی کسی صاحب اقتدار مسلمان
سے ہوجائے اور ان کی بقیہ زندگی عیش و عشرت میں کٹے۔

راہب فلپ نے اپنی بیٹی مرنیا کے ساتھ اسی لئے مسلمان ریاستوں کا رخ کیا
تھا کہ مرنیا کو کسی امیر زادے کے سپرد کرکے اس کے سائے میں آرام کرے۔
بظاہر راہب نظر آنے والا رونالڈ حقیقت میں تیسرے درجہ کا ایک آوارہ مزاج
انسان تھا۔ اس نے پوری جوانی جوا خانوں اور قحبہ خانوں میں گزاری تھی یا پھر

قید خانہ کی زندگی تھی۔ جب بڑھاپا آیا اور ہاتھ پیروں نے جواب دینا شروع کیا تو اس نے ایک ادھیڑ عمر کی عورت سے شادی کرلی۔ مرنیا اسی عورت کی بیٹی تھی۔ جس کے باپ کا نام نہ فلپ تھا اور نہ مرنیا کو معلوم تھا۔ فلپ نے اپنی ہونے والی بیوی سے اس کے پہلے شوہر کا نام کبھی نہیں پوچھا۔ اس لئے کہ اس عورت نے فلپ سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اس کی پچھلی زندگی کے متعلق کوئی سوال نہیں کرے گا۔

مرنیا چھ ماہ کی تھی کہ اس کی ماں کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت سے فلپ رونالڈ اس معصوم بچی کو کھلونا بنائے ہوئے تھا۔ اس میں کام کاج کی طاقت نہ رہ گئی تھی۔ اس لئے پہلے تو مرنیا کے نام پر لوگوں سے مختلف انداز میں رقم اینٹھتا رہا۔ پھر جب مرنیا بڑی ہوئی تو اسے ملازم کراکر اپنا اور اس کا پیٹ پالتا رہا۔ مرنیا اگرچہ نیک اور سمجھدار تھی لیکن اس نے فلپ کے ساتھ اس لئے سمجھوتا کررکھا تھا کہ اس دنیا میں اس کا کوئی اور نہ تھا۔ بدقسمتی یہ بھی تھی کہ مرنیا فلپ کو اپنا سگا باپ سمجھتی تھی۔

پھر جب مرنیا میں جوانی کے آثار پیدا ہوئے تو فلپ کو زیادہ لالچ سوار ہوئی۔ دراصل اس کی آوارگی کے زمانہ میں ایک دوست اسے کچھ دنوں پہلے ملا تھا۔ اس نے فلپ کو مشورہ دیا تھا کہ اگر بڑھاپا آرام سے گزارنا ہے تو بیٹی کو لے کر کسی اسلامی ریاست میں چلا جا اور وہاں اس کی شادی کسی امیرزادے سے کردے۔ اس طرح تیری زندگی آرام سے گزرے گی۔ مسلمانوں میں چونکہ چار شادیاں شرعاً جائز ہیں اس لئے ریاستی امیرزادے اکثر عیسائی لڑکیوں سے شادی کرلیتے تھے۔

فلپ رونالڈ کا اسلامی ریاستوں کا یہ پہلا دورہ تھا۔ اس نے ایک راہب کا روپ دھارا۔ مرنیا کو نن بنایا اور انطاکیہ سے چل پڑا جہاں کا وہ رہنے والا تھا۔ فلپ نے مرنیا کو اچھی طرح سمجھا بجھا دیا تھا اور اسے یہ سبز باغ دکھایا تھا کہ اگر اس کی شادی کسی مسلمان امیر زادے سے ہوجائے تو اس کی زندگی بڑے آرام سے گزرے گی ورنہ اسے کسی لفنگے اور شرابی عیسائی نوجوان سے شادی کرنا پڑے گی اور تمام عمر تنگدستی اور غربت میں بسر کرے گی۔

مرنیا اور رونالڈ دونوں ہی اپنے خیالوں میں گم تھے کہ گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ فلپ نے ذرا سا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا کئی کنیزیں اور غلام باہر

رے تھے۔ ایک کنیز نے آگے بڑھ کے گاڑی کا ریشمی پردہ ہٹایا۔

"خوش آمدید آپ شاہ آور کے مہمان ہیں۔ گاڑی سے نیچے تشریف لائیے۔"

مرنیا اور فلپ دونوں کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے دونوں گاڑی سے ے غلاموں نے فلپ کو گھیر لیا تو مرنیا کو کنیزوں نے اپنے حلقے میں لے لیا۔

"بزرگ محترم۔ تشریف لے چلئے۔" ایک غلام نے بڑے ادب سے کہا۔

"اور میری بیٹی اسے بھی ساتھ لے چلو۔" فلپ گھبرا گیا تھا کہ کہیں مرنیا کو ں سے جدا نہ کردیا جائے۔

غلام نے اسے تسلی دی۔ "محترم بزرگ آپ فکر نہ کیجئے آپ کی دختر غسل ے بعد لباس تبدیل کریں گی پھر آپ کے پاس تشریف لائیں گی۔"

فلپ کو کچھ اطمینان ہوا۔ "مگر مجھے کہاں لے جارہے ہو؟" اس نے دریافت یا۔

"آپ بھی پہلے غسل فرمائیں گے پھر لباس تبدیل کرکے مہمان خانہ میں اپنی ٹی کے پاس تشریف رکھیں گے اور جب آپ کو فرمانروا کی طرف سے طلب کیا ائے گا تو پیش ہوں گے۔"

راہب فلپ کو مہمان خانہ کے برابر والے حمام میں پہنچایا گیا۔ مہمان خانہ ا سازو سامان دیکھ کے اس کے حواس اڑ گئے تھے اب جو حمام میں داخل ہوا تو و غلاموں اور دو کنیزوں نے اسے گھیر لیا اور راہب کے کپڑے اتارنے چاہے۔

راہب بگڑ گیا بولا۔ "یہ کیا کررہے ہو مجھے ننگا کردو گے؟"

"مقدس باپ۔" ایک غلام نے کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں ہم سب آپ کی خدمت پر مامور ہیں۔ ہم آپ کے کپڑے اتاریں گے اور جسم پر خوشبوئیں مل کے آپ کو غسل دیں گے۔ نئے لباس ان الماریوں میں رکھے ہیں۔ آپ اپنی رضی کا لباس پہن سکتے ہیں۔"

راہب کا سر چکرانے لگا۔ وہ مہینے میں ایک بار نہاتا اور ایک ہی بار کپڑے تبدیل کرتا تھا۔ یہاں چار چار خدمت گار اسے نہلانے کو تیار تھے۔ اس نے زور ے سر کو جھٹکا دیا کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ مگر یہ تو حقیقت تھی وہ شاہی سواری میں بیٹھ کے یہاں تک آیا تھا اور یہ تمام شاہانہ انتظامات میں ھے نہ کوئی سحر تھا نہ ٹونا ٹوٹکا ہے۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔

آخر راہب نے خود کو غلاموں اور کنیزوں کے حوالہ کردیا۔ حمام میں نہ

معلوم کیا کیا چیزیں جلائی جارہی تھیں خوشبوؤں کے بھبکے اڑ رہے تھے۔ راہب پر
نشہ سا طاری ہونے لگا پھر اسے نہیں معلوم کہ اس کا لباس کیسے الگ ہوا۔ اس
کے بدن پر کن کن روغنیات کی مالش ہوئی اور کس نے اسے غسل دیا۔ وہ ان
تمام مراحل سے اس طرح گزرا جیسے وہ خواب کے عالم میں تھا۔ کنیزوں اور
غلاموں نے راہب کے لئے خود ہی لباس کا انتخاب کیا اور اسے پہنا دیا۔

پھر راہب نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھی تو چونک اٹھا۔ اسے اپنے اوپر
شبہ ہونے لگا۔ اگر اس کی داڑھی نہ ہوتی تو وہ اپنی شکل بھی نہ پہچان پاتا۔ نئے
لباس میں وہ ایک بزرگ رئیس معلوم ہوتا تھا۔ جس کی خدمت کے لئے چار چار
خدمت گار موجود تھے۔ راہب ان خدمتگاروں کے جلو میں مہمان خانہ میں پہنچا
تو اس پر حیرت کا ایک اور دورہ پڑا۔

مہمان خانہ میں دروازے کے بالکل سامنے ایک خوبصورت اور بھولی بھالی
شہزادی بیٹھی تھی۔ راہب نے کبھی کسی شہزادی کو نہ دیکھا تھا مگر اس نے جو کچھ
لوگوں سے سنا تھا۔ اس کی بنیاد پر اس نے شہزادیوں اور ملکاؤں کے اپنے ذہن
میں پیکرز تراش رکھے تھے۔ اس وقت اسکے سامنے بیٹھی ہوئی شہزادی بالکل اس
کے خیالی پیکر کی مانند تھی۔

"بابا۔" شہزادی نے ایک دم کھڑے ہوکر راہب کو مخاطب کیا۔

راہب کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ یہ آواز تو اس کی مرنیا کی تھی لیکن
یہ تو شہزادی ہے۔ پھر جب اس نے شہزادی کے چہرے کو غور سے دیکھا تو معلوم
ہوا کہ جس طرح نئے لباس نے خود راہب کو اپنی نظروں میں اجنبی بنادیا تھا اسی
طرح اس کی مرنیا بھی نئے لباس میں اجنبی سی دکھائی دے رہی تھی۔ لباس کے
علاوہ اس کے بال بھی خوبصورتی سے سنوارے گئے تھے اور اس کے ہاتھوں اور
گلے میں ہلکا زیور بھی تھا جس کی دمک سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔

"ارے مرنیا یہ تو ہے۔" راہب نے اسے دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھ پھیلا
دیئے۔

"اور یہ آپ ہیں بابا۔" مرنیا نے بھی ہاتھ پھیلا کے راہب کی طرف بڑھی
اور اس کے سینے سے لگ گئی۔

راہب نے مرنیا کو الگ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "مرنیا کنواری مریم نے
تجھ پر رحمتوں کی بارش کی ہے۔ کچھ دیر بعد ہمیں فرمانروا کے سامنے پیش

ہو گا۔ وہاں خود تجھے اپنی تقدیر بنانا ہوگی۔ میں تیری کوئی مدد نہ کرسکوں گا۔"
مرنیا کوئی جواب تو نہ دے سکی اس نے صرف شرما کے نظریں جھکا لیں۔
پھر فلپ اور مرنیا کو اطلاع دی گئی کہ کچھ دیر بعد انہیں فرمانروائے آور کے
سامنے پیش کیا جائے گا۔ فرمانروا کی طرف سے وزیر سلطنت امیر بہاء الدین بن
... دونوں سے کچھ سوالات کریں گے۔ انہیں مہذب طریقے سے جواب دینا
ہے۔ دراصل وزیر بہاء الدین نے نوارد فرمانروا کے ذہن میں یہ بات ڈال دی
تھی کہ وہ عام انسانوں سے بلند ہستی ہے اس لئے اسے عام انسانوں سے گفتگو نہ
کرنا چاہئے بلکہ صرف اپنے مرتبہ کے لوگوں سے ہی اسے بات کرنا چاہئے۔
اس موقعہ پر فرمانروائے نے کہا تھا کہ وہ راہب کی لڑکی سے بات کرنا چاہتا
ہے لیکن وزیر نے اسے روک دیا تھا۔ اور مرنیا اور راہب سے گفتگو کی ذمہ
داری اپنے سر لے لی تھی۔ فرمانروا نے وزیر کو وہ تمام سوالات بتادئے تھے جو
وہ مرنیا اور اس کے باپ راہب فلپ سے کرنا چاہتا تھا۔
فلپ اور مرنیا کو فرمانروا کے خاص کمرے میں پہنچایا گیا تو اس کی آرائش
دیکھ کر دونوں دنگ رہ گئے۔ انہوں نے جنت کے محلات کے بارے میں جو تصور
کیا تھا یہ کمرہ اس سے خوبصورت اور آرائش میں ان کے خیالوں سے بھی
بلند تھا۔ انہیں آتے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ کنیز نے اطلاع دی۔
"باادب با ملاحظہ ۔ فرمانروائے آور تشریف لارہے ہیں۔"
اس کمرے یا ہال میں جگہ جگہ گنگا جمنی چوکیاں رکھی تھیں جن پر خوبصورت
...الے رکھی تھیں لیکن کنیزوں نے انہیں بتادیا تھا کہ وہ فرمانروا کے آنے تک
کھڑے رہیں پھر جب انہیں بیٹھنے کا حکم دیا جائے تو اس جگہ بیٹھیں جہاں بیٹھنے کا
اشارہ کیا جائے۔
فرمانروا کے آنے پر مرنیا اور فلپ نے جھک کے کورنش پیش کیا مگر نظریں
نیچی کرکے کھڑے رہے۔ وزیر سلطنت نے بہاء الدین فرمانروا کے پاس ہی آیا تھا۔
"مقدس باپ" وزیر سلطنت نے گفتگو کا آغاز کیا۔ "آپ سر بلند کرکے
فرمانروائے آور کے دیدار سے اپنی آنکھیں منور فرمائیے اور اپنی پری جمال بیٹی کو
حکم دیجئے کہ وہ فرمانروائے آور کے دیدار سے فیض یاب ہوں۔"
فلپ اور مرنیا نے آہستہ آہستہ سربلند کیا اور جھجکتی نظروں سے فرمانروائے
آور کو دیکھا۔ فرمانروا ایک نو خیز نوجوان تھا ابھی اس کی مسلیں بھیگ رہی

تھیں۔ وہ اکہرے بدن اور درمیانے قدو قامت کا جوان تھا۔ باوجود کمسنی کے ا
کے چہرے پر ایک خاص قسم کا وقار تھا جس نے اسے خوبصورت بنادیا تھا۔

"مقدس باپ" وزیر سلطنت نے پہلا سوال کیا۔ "کیا آپ اپنے اور اپ
کے بارے میں کچھ بتانا پسند فرمائیں گے۔"

تجربہ کار اور جہاندیدہ راہب فلپ رونالڈ نے اپنے آپ کو گفتگو کے
پہلے ہی تیار کرلیا تھا۔ اس نے متانت مگر قدرے بے پروائی سے جواب
"وزیر سلطنت جانتے ہیں کہ میری عمر ساٹھ سال سے اوپر ہورہی ہے۔ می
تفصیل پیش نہیں کرسکتا۔ نوازش ہوگی اگر مجھ سے مختصر سوال کیا جائے اور
مختصر جواب عرض کرسکوں۔"

وزیر نے فرمانروا کی طرف دیکھا پھر سوال کیا۔ "مقدس باپ آپ کا
کس ریاست سے ہے اور آپ کس پیشے سے متعلق ہیں؟"

فلپ نے جواب میں کہا۔ "میں انطاکیہ کا رہنے والا ہوں میرا نام
رونالڈ ہے میں راہب ہوں اور میری بیٹی مرنیا ایک نن ہے۔"

وزیر بہاء الدین نے کہا۔ "فرمانروائے آور کو تمہاری بیٹی پسند آگئی ہ
اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

فلپ نے تیز لہجہ میں کہا۔ "میں نصرانی راہب ہوں۔ میری بیٹی نے ا
ہمیشہ کنواری رہنے کا عہد کیا ہے وہ شادی کیسے کرسکتی ہے؟" فلپ نے یہ
مرنیا کی اہمیت جتانے کے لئے کہی تھی ورنہ وزیر کی بات سن کے تو اس
باغ باغ ہوگیا تھا۔

راہب کے انکار پر وزیر بہاء الدین کا چہرہ غصہ سے لال ہوگیا۔ مر
فلپ نے وزیر کو غصہ میں دیکھا تو ان کی جان نکل گئی۔ مگر تیر کمان سے نک
تھا۔ لیکن انکار کے بعد اپنے منہ سے اقرار کیسے کرسکتا تھا۔

اسی وقت فرمانروائے آور نے اشارہ سے وزیر کو اپنے پاس بلاکے
آہستہ کچھ کہا۔ وزیر نے وہاں سے واپس آکے فلپ کے بجائے مرنیا سے
کیا۔ "اے راہب کی خوبصورت بیٹی تم بالغ ہو اپنے متعلق تمہیں فیصلہ کر
حق ہے۔ بتاؤ کہ اگر فرمانروائے آور تمہارے ساتھ شادی کرنے کی خواہش
تو تم کیا جواب دو گی؟"

مرنیا نے فوراً جواب دیا۔ "اگر مجھے اپنے بارے میں فیصلہ کرنے

ل ہے تو میرا یہ جواب ہے کہ فرمانروائے آور مجھے پسند ہیں۔ اگر وہ مجھ سے
دی کرنا چاہتے ہیں تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔

باپ کی بگڑی ہوئی بات کو بیٹی نے سنبھال لیا۔ حالانکہ فلپ بھی یہی چاہتا
مگر اس نے مرنیا کی قیمت بڑھانے کے لئے انکار کا سہارا لیا تھا۔

مرنیا کے اس جواب سے وزیر بہاء الدین بہت حیران ہوا مگر فرمانروائے آور
آنکھیں چمک اٹھیں اور چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اب تک وہ گونگا بیٹھا
لیکن مرنیا کے اعلان کے بعد جیسے اس کے منہ میں بھی زبان آگئی۔

فرمانروائے آور نے حکم دیا۔ "قاضی شہر کو بلایا جائے۔"

وزیر نے ایک غلام کو قاضی شہر کی طرف دوڑا دیا۔ پھر اس نے راہب
پ رونالڈ سے دریافت کیا۔ "مقدس باپ آپ نے اپنی بیٹی کا فیصلہ سن لیا آپ
کوئی اعتراض ہے اس فیصلہ پر۔"

"میری بیٹی بالغ اور بااختیار ہے اس کے فیصلہ پر اعتراض نہیں کرسکتا۔"
ہب فلپ نے یہ کہہ کر اپنی غلطی کا ازالہ کردیا۔

وزیر بہاء الدین نے اس وقت جب فلپ نے مرنیا کی شادی میں اڑنگا لگایا
تو اس نے فیصلہ کیا تھا کہ فلپ کو اتنی سخت سزا دے گا کہ وہ عمر بھر یاد
ے گا مگر فلپ نے اپنے پہلے خیال کو خود ہی رد کردیا۔ بہاء الدین نے بھی اپنا
راد تبدیل کردیا کیونکہ اب مرنیا فرمانروائے آور کی ملکہ اور راہب خسر بننے
لے تھے۔

وزیر نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔ "مقدس باپ ہمیں آپ کے تازہ فیصلہ سے
ت خوشی ہوئی ہے۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔"

آور کے قاضی شہر جو مفتی شہر بھی تھے تشریف لے آئے۔ دربار میں کسی کو
ٹے کا حکم نہ تھا۔ قاضی صاحب بھی امیروں کی قطاروں میں کھڑے ہوگئے۔

فرمانروا نے قاضی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "قاضی شہر کا مقام امیروں میں
ں بلکہ ہمار میں ہے۔"

پھر اس نے وزیر بہاء الدین کو حکم دیا۔ "امیر بہاء الدین قاضی شہر کو احترام
ے ساتھ ہمارے پاس لائیے اور تخت شاہی کے دائیں جانب کی چو پر بٹھائیے۔"

وزیر بہاء الدین بن نیسان کو فرمانروا کا یہ حکم بہت شاق گزرا۔ وہ اپنے
آگے کسی کو نہیں سمجھتا تھا۔ قاضی شہر کی اس کی نظروں میں کوئی وقعت نہ تھی

چنانچہ اس نے اپنی اس خباثت کا ثبوت اسی وقت مہیا کردیا۔

وزیر بہاء الدین نے قاضی شہر سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "قاضی شہر
شاہی کے قریب تشریف لے جائیں اور اس جانب رکھی چوکی پر تشریف رکھیں"

فرمانروا نے فوراً دخل دیا۔ "نہیں وزیر بہاء الدین اس طرح نہیں۔
مذہب سے کتنی ہی دور سہی لیکن مذہبی لوگوں کا احترام ہم پر فرض ہے۔ قا
شہر کا ہاتھ پکڑ کر چوکی تک لایا جائے اور انہیں احترام سے بٹھایا جائے۔"

وزیر بہاء الدین کو فرمانروا کا یہ حکم پہلے سے زیادہ ناگوار گزرا مگر ا
مجبوراً تعمیل کرنا پڑی۔ وہ قاضی شہر کا ہاتھ پکڑ کر چوکی تک لایا اور انہیں بٹھا

فرمانروا کی زبان کھل چکی تھی۔ اس نے خود سوال کیا۔

"قاضی شہر ہمیں بتایا جائے کیا ایک مسلمان ایک نصرانی دوشیزہ کو اپنے
میں لاسکتا ہے؟"

"اعلیٰ حضرت فرمانروائے آور۔" قاضی نے بڑے صاف لہجہ میں جواب
"نصرانی بائبل مقدس پر بالکل اسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح ہم مس
قرآن حکیم پر ایمان رکھتے ہیں۔ بائبل مقدس چار آسمانی کتابوں میں سے ایک
اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنے والوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ آپس
شادی بیاہ کرسکتے ہیں۔ اس لئے ایک مسلمان مرد کا ایک نصرانی عورت سے
جائز ہوگا۔"

اس جگہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ انجیل (بائبل)، تور
زبور اور قرآن حکیم چاروں الہامی اور آسمانی کتابیں تسلیم کی گئی ہیں اور
کتابوں کے ماننے والوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے
کرسکتے ہیں۔

فرمانروائے آور اگرچہ مسلمان تھا لیکن وہ اس نکتہ کو نہیں جانتا تھا ا
خیال تھا کہ قاضی شہر اس شادی پر اعتراض کرے گا تو وہ اس سے پوچھے
پھر یہ شادی کس طرح کی جاسکتی ہے اور اسے اس کے لئے کیا کرنا ہوگا۔
مسئلہ اپنے آپ حل ہوگیا۔

فرمانروائے آور نے اعلان کیا۔ "ہم اپنی اور مرنیا بنت فلپ کی شاد
اعلان کرتے ہیں اور قاضی شہر سے عقد کرنے کی درخواست کی جاتی ہے۔"

قاضی شہر نے چونکہ اس عقد کو جائز قرار دیدیا تھا اس لئے درباریوں

ار مسرت کیا۔ وزیر بہاء الدین اور فلپ بھی بہت خوش تھے۔ فلپ کو
کا خسر بن کے دنیا کا عیش و آرام ہاتھ آرہا تھا اور وزیر بہاء الدین کو
آور کو کار سلطنت سے غافل رکھنے کا ایک موقعہ ہاتھ آگیا تھا۔

ہا دلہن وہاں موجود تھے۔ تمام درباری باراتی بن گئے اور اسی وقت
یقے سے عقد ہوگیا۔ فلپ نے اس عقد پر نصرانی رنگ چڑھانے کے لئے
ی کی خدمات حاصل کیں۔ پادری نے شاہی محل پہنچ کے نصرانی مذہب
کے مطابق کچھ رسوم ادا کرکے اس عقد کو پکا کردیا۔

وا کی شادی کا جشن بڑے دھوم دھام سے منایا گیا۔ مرنیا اور فلپ کا
ا کہ انہیں بغیر محنت کئے غیب سے جو عزت اور دولت حاصل ہوئی وہ
ں میں مظاہرہ کریں تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے جس مرنیا اور فلپ کو
ت کی نظر سے دیکھتے تھے وہ ایک ریاست کے شاہی خاندان میں داخل
۔ مرنیا اپنا ہنی مون منانے کے لئے انطاکیہ جانا چاہتی تھی مگر یہ بات
ر دور اندیشی کے خلاف تھی۔ آور کے فرمانروا کی تین بیویاں پہلے ہی
ں کے علاوہ محل کی تقریباً تمام کنیزیں جوان اور طرحدار تھیں اور
ر کی ان پر نظر کرم بھی رہتی تھی۔ اس لئے خطرہ تھا کہ اگر انہوں
کو ایک دن کے لئے بھی چھوڑا تو انہیں نقصان بھی پہنچ سکتا تھا۔

ب فلپ رونالڈ جس نے رہبانیت کو سلام کرکے چھوڑ دیا تھا اور اب
لیر شہری کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔ اس نے بیٹی سے وابستگی کے لئے
ی کے اس بڑے حصے کو جس میں مرنیا کی رہائش تھی اسے مسلم ثقافت
ے نصرانی ثقافت میں ڈھال دیا تھا۔ مرنیا کے محل (محل سے مراد محل کا
ں میں مرنیا کا قیام تھا) کے تمام مسلم ملازمین برخاست کردئے گئے تھے
ا جگہ نصرانی کنیزیں اور غلاموں کو بھرتی کیا گیا تھا۔ محل کی سجاوٹ میں
انداز فکر اختیار کیا گیا تھا۔

کہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ پائیں باغ کے ایک حصہ میں ایک چوبی گرجا
ردیا گیا تھا۔ یہ عبارت خانہ فولڈنگ تھا اور ضرورت کے وقت اسے
تقسیم کرکے اکٹھا کیا جاسکتا تھا۔ باورچی نصرانی، دھوبی نائی نصرانی یہاں
ترانیاں بھی نصرانی بلائی گئی تھیں۔ غرضیکہ شاہی محل کا یہ حصہ آور کے
طاکیہ کے شاہی محل کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ ان تمام تبدیلیوں پر وزیر

سلطنت بہاء الدین ابن شنیاں نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا بلکہ وہ اس سلسلہ
فلپ کو خود بھی مشورے دیا کرتا تھا۔

یہ باتیں چھپنے والی تو نہ تھی۔ محل کا ایک حصہ کرستان اور فرنگستان
تھا۔ باتیں محل میں پھیلتے پھیلتے باہر تک جا پہنچیں۔ پھر لوگوں میں چہ مے
شروع ہوئیں۔ قہوہ خانوں میں اس موضوع پر بحث مباحثہ ہونے لگا۔ لوگا
علماء کرام تک بات پہنچائی۔ علماء ایک وفد لے کر قاضی شہر جو مفتی شہر بھ
کے پاس پہنچے۔ قاضی کو پہلے ہی اس قسم کی شکائتیں مل رہی تھیں۔ اس
علماء سے وعدہ کیا کہ وہ وزیر سلطنت سے اس سلسلہ میں گفتگو کرے گا۔

قاضی شہر وزیر سلطنت کے پاس گئے اور انہیں علماء کی شکائتوں سے
کیا۔ وزیر سلطنت بجائے شکایات پر توجہ دینے کا وعدہ کرتا۔ اس نے قاضی
معذول کردیا اور اس کی جگہ دوسرا قاضی مقرر کردیا۔ اس پر قلعہ میں
ہنگامہ ہوگیا۔ لوگ سڑکوں پر نکل آئے انہوں نے وزیر سلطنت بہاء الد
خلاف نعرے لگائے۔ جواب میں وزیر سلطنت کے حکم سے لوگوں کے ہجوم
نے تیروں کی بارش کردی۔ درجن بھر سے زیادہ آدمی مارے گئے۔ لو
دہشت پھیل گئی۔ وہ کونوں کھدروں میں دبک گئے۔

درجن بھر آدمی جان سے گئے سڑکیں انسانی خون سے رنگین ہوگئیں
داد نہ فریاد۔ فریاد کس سے کی جائے فرمانروا تک کوئی پہنچ ہی نہ سکتا
ہنگامہ سے وزیر سلطنت بہاء الدین کے لوگ بہت خلاف ہوگئے۔ وزیر
فطرتاً جابر اور ظالم تھا۔ اس نے فرمانروائے آور کو محل تک محدود
فرمانروائے دربار لگاتا کیا۔ سیرو تفریح کو نکلنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ شراب
الخبائث (برائیوں کی ماں) کہا گیا ہے۔ فرمانروا پہلے شراب نہ پیتا تھا۔
کے محل میں آنے سے شراب بھی آگئی۔ ایک نوجوان فرمانروا کو کیا چا
اور شباب۔ یہ دونوں چیزیں اسے میسر تھیں۔ مرنیا کا رنگ ہی سفید نہ
واقعی میں ایک حسین لڑکی تھی اور شادی کے بعد تو اس کے حسن میں
آگیا تھا۔

ریاست آور کے یہ حالات تھے لوگ وزیر سے تنگ تھے مگر ریا
کے کسی اور جگہ جانے کا تصور بھی نہ کرتے تھے۔ آور میں روپے پ
پیل تھی۔ چیزیں سستی۔ روپے کی افراد۔ آور والوں کو وزیر کی وجہ

ہر کسی اور قسم کی پریشانی نہ تھی۔ آور کے علماء پریشان ضرور تھے۔
شاہی محل میں بڑی کثرت سے شراب جانے لگی تھی۔ عیسائی غلام
پی کر محل سے باہر آجاتے۔ وہ غل غپاڑہ مچاتے مارپیٹ بھی کرتے۔
کام لیتے کیونکہ اگر لڑتے تو وزیر عیسائیوں کی حمایت پر آجاتا۔ اس
کرتے تو وہ الٹا گلے پڑ جاتا۔

ی فرمانروا سے شادی ہونے کی بات نصرانی ریاستوں میں بھی پھیل گئی
ریاستوں کے لوگ مفلس اور قلاش تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ ان کی ہم
ایک مسلمان فرمانروا کی بیوی بن گئی ہے تو انہوں نے ریاست آور کا
اس طرح آور میں آہستہ آہستہ عیسائیوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ لوگوں
وزیر سلطنت تک پہنچائی مگر اس نے قطعی پرواہ نہ کی۔ اس کا حلوہ
ہا تھا۔ اقتدار اس کے ہاتھ میں تھا۔ لشکریوں اور سول افسروں کو بھی
تھ میں لے رکھا تھا۔ ریاست آور پر اندھیر نگری چوپٹ راجہ کی مثال
تھی۔

ت موصل اور ریاست حلب میں اچانک جو تبدیلی آئی تھی اس سے
ح الدین بہت فکر مند تھا۔ موصل کا والی سیف الدین غازی کا انتقال
کی وصیت کے مطابق اس کا بھائی عزالدین موصل کا حاکم ہوگیا پھر
الصالح کا انتقال ہوا تو اس کی وصیت کے مطابق حلب کا حکمران بھی
و بنایا گیا۔ ایک اور تبدیلی یہ آئی کہ عزالدین نے حلب اپنے چچیرے
الدین کے حوالے کردیا اور اس کا علاقہ سنجار موصل کے تحت کرلیا۔
ن صلاح الدین ' عماد الدین کو جو اب حلب کا حاکم بن گیا تھا۔ اسے
نہ کرتا تھا۔ عماد الدین بڑا بوالہوس اور بے باک حکمران تھا۔ حلب پر
بضہ سے سلطان کے منصوبہ میں رخنہ پڑتا تھا۔ عماد الدین نے حلب پر
ی ان علاقوں پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ کیا۔ سلطان اس وقت تک
تھا لیکن اپنے شامی علاقہ جات کو خطرہ میں دیکھ کر اس نے دمشق واپس
فیصلہ کیا۔

ان کے معاہدہ کی تاریخ 11 ستمبر 1182ء کو ختم ہورہی تھی۔ مخالف فریق
میں موصل کا حکمران عزالدین اور عیسائیوں کا ریجی نالڈ نے حسب

معمول اپنا قول و قرار توڑ دیا تھا۔ ریجی نالڈ مسلمانوں سے انتقام لینے کے
چین تھا۔ کرک کا حاکم ھمفری آف ٹورون مرچکا تھا اور ریجی نالڈ نے ا
بیوہ وارثہ اسٹیفیا سے شادی کرلی تھی اور اس کے طفیل وہ بحیرہ مردار کے
کا مالک بن گیا تھا۔ اس نے اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور معاہ
دوران مسلمانوں کے ایک قافلہ کو جس میں تمام کے تمام پرامن سوداگر ت
گرفتار کرلیا۔ سلطان کو اس کی خبر ملی تو اسے بڑا دکھ ہوا۔ اتفاق سے ا
نصرانی زائرین کا ایک جہاز جو یروشلم جارہا تھا وہ طوفانی ہواؤں سے دمیاط
اور خشکی پر چڑھ آیا۔ سلطان نے اسے روک لینے کا حکم دیدیا۔ سلطان کا
ریجی نالڈ کے اس اقدام کا ردعمل تھا جس میں اس نے مسلمان سوداگ
قافلہ کو روکا تھا۔ مگر مغربی مورخین نے اس پر بڑا واویلا مچایا ہے اور ا
کی حرکت کو نظرانداز کیا ہے۔

11 مئی 1182ء کو سلطان صلاح الدین قاہرہ سے دمشق روانہ ہو
رخصت کرنے کے لئے تمام عمائدین سلطنت موجود تھے۔ وہ ایک ای
سلطان کی طرف بڑھتے اور اسے پرنم آنکھوں سے الوداع کہتے۔ سلطان
چودہ سال میں جو عظمت، شہرت اور مقام حاصل کیا تھا اس نے مصر
و عوام کے دل جیت لئے تھے۔ اس کی شان میں قصیدے پڑھے گئے
گئیں اور پرجوش تقریریں ہوئیں۔ سلطان کو رخصت کرنے کے لئے
میدان میں جمع ہوگیا تھا۔ سلطان کے رخصت ہونے کا منظر بڑا پر اثر تھا
اور بچے تک اپنے محبوب سلطان کو اشک بار نظروں سے جاتے ہوئے
تھے۔

حکومت کے جاسوس ایک دوسرے کے علاقوں میں چکر لگاتے ر
سلطان کی مصر سے روانگی کی اطلاع جاسوسوں کے ذریعہ عیسائی حکومت
تھی۔ سلطان بھی یہ جانتا تھا کہ نصرانی اس کا راستہ ضرور روکیں گے
سے دمشق جانے والی شاہراہ نصرانی سرحدوں کے قریب سے گزرتی تھ
سلطان نے شاہراہ چھوڑ کر ریگستان سنائی کا راستہ اختیار کیا اور خلیج ع
پر پہنچ گیا۔ وہاں سے وہ کوہ سیر سے آگے چٹانی میدان سے ہوتا ہوا
پہنچا اور راستہ میں دشمن کو تلاش کرتا رہا۔ وہ الشوبک کے قریب سے
کے نواحی علاقہ کو روندتا ہوا آگے بڑھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ کرک

خندقوں میں نصرانی فوج بیٹھی تھی لیکن اس نے باہر نکل کے سلطان کو
کوشش نہ کی۔ پس وسط جون میں سلطان مو آب ہوتا ہوا دمشق پہنچ

دوران دمشق کے قائم مقام حاکم فرخ شاہ نے دریائے اردن کو پار
گلیلی اور دبوریا کو تاراج کیا اور پہاڑی کقلعہ جبیس (ثقیف) پر قبضہ کرلیا۔
ںفار میں فرخ شاہ کے ہاتھ بیس ہزار مویشی اور ایک ہزار قیدی آئے۔
و اس کی اطلاع ملی تو وہ بہت خوش ہوا۔
ماہدہ کی معیاد ختم ہورہی تھی اور سلطان کو موصل اور حلب کے داعیوں
بات کا حساب لینا تھا کہ انہوں نے فرنگیوں اور شیخ الجبل سے اس کے
یوں معاہدہ کیا۔ اتفاق سے انہی دنوں امیر مظفر الدین کوکبری جو موصل
سایہ حراں پر حکومت کررہا تھا وہ عزالدین والی موصل کے خلاف ہوگیا
نے سلطان سے مل کے انہیں جزیرہ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ سلطان
دبہ میں شام اور جزیرہ کی چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستیں بڑا رخنہ ڈالتی تھیں
فرنگیوں کے مقابلہ جانے سے پہلے وہ ان ریاستوں کا علاج کرنا چاہتا تھا۔
لطان صلاح الدین نے چند روز دمشق میں قیام کیا پھر وہ طبریہ کی طرف
ا طبریہ میں فرنگیوں کی فوجیں جمع ہوگئی تھیں۔ سلطان کی آمد کی خبر سن
فوجیں وہاں سے ہٹ کے کوکب کی پہاڑی کے دامن میں اپنا کیمپ
ا پہاڑی پر قلعہ کوکب کی فصیلیں بنی ہوئی تھیں۔ سلطان اس وقت طبریہ
تھا۔ اس نے اپنے دونوں بھتیجوں تقی الدین اور فرخ شاہ کو لشکر اور
دستوں کے ساتھ فرنگیوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ دونوں لشکروں میں ایک
جنگ ہوئی۔ جس میں مسلمان کامیاب ہوئے۔ فرنگی پسپا ہوکر فرابیلا چلے
سلطان دمشق واپس آگیا۔

لطان پھر لشکر لے کر نکلا۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ حلب کو فتح کرنے
۔ موصل اور حلب کے لشکر سلطان کے مقابلہ کے لئے یکجا ہوگئے تھے وہ
کے کہ سلطان کا رخ حلب کی طرف ہے فوراً" اپنے علاقوں کو واپس
اس طرح سلطان نے بڑے اطمینان سے ہرا کے مقام پر دریا فرات عبور
ا کے اس طرف سلطان کے بہی خواہ موجود تھے جنہیں سلطان نے اپنی
خفیہ طور پر مطلع کردیا تھا۔

ان استقبال کرنے والوں میں مظفرالدین کو کبری بھی تھا جس نے سلط
الجزیرہ پر حملہ کا مشورہ دیا تھا۔ مظفرالدین ' حاکم موصل سے اس قدر خوف
کہ اس نے سلطان سے موصل پر حملہ کرنے کی بھی درخواست کی۔ ا
گنجاں کے حکمران نے بھی سلطان سے ملاقات کی۔ سلطان نے اعلان کرا
الجزیرہ کا جو حکمراں اس کی اطاعت قبول کرے گا اور اسے اس کے علاقہ
رکھا جائے گا اور جو اطاعت سے سرتابی کرے گا اس پر بزور شمشیر ق
جائے گا اور اس علاقہ کو تباہ کردیا جائے گا۔ سلطان کے اس اعلان کا یہ
کہ الجزیرہ کا بڑا حصہ اس کے زیر نگین آگیا۔

سلطان ادھر فتوحات میں مصروف تھا کہ دمشق سے اطلاع آئی کہ
نے دمشق کے مضافات پر حملہ کردیا ہے اور وہ تاخت و تاراج میں مصروف
سلطان چونکہ موصل پر حملہ کا منصوبہ بنا چکا تھا اس لئے دمشق واپس
لیکن فرنگیوں کی روک تھام کے لئے اس نے عارضی انتظامات کردئے ا
کے ساتھ موصل کی طرف پیش قدمی کی۔

قارئین جانتے ہیں کہ موصل کا قلعہ کس قدر مضبوط تھا۔ اسی
کبھی عمادالدین زنگی کی حکمرانی تھی اور سلطان صلاح الدین کا باپ اسی
عمادالدین زنگی کے سامنے پیش ہوا تھا اور اس سے مدد حاصل کی تھی۔
الدین زنگی کے بعد سیف الدین غازی اس کا حاکم رہا تھا اور اب سیف
غازی کا بھائی عزالدین مسعود یہاں کا والی اور مسلمانوں کا سب سے
تھا۔ اس قلعہ کو سلطان نورالدین زنگی نے جنگی نقطہ نظر کے مطابق
اضافے کئے تھے اور اب عزالدین کے نائب مجاہدین قائماز نے مدافعت
اعلیٰ انتظامات کئے تھے۔

سلطان صلاح الدین نے قلعہ پر حملہ تو کردیا کیونکہ اس کا یہ ا
خواب تھا مگر اس کے مقدمتہ الجیش کے سپاہیوں کے لئے قلعہ کی دیوار
ثابت ہوئیں۔ اس قلعہ کی دوہری فصیلیں تھیں۔ اس کا کوئی حصہ کمزو
آتا تھا۔ دونوں فصیلوں پر چاق و چوبند مدافعتی دستے تعینات تھے۔ قلعہ
سامان خورد ونوش تقریباً ایک سال کے لئے موجود تھا یہی حال اسلحہ کا
ڈھیر لگا ہوا تھا۔

روایت ہے کہ والی موصل عزالدین مسعود اور بعض دوسرے والیا

صلاح الدین کو صلح پر آمادہ کرنا چاہا مگر سلطان نے صلح کی پہلی شرط
کی رکھی کہ اگر حلب اس کے حوالہ کردیا جائے تو وہ موصل سے
گا۔ عزالدین یہ شرط ماننے پر تیار نہ تھا۔ اس لئے کہ اب اس کا
نہ تھا۔ اس نے حلب کو سنجار سے بدل دیا تھا اور حلب پر اس
قابض تھا جس پر عزالدین کا کوئی اثر نہ تھا۔ ادھر سلطان کا ایک
"حلب یا موصل"

1182ء کو موصل کا محاصرہ شروع ہوا۔ سلطان نے خودباب کندہ کا
اور اپنے بھائی تاج الملوک بوری کا باب عمادیہ پر مقرر کیا۔ فصیلوں
باری کی گئی لیکن یہ دیواریں ٹھوس تھیں۔ سنگ باری کا ان پر
ہوا۔ ایک ماہ تک فصیلوں میں شگاف ڈالنے کی کوششیں کی گئی مگر
ی اور سلطان کو موصل کا محاصرہ اٹھانا پڑا۔

نے موصل سے ہٹ کر سنجار پر حملہ کیا۔ یہ وہی سنجار تھا جس کا
تھا۔ اس نے سنجار کا علاقہ حلب سے بدل لیا تھا اور اس وقت
ز وہاں موجود تھا۔ اس علاقہ سے موصل کو رسد مہیا ہوتی تھی۔
ی لئے اس پر حملہ کیا تھا کہ موصل کے ہاتھ سے رسد کا علاقہ نکل
اس کے حوصلے پست ہوجائیں گے لیکن سنجار نے زبردست مدافعت کی
دنوں تک سلطانی فوجیں قلعہ پر قابض نہ ہوسکیں۔ سلطان نے فوراً
تبدیل کی اور اک دم ایسی یلغار کی کہ قلعہ کا تمام مدافعیاتی نظام
وگیا اور سلطانی لشکر قلعہ میں داخل ہوگیا۔ سلطان نے قلعہ کے گورنر
افسروں کو غضبناک لشکریوں کے ہاتھوں سے بچاکر انہیں احترام کے
ت موصل پہنچوادیا۔

نے سنجار میں مختصر سی فوج چھوڑی اور اس متحدہ دشمن کی طرف چلا
انتظار کررہا تھا۔ اس اتحاد میں موصل کا والی ' آرمینیا کا بادشاہ
شہزادے ' سپاہی اور حلب کی فوج تھی۔ یہ متحد لشکر ہرزم کے مقام
تھا۔ پہلے تو متحد لشکر کے حوصلے بہت بلند تھے لیکن جب سلطانی لشکر
اتحادیوں نے صلح کے لئے فوراً قاصد بھیجا۔
سلطان کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے کہا۔
حکمران نے سلطان سے صلح کی بات چیت کا پیغام دیا۔"

سلطان نے جواب دیا۔

"اس پیغام کا جواب ہرزم کے میدان میں دیا جائے گا۔"

متحدہ لشکر کا پیغام ایک جملہ میں تھا۔ سلطان نے جواب بھی ایک
میں دیا۔ جب یہ پیغام متحدہ کمان پہنچایا گیا تو وہ حواس باختہ ہوگئے اور
چھوڑ بھاگے۔

سلطان ہرزم کے میدان میں پہنچا تو میدان صاف تھا۔ بڑے چھو
حریف خوف اور دہشت کے عالم میں اپنے اپنے ٹھکانوں کو بھاگ گئے
تھے۔

ایک مورخ نے میدان ہرزم کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"وہ مردوں کی طرح آئے لیکن عورتوں کی طرح روپوش ہوگئے۔"

حقیقت یہ ہے کہ ہوا کا رخ بدل گیا تھا اور کامیابی سلطان کے
رہی تھی۔ والی موصل اپنے قلعہ کے باہر آیا تھا لیکن سلطان کا مقابلہ
اور بھاگ کر پھر موصل میں قلعہ بند ہوگیا۔ سلطان نے موصل کو اس
پر چھوڑا اور الجزیرہ کے علاقوں کا انتظام کرکے شمال کی طرف روانہ
سلطان کے سامنے قلعہ آور یا عمید تھا۔ آور کا ایک امیر محمد بن قراء
جابر اور ظالم وزیر امیر بہاء الدین کے خلاف ہوگیا تھا۔ اس امیر نے
توجہ قلعہ آور کی طرف دلائی تھی۔ اس وقت امیر محمد بن قراء اور
سلطان کے ساتھ تھے۔

آور کا قلعہ بھی موصل کی طرح بہت مستحکم تھا۔ اس پر آسانی سے
مشکل نظر آرہا تھا مگر قلعہ پر مسٹر اور ڈارلنگ کی حکومت تھی۔ فرمانر
نے راہب فلپ رونالڈ کی بیٹی مرنیا سے شادی کی تھی اور شاہی محل
رہ گیا تھا۔ روایت ہے کہ شادی کے بعد فرمانروائے آور نے شاہی محل
دن بھی باہر قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ فرمانروا کو اس کی بیوی مرنیا "
کہتی تھی اور فرمانروا مسٹر اپنی بیوی کو ڈارلنگ کے نام سے پکارتا تھا۔
قلعہ کے اندر باہر مسٹر اور ڈارلنگ کی حکومت مشہور ہوگئی تھی۔

سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کیا مگر مسٹر اور ڈارلنگ کو اس کی خبر
نہ کسی نے خبر کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ فرمانروائے آور نے
شروع کردی تھی۔ اقتدار اس کے وزیر بہاء الدین ابن نیسان کے ہا

نے علماء اور عوام کو ناراض کردیا تھا۔ اس لئے علماء نے عیسائیوں کی کثرت
بڑھتی ہوئی آبادی پر اعتراض کیا تھا اور شراب پر پابندی کا مطالبہ کیا تھا۔
ے یہ مطالبے تو پورے نہ ہوئے مگر علماء اور مفتی گرفتار کرکے قید میں ڈال
گئے۔ عوام اس وجہ سے وزیر امیر بہاء الدین سے بہت ناراض تھی۔
آور کے وزیر بہاء الدین کو نہ عوام کی پرواہ تھی خواص کی۔ فوج اس کے
تھی اور وہ ہر معاملہ میں اپنی من مانی کرتا تھا۔ سلطان نے آور کا محاصرہ
فوج اور عوام کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقعہ مل گیا۔ قلعہ کی مضبوطی
نظر سلطان نے بجائے قلعہ پر حملہ کرنے کے ایک اور ترکیب استعمال
اس نے قلعہ کے اندر سیکڑوں تیر پھکوائے۔ ہر تیر کے ساتھ ایک پرچہ لگا
ا جس میں سلطان صلاح الدین کا ایک فرمان لکھا ہوا تھا جس کا مضمون کچھ
اس طرح تھا:۔

"اہلیان آور کو مطلع کیا جاتا ہے کہ سلطان صلاح الدین
قلعہ پر حملہ کرکے بے گناہ شہریوں کو تباہ اور شہر کے حسن
کو برباد نہیں کرنا چاہتے۔ اس لئے سلطان اعلان کرتے ہیں
کہ جو لوگ بغیر مقابلہ کے سلطان کی اطاعت قبول کرلیں
گے۔ ان کے ساتھ فتح کے بعد احسان کیا جائے گا اور جو
مقابلہ کریں گے ان سے پورا پورا بدلہ لیا جائے گا۔"

ل شہر وزیر امیر بہاء الدین کے ظلم و ستم سے عاجز تھے وہ اس کی غلامی
آزاد ہونا چاہتے تھے۔ ادھر قلعہ کی حفاظت کرنے والے لشکریوں کو یہ معلوم
قلعہ فتح ہوجائے گا کیونکہ سلطان کے سامنے قلعہ زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا
ہی عوام اور فوجیوں دونوں میں بددلی پھیل گئی اور انہیں اپنی جانوں کی فکر
ئی۔ ایک طرف عوام نے تعاون سے ہاتھ کھینچا تو دوسری طرف فوجیوں نے
ل لشکر سے مقابلہ کرنے سے انکار کردیا۔ اب تو وزیر بہاء الدین کی عقل
نے آگئی۔ اس نے فوراً سلطان کے وزیر قاضی فاضل کو امن کی گفتگو کرنے
بہانے قلعہ میں بلایا۔

سلطان نے وزیر قاضی فاضل کو قلعہ میں جانے کی اجازت دیدی۔ قاضی
ل وہاں پہنچا تو وزیر بہاء الدین نے بڑے عجز سے قاضی فاضل کو سلام کیا۔
/جھکا کے عرض کیا۔

"قاضی محترم آپ سلطان معظم کے وزیر ہیں اور میں فرمانروائے اور
ہوں۔ اس رشتہ سے ہم آپ ایک ہی قبیلہ کے ہیں۔ آپ کو میری
چاہئے۔"

قاضی فاضل اس کی تعریف سن چکے تھے کہ وہ بہت ظالم اور جابر
نے مفتی اور علماء کو قید میں بند رکھا ہے۔ قاضی فاضل نے اسے جواب

"امیر بہاء الدین میں آپ کی مدد صرف اس حالات میں کرسکتا ہوں
مفتی اور قاضی شہر کو آزاد کردیں۔ اس کے علاوہ علماء اور دیگر جتنے
کو آپ نے قید میں ڈال رکھا ہے ان سب کو فوراً چھوڑ دیں۔"

"یہ سب کچھ ہوجائے گا قاضی محترم۔ آپ مجھ سے وعدہ تو فرمایئے
میری مدد فرمائیں گے۔" امیر بہاء الدین قاضی سے پہلے یہ قول و ق
چاہتا تھا۔

قاضی فاضل کو غصہ آگیا۔ "امیر بہاء الدین تم کیا مجھے بیوقوف
میں صلح کی گفتگو کرنے آیا ہوں تمہاری خواہش پوری کرنے نہیں آیا۔"

امیر بہاء الدین سہم گیا۔ "آپ ناراض نہ ہوں قاضی محترم میں تم
کو اسی وقت رہا کئے دیتا ہوں۔"

امیر بہاء الدین نے اپنے نائب سے کہا۔ "قید خانے کے درواز
دئے جائیں اور اعلان کردیا جائے اور انہیں بتادیا جائے کہ انہیں سلط
الدین کے وزیر قاضی فاضل کے حکم پر رہا کیا جارہا ہے۔"

واضح رہے کہ یہ گفتگو قلعہ کے صدر دروازے کے اندر ہوئی
بہاء الدین نے قاضی فاضل کو صدر دروازے میں داخل ہوتے ہی گھیر لی

قاضی فاضل نے کہا۔ "کیا اس شہر کا یہی دستور ہے کہ شرفاء
کھڑے کھڑے گفتگو کرتے ہیں؟"

امیر بہاء الدین قاضی کے اس گہرے طنز پر پانی پانی ہوگیا۔

"آپ میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلئے۔" امیر بہاء الدین
انکسار سے کہا۔

پھر وہ قاضی کو اپنے غریب خانہ پر لے گیا۔ امیر کا غریب خانہ دیکھ
کی عقل دنگ رہ گئی۔ انہوں نے امیر بہاء الدین پر دوسرا طنز کیا۔
آپ کے غریب خانہ کا یہ حال ہے تو پھر قصر شاہی شاید جنت کے

ا ہوگا۔"

نے دانت نکال کے کہا۔ "قاضی محترم یہ سب آپ جیسے کرم فرماؤں کی
نتیجہ ہے۔"

ی صاحب ابھی امیر بہاء الدین کے اس عالیشان محل کی آرائش و
دیکھ رہے تھے کہ محل کے سامنے کے میدان میں لوگ جمع ہونا شروع
قاضی فاضل کے ماتھے پر شکنیں پڑگئیں۔ امیر بہاء الدین دوڑ کے باہر گیا
ی واپس آگیا۔

اضی محترم کسی تردد کی ضرورت نہیں۔ یہ سب جیل کے قیدی ہیں جو
شکریہ ادا کرنے آئے ہیں۔" امیر بہاء الدین نے بڑی مسرت سے کہا۔

ی فاضل چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔ "صرف مذہبی لوگوں کو اندر بلایا
لوگوں کو میرے شکریہ کے ساتھ واپس کردیا جائے۔"

ی فاضل کے کہنے کے مطابق سوائے مفتی، قاضی اور مذہبی لوگوں کے
شکریہ کے ساتھ واپس کردیا گیا۔ مفتی وغیرہ اندر آئے تو قاضی فاضل نے
انہیں کہا اور ان سے بغلگیر ہوئے۔

ی فاضل نے امیر بہاء الدین سے کہا۔ "ہاں امیر بہاء الدین اب فرمایئے
کہنا چاہتے ہیں؟"

یر بہاء الدین نے مفتی وغیرہ پر نظر ڈالی پھر بولا۔ "قاضی محترم یہ کوئی
مالہ نہیں ہے کہ مفتی اور علماء کے سامنے گفتگو کی جائے۔ یہ ایک سیاسی
ی معاملہ ہے اس میں کسی دوسرے کو کس طرح شریک نہیں کیا جاسکتا

اضی فاضل کی تیوریوں پر بل پڑگئے۔ "امیر بہاء الدین اسلام کے دائرے
کی چیز باہر نہیں۔ سیاست، ثقافت، تجارت ہر چیز مذہب کے تابع ہے۔ میں
علماء کی موجودگی میں اس لئے گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ہماری گفتگو کے
ہیں۔ تمہیں جو کہنا ہے صاف اور برملا کہو۔"

امیر بہاء الدین نے پژمردہ آواز میں کہا۔ "میں قلعہ اور ایک شرط پر
لنے پر تیار ہوں۔"

کیا شرط ہے تمہاری؟" قاضی فاضل نے دریافت کیا۔

مجھے صرف دو دن کی مہلت دی جائے تاکہ میں اپنے ساتھ لے جانے والا

سامان قلعہ سے نکال سکوں۔" ایک اور بیان کے مطابق امیر بہاء الدین نے تی
دن کی مہلت مانگی تھی۔"

قاضی فاضل کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔ "امیر بہاء الدین تمہاری شر
میں واپس جاکے سلطان معظم کے سامنے پیش کروں گا کیونکہ میں شرط قبول کر
کا مجاز نہیں۔"

"آپ سلطان معظم سے میری سفارش تو کریں گے؟" امیر بہاء الدین
عاجزی سے درخواست کی۔

"میں پوری کوشش کروں گا امیر۔"

"آپ کو امید ہے کہ سلطان میری شرط منظور کرلیں گے۔" امیر کو یقین
آرہا تھا۔

"امیر کوشش کرنا میرا کام ہے اور منظور کرنا سلطان کے اختیار میں ہے
میں اس سلسلہ میں قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتا۔" قاضی فاضل نے صا
الفاظ میں جواب دیا۔

"اچھا خیر آپ کی مرضی۔" امیر بہاء الدین نے بڑی افسردگی سے کہا۔

قاضی فاضل اٹھ کھڑے ہوگئے۔ ان کے ساتھ دوسرے لوگ بھی کھڑ
ہوگئے۔

"آپ تشریف رکھئے قاضی محترم۔" امیر بہاء الدین نے درخواست کی۔ "ا
لوگوں کو جانے دیجئے مجھے آپ سے ذاتی گفتگو کرنا ہے۔"

مفتی وغیرہ قاضی صاحب کا شکریہ ادا کرکے اور ہاتھ ملاکر رخصت ہوگئے۔

قاضی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "امیر آپ کو مجھ سے ذاتی گفتگو کیا کرنا ہ
میں سلطان کے حکم سے صلح کی گفتگو کرنے آیا ہوں۔ ذاتی گفتگو کا مجھے کوئی
نہیں۔"

امیر بہاء الدین نے ادھر ادھر دیکھ کے کہا۔ "قاضی محترم دراصل بعض
اشخاص میرے اور میرے گھر والوں کے دشمن ہورہے ہیں۔ میں اپنے اہل خانہ
آپ کے ساتھ سلطانی لشکر گاہ میں بھیجنا چاہتا ہوں۔"

قاضی فاضل کو بڑی حیرانی ہوئی مگر بات اس طرح کی تھی کہ وہ انکار
کرسکے۔

امیر بہاء الدین نے کہا۔ "میں ابھی انتظام کرکے حاضر ہوتا ہوں۔" یہ ک

الدین محل کے زنانہ میں چلا گیا۔

انی دیر تک امیر بہاء الدین اندر سے نہ آیا تو قاضی فاضل کو فکر
نے ادھر ادھر دیکھا کہ شاید کوئی غلام یا کنیز نظر آجائے مگر اتنے بڑے
نے ایک ملازم بھی نظر نہ آیا۔ اسی وقت امیر بہاء الدین اندر سے

اں چلے گئے تھے امیر بہاء الدین ؟۔ کیا تمہارے غریب خانہ میں ایک
یں؟" قاضی فاضل نے اس سے پوچھا۔

نے افسردگی سے جواب دیا۔ "قاضی محترم اگر ملازم ہوتا تو اندر سے
کیوں آتا؟ دیکھئے کیسا خراب زمانہ آگیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ غلام
جان دیتے تھے مگر آج کل ان کی نمک حرامی کا یہ حال ہے کہ ابھی
یار بھی نہیں ڈالے مگر تمام غلام اور کنیزیں مجھے چھوڑ کے بھاگ گئے
انخواستہ میں چھوت کی بیماری ہوں۔ مجھے آنے میں دیر اس وجہ سے
گھر کی پچھلی طرف کی ایک دیوار توڑ رہا تھا۔ میں آپ کو اسی ٹوٹی
ے راستے سے قلعہ کے باہر بھیجوں گا کیونکہ میری خواتین آپ کے
ں اور میرے مخالف خواہ مخواہ آپ مزاحم ہوں گے۔"

اء الدین کی بڑی عبرتناک حالت تھی۔ وہ ایک عظیم الشان قصر میں
ں کے ظلم اور جبر کی وجہ سے کیا عوام کیا خواص سب ہی اس کے
ے تھے۔ آج صبح ہی سے قلعہ میں یہ افواہ گرم تھی کہ بہاء الدین
نا کا قبضہ کرادے گا کیونکہ فصیل کے محافظوں نے سلطان کے خلاف
ے انکار کردیا ہے۔ اس افواہ کا یہ اثر تھا کہ اس کے تمام ملازم
ے بھاگ گئے تھے۔

ء الدین ، قاضی فاضل کو اندر لے گیا۔ اس کی بیوی اور ایک بیٹی
ڈالے چلنے کو تیار تھیں۔ پھر یہ سب ٹوٹی ہوئی دیوار کے پاس پہنچے۔
ہ ایک ویران سڑک پر تھا جس پر لوگوں کی بہت کم آمدورفت تھی۔
ین ، خواتین اور قاضی فاضل کو اس راستے سے لے کر فصیل کے
ے پر پہنچا۔ وہاں کے محافظ اب تک بہاء الدین کے وفادار تھے۔
راہ دروازہ کھول دیا۔ پہلے خواتین پھر قاضی فاضل قلعہ سے باہر نکلے
ر ہوگیا۔

لشکر میں پہنچ کے قاضی فاضل نے خواتین کو سلطان کے سامنے پیش کیا
"سلطان معظم" قاضی نے تفصیل بیان کی۔ "وزیر سلطنت امیر بہاء
قلعہ آور حوالہ کرنے پر تیار ہے۔ اس کی اس کے صلہ میں درخواست
اسے صرف تین دن کی مہلت عطا کی جائے تاکہ وہ قلعہ سے اپنا سامان
سکے۔ چوتھے دن قلعہ سلطانی لشکر کے حوالہ کردیا جائے گا۔"
سلطان صلاح الدین بڑی توجہ سے قاضی کی باتیں سن رہے تھے انہوں
فرمایا۔

"یہ خواتین کون ہیں اور لشکر گاہ میں کس لئے آئی ہیں؟"
خواتین نے اس وقت فوراً" جھک کے سلطان کی خدمت میں تسلیمات
کی۔

قاضی فاضل نے سلطان کو جواب دیا۔ "سلطان عالی مقام یہ خواتین آ
وزیر امیر بہاء الدین کی بیوی اور بیٹی ہیں۔ وزیر کے کہنے کے مطابق یہ
قلعہ میں محفوظ نہیں ہیں اس لئے وزیر موصوف نے انہیں سلطان کی پ
بھیجا ہے۔"

سلطان نے ذرا توقف کے بعد فرمایا۔
"امیر بہاء الدین کو سامان نکالنے کے لئے تین دن کی مہلت دی جائ
یہ خواتین ہماری پناہ میں رہیں گی۔"
سلطان کا حکم ختم ہوا تھا کہ امیر بہاء الدین کی بیوی بولی۔
"سلطان معظم نے میرے شوہر کو سامان اٹھانے کے لئے تین دن کی
دی ہے۔ میں اور میرا پورا خاندان سلطان کو دعائیں دیتا رہے گا لیکن میر
سلطان کی اس کرم نوازی سے فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔ جب تک سامان اٹھا
لئے مزدوروں کا انتظام نہ کیا جائے۔"

خاتون کی بات شاید سلطان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ انہوں نے سوالیہ
سے قاضی فاضل کی طرف دیکھا۔ قاضی نے خاتون سے سوال کیا۔
"خاتون شاید تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہارا سامان اٹھانے کے لئے ہم
مزدور بھی مہیا کریں۔"
"جی ہاں قاضی محترم۔ میری سلطان سے یہی درخواست ہے۔" خاتو
تائید کی۔

مگر کیوں کیا ریاست آور میں سامان اٹھانے والے مزدور نہیں ہوتے؟"
فاضل نے حیران نظروں سے خاتون کو دیکھا۔
"قاضی محترم آور میں مزدور ہوتے ہیں۔" خاتون نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
جب وقت بگڑتا ہے تو اپنا سائیہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ آور کی فوجوں
مقابلہ سے انکار کردیا ہے۔ میری کنیزیں اور غلام گھر چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔
کو علم ہے کہ ہم مکان کی پچھلی دیوار توڑ کر قلعہ سے نکلے ہیں اگر ہم
دروازے سے آنے کی کوشش کرتے تو عوام و خواص ہمیں پریشان کرتے مگر
پ سے شکوہ نہیں بلکہ میرے شوہر کے اعمال کی یہ سزا ہے۔ انہوں نے
ی کے کسی آدمی سے بنا کے نہیں رکھی۔ اقتدار کے نشہ نے انہیں اپنوں
یگانہ کردیا۔"

سلطان اور تمام درباری خاتون کے اس اظہار سے بہت متاثر ہوئے۔ سلطان
حکم دیا کہ خاتون کو جس قدر آدمیوں کی ضرورت ہو وہ انہیں عطا کئے
۔ اس کے علاوہ بھی اگر کوئی ضرورت ہو تو وہ بھی پوری کی جائے۔
کتاب الروضتین کا بیان ہے کہ سلطانی لشکر کے تین سپاہی تین دن اور
قلعہ سے وزیر بہاء الدین کا سامان نکلتا رہا پھر چوتھے دن سلطان لشکر نے
ا قبضہ لیا تو وزیر سلطنت اپنا سینہ پیٹ رہا تھا کہ ہائے میرے سامان کا
حصہ بھی قلعہ سے نہیں آسکا۔ یہ سامان پانچ بڑے خیموں میں جمع کیا گیا

ریاست کے کتب خانہ میں دس لاکھ چالیس ہزار کتب موجود تھیں۔ سلطان
الدین نے علم وادب کا یہ بیش بہا خزانہ اپنے وزیر قاضی فاضل کو بخش
اضی فاضل اتنی کتابیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔
قاضی فاضل نے سلطان کے حضور عرض کیا۔ "سلطان معظم بغداد کے علاوہ
ب کا اتنا بڑا خزانہ دنیا کے کسی حصہ میں موجود نہیں۔ میں اس لئے حضور
ا قدر بھی شکریہ ادا کروں وہ کم ہے۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ ان کتابوں
ئے سلیقے سے رکھنے کے لئے دمشق میں مجھے کم از کم چار بڑی بڑی حویلیاں
وں گی۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ میں ان میں کچھ منتخب خود اپنے
کھوں باقی کتب کو دمشق کے سلطانی کتب خانہ میں منتقل کردیا جائے۔"
سلطان نے قاضی فاضل کو انتخاب کی اجازت دیدی۔ لیکن پول کے مطابق

قاضی فاضل نے جو کتابیں منتخب کیں انہیں وہ ستر ہزار اونٹوں پر بار کرکے اپنے ساتھ دمشق لے گیا۔ باقی کتابوں کا آپ خود اندازہ کرسکتے ہیں۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ آور کے ایک باغی امیر محمد بن قراء نے سلطان سے مل کے انہیں آور کے وزیر بہاء الدین کے ظلم و ستم سے آگاہ کرکے ان سے آور پر حملہ کی درخواست کی تھی۔ اس لئے سلطان نے امیر محمد بن قراء کے لڑکے کو آور کا حاکم مقرر کردیا۔ قلعہ کا چارج لینے گیا تو وہاں سونے اور جواہرات کے ڈھیر دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ اس قدر گھبرایا کہ فوراً سلطان کے پاس پہنچا۔

سلطان معظم آپ نے مجھے آور کا حاکم مقرر فرمایا ہے لیکن وہاں مال و دولت کے علاوہ نادر و نایاب چیزوں کا اس قدر انبار ہے کہ اس کا شمار ممکن نہیں۔ آپ ازراہ کرم ریاست کا خزانہ اور نادر اشیاء اپنے ساتھ دمشق لیتے جائیے۔

"نہیں بدرالدین ہم نے جب تمہیں آور کا حاکم بنایا تو اب آور میں جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے۔ ہم ان لوگوں میں نہیں جو پیڑ تو دے دیتے ہیں مگر شاخ دینے سے انکار کردیتے ہیں۔"

سلطان صلاح الدین کی بخشش کا یہ انداز تاریخ میں درج ہوکر امر ہوگیا اور اس کے ساتھ یہ بات بھی تاریخ کی زینت ہوگئی کہ آور کا حاکم بدرالدین سات سال تک شاہی محلات کا فالتو سامان فروخت کرتا رہا اور پوری ریاست آور کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جس میں فروخت کیا ہوا مال نہ پہنچا ہو۔ تحقیق سے یہ بات سامنے آئی کہ ریاست آور الجزیرہ کی سب سے زیادہ مالدار اور خوشحال ریاست تھی۔ فرمانروایان آور کا عہد قدیم ہی سے یہ دستور تھا کہ وہ ہر تقریب کے لئے نیا سامان خریدتے تھے۔ مثلاً جب نیا فرمانروا مقرر ہوتا تھا تو اس کے لئے نیا محل تعمیر کیا جاتا اور اس محل میں نیا سازوسامان لگایا جاتا۔ نوادرات بھی نئے خریدے ہوئے ہوتے تھے۔

اس طرح آور میں نئے محل اور نیا سامان جمع ہوتا گیا۔ کوئی فرمانروا پرانا محل اور پرانا سامان نہ استعمال کرتا۔ پرانے محل کو معہ سازوسامان کے محفوظ کرلیا جاتا اور اس کی دیکھ بھال کے لئے باقاعدہ چند غلام مقرر کروئے جاتے۔ اس طرح کے سامان سے بھرے ہوئے محلات ریاست کے قلعہ اور بیرون قلعہ درجنوں

بلکہ سیکڑوں کی تعداد میں تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا سامان تصور سے بھی زیادہ

ریاست آور پر قبضہ اور اس کے مال ودولت اور نوادرات کا ذکر ادھورا رہ گا اگر ریاست کے اصل فرمانروا مسٹر فرمانروا کے نام سے ان کی بیگم مرنیا ڈارلنگ کا خطاب دیا گیا تھا ان کا کچھ نہ کیا جائے۔ مسٹر فرمانروا اپنی رنگ میں مصروف تھے کہ انہیں قلعہ پر حملہ اور قبضہ کا کوئی علم نہ ہوسکا۔ کا نیا تعلعدار بدرالدین قلعہ میں داخل ہوا جہاں مسٹر فرمانروا کا بھی شاہی تو لوگوں نے بدرالدین کو بتایا کہ امیر وزیر بہاء الدین یہاں سے چلا گیا لیکن آور کا اصل حاکم اور فرمانروا ابھی تک اپنے محل میں موجود ہے۔ لازم اسے بھی قلعہ سے بے دخل کیا جائے۔

بدرالدین نے پہلے تو فرمانروا کے تمام حالات سنے اور خوب ہنسا پھر اس نے فوجی دستے کو حکم دیا کہ مسٹر فرمانروا کو محل سے لے آؤ اگر وہ آنے سے کریں تو انہیں زبردستی لایا جائے۔ شاہی محل پر فوجی دستہ پہنچا تو وہاں کہرام ان کی تو تباہی الگ تھی۔ انہیں علم ہی نہ ہوتا کہ سورج کب نکلا اور کب ہوا۔ انہیں بتایا کہ ریاست آور کے لیل و نہار بدل گئے ہیں۔ وزیر امیر الدین نے قلعہ سلطان دمشق کے حوالہ کردیا ہے اور نئے حاکم قلعہ نے اسے کیا ہے اگر وہ جانے سے انکار کرے گا تو لشکری اسے پکڑ لے جائیں

قلعہ والوں پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ کنیزوں اور غلاموں نے جو تمام کے تمام عیسائی ادو کے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ پھر ڈارلنگ مرنیا نے فرمانروا کو مشورہ دیا کہ اکم قلعہ کے پاس جائے کیونکہ حاکم اب قلعہ کا مالک اور وہ (فرمانروا) اس کا اور ایک عام شہری ہے۔ مرنیا نے بھی یہ مشورہ دیا کہ وہ حاکم سے اپنی بسر کے لئے ایک معقول رقم کا سوال کرے۔ کیا عجب کہ حاکم کو رحم اور خزانہ سے اتنا کچھ دیدے کہ انہیں کسی اور کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔

رنیا نے مسٹر فرمانروا کو ایک بند گاڑی میں سوار کیا اور کنواری مریم کی کے ساتھ رخصت کرنا چاہا مگر مسٹر فرمانروا اکڑگئے کہ اگر مرنیا ساتھ نہیں تو وہ بھی حاکم کے پاس نہیں جائے گا خواہ اسے لشکریوں کے ساتھ ھرکے جانا پڑا۔

مزنیا نے مسٹر فرمانروا کی بات سن لی مگر اس نے دوسرا لباس تبدیل ک
کیونکہ وہ ایک مسلمان حکمران کے سامنے جارہی تھی اور اس کا نصرانی لباس ن
عریاں نہیں بلکہ تقریباً عریاں تھا۔ پھر اس نے فرمانروا کو سمجھایا۔
"مسٹر فرمانروا میں آپ کے ساتھ چل رہی ہوں اس لئے آپ کے بجا
حاکم قلعہ سے میں گفتگو کروں گی آپ بالکل خاموش رہیں گے۔
مسٹر فرمانروا نے سر ہلا کر اقرار کیا اور مزنیا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ ک
روانہ ہوئے۔

حاکم کے سامنے پہنچ کے فرمانروا اور اس کی بیوی مزنیا نے عام رعایا
طرح حاکم کو جھک کے سلام کیا۔ پھر مزنیا نے کہا۔ "اے حاکم قلعہ آور م
سابق قلعدار آور کی بیوی ہوں۔ ہم دونوں آپ کے حکم کی تعمیل میں حاضر ہو
ہیں اس خیال سے کہ ہم نے نہ سلطان سے جنگ کی ہے اور نہ ان کے خلا
منہ سے کوئی بات نکالی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہمیں وزیر سلطنت
خطاؤں کی سزا نہیں دیں گے۔"

"ٹھیک ہے تمہیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔" حاکم بدر الدین نے ا
کی بات مان لی۔ "ہاں اگر تم آور میں رہنا چاہتے ہو تو تمہیں شاہی محل چ
کے ایک عام انسان کی طرح یہاں رہنا ہوگا۔"

مزنیا نے احتجاجی انداز میں کہا۔ "اے حاکم قلعہ آپ غور کرسکتے ہیں کہ
لوگوں کے ہم کبھی آقا تھے اب ان کے ساتھ برابری کے درجہ پر رہنا کس
مشکل ہوگا۔ اگر آپ ہم پر نوازش فرمائیں تو ہمیں ایک معقول رقم شاہی خ
سے عطا کردیں تو ہم آور چھوڑ کر کہیں چلیں جائیں۔"

"معقول رقم سے تمہاری کیا مراد ہے؟" امیر بدرالدین نے پوچھا۔

مزنیا نے جواب میں کہا۔ "رقم اتنی ہونا چاہئے کہ ہم اپنی بقیہ زندگی ا
طرح گزار سکیں۔"

"دیکھو سلطان دمشق ابھی قلعہ کے باہر لشکر گاہ میں موجود ہیں۔ تم ان
جو چاہے طلب کرسکتے ہو اور وہ سب کچھ عطا کرسکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم ان
سامنے اپنی درخواست پیش کرو۔" حاکم قلعہ نے اسے مشورہ دیا۔

مزنیا اس بات سے بہت خوش ہوئی۔ اس نے سلطان صلاح الدینؒ کا ذ
سنا تھا وہ سلطان کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی۔ مسٹر فرمانروا اور وہ ا

ڑی میں بیٹھ کے سلطان کے پاس پہنچے۔ ان کے ساتھ گھوڑے پر سوار حاکم
ہ بدرالدین بھی چل رہا تھا۔

مسٹر فرمانروا نے سلطان کے سامنے بڑے مہذب طریقے سے اپنا مقدمہ پیش
ا۔ "اے سلطان معظم آپ نے قلعہ آور فتح کیا اس کی میں مبارک باد پیش
تا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ روزانہ ایک قلعہ فتح کیا کریں۔ میں
ہی ہے۔"

سلطان صلاح الدین نے پریشان ہوکے بدرالدین کی طرف دیکھا جو مسٹر
انروا کے برابر کھڑا تھا۔

"بدرالدین تم کس شخص کو لے آئے۔ تم نے تو کہا تھا کہ آور کا سابق
انروا حاضری کی اجازت چاہتا ہے مگر یہ؟"

"سلطان عالم۔" بدرالدین سر کو خم کرکے بولا۔ "یہی آور کے سابق فرمانروا
جن کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ انہیں آج معلوم ہوا کہ سلطانی لشکر نے آور
ے قلعہ پر قبضہ کرلیا ہے۔ وہ بھی اس وقت جب میں نے سپاہی بھیج کے انہیں
ل سے بلوایا۔"

"یہاں کس لئے آئے ہیں یہ لوگ؟" سلطان کا مزاج مکدر ہوگیا تھا۔

"یہ مجھ سے اتنی رقم طلب کررہے تھے جسے دینے کا مجھے اختیار نہیں۔ میں
ور عالی میں انہیں لایا ہوں کہ ان کا مطالبہ منظور کیا جائے یا رد کردیا
ئے۔" بدرالدین نے اصل حال بیان کردیا۔

سلطان خدا جانے کیوں نرم پڑگیا۔ اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔ "تم کیا
تے ہو کیا مطالبہ ہے تمہارا؟"

"سلطان سخی اور بخشش کرنے والے ہوتے ہیں۔" مسٹر فرمانروا نے کہا۔
دا نے میری غفلت کی مجھے سزا دی۔ مجھے نہ خدا سے شکوہ ہے اور نہ آپ
شکایت۔ بس اس قدر التماس ہے کہ سلطان عالی مقام مجھے اتنی رقم عطا
ائیں کہ ہم دونوں میاں بیوی کی بقیہ زندگی آرام سے گزر جائے۔"

"اے نادان انسان تو غافل تھا اس لئے خدا نے تجھ سے ریاست اور اقتدار
ین لیا۔ مگر میں تیرے التماس کو رد نہیں کرسکتا اس لئے کہ مجھے روز قیامت
ے خدا کو جواب دینا ہے۔" پھر سلطان نے بدرالدین کو حکم دیا۔ "اے
الدین ان دونوں میاں بیوی کو عزت سے آور کے شاہی خزانہ میں لے جاؤ

اور اس سے کہو یہ جس قدر سونا چاندی ہیرے جواہرات اور نوادرات اٹھا کر ق
سے باہر لے جاسکتے ہوں وہ لے جائیں لیکن یہ موقعہ انہیں ایک بار دیا جا
پھر یہ قلعہ میں لوٹ کے نہیں آسکتے۔"

مسٹر فرمانروا اور ڈارلنگ مرنیا سلطان کے حضور سجدہ کی حد تک جھک گ
مرنیا نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔ "سلطان عالی مقام میرے بابا سلطان کی شجاع
اور جوانمردی کے جو قصے سناتے تھے ان مجھے یقین نہ آتا تھا مگر آج آپ
سخاوت کا عالم آنکھوں سے دیکھا یہ بھی ثابت ہوا کہ جس انسان کو خداوند ی
مسیح نے شجاعت بخشی ہے اس نے اسے اتنا ہی سخی بھی بنایا ہے۔"

دونوں سلطان کو سلام کرکے واپس ہوئے۔ گاڑی باہر کھڑی تھی۔ اس پ
کے وہ آور کے خزانہ کی طرف چلے۔ بدرالدین گھوڑے پر سوار ان کے
ساتھ تھا۔ خزانہ پر پہنچ کے مسٹر فرمانروا نے دو چرمی تھیلے طلب کئے جو انہیں
کردئے گئے۔ پھر میاں بیوی نے ان تھیلوں کو صرف ہیرے جواہرات سے اتنا
جتنا وہ اٹھا سکتے تھے۔ بدرالدین دور کھڑا انہیں بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔
نے فرمائش کی کہ اس کے بابا کو محل سے بلوایا جائے۔ بابا یعنی راہب ا
رونالڈ کو علم ہوگیا تھا اور پریشانی کے عالم میں اندر باہر بھاگ رہا تھا۔ اطلاع
وہ بھاگتا ہوا آیا۔

مسٹر فرمانروا اور مرنیا ڈارلنگ تھیلے سنبھالے کھڑے تھے۔ بابا نے بیٹی کے
سے تھیلا لینا چاہا مگر مرنیا نے اسے منع کردیا۔ "نہیں بابا سلطان کا حکم ہے
اور مسٹر جس قدر دولت اٹھا کر لے جاسکتے ہیں وہ لے کر قلعہ سے نکل جائیں

پھر ایک نااہل اور غافل فرمانروا کا انجام پورے قلعہ نے دیکھا۔ بدرا
ان کے ساتھ تھا اور جب تک وہ دونو قلعہ سے نکل نہ گئے وہ انہیں دیکھتا

فتح بیت المقدس

سلطان صلاح الدین دریائے فرات عبور کرکے موصل اور الجزیرہ کی طرف
ہا تھا کہ اس دوران دمشق سے ایک تیز رفتار سوار سلطان کی خدمت میں حاضر
ا۔ سوار کو دیکھ کر سلطان چونکا۔ اس لئے کہ سوار نے اپنا گریبان چاک کررکھا
ا۔ اس زمانہ میں عوام جب کوئی غمناک خبر کسی دوسرے کو سناتے تو اپنا گریباں
ک کرلیتے تھے۔

سلطان سوار کو دیکھتے ہی افسردہ ہوگیا تھا۔ سوار آنکھیں نیچی کئے گفتگو کی
زت کا انتظار کررہا تھا۔ آخر سلطان نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور فرمایا۔

"اے چاک گریباں قاصد۔ ہم نے خود کو اس غمناک خبر سننے پر آمادہ کرلیا
جو تو لے کر آیا ہے۔ ہمیں بتا کہ ہمارا کون عزیز ہم سے منہ موڑ گیا ہے؟"

"عالیجاہ۔" اور قاصد کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

"تیرا غم ہمارے غم میں شامل ہوگیا ہے قاصد۔ اب امتحان نے لے اور بتا
کون ستارہ ٹوٹ کر افلاک کی گہرائیوں میں گم ہوگیا ہے؟"

قاصد نے آنسو پونچھے اور اشکبار آنکھیں اٹھا کر کہا۔ "عالی جاہ آپ کے
بھتیجے عزالدین فرخ شاہ بن شاہاں شاہ نے آپ کو داغ مفارقت دے دیا
۔"

سلطان سناٹے میں آگئے۔ "جواں عمر فرخ شاہ۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی۔
را دل تو اس کے روشن مستقبل کی پیشن گوئیاں کررہا تھا اور وہ ہمیں چھوڑ
۔"

سلطان کو یقیناً" اس خبر سے صدمہ ہوا مگر خدا نے انہیں صبروتحمل کا عظیم
ہ عطا کیا تھا اور بردباری اور قوت برداشت کی صفات سے نوازا تھا۔ کچھ

توقف کے بعد انا للہ و انا الیہ راجعون کہا۔ پھر دریافت فرمایا۔

"یہ سانحہ کہاں اور کیسے واقع ہوا؟"

قاصد نے تفصیل بتائی۔

"امیر زادے فرخ شاہ دمشق سے ایک لشکر لے کر جہاد کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں طبیعت خراب ہوئی۔ سرداروں نے واپسی کا مشورہ دیا۔ وہ مع لشکر کے واپس آئے۔ بیماری اگرچہ کچھ نہ تھی بس بہانہ ہوگیا۔ امیرزادے کی جوانمرگی پر پورا دمشق سوگ میں ڈوب گیا۔"

"بے شک وہ جوانمرد تھا اور ہمارا دست وبازو۔" سلطان نے فرخ شاہ کی خدمات کا اعتراف کیا۔

سلطان کے ایک بھائی نورالدولہ شاہاں شاہ کے دو بیٹے۔ عزالدین فرخ شاہ اور تقی الدین المنظر اور ایک بیٹی عذرا خاتون تھی۔ سلطان نے اپنے دونوں بھتیجوں کو شروع ہی سے اپنے ساتھ رکھا تھا اور یہ سلطان کے زیر سائیہ اپنی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے۔ ان دنوں سلطان نے عزالدین فرخ شاہ کو دمشق کا حاکم اور اپنے اہل خانہ کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ فرخ شاہ اپنے ان دوہرے فرائض کو احسن طریقے سے نباہ رہا تھا کہ اچانک اسے موت نے آگھیرا اور عین جوانی کے عالم میں اس نے انتقال کیا۔

فرخ شاہ ایک خاموش طبع نوجوان تھا۔ فرخ شاہ اور تقی الدین دونوں ہی بہادری میں ثانی نہ تھے اور سلطان ہمیشہ انہیں اہم کام یا معرکوں پر مامور کرتا تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جس محاذ پر سلطان خود جانا چاہتا تھا مگر مجبوریوں کی وجہ سے وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا تو وہاں تقی الدین یا فرخ شاہ کو بھیجتا تھا۔ فرخ شاہ میں شجاعت کے ساتھ ساتھ محبت کا بھی کچھ سائیہ تھا لیکن اس کی بدقسمتی کہ بڑے بڑے میدان مارنے کے بعد بھی محبت کے میدان میں ناکام رہا۔ جس وجہ ارمغانہ کا باپ امیر شمس الدین محمد بن المقدم تھا جو خدا معلوم کیوں فرخ شاہ کے خلاف ہوگیا تھا اور المقدم کی مخالفت ہی نے آخر ارمغانہ کی جان لے لی اور وہ فرخ شاہ کی خاموش محبت میں گھٹ گھٹ کے مرگئی۔

مگر یہ قسمت بھی کچھ عجیب چیز ہے اور اس کی کارفرمائیاں عجیب تر۔ امیر شمس الدین المقدم دو معصوم دلوں کی محبت میں دیوار بن کے کھڑا ہوا۔ اس نے فرخ شاہ کو قتل کرانے کی کوشش کی پھر جب سلطان صلاح الدین کے بھائی

کی گورنری کے لئے ضد کی جس پر سلطان کے حکم سے یہی شمس الدین ائز تھا اس وقت سلطان نے بھائی کی ضد سے مجبور ہوکر المقدم کو حکم دیا بعلبک کی گورنری اس کے بھائی کے سپرد کردے تو احسان فراموش المقدم اکڑ گیااور بعلبک چھوڑنے سے انکار کردیا۔

سلطان کو اس کی اس حرکت پر غصہ آیا اور بہت آیا۔ اس نے بعلبک کا حکم دے دیا۔ شاہی فوجوں نے بعلبک کو گھیر لیا۔ اسی قلعہ بعلبک میں بچپن گزرا تھا کیونکہ ایک زمانہ میں سلطان کا باپ نجم الدین ایوب اس حاکم تھا۔ سلطان کو بھی اس قلعہ سے دلی محبت تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا س الدین المقدم کو سزا دینے کے لئے وہ قلعہ پر سنگ باری کرائے اور فصلیں منہدم ہوجائیں۔ اسی لئے اس نے حکم دیا تھا کہ قلعہ کا سختی سے کیا جائے مگر زبردستی قبضہ کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

شمس الدین المقدم کچھ دنوں تو قلعہ میں بند رہا مگر جب سامان رسد ہونے لگا اور باہر سے محاصرہ کی وجہ سے ہر چیز کی آمدورفت بند ہوگئی تو یشان ہوا اور سلطان کے پاس صلح کا پیغام بھیجا اور شرط لگائی کہ وہ اس قلعہ بعلبک خالی کرے گا جب اسے اس کی مرضی کا علاقہ دیا جائے گا۔ کو اس کی اس شرط یا فرمائش پر غصہ کی بجائے ہنسی آئی ہوگی۔ مگر سلطان المقدم کے قاصد کے سامنے اپنے تاثرات کا کوئی اظہار نہ ہونے دیا اور کی شرط تسلیم کرلی۔

اس جگہ سلطان کو ہنسی آنے کی بات اس وجہ سے لکھی گئی ہے کہ پہلے انے خود شمس الدین المقدم کے پاس حکم بھیجا تھا کہ وہ بعلبک کا قلعہ کے بھائی کے حوالے کردے اور اسے (المقدم کو) اس قلعہ کے بدلہ میں وہ عطا کیا جائے گا جس کو خود شمس الدین المقدم پسند کرے گا۔ یہی دلچسپ تھی اور اس پر ضرور ہنسی آنا چاہئے تھی کہ المقدم نے قلعہ خالی کرنے کی شرط لگائی تھی وہ سلطان نے اسے پہلے ہی صلہ میں دینے کا اعلان کیا تھا۔ بہر سلطان نے اسے بہترین علاقہ دے کر اس سے بعلبک کا قلعہ خالی کرالیا۔

امیر شمس الدین المقدم کی صرف یہی گستاخیاں نہ تھیں بلکہ اس نے ارمغانہ فرخ شاہ کے درمیان فراق کے جو کانٹے بوئے تھے اس کی اطلاع سلطان کو تھی۔ سلطان کو یہاں تک شبہ ہوا تھا کہ شاید امیر شمس الدین المقدم نے

اپنی بیٹی سے ناراض ہوکر اسے زہر دیدیا تھا مگر ان تمام باتوں کے باوجود سلطان
صلاح الدین نے المقدم کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور اسے سلطنت کے
سے اہم شہر اور قلعہ اپنی دار السلطنت دمشق کا گورنر بنا دیا۔ یہی نہیں بلکہ ا
شمس الدین المقدم کو دمشق میں اپنا نائب بھی مقرر کیا۔ سلطان کے اس ا
سے ثابت ہوتا ہے کہ ملکی انتظام اور کاروبار سلطنت میں سلطان کس قدر
ایماندار اور دوراندیش تھا۔ سلطان کے درجنوں بھائی اور بھتیجے تھے مگر سلطان ا
اپنے اپنے مقام پر رکھتا تھا۔

اس سے پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ سلطان نے کچھ دنوں کے لئے اپنے ا
بھائی کو دمشق کا گورنر بنایا تھا جس کی بے پروائی کی وجہ سے دمشق کی فوج
نصرانیوں کے ہاتھوں زبردست شکست اٹھانی پڑی تھی اور ملکی انتظام کے معاملہ
احتیاط سے کام لیتے تھے۔ امیر شمس الدین المقدم میں کئی عیب تھے لیکن وہ
اچھا منتظم تھا بہادر سردار تھا۔ دمشق کا حاکم اسے اسی وجہ سے مامور کیا گیا

سلطان صلاح الدین نے اپنے مرحوم آقا نورالدین زنگی کے دن دیکھے۔
نورالدین زنگی مرحوم نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ جہاد میں گزارا تھا اور اسی
نقش قدم پر چلنے کے لئے سلطان صلاح الدین اپنی تمام تر کوششیں کررہا تھا۔
تو اس کی فرنگیوں (نصرانیوں) سے کئی بار جنگ ہوچکی تھی۔ مصر کے قیام
دوران شاہ یروشلم سے اور اسکندریہ کے محاصرہ میں رومی شہنشاہ قسطنطنیہ سے
اس کا سابقہ پڑ چکا تھا لیکن اب تک اس کے دل میں چھپے ہوئے جذبہ جہا
تسکین نہیں ہوئی تھی۔

ایک مرتبہ اس کے مربی سلطان نورالدین زنگی نے اس سے کہا تھا۔
"صلاح الدین جانتے ہو میری زندگی کا مقصد اور میرا نصب العین کیا ہے"
صلاح الدین اس وقت بہت کم عمر تھا اس لئے نورالدین زنگی کے سوا
جواب نہ دے سکا تھا اور اس نے کہا تھا۔
"آقائے محترم میری عقل ناقص آپ کے پرواز خیال تک نہیں پہنچ سکی"
پھر مرحوم نورالدین نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا تھا۔
"صلاح الدین میری زندگی کا مقصد وہ ہے جو میرے باپ امیر عماد
زنگی کا تھا۔ جو سلجوقی سلطان تھا۔ جو عباسی خلفاء کا تھا مگر جسے کوئی بھی حاصل
کرسکا۔ کاش میں اس مقصد زندگی تک پہنچ سکتا۔"

صلاح الدین پھر بھی کچھ نہ سمجھ سکا تھا اور اسے نے دست بدستہ عرض کیا

"اے سلطان عالی مقام۔ آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ مجھے دیکھو اور کچھ
کرو۔ میں آپ کو دیکھتا ہوں اور وہ کچھ سیکھنے کی کوشش کرتا ہوں جو مجھے
دکھائیدیتا ہے لیکن میری رسائی آپ کے دل تک نہیں پھر میں آپ کا
العین کیسے سمجھ سکتا ہوں؟"
اس وقت سلطان مرحوم نے بڑے دکھ سے بتایا تھا۔
"صلاح الدین ارض مقدس اور قبلہ اول یعنی بیت المقدس کو تقریباً" پون
پہلے نصرانیوں نے ہم مسلمانوں سے چھینا تھا مگر اتنے طویل عرصہ میں کوئی
کوئی بادشاہ اور کوئی خلیفہ یا سلطان اس ارض پاک کو نصرانیوں کے ناپاک
سے آزاد نہ کراسکا۔ کہنے کو میں سلطان ہوں۔ مسلمانوں کے عباسی خلیفہ
کئی بار میری توجہ اس طرف مبذول کرائی مگر افسوس کہ میں اس مقصد کو نہ
سکا جس کی آرزو مجھ سے پہلے کے تمام بادشاہوں اور سلطانوں کے دل میں
"

صلاح الدین نے بڑے جوش سے کہا تھا۔
"اے آقا محترم آج میں نے آپ سے یہ بھی سیکھا ہے کہ ہر مسلمان کو
قبلہ اول کی بازیابی کے لئے کوشش کرنا چاہئے صرف کوشش ہی نہیں بلکہ
المقدس کی آزادی کو اپنا مقصد زندگی اور نصب العین بنانا چاہئے۔"
یہ بھی ایک عجیب اتفاق تھا کہ جس دن صلاح الدین نے اپنے اس جذبہ کا
ان مرحوم سے اظہار کیا تھا اسی دن سلطان نورالدین زنگی نے اپنے مشہور جنرل
الدین شیرکوہ کو حکم دیا تھا کہ وہ مصر کے محاذ پر جاتے وقت اپنے ساتھ نو
صلاح الدین کو بھی لیتا جائے۔ اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ صلاح الدین نے
مصر جانے کی سخت مخالفت کی تھی لیکن اسے سلطان کے حکم پر مصر جانا پڑا اور
صلاح الدین کی مصر روانگی ہی اس کے عروج کی پہلی سیڑھی ثابت ہوئی۔
صلاح الدین نے مصر میں بحیثیت ایک امیرزادے پھر بحیثیت وزیراعظم مصر پھر
ازاں مصر کی حیثیت میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے ان سے قارئین کرام بخوبی
واقف ہوچکے ہیں۔ پھر جب مصر کے بعد صلاح الدین کو سلطنت دمشق حاصل
ہی تو اسکے جذبہ جہاد اور بیت المقدس کی بازیابی کے تصور میں شدت پیدا

ہوگئی۔ اگرچہ اس سے پہلے شام میں الرہا (اڈیسہ) کی مضبوط عیسائی ریاس
مسلمانوں کا قبضہ ہوچکا تھا اور سلطان نورالدین زنگی نے بھی تاحیات جہا
نصرانیوں پر کئی کاری ضربیں لگائی تھیں لیکن اب بھی ان کا زور باقی تھا۔

سلطان کو نصرانیوں سے زیادہ شام کے مختلف مسلمان حکمرانوں کی طر
پریشانی تھی۔ اس لئے اس نے پہلے اسی پریشانی کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا جر
اس کا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہوگیا اور وہ اپنے اصل مقصد کی طرف رجو
ہوسکا۔ شام میں مسلمانوں کی صرف حلب اور موصل ایسی ریاستیں باقی تھ
اب تک سلطان کے قبضہ میں نہ آسکی تھیں اور اسے پریشان کررہی تھیں۔

پس سلطان نے فتح آور کے بعد اپنی فوجیں حلب کے مضافات داخل
اور تل خالد اور عتاب کے علاقے فتح کرنے کے بعد قلعہ حلب کا محاصرہ
محاصرہ کے دوران محصورین نے شدید مدافعت کی اور اس لڑائی میں سلط
چھوٹا بھائی تاج الملوک بوری شدید زخمی ہوا۔ سلطان حلب کو ہر قیمت پر
کرنا چاہتا تھا۔ حاکم حلب عماد الدین کچھ عرصہ تک مدافعت کرتا رہا مگر محاص
قدر سخت تھا کہ اہل قلعہ چیخ اٹھے۔ ادھر فوج نے اپنی تنخواہ کا مطالبہ
عمادالدین نے مجبور ہوکر قلعہ اس شرط پر حوالہ کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ
حلب کے بدلے میں نصیبین وغیرہ کے علاقے دے دئے جائیں۔

عماد الدین کی طرف سے طوفان الباروقی صلح کا پیغام لے کر آیا۔ سلطان
اس کی شرائط منظور کرلیں اور عماد الدین نے معاہدہ کے مطابق قلعہ خالی
اس فتح کی خوشی میں ایک جشن منعقد کیا گیا لیکن قلعہ میں داخل ہونے سے
سلطان تاج الملوک بوری کا انتقال ہوگیا جو اس محاصرہ کے دوران بہت زخ
تھا۔ اس طرح جشن کا سارا مزہ کرکرا ہوگیا پھر بھی حلب پر قبضہ کی ہر ا
خوشی تھی۔ سلطان نے حلب پر اپنے کمسن بیٹے الظاہر غازی کو حاکم مقرر ک
امیر سیف الدین تاوکچ کو اس کا نگراں بنا دیا۔

حلب پر فتح کے ساتھ ہی اس میں جذبہ جہاد بڑی شدت سے عود کر آ
اسے نے دیار بکر اور الجزیرہ سے فوجیں طلب کرلیں۔ پھر وہ ایک بڑے لشک
ساتھ دریائے اردن عبور کرکے نصرانی علاقوں میں داخل ہوگیا۔ سلطانی لشکر ک
اڑتے ہی نصرانی اپنے علاقے چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہاں سے
نے بیسان کا رخ کیا اور اس کو تباہ کردیا۔ بیسان کی تباہی کے بعد تمام

ں جن میں نصرانی لشکر موجود تھا وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور پہاڑ پر چڑھ گیا
ں نے اپنے ارد گرد خندق کھود کے خود کو محفوظ کرلیا۔

طان پہاڑی کے پاس پہنچے اور نصرانی لشکر کو قلعہ سے اتارنے کی کوشش
وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور خندق کی وجہ سے محفوظ رہے۔ سلطان نے
ن کے حال پر چھوڑا اور قلعہ الکرک کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ قلعہ بڑا
ھا اور یہاں کا حاکم بڑا متعصب نصرانی تھا۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ
ں پر مجانیق سے سنگ باری شروع کردی۔ اہل علاقہ نے زبردست مدافعت
ونی علاقے تو فتح ہوگئے لیکن قلعہ پر قبضہ نہ ہوسکا۔

وقت مصر پر سلطان کا بھائی ابوبکر الملک العادل حاکم تھا۔ سلطان نے
ر سے بلوایا اور اسے حکم دیا کہ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ قلعہ
پر جہاں وہ محاصرہ کئے ہوئے تھا آکر ملے۔ چنانچہ الملک العادل اپنے اہل
ساتھ قلعہ الکرک کے محاصرہ کے دوران ہی آکر سلطان سے مل گیا۔
نے الملک العادل کو حلب شہر اور حلب کے قلعہ کی حکومت پیش کی جو
قبول کرلی۔

طان نے دراصل الکرک کی فتح کا پورا سامان نہیں کیا تھا اس لئے وہ کچھ
محاصرہ کے بعد مال غنیمت سمیٹ کر دمشق واپس ہوگیا۔ دمشق پہنچ کے
نے اپنے بھتیجے تقی الدین بن شاہاں شاہ کو ملک العادل کی جگہ مصر کا حاکم
کیا اور ملک العادل کو حلب اور منبج کی امامت سونپی۔ جب ملک العادل
انے لگا تو سلطان نے اپنے ایک بیٹے ملک العزیز عثمان کو اس کے ساتھ
اور دوسرے بیٹے ملک الفاضل کو تقی الدین کے پاس مصر روانہ کیا۔

لطان نے کچھ دن بعد قلعہ الکرک پر دوبارہ یلغار کی مگر کامیابی حاصل نہ
اسی طرح موصل پر کئی بار حملہ کیا مگر موصل فتح نہ ہوسکا پھر ایک شدید
کے بعد موصل اسے حاصل ہوگیا مگر وہ جب حران میں مقیم تھا تو سخت
گیا اور زندگی کی توقع نہ رہی۔ شخصی حکومتوں میں بادشاہ وقت کے بیمار
ی تخت و تاج کے دعویدار اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے حق میں زمین
رنا شروع کردیتے ہیں۔

پس ادھر جب سلطان اپنی زندگی سے مایوس ہوا تو اس بات کا بہت افسوس
اس نے اپنے کسی بیٹے کو بھی کسی علاقہ کا مستقل اور خود مختار حاکم مقرر

نہیں کیا۔ سلطان کے بعض دوستوں نے بھی اس کی اس طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ سلطان نے اپنے فرزند ملک العزیز عثمان کو مصر کا خود مختار حاکم بنا کر بھیجا اور مصر سے اپنے بھتیجے تقی الدین اور بیٹے ملک الافضل کو اپنے پاس بلوایا مگر تقی الدین نے دمشق جانے سے انکار کردیا۔ تقی الدین کا ایک غلام قراقوش تھا جسے اس نے آزاد کردیا تھا۔ اس نے شمالی افریقہ کے علاقہ طرابلس اور جرید کو فتح کیا تھا اور ان پر قابض تھا۔ تقی الدین کا ارادہ تھا کہ وہ بھی افریقہ چلا جائے گا۔

سلطان کو تقی الدین کی مخالفت اور حکم عدولی کی اطلاع ملی تو اسے بہت افسوس ہوا۔ تقی الدین کا بھائی عزالدین فرخ شاہ تو سلطان کا دست راست تھا اس کا پہلے ہی انتقال ہوچکا تھا۔ تقی الدین پر بھی سلطان کم و بیش فرخ شاہ ہی کی طرح اعتبار کرتا تھا۔ چنانچہ سلطان نے تقی الدین کو ایک پیار بھرا خط لکھا اور سلطنت کے لئے اس کی خدمات کو سراہا۔ تقی الدین دل سے سلطان کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اس خط موصول ہوتے ہی دمشق آگیا۔ سلطان نے اسے حمات، منبج، معرہ، کفرتاب، جبل جوز اور اس کے تمام علاقوں کی حکومت عطا کردی۔ اس سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس وقت تقی الدین جسے سلطان نے مصر کا حاکم مقرر کیا تھا اس کو سلطان کی بیماری اور اس کے ساتھ اس کی موت کی اطلاع ملی تو اس نے خود سلطان بننے کا ارادہ کیا۔ اس نے لوگوں کے سامنے یہ جواز پیش کیا کہ سلطان صلاح الدین پہلے مصر کے حاکم تھے پھر انہیں دمشق کی حکومت ملی تھی اس لئے ان کے بعد میں مصر کا حاکم ہونے کی وجہ سے سلطنت دمشق کا حقدار ہوں۔

یہ خبر سلطان تک پہنچی تو انہوں نے اپنے معتمد ترین امیر فقیہ عیسیٰ ہکاری کو مصر روانہ کیا۔ فقیہ عیسیٰ کی بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا تھا۔ ان کا حکم سلطان کا حکم سمجھا جاتا تھا۔ سلطان نے فقیہ عیسیٰ سے کہہ دیا تھا کہ وہ تقی الدین کو مصر سے نکال کے وہاں خود قیام کریں۔ فقیہ عیسیٰ ہکاری بڑی خاموشی سے مصر پہنچے۔ وہ رات کے وقت پہنچے تھے اس لئے انہوں نے رات ایک کارواں سرائے میں گزاری۔ پھر صبح کو جب تقی الدین دربار لگائے بیٹھا تھا تو اچانک دربار میں پہنچے۔

تقی الدین انہیں دیکھ کے پاس ادب سے کھڑا ہوگیا۔

فقیہ عیسیٰ نے اس سے سوال کیا۔ "تقی الدین تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

الدین اور مصریوں کو اس وقت تک یہی علم تھا کہ (خدانخواستہ) سلطان ین کا انتقال ہوگیا ہے۔

ین نے اسی خیال کے تحت اپنا مقدمہ یا حق فقیہ صاحب کے سامنے تے ہوئے کہا۔

"قیہ محترم یہ تو آپ تسلیم کریں گے کہ خاندان ایوبی کی نوجوان نسل میں دمشق کے لئے میری خدمات سب سے زیادہ ہیں۔"

یہ عیسیٰ نے جواب دیا۔

"چلو یہ تسلیم کرلیا مگر۔۔۔۔"

"مگر اس کا جواب میں بعد میں دوں گا۔" تقی الدین عیسیٰ ہکاری کی بات وئے کہا۔ "آپ بھی یہ تسلیم کریں گے کہ تمام بڑی بڑی جنگوں میں لیا۔"

"یہ بھی تسلیم مگر۔۔۔"

تقی الدین نے پھر بات کاٹی۔ "فقیہ محترم پہلے مجھے عرض کرلینے دیجئے پھر ب دوں گا۔" پھر تقی الدین نے ذرا رک کے کہا۔ "تیسری بات یہ کہ کئی رکوں پر مجھے سرداری اور سپہ سالاری کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ اعزاز اس ک صرف تین افراد کو حاصل ہوا۔ ایک شمس الدولہ توران شاہ جس نے کیا۔ دوسرا میرا بھائی عزالدین فرخ شاہ جسے دمشق کی گورنری بھی حاصل ی اور تیسرا میں یعنی تقی الدین بن نورالدولہ شاہاں شاہ بن نجم الدین شمس الدولہ توران شاہ اور عزالدین فرخ شاہ کا انتقال ہوچکا ہے۔ اس ل میں سلطنت کے وارثوں میں سب سے افضل ہوں۔ چوتھی بات جس کا ایت اور دستور ہے وہ یہ کہ سلطان صلاح الدین پہلے مصر کے حاکم تھے نہ دمشق کی سلطنت حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت سلطنت دمشق کے سب ے صوبہ اور علاقہ مصر کا میں حاکم ہوں اس لئے بھی مجھے دمشق کے تخت ا وارث ہونے کا حق پہنچتا ہے۔"

قیہ عیسیٰ نے بڑے تحمل سے تقی الدین کی دلیلیں سنیں جب وہ چپ ہوا تو

"تم اپنی کہانی سناچکے یا ابھی کچھ اور کہنا ہے۔"

"ی حال میں سب کچھ کہہ چکا اب آپ انصاف فرمائیے۔" تقی الدین نے

بڑی امیدوں سے کہا۔

"انصاف۔" فقیہ عیسیٰ ہکاری نے تلخی سے جواب دیا۔ "کس بات کا ا
چاہتے ہو؟"

تقی الدین نے وضاحت کی۔ "یہی کہ میں خاندان ایوبیہ میں سلطنت
سب سے بڑا حق دار ہوں۔"

"سنو تقی الدین۔" فقیہ کے لہجے میں اور تلخی آگئی۔ "اگر انصاف چاہتے
تو سنو تم دروغ گو اور جھوٹے ہو۔"

اس وقت دربار میں مصری امراء اور سرداروں کے علاوہ بعض قدیم ا
نوریہ بھی موجود تھے جو سلطان صلاح الدین کے مصر سے دمشق منتقل ہونے
وقت مصر میں ہی رہ گئے تھے۔ انہوں نے فقیہ عیسیٰ ہکاری کے تیور اور تل
کو محسوس کیا تو گھبراگئے۔ خود تقی الدین کو پسینہ آگیا۔ اس نے کھسیائے
میں کہا۔

"عالی مقام فقیہ عیسیٰ ہکاری۔ آپ میرے بزرگ ہیں میں آپ کا حکم
سکتا ہوں لیکن آپ نے سردربار مجھے دروغ گو اور جھوٹا کہہ کے میری توہی
ہے۔ میں نے کون سی غلط بات کہی کیا جھوٹ بولا؟"

"تمہارے جھوٹا ہونے کی صرف یہی دلیل کافی ہے کہ تم نے سنی سنائی
پر کان دھرے اور ان پر بغیر تحقیق کے یقین کرلیا۔" فقیہ عیسیٰ ہکاری کو
آگیا تھا اور ان کے ہونٹ پھڑ پھڑانے لگے تھے۔

تقی الدین اور درباریوں کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ فقیہ عیسیٰ ہکاری
سنجیدہ اور ثقہ قسم کے انسان ایک بالکل عام لہجہ میں گفتگو کررہے اور حاکم
پر ایک سنگین الزام لگارہے تھے۔

تقی الدین کو بھی غصہ آگیا تھا لیکن اس نے ضبط سے کام لیا اور ادب
بولا۔

"فقیہ محترم میں بالکل نہیں سمجھ سکا کہ سلطنت دمشق پر اپنا دعویٰ اور
ثابت کرنا کس طرح جھوٹ ہے اور میں نے کسی سنی سنائی بات پر کان دھ
ہیں۔"

"تقی الدین تمہاری بہادری کی میں قدر کرتا ہوں لیکن تم ایک ایسی سلط
اور تخت و تاج کے دعویدار ہو تم سے زیادہ شجاع اور عالی دماغ ہے۔"

ہکاری نے اپنی سانس ٹھہرائی اور کہا۔ "تقی الدین تمہاری اس گستاخی کی سزا
یہ ہے کہ تم سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے قاہرہ کی حدود سے نکل جاؤ۔"
تقی الدین سناٹے میں آگیا اور درباریوں کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل

تقی الدین نے ایک جھرجھری لے کر خود کو سنبھالا اور مضبوط لہجے میں
"فقیہ محترم آپ مجھے کس حیثیت سے قاہرہ بدر ہونے کا حکم دے رہے
کیا آپ کو علم نہیں کہ میں صوبہ مصر کا گورنر ہوں مجھے سلطان صلاح
ایوبی اپنے ایک فرمان کے ذریعہ مصر کی امامت عطا کی تھی۔"
فقیہ ہکاری نے بھی اتنے ہی مضبوط لہجے میں جواب دیا۔
"تقی الدین جس سلطان دمشق نے تمہیں مصر کا امامت کا پروانہ جاری کیا
سلطان دمشق نے تمہیں امامت سے معزول کرکے مجھے مصر کی گورنری پر
فرمایا ہے اس لئے اس وقت مصر کا گورنر تم نہیں میں ہوں۔"
"مگر آپ کو کس سلطان دمشق نے مصر کی گورنری عطا کی ہے؟" تقی الدین
یرانی سے سوال کیا۔
"اے نادان تقی الدین مجھے اس سلطان نے گورنری دی ہے جس نے تم
اعزاز چھین لیا ہے۔ اگر اب بھی نہیں سمجھ سکے یا سمجھنے سے قاصر ہو تو
دمشق کا ایوبی سلطان صلاح الدین پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔" فقیہ
نے انتہائی غصہ سے جواب دیا۔
"لیکن سلطان کا تو انتقال ہوچکا ہے۔" تقی الدین نے فوراً کہا۔
قیہ عیسیٰ نے فوراً تلوار کھینچ لی اور چیخ کر کہا۔
"او گستاخ تقی الدین اگر تونے اب میرے سامنے سلطان کو مردہ کہا تو میں
بان کھینچ لوں گا۔"
تقی الدین گھبرا گیا اور بولا۔ "بزرگ محترم کیا میں نے جو کچھ سنا وہ جھوٹ

"وہ تو جھوٹ تھا ہی مگر تو سب سے بڑا جھوٹا ہے جس نے بغیر تحقیق کئے
اہ پر یقین کرلیا۔"
"مجھے معاف کردیجئے بڑی غلطی ہوئی مجھ سے۔" تقی الدین گڑگڑانے لگا۔"
"جا بس تیری یہی سزا ہے کہ فوراً قاہرہ سے نکل جا۔" فقیہ عیسیٰ ہکاری

پر اب تک غصہ سوار تھا۔ "مجھے معلوم ہوتا کہ تم کان کے اتنے کچے ہو اور تمہاری نادانی کا یہ عالم ہے تو میں تمہیں مصر کا حاکم بنانے کی سخت مخالفت کرتا۔ شکر کرو تقی الدین کہ سلطان نے صرف تمہیں مصر کی گورنری سے معزول کیا ورنہ اگر انہوں نے مجھے سزا دینے کا اختیار دیا ہوتا تو میں تمہارا بڑا برا حشر کرتا۔"

تقی الدین اس کے حواریوں اور تمام درباریوں نے سن لیا کہ خود سلطان نے تقی الدین کو امامت مصر سے معزول کردیا ہے تو ان کی نظریں خود پھر گئیں اور تقی الدین کو غروب آفتاب سے قبل قاہرہ چھوڑ دینا پڑا۔

تقی الدین قاہرہ کی سرحد سے نکل آیا لیکن اب سوال یہ تھا کہ وہ جائے تو جائے کدھر جائے۔ سلطان اس کے خلاف ہوگیا تھا اس لئے اسے کسی جگہ پناہ ملنے کی امید نہ تھی۔ اس کے لئے سوائے اس کے کوئی چارا نہ تھا کہ وہ سلطان کی نظروں سے دور رہ کے اس وقت کا انتظار کرے جب سلطان اسے معاف کریں۔ چنانچہ وہ تقی الدین نے قاہرہ کی سرحد پار کرکے ایک مقام پر اپنا خیمہ نصب کیا اور وہیں رہنے لگا۔

پھر یہ بات پورے شہر قاہرہ میں مشہور ہوگئی کل کے گورنر تقی الدین کو سلطان نے معزول کرکے شہر بدر کردیا ہے اور اب وہ قاہرہ سے باہر ایک خیمہ میں تنہا پڑا ہوا ہے۔ سلطان کے خوف کی وجہ سے کوئی اس کے پاس نہیں پھٹکتا۔

روایت ہے کہ مصر کے پرچہ نویس (شاہی جلوس) نے دربار دمشق میں پرچہ لگایا کہ تقی الدین معتوب اور مردود ہوکے قاہرہ کے باہر اکیلا ایک خیمہ میں پڑا ہے اور انتظار کررہا ہے کہ شاید کسی وقت کرم سلطانی کا کوئی ایسا بادل اٹھے جو دمشق سے اڑ کر قاہرہ پہنچے اور تقی الدین کے خیمہ پر اس طرح برسے کہ اس کے تمام دلدر دور ہوجائیں۔ سلطان نے پرچہ نویس کی اس اطلاع پر فوراً ہی تقی الدین کو معاف کردیا اور اس سے ایک پیار سے بھرا خط لکھ کر دمشق بلوالیا۔

یہ تو خیر مصر کی بات تھی جو ملک شام سے ہزاروں میل دور تھا مگر سلطان کچھ اس قدر شدید بیمار ہوا تھا کہ خود سلطان کے پاس رہنے والے بھی اس کی زندگی سے مایوس ہوگئے تھے۔ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ سلطان پر بیماری کا دورہ اس وقت پڑا تھا جب وہ حراں میں مقیم تھا۔ اس وقت سلطان کے ساتھ ان ۲

ک العادل اور ایک بیٹا ملک العزیز عثمان موجود تھا۔ ان دو کے علاوہ سلطان زاد بھائی ناصرالدین محمد بن شیرکوہ بھی سلطان کے پاس تھا۔

شیرکوہ کے نام سے کون واقف نہیں۔ صلاح الدین کو صلاح الدین بنانے کا چچا اسد الدین شیرکوہ ہی تو تھا۔ شیرکوہ، صلاح الدین کو جو ان دنوں دمشق میں مذہبی کتب کا گہرا مطالعہ کررہا تھا اپنے ساتھ زبردستی مصر کے لے گیا تھا اور مصر کے اس محاذ نے جس میں صلاح الدین بادل ناخواستہ ا تھا سلطان کی قسمت کے دریچے کھول دئے۔ پہلے اس چھوٹے چھوٹے میں اپنی تلوار صاف کی اور شمشیر زنی کا سکہ بٹھایا پھر اسکندریہ کے محاذ پر اپنی جنگی حکمت عملی اور شجاعت کی بدولت اس شہنشاہ روم کے بحری بیڑے بھگایا تھا۔

نے کا مقصد یہ ہے کہ اگر امیر اسد الدین شیرکوہ صلاح الدین کو زبردستی اتھ مصر نہ لے جاتا تو وہ صلاح الدین تو رہتا مگر سلطان صلاح الدین نہ۔ مرحوم سلطان نورالدین زنگی نے اس عظیم جنرل اور سپہ سالار کے بیٹے ین محمد کو اس کے باپ کے انتقال پر حمص اور رحبہ کا علاقہ دے دیا تھا طان صلاح الدین نے اپنے دور میں بھی بحال رکھا تھا بلکہ اس میں اور ا اضافہ کردیا تھا۔

ریہ ناصر الدین محمد بن شیرکوہ ایسا احسان فراموش نکلا کہ جب حراں میں بار ہوئے اور ان کی بیماری نے طول کھینچا تو ناصر الدین حراں سے حلب وہاں کے امراء سے مل کے انہیں اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی رگ سلطان کی وفات کے بعد اسے بادشاہ بنائے جانے کی حمایت کریں۔

طان کے ایک دوست اور وفادار امیر ناصر الدین کی باتیں سنیں تو اسے ۔ اس نے ناصر الدین کو ٹوک دیا۔

میر زادے اللہ اللہ کیجئے خدا ہمارے سلطان کو ہمارے سروں پر قیامت ر رکھے۔ آپ کو ان کی زندگی ہی میں اپنی بادشاہت کی فکر پڑ گئی۔"

رالدین خجل ہوگیا بولا۔ "میں ابھی کی بات نہیں کررہا ہوں میرا مطلب ر خدانخواستہ سلطان۔۔۔۔"

پ ہوجایئے امیر زادے۔" امیر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آپ کو زندگی کی دعا مانگنی چاہئے۔"

"امیر محترم میرا یہ مقصد نہیں کہ خدانخواستہ۔۔۔۔"
"امیر زادے۔" وفادار امیر چیخ پڑا۔ "آپ امیر کے لئے خدانخواستہ کے الف
نہ استعمال کیجئے بلکہ دعا کیجئے کہ ان کا سائیہ ہم پر ہمیشہ برقرار رہے۔"
"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" ناصر الدین محم
شیرکوہ شرمندہ ہوگیا۔ "میری یہی دعا ہے کہ خدا تعالٰی ہمارے سلطان کو ہمیشہ ز
رکھے۔"
اب آپ نے درست فرمایا۔ امیر زادے ہمیں سلطان کی زندگی میں ان
بارے میں کسی قسم کی بدگمانی نہ ہونا چاہئے اور نہ افواہوں پر توجہ دینا چاہ
افواہ تو آخر افواہ ہی ہوتی ہے۔ اسے حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔
وفادار امیر خوش ہوگیا بولا۔
"اب آپ نے اس سلسلے میں حلب کے کچھ اور امیروں سے بھی گفتگو
اور ان کے تعاون کی خواہش کا اظہار کیا مگر انہوں نے اسے مثبت جواب
دیا۔ ناصر الدین شاید ضدی طبیعت کا انسان تھا۔ کسی طرف سے بھی تعاو
وعدہ نہ ہونے کے باوجود اس نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ وہ حلب سے
حمص پہنچا۔ وہاں اس نے اپنے امراء سے تعاون کی اپیل کی۔ وہ اس کے
تھے پھر انہوں نے بہت بے دلی سے ناصر الدین کی حمایت پر آمادگی کا اظہار
ناصرالدین نے محسوس کرلیا کہ اس کی کامیابی تقریباً" ناممکن ہے لیکن ا
اس پر سلطان دمشق ہونے کا بھوت سوار ہوگیا تھا دوسرے اسے یہ بھی غلط
تھی کہ وہ امیر اسد الدین شیرکوہ کا بیٹا ہے۔ لوگ اس کے نسبی تعلق کی
اس کا ضرور ساتھ دیں گے۔ بس اس نے اپنی تگ ودو کا سلسلہ دارال
دمشق تک پہنچایا اور وہاں کے امیروں کو خط لکھ کر ان کے تعاون کی کوشش
لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سلطان پر فدائیوں کی طرف
قاتلانہ حملے ہوچکے تھے اور سلطان پھر بھی زندہ تھے جو کسی عجوبے سے
تھے۔ اس لئے کہ ظالم فدائیوں کے خنجر کبھی خطا نہ کرتے تھے مگر سلطان
الدین کے معاملہ میں قاتلوں کی تمام مہارت اکارت ہوگئی اور اس پر حملہ
والے خود ہی مقتول ہوگئے۔ خدا نے صلاح الدین کو اس لئے پیدا نہیں کیا
وہ بے دین فدائیوں کے ہاتھ سے قتل ہو یا بیماری اس کی زندگی کا
کردے۔ وہ تو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ یہ مقصد صلا

شور سے شعور کی سطح تک آگیا تھا اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ
نزہ سال سے خود کو تیار کررہا تھا۔
ناصر الدین کے اس رویے سے بعض امراء نے اسے برا بھلا کہا بعض مسکرا
رہ گئے اور کچھ لوگوں نے محض اس کا دل رکھنے کے لئے اسے اپنی حمایت
دلایا مگر قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ سلطان عالی مقام کو خدا نے شفا
ئی۔ جس روز اس نے غسل صحت کیا وہ بقر عید کی رات تھی اسی رات
رالدین بادشاہی کا ارمان لئے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوگیا ایسے ہی
کے لئے کہا گیا ہے کہ جس اللہ رکھے اسے کون چکھے۔
سلطان کو اگرچہ ناصرالدین کے ارمانوں اور ارادوں کا علم ہوگیا تھا لیکن اس
نے اس کے بیٹے کے پاس حمص اور رحبہ کا علاقہ بحال رکھا اور وہ شیر
ی کے نام سے سلطان کے زیر سائیہ حمص کا حاکم مقرر ہوا۔

1183ء (579ھ) میں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر مجوزہ حملے کا وہ واقعہ
جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ شام کے فرنگی فرمانرواؤں
الی کرک ریجی نالڈ (پرنس ارطاط) مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ یہ
طبیعت اور فتنہ پرور ذہن کا مالک تھا اور ہمیشہ اس دھن میں لگا رہتا تھا کہ
طرح عافیت پسند مسلمانوں کو دکھ دے۔ مسلمان قافلوں پر حملہ کرنا اور مکہ
جانے والے حاجیوں کو تنگ کرنا اس کا من پسند مشغلہ تھا۔
قلعہ کرک کا ریجی نالڈ شام کے صلیبیوں (فرنگیوں) کو مسلمانوں کے خلاف
کایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی مسلم دشمنی اس حد کو پہنچ گئی کہ اس نے
کیا کہ وہ مردود اپنی قوت سے مسلمانوں کے خدا کا گھر یعنی خانہ کعبہ اور
کے رسولؐ کا روضہ یعنی مدینہ منورہ کو (نعوذ باللہ) پیوند خاک کردے گا
لم قوم ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے ! ور ان کی آن و بان شرم و خجالت کا
ار کرے۔
جی نالڈ نے اپنے اس ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے ایک سال پہلے بھی
کی تھی لیکن بعض دشواریوں کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہوسکا تھا پھر اگلے
اس نے پھر ارادہ باندھا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کے لئے حملہ
و قلزم سے گزرنا تھا اور اس سمندری سفر کے لئے ریجی نالڈ کو بحری

بیڑوں کی ضرورت تھی۔ قلعہ کرک اور بحیرہ قلزم کے درمیان ریگستان واقع
جس پر عرب بدو قبیلے قابض تھے اور انہیں ساتھ ملائے بغیر اس کا لشکر بحر ق
تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے اس دغاباز نے ایک طرف تو ایسے
بنانے کا حکم دیا جن کے ٹکڑے الگ ہوسکتے تھے اور ضرورت کے وقت انہیں
کر جہاز مکمل کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ کرک میں بڑی خاموشی سے اس طرح کے
بننے شروع ہوگئے۔ دوسری طرف ریجی نالڈ نے عرب بدوؤں کو رشوت دے
اس امر پر راضی کرلیا کہ وہ نہ صرف ریجی نالڈ کی فوج کو ریگستان سے گذ
دیں گے بلکہ لشکر کے سامان کو کرک سے ساحل قلزم تک پہنچانے میں ا
مدد کریں گے۔

یہ دونوں کام اس قدر خاموشی سے ہوئے کہ مسلمانوں کو اس کی کانوں
خبر نہ ہوسکی۔ جب جہاز تیار ہوگئے تو ریجی نالڈ ان جہازوں کو الگ الگ
میں تقسیم کرکے خلیج عقبہ لے آیا۔ اس کام میں اسے بدوؤں کی مدد حاصل
پھر اس نے افریقی ساحل کے بندر گاہ ایلہ کے کچھ جہازوں سے ناکہ بند
اور باقی جہازوں کو جوڑ کے ان پر نصرانی لشکر کو سوار کرایا اور بحر قلزم کی
بندر گاہ عیذاب کو تباہ کرنے روانہ کیا۔ یہ بحرہ قلزم میں اتنی بڑی
جراتمندانہ کارروائی تھی کہ چھپی نہ رہ سکی اور اس کی خبر قاہرہ تک پہنچ گئی

اس حیرت انگیز خبر سے قاہرہ اور اسکندریہ والے ششدر رہ گئے۔ ا
حیرانگی کو ہسپانوی عرب ابن جبیر کے الفاظ میں سنئے۔ ابن جبیر ان دنوں اس
میں موجود تھا۔ وہ لکھتا ہے۔

1183ء میں ریجی نالڈ کی مہم کے کچھ قیدی اسکندریہ لائے گئے۔
قیدیوں کو اونٹوں پر بٹھایا گیا تھا یعنی ان کے منہ اونٹوں کی دم کی طرف
انہیں رسیوں سے باندھا گیا تھا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر نصرانی حملہ
سے مصریوں میں جو اضطراب پیدا ہوا تھا۔ اس کی مثال تاریخ میں نہیں
لوگ ایک دوسرے کو ٹکڑوں میں واقعات سناتے تھے اور شدت جذبات
کے جسم کانپتے تھے۔

ایک مصری نے دوسرے کو بتایا۔ "میں نے سنا ہے کہ ملعون نصرانیو
ریگستان کے بدوؤں کو رشوت دے کر اس بات پر رضا مند کیا تھا کہ وہ ا

بحر قلزم تک پہنچنے کے لئے راستہ دیدیں۔"

دوسرے نے انکشاف کیا۔ "دراصل وہ جہاز نہیں تھے بلکہ جہازوں کے
ٹکڑے تھے جنہیں بدوؤں کی مدد سے ریگستان پار کرکے بحر قلزم تک لایا گیا
ا اور وہاں انہیں جوڑ کے جہاز تیار کئے گئے۔"

تیسرے نے ایک اور خبر سنائی۔ "میں نے تو یہ سنا ہے کہ ظالم نصرانیوں نے
سلمانوں کے سولہ جہازوں میں آگ لگا کر انہیں سمندر میں غرق کردیا تھا۔"

وہ خاموش ہوا تو کسی اور نے ایک اور انکشاف کیا۔ "ان کافروں نے جدہ
قریب حاجیوں کا ایک جہاز بھی پکڑ لیا تھا۔ وہ عیذاب (بندر گاہ) پر بھی
ے تھے اور جدہ سے آنے والے ایک مسلمان قافلہ کو گرفتار کرکے ان کا قتل
ام کیا تھا۔ انہوں نے یمن سے آنے والے ان دو جہازوں پر بھی قبضہ کرلیا جو
انہ کعبہ کے لئے سامان لارہے تھے۔"

اور آخر میں ایک بوڑھے مصری نے سرد آہ کھینچ کے کہا۔ "دراصل نصرانی
شاہ اس وجہ سے ملک عرب گیا تھا کہ مدینہ منورہ کو لوٹے اور تاراج کرے پھر
نہ رسول سے حضور پاکؐ کے جسم اطہر کو باہر نکالے۔"

پھر اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور بولا۔ "کیا اس سے پہلے کسی نے ایسی
ہت ناک خبر سنی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے امیر البحر لولو کو وقت پر
یج دیا اور اس کے تیز رفتار جہازوں نے کافروں کے ٹکڑے ٹکڑے کردئے۔"

یہ تو ابن جبیر کا تجزیہ ہے۔ تاریخ میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی
ا ہے کہ ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر فوج کشی کا مقصد اس لئے کیا تھا
مدینہ منورہ میں روضہ رسولؐ منہدم کرکے حضورؐ کے جسم اطہر کی بے حرمتی
ے اور خانہ کعبہ کو زمین دوز کردے۔ اس کے لئے اس نے ایسے جہاز تیار
ائے جن کے ٹکڑے ہوسکتے ہیں۔ ان ٹکڑوں کو وہ کرک سے خلیج عقبہ لے
یلہ وہاں اس نے ٹکڑوں کے بحری بیڑہ تیار کیا اور عیذاب کو لوٹنے چلا۔ اس
چند جہازوں کے ذریعہ ایلہ کا آبی راستہ بھی بند کردیا۔

اس کی اطلاع جب مسلمانوں کو پہنچی تو ان کا بحری بیڑہ فوراً حرکت میں
یلہ اس بیڑے کا امیرالبحر لولو تھا۔ امیر البحر لولو پہلے ایلہ کا بحری راستہ کھولا پھر
اپنے بیڑے کو "الحورا" تک لے گیا جو بحرہ قلزم کی ایک چھوٹی بندرگاہ تھی۔
انکل نے مسلمانوں کے بحری بیڑے کو آتے دیکھا تو جہازوں سے اتر کر پہاڑوں

کی طرف بھاگے اور پہاڑوں اور جھاڑیوں میں جا چھپے۔

مسلمان بھی ساحل پر پہنچ کے جہازوں سے اترے۔ لولو نے بدوؤں
گھوڑے خریدنے کا حکم دیا۔ گھوڑے جمع ہو تو لولو نے فوجیوں کو گھوڑوں پر
کرایا اور دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ نصرانی غاروں اور باغوں میں
ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے ایک ایک ڈھونڈ نکالا۔ ان میں بیشتر کو قتل کردیا گ
اسکندریہ بھیج دیئے گئے۔ یہ وہی قیدی تھے جنہیں ابن جبیر نے اسکندریہ
دیکھا تھا۔ نصرانی بادشاہ یعنی فرمانروائے کرک اس دارو گیر میں اپنی جان بچا ک
گیا۔

ریجی نالڈ فرمانروائے کرک کو اپنی جسارت کی کافی سزا مل گئی تھی لی
واقعہ ایسا نہ تھا جسے سلطان صلاح الدین نظر انداز کردیتا۔ سلطان نے فیصلہ
وہ نصرانیوں کو اس بیباکی کی ضرور سزا دے گا۔ اس نے حلب کے قیا
دوران فوجیوں کو گھر جانے کی اجازت دے دی تھی لیکن اسے ان کی بھ
ضرورت پڑگئی اور انہیں واپس بلالیا گیا۔ اس کے علاوہ سلطان نے اپنے ز
تمام علاقوں کے حاکموں کو فوج لے کر دمشق پہنچنے کا حکم دیا۔

پھر آغاز سرما میں سلطان اپنا لشکر لے کر ریگستان کے راستے جنوب ک
روانہ ہوا۔ اسلامی لشکر نے فوار سے گزر کر دریائے اردن عبور کیا اور
کے زرخیز علاقہ کو تاراج کرتا ہوا بیسان میں داخل ہوا۔ بیسان والے اسلا
کی خبر سن کر پہلے ہی شہر چھوڑ بھاگ گئے تھے۔ وہاں سے سلطان وادی
پہنچا پھر کلبوا کے دامن میں بیرجالوت کے قریب خیمہ زن ہوا۔ اس عل
سلطان کے ایک گشتی دستہ سے فرینکس (نصرانی) کی اس فوجی جماعت سے
ہوگئی جو کرک سے صفوریہ کی مرکزی فوج کے پاس جارہی تھی۔ مسلما
فرینکس کو شکست دی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کا صرف ایک سوار شہید ہ

اس شکست کی خبر جب گائی لسگنن کو جو بالڈون کی بیماری کے ز
کمان سنبھالے ہوئے تھا پہنچی تو وہ اپنی فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مق
لئے چلا۔ اس نے نصارت کی پہاڑیاں پار کیں اور ایسڈران کے می
آیا۔ پھر وہ الفولا کی طرف بڑھا جہاں سلطان صلاح الدین کے لشکر سے
مقابلہ ہوا۔

آرچر کا بیان ہے کہ:۔

ے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ فلسطین میں اس سے زیادہ صلیبی کبھی جمع نہ
تھے۔ ایک ہزار تین سو نائٹس اور پندرہ ہزار سے زیادہ مسلح سپاہی تھے۔
یورپ کے بڑے بڑے حکمراں بھی شامل تھے۔ ہنری یووین کا ڈیوک،
رالف، اس کے علاوہ شام کے بڑے بڑے مسیحی رئیس گائی، ریجی نالڈ
، عبلین کا بالیاں، میداکا، قیاریہ کا والٹر اور کورنتی جوسلین وغیرہ تھے۔
نصرانیوں کی اس تیاری کے پیش نظر سلطان صلاح الدین بھی عین جالوت
ولا (الفوکہ) پہنچا۔ اس مقام پر سلطان کے پانچ سو سواروں نے جو ہراول
ں شامل تھے نصرانی لشکر میں طوفان برپا کردیا۔ ایک دستہ دشمن کے پورے
ے بھڑ جانا ہی ایک حیرت انگیز بات تھی۔ ظاہر ہے نصرانی لشکر کے مقابلہ
سوار صرف داد شجاعت ہی دے سکتے تھے۔ انہوں نے کمال شجاعت کا
لیا مگر دشمن کی نیزہ بردار صفوں میں نہ گھس سکے۔ آخر دونوں لشکروں نے
دوسرے کے مدمقابل توبانیا اور جالوت پر اپنے لشکر اتارے۔ یہ دونوں
ایک دوسرے سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر تھے۔

نوں لشکر پانچ دن تک ایک دوسرے کے مقابل پڑے رہے۔ صفوریہ سے
لا یہ نصرانی لشکر بڑے طمطراق سے آیا تھا اور خیال تھا کہ وہ آتے ہی
لشکر پر حملہ آور ہوگا لیکن پتہ نہیں وہ آپس میں کیا کھچڑی پکاتے رہے۔
نے اس وقفہ سے پورا فائدہ اٹھایا اور سطح مرتفع پر قبضہ کرلیا۔ پھر سلطان
ن کے گرد لشکر پھیلا کر اس کے فرار کا راستہ بند کردیا۔ اس دوران
سوداگر وینس اور لمبارڈی سے آنے والوں نے نصرانی لشکر میں اضافہ کردیا
یہ سوداگر اپنے جہاز کو چھوڑ کر صلیبی جنگوں میں شرکت کے لئے وہاں پہنچ
ے۔

کر کی اس کثرت کے باوجود نصرانی دبکے بیٹھے رہے۔ سلطان نے انہیں
ل نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن نصرانی مقابلہ پر نہ نکلے۔ رسد کا
ند ہوجانے سے نصرانی لشکر میں قحط سا پیدا ہوگیا۔ مدد کو آنے والے ان
انے اور زیادہ مصیبت کھڑی کردی۔ یہ سوداگر پرجوش تو تھے لیکن نہ
تھیار باندھنے کی عادت تھی اور نہ وہ تکلیف برداشت کرسکتے تھے۔ وہ بہت
ل محاصرے سے تھک گئے۔ غذائی صورت حال نے انہیں اور زیادہ
کردیا۔

اکتوبر کا مہینہ آگیا تھا اور برسات کا موسم شروع ہونے والا تھا۔ واضح
کہ یہ بحرروم کی آب و ہوا کا علاقہ تھا اور اس آب و ہوا کی یہ خاصیت
کہ بارش موسم سرما میں ہوتی ہے۔ سلطان جنگ کا فیصلہ بارش سے پہلے چاہ
لیکن دشمن کسی صورت میں میدان میں آنے پر تیار نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ
نیت صاف ہو اور ارادہ میں خلوص ہو تو جنگ کے موقعوں پر اکثر تائید
حاصل ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو تائید غیبی کا پہلے بھی تجربہ ہوچکا تھا۔

پس ایسا ہوا کہ نصرانی لشکر میں شامل ہونے والوں نے قحط اور محاصر
گھبرا کر بھاگنا شروع کردیا۔ سلطان نے انہیں باہر نکالنے کے لئے ایک
راستہ کھول دیا تھا۔ جب بھگدڑ مچی تو کیا سوداگر اور کیا لشکری سب ہی
لگے۔ دوسری طرف مسلمان اس راستہ کو دور تک گھیرے ہوئے تھے۔
سلطان کے تیر اندازوں نے ان بھاگنے والوں کا تعاقب کیا۔ نصرانی بھاگتے رہے
تیر ان پر برستے رہے۔ اس طرح یہ بھگوڑے بڑے شرمندہ اور خجل ہوکر
واپس آئے۔ یہ وہی مقام تھا جہاں سے ایک ہفتہ پہلے وہ بڑی شان سے
باندھ کر مسلمانوں کو تباہ کرنے روانہ ہوئے تھے۔

اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد سلطان نے کرک کا رخ کیا۔ ریجی
حاکم کرک مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ وہ فریبی اور دغاباز بھی تھا۔
کرک کو تباہ کرکے اس مسلم دشمن کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ ایک روایت کے
کرک پر حملہ کے وقت سلطان کے ساتھ مصری فوج بھی تھی جس کی کمان
کا بھائی ملک العادل کے ہاتھ میں تھی۔ یہ قلعہ کرک کی فصیل بہت مضبو
اس کے گرد ایک گہری فصیل بھی تھی۔ سلطان نے سات منجنیقوں سے قل
سنگباری شروع کرائی مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ اسی دوران جاسوسوں نے اطلاع
دشمن کے لئے فوجی کمک آرہی ہے۔ چنانچہ سلطان محاصرہ اٹھاکر دمشق
ہوگیا۔

چند ماہ بعد سلطان نے کرک پر دوبارہ فوج کشی کی۔ سلطان کا مزاج
برہم تھا۔ جب تک کرک پر قبضہ نہ ہوتا سلطان کو چین نہیں آسکتا تھا
طرح کرک کے خلاف چار مرتبہ فوج کشی کی گئی مگر کامیابی نہ ہوسکی۔ سلطا
بار ناکام ہونے کے بعد پہلے سے زیادہ عزم کے ساتھ حملہ کرتا لیکن
منجنیقوں کی سنگ باری کا کوئی اثر نہ ہوتا اور سلطان کو کسی نہ کسی وج

اٹھاکر دمشق واپس جانا پڑتا۔

شیخ سعدی نے کسی جگہ ایک شعر میں کہا ہے کہ ایک مرتبہ دمشق میں ایسا
پڑا کہ لوگ عشق کرنا بھی بھول گئے۔ جنگ کے زمانہ میں بھی کچھ اس طرح
کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ لوگ سہمے سہمے اور ڈرے ڈرے رہتے ہیں۔ سلطان
صلاح الدین کی زندگی کا یہ دور ایک مسلسل جنگ کا دور تھا اور لوگوں کو سوائے
تیاریوں کے عشق عاشقی یا شادی بیاہ کا خیال ہی نہ آتا تھا لیکن نصرانیوں کی
حالات اس کے برعکس تھے۔

پس کرک پر پانچویں بار فوج کشی کے دوران کرک میں ایک عظیم شادی کا
منایا جارہا تھا۔ شاہ یروشلم کی سوتیلی بہن شہزادی ازابیلا کی شادی ھفرے
ٹورون چہارم کے ساتھ ہورہی تھی۔ پورے شہر میں چراغاں تھا اور خوشیاں
جارہی تھیں۔ لوگ رنگ رلیوں میں مشغول تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے
اور شہر کرک والوں کو جنگ یا محاصرہ کی کوئی فکر نہ تھی۔ اس دور میں قلعہ
شہر الگ الگ ہوتے تھے اور دونوں کے گرد سنگی فصیلیں ہوتی تھیں۔

سلطان لشکر لے کے پہنچا تو اس نے شہر میں جشن بہاراں محسوس کیا۔ شہر
قلعہ کی برجیاں جگمگارہی تھیں۔ فصیلوں پر بھی چراغاں تھا اور موسیقی کی تانیں
میں بکھری ہوئی تھیں۔ سلطان کو ان کی اس جرات پر بڑا غصہ آیا۔ اس
را" حملہ کا حکم دیدیا۔ مسلمان لشکری بھوکے شیروں کی طرح دشمن پر جھپٹ
۔ نصرانیوں کی پہلی دفاعی لائن یعنی شہر کی فصیل سے تیروں کی بارش شروع
مگر مسلمان یلغار کرتے ہوتے فصیل کے دروازے تک پہنچے اور اتنا شدید
کہ صدر دروازہ ٹوٹ گیا اور مسلمان لشکری شہر میں گھس گئے۔

اس طرح سلطان کا شہر پر قبضہ ہوگیا۔ حاکم کرک ریجی نالڈ اور دولھا دولہن
براتیوں اور بچے کھچے فوجیوں کے قلعہ میں منتقل ہوگئے اور وہاں انہوں نے
دھوم دھام سے شادی کا جشن منانا شروع کیا۔ اس طرح ان کی رنگ رلیوں
میں کوئی فرق نہ آیا۔ سلطان کے لئے قلعہ پہلے کی طرح ناقابل تسخیر نظر آرہا
صبح کے وقت قلعہ کا دروازہ کھلا اور سفید پرچم بلند کئے سوار باہر نکلنا شروع
۔ سواروں کے پیچھے غلاموں کی ایک لمبی قطار تھی جن کے سروں پر سامان
معلوم ہوتا تھا۔

جنگی دستور کے مطابق آنے والوں کا استقبال کیا گیا۔ سفید پرچم امن اور

صلح کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے بڑی خوشدلی سے انہیں خوش آمدید کہا گیا۔ امن کے قائد ریجی نالڈ کا نائب تھا۔ سلطان کی طرف سے ملک العادل نے اس کا استقبال کیا۔ ریجی نالڈ کا نائب گھوڑے سے نیچے اترا۔ ملک العادل نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا۔

"میں سلطان دمشق کی طرف سے امن کے وفد کو خوش آمدید کہتا ہوں۔" ملک العادل نے وفد کے قائد سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"وفد کے قائد نے مسکرا کے پوچھا۔" کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ میں کس مسلم سردار سے مخاطب ہوں؟

"میں سلطان معظم کا بھائی ملک العادل ہوں اور آپ کا کیا نام ہے؟" ملک العادل نے اپنا تعارف کرایا اور اس سے متعارف ہونے کی کوشش کی۔

"میں فرمانروائے کرک کا نائب ہوں اور سلطان کو شہزادی ازابیلا اور ہمفر ے آف ٹورون چہارم کی شادی میں شرکت کی استدعا لے کر حاضر ہوا ہوں۔" نائب نے متانت سے جواب دیا۔

ملک العادل نے کہا۔ "میں آپ کو سلطان کے حضور پیش کئے دیتا ہوں آپ ان سے گفتگو کرلیجئے۔"

"ٹھیک ہے۔" نائب نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اور ہاں میں فرمانروائے کرک کی طرف سے مسلم سرداروں کے لئے کھانے اور شراب کا تحفہ لے کر آیا ہوں۔ اسے قبول کیا جائے۔"

"یہ بات بھی آپ سلطان سے عرض کیجئے گا۔" اور ملک العادل اسے ساتھ لے کر چلا۔

سلطان کو پہلے اطلاع مل چکی تھی کہ قلعہ سے امن کا وفد آرہا ہے۔ سلطان اپنے خیمہ میں بیٹھا تھا جب فرمانروائے کرک کا نائب سلطان کا بھائی ملک العادل اس کے حضور پہنچے۔ ملک العادل نے ناظم وفد کا تعارف کرایا۔

"سلطان معظم حاکم کرک کے نائب حضور سلطانی میں حاضر ہیں اور کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔"

"اجازت ہے۔" سلطان نے شاہانہ انداز میں جواب دیا۔

ناظم وفد نے عرض کیا۔ "اے سلطان دمشق میرے آقا پرنس ارناط ریجی نالڈ نے آپ کو دوستی کا پیغام دیا ہے اور التماس کیا ہے کہ سلطان دمشق ا

...وں کے ساتھ اگر شاہی خاندان کی شادی کے جشن میں شرکت فرمائیں تو ان ...ین نوازش ہوگی۔

"شاہی خاندان کے کس فرد کی شادی ہورہی ہے اے ناظم وفد؟" سلطان نے استفسار کیا۔

"عالی مقام سلطان۔" ناظم نے جواب دیا۔ "شاہ ایمالرک کی سوتیلی بہن ازابیلا کی شادی ہمفر ے آف ٹورون چہارم کے ساتھ ہورہی ہے۔ یہ ... اور جشن اسی سلسلے میں منعقد ہوا ہے۔"

سلطان نے بڑی متانت سے کہا۔ "افسوس کہ ہم اس وقت میدان جنگ میں ...ہیں ورنہ شاہی جوڑے کے شایان شان تحائف بھیجے جاتے پھر بھی ہماری ...ے حاکم قلعہ کا شکریہ ادا کیا جائے۔ یہاں شاہی جوڑے کی ضیافت کا تو ...نہیں کیا جاسکتا پھر بھی تمام باراتیوں کا آج رات کا کھانا ہماری خیمہ گاہ ...بھیجا جائے گا۔ ہمیں یہ اندازہ نہیں اور ہم ناظم سے اس بارے میں سوال ...نہیں کریں گے کہ شادی میں کتنے باراتی شریک ہورہے ہیں۔ بس ہم اپنے ...ے کے تحت دس ہزار اشخاص کا کھانا روانہ کریں گے جسے قلعہ کے کسی بھی ...ے پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔"

"میں اپنے آقا اور شاہی جوڑے کی طرف سے سلطان کے اس پرخلوص عنایت ...یہ ادا کرتا ہوں۔" قائد امن سلطان کے رعب سے تھرا گیا تھا اور اس کی ...شکل سے نکل رہی تھی۔ "میں اپنے آقا تک سلطان کا پیغام پہنچادوں گا ...ل سے پہلے میں یہ عرض کروں گا کہ میرے آقا کو پہلے سے یہ علم تھا کہ ...اس شادی میں شرکت نہیں فرمائیں گے اس لئے میرے آقا نے آپ کے ...ے لئے کھانا اور بیش قیمت شراب کی ایک ہزار بوتلیں میرے ساتھ بھیجی ...امید ہے کہ سلطان اسے قبول کرتے ہوئے شکریہ کا موقعہ عطا کریں گے۔"

سلطان اس پیش کش پر ذرا دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "کھانا قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں لیکن جہاں تک شراب کا سوال ہے تو حاکم قلعہ کو معلوم ہونا ...ے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے مذہب میں شراب حرام ہے بلکہ اسے ام ...(برائیوں کی ماں) کہا گیا ہے۔ ہم اسے قبول کرنے سے قطعی معذور ہیں۔ ...وفد اسے اپنے ساتھ واپس لے جاسکتے ہیں۔"

...عیسائیوں میں شراب کا استعمال لوازمات زندگی کا ایک عام جز ہے۔ قائد وفد

کو سلطان کے اس انکار پر تعجب سا ہوا۔ مگر وہ خاموش رہا اور واپس جانے کے لئے کھڑا ہوگیا۔

سلطان نے اس سے دریافت کیا۔ "شادی کی محفل قلعہ کے کس حصہ میں منعقد ہورہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ جنگ کا زمانہ ہے ہم نہیں چاہتے کہ لاعلمی میں کوئی ایسی بات ہو جائے جس سے باراتیوں اور شاہی جوڑے کو کوئی نقصان پہنچے۔"

وفد کا ناظم سلطان کی اس بات سے بہت متاثر ہوا۔ "میں سلطان کا ذاتی طور پر شکر گزار ہوں کہ انہیں ہمارے مہمانوں کا اس قدر خیال ہے۔ سلطان کی اس اطلاع کے لئے میں عرض کروں گا کہ شادی کی محفل صدر دروازے کے مشرق کی جانب ایک بڑے حال میں منعقد ہوگی۔ اس حصہ کی شناخت یہ ہے کہ اس کے اوپر قلعہ کے دو بڑے برجوں میں سے دائیں جانب کا برج واقع ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم سمجھ گئے۔" سلطان نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

کہتے ہیں کہ شاہی جوڑے کی شادی کے سلسلہ میں ایک ہفتہ تک قلعہ میں جشن منایا گیا۔ مگر مشرقی برج کی طرف نہ تو منجنیق سے کوئی پتھر پھینکا گیا اور نہ تیر اندازوں نے فصیل کے اس حصہ کو نشانہ بنایا۔ سلطان نے اس کے لئے سخت تاکید کی تھی۔ اس تمام علاقہ میں جنگ جاری رہی اور نو منجنیقیں سوائے مخصوص حصہ کے باقی قلعہ پر سنگ باری کرتی رہیں۔ اس سنگ باری نے فصیل میں شگاف ڈال دیا لیکن نصرانیوں نے اس قدر مدافعت کی کہ سلطانی لشکر فصیل کے اس شگاف سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔

فصیل کے گرد گہری خندق کو بھی بڑی حد تک پاٹ دیا گیا مگر پھر بھی اسلامی لشکر کے سپاہی فصیل تک نہ پہنچ سکے کیونکہ فصیل سے اس قدر تیر برس رہے تھے کہ خندق پار کرنے والا لقمہ اجل بن جاتا تھا۔ اس اثناء میں قلعہ والوں کے قاصد شاہ یروشلم بالڈون تک پہنچ گئے اور اس نے فوراً مدد کے لئے ایک بھاری لشکر روانہ کردیا۔ سلطان کو تاخیر پسند نہ تھی جب اسے معلوم ہوا کہ یروشلم سے امدادی لشکر روانہ ہوچکا ہے تو وہ محاصرہ اٹھا کر دمشق واپس آگیا۔

اس دوران شاہ ایمالرک بالڈون کا انتقال ہوچکا تھا اور اس کے کمسن بیٹے بالڈون دوم کو بادشاہ بنادیا گیا تھا اور ریمنڈ آف ٹریپولس (طرابلس) کو اس کا ولی مقرر کیا گیا تھا۔ ریمنڈ اور لوسگنن ایک دوسرے کے شدید مخالف تھے مگر دونوں

متفق تھے کہ اس وقت جنگ وجدل کا موقعہ نہیں اس لئے فی الحال
ن سے صلح کرلی جائے اور مناسب وقت کا انتظار کیا جائے لیکن جنگجو
ہاسپٹلرس میں اس رائے سے متفق نہ تھے مگر صلح پسندوں کا پلہ بھاری
رون کے ولی کا مشورہ سے سلطان کے ساتھ آئندہ چار سال کے لئے

ر آف طرابلس کا یہ معاہدہ مدافعانہ اور جارحانہ تھا۔ سلطان صلاح الدین
تخت و تاج حاصل کرنے کی کوششوں میں مدد دینے کا وعدہ کیا تھا اور
اس کے صلہ میں قید تمام مسلمانوں کو رہا کردیا۔ اس کے علاوہ دمشق
دوران اس نے بڑی فراخدلی سے غلہ بھیجا تھا پھر بھی اس دوستی کی
خلوص بہت کم تھا۔ اس لئے کہ یہ تو ان دو مسلح سپاہیوں کی نیند کی
عالم خواب میں جنگی بگل سن کر چونک پڑتے ہیں اور ایسی صلح لمحوں
و ریخت سے دوچار ہوجاتی ہے۔

طرف صلیبی جنگوں کے خواہاں پورے دول یورپ میں جنگی جنون پیدا
آگ بھڑکانے میں مصروف تھے۔ نصرانی بطریق ہرکلیس فوجی بھرتی کے
کے ملکوں ملکوں میں گھوم رہا تھا جبکہ انگریز فائنس کوہ شیوٹیس تسے کوہ
صلیبیں بلند کئے کھڑے تھے۔ یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے خلاف
نے کے لئے بیتاب ہورہے تھے۔ اگرچہ کسی جگہ بھی صلیبی جنگ نہ
لیکن ان تیاریوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ آئندہ جلد ہی صلیبی جنگ کی
ٹھے گی۔

صلاح الدین خود بھی اس صلح کو قطعی عارضی سمجھتا تھا۔ اسے یورپ
ل رہی تھی کہ عیسائی بطریق لوگوں میں جنگی جنون پیدا کرکے انہیں
(صلیبی جنگ) کے لئے فوجی بھرتی کی کوشش کررہا ہے اور انگریز
پورے یورپ میں صلیبیں اٹھا رکھی ہیں۔ ان اطلاعات کے باوجود
سلطنت کے حالات درست کرنے میں لگ گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین
کو اپنا دارالسلطنت مقرر کیا تھا اور اس شہر اور اس کے قلعہ کو مضبوط
تر بنا رہا تھا۔

زمانہ تاریخ میں ایک اہم شہر تھا۔ اس شہر کو مشرق کی تمام ریاستوں
ام ہونے کا فخر حاصل رہا اور تمام قوموں کا اتصال کا مرکزی مقام بھی

یہی دمشق تھا۔ مصر، ایران اور بھارت جانے والا سامان اسی شہر کی منڈیوں
ہوکر گزرتا تھا۔ زمانہ قدیم سے سوداگروں کے قافلے دریائے فرات کے ذ
یاسراور حلب کے راستے اپنے بیش قیمت سامان کی گانٹھیں بحرروم کی بندرگا
اور مصرو عرب کو لے جاتے تھے۔ اس طرح بدوؤں کے خانہ بدوش قبیلے ا
مویشیوں کو موسم بہار اور موسم سرما میں دمشق لانے اور عرب دریائے فرات
درمیانی علاقوں میں کنوؤں کے سلسلے کے ساتھ ساتھ گھوما کرتے۔

دمشق کی خوشحالی اس کے محل وقوع اور قدرتی برتری کی وجہ سے
دمشق کو یونانی "حسین ترین" اور عربوں میں یہ شہر "عروس مشرق" اور
جہاں" کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان صلاح الدین کے دور حکومت میں
دمشق میں رنگ و نسل کے لوگ آباد تھے۔ شہر مختلف محلوں میں تقسیم تھا ہر
کے گرد چہار دیواری ہوتی تھی جس کے دروازے رات ہوتے ہی بند ہ
جاتے تھے۔ گلیوں، کوچوں اور بازاروں میں سائیہ دار درخت تھے جن کا
مکان کے اندر کے منقش کمروں کی دیواروں پر لہرایا کرتا تھا۔ اسی شہر دمشق
وہ مسجد امیہ ہے جس کے صحن میں کھڑے ہوکر والی شام حضرت امیر معاویہ
حضرت عثمان غنی کا خون آلود کرتا کانپتے اور لرزتے ہاتھوں سے لوگوں کو دکھ
اور اس مسجد کے منبر پر زوجہ عثمان نائیلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں سجائی گئی تھیں

سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور حکومت میں ہسپانوی عرب ابن جبیر
آیا تھا تو دمشق کی بعض عجیب و غریب چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ اس نے لکھ
کہ مسجد امیہ میں ایک دیوار گھڑی تھی جس میں پیتل کے عقاب گھنٹے
تھے۔ ہر گھنٹہ کے بعد پیتل کا ایک دروازہ بند ہوجاتا تھا۔ رات کے وقت
روشنی کے وقت ظاہر کیا جاتا تھا جس کا گھٹے ہوئے پانی سے اندازہ کیا جا
اس نے شہر کے بیس جامعہ (کالج) خیراتی شفاخانوں اور خانقاہوں کا بھی تفصیل
کیا ہے۔

ابن جبیر لکھتا ہے کہ سلطان صلاح الدین، قلعہ میں رہتا ہے۔ قلعہ
جدید حصہ میں بالکل الگ بنا ہوا ہے۔ قلعہ کے اندر ہی سلطان کی مسجد
قلعہ کے نزدیک شہر ہے۔ باہر مغرب کی طرف وہ میدان ہیں جو اپنی سرسبز
خوبصورتی میں ریشمی زربفت کے تھان معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں میدانوں
درمیان ندی بہتی ہے۔ میدان کے برابر حور کے درختوں کا ایک چھوٹا سا

سلطان چوگان بازی اور گھوڑے دوڑانے اس میں جاتے ہیں۔ ہر شام تیر
ی کی مشق کرنے، چوگان اور گھڑ سواری کے لئے شہزادے بھی یہاں آتے

ابن جبیر لکھتا ہے کہ سلطان اپنی رعایا کے حقیر ترین مزدور کی طرح محنت و
ت کرتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ہفتہ میں دو دن ایوان عام میں بیٹھتا اور
کی شکایات سنتا اور انہیں فوری انصاف مہیا کرتا تھا۔ اس کا بہت سا وقت
ات کے پڑھنے جواب دینے میں گزرتا تھا۔ اگرچہ قاضی فاضل، عمادالدین اور
الدین سلطان کے مستعد اور بے مثال مشیر اور ناظم تھے لیکن مراسلہ نگاری
خود خاص حصہ لیتا تھا۔

صلاح الدین نے شجاعت و بصیرت اور عدل و انصاف کا نظام اپنے آقا
نورالدین زنگی سے سیکھا تھا لیکن باوجود اس قدر منصف اور عادل ہونے
عدل کے معاملات میں اپنے آقا کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا تھا۔ مرحوم سلطان
الدین زنگی کے عدل کے بارے میں ایک واقعہ مشہور ہے اور اس واقعہ کو
صلاح الدین نے خود اپنے امیروں کی اصلاح کے لئے ان کے سامنے کئی
ان کیا تھا۔ وہ واقعہ کچھ اس طرح ہے۔

سلطان نورالدین زنگی نے جب دمشق کو دارالسلطنت بنایا تو اس کے امراء
بھی وہیں اپنے محلات تعمیر کرائے تھے اور املاک اور جائدادیں حاصل کی
۔ یہ امراء پڑوسی زمینداروں پر ظلم و زیادتی کرتے تھے اور یہ شکایتیں سلطان
قاضی کمال الدین کے پاس پہنچی تھیں۔ قاضی کمال الدین بہت سخت قاضی
لا کسی امیر کی پرواہ نہ کرتے تھے اور روز ایک نہ ایک امیر ان کے ہاتھ
نگ آ کر سلطان نورالدین کے پاس قاضی کی شکایت لے کر جاتا تھا۔

سلطان نورالدین زنگی کے پاس قاضی کمال الدین کی صدہا شکائتیں پہنچ چکی
لیکن سلطان نے ان شکائتوں پر کوئی کارروائی نہ کی تھی حالانکہ قاضی کمال
روزانہ دربار سلطانی میں کسی نہ کسی مشورے کے لئے تشریف لاتے تھے۔
کمال الدین کو بھی یہ علم تھا کہ سلطان کے امراء نے ان کی شکائتیں کی
اور وہ تیار ہوکر جاتے تھے کہ سلطان ان سے کسی مقدمہ کے بارے میں
ت طلب کریں تو وہ تفصیلی جواب پیش کریں مگر سلطان نور الدین کو اپنے
پر اس قدر اعتماد تھا کہ انہوں نے امراء کی کسی بات پر کان نہیں دھرے

اور قاضی بے خوف و خطر انصاف کے تقاضے پورے کرتے رہے۔

ایک دن سلطان نورالدین نے قاضی کمال الدین سے برسبیل تذکرہ دریافت کیا ۔ "کہئے قاضی کمال آپ کو انصاف کرنے میں کوئی پریشانی تو نہیں۔"

"الحمدللہ مجھے کوئی پریشانی نہیں۔" قاضی نے جواب دیا۔ "عالی جاہ نے مجھے اس قدر اختیارات عطا کردئے ہیں کہ مجھے انصاف کرتے وقت شرعی تقاضے پورے کرنے میں کوئی پریشانی محسوس نہیں ہوتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمارے امراء اور وزراء نے کمزور اور زیردستوں کو پریشان کرنا چھوڑ دیا ہے۔" سلطان نے بڑی مسرت سے کہا۔

"سلطان معظم اس سلسلہ میں کوئی قطعی جواب نہیں دے سکتا۔" قاضی نے ادب سے جواب دیا۔ "جہاں تک ان شکایات کا تعلق ہے جو میری عدالت میں پیش ہوتی ہیں۔ ان کے لئے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ مظلوموں کو انصاف مل جاتا ہے اور زیادتی کرنے والے کو شرعی سزا دیدی جاتی ہے لیکن دوسری زیادتیوں اور ناانصافیوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

سلطان نورالدین نے چونک کے قاضی کو دیکھا۔ "قاضی کیا تمہارا مطلب ہے کہ زیادتیوں اور ناانصافیوں کے کچھ ایسے معاملات اور مقدمات ہوتے ہیں جو تمہارے علم میں نہیں لائے جاتے۔"

"جی عالی جاہ۔ ایسے صدہا مقدمات ہیں جو میری عدالت میں پیش نہیں ہوتے۔" قاضی کمال الدین نے بے خوف کہہ دیا۔

سلطان نورالدین زنگی کا چہرہ متفکر ہوگیا۔ انہوں نے دریافت کیا۔ "قاضی کمال اس کی جواب طلبی تو روز قیامت مجھ سے ہوگی۔"

"ہرگز نہیں عالیجاہ۔" قاضی کمال الدین نے سلطان کے اطمینان کے لئے کہا۔ "جو زیادتی اور انصافی آپ کے علم میں نہ آئے یا میری عدالت نہ پہنچے آپ سے اس کی پوچھ گچھ کیوں ہوگی۔"

"مگر قاضی کمال اللہ تعالیٰ نے مجھے رعایا کا محافظ بنایا ہے اگر کسی پر زیادتی ہوتی ہے تو مجھے اس کا ازالہ کرنا چاہئے ورنہ میں گناہگار رہوں گا۔" سلطان نے جرح کا رخ اختیار کیا۔

"سلطان عالی مقام۔" قاضی کمال نے سنبھل کے کہا۔ "عالم الغیب صرف خدا کی ذات واحد ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کس پر ظلم کررہا ہے۔ بندہ تو

نہیں کرسکتا کہ کس نے کس پر کتنا ظلم کیا۔ وہ تو صرف یہی جانتا ہے لم زیادتی ہوتی ہے اور ہورہی ہے۔"

کیا کہہ رہے ہو قاضی کمال۔" سلطان نورالدین کا لہجہ سخت ہوگیا۔ "کیا تم نا چاہتے ہو کہ میرے امراء عوام کو پریشان کررہے ہیں اور ان کو روکنے لا نہیں؟"

"عالیجاہ میری تقصیر معاف فرمائی جائے۔" قاضی کمال الدین نے سلطان کا لم کرنے کے لئے فوراً کہا۔ "قاضی شہر ہونے کی وجہ سے یہ بات میرے میں داخل ہے کہ میں عوام کے دکھ درد سے واقف اور باخبر رہنے کی کروں۔ میں اپنی اطلاعات کی بنا پر یہ عرض کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ کے ایک امیر سے عوام کو بہت سی شکائتیں ہیں مگر وہ اپنی شکایات میرے نے کی ہمت نہیں کرتے۔"

"کیوں اس کا سبب کیا ہے۔ کیا تم انہیں انصاف نہیں دے سکتے؟" سلطان زیادہ سخت لہجے میں کہا۔

سلطان معظم۔" قاضی نے جواب دیا۔ "دراصل آپ کے امیر کا اس قدر دبدبہ ہے کہ عوام کو یقین ہی نہیں آتا کہ انہیں میری عدالت سے ل سکے گا۔"

قاضی کمال۔" سلطان نورالدین تخت شاہی پر کھڑا ہوگیا۔ اس کا سارا بدن کانپنے لگا۔ "یہ انصاف کی توہین ہے۔ احکامات شرعیہ میں دخل ہے کس امیر نے اس گستاخی کی جرات کی ہے؟"

عالیجاہ۔" قاضی کمال الدین نے مضبوط لہجہ میں کہا۔ "خدا مجھے غیبت کے معاف فرمائے۔ حالانکہ کسی کے ظلم کی تشہیر کرنا "غیبت" نہیں ہے۔ گیا ہے امیر الامراء اسدالدین شیرکوہ کے حواری اور ملازمین غریب عوام پر یادتی کرتے ہیں مگر مظلوم اس خوف سے شکایت نہیں کرتے کہ ان کی الت میں کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ میں اس سلسلہ میں قطعی مجبور ہوں اس اگر شکایت میری عدالت میں پیش کی جائے تو میں بے خوف وخطر ظالم کے ظلم ثابت ہونے پر بے خوف و خطر سزا دوں گا۔ مگر یہ میری مجبوری ظلم کی اس افواہ کو حضور عالی کے گوش گزار کروں۔"

اسدالدین شیرکوہ سلطان صلاح الدین کا چچا تھا۔ اس نے ہی صلاح

الدین کو صلاح الدین بنایا تھا۔ صلاح الدین اپنے بچپن میں نہایت
مذہبی سا لڑکا تھا اور عام طور پر جامعہ امیہ (جامعہ مسجد دمشق) میں درس و تدریس اور
کی مجلسوں میں شریک ہوتا تھا۔ پھر جب شیرکوہ مصر پر حملہ کے لئے روانہ ہوا تو
اس نے سلطان نورالدین سے صلاح الدین کے لئے خاص احکام جاری کرائے کہ
وہ مصر کی مہم پر شیرکوہ کے ساتھ جائے گا۔ دراصل مصر کے اس سفر ہی نے
صلاح الدین کے جوہر کھولے جو بڑھتے بڑھتے سلطان صلاح الدین کے مرتبہ تک پہنچا تھا۔

سلطان نورالدین زنگی دیر تک اپنے قاضی شہر کمال الدین کے انکشاف پر غور
کرتا رہا پھر اس نے اعلان کیا۔

"قاضی کمال" اسی وقت اعلان کیا جائے کہ "دارالعدل" کے نام سے ایک
شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ اس شعبہ کے تحت عوام کے انصاف کے لئے ایک اعلیٰ
عدالت بیٹھے گی جس کے ہفتے میں تین اجلاس ہوا کریں گے۔ اس عدالت میں
تمہارا سلطان یعنی نورالدین زنگی خود منصف کی حیثیت سے بیٹھے گا اور عوام کے
مقدمات سن کے فوری انصاف مہیا کرے گا۔"

ڈھنڈورچی نے پورے دمشق میں ڈھنڈورا پیٹا کہ سلطان معظم دارالعدل میں
خود مقدمات سنیں گے اور اسی وقت فیصلہ فرمائیں گے۔ بادشاہوں اور سلطنتوں کا
محکمہ جاسوسی ہر دور میں چاق وچوبند اور کمربستہ رہتا تھا اور آج بھی اسی طرح
مستعد نظر آتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ پہلے جاسوسی کام انسان سرانجام دیتے تھے اور
اب یہی کام سلطنتوں کے جاسوسی سیارے سرانجام دیتے ہیں اور زیر زمیں انجام دیا
جانے والا کام بھی سیاروں کی نظروں سے بچا نہیں رہ سکتا۔

خیر یہ ذکر شاہی زمانہ اور اس زمانہ کا جب مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین
ایوبی تخت دمشق پر متمکن تھا جس کے جلال سے صرف ایشیاء ہی نہیں بلکہ
یورپ کے ایوانوں میں بھی زلزلہ آجاتا تھا۔ مگر اس جلیل القدر سلطان کے محلات
بھی سازشوں اور محلاتی ریشہ دوانیوں سے محفوظ نہ تھے۔ سلطان نورالدین زنگی اور
قاضی کمال الدین میں جو گفتگو ہوئی اور جس کی بنا پر دمشق میں "دارالعدل"
قائم ہوا تھا تخلیہ میں ہونے والی گفتگو جاسوس کنیزوں اور غلاموں کے ذریعہ اسی
وقت امیرالامراء اسدالدین شیرکوہ کے کانوں تک پہنچادی گئی۔

امیرالامراء اسدالدین نے اسی وقت اپنے تمام حواریوں کو اپنے محل میں
طلب کرلیا اور ٹھیک وقت جب دمشق کے درودیوار سلطان نورالدین زنگی کے

ل کے قیام کے اعلان سے گونج رہے تھے اسی وقت امیرالامراء اسدالدین
اپنے حواریوں اور طفیلی اہلکاروں پر برس رہا تھا۔

"تمہاری زیادتیوں بدعنوانیوں اور چیرہ دستیوں نے یہ وقت دکھایا ہے کہ اب
نا معظم بذات خود تمہارے خلاف عوام کی شکایت سنیں گے اور تمہیں کیفر
تک پہنچائیں گے۔ آخر تمہارا ظلم عوام کہاں تک برداشت کریں۔ وہ اب
عوام کو میرا لحاظ رہا اور انہوں نے قاضی شہر کے انصاف کو آواز نہیں دی
قاضی کمال الدین ہی تمہارے دماغ درست کردیتا۔ یقین کرو کہ اگر تمہارا
قاضی کمال الدین کی عدالت میں پیش ہوتا تو میں بخدا اس کی عدالت میں
سفارش کو ہرگز نہ جاتا۔ میں قاضی کمال الدین کی طبیعت سے واقف
تم لوگ کیا چیز ہو اگر قاضی کو میری کوئی کمزوری مل جائے تو وہ مجھے بھی
پر چڑھانے سے دریغ نہیں کرے گا۔"

اسدالدین کے طفیلی اراکین تھرتھر کانپ رہے تھے۔ انہوں نے واقعی زیادتیاں
تھیں عوام نے اس خیال سے قاضی کی عدالت میں مقدمات درج نہیں
ے تھے کہ ان کے خیال میں قاضی شہر امیرالامراء کے جلال سے مرعوب ہوکر
انصاف نہ کرتے اس لئے وہ گھٹ گھٹ رہ جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اب
خود مقدمہ سنے گا اس لئے کسی رو رعایت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

"امیرالامراء بہادر۔" ایک طفیلی افسر نے کہا۔ "خدا کے لئے ہمیں اس بار
ہم قسم کھاتے ہیں کہ آئندہ کبھی کسی پر ظلم نہیں کریں گے۔"

"میں ــ میں تمہیں بچالوں۔" شیرکوہ غصہ سے بولا۔ "تمہارا مقصد ہے کہ
سلطان معظم سے یہ سفارش کروں کہ میرے ماتحت اب تک عوام کے ساتھ
و ستم کرتے رہے ہیں ان سے درگذر کیا جائے۔ اے عقل کے دشمنو بھلا
سلطان سے یہ سفارش کرسکتا ہوں جاؤ اور اپنے کئے کی سزا بھگتو۔"

شیرکوہ کے ماتحت روتے ہوئے شیرکوہ کے قدموں پر گر پڑے۔ انہیں اپنی
صاف نظر آرہی تھی۔ "امیرالامراء ہمیں بچالیجئے صرف اس دفعہ آئندہ کے
ہم توبہ کرتے ہیں۔"

شیرکوہ جتنا بہادر اور جلالی طبیعت کا مالک تھا اتنا ہی نرم دل بھی تھا۔ وہ
کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا ہے۔ آخر اس کا دل پسیج گیا اور بولا۔۔۔۔
تمہاری بچت کی صرف ایک صورت ہوسکتی ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ

تم ان تمام لوگوں کے پاس جاؤ جنہیں تمہارے ہاتھوں نقصان پہنچا ہے اور اس
بات کا امکان ہے کہ وہ سلطان کے حضور تمہارے خلاف مقدمہ پیش کریں اور اس
ان سے مل کے ہر قیمت پر صلح صفائی کرو۔ ان سے زبانی معافی مانگو۔ اگر وہ رضا
مند نہ ہوں تو انہیں کچھ لے دے کر خاموش کرو۔ مجھے اس سلسلہ میں بالکل
بے بس سمجھو۔"

ایک ماتحت نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "امیرالامراء بہادر۔ ہم اپنے مخالفوں کی
خوشامد کریں گے تو وہ اور اکڑ جائیں گے اور اپنی قیمت بڑھا دیں گے۔"

شیرکوہ چیخ اٹھا۔ "میں کہہ چکا ہوں کہ اپنے مخالفوں کو ہر قیمت پر رضامند
کرو۔ خواہ اس میں تم فقیر کیوں نہ ہوجاؤ۔ تمہاری آراضی اور جائداد کیوں نہ
بک جائے۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اگر تمہارے مخالفین کے مطالبات تمہاری
استطاعت سے باہر ہیں تو میری جاگیر فروخت کردو۔ میں اپنی جاگیر سے محروم
ہوسکتا ہوں لیکن یہ کہا جائے کہ میرے ماتحتوں نے کسی پر ظلم کیا ہے۔"

چنانچہ شیرکوہ کے ماتحتوں نے دوڑ دھوپ شروع کردی۔ آئندہ نماز جمعہ کے
بعد دارالعدل کی پہلی کچہری بیٹھنا تھی۔ جمعہ کو دو دن باقی تھے۔ اس دو دن کے
عرصہ میں بدذات اور ظالم اہلکاروں نے ان غریب لوگوں کے گھروں کے چکر لگانا
شروع کردیئے جو ستم زدہ تھے۔ اورامیرالامراء شیرکوہ کے جاہ و جلال کی وجہ سے
اس کے ماتحت افسروں کی شکایت قاضی شہر کے سامنے پیش نہیں کرسکتے تھے۔ جان
کا خوف ہو تو انسان ہر کام کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ یہی عالم ماتحتوں کا تھا وہ
مظلوموں اورستم زدہ لوگوں کو ہر طرح سے خاموش رہنے اور ان کی غلطیاں معاف
کردینے پر آمادہ کرنے کی کوشش کررہے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام مفلوک الحال اور بے سہارا لوگ جنہیں
امیرالامراء کے ماتحتوں سے دکھ پہنچا تھا انہیں ستم کاروں نے صرف معقول رقمیں
دے کر خوش کیا بلکہ اس قدر خوشامد کی کہ وہ غریب خود شرمندہ ہوگئے۔
امیرالامراء کے علاوہ دوسرے امراء کے ہوش درست ہوگئے اور انہوں نے دل ہی
دل میں فیصلہ کیا کہ وہ کسی غریب سے ستم نہ کریں گے ورنہ انہیں سلطان کے
سامنے دارالعدل میں پیش ہونا پڑے گا۔

سلطان صلاح الدین نے جمعہ اور ہفتہ کے دودن دارالعدل کا دربار لگایا۔ اس
دربار یا عدالت میں تقریباً" تمام ہی امراء اور وزراء شریک تھے۔ سلطان نور

ن زنگی نے فوری مشورے کے لئے مفتی اور قاضی شہر کو بھی عدالت میں
، کا حکم دیا تھا مگر ہفتہ میں تین بار دارالعدل کچہری میں ایک مقدمہ بھی پیش
ں ہوا۔

دوسرے ہفتہ سلطان نے قاضی شہر سے فرمایا۔

"قاضی کمال تم تو کہتے تھے کہ امیرالامراء کے ماتحتوں نے بڑی زیادتیاں کی
مگر عدالت میں تو کوئی بھی فریاد لے کر نہیں آیا۔"

قاضی شہر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "عالیجاہ دارالعدل کے اعلان نے
ے دمشق میں تہلکہ مچادیا تھا۔ زیادتی کرنے والوں کا تو کھانا پینا حرام ہوگیا تھا
رالامراء نے بھی ایسا کوئی قدم اٹھایا کہ کوئی مظلوم "دارالعدل" نہیں پہنچ سکا۔"

سلطان کو کچھ اور ہی گمان ہوا۔ اس کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ "کیا تم یہ کہنا چاہتے
کہ شیرکوہ غریب مظلوموں کو "دارالعدل" آنے سے روک دیا ہے۔ اگر شیرکوہ
ایسا کیا ہے تو ہم اسے عدالت میں طلب کریں گے؟"

"یہ نہیں ہوا عالی جاہ" قاضی شہر نے وضاحت کی۔ "دراصل شیرکوہ نے اپنے
ماتحتوں کو بلاکے ان سے صاف الفاظ میں کہلایا کہ وہ اپنے اپنے مخالفین اور
لوگوں سے جن پر انہوں نے زیادتی کی فوراً" اور ہر قیمت پر راضی نامہ کرلیں
لہ اگر ان میں سے ایک بھی "دارالعدل" پہنچ گیا تو سلطان کے انصاف اور
ے اسے کوئی نہیں بچاسکے گا۔ پس تمام ظالموں اور ستم کاروں نے گھر گھر
، مظلوموں اور ستم زدہ لوگوں سے نہ صرف معافیاں مانگیں بلکہ ان کے
ت کا پورا ازالہ کیا اور انہیں بہت کچھ دے دلا کر فریاد کرنے سے باز رکھا
"

اس وضاحت پر سلطان نورالدین زنگی بھی مسکرادیا۔

سلطان نورالدین زنگی کی وفات کے بعد جب سلطان صلاح الدین نے
لطنت دمشق میں مستقل رہائش اختیار کی تو ان کے امراء نے بھی دمشق کو
رکز بنایا اور محلات تعمیر کرکے رہائش اختیار کی۔ فوجی سرداروں سے عوام کو
رمیں شکایت رہتی تھی۔ چنانچہ سلطان صلاح الدین کے کسی سردار نے کسی
ادمی کے ساتھ کوئی زیادتی کی وہ آدمی اپنی فریاد لے کر سلطانی دربار میں
اس سے آگے دو بیان ہیں ایک میں کہا گیا ہے سلطان نے اس کی بات
نی اور اس کی دادرسی نہ ہوسکی۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ سلطان کسی مہم پر

جارہا تھا اس لئے فریادی کی دادرسی نہ کرسکا۔

ایک تیسرا بیان یہ ہے کہ شاہی دربار کے پہریداروں نے فریادی کو در
میں نہ گھسنے دیا اور وہ اپنی فریاد سلطان کے سامنے پیش نہ کرسکا۔ بہر حال با
کچھ بھی ہو مگر یہ حقیقت تھی کہ فریادی کی شکایت سنی نہیں گئی اور وہ دہائیا
دیتا اور چیختا چلاتا مرحوم سلطان نورالدین زنگی کے مزار کی طرف چلا۔ اس
دہائیوں اور واویلا میں ایسا اثر تھا کہ جو سنتا وہ اس کے ساتھ ہولیتا۔ اس ط
نورالدین زنگی مرحوم کے مزار تک پہنچتے پہنچتے فریادی کے ساتھ ہزاروں آدمیوں
انبوہ ہوگیا۔

فریادی ان الفاظ میں واویلا کرتا جارہا تھا۔

"اے سلطان نورالدین آج تمہارا انصاف کہاں ہے جس
ظلم کے ہم لوگ شکار ہیں اگر تم اسے دیکھ پاتے تو تمہیں
ہمارے حال پر ضرور رحم آجاتا۔"

فریادی کے ان الفاظ سے میں دمشق کی آبادی میں آگ سے لگادی۔ فریا
جوں جوں آگے بڑھتا جاتا آدمیوں کی تعداد بڑھتی جاتی۔ آخر داروغہ محلات ا
شہر کوتوال کو فکر پڑگئی کہ کہیں ان پر بات نہ آجائے اس لئے انہوں نے سلطا
کے سامنے حاضر ہوکر اسے فریادی کے حال سے آگاہ کیا۔ سلطان نے اسی وق
فریادی کو اس کے حضور میں پیش کرنے کا حکم دیا۔

فریادی اس وقت تک کئی ہزار آدمیوں کے ساتھ نورالدین زنگی کی قبر پر
چکا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ سلطان صلاح الدین نے اسے فوراً دربار میں طلب
ہے۔ فریادی نورالدین زنگی کی قبر سے اٹھا اور اسی طرح روتا پیٹتا دربار
طرف چلا۔ لطف یہ کہ اس کے ساتھ دوہزار کا مجمع بھی چل رہا تھا۔ وہ
دمشق کے عوام تھے اور فریادی کے ساتھ دربار میں اس لئے جانا چاہتے تھے
وہ سلطان کو انصاف کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

سلطان کو مطلع کیا گیا کہ فریادی آیا ہے مگر اس کے ساتھ دوہزار اشخاص
جم غفیر بھی ہے۔ چنانچہ سلطان نے دربار عام لگانے کا حکم دیا اور خود انصاف
کرنے دربار عام میں پہنچا۔ سلطان نے اس کا بیان سن کے ظلم کرنے والے
اسی وقت حاضر ہونے کا حکم دیا۔ پھر اس سے حالات سننے کے بعد ظالم کو فو
واقعی سزا دی اور فریادی سے پوچھا کہ وہ اس فیصلہ اور انصاف سے خوش ہے؟

فریادی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کردیا۔
سلطان پریشان ہوگیا اس نے دریافت کیا۔ "اے شخص تجھ پر ظلم ہوا۔ تو نے
کی اور ہم نے ظالم کو شرعی سزا دی۔ کیا تو اس سزا سے مطمئن نہیں؟"
فریادی نے سلطان کو جواب دیا۔ "اے سلطان آپ نے میری فریاد سنی اور
اسے سزا دی۔ آپ نے انصاف کے تقاضے پورے کئے ہیں اور مجرم کو اس
جرم کی پوری سزا ملی ہے۔

"مگر اے شخص تو پھر رو رہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟" سلطان نے
دریافت کیا۔

"میں اس وجہ سے نہیں رو رہا ہوں کہ مجھے انصاف نہیں ملا۔" فریادی نے
بھرآواز میں کہا۔ "اے سلطان میں تو اس بادشاہ کو رو رہا ہوں جس کی
موت کے بعد بھی اس کی عدالت قائم ہے اور اس کے عدل کا فیض جاری
ہے۔"

فریادی کا اشارہ مرحوم نورالدین کی طرف تھا۔

سلطان صلاح الدین نے اس کی بات سن کر کہا۔ "بے شک تو نے سچ کہا۔
میں جو کچھ بھی عدل وانصاف ہے وہ سلطان مرحوم کے فیض کا نتیجہ ہے۔"

سلطان صلاح الدین اور شام کے نصرانی فرمانرواؤں کے درمیان صلح کا معاہدہ
ہوگیا تھا۔ سلطان نے اس عہد کی اپنی طرف سے پوری طرح پابندی کی لیکن
کرک کا حاکم ریجی نالڈ اپنی عہد شکنی کی عادت سے باز نہ آتا تھا۔ مسلمانوں
کا جانی دشمن تھا اور انہیں تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا
۔ 1183ء پھر 1186ء میں ریجی نالڈ نے مسلمان قافلوں کو لوٹا اور انہیں قید
۔ شاہ یروشلم نے اس کی اس حرکت پر سخت احتجاج کیا اور لوٹ کا مال واپس
نے کے ریجی نالڈ کے پاس سفارت بھیجی مگر اس مغرور نے سفارت کی کوئی
نہ کی اور شاہ یروشلم کی مسلمان ہمدردی کا مذاق اڑایا۔

1186ء کے واقعہ کے وقت مسلمانوں نے ریجی نالڈ کو یاد دلایا کہ اس کا
لمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہے اس لئے وہ انہیں قید سے آزاد کردے لیکن
ریجی نالڈ نے ان کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ محمدؐ پر ایمان رکھتے ہو۔ اس سے کیوں نہیں
کہتے کہ وہ تمہیں چھڑالے۔"

ریجی نالڈ کی اس گستاخی کی خبر جب سلطان کو پہنچی تو اس کو سخت
اور اس نے اعلان کیا۔

"میں قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ اس صلح شکن کافر کو
خدا نے چاہا تو میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔"

سلطان نے بھی جہاد کا اعلان کردیا تھا اور اسلامی علاقوں کو اپنے ا
لے کر جہاد میں شرکت کی دعوت دیدی تھی۔ راس الماء کے مقام پر
فوجیں جمع بھی ہوگئی تھیں کہ اسی دوران سلطان کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں
قافلہ آرہا ہے جو کہ قلعہ کرک سے گزرے گا اور ریجی نالڈ اس قافل
کرنے کا منصوبہ بنارہا ہے۔ چنانچہ سلطان نے اپنے بیٹے الملک الفاضل
الماء میں چھوڑا خود تھوڑی فوج لے کر قافلہ کی مدد کو پہنچا۔

ریجی نالڈ کو سلطان کے آنے کی خبر مل گئی اس لئے وہ قلعہ سے
اور قافلہ بغیر کسی پریشانی کے اس علاقہ سے آگے نکل گیا۔ کہتے ہیں ا
میں سلطان کا بھانجا حسام الدین بھی سفر کررہا تھا۔ قافلہ کو بخیریت گزارنے
سلطان راس الماء واپس آگیا۔ اس وقت سلطان کے لشکر میں مسلمان علاق
آنے والی فوجیں شامل ہوچکی تھیں۔

سلطان اس لشکر کو ملک الفاضل کی زیرسرگی ساحل کے ساتھ سا
شریف کی طرف روانہ کیا۔

یہ لشکر صفوریہ پہنچا تھا کہ اس کی مڈ بھیڑ نصرانیوں کی ایک جماعت
الداریہ اور استباریہ کی فوجوں سے ہوگئی۔ ملک الفاضل نے نصرانیوں کو
فاش سے دوچار کرکے بھگادیا۔ اس جنگ اور فتح کی خبر سن کر سلطان بھی با
لے کر بیٹے کے پاس آگیا۔ پھر دونوں لشکر طبریہ کی طرف بڑھے۔

نصرانی جماعت الاادیہ اور استباریہ کی شکست سے عیسائیوں میں شور
اور ان میں صلاح مشورہ شروع ہوگئے۔ طرابلس کے ریمنڈ اور یروشلم ۔
میں اختلاف تھا اور ریمنڈ شاہ طرابلس نے شاہ یروشلم کو چھوڑ کے سلطا
رشتہ جوڑ لیا تھا لیکن نصرانیوں کی اس شکست نے اسے بھی پریشان کردیا۔
پادریوں نے بھی اسے بہت لعنت ملامت کی پھر ریمنڈ اور گائی ایک دوسر

وسف کے مقام میں ملے اور ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ ان میں
پیمان ہوئے کہ تمام نصرانی بادشاہ اور قلعدار متحدہ طور پر سلطان دمشق صلاح
ایوبی کا مقابلہ کریں گے۔

اس طرح صفوریہ کے مشہور شہر میں تمام نصرانی لشکر جمع ہوئے اور انہوں
صلیب مقدس بلند کی۔ اس صلیب کو صلیب الصلوب بھی کہا جاتا ہے۔ اس
کہ اس صلیب کو اس لکڑی سے تیار کیا گیا تھا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ
م کو مصلوب کیا گیا تھا۔ صلیب مقدس کو عام طور پر مسلمانوں کے خلاف
ی جنگ میں استعمال کیا جاتا تھا۔ صفوریہ میں اس وقت نصرانی لشکر کی تعداد
ں ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اس میں بارہ سو نائٹس بھی شامل تھے۔

سلطان صلاح الدین بھی اپنے لشکر کے ساتھ صفوریہ پہنچا اور اس نے اپنے
کو طبریہ کی پہاڑی پر اتار دیا۔ سلطان کئی روز تک اس انتظار میں رہا کہ
نی صفوریہ سے باہر نکل کر مقابلہ پر آئیں لیکن نصرانی اپنی جگہ سے نہیں
۔ پھر سلطان نے اپنے کچھ فوجی دستے لے کر طبریہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس
خیال تھا کہ نصرانی طبریہ کو بچانے کے لئے صفوریہ سے باہر نکل آئیں گے
نکہ طبریہ میں شاہ ریمنڈ والی طرابلس کی بیوی بچے موجود تھے لیکن نصرانیوں کے
نوں پر اس اطلاع سے جوں نہیں رینگی۔ ادھر سلطان نے طبریہ پر حملہ کرکے
پر قبضہ کرلیا لیکن قلعہ اس کے قبضہ میں نہ آسکا۔

نصرانیوں کو یہ گمان ہی نہ تھا کہ طبریہ پر سلطان کا اس آسانی سے قبضہ
جائے گا لیکن جب حقیقت بن کے ان کے سامنے آگئی تو وہ بدحواس ہوگئے۔
یروشلم نے بڑے غصے سے کہا۔

"ہم طبریہ کو سلطان کے قبضہ سے آزاد کرائیں گے۔"

شاہ ریمنڈ والی طبریہ نے نرمی سے وضاحت کی۔ "اے شاہ یروشلم قلعہ طبریہ
ما میرے بیوی بچے موجود ہیں اور قلعہ کو سلطانی فوجیں گھیرے ہوئے ہیں۔ اس
صورت حال میں طبریہ کو بچانے کے لئے میں آپ سے بھی زیادہ بے چین ہوں
لن میں جانتا ہوں کہ اس وقت طبریہ آزاد کرانا ناممکن ہے۔ اس لئے ہمیں
رکی سے کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہئے۔"

"شاہ ریمنڈ تم کیا کہہ رہے ہو۔" شاہ یروشلم نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
"ایک طرف تو تم کہتے ہو کہ طبریہ میں تمہارے بیوی بچے ہیں۔ سلطانی فوجوں

نے انہیں گھیر رکھا ہے۔ دوسری طرف تم طبریہ جانے سے ہچکچا رہے ہو۔ آخر یہ
کیا ہے تم کیا چاہتے ہو؟"

"اے شاہ یروشلم۔" والی طرابلس نے جواب دیا۔ "میں بھی وہی چاہتا ہو
جو آپ چاہتے ہیں لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی ایسا قدم اٹھایا جائے جس
پورا لشکر ہلاکت میں پڑجائے۔"

"گویا طبریہ کو مسلمانوں سے بچانے کے بجائے ہمیں صفوریہ میں آرام
چاہیے۔" شاہ یروشلم چڑ چڑا ہوگیا تھا۔

"شاہ یروشلم آپ مجھے غلط سمجھنے کی کوشش نہ کیجئے۔" ریمنڈ کو بھی غ
آگیا۔ "آپ دراصل یہاں کے موسم اور راستوں کی دشواریوں سے واقف نہی
صفوریہ اور طبریہ کا دریائی راستہ ' خشک پہاڑیوں اور اونچے نیچے ٹیلوں سے بھرا
ہے۔ راستہ میں پانی کی شدید قلت ہے۔"

"ریمنڈ تم تو اس قدر مطمئین ہو جیسے تم نے سلطان سے کوئی الگ مع
کررکھا ہے۔" شاہ یروشلم نے طنزیہ انداز اختیار کیا۔ "کیا تمہیں امید ہے
سلطان قلعہ پر قبضہ کے بعد تمہارے بیوی بچوں سے دوستانہ سلوک کرے گا؟"

"یہ بات نہیں شاہ یروشلم۔" ریمنڈ نے اسے سمجھانے کی کوشش ک
"دراصل میرا اندازہ یہ ہے کہ سلطان طبریہ پر زیادہ دن تک قبضہ نہیں رکھ
وہ چند دنوں بعد محاصرہ اٹھاکر واپس آجائے گا لیکن اس وقت طبریہ پہنچ کے سل
کا مقابلہ کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔"

"آخر کیوں۔ یہی تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں؟" شاہ یروشلم گائی بھی اپنی
پر اڑ گیا۔

"وجہ صاف ظاہر ہے شاہ یروشلم۔" ریمنڈ نے جواب دیا۔ "میری اطل
کے مطابق سلطان کے ساتھ اس وقت پورے ملک شام کے شہزادوں اور امی
کی فوجیں موجود ہیں اس وقت سلطان کو شکست دینا ناممکن ہے۔ ہاں طبریہ
اس کی واپسی کے بعد قلعہ کو آسانی سے آزاد کرایا جاسکے گا۔"

شاہ یروشلم اور دوسرے والیوں نے ریمنڈ کی اس بات پر کان نہ دھ
بلکہ الٹا اس پر الزام دھرا کہ اس نے سلطان سے کوئی معاہدہ کرلیا ہے اسی
وہ اس قدر مطمئین ہے۔ شاہ یروشلم اور دوسرے تمام نصرانی امیروں نے طبریہ
طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا اور نصرانی لشکر صفوریہ سے نکل کے طبریہ کی طرف ر

سلطان صلاح الدین نے طبریہ پر چھیڑ چھاڑ ہی اس وجہ سے شروع کی تھی۔
ے پہلے ہی امکان تھا کہ نصرانی طبریہ کو بچانے چلیں گے اس لئے اس نے
اور طبریہ کے راستہ میں جگہ جگہ تیرانداز دستے مقرر کردئے تھے۔ صفوریہ
بریہ نکلتے ہی نصرانی سواروں پر مسلم تیر اندازوں نے تیر برسانا شروع کردئے۔ اس
ے نصرانی سوار جن میں کثرت سے نائٹس شامل تھے اسے سخت نقصان پہنچا۔
لطان طبریہ میں چند دستے چھوڑ کر اپنی خیمہ گاہ پر پہنچ چکا تھا اور اس نے فوجوں
ی کمان سنبھال لی تھی۔

نصرانی لشکر کو صفوریہ چھوڑتے ہی سب سے پہلے پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔
استے کے چشموں پر سلطانی دستوں نے قبضہ کرلیا تھا یا انہیں برباد کردیا تھا۔ اس
لئے نصرانیوں کو پانی شدت قلت محسوس ہوئی۔ پھر بھی وہ کسی طرح لڑتے بھڑتے
سلطانی لشکر گاہ کے قریب پہنچ گئے اور رات گزارنے کے بعد صبح 3 ربیع الاول
58 ہجری (1187ء) کو نصرانیوں اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا۔ یہ مقابلہ نوبیا کے
یدان میں ہوا تھا۔ مسلمانوں کے تیراندازوں نے اس مقابلہ میں اس قدر تیر
رسائے کے نصرانیوں کو پسپا ہونا پڑا۔

نصرانیوں نے لڑ بھڑ کے طبریہ نکل جانے کی کوشش کی لیکن سلطان صلاح
لدین اپنے دستوں کے ساتھ ان کا راستہ روک کے کھڑا ہوگیا۔ سلطان صلاح
لدین خود گھوڑا دوڑا کر اپنے مختلف دستوں کے پاس جاتا اور انہیں جوش دلاتا
ور ان کے حوصلے بلند کرتا۔ نصرانی فوجوں کی طرف خشک جھاڑیوں کا جنگل تھا
سلمانوں نے اس جنگل میں آگ لگادی۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ ہوا
نصرانیوں کے رخ پر چل رہی تھی۔ جنگل نے یہ آگ پکڑتے ہی دھواں اگلنا
شروع کردیا۔ یہ دھواں نصرانی فوجیوں کو پریشان کرنے لگا۔

نصرانی پیاس کی شدت سے پہلے ہی بے حال ہورہے تھے۔ آسمان سے آگ
آگ برس رہی تھی اس پر آنکھوں اور ناک میں گھستا ہوا دھواں ان پر قیامت
ٹوٹ پڑی تھی۔ نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے تھے اور نہ آگے بڑھ سکتے تھے۔ جب انہوں
نے دیکھا کہ اب جان بچنے کی کوئی صورت نہیں تو انہوں نے موت جنگ لڑنا
شروع کردی اور بھوکے شیروں کی طرح مسلمانوں کی صفوں میں گھس گئے مگر
مسلمانوں نے ان کی ایک نہ چلنے دی اور اگرچہ نصرانیوں نے ہتھیلی پر سر رکھ کر

حملہ کرکے مسلمانوں کا گھیرا توڑنے کی کوشش کی تھی مگر انہیں کامیابی نہ ہوئی اور مسلم لشکر نے انہیں کوہ حطین تک پہنچنے سے باز رکھا۔

پھر ایک شدید جنگ کے بعد عیسائیوں کی صلیب مقدس کو ان سے چھین لیا گیا۔ مسلمان سوار نصرانیوں کی صفیں درہم برہم کرتے ہوئے گائی شاہ یروشلم کے اس جھنڈے تک پہنچ گئے جو ایک اونچے مقام پر گائی کے عظیم الشان خیمے کے آگے نصب تھا۔ گائی کے جھنڈے کو گرا کر نیچے کردیا گیا اور اس کے ساتھ ہی نصرانی فوجوں نے ہتھیار ڈالنا شروع کردیئے۔ مسلمانوں نے تمام شاہوں ، امیروں اور نائٹس کو گرفتار کرلیا۔

انگریز مورخ ابن پول نے اس منظر کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

"مسیحی شہسوار اس قدر کمزور ہوچکے تھے کہ وہ اپنی جانوں کو زیادہ قیمت پر فروخت نہیں کرسکے۔ انہوں نے اپنی تلواریں نیام میں ڈال لیں اور مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب اشخاص قید کرلئے گئے۔ ان میں شاہ یروشلم گائی۔ اس کا بھائی پاٹلیوں ' کرک کا ریجی نالڈ ' تبنین کا ھفر ے' داویہ اور استباریہ جماعتوں کے سردار اور تمام بڑے بڑے سردار گرفتار کرلئے گئے۔ صرف طبریہ کا فرمانروا ریمنڈ جنگ کا رنگ دیکھ کر میدان سے نکل بھاگا اور گرفتاری سے محفوظ رہا۔ لیکن وہ صلاح الدین سے اس قدر شرمندہ تھا کہ زیادہ دن زندہ نہ رہا اور شرم سے مرگیا۔"

ابن اثیر کا بیان ہے معرکہ حطین میں عیسائی مقتولین کے انبار دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ نصرانیوں کا پورا لشکر قتل ہوگیا ہے لیکن جب گرفتار عیسائیوں کو دیکھا جاتا تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پورا لشکر قیدی بنا لیا گیا ہے۔

دوسرا مورخ ابوشامہ لکھتا ہے کہ مسیحی لشکر کے تمام مشہور سردار مسلمانوں کی قید میں تھے اور عیسائی سپاہیوں کا ایک ایک مسلمان لشکری تیس تیس عیسائی پیادوں کو خیمے کی رسی میں باندھے جانوروں کی طرح ہنکارتا پھررہا تھا۔ 491ء (پہلی صلیبی جنگ) کے بعد اتنا بڑا کوئی معرکہ نہ ہوا تھا۔

جنگ کے خاتمہ پر تمام معزز قیدیوں کو سلطان کے حضور پیش کیا گیا۔ سب

سے پہلا قیدی شاہ یروشلم (بیت المقدس) کا بادشاہ گائی تھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے سلطان کے سامنے آیا۔ سلطان نے اسے اپنے برابر مسند پر بٹھالیا۔ پھر تمام امیروں اور سرداروں کو ان کے مرتبہ کے مطابق اپنے سرداروں کے ساتھ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔

شاہ یروشلم گائی کو معلوم تھا کہ سلطان نے امیر و قلعدار کرک کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا عہد کیا ہے۔ گائی کو یہ معلوم تھا کہ سلطان بادشاہوں اور سرداروں کو قتل نہیں کرتا مگر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ سلطان ریجی نالڈ کو کسی صورت زندہ نہ چھوڑے گا مگر گائی اسے بچانا چاہتا تھا اس لئے سلطان سے درخواست کی۔

"اے شہنشاہ اور سلطان شام ہمیں سخت پیاس معلوم ہورہی ہے اگر سلطان پیاس بجھانے کا انتظام فرمائیں تو عین نوازش ہوگی۔"

"ہم تمہاری درخواست بخوشی منظور کرتے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے سلطان نے شاہ یروشلم کے لئے آب خنک (ٹھنڈا پانی) لانے کا حکم دیا۔

ٹھنڈا پانی لایا گیا تو شہنشاہ یروشلم کو پانی پیش کرنے کا اشارہ کیا گیا۔ چنانچہ ایک قیمتی گلاس میں ٹھنڈا پانی بھر کے شاہ یروشلم کو پیش کیا گیا۔ شاہ نے شکریہ ادا کرکے گلاس غلام کے ہاتھ سے لے لیا۔ پھر شاہ یروشلم نے گلاس پانی پی کے سامنے کھڑے ہوئے قلعدار کرک ریجی نالڈ کو قریب آنے کو کہا۔

ریجی نالڈ قریب آیا تو شاہ یروشلم نے اس سے کہا۔ "ریجی نالڈ یہ باقی پانی پی لو۔" ریجی نالڈ نے جلدی سے شاہ یروشلم کے ہاتھ سے گلاس لے لیا اور منہ لگا کر ایک ہی گھونٹ میں گلاس خالی کردیا۔

سلطان صلاح الدین کی پیشانی پر غصہ سے سلوٹیں پڑگئیں انہوں نے فرمایا۔ "شاہ یروشلم ہم نے پانی تمہیں پینے کو دیا تھا تم نے کچھ پانی ریجی نالڈ کو دیا مگر ہم نے اسے پانی نہیں دیا اس لئے اس کی جان بخشی ہم پر فرض نہیں ہے۔"

اس زمانہ کا دستور تھا کہ بادشاہ یا خلیفہ کسی قیدی کو کھانا پانی دینے کا حکم دیدے پھر وہ اس قیدی کو قتل نہیں کراسکتا تھا۔ مسلمان شاہوں کے اس

دستور سے شاہ یروشلم واقف تھا۔ اس نے اسی لئے اپنا بچا ہوا پانی ریجی نالڈ پلادیا تھا تاکہ سلطان اس کے قتل کا حکم نہ دے سکے مگر سلطان نے فوراً کی وضاحت کردی۔

پھر سلطان نے تمام معزز قیدیوں کو کھانے کے لئے دوسرے خیمے میں دیا۔ واضح رہے کہ سلطان صلاح الدین کا یہ دربار میدان جنگ حطین میں ا بڑے خیمہ میں لگا تھا۔ سلطان نے صرف شاہ یروشلم اور ریجی نالڈ قلعدار کرک اپنے پاس روک لیا تھا۔

قیدیوں کے جانے کے بعد سلطان نے ریجی نالڈ کے سامنے اس کے پچھلے گناہ بیان کئے اور کہا۔ "اے ریجی نالڈ اس وقت میں محمد رسول اللہ اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد چاہتا ہوں۔"

سلطان کا یہ اشارہ اس واقعہ کی طرف تھا جب مسلمانوں کے ایک قافلہ ریجی نالڈ نے گرفتار کرلیا تھا اور قافلے والوں نے ریجی نالڈ سے رہائی درخواست کی تھی۔ اس گھڑی ظالم ریجی نالڈ نے قہقہ لگا کر کہا تھا کہ تم لوگ محمدؐ پر اعتقاد رکھتے ہو۔ اس وقت محمدؐ کو اپنی مدد کے لئے کیوں نہیں بلا سلطان نے اگرچہ ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کی قسم کھائی تھی اسلامی اصول کے مطابق سلطان نے پہلے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو سلطان نے اپنے ہاتھ سے اس کا قلم کردیا۔

شاہ یروشلم گائی حاکم کرک کا یہ انجام دیکھ کر خوفزدہ ہوگیا۔ سلطان نے ا تسلی دی۔

"اے شاہ یروشلم تمہیں خوف کھانے کی ضرورت نہیں بادشاہوں کا یہ د نہیں کہ وہ دوسرے بادشاہوں کا سر اتار دیں۔ ریجی نالڈ کو اس کے حدود تجاوز کرنے کی سزا دی گئی ہے۔"

معرکہ حطین میں شکست کے بعد شام میں نصرانی ریاستوں کا خاتمہ ہو نصرانیوں کے بڑے بڑے سردار اور امیر گرفتار ہوچکے تھے اور اب کوئی ایسی طا باقی نہ تھی جو شکست خوردہ اور عیسائیوں کے منتشر فوجیوں کو اکٹھا کرتا۔ عیسا کی چھوٹی ریاستیں اور جاگیرداریاں باقی تھیں جو ساحل سمندر سے دور اند علاقوں میں تھیں مگر ان کا بھی یہ حال تھا کہ جب سلطان صلاح الدین کا

شہر کے سامنے یا قلعہ کی فصیل کے قریب پہنچتا تو اس کی دیواریں گر جاتیں قلعہ اور شہر کی کنجیاں سلطان کے حوالے کردی جاتی تھیں۔

پورے ملک شام میں صور اور یروشلم کے علاوہ عیسائیوں کی کوئی ریاست باقی تھی۔ شمال میں بیروت سے جنوب میں غازہ تک سلطان صلاح الدین ایوبی کا ہوچکا تھا۔ پورا فلسطین سلطان کے رحم و کرم پر تھا۔ اس علاقہ کو عیسائیوں نوے سال پہلے مسلمانوں سے چھینا تھا اور اب یہ مسلمانوں کو مل رہا تھا۔ کے قبضہ کے بعد اسلامی لشکر چاروں طرف پھیلنا شروع ہوگیا۔ بہت کم نے اس سیلاب کو روکنے کی کوشش کی۔ اگر کوئی قلعہ بند ہوا بھی تو ایک سے زیادہ کی تکلیف گوراہ نہ کرسکا۔

سلطان نے سب سے پہلے طبریہ کی طرف کوچ کیا۔ طبریہ کے قلعہ میں ریجی کی بیوی بچے تھے انہوں نے قلعہ فوراً حوالے کردیا اور سلطان نے انہیں متاع کے ساتھ قلعہ چھوڑنے کا پروانہ عطا کردیا۔ اب سلطانی لشکر نے کملہ رخ کیا یہ بحر روم پر فلسطین کی ایک بہت بڑی منڈی تھی۔ سلطان لشکر قلعہ قریب پہنچا تو وہاں دو گروہ پیدا ہوگئے۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ قلعہ بند مدافعت کی جائے اور یورپ کے نصرانی دنیا سے مدد مانگی جائے لیکن دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ اسلامی لشکر سے ٹکرانا یا اس سیل گراں کے آگے بند باندھنا خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ اس گروہ کی دلیل تھی کہ جب گائی یروشلم ریجی نالڈ امیر کرک تمام شامی امیروں نائٹس اور ہاسپٹلز کے ساتھ صلاح الدین سے شکست کھا چکا ہے تو پھر کملہ کتنی ساعتوں تک سلطان کو روک سکے گا۔

مختصر یہ کہ کملہ نے بھی قبضہ دے کر اپنی جان بچائی۔ سلطان نے عام معافی اعلان کیا اور فرمان جاری ہوا کہ جو لوگ کملہ میں رہنا چاہیں ان کے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دی جاتی ہے مگر جو کملہ چھوڑنا چاہیں انہیں اجازت کہ وہ اپنے ساتھ اپنا مال و متاع لے جاسکتے ہیں۔ عام طور سے لوگوں نے کملہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور اپنا مال لے کر نکل گئے لیکن یہ ایک بڑی منڈی تھی اس لئے وہ تمام مال نہ لے جاسکے۔ کملہ میں ایک مسجد تھی جو گذشتہ نوے سال سے نصرانیوں کے دور حکومت میں کنیہ (گرجا) بنادی گئی تھی۔ سلطان نے اس کو دوبارہ مسجد کا روپ دیا اور وہاں نماز جمعہ ادا کی۔

سلطان کملہ میں ٹھہرا ہوا تھا اور اس کے بھائی بھتیجے اطراف میں فتوحات حاصل کررہے تھے۔ سلطان کے بھائی ملک العادل نے ناصرہ، قباریہ، حیفہ، صفوریہ اور شقیف وغیرہ کو فتح کرنے کے بعد یافا کی مشہور بندر گاہ پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔

دوسری سمت سلطان کا بھتیجا تقی الدین بن شاہ شاہان (یہ فرخ شاہ کا بھائی تھا) نے تبنین کا محاصرہ کیا۔ یہ سنگین قلعہ بڑا مضبوط تھا۔ قلعہ والوں نے اس کی سخت مدافعت کی۔ جب قلعہ پر قبضہ نہ ہوسکا تو تقی الدین کو اپنی مدد کے لئے سلطان کو بلانا پڑا۔ سلطان لشکر لے کر تبنین پہنچا۔ سلطان کی آمد کی خبر سن کر قلعہ والوں کے حوصلے پست ہوگئے اور انہوں نے بغیر مزید جنگ کے قلعہ سلطان کے حوالے کردیا۔ وہاں سے سلطان صیدا پہنچا۔ قلعہ صیدا والوں میں سلطان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے انہوں نے بغیر کسی جنگ کے قلعہ سلطان کے حوالہ کردیا۔

بیروت اس وقت بھی ایک مستحکم اور خوبصورت شہر تھا۔ بیروت والوں نے سخت مدافعت کی لیکن جنگ شروع ہونے کے کچھ ہی دیر بعد شہر میں افواہ اڑگئی کہ صلاح الدین کی فوجیں ایک سمت سے شہر میں داخل ہوگئیں ہیں۔ اس افواہ سے لوگوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور انہوں نے صلح پر زور دینا شروع کیا۔ فوجی سردار انہیں ہر طرح سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے کہ یہ محض افواہ ہے اور کسی قسم کے خوف کی ضرورت نہیں لیکن لوگوں پر خوف طاری ہوگیا۔ آخر شہر سلطان کے حوالے کرنا پڑا۔

بحرہ روم کے ساحل پر صیدا اور عقلان دو بڑے شہر (بندرگاہ) تھے۔ صیدا زیادہ مستحکم تھا اس لئے کہ صیدا میں طاقت ور تمام عیسائی لشکر اور سردار جمع ہوگئے تھے جنہوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھائی تھی۔ چنانچہ سلطان نے پہلے عقلان کا محاصرہ کیا۔ سلطان نے عقلان والوں کو پیغام بھجوایا کہ اگر وہ عقلان بغیر جنگ کے حوالے کردیں تو گائی شاہ یروشلم کو قید سے آزاد کردیا جائے گا لیکن شہر والوں نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ سلطان نے مجبور ہوکر فصیل شہر پر سنگباری شروع کرادی اس سنگباری سے فصیل ایک جگہ سے شکستہ ہوگئی مگر مدافعت اس قدر زبردست تھی اسلامی لشکر اندر داخل نہ ہوسکا۔ سلطان زیادہ تباہی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے محاصرہ سخت کردیا۔

ز شہر والوں نے جب دیکھا کہ محاصرہ ختم نہیں ہورہا اور اگر سلطان نے ام حملے کا حکم دے دیا تو بڑی تباہی مچے گی۔ ادھر شاہ یروشلم انہیں برابر پیغام بھجوارہا تھا۔ تمام طرف سے مجبور ہوکر اور ناامید شہر والوں نے جان ی کی ضمانت پر عقلان حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ سلطان نے کی در کرلی اور عقلان کے نصرانی اپنا سامان لے کر یروشلم چلے گئے۔

لان مصر سے قریب ترین بندرگاہ تھا۔ عقلان کے بعد رملہ، داروم، غزوہ ابراہیم اور بیت جبرئیل بھی آسانی سے فتح ہوگئے۔ حطین کی فتح کے بعد ہی ن نے خود کو ذہنی طور پر بیت المقدس پر بھی قبضہ کے لئے تیار کرلیا ہ حطین کی خبریں اقصائے عالم اور خصوصیت سے اسلامی دنیا میں پہنچ گئی ر دور دراز کے علماء اور فضلاء دھڑا دھڑ عقلان پہنچنا شروع ہوگئے تھے لان کے ساتھ قدم ملاکر اس ارض پاک اور قدیم قبلہ میں داخل ہوں نصرانیوں نے 1092 عیسوی سے قبضہ جما رکھا تھا۔

قلان اور بیت المقدس کے درمیان کوئی ایسی رکاوٹ نہ تھی جو سلطان کا وک سکتی۔ نصرانیوں کی طاقت کا خاتمہ ہوچکا تھا اور ان کے بادشاہ اور سلمانوں کے ہاتھوں گرفتار تھے۔ اس کے باوجود سلطان بیت المقدس پر حملہ کرکے قبضہ نہیں کرنا چاہتا تھا ہر چند کہ نصرانیوں نے گذشتہ نوے بیت المقدس کے مسلمانوں کے تمام مقامات کی ہیت تبدیل کردی تھی۔ بیت المقدس مسلمانوں کا پرانا کعبہ تھا اور وہ عرصہ تک اسی کے رخ پر کرتے تھے۔ اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس ارض مقدس کی زمین کو خون سے آلودہ کیا جائے جس طرح آج یہ نہیں چاہتے کہ کعبہ (مکہ) کے خونریزی اسی طرح بیت المقدس کے لئے یہی احترام چاہتے تھے۔

لطان کو یہ بھی معلوم تھا کہ شام کے ان تمام علاقوں کے نصرانی جو ے شکست کھا کر اپنے اپنے شہروں اور ملکوں سے بھاگے تھے۔ وہ تمام بیت المقدس میں پناہ گزین ہوئے تھے ان میں امیر بھی تھے، فقیر بھی ا بھی تھے اور بھکاری بھی۔ ایک اندازے کے مطابق بیت المقدس میں مرد اور عورتوں کے علاوہ ساٹھ ہزار کا مسلح لشکر تھا۔ ہر چند کہ اس سلطان کو کوئی پروا نہ تھی پھر بھی سلطان چاہتا تھا کہ اس ارض پاک پر بجائے مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے جسے نصرانی [illegible] مسلمانوں سے خون

کے دریا پار کر کے حاصل کیا تھا۔

پس سلطان نے بیت المقدس کے نواح میں اپنی لشکر گاہ قائم کی اور اہ
کو پیغام بھیجا۔

"اے ارض مقدس کے نصرانی باسیو۔ بیت المقدس ہمارے لئے بھی ا
محترم ہے جتنا کہ دنیا کی کسی اور قوم کے لئے ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم
چاہتے کہ ایک صدی پہلے کی طرف ایک بار پھر بیت المقدس میں اس قدر
بہے کہ ہمارے گھوڑے گلی کوچوں کو بہنے والے خون کو تیرنے لگے۔ اس لـ
بیت المقدس بغیر خون بہائے ہمارے حوالے کردیا جائے تو ہم نصرانیوں
صرف جان و مال کی حفاظت دیں گے بلکہ اگر وہ بیت المقدس میں مقیم
چاہیں تو انہیں اس شہر کے برابر زمین دی جائے گی تاکہ وہ وہاں اپنی آبادیاں
کریں۔ انہیں بیت المقدس میں داخلہ کی عام اجازت ہو گی اور انہیں کسی
تکلیف نہیں دی جائے گی۔ اگر بیت المقدس والے شہر کو چھوڑ کر کہیں
چاہیں تو بھی انہیں اجازت ہو گی اور ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔"

مگر بیت المقدس کے نصرانیوں نے سلطان کی یہ باعزت پیش کش قبول
اور جواب بھجوا دیا۔

یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس زمین پر ہمارے خداوند یسوع مسیح نے
کھولی اور جہاں وہ مصلوب ہوئے اسے مسلمانوں کے حوالے کردیں۔"

سلطان کو مجبور ہو کر تلوار بے نیام کرنا پڑا۔ نصرانیوں کا لشکر شہر کے ا
اور فصیل شہر کے باہر بھی وہ پہرے جمائے مسلمانوں سے بیت المقدس کو
کے لئے کھڑے تھے۔ سلطان نے ایک شدید حملہ کر کے فصیل شہر سے ب
لشکر کو شہر کے اندر دھکیل دیا اور فصیل پر شدید سنگباری کرائی جس سے
کئی جگہ سے شکستہ ہو گئی۔ جب نصرانیوں نے دیکھا کہ اب بچت کی کوئی
نہیں اور بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانا یقینی ہے تو انہوں نے
سلطان کی خدمت میں سفارت بھیجی۔

اس وقت سلطان نے صلح سے انکار کردیا اور کہا۔

"اب میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو تم نے اب سے نو
قبل مسلمانوں سے بیت المقدس کا قبضہ لینے کے لئے کیا تھا۔"

مسلمانوں کے اس صاف جواب سے بیت المقدس کے نصرانیوں کے ہا

انہوں نے اپنے ایک سردار بانیاں کو سلطان کے پاس بھیجا۔ اس نے
خدمت میں عرض کیا۔

سلطان عالی مقام۔ ہم لوگ یہ تو جانتے ہیں کہ ہم آپ کا مقابلہ نہیں
آپ پر یروشلم پر بزور شمشیر قبضہ کرلیں گے لیکن آپ جانتے تھے اس
خون کا ایک قطرہ نہ گرے لیکن ہوگا یہ کہ یروشلم کے مرد اپنی بیوی
قتل کردیں گے۔ پھر شہر کی تمام دولت ایک جگہ جمع کر کے اس میں
یں گے اور مسلمانوں کے جتنے مقدس مقامات ہیں ان سب کو تباہ و برباد کر
لوازیں کھینچ کے شہر کے تمام دروازے کھول دیں گے اور جب آپ شہر
ہوں گے تو وہاں آپ کو کوئی تنفس نظر نہ آئے گا اس لئے ہم اپنی بیوی
ساتھ یروشلم کے تمام مسلمانوں کو بھی تہ تیغ کردیں گے۔ یہاں تک شہر
کوئی چرند پرند بھی نہیں ملے گا۔"

ن کے انکار سے سلطان کو غصہ تو بہت تھا لیکن وہ بیت المقدس میں اس
بادی بھی نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ سلطان نے نصرانیوں سے اس شرط پر صلح
المقدس سے نکلنے والا ہر فرد دس دینار عورت پانچ دینار اور بچہ دو دینار
۔ اس طرح بیت المقدس چالیس دن کے اندر اندر جو نکل سکتا ہے اس
ند جو نصرانی بیت المقدس میں پایا جائے گا اسے غلام بنا لیا جائے گا۔

ارداد کے بعد مسلمان ۷ رجب ۵۸۳ ہجری (ستمبر ۱۱۸۷) بروز جمعہ بیت
داخل ہوئے اور اکانوے سال بعد خدا کا یہ پاک گھر اس کے حقیقی
حوالے ہوا۔ یہ کتنا اتفاق ہے کہ 27 رجب معراج نبوی کی تاریخ ہے
مبارک سے بیت المقدس کو جو نسبت ہے اس سے ہر مسلمان واقف
وس کہ مسلمان اس ارض مقدس پر قبضہ برقرار نہ رکھ سکے اور آج اس
نصرانیوں کے بجائے یہودی قابض ہیں اور انہوں نے وہاں اصل باشندوں
کو دربدر کر رکھا ہے۔

مقدس کے در و دیوار مسجد اقصیٰ کے مینار آج پھر کسی صلاح الدین کو
ہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ صلاح الدین کس سرزمین سے اٹھتا ہے۔

قبلہ اول کے در و دیوار

معرکہ حطین کے بعد ہی یروشلم کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا۔ حق و باطل کے اس معر
میں عیسائی متحدہ طاقت کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ ان کے تمام بڑے بڑے سردار نائٹس، ہاسپٹا
اور اسٹپلرز یہاں تک کہ قلعوں کے سردار اور والیان ریاست تک گرفتار ہوگئے تھے اور
تمام اس وقت مسلمانوں کے قبضہ میں تھے سوائے کرک کے قلعہ کے والی ریجی نالڈ کے۔
بدذات فرنگی مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ اس کمبخت نے مدینۃ النبی کو تباہ کرکے روضۂ
رسول کو اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کیا تھا اور لشکر لے کر عرب کے ساحل تک بھی پہنچ گیا تھا۔
پھر اس پر مسلمانوں کی ایسی مار پڑی کہ اس کو اپنی جان بچانا مشکل ہوگیا تھا۔

ریجی نالڈ مسلمانوں کو اذیت دینے سے خوش ہوتا تھا۔ مسلمانوں کا ایک قافلہ جو
بیت اللہ سے واپس آرہا تھا جب وہ قلعہ کرک کے قریب سے گذرا تو یہ ظالم ان پر
آور ہوا اور سب کو گرفتار کرلیا۔ اس وقت ایک مسلمان نے اس سے درخواست کی تھی
وہ انہیں چھوڑ دے کیونکہ وہ صلح پسند شہری ہیں اور مدینہ سے واپس آرہے ہیں۔ ا
بدبخت ریجی نالڈ نے انہیں بڑے تمسخرانہ انداز میں جواب دیا تھا۔

"تمہیں اپنے مدینہ والے نبیؐ سے عقیدت ہے تو بلاؤ اپنی مدد کو۔"

ریجی نالڈ کے یہ توہین آمیز جملے ایک دوسرے سے ہوتے ہوئے سلطان صلاح الا
ایوبی کے کانوں تک پہنچے تو سلطان نے بھرے دربار میں قسم کھائی۔

"میں اس گستاخ کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔"

پس سلطان نے باقی تمام والیان ریاست کو معاف کردیا مگر ریجی نالڈ کو اپنی تلوا
سے قتل کرکے قسم پوری کی۔ سلطان نے یروشلم میں داخل ہونے کے بعد کسی
انتقامی کارروائی نہیں کی بلکہ حکم دے دیا کہ ارض فلسطین اور خاص کر بیت المقدس

پورا احترام کیا جائے اور جس طرح حرم مدینہ اور حرم کعبہ میں خون نہیں بہایا
طرح اگر بیت المقدس میں کسی نے کسی مخالف کی نکسیر بھی پھوڑی تو وہ سزا کا

ہے کہ کسی مقام کو فتح کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا مشکل اور دشوار اس پر قبضہ
ہے۔ اس کی بہترین مثال مسلمانوں کا اکیانوے سال (91) بعد بیت المقدس پر
کیونکہ اس قبضہ کے ردعمل پر ہی تیسری صلیبی جنگ شروع ہوئی تھی جس میں
پورا دول یورپ یعنی انگلستان، فرانس، جرمنی، سلطنت روم مشرقی اور سلطنت
سسلی، قبرص، شام کی تمام عیسائی ریاستیں یعنی انطاکیہ، یروشلم، قباریہ غرض
ایشیاء کی کوئی ایسی سلطنت نہ تھی جس نے تیسری صلیبی جنگ میں براہ راست یا
حصہ نہ لیا ہو اور یہ پورا دول یورپ اور ایشیاء کی عیسائی ریاستیں محض ایک شخص
متحد ہوئی تھیں وہ شخص تھا مجاہد اعظم صلاح الدین ایوبی جس نے بہادری اور
اس متحدہ طاقت سے نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ اسے شکست سے دوچار کرکے
انے پر مجبور کردیا۔ اس کے ذکر سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس
فلسطین کے تاریخی واقعات پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

ت المقدس جہاں امت محمدی ان گنت قربانیوں کے باوجود آج بھی بے خانماں دکھائی
یہ دنیا کے ان شہروں میں سے ایک ہے جنہیں بنی نوع انسان تکریم اور عزت کی نظر
تی ہے۔ یہاں کا ذرہ ذرہ قابل احترام ہے۔ اللہ کے بڑے بڑے انبیاء اسی سرزمین
ہوئے اور انہوں نے اللہ کی یکتائی اور وحدانیت کا درس دیا۔ مسلمان ہو کہ عیسائی یا
ب کے لئے یہ مقام یکساں طور پر متبرک ہے۔ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول
ضور اکرم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت مدینہ کے بعد سترہ ماہ (17) ماہ تک بیت
کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ حضور کے سفر معراج کی پہلی منزل بیت
ہے۔ یہیں پر حضور نے تمام انبیائے کرام کی امامت فرمائی تھی اور اسی بیت
میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا مدفن ہے۔ حضرت عیسیٰ کی مہد اور لحد کو
مقام کو لکھا جاتا ہے۔

بات کا خیال رکھئے کہ عیسائیوں کے عقیدے کے تحت حضرت عیسیٰ اسی جگہ
ہو کر یہیں دفن ہوئے ہیں جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ آسمانوں
اٹھالئے گئے تھے۔

کی بلند ترین پہاڑی کا نام "زیتون" ہے جو بحر روم سے چھبیس سو فیٹ اور بحیرہ

مردار سے پینتیس سو فیٹ بلند ہے۔ اسی طرح بحیرہ روم کا یہاں سے فاصلہ 33 میل اور
بحیرہ مردار صرف دس میل دور ہے۔ اس سطح مرتفع کے کئی مقام پر چونے کا پتھر پایا جاتا
ہے۔ شہر کے جنوب گلابی اور سفید رنگ کا سنگ مرمر زمین کی بہت گہرائی تک پایا جاتا ہے۔
اسے سینا گردس یا کیدرون کا سنگ مرمر بھی کہتے ہیں۔ اس کے قریب ہی نرم سفید چونے
کا پتھر ہے جو زمین میں چالیس فٹ گہرائی تک پایا جاتا ہے پھر گہری چاک کی سخت سطح ہے۔
کوہ زیتون اس طرح کے پتھر سے بنا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ شہر نہ تو کسی درہ پر آباد ہے اور نہ کسی دریا کے کنارے واقع
ہے۔ یہ بھی نہیں کہ بیت المقدس سے کوئی تجارتی شاہراہ گزرتی ہو۔ ان باتوں کی عدم
موجودگی کے باوجود اس شہر میں آج تک قحط نہیں پڑا۔ اور یہ تین ہزار سال سے موجود
ہے۔ اس شہر کی آبادی کو نہرام الاراج یعنی دریائے جیہون سے لائے ہوئے چشموں سے
پانی حاصل ہوتا تھا۔ پھر یہ چشمے بیکار ہوگئے گھروں میں حوض بنانے کا عام رواج تھا جس میں
برسات کا پانی بھر جایا کرتا تھا اور اسے صاف کرکے استعمال کیا جاتا تھا۔

ہر سال لاکھوں کی تعداد میں یہاں زیارتوں کو دیکھنے آتے ہیں۔ زیارتوں کی تعداد اس
قدر زیادہ ہے کہ گائیڈ کی مدد کے بغیر انہیں نہیں دیکھا جاسکتا۔ زائرین شہر کے گرد و نواح
دیکھ کے حیران رہ جاتے ہیں کیونکہ شہر کے اطراف میں بنجر وادیاں بغیر سبزے کی پہاڑیاں
ہیں۔ کہتے ہیں یہ شہر تین ہزار سال پرانا اور قدیم ہے۔ اس شہر کی قسمت میں تباہی اور
بربادی لکھی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بیس مرتبہ اس کا محاصرہ ہوا
اٹھارہ بار اسے ازسر نو تعمیر کیا گیا۔ دو مرتبہ تو اسے زمین کے برابر کردیا گیا تھا۔ ہادریان اور
بخت نصر کے زمانہ میں اس پر سخت قیامت گزری اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی

بیت المقدس پر چھ مذہب کے پیروکاروں نے حکومت کی۔ ایک وقت تو اس پر ا
قدر سخت آیا کہ شہر میں کوئی مکان بھی باقی نہ رہا۔ گلی کوچے برباد اور ویران ہوگئے یہ
کے باشندوں کو قتل کردیا گیا یا انہیں جنگلوں میں مار بھگایا گیا تھا۔ بیت المقدس کے کئی
ہے اور مذہبی ادوار میں اس کے نام تبدیل ہوتے رہے۔ یہودی اور عیسائی اسے
یروشلم کہتے ہیں اس کا سب سے پرانا نام جبیس ہے۔ حضرت داؤد کے زمانہ میں اس کا
یروشلم رکھا گیا۔ مگر یہودی ربیوں نے اس کا تعلق حضرت ابراہیم سے ملانے کے لئے اس
نام جزیح بتایا اور اس میں "شلم" کا اضافہ شیلم یا شالیم بادشاہ نے کیا جو دو ہزار آٹھ
قبل مسیح (2008 ق م) میں یہاں کا حاکم تھا۔

ایک یہ بھی روایت ہے کہ قیصر ہادریاں نے اسے یہودیوں سے خالی کرانے کے

نا کا نام "ایلیا کاپی تولی نا" رکھا۔ یہ واقعہ 130ء کا ہے۔ اس نام کا پہلا لفظ الیا تو باقی رہا
پی کو بے معنی کہہ کر ختم کردیا گیا۔ یاقوت لکھتا ہے:۔

اس بادشاہ کا نام الیا اس لئے تھا کہ اسے آباد کرنے والی
عورت کا نام الیا تھا۔ الیا کے معنی بیت اللہ کے ہیں۔ یہ بھی ایک
روایت ہے کہ یہ اپنے بانی کے نام پر ہے جو روم بن سام بن نوح کا
بیٹا تھا۔ اس کے بھائیوں کے نام دمشق، حمص اور فلسطین ہیں۔

عربوں نے اسے البلاط کا نام دیا ہے جس کے معنی دربار شاہی کے ہیں۔ اس کا ایک
ن ٹی یعنی سنہرا شہر ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی صبح کو جب سورج طلوع ہوتا ہے تو
پتھروں سے بنی ہوئی عمارتیں چمکنے لگتی ہیں۔ یہ نام اس کا اب بھی رائج ہے اس
ہ اس کا ایک اور مشہور نام ہے یعنی "امن کا شہر" (City of Peace) مگر یہ نام
ہ چڑاتا معلوم ہوتا ہے کیونکہ بیت المقدس کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس شہر کی عمر تین
ں سو برسوں میں مشکل ہی ہے بیس سال ایسے نکلیں گے جن کے دوران اس میں
مان کا دور دورہ رہا ہو ورنہ اس شہر نے اپنی پوری عمر لڑائیوں میں گزاری ہے۔
یت المقدس میں ہونے والی لڑائیوں کی فہرست ترتیب دینا مشکل ہے۔ ان لڑائیوں
نے والے اور مجروح ہونے والوں کا شمار ہی نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے تو ایک عمر
ہے مگر یہ شہر ہے کہ اب تک قائم ہے۔ بھرا پڑا شہر اجڑتا ہے آبادی الٹ پلٹ
ہے۔ کھیتیاں برباد ہوتی ہیں۔ لوگ گھر چھوڑ کر جنگلوں میں پناہ لیتے ہیں پھر کچھ ہی
ر اس کے کھنڈرات پر ایک نیا شہر آباد ہوتا ہے۔ اس کے تقدس میں ذرا بھی فرق
ا۔

یت المقدس کو یہودیوں نے اس وقت "شہر امن" کا نام دیا جب 200 ق م میں
نے انٹی اوکس ایپی فینس کو شکست دی۔ عیسائیوں کو یہ شہر اس لئے پیارا ہے
اسلوب اس شہر میں تھی اور حضرت عیسیٰ اسی شہر میں پیدا ہوئے اور انہیں یہیں
چڑھایا گیا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انہوں نے اس شہر کو روز اول ہی سے
مقدس قرار دیا۔ عربوں کے مطابق اس شہر کی بنیاد ایک یبوسی بادشاہ صادق ملیک
ا تھی جو نسلا" عرب تھا۔

وایت ہے کہ انسانی ذہن اور تاریخ میں بیت المقدس سے زیادہ قدیم کوئی اور شہر
یال رہے کہ دمشق کو بھی سب سے قدیم شہر کہا جاتا ہے) بہر حال اس شہر کی تاریخ
ہ ق م سے شروع ہوتی ہے جب یہاں آل سام آباد تھے اور انہیں کنعانی یا فونیقی

کہا جاتا ہے لیکن ایک روایت کے مطابق فونیقی دراصل یمن کے قدیم باشندے تھے
ترک وطن کرکے بیت المقدس کے اطراف میں آباد ہوئے تھے۔ ان قبائل کی ایک شاخ
مجوسی تھی۔ 2028ء ق م میں یہاں شالیم بادشاہ کی حکومت تھی۔

دریائے دجلہ اور فرات کے سنگم پر شہر شہراز آباد تھا جہاں سے حضرت ابراہیم
سب سے پہلے ہجرت کی تھی اور جردن میں آکر قیام فرمایا تھا۔ جردن بعد میں الخلیل کے
سے مشہور ہوا۔ کتاب مقدس کی بعض روایت اور زمین سے نکلنے والی تختیوں سے یہ
بھی معلوم ہوئی ہے کہ وہاں کا بادشاہ بھی حضرت ابراہیم کی طرح ایک خدا کی پرستش کرتا
اور اپنے آپ کو خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر کہتا تھا۔

کتاب پیدائش اور ابن کثیر کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آہستہ
آہستہ طاقت حاصل کی۔ اسی وقت اردن میں حضرت لوط رہتے تھے۔ دمشق کے بادشاہ
انہیں پریشان کیا اور ان سے گستاخی کی تو حضرت ابراہیم اپنے آدمیوں کے ساتھ حضرت
کی مدد کو پہنچے اور شاہ دمشق کو شکست دے کر دمشق کی سرحد تک اس کا تعاقب کیا۔
جنگ میں جب حضرت ابراہیم کامیاب وکامراں واپس آئے یبوسی بادشاہ نے شہر سے نکل
ان کا استقبال کیا۔

عرب کی قدیم تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے حضرت ابراہیم اسی وادی سے بی بی ہا
اور اسمٰعیل کو وادی فاران میں چھوڑ گئے تھے۔ حضرت ابراہیم نے یہیں 175 (ایک
پچھتر) سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور جردن میں دفن ہوئے پھر ان کی وفات کے
سال بعد حضرت یعقوب نے بیت المقدس کے ایک مقام "بیت ایل" پر ایک مذبح
تعمیر کیا۔ اس کے کئی صد بعد حضرت سلیمان نے اس قربان گاہ کے کھنڈرات پر "
سلیمانی" کی عمارت تعمیر کی تھی۔

کتاب پیدائش میں لکھا ہے:۔

> یعقوب ان لوگوں سمیت جو اس کے ساتھ تھے لوز پہنچا۔ بیت
> ایل یہی ہے اور ملک کنعان میں ہے۔ وہاں اس نے مذبح بنایا اور
> اس کا نام "بیت ایل" رکھا۔

جب حضرت یعقوب طویل جلاوطنی کے بعد واپس آئے تو ان کا نام اسرائیل
وہ اپنے بھائی ادوم کے خوف سے جلاوطن ہوئے تھے۔ مگر اب ان کے بھائی نے
مظاہرہ کیا اور یہ علاقہ یعقوب کے حوالے کرکے پسپا ہوگئے۔ اسی ادوم کے بیٹے حضرت
تھے حضرت یعقوب کا دور 2200 ق م (بیسویں صدی قبل مسیح) بتایا جاتا ہے

بیت ایل" کے خدا کی اس سے زیادہ اہمیت نہیں کہ حضرت یعقوب نے اسے عالم
دیکھا اور اس کے نام کا ایک مذبح تعمیر کیا۔ اسی مقام سے حضرت یوسف اپنے
کی شرارت سے تاجروں کے ہاتھ فروخت ہوکر مصر پہنچے تھے۔ یوسف کا حسن بے
چنانچہ جب بازار مصر میں ان کی فروخت کے لئے بولی شروع ہوئی تو شاہ مصر جسے
کہا جاتا تھا اس کی بیوی زلیخا نے یوسف کو خرید لیا۔ یوسف غلام کی حیثیت سے
محل میں پہنچے مگر زلیخا یوسف کے حسن کی غلام ہوچکی تھی۔
ف زلیخا کی ایک الگ داستان ہے جو دامن یوسف کے نام سے لکھی گئی ہے۔
جب مصر کے بادشاہ ہوئے تو حضرت ابراہیم کے پوتے اسرائیل (یعقوب) کی اولاد جو
ل برادران یوسف کے نام سے مشہور ہیں حضرت یوسف کے پاس مصر میں پہنچے
کے ان بھائیوں نے انہیں کنویں میں پھینک دیا تھا مگر یوسف نے اپنے بھائیوں کو
لگالیا۔ یوسف کی وجہ سے آل اسرائیل کو مصر میں بڑا عروج حاصل ہوا۔
ب یوسف کا انتقال ہوا تو آل اسرائیل عتاب نازل ہوا اور یہ قوم نحوست اور ادبار
کر برباد ہوئی پھر جب چار سو سال غلامی میں گزرے تو اللہ تعالیٰ کو بنی اسرائیل پر
اور ان میں حضرت موسیٰ کو مبعوث کیا۔ موسیٰ نے مصر کے شہنشاہ فرعون کے ظلم
انہیں نجات دلائی اور انہیں دریا پار کراکے وادی سینا میں لے گئے۔ یہ وہی
ینا ہے جہاں کوہ طور ہے جس کی چوٹی پر کھڑے ہوکر حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے
راتے تھے اسی لئے وہ کلیم اللہ کہلاتے تھے۔
م بنی اسرائیل فطرتاً" بدطینت اور نافرمان ہے۔ وادی سینا میں آباد ہوتے ہی یہ قوم
کی پرستش چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنے لگے۔ جب موسیٰ نے انہیں سختی سے منع کیا
نی کے خلاف کھڑے ہوگئے اور ان کی صریحاً" نافرمانی شروع کردی۔ حضرت موسیٰ
انہیں حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کو واپس چلیں تو جو ان کا اصل مرکز تھا تو انہوں
رت موسیٰ کا حکم ماننے سے انکار کردیا اور صاف لفظوں میں کہا۔

"تو اور تیرا رب جائے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"

نا کے اس جواب سے موسیٰ بہت مایوس ہوئے۔ خدا کو بھی ان کا جواب ناگزیر گزرا
ل یہ سزا دی گئی کہ جب تک ان کے تمام بالغ مرد مر نہ جائیں گے اس وقت تک
لوی تیہ میں پریشان بھٹکتی رہے گی۔ طبری نے نحوست کے اس زمانہ کو چالیس سال
ے اس دوران بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے تین لاکھ آدمی مرے پھر یہ بیت
میں داخل ہوسکے۔ روایت ہے بنی اسرائیل اپنے اصل مرکز یعنی بیت المقدس سے

دو سال تک باہر رہ کر پھر وہاں واپس آئے تھے۔

بنی اسرائیل بیت المقدس میں واپسی ایک شدید جنگ کے بعد 1451ء ق م
تھی۔ اس وقت بنی اسرائیل کا سردار یشوع بن نون تھا اور بیت المقدس کے بادشاہ
ادونی صدق تھا۔ جس وقت بنی اسرائیل حملہ آور ہوئے اس وقت شاہ یروشلم کی
فلسطین کے چار اور بادشاہ جرون، برلوت، لکیس اور عجلون نے اس کی مدد کی تھی
اسرائیل نے پانچوں بادشاہوں کے متحدہ لشکر کو شکست دی اور پانچوں بادشاہ جنگ میں
گئے اور پورے فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہوگیا۔ عموری بادشاہوں کے مارے جا
بعد بنی اسرائیل نے جبرون کو اپنا صدر مقام بنایا اور اس سلطنت کی سرحدیں شام
اور یمن تک پہنچ گئیں۔ حضرت یوسف اس علاقہ کے مقام کنعان میں پیدا ہوئے
انہیں خوبصورتی کی وجہ سے "ماہ کنعان" کہا جاتا تھا۔

آثار قدیمہ کی کھدائی سے پتہ چلتا ہے کہ یشوع بن نون کی بیت المقدس میں
سے پانچ سو سال قبل برنجی دور کا آغاز ہوگیا تھا اور فلسطینی تانبے میں ٹین ملا کر
کا استعمال کرنے لگے تھے۔ عیسائیوں کی مذہبی کتاب انجیل سے معلوم ہوتا ہے بنی ا
نے فراعنہ مصر کے ہاتھوں دو سو سال تک ذلت کی زندگی گزاری تھی۔ اس کے
چالیس سال تک وادی تیہ میں بھٹکے تھے تب جاکے انہیں بیت المقدس میں قدم ر
سعادت نصیب ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت ابراہیم کو انتقال کیے ہوئے پانچ صدیاں گ
تھیں۔ بنی اسرائیل جس وقت فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اس وقت وہ خدا پر
دیندار تھے۔ وہ احکام الٰہی بجا لانے میں کوئی پس و پیش نہ کرتے تھے۔

یشوع بن نون نے ارض فلسطین کو تقسیم کیا تھا۔ اس نے یروشلم یہودا کو دیا
ایک بیان یہ بھی ہے کہ یہودا نے اپنے بھائی شمعون کی مدد سے لڑ کر اس شہر پر قبضہ
یہ واقعہ 1400 ق م کا ہے۔ انجیل اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ یہودا نے
کے لوگوں کو تہہ تیغ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اور شہر کو بری طرح تباہ کر
یہودا بیت المقدس پر قبضہ کے بعد اپنا فاتح لشکر لے کر آگے کی طرف روانہ ہوا ا
نے شہر کی نگرانی بنی بینمین کے سپرد کی تھی۔ یہودا نے بنی بینمین کو تاکید کی تھی ک
یبوسیوں سے جو وہاں کے قدیم باشندے تھے خالی کرالیا جائے مگر بنی بینمین یبوسیوں
سے نکالنے میں ناکام ہوگئے تھے۔

پھر جب یہودی طاقت کے نشہ میں جادہ حق سے ہٹ گئے اور انہوں نے احکا
کی تعمیل سے روگردانی شروع کردی تو وہ ذلیل ہوگئے اور ان کا وقار آہستہ آہستہ

جس جوش و جذبہ سے سرشار ہوکر فاتح بیت المقدس بنے تھے وہ جذبہ معدوم
بھی ان میں پرانے جذبہ اور جوش کا احیاء ہوتا اور کچھ دن وہ خدا پرست رہتے
جاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یبوسی قوم جسے وہ بیت المقدس سے بالکل بے
پائے تھے اس قوم نے زور پکڑا پھر ایک وقت وہ آیا جب محکوم یبوسیوں نے
سلطنت کا خاتمہ کردیا اور انہیں بیت المقدس سے نکال باہر کیا۔

پر بیت المقدس کے دروازے بند ہوگئے اور یہ قوم طوائف الملوکی کا شکار
میں کوئی ایک حاکم اعلیٰ نہ تھا بلکہ قبیلے قاضیوں سے بٹ گئے تھے۔ یہ قاضی ان
کے سردار ہوتے اور اپنا حکم چلاتے تھے مگر اس قوم کی اخلاقی اور معاشرتی حالت
گئی تھی خود ان کے قاضی اور کاہن (مذہبی پیشوا) ان کی بداعمالیوں میں شریک
حالات سدھرنے کی بجائے اور زیادہ بگڑ گئے۔

دور نحوست اور ادبار میں یہودیوں میں سیموئیل نبی مبعوث ہوئے۔ اس نبی کے
قوم بنی اسرائیل) کو اصنام پرستی (بت پرستی سے) چھٹکارا دلایا اور انہیں اللہ کے
ملایا۔ یہودیوں نے ایک بار پھر سنبھالا لیا۔ ان کا دور غلامی ختم ہوگیا تھا اور پرانی
لت لوٹ آئی تھی۔ سیموئیل نبی کو یہودی حضرت موسیٰ کے بعد دوسرا نبی شمار
جب سیموئیل کا وقت آخر آیا تو انہوں نے بنی اسرائیل کی مرضی کے تحت
رت طالوت کو بادشاہ مقرر کردیا۔ یہاں پر اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ طالوت
ہونے سے تیس سال پہلے یعنی 1050ء ق م میں شددی قوم، بنی اسرائیل کو
ے کر تابوت سکینہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ تابوت سکینہ ایک صندوق تھا جس
نبیوں کے تبرکات رکھے گئے تھے۔ مگر صرف سات ماہ بعد انہوں نے خود ہی اس
واپس دیدیا تھا۔

ت کا بیشتر وقت فلیتوں (یبوسیوں) سے جنگ کرتے گزرا۔ طالوت کے مخالف کافر
کی کمان جالوت کے ہاتھ میں تھی۔ جالوت بڑا سفاک اور ظالم تھا۔ بہادری میں وہ
نہیں رکھتا تھا۔ مگر طالوت اور جالوت کی ان جنگوں میں ایک جوان رعنا نے
طرف سے بڑی بہادری کے جوہر دکھائے۔ اس کا نام داؤد تھا مخالف سردار جالوت
کی تلوار سے مارا گیا تھا۔ انہی داؤد کو آگے چل کے پیغمبری عطا ہوئی تھی اور یہ نبی
ساتھ بنی اسرائیل کے بادشاہ بھی منتخب ہوئے تھے۔

ت کے آغاز عہد میں بنی اسرائیل نے قوم کی صورت اختیار نہ کی تھی بلکہ وہ
لا بٹے ہوئے تھے اور ہر قبیلہ دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتا تھا۔ حضرت

طالوت نے ان کا قبائلی نظام ختم کرانے کی پوری کوشش کی اور وہ بڑی حد تک اس
کامیاب بھی ہوئے تھے۔ سیموئیل کو ایک روحانی آمر کہا جاتا ہے۔ وہ بیک وقت بڑ
رہنما، روحانی پیشوا، قاضی القضاۃ، استاد اور پیغمبر تھے۔ طالوت نے بھی اپنے دارالسلط
جبرون کو بنایا تھا جہاں سے وہ جنگوں کی نگرانی کرتا تھا۔ طالوت شاہی آداب کا ماہر تھا
خود ان آداب کی پاسداری کرتا اور لوگوں کو آداب شاہی پر عمل کرنے کا حکم دیتا تھا۔

طالوت کے بعد بنی اسرائیل نے متفقہ طور پر داؤد کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔ ا
ابتدائی دارالسلطنت جبرون ہی تھا کیونکہ بیت المقدس پر یبوسی قابض تھے۔ حضرت داؤد
اسرائیلی قبائل کی متحدہ طاقت کے ساتھ جنوبی بیت المقدس پر حملہ کیا اور ایک شدید
کے بعد بیت المقدس جنوبی پر حضرت داؤد کا قبضہ ہوگیا۔ کچھ ہی دنوں بعد حضرت داؤد
بیت المقدس پر ایک شدید حملہ کیا۔ اس حملہ کا مقصد شمالی بیت المقدس پر قبضہ کرنا
آخر ایک سخت لڑائی کے بعد بیت المقدس کا شمالی حصہ فتح ہوگیا اور اسرائیل کی وہاں ا
وسیع سلطنت قائم ہوگئی۔ یبوسی شہربدر کردیئے گئے یہ پہلا موقع تھا کہ بنی اسرائیل کا پو
بیت المقدس پر قبضہ ہوگیا۔

یبوسیوں کی شکست سے بیت المقدس کے قریب کی تمام ریاستیں خوفزدہ ہوگئیں
انہوں نے اپنا ایک متحدہ محاذ بنالیا اور تمام لشکروں کو ملاکر جبرون پر حملہ کردیا۔ حضرت
خود بہادر تھے ان کی فوج کے حوصلے بلند تھے۔ انہوں نے مشترکہ لشکر کو شکست دے
بھگادیا۔ ان میں سے بعض ریاستوں نے حضرت داؤد کی قیادت قبول کرکے حضرت داؤد
دوستی کرلی۔ حضرت داؤد نے کوہ زیتون پر شاہی محل تعمیر کرایا اور وادی میں شاہی
لگوایا۔ حضرت داؤد کا تینتیس سالہ (33) دور حکومت میں امن کا زمانہ بہت کم رہا
برابر لڑائیاں ہوتی رہیں مگر ان لڑائیوں سے حضرت داؤد کو فائدہ ہی ہوتا رہا۔

بنی اسرائیل قبائل کے بجائے اب ایک قوم بن چکے تھے۔ قرب و جوار کی
ریاستوں پر ان کی بہادری اور شجاعت کا رعب بیٹھ گیا تھا۔ خزانے دولت سے معمور
اور رعیت خوشحال۔ مال غنیمت اور نذرانوں میں اس قدر دولت حاصل ہوئی تھی کہ
سے سنبھالے نہ سنبھلتی تھی۔ حضرت داؤد کی خواہش تھی کہ وہ تابوت سکینہ کے لئے
گھر تعمیر کریں۔ مگر اسرائیلیات (اسرائیلی کتب کے حوالے) کے مطابق انہیں خدا
اطلاع دی کہ وہ گھر جس کا داؤد ارادہ کررہے ہیں وہ اس وقت نہیں بلکہ مستقبل میں
کے بیٹے کے ہاتھ سے تعمیر ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اس تعمیر کے لئے ابھی سے سامان
کرنا شروع کردیا۔

حضرت داؤد نے اپنے بیٹے سلیمان کا کام آسان کرنے کے لئے سونا، چاندی، لوہا،
یہاں تک کہ لبنان سے دیوار کی لکڑی تک منگوالی۔ پھر اپنی زندگی کے آخری دنوں
بلا نے بیٹے کو ہیکل کی تعمیر کی جگہ اور اس کے مجوزہ نقشہ سے آگاہ کیا۔ یہ ہیکل کا
نقا جو حضرت داؤد نے عالم رویا میں دیکھا تھا۔ 1015ء ق م میں حضرت داؤد کا
ہوا اور 1012ء ق م میں حضرت سلیمان نے ہیکل سلیمانی کی تعمیر شروع کرائی۔
زمانہ میں فن تعمیر سے ناواقف رہے۔ اس لئے تعمیر کے لئے مصر اور لبنان سے
لائے گئے۔ حضرت داؤد نے اپنے پیچھے ایک کروڑ تیس ہزار پونڈ سونا اور 1270 ہزار
چاندی چھوڑی تھی۔

روایت کے مطابق 7 سال میں ہیکل سلیمانی کی عمارت تیار ہوئی۔ اس میں بے
صرف ہوئی۔ زرعی آمدنی اور باجگذار شہزادوں کے نذرانے بھی اس تعمیر میں کام
ہے دولاکھ آدمیوں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا تھا۔ یہودیوں کی کتاب سکہ
مطابق ہیکل سلیمانی اپنے دور کی بے مثال عمارت تھی۔ اس عمارت میں ایک
بنایا گیا تھا جس میں خداوند کے زمانہ کا تابوت سکینہ رکھا گیا۔ اس صندوق میں
یوسف کی ہڈیاں اور کپڑے اور دیگر تبرکات تھے۔ مشہور ہے کہ بابلی کے بادشاہ بخت
حملہ کے دوران سکینہ ایسا غائب ہوا کہ آج تک اس کا پتہ نہیں چل سکا۔

حضرت سلیمان ایک برگزیدہ نبی ہونے کے علاوہ ایک زبردست بادشاہ بھی تھے۔ خدا
پریوں اور دیوؤں کو ان کے قبضہ میں دیا تھا۔ آپ کا تخت دیوؤں کے کاندھوں پر ہوا
تھا۔ اس کے علاوہ آپ تمام چرند پرند کی بولیاں سمجھتے تھے۔ حضرت سلیمان نے
کے لئے ایک عالیشان محل تعمیر کرایا تھا جس کی تعمیر تیرہ سال میں مکمل ہوئی
پر بے شمار دولت صرف ہوئی محل کی آرائش اور زیبائش میں نادر اور نایاب
استعمال ہوئی تھیں جنہیں دیکھ کر عقل انسانی حیران رہ جاتی تھی۔

حضرت سلیمان کے اسی محل میں حضرت سلیمان نے ملکہ بلقیس سباء کا استقبال کیا تھا۔
ملک سباء کی ملکہ تھی جو یمن میں واقع ہے۔ ملکہ سباء جب حضرت سلیمان سے
بیت المقدس گئی تو اس کے ساتھ ہزاروں من سونا تھا اور دنیا کی بہترین خوشبوئیں
کہتے ہیں ملکہ نے جو خوشبوئیں حضرت سلیمان کے حضور پیش کیں وہ دنیا میں کسی
موجود تھی (سلیمان بلقیس سباء کے نام سے ایک تفصیلی کہانی لکھی جاچکی ہے)۔
کی سلطنت حضرت سلیمان کے عہد میں بام عروج پر تھی۔

حضرت سلیمان کی وفات ہوتے ہی سلطنت بیت المقدس پر زوال آگیا۔ یہ عظیم

سلطنت شمالی اور جنوبی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ پھر جنوبی حکومت کے یہودی راہ مستقیم سے ہٹ کر بت پرستی پر راغب ہوئے اور انہوں نے باغوں اور گھروں میں بت بنا کر ان کی پرستش شروع کی اور طرح طرح کی بدعتوں میں مبتلا ہوگئے۔ جو قوم راہ مستقیم سے ہٹ جاتی ہے خدا اس پر اپنا قہر نازل کرتا ہے۔ چنانچہ مصر کے بادشاہ نے حملہ کرکے جنوبی حکومت کو اپنا باجگذار بنالیا۔

اب یہودیوں اور بیت المقدس کی بربادی ان کا مقدر بن گئی۔ یہودیوں کی دونوں سلطنتوں پر کبھی مصری کبھی شامی اور کبھی بابل کے آشوری حملہ کرتے اور مال غنیمت لوٹ کر لے جاتے۔ ہیکل سلیمانی کا تمام قیمتی سامان اس طرح لٹتا رہا۔ عیاری، مکاری اور غداری یہودی قوم کی فطرت میں داخل ہے اور یہ اس سے کسی زمانہ میں بھی باز نہ آئے تھے۔ بابل کے شہنشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کے پہلے حملے میں بیت المقدس کو جی بھر کے لوٹا اور اپنی مرضی کا بادشاہ بنا کے لوٹ گیا۔ کچھ ہی دنوں بعد یہودیوں نے بخت نصر کے خلاف مصریوں سے معاہدہ کیا اور بخت نصر سے بغاوت کردی۔ بخت نصر ایک لشکر جرار کے ساتھ بیت المقدس میں داخل ہوا اسے کوئی روک نہ سکا۔ اس نے پہلے سے زیادہ قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی اور یہودیوں ہی میں سے ایک کو بادشاہ بنا کر لوٹ گیا لیکن یہودی کس کے ساتھ وفا کرنا تو جانتے ہی تھے۔ انہوں نے پھر بغاوت کے ڈول ڈالے۔ اس بار بخت نصر نے یہودیوں کی کمر توڑ کے رکھ دی۔ اس نے بیت المقدس میں قتل عام کا حکم دیدیا۔ تمام عمارتیں بمعہ ہیکل سلیمانی کے زمین کے برابر کردیئے گئے۔

اس طرح اس دفعہ بخت نصر بیت المقدس کو اس طرح ویران کرکے واپس ہوا کہ ایک طویل عرصہ تک ان کھنڈرات پر کوئی عمارت کھڑی نہ ہو سکی بخت نصر اپنے ساتھ ان تمام یہودیوں کو لے گیا جو قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ بابل پہنچ کے اس نے یہودی اسیروں دریائے فرات کے کنارے آباد کیا۔ ان قیدیوں نے اس جگہ کا نام تل ابیب رکھا۔ یہودیوں کا موجودہ دارالسلطنت اسی کی یادگار ہے۔ بیت المقدس کے اس حملے میں بخت نصر نے یہودیوں کے تمام مذہبی کتابوں کو جلوادیا تھا۔ اس میں توریت بھی شامل ہے۔ اس لئے یہودیوں کی جدید توریت وہ نہیں جو آسمانی کتاب تھی بلکہ یہ یہودیوں کے کاہنوں اور قاضیوں کی یادداشتیں ہیں جو توریت کی تباہی کے بعد ترتیب دی گئی تھیں۔ کاہنوں اور قاضیوں نے اس توریت میں اپنی مرضی کے مطابق اس قدر کمی بیشی کی ہے کہ اس کا اوصاف متن ہو کر رہ گیا ہے۔

اس دور غلامی میں دانیال اور عزیز نبی ان خانماں برباد یہودیوں کی رہنمائی کرتے ر

ی کہ زرد بابل سالتی ایل نے جو حضرت داؤد کی نسل سے تھا صیہونیت کی پہلی آغاز کیا۔ صیہون دراصل بیت المقدس کی ایک پہاڑی کا نام ہے حضرت داؤد نے اڑی پر اپنی فتح کا جشن منایا تھا۔ اس لئے یہودی اس پہاڑی کو مقدس خیال کرتے بیت المقدس کو "دختر صیہون" کے نام سے پکارتے ہیں۔ تحریک صیہونیت کے معنی کہ بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنا اور وہاں ہیکل سلیمانی کی تعمیر ہے۔

یہودی جب ایک عرصہ تک اپنے اعمال کی سزا بھگت چکے اور جب 539 ق م نے کے پہلے کسریٰ خسرو نے جسے بائبل میں فورس کا نام دیا گیا ہے بیت المقدس فتح کیا تو اس ب عام منادی کے ذریعہ یہودیوں کو اپنے وطن واپس جانے کی اجازت عطا کی۔ پس کے قافلے کے قافلے فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ یہ لوگ خالی ہاتھ تھے ئے کسریٰ نے ازراہ الطاف خسروانہ انہیں وہ سونے اور چاندی کے برتن واپس لے ی اجازت دیدی جو بخت نصر اپنے ساتھ اٹھوا لایا تھا۔

یہودیوں کا اس وقت کا قائد "شیس بضر" تھا۔ کنارہ فرات سے تمام یہودی فلسطین نہیں گئے جانے والوں کی مجموعی تعداد صرف 4336 بتائی گئی ہے۔ فلسطین میں ں کی واپسی یشو بن صدق اور زرد بابل بھی سالتی ایل کی قیادت میں ہیکل سلیمانی کی از تعمیر شروع ہوئی۔ یہودیوں کے دل بجھے ہوئے تھے۔ وہ اچھے معمار بھی نہیں تھے اس م بھی بڑی سست رفتاری سے شروع ہوا اور اس کی تعمیر میں بیس سال لگ گئے۔

ہیکل سلیمانی کی تیاری کے بعد عزرا جو ایک ماہر فقیہ تھا اس نے وہ کتاب مقدس ت" پڑھ کر سنائی جو اس نے بزرگ یہودیوں کے مشورے اور اپنی یادداشتوں کے زور تیب دی تھی۔ اصل توریت بخت نصر کے حملہ میں جل کے خاک ہوگئی تھی اور یہ توریت جو یہودیوں میں رائج ہے یہ دراصل عزرا کی تالیف ہے جس کا نہ صرف لہجہ بان بدلی ہوئی ہے بلکہ اس میں عزرا نے اپنی طرف سے بہت سی عبارتیں بڑھادی ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے باوجود فصیل شہر اور شہر ابھی تک ملبہ کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔

یہودیوں کو فلسطین جانے اور ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کی اجازت دیدی گئی تھی لیکن ابھی فصیل شہر کی تعمیر کی اجازت نہ تھی۔ ایک روایت کے مطابق بیت المقدس کی کے ایک سو تینتالیس سال (143) بعد "نحمیاہ" نامی ایک شخص نے ایران پہنچ کے کے شہنشاہ اردشیر اول سے یروشلم کی فصیل اور شہر کی تعمیر کی اجازت حاصل کی۔ وہ ل طرح کہ شہنشاہ ایران شراب کے نشہ میں مدہوش تھا۔ اس وقت "نحمیاہ" نے بان کے تعاون سے اجازت حاصل کی۔

پس 54 روز کی مسلسل کوشش سے بیت المقدس کی فصیل تعمیر ہو گئی لیکن یہ تعمیر ا
کی پہلی بنیادوں پر پرانے سامان سے مکمل ہو گئی تھی۔ پھر بھی بیت المقدس کا شہر آباد ہو گیا
اس کی پچھلی رونقیں لوٹ آئیں اور یہودی خوشحال ہو گئے مگر خوشحال ہوتے ہی انہوں ۔
پھر خدا کی راہ چھوڑ کے بت پرستی اختیار کر لی اور دنیا کے تمام عیوب ان میں پیدا ہو گئے
ان کے عیش و عشرت کا یہ عالم تھا کہ 332ء ق م میں جب سکندر اعظم نے ایران ک
شہنشاہ دارا کو شکست دی اور غزہ کی فتح کے بعد یروشلم کی طرف بڑھا تو بزدل یہودیوں ۔
اس کا مقابلہ کرنے کی بجائے شہر سے تین میل آگے نکل کر سکندر کا استقبال کیا۔ ا
طرح شہر محفوظ رہا ایک روایت کے مطابق سکندر کا اسی شہر میں انتقال ہوا تھا اور اس ک
لاش کو سونے کے تابوت میں رکھ کر سکندریہ بھیجا گیا تھا۔

جب سکندر اعظم کی سلطنت کا بٹوارہ ہوا تو بیت المقدس مصریوں کو دیا گیا۔ پھر جب
بیت المقدس مصریوں اور شامیوں کے درمیان "ہڈی" بن گیا کبھی اس پر شامیوں کا قبضہ ہو
اور کبھی مصری اسے اپنے قبضہ میں لے آتے پھر یونانی اس پر قابض ہو گئے۔ انہوں ۔
یہودیوں کا قتل عام کیا اور تمام عبادت گاہوں کو تباہ کر دیا۔ اس ظلم و ستم کے نتیجہ میں بی
المقدس میں ایک تحریک "مکابی" کے نام سے شروع ہوئی۔ مکابی ایک یہودی تھا اس ۔
اپنے بیٹوں کی مدد سے یونانیوں کے خلاف تحریک چلائی۔ یہ تحریک کامیاب ہوئی اور یونانیو
کو شکست کھا کر بیت المقدس چھوڑنا پڑا۔ مکابی نے اس فتح کا ایک زبردست جشن منایا
اس جشن کو یہودی "عید منوکہ" کہتے ہیں اور یہ عید آج تک یہودیوں میں منائی جاتی ہے۔
بیت المقدس کا شہر اس طرح انقلاب سے گزرتا ہے ہیرود اعظم کے ہاتھ آیا۔ اس ۔
اسے بہت ترقی دی۔ ہیکل سلیمانی میں اضافہ کیا مگر ہیکل کے ارد گرد رقص گاہیں او
موسیقی کے تھیٹر بھی تعمیر کیے۔ ہیرود اعظم کے بعد بیت المقدس تین ریاستوں میں بٹ گیا ا
یہ تینوں ریاستیں سلطنت روما کے ماتحت رہیں۔

یہ اجمالی اور مختصر حالات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کے ہیں۔ پھ
جب حضرت عیسیٰ ناصرہ میں پیدا ہوئے اس وقت بیت المقدس کا بادشاہ ہیرود اعظم تھا۔
یہودی نہیں بلکہ آدومی مذہب کا پیروکار تھا۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے چند سال پہ
ہیرود اعظم کا انتقال ہوا تھا۔ چونکہ یہ یہودی نہ تھا اس لئے یہودی اسے پسند نہ کر
حالانکہ ہیرود اعظم نے ہیکل سلیمانی کو آراستہ کرنے میں بہت دولت خرچ کی تھی لیکن
یہودیوں کا دل پھر بھی اس کی طرف سے صاف نہیں تھا۔
ہیرود اعظم بڑا ظالم اور سفاک انسان تھا۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اسے معلو

ہی نام کا بچہ پیدا ہو رہا ہے جو ہیرود اعظم کی سلطنت کی مخالفت کرے گا۔ اس نے
دو سال کے اندر پیدا ہونے والے تمام لڑکوں کو اٹھوا لیا اور قتل کرا دیا۔ اسی طرح
پنی موت سے چند دن پہلے حکم دیا کہ یہودیوں کے تمام بڑے بڑے سردار اور امیر
لئے جائیں۔ چنانچہ یہودیوں کے کئی سو سردار گرفتار کر کے قید کر دیئے گئے۔ اس
سردار دن کو بتایا کہ اس نے یہودیوں کو اس لئے گرفتار کرایا کہ انہیں میری وفات
قتل کیا جائے۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ یہودی میری موت پر خوشی نہ منا سکیں گے بلکہ
داروں کی موت پر ماتم کناں ہوں گے۔
ود اعظم کے مرنے پر یہودیہ یعنی جنوبی بیت المقدس کا بادشاہ ارخلدوس (اگرپا) ہوا۔
یہودیہ میں تین زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اول ابرانی اس زبان کو کاہن اور ربی
۔ عام فلسطینیوں میں آرامی زبان رائج تھی۔ تیسری زبان جسے دربار اور بادشاہ کی
اصل تھی یہ یونانی تھی۔ عبرانی بولنے والے کاہن اپنے کو سب سے برتر سمجھتے تھے
تھے جو عبرانی زبان نہیں بولتا وہ "بے روح" ہے۔
ائیوں کا یہ کہنا ہے حضرت عیسیٰ کو چار سال کی عمر میں بیت المقدس لایا گیا تاکہ
خدا کے سامنے نذر گزاری جائے۔ عیسائی مورخوں نے لکھا ہے کہ عیسیٰ کے
ین لے کر بیت المقدس گئے تھے۔ یہاں والدین کا لفظ قابل غور ہے کیونکہ
یٰ بغیر باپ کے خدا کی قدرت سے پیدا ہوئے لیکن عیسائیوں نے عیسیٰ کو خدا کا
گر زیادہ امکان ہے کہ انہیں 12 سال کی عمر میں بیت المقدس لایا گیا وہاں
یٰ نے خود کو

"اللہ کا فرستادہ"

ر کیا اور یہودیوں کو دعوت حق دی لیکن یہودیوں نے انہیں جھٹلایا۔ اس طرح
یٰ پانچ مرتبہ بیت المقدس تشریف لائے اور یہودیوں کو "دعوت حق" دی لیکن
ہر بار عیسیٰ کو جھٹلایا اور انہیں تکلیفیں دینا شروع کر دیں۔ اس وقت یہودہ (جنوبی
ی کی حکومت) کا بادشاہ ہینٹش یا پلاٹس تھا۔ وہ یونانی تھا۔ یہودیوں نے اس
عیسیٰ کی شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ عیسیٰ کو قتل کر دیا جائے۔
حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے پر آمادہ نہیں تھا وہ ٹالتا رہا۔ پھر ایک دن حضرت عیسیٰ
یمانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہودیوں سے فرمایا۔ "تم لوگ مجھے جھٹلا رہے ہو
تم دیکھو گے اس ہیکل کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ باقی نہ رہے گی۔" حضرت
ارشاد پر یہودی آپے سے باہر ہو گئے اور انہوں نے بادشاہ پلاٹس کو مجبور کیا

که وه عیسیٰ کو سولی دیدے پلاطس نے کہا۔

"میں اس راستباز جوان کے خون سے بری الذمہ ہوں"

یہ کہہ کر اس نے حضرت عیسیٰ کو 16 اپریل 30ء کو رومی سلطنت سے بغاوت کے جرم میں سولی پر چڑھا دیا۔ متی کی انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ کو یہودی کاہنوں کے اصرار پر مصلوب کیا گیا جبکہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے اور یہ قرآن حکیم کا اعلان ہے حضرت عیسیٰ کو نہ تو قتل کیا گیا اور نہ مصلوب بلکہ خدا نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا۔

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھوا تو دیا لیکن انہیں اس کی جلد سزا مل گئی۔ صرف چالیس سال بعد رومیوں نے یہودیوں کا قتل عام شروع کرکے ان کے ہیکل سلیمانی کو زمین کے برابر کردیا۔ یہ قتل عام ایسا خوفناک اور عظیم تھا کہ یہودیوں میں سے ایک یہودی بھی باقی نہ بچا تھا مغربی جانب۔ دراصل یہودیوں کی اس تمام خباثت اور بربادی کی وجہ یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں کسی یہودی کاہن کا یہ قول درج ہے:۔

"خدا نے یہود کو فرشتوں سے بہتر قرار دیا ہے اور یہود اور غیر یہود میں وہی فرق ہے جو انسان اور درندے میں ہوتا ہے۔"

یہودیوں کا یہ تفاخر آج بھی قائم ہے اور وہ دنیا کی ہر قوم کو اپنے سے کم تر خیال کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی صدائے حق سے بہت سے لوگ عیسائی ہوگئے تھے لیکن یہودی انہیں چین نہ لینے دیتے تھے چونکہ بیت المقدس میں رومی گورنر کا ماتحت رہتا تھا۔ اس لئے وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے جھگڑے میں دخل نہ دیتا تھا۔ روم میں اس وقت تک بت پرستی اور اصنام پرستی کا رواج تھا۔

288ء میں بیت المقدس میں ایک مذہبی انقلاب آیا۔ وہ اس طرح کہ شہنشاہ روم قسطنطین جس کے ماتحت بیت المقدس تھا اس نے عیسائی مذہب اختیار کیا۔ شہنشاہ روم دراصل اندرونی خلفشار سے تنگ آگیا تھا اور اس نے روم کو چھوڑ کے باسفورس کے دہانے پر ایک نیا شہر قسطنطنیہ آباد کیا تھا اور اسے اپنا دارالسلطنت بناکر وہاں مقیم ہوگیا تھا۔ اس طرح سلطنت روما دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ ایک روما مغربی تھی جس کا دارالسلطنت روم تھا اور دوسری سلطنت روما مشرقی جس کا درالسلطنت قسطنطنیہ تھا۔

اس دور میں عیسائیوں نے سنبھالا لیا۔ اس سے پہلے وہ بیت المقدس کو چھوڑ کر پہاڑوں اور ویرانوں میں جاچھپے تھے۔ شہنشاہ قسطنطین نے بیت المقدس میں مشہد اور کلیسائے نشور تعمیر کرائے۔ بیت المقدس چھوڑنے والے عیسائی پھر واپس آکے وہاں آباد ہوئے۔ عیسائی روائتوں کے مطابق شہنشاہ قسطنطین کی والدہ ہلینا نے خواب میں دیکھا

لوری کی پہاڑی پر وہ صلیب دفن ہے جس پر حضرت عیسیٰ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ چنانچہ ں پہاڑی پر کھدائی شروع ہوگئی اور وہاں سے صلیب برآمد کی گئی۔ پھر اس صلیب پر سونا ھا کر بڑے اہتمام سے اپنے بیت المقدس کے بڑے کلیسا میں سجایا گیا۔ اس صلیب کو لیب المصلوب کا نام دیا گیا اور اسے جواہرات کے ہاروں سے ڈھانپ دیا گیا۔

عیسائی مورخوں کے ایک بیان کے مطابق شہنشاہ قسطنطین بڑا ظالم بادشاہ تھا۔ اس نے نی بیوی اور خسر کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا۔ اس وقت رومیوں اور ایرانیوں کی آویزش روع ہوچکی تھی۔ یہودی ہمیشہ کی طرح حکومت وقت یعنی رومیوں سے غداری کررہے تھے ر آخر اسی غداری کے طفیل ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز نے رومیوں کو شکست دے کر بیت قدس پر قبضہ کرلیا۔ ایرانیوں نے بیس ہزار سے زائد عیسائیوں کو تہہ تیغ کیا اور بیت قدس کے تمام کلیسا اور مزار مقدس کو برباد کردیا۔ تمام پادری قید ہوئے اور خزانہ پر رانیوں کا قبضہ ہوگیا۔

ایرانیوں کا بیت المقدس پر قبضہ زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا۔ روم کے شاہ ہرقل نے خسرو کو شکست دے کر عیسائیوں کا بدلہ لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی ہرقل نے یہودیوں کو داری کی بنا پر بیت المقدس سے باہر نکال دیا۔ اس وقت عرب میں آفتاب نبوت ضیاء ریز وچکا تھا اور فتح روم کی شہادت مل چکی تھی۔ یہ شہادت سورۃ الروم میں موجود ہے۔ رداران عرب (مشرکین مکہ) کو ایرانیوں سے ہمدردی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ رومیوں اور رانیوں کی جنگ میں رومیوں کو شکست ہو اس لئے جب مسلمانوں نے سورۃ الروم کے علان کے تحت رومیوں کی فتح کی خبر دی تو مشرکین مکہ نے مسلمانوں کا خوب تمسخر اڑایا۔ ر جب جنگ میں رومیوں کو فتح حاصل ہوئی تو مشرکین کے حوصلے پست ہوگئے۔

واقعہ معراج۔۔۔ میرا قلم اک دم رک گیا۔ شاید اس لئے کہ اسلامیان عالم کے عظیم ترین رہنما اور عظیم ترین پیغمبر اور رسول محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ندگی کا وہ واقعہ بیان کرنا تھا جس نے مسلمانوں کے دین کو اس کے رسولؐ نے عظیم یقتوں سے روشناس کرایا اور بتایا کہ ہمارے سروں پر گھرے ہوئے اس نیلے آسمان پر کیا ہے اور وہاں کونسی مخلوق آباد ہے اور خلاق عالم پر کیسا روح پرور سماں ہے۔

میرے قلم نے آگے بڑھنے سے پہلے ایک بار پلٹ کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ صرف چند دراق میں 2600 ق م سے 800 عیسوی تک یعنی تقریباً" تین ہزار تین سو سال کے م واقعات کو سمودیا ہے۔ ہم باتوں ہی باتوں میں تین ہزار سال سے زیادہ کا سفر طے کرچکے ے اور اب ساتویں صدی عیسوی کے کسی سال میں تصور کی آنکھوں سے دنیا کے عظیم

ترین اور مکمل انسان کا رف رف پر سوار فضاؤں میں پرواز کرتے دیکھ رہے ہیں۔ بکمال اللہ وہ کیا مبارک دن تھا کونسا مہینہ اور کس دن کی مبارک رات تھی جب سرکار دوعالم مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ (مکہ سے بیت المقدس) روانہ ہوئے۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ تاریخ ہمیں کن کن حقائق سے آگاہ کرتی ہے۔ جہاں تک سال اور دن کا تعلق ہے تو اس کے لئے مورخین کسی بات پر متفق نہیں ہو سکے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے معراج اسرا کا واقعہ شب میں پیش آیا وہ مبارک شب 27 رجب المرجب کی تھی۔ اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ واقعہ مکہ معظمہ میں ہجرت سے اٹھارہ ماہ پہلے پیش آیا تھا۔ جس نے حرم کعبہ کے بعد حرم القدس کو مسلمانوں کی نظروں میں پاک اور محترم بنادیا۔

ابن ہشام اور ابن اسحاق کے بیان کی رو سے۔

"پھر اللہ اپنے رسول کو مسجد الحرام سے مسجد اقصے تک لے گیا۔"

ابن سعد کے بیان کے مطابق۔

رسول اللہ کو معراج مدینہ سے ہجرت سے اٹھارہ مہینے پہلے ہوئی تھی اور رسول اللہ اس رات گم پائے گئے تھے۔ عبدالمطلب کے بیٹے انہیں ڈھونڈتے پھرے عباسؓ بھی انہیں ڈھونڈنے والوں میں تھے۔ وہ رسول کا نام لے لے کر انہیں پکار رہے تھے۔ یا محمدؐ۔ یا محمدؐ۔ رسول اللہ نے یہ آواز سن لی۔ جواب دیا تو عباس نے ان سے پوچھا۔

"کہاں گئے تھے؟"

رسول اللہ نے کہا۔

"میں بیت المقدس سے آیا ہوں"

عباسؓ نے تعجب ظاہر کیا۔

"ایک رات میں گئے اور لوٹ بھی آئے۔"

رسول اللہ نے فرمایا۔

"ہاں ایسا ہی ہوا ہے۔"

واقعہ معراج کی ایک بڑی راوی حضرت ام ہانی بنت ابی طالب فرماتی ہیں۔

رسول اللہ کو اسراء ہمارے گھر سے ہوا تھا اور اس شب عشاء

نماز پڑھ کر ہمارے ہاں ہی سو گئے تھے۔ فجر سے کچھ پہلے وہ اٹھے۔ جب نماز پڑھ چکے ا۔

"اے ام ہانی میں نے تمہارے ساتھ نماز پڑھی جیسا کہ تم نے خود دیکھا تھا۔ پھر میں المقدس گیا میں نے وہاں نماز پڑھی۔ پھر اب تمہارے ساتھ فجر کی نماز پڑھی ہے۔

مورخ القسطلانی کہتے ہیں۔

"اسراء اور معراج ایک ہی رات ہوا۔ اسراء آغاز تھا اور معراج انتہا۔ رسول اللہ عالم اری میں روح و جسم کے ساتھ مسجد الحرام سے مسجد الاقصے تشریف لے گئے۔ پھر مسجد ی سے سات آسمانوں کی طرف پرواز فرمائی اور اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انے اس موقعہ پر رسول اللہ پر کچھ وحی کی۔ پانچ نمازیں فرض کیں پھر رسول اللہ اس ت لوٹ کر مکہ آئے اور یہ خبر عام کی۔ حضرت ابوبکر صدیق اور مسلمانوں نے اس کی ریق کی مگر کفار نے اسے جھٹلایا۔"

"پس اللہ کریم نے ارشاد فرمایا۔

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ کی طرف لے گئی۔ جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ اسے ہم اپنی نشانیاں دکھائیں۔"

قرآن حکیم کی یہ عبارت اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ کو معراج بدن اور روح کے ساتھ ہوئی تھی کیونکہ "عبد" روح اور جسم سے عبارت ہے محض روح نہیں۔

بیت المقدس اجڑتا اور بستا رہا۔ فاتح آتے اور جاتے رہے مگر تاریخ میں ایک فاتح ایسا بھی ہے جس کے ورود پر شہر نے جشن منایا اور انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ان کے درمیان وہ فاتح آیا ہے جس نے صلحنامہ میں مفتوح کو ایسی مراعات عطا کی ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان طے پانے والے اس صلحنامہ میں مفتوح کو فاتح قوم کے برابر درجہ دیا گیا تھا اور حضرت عمر نے عیسائیوں کو یقین دلایا تھا کہ ان پر اگر کوئی مسلمان انگلی بھی اٹھائے گا تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔

حضرت عمر فاروق کے بیت المقدس آنے کا واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

فتح یرموک کے بعد خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق نے عمرو بن العاص (
المقدس کی طرف توجہ دینے کا حکم دیا۔ یہ عمرو بن العاص وہی ہیں جو بعد میں فاتح م
نام سے مشہور ہوئے انہیں سیاس العرب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب عمرو بن
لشکر کر بیت المقدس پہنچے تو ان کا مقابلہ پر رومیوں کا سب سے بڑا سردار ارطو
حضرت عمر کو جب بیت المقدس کے محاصرہ کی خبر ملی اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ بیت ا
کی کمان جنرل ارطون کے ہاتھ میں ہے تو آپ نے مسکرا کے فرمایا:۔

"میں نے یونانی ارطون کے سامنے عرب کے ارطون کو کھڑا کردیا ہے دیکھئے کیا
ہوتا ہے؟"

بیت المقدس کے محاصرہ کے چند ہی دنوں بعد حضرت ابو عبیدہ بھی وہاں پہنچ گئے
انہوں نے بیت المقدس کے بڑے بڑے سرداروں کو خط لکھے۔ جس کا مضمون ا
تھا:۔

> صحت اور خوشی ان لوگوں کے لئے ہے جو خدا کی راہ پر چلتے اور اس
> کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم تم سے یہ چاہتے ہیں کہ تم اللہ
> اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اگر تم ایمان لائے تو تمہاری اور
> تمہارے بچوں کی حفاظت ہم پر فرض ہوگی۔ اگر تم ایمان نہیں لائے
> تو ہمیں خراج دو اور ہماری حفاظت میں رہنا اختیار کرو۔ اگر یہ بھی
> نہیں تو ہم تمہارے مقابلہ پر ایسے لوگ لائیں گے جو اللہ کی راہ میں
> شہید ہونے کی آرزو کرتے ہیں اور ہم بغیر فتح کئے یہاں سے نہیں
> ٹلیں گے۔

بیت المقدس کے بطریق صفرونیوس نے اپنے سرداروں سے صلاح مشورہ کیا
نے بیت المقدس کے معززین کو ایک سفید علم دے کر لشکر اسلام میں بھیجا۔
مسلمانوں کے پاس بطریق کا یہ پیغام لے گیا تھا کہ بیت المقدس ایک پاک مقام ہے۔
چابیاں خلیفہ المسلمین کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں دی جائیں گی۔

ایک اور روایت ہے کہ بیت المقدس کا محاصرہ بہت سخت ہوگیا تھا۔ رومی
مدافعت کررہے تھے اور محاصرہ طول پکڑتا جارہا تھا اس لئے ابن عاص (عمرو بن العاص
خلیفہ کو ایک خط لکھا کہ محاصرہ طول پکڑتا جارہا ہے کمک روانہ کی جائے اور اس کے
ساتھ خود حضرت عمر فاروق تشریف لے آئیں۔

بہر حال حضرت عمر بیت المقدس کے بطریق کے مطالبہ پر یا عمرو بن العاص

ں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان کی روانگی کی یہ نشانی تھی اونٹنی پر دو تھیلے دائیں
تھے۔ ایک میں کھجوریں اور دوسرے میں ستو تھے۔ ایک مشکیزہ اور ایک اور
یں میں سفر کے لئے ضروری چیزیں تھیں۔ حضرت عمر کے پاس ایک ہی اونٹنی تھی
اری باری وہ اور ان کے ساتھ آنے والا ملازم بیٹھتے تھے۔ جس وقت خلیفہ کی یہ
یت المقدس کے قریب مقام جابیہ میں پہنچی تو وہاں حضرت امیر معاویہ گورنر شام،
بوعبیدہ، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص نے خلیفہ دوم کا استقبال
کیا جب وہ اونٹ کی مہار پکڑے آرہے تھے اور ان کا مقدم اپنی باری پر اونٹ
وار تھا۔

شان تھی اس خلیفہ کی جو مسلمان قوم کا افسر اعلیٰ تھا اور اس وقت مسلمانوں کے
قیصرو کسریٰ کانپ رہے تھے کیونکہ اس وقت مسلمان اللہ اور سنت نبوی کے پیرو
اس لئے انہوں نے بیت المقدس فتح کیا پھر جب وہی مسلمان جادہ حق سے ہٹ گئے
خوار ہوئے اور بیت المقدس ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

رومیوں کے جنرل ارطون کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے سالار اعظم اور خلیفہ مکہ
نامہ پر دستخط کرکے بیت المقدس آرہے ہیں تو وہ اپنے اعتماد کے کئی دستے فوج لے
ے مصر کی طرف نکل گیا۔ حضرت عمر کی نظر جب اپنے استقبال کرنے والوں پر
ں میں پیش پیش امیر معاویہ، ابوعبیدہ بن جراح اور خالد بن ولید تھے تو آپ کی
ا پر بل پڑگئے کیونکہ یہ تینوں سردار ریشم کے بہترین لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔
ضرت عمر نے زمین سے چند کنکریاں اٹھاکے مسلمان سرداروں کو ماریں اور غصہ سے
تم لوگوں نے صرف دو برس میں اپنی حالت بالکل بدل ڈالی مگر آئندہ دو سو سال تم
لت میں رہے تو اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہوکر یہ سلطنت کسی اور کو دیدے گا۔
اس طرح میرے سامنے آتے ہوئے ذرا بھی حیاء نہ آئی۔"

اس پر سرداران اسلام نے ریشمی لباس اٹھا کر اپنا جسم دکھایا جس پر سلیقہ سے اسلحہ
تھا۔ ان کے جسم پر اسلحہ دیکھ کر حضرت عمر کا جلال کم ہوا۔ خود ان کے یعنی
لانے خلیفہ المسلمین دوم حضرت عمر کے بدن پر نمدے کا ایک کرتہ تھا جس میں پیوند
ہوئے تھے۔ بعض کا بیان ہے کہ حضرت عمر گاڑھے کا کرتہ پہنا کرتے تھے جو ایک
ے پہنا ہوا تھا۔

روایت ہے کہ جابیہ پہنچ کے حضرت عمر نے اپنا کرتہ اتار کے ایک مقامی سردار جامس
حوالے کیا وہ اسے دھوکر اور سی کر لے آیا۔ اس وقفہ میں پہننے کے لئے آپ نے

جامس سے کوئی کرتہ مانگا۔ جامس نے ایک ریشمی قمیض لاکر دی۔

حضرت عمر نے دریافت فرمایا۔ "یہ قیمتی قمیص کس کپڑے کی ہے؟"

جامس نے جواب دیا۔ "ریشم کی ہے امیرالمومنین۔"

حضرت عمر نے پوچھا۔ "یہ ریشم کیا ہوتا ہے؟"

سردار جامس نے اس کی تفصیل بیان کی اور درخواست کی۔ "اے خلیفۃ المس آپ مسلمانوں کے بادشاہ ہیں۔ مفتوح قوم کے سامنے اس کرتہ اور اس اونٹنی پر بیٹھ تشریف نہ لے جائیے بلکہ ریشم کا لباس پہنئے اور عربی گھوڑے پر سواری کیجئے۔"

حضرت عمر یہ سن کر اس وقت تک خاموش رہے اور وقت گزاری کے لئے ر قمیص پہن لی مگر جیسے ہی ان کا کرتہ دھل کر اور سل کر آیا تو آپ نے اسے پہن لیا ریشمی قمیص واپس کردی۔ کہتے ہیں کہ پھر امیر معاویہ ابوعبیدہ اور خالد بن ولید کے اصرار پر سفید ریشم کا لباس زیب تن کیا اور عربی گھوڑے پر بیٹھے۔ گھوڑے کو شاید ا ہوا کہ آج اس کی پیٹھ پر جلیل القدر بادشاہ سوار ہے تو اس نے اٹھکیلیاں کرنی ش کردیں۔

حضرت عمر نے فوراً فرمایا۔

"روکو روکو میں نے اس سے پہلے کسی کو شیطان پر سوار ہوتے نہیں دیکھا۔"

دوسری روایت میں ہے کہ سب کے سمجھانے بجھانے پر حضرت عمر نے سفید ریش کپڑے زیب تن کئے۔ وہ رومال کاندھے پر ڈالا جو عمرو بن العاص نے ان کو دیا تھا گھوڑے پر سوار ہوئے مگر فوراً ہی اتر پڑے اور فرمایا۔

"خدا میری غلطی معاف کرے اور تمہاری غلطیاں قیامت میں درگزر فرمائے وقت میرے دل میں غرور اور تکبر نے اس درجہ جگہ پائی تھی جو میرے ہلاک کرنے لئے کافی تھی۔"

یہ کہہ کر ریشمی لباس اتار دیا اور اپنا پرانا کرتہ پہن لیا۔ بہر حال یہ حضرت عمر اور آخری سفر تھا۔ یہ سفر اگرچہ بہت سادہ تھا مگر بڑا پروقار۔ مدینہ منورہ سے جابیہ تک جس بستی یا شہر سے گزرتے لوگ اپنے خلیفہ کو دیکھنے جمع ہوجاتے۔ آپ لوگوں کو دین بتاتے اور سمجھاتے جابیہ پہنچ گئے۔ اس سفر کی تفصیل بیان کرتے وقت نہیں صر کہہ دینا کافی ہے کہ دنیا کے بڑے جبروت شہنشاہوں کے جلوس نکلے تھے اور وہ معہ سفر کرتے تھے لیکن ان کے ذکر کو تاریخ اسلام اور تاریخ میں چار سطر بھی نہ مل سکیں مسلمانوں کے اس خلیفہ کا سفر جس کے ساتھ ایک غلام تھا تاریخ میں ایسا مشہور ہوا

ایک ایک بات تفصیل سے بیان کی گئی۔

ممتاز باشندگان شہر اور مسلمانوں کے مابین فتح بیت المقدس پر عہد نامہ تحریر ہوا اس کا اس طرح ہے:-

"یہ ایک اقرار ہے منجانب عیسائی باشندگان بیت المقدس جو مرتب کیا گیا حضرت عمر بن الخطاب خلیفۃ المسلمین کے نام۔

جب آپ ہم پر غالب آئے ہم نے آپ کی اطاعت قبول کی اور ہم نے اپنے تئیں اپنے ہم مذہبوں اور اپنے مقبوضات کو آپ کے حوالے کردیا اور عہد کیا کہ چھوٹے بڑے گرجوں، خانقاہوں اور راہبوں کے حجروں میں کسی قسم مداخلت نہ ہوگی اور نہ ان میں سکونت اختیار کی جائے گی۔ نہ ڈھائے جائیں گے۔ ان میں کوئی ایسا شخص جو مخالف ہو نہ رہ سکے گا۔ ان میں مسلمان ہر وقت داخل ہوسکیں گے مسافروں اور سیاحوں کے لئے ان کے دروازے ہر وقت کھلے رہیں گے۔ اگر کوئی مسلمان مسافر ان میں رہنا چاہے گا تو اسے تین دن تک بطور مہمان کھانا اور جگہ دیں گے۔ اسے گرجاؤں میں کسی راز کے معلوم کرنے سے نہیں روکیں گے اور اس سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھیں گے۔ اسے اپنی کسی عبادت میں شریک نہیں کریں گے کسی کو عیسائی مذہب کی دعوت نہیں دیں گے اور نہ کسی طرح کا جبر کریں گے۔ اپنے کسی ہم مذہب کو اسلام قبول کرنے سے نہ روکیں گے مسلمانوں کی ہر جگہ تعظیم کریں گے۔ لباس، پٹکے، سانے، زہر یا یاسر کی مانگ میں مسلمانوں کی مناسبت نہیں کریں گے۔ ان کی زبان میں کچھ نہ لکھیں گے اور نہ ان کے اپنے آپ کو پکاریں گے۔ سواری میں گھوڑوں پر زین نہیں کسیں گے اپنی تلواروں کو پیٹیوں کے ساتھ نہیں لٹکائیں گے۔ تیر کمان، تلوار یا لٹھ لے کر نہیں نکلیں گے اپنی انگوٹھی پر عربی رسم الخط میں کچھ نہ لکھوائیں گے۔ شراب نہیں بیچیں گے۔ اپنی پیشانیاں نہیں منڈوائیں گے اور ان پر کپڑا نہیں باندھیں گے۔ کمر میں زیادہ چوڑا پٹکا استعمال نہیں کریں گے۔ اپنی عبادت گاہوں کے باہر صلیب نہیں لگائیں گے۔ شارع عام، مسلمانوں کے راستوں یا ان کی کاروباری

جگہوں پر صلیبوں کی نمائش نہیں کریں گے۔ گھنٹے زور سے نہیں
بجائیں گے اپنے مردوں پر نوحہ نہیں کریں گے۔ مسلمانوں کی گزر
گاہوں پر چراغاں یا اس طرح کی آرائشگی نہیں کریں گے اپنی میتوں
کو مسلمانوں کے قریب نہیں لے جائیں گے۔ غلام جو مسلمان
ہوجائے گا پھر اسے اپنے پاس نہیں رکھیں گے نہ اس کے گھر کی
طرف نگاہ کریں گے اور ایلیا (بیت المقدس) میں ہمارے ساتھ
یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ (تاریخی شہادتوں کے مطابق اس فقرہ کا
اضافہ عیسائی سفیر صفرونیوس نے اصرار کرکے کرایا تھا۔ یہودی اس
معاہدے سے سوسال پہلے ہی نکالے جاچکے تھے۔ شمالی فلسطین میں وہ
صرف چار پانچ سو برس اور جنوبی فلسطین میں آٹھ سو برس رہے
تھے۔)

حضرت عمرنے اس معاہدہ کی تصدیق کرتے وقت حسب ذیل اضافہ فرمایا:۔

"ہم مسلمانوں میں کسی کو اذیت نہیں دیں گے ہم اپنی طرف سے
اور اپنے ہم مذہبوں کی طرف سے عہد کرتے ہیں کہ ہم مندرجہ بالا
شرائط تسلیم کرتے ہیں اور ہم ان میں سے کسی کی خلاف ورزی
نہیں کریں گے اگر کریں تو ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی نہ کی جائے
اور ہم اختیار دیتے ہیں کہ ہمیں جو سخت سے سخت سزا دیں ہم اس
کے سزا دار ہوں گے۔"

اس کے بعد حضرت عمرنے اپنی طرف سے لکھا:۔

"اور جو کچھ اس میں تحریر ہے اس پر خدا کا رسول خدا کا خلفاء کا اور مسلمانوں
کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقرر جزیہ ادا کرتے رہیں۔"

اس معاہدہ پر حضرت عمرنے مہر لگائی۔ خالد بن ولید ' عمرو بن العاص ' عبدالرح
عوف اور معاویہ بن ابی سفیان نے دستخط کئے اور یہ معاہدہ 15ھ (636ء) میں لک
تاریخ شاہد ہے جب اس صلحنامہ کی اطلاع عیسائیوں کو ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے
خوش کہ انہوں نے جشن منایا کیونکہ اس دور میں فاتح اپنے مفتوح دشمن کے
بوڑھوں اور عورتوں تک کو تہہ تیغ کردیا کرتے تھے۔

پھر حضرت عمر فاروق شہر میں داخل ہوئے۔ پادریوں اور عوام نے آنکھیں فر
کردیں آپ نے ہر ایک کے ساتھ شفقت کا سلوک کیا۔ حضرت عمر کے سا

ں تھا مسلمانوں کا پہلا قبلہ عیسائیوں کے لئے حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش اور مقام
یہودیوں کے لئے ارض دماد و مدعور ' انبیاء رسل کا شہر حضرت موسیٰ کلیم اللہ یہودیوں
مصر سے نکال کر یہیں لائے تھے۔ حضرت عیسیٰ کو سولی دینے کا واقعہ یہیں پیش آیا تھا
کی بنا پر کلیسائے قیامت تعمیر کیا گیا۔ محراب داؤد صفرہ یعقوب ' دیوار گریہ ' ہیکل
انی۔ الغرض اس شہر کے درو دیوار پر روحانیت کی تاریخ نقش تھی۔ اسی ارض مقدس
حضور پرنور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے اور یہیں
کی امامت میں تمام جلیل القدر پیغمبروں نے نماز ادا کی تھی۔ حضور صلی وسلم کے بعد
ت عمر فاروق پہلے مسلمان تھے جنہوں نے یہاں نماز کی امامت فرمائی۔

اللہ اللہ کیا عالم جذب و شوق تھا۔ فرشتے عالم بالا سے جھک جھک کے دیکھ رہے تھے۔
وقت حضور کے قدموں کے بعد پہلے مسلمان کے قدم اس پاک سرزمین پر پڑ رہے
بیت المقدس کا بطریق اعظم صفرونیوس آگے آگے چل رہا تھا اور ایک ایک زیارت کی
یل بیان کررہا تھا اور حضرت عمر کی زبان کلمہ اور درود سے متحرک تھی۔
سیر کے دوران نماز کا وقت آیا تو حضرت عمر کے قدم کلیسائے قمامہ میں تھے بطریق نے
ں کیا۔

"یہ بھی ایک سجدہ گاہ خداوندی ہے آپ یہاں نماز پڑھ لیجئے۔"

"اگر میں نے یہاں نماز پڑھ لی تو مسلمان بھی ایسا ہی کریں گے اور عیسائیوں کو ان
گرجوں سے نکال دیں گے۔"

دوسری روایت ہے کہ حضرت عمر آگے بڑھے تو کلیسائے قمامہ کے دروازے پر
ئیوں نے نماز کے لئے چادر بچھادی۔ آپ نے یہاں نماز پڑھ لی لیکن فوراً ہی اپنی غلطی
حساس ہوا اور اسی وقت یہ فرمان لکھ کر بطریق کے حوالے کیا:۔

"مسلمان کبھی گرجوں (کلیسہ) کی دہلیز پر نماز نہ پڑھ سکیں گے۔"

خلفائے اسلام اور مسلمانوں کی رواداری تھی اور ان کی نظروں میں غیرمسلموں کی
ت گاہوں کا اس قدر احترام تھا مگر آج ہم پر الزام لگایا جارہا ہے کہ بابری مسجد اجودھیا
رت) ہندوؤں کے دیوتا اور پرماتما (رام بھومی) کی بنیادوں پر تعمیر کی گئی ہے اب ان
ما جنونیوں کو کون سمجھائے کہ حضرت عمر نے کلیسا میں مسلمانوں کو سجدے سے منع کردیا
اُن سے کہیں حضرت عمر کی تقلید میں وہ کلیسائے "قمامہ" کو مسجد میں نہ تبدیل کردیں
رت عمر نے فوراً" اس کلیسا کے سامنے ایک مسجد تعمیر کی جسے مسجد فاروق کہتے ہیں جسے
ئیوں نے یادگار کے طور پر تعمیر کرایا تھا۔

کاش میں حضرت عمر فاروق کے حوالہ سے احاطہ حرم کی زیادتیوں کا حال بیان کرسکتا مگر ڈر ہے میرے وہ قاری خفا ہوجائیں گے جو کہانی میں صرف تاریخ پسند نہیں کرتے۔ گزشتہ قسط میں بھی میں انہیں بیان کی چاشنی نہیں دے سکا اور وقت بھی بیت المقدس کے واقعات کا ایسا سیلاب امڈا آرہا ہے کہ اومان کی طرف جانے کو طبیعت نہیں مانتی بہر حال میں قارئین کو ناخوش بھی نہیں کرسکتا اس لئے صرف زیارتوں کے نام لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگر موقعہ ملا تو ان کی تفصیل سے بھی آگاہ کروں گا۔

سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔ اس مسجد الاقصیٰ کی وجہ سے اس شہر کو مکہ اور مدینہ کے بعد قابل احترام سمجھا جاتا ہے۔ اقصیٰ کے معنی دور کے ہیں۔ مسجد الاقصیٰ کے معنی دور کی مسجد کے ہوئے۔ مسجد سے مطلب بیت المقدس کے حرم مقدس کا پورا رقبہ ہے کیونکہ واقعہ معراج کے وقت وہاں کوئی مسجد نہیں تھی۔

شب معراج کی روایت کے مطابق آنحضرت ایک پردار اسپ ' براق (بجلی) جسے رف رف کہا گیا ہے پر سوار تھے اور حضرت جبرائیل آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ مکہ سے طور سینا گئے وہاں سے بیت لحم پہنچے اور پھر بیت المقدس تشریف لائے۔

ارشاد رسول اکرم ہے:۔

"جس وقت ہم بیت المقدس کے دروازے پر پہنچے (یعنی حرم کے احاطہ پر) تو جبرائیل نے مجھ کو اتارا اور براق کو ایک کنڈی سے باندھ دیا۔ جس سے انبیائے سابق نے بھی اپنے گھوڑے باندھے تھے۔"

حضور حرم شریف میں اس دروازے سے داخل ہوکر (اس کا نام بعد میں باب محمد رکھا گیا) اس چٹان پر چڑھے جسے قبلہ الصخرا کہا جاتا ہے۔ یہودی روایات کے مطابق یہ جگہ ہیکل سلیمانی کے درمیان تھی۔ تاریخ کے مطابق یہاں پر مذبح تھا۔ وہاں آپ کی انبیائے علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر آپ نے وہاں حضرت ابراہیم ' حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ وغیرہ کے ساتھ نماز ادا کی اور اس نماز کی امامت آپ نے فرمائی۔ پھر اس چٹان سے آپ اس نور کے زینہ سے آسمان پر چڑھے اور فردوس بریں اور اس کی نعمتوں کو دیکھا۔ پھر ہفت افلاک طے کرکے حضور باری تعالیٰ میں پہنچے۔ وہاں نماز کا حکم ملا۔ پھر آپ دوبارہ زمین پر تشریف لائے اور صخرہ مقدسہ پر قیام فرمایا۔ وہاں سے براق پر واپس آئے اور رات ختم ہونے سے پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ یہ شب معراج کا خلاصہ ہے اور اسی لئے اہل اسلام کی

اس چٹان اور حرم کے رقبہ کو متبرک اور مبارک سمجھا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا یہ ایمان اور تاریخ اس کی شاہد ہے کہ مسلمان قوم اسلامی حکومت یا اسی وقت تک آزاد اور فارغ البال رہی جب تک وہ احکام خداوندی اور سنت کی پابندی کرتی رہی پھر جب وہ جادہ حق سے ہٹی اور اس نے ظلم و ستم کا راستہ اختیار کیا اس کا زوال شروع ہوگیا اور دوسری قوموں نے اسے غلام بنالیا۔

بیت المقدس ہمارے ہاتھوں سے کیوں نکلا اس کے اسباب و علل پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں میں خلافت کے پردہ میں ملوکیت نے جنم لیا۔ پہلے بنو امیہ آئے جو خالص عربی خون کے حامل تھے کہنے کو یہ عربی تھے لیکن سوائے ایک دو کے باقی کے اطوار مطلق العنان بادشاہوں جیسے تھے پھر عباسیوں نے ان کی بساط سیاست الٹ دی۔ عباسی کمزور ہوئے تو مصر میں فاطمی خلافت نے زور پکڑا۔ فاطمی دور خلافت میں بیت المقدس پر فاطمیوں کا قبضہ تھا۔ فاطمیوں کا دور صلاح الدین کے قبضہ تک برقرار رہا مگر اسی فاطمی دور میں ایک حادثہ پیش آیا جو بیت المقدس سے مسلمانوں کے بے دخل ہونے کا ایک سبب بھی کہا جاتا ہے۔

مورخین کے مطابق پوپ سلوسٹر بیت المقدس کی زیارت کو گیا۔ زیارت سے واپس آنے کے بعد اس نے بیت المقدس کے عیسائیوں پر مسلمانوں کے ظلم و ستم کی فرضی داستانیں لوگوں کو سنا سنا کر ان میں مذہبی جوش اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کی۔ اس کے نتیجے میں فرانس اور اٹلی کے مسلح گروہ بیت المقدس کی زیارت کے بہانے سواحل شام کے چکر لگاتے اور لوٹ مار کرکے واپس چلے جاتے۔ بیت المقدس کی زیارت کی سب کو عام اجازت تھی اس لئے مسلح گروہوں جن کے ہاتھوں میں صلیبیں ہوتیں کوئی نہ روکتا۔

اس زمانہ میں فاطمی خلیفہ الحاکم برسراقتدار جس کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ وہ خبطی ہے۔ اس نے حکم جاری کیا تھا کہ دن کے وقت دکانیں بند رہا کریں اور رات کو بازار لگا کریں۔ قاہرہ کے تمام کتوں کو مروا دیا۔ قربانی کے علاوہ گائے بیل کا ذبیحہ بند کیا۔ امیر معاویہ اور متوکل جو ترکاریاں پسند کرتے تھے ان کی خرید و فروخت ممنوع قرار دی۔ ضرار نامی ایک شخص نے ایک جدید شریعت نکالی تھی۔ نماز ' روزہ ' زکوٰۃ اور حج کے بجائے یمن کے مقام طالب کی زیارت کافی تھی۔ اس شریعت میں ماں ' بہن اور بیٹی سے نکاح ہوسکتا تھا۔ فاطمی خلیفہ الحاکم بھی ضرار کا معاون ہوگیا اور غیب دانی کا دعویٰ کیا۔ جبل معظم پر روزانہ جا کے مناجات پڑھتا۔ لوگوں کو حکم دیا گیا جب خلیفہ گزرے تو

لوگ سجدے میں جھک جائیں۔ جب اس کا نام خطبہ میں آئے تو سننے والے فوراً کھ کریں۔ پھر خدائی کا دعوی کر بیٹھا۔ مصریوں نے مذاق اڑایا تو شہر میں آگ لگوادی ا سیکڑوں آدمیوں کو تہہ تیغ کرادیا۔

عیسائیوں کو اس نے بہت سر چڑھالیا تھا۔ ازجون نام کا ایک غلام اس کا بہت چڑھا تھا اور محل میں خلیفہ کے ساتھ رہتا تھا۔ عیسائیوں کا عروج اسے ناگوار گزرتا تھا۔ ا دن اس نے خلیفہ سے کہا کہ یورپ سے مسلح آدمی پادریوں کے لباس میں بیت المقد آتے ہیں اور کلیسائے "قمامہ" میں قیام کرتے ہیں پھر واپسی میں شام کے ساحلی علاقوں لوٹ مار کرکے واپس چلے جاتے ہیں۔ الحاکم تو خبطی تھا ہی اس نے فوراً فرمان جا کردیا کہ عیسائیوں کے تمام کلیسا (گرجے) گرادیے جائیں اور بیت المقدس کے احاطہ کلیسائے قمامہ کو زمین کے برابر کردیا جائے۔

چنانچہ اس کے حکم پر بیت المقدس میں مسجد عمر کے سامنے کلیسائے قمامہ مسار ک گیا۔ الحاکم کا یہ اقدام اسلامی رواداری کے واقعی خلاف تھا کیونکہ ہمیں دوسرے مذاہب عبادت گاہوں اور ان کے پادریوں اور مذہبی لوگوں کا احترام کرنے کا حکم ہے۔ بعض ا نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ بیت المقدس کے عیسائی رومن شہنشاہ قسطنطنیہ کو ا ممالک کی خبریں پہنچاتے تھے یہ باتیں ٹھیک تھیں اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا خلیفہ کے اقدام کو درست نہیں کہا جاسکتا جو غلط ہے اسے غلط کہا جائے گا۔

چنانچہ چالیس سال بعد الحاکم کے پوتے المستنصر نے 1028ء میں فرمان جاری عیسائیوں کا کلیسائے قمامہ جس میں حضرت عیسیٰ کا مرقد بیان کیا جاتا ہے کو دوبارہ جائے۔ تاریخ تصدیق کرتی ہے کہ المستنصر کے حکم سے کو مرقد مسیح (قمامہ) تعمیر ہوا عمارت سے زیادہ خوبصورت اور پرشکوہ ہے۔ یہ تو ہوا۔ اس سے عیسائیوں کی اشک ہوئی مگر ایک خبطی خلیفہ کے غلط قدم نے عیسائیت کے پرستاروں میں جو آگ لگادی کا تدارک تو کسی نہ کسی طرح ہونا تھا۔

پھر اس اندر ہی اندر سلگتی ہوئی آگ کا تدارک یا رد عمل یہ ہوا کہ غصہ اور ا یہ لاوا 1098ء میں اس طرح پھٹا کہ 636ء سے جو مسلمانوں کا بیت المقدس پر ا وہ اس طرح ختم ہوا کہ بیت المقدس میں خون کے دریا بہہ گئے اور وہاں ایک مسلم زندہ نہ بچا۔ صلیبی فوجیں کوہ صیون کی طرف سے شہر (بیت المقدس) میں داخل ہ مسلمانوں نے مسجد الاقصیٰ میں پناہ لی۔ عیسائیوں نے شہر میں قتل عام کے بعد مسجد رخ کیا اور بچوں، بوڑھوں اور جوانوں سب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر شہید کیا۔ ایک گرو

ں جا پہنچا۔ عیسائی بیت المقدس کی شمالی دیوار توڑ کر اندر آگئے ایک قیامت برپا ہوگئی۔ عورتوں کے پیٹ چاک کیے گئے۔ معصوم بچوں کو فصیلوں پر لٹکا دیا گیا۔ علماء پر تیل کر آگ لگا دیا گیا۔ صرف مسجد الاقصیٰ اور محراب داؤد میں شہداء کی تعداد سات ی۔ مرنے والوں کی مجموعی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے۔ بیت المقدس کے گلی کوچوں ادہ ویرانوں اور کھنڈروں میں لاشوں کے انبار لگے تھے۔

شیخ سعدی نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو عیسائی بیت ں میں داخل ہوئے انہیں انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے۔

عینی شاہد رابرٹ کے حوالے سے لیبان نے لکھا ہے:۔

ہمارے آدمی (عیسائی) راستوں اور مکانوں کی چھتوں پر اس طرح دوڑ رہے تھے جس ی کے بچے چھین لئے گئے ہوں اور وہ جھپٹ جھپٹ کے حملہ کر رہی ہو۔ ہمارے آدمی عام کے مزے لے رہے تھے۔ بچوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے تھے۔ پھانسی کے ے رکھے تھے ایک ہی رسی میں تیس تیس آدمیوں کو لٹکا دیتے تھے۔

ایک دوسرا عینی شاہد ریمانڈ واژیل یوں بیان کرتا ہے:۔

بیت المقدس کے راستوں پر ہر جگہ سروں، ہاتھوں اور رانوں کے ڈھیر لگے تھے۔ پر چلنا پڑتا تھا۔ ہیکل سلیمانی (مسجد عمر) میں اس قدر خون بھرا تھا کہ اس کے صحن لاشیں تیرتی تھیں۔ کسی کا ہاتھ، کسی کا پیر اور کسی کا دھڑ اس طرح سے ایک دوسرے ملے ہوئے تھے کہ ان کی شناخت نہیں ہوسکتی تھی۔ صلیبیوں نے اس قتل عام کو ناکافی کر ایک میٹنگ میں طے کیا کہ دوسرے دن باشندگان بیت المقدس (مسلمانوں کو) تہہ یا جائے۔ بعض عیسائیوں نے کوشش کی کہ ایسا نہ ہو لیکن ان کی ایک نہ چلی اور آٹھ تک قتل عام کا بازار گرم رہا۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے سب مارے گئے۔ بیت س پر قبضہ کے بعد صلیبی سورماؤں نے اپنے پوپ (بطرلق اعظم) کو مندرجہ ذیل الفاظ فتح کا مژدہ بھیجا تھا:۔

> خدا ہمارے عجز و انکسار سے رام ہوگیا اور ہمارے عجز و الحاح کے آٹھویں روز اس نے دشمنوں سمیت ہمارے روانہ کردیا۔ اگر آپ یہ بھی معلوم کرنا چاہیں کہ جو دشمن وہاں موجود تھے ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ جب ہمارے آدمی حضرت سلیمان کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔

عیسائیوں نے دل کھول کے مسلمانوں کا خون بہایا عورتوں ' بچوں اور بوڑھوں کو بھی نہیں بخشا۔ سب کو تہہ تیغ کیا اور مسجد عمر میں اس قدر خون بہایا کہ مسلمانوں کے جسم کے اعضاء ان کے ہی خون میں تیرتے پھرتے تھے۔ یہ عیسائیوں کا ظرف تھا جو انہوں نے دکھایا۔ یہ اس پیغمبر کے پیروکار تھے جس کی تعلیم تھی کہ اگر کوئی ایک طمانچہ مارے تو اپنا دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کردو۔ اسی قوم نے مسلمانوں کو ان کے ہی خون میں نہلایا۔

اب ذرا مسلمانوں کا ظرف دیکھئے جس کے مذہب نے یہ اجازت دی ہے کہ اگر تمہیں کسی نے مارا ہے تو تم اس سے بدلہ لے سکتے ہو مگر صرف اس مار کی حد تک یعنی جیسے کو تیسا جواب دینے اور بدلہ لینا اسلام میں حکم ہے مگر اس حکم کے ساتھ ہی ایک اور بات کہی گئی ہے وہ یہ کہ:۔

"مسلمان اپنے اوپر ظلم و زیادتی کا بدلہ لے سکتا ہے اور اگر وہ معاف کردے تو خدا کی نظر میں اس کا یہ فعل زیادہ پسندیدہ ہے۔"

مجاہد اعظم صلاح الدین یوسف ایوبی کے سامنے دونوں راستے کھلے تھے۔ وہ ان ستر ہزار (70000) مسلمانوں کے خون ناحق کا انتقام لے سکتا تھا جنہیں عیسائیوں نے 1091ء میں بیت المقدس پر قبضہ کے دوران بے دردی اور بیمانہ انداز میں قتل کیا تھا۔ اس انتقام کی مذہب اسلام نے اسے اجازت دی تھی مگر سلطان صلاح الدین نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔

"اور اگر معاف کردو تو تمہیں مستحسن ہے کہ خدا درگزر کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔"

چنانچہ سلطان نے اعلان کیا کہ کسی کی نہ جان لی جائے گی اور نہ اس پر زیادتی ہوگی۔ ہر شخص مقررہ زر فدیہ ادا کرے اور بیت المقدس سے چلا جائے۔ یہ عمل کس قدر سکون سے انجام دیا گیا اس کا ذکر اسٹنلے پولی اور ولیم صوری سے سنئے جو بہت متعصب مورخ اور ادیب ہیں اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے وہ لکھتے ہیں:۔

صلاح الدین نے ایسی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت پہلے کبھی نہیں دیا تھا جس کا اس نے بیت المقدس کے قبضہ کے وقت اظہار کیا۔ ہر گلی اور کوچہ پر سلطان کے افسران پہرہ دے رہے تھے۔ اور سپاہی گشت کرتے تھے۔ اس لئے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا جس میں کسی عیسائی کو رتی بھر بھی گزند پہنچا ہو۔ باب داؤد پر ایک بڑا افسر مقرر تھا۔ جو فدیہ ادا نہ

انے والوں کی نگرانی کرتا تھا زر فدیہ کی ادائیگی بڑے احتیاط سے عمل میں آئی جو زر فدیہ ادا نہ کرسکتے تھے ان کے فدیہ کی ادائیگی میں امرائے سلطانی نے حصہ لیا۔

الدین کوکبری نے ایک ہزار ارمنی عیسائیوں کا زر فدیہ اپنی جیب سے ادا کیا۔

ہدہ کے مطابق زر فدیہ پر رہائی چالیس دن کے اندر اندر ہونا تھی۔ اس کے بعد قدس میں رہ جانے والوں کو غلام بنالیا جائے گا لیکن چالیس دن گزرے جانے پر بھی غریب عیسائی اپنی غربت کی وجہ سے زر فدیہ نہ ادا کرسکے۔ عیسائیوں کی بطریق جو ں کا متولی تھا۔ اس نے اپنا تمام سامان سمیٹا زرو نقد اکٹھا کیا پھر مسیح پر رکھے جانے الی ظروف بھی سمیٹ لئے۔ سلطان کے امراء کو اس بات پر بہت غصہ آیا ایک سلطان سے کہا۔

عالیجاہ اس بے ایمان اور نالائق پادری کو لوٹ کا اتنا مال لے جانے سے روکا

لطان نے جواب دیا۔

یں قول دے چکا ہوں اس سے پھر نہیں سکتا۔"

رہ پادری تمام مال متاع سمیٹ کے بیت المقدس سے نکلا۔ سلطان نے اس کے ے سپاہی کردیئے جو اسے صور تک حفاظت سے پہنچا آئے۔

لیس دن کے اندر بیت المقدس کے تمام امیر و کبیر عیسائی نکل گئے انہیں اپنے سائیوں پر ذرا بھی ترس نہ آیا حالانکہ اگر بطریق اور دوسرے امراء چاہتے تو کئی ئیوں کا فدیہ ادا کرکے انہیں رہا کراسکتے تھے۔ سلطان کے بھائی ملک العادل کو غریب ں کو دیکھ کر ان پر بہت رحم آیا اور اس نے عیسائیوں کو بطور غلام خرید کر اپنی ے آزاد کردیا ملک العادل کی دریا دلی دیکھ کر سلطان نے سپاہیوں کو حکم دیا۔

ماری طرف سے منادی کی جائے کہ وہ تمام بوڑھے جو فدیہ ادا نہیں کرسکے وہ تمام آزاد کئے جاتے ہیں۔ وہ جس طرف جانا چاہیں جاسکتے ہیں۔"

کی ایک ملکہ ہجرت کرکے بیت المقدس سے عبادت و ریاضت کے لئے آگئی تھی۔ سلطان سے خواہش کی کہ اسے جانے کی اجازت دی جائے۔ سلطان نے اسے معہ ولت کے جانے کی اجازت دے دی۔ اسی طرح فرمانروائے یروشلم گائی کی بیوی شوہر گائی کے پاس جو اس وقت نابلس میں قید تھا جانے کی خواہش کی سلطان نے شوہر کے پاس بھجوادیا۔ اس طرح کرک کے شاہ ریجی نالڈ جسے سلطان نے اپنے ے قتل کیا تھا اس کی بیوی کی خواہش پر اس کے لڑکے "ہمفری" کو جو دمشق میں

قید تھا وہاں سے بلا کر ماں سے ملاقات کرائی اور وعدہ کیا کہ کرک پر قبضہ کے بعد عنقر
رہا کردیا جائے گا۔

عیسائیوں کے بڑے بڑے سردار نائٹ اور ٹمپلرز یا تو قتل ہوگئے یا پھر قید کرلئے تھے ان کی عورتوں کا ایک گروہ سلطان کے حضور پیش ہوا۔ ان کی آہ زاری دیکھ کے سا بہت متاثر ہوا۔ اس نے ان پریشان حال خواتین کے ساتھ لطف و کرم کا سلوک کیا۔ کے شوہر قتل ہوگئے تھے انہیں حسب حیثیت رقم عطا کرکے جہاں انہوں نے جانے وہاں بھجوادیا گیا اور جن خواتین کے شوہر زندہ قید میں تھے انہیں سلطان کے حکم پر رہا گیا۔ وہ خواتین سلطان کے حسن سلوک سے ایسی متاثر ہوئیں اپنے گھروں میں واپس سلطان کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتی تھیں۔

لین پول لکھتا ہے کہ جس سلطان کے اس سلوک کا خیال آتا ہے اسی وقت یہ کے اس جورو ستم اور بہیمت کا نقشہ بھی آنکھوں میں گھوم جاتا ہے جو سوسال پہلے یہ نے بیت المقدس حاصل کرتے وقت مسلمانوں پر توڑے تھے۔ بیت المقدس کے بازا گزرے تھے تو راستے میں مسلمانوں کے سروں اور اعضاء سے پٹے ہوئے تھے عیسائیوں نے اذیتیں دے دے کے ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا۔ جن مسلمانوں نے چھتوں لے رکھی تھی انہیں عیسائی سورماؤں نے جانوروں کی طرح تیروں سے چھلنی کردیا تھا طرف ان کا یہ سلوک تھا اور ایک طرف سلطان کے رحم و کرم اور عفو در گزر نظارے تھے۔

اس پہلی صلیبی جنگ جو 1099ء میں پورے یورپ کی طاقت کے ساتھ نے بیت المقدس پر قبضہ کے لئے لڑی تھی اور جس میں سترہ ہزار مسلمان شہید ہو۔ اس پہلی صلیبی جنگ اور سلطان صلاح الدین کے ساتھ تیسری صلیبی جنگ کا رد مسلمان اگرچہ شکست کھا گئے تھے اور بیت المقدس ایک خونی معرکے کے بعد مسلما ہاتھوں سے نکل گیا تھا لیکن مسلمان اپنی شکست پر قانع نہیں ہوئے تھے بلکہ زخمی طرح اپنے زخم چاٹ رہے تھے۔

بقول ہیرلڈ ولیم مصائب کے اس اندھیرے میں بھی مسلمانوں کا ایمان عقیدہ طرح مضبوط تھا۔ انہیں یقین تھا کہ موجوں کی طوفان انگیزی عارضی ہے اور وہ مو اصل مقام کی طرف ضرور لوٹ جائیں گی۔ پہلی صلیبی جنگ میں شکست کھانے مختلف علماء اس عقیدے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان اتابک عماد الدین زنگی والئ موصل کا نام سرفہرست ہے۔ اس نے 1142ء میں

ے کر الرہا پر قبضہ کرلیا۔

ہا (اڈیسہ) ملک شام میں عیسائیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس جنگ کے حالات پچھلی قسطوں میں پڑھ چکے ہیں) پس سقوط الرہا کی بازگشت سارے یورپ میں سنائی ے روم نے اپنے قاصد بھیج کر تمام یورپ میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال پیدا عیسائی اقوام ایک بار پھر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ چنانچہ بادشاہ لوئی سابع اور الحانیہ کا فرمانروا کنراڈ ثالث اپنی فوجوں کو ساتھ لے کر ارض طرف بڑھا۔ پہلے کنراڈ آیا مسلمانوں نے اسے شکست فاش دی اور لشکر کو کاٹ یا۔ جو بچے وہ الٹے پیروں بھاگے راستے میں فرانس کا لشکر آتے ہوئے ملا۔ یہ اس ہوگئے لیکن اسے بھی مار پڑی اور بچے کچھے صلیبی طرح طرح کی سختیاں جھیلتے دس میں پہنچے۔ کوہاں سے دمشق پر جو مجیر الدین آنق کے قبضہ میں تھا حملہ کیا۔ الدین زنگی کے بیٹے سیف الدین نورالدین زنگی نے انہیں پسپا ہونے پر مجبور یہ دوسری صلیبی جنگ تھی۔

ر اب یہ تیسری صلیبی جنگ شروع ہونے والی تھی۔ بیت المقدس پر سلطان صلاح ے قبضہ نے پورے یورپ میں ایک بار پھر آگ لگا دی تھی۔ عیسائیوں نے بیت کو گندگی کے ڈھیر میں تبدیل کردیا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے مسجد اقصیٰ اور قبلہ نجاستوں سے پاک کرکے ان کا فرش اور دیواریں دمشقی گلاب سے دھلوائیں۔ ان قامات پر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی خیالی تصویریں بنوار کھی یں صاف کرایا۔

ب مغربی مورخ اس کا احوال اس طرح بیان کرتا ہے:۔

ب فرینکس (مسلح فرنگی) چلے گئے اور صرف سلطان غلام، آزاد شدہ مسلمان جنہیں لم نے قید کررکھا تھا اور وہ مقامی عیسائی جنہوں نے زر فدیہ عطا کرکے بیت المقدس نے کی اجازت حاصل کرلی تھی تو سلطان نے مقامات مقدسہ کی تطہیر کا حکم دیا۔ صخرہ پر سنگ مرمر جڑدیا گیا تھا۔ اسے ہٹا کر صاف کیا گیا گنبد صخرا پر سونے کی صلیب کی اسے وہاں سے ہٹایا گیا۔ مسجد عمر کے سامنے نائٹس اور ٹمپلرس اور ہاسپٹلرس نے ا کرے بنائے تھے انہیں صاف کیا گیا۔ سلطان کے وزیراعظم نے اس وقت تک ان جاری کئے تھے۔ فتح بیت المقدس کا مژدہ دور دور تک پہنچایا گیا تھا۔ دور و نزدیک اء کرام، قاری اور قاضی حرم مقدس کی تطہیر کی تقریب میں شرکت کے لئے جمع تھے۔

سلطان صلاح الدین کا خیمہ شہر سے باہر نصب کیا گیا تھا۔ مندوبین کلام پاک تلاوت کرتے ، حمد و نعت پر مشتمل نظمیں پڑھتے اور سلطان کی شان میں قصیدہ خوانی کر تے۔ پھر 9 اکتوبر 1187ء سلطان کے ساتھ ایک عظیم جماعت نے مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کی۔ قاضی محی الدین محمد بن علی الشافعی نے خطبہ پڑھا۔ انہوں نے دمشق کی فتح اور اول کی تطہیر پر خدائے ذوالجلال کا شکریہ ادا کیا اور پیغمبر خدا اور خلیفہ وقت پر صلوۃ و ر بھیجا۔

انہوں نے خطبہ میں فرمایا۔ "اے ایمان والو یہ خبر موجب انبساط و مسرت ہے کہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بہت خوش ہوا ہے اور ایک مومن کی یہی معراج ہوتی ہے۔ نے ایک بھٹکے ہوئے اونٹ کی مہار غلط ہاتھوں سے نکال کر تمہارے ہاتھ میں دیدی ہے اسے اسلامی اخوت میں دوبارہ داخل ہونے میں تمہاری مدد کی ہے جبکہ کافروں نے تق ایک صدی تک اس پر ناجائز قبضہ جمائے رکھا تھا۔ اس محترم گھر کی تطہیر پر ہمیں ناز چاہیے۔ وہ جو خدا نے بنوایا اور اس میں اپنا کلمہ پڑھوایا۔ وہ گھر جس کی بنیاد خدائے ، کے دین پر رکھی گئی اور یہی بہترین بنیاد ہوسکتی ہے جس کی دیواریں اس کی عظمت اور ر کی خاطر تعمیر ہوئیں اور زمانہ قدیم سے آج تک زاہد و تقویٰ پر قائم ہیں۔ یہ تمہار (دینی) باپ کی قیام گاہ تھی اور یہیں سے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تش لے گئے تھے۔ یہی اسلام کا اولین قبلہ ہے جس کی طرف منہ کرکے ہم نماز پڑھتے پیغمبروں کا مسکن ہے۔ رسولوں کی آخری آرام گاہ اور اولیائے کرام کا ماوی ہے۔ یہ وہ ہے جہاں خدا نے اپنے رسول اور بندہ کو بھیجا۔ جہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ جنہیں نے اپنی رسالت سے نوازا اور پیشین گوئی کی طاقت عطا فرمائی تاہم انہیں مخلوق کے سے نہیں بڑھایا۔

"اگر تم اس کے ہرگز بندوں میں سے نہ ہوتے تو وہ تم پر یہ برکت نازل نہ کرتا۔ میں نہ تو تمہارا ثانی ہوسکتا ہے اور نہ کوئی دوسرا اس کی تکمیل زمیں تمہارا حصہ دار ہ ہے۔ تم خوش نصیب ہو کہ غزوہ بدر کے صحابہ کرام کی طرح تم نے جہاد کیا۔ حضرت ص اکبر کی طرح ثابت قدم رہے۔ حضرت عمر کی طرح فتح مند۔ تم نے حضرت عثمان کے ع اور حضرت علی کے حملوں کی یاد تازہ کرادی۔ تم نے اسلام کی شان اور اس کی سربلندی خاطر قادسیہ ، یرموک ، خیبر اور خالد بن ولید کی شاندار روایتیں دہرائیں۔ خداوند تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور خون کی قربانی جو تم نے اس کی راہ میں بہایا ہے فرمائے اور جنت الفردوس کو ہمیشہ کے لئے تمہارا ملجا وماوی بنائے۔"

"یا الٰہ العالمین۔ اپنے ممنون احسان بندے ۔ اپنی بخششوں کے شکرگزار بندے ، اپنی اں اور شمع فروزاں ، حامی دین ، محافظ ارض مقدس ، شاہ ظفرمند ، پشت پناہ د نیا و دین ، امیرالمومنین ، ابو مظفر صلاح الدین یوسف ابن ایوب کی سلطنت کو ربع پر محیط فرمادے۔ فرشتے اس کے جھنڈے کے گرد جمع رہیں اور اسلام کی سربلندی اور کے لئے اسے زندہ رکھ۔ اسلام کی خدمت کے لئے اس کی نگہبانی کر اور مشرق و میں اس کی سلطنت وسیع فرما۔ بارالٰہا۔ اس کی اور اس کے عیال کی حفاظت فرما۔ وہ تک حکومت کریں۔ اس کے بھائیوں اور بیٹوں کو عمردراز عطا فرما۔ اس کی طاقت اور میں اضافہ فرما۔ تو نے اس کے ذریعہ اسلام کو ایک مستقل خاندہ بخشا ہے تو اسے برس تک قائم رکھ۔ اسے ابدی سلطنت عطا فرما اور اس کی دعائیں مستجاب فرما۔"

(قرآن حکیم) اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ تو نے جیسے جیسے احسانات مجھ میرے والدین پر کئے ہیں تیرے ان احسانات کا شکریہ ادا کروں اور (زندگی بھر) ایسے اعمال کرتا رہوں جن کو تو پسند فرمائے اور آخر کار (مرنے کے بعد) تو مجھے اپنے نیک میں لے جاکر داخل کر۔

(یہ دعا حضرت سلیمان علیہ السلام کے منہ سے ادا ہوئی تھی۔ القرآن)

قاضی الفاضل لکھتا ہے کہ یہ خطبہ اور دعا اس رقت سے ادا ہوئی کہ آسمان آنسو کو شق ہوگئے اور ستارے خوشیاں منانے کو ایک جگہ جمع ہوگئے۔ مسجد اقصیٰ کی بازیابی مسلمان بہت خوش ہوئے صلاح الدین نے اس کی پرانی خوبصورتی اور سادگی بحال ۔ روایت ہے امیر عمادالدین زنگی نے ایک خوبصورت سبز منبر بنوایا تھا کہ بیت ں کو فتح کرکے مسجد اقصیٰ میں اسے نصب کرے گا۔ وہ بیچارہ جہاد کرتے کرتے حضور لیٰ پہنچ گیا پھر اس کے بیٹے سلطان نورالدین زنگی نے اس جہاد کو جاری رکھا مگر بیت ں کی بازیابی تو سلطان صلاح الدین یوسف ایوبی کی تقدیر میں لکھی تھی۔ پس سلطان ں منبر کو حلب سے منگوایا اور اسے مسجد اقصیٰ میں نصب کرایا۔

وہ منبر مسجد اقصیٰ میں 1967ء (یہودیوں کے قبضہ) تک موجود تھا مگر اب پتہ نہیں کیا گزری۔ جس طرح عیسائیوں نے 1187ء میں بیت المقدس کی پاکیزگی اور عظمت مان پہنچایا تھا اور اپنی رعایا پر ظلم و ستم روا رکھا تھا اور جس کی سزا کے طور پر ان یہ پاک خطہ ارض مقدس چھین لیا گیا تھا اسی طرح مسلمانوں نے اپنے قبلہ اول اور الدین ایوبی کی شاندار فتح کو ایسا گھن لگایا اور احکام الٰہی اور سنت نبوی سے ایسے کہ خدا نے ناراض ہوکر یہ سرزمین مسلمانوں سے پھر چھین لی اور آج یہودی سیاہ

اور عام آدمی اس مسجد کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔

آج عالم اسلام اپنی غلطیوں پر نادم اور اشک فشاں ہے۔ مسلمانوں کی توبہ اور اس
عرش اعظم تک پہنچ چکا ہے اور پھر کوئی صلاح الدین پیدا ہونے والا ہے یا ہو چکا ہے
یہودیوں کے ناپاک قدموں سے قبلہ اول کی زمین کو پاک کرے گا۔ آئیے ہم سب مل
اس دن کے آنے کی دعا کریں جب ارض مقدس ایک بار پھر اللہ اکبر کے نعروں سے
اٹھے۔ قوموں کی تاریخ میں صدیوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی کیونکہ قوموں کی تقدیر بد
بدلتے بدلتی ہے مگر وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کو اپنی غلطیوں کا اح
ہو چکا ہے اور یہودیوں کے ظلم و ستم کی بھی انتہا ہو چکی ہے۔

سلطان صلاح الدین کی بیت المقدس کی بازیابی کے سلسلہ میں مسجد اقصیٰ کی
محراب پر ایک یادگار کتبہ کندہ ہے (پتہ نہیں اب یہودیوں نے اس کتبہ کے ساتھ کیا سا
کیا)۔ کتبہ کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کا بندہ یوسف ابن ایوب المظفر الملک الناصر صلاح الدین
نے اس محراب مقدس کی مرمت اور مسجد اقصے کی تجدید کا حکم دیا
جبکہ اللہ نے اسے فتح مند کیا۔ دعا ہے کہ خدا اسے اپنے احسانات کا
شکریہ ادا کرنے کی صلاحیت بخشے اور اپنے رحم و کرم سے اس کے
گناہ معاف فرمائے۔

جذبات ہیں کہ امڈے پڑتے ہیں۔ قلم ہے کہ بے چین ہوا جارہا ہے۔ کہ جب
المقدس کا ذکر ہوا ہے تو اس ارض مقدس میں جو زیارات موجود ہیں ان کا تذکرہ بھی
ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ یہ سلسلہ صلاح الدین ایوبی کی سوانحیات اور مجاہدانہ کارنامو
ہے۔ اس میں زیارتوں کی تفصیل کی گنجائش نہیں پھر بھی میں ان زیارات کے نام اد
ممکن ہو سکا تو ایک ایک دو دو جملوں میں ان کا تعارف پیش کروں گا۔

ایک اندازہ کے مطابق بیت المقدس میں ایک سو سے زائد زیارات ہیں جن میں
خاص خاص زیارتوں کی فہرست درج ذیل ہے۔

نمبر1 قبۃ الصخرہ

حدیث نبوی ہے :۔

"اس جگہ جو نماز ادا کی جائے پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔" علماء کرام اور

عالم تسلیم کرتے ہیں کہ خانہ کعبہ اور گنبد خضرا (روضہ رسول) کے بعد روئے
قبۃ الصخرہ مسلمانوں کے لئے مقدس ترین مقام ہے۔ یہاں گنبد خضرا اور قبۃ
زن ملحوظ خاطر رہے۔ گنبد خضرا وہ سبز گنبد ہے جو مدینہ منورہ میں روضہ رسول پر
اور قبۃ الصخرا وہ پاک چٹان ہے جو بیت المقدس میں ہے۔ صخرا عربی زبان میں
کہتے ہیں۔ یہ چٹان زمین سے صرف دو گز اونچی ہے۔ نہ یہ مربع ہے اور نہ
اس کی لمبائی 58 فیٹ ہے اور چوڑائی 42 فیٹ ہے۔
ں کی قدامت کے سلسلہ میں کئی روایتیں مشہور ہیں۔ ایک روایت ہے کہ تخلیق
دس ہزار سال پہلے فرشتے اس کا طواف کر چکے تھے۔ دوسری روایت یوں ہے کہ
ح کے اختتام پر کشتی نوح جس مقام پر رکی تھی وہ یہی چٹان ہے۔ یہ بھی کہا جاتا
روز قیامت حضرت اسرافیل اسی چٹان پر کھڑے ہو کر صور پھونکیں گے۔ اکثر مفسرین
ین اسے بہشت کی چٹانوں میں سے بتاتے ہیں کیونکہ اسے "بنت الجنت" (جنت کی
کہا گیا ہے۔
ی چٹان پر حضور صلی و سلم نے عرش اعلیٰ پر جاتے ہوئے تمام انبیائے کرام کی نماز
ت فرمائی تھی۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس خطے میں پیدا ہونے والے رسول اسی
بیٹھ کے لوگوں کو احکام الٰہی پہنچاتے تھے۔ اگر قبۃ الصخرا کی برکات اور فیوض کی
ل جائے تو اس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے اس اختصار کو
سمجھا جائے۔

قبۃ السلسلہ

قدی کا بیان ہے کہ حرم شریف کا صحن پختہ ہے اور اس کے درمیان میں مدینہ
کی مسجد کی طرح ایک چبوترہ اٹھا ہوا ہے جس کے چاروں طرف چوڑی چوڑی
ا ہیں۔ اس کے چبوترے پر چار گنبد ہیں۔ ان میں قبۃ السلسلہ ، قبۃ المعراج اور
بی چھوٹے پیمانے کے ہیں۔ یہ دیواروں کے بغیر سنگ سنگ مرمر کے ستون پر قائم
اوپر سیسے کی چادریں چڑھی ہیں۔ ابن الفقیہ نے اس کے بیس ستون بتائے ہیں۔
ں کے روبرو مشرق جانب حضرت خضر کا مقام عبادت ہے اور اس کے شمال میں قبۃ
مقام جبرئیل ہیں اور چٹان کے برابر قبۃ المعراج واقع ہے۔ ابن عبدربہ کا بیان ہے
لہ گنبد ہے جس میں بنی اسرائیل کے زمانہ میں جس میں ایک زنجیر لٹکی رہتی تھی جو
درمیان کذب و صدق کا فیصلہ کرتی تھی۔

قبۃ المعراج

وہ گنبد جہاں سے حضور معراج کے لئے براق (پردار جانور جسے رف رف بھی کہا جاتا ہے) پر سوار ہوکے معراج کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

نمبر4 قبتہ النبی

وہ گنبد جہاں پر حضور نے کھڑے ہوکر انبیائے کرام کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔

نمبر5 معبد جبرئیل

بعض روایتوں میں قبتہ النبی اور قبتہ المعراج ہی کو معبد جبرئیل بیان کیا گیا ہے عمارتیں مستحکم نہیں تھیں اس لئے اب اس کا کوئی وجود نہیں

نمبر6 گنبد سلیمان

باب شرف الانبیاء کے قریب احاطہ حرم میں جو گنبد واقع ہے اسے گنبد سلیمان کہا جاتا ہے۔ یہاں سلیمان سے مراد حضرت سلیمان نہیں بلکہ بنو امیہ کے خلیفہ عبدالملک کے سلیمان بن عبدالملک سے ہے جس نے یہ گنبد بنوایا تھا۔

نمبر7-8 قبتہ الارواح ۔ قبتہ الصخرا

چبوترہ کے باہر شمال مغربی کونہ میں قبتہ الارواح اور جنوب میں قبتہ الصخراہیں

نمبر9 مہد مسیح (مقام پیدائش حضرت مسیح)

احاطہ حرم کے جنوبی مشرقی گوشہ میں قدیم بنیادوں پر ایک چھوٹی سی زمین دوز مسجد جو مہد مسیح کے نام سے مشہور ہے۔ ابن عبدربہ نے اسے محراب مریم بنت عمران مقدسی نے اسے محراب مریم و زکریا کا نام دیا ہے۔ روایت ہے محراب مریم میں فرشتے حضرت مریم کے لئے گرمی میں سردیوں کے اور سردی میں گرمیوں کے پھل لایا کرتے۔ محراب زکریا اس کے ساتھ ہی مہد مسیح میں زمانہ قدیم سے حضرت مسیح کا پنگوڑا رکھا۔ یہ پنگوڑا پتھر کا ہے اور اس قدر وسیع ہے کہ ایک آدمی اس کے اندر کھڑے ہوکر نماز کرسکتا ہے۔ پنگوڑا پتھر میں گڑا ہوا ہے۔ اس میں حضرت مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) کو لٹایا تھا جہاں انہوں نے ایام شیرخواری میں لوگوں سے گفتگو کی تھی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ اسی جگہ پیدا ہوئے تھے۔ ایک ستون پر انگلیوں کے نشان ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مریم نے درد زہ کی شدت میں اس کو پکڑا تھا اور یہ نشان ان کی انگلیوں کے ہیں۔ عیسائیوں کے دور میں حرم شریف کے زمین دوز مقامات کو اصطبل کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اس لئے اسے اصطبل سلیمان کہا جاتا ہے۔

نمبر10 محراب داؤد

صلیبیوں کے دور میں حرم شریف کے شمالی پہلو میں محراب داؤد تھی جو ختم ہوگئی ہے۔ البتہ اس کے قریب کرسی سلیمان جو ایک قد آدم بلند چٹان ہے وہ باقی ہے۔

نمبر11 قبہ موسیٰ

مجیرالدین کا بیان ہے کہ باب السلسلہ کے مقابل قبہ موسیٰ بنا ہوا ہے لیکن اسے حضرت موسیٰ سے کوئی نسبت نہیں۔

اسی طرح کتابوں میں کیف نمبر12 ابراہیم' نمبر13 مینار ابراہیم' نمبر14 مقام الخلہ' نمبر15 مقام النار' نمبر16 مقام کعبہ اور نمبر17 محراب یعقوب کا ذکر ملتا ہے لیکن اب یہ معدوم ہیں۔

نمبر18 سیدنا سلیمان کا مصلیٰ یا کرسی

باب حطہ میں داخل ہوکے مسجد کے شمالی دروازہ باب الانبیاء ہے۔ باب حطہ اور باب الانبیاء کے درمیان میں یہ قبلہ چارستوں پر قائم ہے۔ جس میں قبلہ رو محراب بنی ہوئی ہے۔ اسے سیدنا سلیمان کا مصلیٰ کہتے ہیں 'معبد کی تعمیر کے وقت حضرت سلیمان اسی جگہ بیٹھ کے فیصلہ فرمایا کرتے ہیں۔

نمبر19 روضہ سیدنا سلیمان

یہ روضہ حرم شریف میں مسجد صخرہ کے مشرق میں تین سو قدم کے فاصلہ پر بیرونی دیوار کے متصل ایک مقفل کمرے میں واقع ہے۔ کمرے کے دونوں جانب جالی دار کھڑکیاں لگی ہیں۔ جن سے روضہ دیکھا جاسکتا ہے قبر سات گز لمبی ہے۔ روضہ کے متصل حبس سلیمان (جیل خانہ) ہے۔ وہاں شریر جنات کو قید کیا جاتا تھا۔ اصطبل وہاں سے تھوڑے فاصلہ پر ہے۔

نمبر20 دیوار براق

یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معراج کی رات براق (پردار پرندہ) باندھا گیا تھا۔ حرم میں خواتین کے لئے ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہے۔

نمبر21 مزار مولانا محمد علی جوہر

مولانا جوہر کا مزار مسجد صخرہ میں مغرب جانب ایک بند کمرے میں ہے کتبہ پر عربی عبارت لکھی گئی ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کی جان و مال کے صدقے جنت دے گا۔ یہ مجاہد عظیم مولانا محمد علی ہندی کی قبر ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی

رحمت میں جگہ دے۔ انہوں نے پندرہ شعبان کو لندن میں وفات پائی اور جمعہ کے دن
رمضان 1349ء ہجری میں قدس میں دفن ہوئے۔

نمبر22 دیوار گریہ

حرم شریف کی مغربی دیوار میں پچاس فیٹ کے ایک ٹکڑے کے لئے یہودیوں کا دعو
ہے کہ ہیکل سلیمانی کے باقیات میں سے ہے۔ چنانچہ وہ اس مقام پر آتے اور گریہ کر
ہیں اور اسی نسبت سے اس دیوار کا نام گریہ پڑ گیا ہے۔ مسلمان اس مقام کو براق کہتے ہ
کیونکہ شب معراج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقام پر براق س
اترے تھے۔ براق باندھ کر حضور مسجد میں تشریف لے گئے تھے۔ اس مقام کی نشاندہی ک
لئے یہاں ایک کڑا لگا ہوا ہے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب حضرت عمر بیت المقدس میں داخل ہوئے تو وہا
دیوار گریہ کا کوئی وجود نہ تھا۔ حضرت سلیمان کے معبد کو تباہ ہوئے صدیاں بیت چکی ہیں او
ہیرود اعظم نے اس جگہ جو عمارت تعمیر کرائی تھی اسے ططس رومی نے 70ء میں مکمل طو
پر تباہ کردیا تھا اور جو آثار باقی تھے اسے ملکہ ہیلینا نے مٹا دیا۔ بہر حال اب تو یہودی پور
بیت المقدس پر قابض ہیں۔ انہیں امریکہ بہادر نے شہہ دے رکھی ہے بلکہ یوں کہنا چاہ
کہ امریکہ میں دراصل یہودیوں ہی کی حکومت ہے۔ یہودیوں کا بے خانماں فلسطینیوں پر ظ
وستم حد سے بڑھ گیا ہے اور اب ذات باری تعالیٰ جلال میں آنے ہی والی ہے۔

نمبر23 حوض اور تالاب

احاطہ حرم کے نیچے چٹانوں میں مختلف مقامات پر بہت سے حوض بنے ہوئے ہیں جو پا
جمع کرنے کے کام آتے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں جرون کے قریب
وادی اوطاس سے چشموں کا پانی ایک بند کے ذریعہ ان حوضوں میں پہنچایا جاتا تھا بیت
المقدس کا سب سے بڑا حوض جس کا ایک حصہ خود مسجد اقصیٰ کے نیچے کھودا گیا۔ یہ
ورقہ کہلاتا ہے۔ سیوطی نے اس کی وجہ تسمیہ میں عجیب روایت لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے
کہ:۔

ابوبکر بن ابی مریم ، عطیہ ابن قیس کے واسطے سے بیان کرتا ہے کہ "رسول اللہ صل
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق میری امت میں سے ایک شخص اپنے دو پاؤں پر جنت م
داخل ہوگا اور وہ واپس آئے گا اور وہ زندہ یعنی دنیا کا رہنے والا ہوگا۔

اب اس سلسلہ میں روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق کے بعد خلافت میں بنی تمیم ک
ایک شخص جس کا نام شریک بنی حباشت تھا وہ بیت المقدس گیا اور ایک کنویں میں اترا

کنویں میں ایک دروازہ دکھائی دیا جو ایک باغ میں کھلتا تھا۔ شریک ابن حباشت اس باغ
اخل ہوا اور اس کی سیر سے دماغ کو فرحت پہنچائی پھر واپسی پر اس نے کسی درخت کا
توڑ کے کان کے پیچھے لگا کر ڈول کے ساتھ اوپر آگیا۔

شریک ابن حباشت اوپر آکر وہ پتہ جسے وہ باغ سے لایا تھا اسے لے کر حاکم وقت کے
گیا اور کنویں کے اندر باغ کا حال بیان کیا۔ حاکم وقت نے اس کے ساتھ چند آدمی
یئے تاکہ وہ تحقیق کرکے اصل حال معلوم کریں۔ ان میں دو آدمی شریک ابن حباشت کے
تھ کنویں کے اندر اترے مگر وہاں کوئی دروازہ نہیں دکھائی دیا۔ شریک ابن حباشت کو لئے
ے حاکم شہر کے پاس آیا اور بتایا کہ اب کنویں کے اندر کوئی دروازہ نہیں۔ لیکن یقین
کہتا ہوں کہ میں باغ میں گیا تھا اور میں نے یہ پتہ اس باغ کے ایک درخت سے توڑا

حاکم شہر نے وہ پتہ جسے اس نے اپنے پاس رکھوالیا تھا منگوا کر دیکھا مگر وہاں کوئی شخص
پتہ کو نہ پہچان سکا کہ وہ کس درخت کا ہوسکتا ہے۔ یہاں تک کہ بیت المقدس میں
م لوگوں کو وہ پتہ دکھایا گیا مگر کوئی بھی اسے نہ پہچان سکا۔ اب یہ مقدمہ حاکم شہر نے عمر
ق کے دربار میں بھیجا اور ساتھ میں حضور کی ایک حدیث تحریر کردی جس کا مطلب تھا

"میری امت میں سے ایک شخص اپنے پیروں پر جنت میں داخل ہوگا
اور واپس آئے گا اور وہ زندہ ہوگا۔"

اسی کے جواب میں حضرت عمر فاروق نے فرمایا:۔

"اس پتہ کو دیکھا جائے۔ اگر وہ سرسبز ہے اور پژمردہ نہ ہو تو وہ جنت کا پتہ ہے
ے پتے کبھی نہیں مرجھاتے اور مذکورہ حدیث میں بھی رسول اللہ کا یہ ارشاد فرمایا گیا ہے
اس پتہ میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوگی۔"

جب پتے کو دیکھا تو اسے سرسبز پایا۔

بر24 وادی ساہرہ ۔ میدان جہنم

ناصر خسرو کہتا ہے کہ جامع مسجد سے آگے بڑا سا مسطح میدان ہے جسے ساہرہ کہتے
مشہور ہے کہ یہ میدان قیامت ہے اور یہی محشر خلائق ہوگا۔ اس کے اندر ایک بڑا
تھوا اور بہت سے مقدس مقامات ہیں جہاں لوگ مندرجہ ذیل دعا مانگتے ہیں:۔

"اے خدا ہماری مراد کو پورا کر۔ ہمارے گناہوں اور بداعمالیوں
کو معاف فرما اور اے سب سے بڑے رحیم اپنی رحمت سے ہم پر

رحم فرما۔"

مسجد اور دست ساہرہ کے درمیان نشیب میں ایک وادی ہے جو خندق معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمر فاروق نے اسے وادی جہنم کا نام دیا ہے اور آج بھی اسی نام سے پکاری جاتی ہے۔ اسی وادی میں وہ عمارت ہے جسے "فرعون کا گھر" کہا گیا ہے۔ یہ اپنی ساخت کے لحاظ سے حیران کن ہے۔

وادی جہنم جسے یہودی کیدرون کہتے ہیں کے نشیبی علاقہ میں عین ایوب یعنی چشمہ ایوب ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس چشمہ میں غسل فرمایا تھا۔ اس کے پانی سے کوئی نہالے تو اس کا جسم کا درد دور ہوجاتا ہے۔

نمبر25 غار قارون

بیت المقدس کے عجائبات میں ایک بڑے غار کا بھی ذکر ہے جسے کلام پاک کی سورہ قصص کے حوالے سے قارون سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہاں سے ایک دروازہ اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں حضرت موسیٰ کے مقتولین دفن ہیں۔

نمبر26 جامعہ عمر

مسجد اقصےٰ اور قبتہ الصخرہ کے علاوہ شہر میں پینتیس مساجد ہیں۔ ان میں سب سے مشہور قابل دید جامعہ عمر ہے۔ اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ جب بیت المقدس نے بطریق اعظم (لارڈ پادری) نے آپ کو کنیہ ' قمامہ دیکھنے کی دعوت دی تو اس کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب سیر کے بعد واپس ہوئے تو سیڑھیوں پر نماز مغرب کا وقت ہوگیا۔ بطریق اعظم نے درخواست کی کہ قمامہ بھی عبادت گاہ ہے آپ یہاں نماز پڑھ لیں۔ آپ نے انکار کردیا مبادا کہ مسلمان حضرت عمر کی پیروی میں کلیساؤں میں نماز پڑھنے کا رواج ڈال دیں اور ان کی عبادت گاہیں محفوظ نہ رہ سکیں۔ چنانچہ آپ نے سیڑھیوں پر نماز پڑھی اور پھر ایک تحریر لکھدی کہ مسلمان میری تقلید میں اس گرجا پر تصرف نہ کریں۔ مسلمان حضرت عمر کے اس حکم سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے قمامہ کے سامنے ایک مسجد تعمیر کرنے کی اجازت چاہی ا ور حضرت عمر کی منظوری پر ایک نہایت خوبصورت مسجد بالمقابل کنیہ قمامہ عیسائیوں نے اپنی طرف سے تعمیر کرکے مسلمانوں کے حوالے کردی۔

بیت المقدس اور اس کے اطراف میں پھیلی ہوئی زیارات کا تذکرہ نامکمل رہ جائے گا اگر نصاریٰ (عیسائی) کی دو زیادتیوں کا ذکر نہ کیا جائے۔ ان میں ایک تو کنیہ قمامہ ہے اور دوسری کنیہ صعود ہے۔ اس لئے اس کا مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے۔

نمبر1 کنیہ قمامہ

نیہ کمامہ اور القیامہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس قیادت خیز کنیہ کو بقول ے پورا یورپ کافروں سے آزاد کرانے کے لئے اٹھ آیا تھا۔ عیسائی اس کنیہ کو سمجھتے تھے۔ ان کی روائتوں کے مطابق حضرت عیسیٰ یہیں مصلوب ہوئے اور م ن ہوئے یہیں دوبارہ زندہ ہوں گے۔ اس گرجا میں ایک صلیب بنائی گئی ہے جو ں مرمر کے ایک مستطیل چبوترے پر کھڑی ہے۔ حضرت عیسیٰ کی ہتھیلیوں میں ں ٹھکی ہیں۔ پاؤں کو تلے اوپر لکڑی رکھ کر کیل اس طرح ٹھونکی گئی ہے کہ وہ گزر کر لکڑی سے نکل گئی ہے۔ اسی کے ایک طرف حضرت مریم غمگین کھڑی رت مریم کا مجسمہ نہایت شاندار ہے۔ ساری مورت سونے کی ہے۔ کہتے ہیں کہ یم اسی جگہ شدت غم سے بے ہوش ہوکر گری تھیں۔ اس جگہ وہ چٹان بھی ہے روایت کے مطابق ٹوٹ گئی تھی اور حضرت آدم اس میں سے برآمد ہوئے تھے۔ کے مطابق وہ چٹان حضرت عیسیٰ کے صلیب دئے جانے کے مقام کے نیچے تھی۔

کمامہ میں حضرت ابراہیم ' حضرت اسمٰعیل ' حضرت اسحاق ' حضرت یعقوب اور ان ادوں ' حضرت عیسیٰ اور انکے گدھے کی تصویریں اور جنت و دوزخ کے نقشے بنے ۔ اسی کنیہ میں آگ کا معجزہ پیش آیا تھا جس کے حوالہ سے عقیدت مند عیسائیوں دھوکہ دیتے اور لوٹتے رہے تھے۔ یہ گرجا شہر کی سطح سے نیچا اور بیت المقدس دروازہ کے اندر گلی میں ایک ایسی تنگ جگہ واقع ہے کہ جانے والا یقیناً" سجدے میں ہوجاتا ہے۔

کلیسہ گتسمنے

ا سمن کا باغ ' جبل زیتون کے دامن میں حرم شریف سے ایک میل کے فاصلہ پر ب کی سمت واقع ہے۔ اس گرجا میں ایک غار ہے جس میں حضرت عیسیٰ اپنے کے ساتھ عبادت خداوندی میں مصروف رہتے تھے۔ اس سے آگے حضرت مریم کا ہ جو ایک وسیع اور عمیق مکان میں ہے۔ روضہ تک پہنچنے کے لئے موم بتی جلانا ۔ حضرت مریم کا روضہ ایک مختصر کمرے میں ہے جس میں پانچ چھ آدمیوں سے ما سکتے۔ روضہ کی دیواروں پر حضرت عیسیٰ کی زندگی کے ادوار کی مختلف تصویریں یں جنہیں دیکھ کر عیسائی روتے ہیں۔

کنیہ صعود

کنیہ کوہ زیتون پر واقع ہے۔ حضرت عیسیٰ رات کے وقت وہاں عبادت کرتے تھے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو شہید کرنے کے خیال سے اس مکان کا ارادہ کیا تو اللہ

تعالیٰ نے آپ کو آسمان پر اٹھا دیا۔ اس کنیسہ "المعاذر" کی بھی قبر ہے جسے حضرت عیسیٰ
حکم خداوندی سے زندہ کردیا تھا۔ یہاں وہ گرجا بھی ہے جس میں عیسائی مرد و زن قرب
کے لئے اپنے آپ کو قید کرلیتے ہیں۔

اسی گرجا میں وہ ضیافت خانہ (ڈائننگ ہال) ہے جس میں حضرت عیسیٰ اپنے شاگ
کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔ وہ میز اور مائدہ جو آسمان سے اتری تھی آج بھی
موجود ہے۔ جس مقام پر حضرت عیسیٰ کے خلاف مقدمہ چلایا گیا تھا وہاں آج کل ایک
بنا ہوا ہے اور اس میں وہ حصہ جہاں پیلاطس کی عدالت موجود تھی اب ایک تہہ خا
شکل میں واقع ہے۔ اس کے پتھر وہی ہیں جو رومن دور میں تھے۔ اس گرجا سے ایک
کنیسہ الکمامہ کو جاتا ہے۔ اس راستہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ عدالت سے سزائے
پانے کے بعد حضرت عیسیٰ صلیب اپنے کاندھے پر رکھ کر اس مقام کی طرف لے گ
جو صلیب دینے کے لئے مقرر تھا۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس راستے میں بارہ مقا
حضرت عیسیٰ تھک کر دم لینے کے لئے ٹھہرے تھے۔ ان تمام مقامات پر عیسائیوں کے
فرقوں نے اپنے گرجے بنا رکھے ہیں۔

مختصر یہ کہ کنیسہ الکمامہ کے علاوہ شہر کے اندر اور باہر عیسائیوں کی متعدد زیارت
ہیں۔

احاطہ حرم کی تمام زیارتوں کی تفصیل یہاں بیان نہیں کی جا سکی۔ ذیل میں مز
کے نام ترتیب سے درج کئے جا رہے ہیں تاکہ آپ یادداشت کے لئے ازبر کرلیجئے۔

احاطہ حرم کی زیارتیں

نمبر1 قبتہ الصخرہ
نمبر2 قبتہ السلسلہ
نمبر3 قبتہ المعراج
نمبر4 قبتہ النبی
نمبر5 قبتہ الازواج
نمبر6 قبتہ الخضر علیہ السلام
نمبر7 قبتہ سلیمان علیہ السلام
نمبر8 کھلا منبر
نمبر9 تخت سلیمان علیہ السلام

نمبر10 مہد عیسیٰ علیہ السلام
نمبر11 اصطبل سلیمان
نمبر12 مسجد اقصیٰ
نمبر13 باب النبی
نمبر14 باب المغاربہ
نمبر15 باب السلسلہ
نمبر16 باب المطارہ
نمبر17 باب القطانین
نمبر18 باب الحدید
نمبر19 باب الناظر
نمبر20 باب الزوایا
نمبر21 باب الخوانخہ
نمبر22 باب السقر
نمبر23 باب التوبہ
نمبر24 باب الاسباط
نمبر25 باب الذہب
نمبر26 باب القدیم
27 اکہرہ دروازہ
28 تہرہ دروازہ
29 ڈہرا دروازہ
30 1918ء سے قبل تک افواج کا مستقر
31 یہودیوں کا مقام گریہ

محبت اور ہوس

فرنگی مورخ لکھتے ہیں:۔

صلیبی دور میں یروشلم عیاشی ' فحاشی اور بدکاری کا مرکز بن گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے اسے فتح کرکے عیسائیوں کو امن و امان دیا اور ان ستر ہزار مسلمانوں کے خون کا انتقام نہ لیا جو ایک صدی پہلے بیت المقدس میں صلیبیوں کے ہاتھوں ذبح کردیئے گئے تھے۔

تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ سلطان صلاح الدین کے فرمان کے مطابق جب بیت المقدس سے جانے والے جاچکے تو سلطان 27 رجب بروز جمعہ 582 ہجری مطابق اکتوبر 1187ء ہلالی پرچم اڑاتا بیت المقدس میں داخل ہوا۔ مسجد عمر اور دیگر مقامات پر عیسائیوں نے صلیبیں چڑھا رکھی تھیں وہ سب اتاری گئیں اور ان کی جگہ ہلالی پرچم لہرایا گیا۔

وہ صبح جلیل جب کفر کے علم سرنگوں ہوئے نعمت ازلی میں
روپوش ہوئے وہ صبح امید اسلام کی حیات تازہ کی نوید نورانی کی
درخشندہ دمید

تاریخ بتاتی ہے کہ مصر میں سلطان صلاح الدین کے اقتدار قائم ہوتے ہی دنیائے افرنگ میں تشویش پیدا ہوگئی تھی اور اسی وقت سے اندلس ' سسلی اور فرانس کی حکومتوں میں سفارتی گھوڑے دوڑنا شروع ہوگئے تھے۔ فرنگیوں میں اتحاد تو پیدا ہوگیا تھا لیکن ان کی امداد اس وقت پہنچی جب بیت المقدس پر اسلامی پرچم لہرادیا گیا تھا۔ فرنگیوں نے بوکھلا کے دمیاط پر حملہ کردیا لیکن وہاں سے مار بھگائے گئے۔

سلطان صلاح الدین کی پیدائش قلعہ تکریت میں 532ھ مطابق 1138ء ہوئی تھی۔ اس کی پیدائش سے دس سال پہلے فلسطین اور شام میں لاطینی ریاست اپنے عروج پر تھی۔ شام اور بالائی علاقہ یعنی الجزیرہ وغیرہ ان کی جولانگاہ بنے رہتے تھے اور مریدین سے نہر الہ

ـے رہتے تھے۔ جب سلطان نورالدین زنگی کی وفات کے بعد سلطان صلاح الدین متمکن ہوا تو فلسطین اور شام کے امراء باہم خانہ جنگوں میں مصروف رہتے ار پر انوں کا یہ مختصر علاقہ دمشق ' حلب ' الرہا اور موصل وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں تھا لیکن سلطان صلاح الدین نے 1183ء تک دجلہ سے نیل تک تمام ریاستوں ا با جگذار بناکر متحد کردیا تھا۔

ان اور فرنگیوں کے درمیان لڑائی کا آغاز طبریہ کے میدان سے ہوا۔ جنگ طبریہ ں کا جو انجام ہوا اس کا اندازہ ایک چشم دید گواہ کے بیان سے ہوتا ہے وہ کہتا

خص میدان جنگ میں پڑی لاشوں پر نظر دوڑاتا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے تمام ارے گئے ہیں اور اگر وہ قیدیوں پر نظر ڈالتا تو ان کی کثرت سے یہ اندازہ ہوتا کہ ئی گرفتار ہوگئے ہیں۔

سلطان نے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی اور بیت المقدس پر قبضہ عیسائی ے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔ فتح بیت المقدس کے بعد غازی اسلام لاح الدین نے مسجد اقصیٰ اور قبتہ الصخرہ کو نجاستوں سے پاک کرنے کا حکم دیا۔ ے ان دیواروں پر حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی خیالی تصویریں بنوا رکھی لطان نے ان تصاویر کو صاف کراکے فرش اور دیواروں کو گلاب دمشقی سے دھلوا کرایا اور مسلمانوں کو عام حکم ہوا کہ آئندہ جمعہ کو وہاں نماز جمعہ ادا کریں۔ چنانچہ 582ھ کو قاضی محی الدین محمد بن علی الشافعی نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ ا روز شہر میں مقیم رہا پھر صور کی طرف روانہ ہوا۔

ان کے فلسطین اور بیت المقدس پر قبضہ سے پہلے وہاں کی جو حالت تھی اس کے ف ٹائر کہتا ہے:۔

ارے فلسطین میں ایک عورت بھی نہیں جسے باعصمت کہا جائے۔" صلیبیوں اور راہبوں کی زندگی میں جو تضاد تھا اس کے بارے میں اس کا بیان ہے۔ "عام ت مشقت کی زندگی بسر کرتے تھے مگر گرجوں میں روز بروز دولت کے ڈھیر لگتے ے اسقف اعظم ہر قلیس کے صندوق سیم و زر سے بھرتے جاتے تھے۔ وہ دولت کا اس کی زندگی حرص و ہوس کا افسانہ تھی۔ وہ زمین جو کلیسا کی ملکیت نہیں تھی ہیکل کے محافظوں (ٹمپلز اور ہاسپٹلز) جیسی نیم مذہبی اور نیم فوجی تنظیموں کے ہاتھ لگی تھیں۔ سرزمین قدس کے یہ خادم اس کے حقیقی مالک بن بیٹھے تھے۔ یہ

جماعتیں براہ راست پاپائے روم کے ماتحت تھیں۔ قانون کے مجرم ان کے یہاں پناہ لے
محفوظ ہوجاتے تھے۔"

یکم نومبر 1187ء کو سلطان نے اپنے لشکر کو صور کی طرف روانہ کیا اور بارہ دن بعد
بھی بیت المقدس سے صور پہنچ گیا۔ صور بحر روم پر فلسطین کا ایک محفوظ قلعہ تھا۔ چا
پیشتر بھی سلطان نے اس قلعہ کا محاصرہ کیا اور قلعہ فتح ہونے والا تھا کہ ایک ایسا واقعہ
آیا جس نے نہ صرف قلعہ صور کو اس وقت سلطان کے مضبوط ہاتھوں سے بچالیا بلکہ
وقت بھی وہ اونچا پہاڑ بن کے سلطان کے راستہ میں کھڑا ہوگیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے اس دوسرے محاصرے کا حال بیان کرنے سے پہلے
صور کے پہلے محاصرے کا حال بیان کرنا ضروری ہے اس لئے کہ قلعہ صور کے
محاصروں نے نہ صرف سلطانی لشکر پر اثر ڈالا بلکہ وہ آئندہ چل کے تیسری صلیبی جنگ
موقعہ پر صلیبیوں کے لئے بھی ایک مصبت ثابت ہوا تھا۔ آیئے اب ہم قلعہ صور کے
محاصرہ کا مختصر حال بیان کرتے ہیں۔

بیت المقدس کی فتح سے تقریباً" ڈیڑھ ماہ پہلے یعنی 8 جولائی 1187ء کو سلطان
الدین ایوبی قلعہ کی فصیل کے سامنے موجود تھا پھر اس کے دو دن بعد سلطان نے قلعہ
اسی مسجد میں نماز ادا کی جسے نوے سال پہلے کلیسا میں تبدیل کردیا گیا تھا۔ مسجد کو کلیسا
تبدیل کردینے کے وقت سے اب تک ساحل فلسطین پر پہلی نماز ادا کی گئی تھی۔ سلطا
کملہ میں نہایت نرم شرطوں پر معاہدہ کرکے اسے حاصل کیا۔ قلعہ میں اس وقت جا
مسلمان قید و بند کی سختیاں بھگت رہے تھے انہیں آزادی نصیب ہوئی۔ قلعہ پر قبضہ
روم کی منڈی کے دروازے مسلمانوں پر کھل گئے۔ یہاں اس قدر دولت میسر آئی کہ
جنگ کی تمام کمی پوری ہوئی اور فوج کو انعام و اکرام سے نوازا گیا۔

سلطان نے اندرون ملک فتوحات کے لئے الگ الگ لشکر روانہ کئے اور مصر م
بھائی ملک العادل کو اطلاع بھجوائی کہ وہ مصری لشکر لے کر فلسطین کی تسخیر میں د
فوراً" پہنچے۔ سلطانی دستوں نے فوراً" فتوحات کا آغاز کیا۔ نیزارتھ 'صفوریہ اور الفول
ہوئے۔ ساحل پر حیفہ اور قیاریہ کو فتح کیا گیا۔ سبتہ اور نابلس پر بھی جلد ہی قبضہ
ملک العادل مصر سے روانہ ہوا اور اس نے آتے ہی قلعہ میرابیل اور جافہ لے لیا۔
نے اس دوران ٹورون کا محاصرہ کرکے فتح کیا پھر ساحل پر سرافندہ ' صیدون ' بیروت
کئے۔ ٹورون اور بیروت پر کچھ مقابلہ ہوا۔ سلطان نے عام طور پر شہروں کے لئے
شرائط پیش کیں اور قلعے اور شہر کے دروازے کھل گئے۔ ان فتوحات سے بیمانہ

مسلمان مجاہدین پر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔
تمہید کی ضرورت اس وجہ سے محسوس ہوئی کہ قلعہ اور شہر صور کے وہ حالات
بائیں جس کی وجہ سے دوماہ پہلے صور فتح نہ ہوسکا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اگر کملہ
فوراً" بعد صور پر حملہ کردیا جاتا تو اس کا فتح ہوجانا یقینی تھا۔ سلطان نے فلسطین
تمام شہر فتح کرلئے تھے صرف بحر روم کے ساحل کے تین شہر صور ' عقلان اور
باقی تھے۔ ان میں سے عقلان اور بیت المقدس بعد میں تسخیر ہوئے مگر صور
یک سر نہ ہوسکا تھا۔ سلطان نے صور کا محاصرہ کرلیا تھا مگر وہ صور پر کوئی شدید
کررہا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ صور کا محاصرہ طویل ہو۔ اس سے پہلے کئی
شہر بات چیت کے ذریعہ سلطان کو حاصل ہوگئے تھے۔ صور کیمعاملہ میں بھی اس کی
معلوم ہوتی تھی۔ صور کا فتح ہوجانا یوں بھی آسان معلوم ہورہا تھا کہ کاؤنٹ
طرابلس چلا گیا تھا مگر وہ زندہ نہ رہ سکا اور جلد ہی مر گیا۔ انطاکیہ کا شہزادہ اس کا
اگر وہ صور کی فوجی طاقت نہ بڑھا سکا۔
لکھتا ہے کہ جب ریجی نالڈ اور کمانڈار نے دیکھا کہ صور سے تمام نائٹس چلے
اور سامان رسد کی بھی کمی ہے تو ان لوگوں نے سلطان کے پاس سفارت بھیجی اور
کی کہ اگر سلطان محاصرہ اٹھالے تو دوسرے قلعوں کی طرح صور ان کے حوالے
گا۔ مقصد یہ تھا کہ صور والوں کو بھی اپنا سامان لے کر نکل جانے کی اجازت
سلطان پہلے ہی قلعوں کے سلسلہ میں یہ رعایت دے چکا تھا اس لئے اس نے
سلطان کو صور کی فتح کا اس قدر یقین ہوگیا تھا کہ اس نے قلعہ کی سفارت کے
اسلامی پرچم بھی بھجوائے کہ انہیں قلعہ کے برجوں پر لگادیا جائے اور قلعہ والوں
اطاعت میں اسلامی پرچم صور کے برجوں پر اڑائے تھے لیکن صور میں ایک ایسا
واقعہ پیش آیا جس نے نہ صرف شہر کو مسلمانوں کے ہاتھ سے بچالیا بلکہ شام کے
کا مستقبل بھی بدل کے رکھ دیا۔
اٹلی کا ایک مہم جو جنگ آزما نوجوان جس کا نام کونریڈ تھا جسے مانٹ فیراٹ کا
کہا ہے۔ اس نے جب اطالوی اور بیزنطینی معرکوں میں نام پیدا کیا تو وہ مشرقی
جس کا دارلسلطنت قسطنطنیہ تھا (قسطنطنیہ اس وقت تک مسلمانوں کے قبضہ میں
وہاں پہنچا مگر جوش جوانی میں اس نے قسطنطنیہ کے ایک شخص کو قتل کردیا اور
لے کر قسطنطنیہ سے فرار ہوگیا (اس کی تفصیل بعد میں بیان ہوگی)۔ کونریڈ
کو یہ کہہ کر چھپایا تھا وہ بیت المقدس کی زیارت کو جارہا ہے۔ سطان صلاح

الدین کی بیت المقدس کی خبر ابھی قسطنطنیہ نہیں پہنچی تھی اور کونرڈ اسی خیال میں ا
بیت المقدس پر شاہ یروشلم لو سگنان کی حکمرانی ہے۔

کونرڈ نے اس خیال سے کہ عکہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہے اپنے بحری بیڑے کے
عکہ کے ساحل کے قریب پہنچا۔ عکہ میں نصرانی تسلط کے دوران یہ قاعدہ تھا کہ جب
جہاز عکہ کی طرف آتا دکھائی دیتا تو بندرگاہ اور شہر کی تمام گھنٹیاں جو اسی مقصد کے
لگائی گئی تھیں ایک ساتھ بجنا شروع ہوجاتیں تھیں اور ساحل پر کھڑی کشتیاں فوراً ا
طرف استقبال اور دریافت حال کے لئے چل پڑتی تھیں۔ کونرڈ اس سے پہلے کئی با
آچکا تھا اور دستور سے واقف تھا۔ اس دفعہ اس نے جو گھنٹیاں خاموش دیکھی اور
سے کوئی کشتی بھی بحری بیڑے کی آتی نہ دکھائی دی تو اس کا ماتھا ٹھنکا جنگ کا آغاز
چکا تھا۔ وہ بڑا چالاک اور دور اندیش تھا وہ فوراً اپنے بحری بیڑے کو دور سمندر میں
گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ صحیح حالات معلوم کئے بغیر وہ بندرگاہ پر نہیں اترے گا۔

اس دوران مسلمانوں کی دیدبان کشتیوں نے کونرڈ کے بحری بیڑے کو آتے
اور ایک مسلمان بحری افسر کشتی پر بیٹھ کے بحری بیڑے کی طرف چل پڑا۔ کونرڈ
کشتی آتے دیکھ لی اور خود بھی ایک کشتی پر بیٹھ کے دریافت حال کے لئے روانہ ہوا
کشتیاں سمندر کے درمیان ملیں۔

چالاک کونرڈ مسلمان افسر کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور وہ سمجھ گیا کہ وہاں مس
ہے۔ ادھر مسلمان افسر نے اپنی کشتی کونرڈ کی کشتی سے بھڑا دی اور سوال کیا۔

"یہ جہاز کہاں سے آیا ہے اور اس طرف جانا چاہتا ہے؟"

کونرڈ نے سنبھل کے جواب دیا۔ "ہم سوداگر ہیں اور جہازوں پر سوداگری مال
ہے۔" "پھر جہاز گہرے سمندر میں کیوں کھڑے ہیں۔ ساحل پر کیوں نہیں اتارتے
افسر نے کونرڈ کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"دراصل ہم مسافر ہیں اور ہمارے ساتھ سوداگری سامان ہے۔" کونرڈ نے ا
لفظ ٹھہر ٹھہر کے ادا کیا۔ "چونکہ جنگ کا زمانہ ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ بندرگا
کا قبضہ ہے اور ہمارا سامان محفوظ بھی رہے گا کہ نہیں۔"

بحری افسر نے اطمینان سے جواب دیا۔ "بے فکر ہو کے جہاز ساحل پر لے آ
سلطان صلاح الدین کا قبضہ ہے۔ سلطان کے تمام مقبوضہ علاقے بالکل محفوظ ہیں
اور بیت المقدس پر بھی سلطان کا قبضہ ہوچکا ہے۔ فلسطین کے تقریباً پورے
مسلمان قابض ہوچکے ہیں۔ تم بے شک اطمینان سے سامان اتارو اور اسے فروخت

ہائے کیا یروشلم پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا؟" یہ آواز ملاحوں میں سے ایک ملاح
جو کونرڈ کی کشتی کو لائے تھے۔

سلمان افسر نے کان کھڑے کئے اور قبل اس کے کہ وہ کانرڈ سے سوال و جواب
اس نے ملاحوں کو واپسی کا اشارہ کیا۔ کونرڈ کی کشتی واپس ہوئی اور بڑی تیزی سے
ری بیڑے کی طرف بھاگنے لگی۔

احمق ' بے وقوف تجھے ذرا بھی صبر نہ ہوسکا۔ جب معلوم ہوگیا تھا کہ وہ مسلمان افسر
اس کے سامنے رونے چلانے کی کیا ضرورت تھی۔" کونرڈ نے ملاح کو پھٹکارا پھر
ی کشتی جہاز سے لگی وہ جلدی سے اوپر چڑھا اور لنگر اٹھانے کا حکم دیدیا۔

لمان بحری افسر پہلے تو ملاحوں کے روتے اور منہ بسورتے چہرے حیرت سے دیکھتا رہا
ب کونرڈ کی کشتی تیزی سے واپس ہوئی تو اسے اپنے فرض کا احساس ہوا اور وہ بھی
اپس ساحل کی طرف لے چلا۔ وہاں پہنچ کے اس نے فوجی حکام سے عیسائی بحری
کے بارے میں بات چیت کی اور دم کے دم میں چار بحری جہاز گہرے سمندر کی طرف
جہاں عیسائی بحری بیڑا لنگر انداز تھا۔ لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی کونرڈ اپنے
لے کر شمال کی طرف روانہ ہوچکا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے مصر سے لشکر کے
ری بیڑے کو بھی طلب کرلیا تھا اور وہ بحری بیڑہ اس وقت عکہ کے ساحل پر لنگر
تا۔

ونرڈ اپنے بیڑے کے ساتھ صور کے بندرگاہ پر پہنچا۔ یہ وہ رات تھی جس کی صبح کو
ے شہری سلطان کو صور کا قبضہ دینے والے تھے۔ اہل شہر نے عیسائی بحری بیڑے کو
ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اس وقت صور میں کوئی قابل ذکر سردار یا شہزادہ موجود
شہریوں نے کونرڈ کو گھیر لیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ صور کی کمان سنبھالے
ے مسلمانوں سے بچائے۔ کونرڈ دیر تک اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔ ادھر شہریوں کا
بڑھتا رہا اور ادھر کونرڈ حالات پر غور کرتا رہا۔ ایک طرف صور کی بلاشرکت غیرے
اور امارت تھی دوسری طرف سلطان صلاح الدین سے مقابلہ۔ وہ صلاح الدین جس
بڑشلم جیسی عظیم سلطنت کو الٹ دیا تھا۔ آخر کونرڈ نے جوا کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ صور
یوں کی کمی نہ تھی کیونکہ جو شہر اور قلعے مسلمانوں کے قبضہ میں چلے گئے تھے وہاں کیا
اور کیا فوجی بھاگ کے صور میں پناہ گزیں ہونے آگئے تھے۔

ونرڈ نے سوچا کہ اگر وہ مسلمانوں کے حملے کو نہ روک سکا تو وہ اپنے بحری بیڑے میں
پنے ساتھیوں کے کسی اور طرف روانہ ہوجائے گا اور اگر اس نے مسلمانوں کا حملہ

روک دیا تو پھر صور اس کے قبضہ میں رہے گا ہی اس کے علاوہ بھی وہ ہاتھ پیر مارے گا اور ممکن ہے کہ وہ عیسائیوں سے نکلے ہوئے علاقوں پر قابض ہوسکے۔ مگر وہ شہریوں اور فوجیوں سے پکا عہد لینا چاہتا تھا تاکہ وہ اسے دھوکہ نہ دے سکیں۔

صور کے شہریوں کی نمائندگی کوتوال شہر کررہا تھا۔ کونریڈ نے بڑے غور و فکر کے بعد کوتوالِ شہر کو مخاطب کیا۔ "میں صور کو بچانے کے لئے تیار ہوں۔ میں فوجیوں کو سامان حرب بھی دوں گا اور جتنی رقم کی ضرورت ہوگی میں خرچ کروں گا اس کے لئے مجھ سے کچھ وعدے کرنا پڑیں گے۔"

"ہم آپ کی ہر شرط ماننے کے لئے تیار ہیں اور جو عہد چاہیں گے ہم وعدہ کرنے پر بھی تیار ہیں۔" شہرکوتوال نے بڑے وثوق کے ساتھ جواب دیا۔ "آپ فرمائیے ہمیں کیا عہد کرنا ہے؟"

"سب سے پہلے تو آپ کو یہ عہد کرنا ہوگا کہ صور کو کسی صورت میں بھی مسلمانوں کے حوالے نہ کریں گے بلکہ اپنے خون کے آخری قطرے تک اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔" کونریڈ نے انہیں بتایا۔

صور میں ایک چھوٹا پادری موجود تھا۔ وہ آگے بڑھ کے آیا۔ "مار کوئیس کونریڈ میں صلیب پر ہاتھ رکھ کے عہد کرتا ہوں کہ صور پر قربان ہوجاؤں گا۔"

صور کے شہریوں نے کونریڈ اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا۔

کونریڈ نے اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد کہا۔ "اب میں سپہ سالار کی حیثیت سے صور کی حفاظت کروں گا لیکن یہ یاد رکھو کہ اگر میں صور کو بچانے میں کامیاب ہوگیا تو میری حکومت ہوگی۔ ان سرداروں اور شہزادوں کو تم اپنا حاکم تسلیم نہیں کروگے جو تمہیں دشمن کے ہاتھوں میں بے یارومددگار چھوڑ کے چلے جائیں گے۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں کہ صور کا حاکم سوائے مارکوئیس کونریڈ کے کسی اور کو نہ ہونے دیں گے۔" پادری نے شہریوں کی طرف سے قسم کھائی اور حلف اٹھایا۔

ان یقین دہانیوں اور عہد و پیمان کے بعد کونریڈ نے ان تمام غیر مسلح فوجیوں کو مسلح جو دوسرے مقامات سے شکست کھاکر صور میں پناہ حاصل کیے ہوئے تھے۔ کونریڈ کے بحری بیڑے پر اس قدر اسلحہ موجود تھا جو ایک ماہ تک محاصرہ میں استعمال ہوسکتا تھا۔ فوجیوں کو مسلح کرنے کے بعد اس نے صور کے ان نوجوانوں کو مسلح ہونے کی دعوت دی جو مادر وط پر قربان ہونا چاہتے تھے۔ نوجوان جوق در جوق مسلح ہوئے اور انہوں نے ملک کے لئے جا دینے کا عہد کیا۔ اس طرح صور کی وہ آبادی جو چند گھنٹے پہلے بے سہارا اور کس مپرسی

میں تھی ان میں بڑا جوش و خروش پیدا ہوگیا۔

ارکوئیس کونریڈ نے صور کے برجوں پر دو اسلامی جھنڈے لہراتے دیکھ لئے تھے۔ جب لعہ والوں کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو اس نے دونوں اسلامی جھنڈوں کو برجوں سے ر خندق میں پھینک دیا۔ صور کے قلعہ کے گرد ایک گہری خندق تھی۔ اب کونریڈ ی فوج کا سپہ سالار بھی تھا اور وہاں کا بادشاہ بھی۔ صور میں بھی بہت سا ناکارہ اسلحہ پڑا ھا۔ کونریڈ نے اپنے آدمی لگا کر اس اسلحہ کو کار آمد بنایا۔ سنگ باری کرنے والی چھوٹی منجنیقیں تھیں انہیں فصیل پر چڑھا کے ان کا رخ سلطان صلاح الدین کی محاصرہ کرنے ی فوجوں کی طرف کردیا۔ کانریڈ تمام رات فوج کے ساتھ فصیلوں کو مضبوط کرنے میں لگا ا اور جب سویرا ہوا تو اسلامی لشکر نے دیکھا کہ صور کی فصیلوں کے محافظ چاق و چوبند ے ہیں اور حملے اور جوابی حملے کے لئے بالکل تیار ہیں۔

سلطان صلاح الدین کو اطلاع دی گئی کہ صور والوں نے اسلامی جھنڈے رات ہونے پہلے برجوں پر لگادئے تھے مگر اب وہ جھنڈے اتار دئے گئے ہیں اور فصیل پر فوج ے جمائے کھڑی ہے۔ سلطان اپنے خیمہ سے نکل کر آگے پہنچا تو قلعہ والوں کی تیاریاں ر کر حیران رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ قلعہ کو کسی طرح سے زبردست کمک مل ی ہے۔ بیت المقدس پر قبضہ کو ابھی چند ہی روز گزرے تھے اس لئے دوسرے ممالک ے کمک آنے کا تو ابھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر یہ ضرور خیال ہوتا تھا کہ بغیر کمک ل کئے ہوئے صور کی یہ تیاری کسی طرح ممکن نہیں۔

سلطان دوپہر تک انتظار کرتا رہا کہ شاید قلعہ کی طرف سے کوئی سلسلہ جنبانی شروع گر ادھر سے کوئی نہ آیا۔ سلطان صلاح الدین نے بعد دوپہر ایک سوار کو قلعہ کی طرف تاکہ وہ قلعہ والوں کے ارادے معلوم کرکے جواب لائے۔ اس سفارت کا فرض سلطان نے اپنے بھتیجے تقی الدین بن شاہان شاہ کے سپرد کیا۔ تقی الدین دو روز پہلے ہی بعض علاقوں ی فتوحات کے بعد واپس آیا تھا۔

تقی الدین نیزے پر سفید پرچم لگا کر گھوڑا اڑاتا قلعہ صور کے جنوبی دروازہ پر پہنچا۔ نکہ نیزہ پر سفید پرچم یعنی امن کا نشان تھا اس لئے صدر دروازے کا چھوٹا دروازہ کھول کر س کو اندر کرلیا گیا۔ تقی الدین نے اندر پہنچ کر ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو حیران رہ گیا۔ ر دروازے کے اندر کی طرف سے دائیں بائیں سڑکیں جارہی تھیں اور ان سڑکوں کے وں طرف حد نظر تک نیزہ بردار اور شمشیر بکف سوار کھڑے تھے۔ اوپر فصیلوں پر اس در محافظ اور تیرانداز موجود تھے جن کا شمار کرنا مشکل تھا۔

ایک سوار گھوڑا بڑھا کر تقی الدین کے پاس آیا۔

"خوش آمدید امن کے سفیر۔" سوار نے ادب سے کہا۔

تقی الدین قلعہ کا سامان دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اس نے سوار کی طرف پلٹ پُر رعب لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے قلعدار سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

"معزز سفیر اب اس قلعہ میں کوئی قلعدار نہیں۔" سوار نے نہایت بے خو جواب دیا۔

"تو پھر تم مجھے اپنے سپہ سالار کے پاس لے چلو۔" تقی الدین کا لہجہ قدرے تھا۔"

"مجھے افسوس ہے سفیر کہ قلعہ میں کوئی سپہ سالار موجود نہیں۔" سوار بہت اور مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

تقی الدین کو گمان ہوتا تھا کہ سوار شاید اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ وہ چڑ کے

"سوار تم سلطان عالی مقام کے سفیر کا مذاق اڑا رہے ہو۔ میں سلطان کا نمائندہ ہوں ا ذمہ دار شخص سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں اور تم کہتے ہو کہ یہاں کوئی نہیں پھر ا حکومت کس کے سپرد ہے۔"؟

"معزز سفیر۔" سوار نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ م سے مذاق کر رہا ہوں۔ میں سفیر اور سفارت کے مرتبے سے واقف ہوں اسی لئے آپ کے سوالوں کا نہایت ادب سے جواب دیا ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ اس قلعہ کوئی قلعدار ہے اور نہ سپہ سالار۔ جہاں تک کسی ذمہ دار شخص کا تعلق ہے تو میں یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہوں کہ قلعہ صور اور بندر گاہ کی باگ ڈور مارکوئیس کونریڈ کے ہاتھ میں ہے جو یہاں کے کلی طور پر مالک اور بادشاہ ہیں۔ آپ فرمائیں تو میں آپ کو ان کے پاس لئے چلتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے مجھے وہیں لے چلو۔"

سوار سرہلا کے آگے چلنے لگا۔ تقی الدین نے اپنا گھوڑا اس کے عقب میں لگا نے اپنا گھوڑا ایک سنگی بارہ دری کے سامنے روکا۔

"میں ابھی اجازت لے کر واپس آتا ہوں۔" سوار یہ کہہ کر بارہ دری میں چلا گیا۔

تقی الدین گھوڑے سے اتر کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد سوار بارہ دری سے واپس آگیا۔

"آپ میرے ساتھ تشریف لائیے۔ مارکوئیس آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

سوار نے تقی الدین کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور سفارت کو ساتھ لے کر پھر بارہ ی میں داخل ہوا۔ راہداری میں تقی الدین کو کھڑا کر کے وہ سامنے کمرے میں داخل ہوا وراً واپس آ کے بولا۔

"آجائیے معزز سفیر"

تقی الدین اور سوار دونوں آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے۔ تقی الدین نے دیکھا ہ کمرے میں ایک لانبے قد کا جوان تنہا ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ اس کے دائیں بائیں دو رسیاں بچھی ہیں۔ اس نے کھڑے ہو کر تقی الدین کا استقبال کیا۔

"میں سلطان کے سفیر کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ فرمائیے میں سلطان کی کیا خدمت رسکتا ہوں؟"

تقی الدین نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ "سلطان معظم نے دریافت فرمایا ہے کہ اسلامی ھنڈوں کو قلعہ کے برجوں سے کیوں اتارا گیا ہے؟"

"سلطان سے ہماری طرف سے عرض کیا جائے کہ قلعہ پر جھنڈا اس کا لہراتا ہے جس ا قبضہ ہو۔ صور پر میرا قبضہ ہے اور میں صلیب مقدس کا پرستار ہوں اس لئے برجوں پر لیبیں نصب کی گئی ہیں۔" مارکوئیس کانریڈ کا لہجہ بڑا پرسکون تھا۔

"مگر کل تک تو صور والے صلح کے لئے بھاگ رہے تھے۔" تقی الدین نے حالات کی تبدیلی کا احساس کرتے ہوئے کہا۔ "سلطان عالی مقام نے صور والوں کی جان و مال کی حفاظت کی ضمانت بھی دیدی تھی مگر اب یہ تبدیلی کیوں۔ کیا یہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی نہیں فرمانروائے قلعہ کو عہد شکنی کے انجام پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔"

"تم صرف سفیر ہو اور ایک سفیر کو یہ سلیقہ ہونا چاہئے کہ کسی سفیر کو کسی فرمانروا سے کس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔" مارکوئیس کانریڈ نے تقی الدین کو مرعوب کرنے کی کوشش کی۔

تقی الدین نے واپس ہوتے ہوئے کہا۔ "فرمانروا کا شکوہ بجا ہے۔ سفیر کو واقعی ایک فرمانروا سے بات کرنے کا سلیقہ ہونا چاہئے مگر سفیر' سفیر میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اس وقت سلطان صلاح الدین کا سفیر کوئی معمولی سفیر نہیں بلکہ سلطان کا برادر زادہ محمد تقی الدین عمر ابن شاہان شاہ ہے جو ہر صلیبی حکمراں اور فرمانروا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے گفتگو کرسکتا ہے۔"

مارکوئیس کانریڈ نے چونک کے تقی الدین کو دیکھا۔ "آپ ۔ آپ سلطان کے برادر

زادے ہیں۔ میں ۔میں اپنے الفاظ واپس لینا چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں مارکوئیس۔" تقی الدین نے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔ "منہ سے نکلی بات پرائی ہوجاتی ہے۔ تمہیں جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکے اور مجھے جو دریافت کرنا تھا اس کا مجھے جواب مل گیا۔ اب صور کا فیصلہ نوک شمشیر ہی سے ہوگا۔"

"میں اسلامی لشکر کے ایک عظیم سردار سے پھر معافی کا درخواستگار ہوں۔" مارکوئیس کا لہجہ یکسر تبدیل ہوگیا تھا۔ "بے شک صور کا فیصلہ تو نوک شمشیر ہی سے ہوگا اور میں اس سے کم پر کسی طرح آمادہ بھی نہیں ہوسکتا لیکن شاہوں اور شہزادوں کی عزت بہر صورت برقرار رہنا چاہئے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے سلطان نے کئی ممالک کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو پابہ زنجیر کرنے۔۔۔۔۔"

"غلط بات مت کہو مارکوئیس۔" تقی الدین نے قطع کلام کیا۔ "تمام نصرانی فرمانروا اور سردار ہمارے مہمان ہیں۔ ہمارا سلطان زنجیریں تو کسی مجرم کو بھی نہیں پہناتا۔"

"خیر اگر آپ کو ناگوار گزرا ہے تو میں یہ الفاظ بھی واپس لیتا ہوں۔" مارکوئیس نے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ "مگر مسلم سردار آپ اپنے سردار کو یہ مشورہ ضرور دیجئے گا کہ وہ اب صور سے محاصرہ اٹھالے کیونکہ کل تک مسلمانوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والا صور اب پہلا صور نہیں۔ آپ نے ہماری تیاریاں دیکھ لی ہیں اگر اسلحہ اور سامان رسد کے ذخائر دیکھنا ہوں تو ہمارے ساتھ چلئے ہم آپ کو اپنی تیاریوں کی ایک جھلک خود بھی دکھانا چاہتے ہیں۔"

"کل کچھ زیادہ دور نہیں ہے مارکوئیس۔ کل تمہاری تیاریاں اور تمہاری تلواروں کی کاٹ میدان میں دیکھیں گے۔" تقی الدین یہ کہتا ہوا باہر آگیا۔

اسے یہاں لانے والا سردار اس کے ساتھ ہی باہر آگیا تھا۔ تقی الدین نے چونکہ اپنی شخصیت کا اظہار کردیا تھا اس لئے وہ بہت مرعوب دکھائی دے رہا تھا۔ تقی الدین عمر اور ملک االعادل دو ایسے مسلم سردار تھے جن کے نام سے نصرانی سپاہی تک واقف تھے۔ اس نے سلطانی سفیر اور ایک عظیم سردار کو بڑی عزت سے رخصت کیا۔

سلطان صلاح الدین اپنے خیمہ میں بیٹھا تقی الدین کی واپسی کا انتظار کررہا تھا۔ اس کے تمام بڑے بڑے سردار اس کے ساتھ بیٹھے تھے۔ غلام نے تقی الدین کے واپس آنے کی اطلاع دی تو سلطان نے فوراً" اسے طلب کرلیا۔ تقی الدین نے حاضر ہوکر سلام پیش کیا۔

"کیوں تقی الدین قلعہ والوں کا دماغ ایک دم کیوں خراب ہوگیا۔" سلطان نے نرمی سے دریافت کیا۔ "یہ نصرانی آخر اس قدر بد عہد کیوں ہوتے ہیں؟"

عالیجاہ۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔" تقی الدین نے سلطان کو بتایا۔ "صور میں اس وقت طین کا کوئی نصرانی سردار یا فرمانروا موجود نہیں بلکہ ان کی جگہ یورپ کا ایک سردار یا ملک کا فرمانروا مارکوئیس کونریڈ صور پر قابض ہے۔ وہ اپنے ساتھ بدیسی لشکر لایا ہے جو ر کی سڑکوں اور فصیلوں پر پھیلا ہوا ہے۔ شاید اسی لشکر کے زور پر صور والوں نے ے پرچم اتار کر برجوں پر صلیبیں چڑھادی ہیں۔"

"اس کی طاقت کا تم نے کیا اندازہ کیا ہے؟" سلطان نے پوچھا۔ "کیا حطین سے زیادہ مقابلہ ہوسکتا ہے؟"

"نہیں عالیجاہ ۔ صور میں اتنی طاقت نہیں۔" تقی الدین نے جواب دیا۔ "دو چار دن زیادہ صور مقابلہ نہ کرسکے گا۔"

سلطان صلاح الدین کو تو صور کی طرف سے اس قدر اطمینان ہوگیا تھا کہ اس نے لامی جھنڈے بھی نصب کرنے کے لئے بھجوادئے تھے مگر صور والوں نے نہ صرف وہ ڈے برجوں پر سے نوچ پھینکے تھے بلکہ فصیلوں پر چڑھائی ہوئی منجنیقیں ان کے جنگی ادوں کو ظاہر کررہی تھیں۔ چنانچہ سلطان کو از سر نو حملہ کی تیاریاں کرنا پڑیں۔

سلطان صلاح الدین دو دن کی تیاری کے بعد صور پر شدید حملہ کا حکم دیدیا۔ ادھر صور لوں نے شہر اور قلعہ کے گرد خندق کو پہلے ہی سے گہرا کرلیا تھا۔ صور کے تین طرف پانی چوتھی سمت ایک پتلی سی زمین کی پٹی تھی جو اسے سمندر سے جدا کرتی تھی۔ صور والوں نے اسے کاٹنا شروع کردیا۔ صلاح الدین نے یہ اطلاع ملتے ہی ایک تیرانداز دستے کو اس رف تعینات کردیا تھا جس نے تیروں کی بارش کرکے خشکی کاٹنے کا کام روک دیا تھا۔ طان کی فوجوں نے صور پر شدید سنگ باری کرائی۔ کئی جگہ خندقیں پاٹ کے فصیل تک نچنے کی کوشش بھی کی گئی۔ مگر مارکوئیس کونریڈ کی یورپ سے ساتھ آئی ہوئی ٹرینڈ فوج نے حملہ اور ہر کوشش ناکام بنادی۔

صور پر حملے کرتے ہوئے چار دن ہوگئے تھے لیکن صور والوں کی مدافعت میں کوئی زوری پیدا نہ ہوئی تھی۔ سلطان کا اصل مقصد "بیت المقدس" کی بازیابی تھی۔ اسی لئے طویل محاصروں کے خلاف تھا پھر اس کی فوج میں بھی کچھ بے چینی پیدا ہورہی تھی۔ ائیوں سے جنگ طویل سے طویل تر ہوتی جارہی تھی اور اس کے خاتمہ کے آثار نظر نہ تے تھے۔ شاید انہی باتوں کے پیش نظر سلطان نے صور کا محاصرہ ختم کردیا اور لے کر قلان کی طرف چلاگیا۔

سلطان کے مورخ بہاء الدین نے صور سے محاصرہ اٹھانے کا یہ پہلا سبب بیان کیا ہے

کہ سلطان کا لشکر شام کے تقریباً" پورے ساحلی علاقے پر پھیلا ہوا تھا اور اس نے اپنی مرضی سے لوٹ مار شروع کردی تھی۔ اس کے علاوہ لشکر تھک چکا تھا اور جنگ ختم ہوتے نظر نہ آتی تھی لیکن وجہ زیادہ معتبر نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس سلسلہ میں ابن اثیر کا بیان زیادہ قابل دید ہے۔ وہ کہتا ہے :۔

" عسقلان اور یروشلم (بیت المقدس) کا فتح کرنا بھی اشد ضروری تھا کیونکہ وہ مصر اور شام کے درمیان آمدورفت میں مزاحم ہوتے تھے۔"

سلطان صلاح الدین کے صور کا محاصرہ اٹھانے کی اصلی وجہ یہی معلوم ہوتی تھی۔ واضح رہے کہ اس وقت تک عسقلان اور بیت المقدس فتح نہیں ہوئے تھے۔ پس سلطان نے صور سے محاصرہ اٹھاکر مغربی سرحد کی طرف بڑھا اور رملہ ، آئی بیلن اور دام پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے عسقلان کا محاصرہ شروع کردیا۔ اس کے بعد کا حال یعنی عسقلان اور یروشلم (بیت المقدس) کی فتح کی تفصیل ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

اس حملہ معترضہ کے بعد ہم صور کے دوسرے محاصرے کی طرف پھر آتے ہیں۔ بیت المقدس اور عسقلان فتح ہوچکے تھے۔ صور کے جنوبی قلعوں پر کسی وقت بھی قبضہ کیا جاسکتا تھا لیکن پورے فلسطین میں صرف صور کا ایک ایسا بندرگاہ جو سلطان کے قبضہ میں اب نہ آسکا تھا حالانکہ اس کا پہلے بھی محاصرہ کیا گیا تھا جو بعض مجبوریوں کی وجہ سے اٹھانا پڑا تھا۔ سلطان صلاح الدین کیم نومبر 1187ء کو اپنی فوج صور روانہ کی پھر بارہ دن بعد خود بھی فوج کی کمان کرنے صور پہنچ گیا۔

سلطان صلاح الدین جتنا بڑا جنگجو اور عظیم مجاہد تھا وہ دل کا نرم اور بے انتہا خدا ترس انسان تھا۔ اس کی فتوحات کی تفصیل بڑی طویل ہے لیکن ان تمام فتوحات میں ایک بات مشترک نظر آتی ہے۔ سلطان نے جس قلعہ یا شہر پر حملہ کیا پہلے اس کے سامنے صلح کی شرط پیش کی۔ اس کی سب سے زیادہ نرم شرط یہ تھی کہ قلعدار یا فرمانروا اپنا سامان لے کر قلعہ یا شہر خالی کردے۔ حکمرانوں کے ساتھ عام شہریوں اور فوجیوں کے لئے بھی اس کا یہی اعلان ہوتا تھا کہ وہ شہر خالی کردیں یا معمولی ٹیکس دے کر مفتوحہ شہر میں رہ سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ جو قلعہ یا شہر سلطان کے قبضہ میں آتا اس کے باسی، کیا شہری اور کیا فوجی وہ سب اپنا سامان بٹور کے کسی محفوظ نصرانی قلعہ کا رخ کرتے تھے پھر جب اس قلعہ پر بھی سلطان کا حملہ ہوجاتا تو وہ کسی اور قلعہ میں منتقل ہوجاتے۔

اس طرح فتح بیت المقدس کے بعد شامی ساحل پر نصرانیوں کا قریب ترین قلعہ صور تھا۔ جہاں تمام نصرانی قلعوں کے لوگ آکر پناہ گزیں ہوگئے تھے۔ اب سلطان چاہتا تھا کہ

[نصرا]نیوں کے اس آخری سہارے پر بھی قبضہ کرکے بادی النظر میں انہیں پورے فلسطین [سے بے]دخل کردے۔ یہ بات جس طرح صلاح الدین کے ذہن میں تھی اسی طرح صور والوں [کو] بھی یہ بات معلوم تھی کہ صرف یہی ان کا آخری سہارا ہے اور اس کی تباہی کے بعد [انہیں] ارض فلسطین پر کسی اور جگہ سر چھپانے کی جگہ نہ مل سکے گی۔

صور والوں کے علاوہ مارکوئیس کونریڈ کو بھی یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ صور کے [ہاتھ سے] نکلنے کے بعد شام و فلسطین ہی کیا اسے پورے ایشیاء کی جگہ بھی پناہ نہ مل سکے [گی اور] یورپ وہ یوں بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اٹلی اور قسطنطنیہ میں عیاشی اور مکاری کے ایسے [ایسے] کارنامے انجام دیئے تھے کہ وہاں کے لوگ اسے دیکھتے ہی قتل کردینے پر تیار ہوجاتے۔ [اس] لئے کانریڈ اس کے بحری بیڑے اور اہل صور نے صور کی دفاعی پوزیشن مضبوط کرنے [میں] اپنی جانیں لڑا دی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ سلطان نے صور کا پہلا محاصرہ نہ معلوم [کن] وجوہات کی بنا پر اٹھالیا تھا لیکن وہ بغیر صور حاصل کئے واپس نہ جائے گا۔ اس لئے [صو]ر کا محاصرہ دوسرا " حطین" کا محاذ جنگ بن گیا تھا۔ صور کی فصیل کے گرد خندق گہری اور [زی]ادہ چوڑی کردی گئی تھی اور خندق کے اس پار فصیل کے آگے مٹی کے ٹیلے بناکر ان پر [تی]رانداز بٹھائے گئے تھے تاکہ خندق پار کرنے والوں کو نشانہ بنائیں۔ اسی طرح فصیل کے [او]پر تھوڑی تھوڑی دور منجنیقیں لگائی گئی تھیں جو سنگباری کے لئے تیار تھیں۔ مارکوئیس [کونر]یڈ کا بحری بیڑا ساحل کی حفاظت کررہا تھا۔ صور کا دفاع اس قدر مضبوط بنادیا گیا تھا جسے [فتح کر]نا ممکن نظر نہ آتا تھا۔ صور اب ایسے جزیرہ میں تبدیل ہوگیا جسے ایک تنگ خاکنائے کے [ذ]ریعہ خشکی سے ملایا گیا تھا۔ اس تنگ راستے کو بھی روکنے کے لئے خندق کے کنارے اور کشتیوں پر تیرانداز مقرر کئے تھے۔ اس تنگ خاکنائے سے برابر برابر دو تین آدمیوں سے زیادہ ایک وقت میں لوگ گزر نہ سکتے تھے۔

صور پر پورے اہتمام کے ساتھ حملہ شروع کیا گیا۔ مصر حلب اور حمص کے لشکر سلطان کے بھائی العادل بھتیجے تقی الدین اور دو بیٹوں الفاضل اور الظاہر کی زیر کمان سلطان [کی] مدد کو موجود تھے۔ سلطانی لشکر کی سترہ منجنیقیں نے رات دن فصیل پر سنگ باری شروع [کی]۔ خاکنائے کے راستے پر سے بھی کچھ فوجیوں نے خندق پار کرنے کی کوشش کی مگر اس راستے کے دونوں طرف تیرانداز گھات لگائے بیٹھے تھے انہوں نے فوجیوں کی یہ کوشش بیکار [ک]ردی۔ منجنیقوں سے پھینکے ہوئے پتھر بھی کچھ زیادہ کام نہ کرتے تھے۔ فصیل کو سرنگ لگا کر اڑانا بھی ممکن نہ تھا کہ بیچ میں گہری خندق تھی اور خندق کے نیچے سے فصیل تک [س]رنگ پہنچانا بھی ناممکن تھا۔

سلطان نے جلد ہی محسوس کرلیا کہ صور پر قبضہ جلد ممکن نہیں اور اس کے حـ
کے لئے ایک طویل محاصرے کی ضرورت ہوگی۔ اسے ایک بار صور کے محاصرے میں نا
ہوچکی تھی۔ نصرانیوں کا بحری بیڑہ بھی ساحل پر موجود تھا۔ سلطان نے کمک میں تھم
ہوئے اسلامی بحری بیڑے کو طلب کیا۔ اسلامی بیڑے میں کل دس جہاز تھے۔ اتنے ہی
مار کوئیس کانریڈ کے بھی تھے۔ اسلامی بیڑے کے آنے سے بحری اور بری دونوں جنگ
شروع ہوئیں۔ جنگ اتنی شدید تھی کہ رات دن کی تمیز ختم ہوگئی تھی۔ صور والوں
ایک تو حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے سلطان کا پہلا محاصرہ ناکام بنادیا تھا دوسرے
کہ یہ محاصرہ ان کی موت زندگی کا مسئلہ تھا۔ صور پر سلطان کا قبضہ اہل صور کی کملی م
تھی کیونکہ سلطان کے قبضہ کے بعد اپنی پہلی ناکامی کا بھی حساب لے گا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ صور کی تیسری سمت خشکی کی جو چھوٹی سی پٹی تھی ا
والوں نے اسے توڑ کے خندق کو سمندر سے ملادیا۔ اس طرح صور ایک جزیرہ کی صو
اختیار کرگیا۔ اب فصیل تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا مگر اس کمی کو سلطان کے ب
بیڑے نے پورا کردیا۔ بحری بیڑا امیرالبحر لونو کے زیر کمان تھا۔ اس نے صور کے ب
بیڑے پر اس قدر سخت حملہ کیا کہ وہ سمندر چھوڑ کے صور کے ساحل سے آگیا۔ اس ا
صور والوں کی بحری سرگرمیاں دفاع میں تبدیل ہوگئیں۔

کچھ امید ہوچکی تھی کہ شاید بحری بیڑے کی مدد سے صور پر قبضہ ہوجائے کہ مسلما
سے ایک سخت غلطی ہوئی۔ جنگ کے دوران ایک لمحہ کی غفلت جنگ کا نقشہ بدل دیتی۔
ہوا یہ کہ دن بھر بحری اور بری جنگ ہوتی تھی اور رات کو دونوں محاذوں پر خاموشی طا
ہوجاتی تھی لیکن درپردہ تو جنگ جاری رہتی تھی۔ اس روز بھی یہی ہوا۔ صبح سے شام
شدید جنگ ہوتی رہی پھر رات ہوئی اور پہرے چوکی کا انتظام حسب معمول جاری ہوا۔
بھال اور رات کو گشت کرنے والے اپنے اپنے کام اور مقام پر لگ گئے مگر مسلمانوں
بدقسمتی کہ وہ نصف شب کے بعد غافل ہوگئے۔ اس غفلت کا شکار بحری گشت وا
ہوئے۔ اہل صور کا بحری بیڑہ صرف مدافعت کررہا تھا اور ساحل کے ساتھ لگا کھڑا رہتا
کھلے سمندر میں آنے کی اس کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ لیکن مار کوئیس کانریڈ کا بیڑہ بھی با
تجربہ کار لوگوں پر مشتمل تھا۔ وہ دب کر ساحل پر تو آگئے تھے مگر گھات میں لگے تھ
موقعہ کی تلاش میں تھے۔

پھر اس رات انہیں موقعہ مل گیا۔ مسلمان بحری بیڑے والے ذرا سے غافل ہوئے
کہا جاتا ہے کہ وہ سوگئے تھے مگر یہ بات ناقابل یقین نہیں معلوم ہوتی اس لئے کہ پہر

ں کے ہوں خواہ سمندر کے۔ ان کا کام تو جاگنا ہوتا ہے۔ بہر حال ان سے غفلت
ر اس غفلت سے دشمن نے فائدہ اٹھایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیرالبحر لونو کے دس
یں سے پانچ میں بیک وقت آگ بھڑک اٹھی۔ آگ بھڑکنے کا مطلب ہی یہ تھا کہ
ے آدمی کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے بحری بیڑے تک پہنچے اور انہوں نے پانچ
یں آگ لگادی۔

رف آگ بجھانے کا مسئلہ نہ تھا۔ ایک طرف تو آگ بجھانا دوسری طرف دشمن کے
نے ساحل سے نکل کر مسلم بیڑے پر حملہ کردیا۔ اب ایک طرف پانچ جہازوں کی
ائی جارہی تھی دوسری طرف دشمن کے بحری بیڑے کا حملہ۔ مسلمان بحری بیڑہ
عذاب میں مبتلا ہوگیا تھا۔ پھر بھی امیرالبحر نے پانچ جہازوں سے یعنی آدھی بحری
ے مار کوئیس کی پوری بحری طاقت سے مقابلہ شروع کیا مگر کب تک آخر اسے پسپا
ل کی طرف پسپا ہونا پڑا مگر اس پسپائی میں بھی اسے زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔
ر کوئیس کانریڈ کے جہاز مسلم بحری بیڑے کے دوگنے سے بھی زیادہ تھے۔ انہوں نے
ے مسلم بیڑے کو تباہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس لئے انہوں نے مسلم بیڑے کو
ں چاروں طرف سے گھیرلیا۔ اس وقت مسلمانوں کی چھوٹی کشتیوں اور غوطہ خوروں
کام کیا۔ سلطان صلاح الدین نے چھوٹی چھوٹی تیز رفتار کشتیوں پر غوطہ خوروں کو
ے کی طرف روانہ کیا اور امیرالبحر کو پیغام بھیجا کہ وہ باقی جہازوں کو کسی طرح بچاکر
طرف نکل جائے۔

لم غوطہ خور بحری بیڑے تک پہنچ گئے۔ امیرالبحر کو سلطان کا حکم بھی مل گیا مگر دشمن
ے نے اس بری طرح سے گھیرا تھا کہ اسے جان بچانا مشکل ہورہا تھا۔ اس نے
ر تیزی کے ساتھ شمال کی طرف پسپائی اختیار کی۔ اس کے ساتھ اس نے دشمن کے
ا حلقہ توڑنے کی بھی کوشش کی۔ آخر امیرالبحر ایک سخت جدوجہد کے بعد ساحل
ے آنے میں کامیاب بھی ہوگیا۔

لم بحری بیڑے پر اتنا شدید دباؤ تھا کہ اس کے بنائے کچھ نہ بن پڑ رہا تھا۔ آپا دھاپی
ای بیڑے کے تین جہاز خشکی پر چڑھ گئے۔ دشمن تعاقب میں تھا۔ اس نے فوراً
چڑھے ہوئے ان جہازوں میں بھی آگ لگادی۔ صرف دو جنگی جہاز بچ سکے جنہیں
یروت لے کر پہنچ سکے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا بحری بیڑہ تباہ ہوکر رہ گیا تھا۔
ا کو دونوں محاذوں پر شکست کا سامنا تھا۔ بحری طاقت تو ختم ہی ہوگئی تھی اور خشکی
ئے صور پر حملے کا کوئی نتیجہ نہ نکل رہا تھا۔

صور پر حملہ نے عیسائیوں کو نقصان پہنچانے کی بجائے کچھ فائدہ ہی پہنچایا تھا۔ حالات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ صور کے محاصرہ کو زیادہ طول دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ چونکہ مسئلہ گہری سوچ اور فکر کا تقاضہ کرتا تھا اس لئے سلطان مجلس شوریٰ طلب کرلی۔ سلطان کے لشکر میں دو طرح کی افواج تھیں۔ ایک تو وہ جو سلطان کے مفتوحہ علاقوں مثلث حلب حمص، حماہ، موصل اور مصر وغیرہ سے آئی تھیں۔ یہ افواج اپنے اپنے علاقائی فرمانروا اور گورنر کے زیر کمان تھیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں اپنے علاقوں سے محبت او فرمانرواؤں کی عزت کا خیال تھا۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ اسلام ا عیسائیت کی جنگ ہے جو مسلمانوں کے لئے جہاد تھا۔ اس لئے یہ لوگ سر سے کفن بان کے لڑتے اور شہادت کی آرزو دل میں رکھتے تھے۔

دوسری فوج غیر مستقل رضاکاروں پر مشتمل تھی۔ ان افواج کی تعداد مستقل افو سے بھی زیادہ تھی۔ ان کی بہادری اور شجاعت پر کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا اور بعض اوقا تو یہ اس قدر سرفروشانہ انداز میں یلغار کرتے تھے کہ سلطان دیکھتا رہ جاتا تھا۔ یہ لو اگرچہ جہاد کے جذبہ سے بھی سرشار تھے لیکن ان کی جنگ کا طریقہ کچھ مختلف تھا۔ رضاکار افواج یلغار، جنگ اور فتح کے قائل تھے۔ یہ فتح حاصل کرنے کی دھن میں پہا سے ٹکرا جاتے تھے۔ تیروں کی بارش میں بے دھڑک کود جاتے تھے۔ میدان جنگ میں مدمقابل کو زیادہ دیر نہ ٹھہرنے دیتے تھے لیکن یہ طویل محاصرہ سے کاہل اور کسی حد پست ہمت ہوجاتے تھے۔ فصلیں کاٹنا سرنگیں کھودنا اور مورچوں میں چھپے رہنا انہیں پسند نہ تھا۔

ان افواج میں سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ خراب موسم خاص طور پر موسم سر برف باری کے زمانہ میں انہیں باہر میدان جنگ میں گھات لگا کے بیٹھنے سے الجھن تھی۔ کٹائی اور بوائی کے زمانہ میں یہ لوگ اپنے بال بچوں اور ریاستوں میں بیٹھنا زیاد کرتے تھے اور اگر ان پر زور ڈالا جاتا تو ان کے باغی ہونے کا خدشہ پیدا ہوجاتا تھا۔ کچھ ایسی ہی صورت حال سلطان کی شوریٰ میں پیش آئی۔

"میرے سردارو اور جان نثارو۔" سلطان کا دل افسردہ تھا اور اس کے الفاظ سے کا اظہار ہو رہا تھا۔ "ہمارے آدمیوں کی ذرا سی غفلت سے ہمارا مضبوط اور عظیم بح ہوگیا۔ تعجب ہے کہ اس قدر ہوشیار بحری عملہ کس طرح سوگیا کہ دشمن نے ہمار جہازوں پر قبضہ کرلیا۔ (ایک بیان یہ بھی ہے کہ پانچ جہازوں میں آگ نہیں لگی کونریڈ کے جہازوں نے ان پر قبضہ کرلیا تھا۔"

عالیجاہ۔" سلطان کا سپہ سالار اور بھائی ملک العادل سینہ تان کے بولا۔ "انسان غلطی ہے آج تک ہمارے بحری بیڑے نے کسی سے شکست نہیں کھائی تھی مگر پتہ نہیں ہے نیند آگئی اور وہ دشمن کی طرف سے کس طرح غافل ہوگئے کہ پانچ جہازوں کو خبر ہوئی جب ان پر قبضہ ہوچکا تھا۔"

موصل نے اور زیادہ جوش سے کہا۔ "کوئی بات نہیں عالیجاہ جنگ میں فتح و شکست بدلتے ہی رہتے ہیں۔ بیس جنگوں کے بعد اگر ایک جنگ میں ہمیں نقصان اٹھانا اس پر افسوس نہ ہونا چاہئے۔ صور کا ہم اب بھی محاصرہ کئے ہوئے ہیں اور اہل ہمت نہیں کہ وہ باہر نکل کر جنگ کرسکیں۔ بحری بیڑے کی تباہی کا نقصان ہم جلد کرلیں گے۔ چند ہی دنوں میں نیا بیڑا تیار ہوجائے گا۔ پھر سمندر میں انہیں دوبارہ یں گے۔ صور پر قبضہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ساحل فلسطین پر یہ آخری ہے جہاں سے عیسائیوں کو سمندری راستے سے کمک مل سکتی ہے۔

ب سردار نے دبے الفاظ میں کہا۔ "محترم ملک العادل نے صحیح فرمایا ہم جلد ہی نیا تیار کرلیں گے۔ اس وقت موسم بھی خراب ہے اور برف باری بھی شروع ہونے۔ اس موسم میں ہمارے گھوڑے بیمار ہوجاتے ہیں۔

دراصل فرار کا اظہار تھا۔ لشکر کے بعض سردار جنہیں غیر منظم رضاکاروں کی امل تھی۔ رضاکار سلطان سے خود گفتگو نہ کرسکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی آواز اروں کے ذریعہ دربار میں پہنچائی جو خود بھی اپنے گھر واپس جانا چاہتے تھے۔

ب بات نکل ہی پڑی تو ایک دوسرے سردار نے اس کی ذرا اور کھل کے بات آگے "سردار نے ٹھیک کہا اس موسم میں گھوڑے بیمار ہوجاتے ہیں پھر سردی بھی سخت رگی ہے۔ پورے لشکر کو اس قلعہ کے محاصرے لگا کے بیکار بٹھادینا کچھ مناسب نہیں دلہ ہم سلطان کے حکم کی ہر حال میں تابعداری کریں گے۔ سلطان نے مشورہ ہے تو میں نے کہا ہے ورنہ میری وہی رائے ہے جس کا حکم سلطان صادر فرمائیں

لطان نہایت خاموشی سے سرداروں کی باتیں سن رہا تھا۔ مندرجہ بالا سرداروں کی ء اس نے سمجھ لیا تھا کہ رضاکاروں کی رائے میں محاصرہ اٹھاکر واپس جانا چاہئے مگر کوئی تبصرہ نہ کیا مگر ملک العادل سے برداشت نہ ہوسکا وہ تڑپ کے بولا۔

عالیجاہ مجھے ان سرداروں پر افسوس ہوتا ہے جو میدان جنگ میں بزدلی کی باتیں کرتے سلطان نے محسوس کیا کہ بات بگڑ رہی ہے اور اگر اس نے دخل نہ دیا تو ملک العادل

کسی نہ کسی سردار سے لڑ پڑے گا۔ ملک العادل بڑا غصہ ور مجاہد تھا۔ جنگ اس کا ار
بچھونا تھا۔ وہ بلا کا بہادر تھا خطرہ تو اس کے پاس سے گزرتا بھی نہ تھا۔ وہ میدان
دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑتا تھا۔ سلطان نے اپنا ہاتھ بلند کردیا۔ ا
مطلب تھا کہ سب لوگ خاموش ہوجائیں کیونکہ وہ خود بولنے والا تھا۔

سلطان نے اپنے سرداروں پر طائرانہ نظر ڈالی پھر کہا۔ "ہم نے مجلس مشورات
مختلف سرداروں کی باتیں سنیں اور خیالات کا اندازہ لگایا۔ مصر' شام اور الجزیرہ کی افو
ان کے مقامات پر واپس جانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ صور کا محاصرہ تاحکم ثانی ختم کر
ہے۔ کوئی فوری ضرورت ہوئی تو انہیں طلب کرلیا جائے گا۔

سلطان کے مختصر حکم نے تمام لوگوں کے منہ بند کردیئے۔ سلطان نے محاصرہ اٹھا
کوئی وجہ نہیں بتائی۔ اندازہ یہی ہوتا ہے کہ رضاکاروں کی گھر واپس جانے کی ز
خواہش نے سلطان کو اس طرح کا فیصلہ کرنے پر مجبور کیا ہوگا مگر یہ ضروری نہیں کہ
کی واپسی کی صرف یہی وجہ ہے اس کے علاوہ بھی اور وجوہات موجود تھیں۔
مورخوں نے سلطان کے اس اقدام کی تعریف نہیں کی۔ ابن اثیر کا لہجہ بہت سخت
اس نے نہ صرف سخت الفاظ میں اس فیصلہ کی مذمت کی ہے بلکہ وہ اس قدر شد
ہوگیا کہ اس نے سلطان کے اس اقدام کو حقارت کی نظر سے دیکھا ہے۔

صور کا محاصرہ ختم کردیا گیا۔ مصر' الجزیرہ اور شام کی فوجیں روانہ ہوگئیں پھر
خیمہ اکھاڑا گیا اور سامان بار کیا گیا۔ قلعہ صور کے برجوں اور فصیل پر لوگ گردن
بڑی حیرانی اور دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مارکوئیس کونریڈ نے اگرچہ سخت
تھا۔ مسلمانوں کا بحری بیڑہ بھی تباہ ہوگیا تھا لیکن کونریڈ کو پھر بھی اطمینان نہ تھا۔
معرکہ حطین کے واقعات سن رکھے تھے اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ سلطان جب
کا محاصرہ کرتا ہے تو جب تک اس کا سر نہیں جھکا لیتا اس وقت تک محاصرہ ختم نہیں
مگر اب تو بالکل خلاف امید بات ہورہی تھی۔ یہ ٹھیک تھا کہ اس سے پہلے بھ
محاصرہ ختم کیا گیا تھا لیکن اس وقت حالات کچھ اور تھے۔ اب تو سلطان بیت الم
قبضہ بھی کرچکا تھا۔ ساحل روم کی سب سے بڑی عیسائی ریاست یروشلم کا خاتمہ ؟
سلطان کو فوری طور پر کوئی ایسی مہم بھی درپیش نہ تھی کہ وہ صور سے محاصرہ اٹھاکر
کسی اور جگہ لے جاتا۔ اہل قلعہ خوش تھے۔ بہت خوش تھے مگر ان کے دل
دھڑک رہے تھے۔ ایک چور تھا ایک خوف تھا جو ان کے دل میں بیٹھا ہوا تھا۔

جب سلطانی لشکر کے بار برداری کا آخری چھکڑا بھی وہاں سے روانہ ہوگیا اور صور
س بیس میل تک سلطان صلاح الدین اور اس کے لشکر کا پیچھا کرکے واپس نہ
وقت تک ان کے دل کی دھڑکنیں قابو میں نہ آئیں۔ حالانکہ اب سلطان کی فی
ی کا کوئی امکان نہ تھا۔ لیکن کونریڈ اور اس کے سرداروں کے ہونٹوں پر اب بھی
ی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں ایک نامعلوم خوف تیر رہا تھا۔
ان صلاح الدین کی واپسی کے آٹھ روز تک قلعہ صور میں کسی کے لبوں پر
نہیں کھیلی اور نہ کوئی نقرئی قہقہ فضاؤں میں ابھرا۔ کہتے ہیں کہ وقت بہتے بڑا
۔ آہستہ آہستہ قلعہ کی رونقیں واپس آنے لگیں۔ سرسراتے لباسوں نے ہواؤں
نیاں بکھیرنا شروع کیں۔ آنکھوں کے گلاب کٹورے چھلکنے لگے اور الھڑ جوانیاں
لاش کرنے لگیں۔ اگرچہ مغربی تہذیب میں الھڑ جوانی ایک جنس کمیاب اور نایاب
یروشلم یا صور میں اگرچہ مغربی ممالک نہ تھے لیکن وہاں نصرانیت کا دور دورہ تھا
شراب و شباب کی ہمیشہ ارزانی رہی ہے۔ محاصرہ اور جنگ نے شوخ جوانیوں کی
ائے رکھی تھی مگر اب تو جنگ دور جاچکی تھی۔ محاصرہ ختم ہوگیا تھا۔ چنانچہ بیباک
سینوں کے مدو جزر میں پھر گردش پیدا ہوئی۔ صور کے قلعہ اور شہر میں دز دیدہ
لغزیدہ قدموں کی نمائش لگنا شروع ہوئی۔
مشہور ہے کہ جو مذہب بادشاہ کا وہی رعایا کا۔ مارکوئیس کونریڈ اس وقت تک
شرکت غیرے بادشاہ تھا۔ بوہمنڈ اور اس کے بیٹے ریمنڈ نے صور کو اس وقت
مددگار چھوڑا جب سلطان صلاح الدین بیت المقدس میں داخل ہوا تھا۔ قارئین کو
بیت المقدس کی جنگ دراصل حطین میں لڑی گئی تھیں۔ جس دن سلطان نے
میدان میں عیسائیوں پر فتح حاصل کی تھی اسی دن شام و فلسطین کے تمام نصرانی
نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ سلطان کا مقابلہ نہیں کرسکتے اس لئے وہ اپنے علاقے
نوڑ علاقوں کی طرف بھاگ گئے تھے۔ صور کے حاکموں نے بھی صور کے شہر اور
لت کے بجائے اسے آنے والے اسلامی لشکر کے حوالے کردیا تھا۔
مغربی مورخ کے مطابق شمالی شام کی نصرانی ریاستوں کے حکمراں سلطان سے
خواہشمند تھے۔ طرابلس بھی ایسی ہی ریاستوں میں شامل تھا۔ بوہمنڈ طرابلس کا
اور ریمنڈ اس کا بیٹا۔ یہ دونوں معرکہ حطین میں نصرانیوں کے ساتھ مقابلہ پر آئے
جب انہیں شکست ہوئی تو وہ دونوں بھاگ کے طرابلس چلے گئے۔ صور کا علاقہ انہیں
تھا لیکن انہیں اپنی جان کی پڑی تھی وہ صور کی کیوں پرواہ کرتے۔ یہ دونوں

باپ بیٹے اس قدر تنگ نظر اور سنگدل تھے کہ بیت المقدس سے زرفدیہ ادا کرنے
جب چند قافلے طرابلس پہنچے تو انہیں طرابلس میں داخل نہیں ہونے دیا گیا اور صاف
گیا کہ ان کے پاس سامان رسد اتنا نہیں کہ وہ انہیں طرابلس میں جگہ دے کر ان کے
پونچھ سکیں۔

جب طرابلس کے حکمرانوں کی طرف سے ان پریشان حال لوگوں کو جو ان کے
ایسا سخت جواب دیا گیا تو ان پناہ ڈھونڈنے والوں کے دلوں پر کیا گزری ہوگی اس کا
ایک طرف رہا۔ خود طرابلس کے محافظوں پر اپنے حکمرانوں کے اس جواب کا یہ غلط
کہ انہیں فصیل کے دروازوں کے پہریداروں نے باہر نکل کر پناہ مانگنے والوں پر حملہ
وہ یروشلم (بیت المقدس) سے جو کچھ رقم یا زیورات بچا کے لائے تھے وہ سب
چھین لیا۔ بیت المقدس سے آنے والوں کے ساتھ ریاست انطاکیہ اور دوسری
ریاستوں نے بھی اسی قسم کا سلوک کیا۔

کہنے کا یہ مقصد ہے کہ صور کی حفاظت کا کسی نے بھی انتظام نہیں کیا اس۔
مارکوئیس کانریڈ اگر خود کو صور کا حکمراں سمجھتا تھا تو وہ یقیناً" اس کا اہل تھا مگر اس
صور کو مارکوئیس کانریڈ کو اس کے اخلاقی پس منظر میں دیکھنا چاہ رہے ہیں۔ مارکوئیس
اوائل عمری ہی سے ایک آوارہ اور عشرت پسند جوان تھا۔ اس کے اور بھی عیوب
ان عیوب کے باوجود وہ ایک بہت نڈر جنگجو بہادر اور پرلے درجے کا مکار اور شاطر
شاید یہی وجہ تھی کونریڈ نے اپنے بچپن کے ایام آوارگی ہی میں بحری تربیت حا
تھی اور روتہ اکبری ' فرانس ' یونان وغیرہ کی بحری جنگوں میں اپنی بہادری کے جو
بڑا نام پیدا کیا تھا۔ 1185ء کے آخری دنوں میں مارکوئیس کونریڈ پانچ چھ بحری
کپتان بن گیا تھا۔ کونریڈ چونکہ کافی مشہور ہو چکا تھا اس لئے جب وہ اٹلی کی
ریاست مانس اسٹریٹ پہنچا تو اسے لوگوں نے سر پر بٹھایا۔

مارکوئیس کانریڈ کا زیادہ وقت بحری جہازوں اور بحری جنگوں میں گزرا تھا
اپنی عیاشی اور مکاری کو اس جبلت کو استعمال نہیں کرسکا تھا جو دوران جنگ
میں کلبلاتی رہتی تھی۔ مانس اسٹریٹ میں اس کا اس قدر شاندار استقبال کیا گیا
تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔ بوڑھوں نے کونریڈ کو دعاؤں کے ہار پہنائے جوانوں
بہادری کے گیت گائے مگر عورتوں نے کونریڈ کے راستے میں اپنی آنکھیں بچھا
عورتوں میں جوان عورتیں بھی تھیں اور جوانی میں قدم رکھنے والی دوشیزائیں
تک کہ وہ لڑکیاں جو ابھی جوانی کی حدود سے دور ہی تھیں وہ بھی مارکوئیس کو

تھیں۔
رکوئیس کانریڈ بلا کا حسین اور جاذب نظر جوان تھا۔ اس کا چوڑا سینہ ' مضبوط دست
ور ہنستی ہوئی نیلی آنکھیں مخالف صنف کو متاثر اور مرعوب کرنے میں بڑی ماہر
بحری زندگی کی سختیوں اور مسلسل جنگوں نے اس کے چہرے پر تجربے کی لکیریں ڈال
ں لیکن اپنے استقبال کو آنے والی خواتین ' دوشیزاؤں اور لڑکیوں کو دیکھ کر اس کا
اٹھا تھا اور کلف اور کوفت کی پرچھائیاں ختم ہوگئی تھیں اور کونریڈ برسوں کی بھوکی
وں نظروں کو قابو میں رکھنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا۔
تقبال کے اس ہجوم میں نہ جانے کہاں سے ایک کمسن لڑکی لوگوں کو ہٹاتے ہوئے
سامنے آکھڑی ہوئی۔ مارکوئیس کونریڈ کی نظریں لڑکی کے چہرے پر پڑیں تو جیسے وہیں
رہ گئیں۔ بڑی بڑی روشن آنکھیں ' درمیانہ قد اور متناسب اعضاء جو تناسب سے
تائی کے پیکر تھے۔ کونریڈ کا شاطر اور چالاک دماغ اس ماہ پورہ کو دیکھ کر حیران رہ
دنیا دنیا گھوما ہوا اور طرح طرح کی کلیوں کا رس چوسنے والا بھنورا تھا مگر اس لڑکی کی
ت نے اس پر کچھ ایسا اثر کیا کہ وہ بوکھلا گیا اور یہ بھی بھول گیا کہ اس کے استقبال
والے سیکڑوں لوگ اس کے منتظر تھے۔
وئیس کونریڈ نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور مجمع پر ایک مسکراتی ہوئی نظر ڈالی مگر
ہ بے ساختہ اس لڑکی کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ لڑکی اب تک اس سے صرف ایک
فاصلہ پر کھڑی تھی اور حیران نظروں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جس کے
کے لئے اتنے بہتے سے آدمی جمع ہوئے تھے۔ کونریڈ آخر دل کے ہاتھوں مجبور ہوگیا
نے ایک قدم آگے بڑھ کے پوچھا۔
ے لڑکی تمہارا نام کیا ہے؟"
ا کا رنگ حیاء سے لال بھبوکا ہوگیا۔ اس نے گھبرائے لہجے میں کہا۔
ثاریا۔"
ا کے ساتھ ہی اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا اور ایک ادھیڑ عمر شخص کا ہاتھ پکڑ

ہیں میرے پاپا۔"
ئمیں پیچھے سے ایک زبردست ریلا آیا۔ لڑکی اپنے پاپا سے چمٹ گئی جب ریلے کا
م ہوا تو لڑکی کے پاپا نے دریافت کیا۔
رکوئیس آپ کس جگہ ٹھہریں گے؟"

"امیر البحر کنگیری کے گھر ٹھہروں گا۔" مارکوئیس نے جلدی سے جواب دیا۔

"برائے مہربانی آپ رات کے کھانے کی دعوت قبول فرمائیے میں آپ کو لینے
گا۔" پھر ایک دوسرا ریلا آیا پاپا کو ایک زور کا دھکا لگا اور وہ چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔" نہ جانے کیسے مارکوئیس کی زبان سے نکل گیا۔

وہ رات بڑی سہانی تھی۔ مارکوئیس کونریڈ کے یہ تصور میں بھی نہ تھا کہ اس کی
اسٹریٹ میں پہلی شام دنیا کی کسی حسین ترین حسینہ کے ساتھ گزرے گی۔ کتنی خوبص
ہے اسٹاریا۔ کونریڈ نے سوچا پھر کسی حسین خیال سے وہ مسکرا اٹھا۔ بوڑھا امیر البحر تو
اس کا دماغ چاٹتا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کونریڈ اپنے کارناموں کی تفصیل اس انداز میں
کرے وہ اس کی بحری جنگوں میں اپنی جوانی تلاش کرسکے۔ امیر البحر اگرچہ کافی بوڑھا ہو
لیکن جب کوئی مہمان اس کے یہاں آتا تو اک دم جوان ہوجاتا اور ایسی صورت میں
والے کا تعلق فوج سے ہو تو پھر امیر البحر کی جوانی کے ساتھ ساتھ اس کا بچپن بھی کھ
ساتھ چلا آتا تھا۔

امیر البحر کی مہمان نوازی کا دور دور تک شہرہ تھا۔ مارکوئیس کونریڈ کے لئے
امیر البحر اجنبی تھا اور نہ یہ مانس اسٹریٹ کا شہر۔ یہ دونوں ہی اس کے دیکھے بھالے
کونریڈ کا بچپن ان سڑکوں اور گلیوں میں آوارہ گردی کرتے گذرا تھا پھر وہ ایک طویل
کے لئے مانس اسٹریٹ چھوڑ گیا۔ مانس اسٹریٹ چھوڑنے کے بعد ہی اس کی تقدیر بدل
وہ ایک کھلنڈرے اوباش لڑکے کی صورت میں یہاں سے نکلا تھا اور سات سال بعد
بحری طوفانوں سے لڑتا بھڑتا واپس آیا تھا تو اس کی ٹوپی اور سینے پر شجاعت اور بہادر
کتنے ہی نشان اور تمغے آویزاں تھے۔ اس نے بحری جنگوں میں اتنا نام کمایا تھا کہ اہل
کے استقبال کو گھروں سے نکل پڑے تھے اور امیر البحر نے اسے خط لکھ کر اس بات
کرلیا تھا کہ وہ اپنی تعطیل کے چند دن اس کے بنگلے پر ضرور گزارے گا۔

ابھی گلیوں بازاروں کے قمقمے روشن ہی نہ ہوئے تھے کہ امیر البحر کے بنگلہ کے
ایک بند گاڑی رکی۔ مارکوئیس کونریڈ کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ
باہر جائے اور اپنی محبوبہ دلنواز کی راہ میں پلکوں کا فرش بچھائے مگر وہ دل پکڑ کے
امیر البحر پہلے ہی ناراض ہورہا تھا کہ اس نے ایک اجنبی کی دعوت کیوں قبول کی۔
وہ اٹھ کے استقبال کے لئے باہر جاتا تو پتہ نہیں امیر البحر کتنی آفت کرتا۔

اس وقت ملازم نے اندر آکر بتایا۔

"آقا ایک بند گاڑی میں مہمان آئے ہیں۔"

مہمان ہیں؟" امیر البحر نے چڑچڑے لہجے میں سوال کیا۔

ن دو ہیں میرے آقا۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی ہے اور ایک گڑیا جیسی لڑکی۔"

جس طرح دیکھا تھا اسی طرح بیان کردیا۔

لڑکی کون ہے؟" اور اس نے کونریڈ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

کا نام اسٹاریہ ہے۔ وہ مجھے لینے آئے ہیں امیر البحر۔" مارکوئیس کونریڈ نے بڑے
میں جواب دیا۔

نے کسی لڑکی کا ذکر تو نہیں کیا تھا مارکوئیس۔" امیر البحر نے خواہ مخواہ جرح شروع

رکوئیس کو غصہ آگیا مگر اس نے ضبط کیا اور امیر البحر کو کوئی جواب نہیں دیا۔

ما امیر البحر سمجھ گیا کہ اس کے مہمان کو پوچھ ناگوار گزری ہے۔ اس نے نرمی سے

رکوئیس کونریڈ۔ میں نے اس لئے پوچھا کہ جب ایک ادھیڑ عمر کا آدمی موجود ہے تو
و اس کے ساتھ آنے کی کیا ضرورت تھی۔ ممکن ہے کہ وہ تمہیں متاثر کرنا چاہتی

ئیس کونریڈ چڑ کے بولا

ے اجازت دیجئے امیر البحر کہ میں باہر جاکر اپنے میزبان سے یہ کہہ دوں کہ میں ان
نہیں جاسکتا۔"

یوں مارکوئیس تم ان کی دعوت کیوں رد کررہے ہو؟" امیر البحر نے پریشان
ے پوچھا۔

ل لئے کہ آپ نہیں چاہتے کہ میں ان کے گھر جاؤں۔" مارکوئیس کا لہجہ اور الفاظ
ہر کررہے تھے کہ مارکوئیس کو سخت غصہ آگیا ہے۔

ر البحر نے چونک کے پہلے مارکوئیس کو دیکھا پھر سوچ کر پہلو بدل کر بولا۔

رکوئیس مجھے افسوس ہے کہ تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔ میزبان تو دراصل میں تمہارا
ل لئے میرا فرض ہے کہ جب تک تم مانس اسٹریٹ کی حدود میں ہو میں تمہاری
لال گا۔ بہرحال میں پھر معذرت خواہ ہوں مگر جانے سے پہلے یہ تو بتاتے جاؤ کہ تم
میزبان کے گھر کتنی دیر ٹھہرو گے اور خدانخواستہ تمہیں دیر ہوجائے تو تمہیں کس
کیا جائے۔ مطلب ہے کہ تم اپنے میزبان کا پتہ مجھے بتاتے جاؤ۔"

ہ تو میں خود بھی نہیں جانتا۔" مارکوئیس کونریڈ نے گھبرا کے کہا۔ "دراصل وہاں
بھیڑ بھاڑ تھی کہ میں اپنے میزبان کا نام تک نہ پوچھ سکا۔ انہوں نے مجھے دعوت

دی میں نے قبول کرلی۔ انہوں نے پوچھا میرا قیام کہاں ہوگا۔ میں نے آپ کے بنگل
بتادیا۔ بس یہی باتیں ہوئی تھیں۔ چونکہ انہوں نے مجھے لے جانے کی خدمات اپنے ر
لی تھیں اس لئے مجھے کچھ زیادہ فکر نہ تھی۔"

امیرالبحر مسکرادیا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز تھی۔

"مارکوئیس جاؤ مگر اشاریہ کے گھر سے جلد واپس آنے کی کوشش کرنا۔"

امیرالبحر نے لفظ اشاریا پر کافی زور دیا تھا۔ مارکوئیس کچھ خجل سا ہوگیا اور چپ
اٹھ کر باہر نکل آیا۔

پاپا اور اشاریا گاڑی سے نیچے اترے کھڑے تھے۔ مارکوئیس کو آتے دیکھ کے ا
آگے بڑھی اور بڑی بے تکلفی مگر نخرے سے بولی۔

"جائیے مارکوئیس ہم آپ سے نہیں بولتے۔ اتنی دیر کردی آپ نے آنے میں۔"

مارکوئیس اس کی سادگی مگر پرکاری پر حیران رہ گیا۔ پہلی ملاقات کے پہلے ہی جملے
اشاریا نے مارکوئیس کا دل جیت لیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اشاریا کو بہت د
سے جانتا ہے۔ اس نے نظریں اٹھا کر پاپا کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہے تھے۔

اشاریا کے پاپا نے قریب آتے ہوئے کہا۔ "مارکوئیس اس کی باتوں کا برا نہ مانئے
ابھی نادان ہے یہ۔"

"نادان!" مارکوئیس نے لفظ دہرایا۔ "ہاں ہاں۔ آپ نے ٹھیک فرمایا مگر اشاریا
بہت اچھی۔"

اشاریا نے بات اچک لی۔ "میں آپ کو اچھی لگتی ہوں؟"

"ہاں بہت اچھی۔" یہ کہتے ہوئے مارکوئیس پر سرشاری کا عالم طاری ہوگیا۔

"ہائے آپ بھی مجھے اچھے لگتے ہیں۔" پھر اشاریا نے پاپا کی طرف دیکھ کے
"کیوں پاپا۔ مارکوئیس اچھے ہیں نا؟"

"ہاں ہاں اچھے ہیں اشاریا۔" پاپا نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"صرف اچھے نہیں بہت اچھے کہئے پاپا۔" اشاریا نے اٹھلا کے کہا۔

"کیوں نہیں میری گڑیا تیرے مارکوئیس بہت بہت اچھے ہیں۔" اس کے ساتھ
آبدیدہ ہوگئے۔

مارکوئیس پریشان ہوگیا۔ "یہ -- یہ آپ کو کیا ہوگیا؟"

اشاریا نے جھٹ اپنے گریبان میں اٹکا ہوا رومال نکالا اور پاپا کے ہاتھ میں پکڑا
"پاپا۔ اتنا نہ یاد کیا کرو ماما ماریہ کو۔"

"کیا ہوا تمہاری ماما کو؟" مارکوئیس نے گھبرا کے پوچھا۔

پاپا نے اشاریا کا ہاتھ پکڑ کے کھینچا اور رندھے گلے سے بولے۔ چلو گاڑی میں بیٹھو۔
ہاں کب تک کھڑی باتیں کرتی رہو گی۔

باتوں کا یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ مارکوئیس کو اشاریا کی باتیں بہت اچھی لگیں۔ پیاری
ری بھولی باتیں۔

جس گھر کے سامنے ان کی گاڑی رکی اس کے باہر کی طرف ایک خوبصورت سا لان
۔ گاڑی کو آتا دیکھ کر دور برآمدے میں بیٹھا چوکیدار بھاگ کے آیا اور لکڑی کا بڑا گیٹ
ل گیا۔

اشاریا باتیں کرنے کے لئے بہت بے چین ہورہی تھی مگر پاپا نے اسے راستہ میں گفتگو
ے منع کردیا تھا کیونکہ راستہ خراب تھا اور گاڑی جھٹکے کھارہی تھی۔ اندر پہنچتے ہی اشاریا
سوال جڑدیا۔

"آپ کب تک یہاں رہیں گے؟"

"جب تک تم کہو گی۔" مارکوئیس کونریڈ کے منہ سے جیسے الفاظ پھسل پڑے۔

اشاریا نے رک کر مارکوئیس کو دیکھا۔ پاپا اس کے ساتھ ہی برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ
ہے تھے۔ ان کے قدم بھی رک گئے۔

اشاریا بھولے پن سے بولی۔ "میں تو چاہتی ہوں کہ آپ ہمیشہ میرے ساتھ رہیں۔
گھر بھی نہ جایا کریں بس میرے پاس رہا کریں۔"

مارکوئیس کونریڈ کے جذبات میں طلاطم پیدا ہوگیا تھا۔ اس کی زندگی میں بہت سی
تیں آئی تھیں لیکن ان کی گفتگو کا انداز بڑا محتاط اور تاجرانہ ہوا کرتا تھا۔ یہ بیباکی '
ی اور روانی کسی کے لہجہ میں نہ تھی۔

پاپا نے اشاریا کو گھسیٹا۔ "اندر چل کے بیٹھو پھر باتیں کرلینا۔"

اشاریا پاپا کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔ ننھی سی گڑیا کی طرح جیسے بچے گھسٹتے پھرتے ہیں۔
یا جسامت اور شکل و صورت میں گڑیا ہی لگتی تھی۔ ہلکی پھلکی چھریرہ سا بدن ' حلقوں
تیزی سے گردش کرتی ہوئی آنکھیں۔

"کدھر ہو ماریہ دیکھو مہمان آئے ہیں۔" اشاریا کے پاپا نے برآمدے میں پہنچ کے
لگائی۔ ماریہ کے نام سے مارکوئیس چونک پڑا۔ "اشاریا تمہاری ماما کا کیا نام تھا؟"

"ان کا نام ماریہ تھا۔" اشاریا نے بتایا۔

"اندر آجاؤ بیٹے مارکوئیس کونریڈ۔" یہ آواز اشاریا کے پاپا کی تھی۔ وہ راہداری کا

دوسرا کمرہ کھولے ہوئے کھڑے تھے اور مارکوئیس کو ڈرائنگ روم میں آنے کی دعوت دے رہے تھے۔

مارکوئیس اور اسٹاریا ڈرائنگ روم میں پہنچے اور آمنے سامنے کوچوں میں بیٹھ گئے۔

مارکوئیس کو اپنا سوال یاد آگیا۔ "تمہاری ماما اب کہاں ہے اسٹاریا؟"

"ارے واہ اتنی جلدی بھول گئے۔" اسٹاریا ہنس پڑی اور اس کے منہ سے جیسے سیکڑوں پھول جھڑ گئے۔ "انہیں مرے ہوئے بارہ تیرہ سال ہوگئے۔ میں اس وقت دودھ پیتی بچی تھی جب ان کا انتقال ہوا۔"

"مگر تمہارے پاپا نے انہیں ابھی آواز دی تھی۔" مارکوئیس نے الجھن کا اظہار کیا۔

"پاپا نے۔۔" اسٹاریا کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "کیسے آواز دی تھی؟"

اسٹاریا کو کچھ یاد نہ آیا وہ اس وقت مارکوئیس سے باتوں میں محو تھی۔ اسے دنیا مافیہا سے بالکل بے خبر تھی۔

مارکوئیس نے اسے یاد دلایا۔ "اسٹاریا ابھی تمہارے پاپا ماریہ ۔۔ ماریہ کہہ کر کسی کو پکار رہے تھے۔"

"اچھا۔" اسٹاریا نے پھر ایک بھرپور تبسم بکھیر دیا۔ "پاپا کو دراصل ماما سے اس قدر محبت تھی انہوں نے اپنے دوستوں سے درخواست کی تھی کہ اگر انہیں ماریہ نام کی کوئی ملازمہ ملے تو وہ ضرور بتائیں۔ کچھ ہی دن بعد پاپا کو یہ ملازمہ مل گئی اور پاپا اسے گھر لے آئے جب سے یہ ہمارے گھر ہیں۔ ماریہ کے آگے پیچھے کوئی نہیں۔ یہاں آئی تو بس یہیں کی ہوکر رہ گئی۔ اس کا نام بھی ماریہ ہے اور مجھے اپنی بیٹی کی طرح چاہتی ہیں۔ پاپا کہتے ہیں بیٹی اسٹاریا تجھے تیری ماں مل گئی مگر میں اب تک اکیلا ہوں۔ پاپا نے میری وجہ سے دوسری شادی نہیں کی۔ کتنے پیارے ہیں میرے پاپا۔"

"تم بھی کتنی پیاری ہو اسٹاریا۔" مارکوئیس نے چھیڑ جانے کا آغاز کیا۔

"میں ۔۔۔۔" اسٹاریا نے آنکھیں پٹپٹا کے مارکوئیس کو دیکھا۔

"ہاں ہاں تم۔۔۔ اسٹاریا تمہیں اس کا احساس نہیں کہ تم کتنی پیاری اور خوبصورت ہو؟" تجربہ دار اور بوالہوس مارکوئیس کونریڈ نے دوشیزاؤں کی فطری کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ بارہ اور سولہ سال کے درمیان کی لڑکیاں دراصل کچے آم کی مانند ہوتی ہیں۔ ان کے ذرا ہاتھ لگے یا سہارا ملے تو وہ آم کی طرح ٹوٹ کے گود میں گرجاتی ہیں۔ ان دنوں لڑکیوں میں اٹھتی جوانی ہوتی ہیں۔ وہ حسین حسین خواب دیکھتی

ہیں اور مضبوط بازوؤں میں سمٹنا چاہتی ہیں۔ اسی لئے اس عمر کو کچی عمر کہا جاتا ہے۔ مغربی ممالک میں اس عمر کی لڑکیوں سے شریف لڑکے دور بھاگتے ہیں۔ اس لئے کسی غلط قدم کے نتیجے میں لڑکے کو کئی سال کی سزا ہوجاتی ہے۔

مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا۔ مارکوئیس کونریڈ کو شرافت تو چھوکر بھی نہ گئی تھی۔ اسے ایسی کلیوں کو چھیڑنے میں لطف آتا تھا۔ اس عمر تک پہنچتے پہنچتے نہ معلوم اس نے کتنے شگوفوں کو مسلا تھا اور کتنے گھر خراب کئے تھے۔ پس اسٹاریا نے جب مرد، مرد بھی جوان اور جوان بھی وجیہہ اور خوبصورت کی زبان سے اپنی تعریف سنی تو اس پر سرور طاری ہوگیا اور اس کی آنکھیں جیسے جھپکنے لگیں۔

"مارکوئیس تم کتنے اچھے ہو۔" اس کے ساتھ ہی اسٹاریا کھڑی ہوگئی اور اس کے دونوں ہاتھ غیرارادہ طور پر مارکوئیس کونریڈ کی طرف بڑھنے لگے اور پھر اسٹاریا کونریڈ کے مضبوط بازوؤں میں سمٹ گئی۔ اس کی سانس تیز ہوگئی اور سر کونریڈ کے سینے سے لگ گیا۔

اچھا ہوا کہ اسی وقت ماریہ ڈرائنگ روم کا پردہ اٹھاکر اندر آگئی۔ اسٹاریا اور کونریڈ فوراً سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"ماریہ پلٹتے ہوئے بولی۔ "کھانا لگادیا ہے آپ تشریف لے آیئے مارکوئیس کونریڈ۔ صاحب انتظار فرما رہے ہیں۔"

"ماما ماریہ ہم ابھی آتے ہیں۔" اسٹاریا بچوں کی طرح کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ماریہ نے کھانے کے کمرے میں پہنچ کے اسٹاریا کے پاپا کو چونکا دیا۔ "صاحب اسٹاریا اور مارکوئیس کا کتنا اچھا جوڑ ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو ماریہ۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟" پاپا بے یقینی انداز میں بولے

"کیوں ممکن نہیں صاحب۔" ماریہ نے پاپا کو حیرانی سے دیکھا۔ "مارکوئیس لمبا چوڑا جوان نہیں، خوبصورت نہیں، کیا عیب ہے اس میں؟"

پاپا نہ جانے کیا سوچنے لگے تھے ماریہ ان کا منہ تک رہی تھی۔ پاپا نہیں بولے تو اس نے خود ہی کہا۔ "آپ چپ کیوں ہیں صاحب کہیں مارکوئیس شادی شدہ تو نہیں؟"

"یہ تو پتہ نہیں میں نے تو ابھی اس سے بات ہی نہیں کی۔" پاپا نے افسردگی سے بولے۔

"صاحب آپ بات کریں یا نہ کریں لیکن یہ ضرور خیال رکھیں کہ اسٹاریا بی بی مارکوئیس کو پسند کرنے لگی ہیں۔" تجربہ کار ماریہ نے صاف صاف بتادیا۔

"کیا تمہیں یقین ہے ماریہ؟" پاپا نے تصدیق چاہی۔

"صاحب آپ یقین کو کہتے ہیں میں نے ان لوگوں کو پیار کی باتیں کرتے دیکھا ہے" ماریہ نے کھلے الفاظ میں تصدیق کردی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" پاپا متفکر تھے۔ "کاش یہ ممکن ہوتا۔۔۔"

اشاریا اور مارکوئیس کونریڈ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کھانے کے کمرے میں داخل ہو۔ اور پاپا کی بات ادھوری رہ گئی۔

اشاریا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "پاپا میں مارکوئیس کے ساتھ بیٹھ جاؤں۔"

"ضرور بیٹھنا اشاریا۔" پاپا نے بڑے پیار سے کہا۔ "مگر پہلے مارکوئیس میرے پاس بیٹھیں گے مجھے ان سے ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

"پاپا - آپ ۔۔۔" اور اشاریا منہ بناتی اور اٹھلاتی ہوئی میز کے دوسری جانب جا کر بیٹھ گئی۔

مارکوئیس کونریڈ پاپا کے برابر بیٹھا۔ اشاریا تو کچھ سمجھ نہ سکی تھی مگر گھاگ کونریڈ ضرور سمجھ گیا تھا کہ پاپا اس وقت خود ہی اس کے لئے اشاریا کا پیام دیں گے۔ کھانا شروع ہوگیا۔ ماریہ میز سے ذرا دور کھڑی تھی۔ اشاریا میز کی دوسری طرف مارکوئیس کے بالکل مقابل بیٹھی تھی۔ کھانے کے دوران بالکل خاموشی تھی لیکن اشاریا اور مارکوئیس کی نظریں بار بار ملتیں اور جدا ہوتی رہیں۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کررہے تھے اور ان باتوں پر دور کھڑی ماریہ نگراں تھی۔ پاپا بھی کبھی کبھی کنکھیوں سے دیکھ لیتے تھے۔

کھانا ختم ہونے پر تھا کہ پاپا نے مارکوئیس سے اچانک سوال کیا۔

"مارکوئیس کیا اشاریا تمہیں اچھی لگتی ہے؟"

مارکوئیس کے ہاتھ سے لقمہ چھوٹ گیا اس نے بڑی حیرانی سے پاپا کو دیکھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ ساتھ چھوڑ گئے۔

چند لمحوں بعد پاپا نے اپنا سوال دہرایا۔

"کیا اشاریا تمہیں پسند ہے؟"

"محترم ۔۔۔" آخر مارکوئیس نے زبان کھولی۔ "اچھی چیز کو سب ہی اچھا کہیں گے۔ اشاریا جس گھر جائے گی وہ گھر روشن ہوجائے گا۔"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں مارکوئیس؟" پاپا کا لہجہ ذرا تلخ ہوگیا تھا۔

مارکوئیس پریشان ہوگیا۔ "اور کیا سوال تھا آپ کا محترم؟"

"میرا سوال یہ ہے کہ کیا تمہیں اشاریا بہت پسند ہے؟" پاپا نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

اشاریا گھبرا کے کھڑی ہوگئی۔ "پاپا مارکوئیس ہمارے مہمان ہیں۔ آپ کس طرح بول

ہا ان کے ساتھ۔ پاپا آپ مہمان کی توہین کررہے ہیں۔"

نہیں اشاریا میں کسی کی توہین نہیں کررہا" پاپا نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "شاید سوچ رہے ہو کہ میں پاگل ہوگیا ہوں۔ یہ بات بھی نہیں ہے۔ میں مارکوئیس سے یہ رنا چاہتا ہوں کہ وہ تمہیں کس حد تک پسند کرتے ہیں۔"

پاپا میں بتاتی ہوں آپ کو۔" اشاریا نے باپ کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ "مارکوئیس ی پسند کرتے ہیں جتنا میں انہیں پسند کرتی ہوں۔ میں نے مارکوئیس سے شادی فیصلہ کیا ہے۔ آپ ہمیں اجازت دیجئے۔"

نے زہرخند کیا۔ "اتنی دیر سے یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔ ایک رئیس باپ کی جب بٹی ہو تو اس کی پریشانیاں کس قدر بڑھ جاتی ہیں۔ میں تو خود تمہاری شادی جلد از کا خواہش مند ہوں۔

ریا نے جلدی سے باپ کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ پھر مارکوئیس کی طرف دیکھتے ۔ "اس کا مطلب ہے کہ مارکوئیس کو پاپا بھی پسند کرتے ہیں؟"

کوئیس ایک خوبصورت جوان ہیں۔ بحری جنگوں میں انہوں نے بڑا نام پیدا کیا ناپسند کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" پاپا نے بڑے خلوص سے کہا۔

تو ہم شادی کرسکتے ہیں۔ کیوں مارکوئیس؟" اشاریا کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگی

اں۔ بالکل شادی کرسکتے ہیں۔" مارکوئیس کے دل میں بھی لڈو پھوٹنے لگے۔

یا بچوں کی طرح کودتی ہوئی ماریہ کے پاس پہنچی جو اب تک وہیں میز کے دائیں کھڑی تھی۔ اس نے ماریہ کے گلے میں باہیں حائل کردیں اور اسے چومتے "ماما ماریہ جلدی جلدی انتظام کرو۔ ہم آج ہی شادی کریں گے۔"

اشاریا۔" پاپا کی رعب دار آواز نے کھانے کے کمرے میں خاموشی طاری ں قدر خوش نہ ہو کہ بعد میں رونا پڑے۔"

۔ محترم۔"

ب!"

علاوہ کمرے میں یہی تین متنفس موجود تھے اور تینوں حیران و پریشان۔ کسی کو تھا کہ پاپا اس شادی میں روڑے اٹکائیں گے جب کہ مارکوئیس کونریڈ کو وہ خود نے لگے تھے اور ابھی ابھی انہوں نے صاف الفاظ میں اس کا اظہار کیا تھا۔

"میرے بچو۔" پفا پفا نے بڑے کرب سے اشاریا اور اس کے محبوب
کونریڈ کو مخاطب کیا۔" میری وفادار ملازمہ ماریہ جس نے میری بیٹی کو اپنی ماں کی کمی
نہ ہونے دی وہ گواہی دے گی کہ میں اشاریا کو کس قدر چاہتا ہوں۔ میں نے آج
کی کوئی خواہش رد نہیں کی پھر اس وقت ایک ظالم باپ کی طرح میں اس کی کو
ساتھ شادی سے کیوں انکار کررہا ہوں۔ یہ نہیں کہ میں مارکوئیس کونریڈ کو پسند نہ
کونریڈ کا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے۔ ہم میں کوئی فرقہ ورانہ اختلاف بھی
مارکوئیس ایک عظیم جوان ہے' اس نے ملک و ملت کے لئے بیش بہا خدمات سر
ہیں۔ ماریہ بھی کونریڈ کی مداح ہے مگر میرے بچو۔ ان تمام باتوں کے باوجود میں
مارکوئیس کونریڈ سے شادی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں مجبور۔۔۔۔"

"میرے آقا۔ میرے صاحب جی۔" ماریہ بے چین ہو کے بولی۔ "مارکوئیس آ
پسند ہیں۔ آپ بھی انہیں پسند کرتے ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ا
مارکوئیس کونریڈ کو دل کی گہرائیوں سے پسند کرتی ہے پھر وہ کونسی مجبوری ہے جو آ
کی شادی سے روکتی ہے۔ کیا آپ اپنی مرحوم بیوی کی روح سے شرمندہ ہونا چاہتے
ماریہ تم مجھے غلط نہ سمجھو۔" پاپا نے اسی عالم کرب میں جواب دیا۔ "مجھے ا
بیٹی اشاریا کے لئے پیارے مارکوئیس کونریڈ سے بہتر اور کون شوہر مل سکتا ہے۔
میری بیٹی کے ساتھ شادی ہونے سے تو خود میری عزت بڑھے گی۔ میں مارکوئیس
خسر ہونے پر فخر سے سربلند کرسکوں گا لیکن میں مجبور ہوں۔ میں ہی نہیں بلکہ تم
کے میری طرح مجبور ہو جاؤ گے کہ اشاریا کی عمر اس وقت تیرہ سال سے بھی کم
اس کم عمری میں شادی ہونے پر ہمارا چرچ (مانس اسٹریٹ کا پادری) اشاریا اور
گردانے گا اور ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔"

چرچ کا نام سن کے سب کی گردنیں جھک گئیں۔ اس زمانہ میں ہر ملک میں
دوطاقتیں ہوتی تھیں۔ ایک بادشاہ کی طاقت اور دوسرے لارڈ پادری کی طاقت۔ لا
کے سامنے شاہ وقت بھی چوں نہ کرسکتا تھا۔ شادی بیاہ تو خالص مذہبی معاملہ تھا او
صرف مانس اسٹریٹ کے لارڈ پادری کا حکم مانا جاتا تھا۔ نصرانیوں میں کم سنی کی شا
کے قانون کے مطابق ایک بہت بڑا گناہ اور جرم تھا اور اس جرم کی سزا سات
مشقت تک ہوسکتی تھی۔

چرچ کا نام سن کے سب کی زبانیں بند ہوگئیں۔ ماریہ کا چہرہ فق ہوگیا اور ا
تو آنسو نکل آئے اور وہ ماریہ کے گلے لگ کر سسکیاں بھرنے لگی۔

پھر ایک طویل خاموشی کے بعد مارکوئیس نے کہا۔ "پاپا۔ مجھے اس بات کی بہت خوشی
آپ سب لوگ مجھے پسند کرتے ہیں۔ اس وقت چرچ کا قانون ہمارے راستہ کی دیوار بن
ہے۔ اس سلسلہ میں میں یہ عرض کروں گا کہ اگر اشاریہ میرا ساتھ دے تو میں چرچ
شادی کی اجازت حاصل کرسکتا ہوں۔"

اشاریہ کی بجائے ماریہ نے جواب دیا۔ "مارکوئیس آپ قطعی فکر نہ کیجئے۔ اشاریا آپ
گلے گلے پانی میں بھی ساتھ دیں گی۔"

اشاریا نے فوراً" جذباتی انداز میں ماریہ کی تائید کی۔ "پیارے مارکوئیس۔ میں تو
ہمارے لئے اپنی جان بھی دے سکتی ہوں۔"

اشاریا کی آواز بھرا گئی اور وہ سسکیاں لیتی دوبارہ ماریہ کے گلے سے لگ گئی۔

پاپا نے فوراً" اپنی صفائی پیش کی۔ "مارکوئیس تمہیں میری طرف سے بالکل اطمینان
رکھنا۔ اگر تم مانس اسٹریٹ چرچ سے اجازت حاصل کرلو تو مجھے اشاریا کو تمہارے ساتھ
رخصت کرتے ہوئے بہت خوشی ہوگی۔"

"ٹھیک ہے پاپا۔" مارکوئیس کونریڈ بہت مطمئن تھا۔ "ہمیں چرچ کے قانون کا پیٹ
بھرنا ہوگا۔ اجازت خواہ لارڈ پادری دے یا کوئی اور پادری۔"

کونریڈ جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ "اب مجھے اجازت دیجئے پاپا۔ رات کافی گزر چکی
ہے؟" اشاریا تیز قدموں سے کونریڈ کے پاس آگئی۔ اس نے کونریڈ کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے
دبایا۔

"اب کب آؤ گے مارکوئیس؟" وہ بہت جذباتی ہورہی تھی۔

"جب تم کہو۔" مارکوئیس کونریڈ مسکرارہا تھا۔

"میں تو کہتی ہوں جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہیں سوجاؤ۔" اشاریا نے بڑے پیار
سے کہا۔

"مت گھبراؤ اشاریا۔ وہ وقت بھی بہت جلد آئے گا۔" مارکوئیس دروازے کی طرف
بڑھا۔

"میں تمہیں پہنچانے چلوں گا مارکوئیس۔" پاپا نے پیش کش کی۔

"نہیں پاپا آپ اس وقت کہاں جائیں گے۔ آپ کی گاڑی مجھے چھوڑ آئے گی۔"
مارکوئیس نے بڑے اخلاق سے پاپا کو روکنے کی کوشش کی۔

اسی وقت اشاریا نے پیش کش کردی۔ "پاپا مارکوئیس کو میں چھوڑے آتی ہوں"

"تم۔۔۔۔۔" مارکوئیس نے حیرانی سے کہا۔ "آدھی رات گزر چکی ہے اشاریا۔"

"تو کیا ہوا۔ گاڑی میں جانا ہے اور گاڑی ہی میں واپس آنا ہے۔" اشاریا نے اتنی محبت سے کہا کہ مارکوئیس کونریڈ انکار نہ کرسکا۔

مارکوئیس تو دل میں خوش ہوا کہ بند گاڑی میں اشاریا سے گفتگو کرسکے گا اور کچھ گرمجوشی کا اظہار بھی کرے گا۔ پاپا نے اشاریا کے جانے پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ رات بھیگ چکی تھی اس لئے سردی بھی چمک اٹھی تھی۔ مارکوئیس اور اشاریا نے تیز برانڈی کا ایک ایک پیگ چڑھایا اور بند گاڑی میں جاکے بیٹھ گئے۔

مارکوئیس کونریڈ بڑا عیاش تھا۔ وہ ہر رات ایک نئی عورت بدلتا تھا مگر اشاریا کی صورت میں اسے نہ معلوم کیا چیز نظر آئی کہ اس نے اسے بیوی بنانے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ اس نے اس وقت کیا تھا جب پاپا نے اشاریا کی کمسنی کا رونا رو کر شادی سے انکار کیا تھا۔ اس وقت کونریڈ نے فیصلہ کیا کہ وہ اشاریا سے شادی کرکے کچھ دن سکون سے گزارے گا۔

مارکوئیس کونریڈ جیسے آوارہ مزاج لوگ فطری طور پر دھن کے بہت پکے ہوتے ہیں۔ اس کے ماضی کے بارے میں کچھ زیادہ حال تو معلوم نہ ہوسکا سوائے اس کے کہ وہ ایک بہت آوارہ مزاج مگر بہادر جوان تھا۔ دھن کا پکا شاید اسے اس لئے کہا گیا کہ وہ اپنی عسکری اور بحری زندی میں ایک اڑیل جوان مشہور تھا اور اسی اڑیل پن کی وجہ سے اس نے بحری لڑائیوں میں نمایاں مقام حاصل کیا تھا۔ اس نے چار پانچ سال پہلے مانس اسٹریٹ کو بھی اسی وجہ سے خیرباد کہا تھا کہ اس کی آوارگی حد سے بڑھ گئی تھی اور لوگ اس سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔

پھر جب اس نے بحری سفر کا ارادہ کیا تو اس کے جوہر کھلے۔ کہنے کو تو وہ بحری فوج کا ایک عام ملاح تھا مگر جب پہلی بحری جنگ کے دوران اس کا ہیڈ ملاح مارا گیا تو اس نے اپنے جہاز کی کمان بغیر کسی حکم کے خود سنبھال لی۔ بحری بیڑے کا کپتان دوسرے جہاز پر تھا۔ اس نے بحری بیڑے کو خطرے میں محسوس کرتے ہوئے پسپائی کا سگنل دیا مگر کونریڈ نے اس کے حکم کی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنے جہاز کو لے کر قریب ترین دشمن جہاز پر نہ صرف زبردست تیر برسائے بلکہ تلوار کھینچ کر مخالف جہاز پر چڑھ گیا اور زبردست دو بدو جنگ کے بعد اس جہاز پر قبضہ کرلیا۔ دشمن بیڑے کا کپتان ایسا گھبرایا کہ اپنے بحری جہاز کی مدد کرنے کی بجائے وہ باقی جہازوں کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔

مارکوئیس کونریڈ کی یہ ایک بے مثال بہادری تھی۔ چنانچہ کپتان کی سفارش پر کونریڈ کو بحری بیڑے کے نائب کپتانوں میں شامل کرلیا گیا۔ اگلے دو سال میں کونریڈ نے اسی قسم کے

مظاہرے کئے اور وہ ترقی کرتے کرتے کپتان کے عہدہ تک پہنچ گیا۔ مارکوئیس اعلیٰ عہدے پر فائز تھا لیکن شراب و شباب کی کمزوریاں اس سے ظاہر ہوتی خوبصورت عورت کو دیکھ کر وہ بے قابو ہو جایا کرتا تھا۔ کئی موقعوں پر وہ اپنی وجہ سے قتل ہوتے ہوتے بچا مگر اپنے ملک اور قوم کے لئے اس قدر کارنامے رہا تھا کہ کوئی عدالت اس پر ہاتھ نہ ڈال سکی بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جج اپنے ہیرو کو قانون پر قربان نہ کرسکے اور وہ ہر بار بچتا رہا۔

مارکوئیس کونریڈ وطن واپس آیا تو اس کے کارنامے اس سے پہلے وہاں پہنچ نریڈ دراصل وطن اس لئے آیا تھا کہ اپنے پرانے دوستوں سے ملے اور ان لیں جن راہوں میں اس کا بچپن گم ہوا تھا۔ وہ ان لوگوں سے بھی آنکھیں ملاتا وں نے اسے ذلیل کر کے دربدر کرایا تھا مگر وطن پہنچ کے اسے معلوم ہوا کہ اس قدر بلند ہو چکا ہے کہ دشمن اس سے آنکھ ملانے کی بھی جرات نہیں کرسکتے گھومنے پھرنے یا پرانے دوستوں سے ملاقات کی فرصت ہی نہ ملی۔ وہ اشاریا کے پھنسا کہ اسے کسی اور طرف کا دھیان ہی نہ رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کونریڈ ے واقعی محبت ہو گئی تھی اور اس کے وطن آنے کا مقصد اشاریا اور صرف ول تھا۔

ں کونریڈ جس ریٹائرڈ امیر البحر کے بنگلہ پر مقیم تھا وہ بیچارہ کونریڈ کی روش دیکھ ہتا تھا۔ کونریڈ اس بنگلہ پر قیام برائے نام ہی تھا۔ وہ صبح ہی صبح اٹھ جاتا۔ منہ ل سے دھوتا پھر کپڑے پہنتا اور نکل جاتا۔ امیر البحر اسے ٹکر ٹکر دیکھتا رہتا مگر نہ بولتا۔ اسے کونریڈ کے مزاج کا کچھ کچھ اندازہ پہلے ہی دنوں ہو گیا تھا جب کے لئے تیار تھا اور امیر البحر اسے باتوں میں لگائے ہوئے تھا اس روز کی تلخی اب تک یاد تھی۔ اسی لئے نہ وہ کونریڈ کو جاتے وقت ٹوکتا اور نہ رات گئے پر کوئی سوال و جواب کرتا۔

ر نے سوچا تھا کہ کونریڈ کی مصروفیت دو چار دن میں ختم ہو جائے گی پھر وہ کونریڈ گفتگو کرے گا۔ امیر البحر اتنے بڑے بنگلہ میں چار ملازموں کے ساتھ رہتا تھا۔ بیٹا اور ایک بیٹی تھی جو بال بچوں والے تھے اور الگ الگ اپنے اپنے گھروں انہیں جب کبھی اپنے کاموں سے فرصت ملتی تو وہ ایک دن کے لئے باپ کے تے مگر تین دن سے زیادہ وہ کبھی نہ ٹھہرتے تھے۔

ر نے کتابوں سے دوستی کرلی تھی۔ اسے کوئی کام نہ تھا۔ معقول پنشن ملتی تھی

اور خاندانی رئیس ہونے کی وجہ سے معقول جائیداد اور زمین کے اس حصہ میں لگی
بھی وہ خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھتا اور ایک متوازن زندگی گزارنے کا
چکا تھا۔ مطالعہ کے شوق نے اس کی زندگی میں رکھ رکھاؤ اور توازن پیدا کیا تھا۔ لا
وہ بہت قدر کرتا اور باہر سے آنے والے کاروباری یا غیر کاروباری دوست اس
ہفتوں اور مہینوں ٹھہرتے تھے۔

امیر البحر نے بڑی مہمان نواز طبیعت پائی تھی۔ جب کوئی بڑا آدمی اس شہر
خواہ سے شناسائی ہو یا نہ ہو امیر البحر اسے اپنے بنگلہ پر ضرور مدعو کرتا۔ اسی شوق
مجبور کیا تھا کہ وہ مارکوئیس کونرپڈ کو اپنے گھر قیام کی دعوت دی تھی اور مارکوئیس
اس خیال سے قبول کرلیا تھا وہ اس کا ہم پیشہ تھا مگر مارکوئیس کونرپڈ نے پہلے ہ
اسٹاریا کا گھر ایسا دیکھا تھا کہ اسے کسی اور جگہ چین ہی نہ ملتا تھا۔ امیر البحر کے با
رات کے صرف چند گھنٹے گزارنے آیا کرتا تھا۔

مگر اس صبح اسے بڑا تعجب ہوا جب اسے ایک ملازم نے بڑی رازداری
"آقائے محترم۔ آج آپ کے مہمان اب تک اپنے کمرے میں ہیں۔"

"کیا۔ کیا کہا تم نے۔ مارکوئیس اپنے کمرے میں ہے؟ امیر البحر نے اس طرح
کوئی بہت غیر معمولی بات ہو گئی ہو۔

"جی آقا وہ اپنے کمرے میں ہیں اور آپ سے ملاقات کے لئے آنے والے
نے ایک اور انکشاف کیا۔" انہوں نے مجھے بلا کے پوچھا تھا کہ کیا امیر البحر
ہیں۔

امیر البحر کے لئے یہ خبر اس سے زیادہ حیرت ناک تھی۔ اس کے لئے مارکو
کی ذات بڑی پر اسرار تھی۔ آج تک اس کے گھر کوئی ایسا شخص نہیں آیا تھا
کی طرح مہمان ہوتے ہوئے اپنے میزبان سے اس قدر بے تعلق اور اجنبی رہا ہ
رات کے کھانے کا تو کوئی سوال نہ پیدا ہوتا کہ مارکوئیس کھانے کے دونوں اوقا
موجود ہی نہ ہوتا تھا۔ امیر البحر کو صرف یہ یاد تھا کہ مارکوئیس کونرپڈ نے صرف
اس کے ساتھ ناشتہ کیا تھا ورنہ وہ ناشتہ سے بہت پہلے بنگلہ سے نکل جایا کر
حالات میں اسے یہ معلوم ہوتا کہ مارکوئیس کو ٹرپڈ اس وقت تک یعنی دن چڑھے
میں موجود تھا اور اس نے امیر البحر کے متعلق دریافت بھی کیا ہے۔ بوڑھے ا
امیر البحر نے مارکوئیس کی روش میں ایک دم اس تبدیلی یہ اندازہ ضرور لگایا تھا
کو آج اس سے کوئی کام ضرور پڑا ہے۔

یے ہی خیالوں میں الجھا ہوا کتاب پڑھ رہا تھا۔ خیالات کے ہجوم میں اس
جا رہا تھا کتاب تو اس نے بس یونہی کھول لی تھی کہ اس کے کمرے کے باہر
کی چاپ ہوئی۔ اس نے نظریں اٹھائیں تو مارکوئیس کونرپڈ کو دروازے میں
ئیس شاید اندر آتے ہوئے کچھ ہچکچا رہا تھا۔ چند لمحے دونوں ایک دوسرے کو
خود مارکوئیس نے گفتگو میں پیش قدمی کی۔
یر البحر۔ کیا میں آپ کے خیالوں میں مخل ہو سکتا ہوں"۔
امیر البحر مسکرایا۔" مارکوئیس۔ خیالوں پر قبضہ تو جوانوں کا ہوتا ہے ہم تو اس
دور نکل آئے ہیں۔"
ہوئے امیر البحر اٹھا اور دروازے پر جا کر مارکوئیس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے
لر مارکوئیس۔ فوجی تو بہت سادہ اور بے تکلف ہوتے ہیں۔ تمہیں میرے پاس
زت کی کیا ضرورت ہے۔ مہمان تو گھر کا ایک فرد ہوا کرتا ہے۔؟"
اس طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مارکوئیس کو کمرے میں لے آیا۔ امیر البحر کا یہ
انہ بھی تھا اور لائبریری بھی اس وسیع و عریض کمرے میں دو شیشے دار الماریاں
ور ایک کونے میں گول میز اور کرسی بچھی تھی۔ امیر البحر شاید اس میز پر لکھنے کا
۔ مارکوئیس کے لئے یہ کمرے بالکل نیا تھا۔ یہی ایک کمرہ کیا مارکوئیس کے لئے
ورا بنگلہ ہی اجنبی تھا۔ اس لئے کہ وہ صبح کو بنگلہ سے نکلتا تو کافی رات ڈھلے
۔ اسے تو صرف اس کمرہ کا پتہ تھا جس میں وہ سوتا تھا۔
ر نے مارکوئیس کے سامنے بیٹھے ہوئے کہا۔"آج سویرے سویرے شہزادے کو
ے آگئی۔ مارکوئیس ایک ہفتہ سے زیادہ تمہیں ہمارا مہمان ہوئے ہو گیا ہے مگر
تک مجھے میزبانی کا شرف نہیں بخشا۔ اس میں شاید میری بھی کچھ خطا ہے اس
ان میں ہوں۔ صبح کو تمہاری مزاج پرسی کے لئے مجھے تمہارے پاس آنا چاہئے۔
کوشش بھی کی لیکن صبح کو تم اس جلدی میں ہوتے ہو کہ میں تمہیں اب تک
کا۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ میزبان پر یہ واجب نہیں کہ وہ مہمان کے سامنے اپنی
کے بیٹھ جاتے۔"
م بزرگ۔" مارکوئیس نے بڑے مہذب طریقے سے کہا۔ مجھے افسوس ہی نہیں
پ سے شرمندہ ہوں کہ اتنے دنوں آپ کا مہمان رہنے کے باوجود اب تک آپ
فصیلی گفتگو نہ کر سکا حالانکہ آپ کے یہاں قیام کرنے کا عزم اسی لئے کیا تھا کہ
نے کی وجہ سے ہماری طبیعتوں میں بھی ہم آہنگی ہوگی۔ اس طرح دو دیوانے مل

جائیں گے تو اچھی گزرے گی مگر کیا عرض کروں یہاں آ کے کچھ ایسا الجھ گیا کہ کہ
کا وقت ہی نہ مل سکا۔"

کوئی بات نہیں مارکوئیس۔" امیر البحر نے ہنس کے کہا۔" جوانی دیوانی بھی ہوا
اندھی بھی۔ اس دشت بلا خیز سے ہم بھی گزر چکے ہیں۔ بتاؤ میں تمہاری کیا خدم
ہوں؟"

مارکوئیس نے چونک کے امیر البحر کو دیکھا پھر احساس شرمندگی سے سر جھکا
۔ معلوم ہوتا ہے آپ تمام باتوں سے آگاہ ہیں"
مارکوئیس آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"مارکوئیس۔ نہ تم نے کچھ بتایا ہے اور نہ میں نے اس کی کھوج کی ہے۔"
نے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔" مگر قیاس بھی کوئی چیز۔ اندازے اگرچہ
ہوتے ہیں مگر وہ کبھی کبھی سچ بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر تفصیل سے بتاؤ گے تو شاید
مشورہ دے سکوں۔"

"بزرگ محترم۔" مارکوئیس نے درد دل بیان کرنے کے لئے بہت سے ابتد
سوچے تھے مگر اس وقت وہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ بہر حال اس نے جس طرح
سکا اپنا اور اسٹاریا کا مسئلہ بیان کرنے کا آغاز کیا۔

"آپ کا قیاس اور اندازہ بالکل درست ہے۔ میں اتنے دنوں بعد وطن یہ سو
تھا کہ کچھ دنوں پرانے دوستوں کے ساتھ گھوموں پھروں گا مگر اسٹاریا کو دیکھنے را
بھٹک گیا اور اب اس طرح پھنس گیا ہوں کہ نہ آگے بڑھ سکتا ہوں اور نہ پیچھے ہٹ
جا سکتے ہیں۔" مارکوئیس نے رک کر پیشانی کا پسینہ صاف کیا حالانکہ اچھی خاصی
رہی تھی اور پسینہ آنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

امیر البحر نے بزرگانہ نصیحت کی۔" مارکوئیس اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت
تمہیں اپنی جنگی زندگی میں اس سے کہیں زیادہ خطرناک موقعے پیش آتے ہوں گے
طرح تم نے ان خطرات کا مقابلہ کیا اس طرح اب بھی ثابت قدم رہو اور صرف
رکھو کہ فوجی کا قدم جب ایک بار آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کے پیچھے آنے کا تصو
ہے۔ تمہیں تو آگے اور آگے ہی بڑھنا ہے خواہ سر رہے یا کٹ جائے۔"

امیر البحر کے آخری جملے سے مارکوئیس میں جیسے جان پڑ گئی وہ پر عزم لہجے
"محترم بزرگ" آپ نے مجھے ایک نیا حوصلہ دیا ہے۔ میں تو پریشان ہو گیا۔ کچھ سمجھ
نہ آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ کدھر جاؤں۔"

"شاباش مارکوئیس"۔ امیر البحر نے اسے اور سہارا دیا۔" تمہارے چہرے پر ایک
یانہ شان دیکھ کے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ہاں اب بتاؤ تمہیں کیا پریشانی ہے۔"

عاشق کو اگر کوئی ہمدرد اور دمساز مل جائے تو وہ دل کھول کے دکھ دیتا ہے۔ مارکوئیس
ڈیڈ کے عشق عاشقی کا یہ پہلا ڈرامہ نہ تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ نہ معلوم کتنے گل کھلا
تھا مگر وہ تمام کھیل یا کھیل تماشے تھے۔ محبت کی یہ بازیاں وہ اپنی لا ابالی طبیعت کے
کھیلتا تھا۔ اس میں اس کے خلوص کو کوئی دخل نہ ہوتا۔ رہا محبت کا سوال تو مارکوئیس
لفظ کے صحیح مفہوم سے بھی واقف نہ تھا۔ اس کے خیال میں محبت یہ تھی کہ کسی لڑکی
رت کے ساتھ دو چار دن ہنسی خوشی گزارے پھر دونوں کے راستے الگ ہو گئے۔

اسٹاریا کے معاملہ میں بھی مارکوئیس کونریڈ کا پہلے ہی خیال تھا کہ وہ اس نازک کلی
، دو چار دن یا ہفتہ دو ہفتے کھیلے گا پھر رخ بدل کے کسی اور شمع کا پروانہ بن جائے گا

"کیا سوچنے لگے مارکوئیس" امیر البحر نے اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع کر دیا۔" مجھے
معلوم ہے کہ وہ رئیس زادی جس کا نام شاید اسٹاریا ہے۔ اس کا کوئی چکر ہے شاید
یہ خیال بھی درست ہے کہ وہ لڑکی بھی تمہیں پسند کرتی ہے پھر یہ کون رقیب پیدا ہو گیا
نے تمہیں پریشان کر کے رکھ دیا۔"

"محترم۔ آپ نے صحیح فرمایا۔ اسٹاریا مجھے پسند کرتی ہے اور میری کسی بات سے انکار
کرے گی۔" مارکوئیس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔" اس کا باپ بھی میری مخالفت نہیں
ے گا بلکہ میری مدد کرنے پر آمادہ ہے۔"

"پھر تو کوئی مشکل ہی نہیں مارکوئیس۔" امیر البحر نے پر سکون لہجے میں کہا۔" بیٹی راضی۔
تم رضامند۔ پھر تمہیں کون روک رہا ہے۔ مجھے اس کا نام بتاؤ۔ میں اس کا خاتمہ کرا
گا۔"

"مشکل تو یہی ہے محترم مخالف وہ ہے جس پر نہ میں قابو پا سکتا ہوں اور نہ آپ۔"
مارکیس کونریڈ شروع سے آخر تک تمام اوقات بیان کر دیئے اصل مسئلہ اسٹاریا کا
ن اور کمسنی تھی کسی نابالغ لڑکی سے شادی کرنا بہت بڑا جرم تھا اور اس کی کسی طرح
انہ ہو سکتی تھی امیر البحر بھی فکر مند ہو گیا۔

دیر تک خاموشی طاری رہی۔ مارکوئیس' امیر البحر کے چہرے پر نظریں گاڑے اتار
ڈ دیکھ رہا تھا۔ آخر امیر البحر نے کہا۔

"میں گذشتہ دس سال سے کسی دوسرے شہر نہیں گیا۔ اس شہر میں بھی میں سوائے
خاص تقریبوں کے اور کہیں نہیں جاتا مگر اب مجھے دوسرے شہر جانا پڑے گا۔ بغیر باہر

گئے کام سیدھا نہ ہو گا۔"

مارکوئیس اس کی باتوں سے الجھ رہا تھا۔ اس کے خیال میں امیر البحر کی یہ باتیں موضوع سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھیں۔ آخر اس نے کہہ ہی دیا۔

"میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔ آپ باہر کس لئے جانا چاہتے ہیں اور اس کا اس مسئلہ سے کیا تعلق ہے؟"

"تعلق کیوں نہیں ہے مارکوئیس۔" امیر البحر نے متانت سے جواب دیا۔ "میں تمہارے ہی کام کے لئے باہر جاؤں گا۔ صرف میں نہیں بلکہ تم بھی میرے ساتھ ہو گے اور اشاریا اور اس کے پاپا بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔ ایک اچھا دورہ ہو گا یہ۔"

مارکوئیس پر کچھ نہیں سمجھ سکا۔ اس نے ملتجی نظروں سے امیر البحر کو دیکھتے ہوئے کہا

"محترم براہ کرم اپنی بات کی وضاحت فرمایئے میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا۔؟"

"اے بحریہ کے نوجوان افسر۔ تمہیں اس سلسلہ میں زیادہ دماغ سوزی کی ضرورت نہیں۔" امیر البحر نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔ "کچھ ضروری باتیں میں تمہیں سمجھائے دیتا ہوں۔ اس سے زیادہ سمجھنے کی تمہیں ضرورت بھی نہیں۔ جزیرۂ سسلی (مغلیہ) کا لارڈ پادری میرا دوست ہے۔ دوست اس طرح کہ بچپن میں ہم دونوں ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے پھر اس کے والدین معہ اپنے گھر بار کے ہمیشہ کے لئے سسلی منتقل ہو گئے۔ اس طرح ہم دونوں جدا ہو گئے بچپن کی اس جدائی کے بعد تقریباً چالیس سال بعد میرا اتفاقیہ سسلی جانا ہوا اور ایک اتوار جب نماز کے لئے بڑے گرجے میں گیا تو میرا وہ بچپن کا یار مجھے لارڈ پادری کے روپ میں نظر آیا۔ نماز کے بعد میں اس خاص کمرے پر گیا پھر میرا سامنا ہوتے اس نے مجھے بالکل اس طرح پہچان لیا جس طرح میں چالیس سال بعد اسے لارڈ پادری کے روپ پہنچانتا تھا۔

اس نے ایک ہفتہ تک مجھے سسلی میں روکے رکھا پھر اس وعدہ کے ساتھ رخصت کیا میں دوسرے تیسرے سال اس سے ملنا جایا کروں گا میں نے اس سے کیا ہوا وعدہ یاد رکھا اور اب دوسرے تیسرے تو ہاں پانچویں چھٹے سال اس سے ملاقات کے لئے سسلی جاتا ہوں اس سے ملے ہوئے مجھے تقریباً پانچ سال ہو چکے اس بہانہ اس سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور تمہارا کام بھی بن جائے گا۔"

مارکوئیس بہت بے چین تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا لارڈ پادری چرچ کا قانون توڑ کے اشاریا سے میری شادی کر دیں گے؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ مجھ سے انکار نہیں کرے گا۔" امیر البحر نے وثوق سے کہا۔ "ہم

دسرے سے بہت بے تکلف ہیں۔ جب میں وہاں جاتا ہوں تو ہم دونوں اپنے بچپن کی دہرائے ہیں اور اس دوران ہمیں بہت سی ناشائستہ باتیں بھی کر ڈالتے ہیں۔ مجھے اس ری امید ہے۔"

رکوئیس نے امیر البحر کو تو جواب نہ دیا مگر اپنے طور پر اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر ا رہا۔ سب سے پہلا سوال تو یہ تھا کہ اشاریا کے پاپا کو کیا ضرورت پڑی ہے وہ و ساتھ لے کر سسلی کا طویل سفر اختیار کریں۔ دوسری بات یہ کہ سب سسلی پہنچ ے مگر امیر البحر کے خیال کے برعکس لارڈ پادری نے اس غیر قانونی کام میں ہاتھ ڈالنے کار کر دیا تو کیا ہو گا کونریڈ کی پاپا اور اشاریا کے سامنے کیا عزت رہ جائے گی۔ یہ سوال بہت اہم تھے اور عقل کوئی معقول جواب دینے سے قاصر تھی۔

رکوئیس کونریڈ کو امیر البحر کینگری کے بنگلہ پر دیر لگی تو وہاں اشاریا پریشان ہو گئی۔ اس پر ایسی فریفتہ ہوئی تھی کہ صبح سے رات گئے تک مارکوئیس سے چمٹی رہتی بلکہ نے تو مارکوئیس پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا تھا۔ کونریڈ بڑا چالاک اور مشاطر تھا۔ اس ی عورت سے دوستی' صرف ایک ملاقات تک محدود رہتی پھر وہ اس عورت کو اپنے ر ذہن سے اس طرح اتار پھینکتا جس طرح پرانی جوتی پھینکی جاتی ہے مگر اشاریا اس لے ایسی پڑی تھی جس سے وہ کوشش کرنے کے باوجود الگ نہ کر سکا۔

شاریا تھی بھی ایسی ہی خوبصورت اس کی شربتی آنکھیں ہر وقت شراب میں ڈوبی مست چال اور مست سراپا کونریڈ سے چند ملاقاتوں ہی میں وہ بند کلی سے ایک مہکتا' لا ہوا گلاب نظر آنے لگی تھی اوڑتی جوانی اور چڑھتے ہوئے شباب کی مثال اسی پر آتی تھی۔ کونریڈ اس کی نظروں میں ڈوب گیا تھا اور اشاریا اس کے رگ و پے میں تھی۔

شاریا باہر گیٹ پر کھڑی تھی کونریڈ فکر مند سا واپس آیا۔ اشاریا نے بے دھڑک اس دن میں دونوں ہاتھ ڈال کے اس کا منہ چوم لیا مغربی تہذیب میں سر عام بوس و کنار ئی عیب نہ تھا اشاریا تو اپنے مکان کے گیٹ پر تھی۔ سامنے سے گزرتے ہوئے دو روں نے والہانہ محبت کے اس بیباک اظہار کو دیکھا بھی مگر وہ سوائے مسکرانے اور اثر نہ دے سکے۔

"تنے افسردہ کیوں ہو کانریڈ میں تمہارے ساتھ ہوں اور ہمیشہ ساتھ رہوں گی۔ چرچ ازت نہیں دیتا ہے تو نہ دے۔ تمہیں ساتھ رہنے سے تو کوئی نہیں روک سکتا۔" بڑی مستقل مزاجی سے کونریڈ کو تسلی دی۔

اسٹاریا نے ٹھیک کہا تھا یورپ میں جوان یا نوجوان لڑکی لڑکا ایک ساتھ
ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی دن رہیں اس طرح رہتے ہوئے وہ بال بچوں والے بھی ہو جا
مگر مغربی تہذیب نہ انہیں ٹوک سکتی ہے اور نہ کوئی اعتراض کر سکتا ہے مادر پدر
شاید اسی کو کہتے ہیں اسٹاریا نے کونریڈ کو یقین دلا دیا کہ وہ بغیر شادی کے اس کے
سکتی ہے پھر اسے شادی کرنے اس قدر بے چینی اور جلدی کیوں ہے۔ اسٹاریا کے
بھی ان کے ناجائز (جو ان کے خیال میں جائز تھے) تعلقات پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔
عجیب بات تھی کہ جو لٹ رہی تھی جس کی جوانی برباد ہو رہی تھی جس نے اپ
زندگی برباد کر دیا تھا وہ تو بالکل مطمئن تھی مگر جوانی کا وہ لٹیرا' حسن کا وہ ڈاکو جو اسٹار
پہلے کتنے غنچوں اور پھولوں کی کچی پکی پنکھڑیوں کو نوچ چکا تھا۔ جو اس بات پر قادر
جب چاہتا اپنے بحری بیڑے کو لے کر کسی طرف نکل جاتا مگر اسٹاریا کی محبت کی زنجیر
اس اسے جکڑا تھا کہ وہ اسٹاریا کو چھوڑ کے کہیں جانے پر آمادہ نہ نظر آتا تھا۔
کونریڈ' اسٹاریا کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر مکان میں گیا۔ پاپا تمام باتوں سے واقف
وہ بھی کونریڈ کی طرح پریشان تھے۔ اسے دیکھتے ہی پاپا نے سوال کیا۔
"کیا ہوا بیٹے کونریڈ۔ کوئی کام بنا؟"
"آپ فکر نہ کیجئے۔ کام ہو جائے گا۔ کچھ پریشانی ضرور اٹھانی ہو گی۔"
کونریڈ نے پاپا کو مطمئن کرنے کے لئے کہہ دیا حالانکہ اسے خود کچھ زیادہ امید نہ
چرچ کے قوانین بہت سخت ہوتے تھے۔ چرچ کی طاقت بادشاہ وقت کے برابر ہوتی
لارڈ پادری کے معاملہ میں بادشاہ چوں چرا کرنے قطعی مجاز نہ تھا۔
اسٹاریا نے مارکوئیس کونریڈ کو ہنسانے اور اس کا غم دور کرنے بہت کوشش کی مگر
غنچہ دل نہ کھل سکا۔ وہ اس قدر افسردہ تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ بس اب رو
ہے۔
اسٹاریا کو غصہ آ گیا۔ "تم عجیب آدمی ہو کونریڈ مجھ سے عمر میں کتنے بڑے ہو
بنے جا رہے ہو۔ میں مطمئن ہوں مجھے کوئی فکر نہیں اور تم ہو کہ پاگل ہوتے جاتے ہو
"اسٹاریا۔ تم چرچ کی طاقت کو نہیں جانتیں" کونریڈ نے افسردگی سے کہا۔ "اگر
شبہ ہو گیا تو ہم تم عمر بھر شادی نہ کر سکیں گے۔"
"میں تو تمہارے ساتھ عمر بھر رہنے کو تیار ہوں۔" اسٹاریا نے اکڑ کے کہا۔
ہمیں الگ تو نہیں کر سکتا۔"
"اسٹاریا۔ معاملے کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" مارکوئیس کونریڈ بے بس

"اچھا اب ان باتوں کو چھوڑ دو اور غور سے سنو۔ امیر البحر کینگری نے ایک ترکیب
ئی ہے۔"
"یہ امیر البحر کینگری کون ہیں۔" اسٹاریا نے اس کی بات کاٹ دی۔
"ارے یہ وہی امیر البحر کینگری ہیں جن کے بنگلہ پر میں ٹھہرا ہوا ہوں۔" مارکوئیس
نے بتایا۔
ان کے پیچھے ہی پاپا بھی آ گئے۔ مارکوئیس کونریڈ نے امیر البحر کینگری وہ تمام باتیں
بتائیں جو انہوں نے اس سلسلہ میں کہی تھیں۔ مارکوئیس چونکہ خود اس مسئلہ میں پیش
تھا اس لئے اس نے پاپا کو اس طرح سمجھایا کہ وہ سلسلی جانے پر آمادہ ہو گئے۔ اسٹاریا کو
کونریڈ نے سمجھا بجھا کے راضی کر لیا۔ دوسرے دن امیر البحر کینگری کے بنگلہ پر ایک
خصوصی میٹنگ ہوئی جس میں کونریڈ کے علاوہ اسٹاریا اور پاپا شریک ہوئے۔
پھر اس سے اگلے دن امیر البحر کینگری' مارکوئیس کونریڈ' اسٹاریا اور پاپا ایک بحری جہاز
سلسلی کی طرف جا رہے تھے۔ یہ جہاز مارکوئیس کونریڈ کے بحری بیڑے کا سب سے زیادہ
تیز رفتار جہاز تھا۔

محاصرہ عکہ

فتح بیت المقدس کے بعد دوسرے سال سلطان صلاح الدین کو تین اہم فتوحات حا
ہوئی تھیں یعنی کوکب، صفد اور الکرک۔ ان قلعوں کی فتح کی وجہ سے مصر اور عر
راستوں پر اور دریائے اردن کی وادی میں سوداگروں کے قافلے بغیر روک ٹوک کے
سکتے تھے۔ خانہ کعبہ اور روضہ رسولؐ پر جانے والوں کو کوئی ٹیڑھی نظر سے دیکھنے کی جر
نہ کر سکتا تھا لیکن فلسطین اور شام کے ساحل کی ان فتوحات کے مقابلہ میں صور پر فرنگ
کے قبضہ سے سلطان کو جو نقصان پہنچا ان کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔

بیت المقدس (یروشلم) کا اسقف اعظم جب بیت المقدس پر سلطان صلاح الدین ا
کے قبضہ کی خبر لے کر یورپ پہنچا تو وہاں ہر دربار، شہر، قریے اور بستی میں کہرام مچ
ایک مغربی مورخ لکھتا ہے :۔

"یروشلم کی چھوٹی سی سلطنت لاطینی کالیسا اور لاطینی ادب کی مشرقی ممالک میں اگ
بیرونی چوکی کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہ دور اول کے ان صلیبی بہادروں کی تحقیق تھی جن
کارنامے متعدد رزمیہ داستانوں کے موضوع بن چکے تھے۔ یہ ان پراسرار مشرقی ممالک
سرحد پر واقع تھی جہاں سیم و زر کی فراوانی تھی۔ فلسطین مغربی عیسائیت کے تخیل
اعتقاد کا محرک بھی تھا اور مرکز بھی۔"

یورپ کے ہر ملک میں ایک نئی صلیبی جنگ کا جوش و جذبہ پیدا ہو گیا۔ ٹائٹس (خ
فوجدار) نے صلیبی جنگ کو اپنی مہم کا مرکز اور مدعا بنا لیا۔ روم کے پوپ اعظم نے فر
جاری کیا کہ جو شخص اس مقدس جنگ میں دامے، درمے اور سخنے شرکت کرے گا اس
تمام اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ فرانس اور برطانیہ کچھ صدیوں سے ایک دوسر
کے دشمن چلے آ رہے تھے انہیں نے فوراً" صلح کر لی۔ ہر جگہ رضاکاروں کی بھرتی شر

ئی۔ لوگ مقدس جنگ کے لئے چھاؤنیوں میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ جنگی اخراجات کے
لئے چندہ جمع ہونے لگا۔ عورتوں نے اپنے قیمتی زیورات بیچ کے چندہ دیا۔ ہر شخص کی دولت
"صلاح الدین ٹیکس" لگ گیا شاعروں نے جنگی ترانے لکھے اور گانے والوں نے یہ ترانے
ںں گلیوں پھیلائے اور لوگوں کے جمع کر کے سنائے۔

ںں پادریوں، شاعروں اور گویوں نے عوام کے دلوں کو تو جوش و جذبہ سے بھر دیا لیکن
ںتی اقتدار فکروں اور مصلحتوں میں الجھا رہا۔ فرانس اور انگلستان میں سفارتی گھوڑے تو
ت دوڑے مگر فلسطین میں صلیبی جنگ کے لئے لشکر کی روانگی میں تاخیر پر تاخیر ہوتی رہی۔
انس اور انگلستان کے پرانے جھگڑے اک بار پھر اٹھ کھڑے ہوئے جنھیں نپٹاتے نپٹاتے
118ء کا پورا سال گزر گیا۔ سب سے پہلے جس یورپی حکمران کا لشکر صلیبی جنگ کے لئے
سطین روانہ ہوا وہ جرمن کا شہنشاہ فریڈرک باربروسہ تھا مگر اس کی قسمت میں صلیبی جنگ
ں شرکت کرنا نہیں تھا۔ شہنشاہ فریڈرک اپنا لشکر لے کر براستہ یونان آ رہا تھا کہ یہ بوڑھا
نشاہ دریائے "سالف" پار کرتے ہوئے ڈوب کے مر گیا۔ اس کا لشکر بھی تباہی کا شکار ہو
یا اور صرف دو ہزار کی قلیل تعداد اس کے بیٹے کی سرکردگی میں ساحل فلسطین تک پہنچ
لی۔

سلطان صلاح الدین نے فرنگیوں کے تمام ساحلی قلعے اور علاقے ایلہ سے بیروت تک فتح کر
لئے تھے۔ ان کے درمیان صرف صور "قلعہ اور شہر" حائل تھا جہاں سے سلطان نے
ٖں مصلحتوں کی وجہ سے محاصرہ اٹھا لیا تھا۔ صور پر اٹلی سے آئے ہوئے مارکوئیس کا نزیڈ
ابضہ تھا۔ سلطان صفد اور کوکب فتح کرنے کے بعد بیت المقدس پہنچا۔ بیت المقدس میں
لطان نے عیدالاضحیٰ تک قیام کیا پھر قربانی کی رسم ادا کرنے کے بعد مکہ واپس گیا اور وہاں
ونہم سرما کے آخر تک مقیم رہا۔

موسم بہار میں سلطان نے قلعہ شقیف کا رخ کیا۔ یہ قلعہ فرنگی حاکم صیدا ارناط کے
ت تھا۔ مشہور تھا کہ ارناط تمام فرنگی حاکموں میں سب سے زیادہ چالباز اور مکار حاکم تھا۔
ب سلطان قلعہ شقیف کے قریب مرج العیون پہنچا تو ارناط خود ہی سلطان کی پڑاؤ گاہ میں
اضر ہو کر سلام بجا لایا۔

سلطان نے اسے دیکھ کر دریافت کیا۔ "ارناط تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے۔ کیا تمہیں
معلوم نہیں کہ ہم تمہارے قلعہ پر قبضہ کرنے جا رہے ہیں۔ تم ہماری طلبی کے بغیر ہمارے
اس آنے کی پاداش میں قتل بھی کئے جا سکتے ہو۔"

سلطان معظم۔ میں اسی لئے تو دربار سلطانی میں خود حاضر ہو گیا ہوں کہ آپ کو شقیف

جانے کی زحمت سے محفوظ رکھوں۔ جلاد کو میرے قتل کا حکم دیجئے۔ میں اپنی زندگی سے
ہی۔ تنگ آ چکا ہوں۔ آپ کے ہاتھ سے قتل ہوں گا تو میری روح کو سکون ملے گا کہ
قتل ایک سلطان عادل کے ہاتھوں سے ہوا ہے۔"

ارناط اگرچہ فرنگی تھا لیکن اسے عربی زبان پر بڑا عبور حاصل تھا اور وہ مسلمانوں
تہذیب و تمدن سے بھی پوری طرح واقف تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ سلطان صلا
رحمدل ہے اور لوگوں پر احسان کر کے خوش ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ارناط گفتگو کرنے
دوسرے سے وقتی بات منوانے میں بھی کمال رکھتا تھا۔

"ارناط ہمیں خوشامد ہرگز پسند نہیں۔ صاف صاف بیان کرو تم کیا چاہتے ہو؟" سا
نے ذرا سخت لہجہ میں کہا۔

"اے سلطان عالی مقام" ارناط نے زباندانی کا تیر چلایا" میں جانتا ہوں کہ خوشامد
ظالم بادشاہ خوش ہوتا ہے اور جھوٹ سے سنگدل کو موم کیا جاتا ہے مگر ایک عادل سلط
اس دونوں عیبوں سے پاک ہوتا ہے۔ سلطان کو سچ پسند اس لئے میں حضور عالی میں صر
سچ عرض کروں گا۔

ارناط' سلطان کے چہرے پر اپنی زباندانی کا تاثر دیکھنے کے لئے ذرا رکا اور اس کی طر
دیکھا لیکن سلطان کا چہرہ سپاٹ تھا اور اس پر کوئی تاثر نہ تھا۔

"سلطان معظم۔" ارناط نے پھر کہنا شروع کیا۔ "صور کے حاکم مارکوئیس کونریڈ۔
میرے بیوی بچوں کو مجھ سے چھین لیا ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ میرے اہل و عیال کو
صرف اس صورت میں واپس کرے گا جب اسے یقین ہو جائے گا کہ میں اس کے ساتھ ا
کر سلطان معظم سے جنگ کروں گا۔ میں کونریڈ سے ایک سے زیادہ بار انکار کر چکا ہوں
اس لئے نہیں کہ میں سلطان کا حلیف یا دوست ہوں بلکہ اس لئے کہ سلطان کے لشکر۔
ٹکرانا خود کو موت کے منہ میں دینے کے مترادف ہے۔ کونریڈ اس وقت آپ کی شان میں
گستاخی کرتا ہے لیکن جلد یا بدیر وہ دوسرے بادشاہوں اور سرداروں کی طرح آپ کی قید میں
ہو گا۔"

ارناط نے کچھ ایسے جذباتی انداز میں گفتگو کی کہ سلطان کو اس پر رحم آ گیا۔ انھوں
نے کہا۔ "مگر تم ہمارے پاس کیوں آئے ہو۔ ہم کیا کر سکتے ہیں تمہارے لئے؟"

"اے شاہوں کے شاہ۔" ارناط نے پھر لسانی شروں کی۔ "میں صور جانا چاہتا ہوں تاکہ
کونریڈ کے ہاتھوں سے کسی طرح اپنے بال بچوں کو بچا سکوں۔ اگر سلطان مجھے اتنا موقعہ عطا
کریں کہ میں کونریڈ کا اعتماد حاصل کر کے اپنے بچوں کو اس کے چنگل سے نکال سکوں۔ تو

کی بندہ پروری ہو گی میں اپنے بچوں کو صور سے نکال کے واپس آتے ہی قلعہ
آپ نے حوالے کر دوں گا۔"

ارناط۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ تم اس وقت مصیبت میں ہو۔" سلطان نے نرمی سے
اور اگر تم ہمیں دھوکہ بھی دے رہے ہو تو اس سے تمہارا ہی نقصان ہو گا۔ بتاؤ
کتنا وقت درکار ہے؟"

صرف تین ماہ سلطان معظم۔" ارناط نے جواب دیا۔ میں بچوں کو صور سے واپس لا
قلعہ آپ کے حوالہ کر دوں گا اور اپنی گزر اوقات کے لئے آپ ہی کے زیر سایہ کسی
میں رہ کر آپ کی خدمات بجا لاتا رہوں گا۔"

خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔" سلطان نے مشفقانہ انداز میں کہا۔ "تم مطمئن ہو کے
جاؤ اور اپنے بچوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ تین ماہ تک قلعہ شقیف پر کوئی حملہ
گا۔"

سلطان کی اس شفقت اور مہربانی سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ سلطان کا محکمہ جاسوسی کچھ
فعال نہ تھا ورنہ وہ سلطان کو یہ ضرور بتاتا کہ صور کے حکمران مارکوئیس کونریڈ اور
شقیف کے ارناط میں بڑی گہری دوستی ہے ارناط کے بیوی بچوں کو صور میں روکنے کا تو
ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ارناط نے تو جان بوجھ کے اپنے اہل خانہ کو صور میں چھوڑ رکھا
لئے اس وقت نصرانیوں کے لئے صور سے زیادہ محفوظ اور کوئی جگہ نہ تھی۔

ارناط اچانک صور پہنچا تو مارکوئیس کونریڈ اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا اس نے
۔"اے حاکم انطاکیہ کیا آپ کے قلعہ ۔یقیف پر سلطان کا قبضہ ہو گا؟"

نہیں۔" ارناط مختصر جواب دے کر مسکرانے لگا۔

ارکوئیس اور زیادہ حیران ہوا۔ "اس وقت آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟"

"قلعہ شقیف سے۔" ارناط نے جواب دیا۔ وہ بدستور مسکراتا رہا۔

ارکوئیس چڑ گیا۔ "آپ مجھ سے مذاق فرما رہے ہیں حاکم انطاکیہ۔ میں نے سنا ہے کہ
نے قلعہ ۔یقیف کا محاصرہ کر لیا ہے لیکن آپ شقیف ہی سے آ رہے ہیں جبکہ آپ
فرما رہے ہیں کہ ۔یقیف پر سلطان کا قبضہ نہیں ہے۔ ان باتوں میں سے کونسی بات سچ
ر میں کس پر یقین کروں؟"

اے جوانمرد مارکوئیس۔" ارناط سنجیدہ ہو گیا۔ "آپ میری تمام باتوں پر یقین کر سکتے
یہ درست ہے کہ سلطان اپنا لشکر لے کر شقیف پر قبضہ کے لئے روانہ ہوا تھا لیکن
لے اسے شقیف سے پہلے ہی روک لیا اور اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ قلعہ شقیف پر

آئندہ تین ماہ تک حملہ نہیں کرے گا۔"

آپ کی باتیں بہت الجھی ہوئی ہیں حاکم انطاکیہ۔" مارکوئیس نے ناگواری کے انداز میں کہا۔ "سلطان حملہ کے لئے جا رہا تھا اور آپ نے اسے روک دیا۔ مزید یہ کہ وہ آئندہ تین ماہ شقیف پر حملہ بھی نہیں کرے گا۔ مگر کیوں۔ اس نے آپ کی بات کیوں مانی۔ آپ نے اسے کیا گھول کے پلایا تھا؟"

"اے نصرانیوں کے محافظ۔ میں نے سلطان سے جھوٹ بولا تھا۔" ارناط نے اپنی خباثت سے پردہ اٹھایا۔ "میں سلطان کے پاس غمگین صورت بنائے گیا تھا۔ میں نے اسے یہ بتایا کہ میں اس کی اطاعت پر تیار ہوں لیکن میرے بیوی بچے صور میں مارکوئیس کے پاس قید ہیں اگر میں شقیف پر آپ کا قبضہ کرائے دیتا ہوں تو مارکوئیس میرے بیوی بچوں کو مار ڈالے گا۔ اس لئے آپ مجھے اتنی مہلت دیجئے کہ میں صور سے کسی طرح اپنے اہل خانہ کو لے آؤں۔ پس سلطان نے مجھے تین ماہ کی مہلت دیدی۔"

"یہ تو تعجب کی بات ہے" مارکوئیس نے حیرانگی کا اظہار کیا۔ "کیا سلطان اس قدر بھولا ہے کہ اسے آپ کے فریب پر ذرا بھی شبہ نہ ہوا؟"

"مارکوئیس کونریڈ۔ آپ جانتے ہیں کہ "جنگ اور محبت" میں ہر بات جائز ہے۔ میں عربی زبان اور ادب سے اچھی طرح واقف ہوں پھر سلطان کی سب سے بڑی کمزوری اس کی رحمدلی ہے۔ میں نے اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور سلطان کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میرے بال بچے صور میں ہیں اور ان کی جان خطرے میں ہے۔ اس طرح میں نے اس کی جذبہ ترحم کو جھنجوڑ دیا اور وہ مجھے مہلت دینے پر آمادہ ہو گیا۔" ارناط نے غرور سے گردن اکڑا لی جیسے اس نے کوئی قلعہ سر کیا ہو۔

"شاباش ہے فرمانروائے انطاکیہ۔" مارکوئیس نے اس کی تعریف کی۔ "آپ کی عقل و فراست کی داد دینا چاہئے۔"

مارکوئیس خود ایک چالباز اور فریبی انسان تھا۔ اس نے بظاہر تو ارناط کی تعریف کی مگر دل میں یہ فیصلہ کیا کہ ایسے چالاک اور شاطر انسان پر کبھی اعتبار نہ کرنا چاہئے کیونکہ ایسے آدمی کسی وقت بھی دھوکہ دے سکتے ہیں۔

"مگر تمہارے اہل خانہ ہیں کہاں؟" مارکوئیس نے اچانک پوچھا۔

"وہ بہت آرام سے ہیں۔ میں نے انھیں انطاکیہ بھجوا دیا ہے۔" ارناط نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تعجب ہے کہ سلطان کو تمہاری باتوں پر ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔" مارکوئیس نے ایک بار

ا کی حیرت انگیز چالاکی پر اظہار تعجب کیا۔

لطان کو تعجب ہوتا بھی کیسے۔" ارناط نے ڈینگ ماری۔ "میں نے سلطان کو یقین کہ میں بال بچوں کو حاصل کرنے کے بعد نہ صرف قلعہ شقیف اس کے حوالے کر بلکہ اس کی اطاعت قبول کر کے پوری عمر اس کے قدموں میں گزار دوں گا۔"

کوئیس کونریڈ ذہنی طور پر پریشان ہو گیا۔ ارناط کی چالاکی سے اسے خوف محسوس ۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ارناط جیسا چالاک آدمی قلعہ صور میں ٹھہرے کیونکہ وہ کسی ی بیوفائی کر سکتا تھا۔ چنانچہ اپنے جذبات دباتے ہوئے مارکوئیس نے اس نے کیا۔

بت خوب۔ آپ تو بہت کام کے آدمی ہیں۔ فرمائیے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا

یہ تو آپ کو دیکھنا ہے کہ میں کس کام آ سکتا ہوں۔" چالاک ارناط نے کہا۔ "سنا ہے رپ کے لشکر بیت المقدس کو آزاد کرانے یہاں پہنچ رہے ہیں۔ ان کا جذبہ قابل ہے۔ میں بھی اس جذبہ کے تحت آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ مجھے جس کام پر گے اس میں جان دے دوں گا۔"

چانک ایک مہوش حسینہ کمرے میں داخل ہوئی۔ ارناط نے للچائی نظروں سے اسے حسینہ کی نظریں ارناط سے ملیں تو وہ شرما کے واپس جانے لگی۔

ٹھہرو ٹھہرو مرینہ۔" مارکوئیس نے اسے روکا۔

رینہ مارکوئیس کی آواز پر رکی اور واپس آ کر اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئی۔

مرینہ۔ یہ ہیں پرنس ارناط۔ انطاکیہ کے فرمانروا۔ صلیبی جنگ میں حصہ لینے شقیف ٹریف لائے ہیں۔" مارکوئیس نے تعارف کرایا۔

ب مرینہ نے ارناط کو ذرا دلچسپی سے دیکھا۔ ارناط نے اس بات کا انتظار کیا کہ کا کونریڈ اس کا تعارف بھی کرائے مگر مارکوئیس نے شاید اس سے گریز کیا۔ ارناط برنہ ہو سکا۔ اس نے خود ہی پوچھ لیا۔

ے فرمانروائے صور۔ آپ نے میرے متعلق تو مرینہ کو سب کچھ بتا دیا مگر ان کے میں کچھ نہیں فرمایا؟"

ارکوئیس کونریڈ نے ارناط کو تیز نظروں سے دیکھا۔

"یہ میری مہمان ہیں۔ قسطنطنیہ سے صلیبی جنگ میں حصہ لینے میرے ساتھ آئی ہیں۔

مرینہ۔ آپ کے جذبہ کی جس قدر بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے" ارناط نے براہ

راست مرینہ سے گفتگو شروع کر دی۔

مارکوئیس کو ارناط کا یہ انداز بالکل پسند نہ آیا۔ وہ بڑا شدت پسند انسان تھا۔ عورت کے معاملہ میں تو وہ کسی کی رعایت نہ کرتا تھا۔ مرینہ دراصل مارکوئیس کی رشتہ دار تھی جسے وہ قسطنطیہ سے بھاگتے وقت اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ پچھلے صفحات میں ہم نے مارکوئیس کونریڈ کے ماضی کے چند اوراق دہرائے تھے۔ آپ کی دلچسپی کے لئے قسمت آزما مارکوئیس کونریڈ کے کچھ اور حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

مانس اسٹریٹ کا ریٹائرڈ امیرالبحر کنگیری' مارکوئیس کونریڈ' اشاریا اور اس کے پاپا کو لئے ہوئے صقلیہ پہنچا۔ ان لوگوں نے راستہ میں کہیں قیام نہیں کیا تھا۔ امیرالبحر کنگیری نے صقلیہ کے بشپ سے اپنی دوستی کا جو دعویٰ کیا تھا وہ سچ ثابت ہوا۔ صقلیہ کا بشپ وہاں کا بطریق (لارڈ پادری) تھا ـــ اس نے امیرالبحر کنگیری کا بڑا پرجوش استقبال کیا۔ بشپ امیرالبحر کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور اتنے جوش اور جذبہ سے بغلگیر ہوا کہ کونریڈ حیران رہ گیا۔ اسے امید بندھ چلی کہ صقلیہ کا بطریق ضرور اس کا کام کر دے گا۔

بطریف مطالعہ میں مصروف تھا جب اسے اطلاع دی گئی کہ مانس سٹریٹ سے امیرالبحر کنگیری ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ بطریق امیرالبحر کا نام سن کے ایسا بدحواس ہوا کہ بغیر جوتی پہنے' ننگے پیر بھاگ کے اپنے مطالعہ کے کمرے کے باہر آ گیا اور اس قدر ولولہ سے کنگیری سے ملا کہ سب ہی بے خود رہ گئے۔ جب دیر تک ایک دوسرے سے چمٹے رہنے کے بعد دونوں کے جذبات میں کچھ ٹھہراؤ پیدا ہوا تو وہ الگ ہوئے اور سب کو اپنے مطالعاتی کمرے میں لے گئے یہ کمرہ دراصل ایک چھوٹا سا ہال تھا۔

سامنے کی دیوار پر حضرت عیسیٰ اور حضرت بی بی مریم کی (تصوراتی) تصویریں آویزاں تھیں۔ ان کے نیچے کتابوں کی دو الماریاں تھیں پھر کچھ نوادرات تھے جو آتشدان کے دونوں کونوں پر خوبصورتی سے سجائے گئے تھے۔ ایک گول میز کے گرد بہت سی کرسیاں بچھی تھیں۔ بشپ اپنے دوست سے مل کے بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ کرسیوں پر بیٹھنے سے پہلے امیرالبحر کنگیری نے کہا۔

"لارڈ پادری۔ میں پہلے اپنے دوستوں کا تعارف تو کرا دوں۔؟"

ضرور ضرور۔ کیوں نہیں۔" بطریق نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

امیرالبحری نے تعارف کرانا شروع کیا۔ اس نے اشاریا کے پاپا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بزرگ میرے دوست ہیں اور یہ بچی اشاریا ہے۔۔۔"

لور یہ جوان تمہارا داماد ہے۔" بطریق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "کیوں مکمل

ا تعارف ؟"

یرالبحر منگیری نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس کا سر جھک گیا۔

طریق نے اس کی طرف دیکھا تو چونک کے پوچھا۔ "کیا ہوا کنگیری۔ تم نے سر کیوں ا۔؟"

س وقت اشاریا کے پاپا نے وضاحت کرنے کا ارادہ کیا لیکن امیرالبحر کنگیری نے اسے ے روک کے خود جواب دیا۔ "پیارے دوست۔ یوں تو اشاریا میری بھی بیٹی ہے کیونکہ ے بزرگ کی اکلوتی اولاد ہے۔ رہی میری وہ بیٹی جسے تم نے بارہ تیرہ سال پہلے مانس ں میں میرے گھر دیکھا تھا وہ اور اس کی ماں دونوں ہی مجھے تنہائیوں کا داغ دے کے ے لئے چلی گئی۔"

یرالبحر کنگیری کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے جس نے ان سب کو مغموم کر دیا۔

طریق نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "مجھے بہت افسوس ہے کنگیری میں تو سمجھا تھا کہ یہ یا ہے جسے میں نے تمہاری بیوی کی گود میں انگوٹھا چوستے دیکھا تھا۔"

خیر اب پرانی باتوں کو یاد کرنے سے کیا فائدہ۔" امیرالبحر کنگیری نے کہا۔ "گئے دن اپس نہیں آتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

یں اس بات کو نہیں مانتا کنگیری۔" بطریق نے کہا۔ "ہمارا ماضی ہی تو ہمارا اصل ہے۔ اسی کے زور پر ہم بڑھاپے کے بے کیف دن گزارتے ہیں۔ ہوں تم کسی کام ے میں کہہ رہے تھے پہلے وہ بیان کرو پھر اطمینان سے گفتگو ہو گی۔"

نگیری نے مارکوئیس کی سرف اشارہ کیا۔ "یہ جوان بڑا جوشیلا ہے اور ملک و قوم کے وقت جان دینے کے لئے آمادہ رہتا ہے اور یہ بچی میرے دوست کی بیٹی ہے اس کی تیرہ سال نہیں ہوئی۔۔۔۔۔۔۔۔"

ور یہی بات تم لوگوں کی پریشانی کا سبب ہے۔" جہاندہ بطریق نے اس بات کو کاٹتے ہا "یہ بچی ابھی نابالغ ہے اور یہ جوان بہت پرجوش ہے۔ بس یہی تمہاری مشکل س لئے تم اتنی دور سے آئے ہو۔ اس کے علاوہ تو کوئی اور پریشانی نہیں؟

البحر نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔ "پریشانی تو انہی دونوں کی ہے مگر تم مجھے پوری کرنے دو۔"

ت وات کچھ نہیں۔ میں سب سمجھ گیا۔" بطریق نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "وہاں شادی نہیں ہوسکتی تھی اور اس لئے تم انہیں لے کے میرے پاس آئے ہو۔ کیوں ہے نا؟"

"بالکل یہی بات ہے مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ میں نے تو ابھی تمہیں پوری بات بتائی نہیں؟" امیرالبحر کنگیری کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی۔

"تمہیں اور کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔" بطریق نے اسے اطمینان دلا دیا۔ "یہ کام سمجھ بس ہو گیا بلکہ آج ہی ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ کچھ اور ہو تو بتاؤ؟"

اسٹاریا اور اس کے پاپا کے چہرے کھل اٹھے تھے۔

بطریق تھوڑی دیر کے لئے باہر گیا پھر واپس آ کر بتایا۔ "ایک گھنٹہ میں معززین یہاں جمع ہو جائیں گے۔ اس کے جمع ہوتے ہی تمہارا کام ہو جائے گا۔"

امیرالبحر کا حیرانی سے منہ کھل گیا۔ "کیا واقعی یہ کام اتنی جلدی ہو جائے گا؟"

"ہاں کنگیری۔ تم اس قدر حیران کیوں ہو رہے ہو؟" بطریق نے جواب دیا۔ "میں نے جو کہہ دیا۔ کہہ دیا۔"

"مگر وہ میں نے ------"

امیرالبحر نے کچھ وضاحت کرنے کی کوشش کی لیکن بطریق نے اسے روک دیا۔ "اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہو گی۔ تم پندرہ سال بعد آئے ہو۔ میں اپنے ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ تم مجھ سے باتیں کرتے رہو۔ دن بھر رات بھر۔"

امیرالبحر کنگیری اسٹاریا اور پاپا کو اس کے جذبات سے بڑی خوشی ہوئی۔ سچی دوستی آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد اطلاع آئی کہ مہمان بڑے ہال میں جمع ہو گئے ہیں۔ بطریق کھڑا ہو گیا کے ساتھ ہی یہ لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔

"آپ لوگ بیٹھے رہیں، میں انتظامات پر ایک نظر ڈال کر ابھی آتا ہوں۔"

بطریق یہ کہہ کر باہر چلا گیا اور یہ لوگ باتیں کرتے رہے اسٹاریا کے پاپا نے خیال ظاہر کیا۔ "لارڈ پادری بہت بااثر معلوم ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کام ضرور ہو جائے گا"

امیرالبحر کنگیری نے زور دے کے کہا۔ "ہو جائے گا کیا معنی۔ کام تو ہو گیا ہے۔ مہمان آ چکے ہیں بس رسم ادا ہونا ہے۔"

پاپا نے جواب دیا۔ "کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ جب لارڈ پادری انتظامات دیکھ رہے ہیں اسٹاریا کے لئے شادی گون لے آئیں---------"

پاپا کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ گرجا کی دو ننس آئیں جن کے ہاتھوں میں دو خوان تھے۔ ایک نن نے کہا۔

"یہ دولہا اور دلہن کا لباس ہے۔ برابر کے کمرے میں جا کے لباس تبدیل کر لیجئے

پادری پندرہ منٹ بعد آپ کو بلائیں گے۔"

ننوں کے جانے کے بعد پاپا اور امیرالبحر نے اٹھ کے خوان پوش اٹھا کے دیکھا تو ایک میں دلہن کا شادی کا سفید گون رکھا تھا اور دوسرے میں دولہا کے کپڑے تھے۔ پہلے انہیں نے کپڑے بدلے پھر اسٹاریا نے کپڑے اٹھا لئے تھے کہ دونوں ننس آ گئیں۔ وہ ساتھ اسٹاریا کو کمرے میں لے گئیں اور دس منٹ میں اسے عروسی گون پہنا کے اور دلہن بنا کے لے آئیں۔

ذرا دیر بعد بطریق نے انہیں بلوا لیا۔ آگے آگے خوبصورت سفید گون میں خوبصورت مارکوئیس کونرئیڈ کے ایک ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرے بطریق کے پاس پہنچی۔

دولہا دلہن کے احترام میں ہال میں موجود تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔ اسٹاریا اور کونرئیڈ شادی کی رسم نصرانی طریقہ سے ادا ہوئی پھر حاضرین نے پھولوں کے گلدستے پیش کر کے ان مبارک باد دی۔ آخر میں دولہا دلہن کی چرچ رجسٹر پر دستخط کئے۔

ان تمام کاموں میں شام ہو گئی۔ رات کو دولہا دلہن اور خاص خاص مہمانوں کو بطریق طرف سے عشائیہ دیا گیا اور یہ محفل ہنستے بولتے نصف شب کے قریب اپنے اختتام کو پہنچی۔ مہمانوں کے جانے کے بعد جب امیرالبحر، مارکوئیس کونرئیڈ، اسٹاریا اور پاپا رہ گئے تو بطریق کے اس کام کو سرانجام دینے کی خوب خوب تعریفیں ہوئیں۔ مارکوئیس اور اسٹاریا لئے چرچ کی نرسوں نے ایک کمرہ سجا دیا۔ امیرالبحر بطریق اور پاپا ایک ہی کمرے میں گئے۔ پاپا کو بہت دنوں کے بعد اطمینان اور سکون حاصل ہوا تھا اس لئے وہ تکیہ پر سر رکھتے ہی سو گئے مگر امیرالبحر اور بطریق نے جو ماضی کا دفتر کھولا تو پوری رات گزر گئی مگر ان باتیں ختم نہ ہوئیں۔

آخر کھڑکی سے آتی ہوئی سورج کی کرنوں نے انہیں صبح ہونے کی خبر دی۔

سسلی میں ایک ہفتہ اور گزارنے کے بعد یہ لوگ پھر مانس اسٹریٹ واپس آ گئے۔

مارکوئیس کونرئیڈ کی یہ محبت یا عشق بہت کامیاب رہا۔ وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے تھے اس کی شادی پر کوئی اعتراض نہ کر سکتا تھا۔ امیرالبحر کنگیری بڑا بااثر انسان تھا اس نے حلقوں میں مشہور کر دیا تھا کہ مارکوئیس نے سسلی کے گرانڈ چرچ میں اسٹاریا سے شادی کی ہے۔ چرچ کے قانون کے مطابق یہ شادی ناجائز تھی کیونکہ اسٹاریا ابھی تیرہ سال کی نہ ہوئی تھی مگر کسی کو کیا پڑی تھی وہ یہ تحقیق کرتا پھرے۔

مگر وہ جو کسی نے کہا ہے کہ چور گیا چوری سے نہ کہ ہیرا پھیری سے۔ مارکوئیس کونرئیڈ آنکھوں کو اسٹاریا کے معصوم حسن نے چکا چوند کر دیا تھا اور وہ اس کی محبت میں کچھ ایسا

گرفتار ہوا تھا کہ شادی کر کے ہی دم لیا۔ ان کی شادی کو دو ماہ تو اس طرح گزر گئے کہ
وقت کا پتہ ہی نہیں چلا لیکن جب مارکوئیس نے اشاریا کے گھر سے نکل کے کوچہ و بازار
دیکھا اور اپنے نام کی وجہ سے اسے اعلیٰ سوسائٹی میں پذیرائی ملی تو اس کے خیالات بدل
شروع ہوئے۔

ادھر اشاریا کو سب سے پہلے کونریڈ سے یہ شکایت پیدا ہوئی کہ اس نے اسے گھر میں
چھوڑ کے باہر جانا شروع کر دیا۔ اشاریا کو دراصل یہ معلوم ہی نہ تھا کہ مرد گھر میں بیٹھنے
کے بجائے باہر کا انسان ہے۔ اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے اپنے باپ کو دیکھا تھا
جو اسے بے انتہا چاہتے تھے۔ انہیں نے اشاریا کی وجہ سے دوسری شادی نہیں کی تھی۔
ملازمت وہ نہ کرتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے پاس اتنی دولت تھی کہ تمام عمر رئیسانہ
ٹھاٹ باٹ سے رہ سکتے تھے۔ اس لئے وہ بھی دن بھر گھر میں گھسے رہتے اور اشاریا کی
نازبرداری کرتے رہتے۔ دوسرا مرد اشاریا کی زندگی میں مارکوئیس کونریڈ تھا جس نے اشاریا
کو سر پر بٹھا لیا تھا یہاں تک کہ اشاریا اپنے پاپا سے کہیں زیادہ مارکوئیس کونریڈ کو چاہنے لگی
تھی۔

مارکوئیس کے رویہ میں اس تبدیلی پر اشاریا نے پہلے تو چار چھ دن منہ پھلایا۔ اس کا
خیال تھا کہ کونریڈ حسب معمول اس کی خوشامد کر کے منا لے گا مگر جب مارکوئیس نے بے
پروائی برتی تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور ایک دن وہ شیرنی کی طرح دھاڑ کر
مارکوئیس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ مارکوئیس کو تو شہر میں اور بہت سے سہارے مل گئے تھے
اور اس نے اب راتیں باہر گزارنا بھی شروں کر دی تھیں۔ اس لئے اس نے اشاریا کو
ترکی بہ ترکی جواب دیا اور اس کے دوچار تھپڑ بھی جما دیئے۔

اس طرح بات بڑھی اور اتنی بڑھی کہ مارکوئیس نے اشاریا کے گھر رہنا بھی چھوڑ دیا۔
اب اشاریا کی آنکھیں کھلیں اس نے مارکوئیس کی خوشامد شروع کر دی مگر مارکوئیس کونریڈ
کی اس کی کوئی پروا نہ تھی پھر اس سے اگلے ماہ مارکوئیس کونریڈ اپنا بحری بیڑا لے کر کسی نا
معلوم سفر پر روانہ ہو گیا۔ اس نے چلتے وقت اشاریا سے ملنے کی بھی کوشش نہ کی اور نہ
کبھی روانگی کے بعد اشاریا کو اطلاع ہی بھیجی کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔

سلطان کو صور کے بارے میں برابر اطلاعات مل رہی تھیں کہ وہ فلسطین اور شام کے
تمام بھگوڑے نصرانی بادشاہ' امیر' نائٹس اور لشکری اکٹھا ہو رہے ہیں بلکہ یورپ کے ملکوں
سے بھی لوگ صور آ رہے ہیں۔ صور میں نصرانیوں کی اجتماع کا یہ مقصد بیان کیا گیا کہ وہ
بیت المقدس کو مسلمانوں سے دوبارہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ انطاکیہ کا پرنس ارناط' سلطان

تین ماہ کی مہلت لے کر صور گیا تھا کہ وہ اپنے بال بچوں کو حاکم صور مارکوئیس کونریڈ
آزاد کرا کے دوسری جگہ پہنچا دے۔

آخر ٹھیک تین ماہ بعد پرنس ارناط' سلطان کے پاس واپس آیا۔ اس کا چہرہ اترا تھا اور
ان نظر آتا تھا۔ سلطان نے اسے فکرمند دیکھ کے نرمی سے دریافت کیا۔

"کیا ہوا تمہیں۔ بیوی بچوں کو کسی محفوظ جگہ پہنچا دیا کیا؟"

ارناط نے روہانسی آواز میں جواب دیا۔ "سلطان معظم۔ حاکم صور مارکوئیس کونریڈ۔
بدمعاش اور کمینہ آدمی ہے تین ماہ تک میں اس کی خوشامد کرتا رہا مگر وہ اپنے کمینے پن
باز نہ آیا اور یہی کہتا رہا کہ ارناط تو سلطان کا آدمی ہے اس لئے تجھ پر اعتبار نہیں کیا
سکتا اور نہ تیرے اہل و عیال تجھے مل سکتے ہیں۔"

سلطان کا دماغ پہلے ہی پرنس ارناط کی طرف سے مشکوک ہو گیا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ
ر میں اس وقت فتح بیت المقدس کے موقعہ پر آزاد کئے ہوئے تمام بادشاہ اور امیر و
ار اکٹھا ہو گئے ہیں اور اب وہ سلطان کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنا کر یروشلم کو واپس
کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ پرنس ارناط میں ان لوگوں کا دوست ہے اور سلطان کو اہل و
کا فریب دے کر صور گیا ہے تاکہ مارکوئیس کونریڈ سے اسلامی لشکر کی جاسوسی کرے۔

سلطان صلاح الدین نے قدرے تلخ لہجہ اختیار کیا۔
آخر صور والوں نے تمہارے بیوی بچوں کو کیوں روک رکھا ہے۔ انہیں اس سے کیا
ل ہو گا؟"

ارناط نے افسردہ لہجہ میں جواب دیا۔ "سلطان معظم۔ مارکوئیس کونریڈ کے خیال میں'
شالی علاقوں کا ایک بااثر شہزادہ ہوں اور اگر میں چاہوں تو سلطان لشکر کو ایک طویل
تک شمال میں الجھا کے رکھ سکتا ہوں۔ اس لئے وہ میرا تعاون چاہتا ہے۔ مگر میں نے
سے صاف انکار کر دیا ہے۔"

"کیوں۔ تم نے انکار کیوں کر دیا۔؟" سلطان کا لہجہ کچھ اور سخت ہو گیا۔

"اس لئے عالیجاہ کہ میں آپ کی وفاداری کا حلف اٹھا چکا ہوں۔ اب میں ان لوگوں
کس طرح تعاون کر سکتا ہوں۔؟"

پرنس ارناط نے ایک بار پھر اپنی چرب زبانی کا جادو چلانے کی جوشش کی۔ اسے عربی
ن و ادب پر کافی عبور حاصل تھا اس لئے وہ گفتگو کے دوران عربی زبان کے بعض
درے" بے تکلف استعمال کر رہا تھا۔

سلطان نے دیکھا کہ ارناط گول مول باتیں کر رہا ہے تو اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"اب تم ہم سے کیا چاہتے ہو۔ کیوں واپس آئے ہو ہمارے پاس؟"
پرنس ارناط نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔
"سلطان معظم نے پہلے بھی میرے اوپر رحم فرمایا ہے اور اب بھی مجھے سلطان سے ر
کی امید ہے عالیجاہ۔ مجھے مزید تین ماہ کی مہلت عطا فرمائیں تو میں اس عرصہ میں مارکوئیس
ضرور رضامند کر لوں گا۔"
سلطان نے ارناط کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔
"پرنس ارناط۔ تمہیں تین ماہ کی مہلت دی جا سکتی ہے بشرطیکہ ہماری ایک بات پر عم
کرو؟"

ارناط خوش ہو گیا۔ اس نے بڑی گہری چال چلی تھی۔ وہ سلطان سے مہلت مانگنے
تھا کہ اگر سلطان اس کی مظلومی سے فریب کھا گیا تو مہلت کو اس عرصہ میں وہ صور میں
ہونے والوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گا کہ وہ صور سے باہر نکل
سلطان پر حملہ کریں اس طرح شاید نصرانی کامیاب ہو جائیں اور ارناط کا قلعہ شقیف محفو
رہے۔ مگر صور میں اسے مارکوئیس کونریڈ نے گھاس نہیں ڈالی اور اس نے ارناط کو ایک
خوفناک آدمی سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ارناط نے پھر بھی ہمت نہ ہار
اور صور میں بیٹھا توڑ جوڑ کرتا رہا پھر مدت ختم ہوتے ہی سلطان کو پھر فریب دینے آ گیا۔
"سلطان نے مزید مہلت پر آمادگی کا اشارہ کیا تو فوراً" بولا۔
"عالیجاہ۔ آپ آقا ہیں اور میں آپ کا غلام۔ آقا' غلام کو حکم دیا کرتے ہیں کوئی شر
نہیں لگاتے۔ آپ میری مہلت کی مدت میں مزید اضافہ فرما رہے ہیں آپ حکم دیجئے۔ م
آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے ہمیشہ اپنا تابعدار پائیں گے؟"
"ٹھیک ہے پرنس ارناط۔" سلطان نے بالکل واضح الفاظ میں کہا۔ "تم اپنے حاکم قلع
دار شقیف کے نام ایک خط لکھو کہ وہ قلعہ کا قبضہ ہمیں دیدے۔ ہم تمہیں تین ماہ کی او
مہلت دے دیں گے۔"

سلطان کی شرط سن کر پرنس ارناط کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ سلطان جو بھ
شرط لگائے گا وہ اسے فوراً تسلیم کر لے گا اور اس سے مزید مہلت حاصل کر کے پھر صو
چلا جائے گا لیکن یہاں تو کایا پلٹ کے رہ گئی تھی۔ سلطان نے جو شرط لگائی تھی اس سے
تو وہ انکار کر سکتا تھا اور نہ اقرار۔ انکار اور اقرار تو الگ رہا وہ تو اس قابل بھی نہ رہا تھا
اپنی زبان بھی کھول سکے۔ اس کے ساتھ ہی سلطان کے سامنے خاموش رہنا بھی ناممکن تھا
"بولو ارناط۔ کیا جواب ہے تمہارا؟" سلطان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے اور لہ

ہانہ ہو گیا تھا۔
ں ارناط اب بھی خاموش تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔
رناط۔۔۔" سلطان کو پوری طرح جلال آ گیا تھا اور بیٹھے سے کھڑا ہو گیا تھا۔ "کیا
نہیں معلوم کہ ہمارے سوال کا جواب نہ دینے والے کی زبان تراش دی جاتی

جاہ۔ سلطان معظم۔ مجھے معلوم ہے۔۔۔" ارناط نے خوفزدہ لہجے میں ... یا۔
لطان معظم اگر قلعہ شقیف پر آپ کا قبضہ ہو گیا تو مارکوئیس کونریڈ میں
چڑھا دے گا۔۔"
رناط۔ کیا تم اپنے بال بچوں سے صور میں ملے تھے؟" سلطان نے ایک بالکل غیر
ال کیا۔
اط گھبرا گیا۔ "جی عالی جاہ۔۔۔۔۔۔۔ جی ہاں وہ بہت پریشان ہیں۔ کہتے ہیں ہمیں
خانہ سے جلدی چھڑاؤ ورنہ ہم مر جائیں گے۔۔۔"
رناط۔ پرنس ارناط۔" سلطان شیر کی طرح دہاڑا۔۔ "ہم اپنے دشمن پر بھی کرم نوازی
نہیں آتے۔ ممکن تھا کہ اگر تم اپنے جرم کا اقبال کر لیتے تو ہم تمہیں اس وقت بھی
ر دیتے لیکن تم نے ہماری نوازشوں کا منہ چڑایا ہے۔ ہمارے شاہانہ الطاف کی توہین
"

لطان عالی مقام۔" ارناط کے ذہن میں آ گیا کہ ضرور کسی نے مخبری کر دی ہے اور
انڈہ پھوٹ گیا ہے پھر بھی اس نے خوشامد کا دامن نہیں چھوڑا۔ "خادم آپ کی
ضور بھی نہیں کر سکتا۔ عالیجاہ نے میری خطائیں اب تک معاف فرمائی ہیں اور مجھے
کہ اب بھی مجھ سے جو غلطی ہوئی ہے اسے بھی اپنے کرم کی بارش سے پاک کر
۔۔"

ان میں بہت تحمل تھا۔ اسے غصہ بھی کم آتا تھا لیکن جب کبھی جلال آ جاتا تو پھر
بھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ سلطان نے بڑے سخت لہجہ میں کہا۔
مردود ہے ارناط۔ دور ہو جا ہماری نظروں کے سامنے سے اگر ہم نے تجھے ایک بار
دی ہوتی تو اس وقت تجھے قتل کرا دیا ہوتا۔ تیرے اہل و عیال انطاکیہ میں محفوظ
ہیں فریب دے کر صور گیا تا کہ ان احسان فراموشوں سے ملاقات کرے جن کی
ان بخشی کی تھی۔ اب وہ پھر ہمارے مقابلہ پر کھڑے ہونے کی فکر کر رہے ہیں
بھگوڑوں کو پھر شکست دیں گے اور ان کا غرور ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی کو معلوم ہو گیا تھا کہ یورپ سے برابر نصرانی صور میں آ آ
جمع ہو رہے ہیں اور شاہ یروشلم جسے سلطان نے اس کی ملکہ سبل کی آہ و زاری پر آزاد
دیا تھا وہ بھی صور میں پہنچ گیا ہے اور انھیں برابز بیرون ملک سے فوجی مدد پہنچ رہی ہے
سلطان نے پہلے ارادہ کیا کہ وہ قلعہ صور پہنچ کر ایک بار پھر اس کا سختی سے محاصرہ کر
لیکن قلعہ شقیف بھی ایک بہت اہم قلعہ تھا اس لئے وہ اسے بھی نہیں چھوڑنا چاہتا
چنانچہ سلطان کو معلوم ہو چکا تھا لیکن ارناط کے آنے پر اس نے بڑے تحمل کا ثبوت دیا
پہلے اس کی فریب کاری کی باتیں سنیں پھر اسے اچھی طرح پھٹکارا۔

پرنس ارناط ادھر ادھر کے حیلے بہانے کرتا رہا اور کسی طرح قلعہ شقیف سلطان
حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ سلطان نے اسے قید کرا کے دمشق بھجوا دیا۔ اب سلطان
لشکر لے کر قلعہ شقیف کی طرف چلا۔ اسی دوران اس نے کچھ لشکر شمال کی جانب ر
کیا۔ اس لئے کہ اسے اطلاع ملی تھی کہ صور کا نصرانی لشکر قلعہ سے نکل کر صیدا کی ط
بڑھا ہے۔ چنانچہ سلطان کے بھیجے ہوئے لشکر سے نصرانیوں کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے
شدید لڑائی کے بعد نصرانیوں کو صور کی طرف مار بھگایا۔ اس جنگ میں نصرانیوں کے
سے شہسوار (نائٹ) مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے لیکن سلطان کا ایک آزاد کردہ
(حوالی) جو شہسواروں میں ایک اعلیٰ مقام رکھتا تھا وہ نصرانیوں کا مقابلہ کرتا ہوا شہید ہو گ

سلطان کو اس جنگ کی اطلاع ملی تو فوراً" اس طرف روانہ ہوا۔ سلطان کو اپنے
غلام کی شہادت ملی تو اسے بہت افسوس ہوا۔ سلطان نے وہاں ایک ہفتہ سے زیادہ قیام
ایک دن ایسا ہوا کہ سلطان گھوڑے پر سوار ہو کے دشمن کے مورچوں کو دیکھنے کے
چلا۔ اس کی فوج دور دور تک پھیلی اور مورچے بنائے پڑی ہوئی تھی۔ بعض مورچہ
فوجوں کی نظر سلطان پر پڑی تو وہ سمجھے کہ سلطان حملہ کے لئے آگے بڑھ رہا ہے اس۔
بھی مورچے چھوڑ کے آگے بڑھنے لگے۔ سلطان کو جب اس غلط فہمی کی اطلاع ملی
فوراً" واپس آیا اور ان مورچہ بند فوجوں کی طرف سوار روانہ کئے جو مورچے چھوڑ
آگے بڑھ گئے تھے۔

قبل اس کے کہ سلطانی سوار آگے بڑھنے والوں تک سلطان کا حکم لے کر پہنچیں
سامنا نصرانیوں سے ہو گیا تھا اور ان میں شدید جنگ شروع ہو گئی تھی۔ نصرانیوں
سلطان نے لشکر آتے دیکھا تو پہلے وہ پریشان ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ سلطان کے
دستے ہیں اور اس کے پیچھے سلطان کا اصل لشکر ہو گا مگر جلد ہی ان کی یہ غلط فہمی د
گئی۔ ان کے جاسوسوں نے واپس جا کر بتایا کہ اسلامی فوج کے یہ دستے کسی غلط فہمی

ے مورچوں سے آگے بڑھ آئے ہیں اور ان کا تعلق سلطان کے اصل لشکر سے نہیں

اس خبر کے ملتے ہی نصرانیوں نے اپنی کمین گاہوں سے نکل کر مسلمانوں پر طوفانی حملہ
یا۔ مسلمانوں نے پوری قوت سے اس حملہ کو روکا۔ ان کا خیال تھا کہ سلطانی لشکر کسی
ں ان کی مدد کو آ جائے گا لیکن جب انھیں کسی طرف سے کمک نہ پہنچی تو انھوں نے
گھیرنے والے نصرانیوں کا حلقہ توڑ کر نکل جانے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب
سکے اور بجائے ہتھیار ڈالنے کے یہ تمام مجاہد' اسلام کی آن پر قربان ہو گئے۔

سلطان نے اس شکست کا بدلہ فوراً" ہی لے لیا۔ وہ لشکر کا ایک حصہ لے کر شمال کی
چلا اور اس نے پلٹ کے شمال ہی کی طرف سے ان نصرانی افواج پر شاہین کی طرح
مارا جو اپنی فتح کا جشن منانے کی تیاری کر رہے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے
ے فوجی دستوں کو دیکھا تو فوراً" صفیں ترتیب دے لیں۔ انھیں اپنی پہلی فتح کا زعم تھا
ئے وہ بگل بجا کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے شیر اسلام اور مجاہد اعظم سلطان صلاح
ایوبی اور اس کے دستوں نے نصرانیوں کو کاٹ کے رکھ دیا اور میدان جنگ نصرانی
ں کی لاشوں سے پٹ گیا۔

ہاں سے سلطان عکہ کی طرف روانہ ہوا کیونکہ اسے برابر خبریں مل رہی تھیں یورپ
نے والے جنگجو صور میں اکٹھا ہو رہے تھے اور صور والے اس لشکر سے عکہ پر حملہ
ئے والے ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ
ر یروشلم کا لارڈ بشپ (بطریق اعظم) اپنے ساتھ اسرائیل کے شکست خوردہ نصرانیوں
ے کثیر تعداد کے ساتھ یورپ روانہ ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے خود کو مظلوم ظاہر کرنے
ئے سیاہ لباس زیب تن کیا تھا۔ یورپ پہنچ کے بطریق اعظم اور اس کے چیلے پورپ
م ملکوں میں پھیل گئے اور وہاں انھوں نے یروشلم (بیت المقدس) کی تباہی اور بربادی
نی قصے بیان کر کے عیسائیوں کے جذبات بھڑکانے شروع کر دیئے۔

ں طرح پورے یورپ اور جزائر برطانیہ تک میں مسلمانوں اور سلطان صلاح الدین
فتوحات کو غاصبانہ' ظالمانہ اور تشددانہ انداز میں اس طرح پیش کیا گیا کہ پورا یورپ
لمقدس کی واپسی کے لئے سر سے کفن باندھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ خواتین نے صلیبی
ں حصہ لینے کے لئے اپنے مذہبی جوش و خروش کا اس طرح اظہار کیا کہ انھوں نے
زرات بیچ کے اس کی رقم "صلاح الدین فنڈ" میں جمع کرا دی۔ صلاح الدین فنڈ
ظم نے رقم اکٹھا کرنے اور سلطان صلاح الدین کی عظمت گھٹانے کے لئے قائم کیا

تھا۔ اس فنڈ میں اس قدر رقم اکٹھا ہو گئی جس کا سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

سلطان کے خلاف پروپیگنڈے میں اس وقت اور زیادہ تیزی آگئی جب یروشلم
بطریق اعظم کو "روم" کے گرانڈ فادر کی آشیرباد حاصل ہو گئی۔ روم کا گرانڈ فادر جے
اعظم کہا جاتا تھا وہ دنیائے نصرانیت کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اس کا حکم عیسائیوں کے لئے
کے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ پوپ نے اعلان کیا کہ جو یروشلم کی جنگ میں کسی طور بھی
لے گا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اگر وہ جنگ میں کام آیا تو وہ شہا
کے درجہ پر فائز ہو گا۔ رومی پوپ یعنی پاپائے اعظم نے اس صلیبی جنگ کو یورپ کے
فرد کے لئے فرض قرار دیا اور فرمان جاری کیا کہ وہ لوگ جو اس مذہبی جنگ میں حص
کے لئے بوجہ بیماری یا کسی اور سبب یروشلم نہیں جا سکتے وہ اپنے خرچ پر کسی دوسرے آ
کو جنگ میں بھیج کر اس کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح یورپ کے تمام ملکوں
کر فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی وغیرہ سے صلیبیوں کا ایک سیلاب تھا جو ساحل فل
کی طرف رواں دواں تھا۔ یورپ سے آنے والے یہ نصرانی لشکری بھوکے پیاسے نہ تھے
ان کے کھانے پینے کا معقول انتظام کیا گیا تھا اور ان کے ساتھ سامان رسد بھی بھیجا
تھا۔

صرف ایک سال پہلے یعنی جولائی سنہ 1188ء میں شاہ یروشلم اور اس کے
ساتھیوں کو طرطوسہ کے مقام پر سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ وہ تمام
امراء اور نصرانی سردار تھے جو معرکہ حطین میں شکست کھا کر مسلمانوں کے ہاتھوں گ
ہوئے تھے۔ ان سب کی بیگمات نے یروشلم میں سلطان کے حضور پیش ہو کے اپنے
کی رہائی کی درخواست کی تھی اور رحمدل سلطان صلاح الدین نے ان آہ و بکا کرنے
خواتین سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ان کے لواحقین گرفتار ہو کے قید میں ہیں تو انھیں رہا
جائے گا۔ چنانچہ سلطان نے طرطوسہ میں اپنا وہ وعدہ پورا کیا۔ جب ان نصرانی گرفتار
نے سلطان کے سامنے ہتھیار نہ اٹھانے کی قسم کھائی تو انھیں باعزت طریقہ سے رہا
گیا۔

اس طرح مارکوئیس آف مانٹ فیراٹ کو اس کے بیٹے کے پاس صور میں بھیج دیا
ہمفری آف ٹورودون اپنی والدہ یعنی ریجنیلڈ کی بیوی کے پاس چلا گیا۔ گائی شاہ یرو
اس کا بھائی ماسٹر آف دی ٹمپل، ملکہ سبل سے آ ملے۔ ان سب لوگوں نے سلطان
خلاف تلوار نہ اٹھانے کی قسم کھائی تھی لیکن رہائی پاتے ہی طرابلس اور انطاکیہ کی
کا بدلہ لینے کی تدبیروں میں مصروف ہو گئے۔ ان لوگوں نے سلطان سے جو قول و قرا

ان کئے تھے فلسطین کے موجودہ بطریق نے انھیں اس سے بری الذمہ قرار دیدیا اور
نے سلطان کی نیک نیتی اور فیاضی کا اپنی شرافت یعنی خباثت کے مطابق بدلہ دینے
نہ لگائی۔ یہ سب لوگ ملکہ یروشلم سبل اور شاہ یروشلم سگائی لو سگناں کے
تلے جمع ہوئے اور صور کی طرف پیش قدمی شروع کی۔

م صور مارکوئیس کونریڈ کو ان شکست خوردہ لوگوں کے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے
دروازے ان پر بند کر دیئے۔ مارکوئیس کا یہ اقدام اس لئے درست تھا کہ یہی
جان بچانے کے لئے صور کو خالی کر کے بھاگ گئے تھے۔ اس وقت مارکوئیس
صرانیوں کے لئے فرشتہ بن کے معہ اپنے بحری بیڑے کے ساحل صور پر پہنچا تھا اور
شخص کی حکمت عملی کی وجہ سے آج صور نصرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ ان لوگوں کو
ر میں داخلہ نہ ملا تو یہ بدعہد فوجی بھگوڑے جن کے اقتدار کو مارکوئیس کونریڈ نے
نے سے انکار کر دیا تھا، پہلے صور کے قلعہ کے باہر خیمہ زن ہوئے پھر جب آہستہ
ان کئی ہزار شکست خوردہ نائٹ بھی اکٹھا ہو گئے اور ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچ
بحر روم کے کنارے کنارے عکہ کی طرف اس طرح گامزن ہوئے کہ ان کے
مندر میں اٹلی سے آنے والا مارکوئیس کا بحری بیڑہ چل رہا تھا۔ یہ بحری بیڑہ شاہ
درخواست پر انھیں عکہ تک بحفاظت پہنچانے پر تیار ہوا تھا۔

احسان فراموشوں اور بدعہدوں کا یہ قافلہ آہستہ آہستہ عکہ کے قریب پہنچا۔ عکہ
ں کا قبضہ تھا اور اس کے اردگرد مسلمانوں کی حفاظتی چوکیاں بھی تھیں۔ مغربی
کے مطابق شاہ یروشلم کے ساتھ آنے والی فوج کی تعداد صرف نو سو تھی (900)
ائٹ کی تعداد سات سو تھی لیکن یہ تعداد کسی صورت درست نہیں معلوم ہوتی
لئے کہ صور سے عکہ تک مسافرت کے دوران ان کی مسلمان چوکیوں سے جھڑپیں
تھیں جو دیکھ بھال اور عکہ کے بیرونی دفاعی مورچوں کا کام دیتی تھیں۔

بلی کے بھاگوں اس طرح چھینکا ٹوٹا کہ عکہ کے قریب پہنچتے ہی شاہ یروشلم کی مدد
ورپ سے صلیبی لشکر سے بھرے ہوئے پچاس جہاز آ پہنچے۔ ان جہازوں پر
ر فریزلینڈ کے سپاہی سوار تھے جن کی تعداد میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مغرب
ان کی تعداد اکیس ہزار بتاتی ہے۔ جبکہ بہاء الدین جو کہ سلطان کا سوانح نگار ہے
زہ بتیس ہزار کا ہے جس میں نائٹس کا تعداد دو ہزار تھی۔ اس لشکر میں مشہور
آف آویئز اور بشپ آف بیوراکس بھی شامل تھے۔ مغرب والوں نے حسب
ی لشکر کی تعداد کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔

ابن خلدون کا بیان ہے کہ تمام فرنگیوں نے متفقہ طور پر عکہ کی طرف روانگی اور ا
پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ فرنگی 7 رجب 575ھ (1189ء) کو عکہ کی طرف چل
یہ لوگ ساحلی راستے سے جا رہے تھے اور ان کا بحری بیڑہ ان کی حفاظت کے لئے سا
ساتھ چل رہا تھا۔ مسلمان فوجیں اپنے اپنے مقام پر ان پر چھاپے مارتی رہیں تاہم فرنگیو
یہ بھاری لشکر عکہ کے قریب پہنچ گیا۔ وہ آٹھ دن بعد یعنی پندرہ رجب کو عکہ پہنچے تھے۔

خود سلطان صلاح الدین فرنگیوں کے اس عظیم لشکر کو راستہ سے روک کر جنگ
چاہتا تھا لیکن اس کے سردار راستے سے حملہ کرنے کے حق میں نہ تھے۔ ان کا یہ خیال
کہ راستہ تنگ اور دشوار گزار ہے۔ چنانچہ سلطان نے متبادل راستہ اختیار کیا اور جب
دوسرے راستے میں عکہ پہنچا تو فرنگی فوجیں اس سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھیں۔ فرنگیوں
بحری راستہ گھیر لیا تھا اس وجہ سے سلطان بحری راستہ نہ اختیار کر سکا۔

سلطان نے فرنگیوں کے سامنے محاذ قائم کیا پھر اس نے اطراف و جوانب میں مسلما
کو دعوت جہاد بھجوائی جس کے جواب میں بوصل، دیار بکر، حجاز اور الجزیرہ وغیرہ سے فوجیں
گئیں۔ سلطان صلاح الدین کا بہادر بھتیجا تقی الدین حمات سے فوج لے کر پہنچ گیا اور
الدین کوکبری حران اور الرہا سے فوجیں لے کر آ گیا۔ ادھر فرنگیوں کو بحری راستہ سے
دھڑ کمک پہنچ رہی تھی اور ادھر سلطان کے پاس بری راستوں سے فوجیں آ رہی تھیں
یوں دونوں طرف سے معمولی جھڑپیں ہوتی ہیں لیکن سلطان نے رجب کے باقی ایام میں
جنگ نہ کی۔

محاذ کی صورت حال یہ تھی کہ عکہ پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور عکہ کے سامنے خشکی
تمام راستوں پر فرنگیوں کا لشکر پھیلا ہوا تھا جنھوں نے آگے پیچھے کتنے ہی مدافعتی مور
قائم کر رکھے تھے۔ پھر اس سے آگے سلطان کا لشکر تھا۔ اس طرح فرنگیوں نے خشک
جانب سے پوری طرح عکہ کو گھیر رکھا تھا اور محاصرہ کرنے والے فرنگیوں کی تعداد اس
زیادہ تھی کہ نہ تو سلطان ان کا گھیرا توڑ کر عکہ میں داخل ہو سکتے تھے اور نہ عکہ
محصور بن فرنگیوں کا گھیرا توڑ کر باہر نکل سکتے تھے۔

یروشلم (بیت المقدس) کا آخری بادشاہ کا نام گائی ڈی سگنام تھا۔ اس سے پہلے
کے آٹھ بادشاہ گزرے تھے جنھوں نے سنہ 1098ء سے سنہ 1187ء یعنی سلطان صلا
الدین ایوبی کے بیت المقدس پر قبضہ تک حکومت کی تھی۔ یہ تقریباً" ایک صدی کا
ہوتا ہے۔ یہ ایک طویل زمانہ میں یروشلم اور شام کی دوسری نصرانی حکومتوں نے مسلما
پر کیا کیا ستم نہ توڑے۔ مسلمانوں کی تہذیب، مسلمانوں کا تمدن اور روایات کو مٹانے

مذاق اڑانے کے کیا کیا طریقے اختیار کئے گئے۔ اس کا تصور کرنے ہی سے رونگٹے
ہو جاتے ہیں۔

امت محمدیؐ اس قدر سخت جان ہے کہ اس کی اغیار کے ظلم و ستم نے کمر تو دہری
مگر وہ ختم نہ کی جا سکی کیونکہ وہ محمدؐ عربی کی امت تھی اور محمد عربی خدا کا محبوب
تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ بعض سلطانوں اور بادشاہوں نے اسلامی حدود کو بہت وسعت دی
اس دور ابتلا اور مسلمانوں کی غلامی کو نہ توڑ سکے۔ عباسی خلفائے بغداد، سلاطین
(سلجوقہ) مصر کے فاطمی خلفاء بھی بیت المقدس کو آزاد نہ کرا سکے۔ آخرا تابک
کے امیر عماد الدین زنگی نے اپنی تمام عمر نصرانیوں سے نبرد آزمائی میں گزار دی اور
کے شمالی شام میں مضبوط مرکز الرہا (اڈیسہ) پر قبضہ کیا۔

رہا پر قبضہ ہی دراصل فتح بیت المقدس کی طرف پہلا قدم تھا۔ اسی عماد الدین زنگی
نہ میں نصرانیوں کے شہنشاہ قسطنطیہ نے پوری تیاریوں کے ساتھ شام پر حملہ کیا مگر
قسطنطیہ کو عماد الدین زنگی کے مقابلہ پر منہ کی کھانی پڑی اور شہنشاہ قسطنطیہ میدان
پورا جنگی سامان چھوڑ کے رات کے اندھیرے میں بھاگ کھڑا ہوا۔ عماد الدین زنگی
ت کے بعد اس کا بیٹا سلطان نور الدین زنگی کو اس کے غلاموں نے ایک محاصرے
ن خیمہ میں سوتے ہوئے شہید کر دیا تھا۔

عماد الدین زنگی اور سلطان نور الدین زنگی کے زمانہ میں صلاح الدین کا چچا
شیرکوہ سپہ سالار کے عہدے تک پہنچا تھا۔ صلاح الدین کو صلاح الدین بنانے
الدین شیرکوہ اور سلطان نورالدین کی کوششوں اور ترتیب کو بڑا دخل حاصل ہے۔
اح الدین کو خدائے تعالیٰ نے یہ اعزاز بخشا کہ اس نے تقریباً" ایک صدی بعد بیت
کو نصرانیوں کے ظالمانہ ہاتھوں سے واپس لیا۔ بیت المقدس (یروشلم) کے چھن
خبر یورپ میں پہنچی تو وہاں گھر گھر کہرام مچ گیا۔

جاتی ہے کہ جب شکست خوردہ بیت المقدس سے نکلے تو ان کا ایک گروہ مغرب
روانہ ہوا۔ یہ لوگ جہاں جہاں پہنچتے وہاں یہ پیغام دیتے:۔

ں۔۔۔اے عالم مسیحیت افسوس۔ دشمن یروشلم پر قابض ہو گیا
۔۔۔مقدس صلیب کھو گئی اور ہماری فوج برباد ہو گئی۔"

رح تمام پادری اور راہب تمام مسیحی دنیا کا دورہ کرنے کے لئے نکل کھڑے
ں نے مقدس باپ کی دہائی دے دے کر لوگوں کو جنگ پر ابھارا۔ بیت المقدس
ں کے ساتھ سلطان صلاح الدین نے بڑا مشفقانہ سلوک کیا تھا۔ وہ یورپ کے

ملکوں میں اپنی جواں سال بیٹی کو لئے لئے گھومتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تصویر ہوتی
جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زخمی حالت میں اور ایک مسلمان کو ان پر حملہ آ
دکھایا گیا تھا۔

آخر یہ آگ بھڑک اٹھی۔ نصرانی بادشاہ جرمنی فریڈرک کو سلطان پر اس قدر غ
کہ اس نادان نے سلطان کو ایک خط لکھ مارا جس میں تحریر کیا:۔

"میں شاہ فریڈرک فرمانروائے جرمنی، صلاح دین (یورپ والے سلطان کو صرف
دین کے نام سے پکارتے تھے) کو مطلع کرتا ہوں کہ اگر یروشلم عیسائیوں کے حوالے
کیا گیا تو میں اپنے لشکر کے ساتھ اسے سزا دینے کے لئے پہنچ جاؤں گا۔"

سلطان نے شاہ جرمنی کے اس خط کا کوئی اثر نہ لیا لیکن یورپ میں ایک خوفناک
کی تیاریاں زور شور سے شروع تھیں۔ اس میں ہر عیسائی نے حصہ لیا۔ یہاں تک
عورتیں تک سپاہی بن گئیں۔ پس قیصر جرمنی فریڈرک، شاہ انگلستان رچرڈ اول اور ڈ
آف آسٹریا۔ اپنی فوجوں اور صلیبی رضاکاروں کے ساتھ سلطان صلاح الدین کی گوشما
لئے روانہ ہوئے یہ تیاری تھی تیسری صلیبی جنگ کی۔

اس جنگ کی اس زور شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں کہ اس کے مصارف کے
انگلستان اور فرانس میں "عشر صلاح دین) یعنی صلاح الدین ٹیکس لگا دیا گیا۔ پادریوں
فتویٰ دیدیا کہ جو شخص اس کار خیر میں حصہ نہیں لے گا وہ مسیحیت سے خارج ہو جائے
مشہور مورخ گبن نے لکھا ہے:۔

> صلاح الدینؒ نے یورپ سے اپنی عظمت کا خراج جو اس ٹیکس کی
> شکل میں لیا وہ آج تک کسی تاجدار کو نصیب نہیں ہو سکا۔ رچرڈ نے
> مصارف جنگ کے لئے اپنی جاگیر بیچ دی۔ بڑے بڑے عہدوں کو
> نیلام کیا۔ رچرڈ کہتا تھا کہ اگر کوئی خریدار ہو تو لندن تک بیچنے کو تیار
> ہوں۔

جو لوگ خود کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے انھوں نے اپنے خرچ پر اپنی جانب سے
بھیجے۔ عورتوں نے اپنی اکلوتی اولادوں کو نذر کر دیا۔ بہرحال دو سال کی زبردست تیاری
بعد یہ لشکر فلسطین کی طرف بڑھا۔ مورخوں نے اس لشکر کی شان میں یوں قصیدہ خو
ہے:۔

یہ فوج نہیں بڑھ رہی تھی۔ ہتھیاروں اور سپاہیوں کا ایک سیلاب تھا جو عربوں کو
خاشاک کی طرح بہا دینے کے لئے امڈ آیا تھا۔

اس لشکر کی تعداد بعض مورخین نے چھ لاکھ اور بعض نے دس لاکھ لکھی ہے جتنے
ں اور مسیحی سربراہ اس جنگ میں شامل تھے۔ اس سے پہلے کسی صلیبی جنگ میں شریک
ہوئے تھے اور اس متحدہ طاقت کا مقابلہ ایک اور صرف ایک سلطان صلاح الدین کو
تھا۔

قیصر جرمنی فریڈرک جس نے سلطان صلاح الدین کو دھمکی آمیز خط لکھا تھا، وہ صرف
ئے کوچک تک پہنچ سکا جہاں دریائے سالس کو عبور کرتے ہوئے ڈوب کے مر گیا۔ خدا
شاید اس کا یہ انجام اس وجہ سے کیا کہ اس نے بھی فرعون کی طرح غرور کیا تھا جس
نتیجے میں وہ بھی دریائے نیل میں ڈوب کر مرا تھا۔ قیصر کرمنگ کی فوج کا صرف ایک
اور بعض کے مطابق صرف دو سو لشکری ارض فلسطین پہنچ سکے۔ باقی یا تو واپس چلے
یا راستے کے مصائب کا شکار ہو گئے۔ آسٹروی، اطالوی، برطانوی، فرانسیسی، اور جرمن
یہ کہ یورپ کے ہر ملک اور ہر خطہ کے صلیبی ارض فلسطین کی رواں دواں تھے۔

اس دوران سلطان قلعہ شقیف کے محاصرے میں مصروف رہا۔ اس نے پرنس ارناط کو
ماہ کی مہلت دی تھی کہ اس مہلت کے دوران ہی سلطان کو معلوم ہو گیا تھا کہ پرنس
نے اس کی رحمدلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ مہلت حاصل کی ہے اور پرنس اس
میں حاکم صور سے اپنے تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے۔ سلطان اگر چاہتا تو معاہدہ کی
ورزی کر سکتا تھا لیکن اس نے اس بد عہدی کا داغ دامن پر نہیں لیا اور معاہدہ کے
تین ماہ شقیف پر حملہ نہیں کیا۔ پھر جب ارناط نے مدت ختم ہوئے پر واپس آ کر
ن نے مزید مہلت حاصل کرنا چاہی تو بھی سلطان نے اسے یہ موقعہ دیا کہ وہ قلعہ
ن پر بغیر جنگ کے قبضہ کرا دے تو اسے معاف کر دیا جائے گا لیکن ارناط نے قبضہ
نے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر سلطان نے مجبور ہو کر اسے قید کر کے دمشق بھیج دیا۔
شقیف پر آئندہ تین ماہ بعد مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ مغرب والوں نے سلطان کے اس
کو نافہمی پر مجبول کیا ہے۔ قلعہ صور کے محاصرہ سے دستکش ہونے پر بھی مغرب والوں
سلطان کو کم فہم ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ سلطان کے بعض امرا اور خود سلطان کا
نگار بہاء الدین بھی قلعہ صور سے محاصرہ اٹھانے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ دراصل
زامات سلطان کو محض بدنام کرنے کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ صور سے
رہ اٹھانے نے شکست خوردہ نصرانی سرداروں، نائٹس ٹمپلرز اور بادشاہوں کو موقعہ دیا کہ
نبھل سکیں اور اپنی طاقت کو مضبوط کر سکیں لیکن سلطان کے معترضین یہ اندازہ نہیں
ے تھے کہ سلطان صلاح الدین کو کچھ ہی عرصہ بعد پورے دول یورپ کے شاہوں اور

شہنشاہ کے مشترکہ لشکر کے سامنے سینہ سپر ہونا ہے جو بیت المقدس کو مسلمانوں سے واپس لینے کے لئے ارض فلسطین کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ ان کے تو تصور میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ سلطان کو دس لاکھ نصرانیوں کے لشکر کے لشکر کا قابلہ کرنا ہو گا لیکن سلطان صلاح الدین کی دوربین نظروں نے آنے والے وقتوں کو دیکھ لیا تھا۔ اس لئے ایک طرف تو سلطان رضاکار لشکر کو اور دوسری طرف سلطانی افواج کو کچھ عرصہ آرام دے کر انھیں ایک خوفناک وقت کے لئے تیار کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ قلعہ شقیف کے محاصروں میں اپنی فوج کو الجھا کر ان میں بے دلی اور کاہلی نہیں پیدا کرنا چاہتا تھا۔

قلعہ صور کے باہر یورپ سے آنے والے صلیبی جنگجو اکٹھا ہو رہے تھے۔ ارض شام اور ارض فلسطین کے تمام بھگوڑے اور شکست کا داغ اٹھائے نصرانی لشکری اور بادشاہ بھی قلعہ صور کے باہر اکٹھے ہو چکے تھے۔ سلطان نے بھی تمام مسلمان علاقوں سے اسلامی لشکر کو از سرنو طلب کر لیا تھا۔ سلطان کے جاسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ یورپ کے نصرانیوں کا یہ کا یہ سیلاب عکہ کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔

"عالیجاہ۔۔۔" ایک جاسوس نے دست بستہ عرض کیا۔ "نصرانی لشکر میں اس وقت شاہ فرانس، شاہ اطالیہ، شاہ آسٹریا، قیصر جرمنی اور شاہ انگلستان بذات خود موجود ہیں۔ نائٹس اور ہاسپٹلرز کی اتنی کثیر تعداد موجود ہے کہ ان کی ایک الگ فوج تیار کی جا سکتی ہے۔ یورپ سے آنے والوں کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ ہزاروں کی تعداد میں صلیبی روزانہ صور پہنچ رہے ہیں۔۔۔"

سلطان کے پاس اس وقت اسلامی لشکر کے تقریباً تین درجن سردار موجود تھے۔ اس نے مناسب نہ سمجھا کہ تمام سرداروں کے سامنے اس گفتگو کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے بھتیجے تقی الدین اور موصل، دیار بکر، سنجار، الجزیرہ کے سرداروں کو روک کے باقی سرداروں کو رخصت کر دیا۔

"میرے جانبازو اور جاں نثارو۔۔" عام سرداروں کے جانے کے بعد سلطان نے اپنے ان خاص سرداروں کو مخاطب کیا۔ "تم لوگوں کو یاد ہو گا کہ قلعہ صور سے محاصرہ اٹھانے کے وقت ہمارے سرداروں میں کچھ اختلاف پیدا ہوا تھا۔ جہاں تک سلطانی لشکر کے سرداروں کا سوال تھا تو انھوں نے تو اپنی جانیں تخت دمشق کے لئے وقف کر دی ہیں لیکن رضاکاروں کی کیفیت ان سے مختلف ہے چونکہ انھیں اپنا گھر بار چھوڑے چھ ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ اس لئے انھیں کچھ دن کے لئے انھیں گھر بھیجنا ضروری تھا اور میں نے صور کا محاصرہ ختم کر کے ان کو رخصت دیدی۔ اس رخصت کا یہ نتیجہ ہے کہ آج وہ تمام لشکر خوشی خوشی

آ گئے ہیں۔ بہرحال یہ تو ایک پرانی بات تھی۔ اب مسئلہ اس جنگ کا جو ہمیں در پیش اس سلسلے میں آپ کے مشورے کی ضرورت ہے آپ لوگ بغیر جھجک کے ظاہر کر ہیں۔"

ب سے پہلے تقی الدین بولا۔ "عالیجاہ۔ تقی الدین سلطان کے ہر حکم کی تعمیل اپنا سمجھتا ہے۔ اس لئے میں سلطان کو مشورہ دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

تقی الدین کے بعد مظفر الدین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مظفر الدین، الرہا اور سے لشکر لے کر آیا تھا۔ "عالی مقام سلطان۔ میں نے سنا ہے کہ یورپ سے آنے نصرانی لشکروں کی مجموعی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں انیوں سے ڈرتا ہوں بلکہ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اتنے بڑے لشکر سے لڑنے میں کم کم مجھے ضرور لطف آئے گا۔"

سلطان نے اپنے سرداروں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "تاج دمشق کے جاں نصرانی لشکر کی تعداد خواہ کتنی کثیر کیوں نہ ہو تمھیں اپنے بہادروں پر فخر ہے۔ میرا ن ہے کہ جن جاں بازوں نے بیت المقدس سے نصرانیوں کو بے دخل کیا ہے وہ ان کو اس ارض پاک میں قدم نہیں رکھنے دیں گے، جو نبیوں اور پیغمبروں کی سرزمین کہلاتی ہم انشاء اللہ نصرانیوں کو ایک بار پھر اسی طرح شکست دیں گے جس طرح انہیں معرکہ میں شکست سے دوچار کیا تھا۔"

آمین۔ ثم آمین کی صدائیں بلند ہوئیں۔

سلطان نے ذرا رک کے کہا۔ "اس وقت مسئلہ یہ درپیش ہے کہ نصرانی لشکر صور سے کی طرف کوچ کرنے والا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ بہتر ہو گا کہ ہم لشکر کثیر کو عکہ کا موقع فراہم کر دیں پہلی جنگ ہی آخری جنگ ہو۔؟"

سلطان کے بھائی ملک العادل نے سر کو ذرا خم کر کے جواب دیا۔ "عالیجاہ۔ ہم اروں کی جانیں آپ پر تخت دمشق پر نثار۔ ہم لوگ اپنے آپ کو ایسے اہم معاملات الجھانا نہیں چاہتے۔ ہمیں تو صرف آپ کا حکم چاہئے۔"

ملک العادل جو سلطانی لشکر کا سپہ سالار بھی تھا اس نے جو صلاح مشورے سے دامن تو مظفر الدین کو کبری کو موقعہ مل گیا۔ استے فوراً کہا۔

"سلطان معظم۔ سپہ سالار ملک العادل نے سچ کہا کہ ہم لوگ صرف حکم کے بندے جنگی حکمت عملی تو ہمیشہ سلطان نے ترتیب دی اور اس پر عمل کر کے ہم نے معرکہ سر کر کے بیت المقدس کا راستہ کھولا تھا۔ اس وقت حکمت عملی آپ ترتیب دیں گے

ہم لوگ آنکھیں بند کر کے اس پر عمل پیرا ہوں گے۔"

جس طرح نصرانیوں کا قلعہ صور بہت مضبوط اور نا قابل تسخیر سمجھا جاتا تھا اسی طرح عکہ کا قلعہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا گڑھ تھا۔ سلطان صلاح الدین نے پیش بندی کے طور پر سردار قراقوس کو ملا کر عکہ کا دفاع اس کے سپرد کیا تھا۔ ایک پرانا سردار مشطوب پہلے ہی سے عکہ میں موجود تھا۔ آخر سلطان کو اطلاع ملی کہ نصرانی لشکر عکہ کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ سلطان نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کے سردار خود کو اس کی حکمت عملی کے اس قدر تابع سمجھتے ہیں کہ وہ سلطان کے کسی اقدام کی مخالفت کر ہی نہیں سکتے۔

صور اور عکہ کے درمیان سلطان کی بہت سی فوجی چوکیاں تھیں۔ نصرانی لشکر جس چوکی کے قریب سے گزرتا مسلم چوکی کے محافظ دستے اس پر حملہ کرتے۔ نصرانی لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے سلطانی دستے اس لشکر کو روک تو نہ سکتے تھے لیکن جس قدر جانی نقصان پہنچا سکتے تھے وہ انھوں نے پہنچایا۔ نصرانی لشکر ساحل کے ساتھ چل رہا تھا اور اسے سمندر میں اپنے محافظ بحری بیڑے کا تعاون حاصل تھا۔ یہ راستہ بہت کم چوڑا تھا شاید اسی وجہ سے سلطان نے اس لشکر پر راستے میں حملہ کرنے کے بجائے اسے عکہ جانے دیا۔

بحری راستہ غیر محفوظ تھا اور اس لئے سلطان نے خشکی کا راستہ اختیار کیا سلطان کا لشکر روانہ ہوا تو اس شان سے کہ وہ دن بھر سفر کے بعد رات کو کہیں قیام نہ کرتا بلکہ رات دن سفر کرتا ہوا صرف تین دن بعد قیف سے عکہ پہنچ گیا۔ اس نے عکہ کے سامنے والی پہاڑیوں پر اپنا کیمپ لگایا۔ اس نے شاہ تک یروشلم گائی لو سگنان' عکہ شہر کے بالمقابل تم مصلیقین پر اپنے خیمے لگا چکا تھا۔ سلطان چاہتا تھا کہ وہ نصرانی لشکر کے پہلو سے نکل کر اس سے آگے نکل جائے اور عکہ کا محاصرہ کرنے والے نصرانی لشکر کا خود بھی محاصرہ کر لے۔ اس حکمت عملی کی تکمیل کے لئے اس نے اپنے مورچوں کو دریائے بیلس سے آگے بڑھا کر العیادیہ کی پہاڑیوں تک وسیع کر دیا اور زیادہ شمال میں ساحل تک پھیل گیا۔

عکہ کا شہر اور بندرگاہ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔ عکہ کا شہر ایک خاکنائے پر واقع ہے جو جنوب میں پانی کے اندر چلی گئی ہے۔ شمال اور مغرب کی سمت یہ انتہائی محفوظ ہے۔ اس کے گرد برج اور فصیلیں ہیں جو اسے خشکی کی طرف سے محفوظ کرتے ہیں۔ جنوب اور مغرب میں سمندر کی وجہ سے اس پر حملہ نہیں کیا جا سکتا۔ شمال مشرق میں ایک عظیم برج ملعون تھا۔ اس کا نام ملعون اس وجہ سے پڑا کہ یہ یہودہ کی رشوت ستیوں کی آماجگاہ تھا۔

اسی طرح بندرگاہ کی حفاظت کے لئے برج مگیں تھا۔ مشہور تھا کہ یہاں پر ایک بہت

ہج تھا جہاں مکھیاں بھنبھنایا کرتی تھیں۔ پھر اسی جگہ ایک برج تعمیر ہوا اور اس نے برج یعنی "مکھیوں کا برج" کا نام پایا۔ شہر کی فصیل سے عکہ کا بڑا میدان دکھائی پڑتا تھا۔ میل لمبا یہ میدان شمالاً" جنوباً" پھیلا ہوا تھا۔ دریائے بیلس کی دو بڑی شاخیں' پھر ان ں کی بے شمار شاخیں اس میدان کو سیراب کرتی ہیں۔ جنوب میں دریائے کشون بہتا ہوا کے قریب سمندر میں گرتا ہے۔ مندر کے اندر پانچ میل کے فاصلہ پر نیچی نیچی پہاڑیاں جو مورچوں کا کام دیتی ہیں۔ پھر دو میل پیچھے کی طرف کوہ نسیان کا سلسلہ تھا جو میادن شرقی سرحد پر واقع تھا جو موسم سرما میں ملیریا سے محفوظ رکھتا اور فوج کے لئے کمینگاہ معائنہ چوکی کا کام دیتا تھا۔

سلطان صلاح الدین نے رجب المرجب کے باقی دن بالکل پر سکون طریقے سے رے۔ پھر جب شعبان کا مہینہ شروع ہوا تو سلطان نے حملہ کا حکم دیا۔ دن پھر شدید ہوتی رہی۔ ایک طرف پورا دل یورپ دوسری طرف سلطان کا اکیلا لشکر پھر بھی ں لشکر نے تمام دن نصرانیوں کو دبائے رکھا۔ رات ہوئی تو دونوں لشکر اپنے اپنے ٹھکانوں پس ہوئے۔ سلطانی لشکر نے رات میں بھی کمر نہیں کھولی اور صف بندی میں رہا۔ صبح ہی لشکر اسلام بڑے استقلال کے ساتھ میدان جنگ میں آیا۔ دوسرے دن سلطان بھتیجے تقی الدین نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور نصرانیوں سپائی کے آثار پیدا ہوئے۔

ناظرین کے ذہن میں یہ بات ہو گی کہ قلعہ اور شہر عکہ پر دونوں لشکروں کی صرف کی صورت کچھ اس طرح تھی کہ قلعہ عکہ میں صوف چار ساڑھے چار ہزار کا اسلامی تا جس کے سپرد شہر اور قلعہ کی حفاظت تھی۔ قلعہ کا باہر دو طرف خشکی اور دو طرف تھا۔ خشکی کی سمت نصرانیوں کا لشکر لاکھوں کی تعداد میں صفیں باندھے کھڑا تھا۔ ایک طرف تو سلطانی لشکر سے نبرد آزما تھا دوسری طرف قلعہ کے دروازے کے ہجوم در ہجوم جمع تھا تا کہ قلعہ کا لشکر باہر نہ نکل سکے۔ سلطان کو حسام الدین اور نے مطلع کیا تھا کہ قلعہ میں سامان رسد بہت تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ اس اطلاع طان کو پریشان کر دیا تھا۔

غربی مورخین نے صلیبی جنگ کی تفصیل بیان کرنے میں ہمیشہ ابہام سے کام لیا ہے۔ ں کو اگر ذرا سی کامیابی حاصل ہوتی تو وہ خوب بڑھا چڑھا کے فتح کا ڈھنڈورا پیٹتے مگر ں کے کارناموں کو ہمیشہ دھندلا دیتے اور غلط تاویلیں پیش کر کے حقیقت کو چھپانے ش کرتے۔ 14 - 15 ستمبر کو دوپہر کے وقت تقی الدین نے جو سلطانی لشکر کے میمنہ

(دایاں بازو) کی کمان کر رہا تھا۔ نعرہ تکبیر بلند کر کے نصرانیوں پر ایسا طوفانی حملہ کیا کہ ا
اسے نہ روک سکا اور کائی کی طرح سامنے سے پھٹ گیا۔ تقی الدین فوراً" دشمن کی ا
میں داخل ہو گیا اور اس نے ان کے درمیان راستہ بنانا شروع کر دیتا۔ یہ بات بعد میں
کہ سلطان نے تقی الدین کو حکم دیا تھا کہ آج اسے دشمن کی صفوں میں گھس کے ر
فصیل شہر تک ضرور پہنچنا ہے۔

تقی الدین میمنہ کے ساتھ نصرانی صفوں میں داخل ہوا تو سلطان فوراً" گھوڑا چمکا
ہوتے ہوتے نصرانیوں پر جا پڑا۔ سلطان قلب فوج کی کمان کر رہا تھا۔ وہاں سے وہ
محافظ دستے اور قلب لشکر کے ساتھ تقی الدین کے ساتھ ہی نصرانی صفوں پر حملہ آور
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کی فوجوں کے درمیان اسلامی لشکر گاہ سے عکہ کی فصیل شہ
ایک چوڑا راستہ بن گیا۔ اب ذرا آپ چشم تصور سے دیکھئے تو یہ منظر کس قدر حیرت
معلوم ہوتا ہے۔

اس منظر کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جب ایک تیز رو پہاڑی دریا میدان میں
ہے تو وہ زمین (خشکی) کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے اپنے لئے ایک راستہ بنا لیتا
اور خشکی اسے راستہ بنا لیتا ہے اور خشکی اسے راستہ دینے پر مجبور ہو جاتی ہے یہی عا
دن دوپہر کو صلیبی جنگ کا تھا۔ دس لاکھ کے نصرانی لشکر کے درمیان میں سلطانی لشکر
بزور شمشیر ایک اتنا چوڑا راستہ بنا لیا تھا جس سے اونٹوں کی قطار گزر سکتی تھی راستہ
کے بعد سلطان نے جو خود اس راستہ کے درمیان کھڑا تھا' تقی الدین کو حکم دیا۔

"تقی الدین۔ لشکر گاہ میں اطلاع بھیجو کہ فوجی سامان سے لدے ہوئے اونٹوں
راستے سے عکہ پہنچایا جائے۔"

تقی الدین۔ نے بڑے فخر سے گردن اٹھا کر راستے کے دونوں طرف پھیلے ہوئے ا
نصرانیوں کو دیکھا پھر سر جھکا کر کہا۔

"عالیجاہ۔ خادم تعمیل ارشاد کے لئے خود لشکر گاہ میں جا رہا ہے۔"

تقی الدین نے لشکر گاہ کا رخ کیا اور سلطان گھوڑے بڑھا کر فصیل شہر کے درو
سے گزر کر شہر میں پہنچا۔ قلعہ دار سردار قراقوش نے سلطان کو سلام پیش کیا۔

"سلطان کا عکہ میں تشریف لانا مبارک ہو۔ سلطانی لشکر کے حوصلے بلند ہیں۔"

سلطان گھوڑا چھوڑ کر فصیل شہر پر چڑھا۔ قراقوس اس کے پیچھے تھا۔ سلطان نے
گھما کر دیکھا تو تا حد نظر نصرانی لشکر صفیں باندھے موجود تھا۔ اس وقت بھی جنگ ج
تھی لیکن یہ جنگ سمٹ کر سلطانی خیمہ گاہ سے فصیل شہر عکہ تک نصرانی فوج کے د

ے ہوئے راستے تک محدود تھی اس راستہ کے زبردست حملوں کو پسپا کر کے راستہ برقرار
ے ہوئے تھے۔ وہ منظر بھی کیا عجب ہو گا کہ سلطان صلاح الدین فصیل شہر سے نصرانیوں
ی درمیان بنے ہوئے راستے پر نظریں جمائے کھڑا ہے اور اس راستے کے آغاز پر سردار
ی الدین گھوڑے پر سوار موجود ہے اور لشکر گاہ سے سامان حرب اور رسد کے بھرے
ے اونٹ عکہ کی طرف رواں دواں ہیں۔

ایک انگریز مورخ کہتا ہے کہ اس وقت تک صلیبی لشکر پوری طرح عکہ کی ناکہ بندی
ے قابل نہ تھا۔ اس نے یہ کہہ کر اپنی یہ خفت مٹانے کی کوشش کی ہے کہ سلطان نے
لبی لشکر کے درمیان اپنی طاقت کے زور پر ایک اتنا چوڑا راستہ بنا لیا تھا جس سے اونٹ
مان نوش لے کر سلطانی لشکر گاہ سے عکہ سے لشکر اور قلعہ میں داخل ہو رہے تھے۔
نٹوں کا یہ ایک ایسا قافلہ تھا جو دوپہر سے شام تک قلعہ کے محصورین کے لئے سامان
پاتا رہا۔

اس راستہ کے شروع میں تقی الدین کی آواز بار بار بلند ہوتی۔

"شاباش بہادرو۔ اپنا کام جاری رکھو۔"

دوسری طرف سلطان کی آواز ابھرتی۔

میرے جاں نثارو۔ تم اپنی شجاعت اور بہادری کی ایک داستان رقم کر رہے ہو جس کی
ل تاریخ عالم میں موجود نہیں۔"

سلطان صلاح الدین ایک طرف تو اپنے بہادروں کو ایک ناقابل یقین کارنامہ انجام دینے
انھیں شاباشی دے رہا تھا تو دوسری طرف اس کی نظریں عکہ کی دفاعی انتظامات پر تھیں۔
اہم مورچوں اور برجوں پر حسب ضرورت فوجی دستے مقرر کر رہا تھا اور سرداران کو
روری ہدایات دیتا جا رہا تھا کیونکہ یہ دفاعی انتظامات ایک طویل عرصہ کے لئے تھے اور
طان کو خود یقین نہ تھا کہ وہ کس وقت تک عکہ سے رابطہ برقرار رکھ سکے گا۔ اندھیرا
لتے ہی سلطان نے کردوں کے سردار حسام الدین کو طلب کیا۔

"حسام الدین۔ اگر چہ عکہ کا دفاع ایک طویل عرصہ تک کام دے سکے گا پھر بھی ہم
تے ہیں کہ تم اپنے دستوں کے ساتھ قلعہ عکہ کے دفاع میں قراقوس کا ہاتھ بٹاؤ۔"

"جو حکم عالیجاہ۔" کردوں کے سردار حسام الدین نے سر کو ذرا سا خم کر کے جواب
"میرے بہادر کرد عکہ کے دفاع پر قربان ہونے پر فخر کریں گے۔"

کردوں کے یہ جنگجو دستے کئی بار آزمائش سے گزر چکے تھے اور اگر دفاع کا کام سونپا جاتا
یہ اپنے مقام پر اس طرح چپک جاتے کہ دیکھنے والوں کو یہ شبہ ہوتا کویا وہ اپنے ذاتی گھر

کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہ روایت بھی مشہور ہے کہ کرد قبائل اپنے مورچوں میں ا
قبریں پہلے ہی سے کھود لیتے تھے۔

اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے سلطان نے قلعہ عکہ میں ضروری اشیاء کا اتنا بڑا ذخیرہ کر
کہ اگر محاصرہ ایک سال تک جاری رہتا تو بھی قلعہ والوں کو باہر سے کسی قسم کے سامان
ضرورت نہ ہوتی۔ اس اہم کام کی تکمیل کے بعد سلطان، تقی الدین اور راستہ بنانے وا
لشکر سلطانی خیمہ گاہ کو اس طرح واپس ہو گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں مگر معرکہ عکہ کی تا
میں یہ بات جلی حروف میں سرقم کر دی گئی کہ تیسری صلیبی جنگ کے دوران ایک ایسا موق
آیا کہ سلطان صلاح الدین عکہ کے مسلمان محصورین کو صلیبیوں کے لاکھوں محاصرہ کر
والوں کے درمیان راستہ بنا کر سامان رسد سے بھرے ہوئے اونٹ قلعہ عکہ میں پہنچا
اور صلیبیوں کا لشکر منہ دیکھتا رہا اس کے بنائے کچھ بھی نہ بن سکی۔

عکہ کا محاصرہ طول کھنچتا چلا جا رہا تھا۔ صلیبیوں نے لاکھ سر مارا، سینکڑوں تدبیریں کیں
لیکن عکہ کے ساڑھے چار ہزار محصورین روزاول کی طرح جمے رہے۔ عکہ کا قلعہ تو ایک
طرف رہا صلیبی سورما اپنے ہزاروں حملوں کے باوجود شہر کی فصیل تک بھی نہ پہنچ سکے۔
مسلمانوں کے لئے یہ بہت آسان تھا کہ وہ قلعہ کے دروازے کھول کے لڑتے بھڑتے او
نصرانیوں کی صفیں توڑتے ہوئے سلطانی لشکر سے آملتے یا سلطانی لشکر پہلے ہی کی طر
دشمنوں کی صفوں میں ایک بار پھر راستہ بنا کے قلعہ تک پہنچتا اور قلعہ والوں کو اپنی حفاظت
میں قلعہ سے نکال کر اسلامی خیمہ گاہ تک لے آتا مگر نہ قلعہ والوں نے چھوڑنا پسند کیا او
نہ سلطان نے قراقوش کا کردوں کے سردار حسام الدین کو قلعہ چھوڑنے کا حکم دیا۔

محاصرہ کی مدت جتنی طویل ہوتی جا رہی تھی اسی اعتبار سے مخالف لشکروں کی دشمنی
تنگ مزاجی اور نفرت میں کمی ہو رہی تھی۔ یہ بات نہیں کہ نصرانی اور مسلمان آپس میں
دوست ہو گئے تھے کیونکہ ان دونوں قوموں، دونوں مذہبوں اور دونوں کے تمدن اور روایات
میں بعدالمشرقین تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے ازلی اور ابدی دشمن تھے۔ نصرانی (عیسائی)
تثلیث پرست تھے یعنی وہ تین خداؤں کو ملا کر ایک خدا بناتے تھے۔ ان کا ایک خدا تو
حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جنھیں نصرانی خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ ان کا دوسرا خدا حضرت بی بی
مریم علیہ السلام تھیں جن کے بطن سے حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور تیسرا
خدا وہ ان دیکھا خدا تھا جو ان کے خیال میں حضرت عیسیٰ کا باپ تھا۔ ان تینوں کو ملا کے وا
ایک خدا کو تسلیم کرتے تھے۔

لیکن مسلمان صرف ایک خدائے واحد کی پرستش کرتے ہیں جو ہر چیز کا مالک اور خالق

اس کا نہ تو کوئی باپ ہے اور نہ بیٹا۔ وہی افضل و اعلیٰ ہے اور اور اسی اور اسی کے
میں سب سر جھکاتے ہیں۔ اس نے دنیا کی ہر چیز پیدا کی ہے مگر اسے کسی نے پیدا
کیا۔ وہ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ اس نے ہر زمانہ اور ہر قوم میں اپنے نبی
تاکہ وہ راہ حق سے بھٹکنے والوں کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے اس عالم فانی میں

ں مختصر تبصرے میں نصرانیوں (عیسائیوں) اور مسلمانوں کے مذہب کی موٹی موٹی باتیں
گئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مذہب ایک دوسرے سے مختلف اور مخالف
ضرت عیسیٰ جنھیں نصرانی خدا کا بیٹا کہتے ہیں ہم انھیں خدا کا ایک عظیم پیغمبر اور
مانتے ہیں ان کی لائی ہوئی آسمانی کتاب "انجیل" کو مسلمان تسلیم کرتے ہیں لیکن
ضرت عیسیٰ کی انجیل مقدس میں ان کے مصلوب ہونے کے بعد بے شمار تبدیلیاں کی
ور ایک انجیل کے بجائے کئی انجیلیں بن گئیں اس لئے مسلمان اس کے مندرجان کو
لیم کرتے۔

طرح مسلمانوں کے مذہب اسلام اور عیسائیوں کے عیسائی مذہب یا نصرانی مذہب
بڑا فرق ہے اس لئے ان دونوں مذاہب کے پیروکاروں میں جنھیں مسلمان اور
ا جاتا ہے ہمیشہ سے دشمنی اور نفاق ہے اور ان کے درمیان مذہبی جنگیں جنھیں
جنگ" کہا جاتا ہے، ہوتی رہی ہیں، ہو رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔
انی لشکر کا نصرانیوں کے درمیان راستہ بنا کر قلعہ عکہ میں سامان حرب اور فوجی
نچانے کا واقعہ اس قدر حیرت انگیز ہے کہ اس پر مغربی ممالک کے لوگ یقین کرنے
آمادہ نہ ہوتے تھے لیکن اس واقعہ کا بڑا تفصیلی احوال بہاء الدین نے لکھا ہے جو
لاح الدین کا نہ صرف سوانح نگار بلکہ ایک مستند مورخ بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ بہاء
ور بھی سلطان کے ساتھ نصرانیوں کے درمیان بنائے جانے والے راستے سے قلعہ
تھا۔ بہاء الدین نے اس کی بہت کچھ تفصیل لکھی ہے لیکن اس کا ایک جملہ معرکہ
اریخ کا حصہ بن گیا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"میں بھی دوسرے جانبازوں کی طرح دیوار پر چڑھا اور سب سے پہلے
جو چیز میرے ہاتھ میں لگی وہ میں نے اٹھا کر دشمنوں پر کھینچ ماری۔"

الدین کی تحریروں کو مغربی مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں اس لئے انھیں بہاء الدین کا
جملہ اپنے بیانات میں شامل کرنا پڑا۔

دو جانی دشمن زیادہ عرصہ تک قریب رہیں تو ان کے درمیان بھی ایک

معاندانہ قسم کی رفاقت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے سے نفرت کرنے کے با
بعض مشاغل میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے لگتے ہیں۔ عکہ کے محاذ پر کچھ ایسا ہو
مسلمان اور عیسائی لڑتے لڑتے رک جاتے اور اپنے بچوں جو دوسرے مذہب کے بچوں
ساتھ کشتی لڑتے ہوئے دیکھنے لگتے۔ جب دو مخالف بچے ایک دوسرے سے گتھم گتھا
جاتے تو لشکری جنگ بھول کے بچوں کی کشتی دیکھنے لگتے اور ان کی حوصلہ افزائی بالکل
طرح کرتے جیسے مرغ باز' مرغوں کو لڑاتے ہوئے اپنے اپنے مرغ کا حوصلہ بڑھانے کے
آوازیں لگاتے ہیں۔

دونوں طرف کے فوجی روزانہ کی جھڑپوں کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ اکثر او
لڑتے رک جاتے اور آپس میں روزمرہ کی گفتگو شروع کر دیتے یا پھر اپنے بچوں کو مر
طرح بغلوں میں دبا کر لے آتے اور انہیں لڑا کے لطف اٹھاتے۔ اس کے باوجود ان کے
کی کدورتیں ختم نہ ہوتی تھیں اور وہ اکیلے دوکیلے ایک دوسرے کی گردن اتارنے سے
قطعی دریغ نہ کرتے۔

اس طرح کی چھوٹی موٹی جھڑپوں میں بیس دن کے قریب گزرے اور ستمبر کا مہینہ
ہو کے اکتوبر آ گیا۔ 4 اکتوبر سنہ 1189ء کو فرینکس (نصرانیوں) میں حرکت پیدا ہوئی ہو
ان کا لشکر ساحل سمندر سے نہر نعمین تک دو میل کی لمبائی میں عکہ کے گرد نیم دائرے
شکل میں صف در صف پھیل گیا۔ میمنہ میں یروشلم کا شاہ گائی او سگناں تھا۔ شاہ گائی
شکست اور مسلمانوں کو ہاتھوں اپنی گرفتاری بھول چکا تھا اور اس سلطان کے مقابلہ پر نکلا
جس نے اسے اس شرط پر رہا کیا تھا کہ وہ آئندہ سلطان کے خلاف کبھی تلوار بلند نہ کر
گا۔ دراصل شاہ یروشلم کو زندگی بھیک میں ملی تھی۔ شاہ کی ملکہ سبل نہ سلطان کے سا
پیش ہو کے اپنے شوہر کی زندگی کی بھیک مانگی تھی جو سلطان نے اسے بخش دی تھی۔ مگر
شاہ یروشلم بے غیرتی سے سر بلند کئے سلطان کے خلاف نصرانیوں کے میمنہ (دایاں با
کو کمان کر رہا تھا۔

نصرانیوں کے لشکر کے سب سے آگے حسب معمول تیر انداز دستے تھے۔ اس کے
نائٹس اور پیادے تھے۔ شاہ گائی کے آگے ریشمی چھتر کے سائے میں انجیل مقدس
جائی جا رہی تھی۔ قلب لشکر میں مارکوئیس کونریڈ اور لوئیس کی کمان تھی۔ دوسری طر
اسلامی لشکر میں قلب کی کمان سلطان صلاح الدین کے ہاتھ میں تھی۔ سلطان کے دا
جانب اس کے دو بیٹے افضل اور ظاہر تھے۔ میسرہ بردیار بکر کی افواج تھیں اور میمنہ پ
شام کی تجربہ کار فوجیں تھیں جن کی کمان تقی الدین کے سپرد تھی۔

لطان کے بائیں جانب کرد قبائل' سنجاہ کی سپاہ اور حران کے گلبری سپاہی تھے۔ میسرہ
بر کوہ کے زمانہ کے وہ ممالک تھے جنھوں نے مصر فتح کیا تھا۔ سلطان نے تمام اہم اور
مورچوں پر تجربہ کار افواج تعینات کی تھیں لیکن قلب فوج جس میں وہ خود موجود تھا
لطان کے حفاظتی دستوں کے ساتھ الجزیرہ اور کردستان کے کم تجربہ کار دستے مقرر
ے تھے۔

رانیوں اور مسلمانوں میں آج وہ پہلی عظیم جنگ ہوئی جسے تیسری صلیبی جنگ کا آغاز
یے۔ نصرانیوں نے طلوع آفتاب کے چار گھنٹے بعد سلطانی لشکر کے میمنہ پر زبردست
ملہ کیا۔ اس حصہ کی کمان سلطان کے برادر زادہ تقی الدین کے ہاتھ میں تھی۔ اس
رہ منصوبہ کے مطابق پسپا ہونے کا مظاہرہ کیا۔ جب تقی الدین پسپا ہوتا ہوا خیمہ گاہ
نچ گیا تو سلطان نے مجبوراً" اس کی مدد کو قلب فوج سے کچھ دستے روانہ کئے۔ دشمن
ب فوج کو کمزور دیکھ کر سوار اور پیادوں سے قلب پر زبردست حملہ کر دیا۔ سلطان نے
ردوں کو اندر آنے کے لئے جگہ دیدی۔ حملہ آوروں میں نائٹس سواروں کی کثرت
اپنے زوز میں مسلمانوں کو دباتے چلے گئے۔

لطان نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور حملہ آور نائٹوں اور پیادہ فوج کے گرد گھیر
انھیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ عکہ والوں نے بھی قلعہ سے نکل کر حملہ کر دیا۔ اس
لہ آوروں کو واپس آتے یا بھاگنے کا موقعہ نہ مل سکا اور نصرانیوں کو شکست فاش
اس لڑائی میں مارکوئیس کونریڈ مرتے مرتے بچا۔ اگر شاہ یروشلم اس کی مدد نہ کرتا تو
ہو گیا ہوتا۔ اس جنگ میں اینڈروبرو نے بھی مارا گیا۔ اس سے بڑا نقصان ماسٹر آف
ں کا تھا۔ اس کا نام جیراڈ آف رائڈفرد تھا جو عکہ کے میدان میں مارا گیا۔ یہ شخص
پردر تھا اور اس کی ہوس رانیوں نے نصرانیوں کے درمیان بڑا تفرقہ پیدا کیا تھا۔
ہے کہ ماسٹر آف دی ٹیمپل کی ہوس کا بہت سی امرا کی بیگمات شکار ہوئی تھیں اور
ل نے اپنے بہت سے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتروا دیا تھا۔

رب کے مورخوں نے اس جنگ کے بارے میں یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ اس میں
ورتیں بھی زرہ بکتر پہن کے مسلمانوں کے مقابلہ پر بڑی تھیں۔ زرہ بکتر میں ان کا
ا ہوا تھا اس لئے پہچان میں نہ آیا پھر جب وہ گرفتار ہوئیں تو عقدہ کھلا کہ مردوں
ں میں وہ عورتیں تھیں لیکن یہ بات مہمل اور لغو ہے اس لئے کہ مسلم مورخین
بہاء الدین جو ہمیشہ سلطان کے ساتھ رہتا تھا اور ابن خلدون نے اس کا کوئی ذکر
۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے الزامات مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے لگائے گئے

تھے۔

اس جھوٹ کا الزام تو اس طرح کھل جاتا ہے کہ نصرانی لشکر کی تعداد لاکھوں تک
اور اس جنگ میں انہیں کوئی مجبوری بھی نہ تھی تو پھر انہیں کیا ضرورت تھی کہ وہ اور
کو زیادہ بکتر پہنا کے میدان جنگ میں بھیجتے۔ اس طرح کے اور بہت سے رکیک حملے نص
والوں نے مسلمانوں کے کردار پر کئے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہمیشہ ظالم اور سفاک
نام سے پکارا ہے۔ انہیں بہادر کہنے کے بجائے بزدل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

نصرانی مورخوں نے اس جنگ میں عیسائی مقتولین کی تعداد صرف پندرہ سو (1500
بتائی ہے جبکہ بہاء الدین جو اس جنگ کا غیبی شاہد ہے اس نے عیسائی مقتولین کا کم ا
اندازہ چار ہزار (4000) لگایا ہے۔ مسلمان شہیدوں میں کردوں کا ایک لیڈر، ایک
امیر اور صرف ایکسو پچاس سپاہی (150) شامل تھے۔ نصرانیوں نے اس تعداد کو
(150) کو پندرہ سو کر دیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ دیار بکر کے سپاہی ہ
کر بھاگ تھے اس افراتفری میں ان کا زیادہ نقصان ہوا۔

سلطان نے عکہ کی پہلی بڑی جنگ میں عظیم فتح حاصل کی تھی مگر اس کو کیا جا
دشمن قوم کے مورخ مسلمان کی ہر فتح کی غلط تاویلیں پیش کر کے اسے شکست سے
کی کوشش کرتے ہیں انہیں سلطان کی اس روز روشن کی طرح واضح فتح سے انکار رنے
جرات نہ ہوئی مگر انہوں نے حسب عادت غلط تاویلوں کا سہارا لیا ان کے بیان کے م
سلطان نے فتح حاصل کرنے کے باوجود اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اگر سلطان چاہتا تو
حملہ کر کے نصرانیوں کی طاقت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر سکتا تھا لیکن سلطان نے دشم
حملہ کرنے کے بجائے اپنا مقدمہ سرداروں کے سامنے پیش کیا۔ اس نے بڑے
سرداروں کی مجلس شورت منعقد کی اور انہیں مخاطب کیا۔

"میرے وفادارو۔ دشمن دین اور دشمن خدا ہمارے ملک میں
گھس آیا۔ فتح ہم پر چمک رہا ہے۔ ہم نے دشمن کے لشکر کو کافی
نقصان پہنچایا ہے باقی لشکر جو رہ گیا ہے انشاء اللہ اسے ہم برباد کر
کے رکھ دیں گے۔ یہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ آپ کو علم ہے کہ مصر
سے الملک العادل کمک لے کر آ رہا ہے، اگر مصر سے کمک پہنچنے تک
دمشق اپنے مورچوں پر قابض رہا تو اس کی طاقت بڑھ سکتی ہے۔
اب آپ اپنی رائے ظاہر کیجئے کہ اس موقعہ پر جنگ بہتر ہو گی یا کمک
کا انتظار۔"

یہاں اس بات کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 4 اکتوبر کو اچانک نصرانیوں نے
ئی جنگ کا ڈول ڈالا تھا۔ اس وقت ان کا انداز جارحانہ تھا لیکن جب سلطان نے ان
ی کو روک کر جوابی حملہ کیا تو ان کے قدم میدان سے اکھڑ گئے اور وہ چار ہزار لاشیں
میں چھوڑ کے اپنی خیمہ گاہ میں جا چھپے پر اس سے اگلے دن جب سلطان لشکر لے کر
میں اترا تو اسے بتایا گیا کہ نصرانی لشکر نے اپنے گرد گہری خندق کھود لی ہے اور وہ
طرح حملہ کرنے کے بجائے خندق میں چھپ کے مدافعت کرنا چاہتے ہیں۔ اس اہم
سلطان نے مندرجہ بالا تقریر کی تھی۔

سلطان کا یہ دستور تھا کہ وہ حکمت عملی خود تیار کرتا تھا لیکن اس سے پہلے تمام
ں کو جمع کر کے ان کی رائے معلوم کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ سرداروں کو یہ علم تھا کہ
جو کچھ طے کر چکا ہے عمل تو اسی پر ہوتا ہے پھر وہ اس کی مخالفت کیوں کریں۔ مجلس
کے انعقاد میں سلطان نے جو تقریر کی تھی اس کے آخری جملہ میں سلطان نے اس
عندیہ دیا تھا کہ اگر شکست خوردہ لشکر کو سنبھلنے کا موقعہ دیا گیا تو ان کی طاقت بڑھ
گی۔ اس سے ظاہر ہوتا کہ سلطان فوری حملے کے حق میں ہے مگر مجلس شورت کا جو
وہ اس کے خیال کے بالکل برعکس تھا یعنی فوراً حملہ سے گریز کیا جائے اور فوجوں کو
یا جائے۔ اس فیصلہ کو دشمنان اسلام نے غلط اور غیر دانشمندانہ قرار دیا ہے ان کے
ں سلطان اگر فوری طور پر نصرانی لشکر پر حملہ آور ہو جاتا تو نصرانیوں کو سنبھلنے کا
ملتا اور سلطان کو حطین کی طرح "فتح عظیم" کا موقعہ ہاتھ لگتا۔

لطان کے پیش نظر صرف عکہ کا محاصرہ ہی نہ تھا۔ عکہ میں صرف ساڑھے چار ہزار
محصور ہے جن کے پاس مہینوں بلکہ برسوں کے لئے سامان رسد موجود تھا اس کے
لطان کو اپنے لشکر پر بجا طور پر ناز تھا اور اسے امید تھی کہ اگر آئندہ کسی موقعہ پر
ں کے پاس کسی طرح کی کمی ہوئی تو وہ ایک بار پھر دشمن لشکر میں راستہ بنا کر عکہ
میں سامان پہنچا سکتا ہے اور اگر اس نے ضروری محسوس کیا تو وہ عکہ خالی کر کے
یوں کو با آسانی قلعہ سے واپس لا سکتا ہے۔ مگر اس وقت اپنے لشکر کو ایک فضول
میں الجھا کر عکہ کے باہر پڑا رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ پھر وہ کیونکہ اپنے اس
کی اور کام میں لگائے تاکہ اس کا لشکر یورپ سے آنے والے اس بڑے طوفان کا
نے کے قابل ہو سکے جو بڑے کف گرج کے ساتھ فلسطین کی طرف آ رہا تھا۔

طان صلاح الدین ایوبی کی اپنے سرداروں کے ساتھ یہ حکمت عملی تھی کہ وہ ایک
اتا اور اس پر خوب غور و خوض کرنے کے بعد جب کسی نتیجے پر پہنچ جاتا تو اپنے

سرداروں کو مشورے کے لئے طلب کرتا اور بات اس انداز سے شروع کرتا کہ ا
سردار اس کے مقصد کو نہ سمجھ سکتے۔ ان کے درمیان بحث و مباحثہ شروع ہو جاتا۔
ان کی گفتگو غور سے سنتا پر اس طرح فیصلہ کرتا کہ سرداروں کو یہی گمان رہتا کہ سلط
ان کی بحث کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے جب کہ وہ فیصلہ اس نے پہلے ہی کر لیا ہوتا تھا۔

آخر سلطان نے فیصلہ کر دیا اور فیصلہ یہ تھا کہ ملک العادل کی کمک کا انتظار کر
اور لشکر کو آرام کرنے کے لئے رخصت دی جائے۔ اگر عکہ کے حالات پر غور کیا
یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ سلطان عکہ کے محاذ سے کیوں واپس ہوا جبکہ ا
نصرانیوں کے خلاف ایک بڑی فتح حاصل کی تھی سلطانی فوجیں گزشتہ پندرہ ماہ سے
جنگ و جدل کی حالت میں چل آ رہی تھیں جس سے ان میں تکلیف کا پیدا ہونا ایک
عمل تھا دوسری بات یہ تھی کہ نصرانیوں سے جو معرکے ہوئے تھے اس میں دشم
مقتولین کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی تھی اور ان کی بے گور و کفن لاشیں میدان می
سڑ رہی تھیں۔ ان کی عفونت نے فضا مکدر کر دی تھی۔ سلطان پر درد قولنج کا پہلے بھ
ہوا تھا اور اب پھر اس کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔

سلطان کی عمر پچاس کے اوپر ہو چکی تھی وہ اگرچہ مضبوط اعضاء کا باہمت اور
مند انسان تھا لیکن موسموں کی سختی، گرمی، سردی، بارش، میدان اور کبھی سخت چٹانیں۔
دھوپ میں گھنٹوں کھڑے ہو کر لشکری کام کی دیکھ بھال کرنا پڑتی تھی ان تمام باتوں
کی صحت پر برا اثر کیا تھا۔ سلطان کے اطباء اسے آرام کا بار بار مشورہ دیتے تھے۔
العادل اگرچہ مصر سے کمک لے کر روانہ ہو چکا تھا مگر اس کے آنے میں ابھی دیر
سلطان نے یہ بھی فیصلہ کیا تھا (جس کا اس نے کسی سے اظہار نہیں کیا تھا) کہ وہ خو
سے گریز کرے گا اور نصرانیوں کو اس وقت تک الجھائے رکھے گا جب تک جب
یورپ کے تمام نصرانی لشکر ارض فلسطین نہیں پہنچتے۔ سلطان کا اصل معرکہ تو ان
ہونا تھا۔ اس لئے وہ اپنے ایک ایک سپاہی کو بچا بچا کے رکھ رہا تھا۔ سلطان پر الزام
اس نے عکہ کو نصرانیوں کے ہاتھ میں بے یار و مددگار چھوڑ کر دوسری غلطی کی لیکن یہ
بھی پہلی بات کی طرح غلط ہے۔

اکتوبر کے مہینہ میں سلطانی لشکر طے شدہ منصوبہ کے تحت عکہ کے شمال میں پہا
سے واپس ہونا شروع ہوا۔ سلطان کی یہ مراجعت عارضی تھی۔ اس لئے کہ بارشیں
ہو چکی تھیں اور موسم بہار تک جنگ کے لئے میدان بیکار ہو چکا تھا سلطان اگرچہ واپ
گیا تھا لیکن عکہ کے گرد اس کی مدافعتی اور دیکھ بھال کرنے والی چوکیاں قائم تھیں

ں کے چھوٹی موٹی جھڑپوں کے باوجود ایک بڑی خندق کھود کر خود کو محفوظ کر لیا تھا۔
ادھر سلطان نئی فوج بھرتی کرنے میں مصروف تھا۔ مصر سے سلطان کا بھائی ملک العادل
لے کر پہنچ گیا تھا۔ زمین فوج کے علاوہ مصر سے پچاس جہازوں کا ایک بحری بیڑہ میں
جس کی کمان اس دور کے عظیم امیر البحر مونو' کے ہاتھ میں تھی۔ اس بحری بیڑے
ں ہزار کے قریب ملاح ساحل پر اتر گئے تھے جو نصرانیوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے
ش کی وجہ سے علاقہ میں اس قدر کیچڑ ہو گیا تھا کہ دست بہ ست لڑائی ممکن نہ تھی
ے کا کوئی موقعہ نہ آیا۔

ں دوران سلطان پھر واپس آیا۔ اس نے عکہ کے دفاع اور سامان رسد کا معائنہ کیا
دستے لے کر الخروبہ چلا گیا اور موسم بہار کا انتظار کرنے لگا کیونکہ بہار سے پہلے
سفر کے لئے ناکارہ رہتی تھیں یہ وہی وقت تک جب مصر جرمنی فریڈرک اپنے لشکر
نہ اس ارادے سے چلا تھا کہ ارض فلسطین پہنچ کر سلطان کو سزا دے اور بیت
و مسلمانوں کے ہاتھوں سے واپس لے لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی اور وہ
ر کرتے ہوئے ڈوب کے مر گیا اور اس کی آرزو بھی اسی کی طرح تہہ آب چلی

لطان کو قیصر جرمنی فریڈرک کے مرنے کی اطلاع آرمینیا کے کیتھولک باشندوں
ا تھی۔ یہ لوگ مشرقی روم یعنی قسطنطنیہ کے رومی شہنشاہ کے حامی تھے اور اس
ہی سلطان کے بھی وفادار تھے۔ ان لوگوں نے سلطان کے حضور پیش ہو کے عرض

ے مسلمانوں کے عظیم سلطان۔ قسمت نے قیصر جرمنی فریڈرک کے ساتھ پیش دیا
ئے ساس پار کرتے ہوئے ڈوب کر مر گیا۔"
ر جرمنی کے ساتھ کتنا لشکر آ رہا تھا؟" سلطان نے دلچسپی سے پوچھا۔
ا ہزار۔۔۔" کیتھولک قاصد نے انکشاف کیا۔
ے قبل ذکر ہو چکا ہے کہ بیت المقدس کے اسقف اعظم نے یورپ کے تمام
وم پھر کے بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ کا رونا رویا تھا اور تمام بادشاہوں
قدس کی واپسی کے لئے فوجی مدد طلب کی تھی فریڈرک اس پروپگنڈے سے ایسا
اکہ اس نے فوراً سلطان کو ایک خط روانہ کیا تھا جس میں بڑے گستاخانہ انداز
و مخاطب کر کے تنبیہہ کی گئی تھی کہ سلطان فوراً بیت المقدس کا قبضہ چھوڑ
ایک بڑے لشکر کے ساتھ اسے (سلطان کو) سزا دینے فلسطین آئے گا۔ سلطان

نے اس خط کی کوئی پروا نہ کی تھی اور فریڈرک بڑے طیش کے عالم میں ایک لشکر جرار ساتھ فلسطین روانہ ہوا تھا۔

سلطان کو کیتھولک قاصد کی بات پر یقین نہ آیا۔ اس نے پھر سوال کیا۔ "تم پچاس ہزار کا لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟"

"نہیں۔۔ نہیں۔۔۔" قاصد نے انکار کر دیا

"پھر تم کس طرح کہتے ہو کہ قیصر کے ساتھ پچاس ہزار کا لشکر تھا؟" سلطان نے ا سے جرح کی۔

"اے مسلمانوں کے سلطان۔۔۔" قاصد نے ٹھہر ٹھہر کے کہنا شروع کیا۔ "میں بڑے سردار کو باتیں کرتے سنا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ جرمنی کا بادشاہ پچاس ہزار کا لشکر کر مسلمانوں لڑنے جا رہا ہے۔۔۔"

سلطان کو قیصر کے لشکر کی تعداد کا تو یقین نہ ہوا لیکن اس سے یہ اندازہ ضرور ہو کہ یورپ کے بڑے بڑے بادشاہ اپنے ساتھ بہت بڑے بڑے لشکر لے کر ادھر آ ر ہیں۔ شاید سی وجوہات تھیں جن کی بنا پر سلطان اپنے سپاہیوں کو کسی آئندہ جنگ کے محفوظ کر رہا تھا۔ اس نے قاصد کو تو رخصت کر دیا لیکن احتیاط کے طور پر ایک مضبوط قیصر کے لشکر کو روکنے کے سے شمال کی طرف بھیج دیا۔ سلطان نے اپنا مستقر العیاد یہ ت کر طل عجول پر لگایا اور حلب' حران' الجزیرہ' سنجار' موصل اور اروبل کی طرف قا دوڑائے کہ وہاں سے فوری فوجی کمک بھیجی جائے۔ اس سلسلہ میں سلطان کے سوانح بہاؤ الدین نے بہت کام کیا اور مئی اور جون کے مہینوں میں سلطان کے کیمپ میں کمک رہی۔

بہاء الدین نے سلطان کے حکم پر عباسی خلیفہ کے دربار کا بھی چکر لگایا اس نے بغ پہنچ کے امیر المومنین' خلیفتہ المسلمین کے حضور عرض کیا۔

"امیر المومنین کے حضور سلطان صلاح الدین ایوبی نے سلام نیاز بھیجا ہے اور ع کیا ہے کہ یورپ کے تمام فرنگی شاہوں اور بادشاہ نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی متحد مشترکہ لشکر سے بیت المقدس کو مسلمانوں سے باز یاب کر کے اس پر صلیبی پھریرا اڑا گے۔ اس سلسلہ اور منصوبہ کے تحت قیصر جرمنی شاہ فریڈرک کا ایک لشکر جرار ساحل پر اترنے والا ہے۔ اس کے علاوہ شاہ انگلستان رچرڈ' شاہ فرانس فلپ شاہ آسٹریا' ڈنمارک وغیرہ اپنے ملکوں میں فوجوں کو ترتیب دے کر روانہ ہو رہے ہیں سلطان معظم تمام مسلمان امرا اور حکمرانوں سے طاغوتی طاقتوں کے خلاف فوجی کمک کی درخواست ک

آپ کے حضور اس غلام کو خاص طور پر بھیجا گیا ہے۔"

عباسی خلیفہ کو فتح بیت المقدس کی خبر مل چکی تھی اور انہوں نے سلطان کے اس امہ پر مبارکباد بھی دی تھی۔ خلیفہ کو یہ بھی علم تھا کہ سلطان نصرانیوں کے خلاف ل جہاد کر رہا ہے اور نصرانی بیت المقدس کی بازیابی کے لئے کوشاں ہیں۔ خلیفہ لوگوں بہت کم ملتے تھے لیکن سلطانی قاصد کی اطلاع ملتے ہی اسے قصر خلافت میں طلب کر لیا تھا۔ سلطان کی عرضداشت کو خلیفہ نے پوری توجہ سے سنا پھر فکر مند انداز میں فرمایا۔

"اسلام کی خاطر سلطان کی تگ و دو کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ سلطان اپنی زندگی جہاد کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ ہم اپنے آپ کو سلطان کے جہاد میں شریک ۃ ہیں۔ ہم اسی وقت مسلم حکمرانوں کو اپنی طرف سے فرمان جاری کر رہے ہیں کہ وہ جہاد میں شریک ہو کر خداوند تعالی کی خوشنودی حاصل کریں۔ ابن نجم الدین (صلاح ن بن نجم الدین) کو ہماری دعاؤں کے ساتھ پیغام دیا جائے کہ ہم اپنی اور مسلمانان عالم دعاؤں کے ساتھ اس جہاد میں شریک رہیں گے اور اپنی طرف جو سامان حرب اس مجاہد لئے بھیج سکتے ہیں وہ تمہارے ساتھ ہی بھیجا جائے گا۔"

بہاء الدین نے عرض کیا۔ "اے امیر المومنین غلام بغداد سے سیدھا الجزیرہ جانے کا ارادہ رکھتا ہے کیونکہ مجھے الجزیرہ کے شہزادوں کو بھی جہاد میں شرکت کی دعوت دینا ہے۔ اگر محترم سلطان معظم کو کمک اور رسد براہ راست عکہ کے محاذ پر بھجوانے کا فرمان جاری یں تو عین کرم نوازی ہو گی۔۔۔"

خلیفہ نے بہاء الدین کی یہ درخواست قبول کر لی اور اس کی روانگی کے فوراً بعد ن کو دو چھکڑے نیزوں سے بھر لے' دو چھکڑے ایسی کلوں کے جو دشمن پر جلتے ہوئے پھینکتی تھیں اور دس چھکڑے تیروں سے بھرے عکہ کی طرف روانہ کئے۔ خلیفہ نے یہ ا سخت پہرے میں روانہ کیا۔

نصرانیوں کو بھی یورپ سے کمک پہنچتی جا رہی تھی۔ جون میں سلطان کو الجزیرہ سے ملی تو نصرانیوں کے لئے ہنری آف شمپین دس ہزار فوج' متعدد نائٹس' امیروں اور اسقفوں کے ساتھ یورپ سے ارض فلسطین پہنچ گیا۔ محاذ جنگ پر اس وقت تک کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ عکہ بدستور نصرانیوں کے محاصرے میں تھا اور نصرانیوں کو سلطانی نے گھیر رکھا تھا۔ کبھی کبھی کوئی جھڑپ ہو جاتی تھی ورنہ پھر وہی بچوں کی گتھم میں گتھا فوجوں کا دونوں طرف سے تماشائیوں کی طرح ہو حق۔ عکہ کے قلعہ میں گھرے ہوئے ان اکثر نصرانیوں پر حملہ کرتے اور ان کی خندقوں اور منجنیقوں کو نقصان پہنچاتے تھے۔

سلطانی فوج میں دمشق کا ایک جوان "آتش یوناں" تیار کرنے کا طریقہ جانتا تھ
"آتش یونان" میں اس قدر شدت کی گرمی ہوتی تھی کہ اس سے دبابے اور منجنیقیں جل
تباہ ہو جاتی تھیں۔ سلطان کو اس کا علم ہوا تو سلطان نے اس جوان کو اپنے حضور طلب
کیا۔

"شہنشاہ عالی مقام ----" دمشقی نے ادب سے عرض کیا۔ "میں نے جو کچھ کیا
راہ مواد اور اپنے رب کی خوشنودی کے لئے کیا ہے۔ میں اس کا کوئی صلہ نہیں چاہتا۔"
"سبحان اللہ ----" سلطان کی زبان سے بے ساختہ نکلا ---- "بندے میں کہ
طاقت ہے کہ وہ تمہاری خدمات کا صلہ دے سکے۔ اس اجر تو تمہیں دربار مولا ہی سے
گا۔"

اسی دوران اسکندریہ کا بیڑہ لڑتا بھڑتا عکہ بندرگاہ میں داخل ہو گیا اور قلعہ کے محصو
بن کو سمندری راستے سے سامان رسد پہنچایا گیا۔ سلطان نے قیصر جرمنی کے لشکر کی خبر پاک
فوج کا ایک حصہ مدافعت کے لئے شمال میں بھیج دیا تھا۔ شاید نصرانیوں کو اس کی خبر ہو گئی
اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے 25 جولائی 1190ء کو سلطانی لشکر کے میمنہ پر حملہ
کر دیا۔ فوج کے اس حصہ سے سلطان کا برادر زادہ تقی الدین فوج کے مضبوط دستوں کے
ساتھ فریڈرک قیصر جرمنی کو روکنے کے لئے شمال کی طرف گیا ہوا تھا۔ نصرانیوں نے اس کی
غیر حاضری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔
لیکن انہیں اس کا علم نہ ہو سکا تھا کہ اگر تقی الدین شمال کی طرف گیا ہے تو مصر سے
سلطان کا بہادر بھائی ملک العادل محاذ پر پہنچ چکا ہے۔ نصرانیوں کے خندق سے نکل کر بڑا
زبردست حملہ کیا تھا لیکن ملک العادل نہ صرف اس حملہ کو ناکام بنا دیا بلکہ صبح سے شام
تک نصرانی حملہ آوروں کو دبائے رکھا۔
تمام دن شدید لڑائی ہوتی رہی اور کشتوں کے پشتے لگتے رہے۔ نصرانی جس امید کے
ساتھ خندق سے نکلے تھے اس میں کامیاب ہونا تو ایک طرف رہا بلکہ وہ اب ملک العادل کے
فوجی دستوں میں اس طرح گھر گئے تھے کہ انہیں خندق میں واپس جانا کا موقعہ بھی نہ مل رہا
تھا۔

آخر جب شام ہوئی اور دوست و دشمن کی تمیز ختم ہو گئی تو دونوں لشکر اپنے اپنے
مستقر کو واپس آئے دن بھر کی اس سخت لڑائی میں نصرانیوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ اس
نقصان کا انہیں بھی اندازہ ہوا مغربی مورخوں کے مطابق اس جنگ میں نصرانیوں کے چار
ہزار آدمی مارے گئے جبکہ بہاء الدین اور عماد الدین نے نصرانی مقتولین کی تعداد آٹھ ہزار

زیادہ بتائی ہے لطف یہ ہے کہ سلطانی لشکر کے شہداء کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی
اس قدر کم تھی دشمن بھی اس کا ذکر کرنے سے باز رہے۔ اس شکست کا یہ اثر ہوا کہ
یوں کو دوبارہ لڑائی کا خطرہ مول لینے کی ہمت نہ پڑی۔
اب تک شاہ یروشلم گائی لو سگناں اور مارکوئیس کو فریڈ کے ہاتھوں میں صلیبوں کی
تھی لیکن اس شرمناک شکست کے بعد ہنری آف شمین جو دس ہزار سپاہیوں' نائٹس'
ں اور جنگجو استقفوں کے ساتھ عکہ پہنچا تھا' صلیبوں کی کمان اس کے سپرد کر دی گئی۔
صور کا حکمران مارکوئیس کافریڈ اور اٹلی کی حسینہ اسٹارپا کی معاشقہ اور شادی کی
، پچھلے صفحات میں بیان کئے گئے ہیں۔ تلون مزاج کو مزید اپنی نادان بیوی اسٹاریا کو
کر بڑی خاموشی سے قسطنطینہ کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اس کی زندگی کے بقیہ سیاہ
، کو آئندہ قسط میں پیش کیا جائے گا۔

شاخ زریں کی شہزادی

عشرت پسندی اور عیاشی میں نمایاں فرق ہے۔

عشرت پسندی دراصل امیروں‘ وزیروں اور بادشاہوں کی آن‘ ایک ادا یا ایک شان ہوتی ہے۔ وہ روز ایک خوبصورت چہرے کو پہلو میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ عشق عاشقی کو درد سر سمجھتے ہیں اور اس طرح کے جھگڑوں سے دور ہی رہتے ہیں مگر عیاش طبیعت لوگ ان سے مختلف ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جب بھی کسی خوبصورت چہرے کو دیکھتے ہیں اس کے حصول کے لئے تن من اور دھن سے لگ جاتے ہیں۔ جائز اور ناجائز کا فرق ان کی نظر سے مٹ جاتا ہے اور جب تک اسے وہ حاصل نہیں کر لیتے انہیں چین نہیں آتا۔

مانٹریٹ کا مارکوئیس کانریڈ عشرت پسند نہیں بلکہ عیاش ذہن اور طبیعت کا مالک تھا۔ وہ حسن کو اسیر کرنے کے لئے باقاعدہ منصوبہ بناتا اور اس منصوبہ پر احتیاط سے عمل کرتے محبوب کو اپنے دام میں لے آتا۔ اٹلی کی اشاریا جیسی درجنوں دوشیزاؤں کی جوانیاں وہ برباد کر چکا تھا لیکن وہ کام منصوبہ سے کرتا اس لئے پکڑا نہ جاتا تھا۔ اشاریا کے معاملہ میں شاید اسے اس بھولی بھالی لڑکی سے عشق ہو گیا تھا۔ جبھی اس نے اشاریا کو حاصل کرنے کے لئے سسلی کا سفر اختیار کیا اور وہاں کے اسقف (پادری) نے اس کی مشکل آسان کر دی یعنی مارکوئیس کانریڈ اور اشاریا میاں بیوی کے بندھن میں بندھ گئے۔

لیکن بے جوڑ ذہنوں کی یہ گاڑی زیادہ دیر نہ چل سکی اور مانٹریٹ کا عیاش مارکوئیس کونریڈ اپنی اشاریا کو اسی حالت میں چھوڑ چھاڑ کسی نئے عشق اور مہم کے لئے جہاز پر سوار ہو گیا۔ مارکوئیس کونریڈ نے اپنے اس سفر کے لئے بھی پہلے سے منصوبہ بندی کر لی تھی۔ اس نے اونچے حلقے کے بعض لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا۔

اور ایک دن مارکوئیس کونریڈ نے اچانک محفل میں اعلان کیا کہ وہ کروسیڈ (مذہبی او

ہی جنگ) کے لئے فلسطین جا رہا ہے۔ سب نے اس کی تعریف کی۔

ایک بولا... "مارکوئیس کونریڈ جوانمرد ہے اور اس کا رجحان ہمیشہ مردانگی کی طرف رہتا ہے"

دوسرے نے اور کھل کے تعریف کی۔ "کیوں نہیں مارکوئیس نے اتنی شہرت آخر کس ؛ حاصل کی ہے۔ ایسے بہادروں کو صلیبی جنگ میں ضرور حصہ لینا چاہئے..."

تیسرا زیادہ جوش میں آگیا۔ ان دنوں بیت المقدس معانی یافتہ اسقف ہرکلیس یورپ دورے پر آیا ہوا تھا اور اس نے پاپائے روم سے تمام یورپی حکومتوں کے لئے یہ فرمان ل کر لیا تھا کہ جو عیسائی‘ بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑانے جائے گا اس تمام پچھلے اور مستقبل کے گناہ بھی معاف کر دئے جائیں گے۔ اس سے نصرانیوں میں ا جوش پیدا ہو گیا تھا اور ہر بیکار جوان یروشلم کو آزاد کرانے کے لئے پر تول رہا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ چلوں گا مارکوئیس۔" اس نے بڑے جوش سے کہا۔ "آپ مجھے ؛ ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے۔؟"

"ضرور ضرور... یروشلم کو تمہارے جیسے جوانوں کی ضرورت ہے..." مارکوئیس کونریڈ اسے حوصلہ دیا۔ "میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ تم چلو اور اپنے دوستوں کو یروشلم کی زیارت اور ایک مذہبی فریضہ ادا کرنے کی دعوت دو۔ تمہارے تمام اخراجات اگر تم اپنے گھر کے واحد کفیل ہو تمہارے گھر والوں کے اخراجات بھی ہماری ذمہ ی ہے۔"

مانٹریٹ کی ریاست میں مارکوئیس کونریڈ کی اس بات نے آگ سی لگادی۔ مارکوئیس جنگجو کی حیثیت سے پہلے ہی وہاں معروف تھا۔ اب وہ اس قدر مشہور ہوا کہ دو تین اندر اسے تقریباً دو سو جوانوں کا تعاون حاصل ہو گیا۔ یہ تمام جوان مانٹریٹ کے وہ مزاج وہ بیکار شہزادے تھے جو صبح سے شام تک سڑکیں ناپتے اور روٹی اپنے متمول ن سے کھاتے تھے۔ ادھر مارکوئیس نے ان جوانوں کی پزیرائی کی اور ان کو ساتھ لے جانے کا وعدہ کر لیا۔

مارکوئیس کے پاس خود بھی کافی رقم تھی۔ اس کے علاوہ "کروسیڈ" کے نام پر اس نے ت کے امیروں اور تاجروں سے بہت سی رقم بٹور لی اور پھر ایک دن اس نے روانگی کا کر دیا۔ اس کی بیوی اشاریا کو مارکوئیس کی تمام کارروائیوں کی اطلاع تھی۔ اس کا یہ خیال تھا کہ مارکوئیس‘ یروشلم جانے سے پہلے اس سے ملنے ضرور آئے گا۔ میاں بیوی تعلقات میں کشیدگی ہو جایا کرتی ہے۔ اسی لئے اس کے باپ نے ان کے جھگڑے میں

دخل نہ دیا۔

مگر جب اسے مارکوئیس کی روانگی کی تاریخ کا علم ہوا تو وہ گھبرا گیا۔ اس کے خیال م
مارکوئیس اور اس کی بیوی اشاریا کے تعلقات اس قدر خراب نہ ہوئے تھے کہ وہ ہمیشہ
لئے الگ ہو جاتے۔ اشاریا بھی کچھ چپ چپ دکھائی دے رہی تھی۔ اس شادی میں خو
اشاریا کا زیادہ دخل تھا اس لئے وہ باپ سے شکوہ بھی نہ کر سکتی تھی۔

اشاریا کا باپ اسی ادھیڑبن میں مبتلا تھا کہ اشاریا اس کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔ اس ک
آنکھوں میں آنسو بھرے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ اب ٹپکے کہ اب ٹپکے۔

"کیا بات ہے بیٹی۔ تم بہت افسردہ دکھائی دیتی ہو؟" باپ کا دل بھر آیا تھا۔

"بابا... میں کیا کروں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا..." اشاریا باپ کے کاندھے
لگ کے رونے لگی۔

"بیٹی۔ میں نے تمہارے معاملات میں اس لئے دخل نہ دیا کہ مارکوئیس کو شاید ناگوا
گزرے گا مگر اب تو پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے..." اس کے باپ نے بڑے افسوس س
کہا۔

"میں کیا کروں بابا... مجھے کچھ بتائیے..." اشاریا سسکیاں بھر رہی تھی۔ "آپ
مارکوئیس کو سمجھائیے۔"

"میں کیسے سمجھاؤں اشاریا۔ وہ یہاں آئے تو...؟" بابا کا لہجہ بھی افسردہ ہو گیا تھا
"اب تو وہ جانے والا ہے۔"

"مجھے لے چلئے اس کے پاس۔" اشاریا بے چین ہو گئی..." میں اس سے معافی مانگ
لوں گی۔ خوشامد کروں گی اس کی۔ وہ جہاں جانا چاہتا ہے ضرور جائے مگر مجھے اس طرح تو
چھوڑے۔"

"اچھا اشاریا..." انہوں نے کہا..." آج پہلے میں اس سے ملنے کی کوشش کروں گا
تمہیں لے کے جاؤں گا۔"

اشاریا کی ساری اکڑ نکل گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ مارکوئیس کا سامنا ہوتے ہی
وہ اس کے ہاتھ جوڑے گی پیر پڑے گی۔ آخر وہ اس کی بیوی ہے۔ کب تک نہیں مانے گا
کتنا ہی سخت دل سہی مگر اسے دل نرم ہی کرنا پڑے گا۔ اس کے بابا تو صبح ہی صبح مارکوئیس
کونریڈ سے ملنے ساحل پر چلے گئے اور اشاریا دوپہر تک انہی خیالوں میں الجھتی رہی۔

اشاریا کے بابا دوپہر کے بعد آئے تو منہ لٹکائے ہوئے۔ اشاریا اس کے چہرے ہی
پہچان گئی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ مگر وہ تھی عقلمند اور بڑی صبر والی۔ بابا اس کے پا

بیٹھ گئے مگر اشاریا خاموش بیٹھی رہی۔

بابا نے بھری بھری آنکھوں سے بیٹی کو دیکھا۔

"بیٹی وہ تمہیں دھوکہ دے گیا۔ انسان نہیں شیطان تھا وہ..."

اشاریا نے پہلے تو بابا کو حیران نظروں سے دیکھا پھر ان کے گلے میں ہاتھ ڈال کے
گئی۔

"بابا... بابا..."

اور اشاریا بے ہوش ہو گئی۔

شام کو جب اسے ہوش آیا تو بابا نے بتایا...." وہ تو کل شام کو چلا گیا تھا یہاں سے
نے جہاز کے دفتر میں اس کے بارے میں پوچھا تو اس کا نام سن کے سب نے کانوں کو
لگائے اور جب میں نے بتایا کہ مارکوئیس کونریڈ میرا داماد ہے/ دو ماہ پیشتر اس نے میری
سے شادی کی ہے تو انہیں بڑی حیرانی ہوئی۔ انہوں نے بتایا وہ تو روز ہی کسی نہ کسی
سے شادی رچاتا ہے اور صبح کو دھکے دے کر اسے نکلوا دیتا ہے۔/"

"اب کیا ہو گا بابا؟" اشاریا کے پیر تلے سے زمین نکل گئی... "ہم چرچ میں شکایت تو
کتے ہیں؟"

بابا نے ذرا رک کے جواب دیا۔

"اشاریا۔ چرچ جانے کا ہمارا منہ نہیں۔ الٹا ہمیں دھر لیا جائے گا چرچ کے قانون
طابق تم تو اس وقت بھی کی عمر کو نہیں پہنچی ہو۔ مفت میں لینے کے دینے پڑ جائیں
"

اشاریا گھبرا گئی... "ٹھیک ہے بابا۔ اسنے مجھے چھوڑا تو میں اس کا نام نہ لوں گی۔ خدا
وع نے چاہا تو کتے کی موت مارا جائے گا..."

اشاریا کا دل جلا تھا وہ دیر تک مارکوئیس کو جلی کٹی سناتی رہی۔ اس کا باپ بیچارا کیا
لڑکی کے معاملے والدین یوں بھی بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ مذہبی اور اخلاقی اعتبار
والدین کا فرض ہوتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے وہ زن وشو (بیوی میاں) کے
ت کو قائم رکھنے کی کوشش کریں اور اپنی لڑکی ہی کو سمجھاتے بجھاتے رہیں۔

عام معاشرہ اور روایات پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کے عقد سے رخصت
والدین کے قدم قدم سے اس کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ لڑکے والوں کے سامنے عجز و
کا پیکر بن جاتے ہیں۔ گویا وہ لڑکی رخصت نہیں کر رہے بلکہ فروخت کر رہے ہیں۔
ب ہے کہ لڑکے والوں کا زیادہ حق ہوتا ہے لیکن مسلم معاشرہ میں جہیز کے سلسلے میں

ہندوانہ رسمیں اور طور طریقے رائج ہیں اور لڑکے والے جب لڑکی کا رشتہ پسند کر لیے
تو تعلیم یافتہ گھرانوں میں سے بڑی بے شرمی سے کچھ اس طرح کی گفتگو کی جاتی ہے
لڑکے کی والدہ الفاظ چبا چبا کر فرماتی ہیں۔

" اے بہن۔ لڑکی تو آپ کی ماشاء اللہ چندے آفتاب چندے مہتاب ہے۔ خا
میں بھی کوئی اونچ نیچ نہیں۔ آپ لوگ باعزت ہیں۔ رئیسوں کے خاندان سے ہیں..."

اس وقت لڑکی ماں لڑکے والوں کو چونک کے دیکھتی ہے اور عاجزانہ بلکہ فقیرانہ
میں کہتی ہے۔ " بہن یہ تو ٹھیک ہے میرا گھرانہ عزت والوں کا ہے لیکن میں نے جیسا
کو پہلی گفتگو میں بتایا تھا کہ ہمارا گھرانہ اوسط درجہ کا ہے اس لئے آپ ہمیں امیر و کبیر
کر کوئی بڑی توقع وابستہ نہ کر لیجئے گا کہ ہمیں عین وقت پر شرمندگی ہو اور آپ بھی ا
ہم چشموں میں نظریں اٹھانے میں سبکی محسوس کریں۔

" اے بہن لو میں کوئی غلط توقع کیوں باندھنے لگی..." کس طرح لڑکے کی ماں پہلے
اس طرہ الفاظ چباتے ہوئے کہتی ہے... " میں جانتی ہوں آپ کروڑ پتی عرب پتی نہیں۔
بھی کچھ تو دنیا داری کریں گے ہی۔ اللہ نہ کرے لڑکی کو ننگی بچی تو رخصت نہیں کر
گے؟ "

انداز طلب کا یہ کس قدر مہذب مگر خطرناک طریقہ ہے۔ لڑکی کی ماں کو کچھ نہ کچ
جواب دینا ہی پڑے گا۔ اس غریب کو کہنا پڑتا ہے۔ "نہیں اللہ کا شکر ہے۔ دال
کھاتے ہیں۔ بیٹی یوں بھی ماں باپ کی عزت ہوتی ہے۔ ماں باپ کے پاس کچھ بھی نہ
بھی دو چار برتن اور چار چھ جوڑے تو دینا ہی پڑتے ہیں۔ سو تم اس کا اطمینان رکھو۔
ایسا وقت نہ لائے کہ لوگ رخصتی کے وقت انگلیاں اٹھائیں..."

" یہی تو میرے کہنے کا مقصد تھا..." لڑکے کی ماں آخر مطالبات کا اظہار شروع
ہیں۔

" میں نے اسی لئے آپ سے جہیز کا نام نہیں لیا۔ کپڑے' زیورات اور گھر گرہ
سامان تو ہر لڑکی کو ملتا ہی ہے۔ اس کے علاوہ آپ جو دیں گی اس سے آپ کا نام ہو گا
آپ کی لڑکی کا ہی تو ہو گا۔ ٹی وی' فریج تو ہر گھر میں ہوتا ہی ہے۔ میں کوٹھی کار کا
نہیں کرتی ہاں لڑکے کو اگر دفتر جانے کے لئے اسکوٹر یا موٹر سائیکل مل جائے تو آپ کا
نام ہے اور میرا بھی' یقین کیجئے کہ میں آپ سے کوئی مطالبہ نہیں کرتی۔ رہا بارا
استقبال تو اس کا انتظام تو آپ نے کسی اچھے میرج ہال میں کیا ہو ہو گا۔ اگر گھر آپ
میں نہ ہوتا تو میرج ہال کی ضرورت نہیں۔ مجھے بھی اس طرح کی فضول خرچی کا

پسند نہیں..."

ڑکی کی ماں کا لڑکے والوں کی ہر فرمائش پر رنگ اڑتا جا رہا تھا مگر وہ غریب کلیجہ
بیٹھی رہی۔ جہیز کا یہ رواج کسی وجہ سے سہی مگر ہم مسلمانوں کی رگ رگ میں رچا
ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمیں اس برائی جو گناہ سے کسی طرح کم نہیں' کب
ملے گا۔

شاریا کا بابا بیٹی سے کیا کہتا۔ مارکوئیس سے شادی اشاریا کی مرضی بلکہ پسند سے ہوئی
شاریا روتی تو اس کا دل بھی رونے لگتا مگر مجبور کو سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہ

رکوئیس کو نریڈ کو اٹلی کا ساحل چھوڑے ہوئے ایک ہفتہ گزرا تھا۔ اشاریا نے گھر کا
نہ پکڑ لیا تھا۔ اس نے خود کو ایک کمرے میں قید کر لیا تھا۔ رات دن میں ایک دو بار
ادہ وہ اس کمرے سے نہ نکلتی تھی۔ ایک دن اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ گھر
دو نوکر موجود تھے مگر اشاریا کی بابا نے انہیں روک دیا کہ وہ دروازہ نہ کھولیں بلکہ وہ
نے والے کا استقبال کرے گا۔

با لڑکھڑاتے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ کھولا تو باہر بابا کو اپنی عمر کا ایک آدمی کھڑا
یا۔ اس کے ساتھ ایک نو عمر لڑکی تھی۔ تقریباً" اشاریا کی عمر کے برابر۔ آنے والے
ہور نظروں سے دیکھ رہے تھے اور بابا ان کے بارے میں سوچ رہے کہ وہ کون ہو
ا دور نزدیک کسی عزیز کی شکل آنے والے سے نہ ملتی تھی۔

آپ لوگ کون ہیں۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ " انہیں خاموش دیکھ
لو پوچھنا پڑا۔

ہم مظلوم ہیں۔ مسافر ہیں۔" اس کے ہم عمر نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

ہاں' میں جانتا ہوں..." بابا نے چونک کے جواب دیا۔

نے والے نے اس لڑکی کی طرف دیکھا جو اس کے اتھ آئی تھی اور شاید اس کی بیٹی
کی نے اشاروں ہی میں جواب دیا جسے اشاریا کا بابا نہ سمجھ سکا۔

کیا میں اپنی بیٹی کے ساتھ اندر آسکتا ہوں؟ " آنے والے نے ڈرتے ڈرتے سوال

ور... آپ اندر آسکتے ہیں..." بابا نے جواب دیا۔ " ہم لوگ بالکل بے ضرر ہیں۔
یمنان سے گفتگو کر سکتے ہیں۔"

پ بیٹی اندر آگئے۔ بابا نے انہیں ڈرائنگ روم میں لے جا کر بٹھا دیا۔

" میرا نام ہیڈلے ہے... " آنے والے نے اپنا تعارف کیا... " اور یہ میری بیٹی اشاریا..."

" جی... " بابا کرسی سے اچھل پڑا... " کیا نام بتایا آپ نے؟۔"

" اشاریا... "؟ ہیڈلے نے اپنی بیٹی کا نام دہرا دیا... " مگر آپ اس قدر حیران ہوئے؟۔"

آنے والوں نے ایک بار پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ہیڈلے نے سنبھل سے پ
آپ کی بیٹی کا یہ نام اصلی ہے یا کسی نے آپ کو رکھنے کو کہا تھا؟

" میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا...؟ " بابا نے جواب دیا... " اولاد کا نام والدین رکھتے ہیں۔ دوسرے نہیں رکھا کرتے... خیر چھوڑے ناموں کو... ایک نام کئی لڑکیوں سکتا ہے۔ ہاں فرمائیے۔ میں آپ لوگوں کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟ "

ہیڈلے نے بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ " میں مارکوئیس کونریڈ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ بتا سکیں گے؟ "

بابا نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ " مسٹر ہیڈلے۔ اگرچہ مارکوئیس کے بارے میں کرنا کم از کم میرے لئے مناسب نہیں لیکن آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے مارکوئیس کونریڈ نے آپ کو بھی تکلیف پہنچائی ہے۔ آپ سوال کیجئے۔ مارکوئیس کے میں جو کچھ مجھے علم ہے اسے بتانے میں کوئی دریغ نہ کروں گا... "

ہیڈلے تیار ہو کے بیٹھ گیا اور اس کی بیٹی نے اس طرف کان لگا دئے۔ ہیڈ۔ سوال کیا... " مارکوئیس کونریڈ سے آپ کی ملاقات کب ہوئی تھی۔؟ "

بابا نے سوچتے ہوئے جواب دیا... " تقریباً" ڈیڑھ ماہ پہلے... "

" ڈیڑھ ماہ پہلے... " ہیڈلے نے یہ الفاظ دہرائے پھر صاحب خانہ (اشاریا کے شکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا... " مگر مجھے تو معلوم ہوا کہ مارکوئیس کونریڈ آپ ساتھ اس مکان میں رہتا ہے... "

" آپ نے ٹھیک سنا... " بابا نے جواب دیا... کونریڈ میرے پاس ہی رہتا تھا لیکن اس نے یہاں رہنا تو الگ بات ہے ادھر آنا بھی چھوڑ دیا ہے... "

" کیا آپ اس کا سبب بتانا پسند فرمائیں گے؟ " ہیڈلے نے سپاٹ لہجے میں سوال

" یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے مسٹر ہیڈلے... " بابا کو غصہ آگیا... " آپ میرے مہما ورنہ میں آپ کو سخت جواب دیتا... "

ہیڈ کا منہ اتر گیا عاجزی سے بولا... " آپ ناراض نہ ہوں ۔ دراصل پریشانی۔

باختہ کر دیا ہے۔ مجھے پتہ ہی نہیں ہوتا کہ میں کیا سوال کر رہا ہوں... "

اس وقت مسٹر ہیڈلے کی بیٹی جس کا نام بھی اشاریا تھا' نے بڑی افسردگی سے
" انکل۔ کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ مارکوئیس کونریڈ اس وقت کہاں ہوں "

" شاید میں تمہیں یہ بتا سکوں... " بابا نے نرمی سے کہا... " لیکن پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ
س کونریڈ نے تمہارے ساتھ کیا فریب کیا ہے؟ "

" یہ... یہ میرے والد بتائیں گے... " مہمان اشاریا نے باپ کی طرف
" پیارے باپ آپ انہیں بتائیں کہ مارکوئیس نے مجھے کیا دھوکہ دیا ہے؟ "

" سنئے میرے بھائی.. " ہیڈلے نے بابا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا... " وہ فریبی... دغاباز
ٹی کو چار مہینے سے شادی کا فریب دے رہا ہے۔ میری معصوم بیٹی نے اس کے فریب
ر اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر دیا۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نے ایسا
یا۔ کیا کیا تھا میری بیٹی نے اس کے ساتھ۔؟ "

با اس کی بات سن کے سناٹے میں آگئے۔ اب ان کی آنکھیں کھلیں کہ مارکوئیس
ک فریبی اور چالاک انسان ہے۔ بابا کا تو یہ خیال تھا کہ مارکوئیس کونریڈ اور اس کی
یا کے باہمی اختلاف میں اشاریا کی بھی کچھ نہ کچھ ضرور غلط ہو گی۔ ورنہ ایک شوہر
ت خوبصورت بیوی کو اس طرح بغیر اطلاع دئے چھوڑ کر سمندر پار کس طرح جا سکتا

ٹر ہیڈلے نے پھر بات شروع کی۔ " آپ میری بات کا یقین کیجئے محترم۔ ماکوئیس
آدمی ہے اور اس نے میری بیٹی کو کھلا ہوا دھوکہ دیا ہے۔ وہ کمینہ انسان میری بیٹی
رات کے دو قیمتی ہار یہ کہہ کر لے گیا ہے کہ مذہبی جنگ کے لئے رقم کی ضرورت
اٹلی کی تمام خواتین نے اپنی تمام قیمتی (جواہرات کے زیورات) جنگی چندے میں
ہیں۔ "

ات ایک ایک حد تک درست بھی تھی۔ روم کے لارڈ پادری (پاپائے روم) جو کل
کے بغیر اختلاف سب سے بڑے پیشوا تھے۔ انہوں نے یروشلم کی پادری اسقف
صلیبی جنگ کے لئے نصرانی مردوں اور عورتوں کو دل کھول کے چندہ دینے کی اپیل
ر اس کے جواب میں نصرانی خواتین نے واقعی اپنے زیورات تک چندے میں
۔ ایک یورپی مورخ نے یہاں تک لکھا ہے کہ تیسری صلیبی جنگ کے لئے پورے
میں " صلاح دین " ٹیکس لگایا گیا تھا اور اس ٹیکس میں جتنی رقم حاصل ہوئی تھی

اتنی رقم آج تک کام کے لئے اکٹھا نہ ہو سکی تھی۔

بابا کی زبان اب بھی نہ کھل سکی وہ دراصل مارکوئیس کونریڈ کی فریب کار
الجھے ہوئے تھے اور یہ سوچ رہے تھے کہ یہ ان کا اور ان کی بیٹی کا ہی غم نہیں
فریب کار نے معلوم نہیں اٹلی والوں کے اسی طرح کتنے اور گھر اجاڑے تھے۔

"آپ اب بھی خاموش ہیں۔" ہیڈلے نے انہیں چونکا دیا...." مجھ پر رحم
جناب۔ مجھے جواہرات کے ہاروں کے جانے کی کوئی فکر نہیں۔ ہاں اگر آپ مجھے
کونریڈ کا صحیح صحیح پتہ دیجئے تو اس سے مل کے شاید میں اپنی معصوم بیٹی کا منتقم
سکوں؟"

"مسٹر ہیڈلے..." بابا نے جب سر اٹھایا تو ہیڈلے نے دیکھا کہ ان کی آنکھو
موٹے موٹے آنسو گرنے کے لئے بے قرار ہیں۔ "کاش میں اس کا پتہ آپ کو
آپ کی بیٹی اشاریا اس لئے مظلوم ہے کہ مارکوئیس کونریڈ اس کی عزت لوٹ کے
ہے اور میری بیٹی جس کا نام بھی اشاریا ہے وہ اس لئے مظلوم ہے کہ مارکوئیس
اس سے شادی کی ہے اور اب جبکہ میری بیٹی کے شکم میں ایک ننھی جان پرو
ہے تو اس کا باپ اپنے تمام جہازوں کے ساتھ اٹلی کا ساحل ہمیشہ کے لئے چھو
کونریڈ نے ایک اشاریا کو نہیں بلکہ "دو اشاریا" کو دھوکہ دیا ہے اور ہو سکتا
نے کئی اور شکار کئے ہوں جنہیں وہ چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔"

بابا کے اس انکشاف پر مسٹر ہیڈلے اور ان کی بیٹی اشاریا حیران ہو گئی تھ
حیرت میں بابا کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

مسٹر ہیڈلے بولے...."ہم تو آپ کے پاس اپنا درد لے کے آئے تھے مگر
آپ تو ہم سے زیادہ زخمی ہیں اور غضب یہ ہے کہ دونوں بیٹیوں کو زخم لگانے
ظالم ہے۔"

ان کی گفتگو کے دوران اشاریا اندر سے اٹھ کے ان کے پاس آکے ایک
میں کھڑی ہو گئی تھی۔ ناظرین نے روم کے کھنڈرات کے بارے میں کتابو
گا۔ ان کنڈرات کی تصویریں اسکرین اور کیلنڈروں میں دیکھی ہوں گی۔ اس
کنڈرات کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ناظرین نے جیسا دیکھا اور پڑھا ہو گا
تعمیر زمانہ قدیم میں دنیا کا سب سے مشہور فن تعمیر تھا۔

رومن طرز تعمیر کو خوبصورت کے بجائے شاندار کہا جاتا ہے اس کا مطا
رومن طرز تعمیر میں عمارات کو ستون پر کھڑا کیا جاتا تھا اور یہ ستون بہت مض

ے تھے اس اعتبار کی چھتیں بھی بہت بلند اور بڑے بڑے نہایت اونچے چوڑے ہال
تے۔ روم کی بلند و بالا عمارات کے کھنڈرات اب بھی اٹلی کے کئی مقامات پر پائے
ے ہیں مگر اب کھنڈرات میں سوائے اونچے اونچے ستونوں کے اور کچھ باقی نہیں رہ گیا۔
اور ایران کے قدیم کھنڈرات کی عمارتیں بھی ستونوں کے سہارے تعمیر کی گئی تھیں اور
ان کے طرز تعمیر میں مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ مصر
ایران اور روم کا ایک عرصہ تک قبضہ رہ چکا ہے جس نے وہاں کے طرز تعمیر کو متاثر کیا

روم اور شہنشاہ روم کے بارے میں بعض باتیں بہت دلچسپ ہیں اور اس کے ذکر سے
ین ضرور مستفید ہوں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ کسی زمانہ سلطنت روم یورپ اور ایشیاء
ہ کی سب سے بڑی اور عظیم الشان سلطنت تھی۔ اس سلطنت کے باسیوں کا عقیدہ تھا
بادشاہ وقت خدا کا اوتار یا جانشین ہوتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ اگر رعیت پر جور و ستم کرے
ے خدا کی طرف سے سمجھا جاتا تھا۔

لوگوں کی اس ضعیف الاعتقادی سے شہنشاہ روم خوب فائدہ اٹھاتا تھا۔ رعیت کی
یفیت ہو گئی تھی کہ وہ بادشاہ کے ہر حکم کو خدا کا حکم سمجھ کر بے چوں وچرا تسلیم کر لیتی
خواہ وہ حکم کتنا ہی غلط ہو یا اس سے رعیت کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہوتا ہو۔ زیادہ
بات یہ تھی کہ رعایا کے علاوہ سلطنت کا ہر سردار، امیر اور وزیر بھی شہنشاہ کے حکم کو
کا حکم سمجھ کے اس پر فوراً عمل شروع کر دیتا تھا۔

سلطنت روما کے ایک شہنشاہ کا نام "نیرو" تھا۔ یہ مطلق العنان حکمران سفاک ہونے
علاوہ حد درجہ بیوقوف بھی تھا۔ ایک مرتبہ اس پر ایسا جنوں سوار ہوا کہ اس نے حکم
ا کہ "دارالسلطنت روم" میں آگ لگا دی جائے۔ بس حکم کی دیر تھی۔ امیروں اور
روں نے فوج کو شہنشاہ کا فرمان سنا کر انہیں شہر میں پھیل کے آگ لگانے کا حکم دیدیا اور
نے اس حکم کی پوری تعمیل کی۔ کسی شاہی افسر نے یہ سوچنے کی زحمت ہی نہ کی آخر
آگ کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ شہنشاہ کا فرمان ہے کہ "روم" میں آگ لگا
جائے اور انہوں نے آگ لگانے اور شعلے بلند ہونے کے بعد شاہی محل میں اطلاع
ی کہ شہنشاہ کی تعمیل ہو گئی ہے۔

نیرو... شہنشاہ روم نے یہ خبر اس طرح سنی جیسے کوئی نوید مسرت سنتا ہے۔ نیرو کے دربار
اس وقت تمام بڑے بڑے جنرل اور انتظامیہ کے عہدیدار موجود تھے۔ وہ اپنے جنرلوں
عہدیدار کو ساتھ لے کر شاہی محل کی سب سے بلند چھت پر چڑھ گیا۔ اس وقت کیفیت

یہ تھی روم کے عظیم شہر کے ایک حصہ میں آگ کے شعلے بھڑک رہے آگ بغیر
مطلع کئے لگائی تھی اس لئے غریب عوام اپنا تمام مال و متاع چھوڑ کے پناہ حاصل کر
ادھر ادھر بھاگ رہے۔ مظلوموں کی چیخیں اور آہ بکا کی آوازیں آسمان تک پہنچ رہی
اس خوفناک' عبرت انگیز اور لرزہ خیز مناظر کا نیرو پر یہ رد عمل تھا کہ وہ بھڑکتے
کو دیکھتا اور قہقہے لگاتا۔ اس کے درباری بھی اس کے قہقہوں میں اپنی آواز شامل کر
اس طرح شاہی محل پر قہقہوں کا سیلاب تھا اور روم کی آبادی شعلوں کی لپیٹ میں
درو دیوار گر رہے۔ ستون اکھڑ رہے تھے اور کتب خانوں اور عجائب گھروں میں نوا
سلگ رہے تھے۔ نیرو تو مرگیا لیکن رواں کی سفاکی اور حماقت کا یہ خونی سانحہ تار
اوراق میں محفوظ ہو گیا۔ اس سانحہ پر مضامین لکھے گئے۔ افسانے اور ناولیں ترتیب
گئیں لیکن کسی مصنف یہ جملہ ایک یادگار بن گیا وہ جملہ یہ تھا۔

"روم جل رہا تھا اور نیرو قہقہے لگا رہا تھا"

خیر یہ تو ایک جملہ مقرضہ تھا۔ اب ہم پھر اصل کہانی کی طرف آگئے ہیں۔ با
اسٹاریا کو ستون کی آڑ میں کھڑے دیکھا تو محبت سے آواز دی۔
"اسٹاریا بیٹی ادھر آؤ..."
اسٹار ستون سے ہٹ کے باپ کے پاس آگئی۔ بیٹھنے سے پہلے اس نے مسٹر ہیڈ
ادب سے سلام کیا۔ انہوں نے اسٹاریا کو بزرگانہ دعا دی۔
بابا نے تعارف کرایا.... "ان سے ملو بیٹی' یہ تمہاری ہم نام ہیں۔ اور یہ یہ ہیں
ہیڈلے۔ ان کے والد... یہ بتاتے ہیں...."
"آپ ٹھہرئیے بھائی صاحب۔" مسٹر ہیڈلے نے قطع کلام کیا۔ "میں اس کی تف
بتاتا ہوں۔ دو تین ماہ پہلے مارکوئیس کونریڈ سے ایک محفل میں میری ملاقات ہوئی۔ یہ ا
ملاقات نہ تھی بلکہ اس کا اہتمام میری بیٹی نے خود کیا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں جوان
باپ کس قدر پریشان ہوتا ہے پھر اس صورت میں تو اس کی پریشانیاں اور ذمہ داریاں
بھی بڑھ جاتی ہیں جب بیٹی کی ماں اسے اکیلا چھوڑ کے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائے۔
سال پہلے میری بیوی نے اس دنیا سے منہ موڑ لیا اور باپ کے ساتھ ساتھ ماں کی
داریاں بھی مجھ پر آپڑیں۔
جب میری بیٹی نے ماکوئیس کونریڈ کو مجھ سے ملایا تو اسے دیکھ کر اور اس کی ا

ی گفتگو سن کر میری آنکھیں چمک اٹھیں۔ مجھے معاف کیجئے اگر میں یہ کہوں کہ مجھے
ں کونریڈ کی شکل میں ایک بہترین داماد بلکہ اپنا سگا بیٹا نظر آیا پھر جب مجھے یہ معلوم
ارکوئیس کونریڈ اب تک غیر شادی شدہ ہے اور میری بیٹی میں دلچسپی بھی لے رہا ہے
مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔
رکوئیس کونریڈ سے پہلی ملاقات کے بعد جب میں گھر واپس آیا تو خوشی سے میرے
پر نہ پڑتے تھے پھر گریٹا بھی رات گئے واپس آگئی...."
رٹیا... یہ گریٹا کون ہے مسٹر ہیڈلے ..." بابا نے پریشان ہو کے پوچھا۔
ہ... یہی تو ہے گریٹا..." مسٹر ہیڈلے نے اپنی بیٹی کی طرف اشارہ کیا... "اس کا اصل
ٹا ہے۔ اسٹاریا کا نام تو میں نے اس کو مارکوئیس کونریڈ کے کہنے سے دیا تھا..."
نے یہ نام رکھنے کو کیوں کہا تھا؟..." بابا نے دلچسپی سے پوچھا۔
رکوئس کونریڈ نے کہا تھا کہ اسٹاریا اس کی پہلی محبت تھی جس کا ایک حادثہ میں
تال ہو گیا تھا..." مسٹر ہیڈلے نے بتایا... "یہ کہنے کے بعد مارکوئیس کونریڈ نے مجھ
ست کی تھی کہ میں اسے گریٹا کے بجائے اسٹاریا کے نام سے پکار سکوں۔ میں نے
شرط پر اجازت دے سکتا ہوں کہ گریٹا کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ گریٹا نے اسے
ی تب سے ماکوئیس نے گریٹا کو اسٹاریا کہنا شروع کر دیا۔"
اسٹاریا اپنی جگہ سے اٹھ کے گریٹا کے پاس آئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو
ہاتھ پھیلا کے اس طرح ایک دوسرے سے لپٹ گئیں جیسے مدت سے بچھڑے
ہیں۔
ہیڈلے ..." اسٹاریا' گریٹا سے الگ ہو گئی۔ "آپ کو اختیار ہے کہ آپ گریٹا کو
م سے پکاریئے یا اسٹاریا کے فرضی نام سے۔ یوں نام کے بدل جانے سے تقدیر
کرتی۔ ہم دونوں کی تقدیریں بھی یکساں ہیں۔ مارکوئیس کونرید نے ہم دونوں ہی
ہے۔ فرق صرف رہا کہ مجھے اس نے شادی کر کے دھوکہ دیا اور گریٹا کو شادی
کر تباہ کیا۔"
نے باپ سے کہا... "میرے پیارے باپ۔ اب میں آپ کو کبھی پریشان نہیں
کی وقت بہت پریشان ہوئی تو اصلی اسٹاریا سے ملنے چلی آیا کروں گی..."
جواب دینا چاہتی تھی کہ اس کا باپ بول پڑا۔ "مسٹر ہیڈلے اور بیٹی گریٹا۔ میں
۔ معلومات حاصل کی ہیں ان سے صرف یہ معلوم ہو سکا کہ مارکوئیس کونریڈ
مازوں کی تعداد میں اختلاف ہے) جہازوں کے ساتھ رومی شہنشاہ اسحاق کے

دربار میں حاضری کے لئے قسطنطنیہ گیا ہے۔ اس سے آگے کچھ نہ معلوم ہو سکا۔ لیکن
کہ شہنشاہ قسطنطنیہ سے ملاقات کے بعد اٹلی (اطالیہ) واپس آجائے یا پھر کروسیڈ (صلیبی
جنگ) میں حصہ لینے کے لئے فلسطین چلا جائے۔"

گریٹا چیخ پڑی۔ "قسطنطنیہ جائے یا فلسطین میرے لئے تو وہ مرچکا ہے اب اگر
واپس بھی آیا تو میں اسے منہ نہ لگاؤں گی اس لئے ایک تو وہ فریبی اور بدکار ہے دوسرے
کہ وہ میری پیاری سہیلی اشاریا کا جائز اور قانونی شوہر ہے۔ میں اپنی سہیلی کے حق پر ڈا
ڈالنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

اشاریا نے گریٹا کو اپنی طرف کھینچ کے اس کا منہ چوم لیا۔ "گریٹا میں خداوند یسو
مسیح کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر مارکوئیس کونریڈ اطالیہ واپس آگیا تو اسے منہ لگانا تو ا
طرف رہا میں چرچ میں اس کے خلاف مقدمہ دائر کروں گی کہ اس نے مجھے شادی سے پ
بھی دھوکہ دیا اور بعد میں بھی...."

اس موقع پر اشاریا کے باپ نے اسے ٹوکا۔ "کیا کہہ رہی ہو بیٹی۔ ہم مارکوئی
کونریڈ کے خلاف چرچ میں مقدمہ نہیں کر سکتے؟"

"کیوں نہیں کر سکتے بابا..." اشاریا بڑے جوش سے بولی..." میں لارڈ پادری کے سا
اس بات کا اعتراف کرلوں گی کہ اس کے گناہ میں' میں بھی شریک تھی لیکن سسلی جا
شادی کرنے کا فیصلہ مارکوئیس کونریڈ کا تھا اور وہی مجھے اور آپ کو ورغلا کے سسلی لے
تھا۔؟"

مسٹر ہیڈلے نے کان کھڑے کئے۔ "کیا مارکوئیس اور اشاریا کی شادی سسلی میں
تھی۔؟

"جی ہاں سسلی میں ہوئی تھی اور اس میں بھی مارکوئیس کونریڈ کی ایک چال تھی"
اشاریا کے بابا نے جل کے کہا۔ "مگر اب ان باتوں کو کرنے سے کیا فائدہ۔ مارکوئیس ہما
پہنچ سے بہت دور ہو چکا ہے۔ اگر وہ فلسطین چلا گیا تو شاید اس کی مٹی سوارت ہو جائے
وہ قسطنطنیہ گیا تو یقین ہے کہ وہ وہاں کتے کی موت مارا جائے گا..."

مسٹر ہیڈلے اور گریٹا دونوں ہی اس بات سے پریشان ہو گئے۔ ہیڈلے کے دل
بات کی وضاحت کی خواہش تو ضرور تھی لیکن وہ اس موقعہ پر اشاریا کے باپ کو نارا
نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے منہ سی لیا۔

گریٹا کے دل میں بھی ایک چبھن سی تھی وہ چاہتی تھی اشاریا یا اس کا باپ اس
کی وضاحت کرے کہ مارکوئیس کونریڈ اور اشاریا کی شادی مانسٹریٹ کے بجائے سسلی

ی گئی۔ اشاریا کے باپ نے محسوس کر لیا کہ اشاریا اور ماکوئیس کونریڈ کی شادی
ے میں آنے والے باپ بیٹی کے دل میں کچھ شکوک و شبہات ہیں اس لئے انہوں
ہی یہ بات صاف کر دی۔

سٹر ہیڈلے۔ اس وقت ہم اور آپ دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں اس لئے آپ
ی بات پوشیدہ رکھنا فائدے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے اس لئے میں
ے دل میں اٹھتے ہوئے شبہات کو دور کر دینا بہتر سمجھتا ہوں۔ دراصل جب مارکوئیس
کا ہمارے گھر آنا جانا ہوا اور اس نے اشاریا سے تعلقات بڑھانا شروع کئے تو میں نے
شاریا کو بتایا کہ وہ اپنے تعلقات کو ایک حد کے اندر رکھے ورنہ اسے نقصان پہنچ سکتا
ہیں اپنی بیٹی کا باپ ہونے کے علاوہ دوست بھی ہوں اور میری بیٹی ہر اچھی بری بات
، نہایت بے تکلفی سے کہہ دیتی ہے۔

میرے اس بر وقت اعتراض پر اشاریا نے مجھے بتایا کہ وہ تعلقات کی حد مقرر کر چکی
ر یہ کہ مارکوئیس کونریڈ کا دل صاف ہے اور وہ اس سے شادی کرنے کی بہت جلد
ت کرنے والا ہے۔ اس وقت میں نے اشاریا کو بتایا کہ اس کی شادی مارکوئیس سے
ی اس لئے نہیں ہو سکتی کہ اس کی (اشاریا) کی عمر چرچ کے قانون کے مطابق ابھی
کے قابل نہیں۔ میرے اس جواب پر اشاریا چپ ہو گئی۔ اس نے مارکوئیس کونریڈ
نا بھی چھوڑ دیا اور ہر گھڑی اداس اداس رہنے لگی۔

"اشاریا میرا اکلوتی اولاد ہے اس لئے مجھے فطرتاً" اس سے بہت زیادہ محبت ہے۔ اس
سردگی سے میں بھی افسردہ ہو گیا۔ میں خود چاہتا تھا کہ اشاریا اور مارکوئیس کی شادی
ئے مگر میں مجبور تھا۔ چرچ کا قانون تو شہنشاہ بھی نہیں توڑ سکتا تھا پھر بھلا میں کیا کر
تا۔ پھر بھی میں نے ہمت نہیں ہاری اور اس کوشش میں لگ گیا کہ کسی طرح دونوں
ادی ہو جائے۔

"مصیبت کے وقت لوگ یار دوستوں کی طرف بھاگتے ہیں۔ ایک ریٹائرڈ کرنل میرے
ت تھے اور ہمدرد بھی۔ میں اپنا دکھڑا ان سے رویا۔ میں اشاریا کو ان کے پاس لے گیا
انہوں نے اشاریا کے سر پا ہاتھ پھیرا۔ مجھے تسلی دی اور کہا کہ مجھے' اشاریا اور
یس کو ان کے ساتھ سسلی (جزائر صقلیہ) چلنا ہو گا کیونکہ یہ کام وہیں ہو سکے گا۔

"مختصر یہ کہ ہم سب جزائر صقلیہ پہنچے۔ میرے دوست نے وہاں کے چرچ کے لارڈ
ا سے گفتگو کی۔ وہ میرے دوست کا بچپن کا ساتھی تھا۔ اس طرح اس کی مدد سے
یا اور مارکوئیس کی شادی سسلی میں ہوئی۔ وہاں سے واپسی پر مارکوئیس مشکل سے ایک

ماہ ٹھیک رہا اس کے بعد اس نے رنگ بدلنا شروع کئے۔ میری بیٹی نے اس کا پیچھا کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے تو کلب کی بہت سی لڑکیوں سے تعلقات ہیں۔ مارکوئیس میرے پاس ہی ٹھہرا ہوا تھا مگر وہ رات کو اکثر غائب رہنے لگا۔ میاں بیوی میں اس بات پر کئی بار اختلاف ہوا۔ باپ ہونے کی حیثیت سے میں ہمیشہ اشاریا ہی کو ڈانٹتا اور سمجھاتا رہتا۔

مگر مارکوئیس کے دل میں تو چور تھا۔ اس لئے وہ ایک دن کچھ کہے سنے بغیر چپکے سے یہاں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔ اس کے دوستوں نے یہی بتایا کہ وہ کروسیڈ میں حصہ لینے فلسطین گیا ہے لیکن اس کے ایک دوست نے جو کسی وجہ سے اس سے خفا ہو گیا تھا اس نے مجھے صاف بتایا کہ مارکوئیس کونریڈ نے شہنشاہ قسطنطنیہ سے خط و کتابت کی تھی اور اب وہ شہنشاہ کے بلاوے پر قسطنطنیہ گیا ہے..."

مسٹر ہیڈلے اور گریٹا رخصت ہو گئے۔ وہ دونوں افسردہ آئے تھے اور افسردہ ہی واپس گئے۔ ان کی افسردگی میں تو کوئی کمی نہ ہوئی مگر انہیں ایک ہمدرد گھرانہ مل گیا۔ گریٹا اور اشاریا میں خوب دوستی ہو گی۔ اس سے دونوں کی طبیعت پر اچھا اثر پڑا۔ اب ان کے چہرے اکثر خوشی سے دمک اٹھتے تھے۔ مارکوئیس کونریڈ تو ان دونوں میں سے ایک کو بھی نہ ملا مگر انہیں ایک اچھی سہیلی مل گئی۔

ان کے سلسلہ میں بات اور سن لیجئے کہ دوسرے سال کے آغاز میں دونوں کے گھر مارکوئیس کونریڈ کے الگ الگ دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ان دونوں کی صورتیں حیرت انگیز طور پر ایک دوسرے سے مشابہ تھیں اور انہیں جڑواں بچے سمجھا جانے لگا تھا۔ اشاریا کی مارکوئیس کونریڈ سے شادی ہوئی تھی پھر بھی وہ اس بچہ کو جائز ثابت نہ کر سکی اس لئے وہ کرنل جس نے اشاریا اور مارکوئیس کی سسلی نے جاکر کرائی تھی' اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ گریٹا کا بیٹا تو ناجائز تھا ہی۔

یورپ کے قانون میں ناجائز اولاد پیدا کرنا کسی جرم کے تحت نہیں آتا۔ وہاں سب سے بڑا جرم یہ کہ کوئی لڑکی بلاغت کی عمر تک پہنچے بغیر اگر شادی کرے تو مرد اور عورت دونوں کو سزا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مرد ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ لیکن مرد کو بیوی کی موجودگی اور بیوی کو میاں کی موجودگی میں دوسری عورتوں اور مردوں سے ناجائز تعلقات پیدا کرنے کی پوری اجازت ہے۔

اور آخر مارکوئیس کونریڈ' مانسٹریٹ اور اٹلی کے دوسرے شہروں میں جائز اور ناجائز دونوں طریقے سے رنگ رلیاں بنا کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔

ونریڈ کے ساتھ ایک چھوٹا سا بحری بیڑہ تھا جس پر جہازوں کے عملے کے علاوہ بارہ سو
ور مہم جو جوان سوار تھے۔ یہ خبریں سچ تھی کہ مارکوئیس اور شہنشاہ قسطنطنیہ کے
خط و کتابت ہوئی تھی۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ مارکوئیس کونریڈ ہر کام سے پہلے
لئے منصوبہ بناتا تھا۔ یہ تو نہیں معلوم کہ اس نے قسطنطنیہ جانے کا کب منصوبہ بنایا
شہنشاہ اور اس کے درمیان کتنے عرصہ سے خط و کتابت ہو رہی تھی۔ چونکہ اٹلی اور
کے الگ الگ دو شہنشاہ تھے اس لئے مارکوئیس اور قسطنیہ کی خط وکتابت بہت خفیہ
ی اور دونوں طرف کے خطوط بھیجنے والوں کے خاص قاصد لاتے اور لے جاتے تھے۔
س جگہ روم کے دو شہنشاہوں کی بات کی وضاحت بھی ضروی معلوم ہوتی ہے کہ کسی
ہے کہ ایک بیان میں دو تلوایں نہیں رہ سکتیں اور ایک سلطنت کے دو بادشاہ نہیں
گر سلطنت روما کے دو شہنشاہ تھے۔ ایک شہنشاہ سلطنت روما شرقی اور شہنشاہ سلطنت
ی کہلاتا تھا۔ شرقی شہنشاہ کو باز لطینی شہنشاہ کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا اسی طرح
ہنشاہ کو شہنشاہ رومتہ الکبری بھی کہا جاتا تھا اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ
روما جس کا دارلسلطنت اٹلی کا شہر روم تھا وہ یورپ کی سب سے بڑی اور طاقتور
تھی۔ بس روم کا شہنشاہ مطلق العنان ہی نہیں تھا بلکہ اس نے خدا کے اختیارات
عال رکھتے تھے۔ شہنشاہ کو خدا کا روتار نام دے کر اس کے اختیارات لامحدود کر دیے
ے۔ ظاہر ہے کہ جب طاقت کسی ایک فرد واحد کے ہاتھ میں جمع ہو جائے معاشرے
کی آجاتی ہے۔ ہر بڑا اپنے سے چھوٹے کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔
وم کی نہ مطلق العنانی حکومت صدیوں تک اسی ڈگر پر چلتی رہی۔ اس کی سرحدیں
یں اور پھیلیں۔ نصف سے زیادہ یورپ اس کے قبضہ میں تھا۔ ایشیا میں ملک شام
ا کی عیسائی ریاست بھی سلطنت روم کی سیاوت تسلیم کرتی تھیں۔ شمالی افریقہ کے
لاقہ بھی اسی کے ماتحت تھے۔ ظاہر ہے کہ اتنی وسیع سلطنت کے انتظامات میں
ا ہوتی تھیں جس کے نتیجے میں بغاوت کا ہونا لازمی تھا۔
ر دراز کے علاقوں میں بغاوتوں کو روکنے اور ملکی انتظام میں گڑبڑ کو دور کرنے اور
سلطنت روم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک سلطنت روما یا روم شرقی اور
سلطنت روم غربی۔ اس طرح مغرب کا شہنشاہ شہنشاہ رومتہ الکبری اور مشرق کا شہنشاہ
باز نسطین کہلانے اور پکارا جانے لگا۔ پس مارکوئیس کونریڈ نے روم کے جس شہنشاہ
کتابت کی تھی وہ روم شرقیہ کا شہنشاہ باز نسطین اسحاق تھا۔
وئیس کونریڈ کے باز نسطینی شہنشاہ کو اپنے جنگی کوائف لکھتے ہوئے یہ تحریر کیا تھا کہ

اس نے اپنی عمر کو کروسیڈ (صلیبی جنگ) کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اس کے لئے اس ار نے اب تک شادی نہیں کی ہے اور اس نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر اسے کروسیڈ میں کامیا حاصل ہوئی اور اس کی کوششوں سے یروشلم مسلمانوں کے ہاتھ سے آزاد ہو گیا تو وہ وہا سے کامیاب واپسی پر مانسٹریٹ جانے کے بجائے قسطنیطنہ میں رہائش کا پروانہ عطا کر جائے۔

مارکوئیس کونریڈ نے بے شک اپنی ذاتی قابلیت اور جنگی اور بحری اہلیت کی بنا پر کئ جنگوں میں حصہ لیا تھا اور شہرت بھی اس قدر حاصل کی تھی کہ جب مارکوئیس کونریڈ کا پہ خط اس کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے شہرت کی بنا پر مارکوئیس کو پہچان لیا۔ اس کی بدقسمتی اور مارکوئیس کونریڈ کی خوش قسمتی کہ شہنشاہ اسحاق کی ایک جوان بہن جو شہزاد اسحاقیہ کے نام سے جانی جاتی تھی، قسطنطنیہ میں کنواری بیٹھی تھی شہزادی کی عمر پچیس سا کے قریب تھی اور اسے اب تک کوئی رشتہ نہ ملا تھا۔

پس شہنشاہ اسحاق کو جب مارکوئیس کونریڈ کا پہلا خط ملا جس میں اس نے اشارتا اپنے کنوارے ہونے کا ذکر کیا تھا تو وہ خط شہنشاہ نے اپنی بہن کو قصداً" پڑھنے کے لئے دیدیا۔ شہزادی نے مارکوئیس کونریڈ کا پہلے ایک بار کسی سے نام سنا تھا۔ یہ اس کی سہیلی تھی جوایک سال اطالیہ (اٹلی) میں رہ چکی تھی۔ اس نے شہزادی اسحاقیہ کے سامنے مارکوئیس کونریڈ کی حیرت انگیز شخصیت اور دلچسپ باتوں کا کچھ اس انداز سے تزکرہ کیا تھا کہ شہزاد اس پر ان دیکھے ہی عاشق ہو گئی تھی۔ اگر شہزادی کی سہیلی قسطنطیفہ میں کچھ دن اور رہ ہوتی تو شاید وہ شہزادی کے ان دیکھے عشق کی داستان مارکوئیس کونریڈ کو لکھ چکی ہوتی لیکن اچھا ہوا کہ سہیلی کچھ دن قسطنطیفہ میں رہنے کے بعد اپنے گھر فرانس واپس چلی گئی تھی۔

اب اس کے بھائی شہنشاہ نے اسے مارکوئیس کونریڈ کا اچانک خط دیا اور اس نے آ میں مارکوئیس کونریڈ کا نام پڑھا تو وہ مارکوئیس کے تصور میں ایسی کھوئی کہ صبح سے دوپہر ت ایک ہی جگہ بیٹھی رہی۔ مارکوئیس کونریڈ نے اس خط میں سوائے قسطنطیفہ آنے کے ا کوئی بات نہ لکھی تھی لیکن شہزادی اسحاقیہ کے تصور میں خود اس کے خیالوں کی مارکوئیس کونریڈ کی ایک تصویر گردش کرنے لگی۔ شہزادی اس خط کو بار بار پڑھتی اور اپنے طور اس کا کوئی غلط مطلب نکالتے خوش ہو جاتی۔

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ مارکوئیس کونریڈ نے اپنے خط میں سوائے کروسیڈ کے متعلق اور کسی بات کا ذکر نہ کیا تھا اور صرف ضمناً" یہ لکھا تھا کہ اگر وہ مذہبی جنگ میں زندہ بچ تو قسطنطیقہ آکر اپنی بقیہ زندگی شہنشاہ قسطنطینہ کے سائے میں گزارے گا لیکن شہزا

ثانیہ کی نظریں خط میں لکھے ہوئے لفظ "شادی" پر گھوم پھر کے رک جاتی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ مارکوئیس کو کسی طرح علم ہو گیا ہو کہ شہنشاہ کے ایک بہن بھی ہے اور وہ جوان اور کنواری بھی ہے اور اس نے شہنشاہ کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہو کہ وہ قسطنطنیہ آکر شادی بھی کرے گا۔

مارکوئس کونریڈ جیسے شاطر آدمی کی ذات سے ہر بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ مارکوئیس کو شہزادی اسحاقیہ کے بارے میں کسی طرح معلومات حاصل ہو گئی ہوں اور اس نے سوچا ہو کہ مذہبی جنگ کے بعد اس کی اٹلی واپسی تو ناممکن ہو گی کیونکہ وہاں ایک بیاہی بیوی اشاریا کے علاوہ کتنی اور لڑکیاں بیٹھی اس کی جان کو کوس رہی ہوں گی۔ اس لئے اس حفظ ماتقدم (دوراندیشی) کے طور پر شہنشاہ کو اس مغالطہ میں ڈال دیا ہو کہ قسطنطینہ پہنچ کے شادی کرے گا اور اگر شہنشاہ کی بہن اس وقت تک غیرشادی شدہ رہی تو اس کی پہلی پسند شہزادی اسحاقیہ ہی ہو گی۔

مارکوئیس کونریڈ نے اپنے قسطنطینہ آنے کی تاریخ و مہینہ کا کوئی ذکر نہ کیا تھا کہ ایک تو اس زمانہ میں تیز رفتار ذرائع سفر موجود نہ تھی۔ خشکی کا سفر عام طور پر گھوڑوں پر ہوتا تھا اور بحری سفر میں وہ دخانی جہاز استعمال ہوتے تھے جن کی رفتار بہت ہی کم ہوتی لیکن مارکوئیس کے قسطنطنیہ آنے کی تاریخ کا کوئی اندازہ بھی نہ ہو سکتا تھا لیکن شہزادی اسحاقیہ اس کی آمد کا اس طرح انتظار کر رہی تھی جیسے مارکوئیس نے اسے ہی اپنے آنے کی اطلاع دی ہو۔ وہ روز شہنشاہ ایک دو بار مارکوئیس کو آمد کے بارے میں ضرور سوال کرتی تھی۔

مارکوئیس کونریڈ میں بہن کی اتنی دلچسپی محسوس کرکے شہنشاہ بہت خوش تھا۔ وہ شہزادی اسحاقیہ کی طرف سے بہت پریشان رہتا تھا۔ شہزادی کی عمر بڑھتی جا رہی تھی اور اس کے لئے کوئی رشتہ نہ مل رہا تھا۔ یہ نہیں کہ شہزادی خوبصورت نہ تھی۔ وہ نہایت حسین و جمیل دوشیزہ تھی۔ بڑی بڑی نرگسی آنکھیں گول چہرہ' شہابی رنگت۔ دراز قامت اور متناسب بدن۔ شہزادی اسحاقیہ کی سب سے بڑے خوابی یہ تھی کہ وہ شہنشاہ قسطنطنیہ کی چہیتی بہن تھی۔ اس کی یہی خوبی اسے دوسری لڑکیوں سے ممتاز کرتی تھی۔

پندرہ سولہ سال کی عمر میں شہزادی اسحاقیہ کے کئی رشتے آئے۔ ان میں کچھ رشتے معقول اور شاہی معیار پر پورے بھی اترتے تھے لیکن اس وقت شہزادی چھوٹی بچی تصور کی جاتی تھی۔ وہ بچکانہ کھیل کھیلتی اور بچکانہ ضدیں کرتی تھی۔ شہنشاہ نے یہ کہہ کر رشتوں سے انکار کر دیا کہ ابھی شہزادی بہت کمسن ہے اور یہ اس کے کھیل کود کے دن ہیں۔ ایک دو سال اس ٹال مٹول میں گزر گئے۔ پھر جو رشتے آتے تو وہ شہزادی اسحاقیہ نے خود ناپسند کر

دیے۔ وہ لاڈو پیار میں بہت ضدی اور خود سر ہو گئی تھی اس لئے اس کی نظریں کوئی
جچتا ہی نہ تھا۔

مزید تین چار سال کا عرصہ خود شہزادی نے انکار کر کے ضائع کر دیا۔ اس طرح شہزا
کی عمر تیئیس سال کی ہوگئی۔ اس عمر میں لڑکیوں کے چہرے پر بھولے پن کے بجائے ا
خاص قسم کی سنجیدگی آجاتی ہے جو اسے اور زیادہ عمر رسیدہ بنا دیتی ہے۔ یوں شہزادی
شادی کے دن نکل گئے اور اس کے رشتے آنا بھی بند ہو گئے۔ اب جو اطالیہ سے مارکوئ
کونریڈ کا خط آیا تو جیسے شہزادی کے خزاں رسیدہ گلستان میں اچانک بہار آگئی۔ اس
افسردہ چہرے پر رونق آگئی اور ڈھلتی جوانی کا روڑھاپن جاتا رہا۔

پھر دوسرا خط قاصد لے کر آیا۔ اس میں مارکوئیس کونریڈ نے شہنشاہ کو اطلاع دی
کہ وہ اطالیہ کے ساحل سے روانہ ہو چکا ہے اور کسی وقت بھی قسطنطنیہ پہنچ سکتا ہے
شہزادی اسحاقیہ نے یہ خط پڑھا تو وہ مسرت سے جھوم پڑی۔ شہنشاہ اسحاق نے شہزادی اسحا
کو شام کے وقت اپنے کمرہ خاص میں طلب کیا۔

"شہزادی تم نے مارکوئیس کونریڈ کو خط پڑھ لیا؟" شہنشاہ اسحاق نے مسکراتے ہو
دریافت کیا۔

"جی شہنشاہ بھائی۔ خط پڑھ لیا میں نے..." مسرت سے شہزادی کا کلیجہ بلیتوں اچھل
تھا۔ "کب آرہے ہیں شہزادے کونریڈ؟"

"شہزادی۔ کونریڈ شہزادے نہیں بلکہ امیر البحر ہیں۔ پندرہ بحری جہازوں کے افسر اعلٰ
..." شہنشاہ نے وضاحت کی۔

"میں جانتی ہوں شہنشاہ بھائی..." شہزادی نے اٹھلا کے کہا۔ "ہمارے مارکوئیس کونریڈ
شہزادوں سے کسی طرح کم ہیں کیا! میں تو انہیں شہزادوں سے زیادہ اہم سمجھتی ہوں..."

"بے شک۔ بے شک..." شہنشاہ نے تعریف کے انداز میں کہا۔ "مارکوئیس کانریڈ
بہت خوبیوں کا مالک جوان ہے۔ میں نے بہت لوگوں سے اس کی تعریف سنی ہے..."

شہنشاہ نے انتظار کیا کہ شاید شہزادی کچھ کہے گی لیکن وہ خاموش بیٹھی رہی دراصل وا
شہنشاہ کی اس قدر تعریف سے شرمائی جا رہی تھی۔

شہنشاہ نے شہزادی سے پوچھا۔ "کیوں شہزادی، مارکوئیس کونریڈ کے بارے میں تمہارا
کیا خیال ہے؟"

"سب کی بات نہیں۔ تم اپنی پسند بتاؤ؟" شہنشاہ نے اسے پابند کرنے کی کوشش کی۔

"یوں تو مجھے وہ پسند ہیں مگر فیصلہ تو میں دیکھ ہی کے کروں گی..." شہزادی اسحاقیہ نے

ا کے کہا۔

"خوبصورت ہے۔ شجاع ہے۔ مشہور ہے۔ کم عمر ہے۔ غیر شادی شدہ ہے۔ اب
ی کونسی بات ....باقی ہے..." شہنشاہ نے شہزادی کو مجبور کر دیا۔

"ٹھیک۔ میں انہیں پسند کرتی ہوں لیکن ان کی پسند بھی تو معلوم کرنی ہو گی...."
شہزادی نے جواب دیا۔

"شہزادی اگر مارکوئیس کونریڈ میں بیس خوبیاں ہیں تو اس کے مقابلہ میں تم میں چالیس
پائی ہیں..." شہنشاہ بڑے تکبر سے بولا۔ "تمہاری سب بڑی خوبی تو یہ ہے کہ تم
سلطنت کے تاجدار اور شہنشاہ روم شرقی آئزک (اسحاق) کی بہن ہو۔ مارکوئیس
کے یہ کیا کم اعزاز ہو گا کہ اس کے گھر ایک شہنشاہ کی بہن ہو گی۔"

"بے شک شہنشاہ بھائی آپ نے درست فرمایا۔" شہزادی جواب دے کے خاموش

شہنشاہ نے بھی اس وقت زیادہ گفتگو مناسب نہ سمجھی۔ مارکوئیس کونریڈ کوئی ایسی اہم
نہ تھی کہ شہنشاہ کو خیال ہوتا کہ وہ شہزادی کو قبول کرنے سے انکار کرے گا۔ شہنشاہ
اہتا تو اپنے کسی امیر یا وزیر سے شہزادی بڑی آسانی سے کر دیتا لیکن شہنشاہ اپنے بہن
ی شہزادے کی نسبت کا انتظار کرتا رہا پھر یہ ہوا کہ شہزادوں کے رشتے آئے لیکن اس
ے بعض کو شہنشاہ نے نامنظور کیا اور جنہیں شہنشاہ نے پسند کیا وہ شہزادی اسحاقیہ کی
یں نہ سما سکے اور انہیں ناکام ہونا پڑا۔

پھر شہزادوں کے رشتے آنا بند ہو گئے۔ امیروں، وزیروں نے اس لئے رشتہ نہ بھیجا کہ
دی کی بد دماغی یا بدمزاجی سے واقف تھے۔ شہنشاہ اور شہزادی دونوں نے مارکوئیس
ے اس لئے امید وابستہ کر لی تھی کہ وہ اگرچہ شہزادہ نہ تھا لیکن اس نے اپنی
، اور بیدار مغزی سے اس جوانی میں کئی اہم بحری معرکے جیتے تھے اور شہزادوں سے
زیادہ عزت اور شہرت حاصل کی تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے طور پر مارکوئیس
کو شہزادوں کا درجہ عطا کر دیا تھا۔

شہنشاہ کو مارکوئیس کونریڈ اور شہزادی اسحاقیہ کی شادی کا اس قدر یقین ہو گیا تھا کہ اس
لوئیس کونریڈ کے قسطنطنیہ میں قیام و طعام کی ذمہ داری شہزادی کے سپرد کر دی تھی
رادی اسحاقیہ نے یہ ذمہ داری شکریہ کے ساتھ قبول کی تھی۔ شہزادی کو دن بھر کام ہی
نا تھا۔ ادھر بیٹھی۔ کسی کو ڈانٹا تو کسی سے خوش ہو کر اس کا دامن جواہرات سے بھر
نشاہ بہن کا بہت خیال رکھتا اور اس کی کوئی بات نہ ٹالتا تھا۔

شہزادی کو مارکوئیس کی مہمان نوازی کی ذمہ داری ملی تو اس نے فوراً ہی شاہانہ
کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یورپ کے بڑے بڑے بادشاہ اور والیان ریاست سرد تفریح
لئے قسطنطنیہ آیا ہی کرتے تھے۔ شہزادی کو نئے نئے لوگوں سے ملنے کا شوق تھا اس لئے
مہمان نوازی کے کاموں میں دلچسپی لیتی تھی اور انتظامات کے سلسلہ میں ہر جگہ موجود ر
تھی۔ اب تو اسے خود ہی میزبان کا درجہ دیدیا گیا تھا۔ چنانچہ شہزادی اسحاقیہ نے فو
انتظامات شروع کر دئے۔

شہزادی کو سب بڑی یہ فکر تھی کہ مارکوئیس کونریڈ کہیں اچانک ساحل پر نہ
جائے۔ شہزادی دراصل مارکوئیس کو ساحل سمندر پر شاہانہ استقبال کرنا چاہتی تھی۔ ا
لئے لازم تھا کہ اسے مارکوئیس کے آنے کی کچھ دیر پہلے خبر مل جائے۔ اس کی تدبیر شہزا
نے یہ کی کہ دو تیز رفتار کشتیاں اس نے دور سمندر میں بھجوا دیں۔ ان کشتیوں کی
داری تھی کہ وہ مارکوئیس کونریڈ کے بیڑے کی تصدیق کرتے ہی فوراً شہزادی کو مطلع
دیں تاکہ شہزادی ساحل سمندر پر پہنچ کر مارکوئیس کونریڈ کو خوش آمدید کہہ سکے۔
شہنشاہ اپنی بہن کی خاطر مارکوئیس کونریڈ کے استقبال کو خود بھی ساحل سمندر پر جا
کے لئے آمادہ تھا مگر شہزادی نے خود ہی اسے روک دیا تھا۔ شاہی خاندان اور امرا
سلطنت کو جب معلوم ہوا کہ شہنشاہ قسطنطنیہ ایک معمولی بحری بیڑے کے امیر البحر
استقبال کو ساحل پر جانے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ لوگ فوراً شہزادی اسحاقیہ کے پاس
گئے۔

شہزادی کو ان کا انداز ناگوار گزرا۔ اس نے بھی اسی سختی سے جواب دیا۔ ""
امرائے سلطنت۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ میرے انتظامات دیکھنے کے لئے یہاں تشری
لائے۔ جہا تک شہنشاہ کے استقبال کے لئے ساحل پر آنے کا سوال ہے اس کے لئے
افسوس کی ساتھ آپ کو مطلع کرتی ہوں کہ نہ تو میں شہنشاہ کی افسر بکار خاص (CD
ہوں کہ اس قسم کی اطلاعات آپ کو فراہم کر سکوں اور نہ مجھ میں یہ ہمت کہ کہ میں شہ
کے کہیں آنے جانے پر پابندی لگا سکوں۔"
وفد بنا کے آنے والے امرا اور اس کے عزیز و اقارب اپنا سامنہ لے کے رہ گئے
یوں کہنا چاہئے کہ وہ گھگیا نے اور کھسیانے لگے۔ ایک نے خوشامدانہ انداز سے کہا۔
"شہزادی عالیہ نے درست فرمایا۔ شہنشاہ معظم کو کون روک سکتا ہے۔ شہنشاہ تو شہ
ہوتا ہے۔ انہیں تو ہر بات کا اختیار ہے۔"
"اے عقلمند امیر۔" شہزادی کا لہجہ پہلے سے زیادہ سخت ہو گیا۔ "جب آپ کو مط

شہنشاہ مطلق انسان ہیں تو پھر آپ یہ وفد لے کر میرے پاس کیوں آئے۔ میں یہاں
شاہی مہمان کے استقبالی انتظامات دیکھنے آئی ہوں اس لئے کی یہ ذمہ داری مجھے سونپی
ہے۔ میں یہ نہیں جانتی کہ اس استقبالئے میں کون آئے گا۔ کون شریک ہو گا اور کسی
ں بلایا جائے گا۔ اگر شہنشاہ نے یہاں آنے کی مجھے اطلاع دی تو میں انہیں روکنے والی
ہوتی ہوں۔ آپ نے خود کہا ہے کہ بادشاہ تو پھر بادشاہ ہوتا ہے اسے کون روک سکتا

شہزادی حرم سرائے شاہی پر پہنچی تو اسے بتایا گیا کہ شہنشاہ دوپہر کے کھانے کے بعد
فرما رہے۔ شہزادی کو اپنی نادانی پر افسوس ہوا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ خود بھی
کرتی تھی۔ اسے یہ پہلے ہی سوچ لینا چاہئے تھا کہ یہ وقت شہنشاہ کے آرام کا ہے۔
ت ان سے ملاقات ناممکن ہے لیکن امرا کے وفد سے ملاقات نے اسے غصہ دلا دیا
ن کے رخصت ہوتے ہی وہ طنطناتی شاہی حرم سرا پہنچ گئی۔ ظاہر تھا کہ اس وقت اسکے
اب ملنا تھا۔ حرم سرا کے محافظ شہزادی اسحاقیہ کو پہچانتے تھے۔ شہنشاہ کو عام حالات
ار کرنا کسی کے بس میں نہ تھا۔ انہوں نے شہزادی کو وہی روایتی جواب دیا جو ایسے
دیا جاتا ہے۔
شہزادی واپس جانے کے بجائے برابر کے کمرے میں بیٹھ گئی اور غلام کو کھانا لگانے کا
۔ کھانے کا وقت اگرچہ گزر چکا تھا لیکن ناظم مطبخ شہزادی سے انکار نہ کر سکتا تھا۔
نے منٹوں میں انتظام کیا خود شہزادی کو اطلاع دینے پہنچا۔۔۔۔
"شہزادی عالیہ۔ کھانا لگ چکا ہے۔ آپ تشریف لے چلئے۔" ناظم مطبخ نے شہزادی کو
ا۔
شہزادی' ناظم کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔
"شاید تم نے ہماری بھوک کا اندازہ کر لیا ورنہ اتنی جلدی کھانا تیار نہیں ہو سکتا
ور شہزادی ناظم کے پیچھے پیچھے کھانے کی کمرے کی طرف چل پڑی۔
ظم نے چلتے ہوئے کہا۔ "شہزادی عالیہ۔ شاہی محلات کے ملازم خاص کر شاہی خوابگاہ
ی مطبخ کے داروغہ صرف حکم سنتے ہیں اور اس پر عمل کرنے دوڑ پڑتے ہیں۔ ان کی
ہیں کہ تعمیل حکم میں لیت و لعل کریں یا بہانے تراشیں۔ یہ تو دن کا وقت ہے اگر
طبخ سے نصف شب کے بعد کھانا طلب کیا جائے تو صرف چند لمحوں مین تیار کر کے
جائے گا۔"
ظریں اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ اس زمانہ میں آج کل کی طرح فریج اور ہاٹ

پاٹ نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ لوگ اس مثل پر عمل کرتے تھے....

"شاہی چولہا کبھی نہیں بجھتا۔"

شاہی مطبخ ہر وقت گرم رہتا تھا۔ شہنشاہ سے ملنے والے دور دور سے آتے تھے۔ کھانے وقت نہ بھی ہو تو داروغہ مطبخ کو حکم تھا کہ مہمانوں کو لازمی طور پر کھانا پیش جائے۔ اسی لئے شہزادی کے کھانا طلب کرتے ہی فوراً میز پر لگا دیا گیا۔ جس مسلمانوں میں عام طور سے دستر خواں کا رواج تھا اسی طرح نصرانی میز کرسی پر کھانا کھ تھے۔ ہم کس قدر نادان ہیں انگریزوں کو برصغیر چھوڑے نصف صدی گزرنے کے قریب مگر ہم ان کی تقلید میں میز کرسی پر کھانا کھانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ فی زمانہ کر بھی متروک ہو گئی ہیں اور دعوتوں میں صرف میزیں استعمال ہوتی ہیں اور لوگ شادی گھ یا شامیانوں میں چہل قدمی کرتے ہوئے کھانا کھاتے ہیں بلکہ شغل فرماتے ہیں۔ پیٹ بیماریوں کی ایک وجہ کھڑے ہو کر کھانا کھانا بھی ہے۔

کھانے کے بعد شہزادی نے وہیں ایک کمرے میں تھوڑے دیر آرام کیا بالفاظ دیگر سیدھی کی۔ اسے امیروں پر سخت غصہ آ رہا تھا اس لئے اسے پوری طرح نیند بھی نہ آ مگر یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ شہزادی کے ساتھ ہی شہنشاہ بھی بیدار ہو گیا۔

"شہزادی نے حیرت بھری نظروں سے کنیز کو دیکھا۔ "شہنشاہ بھائی کو کیسے معلوم ہو ہم ان سے ملنے آئے ہیں؟"

کنیز نے ادب سے جواب دیا۔ "شہنشاہ کا حکم ہے ان کے صبح کو بیدار ہونے پر یا د کے سونے کے بعد ان کے اٹھنے پر انہیں پہلے یہ بتایا جائے ان کے محوخواب ہونے اور سے کون کون اشخاص ان سے ملاقات کے لئے آئے تھے۔ چنانچہ شہنشاہ کے بیدار ہوتے انہیں آپ کے آنے کی اطلاع دی گی اور انہوں نے آپ کو فوراً طلب کر لیا۔"

کنیز کے اس جواب سے شہزادی کا آدھا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اسے شہنشاہ روم شرقی کی مغزی اور دور اندیشی سے بڑے مسرت ہوئی۔ شہزادی نے بھائی کو سلام کیا تو اس نے کیا۔

"شہزادی تم آئی تھیں تو ہمیں بیدار کر لیا ہوتا۔ انتظار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"شہنشاہ بھائی...." شہزادی نے بات بنائی۔ "کوئی ایسی خاص بات نہ تھی کہ میں آ کو نیند سے بیدار کرتی۔ بس یونہی آگئی تھی۔"

"مجھے نہیں جگانا تھا تو پھر واپس چلی جاتیں۔ میں تمہیں تمہارے محل سے بلوا لیتا شکایت کے لہجے میں شکایت کے ساتھ محبت بھی تھی۔"

"شہنشاہ بھائی۔ میں آگئی تو سوچا کہ مل ہی کے جاؤں گی۔" شہزادی اسحاقیہ نے جواب "غلطی میری ہی تھی۔ مجھے پہلے ہی سوچ لینا تھا کہ یہ وقت آپ کے آرام کا ہے دوپہر کھانے کے بعد آپ تھوڑی دیر آرام ضرور فرماتے ہیں...."

"ارے ہاں تمہارے کہنے پر یاد آیا۔" شہنشاہ چونک کے بولا۔ "تم نے کھانا بھی کھایا یا تک بھوکی ہی ہو۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم بہت دیر سے ہمارا انتظار کر رہی ہو؟"

"میں نے یہاں پہنچتے ہی کھانا کھا لیا تھا...." شہزادی نے جواب دیا۔

"حالانکہ مجھے بھوک نہیں لگ رہی تھی۔"

"کیا کہہ رہی ہو شہزادی....؟" شہنشاہ فکر مند ہو گیا۔ "بھوک کا وقت پر نہ کھانا کوئی علامت نہیں...."

"میری فکر نہ کیجئے شہنشاہ بھائی...." شہزادی نے ہنس کے کہا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ام کی وجہ ہے کبھی کبھی کھانا بھول جاتی ہوں۔"

کام۔ تم سے کام کرنے کے لئے کس نے کہا۔؟" شہنشاہ کوچ پر سنبھل کے بیٹھ گیا۔ "وہ رنے کے لئے ہزاروں نوکر چاکر موجود ہیں۔"

"شہنشاہ بھائی۔ آپ تو بھول جاتے ہیں۔" شہزادی بولی.... "آپ نے خود ہی تو مجھے س کونرنڈ کے قیام و طعام کی ذمہ داری سونپی ہے۔ صبح سے شام تک اس کے انتظام ں رہتی ہوں۔ کھانے پینے کا ہوش ہی نہیں رہتا...."

"ارے واہ بھئی یہ عجیب بات ہو گئی...." شہنشاہ نے ہلکا قہقہہ لگایا۔ "ہمیں نہیں تھا کہ تم اس قدر دلچسپی سے استقبال کے انتظام میں مصروف ہو۔ کام تو ہوتا ہی رہتا یں اتنی جان لگانے کی ضرورت نہیں۔"

"شہنشاہ بھائی۔ آپ نے تو کہا تھا کہ مارکوئیس کا خاص خیال رکھا جائے..." شہزادی پنے جزبات دباتے ہوئے کہا۔ "اگر ان کے استقبال میں کوئی کمی رہ گئی اور انہیں ہوا کہ انتظامات کی میں ذمہ دار ہوں تو وہ دل میں کیا سوچیں گے۔؟"

شہنشاہ نے شوخ نظروں سے شہزادی کو دیکھا۔ "ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔ جب ں آف مانسٹریٹ کو معلوم ہو گا کہ ان کے استقبال کے انتظامات شہزادی قسطنطنیہ کا پھر وہ کیا سوچیں گے۔ یہ تو واقعی سوچنے کی بات ہے۔ انتظامات بالکل ٹھیک ٹھاک ئیں تاکہ مارکوئیس کسی بات پر انگلی نہ اٹھا سکے..." اور شہنشاہ نے ایک بار پھر ہلکا سا ہیر دیا۔

رہنے دیجئے بھائی جان۔ آپ تو میرا مذاق اڑانے لگے..." شہزادی شرماتے ہوئے

بولی۔ "شہنشاہ بھائی یہ تو فرمایئے کہ آپ کے کون کون سے امیر وزیر مارکوئیس کو نزد
ساحل پر استقبال کریں گے...."

"یہ بھی تم اچھا یاد دلایا..." شہنشاہ کچھ سوچنے لگا پھر بولا...." ہمارا خیال ہے کہ سا
پر امیر البحر قسطنطنیہ اور وزیر اعظم، مارکوئیس کا اس حیثیت سے پرتپاک استقبال کریں
کروسیڈ کا پر جوش مجاہد ہے اور وہ اس موقعہ پر بھی صلیبی جنگ لڑنے فلسطین جا رہا ہے
ایسے مجاہدوں اور کلیسا کے سپاہیوں کا استقبال کرنا ہر بادشاہ کا فرض ہے۔ ساحل کے استقبا
کے بعد دوسری صبح ہم مارکوئیس کا دربار خاص میں اپنے تمام اور معززین کے سا
استقبال کریں گے پھر اسی شب کو اسے ایک شاندار ضیافت اس کا کی عزت افزائی فرمائ
گے...."

"شہنشاہ نے بالکل درست فرمایا..." شہزادی نے شہنشاہ کی تائید کی۔

پھر کچھ دیر شہزادی اور شہنشاہ مارکوئیس کانریڈ کے بارے میں ذاتی طور سے گفتگو کر
رہے۔ شہزادی کا جی چاہا وہ ساحل پر آنے والے امیروں کو بے نقاب کرکے انہیں
دلانے کی کوشش کرے مگر پھر یہ سوچ کے اس نے اپنا ارادہ بدل دیا کہ ایسے خوشی
موقعہ پر کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ ہونا چاہئے۔

قسطنطنیہ کا خوبصورت شہر بحر اسود کے کنارے شاخ زریں پر آباد ہے۔ شاخ زریں خشکی
وہ تکونی پٹی جو سمندر میں دور تک چلی گی ہے اس کے تین اطراف ہیں سمندر اور صرف
ایک طرف خشکی ہے۔ اسی لئے قسطنطنیہ جو ایک نہایت مضبوط قلعہ کی پناہ میں تھا۔ ا
ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس پر حملہ کرنے کے لئے بحری جہازوں کی ضرورت تھ
لیکن جس بحری راستے سے بیرونی جہاز بحر اسود میں آسکتے تھے اسے باز نطینی (شہنشاہ رو
مشرق) جہازوں نے گھیر رکھا تھا اور ساحل کے دونوں طرف اس قدر مضبوط مورچے قا
کئے تھے کہ ان کی زد سے بچ کر جہاز بحر اسود میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔

قسطنطنیہ کا خوبصورت شہر صدیوں سے سر اٹھائے شاخ زریں کے سینے پر جما ہوا تھا
باہر سے آنے والے تمام جہازوں کو بحر اسود کے بحری راستے سے گزرنا پڑتا تھا اور جب تک
کوئی جہاز بحاسود میں داخلہ کا پروانہ نہ حاصل کر لیتا اس کا داخل ہونا ناممکن تھا۔ بحر اسو
میں داخل ہونے کا راستہ ایک تنگ درہ سے گزرتا تھا جسے درہ دانیال کہا جاتا ہے۔

ایک شام شہزادی اسحاقیہ استقبالی انتظامات دیکھ کے آرہی تھی۔ وہ ابھی اپنی چا
گھوڑوں کی بگھی میں آکے بیٹھی ہی تھی کہ ایک غلام بھاگتا ہوا بگھی کے پاس پہنچا۔ شہزادی

زور سے اچھلا۔

"کیا بات ہے تم پریشان کیوں ہو؟" شہزادی نے نرمی سے دریافت کیا۔

"شہزادی عالیہ ..." اس نے تیز تیز سانسوں کے درمیاں کہا۔ "وہی بحری بیڑا آگیا جس
ار تھا..."

"آگیا.... کہاں ہے وہ ؟..." شہزادی اچھل کے بگھی سے اتر پڑی۔

"جی وہ ابھی سمندر میں ہے۔ ایک کشتی یہ خبر لے کر ساحل پر آئی ہے اور میں فوراً
طرف بھاگ پڑا..." غلام نے سانس سنبھالتے ہوئے کہا۔

شہزادی واپس ساحل پر آگئی۔ وہاں وہ قاصد موجود تھا جو بحری بیڑے کی خبر لایا تھا۔
نے شہزادی کو بتایا کہ چودہ بحری جنگی جہازوں کا ایک بیڑا دور سمندر میں ٹھہرا ہوا ہے۔
نے اپنے دو ملاح ساحلی دفتر سے بحری بیڑے کے آنے کی اجازت لانے کے لیے بھیجے ہم
روک کے تحقیقات کی تو معلوم ہوا بیڑے کے امیر البحر کا نام مارکوئیس ہے اور انہوں
ے شہنشاہ کو خط بھی بھیجے تھے۔

"ہاں ہاں وہی ہیں...." شہزادی خوش ہو گئی۔

شہزادی نے اسی وقت استقبال کا انتظام کرنے والوں کو وہیں طلب کر لیا اور انہیں
جلدی ہدایات دے کر کام میں لگا دیا۔ پھر ایک آدمی کو بادشاہ کی طرف اور دوسرے کو
ظم کی طرف روانہ کیا۔ شہنشاہ نے شہزادی سے کہہ دیا تھا کہ جس وقت مارکوئیس
نے کی خبر ملے تو وہ وزیر اعظم کو اطلاع کر دے۔ وزیر اعظم استقبال میں شریک ہونے
مرا اور وزرا کو لے کر ساحل پر پہنچ جائیں گے۔

زادی اس کام سے فارغ ہوئی تھی کہ اسے مطلع کیا گیا کہ بحری بیڑے کا ایک جونیر
ہے اور وہ ساحل پر کسی ذمہ دار آدمی سے بات کرنا چاہتا ہے۔ شہزادی نے اس
ایک آدمی بھیج کے وہیں بلوایا۔ آدمی نے وہاں جا کے اس آدمی کو بتایا کہ اسے
بلا رہی ہیں۔

زادی کے نام پر وہ چونکا۔ "یہ شہزادی کون ہیں اور مجھے کیوں بلوا رہی ہیں"
زادی کے غلام نے جواب دیا۔ "تم کسی ذمہ دار شخص سے ملنا چاہتے تھے۔ اس
زادی سے زیادہ اور کوئی ذمہ دار ساحل پر موجود نہیں۔ میں تمہیں انہی کے پاس
رہا ہوں۔

نشاہ کے مہمان کے استقبال کا وہی انتظام کر رہی ہیں؟"

تمہاری شہزادی کا نام کیا ہے؟" بحری افسر نے دلچسپی سے پوچھا "ان کا نام شہزادی

اسحاقیہ ہے۔ محل والے انہیں شہزادی قسطنطنیہ بھی کہتے ہیں اور ایک راز کی بات میں آ
کو بتاؤں....“ غلام بہت باتونی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے غیر ملکی پر رعب جمانے کے لئے ا
راز بتانے کی پیش کش بھی کر دی۔
”ہاں...ہاں ضرور بتاؤ....راز کی کونسی بات ہے؟“ بحری افسر نے اور زیادہ دلچسپی ظا
کی۔ غلام نے ادھر ادھر دیکھا پھر آہستہ سے بولا....”کان ادھر لاؤ کسی کو بتانا نہیں....“
بحری افسر نے کان اس کے منہ کے قریب کر دیا....”لو اب بتاؤ....“
اور غلام نے رازا گل دیا۔” راز یہ ہے کہ شہزادی قسطنطنیہ ہمارے شہنشاہ کی ب
ہیں“
”اچھا تو یہ شہنشاہ کی بہن ہیں؟“ بحری افسر نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔
”ہاں ہاں بہن ہیں شہنشاہ کی....“ غلام نے دوبارہ زور دے کے کہا.... ”اور تم
ایک اور راز کی بتاؤں؟“
بحری افسر سمجھ گیا غلام یا تو بہت سیدھا ہے‘ پھر شہزادی کا کوئی چالاک جاسوس ہے
اس پر شہزادی کا رعب ڈالنا چاہتا تھا۔
”تم تو اپنے دوست ہو....“ بحری افسر نے بڑے پیار سے کہا.... ”جتنے چاہے راز ب
میں کسی سے کہوں گا تھوڑی....“
”تو کان کھول کے یہ بھی سن لو کہ شہزادی نے اب تک شادی نہیں کی....“ غلام
ایک راز اور اگل دیا۔
”کیوں شادی نہیں کی اب تک؟“ بحری افسر نے پوچھا۔
”بہت خوبصورت ہے نا۔ کوئی مرد پسند ہی نہیں آتا اس کو....“ غلام نے سادگی
بتا دیا۔
بحری افسر اک دم رکا اور بولا۔ ”اچھا بھئی۔ تمہارا بہت بہت شکریہ....“
غلام نے حیرانی سے اس کا منہ دیکھا۔ ”آپ کیا فرما رہے ہیں۔ شکریہ کس بات کا
”بس یہی باتیں کرنے کا شکریہ۔“ بحری افسر مسکرا رہا تھا.... ”تم بہت سچے اور
آدمی ہو ۔ پھر ملاقات ہو گی....“
یہ کہہ کے بحری افسر واپس ہو کر ساحل کی طرف چلنے لگا۔ غلام گھبرا گیا۔ اس نے
کے افسر کو پکڑ لیا۔
”یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ شہزادی سے ملاقات نہیں کیجئے گا....“ غلام نے بڑ
عاجزی سے کہا۔

”نہیں بھائی۔ اب شہزادی سے ملاقات کی ضرورت نہیں....“ بحری افسر کے چہرے پر
ہی مسکراہٹ تھی۔
”کیوں ملاقات کی ضرورت کیوں نہیں۔“ غلام گھبرا گیا تھا....” آپ میرے ساتھ ضرور
ورنہ میری نوکری چلی جائے گی....“ شہزادی پوچھیں گی کہ انہیں کیوں نہیں لائے تو میں
واب دوں گا؟“
”ہاں۔ یہ بات تو ہے۔“ بحری افسر رک کے کھڑا ہو گیا پھر سوچتے ہوئے بولا.... ”اچھا تم
دی سے کہہ دینا کہ شہنشاہ کے مہمان دو گھنٹے بعد ساحل پر پہنچ جائیں گے....“
بحری افسر کی یہ بات غلام کی سمجھ میں آ گئی۔
اس نے سرہلاتے ہوئے کہا....” دو گھنٹے بعد مہمان آئیں گے....“
اور غلام تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس ہو گیا۔ اب بحری آفیسر اسے حیران نظروں سے جاتا
دیکھا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ غلام واقعی بھولا آدمی تھا یا کوئی چالاک
س۔ بہرحال وہ یہی سوچتا ہوا ساحل کی طرف چلنے لگا۔
ٹھیک دو گھنٹے بعد مارکوئیس کا بحری بیڑا ساحل سے لگ گیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا مگر
ل پر مشعلوں کی اس قدر تیز روشنی تھی کہ دن کا گماں ہوتا تھا۔ شہزادی نے پچھلے دو
ں میں مشرقی سلطنت روما کے تمام مقتدر لوگوں مارکوئیس کونریڈ کے استقبال کے لئے
ل سمندر پر بلا لیا تھا۔ شہزادی اسحاقیہ وزیراعظم کے ساتھ استقبال کے لئے سب سے
کھڑی تھی پھر پیچھے کی طرف عمائدین سلطنت تھے۔
اس طرح سب سے آگے مارکوئیس کونریڈ کا جہاز تھا۔ مارکوئیس بڑا خوبصورت جوان
اس کا دل تو واقعی کالا تھا مگر اوپر سے اس قدر وجیہ اور با رعب تھا کہ دیکھنے والا دل
ل میں اس کی وجاہت کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ شہزادی اسحاقیہ کو اسے
نے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ مارکوئیس کونریڈ کے چہرے کی ہلکی سی مسکراہٹ اور ناپ
کے قدم رکھنے کا انداز پکار پکار کے کہہ رہا تھا کہ وہ اس بحری بیڑے کا امیرالجر ہے۔
اس کے سینے پر اطالیہ (اٹلی) کا بحری نشان بھی جگمگا رہا تھا۔
عمر رسیدہ وزیراعظم نے آگے بڑھ کے مارکوئیس سے مصافحہ کیا اور شہزادی سے
کرایا۔
”آپ ہیں شہزادی اسحاقیہ۔ شاہی خاندان کی سب سے عظیم اور محترم خاتون۔“
مارکوئیس کونریڈ کا دل شہزادی کو دیکھتے ہی مچل گیا تھا۔ اس نے جذبات سے پر لہجہ میں
۔ ”خوش قسمت ہوں کہ مجھے قسطنطنیہ میں سب سے پہلے شہزادی سے ملاقات کا شرف

حاصل ہوا..."

شہزادی' مارکوئیس کونریڈ کی وجاہت اور مہذب انداز سے مرعوب ہو گئی تھی
نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر زبان ساتھ نہ دے سکی پھر بھی اس کا ہاتھ مصافحہ کے
مارکوئیس کی طرف بڑھ گیا۔ مارکوئیس کی نظریں شہزادی کی نظروں سے ملی ہوئی تھیں
لئے وہ شہزادی کا اٹھا ہوا ہاتھ نہ دیکھ سکا۔

وزیراعظم جو ادھیڑ عمر تھا مگر شہزادی کی خواہش ایک عرصہ ..." اس کے دل میں
ہوئی تھی' نے ان کی نظروں کے تصادم سے فوراً" اندازہ لگا لیا کہ اب شہزادی ہاتھ
گئی۔ آخر اس نے زور سے کھنکا کر شہزادی اور ماکوئیس دونوں ہی چونکا دیا۔

"پیارے مارکوئیس کونریڈ..." وزیراعظم نے اسے مخاطب کیا..." شہزادی عالیہ آ
مصافحہ کا شرف بھی بخشنا چاہتی ہیں۔ آپ توجہ فرمایئے..."

مارکوئیس کونریڈ گڑبڑا گیا...."جی بہت بہت شکریہ...."

اور مارکوئیس نے جلدی سے اپنے ہاتھ میں شہزادی کا ہاتھ دبا لیا۔ شہزادی کے ہا
پر دستانے چڑھے تھے لیکن مارکوئیس کونریڈ نے انگلیوں کی نرماہٹ سے یہ اندازہ لگایا کہ
ہاتھوں اور شاہی خاندان کی خواتین کے ہاتھوں میں ایک خاص قسم کا فرق ہوتا
مارکوئیس کونریڈ نے شہزادی کا ہاتھ معمول سے زیادہ دیر تک اپنے ہاتھ میں دبائے ر
اس سے کونریڈ نے یہ بھی محسوس کیا کہ/شہزادی کے ہاتھ میں ہلکی سی تھرتھراہٹ ہے
تھرتھراہٹ لڑکی کے ہاتھ میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ کسی اپنی پسند کے آدمی
مصافحہ کرتی ہے۔

شہزادی اسحاقیہ' مارکوئیس کونریڈ سے کچھ اس درجہ مرعوب ہوئی کہ اسے بالکل
لگ گئی۔ بندرگاہ پر تمام بڑے بڑے امرا' وزرا اور عمائدین سلطنت مارکوئیس سے ملا
کے لئے آئے تھے۔ مارکوئیس کونریڈ ان سے بڑے اخلاق اور مہذب طریقہ سے ملا اور
ہنس کے گفتگو کرتا ہر مگر اس تمام عرصہ شہزادی بالکل خاموش رہی حالانکہ وہ سب
ساتھ تھی۔

بندرگاہ کے شاندار استقبال سے مارکوئیس کونریڈ بہت خوش تھا۔ پتہ نہیں شہ
اسحاقیہ کے بارے میں اس نے پہلے کچھ سن رکھا تھا کہ نہیں لیکن اس پہلی ملاقات ہی
مارکوئیس کونریڈ اس کے بہت قریب ہو گیا تھا۔ مارکوئیس کو اس بے قوف غلام سے
معلوم ہی ہو گیا تھا کہ شہزادی ابھی تک غیر شادی شدہ ہے اور اس کی شادی نہ ہو
وجہ سے بھی وہ آگاہ ہو گیا تھا۔ مارکوئیس کونریڈ خود ہی ایک بحری افسر کے بھیس میں سا

تھا پھر جب اسے تمام باتیں غلام سے معلوم ہو گئیں تو پھر وہ کسی اور سے ملے بغیر واپس
آیا تھا۔

استقبال کی رسومات ختم ہو گئیں۔ مارکوئیس کونریڈ کا ایک ایک کر کے استقبال کے لئے
نے والے تمام عمائدین سے تعارف کرایا گیا۔ اس کے دوران شاہی بینڈ موقعہ کے لحاظ
طربیہ دھنیں بجا کر داد تحسین وصول کرتے رہے۔ پھر وزیراعظم نے سب کو باری باری
ت کر دیا۔ اب جو اس نے نظریں گھما کر شہزادی اسحاقیہ کو دیکھا تو وہ مارکوئیس کونریڈ
ہاتھ دور پر ساحلی جنگلے کے قریب کھڑی دکھائی دی۔ تجربہ کار وزیراعظم کے چہرے پر
ی مسکراہٹ پیدا ہوئی پھر وہ آہستہ آہستہ ساحل پر سے چلا گیا۔

شہزادی اسحاقیہ اور مارکوئیس کونریڈ باتوں نے ایسے مشغول ہوئے کہ انہیں یہ بھی خبر
ی کہ عمائدین سلطنت ساحل سے کب واپس گئے اور وزیراعظم ان سے مسکراتا ہوا
ے کب رخصت ہوا۔ ان کے باتیں تھیں کہ شیطان کی آنت۔ ختم ہونے کا نام ہی نہ
ں۔ آخر ان دلچسپ باتوں میں ساحل کا شاہی منتظم حائل ہوا۔ اسے شہزادی کو اس
ع دینے حاضر ہوا تھا۔

شہزادی عالیہ میں گستاخی کی معافی چاہتا ہوں" اور منتظم نے سر جھکا دیا۔

ہزادی نے پلٹ کے دیکھا۔ "کہو کیا بات ہے؟"

شہزادی عالیہ... مہمان رخصت ہو چکے ہیں۔ کھانے کا وقت ہو رہا ہے..." منتظم نے
نائی۔

مارے معزز مہمان مارکوئیس کونریڈ کے ساتھی کہاں ہیں..." شہزادی نے سوال کیا۔
وئی تکلیف نہ ہونا چاہئے...."

تکلیف کیسے ہو گی شہزادی عالیہ.... مارکوئیس کونریڈ آپ کے مہمان ہیں۔ ناظم نے
...." میں نے آپ کے محل کے برابر والے محل میں معزز مہمان کے قیام کا انتظام
۔ کوئی تکلیف نہیں ہو گی انہیں...."

ر مارکوئیس کے بحری لشکر کے لئے کہاں انتظام کیا ہے؟" شہزادی نے دریافت کیا۔
ریوں کے لئے محل کے پاس باغ اور محل کے باہر مشرقی میدان میں خیمہ لگوا دئے
ے" ناظم نے فخر سے کہا۔

ی کو غصہ آگیا.... "مگر تم نے ابھی تک جہازوں سے لشکر اتارنے کا انتظام کیوں نہیں

دی عالیہ...." ناظم سر بلند کر کے بولا.... "لشکری جہازوں سے اتر کر محل پہنچ چکے

ہیں اور اس وقت اپنے خیموں میں آرام کر رہے ہوں گے سوائے ان لشکریوں کے جنہو
نے جہازوں پر ہی مقیم رہنا پسند کیا یا جنہیں ان کے یونٹ کپتان نے جہاز ہی پر ٹھہرنے
حکم دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم پوری محنت اور لگن سے کام کیا ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔" شہزا
نے ناظم کو رخصت کرنا چاہا۔

"بہتر ہے شہزادی عالیہ...." ناظم نے کہا۔ "لیکن میں تو آپ کو لینے آیا ہوں...."

"کیوں۔ کیا ضرورت پڑ گئی ہماری؟" شہزادی مسکرائی۔

"میں آپ کو مطلع کرنے آیا ہوں کہ کھانا تیار ہو چکا ہے...." ناظم نے بتایا۔

"آپ محل میں کھانا تناول فرمائیں گی یا یہیں انتظام کیا جائے؟"

شہزادی نے مارکوئیس کی طرف دیکھا.... "کیا خیال ہے مارکوئیس کونریڈ.... کھانا سم
کے کنارے کھایا جائے یا محل چلیں؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں اس سلسلہ میں ...." مارکوئیس نے بڑی خوبصورت ہنسی ا
چہرے پر بسا رکھی تھی۔ "میں تو شہزادی قسطنطنیہ کے حکم کا تابع ہوں..."

شہزادی نے ناظم سے کہا۔ "ہم محل جا رہے ہیں۔ وہیں کھانا کھائیں گے...."

ناظم نے جانے سے پہلے پھر سر جھکا کر کہا۔ "شہنشاہ معظم نے خواہش کی ہے
مہمانوں کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد شہزادی عالیہ، شہنشاہ سے ملاقات فرمائیں..."

"اچھا... یہ حکم ہے..." شہزادی گھبرا گئی۔ "شہنشاہ نے کوئی اور بھی حکم دیا ہے؟"

"غلام کو اس کے علاوہ کسی اور بات کی خبر نہیں...." ناظم نے اپنی مجبوری کا اظ
کیا...." مجھے صرف اتنا ہی بتایا گیا تھا۔"

شہزادی اسحاقیہ کو مارکوئیس کونریڈ اس قدر پسند آیا تھا کہ وہ اس سے ایک لمح
نہیں ہونا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ مارکوئیس کونریڈ کو اپنی ہی بگھی میں بٹھا کے اپنے محل لا
شہزادی کا محل، شہنشاہ کے محل سے کچھ فاصلہ پر تھا۔ مارکوئیس کانریڈ کے لئے اس نے ا
برابر کا محل خالی کرایا تھا۔

کھانا وہ بھی شاہی محلات کا۔ پھر اس وقت تو شہزادی نے اپنے مہمان کے لئے بہ
ڈشوں (کھانوں) کا حکم دیا تھا۔ کمرے جتنی لمبائی والی میز پر قسم قسم کے کھانے موجود
لیکن یہ کھانے ہمارے بادشاہوں والے کھانے نہیں تھے بلکہ تمام کے تمام یورپ والوں
کھانے تھے۔ پھیکے۔ میٹھے اور ابلے ہوئے۔

اتنی بڑی میز کے گرد کھانے والے صرف دو ۲ تھے۔ ایک مہمان مارکوئیس کونریڈ

ی میزبان شہزادی اسحاقیہ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے باقی بیروں اور
ں کی ایک فوج کی فوج تھی جو صرف دو ہستیوں کو کھانا کھلانے پر مقرر تھی۔ مارکوئیس
ڈ نے خوب مزے لے کے کھانا کھایا اور کھانے کے تعریف میں زمین و آسمان کے
ے ملا دئے۔ وہ دراصل ہر بات ایسی کر رہا تھا جس سے شہزادی کا دل خوش ہو۔ اسی لئے
وہ کسی کھانے کی تعریف کرتا تو اس کے بعد کھانے پکانے والے کی تعریف ہوتی پھر ٹانگ
ی کی تعریف پر جا کے ٹوٹتی۔ وہ بات کے آخر میں کہتا کہ شہزادی کے حسن ذوق نے
باورچی اکٹھا کر لئے ہیں جو دنیا کے بہترین کھانا پکانا جانتے ہیں۔

کھانے کے بعد شہزادی اور مارکوئیس کی گفتگو کا سلسلہ پھر طویل ہو گیا مگر شہنشاہ کا بلاوا
اور شہزادی کو گفتگو صبح پر اٹھا رکھنا پڑی۔ شہزادی، شہنشاہ کے سامنے پہنچی تو مسرت سے
کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ شہنشاہ اسے مسرور دیکھ کر دل میں بہت خوش ہوا۔

"کہو شہزادی۔ تم نے مارکوئیس کونریڈ کو کیسا پایا؟" شہنشاہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"شہنشاہ بھائی ۔ میں مارکوئیس کی کیا تعریف کروں۔ وہ تو حیرت انگیز انسان ہے۔
ت مہذب۔ بے انتہا خوش مزاج، بات کرتا ہی تو جیسے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔
یار، تجربہ کار، اعلیٰ نسب اور خوبصورت...."

"بس بس۔ زیادہ تعریف کی ضرورت نہیں..." شہنشاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔
، کا مطلب یہ ہے کہ مارکوئیس تمہارے میزان میں پورا اترا۔؟"

"بادشاہ بھائی۔ مارکوئیس کونریڈ دنیا کے تمام لوگوں سے ....." شہزادی اپنے رو میں کہتی
ی تھی کہ اک دم اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور سنبھل کے بولی...." میرا مطلب
کہ دنیا میں شہنشاہ بھائی دنیا میں آپ پہلے شخص ہیں اور آپ کے بعد مارکوئیس کونریڈ
رے شخص ہیں جن کا کوئی ثانی اور نظیر نہیں۔ ایک ایک بات لاکھ لاکھ روپے کی تجربہ
اس قدر کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ اس نے معلوم نہیں کتنے بحری معرکے مارے
..."

"پھر کیا خیال شہزادی کا؟" شہنشاہ نے ایک سوال کر کے شہزادی کو گھبرا دیا۔

"کس بارے میں شہنشاہ بھائی؟" شہزادی نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"یہی کہ تمہیں اور مارکوئیس کو ہمیشہ کے لئے ایک کر دیا جائے...." شہنشاہ نے بات
، صاف کر دی۔

"دیکھو شہزادی...." شہنشاہ نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "خوش بختی صرف ایک بار
ازے پر دستک دیتی ہے۔ اگر تمہاری مرضی ہو اور تم اس کی طرف سے مطمئن ہو تو ہم

اس سے کل ملاقات کے درمیاں اس کا عندیہ معلوم کریں....."

"مگر شہنشاہ بھائی....." شہزادی نے دبی آواز میں کہا....." مارکوئیس کونریڈ کا ارا
کروسیڈ میں حصہ لینے یروشلم جانے کا ہے۔ شاید وہ ابھی کسی اور بات پر آمادہ نہ ہو
آپ بات کیجئے تو بہت سنبھل کے اور سوچ کے..."

سوچنا سمجھنا کیا تھا۔ دوسرے دن شہنشاہ نے دربار خاص میں مارکوئیس کونریڈ کو باریا
شرف بخشا اور اس کی قسطنطنیہ آنے پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ اس دن شہنشاہ نے در
جلدی ختم کر دیا پھر تنہائی میں مارکوئیس سے گفتگو شروع کی۔ ان کی ملاقات کیا تھی دو تج
کار اور چالاک دماغوں کا ٹکراؤ تھا۔ دونوں نے سنبھل کے گفتگو شروع کی۔

شہنشاہ نیمارکوئیس سے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا۔ "مارکوئیس کونریڈ، قسطنطنیہ
تمہارا آگے کدھر جانا کا ارادہ ہے؟"

مارکوئیس کونریڈ نے الفاظ تول کے جواب دیا۔ "عالی جاہ۔ غلام نے آپ کو خط
مطلع کیا تھا کہ قسطنطنیہ سے میں فلسطین جاؤں گا اور کروسیڈ مقدس میں حصہ لوں گا....."

مارکوئیس۔ ہمیں جہاں تک یاد پڑتا ہے تم اپنے خط میں کچھ اور بھی لکھا تھا؟"

مارکوئیس انجان بن گیا..." غلام کو اور کچھ یاد نہیں پڑ رہا....." پھر اس نے اپنے ماتھ
کو انگلیوں سے اس طرح دبایا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

" یاد کرو مارکوئیس....." شہنشاہ نے اسے یاد دلایا....." تم نے قسطنطنیہ میں مستقل
رہائش کا خیال ظاہر کیا تھا....."

"شہنشاہ درست فرما رہے ہیں....." مارکوئیس نے فوراً" جواب دیا....." مجھے یاد آگیا
میں نے جو فیصلہ کیا تھا اس پر میں اب بھی قائم ہوں۔ اگر میں یروشلم کو آزاد کرا کے زندا
واپس آیا تو قسطنطنیہ ہی میں ہمیشہ کے لئے رہ پڑوں گا آپ کے سائے میں۔"

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں مارکوئیس....." شہنشاہ نے گمبھرائے لہجے میں کہا۔

" ہمارا خیال ہے کہ شہزادی نے تمہیں پسند کر لیا ہے اور شاید تم نے بھی... ہمارا
خیال ٹھیک ہے نا مارکوئیس؟۔"

"شہنشاہ معظم... شہزادی عالیہ میں اس قدر خوبیاں ہیں جس کے بیان سی میری زبان
قاصر ہے..." مارکوئیس کونریڈ نے ٹھہر ٹھہر کے کہنا شروع کیا۔

" وہ شخص واقعی دنیا کا سب سے زیادہ خوش قسمت انسان ہو گا جسے شہزادی عالیہ اپنا
شریک سفر منتخب فرمائیں گی....."

" ہم خوش ہوئی کہ تم نے بات صاف کر دی....." شہنشاہ بولا..... "ہم بہت جلد تم

ں کو مذہبی اور قانونی رشتہ میں منسلک کر دیں گے..."

"شہنشاہ کے حاکم سے سرتابی کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا....." چالاک مارکوئیس نے
"میں تو شہنشاہ سے یہ درخواست بھی کرنا چاہتا ہوں کہ شہنشاہ روم بزات خود اپنے لشکر
ساتھ اس مزہبی جنگ میں اسی طرح حصہ ہیں جس طرح دوسرے بادشاہ شریک ہو رہے
....."

"اچھا... کیا یورپ کا کوئی بادشاہ بھی کروسیڈ میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتا ہے؟..."
اہ قسطنطنیہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"جی ہاں عالی جاہ....." مارکوئیس کونریڈ نے جواب دیا۔ " انگلستان کے شاہ
...فرانس نے شاہ آگسٹس.....اور جرمن کے قیصر بار بروسہ نے کروسیڈ (صلیبی
)میں شریک کی رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ میری درخواست ہے کہ شہنشاہ بھی اس
ں جنگ میں حصہ لے کر خداوند یسوع مسیح کی جائے پیدائش سے مسلمانوں کے ناپاک
ں سے پاک کریں۔....."

"مارکوئیس کونریڈ... تم ہماری طرف سے کروسیڈ میں حصہ لینے تو جا رہے ہو۔ اب
ے جانے کی کیا ضرورت ہے۔" شہنشاہ بڑی خوبصورتی سے ٹال گیا۔

شہنشاہ قسطنطنیہ نے سفید جھوٹ بولا تھا۔ کچھ ہی دن پہلے شہنشاہ نے سلطان صلاح
ایوبی کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا اور اس سے دوستی کی زبردست
رزو کی تھی۔ یہ وہ وقت تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں فلسطین کی تمام
طاقتیں شکست کھا چکی تھیں اور معرکہ حطین میں یروشلم (بیت المقدس) کا فیصلہ ہو
-

سلطان صلاح الدین نے شہنشاہ کے اس رابطہ کو درخو اعتنا سمجھا اور شہنشاہ کو
تک نہ دیا تھا۔ شاہوں، شہنشاؤں، خصوصاً" نصرانی بادشاہوں اور شہنشاہوں کی پر
خط و کتابت سے صلاح الدین واقف تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ نصرانی بادشاہ
اپنے مفاد اپنی مرضی سے جنگ کرتے ہیں اور جہاں اپنا مفاد نہیں دیکھتے ادھر سے منہ
ے ہیں۔

رکوئیس کانریڈ کا قسطنطنیہ میں قیام بڑھتا گیا۔ اسے عیش و عشرت کے تمام سامان وہاں
ے۔ سب سے بڑھ کے شہزادی اسحاقیہ کی دن رات کی قربت۔ مارکوئیس کو اور کیا
تھا۔ شہنشاہ نے مارکوئیس کو فلسطین جانے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی مگر
ا بلا کا ذہین اور شاطر تھا۔ اسے قسطنطنیہ میں اپنا مستقبل روشن نہیں دکھائی دیتا تھا۔

مارکوئیس کونریڈ کو باوجود تمام کمزوریوں کے ایک پر عزم جوان کہا جا سکتا ہے۔ اسے قل میں بہت کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ اس لئے وہ شہزادی اسحاقیہ کی صحبت سے دو ہی ہفتوں اکتا گیا اور وہ قسطنطنیہ سے جلد سے جلد نکل بھاگنے کی فکر کرنے لگا۔

شہزادی اسحاقیہ' اشاریا کی طرح سیدھی سادی لڑکی نہ تھی جسے یہ خبر بھی نہ ہو مارکوئیس کب اسے چھوڑ کے چل دیا۔ اگر اسے پتہ چل جاتا کہ مارکوئیس اطالیہ سے بھا والا ہے تو بھی وہ اس قدر با اختیار نہ تھی کہ مارکوئیس کونریڈ کو روک سکتی لیکن شہز اسحاقیہ کا معاملہ دوسرا تھا۔ وہ اشاریا سے زیادہ عقلمند بھی تھی اور با اختیار بھی۔

شہزادی اسحاقیہ کا جس دن شبہ ہوا کہ مارکوئیس کونریڈ کے رویے میں پہلی سی جوشی نہیں' اس نے اسی دن شہنشاہ سے گفتگو کی اور دوسرے دن شہزادی اور مارکوئیر بڑے شاندار طریقہ شادی ہو گئی۔ مارکوئیس کونریڈ کو مجبوراً" یہ شادی کرنا پڑی کیونکہ ش نے اس کے بھاگنے کے تمام راستے بند کر دیے تھے اور اس کے بحری بیڑے کی پوری بندی کر دی گئی تھی۔

اس طرح مارکوئیس کونریڈ نے قسطنطنیہ میں مزید ایک ہفتہ خوشی یا ناخوشی سے گزا اس آخری ہفتہ میں مارکوئیس کونریڈ نے شہزادی کے سامنے اپنا دل کھول کے رکھ دیا۔ نے شہزادی کے ساتھ اس قدر لگاوٹ اور محبت کا رویہ اختیار کیا اسے یقین ہو گی مارکوئیس کونریڈ کو اس سے بے حد محبت ہے۔ مارکوئیس کونریڈ اس سے یہ فائدہ ہو جس طرح اس کا شاندار استقبال ہوا تھا بالکل اسی طرح مارکوئیس کونریڈ کو قسطنطنیہ رخصت کیا گیا۔

مارکوئیس کونریڈ کی روانگی کے وقت شہنشاہ اسحاق فرمانروائے سلطنت روم شہ نفس نفیس ساحل سمندر پر موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ جہاں شہنشاہ ہو گا وہاں اسے امیروا ہوں گے ہی۔ ساحل پر یہ حال تھا کہ جہاں تک دیکھو آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا۔ اسی کے لئے کہا گیا ہے کہ تھالی پھینکو تو سر ہی سر جائے۔ مارکوئیس کونریڈ کو شہنشاہ نے لگایا۔ شہزادی اسحاقیہ روتے روتے بیدم ہو گئی۔ اس کے دل کے کسی کونے سے آواز تھی۔

"مارکوئیس کونریڈ واپس نہیں آئے گا۔"

ذہین اور عیار مارکوئیس کونریڈ سب سے خوشی خوشی رخصت ہو کے اپنے جہاز پ ہوا۔ وہ عرشہ پر کھڑا اس وقت تک اپنا رومال ہلاتا رہا جب تک اسے ساحل نظر آتا ر بھی اس کی مکاری تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ابھی وہ شہنشاہ کی حدود میں ہے پھر جب ا

ڑا درہ دانیال کو عبور کر آیا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

انسریٹ کا مارکوئیس کونریڈ نے ایک شادی مانسریٹ (اطالیہ) میں کی اور اسے دھوکہ ر قسطنطنیہ بھاگ آیا۔ اب وہ قسطنطنیہ کی شہزادی کو محبت کا فریب دے کر فلسطین جا ۔ مارکوئیس اس وقت صور کے ساحل پر اترا جب تمام بڑے بڑے والیان ریاست بے سہارا چھوڑ گئے تھے۔ مارکوئیس واقعی صور کے بے سہاروں کا سہارا بن گیا۔

ے بعد جو کچھ ہوا اسے ناظرین پچھلی اقساط میں پڑھ چکے ہیں۔

ہم ایک بار پھر "عکہ" کی طرف چلتے ہیں جسے نصرانیون نے گھیر رکھا ہے فلسطین شام ین ملک سے بحری راستے سے نصرانیوں کو برابر کمک پہنچ رہی ہے۔ جرمن کا فریڈرک آف سوابیا تقریباً" ایک ہزار کی جمیعت کے ساتھ عکہ پہنچ گیا ہے۔ یہ کمک اگرچہ ہے لیکن شہنشاہ جرمن برابر وصہ کے بیٹے کی موجودگی نے محاصرہ کرنے والے نصرانیوں صلے بڑھا دئے ہیں۔

سلطان صلاح الدین کے ہراول دستے العیادیہ میں تعنیات تھے جن کی مدد کو موصل ہی موجود تھے لیکن انہیں تل قیسان سے آگے بڑھ جانے کا حکم مل چکا ہے۔ نووارد فرمانروا فریڈرک نے کھلی میدان میں مسلمان ہراول دستوں سے دو دو ہاتھ کرنے کی ی کی لیکن ہراول دستوں نے انہیں آسانی سے مار بھگایا۔ اس کے بعد انہوں نے جنگ کے عکہ کا محاصرہ بخت کرنے میں اپنی تمام توانائیاں ختم کرنا شروع کر دیں۔

سوسن

عکہ کے محاصرے کو دو سال گزر چکے تھے۔

یہ محاصرہ بھی عجیب قسم کا تھا۔ چار ساڑھے چار ہزار مسلمان عکہ کے قلعہ میں مو
تھے۔ پچھلے دو سال میں ان پر کیا کیا قیامتیں نہ گزریں۔ ان مسلمانوں کو شام اور فلسطین
مشترکہ نصرانی لشکروں نے گھیر رکھا تھا اور پھر ان گھیرے ہوئے نصرانیوں کے چاروں طر
سلطان صلاح الدین ایوبی اپنا لشکر لئے موجود تھا۔

یورپ کے تمام مورخین نے اپنا پورا زور قلم سلطان دمشق صلاح الدین ایوبی کو ای
نااہل جنرل ثابت کرنے پر صرف کیا ہے۔ اسٹینلے لین پول' ہیرلڈ لیم اور ایمبروز کو یہ
کھائے جاتا ہے کہ سلطان نے صور پر پوری طاقت سے حملہ کرکے اس کا خاتمہ کیوں نہ
کیا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آئی کہ جب صور کے حکمراں مارکوئیس کونرڈ۔
سابق شاہ یروشلم سگائی کو صور میں داخل نہ ہونے دیا اور وہ خانماں برباد پورے شکس
خوردہ نصرانی لشکر کے ساتھ عکہ کی طرف چلا تو سلطان نے اسے عکہ پہنچنے سے پہلے
کیوں نہیں کر دیا۔

اس سلسلہ میں اگر ان متعصب مورخین نے سلطان صلاح الدین کے شب و روز
توجہ سے غور کیا ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ سلطان کی ہمیشہ یہ حکمت عملی رہی کہ وہ آج
قدم اٹھاتا تھا اس کا رد عمل چھ ماہ' ایک سال یا دو سال بعد ظاہر ہوتا تھا۔ صور کا قلعہ واق
بہت اہم قلعہ تھا اور اس پر ایک زبردست حملہ یا سخت محاصرہ سے خاتمہ کیا جا سکتا تھا لیکن
سلطان کی نظریں تو صور سے ہٹ کے یورپ سے آنے ان لاکھوں کے لشکر پر تھیں

لڑنے یا جنگ کی آڑ میں فلسطین میں لوٹ مار کرنے آ رہے یا آنے والے تھا۔
رہے کہ اگر سلطان اپنا لشکر قلعہ صور یا قلعہ شقیف کے محاصرے میں الجھا دیتا تو
دو سال تک مدافعتی جنگ نہیں ہو سکتی تھی۔ بہرحال اس کے متعلق کچھ بعد میں
گا پہلے کچھ محاصرہ عکہ اور ذکر ہو جائے تو زیادہ بہتر ہو گا

دوسرے سال کے موسم خزاں کی دوسری بارش کا واقعہ ہے۔ اس بارش نے بھی
ریوں کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔ اس طوفان کے ہنگام میں مصر سے غلہ لے کے
لے جہازوں کی آمد نے لشکریوں میں دوسرا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں
روں میں غلہ بردار جہازوں پر قبضہ کے لئے ایک خوں ریز جنگ چھڑ گئی۔ ادھر
وں نے جہازوں کو دھکیل کر غلہ عکہ کے ساحل پر پہنچا دیا۔

کی فصیل کئی جگہ سے شکستہ ہو کے گر گئی تھی۔ محصور مسلمان فصیل کی مرمت میں
ے تھے۔ عیسائی تیغ زن مسلمانوں پر برابر حملے کر رہے تھے مگر مسلمان پھر بھی مرمت
بں انہماک سی مصروف تھے۔

———— آگے چل کے لکھتا ہی کہ اس بارش سے ایک خطرناک وبا پھیل گئی۔
دن تک مسلسل بارش ہوتی گئی اور پورا لشکر شرابور ہو گیا تو ہر ایک کو کھانسی ہو
ب کے گلے بیٹھ گئی۔ سر اور ہاتھ پاؤں سوج گئے۔ ایک دن میں ایک ہزار آدمی مر
م سے لوگوں کے دانت گر گئے۔

ا ترس لوگ' خستہ حال لوگوں کی مدد کر رہے تھے۔ کاؤنٹ ہنری اور بشپ آف
نے بڑی فراخدلی سے لوگوں کی اعانت کی۔ پھر طوفانی ہوا میں جہازوں پر آنے والا
ٹریٹ کے مارکولیس کو نزیڈ کے ہاتھ لگ گیا۔ اس نے سامان رسد کو صور پہنچا دیا
تصرف میں لے آیا اور دوسرے لشکریوں کو ایک دانہ نہ دیا۔ لوگ مارکوئیس کو
یتے تھے۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اب کیا ہو گا۔ وہ ایک دوسرے سے آنکھیں
تھے۔

اور بدحالی کے باوجود محاصرین نے محاصرے میں کوئی کمی نہ واقع ہونے دی۔ پھر
ط کے دنوں میں غلہ کا ایک جہاز ساحل سے دور نمودار ہوا۔ لوگ خوشی سے
ے جاتے تھے۔ اطالوی تاجر جنہوں نے غلہ مہنگا کر رکھا تھا ان کے چہرے اتر گئے۔
ت میں ناقابل یقین کمی ہو گئی۔ لوگوں نے ان تاجروں کے نقصان پر خوب تالیاں
دوسرے دن کئی اور جہاز غلہ لے کر آ گئے۔
یل ۱۱۹۱ء میں چھ عظیم الشان جہاز لشکر لے کر عکہ پہنچ گئے۔ ان جہازوں پر شاہ

فرانس فلپ آگسٹس ثانی کے پرچم لہرا رہے تھے۔ ایک جہاز پر شاہ فرانس کا ذاتی نشان ا[ٹھا ہوا]
تھا۔ شاہ فرانس کے ساتھ کئی دلیر اور تجربہ کار نائٹ بھی آئے تھے۔ ان میں کاؤنٹ
فلینڈر بھی شامل تھا۔ شاہ فرانس بڑے طویل سفر کے بعد پہنچا تھا۔ مغربی یورپ کے
نصرانی نائٹ ایک ایک کر کے عکہ کے ریتلے ساحل پر اکٹھا ہوتے جا رہے تھے۔

جب جہاز ساحل پر لنگر انداز ہو گئے اور فوجیں ساحل پر اتر گئیں تو شاہ فرانس فلپ
آگسٹس ثانی کا سفید باز محافظ کے ہاتھوں سے چھٹ کے اڑ گیا۔ باز نے چھاؤنی کے کئی چکر
لگائے پھر عکہ کی فصیل پر بیٹھ گیا۔ عکہ کے محصور مسلمان یہ منظر دلچسپی سے دیکھ رہے
تھے۔ باز فصیل پر بیٹھا تو مسلمانوں نے اسے پکڑ لیا۔ عیسائیوں نے اس واقعہ کو بدشگونی
محمول کیا۔

شاہ فرانس نے اپنا خادم سلطان کے حضور میں بھیجا۔ خادم نے سلطان سے عرض کیا
کہ شاہ فرانس کا باز عکہ کی فصیل پر پکڑا گیا ہے۔ شاہ کو باز واپس کر دیا جائے وہ اس کی
قیمت ادا کرنے پر تیار ہیں۔ مسلمانوں کا سلطان یہ بات سن کر مسکرایا اور اس نے شاہ کو
جواب بھجوایا کہ باز یوں واپس نہیں ہو گا بلکہ طاقت سے حاصل کرنا ہو گا۔

چنانچہ شاہ فرانس نے اپنے لشکر کو بھی عکہ کے مقابلہ اور محاصرے میں لگا دیا۔
لوگ پوری طاقت سے شکستہ قلعہ پر حملہ کرتے۔ اس کا زیادہ زور فصیل کی شکستہ دیواروں پر
ہوتا لیکن مسلمان حملہ روکنے کے ساتھ ساتھ زور زور سے طبل جنگ بجاتے۔ طبل جنگ
کی آواز جیسے ہی سلطان کے کانوں میں پہنچتی تو وہ فوراً اپنے سرداروں کو عیسائیوں کے اس
حصہ پر حملے کا حکم دیتا اس طرح عیسائیوں کا زور عکہ کی طرف کم ہو جاتا۔

جون کے مہینے میں عیسائیوں کو ایک خوشخبری اور نصیب ہوئی۔ پچیس جہاز اور کئی
بجرے ساحل سمندر پر نمودار ہوئے عکہ کو محاصرہ کرنے والے عیسائیوں کی خیمہ بستیوں میں
خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے کام کاج چھوڑ دیا۔ نائٹ، سردار اور سپاہی ناچتے کودتے
ساحل کی طرف بھاگے۔ باجوں تاشوں سے فضا گونج اٹھی۔ ہر طرف مسرت کا ہنگامہ برپا ہو
گیا۔ لوگوں نے سب سے آگے آنے والے جہاز کو خوش آمدید کہا۔ اس سرخ جہاز پر
انگلستان کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

اس بات کا خیال رہے کہ عکہ کے باہر عیسائیوں کی خیمہ بستی بن گئی۔ کہنے کو تو
خیمہ بستی تھی لیکن اس میں انسانی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ بڑے بڑے بازار
چوڑے چوڑے راستے خیموں کے محلات۔ جن کے اندر داخل ہونے پر یوں محسوس ہوتا
جیسے سچ مچ کے محل میں چل پھر رہے ہوں۔ وہی قالینوں کا فرش، وہی چوکی پہرے کا انتظام

بادشاہ اپنے محل نما خیمے سے برآمد ہو کر دربار لگاتا، درباری اکٹھے ہوتے۔
بازاروں میں بھری پڑی دکانیں، غلہ، سبزی، گوشت، کونسی چیز تھی جو وہاں نہ ملتی تھی۔
بازار عیسائیوں کے خیمہ بستیوں میں بھی تھے اور مسلمانوں کی خیمہ بستیوں میں بھی ایسی
بازار لگتے تھے دونوں جگہ کی بازار میں فرق دو چیزوں کا نمایاں ہوتا تھا۔ نصرانی بازاروں
میں شراب کی بوتلیں اور خنزیر (سور) کا گوشت کھلے عام فروخت ہوتا جبکہ مسلمانوں کے
بازار ان حرام اشیا سے پاک ہوتے تھے۔

ایک یورپی مورخ نے شاہ انگلستان کی تعریف میں ایک مسلمان مورخ بہاء الدین کے
مندرجہ ذیل جملے نقل کئے ہیں۔

"وہ بلا کا طاقتور تھا۔ نہایت دلیر اور اولوالعزم۔ اس نے بڑے بڑے معرکے سر کئے
تھے۔ جنگ میں اس کی شجاعت مسلم تھی۔"

بہاء الدین کے یہ جملے سیاق و سباق سے الگ کر کے کہے گئے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ
رچرڈ نے انگلستان میں کئی جنگیں لڑی تھیں لیکن وہ جنگیں محدود قسم کی تھیں۔ اس نے
انہی لڑائیوں میں شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا لیکن رچرڈ تیسری صلیبی جنگ میں شروع سے
آخر تک کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکا۔ رچرڈ کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ جو گرجتے
ہیں وہ برستے نہیں۔ رچرڈ کی بہت شہرت تھی۔ اور اس کی عکہ پہنچنے پر نصرانیوں نے خوب
ڈھولیں بجائیں مگر رچرڈ مسلمانوں کے خلاف بہادری کا ایک کارنامہ بھی انجام نہیں دے سکا۔

رچرڈ یقیناً ایک بہادر جوان تھا مگر انتہائی خود سر۔ مغلوب الغضب، بڑی حد تک ظالم
اور عیش و عشرت تو اس کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ رچرڈ کو شیر دل کہا جاتا ہے مگر تاریخی
حالات اور واقعات اسے نفی کرتے ہیں۔ یورپی مورخ ہیرلڈلیم نے رچرڈ کے جو کوائف پیش
کئے ہیں ان کا ذکر یہاں پر اس لئے ضروری ہے تاکہ انہیں تاریخی میزان پر تولا جائے۔

ہیرلڈلیم، شاہ انگلستان رچرڈ کے بارے میں لکھتا ہے۔

رچرڈ چونتیس سال کا بھرپور جوان تھا۔ وہ شاہی رعب اور جلال کا پیکر تھا۔ اس کے
شانوں پر سنہری سرخ بال پھیلے رہتے تھے۔ اس کی پیشانی ہموار اور کشادہ تھی۔ اس کی سیاہ
آنکھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ اس کی مختصر داڑھی فرانسیسی تراش کی تھی۔ اسے اپنی
طاقت پر ناز تھا۔ وہ کسی کمزوری کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ طبیعت کا فیاض تھا اور بچوں
کی طرح نمود و نمائش کا دلدادہ۔ اس کی پر جوش طبیعت کو کھیلوں کے مقابلوں اور عمدہ
ضیافتوں میں تسکین ملتی۔ وہ تیغ زنی اور نیزہ بازی میں انتہائی لطف محسوس کرتا۔ رچرڈ کو بربط
بجانے کا بھی شوق تھا۔ وہ ہر کھیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا اور جنگ میں سرداروں کے

فرائض ادا کرتا۔

وہ انگلستان سے روانہ ہو کے سسلی (صقلیہ) پہنچا اور ایک سال تک وہاں مقیم
صقلیہ میں وہ اپنی بہن کے حقوق کے لئے غاصب ٹینکرڈ کے خلاف بزور آزما رہا۔ اس
جبراً" ٹنکرڈ کے خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر اسے کئی بیش قیمت تحائف بھی پیش کئے۔ آخر
وہ صقلیہ سے روانہ ہوا تو راستے میں اس کے بیڑے کو طوفان نے گھیر لیا۔ اس کے
جہاز بمشکل جزیرہ قبرص پہنچے۔ وہاں باز نطینی حکام کی بد سلوکی کا شکار ہو گئے "رچرڈ کو
غصہ آیا۔ وہ پایاب پانی کو پار کر کے ساحل پر پہنچا اور جزیرے کو تاخت و تاراج کر دیا۔ ا
نے باز نطینی شہزادے کو نقرئی زنجیر میں اسیر کر لیا اور اس کی نوجوان بیٹی کو بطور یرغمال
لیا۔

رچرڈ نے قبرص ہی میں وہاں کے بڑے گرجا میں اپنی منگیتر بیرنگیریا آف نوارے
بڑے تزک و احتشام کے ساتھ شادی رچائی پھر اس نے فلسطین کی راہ لی۔ صلیبی جنگوں
دوسرے مورخ اسٹینلے لین پول نے شاہ انگلستان رچرڈ کے انگلستان سے فلسطین تک
صرف چار سطروں میں لکھ کر رچرڈ کی راستے کی تمام سیاہ کاریوں پر پردہ ڈال دیا ہی۔ لی
پول کی لکھی ہوئی چار سطریں درج ذیل کی جاتی ہیں جو اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہیں
یورپی مورخوں نے اپنے جنرلوں اور بادشاہوں کی سوائے تعریف کرنے کے کے عیوب
تبصرہ کرنے سے گریز کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"رچرڈ شاہ انگلستان اور فلپ شاہ فرانس ارض مقدس پہنچنے والے تھے۔ وہ دونوں
۱۱۹۰ء کے موسم بہار میں روانہ ہوئے تھے لیکن ان کی رفتار اس قدر سست تھی جیسے وہ محض
سیرو تفریح کے لئے نکلے ہوں۔ میسنا (سسلی کا ایک شہر) کو مسخر کرنے، جزیرہ قبرص کو
کرنے اور برنگیریا سے شادی رچانے میں شاہ رچرڈ کو کافی دیر لگی اور اس عرصہ میں ا
نے عکہ کے لشکر کو قریب قریب تباہ کروا دیا۔ قبرص میں ماہ عسل (ہنی مون) گزار کر فا
خیمہ زن کیمپ کو بچا لینا ایک ایسا کارنامہ تھا جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔"

لین پول کا یہ مختصر بیان تاریخی بد دیانتی کی ایک مکروہ مثال ہے۔ رچرڈ نے شاہ قبرص
کو گرفتار کر کے اس کی کم سن بیٹی شہزادی سوسن کو جس طرح یرغمال بنایا اس کا تذکرہ نہ کر
کے مورخ نے تاریخی حقائق سے کھلی ہوئی چشم پوشی کی ہے۔

آیئے اب ہم رچرڈ کو تاریخ کی روشنی میں دیکھتے اور اس کے کردار کو تیسری صلیبی
جنگ کے حوالے سے مختصراً" بیان کرتے ہیں۔

شاہ انگلستان رچرڈ اول جس کا دور ۱۱۸۹ء تا ۱۱۹۹ء رہا۔ جسے مغربی مورخین اور فسانہ

مطربوں (ایبروز جو شاہی گویا تھا) نے شیر دل کے لقب سے نوازا، تیسری صلیبی جنگ کا
بنایا اور غازی سلطان صلاح الدین ایوبی کا مد مقابل قرار دیا، اینجو خاندان کے پہلے شاہ
تان ہنری دوم (۱۱۵۴ء تا ۱۱۸۹ء) کا بیٹا تھا جس نے اپنے ظلم و جور اور تند خوئی سے
کے اقتدار کو سخت ٹھیس پہنچائی، جاگیرداری نظام پر کاری ضربیں لگائیں اور پھر شاہی
ر کو بحال کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ ہنری دوم کی بیوی ایلنیار (ایلنیور) آف گائن
خود سر اور مغرور حسینہ اور شہنشاہ لوئی آف فرانس کی مطلقہ تھی (رچرڈ اسی ایلنار کا
خود سر، لاابالی اور متلون مزاج۔ جس نے اپنی جوانی کے ایام فرانس کی غیر منظم
، جاگیرداروں کی جھڑپوں اور ڈوئیل لڑائیوں (شخصی مقابلہ جس دو آدمی پستول یا تلوار
کر ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہو جاتے ہیں) میں گزارے یا فرانس کے مطربوں
بدلہ گوئی کے مقابلوں میں شعر کہتے ہوئے بسر کئے۔ یہ بانکا سجیلا جوان، یورپ کے
رومان پرور دور کی پیدا وار تھا جس نوجوان نسل عشق و محبت کی دیوانی، دو بدو لڑائی اور
جھگڑوں میں بے خطر کود پڑنے اور نام حاصل کرنے کی از خود جستجو کیا کرتے تھے۔ یہی
ہمت جرات، بہادر اور شجاعت کا رومان پرور معیار تھا۔ دوسرے الفاظ میں شجاعت
بہادری کا اظہار کسی اعلیٰ مقصد کے لئے کم اور کسی حسینہ کو متاثر کرنے، اسے اپنے دام
لانے، کسی محبوبہ کے جذبات کو برانگیختہ کرنے یا ذاتی شہرت اور ناموری کے لئے زیادہ
تھا۔

یہ محض اتفاق تھا کہ صلیبی جنگوں کا آغاز اس دور میں ہوا جو رچرڈ کی بھرپور جوانی کا
رچرڈ کے سر میں ایام شہزادگی ہی سے صلیبی جنگوں میں حصہ لینے کا سودا سمایا ہوا تھا اور
میں برنگیریا کی محبت کی دیوانگی تھی۔ ایسے حالات میں
دل کہیں لے چل"
امنگیں دل میں گدگدی پیدا کرتی ہیں
اس زمانہ میں یعنی ۱۱۸۴ء میں شاہ انگلستان ہنری دوم اور اس کے بیٹوں میں اختلاف
ہوئے اور بیٹوں نے باپ کے خلاف بغاوت کر دی۔ یہ دراصل زخم خوردہ جاگیرداروں
ش انتقام اور ہنری کے خلاف شدید رد عمل تھا۔ اس بغاوت میں شاہ انگلستان... اس کی
ایلنیار نے بھی بے وفائی کی۔ یہ ایلنیار وہی ہے جو پہلے شاہ فرانس کی بیوی تھی اور
شاہ فرانس نے اسے طلاق دیدی تو اس نے شاہ انگلستان سے شادی کر لی تھی۔ یہی
نور (ایلنیار) رچرڈ کی ماں تھی۔
شاہ انگلستان کے خلاف یہ شورش اور بغاوت کامیاب ہوئی۔ جاگیرداروں نے رچرڈ کا

ساتھ دیا کیونکہ وہ رچرڈ کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ چار سال کی بغاوت کے بعد ہنر
دوم کو معزول کرکے رچرڈ کو شاہ انگلستان بنا دیا گیا۔ مگر رچرڈ تو ہمیشہ کا خوش باش اور بے
پرواہ انسان تھا۔ اس نے بادشاہ ہونے کے بعد بھی حکومت کے سنجیدہ امور میں کوئی حصہ
لیا اور سلطنت سے ایک طرح بے تعلق سا رہا۔

رچرڈ کی حکومت پر نظرڈالی جائے تو معلوم ہو گا وہ اپنے دس سالہ دور حکومت میں
صرف دو مرتبہ انگلستان میں کچھ عرصہ تک مقیم رہا۔ ایک بار جب اس نے حکومت سنبھا
اور دوسری مرتبہ جب اس کا دور ختم ہونے والا تھا۔ اس کا یہ قیام میں صرف اس ضرور
کے لئے تھا کہ وہ انگلستان میں رہ کر اپنے جا دبے جا کاموں کے لئے رقم اکٹھا کرے اور اپ
مہم پسندانہ طبیعت کو سکون دے۔

رچرڈ کا یہ قول بہت مشہور ہے۔

"اگر مجھے کوئی خریدار ملتا تو میں لندن کو بھی فروخت کر دیتا"

اس نے لندن کو تو فروخت نہ کیا مگر اپنی مہم جوئی کے لئے تصور سے زیادہ رقم حاصل
کی اور فضول خرچ کی۔

رچرڈ کو ۱۱۸۹ میں بادشاہت ملی گویا دیوانگی کے تمام لوازمات اکٹھا ہو گئے پس اس نے
سلطنت ماں (ایلینار) اور بھائی کے حوالے کی اور اگلے سال یعنی ۱۱۹۰ میں تیسری صلیبی
جنگ کے لئے روانہ ہوا۔ چھتیس ۳۶ سالہ شاہ انگلستان اپنی بہکی اور بھٹکی ہوئی جوانی کے
ساتھ جنگ کے لئے چلا مگر راستہ میں کئی جگہ ٹکرایا۔ پہلے اس نے جزیرہ سسلی (صقلیہ) پر
حملہ کیا اس لئے حاکم سسلی ٹنکرڈ نے اس کی جوان بہن جین کے حقوق غصب کر لئے تھے۔
سسلی کا حاکم ٹنکرڈ بھی رچرڈ کی طرح اوباش اور بے پروا تھا۔ اس نے رچرڈ کی بہن
کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا اور وہ ناراض ہو کر میکے بیٹھ گئی تھی۔ رچرڈ اسے اپنے
ساتھ لایا تھا۔ یہ مسئلہ میاں بیوی اور سالے بہنوئی کا تھا۔ سالے بنوئی کا رشتہ یوں بھی بہت
نازک ہوتا ہے اور سالے کو بہن کے لئے جھکنا پڑتا ہے مگر رچرڈ کے ساتھ لشکر تھا اور
اسے اپنے شہنشاہ ہونے کا زعم تھا۔ اس کا فرض تھا کہ اپنے بہنوئی حاکم سسلی ڈنکرڈ کے
ساتھ نرمی سے پیش آتا اور صلح صفائی سے جین کو اس کے حوالے کر دیتا لیکن اس نے کیا
یہ کہ پہلے اپنے بحری بیڑے کو سسلی کے ساحل سے لگا کر لشکر اتار دیا پھر ٹنکرڈ کو اپنے
حضور طلب کیا۔

ٹنکرڈ اس سے زیادہ خود سر اور بد دماغ جوان تھا۔ پھر اسے شہنشاہ انگلستان کے بہنوئی
ہونے کا زعم بھی تھا۔ اپنے سالے رچرڈ کا یہ بلاوا اسے ناگوار گزرا

رچرڈ نے مجھے کس حیثیت سے بلایا ہے؟" اس نے رچرڈ کے بھیجے ہوئے قاصد سے
ے سوال کیا۔

قاصد گھبرا گیا۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ رچرڈ' حاکم سسلی کا سالا ہے مگر وہ یہ بات خود تو
ہہ سکتا تھا' قاصد سمجھدار تھا' اس نے رچرڈ کے ان الفاظ کو بھی نہیں دہرایا تھا جن
ے رچرڈ نے اپنے بہنوئی کو طلب کیا تھا۔ رچرڈ کا لہجہ اور الفاظ انتہائی ہتک آمیز تھے
اصد نے انتہائی نرم الفاظ میں ٹنکرڈ کو اطلاع دی تھی۔

شاہ انگلستان ڈنکرڈ حاکم سسلی سے ملاقات کے خواہشمند ہیں۔" لیکن ٹنکرڈ اتنے نرم
ی بھی برداشت نہ کر سکا اور اس نے قاصد سے جرح شروع کر دی۔ قاصد نے پھر بھی
نبھالی۔ اس نے پہلے جیسے نرم لہجے میں کہا۔

"حاکم سسلی آخر شاہ انگلستان کے رشتہ دار ہیں۔ شاہ انگلستان کے ساتھ شہزادی جین
ریف لائی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ شہنشاہ ان کے بارے میں کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہوں؟

ٹنکرڈ بھڑک اٹھا۔ "میرا جین سے کوئی تعلق نہیں میں اس کے بارے میں کوئی بات
رنا چاہتا..."

قاصد نے دیکھا کہ بات تو پہلے ہی قدم پر ختم ہوتی جاتی ہے۔ اس نے ٹنکرڈ کو
۔

"حاکم سسلی سے میری درخواست ہے کہ وہ رسم و رواج اور شاہانہ طور طریقوں کو
پیش نظر رکھیں۔ یہ ضرور ہے کہ روایت کے لحاظ سے آپ کا درجہ بلند ہے لیکن اس
شاہ انگلستان کی فوجیں ساحل پر اتر چکی ہیں اور اس سے زیادہ لشکر ابھی جہازوں میں
ہے۔ میں اگرچہ شاہ انگلستان کا قاصد ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ حاکم سسلی اس
اپنی ریاست اور اپنی حاکمیت کو داؤ پر نہ لگائیں۔"

ٹنکرڈ تھا تو بہت بد دماغ' اسے سسلی کی بھی پروا نہ تھی لیکن قاصد کی باتیں اور انداز
ے بہت متاثر کیا۔

"معزز قاصد..." ٹنکرڈ کا انداز اک دم بدل گیا۔ "میں آخر شاہ انگلستان کا بہنوئی
اس کا ملازم نہیں۔ سسلی ایک آزاد ملک ہے۔ یہ اور بات ہے ہمارا انگلستان سے
کا معاہدہ ہے لیکن رچرڈ کو یہاں آنے سے پہلے مجھے مطلع کرنا چاہئے تھا۔ مجھے معلوم
ہے کہ وہ صلیبی جنگ کے لئے جا رہا ہے۔ میں اس کے جزبہ کی قدر کرتا ہوں مگر اسے
کس نے دیا کہ وہ حاکم سسلی کی اجازت کے بغیر سسلی کی سرزمین پر قدم رکھتا کیا اس

کی یہ حرکت غاصبانہ اقدام کے تحت نہیں آتی؟"

"ضرور آتی ہے اے حاکم سسلی..." قاصد نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کھلا ہوا غاصبانہ قبضہ ہے۔ لیکن مصلحت بھی ایک چیز ہوتی ہے۔ شاہ انگل
کے پاس اس وقت کثیر لشکر ہے۔ تقریباً" ایک سال کا سامان رسد بھی جہازوں پر بار
بے شمار سامان حرب بھی موجود ہے۔ انگلستان کا لشکر سسلی کے ایک ساحلی علاقہ پر قا
بھی ہو چکا ہے۔ ان حالات میں آپ کو مصلحت سے کام لینا چاہئے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو قاصد..." ٹنکرڈ نے قاصد کی رائے تسلیم کر لی۔ "مگر اب
مجھے کیا کرنا چاہئے۔؟"

"اے حاکم سسلی۔ میں اس سلسلہ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ اس قیامت
ٹالنے کی کوشش کیجئے۔" قاصد نے مشورہ پیش کیا... "ایسا نہ ہو کہ فلسطین میں استعمال
لئے جانے والا یہ لشکر اور اسلحہ، سسلی کو تاخت و تاراج اور خاک تر کرنے میں نہ صر
ہو جائے۔ رہا آپ کے ذاتی معاملات کا مسئلہ اسے تو آپ ہی بہتر طور پر نپٹا سکتے ہیں۔ جہ
تک ہو سکے گرمی سردی سے پرہیز فرمایئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ رچرڈ سے جا کے کہہ دو کہ میں اس سے ملنے آرہا ہوں..." حاکم س
ٹنکرڈ مصالحت کے لئے تیار ہو گیا۔

قاصد نے کھڑے ہوتے کہا... "اس طرح نہیں اے حاکم سسلی۔ اگر آپ فوراً
ملاقات پر آمادہ ہو گئے تو شاہ انگلستان آپ کو بہت ہی کمزور سمجھیں گے اور اپنی شرائط
سسلی سے جانے پر آمادہ ہوں گے..."

"پھر کیا کروں...؟" ٹنکرڈ پریشان ہو گیا... "تم ہی نے تو کہا ہے کہ پالیسی سے کام لوا
اسے سسلی سے بھگانے کی کوشش کرو؟۔"

"جی ہاں۔ میں یہی چاہتا ہوں..." قاصد نے جواب دیا... "لیکن آپ اس وقت شا
انگلستان کو یہ پیغام بھجوائیں کہ وہ آپ کے جواب کا انتظار شام تک کریں اور یہ کہ آ
شام تک ہی ملاقات کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ آپ فوراً" اپنی
افواج کو تیاری کا حکم دیدیں؟"

"پھر کیا ہو گا؟" حاکم سسلی نے تعجب سے پوچھا۔ قاصد نے جواب دیا... "پھر کیا ہو
اس کا جواب آپ کو شام کو مل جائے گا۔" ٹنکرڈ نے الجھتے ہوئے پوچھا... "مگر میں شام تک
اور کیا کروں۔ اگر رچرڈ نے اپنے لشکر کو پورے ملک (سسلی) پر قبضہ کا حکم دیدیا تو...؟"

"ایسا نہیں ہو گا میری سرکار۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں..." قاصد نے زور دے

"آپ کو میری بات کا یقین کرنا چاہئے۔ شام ہوتے ہی آپ اپنے آدمی کے ذریعہ شاہ
تان کو اطلاع بھجوا دیں کہ آپ شاہ سے ملاقات کے لئے آرہے ہیں..."

حاکم سسلی ٹنکرڈ، قاصد کی اس حکمت عملی سے بہت خوش ہوا... "اے عقلمند قاصد
کمال کے آدمی ہو بلکہ بڑے کام کے آدمی ہو۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم شاہ انگلستان کو
ر کے میرے پاس آجاؤ... میں تمہیں کوئی اچھی ملازمت دوں گا؟۔"

"اے شاہ سسلی" قاصد نے مستقل مزاجی سے جواب دیا۔ "مجھے انگلستان اور شاہ
تان سے اسی طرح محبت ہے جس طرح آپ کو سسلی سے ہے۔ میری اور میری اولاد کی
ں میں انگلستان کا نمک دوڑ رہا ہے۔ میں شاہ رچرڈ سے بے وفائی کا تصور بھی نہیں کر
۔ آپ سے میں نے جو کچھ گفتگو کی ہے اس کی بنیاد خالص قومی اور انسانی ہمدردی
۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ نے شاہ کا مقابلہ کیا تو خوامخواہ خون خرابہ ہو گا اور ہم نصرانیوں
ون جو ہم یروشلم کی بازیابی میں بہانا چاہتے ہیں وہ آپس کی لڑائیوں میں بہے گا۔ دوسرے
ہ اگر آپ اور شہزادی جین کے درمیان کسی صورت ختم ہو جائیں تو بات ہم سب کے
یں ہو گی۔

حاکم سسلی ٹنکرڈ نے قاصد کو رخصت کر دیا۔ وہ شاہ انگلستان رچرڈ کے دربار میں پہنچا
او نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا جواب دیا اس ذلیل کتے نے؟" شاہ کے لہجے سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"اے شاہ اعلیٰ مقام..." قاصد نے سنبھل کے کہنا شروع کیا۔ "حاکم سسلی نے فرمایا
کہ انہیں آج شام تک وقت دیا جائے تاکہ وہ اپنے احباب سے مشورہ کر لیں..."

"ہونہہ۔ معلوم ہوتا ہے ٹنکرڈ کا اب دماغ ٹھکانے آرہا ہے" شاہ انگلستان نے نرم
ے ہوئے کہا۔ "اگر اس نے ذرا الٹی سیدھی بات کی تو ہم سسلی کی اینٹ سے اینٹ بجا
گے۔ اسے گستاخی کی ضرور سزا ملنی چاہئے۔ کیوں جین تمہارا کیا خیال ہے؟"

"شاہ بھائی۔ آپ جو مناسب سمجھیں وہ کیجئے..." جین مختصر سا جواب دے کے خاموش
ئی۔

شاہ انگلستان کی تند مزاجی اور سخت لہجے سے جین کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا اور
جاتا تھا۔ شام ہونے سے پہلے ہی ٹنکرڈ کا پیغام آگیا۔ اس نے کہلوایا تھا کہ وہ شہنشاہ
ملاقات کے لئے حاضر ہو رہا ہے۔

شاہ انگلستان نے سفر کی حالت میں ہوتے ہوئے ایک شاندار دربار سجایا۔ دراصل رچرڈ
ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ خواہ انگلستان میں ہو خواہ اطالیہ میں اس کی شان میں کوئی فرق

نہیں آتا۔ ٹنکرڈ کو معلوم تھا کہ رچرڈ کینہ پرور انسان ہے اور اس سے کوئی بات بعید نہیں
یہ بھی ہو سکتا تھا کہ شاہ اپنے آدمیوں کو لگا کر اسے ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹا دے۔

ٹنکرڈ سخت پہرے میں آیا اور گھوڑے کے بجائے اس نے بند گھوڑا گاڑی استع
کی۔ دربار کے سرے پر شاہ کے باڈی گارڈ نے ٹنکرڈ کا استقبال کیا۔ ٹنکرڈ نے دربار میں
انگلستان کو کورنش بجالایا۔ شاہ نے ٹنکرڈ کو اپنے امرا کی قطار میں جگہ دی۔

حاکم سسلی ٹنکرڈ نے گفتگو شروع ہونے سے پہلے ہی بڑے وقار کے ساتھ کہا۔ "
انگلستان کے عظیم شہنشاہ میں بحرروم کے ایک چھوٹے سے جزیرے کا حکمراں ہو
انگلستان اور سسلی کا کوئی مقابلہ نہیں۔ کہاں آفتاب اور کہاں ایک ذرہ نا چیز۔ پھر بھی
شہنشاہ قیام سسلی کے دوران مجھے مہمان نوازی کا فرض عطا فرمائیں جو میرے لئے یہ ا
ناقابل فراموش فخر ہو گا۔ میں کوشش کروں گا کہ شہنشاہ اور ان کے تمام ہم سفروں کو
قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

رچرڈ کا خیال تھا کہ ٹنکرڈ گستاخی سے پیش آئے گا لیکن اس نے مہذب رویہ اختیار
تو اس نے اپنا منصوبہ تبدیل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے یہ سوچا تھا کہ اگر ٹنکرڈ نے ذرا
بدتمیزی کا اظہار کیا تو وہ اسے گرفتار کر کے ایک قیدی کی طرح اپنے ساتھ رکھے گا مگر ا
اسے اپنے ارادے میں ترمیم کرنا پڑی۔ پھر بھی وہ پر جلال لہجہ میں گویا ہوا۔

"ٹنکرڈ تم ہمیں اپنی مہمان نوازی سے اپنی غلطیوں اور کمزوریون پر پردہ ڈالنا چاہتے
مگر یہ ممکن نہیں اس لئے کہ مہمان نوازی تو مہمانوں کی کی جاتی ہے۔ انگلستان کا لشکر
تمہارا مہمان نہیں اس نے ایک فاتح کی طرح صقلیہ (سسلی) پر قبضہ کیا ہے پھر کیسے مہما
اور کہاں کی مہمان نوازی؟"

رچرڈ کا لہجہ اکھڑا ہوا تھا مگر ٹنکرڈ شاید اس سے جان بچانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس
رچرڈ کے سخت لہجے کو نظرانداز کر دیا۔

"شاہ انگلستان نے درست فرمایا۔ لشکر یقیناً" فاتح ہے اور اس نے سسلی کے بیشتر علا
پر قبضہ بھی کر لیا ہے لیکن اس نا چیز کو تخت و تاج انگلستان سے ایک رشتے کا اعزاز
حاصل ہے۔ میں اس اعزاز کے ناطے کم از کم شاہی خاندان کے افراد کو تو مہمان نوازی
دعوت دے سکتا ہوں؟"

رچرڈ نے اپنی بہن جین کی طرف دیکھا جو بالکل بے تعلق سی بیٹھی تھی مگر جین۔
کسی تاثر کا اظہار نہ کیا۔ رچرڈ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہاری دعوت پر غور کریں گے ٹنکرڈ۔ تم جانتے ہو کہ اس وقت ہم سفر میں!

ک مقدس فرض کی ادائیگی کے لئے فلسطین کے لئے جا رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں
خزانہ بھی اس فرض کی ادائیگی میں خرچ ہو۔ تم واپس جا کر متعلقہ افسر کو اطلاع کر دو
ہارا ایک فوجی دستہ آرہا ہے وہ اپنی ضرورت کے لئے جتنی رقم چاہے حاصل کر سکتا
اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔"

ٹنکرڈ نے محسوس کیا کہ رچرڈ کی نظر صقلیہ کے خزانے پر ہے۔ وہ اگر رچرڈ کے فوجی
کو روکنا میں چاہے تو نہیں روک سکتا۔ اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"میرا خزانہ شاہ اور شاہی خاندان کے افراد پر قربان ہے۔ فوجی دستہ میرے ساتھ ہی
جائے تاکہ حکم کی جلد تعمیل ہو سکے۔"

"نہیں اتنی بھی جلدی نہیں ٹنکرڈ..." شاہ نے زہرخند کیا۔ گھبراؤ نہیں۔ ہم ابھی کافی
صقلیہ میں گزاریں گے۔"

ٹنکرڈ دل میں بہت کڑھا مگر ادب سے بولا... "میرے لئے اور کوئی حکم ہے؟"

رچرڈ نے پھر بہن کی طرف دیکھا لیکن شہزادی جین بدستور بت بنی بیٹھی رہی۔

"ہم تمہیں پھر کسی وقت بلائیں گے ٹنکرڈ۔ اب تم جا سکتے ہو؟"

ٹنکرڈ جو شاہ رچرڈ کا بہنوئی تھا۔ منہ لٹکائے واپس آگیا۔ اس میں اور شہزادی میں شادی
پہلے ہی دن اختلاف پیدا ہو گیا۔ شہزادی دلہن بن کے صقلیہ آئی تھی پھر جب وہ کچھ
صقلیہ میں رہنے کے بعد لڑ جھگڑ کے انگلستان واپس گئی تو پھر صقلیہ کا اس نے رخ بھی نہ
اس وقت انگلستان میں رچرڈ کا باپ برسراقتدار تھا۔ اس لئے بھی جین نے ڈنکرڈ کی
کی۔ پھر ان میں اختلاف اور جدائی کا عرصہ بڑھتا ہی گیا۔

شہزادی جین اور حاکم صقلیہ ٹنکرڈ کے درمیان قانونی طور طلاق نہ ہوئی تھی لیکن اس
جدائی کے بعد دونوں نے سمجھ لیا تھا جیسے ان میں ہمیشہ کے لئے علیحدگی ہو گئی ہے۔

اہ انگلستان رچرڈ اچانک صقلیہ نہ پہنچ جاتا تو شاید ٹنکرڈ شہزادی جین کے بارے میں
نہ سوچتا۔ لیکن شاہ رچرڈ نے ستم بالائے ستم یہ کیا کہ صقلیہ آتے ہی ساحل صقلیہ کے
حصہ پر اپنے جہازوں کو فوراً" خالی کر دیا۔ اس طرح اس وقت انگلستان کی فوجوں کا
محلات اور دفاتر کو چھوڑ کے باقی پورے جزیرے پر قبضہ تھا۔

صقلیہ (سسلی) یورپ کے ملک اٹلی کا بحرروم میں ایک جزیرہ تھا۔ اس دور میں دور
کی تجارت کا دارومدار بحری راستوں پر تھا۔ صقلیہ بھی بحری راستے پر واقع ہونے کی
ے ایک دولت مند آزاد ملک تھا اس کا حکمراں ٹنکرڈ ایک سخت مزاج شخص تھا۔ اس
کی بدقسمتی سے رچرڈ کی بہن سے ہوئی تھی جو اب بظاہر ختم ہو چکی تھی لیکن رچرڈ کو

بہنوئی سے یہ شکایت تھی اس نے جین کے ساتھ ایک اچھے شوہر جیسے تعلقات نہیں
اور اس کے جزبات پامال کئے۔

رچرڈ کی یہ شکایت درست نہ تھی۔ اس لئے کہ شہزادی جین ایک خود سر اور
لڑکی تھی۔ ماں باپ اور بھائیوں نے اس کی ناز برداری کرکے اس کا دماغ خراب کر دیا
پس شادی ہونے پر اس کی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ ٹنکرڈ ایک آزاد ملک
حکمراں تھا وہ بھلا شہزادی کے نخرے کیوں برداشت کرتا۔ اس طرح دونوں میں اختلاف
اور شہزادی جین صرف ایک بار سسرال جانے کے بعد میکے میں بیٹھ گئی۔

جین چونکہ شہزادی تھی۔ چرچ پر بھی اس کا اثر تھا۔ اس نے اس نے چاہا کہ
سے طلاق لے کے کسی اور جگہ شادی کرلے۔ پس انگلستان کے بڑے پادری (بشپ)
شہزادی کو دوسری شادی کی اجازت دیدی۔ اس کے ساتھ ہی لارڈ پادری نے شہزادی کو
بات کی بھی اجازت دیدی کہ اگر وہ دوسری شادی کرنے سے پہلے ٹنکرڈ کے پاس جانا چا
تو بھی جا سکتی ہے اور اس کے ساتھ بیوی میاں کی حیثیت سے رہ سکتی ہے۔

اس طرح شہزادی جین نے بظاہر طلاق حاصل کر لی تھی لیکن اس کی اطلاع ٹنکر
پاس صقلیہ نہیں بھیجی گئی تھی۔ ٹنکرڈ نے اسی وجہ سے اپنی گفتگو کے دوران شاہ رچرڈ
اپنی رشتہ داری کا حوالہ دیا تھا۔ انگلستان کے اچانک لشکر کے آجانے کی وجہ سے ٹنکرڈ
پریشان ہو گیا تھا اور اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر شہزادی جین اس کے ساتھ رہنے پر آما
گئی تو وہ فی الوقت اسے قبول کرے گا لیکن دربار میں جین کی خاموشی نے اسے ناامید
اور اسے اپنا مستقبل تاریک ہوتے دکھائی دیا۔

ٹنکرڈ کا خیال درست نکلا۔ اس کے واپس جاتے ہی رچرڈ نے اپنے محافظ دستوں
سالار کو بلا کے کہا۔

”صقلیہ کے شاہی خزانہ پہ پہنچ کے اس پر قبضہ کیا جائے اور تمام دولت ہماری لشکر
پہنچائی جائے۔ اگر مزاحمت کی کوشش ہو تو شاہی محلات کو بھی تباہ برباد کرکے تمام قیمتی سا
اٹھوا لیا جائے...“

کہتے ہیں کسی بادشاہ نے ایک آبادی کے قریب پڑاؤ ڈالا اور اپنے خاص آدمی
ذریعہ آبادی سے چند انڈے منگوائے۔ چنانچہ بادشاہ کا ہرکارہ بادشاہ کے لئے چند انڈے
آیا۔ لشکریوں کو جب معلوم ہوا کہ بادشاہ نے آبادی سے چند انڈے اپنے لئے منگوا
ہیں۔

تو لشکر کے کچھ منچلے آبادی میں پہنچے انہوں نے آبادی کی تمام مرغیاں پکڑیں اور

آبادی میں کہرام مچ گیا۔ آبادی کے امیر لوگ تو خاموش رہے لیکن وہ غریب جن کا بڑا
مرغیاں اور انڈے تھے انہوں نے چیخ چیخ کے آسمان سر پر اٹھا لیا۔
دہ شدہ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی کہ ان کے لشکریوں نے آبادی پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ بادشاہ
ں تھا۔ اس نے آبادی کے پریشان لوگوں کو بلوا بھیجا۔ امیر لوگ اس موقعہ پر بھی کئی
ئے۔ امیروں کا ہر دور میں اسی طرح کا کردار رہتا ہے۔ وہ خاموش ہو کے گھروں میں
لیکن غریبوں کے تو دل سے لگی تھی وہ روتے پیٹتے بادشاہ کی سامنے پہنچ گئے۔
تمہیں کس نے لوٹا ہے؟“ بادشاہ نے رونے والوں سے سوال کیا۔ ”ہمیں بتاؤ ہم
ت سزا دیں گے؟“
بادی والوں پر شاہی دربار کا رعب پڑ گیا تھا۔ وہاں سپہ سالار، وزیرا عالم، مفتی قاضی
ے بڑے سردار بیٹھے تھے۔ رونیوالوں کی آوازیں تو دربار میں پہنچتے ہی بند ہو گئی تھیں
بکا ایک ایک کا منہ دیکھ رہے تھے۔
ر ایک آدمی نے ہمت کرکے کہا۔ ”بادشاہ سلامت۔ ہم نہ ان کا نام جانتے ہیں اور
پہچانتے ہیں مگر تھے وہ آپ ہی کے لشکری۔“
رتم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ ہمارے لشکری تھے؟“ نے ان سے الٹا سوال کر دیا۔
ی نے اپنے حواس بجا رکھتے اور بولا۔ ”بادشاہ سلامت۔ پہلے ایک آدمی ہماری بستی
تھا اس نے کہا تھا کہ وہ بادشاہ کے لئے چند انڈے لینا چاہتے ہیں۔ ہم نے انہیں
ے دے دئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس جیسے بہت سے آدمی بستی میں گھس آئے۔
نے ہماری مرغیوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔ ہمارے بعض آدمیوں نے انہیں ٹوکا مگر
نے جواب دیا کہ وہ شاہی فوج کے آدمی ہیں۔ بس انہوں نے ساری مرغیاں پکڑ لیں
لے گئے...“
اہ نے سپہ سالار کو حکم دیا۔ ”مجرموں کو فوراً ہمارے سامنے پیش کیا جائے“
سالار اٹھ کے باہر گیا اور چند منٹوں بعد دس بارہ آدمیوں کو لے کے آگیا۔
بختو۔ تم بستی کی تمام مرغیاں پکڑ لائے“ بادشاہ نے غصہ سے کہا... ”واپس کرو
مرغیاں۔ یہ ہمارا حکم ہے...“
لشکری سر جھکائے کھڑے رہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب
یوں پر تو وہ پہلے ہی چھری پھیر چکے تھے۔ آخر ایک لشکری نے ہمت کی۔
لی جاہ۔ ہمیں معاف کر دیجئے غلطی ہو گئی۔“
اہ نے چڑ کے کہا۔ ”وہ تو ہم بعد میں دیکھیں گے۔ پہلے تم ان کی مرغیاں واپس

کرو" "مرغیاں تو ہم ذبح کر ڈالیں عالی جاہ..." لشکری نے ہمت کر کے بتا ہی دیا۔
"تمہیں سخت سزا ملے گی؟ بادشاہ کا غصہ تیز ہو گیا۔ اس نے حکم دیا۔ ان سب
کے قید کر دو۔"

دربار کے غلام ان کو پکڑنے بڑھے۔ اس وقت مفتی صاحب جو لشکر کے ساتھ
تھے وہ بولے۔ "عالی جاہ۔ آپ نے ایک غلام کے ذریعہ بستی سے چند انڈے منگائے
وہ بستی سے انڈے تو لے آیا لیکن اس نے انڈوں کی قیمت ادا نہیں کی۔ اس سے لشکریوں
کو شہ ملی اور وہ بستی کی تمام مرغیاں پکڑ لائے ...پہلے سزا آپ کے غلام کو ملنا چاہئے
نے انڈے کی قیمت ادا نہیں کی تھی۔"

بادشاہ سوچ میں پڑ گیا۔ ذرا دیر کے بعد بولا... مفتی صاحب آپ نے درست
لیکن خطا وار غلام بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں نے اس سے کہا ہی نہیں تھا کہ
قیمت ادا کر کے لانا۔ اصل خطا وار تو میں ہوں۔ اگر انڈوں کی قیمت ادا کر دی گئی ہوتی
لشکری بغیر قیمت کے مرغی لانے کی ہمت ہی نہ کرتے..."

اس کا مقصد یہ ہے اگر بادشاہ خود کوئی غلطی کرے تو اس کے ماتحت بادشاہ سے
غلط کام کر جاتے ہیں۔

شاہ انگلستان رچرڈ نے محافظ دستے کو صقلیہ کا خزانہ اٹھا لانے کو کہا تھا مگر جب
والوں نے انگلستان کے فوجی دستے کو سرکاری دفاتر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو وہ سمجھے
شاہ انگلستان نے شاہی محلات اور دفاتر پر قبضہ کرنے کا حکم دیدیا ہے۔ لوگ بھاگ
کے گھروں میں گھس گئے اور ہر طرف غل مچ گیا۔

"حملہ ہو گیا۔ انگریز فوج آگئی"

صقلیہ کی فوج اور سالار فوج کے کان میں یہ آواز پڑی تو پہلے وہ کچھ سوچتے رہے
فوجی بیرکوں میں واپس چلے گئے۔ شاہی دستہ لوگوں سے پوچھتا پوچھتا خزانہ پر پہنچ
محافظوں کو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ انگلستان کے فوجی دستے شہر میں پھیل گئے ہیں اور
مقامات پر قبضہ کیا جا رہا ہے اس لئے جب شاہی دستہ خزانہ پر پہنچا تو محافظوں نے خزانہ
چابیاں ان کے حوالے کر دیں۔

شاہی دستے کی تو بن آئی۔ انہوں نے محافظوں کی مدد سے سونے چاندی کے تمام
تھیلوں مین بھر دئے اور گاڑیاں منگوا کے تھیلے لاد لئے گئے۔ شاہی دستے نے خزانہ
کرنے کے بعد قریب کے محلات کا رخ کیا۔ یہ تمام محلات صقلیہ کے وزیر خزانہ کے تھے
ٹنکرڈ کا بہنوئی تھا۔ وزیر خزانہ ہی صقلیہ کی افواج کا سپہ سالار تھا۔ اسی لئے اس نے

ملوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ اس وقت اپنے بیوی بچوں کو لے کر اطالیہ (اٹلی) فرار ہو چکا

رچرڈ کی بہن جین نے ٹنکرڈر سے سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ صقلیہ کا خزانہ
کے جہاز پر لادا جاچکا تھا۔ رچرڈ صلیبی جنگ کے لئے فلسطین پہنچنا تھا مگر وہ صقلیہ میں
ہوا تھا۔ اس کا صقلیہ میں قیام کوئی معنی نہ رکھتا تھا سوائے اس کے کہ رات دن رقص
سیقی کی محفلیں جمتیں۔ رات گئے یہ محفلیں برخاست ہوتیں تو عشرت کدے چمک
۔ مثال مشہور ہے کہ جو مذہب بادشاہ کا وہ رعایا کا۔ بادشاہ کے دن رات عیش و عشرت
زر رہے تھے تو پھر جنرل کرنل اور چھوٹے افیسر کیوں خاموش رہے۔ انتظامات کی ذمہ
ٹنکرڈ اور اس کے عمائدین سلطنت پر تھی۔ انہیں جو اطلاع دی جاتی وہ حاضر کرنا

ٹنکرڈ کا خزانہ لٹ چکا تھا مگر رچرڈ کی فرمائشیں کم نہ ہوتی تھیں۔ رچرڈ کی دیکھا دیکھی
الے بھی طرح طرح کی فرمائش کرتے۔ ٹنکرڈ بہت پریشان ہوا تو غصہ میں بھرا ہوا رچرڈ
دربار میں پہنچا۔ رچرڈ نے یہ چالاکی کی تھی کہ نہ تو کسی سرکاری دفتر پر قبضہ کیا تھا اور
محلات میں ٹھہرا تھا۔ سلطنت کے کاموں میں بھی اس نے کوئی دخل نہ دیا تھا۔
رچرڈ جوان اور ایک شہ زور جوان تھا۔ وہ ایک زمانہ تک اپنے باپ کے زیر عتاب رہا
اس زمانہ میں وہ بڑے بڑے تجربات سے گزرا تھا۔ رچرڈ تجربات کے لحاظ سے بڑے
جرنیلوں اور کرنلوں سے آگے تھا۔ قیافہ شناسی میں بھی اسے مہارت حاصل ہو گئی
ٹینکرڈ غصہ میں بھرا دربار میں داخل ہوا تو رچرڈ اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ ٹنکرڈ بہت
پریشان ہے۔ خزانہ اس کے پاس نہ تھا۔ شاہی لشکر کے اخراجات پھر شاہی خاندان کی
بس۔ انگلستان سے آنے والا ہر شخص خود کو صقلیہ کا مالک سمجھتا تھا اور چھوٹا بڑا سب
ائشیں کرتے رہے تھے۔
ٹینکرڈ سلام کر کے کچھ کہنے ہی ولا تھا کہ رچرڈ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے روک

"ٹھہرو ٹینکرڈ۔ ہمیں تم سے کچھ کہنا ہے ہم تمہیں بلوانے والے ہی تھے۔"
ٹینکرڈ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ وہ تو اپنا دکھڑا رونے آیا تھا مگر
کا مزاج کچھ برہم تھا۔ اس نے ٹینکرڈ کو گفتگو سے روک دیا تھا۔ ٹنکرڈ کو کھٹکا لگ
کہیں رچرڈ اسے معزول کر کے کسی اور کو صقلیہ کا حکمراں نہ بنا دے۔ ٹنکرڈ ایسی
اسے پریشان تھا اور شاید یہی کہنے آیا تھا کہ اس کی جگہ کسی اور کو حکمراں بنا دیا جائے

مگراب تو رچرڈ اسے معزول کرنے پر آمادہ نظر آتا تھا۔

اس بات کا تھوڑا سا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ شاہ رچرڈ یا فرانس کا بادشاہ یہ لوگ جب سفر پر روانہ ہوتے تھے تو ان کے تمام سول اور فوجی ملازم شاہی قافلہ کے ساتھ ہوتے تھے یہ جگہ پڑاؤ کرتے وہاں ایک شہر نہیں بلکہ کئی کئی شہر لگ جاتے تھے۔ بادشاہ اپنے دربار بالکل اس طرح لگاتے جیسے دارالسلطنت میں لگتے تھے۔ یہ دربار بڑے بڑے شامیانوں میں لگتے جو خاص پر اس کام کے لئے تیار کئے جاتے تھے۔ جب دربار سجتا تو کسی کو خیال بھی نہ آتا کہ وہ اس وقت کسی ویرانے میں دربار میں بیٹھے ہیں۔انہیں دربار کی ہر چیز میسر ہوتی تھی۔

دربار کی طرح شاہی محلات کے تمام کمرے' توشہ خانہ' آئینہ خانہ (ڈرائنگ روم) مہمان خانہ غسل خانے' خواب گاہیں' راہداریاں اور غلام گردشیں وغیرہ تمام کی تمام موجود ہوتی تھیں۔ عکہ کے محاصرے کے دوران تو نصرانی لشکر گاہ میں الگ کئی کئی بازار لگتے اور سلطان کی خیمہ گاہ میں الگ بازار سجتے تھے۔ یہ تفصیل اس لئے ضروری ہوئی کہ آگے چل کر کہیں راہداری' زینہ' ستون وغیرہ کا ذکر آجائے تو آپ پریشان نہ ہو جائیں۔ یہ کوئی زیادہ مشکل بات نہ تھی اس لئے کہ اس قسم کے لوازمات اور آرائشوں کے لئے پیسے کی ضروری ہوتی تھی اور بادشاہوں کو پیسے کی کوئی کمی نہ ہوتی تھی۔

شاہ رچرڈ جب انگلستان سے چلا تھا تو پہلے اس نے انگلستان کا خزانہ بھرا۔ چونکہ وہ ایک مذہبی جنگ کے لئے نکلا تھا اس لئے اس کے اعلان پر ہی رقم اکٹھا ہونا شروع ہو گی۔ پھر اس نے پوری سلطنت میں تمام بڑی بڑی عمارتوں کو فروخت کر دیا۔ خود رچرڈ کے بیان کے مطابق کہ اسے لندن کا کوئی خریدار نہیں ورنہ وہ اس شہر کو بھی فروخت کر دیتا۔ اس طرح اس نے صلیبی جنگ کے نام پر ملک اور سلطنت کی تمام دولت سمیٹ لی تھی۔

صقلیہ کا سفر اسے بہت راس آیا۔ اس نے سوچا تھا کہ اپنی بہن کے حقوق کے بہانے وہ پلرمو (صقلیہ کا دارالسلطنت) کو تاخت و تاراج کرکے اس میں آگ لگا دے گا لیکن اتنی آسانی سے اسے صقلیہ کا پورا خزانہ مل گیا تو اس کی لالچ اور بڑھ گئی اور اس نے بے قصور شہریوں کو لوٹنا شروع کیا۔ مگر کہا گیا ہے کہ تنگ آمد بجنگ آمد۔ جب رچرڈ نے دیکھا کہ ڈیلنکرڈ لڑنے مرنے پر آمادہ نظر آرہا ہے تو اس نے فوراً" پینترا بدلا اور قبل اس کے وہ اپنے باغیانہ خیالات کا اظہار کرے رچرڈ نے اسے بات کرنے سے روک دیا۔

رچرڈ نے ناظم دربار کو اپنے پاس بلا کر اس سے سرگوشیوں میں کچھ کیا ناظم باہر چلا گیا اس ٹینکرڈ کو پسینے پر پسینے آتے رہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں شاہ نے اس کی گرفتاری کا حکم

یا پھر کہیں اس کے قتل کو جلاد نہ بلایا گیا ہو۔ بہرحال اسے طرح طرح کے خیالات
رہے۔ اتنے میں ناظم واپس آیا اس کے پیچھے ایک غلام سر پر ایک خوان رکھے
فل ہوا۔ وہ دونوں بادشاہ کی پشت پر آکر کھڑے ہو گئے۔
وقت نے ٹینکرڈ کی طرف دیکھا۔ "ٹینکرڈ۔ آگے بڑھو۔"
رڈ اس کی صف سے دو قدم آگے بڑھ آیا مگر لرزاں و ترسان۔
ور آگے آؤ۔ ہمارے قریب" شاہ رچرڈ کا لہجہ سپاٹ تھا۔
رڈ یہ اندازہ نہ کر سکا کہ رچرڈ نے اسے حکم دیا ہے یا رسمی طور پر آگے بلایا ہے۔
رڈ لرزتے قدموں سے رچرڈ کے سامنے پہنچ گیا۔
ہ رچرڈ نے بڑے متین لہجے میں کہا۔
یرے درباریو۔ حاکم صقلیہ کو دیکھ رہے ہو۔ ٹینکرڈ ہمارا دوست۔ ہمارا وفادار ہے۔
دنوں سے ہمارے درمیاں کچھ خاندانی اختلاف پیدا ہو گئے تھے لیکن لاٹھی کے
ے پانی الگ تو نہیں ہو جاتا۔ ٹنکرڈ ہمارا ہے اور ہم ٹینکرڈ کے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ
ے کس فروانی سے ہماری مہمان نوازی کی ہے۔ اس نے سلطنت کے تمام ذرائع اور
ے ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ ہم اس کی وفاداروں اور خلوص کی قدر کرتے ہیں..."
اہ رچرڈ نے رک کر تمام دربار پر نظر ڈالی پھر بولا..."ہمیں ٹنکرڈ کی وفاداری کا
کرنا چاہئے اور تم جانتے ہو کہ انگلستان جب کسی سے خوش ہوتا ہے تو اس کی
کس طرح کرتا ہے۔"
اہ نے کیا اور غلام نے خوان شاہ کے سامنے کر دیا۔ شاہ رچرڈ نے خوان سے ایک
لکڑی کی بنی چھوٹی سی صندوقچیہ اٹھا کر اور اس میں سے ایک موتی نکال کے اپنی
رکھا۔
یہ کیا ہے ڈیکرڈ؟" شاہ نے سوال کیا۔
وتی ہے عالی جاہ۔" شاہ رچرڈ نے ذرا تیز آواز میں پوچھا۔
تی نہایت قیمتی اور کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ ڈ۔لنکرڈ نے آنکھیں جھپکا کے
کہیں اس نے غلط تو نہیں کہا۔ لیکن اسے وہ موتی ہی نظر آرہا تھا۔ ایک بڑا موتی۔
نے جواب دیا۔
ی ہاں عالی جاہ۔ یہ موتی ہے ایک لاجواب اور بے مثال موتی۔"
ٹھیک کہا تم نے..." شاہ رچرڈ جیسے خوش ہو گیا..."اچھا اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ" ڈ۔لنکرڈ
تے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

شاہ رچرڈ نے پہلے ڈ-لنکرڈ کو دیکھا پھر حاضرین دربار پر نظریں دوڑائیں اور مسکرا
ہوئے اس بے مثال موتی کو ڈنیکرڈ ہتھیلی پر منتقل کر دیا۔
"اب یہ تمہارا ہے ڈنیکرڈ... ہم نے تمہیں بخش دیا..."
دربار میں تحسین آفریں کا غلغلہ بلند ہوا۔
ڈنیکرڈ کے دونوں گھٹنے زمین میں ٹیک کے پہلے موتی کو سر سے لگا کر بوسہ دیا پ
بولا... "اے شاہ انگلستان میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کے اس اعزاز کا شکریہ ادا
سکوں"
شاہ رچرڈ کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ اس نے سپاٹ لہجہ میں کہا۔
"ہم دوستوں اور دشمنوں کو اس طرح نوازتے ہیں! ٹینکرڈ..." اس کے ساتھ ہی ش
رچرڈ نے درباریوں کی طرف دیکھا جیسے ان سے داد چاہتا ہو۔
درباروں میں خوشامد خورے موجود ہی ہوتے ہیں۔ انہوں نے شاہ کی تعریفوں کے پ
باندھ دئے۔ یہ ضرور ہے کہ رچرڈ کا داد و دہش میں ہاتھ کھلا ہوا تھا لیکن خوشامدیوں نے ش
کی تعریف میں ایسی ایسی باتیں کہہ ڈالیں جن کا اس میں دور دور تک پتہ بھی نہ تھا۔
ٹینکرڈ دوبارہ شکریہ ادا کر کے پیچھے ہٹنے لگا تو شاہ نے اسے روکا۔
"ابھی کدھر جا رہے ہو ٹینکرڈ..."
ٹینکرڈ کے قدم جیسے زمین نے پکڑ لئے۔ شاہ نے اسے ذرا سی خوشی دی تھی مگر اب
دوسرے ہی لمحے کیسا حکم۔ کہیں شاہ انگلستان اسے اعزاز دے تو نہیں مارنا چاہتا۔ اس کا د
زور زور سے دھڑکنے لگا۔
شاہ رچرڈ اس وقت صندوقچہ سے ایک اور موتی برآمد کر چکا تھا۔ یہ موتی بھی پ
کے مانند بڑا تھا اور اس کا جوڑا معلوم ہوتا تھا۔
ٹینکرڈ دم سادھے اپنی جگہ کھڑا تھا۔
"آگے بڑھو ٹنکرڈ اور ہماری بخشش کی انتہا دیکھو..." شاہ رچرڈ مسکرا رہا تھا۔
ٹینکرڈ پھر سوالیوں کی طرح بڑھ کے شاہ انگلستان کے سامنے جھک گیا۔
شاہ نے دوسرا قیمتی موتی بھی ٹینکرڈ کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔
"ہم تمہیں یہ دوسرا موتی اس لئے بخش رہے ہیں..." شاہ نے خود وضاحت شروع
دی... "ہمارا دیا ہوا یک آدمی تمہارے پاس اکیلا گھبرائے گا۔ اس موتی کے دینے کا مقصد
ہے کہ ہم اس موتی کی تنہائی دور کریں۔ تنہائی کو ہم پسند نہیں کرتے۔ تم بھی تنہا نہ ر
اور اپنی تنہائی دور کر لو..."

ٹینکرڈ میں دوسرا موتی لینے کے بعد حوصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ شہزادی جین سے مصالحت
ادہ ہو گیا تھا مگر شہزادی نے خود ہی اس کی طرف التفات نہ کیا۔ اس لئے وہ بھی
ں ہو گیا تھا۔ اس وقت شاہ نے لطیف الفاظ میں اس کی تنہائی پر اعتراض کیا گیا۔
ں جین دربار میں موجود نہ تھی اس لئے اس نے دبے الفاظ میں جواب دیا۔
"عالی جاہ... تنہائی سے میں نے بھاگنے کی بہت کوشش کی مگر نہ بھاگ سکا..." ٹینکرڈ نے
رہ نظروں سے شاہ کی طرف دیکھا کہ لیکن اس کا مزاج برہم تو نہیں ہو رہا۔
دراصل جین اور ٹینکرڈ کے اختلاف کو شاہ رچرڈ ہی نے ہوا دی تھی۔ جیسا کہ پہلے کہا
ہے کہ ٹینکرڈ صقلیہ کا حکمراں تھا اور جین شاہ انگلستان کی شہزادی تھی۔ اس لئے
ہی اپنی اپنی جگہ اکڑے رہتے تھے۔ رچرڈ کی ماں ملکہ ایلینور چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی
بس جائے مگر لاابالی شہزادہ' رچرڈ جو ان دنوں اسپین کی شہزادی برنگیریا سے عشق لڑا
وہ ایک دن صقلیہ پہنچا۔ ظاہر ہے کہ جین نے شوہر کے خلاف شکایت کئے ہوں گے۔
اپنی شان میں بہنوئی سے لڑ جھگڑ اور بہن کو ساتھ لے کے انگلستان چلے آئے۔ جب
ج تک جین نے نہ صقلیہ کا منہ دیکھا اور حاکم صقلیہ نے اسے بلایا۔
شاہ انگلستان نے ٹینکرڈ کو صرف دو قیمتی موتی نہیں دئے ایک الماس کی گراں بہا
بھی عنایت کی۔
ٹینکرڈ تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم نے یہ ہیرے جواہرات تمہارے خزانے سے نکال کے
دئے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ جس خزانے میں نقد رقم تو موجود ہے لیکن کوئی
نہیں۔ تم نوادر کی قدر کرنا نہیں جانتے۔ اسی لئے تمہارا خزانہ نوادرات سے
۔ جو نادر چیزیں تمہارے پاس تھیں۔ تم ان کی قدر نہ کر سکے اور وہ ضائع ہو
اب ان چیزوں کو اپنے پاس ہماری یادگار سمجھ کر رکھنا۔"
رض یہ کہ شاہ رچرڈ نے مگرمچھ کے آنسو کی طرح ٹینکرڈ پر یہ مہربانی کی کہ اس کا تمام
ٹنے اور صقلیہ کی پوری اقتصادیات برباد کرنے کے بعد اسے ایک انگوٹھی اور دو قیمتی
بطور بخشش عطا کیا۔ رچرڈ معہ اپنے لشکر کے پورے ایک سال تک صقلیہ پر قبضہ
یٹھا رہا۔ اتنے بڑے لشکر کے روزانہ اخراجات' پھر ماہانہ' آخر میں ایک سال کے
چ کا تخمینہ لگایا جائے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ رچرڈ جب صقلیہ سے چلا تو صقلیہ کی
بالکل کھوکھلی ہو چکی۔ اس نے رچرڈ کا چلتے وقت اہل صقلیہ کے سامنے الوداعی تقریر
ب ایسا ستم بلائے ستم کہا جا سکتا ہے جس کا ٹینکرڈ نے تصور بھی نہ کیا ہو گا۔
اہل صقلیہ اور فرمانروائے صقلیہ مبارک باد کے قابل ہیں کہ انہوں نے شاہ انگلستان

اور لشکر انگلستان جو صلیبی جنگ لڑنے اور مسلمانوں کو بیت المقدس سے بے دخل کرنے
فلسطین جا رہے ہیں' ان کی خاطر خواہ مہمانداری کی۔ اس مہمانداری کا عرصہ اگرچہ خلاف
معمول کچھ زیادہ ہو گیا (یہ مہمانداری ایک سال کے عرصہ پر محیط تھی) لیکن اس سے تو
لوگوں کے ثواب میں بھی اضافہ ہو گا۔

اہل صقلیہ اور حاکم صقلیہ اس وجہ سے بھی مبارک باد کے لائق ہیں کہ صقلیہ کا خزانہ
صلیبی جنگ کے اخراجات پر صرف ہو گا۔ جس طرح "صلاح دین" ٹیکس کی رقم خرچ ہو
رہی ہے۔ اس کا ثواب علیحدہ سے ہو گا۔"

حاکم صقلیہ اور اہل صقلیہ کے دلوں پر اس تقریر نے کیا ستم ڈھایا ہو گا کہتے ہیں کہ زبر
دست مارے اور رونے نہ دے۔ یہی حال اہل صقلیہ کا تھا وہ بیچارے کیا کہہ سکتے تھے
سوائے اس کے کہ اس کے جواب میں شاہ کی تعریف میں دو چار نعرے اور لگائے۔

مختصر یہ کہ شاہ رچرڈ صقلیہ سے رخصت ہوا تو ساحل پر موجود اہل صقلیہ کے دل خون
کے آنسو بہا رہے تھے اگرچہ بظاہر انہیں شاہ انگلستان کے حق میں نعرے لگانا پڑ رہے تھے۔
پھر وہ اسی کو غنیمت سمجھ رہے تھے کہ رچرڈ نے صقلیہ کو قتل و خون سے محفوظ رکھا تھا۔

شاہ رچرڈ کو صقلیہ کو ساحل چھوڑتے وقت ایک مسرت انگیز اطلاع ملی۔ اسی دن اسپین
کا ایک جہاز صقلیہ کے ساحل سے لگا۔ اس جہاز میں اسپین سے آنے والی ڈاک بھی تھی
اور خاص کر شاہ رچرڈ کے نام اس کی ماں کا ایک خط۔ بند لفافہ جب رچرڈ کے سامنے پیش
کیا گیا اس کی والدہ ملکہ ایلینور نے رچرڈ کو اطلاع دی تھی کہ شاہ رچرڈ کی منگیتر شہزادی
برنگیریا اس کے پاس آگئی ہے اور اسے ملکہ ایلینور اپنے ساتھ لے کر بہت جلد صقلیہ پہنچنے
والی ہے۔

▪ جن لوگوں کو رچرڈ اور شہزادی برنگیریا آف نوارے کے رومان کا علم تھا ان کا خیال تھا
رچرڈ فلسطین جانے کا پروگرام کچھ دن کے لئے ملتوی کر کے اپنی جان بہار جو اب اس سے
منسوب بھی ہو چکی تھی' اسے صقلیہ ہی میں خوش آمدید کہے گا اور صقلیہ میں ہنی مون
منانے کے بعد ہی آگے بڑھے گا۔

رچرڈ کی ماں نے اپنے خط میں یہ بات زور دے کے لکھی تھی کہ اب اسے (رچرڈ کو)
اپنی ملکہ سمجھ لینا چاہئے اور وہ صقلیہ پہنچتے ہی رچرڈ اور برنگیریا کی شادی کر دے گی۔ اس میں
شہزادی برنگیریا کی مرضی کا بھی دخل تھی۔ اس نے اپنی ساس ایلینور سے اس بات کی
خواہش کی تھی وہ رچرڈ کے ساتھ شادی کے بعد فلسطین جائے گی اور شوہر کے ساتھ یروشلم
کی زیارت کا ثواب حاصل کرے گی۔

اس خط نے رچرڈ کو یقیناً" بہت خوشی دی اس لئے برنگیریا سے منگنی ہونے کے باوجود
ی شادی میں طرح طرح کے رخنے پڑتے چلے جا رہے تھے۔ اس کی وجہ دراصل
ان اور فرانس کے کشیدہ تعلقات تھے۔ یورپ کے ان ملکوں یعنی فرانس اور انگلستان
اگرچہ باہم رشتہ داریاں بھی ہوتی تھیں۔ ان دونوں ملکوں کے درمیان صرف بیس میل
ں پانی کی پٹی تھی جسے انگلش چینل کہا جاتا ہے لیکن یہ فاصلہ دل کی دوریوں کی طرح
جا رہا تھا۔

شہزادی برنگیریا آف نورے' اسپین کے علاقہ کی شہزادی تھی۔ اسپین اور فرانس دونوں
ے ساتھ ساتھ تھے۔ فرانس نہیں چاہتا تھا کہ اس کے پڑوسی ملک اسپین کی شہزادی کی
ں رچرڈ جیسے مغرور بادشاہ ہو۔ رچرڈ اپنی شہزادگی کے زمانہ میں ایک عرصہ تک فرانس میں
ھا۔ خود رچرڈ کی ماں ملکہ ایلینور فرانس کی ملکہ رہ چکی تھی' اس وجہ سے حکومت فرانس
ماں بیٹوں کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی۔

فرانس کی حکومت رچرڈ اور برنگیریا کے رومان کو تو برداشت کرتا رہا مگر رچرڈ نے
تان کا بادشاہ ہونے کے بعد اپنے خیالوں کی ملکہ شہزادی برنگیریا کو ملکہ انگلستان بنانے
لئے اس سے باقاعدہ شادی کرنا چاہی تو حکومت فرانس نے طرح طرح کے حربے
ال کرنا شروع کر دیئے۔ حکومت فرانس نہیں چاہتی تھی کہ رچرڈ کو فرانس کے قریب
ن ایک ایسا حلیف مل جائے جو کسی وقت بھی فرانس کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا

بہرحال اب انگلستان اور فرانس کے درمیان دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے اس لئے
س نے رچرڈ اور برنگیریا آف نوارے کی شادی پر اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا اور ملکہ
لینور اپنی ہونے والی بہو کو ساتھ لے کر صقلیہ جانے کا فیصلہ کر رہی تھی۔ شاہ انگلستان کو
ادی برنگیریا آف نوارے سے محبت تو بہت تھی لیکن اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں
گیریا ملکہ انگلستان بن جانے کے بعد شاہ انگلستان کی عیاشیوں پر کسی طرح کی قدغن
ندی) لگانے کی کوشش نہ کرے۔

شاہ رچرڈ اپنی ماں کو منع تو نہ کر سکا مگر چونکہ اس کے صقلیہ چھوڑنے کے تمام
ظامات ہو چکے تھے اس لئے اس نے صقلیہ سے روانگی ملتوی بھی نہ کی اور ملکہ ایلینور کو
اب دیا کہ اسے صقلیہ میں قیام کئے ایک سال ہو چکا ہے اور اب وہ صقلیہ میں مزید انتظار
یں کر سکتا۔ پھر بھی اس نے ماں کی دلداری کے لئے لکھ دیا کہ شہزادی برنگیریا آف
رے کو فلسطین بھیج دے اور یہ کہ شہزادی کا روائتی استقبال کیا جائے گا۔ شاہ انگلستان

نے ماں کے خط کو راز نہیں رکھا بلکہ اس نے دربار میں بڑی تفصیل سے اس کا ذکر کیا۔

شاہ رچرڈ نے اپنی ماں کو جو جواب دیا اس کی سب سے زیادہ خوشی ٹینکرڈ کو ہوئی۔ یہ ڈر رہا تھا کہ کہیں رچرڈ کا آگے بڑھنا ملتوی نہ ہو جائے اور پھر صقلیہ ہی میں شاہ رچرڈ برنگیریا کی شادی کی رسومات بھی ادا کی جائیں۔ اگر خزانہ اس کے پاس ہوتا تو یہ محسوس نہ ہوتا لیکن خزانہ کی عدم موجودگی میں اس نے ایک سال تک شاہ انگلستان اور کے لشکر کی مہمان نوازی کی تھی۔ اس کے لئے کچھ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

شاہ رچرڈ نے چلتے وقت ایک بار پھر ٹینکرڈ کو سمجھایا۔

"ٹینکرڈ۔ تم جانتے ہو کہ ہم نے اس ایک سال کے دوران تم پر اپنا کوئی بوجھ نہ ڈالا۔ ہم اپنے مذہب کی سربلندی کے لئے جانیں نچھاور کرنے فلسطین جا رہے ہیں۔ تم ہماری یا ہمارے لشکر کی جو خدمت کی ہے اس کا ثواب تو تمہیں اوپر والا دے گا اور ثواب تمہارے تصور سے کہیں زیادہ ہو گا..."

"آپ درست فرماتے ہیں شاہ انگلستان۔" ٹینکرڈ نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا... "شاہ انگلستان اور ان کے لشکر کے صقلیہ میں قیام کی وجہ سے مجھے دہرا فائدہ ہوا۔ ا فائدہ تو یہ کہ شاہ انگلستان اور لشکر انگلستان مذہبی جنگ کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں لشکر کے اس جگہ قیام نے دراصل مجھے بھی ایک طرح سے اس مذہبی جنگ میں شامل لیا۔ میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے یروشلم نہیں جا سکتا اس لئے جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے بھی صلیبی جنگ کا ثواب حاصل ہو گا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ عالی جاہ نے سرزمین صق پر کچھ دن قیام فرما کر مجھے جو اعزاز بخشا ہے یہ اس پہلے فائدہ سے کہیں زیادہ ہے۔ مجھے امید کہ عالی جاہ جب صلیبی جنگ سے کامیاب اور کامراں واپس آئیں تو اس خادم کو ایک بار پھر مہمانداری کا موقع عطا فرمایا جائے۔"

شاہ انگلستان نے تعجب سے ٹینکرڈ کو دیکھا... "ٹینکرڈ۔ تم تو حساب کتاب کے پکے او ایک کھرے انسان معلوم ہوتے ہو مگر پتہ نہیں کہ تم نے شہزادی کا دل کس انداز سے دکھا تھا کہ وہ تمہارے معاملے میں درگزر سے کام نہ لے سکیں۔ خیر ہم تمہیں یہ یقین دلا ہیں کہ ہم فلسطین سے واپسی پر صقلیہ میں چند روز ضرور قیام کریں گے۔ اس وقت ہمارے ساتھ ملکہ انگلستان ہر مجسٹی برنگیریا آف نوارے بھی ہوں گے..."

"بہت خوب عالی جاہ۔ میں اور اہل صقلیہ شاہ انگلستان اور ہر مجسٹی ملکہ انگلستان کے منتظر رہیں گے..."

حالانکہ ٹینکرڈ نے ساحل پر آنے سے پہلے صقلیہ کے بڑے گرجے میں جاکر آہستہ شاہ انگلستان کی بربادی اور تباہی کی دعا مانگی تھی۔ صقلیہ پچھلے ایک سال میں بالکل لا ہو گیا تھا۔ شاہی خزانہ پر تو پہلے قبضہ ہو گیا تھا۔ شاہی خاندان اور لشکر کے اخراجات اپنی جیب سے پورے کر رہا تھا پھر جب اس کی جیب خالی ہوئی تو اس نے صقلیہ کے ں کی مدد حاصل کی۔ امرا جانتے تھے کہ اگر شاہ انگلستان کے لشکر کو ذرا بھی تکلیف تو ان کے محلات کا بھی وہی حشر ہو گا جو انگلستانی دستوں نے صقلیہ کے شاہی خزانے کا ا۔ وہ اسی لئے حاکم صقلیہ کا بڑی فراخدلی سے ساتھ دئے چلے جا رہے تھے۔

بہرحال ٹینکرڈ کے نقطہ نظر سے شاہ انگلستان اور اس کا لشکر صقلیہ والوں کی بڑی دعاؤں بعد فلسطین کی طرف روانہ ہوا اور جب پچیس جہازوں اور سینکڑوں بجروں کے ساتھ یہ الشان بیڑا نظروں سے اوجھل ہوا تو ٹینکرڈ سیدھا بڑے گرجے میں گیا اور اس شہر کے رجوں کی گھنٹیاں بجوا کر اپنی خوشی کو اظہار کیا۔ اس خوشی میں ٹینکرڈ کے ساتھ صقلیہ ام باشندے اور امرا بھی شامل تھے کیونکہ انہیں راتوں کو اس خیال سے نیند نہ آتی ہ کہیں انگلستانی لشکر ان کے گھروں اور محلات پر نہ چڑھ دوڑے۔

موسم گرما کے آخر میں صلیبیوں نے عکہ پر اپنا دباؤ بڑھا دیا۔ انہوں نے قلعہ کے گرد رہ تنگ کرنا شروع کیا۔ اس سے جنگ میں شدت پیدا ہو گئی اور دونوں طرف سے وں اور میدان جنگ میں تیار کئے گئے الجنوں سے سنگ باری ہونے لگی۔ منجنیقوں ھاری پتھر اور درختوں کے موٹے موٹے تنے چڑھا کر مخالف سمت پھینکے جاتے۔ جو ان میں آجاتا وہ چٹنی بن کے رہ جاتا۔

سلطانی لشکر اور عکہ کے مسلمان محصورین کے درمیان سوائے نامہ بر کبوتروں کے اور ریعہ پیغام رسانی کا نہ رہ گیا تھا۔ باریک کاغذ پر خط لکھا جاتا پھر اسے چاندی کے انتہائی خول میں داخل کرکے بند کر دیا جاتا اور یہ خول قاصد کبوتر کے پیر میں دھاگے کے باندھ دیا جاتا۔ کبوتر کو قلعہ کی چھت سے اڑایا جاتا۔ تربیت یافتہ قاصد کبوتر صلیبیوں وں پر سے اڑتا سلطانی لشکر میں پہنچتا اور وہاں کبوتر کے پیر سے لٹکا ہوا خط حاصل کر ا۔

خط میں عیسائیوں کے دن بھر کے حملوں کی تفصیل ہوتی۔ قلعہ والے اپنی مدافعت کا ں کرتے۔ سلطان خط کے مطالعہ کے بعد محصورین کو استقامت کی تلقین کرنا اور جوانمردی سے مدافعت کا حکم دیتا۔ ایک دن نامہ بر کبوتر کے ذریعہ ہی سے سلطان کو دی گی کہ محصور مسلمانوں نے عیسائیوں کی دو 2 میں سے ایک خطرناک منجنیق کو جلا

کر راکھ کر دیا ہے۔ ان دو منجنیقوں نے قلعہ کے محصورین کو بہت تنگ کیا تھا۔

مسلمانوں نے اس منجنیق کو اس طرح تباہ کیا کہ انھوں نے فولاد کا ایک زبرد
بنایا پھر اسے آگ میں ڈال کے خوب گرم کیا۔ جب یہ تیر سرخ ہو گیا تو اسے اپنی
چڑھا کر دشمن کی منجنیق پر پھینکا۔ اس تیر نے تباہی مچا دی اور عیسائیوں کی منجنیق
راکھ ہو گئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اس مسرت انگیز اطلاع پر خدا کا شکر بجا لایا۔

سمندر بھی شدید جنگ کی لپیٹ میں تھا۔ عیسائی ہر صورت قلعہ عکہ میں داخل
کے لئے بیتاب ہو رہے تھے۔ وہ خود کو لعنت ملامت کرتے کہ دو سال کے طویل
کے بعد بھی وہ ایک قلعہ تک فتح نہ کر سکے۔ قلعہ عکہ میں مدافعتی فوج کی تعداد اگ
بروز کم ہوتی جا رہی تھی لیکن مدافعت کم ہونے کے بجائے اور زیادہ مضبوط ہوتی
تھی۔ بحری فوج طرح طرح حربوں سے قلعہ کے پر اترنے کی کوشش میں تھے۔

انہی دنوں عیسائیوں کے ایک بڑی بجرے کے مستول کے ساتھ چوڑے چوڑ
نصب کئے۔ ان تختوں کے ساتھ معلق پل بندھے ہوئے تھے جنہیں مرضی کے مطابق
جا سکتا تھا۔ عیسائیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ اس بجیرے کو عکہ کی فصیل کے سامنے سر
پہنچایا جائے پھر معلق پلوں کو جو تختوں پر نصب تھے' فصیل پر جھکایا جائے اس طرح
جانے کا راستہ بن جائے گا۔ اس بجیرے کو قلعہ سے برسائی جانے والی آگ سے
رکھنے کے لئے اس پر چھت ڈال دی گئی تھی۔

پس منصوبے کے م طابق عیسائیوں کے جتنے بھی جنگی جہاز سمندر میں تھے ان
قلعہ کے برج باب الزہب کے گرد لا کر قلعہ پر شدید سنگ باری کی گئی۔ یہ سنگ
دراصل قلعہ والوں کو مصروف رکھنے اور ان کی توجہ فصیل کی طرف سے ہٹانے کے
گئی تھی۔ اس سنگ باری کا جواب قلعہ سے بھی دیا گیا اور منجنیقوں کا ایک زبر
معرکہ شروع ہو گیا۔

پھر اس وقت سنگ باری کے دوران وہ بجیرا جس پر چھت پڑی تھی اور
مستولوں سے معلق پل بندھے تھے وہ برج الزہب کے عین سامنے لا کے کھڑا کیا
ملاحوں نے معلق پلوں کے سروں کو فصیل پر اٹکایا۔ اس طرح بجیرے پر سے ایک پل

ں کے ذریعے فصیل پر اترا جا سکتا تھا۔

قلعہ کی مدافعت کرنے والوں نے بجیرے کو تو دیکھا تھا لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا
ہ نصرانیوں نے فصیل پر اترنے کے لئے ایک قیامت کی چال چلی ہے پھر جب مستولوں
ے بندھے ہوئے پل فصیل پر آ کے اٹکے اور ایک راستہ بن گیا تو مسلمان نعرہ مار کر فصیل پر
گئے عیسائی برابر تیر برسا رہے تھے مگر مسلمان اس سے بے پروا ہو کر فصیلے کے اس حصے پر
نچے جہاں معلق پل لٹکائے گئے تھے اور فوراً" ان اٹکے ہوئے پلوں پر "آتش یونانی" کی بارش
ر دی۔

عیسائیوں کی یہ زیر دست چال دیکھتے ہی دیکھتے خاک میں مل گئی۔ آتش یونانی دراصل
ت کی تیل میں کچھ اور کیمیاوی مادے ڈال کر تیار کی جاتی تھی پھر انہیں ہانڈیوں میں بھر
ر منجنیق کے ذریعے آگے پھینکتے تھے۔ آتش یونانی ایسی ظالم آگ تھی کہ یہ لوہے کو بھی
لا دیتی تھی۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کا یہ حملہ تو پسپا کر دیا لیکن ان کے دو دبابے
لمانوں کو بہت پریشان کر رہے تھے۔

یہ دبابے کیا تھے لوہے کے چلتے پھرتے قلعے تھے۔ سامنے کی طرف رسّوں کی بنی ہوئی
ٹیاں لٹکائی گئی تھیں۔ تاکہ مسلمانوں کی منجنیقوں سے آنے والے پتھر ان رسوں میں الجھ
، رہ جائیں۔ ان کے اوپری سروں فولادی چادروں سے ڈھاپا گیا تھا۔ دبابے میں ایک
راخ تھا جس میں سے ہو کر ایک فولادی شیتر کو اندر کی طرف ہینڈل سے گھمایا جاتا۔ اس
تر سے فصیل کے نچلے حصے کے پتھروں پر ضربیں لگائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک دبابہ
پ آف ہیکان اور دوسرا ڈیوک آف سوربیا نے بنوایا تھا۔

خیال رہے کہ یہ ڈیوک آف سوربیا' فریڈرک شاہ جرمن کا بیٹا تھا۔ شاہ جرمن نے
پ کی فلسطین کی طرف روانگی سے پہلے سلطان صلاح الدین کو ایک گستاخانہ خط لکھا تھا
، کا لب لباب یہ تھا کہ اگر سلطان نے فوراً" یروشلم خالی نہ کروایا تو میں اپنے لشکر سے
انوں کو پیس کے رکھ دوں گا مگر اس بدبخت کا انجام یہ ہوا کہ راستے میں ایک دریا پار
تے ہوئے گر گیا۔ وہ ڈوبنے سے تو بچ گیا مگر دو دن بعد مر گیا۔

سلطان صلاح الدین نے شاہ جرمن کو روکنے کے لئے اپنے بھتیجے تقی الدین کو ایک
وط لشکر کے ساتھ شمال کی طرف روانہ کر دیا تھا لیکن شاہ جرمن ختم ہو چکا تھا اور اس
لشکر میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ آدھا لشکر تو شاہ جرمن کے مرتے ہی واپس ہو گیا۔ باقی لشکر
ن کا بیٹا ڈیوک آف سوابیا لے کر روانہ ہوا مگر اس پر ایسی افتاد پڑی جب وہ عکہ کے
ل پر اترا تو اس کے ساتھ صرف بارہ سو سپاہی رہ گئے تھے۔

یہ دبابے کھڑی کے پہیوں پر چلتے تھے۔ انہیں آہستہ آہستہ فصیل کے قریب لایا گیا
عکہ کے قلعہ میں سطانی لشکر کے دو عظیم سردار المشطوب اور قراقوش محصور فوجوں کی کم
کر رہے تھے۔ انہیں قلعہ کی مدافعت کرتے ہوئے دو سال گزر چکے تھے اور وہ ہر طرح
گرم سرد سے گزر چکے تھے مگر ان دو بابوں نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ قراقوش
دبابوں کی جلانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ رال کی ہانڈیاں' آتش یونانی۔ غرض تمام کوشش
انہیں جلانے یا تباہ کرنے کی بیکار ہو گئی تھی۔

پھر المشطوب نے دبابے کی نوک جس پر آہنی چادر لپیٹی گئی تھیں' اس نوک کو نشا
بنانے کا حکم دیا۔ بس برقندازوں سنگ باروں نے اس کا نشانہ لیا اور آگ اور پتھر برسا
شروع کئے۔ شدید سنگ باری سے دبابے کا. سرا تھوڑا سا ٹوٹ گیا۔ اس کے ٹوٹتے ہ
"آتش یونی" کی ہانڈیاں اور گولے برسائے۔ اس طرح دبابے کی سر سے شعلے بھڑک اٹھ
اور وہ جل کر خاک ہو گیا۔

دوسرا دبابہ قلعہ کے بالکل مقابل کھڑا کیا گیا تھا۔ اس پر مسلمانوں نے اچانک حملہ کر
دیا اور قلعہ سے نکل کر دبابے کو گھیر لیا۔ پھر اس کے اندر آگ لگا دی۔ اب دبابہ مسلمانو
کے قبضہ میں تھا۔ مسلمانوں نے دبابہ کو زنجیروں سے باندھا اور اسے اسی طرح گھیٹ کر
قلعہ میں لے گئے جس طرح "ٹرائے" کے میدان سے قلعہ والے لکڑی کا گھوڑا گھیٹ
کرے گئے تھے۔ ٹرائے کے میدان سے لے جانے والے دیو قامت لکڑی کے گھوڑی میں
دشمن کے سپاہی چھپے ہوئے۔

قلعہ والے اپنی فتح کی یاد گار کے طور پر گھوڑا قلعہ میں کھینچ لے گئے تھے۔ پھر اندر
پہنچ کر انہوں نے فتح کا جشن منانا شروع کیا اور شراب کے قدحے کھل گئے۔ جب یہ لوگ
شراب میں دھت ہو گئے تو گھوڑے میں چھپے ہوئے دشمن سپاہیوں نے باہر نکل کر ان مد
ہوشوں کا قتل عام کیا اور فتح یاب ہوئے۔

لیکن مسلمان ان سے زیادہ ہوشیار تھے۔ انہوں نے دبابے کے اندر آگ لگا کر اسے
پھونک دیا تھا اور جتنے آدمی اس کے اندر تھے وہ سب خاکستر ہو گئے تھے۔ یہ جلتا ہوا دبابہ
کئی دن بعد ٹھنڈا ہوا تو مسلمان انجینئروں نے اس کے کل پرزوں کا معائنہ شروع کیا۔ کہتے
ہیں کہ اس کی تیاری میں ہزاروں پونڈ فولاد استعمال ہوا تھا۔

دونوں دبابوں کی تباہی سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ انہوں نے شعلہ انداز
آلات سے لیس ہو کر عیسائیوں پر حملہ کردیا۔ ندرہ بکتر سے مسلح عیسائی فائٹ مسلمانوں کے
حملہ کو روکنے کے آگے بڑھے۔ مسلمانون کے ہاتھوں لپکتے ہوئے شعلے تھے وہ انہوں نے

ں پر کھینچ مارے۔ ان کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور زرہ بکتر گرم ہو کر پگھلنے لگے۔
، تڑپ تڑپ کے زمین پر گرتے اور آگ کی شدت سے دم توڑ دیتے۔ اس وقت
انوں کے شعلہ انداز آلات دبابوں اور منجنیقوں کو نشانہ بناتے تھے۔
سلطان صلاح الدین کو ان لڑائیوں کی تفصیل قاصد کبوتروں کے ذریعہ سے پہنچا دی
۔ ادھر کچھ دنوں سے قاصد کبوتروں کے ذریعہ سے نامہ پیام بند ہو گیا تھا۔ ہوا یہ کہ
قاصد کبوتر جب عیسائی چھاؤنیوں کے اوپر سے گزر رہا تھا تو ایک تیر انداز نے کمان
، کے اس کا نشانہ لیا۔ تیر کبوتر کے پیوست ہو گیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ عیسائی
ں نے کبوتر کو اٹھایا تو اس کے پیر سے چاندی کی نالی بندھی ہوئی تھی۔ نالی کے اندر
غذ نکال کر پڑھا تو وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا خط اپنے سردار قراقوش کے نام تھا۔
، اور المشطوب قلعہ کے مدافعتی لشکر کے سردار تھے۔ عیسائی چوکنے ہو گئے۔ اس
قلعہ سے پیغام لانے والا ایک کبوتر عیسائی تیر اندازوں کا نشانہ بنا۔ پھر ایک زخمی
کسی طرح سلطان کے پاس پہنچ گیا جس سے سلطان کو علم ہو گیا قاصد کبوتر دشمن کے
زوں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ سلطان نے اس طرح کی خط و کتابت کو فوراً" بند کرا

ر یہ جنگ کا زمانہ تھا قلعہ والوں کو سلطان کی خبر اور سلطان کو قلعہ کی روزانہ کی خبر
ری تھی۔ سطان نے اس کے لئے ماہر غوطہ خوروں اور تیراکوں کی خدمات حاصل
ایک تیراک رات کے اندھیرے میں سلطانی فرود گاہ سے ساحل کی طرف جاتا۔ اسے
ں کے لشکر سے بھی گزرنا پڑتا مگر وہ چھپتا چھپاتا کسی نہ کسی طرح ساحل پر پہنچتا۔ پھر
وہ اتار کر کنارے پر چھپا دیتا اور سمندر میں تیرتا ہوا عکہ کی بندرگاہ پر اس جگہ پہنچتا
عیسائی پہنچنے کی جرات نہ کرتے تھے۔
تیراک جلدی جلدی زبانی یا کاغذی احکامات شاہی رکھوالوں کو منتقل کرتا اور اسی
ا ہوا واپس آجاتا۔ پیغام رسانی کا یہ طریقہ بہت خطرناک تھا پھر ایسی صورت میں کہ
کو یہ اطلاع ہو گئی تھی اب قلعہ اور شاہی خیمہ گاہ کے درمیان تیراکوں کے ذریعہ
ا ہے۔ انہوں نے جگہ جگہ تیر انداز لگا دئے تھے جو پانی کے اندر یا کنارے پر کسی
نبہ پر بھی تیر چلا دیتے تھے۔ اس کا یہ نتیجہ بھی ہوا کہ خود عیسائیوں کے کئی لشکری
تیر اندازوں کا نشانہ بن گئے۔ لیکن مسلمان تیراک بھی اکثر ان کا نشانہ بنتے تھے۔
ر کبوتروں کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کے پاس سوائے تیراکوں کا ذریعہ استعمال
، قلعہ سے اور طرح رابطہ قائم ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک شاہی

تیراک کا حال بڑا درد ناک مگر ایمان افروز ہے۔ وہ ہر تیسرے دن اپنے مشن پر تیرتا نکلجاتا اور صبح ہونے سے پہلے عیسائیوں کی نظروں اور تیروں سے بچتا ہوا خیمہ گا واپس آجاتا تھا مگر ایک رات وہ ایسا گیا کہ دو دن تک اس کی واپسی نہ ہوئی۔ سلطان اسے ساحل سمندر پر تلاش کرنے کا حکم دیا۔ چوتھے دن ساحل پر اس کی لاش تیرتی ملی۔

تیراک کی لاش سلطان کے سامنے پیش کی گئی۔ اس کے جسم پر تیر یا کسی اور ہتھ نشان نہ تھا اس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ وہ کسی وجہ سے ڈوب گیا ہے مگر حیرت انگیز یہ تھی کہ جب اس کی ہمیانی (وہ چکنی تھیلی جس پر پانی کا اثر نہیں ہوتا اور اس میں تی اہم چیزوں کو چھپائے رکھتا ہے) دیکھی گئی تو سلطان کا خط کچھ دیگر چیزیں اس میں تھیں۔ مرنے والے کے اس کارنامہ پر ہر ایک آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ سلطان صلاح ا کے قاضی اور مورخ کی زبان سے اک دم نکلا۔

"اس سے پہلے کبھی کسی انسان نے
موت کے بعد اپنا فرض اس طرح
انجام نہ دیا ہو گا۔"

صلاح الدین نے دریا کے بالائی حصہ میں اپنی بیرکیں تعمیر کی تھیں اور یہاں ت بازار بن گیا تھا۔ اس بازار میں دھوبی' نائی' چمار جیسے ضروری کام کرنے والوں کی د کے علاوہ گھوڑے کے ساز تیار کرنے والی اور زین بنانے والوں کی کثرت سے دکانیں ان دکانوں کو دھوپ اور بارش سے بچانے کے لئے ان پر ترپالوں کی عارضی چھتیں ڈا گئی تھیں۔ ضرویات زندگی کی تقریباً" ہر چیز اس بازار میں دستیاب تھی۔ گیہوں' تل چاول کے بھرے اونٹ یہاں اترتے اور خرید و فروخت کرتے تھے۔ تاجروں کے ضرورت مند لوگ آجاتے اور انہیں کسی نہ کسی کام میں لگا دیا جاتا۔ ایک مسافر کا بیا کہ اس نے اس بازار میں صرف کفش دوزوں (موچی) کی دو سو دکانیں لگیں۔ اس فوج کا اتنے عرصہ قیام رہا کہ ایک ہزار عارضی دکانیں تیار ہو گئی تھیں۔

حبشیوں نے جگہ جگہ حمام بنا لئے تھے۔ وہ ایک گز کھودتے تو پانی نکل آتا۔ انہ پانی کے لئے حوض بنائے تھے اور ان کے گرد کچی دیواریں کھینچ کر لکڑی اور گر چھتیں بنا دی تھیں۔ یہ سفری حمام تھے اور ان میں ایک درھم دے کر غسل کیا جاتا یہ ایک نئے قسم کی جنگ تھی۔ دراصل یہ فوجوں کے صبر کا امتحان تھا۔ جنہیں کے سامنے ہونے کے باوجود یہ نہ معلوم تھا کہ جنگ کب شروع ہو گی اس کا خاتمہ

ں تو روز کوئی نہ کوئی جھڑپ ہو جاتی اور کبھی لشکری ہفتوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے یہ بھی کہہ سکتے ہیں لشکروں پر جمود طاری ہو گیا تھا یا پھر وہ اپنی قسمت پر شاکر ہو کر ے تھے۔ عکہ کا قلعہ نہ فتح ہوتا تھا اور نہ قلعہ والے عکہ خالی کر کے باہر آنے کا نام ے۔ سلطان کا قلعہ والوں سے براہ راست رابطہ ختم ہو چکا تھا۔ کبھی کبھی قاصد کبوتر یا راک کے ذریعہ خبروں کا تبادلہ ہو جاتا تھا۔

دونوں طرف سے جاسوسوں کی آمد رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ سلطان کی طرف سے ے دہقان نصرانی لشکر میں بے دھڑک چلے جاتے تھے اور کبھی کبھی بڑی اہم خبریں لے تے یہی حال عیسائیوں کی طرف سے بھیجے ہوئے جاسوسوں کا تھا وہ بھی تاجروں کے پنے جاسوس بھیج دیتے جو سلطانی لشکر کی خبریں نصرانیوں میں پہنچاتے تھے۔ اگر سلطان نی اور ذاتی مورخ بہاء الدین کو یہ علم ہوتا تھا کہ فلاں فلاں دن سمندر کے راستے ں کو اتنی کمک پہنچی تو عیسائیوں کو بھی یہ پتہ چل جاتا کہ شمال سے تقی الدین کب یا اور اس کے ساتھ کس قدر لشکر ہے۔

زاں کا موسم گزر چکا تھا کہ جاسوسوں نے عیسائی سرداروں کو اطلاع دی کہ مسلمانوں پنے سامان رسد کا ذخیرہ صقیہ کے قریب جبل کارمل کے سائے میں چھپا رکھا ہے۔ ں کو سامان رسد کی شدید کمی تھی۔ چنانچہ عیسائیوں کے تین سردار آرچ بشپ آف ں' کاؤنٹ ہنری اور مارکوئیس کونریڈ نے منصوبہ بنایا کہ حیفہ کے ذخیرہ کو لوٹا جائے۔ لئے انہوں نے اپنے اپنے لشکر سے چیدہ چیدہ سپاہیوں کا انتخاب کیا اور ایک رات طرف روانہ ہوئے۔

ھر سلطان نے اپنے مدافعتی منصوبہ میں عیسائیوں کے ہر بڑے سردار کی خیمہ گاہ پر ستے مقرر کر رکھے تھے کہ جس وقت بھی ان بڑے سرداروں کے فوجی دستے کسی رکت کریں تو فوراً" ان کا تعاقب کیا جائے اور معقول جگہ روک کر حملہ کیا جائے۔ ح جب آرچ بشپ' ہنری اور کونریڈ نے اپنے دستوں کے ساتھ حیفہ کا رخ کیا تو ستے بھی ان کے دائیں بائیں لگ گئے۔

رجب یہ دونوں اپنی اپنی خیمہ گاہ سے کافی دور نکل آئے تو سلطانی دستوں نے اللہ رہ لگا کر عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ انہیں اس حملہ کی قطعی توقع نہ تھی اس لئے وہ ے۔ عیسائیوں میں بہت سے نامی گرامی فائٹ اور ٹمپلر شامل تھے مگر ان پر بری طرح حیفہ کا ذخیرہ لوٹنا تو ایک طرف رہا انہیں اپنی جانیں بچانا مشکل ہو گئی۔ مسلمانوں ا گھیر کر اس قدر مارا کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آگیا ہو گا۔ عیسائی دستوں کو حیفہ

پہنچنے سے پہلے ہی گھیر لیا گیا تھا۔ دستوں کی یہ لڑائی ایک خوفناک جنگ میں تبدیل ہو گئی
تین دن تک ایسا خونریز معرکہ پڑا کہ زمین کانپ کانپ گئی۔

پھر عیسائیوں نے پیٹھ دکھائی اور اپنا رخ اپنی لشکر گاہ کی طرف کر لیا اور لڑتے ہو
مار کھاتے اور قتل ہوتے ہوئے بڑی مشکل سے واپس ہوئے۔ ان خونیز جنگ میں
نقصان کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ آرچ بشپ کے نائب نے نصرانی کیمپ کا اس طرح سے
کھینچا ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے کیمپ میں یوں م
ہوتا ہے جیسے خدا کا گزر ہی نہیں ہوتا۔ جنگ کے زمانہ میں عام لشکری اور سردار اپنی را
عبادت میں گزارتے ہیں مگر ہمارے سردار اپنی راتیں عیش و عشرت میں بسر کرتے ہیں
درجہ لشکروں کی حالت بہت خراب ہے ان کو کوئی پرسان حال نہیں۔ ہر شخص تن آ
اور شہوانی خواہشات کا شکار ہے۔ امرا ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں۔

سلطان کی طاقت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور ہمارے فائٹس بزدل ہوتے جا ر
ہیں مسلمان ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور انہیں دعوت مبارزت دیتے ہیں مگر ہمارے فا
خیموں میں دم دبائے پڑے رہتے ہیں۔ یہ باتیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں اگر
نے سنی ہوتیں تو ان پر ہرگز اعتبار نہ کرتا۔ مجھے تو یہ یقین نہیں آتا کہ یہ ہمارے فا
اور لشکری ہیں۔

مغربی مورخین نے یوں تو سلطان صلاح الدین پر صدہا کتابیں لکھی ہیں مگر ان کا ا
تاریخی نہیں۔ یا تو انہوں نے نظم نگاری کی ہے یا افسانہ طرازی۔ ان کے اس انداز
مسلمانوں کے عظیم سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کے کارناموں کو اجاگر کر
کے بجائے دھندلا کر دیا ہے اور یہی ان کا مقصد بھی تھا اس لئے ان سے شکوہ بیکار۔
یہاں پر صرف اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ سلطان پر طرح طرح کڑے الزا
عائد کر کے ان کی اہلیت اور شخصیت کو مسخ کرنے کی جو ناکام کوشش کی گئی ہے اس
میں چند باتیں کہی جائیں۔

مغربی مورخ (لین پول) ہیرلڈ لیم۔ ایمیروز وغیرہ) کو قدر کی نگاہ سے اس لئے دیکھتے
کہ انہوں نے اس نیک سلطان کو کسی نہ کسی طور نااہل اور خود غرض ثابت کرنے
ساتھ ساتھ سلطان کے بارے بعض ایسے واقعات بھی بیان کئے جو کسی دوسری جگہ
ملتے۔ خصوصاً لین پول اور ہیرلڈ لیم کے اگر ناول اور داستانیں موجود نہ ہوتیں تو سل
صلاح الدین کے بعض اہم گوشے ہماری نظروں سے پوشیدہ رہ جاتے۔

ان سب باتوں کے باوجود یہ مغربی مورخ سلطان صلاح الدین ایوبی کی جنگی حکمت
، اس قدر غلط نہ اعتراض کرتے ہیں جن پر ہنسی آتی ہے۔ ان کی پہلی نہ سمجھ میں
والی بات تو یہ ہے کہ انہیں اس بات پر تعجب ہے کہ سلطان نے شکست خوردہ
ں کے اس گروہ کا خاتمہ کیوں نہیں کیا جو قلعہ صور پہنچا تھا اور حاکم قلعہ مارکوئیس
نے اسے قلعہ میں پناہ دینے کے بجائے قلعہ عکہ کی طرف دھکیل دیا تھا۔

ن کے اس اعتراض یا ناسمجھی اور اسی طرح کی اور باتوں کا ایک سیدھا سا جواب تو یہ
سلطان صلاح الدین ایوبی کو ایک معمولی سردار سے سلطان دمشق بننے میں جو پاپڑ
ے تھے ان تجربات نے سلطان کو ضرورت سے بھی زیادہ محتاط بنا دیا تھا۔ قلعہ صور ہو
کثیف' سلطان صلاح الدین نے ان قلعوں پر قبضہ کرنے میں اپنی طاقت کو ضائع
کے بجائے یہ بہتر سمجھا کہ براعظم ایشیا اور براعظم یورپ کی تمام نصرانی (عیسائی)
ایک جگہ اکٹھا ہو جائے تاکہ ان سے ایک ہی فیصلہ کن جنگ ہو اور روز روز کی یہ
ں کل ختم ہو جائے۔

لطان کی اس دور اندیشی اور انتہائی کامیاب حکمت عملی کی کون داد دے سکتا ہے کہ
نے چار ساڑھے چار ہزار کا اسلامی لشکر قلعہ عکہ میں ٹھہرا کر عیسائیوں کی پوری
اس کے گرد اکٹھا کرا دیا۔ پھر قلعہ والوں نے اندر سے مدافعتی اور سلطان نے باہر
جانہ جنگ سے عیسائیوں کو مجبول کر کے رکھ دیا اور وہ لشکر جو یروشلم (بیت المقدس)
کرانے کے لئے ایشیا اور یورپ کے تمام ملکوں سے آرہا تھا وہ یروشلم کی طرف
ے بجائے قلعہ عکہ کے محاصرہ میں لگ گیا تھا

طان کی اس حکمت عملی اور دور اندیشی کا کیا نتیجہ ہوا یہ تو آپ آئندہ صفحات میں
گے۔ یہاں پر اس قدر کہنا کافی ہو گا کہ جب نصرانی لشکر جس میں یورپ کے تمام
فوجیں شامل ہو چکی تھیں' انہیں یروشلم (بیت المقدس پر یلغار کا موقع ملا تو اس
ہ اور کمزور ہو چکا تھا کہ اس کی ہمت ہی نہ پڑی کہ وہ کم از کم یروشلم کا محاصرہ ہی
لانکہ وہ تو اسے آزاد کرانے آئے تھے۔

ہ عکہ کو اسی طرح محاصرہ کی حالت میں چھوڑ کے ہم ایک بار پھر بحر روم کے جزیرہ
ہیں جہاز سے انگلستان کا بادشاہ رچرڈ فلسطین کی طرف روانہ ہونے کے لئے پر تول

تاریخی حوالہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ رچرڈ کی والدہ ملکہ ایلینور اپنی
بو برنگیریا آف نوارے کو خود اپنے ساتھ لے کر صقلیہ پہنچی تھی تاکہ شاہ رچرڈ

کے فلسطین جانے سے پہلے وہ برنگیریا اور رچرڈ کی شادی کر دے۔ ملکہ ایلینور کے ار
اقدام میں برنگیریا آف نوارے کی یہ ضد بھی شامل تھی کہ وہ خود بھی صلیبی جنگ م
بحیثیت ملکہ انگلستان حصہ لینا چاہتی ہے۔

اس طرح ملکہ ایلینور صقلیہ پہنچی مگر اسے بتایا گیا کہ شاہ انگلستان رچرڈ صقلیہ کا سا
دور روز پہلے ہی چھوڑ چکا ہے۔ ملکہ کو یہ بس بتایا گیا کہ شاہ رچرڈ اپنے بحری بیڑے ک
ساتھ میسنا سے جو صقلیہ کے شمال مشرق کا مشہور بندرگاہ ہے' فلسطین روانہ ہو چکا ہے
مزید یہ کہ شاہ فلسطین کے ساحل پر اترنے سے پہلے جزیرہ' قبرص میں کچھ روز قیام کرے
فلسطین کی جنگ کے حالات معلوم کرے گا پھر کسی معقول بندرگاہ پر اپنے بحری بیڑے
اتارے گا۔

ملکہ ایلینور خود فلسطین نہیں جانا چاہتی تھی اس لئے اس نے صقلیہ کے ایک ج
جہاز پر برنگیریا کو سوار کرا کے قبرص روانہ کر دیا اور خود انگلستان واپس چلی گئی۔ شاہ رچرڈ
انگلستان چھوڑے تقریباً" ایک سال ہو رہا تھا مگر اس کے بحری بیڑے کی رفتار اس ق
ست تھی جیسے وہ صلیبی جنگ پر جانے کے بجائے سمندر کی سیر کو نکلا ہو۔ رچرڈ ایک سا
تک صقلیہ میں مقیم رہا۔ اس نے اپنے بہنوئی حاکم صقلیہ ٹینکرڈ سے بہن پر زیادتیوں کا ب
اس طرح لیا کہ صقلیہ کے خزانہ جبرا" ضبط کرکے اسے جہازوں پر بار کرا دیا پھر نہ جانے
سوجھی کہ ایک دن ٹینکرڈ کو دربار میں بلا کر بیش قیمت ہیرے جواہرات سے نوازا۔ یہ ا
کی طرفہ طبیعت تھی جسے تلون مزاجی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ گھڑی میں تولہ اور گھڑی
ماشہ ہونا بادشاہوں کا مزاج ہوا ہی کرتا ہے۔ اسی طرح یہ مقولہ بہت مشہور ہوا کہ۔

"بادشاہ کی اگاڑی سے یا گھوڑے کی پچھاڑی سے ہر شخص کو بچنا چاہئے۔"

اس لئے کہ ہر دم بادشاہ کے سامنے رہنے والا کسی وقت بھی نقصان اٹھا سکتا
کیونکہ بادشاہوں کا مزاج تو ایسا ہوتا ہے اگر خوش ہیں تو انہیں گالی بھی دیدے تو وہ ا
انعام و اکرام سے نواز دیتے ہیں اور اگر خدا نخواستہ مزاج برہم ہے تو اسے اگر کوئی خوش
بات سنائی جائے ہنسانے کی کوشش کی جائے تو بادشاہ فورا" تاؤ کھا جاتا ہے اور انعام
بجائے اسے سولی پر چڑھوا دیتا ہے۔

اب رہا "گھوڑے کی پچھاڑی کا مطلب" تو گھوڑا بھی ہی مزاج کا ہوتا ہے۔ جب خ
ہے' خوش ہے اور اگر ذرا سا اس کا مزاج بگڑا اور آپ کے پیچھے کھڑے ہیں ایسی زنا
دولتی مارے گا کہ خدا کی پناہ۔

بہر حال شاہ انگلستان کا پچیس بڑے جہازوں اور بے شمار بجروں کا بحری بیڑہ قبرص

رواں دواں تھا کہ اچانک بحرروم میں طوفان آگیا۔ سمندر کے غصے سے خدا محفوظ ہی
اس کا مزاج بگڑتا تو وہ بڑے بڑے جہازوں کو پتوں کی طرح الٹ دیتا ہے۔ وہ تو خیر
ہ رچرڈ کا بحری بیڑہ جزیرہ قبرص کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ملاحوں نے فورا" جہازوں کا
ڑیوں کی طرف موڑ دیا۔ ان کھاڑیوں کو اونچی نیچی پہاڑیاں گھیرے ہوئے تھیں۔ جن
وں کے سامنے سمندر ہیں۔ پہاڑیاں ہوتی ہیں ان بندرگاہوں کو محفوظ سمجھا جاتا ہے
طوفان کے زمانہ میں سمندر کی تیز ہواؤں اور لہروں کا زور یہ پہاڑیاں توڑ دیتی ہیں۔

رص کا جزیرہ ان دنوں بازنطینی شہنشاہ روم کے ماتحت تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ یورپ
م الشان "سلطنت روما" دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہو گئی تھی۔ جس میں ایک کا
لنت اطالیہ کا شہر روم تھا اور یہ سلطنت رومتہ اکبری کہلاتی تھی۔ عیسائیوں کا سب
پیشوا جسے "پوپ" کہا جاتا ہے وہ روم ہی میں رہتا تھا۔ دوسری سلطنت روما مشرق
جس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ (استنبول) تھا۔ اس سلطنت کے ماتحت مشرقی یورپ کے
اور بحرروم کے بیشتر جزائر تھے۔

ب سے سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس (یروشلم) کو فتح کیا تھا' یورپ کے تمام
یں خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی' ہر جگہ آگ سی لگی ہوتی تھی۔ یہ آگ یروشلم کے
ری نے لگائی تھی سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس پر قبضہ کے بعد لارڈ
جزیرے کو رچھوڑ دیا تھا۔ اسی کو بعض بلکہ گائی بگنان شاہ یروشلم اور دوسرے
عیسائی شہزادوں' فائٹوں اور ہاسپٹلر کو بھی جزیہ لے کر رہا کر دیا تھا۔ ممکن ہے کہ
اسے سلطان صلاح الدین کی غلطی سمجھیں لیکن یہ سب کچھ سلطان نے خالص
ردی کے تحت کیا تھا۔ بیت المقدس پر سلطانی قبضہ سے پہلے حطین کے مقام پر
اور مسلمانوں کا عظیم معرکہ ہوا تھا۔ یہ جنگ ہی دراصل بیت المقدس کی جنگ بن
حطین کے میدان میں عیسائیوں کے تقریباً" تمام بڑے بڑے سردار اور حکمران یا تو
تھے یا پھر مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔

جب سلطان فاتحانہ بیت المقدس میں داخل ہوا تو اس کے حضور وہ عیسائی خواتین
ں جن کے شوہر مارے جا چکے تھے یا گرفتار تھے۔ ان خواتین کا تعلق حکمراں
سے تھا اور یہ زاروقطار روتی ہوئی سلطان کے سامنے آئی تھیں۔ سلطان کو ان
پریشان حال خواتین پر بڑا رحم آیا اور اسے فورا" وہ حدیث یاد آگئی جس کا مفہوم
طرح تھا۔

ا مخلوق خدا پر رحم کرو۔

اللہ آسمان پر پر تم سے مہربانی سے
پیش آئے گا۔

سلطان نے حاجب کے ذریعہ دریافت کیا کہ یہ خواتین کون ہیں۔ حاجب نے خ
سے دریافت کر کے عرض کیا۔

عالی جاہ یہ خواتین وہ ہیں جن کے وارث جنگ حطین میں مارے گئے ہیں یا گ
ہوئے ہیں۔"

سلطان نے پھر دریافت کیا کہ ان سے پوچھا جائے کہ یہ کیا چاہتی ہیں۔

حاجب پھر خواتین کے پاس گیا اور ان کے سامنے سلطان کا سوال دہرایا۔ پھر
جواب لے کر سلطان عالی میں عرض کیا۔

" اے سلطان عالی مقام۔ خواتین درخواست کرتی ہیں کہ اگر ان کے وارث لڑائ
مارے جا چکے ہیں تو انہیں "قلعہ صور" میں بھیج دیا جائے اور اگر وہ گرفتار ہیں تو ا
الطاف خسروانہ کے تحت معاف فرمایا جائے۔ اور ان کی رہائی کا فرمان جاری ہو۔"

سلطان نے اسی وقت فرمان جاری کیا۔

"جن خواتین کے وارث لڑائی میں مارے جا چکے ہیں انہیں ان کی خواہش کے م
ان کے عزیزوں کے پاس سرکاری اخراجات سے پہنچایا جائے نیز انہیں کم از کم چھ ما
اخراجات کے لئے نقد رقم ادا کی جائے تاکہ وہ کوئی معقول ٹھکانہ بنا سکیں۔"

ایک دوسرے فرمان میں سلطان نے حکم دیا۔

" وہ تمام حکمراں اور سردار جو جنگ حطین میں گرفتار ہوئے ہیں انہیں فی الفور ر
دیا جائے اور انہیں ان کی مرضی کے مطابق اس جگہ پنچا دیا جائے جہاں وہ جانا چ
ہوں"

اللہ اللہ یہ مسلمانوں کا سلطان تھا جس نے فاتح ہوتے بے کس اور نادار خواتین پ
فرمایا ان کے وارثوں کو جن میں شاہ یروشلم کے علاوہ عیسائیوں کے بڑے سردار اور
شامل تھے بغیر کسی تفریق کے خواتین کی درخواست پر رہا کر دیا۔ اسی طرح یروشلم ک
مسلم آبادی کو جزیرے سے جانے کی اجازت دیدی۔ اس فاتح بیت المقدس کے مقابلہ
ان فاتحین بیت المقدس کا کردار ملاحظ فرمایئے جنہوں 1098ء میں یعنی تقریباً" ایک
سال پہلے اسی یروشلم کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھینا تھا۔ ان فاتحین میں سے ایک
جنرل نے روم کے پوپ کو اپنی فتح کے سلسلہ میں بڑے فخر کے ساتھ لکھا تھا۔

" ہم فاتحانہ یروشلم میں داخل ہوئے تو کافروں (مسلمانوں) کے خون سے یرو

نہ صرف سرخ تھی بلکہ وہ خون کا ایک دریا بہہ رہا تھا اور ہمارے گھوڑے اس خون
نوں گھٹنوں تک ڈوبے ہوئے تھے۔

یہ اس قتل عام کے متعلق ایک عیسائی کا خط ہے پھر ایک سو سال بعد جب سلطان
الدین ایوبی یروشلم (بیت المقدس) میں فاتحانہ داخل ہوا تو ہر طرف اس کا یہ اعلان
ہا تھا کہ خبردار اس ارض پاک پر انسانی خون کا ایک قطرہ نہ گرنا چاہئے اگر کسی نے
نکسیر بھی پھوڑی تو اس سے باز پرس ہو گی۔

ہرحال یہ تو اپنا اپنا ظرف ہے۔ عیسائیوں نے اسی بیت المقدس میں مسلمانوں کے
دریا بہا دئے تھے پھر جب مسلمانوں نے اس پر قبضہ کیا تو کسی عیسائی کی نکسیر نہ
ئی۔ اب پھر اسی بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ ہوا تو اس طرح کہ پوری قوم
ہاجر ہو کر ملکوں ملکوں خانماں برباد پھر رہی ہے اور جو فلسطین میں موجود ہیں ان کا
ہے کہ کوئی ایسا دن نہیں جاتا جب کسی فلسطینی جوان یا بچہ کا خون یہودی فوج نے
د۔

اس وقت ذکر ہو رہا تھا باز نطینی سلطنت روما کا۔ قبرص کا جزیرہ اسی سلطنت کے
ادر وہاں کا حکمراں ایک باز نطینی شہزادہ تھا۔ ایک تو شہزادہ دوسرے حاکم قبرص۔
ہیں کریلا اور نیم چڑھا۔ یہی حال قبرص کے حاکم کا تھا۔ وہ زمین پر قدم ہی نہیں
حاکم بد دماغ ہو تو اس کے عمال (افسر) اس سے بھی زبان بد دماغ اور مغرور ہو
چنانچہ شاہ انگلستان کا بیڑہ ہواؤں اور لہروں کے تھپیڑے کھاتا قبرص کے ساحل
پہنچا تو جزیرے والوں نے اپنے چند جنگی جہاز اور جنگی کشتیاں بھیج کر انگلستان کے
اپنے ساحل پر اترنے سے روک دیا۔

تانی بیڑے ہراول جہاز کا کپتان بھی اتنا ہی سر پھرا تھا جتنا قبرص کے جنگی جہازوں
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں خوب تو تو میں میں ہوئی۔

ے کے کپتان نے اپنے جہاز کے عرشے سے انگلستان کے ہراول جہاز کے کپتان

علوم ہوتا ہے کہ تم نے کپتانی نئی نئی سنبھالی ہے۔ اسی لئے کپتانی کے اصول اور
واقف ہو؟"

انی کپتان نے بھی سختی سے جواب دیا۔

تو بہت پرانا کپتان ہوں لیکن تم پر یہ ضرور شبہ ہوتا ہے کہ کسی کی سفارش نے
از وقت کپتان بنوا دیا ہے ورنہ تمہیں یہ ضرور معلوم ہوتا کہ شاہوں اور شہنشاہ

کے جہازوں کا رنگ کیسا ہوتا ہی اور ان پر کس طرح کا پرچم لہراتا ہے؟"

قبرص کپتان گھبرا گیا۔ اس نے غور سے دیکھا تو دور پر ایک سرخ رنگ کا جہاز کھ
تھا۔ جہاز پر لہراتا جھنڈا صاف کہہ رہا تھا کہ یہ جہاز انگلستان کا ہے اور جہاز کا لال رنگ اس
بات کی غمازی کر رہا تھا کہ یہ خاص جہاز انگلستان کے حکمران یعنی شاہ رچرڈ کا ہے۔ ان
شناختوں کے باوجود قبرص کپتان ضد کھا گیا اور سختی سے بولا۔

"اس سے بحث نہیں کہ یہ بحری بیڑہ کسی ملک کا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ دوسر
ملک سے آنے والے جہازوں کا یہ فرض ہے کہ وہ پہلے اپنی شناخت کرائیں اور ساحل
اترنے کی اجازت مانگیں کیونکہ آنے والا تو مہان ہوتا ہے اور مہمان کا یہ فرض ہے کہ
اپنی شناخت کرائے..."

اس وقت تک شاہ رچرڈ اپنے جہاز کے عرشہ پر آگیا تھا۔ اس کا جہاز بڑا تھا اور گہر
سمندر میں کھڑا تھا اس لئے وہ دونوں کپتانوں کی گفتگو تو نہیں سن سکا مگر ان کے ہاتھ
اشاروں سے یہ اندازہ لگانے میں اسے کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی کہ دونوں کپتانوں
تکرار ہو رہی ہے۔

اتنے سمجھتے ہی شاہ رچرڈ کا دماغ پھر گیا۔ اس نے ایک چھوٹی کشتی سمندر میں اتارنے
حکم دیا اور کشتی کے جہاز سے لگتے ہی رسی کے ذریعہ رچرڈ بڑی تیزی سے کشتی میں اتر
اور ملاح کو حکم دیا کہ کشتی اس جہاز کی طرف لے چلے جہاں دونوں کپتانوں میں تکرار
رہی تھی۔ ملاح نے کشتی کا رخ اسی طرف کر دیا۔

انگلستانی بحری بیڑے کے ملاحوں اور لشکریوں نے شاہ رچرڈ کو مخالف کے جہاز کی طر
جاتے دیکھا تو سینکڑوں کشتیاں شاہ رچرڈ کی تقلید میں سمندر میں اتر گئیں اور انگریز ملاح ا
لشکری۔

"شاہ انگلستان زندہ باد
شہنشاہ انگلستان زندہ باد"

کے نعرے لگاتے سلطانی کشتی کی طرف بڑھے۔ اب تو یوں محسوس ہونے لگا
قبرص پر انگلستانی بحری بیڑے نے حملہ کر دیا ہے۔ کئی سو جنگی کشتیاں چیختی چلاتی شاہ رچرڈ
طرف بڑھ رہی تھیں۔ شاہ رچرڈ کا دل اور بڑھ گیا اور اس نے ملاح کو کشتی کا رخ ساحل
کی طرف پھیرنے کا حکم دیا۔ رچرڈ کے پیچھے آنے والی کشتیوں کا رخ بھی ادھر قبرص کپتان
نے غصہ میں آکے انگریز کپتان کو برا بھلا تو کہہ دیا تھا لیکن اب پچھتا رہا تھا۔ اس نے
رچرڈ کے جھنڈے سے پہچان لیا تھا کہ وہ سرخ جہاز نہ صرف یہ کہ انگلستان کے بحری بیڑے

لق رکھتا ہے بلکہ وہ شاہ انگلستان کا ذاتی جہاز ہے مگر اب کرتا تو کیا کرتا۔ سوائے
کے اسے کوئی اور بات سوجھی ہی نہیں۔

اور کپتان۔ مجھے معاف کر دو۔ آپ کو پہچاننے میں مجھ سے سخت غلطی ہوئی..."
پتان گڑگڑاتے ہوئے انگریز کپتان کے سامنے جھک گیا۔

گریز کپتان اکڑ گیا..."میرے معاف کرنے نہ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ شہنشاہ خود
ہلہ کریں گے..."

ب انگلستان کی سینکڑوں جنگی کشتیاں قبرص کے ساحل کی طرف بڑھ رہی بلکہ یوں کہنا
کہ قبرص کے گرد گھیرا ڈال رہی تھیں۔ قبرصی کپتان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس
سمندر میں کشتیاں اتارنے کا حکم دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ شہنشاہ انگلستان کو سلامی
ے۔

ی دیر میں شاہ رچرڈ ساحل کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اسے ساحل پر اترنے کی اتنی
ی اس نے ساحل سے چند قدم پہلے ہی کشتی چھوڑ دی اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں
پ کرتا ہوا کنارے کی طرف چلا۔ اس کی کشتی والوں نے اپنے شاہ کو پانی میں
خود بھی کشتی چھوڑ کے پانی میں اتر گئے اور اس کے دائیں بائیں چلنے لگے۔ شاہی
کچھ لشکری پہلے ہی کنارے پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے قبرصی ساحلی افسروں کو ڈرا
چھ کو چیز اور کرسیاں منگالی تھیں۔

ہ رچرڈ بھیگا ہوا کنارے پہنچا تو ایک بحری کپتان نے اسے سہارا دے کر اوپر چڑھایا
ا پر لا کے بٹھا دیا۔ شاہ رچرڈ سخت غصہ میں تھا اور کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔
دیکھتے بحری بیڑے کے تمام لشکری ساحل پر اتر گئے اور انہوں نے پوزیشن سنبھال

ر شاہ رچرڈ نے پہلا حکم صادر کیا..."بندرگاہ کے تمام قبرصی افسروں کو حراست میں
ائے۔"

ی کی زبان سے الفاظ ادا ہوئے تھے۔ اس کے فوجی جوان اور افسر ساحلی دفتر میں
ے اور منٹوں میں آٹھ افسروں کو گرفتار کر کے لے آئے۔

رچرڈ نے دوسرا حکم جاری کیا۔ "اس قبرصی افسر کو پابہ زنجیر حاضر کیا جائے جس
ے کپتان سے گستاخی کی تھی۔"

پتان ساحل پر آچکا تھا اور ایک طرف سر جھکائے کھڑا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ
ے نکل جائے مگر پھر اس نے ہی اپنا ارادہ بدل دیا اور خود ہی حاضر ہو گیا۔

" عالی جاہ یہ گستاخی مجھ سے سرزد ہوئی تھی۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ مجھ
انگلستان کے بحری بیڑے کو پہچاننے میں غلطی ہوئی۔ امید ہے کہ عالی جاہ اس گستاخی
درگزر فرمائیں گے۔"

" تم نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ ہم نے تمہیں معاف کیا..." اتنا کہہ کے شاہ نے
دوسری طرف گھما لیا جیسے یہ کوئی غیر اہم بات تھی...

قبرصی کپتان کو فوراً" چھوڑ دیا گیا۔

شاہ رچرڈ نے پھر پلٹ کے کہا...

" جزیرہ کا حکمراں اب تک ہماری پیشوائی کو نہیں آیا۔" رچرڈ نے ایک اور حکم جا
کیا... "ایسے غافل حکمراں کو گرفتار کرکے ہمارے حضور پیش کیا جائے..."

انگریز بحری افسروں نے شاہ کے اس حکم کو سنا تو ان کے چہروں سے پریشانی کا اظہ
ہونے لگا۔ ایک غیر ملک میں انگلستان سے ہزاروں میل دور کسی حکمراں کی گرفتاری کا ح
دینا کوئی عقلمندی کی بات نہیں معلوم ہوتی تھی۔

قبرص کے گرفتار افسر جو سامنے ہی کھڑے تھے۔ ان کے چہرے بھی متغیر ہو گئے۔ ای
تو یہ ان کی اور ان کے حکمراں کی سخت توہین تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ انہیں خطرہ پ
ہوا کہ کہیں قبرص کا باز نطینی حکمراں جو شہنشاہ قسطنطنیہ کا قریبی عزیز تھا۔ غیرت میں آ
جنگ نہ شروع کر دے۔

مگر شاہ رچرڈ کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ اس کے افسر حاکم قبرص کے محل کا پتہ لوگوں ـ
دریافت کرنے میں لگے تھے۔ اسی وقت ایک قبرص ملاح نے چیخ کے کہا۔

" شاہ قبرص تشریف لا رہے ہیں۔"

سب کی نظریں ملاح کی طرف اٹھیں پھر اس کی نظروں کے تعقب میں شاہ قبرص تک
پہنچیں۔ شاہ قبرص ایک ادھیڑ عمر کا تنومند آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر ایک خاص قسم
جلال تھا مگر اس وقت وہ گھبرایا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اس کے دائیں بائیں چند قبرصی افسر تیز
تیز قدموں سے چل رہے تھے۔

اس وقت رچرڈ کے سر پر نہ تو تاج تھا اور نہ جسم پر شاہی لباس اس کے باوجود قبرص
کے حکمراں کے جزیرے میں زبردستی گھس آیا ہے۔ قبرص میں نہ تو اتنی فوج تھی کہ وہ شاہ
انگلستان کا مقابلہ کر سکتی اور نہ اس کے پاس کوئی بڑا بحری بیڑا تھا جس کے زور پر وہ شاہ
انگلستان کو قبرص کے قبضہ سے روک سکتا۔

قبرص کے حکمران نے بہتر یہی سمجھا کہ جزیرہ کو کشت و خون سے بچانے کے لئے اے

انہ انداز اختیار کرنا چاہئے۔ اس نے شاہ رچرڈ کے سامنے پہنچ کے بڑی استقلال سے

"قبرص کا حکمران' شاہ انگلستان کو اپنے ملک میں خوش آمدید کہتا ہے..."

شاہ رچرڈ نے اسے سر سے پیر تک گھور کے دیکھا۔

"اچھا تو تم قبرص کے گورنر ہو؟" رچرڈ کا انداز تحقیر آمیز تھا۔

"جی ہاں شاہ انگلستان ـ میں اس جزیرے کا حکمراں ہوں اور باز نطینی شہنشاہ روم نے
شاہ قبرص" کا خطاب بھی دیا ہے۔" حاکم قبرص نے اپنا مختصر تعارف کر دیا۔

"تم نے یہ کس طرح پہچانا کہ ہم سلطنت انگلیشہ کے تاجدار ہیں؟"

شاہ انگلستان کو شاہ انگلیشیہ اور تاجدار انگلشیہ بھی کہا جاتا تھا۔

قبرص کے حکمران نے قانت سے جواب دیا۔ " اے شاہ انگلستان' ایک بادشاہ
، بادشاہ کو اپنی حس لطیف (چھٹی حس) سے پہچان لیا کرتا ہے۔"

مگر تمہارے بدتمیز کپتان نے ہمیں کیوں نہیں پہچانا اور ہمارے ایک بحری افسر سے
گستاخ قسم کی گفتگو کی...؟"

ہ رچرڈ کا محض اندازہ تھا ورنہ اس کی اپنے کپتان سے اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہ
ی۔

برص کا حکمران کافی ذہین اور کچھ بزلہ سنج قسم کا انسان تھا۔ اس نے مسکرا کے جواب
اے شاہ انگلستان میرا افسر کسی ملک کا بادشاہ نہیں تھا کہ آپ کو شناخت کر سکتا۔ مگر
نکہ قبرص کا بادشاہ ہوں اس لئے میں نے آپ کو فوراً" پہچان لیا..."

بادشاہ...!" شاہ رچرڈ نے منہ بنایا..." اس چھوٹے سے جزیرہ کا حاکم خود کو بادشاہ
؟"

اے شاہ انگلستان ..." قبرص کا حکمراں بڑے استقلال سے بولا..." میں واقعی اس
بادشاہ ہوں۔ مطلق انسان بادشاہ' خاندانی طور پر بھی میں ایک شہزادہ ہوں اور مجھے
قسطنطنیہ کے بھتیجے ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اس بادشاہت پر میرا حق اس لئے بھی ہے
ناہ نے مجھے "شاہ قبرص" کا خطاب خود عطا فرمایا ہے..."

ہ رچرڈ کو اس کی یہ بات بھی پسند نہ آئی۔ اس نے کہا۔

اے قبرص کے گورنر۔ یاد رکھو کہ بادشاہ کسی ملک کا ہوتا ہے۔ قبرص جیسے جزیرے
نر یا حاکم ہی ہو سکتا ہے؟" شاہ رچرڈ نے اس کی دوبارہ توہین کی۔ مگر اس کی رگوں
خون دوڑ رہا تھا۔ اس لئے اس نے بے خوفی سے جواب دیا۔

"اے انگلستان کے بادشاہ۔ قبرص ایک جزیرہ ہے اس لئے آپ کو یہاں کا بادشا
نہیں آتا لیکن جس ملک کے آپ بادشاہ ہیں وہ ملک بھی تو ایک جزیرہ ہی ہے یعنی
برطانیہ جس کے ایک ملک یعنی انگلستان کے آپ بادشاہ ہیں..."

قبرص کے حکمراں کے اس برجستہ اور منہ توڑ جواب سے شاہ انگلستان کا چہرہ
دھواں ہو گیا۔ حاکم قبرص نے صحیح کہا تھا۔ جزائر برطانیہ کے ایک حصہ کا نام انگ
دوسرے کا نام اسکاٹ لینڈ اور تیسرے کا ویلز وغیرہ ہیں۔ مگر رچرڈ بجائے اس کے کہ شاہ
کے اس برجستہ جواب کی داد دیتا' الٹا اس پر تاؤ کھا گیا۔

شاہ نے اپنی کینہ پرور طبیعت کا مظاہرہ کیا۔ بولا...

"قبرص کے بد زبان گورنر کو گرفتار کر لیا جائے۔"

قبرص کا حکمراں اس اچانک حکم پر سن پڑ گیا۔ اس نے نرمی سے کہا۔ "اے
انگلستان میں نے آپ کو خوش آمدید کہا۔ آپ کو کورنش پیش کیا۔ آپ اپنے مرتبہ
خیال فرمائیے۔ میری گرفتاری کا حکم کیوں دے رہے ہیں۔ میں مشرقی روم کے
قسطنطنیہ کا بھتیجا ہوں۔ انہیں میری گرفتاری کی اطلاع ملے گی تو کتنا افسوس ہو گا؟"

شاہ رچرڈ نے قبرص کے حکمراں کے اس مدلل اور مفصل جواب کا جواب الجوا
طرح پیش کیا۔ اس نے حکم دیا۔

"قبرص کے سابق حاکم کو پابہ زنجیر کیا جائے۔ اس لئے کہ یہ پاگل ہو گیا ہے او
کسی وقت بھی کسی کو کاٹ سکتا ہے۔"

قبرص کے حاکم کو بلا تاخیر زنجیریں پہنا دی گئیں۔ اور اسے جانوروں کی طرح ا
ایک طرف کھڑا کر دیا گیا اور شاہ رچرڈ نے نئے نئے حکم دینا شروع کرے۔

شاہ رچرڈ نے دوسرا حکم دیا۔

"فوج کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ قبرص کے تمام بحری اور بری فوجیوں کو غیر مسلح
اور پورے جزیرے میں اعلان کیا جائے کہ قبرص کے گورنر کو معزول کر دیا گیا
لئے تاحکم ثانی تمام انتظامی معاملات میں انگلستان کے ناظم سے رجوع کیا جائے جنہیں
طور مقرر کیا جا رہا ہے۔"

غرضیکہ شاہ رچرڈ اس جگہ بیٹھا دو ڈھائی گھنٹے تک مختلف قسم کے احکامات صا
رہا۔ اس تمام وقت میں بیچارہ قبرص کا حکمراں زنجیر میں پہنے ایک طرف سر جھکائے کھ
انگلستان کی بحری فوج نے پورے جزیرے پر قبضہ کر کے ہر جگہ اپنے پیردار اور محاف
کر دئے تھے۔ قبرص کے حکمراں خاندان کے افراد سے تمام محلات خالی کرا لئے گئے۔

میں شاہ رچرڈ قبرص کے شاہی محل میں منتقل ہو گیا۔ قبرص کے حکمراں کے اہل خانہ
یہ محل زبردستی خالی کرایا گیا تھا۔ شاہ رچرڈ کے حکم کے مطابق قبرص کے حکمراں کو اسی
ح پابہ زنجیر رچرڈ کے اس کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا جہاں اسے بیٹھنا تھا۔

شاہ رچرڈ نے حکم دیا تھا کہ قبرص کے حاکم کو رات دن ایسی جگہ رکھا جائے جہاں شاہ
ی کی نظر پہنچ سکتی ہو۔ پتہ نہیں شاہ رچرڈ نے ایسا حکم کیوں دیا تھا بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا
اس نے یہ اقدام انتہائی احتیاط کے طور پر اٹھایا تھا۔ شاید اسے یہ خطرہ تھا کہ اگر قبرص
حکمراں کو قید خانہ میں رکھا گیا تو قبرصی اسے قید خانہ توڑ کے نکال لے جائیں گے۔

جزیرہ قبرص کی تقدیر رات تک بالکل بدل چکی تھی۔ قبرصی پہرہ دار' محافظ' چھوٹے
، کارکن سب کے سب غائب ہو گئے تھے اور ان کی جگہ انگریز لشکری ہر جگہ چلتے پھرتے
ٹہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ کسی ملک کی حکومت بدلتی ہے تو بدلی جانے والی حکومت
مخالف سینہ تان کر باہر آجاتے ہیں۔ وہ نئے آنے والوں کو خوش آمدید کہتے ہیں اور
، والوں پر لعنت بھیجتے ہیں حالانکہ کل تک یہی لوگ ان جانے والوں کے تلوے چاٹتے
اتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کو منافق کہا جاتا ہے۔

رات کا کھانا شاہ رچرڈ اپنی بہن جین اور چند بڑے سرداروں کے ساتھ کھا رہا تھا۔ یہ
محل کا وہ حصہ تھا جس کی کھڑکیاں سمندر کی طرف کھلتی تھیں۔ صبح کے طوفان کی دھند
ہو چکی تھی۔ مطلع صاف تھا اور چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ بحر روم نبات
ن گردوں (ستارے) کا حسن دیکھنے والا ہوتا ہے۔

کھانا نہایت خاموشی سے کھایا جا رہا تھا۔ شاید ہر شخص اپنی جگہ پریشان تھا۔ سوائے شاہ
کے۔ جسے کسی قسم کی پریشانی نہ تھی۔ اس کی لاابالی طبیعت اور بگڑی جوانی حوادث
سے ٹکراتی ہی رہتی تھی۔ مہم جوئی اس کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ شاہ رچرڈ نے قبرص
حکمراں کو پابند سلاسل کرتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ اس حکمراں کا چچا شہنشاہ قسطنطنیہ
ن کی مشرقی یورپ اور وسطی و مغربی ایشیا میں ایک ساکھ تھی۔ اگر شہنشاہ قسطنطنیہ
بھتیجے اور قبرص کی بازیابی کے لئے میدان میں آجاتا تو رچرڈ کو کتنی مشکلات کا سامنا کرنا
۔ اس کا مقصد تو فلسطین پہنچ کے صلیبی جنگ میں حصہ لینا تھا مگر رچرڈ راستہ ہی میں انکا
تھا

شاہ رچرڈ نے تقریباً" ایک سال صقلیہ میں گزارہ تھا اور اب وہ قبرص پر اس انداز میں
جما رہا تھا جیسے وہ انگلستان کے بجائے قبرص ہی میں رہتا ہے۔ خیر یہ تو اس کے سوچنے
از تھا۔ اس نے سوچا ہو گا کہ جس طرح اس نے ایک سال صقلیہ میں گزارہ ہے اسی

طرح کچھ دن قبرص میں عیش و عشرت میں گزارے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس دوران صلیبی جنگ کا کوئی فیصلہ ہو جائے۔ عیسائی صلیبی جنگ تو اسی وقت ہار گئے تھے جب انہیں (حطین) کے میدان میں شکست ہوئی تھی اور ان کے تمام بڑے بڑے فائٹس' ٹمپلرز اور ہاسپٹلرز' یہاں تک کہ شاہ یروشلم بھی مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی اس سے بڑھ کر اعلیٰ ظرفی اور کیا ہو سکتی تھی کہ اس نے عیسائیوں کو شکست فاش دینے کے بعد بیت المقدس پر قبضہ کیا پھر عیسائی خواتین کی آہ وزاری پر رحم کھاتے ہوئے اپنے ان تمام دشمنوں کو پھر آزاد کر دیا جو حطین کے میدان میں گرفتار ہوئے تھے۔ اگر سلطان صلاح الدین انہیں رحم کھا کر آزاد نہ کرتا تو آج وہ سلطان کے مقابلہ پر کیسے کھڑا ہو سکتے تھے۔

رچرڈ کھانے کے بعد کھڑا ہونا چاہتا تھا کہ سامنے کا دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا اور ایک نقاب پوش لڑکی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے چیخ کر کہا۔

"تم میں رچرڈ کون ہے؟"

شاہ یروشلم گائی سگنان' سلطان کے مقابلہ پر کیسے آتا' یروشلم کا لارڈ پادری یورپ جاکر مسلمانوں کے خلاف زہر کیسے اگلتا۔ بعض مسلم مورخین نے دبے الفاظ میں لکھا ہے کہ اگر سلطان صلاح الدین ایوبی' حطین کے میدان میں گرفتار ہونے والے عیسائی شاہوں' حکمرانوں اور پادریوں کو آزاد نہ کرتا تو تیسری صلیبی جنگ نہ ہوتی۔ نہ ڈیوک آف سوابیا فلسطین آتا اور نہ شاہ فرانس فلپ اور شاہ انگلستان رچرڈ فلسطین کا رخ کرتے۔

بہرحال سلطان عالی مقام صلاح الدین ایوبی کی ذات اس قسم کے خیالات سے بہت بلند ہے۔ وہ عالی حوصلہ اور اعلیٰ ظرف تھا۔ جس قدر بہادر اور شجاع تھا اسی قدر رحمدل اور غریب پرور بھی تھا۔ اس کے دل میں خدا کا خوف تھا اور جس دل میں خوف خدا ہو اس کے دل کو دنیا کی کوئی طاقت خوفزدہ نہیں کر سکتی۔

ذکر تھا جزیرہ قبرص کا شاہ رچرڈ اپنے مصاحبین کے ساتھ کھانے کی میز پر تھا۔ قبرص کا حکمراں اسی کمرے کے ایک کونے میں پابہ زنجیر کھڑا اپنی قسمت پر آنسو بہا رہا تھا کہ اچانک باہر سے شور غل کی آوازیں آنے لگیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کئی آدمی آگے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ چیخ پکار مچی ہے۔

شاہ رچرڈ کا ہاتھ رک گیا۔ اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور چہرہ غصہ سے لال بھبوکا ہو گیا۔ شاہ رچرڈ کی دونوں مٹھیاں بھنچ گئیں تھیں اور شاید وہ کوئی سخت حکم دینے والا تھا کہ کھانے کے کمرے کا دروازہ ایک زور دار جھٹکے سے کھلا اور ایک خاتون یا دوشیزہ یا لڑکی

ے میں محافظوں کو اپنے آگے سے ہٹاتی ہوئی داخل ہوئی۔

"تم میں رچرڈ کون ہے؟" لڑکی نے چیخ کے کہا۔ جوش و غصہ سے اس کی آواز تھر
ہی تھی۔ تمام حاضرین کی نظریں سمٹ کر شاہ رچرڈ کے چہرے پر جم گئیں۔

"تو تم ہو رچرڈ۔؟" اور لڑکی آہستہ قدم اٹھاتی رچرڈ کی طرف بڑھی۔ اس کا نصف
یاہ نقاب میں پوشیدہ تھا۔

"میرا باپ کہاں ہے رچرڈ؟" لڑکی شاہ رچرڈ کے بالکل قریب پہنچ کر چیخ پڑی اور اس
ساتھ ہی اس نے چہرہ کا نصف نقاب نوچ کر پھینک دیا۔

پھر تو یوں محسوس ہوا جیسے کمرے میں سینکڑوں قندیلیں ایک ساتھ بھڑک اٹھیں ہوں۔
ب زمین پر اتر آیا ہوں یا آفتاب کچھ زیادہ ہی جھک پڑا ہو...

یروشلم کا مقدمہ

"تم میں سے رچرڈ کون ہے؟" نقاب پوش دوشیزہ نے چیخ کے کہا۔ اس کی آواز جوش غضب سے تھرا رہی تھی۔

حاضرین کی نظریں سمٹ کر شاہ رچرڈ کے چہرے پر جم گئی تھیں۔ نقاب پوش دوشیزہ نظریں بھی دوسروں کی نظروں کا تعاقب کرتی ہوئی رچرڈ تک پہنچ چکی تھیں۔

"تو... تم ہو رچرڈ؟" نقاب پوش لڑکی آہستہ قدم اٹھاتی رچرڈ کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کا نصف چہرہ اب تک نقاب میں چھپا ہوا تھا۔

"میرا باپ کہاں ہے رچرڈ۔؟" لڑکی شیرنی کی طرح گرجی اور ساتھ ہی چہرے کا نقاب نوچ کر دور پھینکا۔

پھر تو یوں محسوس ہوا جیسے کمرے میں ایک ساتھ سینکڑوں قندیلیں بھڑک اٹھی ہوں چاند اچانک زمیں پر آگیا ہو یا پھر بقول شاعر۔

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

شاہ رچرڈ کا چہرہ جو غصہ سے سرخ ہو گیا تھا۔ اس کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں۔ لڑکی بے نقاب کیا ہوئی یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے سب پر سحر کر دیا ہو اور سب مبہوت ہو کر رہ گئے ہوں۔

لڑکی تھی کہ رچرڈ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے گھور رہی تھی۔ باقی لوگ بےخود تھے۔

"کیا نام تیرا ہے لڑکی؟" رچرڈ نے سنبھل کر پر رعب لہجے میں کہا۔

"میں لڑکی نہیں شہزادی ہوں۔" لڑکی بپھر گئی۔ "میرا چچا شہنشاہ قسطنطنیہ اور باپ قبرص کا بادشاہ ہے۔"

"قبرص کا بادشاہ!" رچرڈ نے اس کونے کی طرف دیکھا جہاں لڑکی کا باپ پابجولاں کونے میں کھڑا تھا۔

لڑکی کی نظریں زنجیروں میں جکڑے باپ پڑیں تو وہ دانت پیس کر رچرڈ پر جھپٹی... "ظالم تو نے میرے باپ اور اس ملک کے بادشاہ کا یہ حال کیا ہے؟"

وہ تو خیر ہوئی کہ رچرڈ کا حاجب درمیان میں آگیا ورنہ شاید لڑکی شاہ رچرڈ کا منہ اپنے ناخنوں سے نوچ ڈالتی۔

"سیدھی کھڑی رہ لڑکی ورنہ ہم کوئی سخت حکم بھی دے سکتے ہیں۔" رچرڈ نے لڑکی کو مرعوب کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم انگلستان کے بادشاہ رچرڈ ہو؟" لڑکی نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

"تیرے یقین نہ کرنے کی کیا وجہ ہے لڑکی۔؟" شاہ رچرڈ نے پہلی بار قبرص کی شہزادی کو دلچسپی سے دیکھا۔

"اس لئے کہ اگر تم انگلستان کے بادشاہ ہوتے تو قبرص کے بادشاہ کو زنجیریں ہرگز نہ پہناتے..." لڑکی نے دلیری سے کہا۔

"اے انگلستان کے بادشاہ..." لڑکی اور جرات سے بولی... "ممکن ہے کہ ادھر کے ممالک میں یہی دستور ہو لیکن ہمارے بازنطینی شہنشاہ یا بادشاہ جب کوئی ملک فتح کرتے ہیں تو مفتوح بادشاہ کو یا تو قتل کر دیتے ہیں یا پھر آزاد کر دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ قیدیوں کا سلوک نہیں کیا جاتا۔"

"مگر ہم تمہارے بادشاہ کو زنجیروں سے آزاد نہیں کر سکتے۔" رچرڈ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"مگر میرے باپ کو پابہ زنجیر کیوں کیا گیا۔ انہوں نے تمہیں کیا نقصان پہنچایا تھا..." لڑکی نے جرح کا انداز اختیار کیا۔ "ایک تو تم نے ایک آزاد ملک پر بغیر الٹی میٹم کے حملہ کیا۔ خزانہ لوٹا آبادیاں تاراج کیں پھر ایک بے قصور بادشاہ کو زنجیروں میں جکڑ دیا..."

"لڑکی تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ رچرڈ کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا ہے اور ہم حکم دینے کے بعد واپس نہیں لیا کرتے..." شاہ رچرڈ نے اسے صاف جواب دیدیا۔

مگر شہزادی قبرص اپنی بات پر اڑ گئی تھی۔ اس نے کمال جرات کا مظاہرہ... بولی... "شاہ رچرڈ نے اچھا کیا کہ مجھے یہ بتایا کہ وہ حکم دے کر واپس نہیں لیا کرتے۔ اس سے ظاہر ہو

گیا کہ شاہ رچرڈ کسی قانون کے پابند نہیں ہیں ورنہ بادشاہ تو صرف وہ ہوتا ہے جو حکم دینے پر قادر ہو اور اپنے دئے ہوئے حکم کو منسوخ کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہو...."

اس ترکی بہ ترکی جواب نے شاہ رچرڈ کو بد حواس کر دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ شہزادی قبرص سے بحث کرکے اس نے غلطی کی۔ شہزادی جس قدر خوبصورت تھی اس سے کہیں زیادہ عقلمند بھی تھی۔

شاہ رچرڈ کچھ دیر سوچنے کے بعد مضمحل آواز میں بولا۔

"ہم شاہ قبرص کو آزاد کرتے ہیں لیکن اس کے دونوں ہاتھوں میں الگ الگ چاندی کے دو کڑے پہنائے جائیں اور یہ کڑے ہیرے جواہرات سے مرصع ہونا چاہئیں۔ شہزادی قبرص جس نے اب تک ہمیں اپنا نام بتانے سے گریز کیا ہے وہ آج سے ہماری حفاظت میں رہے گی۔"

اب قبرص کی شہزادی نے زبان کھولی۔

"اے عالی مقام شاہ انگلستان" شہزادی بڑے ادب سے بولی۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں شاہ رچرڈ سے گستاخی کی مرتکب ہوئی ہوں۔ سب سے پہلے میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ میں نے شاہ سے ایک گستاخی اور کی۔ یہ گستاخی میں نے شاہ کے حکم کے باوجود اپنا نام بتانے سے گریز کرکے کی تھی۔ جب میں شاہ کے حضور میں آئی تھی تو جذبات سے مغلوب تھی اور مجھے اپنے باپ کی سلامتی کے علاوہ اور کوئی بات سمجھائی نہ دیتی...."

"شہزادی ..." شاہ رچرڈ جو شہزادی کے سحر انگیز حسن میں پوری طرح گرفتار ہو چکا تھا اس نے شہزادی کو ٹوکا... "تمہیں مزید معذرت کی ضرورت نہیں۔ ہم نے تمہیں اور تمہارے باپ کو معاف کر دیا ہے..."

"اے بادشاہ انگلشیہ" شہزادی نے شوخ نظروں سے شاہ کو دیکھا۔ "آپ بادشاہ ہیں اور بقول آپ کے آپ نے قبرص پر قبضہ کیا ہے مگر ایک طرف آپ شاہ قبرص کو طوق و سلاسل میں جکڑنے کا حکم دیتے ہیں مگر فوراً" شاہ قبرص کی معافی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ کیا یہ معافی شاہ قبرص کی قید و بند کی پابندیوں سے کچھ کم ہے۔ اگر میرا باپ شاہ قبرص غلامی کی چاندی کے کڑے پہن کے محل سے باہر نکلے گا تو کیا لوگ اس کا مذاق نہ اڑائیں گے۔ اس پر قیدی کا آوازہ تو نہ کسیں گے۔؟"

شاہ رچرڈ، شہزادی کو دیکھتے ہی اسے دل دے بیٹھا تھا اور اب اس کی ناراضگی مول لینے پر آمادہ نہ تھا۔ اس لئے انتہائی نرم لہجے میں بولا ... "تم اپنے باپ کے سلسلہ میں اور کیا رعایت چاہتی ہو۔؟"

"اگر شاہ رچرڈ کو واقعی مجھ مظلوم کی بات کا اتنا ہی پاس ہے تو وہ میرے باپ کے نوں میں چاندی کے کڑے ڈالنے کے احکامات واپس لے لیں۔" شہزادی نے اپنے حسن بھرپور تیر چلایا۔

شاہ رچرڈ اس تیر کی پہلے ہی چوٹ کھا چکا تھا اب تو وہ بالکل بسمل ہو کے رہ گیا۔ "ہم قبرص کو چاندی کے کڑے پہنانے کا حکم واپس لیتے ہیں لیکن شاہ قبرص کے پاس کوئی ں نشانی ضرور ہونا چاہئے جسے دیکھ کر ہمارے لشکری یہ اندازہ کر سکیں کہ شاہ قبرص کو ری کی ایک جڑاؤ زنجیر گلے میں پہنائی جا سکتی ہے جس میں ایک چھوٹی صلیب مقدس زاں ہو۔"

شاہ رچرڈ، شہزادی کو اب ہر صورت خوش رکھنا چاہتا تھا اس لئے اس نے شہزادی ں کی خواہش کو اپنے اعلان میں شامل کر دیا۔ شاہ نے نیا فرمان جاری کیا۔

"فرمان جاری کیا جاتا ہے کہ شاہ قبرص کے متعلق اس سے پہلے جتنے احکامات جاری ے وہ سب منسوخ تصور کئے جائیں۔ شاہ قبرص کی عزت، حرمت، تخت و تاج اور اقتدار فرمان کے ذریعہ بحال کیا جاتا ہے لیکن شاہ قبرص اپنے نام، احکام اور اقتدار کو اس عمل میں لائیں گے جب انگلستان کا لشکر قبرص کو چھوڑ کر فلسطین روانہ ہو گا۔ اسی شاہ قبرص کے تمام محلات اور دفاتر بھی واگزار کئے جاتے ہیں۔ ان محلات اور دفاتر پر تان کی فوجوں کا صرف عارضی قبضہ رہے گا۔"

شاہ انگلستان کا فرمان بڑا دلفریب نہیں بلکہ پر فریب تھا۔ فرمان کے خوبصورت الفاظ پیچھے کوئی خوش آئند بات نہ تھی۔ غیر ملکی فوجوں کے قبرص چھوڑنے کی کوئی تاریخ مقرر کی گئی تھی۔ شہزادی قبرص کو رچرڈ اپنی حفاظت میں کیوں لے رہا تھا اس کی بھی کوئی ت نہ کی گئی تھی۔

مگر اب کون بول سکتا تھا۔ شہزادی اپنی بے پناہ جرات کے زور پر جس میں اس کے کا زنجیر بھی شامل تھا صرف اس قابل ہوئی تھی کہ اپنے باپ کو باعزت بری کرا سکی لیکن شاہ قبرص کے بری ہونے سے وہ خود شاہ رچرڈ کی قید میں چلی گئی تھی کیونکہ کو اس کے اپنے محل سے رچرڈ کے برابر والے محل میں رہنے کا حکم ہوا تھا اور کے لئے وہی لوازمات مہیا کئے گئے تھے جو ایک ملکہ کے شایان شان ہوتے ہیں اور س غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ شاہ رچرڈ بہت جلد شہزادی قبرص سے شادی گا۔

گر یہ تمام اندازے اس وقت بالکل غلط ثابت ہوئے جب صقلیہ سے اس کے پاس

اطلاع پہنچی کہ شہزادی برنگیریا آف نوارلے بہت جلد اس کے پاس قبرص پہنچ رہی۔ نوارے شمالی اسپین کی مسیحی ریاست تھی۔ اس زمانہ سے خلافت اندلس خود اپنے اعما وجہ سے ختم ہو چکی تھی اور اندلس (اسپین) میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ نوار قسطلان اور اراگون کی مسیحی ریاستیں بہت طاقتور ہو چکی تھیں۔

شاہ رچرڈ کی ماں ملکہ ایلینور شاہ فرانس کی مطلقہ بیوی تھی جس نے طلاق کے رچرڈ کے باپ سے شادی کی تھی جو بعد میں انگلستان کا بادشاہ بنا تھا اور اسی وقت ایلینور کے بطن سے بادشاہ انگلستان کے رچرڈ اور جین وغیرہ اولادیں ہوئی تھیں۔

فرانس سے اس تعلق کی بنا پر رچرڈ کی عمر کا بیشتر حصہ فرانس میں آوارہ گردی کرتا تھا (اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی) اور اسی دوران رچرڈ اور شہزادی برنگیریا نوارے کا عشق چلا تھا۔ رچرڈ نے شہزادی برنگیریا آف نوارے سے وعدہ کیا تھا کہ قسمت نے یاوری کی اور وہ انگلستان بادشاہ ہو گیا تو اس کی ملکہ برنگیریا آف نوارے ہو رچرڈ کی ماں ملکہ ایلینور نے کوشش کی تھی کہ شہزادی برنگیریا آف نوارے اور رچر شادی' اس کی فلسطین روانگی سے پہلے ہو جائے کیونکہ شاہ رچرڈ نے ماں کو خود اس کا ا دیا تھا۔

لیکن حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ شہزادی برنگیریا انگلستان نہ پہنچ سکی اور شاہ اپنے بحری بیڑے اور لشکر کے ساتھ تیسری صلیبی جنگ میں حصہ لینے کے انگلستان روانہ ہو گیا۔ شہزادی برنگریا خود شاہ سے شادی کرکے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ شرکت کا ثواب کمانا چاہتی تھی لیکن شاہ رچرڈ کے فیصلہ میں تقریباً" ایک سال قیام باوجود شہزادی برنگیریا اس تک نہ پہنچ سکی۔

اس طرح شاہ رچرڈ صقلیہ سے فلسطین روانہ ہوا مگر طوفانی ہواؤں نے اسے فل پہنچانے کے بجائے قبرص پہنچا دیا۔ شاہ رچرڈ کے لئے قبرص پہنچنا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹو مثال بن گیا۔ اس نے قبرص کو تا راج کیا۔ باز نطینی شاہ قبرص کو نقرئی زنجیر پہنائی شہزادی قبرص کو اپنی داشتہ بنا لیا تاکہ ارض مقدس اور ممکن ہو تو بیت القدس میں یہ دا بکار آید کے مصداق رہے۔

ابھی یہ ڈرامہ شروع ہی ہوا تھا کہ شہزادی برنگریا کے قبرص آنے کی اطلاع نے رچرڈ اوراس سرداروں اور عمائدین کو ششدر کر دیا۔ رچرڈ کے سرداروں کا بھی یہی خ تھا کہ جس طرح رچرڈ نے صقلیہ میں ایک سال تک عیاشیوں کا بازار گرم کر رکھا تھا طرح وہ قبرص میں بھی سال چھ مہینے ضرور داد عیش دے گا لیکن برنگیریا کی آمد سے

ضرور پابندی لگے گی کیونکہ برنگیریا کو آخر ملکہ انگلستان ہونا تھا۔

رحال شہزادی برنگیریا آف نوارے قبرص آرہی تھی اور اس کی آمد کو کوئی نہیں کتا تھا۔ شاہ رچرڈ چاہتا تو وہ برنگیریا کو قبرص آنے سے روک سکتا تھا۔ اس کے لئے ی خاص بہانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ شاہ رچرڈ اپنی ماں ایلینور کو اطلاع بھیج سکتا ی الحال شہزادی برنگیریا کواس کے پاس بھیجنے کی ضرورت نہیں یا وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا ں وہ شادی کے جھنجٹ میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اس کے اتنا کہنے سے شہزادی ادھر آنے ی نہ کرتی۔ وہ شاہ رچرڈ کی تلون مزاجی سے واقف تھی۔

اہ رچرڈ نے برنگیریا کو روکنے کی قطعی کوشش نہ کی بلکہ وہ اس خبر سے مسرور ہوا۔ بلا س کی شہزادی سوسن حسن و جمال میں شہزادی برنگیریا سے کہیں آگے تھی مگر رچرڈ کی برنگیریا ہونے والی ملکہ انگلستان تھی اور سوسن کی حیثیت ایک داشتہ سے زیادہ نہ س نے اسی لئے فیصلہ کیا تھا کہ وہ شہزادی برنگیریا اور شہزادی قبرص یعنی سوسن کو پنے مقام پر رکھے گا اور کوشش کرے گا کہ برنگیریا کو شہزادی سوسن کے بارے میں ا نہ ہو سکے۔

اں تک شہزادی سوسن کا تعلق تھا وہ شاہ رچرڈ کے مزاج سے بڑی حد تک واقف ہو ی۔ اس کے کانوں تک بھی برنگیریا کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی۔ اس سلسلہ میں اس ا کنیزوں سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن سوسن کے ارد گرد جو خدمت پر مامور تھیں وہ سب کی سب انگریز عورتیں تھیں۔ ایک تو وہ قبرص یا بان نہ جانتی تھیں دوسرے جو سوسن کی باتیں سمجھ بھی سکتی نہیں وہ جان بوجھ کے ن جاتی تھیں اور جب سوسن ان سے اس بارے میں بات کرنے کی کوشش کرتی وہ یں شائین کرکے بات کو ٹال جاتیں۔

ر ایک دن شاہ رچرڈ نے شہزادی قبرص کو بلا کر اچانک انکشاف کیا۔

شہزادی سوسن ہماری منگیتر شہزادی برنگیریا آف نوارے قبرص آرہی ہیں۔ ہم اس ص ہی میں شادی کریں گے اور یہیں ہنی مون منائیں گے..."

ہزادی کے پیروں کے نیچے زمین نکل گئی۔ اس کے تمام سپنے اک جھناکے ساتھ ٹوٹ رگئے۔ اس نے شاہ رچرڈ سے بہت سی توقعات وابستہ کر لی تھیں۔ شاہ رچرڈ اس ینتیس سالہ جوان تھا اور اسے خوبصورت کہا جا سکتا تھا۔ اس نے جوانی کی بیشتر کو بے دردی سے برباد کیا تھا لیکن انگلستان کی شاہی نے اس کا چہرہ پر رعب بنا دیا جوانی میں اس طرح کے زبارہ دل آویز ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً" عورتیں انہیں بہت

پسند کرتی ہیں۔

ممکن ہے کہ شہزادی سوسن کو رچرڈ سے محبت ہو گئی ہو۔ اسے عشق بھی ہو سکتا
لیکن اس نے شہزادی سوسن کو جس ظالمانہ انداز میں شہزادی برنگیریا آف نوارے کے
کی اطلاع دی اس سے شہزادی سوسن کا دل ٹوٹ گیا۔

شاہ رچرڈ کچھ دیر سوسن کی جواب کا انتظار کرتا رہا لیکن سوسن بولتی کیا اس کے پا
کوئی جواب ہی نہ تھا شاہ رچرڈ اپنے فیصلوں میں آزاد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ
رچرڈ کے دل و دماغ پر قابو پا سکے مگر اب تو یہ خیال بھی چکنا چور ہو گیا تھا۔

"تم نے ہمیں جواب نہیں دیا سوسن؟" شاہ رچرڈ کے لہجے میں تلخی آ گئی تھی۔

سوسن نے ڈبڈبائی آنکھوں سے رچرڈ کو دیکھا۔ "شاہ نے مجھ سے کوئی سوال تو نہیں
تھا جس کا میں جواب دوں۔ آپ کو مجھ تک ایک خبر پہنچانا تھی وہ پہنچ گئی۔"

"ہاں یہ بات تو ہے..." شاہ رچرڈ نے نہ جانے کیا سمجھتے ہوئے کہا۔ "یہ اطلاع د
ضروری تھی۔ ممکن ہے کہ اس سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو لیکن تمہیں کسی قسم کی فکر
ہونا چاہئے"

"بالکل نہیں شاہ محترم..." سوسن نے سمجھتے ہوئے کہا... "یہ اطلاع تو میرے لئے تو
مسرت ہے۔"

"کیا مطلب ہے؟" شاہ رچرڈ نے اسے گھور کے دیکھا اور تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے۔

سوسن نے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ کو سجاتے ہوئے کہا۔ "شاہ کی شادی ہو رہی
کیا یہ میرے لئے نوید مسرت نہیں۔ مجھ سے زیادہ آپ کے اور کون قریب ہو گا اور مج
سے زیادہ خوشی اور کسی کا کیسے ہو سکتی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" شاہ خوش ہو گیا۔ "ہمیں تم سے یہی امید تھی سوسن۔ تمہار
مقام یہی رہے گا۔ اس میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑے گا۔ یہ بات تمہارے حق میں ہو گ
کہ تم برنگیریا سے دور دور رہو۔ اسے تمہارے بارے میں کوئی اطلاع نہ ہو سکے گی۔
بھی کوشش کرنا کہ اس کی زنجیروں میں نہ آؤ..."

"میں آپ کے حکم کی ہمیشہ پابند رہوں گا..." سوسن نے افسردگی سے کہا۔ پھر ذرا رک
کے اچانک بولی... "کیا مجھے قبرص میں قیام کرنا ہو گا؟"

"ہرگز نہیں سوسن۔ تم ہمارے جسم کا ایک حصہ بن چکی ہو..." شاہ نے بڑے جوش
سے کہا... "تمہیں برنگیریا کے برابر اختیارات حاصل ہوں گے سوائے اس کے کہ تم دنیا کی
نظروں میں ملکہ انگلستان نہ بن سکو گی

"شاہ بے فکر رہیں..." سوسن نے یوں کہا جیسے اس نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔
ں اپنی اوقات پر ہمیشہ نظر رکھوں گی۔"

"پھر تم یوں سمجھو کہ رچرڈ کی نظروں میں تم سے زیادہ کسی اور کا مقام نہیں ہو
ا۔" شاہ رچرڈ نے زور دے کر کہا۔ "شہزادی برنگیریا انگلستان کی ملکہ ہو گی اور شہزادی
ن شاہ انگلستان کے دل کی ملکہ بن کر رہے گی۔

شہزادی سوسن کو حالات سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑا۔ اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی تو نہ
شاہ نے پہلے دن ہی کہہ دیا تھا کہ شہزادی قبرص ہماری حفاظت میں رہے گی اس کا
ف مطلب تھا کہ اسے یرغمال بنا کے رکھا جائے گا اور اس کی حیثیت ایک شاہی داشتہ
زیادہ کبھی نہ بڑھ سکے گی۔

شہزادی برنگیریا آف نوارے کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔ انگلستان کے بحری اور فوجی
داروں کے علاوہ قبرص کا پورا عملہ ساحل پر موجود تھا۔ شاہ رچرڈ خود بھی بڑی شان و
ت کے ساتھ شہزادی کے استقبال کو پہنچا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ایک اعلان کے ذریعہ ہر
ص و عام کو تاکید کی تھی شہزادی سوسن کے بارے میں شہزادی برنگیریا آف نوارے کو کچھ
معلوم ہونا چاہئے اگر کسی نے غلطی سے بھی سوسن کے بارے میں شہزادی برنگیریا کے
منے کسی قسم کا بھی ذکر کیا تو قابل گردن زدنی ٹھہرے گا۔ اس لئے لوگوں نے سوسن اور شاہ
رڈ کے تعلقات کو اپنے ذہن سے کھرچ کر پھینک دیا تھا۔

ساحل سمندر کو خوب آراستہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح سڑک کے دونوں اطراف بھی
ائشی محرابیں اور دروازے بنائے گئے تھے۔ شہزادی برنگیریا آف نوارے کو پورے اعزاز
ساتھ ساحل پر اتارا گیا۔ اس کے ساتھ ایک سو سے زیادہ آدمیوں کا شاہی عملہ تھا اس
ے کہ وہ "نوارے" کی شہزادی تھی اور اسپین کے خوبصورت جہاز میں سفر کر کے قبرص
ی تھی۔ اس کے جہاز کے ساتھ اسپین کے چار جنگی جہاز بھی حفاظت کے لئے آئے تھے۔

شہزادی برنگیریا آف نوارے کو ساحل کے استقبال کے بعد سیدھا اس محل میں پہنچا دیا
ا جو شاہ رچرڈ کی طرف سے اس کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس استقبال اور چہل پہل
قرب و جوار کے تمام لوگ موجود تھے یہاں تک کہ شاہ قبرص کو بھی شہزادی برنگیریا کے
تقبال کرنے کا حکم ہوا تھا مگر شہزادی سوسن کو ان ہنگاموں سے بہت دور رکھا گیا تھا۔ شاہ
حکم سے اسے سات پردوں میں چھپا دیا گیا تھا۔ شہزادی سوسن سے کسی کو ملنے کی
ازت نہ تھی۔ یہاں تک کہ اس کا باپ بھی اس سے ملاقات نہ کر سکتا تھا۔

شہزادی برنگیریا کے قبرص آنے سے شہزادی سوسن اپنی سہیلیوں میں بھی خود کو تنہا

محسوس کرتی تھی۔ شاہ رچرڈ نے شہزادی سوسن کو انگلستان کی کنیزوں کے علاوہ چھ قبرص کنیزیں اور اتنی ہی سہیلیاں ساتھ رکھنے کی اجازت تھی لیکن شہزادی سوسن کی سہیلیاں اور کنیزیں' شہزادی ہی طرح اس کے محل میں قید ہو گئی تھیں۔ ان کے محل پر سخت پہرہ تھا اور پرندہ تک پر نہ مار سکتا تھا۔

شہزادی برنگیریا کو قبرص آئے دس دن ہو چکے تھے۔ ان دنوں میں شاہ کے حضور صرف ایک بار طلبی ہوئی تھی۔ وہ نصف شب گزرنے کے بعد جبکہ وہ اپنے محل میں محو خواب تھی کہ اس کی کنیز اسے نیند سے بیدار کر دیا۔

شہزادی سوسن بڑ بڑا کے اٹھ بیٹھی۔ آنکھیں ملتی ہوئی بولی۔ "خیریت تو ہے۔ مجھے اس وقت کیوں جگایا ہے؟"

" آپ کو شاہ انگلستان نے یاد فرمایا ہے شہزادی۔" کنیز نے وضاحت کی ...." ایک شاہی غلام اور دو کنیزیں مہمان خانہ میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

شاہ رچرڈ کا حکم۔ سوسن کو تعمیل کرنی پڑی۔ جلدی جلدی تیار ہوئی اور شاہی غلام اور کنیزوں کے ساتھ شاہ کے پاس پہنچ گئی۔ واضح رہے کہ شہزادی سوسن نے اپنے محل سے رچرڈ کے محل تک کا فاصلہ ایک بند گاڑی میں طے کیا تھا جس کی کم از کم دس جگہ چیکنگ ہوئی لیکن شہزادی سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہوئی۔ کوچوان کے ساتھ شاہی غلام بیٹھا تھا وہ گاڑی روکنے والوں کو اپنی باتوں یا نشانیوں سے مطمئن کر دیتا تھا اور گاڑی آگے بڑھ جاتی تھی۔

شاہی خوابگاہ کے باہر صرف ایک سنگین بردار محافظ پہرے پر تھا۔ شہزادی دونوں کنیزوں کے جلو میں خوابگاہ میں داخل ہوئی شاہ کے پاس دو مسلح کنیزوں کے اور کوئی نہ تھا۔ شاہ رچرڈ مسہری کی ٹیک لگائے خیالوں میں گم تھا۔ سوسن کی آہٹ پر اس نے آنکھیں کھول دیں اور مسلح کنیزوں کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

خواب گاہ کی فضا مختلف خوشبوؤں میں بسی ہوئی تھی۔ روشنی کم تھی صرف ایک چوشاخا قندیل روشن تھی۔ ماحول پر اسرار نہیں بلکہ ہیجان انگیز تھا۔ سوسن نے مسہری کے قریب پہنچ کر شاہ کو مجرا پیش کیا۔ شاہ نے اسے پائنتی بیٹھنے کا اشارہ کیا

" تم سوچتی ہو گی کہ شاید ہم نے تمہیں بھلا دیا۔؟ " شاہ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم تھا۔ "ہم تمہیں کبھی نہیں بھلائیں گے سوسن۔"

شاہ نے خود ہی سوال کیا پھر خود ہی اس کا جواب بھی دیدیا۔ شہزادی سوسن کی بھرپور جوانی تھی۔ نیند سے بھری آنکھوں میں سرخ ڈورے عجب بہار دکھا رہے تھے مگر شہزادی کا

دل رو رہا تھا۔ رخساروں کی دہکتی ہوئی آگ میں پیلاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت بھی یہ سوچ رہی تھی کہ مرد کی شخصیت کس قدر بے مروت اور بے وفا ہوتی ہے۔ شہزادی کو اپنے حسن عالمتاب کا صحیح اندازہ تھا۔ وہ اپنے حسن کے جلال سے درختوں کو تو خاکستر کر سکتی تھی لیکن شاہ انگلستان کے پتھر دل پر ایک نقش بھی نہ بنا سکی تھی۔

" تم نے ہمیں جواب نہیں دیا سوسن؟ " شاہ نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔

"شاہ نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی اس کا جواب دیدیا۔" شہزادی سوسن جل کے بولی۔ " پھر میں کیا بولوں جبکہ میرے کسی جواب سے آپ مطمئن نہیں ہو سکتے۔"

"مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں تم ہمارے حضور گونگی بہری بنی بیٹھی رہو؟ " شاہ رچرڈ کا مزاج اک دم چڑ چڑا ہو گیا۔ " ہم آج کل کچھ فکر مند ہیں اور تم ہماری فکروں میں اضافہ کرنا چاہتی ہو۔"

"اس دن میں مر جانا پسند کروں گی جس دن میرے دل میں آپ کی طرف سے کوئی بدگمانی پیدا ہو" سوسن نے بڑے خلوص سے کہا۔ "میں تو آپ پر اپنا سب کچھ نچھاور کر چکی ہوں۔ میرے لئے تو آپ ہی سب کچھ ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی سوسن کی آنکھیں برکھا رت بن گئیں۔ یہاں تک کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ شاہ رچرڈ نے اسے ڈرانے دھمکانے کے لئے بلایا تھا کیونکہ وہ آئندہ اتوار کو برنگیریا سے شادی کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ سوسن کی طرف سے اس موقعہ پر کوئی رد عمل نہ ہونا چاہئے لیکن سوسن کی پر خلوص گفتگو اور محبت بھری باتوں سے اسے بڑا متاثر کیا۔

" سوسن یقین کرو ہم تمہاری محبت کی قدر کرتے ہیں۔" رچرڈ نے بھی محبت بھرے لہجے میں کہا۔ " ہم جانتے ہیں کہ اچھے برے وقت میں تم ہی ہماری رفیق ہو گی لیکن تمہیں ہماری مجبوریوں کا بھی خیال کرنا چاہئے۔ ہم برنگیریا کو ملکہ انگلستان بنانے کا پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس وقت ہم نے تمہیں اسی لئے بلایا تھا کہ تمہیں یہ بتائیں کہ اتوار کو قبرص کے بڑے گرجا گھر میں ہم برنگیریا سے شادی کریں گے۔ ہم تمہیں پہلے سے اس لئے مطلع کر رہے ہیں تاکہ تم حالات سے سمجھوتہ کرنے کے قابل ہو جاؤ..."

"یہ میرا وعدہ رہا سوسن..." شاہ نے سوسن کو تسلی دے کر اس کے زخموں پر پھاہا رکھ دیا۔

وہ شب سوسن نے شاہ رچرڈ کے عشرت کدے میں گزاری اور صبح کو جب وہاں سے رخصت ہوئی تو بہت خوش تھی۔ نہ معلوم شاہ رچرڈ نے اسے کون سے سبز باغ دکھائے تھے کہ وہ خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی اور اس کے قدم بھٹک رہے تھے۔

مشہور ہے کہ جس طرح شکاری عورتیں ہوتی ہیں جو مرد کو لمحوں میں اپنا غلام بنالیتی ہیں اسی طرح شکاری مرد بھی ہوتے ہیں جن کے سامنے مضبوط سے مضبوط عورت بھی پگھل کر موم ہو جاتی ہے۔

آئندہ اتوار کو سوسن کی تمام کنیزیں اس کے ارد گرد رہیں۔ ہر کنیز باری باری سوسن کے پاس آتی اور اس کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کرتی لیکن سوسن کا چہرہ دن بھر بالکل سپاٹ رہا۔ اسے معلوم تھا کہ آج شاہ رچرڈ اور شہزادی برنگیریا آف نوارے کی شادی ہو رہی ہے وہ اپنے تصور میں دونوں کو نکاح نامہ پر دستخط کرتے بھی دیکھ چکی تھی مگر اس نے اپنے چہرے سے کسی قسم کا تاثر ظاہر نہیں کیا یا پھر وہ کنیزوں کے سامنے سسکیاں بھر کے اپنی توہین نہ کرانا چاہتی تھی۔

دوسرے دن صبح کو شہزادی سوسن کی آنکھ کچھ جلدی کھل گئی۔ وہ یوں بھی تمام رات جاگتی اور کروٹیں بدلتی رہی تھی۔ کل دن بھر شاہ رچرڈ اور شہزادی برنگیریا آف نوارے کی شادی کے ہنگامے رہے۔ رات بھر شراب و شباب کے جام لنڈھائے گئے تھے۔ یہ تمام لہولعب اگرچہ شہزادی سوسن کی آنکھوں کے سامنے نہ ہوا تھا اور اس نے کانوں نے شادی کے شادیانے سنے تھے مگر حساس شہزادی نے یہ پورے نظارے اپنی تصور کی آنکھوں سے دیکھ لئے تھے۔

صبح آنکھ کھلی تو اس نے اپنی قبرصی کنیز کو اپنی پائنتی با ادب کھڑے دیکھا۔ شہزادی نے اپنے آپ کو محل میں قید کر رکھا تھا۔ اسے قبرصی کنیزیں اور سہیلیاں ساتھ رکھنے کی اجازت بھی مل گئی تھی لیکن اس کا دل دنیا سے ایسا اچاٹ ہو گیا تھا کہ قبرصی کنیزوں اور سہیلیوں سے بہت کم گفتگو کرتی۔ کوئی بات کرتی تو الفاظ تول تول کے نکالتی۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ دشمنوں میں گھری ہو۔ اپنی سہیلیاں اور کنیزیں بھی اسے غیر ہی نظر آتی تھیں۔

"کلشیا۔ کیا بات ہے۔ تم یہاں کب سے کھڑی ہو؟" شہزادی سوسن نے قبرصی کنیز کلشیا سے سوال کیا۔ صرف یہی ایک کنیز تھی جس سے کسی وقت سوسن گفتگو کرتی تھی مگر سنبھل سنبھل کے اور ڈرتے ڈرتے۔

کلشیا نے جواب بعد میں دیا اور دو موٹے موٹے آنسو پہلے ہی اس کی آنکھوں سے ٹپک پڑے۔ شہزادی سوسن اٹھ کر بیٹھ گئی اور کلشیا کو اشارے سے بلا کے پاس بٹھا لیا۔

"رو کیوں رہی ہو کلشیا۔ مجھے بتاؤ۔ کسی نے کچھ کہا ہے تمہیں؟" شہزادی نے بڑے پیار سے مگر ادھر ادھر دیکھ کے احتیاط سے کہا۔

کلشیا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا... "شہزادی عالیہ۔ آپ نے بھی کمال کا دل پایا ہے۔

پچھلی دو راتوں سے ایک منٹ بھی نہیں سو پائی اور آپ تمام رات اطمینان سے سوئی ہیں...؟"

شہزادی سوسن نے ٹھنڈی سانس لی۔ "تیرے خیال میں میں رات بھر سوتی رہی ہوں۔ یں ہی جانتی ہوں کہ ان دنوں میرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ خیر تو اپنی بتا۔ اتنے ے کیوں آگئی۔"

"شہزادی عالیہ۔ کنیزیں تو چوبیس گھنٹوں کی ملازم ہوتی ہیں۔"

یا بہت کمسن تھی لیکن شہزادی کے دکھ درد میں خود کو شریک سمجھتی تھی۔ "میں آپ کی ہوں۔ جب آپ بے چین ہوں تو میں کیسے آرام پا سکتی ہوں۔"

"باقی کنیزیں کہاں ہیں؟" شہزادی نے گھبرا کے پوچھا۔

"رات بھر جشن میں مدہوش رہیں اور اب اپنے اپنے کمروں میں دوستوں کے ساتھ ں پڑی ہیں..." کلشیا نے منہ بنا کے کہا۔

شہزادی سوسن نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ ان کے دوست اس محل کے اندر آئے ہوئے ہیں؟"

"وہ تو روز ہی آتے ہیں شہزادی عالیہ..." کلشیا نے بتایا "آپ اپنے غموں میں منہ لپیٹے رہتی ہیں اور دن رات گل چھرے اڑاتی ہیں..."

"تو یہ بات ہے..." شہزادی سوسن کو غصہ آیا۔ "میں ان سب کو نکال باہر کروں "

"اس سے کچھ نہ بنے گا شہزادی عالیہ..." کلیشیا ناصح مہربان بن کے بولی۔

پ اپنے آپ کو سنبھالئے۔ ہر چیز خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔ معاف کیجئے شہزادی اگر ی جگہ میں ہوتی تو شاہ رچرڈ کو اتنی آسانی سے برنگیریا سے شادی نہ کرنے دیتی۔"

شہزادی کھسیانی ہنسی ہنس دی۔ "تجھے شاہوں کے مزاج کا علم نہیں۔ گھڑی میں تولہ اور ا میں ماشہ۔ ان کی مخالفت کرنا دیوار میں ٹکر مارنے کے برابر ہے۔ میں نے اسی لئے ی اختیار کر لی ہے۔"

"ہائے شہزادی۔ کل کا جشن دیکھ کے سینے پر سانپ لوٹتے تھے۔ انگلستان کے بادشاہ کی یا دھرا ہے۔ خزانہ ہمارا خالی ہو رہا ہے۔ روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ گرجا گھر شاہی محل تک تمام راستے جواہرات کی بارش ہوئی ہے دولہا دلھن پر' حد ہوتی ہے خرچی کی۔"

کلشیا بڑبڑا رہی تھی اور سوسن دل ہی دل میں اس کی ناسمجھی پر افسوس کر رہی تھی۔

گلشیا کچھ ہی دنوں پہلے محل میں داخل ہوئی تھی۔ سونے چاندی اور ہیرے جواہرا
ریل پیل اس نے پہلے نہ دیکھی تھی۔ یہاں اس نے جواہرات کو کوڑیوں کی طرح
دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹ کے رہ گئیں۔ اسے ہر بات فضول خرچ معلوم ہوتی۔

"کیا کیا دیکھا کل جشن میں تو نے؟" شہزادی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"خاک پڑے جشن پر۔ میں جشن دیکھنے تھوڑی گی۔" گلیشیا جل کے بولی۔ میں
وجہ سے گئی تھی کہ شائد آپ کوئی بات پوچھ بیٹھیں تو میں کیا جواب دوں گی۔"

"پھر بھی کچھ تھوڑا بہت حال تو بتا؟..." شہزادی نے فرمائش کی۔

گلیشیا نے شہزادی سوسن کے زور دینے پر جشن شادی کا مختصر حال بتایا مگر شہزادی
کو اندازہ ہو گیا کہ شاہ رچرڈ نے دل بھر کے شاہ خرچی کی ہے اور ظاہر ہے کہ ان اخرا
کا قبرص کے خزانہ ہی پر تو اثر پڑا ہو گا۔ مگر رچرڈ کا اوباش دل ان باتوں کی پرواہ کب
تھا۔

پورا ایک ماہ عسل (ہنی مون) گزارنے کے بعد شاہ رچرڈ کی سواری بادبہاری قب
سے فلسطین کی طرف روانہ ہوئی لیکن رفتار اس قدر ست تھی جیسے محض سیرو تفریح
لئے نکلا ہو۔ صقلیہ کو مسخر کرنا' قبرص کی فتح اور برنگیریا سے شادی رچانے میں شاہ رچر
کافی دیر لگی۔

شاہ فرانس فلپ کی رفتار بھی ست تھی لیکن وہ شاہ انگلستان رچرڈ سے پہلے عکہ
گیا جو تیسری صلیبی جنگ کا مرکز تھا۔ نصرانیوں کے لئے وہ تائید غیبی بن کے آیا تھا۔ فا
نے آتے ہی اپنی منجنیقیں نصب کرا دیں۔ بہاء الدین لکھتا ہے کہ!

نصرانیوں نے لکڑی کے برجوں' منجنیقوں' قلعہ شکن گرزوں اور دوسرے آلات ح
سے حملہ کیا۔ وہ دن میں قلعہ کی دیوار ڈھانے' رات میں خندقیں کھودنے' کھائیاں پا
اور سیڑھیاں لگانے میں مشغول رہتے۔ انھوں نے دیوار کی طرح مٹی کا ایک پشتہ بنایا۔
میں گول مینار بنائے اور چوبی تختوں اور پتھروں سے سے اسے بتدریج اونچا کرتے گئے۔
پشتہ انھوں نے اپنے کیمپ کے پاس سے شروع کیا تھا۔ پیچھے سے مٹی کھود کر آگے ڈا
تھے۔

اس طرح وہ پشتہ بناتے بناتے اسے فیصل کے پاس تک لے آئے۔ اس پر پتھروں
اثر ہوتا تھا نہ آگ کا' شاہ فلپ بڑی تیزی سے محاصرہ سخت کر رہا تھا اور حملہ کرنے
پہلے شاہ رچرڈ کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

شاہ رچرڈ کے عکہ کو روانگی کا حال اس کے سفرنامہ میں بہت تفصیل سے بیان کیا

ہے اگرچہ اس میں رچرڈ کی سراسر طرفداری ہے پھر بھی ہم اس کی تفصیل پیش کر رہے
ں۔ سفرنامہ کا بیان ہے کہ۔

ان مصروفیتوں سے فراغت پاکر شاہ رچرڈ ارض مقدس کے لئے روانہ ہوا۔ اپنا رخت
ر باندھنے کے بعد اس نے لنگر اٹھا دیئے۔ ہوا موافق تھی ہمیں اطلاع ملی کہ عکہ عنقریب
ہیار ڈال دے گا یہ سن کر شاہ رچرڈ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور خدا سے دعا کی اس
ے پہنچنے سے پہلے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہو۔ اس نے کہا اتنے طویل محاصرے کے بعد
اء اللہ ہماری فتح بڑی شاندار ہو گی۔

رچرڈ فاماگستا کے بندرگاہ سے اپنے بہترین اور سب سے بڑے جہاز پر سوار ہوا۔ وہ
ہ کا جلد باز تھا۔ اس وقت تاخیر ہو جانے کی وجہ سے اس کے صبر کا پیانہ لبریز ہو گیا تھا۔
لئے اس نے اپنے جہاز کو سب سے آگے رکھا اور دوسرے جہاز اس کے عقب میں
ہ ہوئے۔ انہیں سب سے پہلے کوکب کا قلعہ نظر آیا۔ پھر طرطوسہ' طرابلس اشام'
' باقردن اور جبلہ کے اونچے اونچے مینار نظر آئے۔

آخر میں صیدون کے اس طرف بیروت کے قریب انہیں صلاح الدین کے منتخب
ہوں کا ایک جہاز نظر آیا۔ وہ عکہ کے محصورین کی مدد کو جا رہا تھا لیکن نصرانیوں کے
پڑاؤ کی وجہ سے براہ راست نہیں جا سکتا تھا اس لئے وسط سمندر میں لنگر انداز تھا۔
بندرگاہ میں داخل ہونے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔

شاہ رچرڈ نے جہاز کو دیکھ لیا اور اپنے ملاح پیڑ کو حکم دیا کہ تیزی سے جاکر معلوم
ے کہ وہ کس کا جہاز ہے۔ اطلاع ملی کہ جہاز شاہ فرانس کا ہے لیکن جب شاہ انگلستان
پہنچا تو نہ اس نے کوئی فرانسیسی لفظ سنا اور نہ نصرانی جھنڈا دیکھا۔ جب اور قریب گیا تو
کی ساخت اور مضبوطی پر حیرت ہوئی۔ اس پر تین اونچے مستول لگے تھے اور اس کے
ور سڈول بازو سبز اور زرد کھال سے منڈھے ہوئے تھے۔

مختصر یہ کہ اس جہاز کو نصرانیوں نے بڑی جدوجہد کے بعد ڈبو دیا۔ اپنے اس کارنامہ کو
کے سفرنامہ میں تقریباً" دس صفحات پر پھیلا گیا ہے جبکہ بہاء الدین نے آنے والے
جہاز اور اس کے ساتھ ۶۵۰ سپاہیوں کا سامان رسد' اسلحہ جنگ وغیرہ کے ضائع ہونے
مدیق کی ہے لیکن بہاء الدین کا بیان ہے جب جہاز کے کپتان نے دیکھا کر وہ اب
پکڑا جائے گا تو اس نے یہ سوچتے ہوئے اسے خود ہی غرق کر دیا کہ دشمن کو سامان
ے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے۔

غرنامہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ ہوا موافق تھی اس لئے شاہ رچرڈ دوسری رات صور

پر لنگر انداز ہو گیا اور علی الصبح اس نے بادبان چڑھا دئے۔ وہ آگے بڑھا تو اسے اسکندرونہ نظر پڑا پھر کچھ دور عکہ کا بلند برج دکھائی دیا اور رفتہ رفتہ شہر کے دوسرے علاقے نظر آنے لگے۔ اس وقت عیسائی قوم کے بے شمار لوگ عکہ کے چاروں طرف احاطہ باندھے پڑے ہوئے تھے۔

پہاڑیوں' وادیوں اور میدانوں میں ترکوں کی بے شمار فوج پڑی تھی۔ جگہ جگہ ان کے رنگ برنگے خیمے نصب تھے۔ خود صلاح الدین ساحل۔سمندر اور بندرگاہ کی نگہبانی کر رہا تھا اور وقتاً" فوقتاً" عیسائیوں پر زبردست حملے کرتا رہتا تھا۔ شاہ رچرڈ بھی دشمن کی افواج کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب وہ بندرگاہ پر پہنچا تو شاہ فرانس فلپ نے تمام سرداروں کے ساتھ اس کا پر جوش استقبال کیا۔ وہ سب بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کرتے رہے تھے شنبہ ۸ جون ۱۱۹۱ء کو رچرڈ عکہ پہنچا۔ اس کی آمد پر عیسائی پھولے نہ سماتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے اور قرنا اور بوق پھونکتے اور نعرے لگاتے اسے ساحل سمندر پر لائے۔ ہر عیسائی خوشی سے مست تھا کیونکہ ان کا محبوب (شاہ رچرڈ) آپہنچا تھا۔

صلاح الدین نے تین دن پہلے العیاقبہ کی پہاڑی پر دوبارہ مورچے بنالئے تھے۔ وہاں سے وہ دشمن کے مورچوں پر روزانہ حملے کرتا رہتا تھا۔ سلطان کی فوج پر سخت دباؤ پڑ رہا تھا پھر بھی سلطان کے لشکری نصرانی مردہ گھوڑوں اور سپاہیوں کی لاشوں سے کھائیاں پاٹ دیتے تھے جو نصرانیوں ہی کو روزانہ صاف کرنا پڑتیں۔ حملہ آوروں کو پسپا کرنے اور ان کے سامان حرب کو برباد کرنے فرائض ہیں اس کام کا اور اضافہ ہو گیا۔ سلطان دراصل یہ چاہتا تھا کہ نصرانیوں کو اس طرف الجھائے رکھا جائے تاکہ محصورین عکہ پر ان کا دباؤ کچھ کم ہو جائے۔

ادھر عکہ کے قریب قلعہ شکن آلات تیار کئے اور ان کے ذریعہ شہر پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے جوابی حملہ کرکے فرنگیوں کے آلات یا تو جلا دئے یا پھر ان پر قبضہ کر لیا۔ فرنگی یہ صورت حال دیکھ کر پیچھے ہٹے اور انہوں نے مٹی کے ٹیلے قائم کئے اور ان آلات کے ذریعہ ٹیلوں کی آڑ سے عکہ پر حملہ کیا۔ اس تدبیر سے انہیں کچھ کامیابی ہوئی اور محصورین عکہ کی حالت نازک ہو گئی۔

پھر جب مسلمان عکہ کے محاصرے سے تنگ آگئے تو عکہ کا سب سے بڑا سپہ سالار امیر سیف الدین علی بن احمد اہکاری المشطوب نیزے پر سفید جھنڈا باندھ کر قلعہ سے نکلا۔ سفید جھنڈا امن کا نشان ہوتا ہے اس لئے امیر المشطوب کو عزت سے شاہ فرانس فلپ کے سامنے پیش کیا گیا۔

امیر المشطوب نے شاہ فرانس سے درخواست کی۔ "اگر اہل عکہ کو امن کی ضمانت دی

عکہ شاہ فرانس کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

فرزدر شاہ فرانس نے صاف انکار کر دیا۔ " حاکم قلعہ کی درخواست نامنظور کی جاتی ۔ ہمارے ہاتھوں میں آچکا ہے۔ اب صلح ہماری شرطوں پر ہو گی۔"

ر المشطوب بے نیل و مرام واپس آگیا۔ عکہ کے شہریوں کے حوصلے اور پست ہو ۔ کے محاصرہ کو تقریباً" دو سال کا عرصہ ہو چکا تھا اور قلعہ کے اندر مسلمان لشکر کی ۔ چار ہزار تھی جو گھٹتے گھٹتے تین ہزار سے بھی کم رہ گئی تھی۔ اس سفارت کا الٹا ور مسلمانوں کے تین حلیف سردار ارسل لاسری' ابن عزالدین جاولی اور سنقرار ج لے کر بھاگ گئے۔ اس سے اہل عکہ کو اور پریشانی ہوئی۔

ان دراصل ابن خلدون کا ہے لیکن اسے درست نہیں کہا جا سکتا کیونکہ عکہ کو ف نصرانی لشکروں کو گھیر رکھا تھا۔ سلطان صلاح الدین اور امیر سیف الدین رابطہ ختم ہو چکا تھا۔ پیامبر کبوتروں کے ذریعہ بھی خط و کتابت ختم ہو چکی تھی۔ وطہ خور نصرانی لشکر کی آنکھیں بچا کر سمندر میں تیرتا ہوا سلطان تک پہنچ سکتا ورت میں تین امیروں کا عکہ سے اپنے فوجیوں کے ساتھ نکل جانا سمجھ میں نہیں ں یقیناً" کوئی سہو موجود ہے۔

کے مسلمان ان برے حالات میں بھی مقابلہ پر ڈٹے رہے تو فرنگیوں نے خود ہی اس سفارت بھیجی۔ جس نے سلطان سے درخواست کی کہ شہر فرنگیوں کے حوالہ تو اہل شہر کے ساتھ رعایت برتی جائے گی۔

نے بڑے حوصلے سے جواب دیا۔ "ہم عکہ فرنگیوں کے حوالے کرنے پر تیار رنگی شہر والوں کو پناہ دیں۔ ہم اس بات پر بھی تیار ہیں کہ فرنگی جس قدر دیں گے ہم اتنی ہی تعداد میں فرنگیوں کے قیدیوں کو آزاد کر دیں گے۔ اس یوں کی اس صلیب عظیم "کو بھی فرنگیوں کو واپس کر دی گا جو ہمیں بیت ۔ کے حاصل ہوئی تھی۔"

ارت واپس گئی مگر ادھر سے کوئی مزید جواب نہ آیا جس کا مطلب سوائے انکار جا سکتا تھا۔

دن صبح کو نصرانیوں نے عکہ پر شدید حملہ کیا۔ محصورین کی مدافعت کی طاقت ا اس لئے امیر سیف الدین المشطوب کے حکم پر سفید جھنڈے بلند کر دئے۔ رک گیا اور مندرجہ ذیل شرائط پر دو سال سے مقابلہ کرنے والا عکہ نصرانیوں یا گیا۔ شرائط صلح اس طرح تھیں۔

نمبر۱۔ حاکم شہر امیر المشطوب فرنگیوں کو دو لاکھ دینار تاوان دے گا۔
نمبر۲۔ پانچ سو نصرانی قیدی رہا کئے جائیں گے
نمبر۳۔ صلیب عظیم واپس کی جائے گی
نمبر۴۔ حاکم صور مارکوئیس کو مزید چودہ ہزار دینار الگ ادا کئے جائیں گے

ان شرائط پر صلح ہو گئی۔ مال کی ادائیگی اور قیدیوں کی واپسی کے لئے دو ما
مقرر ہوئی۔ شہر فرنگیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ لیکن شہر پر قبضہ کے بعد فرنگیوں
کے ساتھ غداری کی اور انہیں مال کی ادائیگی، قیدیوں کی رہائی اور صلیب کی و
بدلے میں یرغمال بنا لیا گیا۔

سلطان صلاح الدین نے فوری طور پر ایک لاکھ دینار دینے کی رقم اکٹھا کی اور ا
فرنگیوں کے پاس بھیجا کہ سلطان فوری طور پر ایک لاکھ دینار دینے پر تیار ہے لیک
کی ندایہ جماعت اس بات کی ضمانت دے کہ فرنگی عہد شکنی اور وعدہ خلافی نہیں
لیکن فرنگیوں کے دل میں چور تھا وہ مسلمان یرغمالیوں کو کسی صورت چھوڑنے
تھے بلکہ ان سے پچھلے دو سال میں قتل ہونے والے عیسائیوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے

شاہ فرانس نے مسلم سردار کو جواب دیا۔ "جب تمہارا سلطان ہمیں ایک لا
قیدی اور صلیب بھیجے گا تو ہم جنہیں مناسب سمجھیں گے رہا کر دیں گے۔ باقی لوگ
وقت تک قید رکھیں گے جب تک باقی رقم نہیں مل جاتی۔"

اس سے فرنگیوں کی غداری ظاہر ہو گئی۔ وہ ایک لاکھ دینار حاصل کر کے صر
قیدیوں (یرغمالی) کو آزاد کر دیتے اور بڑے یرغمالیوں کے لئے بھاری فدیہ طلب
چنانچہ سلطان نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔

ماہ رجب کے آخر میں فرنگی شہر سے باہر جشن فتح منانے کے لئے نکلے تو مسل
سوار ہو کر ان پر حملہ کیا۔ جب مسلمان ان کے محاذ تک پہنچے تو انہیں معلوم
مسلمان جو فرنگیوں کے پاس قید تھے وہ دونوں صفوں کے درمیان قتل کر دئے
فرنگیوں نے کمزور مسلمانوں کا صفایا کر دیا اور ان کے افسروں اور امرا کو فدیہ حا
کے لئے اپنے پاس قید رکھا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے۔

ہیرلڈلیم انگلستان کے شاہ رچرڈ کے اس قتل عام کو انتہائی پر غرور انداز میں
ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

رچرڈ نے سلطان کی تجویز رد کرتے ہوئے اس سے غیر مشروط ادائیگی کا مطالبہ
طرح دن گزرتے گئے اور سلطان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔"

سلطان کے ارادے کیا تھے البتہ یہ بات واضح تھی کہ اسے صلیبیوں کی نیت پر شبہ
ہ قیدیوں کی پہلی قسط کی واپسی کا منتظر تھا۔

لن رچرڈ کے روپے کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔ اس نے
مکہ میں اکابر امراء کی مجلس مشورت طلب کی اور پھر فیصلہ کیا چھبیس سو (2600)
نگ کو ہانک کر کھلے میدان میں لے جایا گیا جہاں کھمبوں سے رسیاں باندھ کر ان پر
ادیئے گئے تھے۔ یہ مقتل تھا۔ مسلمان قیدیوں کی مشکیں کس کے ان کے سر قلم کر
تھے۔ اور باقی ماندہ مسلمانوں کو گشتی دستوں کے سامنے سولی پر لٹکا دیا گیا۔ انہوں
ں میں سے صرف چند امرا کی جان بخشی کی باقی سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

و غضب سے بپھرے ہوئے مسلمان گشتی رسالے نے عیسائیوں پر پرجوش دھاوا
ابھی خون شہیداں خشک بھی نہ ہوا تھا کہ اس میدان میں دوبارہ تلواریں ٹکرانے
ر کار رسالہ پسپا ہو گیا اور اس نے سلطان کو اس حادثہ فاجعہ کی خبر دی۔

یہ سلطان کو اس بربریت کی توقع نہ تھی۔ مسلمانوں کے قتل کا اسے بہت صدمہ
غیظ و غضب میں اس نے عیسائی اسیران جنگ سے نرمی کا برتاؤ نہیں کیا لیکن
اس قتل عام کے جواب میں انتقامی طور پر ان عیسائی اسیروں سے جواس کے قبضے
ئی تعرض نہ کیا۔

کے آگے ہیرلڈ لیم بڑی بے شرمی اور دیدہ دلیری سے لکھتا ہے کہ رچرڈ کے اس
سے مسلمانوں کے جزبات سخت مشتعل ہو گئے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرار
ا رو سے رچرڈ من مانی کاروائی کرنے کا مجاز تھا۔ عیسائی محاصرے کے دوران
ت دار سے گزرے تھے۔ انہوں نے بھاری نقصانات اٹھائے تھے۔ وہ اپنے
یں بھولے تھے۔ ان کے دلوں کے زخم بڑے تھے۔ وہ مسلمانوں کو گردن زدنی
ے لیکن عیسائیوں کے ان تندو تیز جزبات کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں
ہ اس غیر ضروری کشت و خون سے رچرڈ کی ناموس اور عزت ہمیشہ کی لئے
۔ سلطان صلاح الدین پر صد آفریں کہ اس عالی حوصلہ انسان نے صرف علانیہ
ن سے بدلہ لیا۔

کا یہ خیال غلط ہے کہ رچرڈ قرارداد معاہدہ کی رو سے اسیران جنگ کے قتل
۔ رچرڈ کا یہ فعل سراسر بہیمانہ فطرت کا مظہر تھا۔ اس نے سلطان کو اپنی
ن دلانے سے انکار کر دیا اور پھر نہ صرف اسیران جنگ کو بلکہ امرائے یرغمال
ا کر دیا۔ سفرا اور یرغمال کا قتل تو کسی صورت میں بھی جائز قرار نہیں دیا جا

سکتا۔ اس کشت و خون کا کوئی جواز نہ تھا۔ تمام مورخین نے اس کی پر زور مزمت کی۔
اس سلسلے میں لین پول کے الفاظ قابل غور ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

”پیشتر اس کے کہ خدا عیسائیوں کو
چھوڑتا عیسائیوں نے خدا کا دامن چھوڑ دیا۔“

دو سالہ معرکہ عکہ تیسری اور سب سے بڑی صلیبی جنگ کا ایک واقعہ ہے اس
کوئی شبہ نہیں کہ محصورین عکہ نے عکہ کو بہ مجبوری اور سلطان صلاح الدین کی مرضی
خلاف یہ شکستہ حال قلعہ عیسائیوں کے حوالے کرنا پڑا مگر فصیلوں کے ٹوٹ جانے' ان
بڑے بڑے شگاف پڑ جانے اور برجوں کے گر جانے کے باوجود نصرانی اس وقت تک
میں قدم نہیں رکھ سکے جب تک مسلمانوں نے خود عکہ کو ان کے سپرد نہ کر دیا۔

صلیب و ہلال کا یہ معرکہ تقریباً" دو سال رہا۔ یہ طویل مدت خود اس بات کی ش
ہے کہ فنون جنگ میں مسلمانوں کی قابلیت نصرانیوں سے کچھ کم نہیں تھی۔ مسلمانو
ہمت اور مردانگی کی داد لین پول نے اس دور کے مورخین کے حوالے سے دی ہے۔
میں شبہ نہیں کہ مسلمان' عیسائیوں سے کہیں زیادہ دلیری اور بے جگری سے لڑے۔

مسلمان لشکر تعداد میں کم اور بیرونی امداد معاونت سے محروم تھا۔ خلیفہ بغداد' سلجو
اور مراکش کے حکمراں سلطان صلاح الدین ایوبی کی بار بار کی کمک کی درخواست پر بھ
مدد نہ کر سکے جبکہ صلیبی دنیا کے چیدہ چیدہ بادشاہ اپنے بڑے بڑے لشکر لے کر ساحل
فلسطین کی طرف آ رہے تھے۔ سلطان صرف اپنے مقبوضہ علاقے مصر سے امداد کا امیدوار
وہ بھی ناکافی۔

اس کے علاوہ اسلامی فوج میں صرف سلطان صلاح الدین کی بیمار اور نحیف
ذات واحد تھی جو شہنشاہان انگلستان' فرانس اور جرمن کا مقابلہ تنہا کر رہی تھی۔
عکہ سلطان سے امداد کی درخواست کرتے ہیں۔ سطان بڑے عزم سے دوسرے دن
اعلان کرتا ہے مگر ناطاقتی اسے بستر سے اٹھنے بھی نہیں دیتی۔ آخر کار اپنے بھتیجے تقی
کو اپنی نیابت میں بھیجتا ہے اور لیٹے لیٹے ہی ہدایات دیتا رہتا ہے۔

یہ محاصرہ عکہ کا ابتدائی دور تھا اور تیس ہزار عیسائی لشکر نے عکہ کا سختی سے
لیا تھا۔ اہل پیرا ڈنمارک اور فریز لینڈ کے بحری بیڑے عکہ کی ناکہ بندی کئے ہو
سلطان کے لئے عکہ کی حفاظت' اس کو کمک پہنچانا اور اس کے ذخائر مہیا کرنا بہرحال

باہمت اور شجاع تقی الدین نے اہل پیرا کی صفوں کو چیر کر دو دن تک راستہ کھلا
غلے اور سامان اس سے لدے ہوئے اونٹ قطار اندر قطار عکہ میں داخل ہوتے

سلطان نے قراقش کو قاہرہ سے بلوایا تھا۔ وہ اپنی پوری فوج کے ساتھ بڑے آرام اور
ن کے ساتھ قلعہ میں داخل ہو گیا اور کوئی بھی اس کا بال بیکا نہ کر سکا۔ صرف یہی
بلکہ خود سلطان اور بہاء الدین اندر داخل ہو کر قلعہ کی فصیلوں پر گھوم کر ناکہ بندی کا
لیتے رہے' اور کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا۔ سلطان واپس ہوا اور اپنی فوج کی قیادت سنبھال

عکہ پر متعدد معرکے ہوئے اور پھر جب عیسائی مقتولین کی تعداد زیادہ ہو گئی تو سلطان
ا دانشمندانہ کام کیا۔ لاشوں کو دریائے عکہ میں ڈبوایا گیا جس کا بہاؤ صلیبی پڑاؤ کی
تھا۔ یہ تمام لاشیں صلیبی پڑاؤ میں پہنچ گئیں۔ ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے۔
”یہ کراہت انگیز منظر تھا۔ لاشوں کے انبار ہو گئے تو چاروں طرف دماغ سوز عفونت
لی۔ بدبو اس قدر ناقابل برداشت تھی کہ ہمیں دور تک پیچھے ہٹنا پڑا“
ہنشاہ فرانس اور انگلستان نے بڑی بڑی سنگ بار مشینیں اور دبابے تیار گئے مگر
ں نے ایک ایک چیز کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اس کا اعتراف خود لین پول نے بھی کیا
دوسرے عیسائی مورخین بھی اس کے معترف ہیں۔ بہرحال دو سال کی مسلسل سنگ
ے فصلیں اور برج شکستہ ہو چکے تھے مگر مسلمان اس وقت خود فصیلوں کی طرح سینہ
ئے لیکن وہ جانتے تھے کہ اب دشمنوں کی زد میں پوری طرح آ چکے ہیں۔ امداد کا پہنچنا
ممکن۔ اس لئے انھوں نے باوقار شرائط پر عیسائیوں سے صلح کرنا قرین مصلحت سمجھا
ئیوں نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے اہل عکہ کو یرغمال بنا لیا اور بعد میں ان یرغمالیوں
رچرڈ جسے رچرڈ شیر دل کہا جاتا ہے۔ اس کے حکم سے ان بے گناہوں کا قتل عام کیا
تھا شاہ رچرڈ شیر دل کا کارنامہ۔
لگستان کے شاہ رچرڈ کا ڈھنڈورچی اور اس کے لئے ”شیر دل“ کے لقب کے تصدیق
الا ہیرلڈلیم کہتا ہے۔
رچرڈ کے کردار کے اصلی خدوخال متعین کرنا بہت مشکل ہے۔ سطریوں کی فسانہ
اور صدیوں کی روا۔لتوں میں سے حقیقت اور افسانے کے اجزا علیحدہ نہیں کئے جا
م رچرڈ شیر دل کے کردار اور فطرت کا تجزیہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ
انہ سے اس کے خدو خال مدھم اور ماند پڑ چکے ہیں البتہ ہمیں اس کی زندگی کے

متعلق چند تاریخی حقائق حتمی طور پر معلوم ہیں۔"

ہیرلڈ لیم نے اپنے اس بیان میں رچرڈ کے کردار اور فطرت کو سحر انگیز الفاظ کے حریر پردے میں پوشیدہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہیرلڈ لیم نے در اصل اپنے عہد میں ایک کامیاب انشا پرداز اور افسانہ طراز کی بھرپور زندگی گزاری ہے۔ اس نے اپنی تحریوں میں الفاظ کی ایسی بوقلمونی تراشی تھی کہ اس کا قاری ہر لفظ پر نعرہ تحسین بلند کرتا اور ہر جملے پر سر دھنتا تھا۔ اپنی اس شہرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہیرلڈ لیم نے افسانہ طرازی کے نوک قلم سے تاریخ کا سینہ چھلنی کرنا شروع کر دیا۔

ہیرلڈ لیم کی اس طرح کی تحریوں کا جب آج تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر کھوکھلی ہیں۔ وہ کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ تاریخی حقائق اپنی جگہ لیکن ان سے رچرڈ کے کردار اور فطرت کو نہیں جانچا جا سکتا یعنی رچرڈ کی فطرت اور کردار کے صرف وہی گوشے درست ہیں جو خود اس کے قلم کے تراشیدہ ہیں۔ جس تراش خراش کے لباس میں اس نے شاہ رچرڈ کا پیش کیا ہے وہ تاریخی حقائق کے خواہ کتنا ہی خلاف ہو مگر حقیقت وہی ہے کیونکہ وہ ہیرلڈ لیم کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔

شاہ رچرڈ کے بارے تاریخی حقائق کا ذکر خود ہیرلڈ لیم کے افسانہ طراز قلم سے سنئے۔

رچرڈ کی ماں کا نام ایلینور (ایلینار) آف گائن تھا۔ رچرڈ اس کی آخری عمر میں پیدا ہوا تھا۔ وہ (ایلینور) فرانس کے اس شاہ لوئیس کی سابقہ ملکہ تھی جو ۱۱۴۹ء کی صلیبی جنگ میں عیسائی فوج کا ایک سردار تھا۔ لوئیس اپنی ملکہ کی ہٹ دھرمی سے فوراً بیزار ہوا کہ اس نے صلیبی جنگ کو خیرباد کہا اور واپس آکر اسے طلاق دیدی۔ نامساعد حالات میں بھی خوبصورت ایلینور ثابت قدم رہی اور اس نے بپھری ڈیوک آف آنجو سے شادی کر لی۔ ہنری بہت ظالم... مکار اور تند خو تھا لیکن ایلینور کو وہ بھی نہیں دبا سکا۔ وہ مردانہ لباس پہن کر کھلم کھلا مقابلے سے بھی گریز نہ کرتی۔

بالکل اس نے اپنے شوہر کیخلاف علم بغاوت بلند کر دیا جو اس دوران انگلستان کا بادشاہ بن چکا تھا۔ ہنری خاصا لائق حکمران ثابت ہوا۔ اس نے پاپائے روم کے روحانی اقتدار کے خلاف بغاوت کی جس میں بطریق اعلم طامس بیکٹ قتل ہو گیا۔ لوگ ہنری سے نفرت کرنے لگے اور اس کے بیٹوں نے بھی باپ کے خلاف سرکشی اختیار کر لی۔ وہ اپنے ناہنجار بیٹوں کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا کہ موت نے اسے آ دبایا۔

اس کے بیٹوں نے نہائت ہنگامہ خیز حالات میں ہوش سنبھالا تھا۔ وہ درباری سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے مسموم ماحول میں پروان چڑھے تھے۔ وہ بچپن ہی سے بدیوں سے آشنا

تلون مزاج اور حریص شاہ جان (رچرڈ کا بڑا بھائی) میں باپ کی فطرت جلوہ گر تھی اور
مزاج خوبرو رچرڈ میں اپنی ماں کی خوبیاں تھیں۔ وہ اپنی ماں کا چہیتا بیٹا تھا۔

ہیں اس کی زندگی کی مختلف تصویریں ملتی ہیں پہلے وہ پوشیرز (فرانس کا صوبہ) میں
سے بدیہ گوئی کے مقابلوں میں شعر کہتا سنائی دیتا ہے پھر وہ اپنے باپ کی لاش پر
کھڑا دکھائی دیتا ہے اور اپنے سابقہ دشمنوں، یعنی انگریز فائٹوں کے روبرو نہایت سرد
کھڑا ہے۔ وہ نہ تو ان کے ساتھ ملامت سے پیش آتا ہے اور نہ بادشاہ ہونے کے
سے حسن سلوک کا وعدہ کرتا ہے۔

شاہ ہونے کے بعد وہ بے تحاشہ صلیبی جنگ میں کود پڑتا ہے جیسے وہ اس مقدس
بجا آوری سے اپنی بیکار زندگی کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہو۔ وہ برنگیریا آف نوارے سے
رتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن جس شام وہ (برنگیریا) ایلینور کے
نے والی تھی اسی شام وہ جہاز میں سوار ہو کر میسنا (صقلیہ کا ایک بندرگاہ) چلا گیا۔
ے نہ جانے وہ کیوں بیوی سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اپنی بہن جوانا (جان۔جین)
سلی سے نجات دلا کر ساتھ لایا تھا اور خوبصورت بیزنطینی شہزادی (بیزنطینی حکمران
ر رچرڈ کے پاس یرغمال تھی) کی تحویل میں دے کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔ غالباً" وہ باز
ادی سے عشق لڑانے لگتا ہے اور اسے اپنی داشتہ بنا لیتا ہے۔ برنگیریا اپنی مجروح
کو چھپائے ہوئے خاموشی سے اس کے ساتھ رہی ہے۔ اس درخشاں صلیبی بادشاہ
وجود کے پیچھے ان تینوں عورتوں کے موہوم سے پیکر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ عورتیں
ان و شوکت سے عکہ کے محل میں مقیم ہیں۔ وہ مختلف تقریبوں اور ضیافتوں میں
ہیں اور رچرڈ انہیں چمکدار ریشم اور نادر جواہرات کے تحائف پیش کرنے میں
کرتا ہے۔

ا اس شیر دل نوجوان رچرڈ کا کردار جو ساحل ارض مقدس پر جون ۱۱۹۱ء میں اترا
ایسی ہستی کے مقابلہ کے لئے جس کا کردار اس سے کہیں بلند و اعلیٰ تھا۔ جس کی
دبے داغ تھی جس نے اپنی قوت بازو اور اپنے ذاتی تدبر سے حکومت حاصل کی
نے اپنے بل بوتے پر اور اپنی ذاتی ہمت اور شجاعت سے ۱۱۸۷ء میں بیت
کیا تھا اور وہی اب بھی مسلسل جنگوں سے تھکا ماندہ، ضعیفی کی عمر میں یک و تنہا
ی وسائل سے بیت المقدس، اپنے قبلہ اول کے تحفظ کا ضامن اور اس کی
زم صمیم لئے ہوئے نبرد آزما تھا۔

نا محصورین عکہ نے قلعہ عیسائیوں کے سپرد کر دیا اگر اسے صلیبیوں کے زور

باذو کا نتیجہ کہا جائے تو بھی اس میں رچرڈ نے کیا کارنامہ انجام دیا۔ یہ صحیح ہے کہ اس
اور نوجوان نے فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور کانریڈ اور فلپ جیسے جہ
قابلیت اور تجربہ رکھنے والے منہ دیکھتے رہ گئے تھے۔ یہ بس درست ہے سب سے آخر
اور تاخیر سے آنے والے کو صلیبیوں نے اپنا قائد بنا لیا مگر اس نے جنگ میں کیا حصہ لیا۔

رچرڈ ۹ جون ۱۱۹۱ء کو عکہ پہنچا اور ۱۲ جولائی ۱۱۹۱ء کو مسلمانوں نے ایک باوقار صلحنا
کے تحت قلعہ ان کے حوالے کر دیا۔ آخر اس میں رچرڈ کا کیا حصہ تھا۔ قلعہ عکہ پر
سال سے زیادہ عرصہ سے مسلسل یورشیں ہو رہی تھیں آخر قلعہ کی دیواریں اور برجیا
مٹی کا ڈھیر بن گئے اور مسلمانوں نے مجبوراً" قلعہ حوالے کر دیا تو اسی سے رچرڈ شیر د
کیسے ہو گیا۔ کونسی جنگ کی تھی اس نے وہ تو شدید بخار میں مبتلا تھا۔ ادھر یہ کروٹیں بد
بدل کے بستر علالت پر شکنیں ڈال رہا تھا اور فوج فصیلوں میں شگاف ڈال چکی تھی۔ ہتھ
ڈالے جا چکے تھے پھر بھی عکہ کی فتح کا سہرا اس کے سر باندھ دیا گیا۔

اس غلط اعزاز پر اس نے جشن فتح منایا تو اس طرح وہ ہزار چھ سو مسلمان اسیران جنگ
کو جو یرغمال تھے، ان کے خون پر رچرڈ نے فتح کی بنیاد رکھی۔ اس سلسلے میں ایک بات ا
یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ صلیبیوں کے تمام لشکریوں کی مجموعی تعداد اگر پانچ لاکھ
تسلیم کر لی جائے اگرچہ یہ تعداد دس لاکھ بتائی جاتی ہے تو بھی یہ بات ہر صلیبی اور
مسلمان لشکری جانتا ہے کہ صرف عکہ کے قلعہ پر قبضہ میں نصرانیوں کے لشکر کا نصف ح
اپنی جانیں گنوا بیٹھا تھا یعنی صلیبیوں نے ڈھائی لاکھ نصرانیوں کی قربانی دے کر ارض فلسط
کا صرف ایک ٹکڑا حاصل کیا تھا اور آئندہ جو کچھ ہونے والا ہے اس کا ذکر آگے آئے گا

شاہ رچرڈ یروشلم (بیت المقدس) پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا لیکن اسی دو
صلیبی کیمپوں میں ایک نیا جھگڑا کھڑا ہو گیا۔

اصل قصہ یہ تھا کہ نصرانیوں کو عکہ فتح ہونے پر یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ اب سلط
صلاح الدین شکست کھا گیا ہے اور وہ صلیبیوں کا کہیں پر مقابلہ نہ کر سکے گا اور اگلے
حملہ میں یروشلم پر صلیبیوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اب سوال یہ تھا کہ یروشلم کا آئندہ باد
کون ہو گا۔ یروشلم پر مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے وہاں کا بادشاہ گائی لو سگنان تھا۔
لو سگنان یروشلم کا موروثی بادشاہ نہ تھا بلکہ اس کی بیوی شہزادی سبل شاہی خاندان سے
اور اس کی شادی گائی لو سگنان سے ہوئی تھی اس لئے بادشاہت گائی کو حاصل ہوئی تھ
یہ وہی گائی لو سگنان شاہ یروشلم ہے جو فلسطین کی جنگ میں سلطانی لشکر کے ہاتھ
گرفتار ہوا تھا پھر نصرانی بیگمات نے سلطان صلاح الدین سے ملاقات کی اور اس سے ا

شاہوں اور رشتہ داروں کی جاں بخشی کرائی تھی۔ اس طرح گائی لو سگناں اور دوسرے
شہزادے اور سرداروں کو رہائی ملی تھی اور رہائی ملتے ہی وہ دوبارہ سلطان کے مقابلہ پر کھڑے
ہو گئے تھے۔

ان دنوں گائی لو سگناں کی بیوی شہزادی سبل، مارکوئیس کو نریڈ کے علاقہ میں پناہ لئے
ہوئی تھیں۔ وہیں اس کا اچانک انتقال ہو گیا۔ اب سوال یہ اٹھا کہ یروشلم کی بادشاہت کی
اصل وارث شہزادی سبل تھی اور اس کے توسط سے اس کا شوہر گائی شاہ یروشلم کہلاتا تھا۔
اس لئے سبل کے انتقال کے بعد اصولی طور سے گائی لو سگناں کی بادشاہت بھی ختم ہو گئی
تھی۔ ان حالات میں یروشلم کا تخت خالی ہو گیا تھا اور اس کے لئے نئے بادشاہ کا انتخاب ہونا
ضروری تھا۔

چنانچہ یروشلم کا مسئلہ حل کرنے کے لئے مجلس مشورت طلب کی گئی۔ یہ مسئلہ
نہایت اہم تھا کیونکہ اس سوال پر صلیبی امرا دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ یروشلم کی
سلطنت بہت محترم سمجھی جاتی تھی اس لئے کہ شاہ یروشلم کو معنوی و دنیاوی تاجدار کی
حیثیت ہی نہ حاصل تھی بلکہ وہ سلطنت ربانی کے اختیارات کا بھی حامل تھا۔

مجلس شادرت میں شاہ فرانس فلپ آرگسٹس بھی موجود تھا۔ وہ سیاہ لباس پہنے تھا۔
فلپ اگر صرف پچیس چھبیس سال کا جوان تھا لیکن اس کے چہرے پر قبل از وقت تفکر کی
جھریاں نمودار ہو گئی تھیں۔ وہاں طویل الاعضا شاہ رچرڈ بھی تھا۔ اس کے بدن پر گلابی
قمیض اور سر پر شکاری ٹوپی تھی۔ اس کی لمبی تلوار چاندی کے غلاف میں پیٹی سے لٹک رہی
تھی۔ وہ بظاہر لاپروا بیٹھا تھا مگر اس کی آنکھوں میں ہوشیاری کی چمک موجود تھی۔ وہ اس
جھگڑے میں اپنی بات منوانے پر تلا ہوا تھا۔ اس کے خیال میں شہزادی سنبل کے مرنے کے
بعد بھی گائی لو سگناں ہی یروشلم کا بادشاہ تھا۔

اس کے پیچھے خاموش ارل آف لیسٹر، ہنری کاؤنٹ آف شمپن کھڑے تھے۔ ہنری،
شاہ فرانس اور شاہ انگلستان دونوں کا بھانجا تھا لیکن اس کے باوجود وہ ایک مخلص شخص تھا۔
بعض کا خیال ہے کہ اسے دو وقت کی روٹی بھی مشکل ہی سے ملتی تھی۔

انگریز امرا کے ساتھ ٹمپلر سردار سفید چغے پہنے بیٹھے تھے۔ اس کے علاوہ لو سگناں
خاندان کے تینوں بھائی موجود تھے یعنی نام نہاد بادشاہ گائی۔ انگریز افسانہ طراز ہیرلڈ لیم اپنی
تحریوں میں شاہ رچرڈ کے علاوہ اور کسی کو گھاس ڈالتے دکھائی نہیں دیتا۔ اور دوسرے
بادشاہوں اور شہزادوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اسی لئے اس نے گائی لو سگناں بادشاہ
یروشلم کے لئے "نام نہاد" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

گائی لو سگنان کے ساتھ اس کا دوسرا بھائی جنگجو جافرے اور جانٹیبل کے عہدے پر فائز امالریک۔ وغیرہ ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ دوسری مخالف پارٹی یعنی فرانسیوں کے حامیوں میں اہل پیرا کے علاوہ وہ امیر بھی تھے جنھوں نے جھگڑا کھڑا کیا تھا۔ ایک طرف گانٹھ کا پورا اور عقل کا پکا اطالوی شہزادہ کونریڈ آف مانٹریٹ پراسرار طور پر خاموش بیٹھا تھا۔ وہ اپنے فائدے کی تاک میں تھا۔

چالاک شہزادہ کونریڈ' شاہ یروشلم کو ایک سال پہلے بھی زک دے چکا تھا اور اب یہ دوسرا موقعہ تھا کہ وہ گائی کو یروشلم کی متوقع بادشاہت سے ہٹانا چاہتا تھا۔ یہ قصہ یوں ہوا کہ خوش قسمت اطالوی شہزادہ کونریڈ جو یروشلم کی بادشاہت کا سودا اپنی سر میں لے کر صقلیہ سے چلا تھا وہ خوش قسمتی سے ساحل سام پر لنگرانداز ہوتے ہی صور کا حاکم بن گیا تھا۔

پھر جب عکہ پر قبضہ کے گفتگو شروع ہوئی تو شہزادہ کونریڈ' حاکم قلعہ عکہ سیف الدین المشطوب سے صلح کرانے میں پیش پیش تھا۔ اس طرح مارکوئیس کونرید ارض فلسطین پر ایک اہم شخصیت بن کر ابھرا تھا اور شاہ یروشلم کے تخت و تاج کا امیدوار بن کر گائی لو سگنان کے مقابلہ پر آگیا تھا۔

گائی لو سگنان کی پوزیشن یوں کمزور تھی کہ اس کی بیوی شہزادی سبل کا اچانک انتقال ہوگیا تھا اور سبل کی دوسری بہن شہزادی ازابیل جو سبل کی جگہ یروشلم کے تخت و تاج کی وارث ہو سکتی تھی اس نے نواب ہمفرے سے شادی رچائی تھی۔ ان حالات میں مارکوئیس کونریڈ کو پہلے نواب ہمفرے کو راستے سے ہٹانا تھا اس کے بعد گائی لو سگنان سے نمٹنا تھا۔

مارکوئیس کونریڈ ان دونوں مشکلات کے باوجود یروشلم کے متوقع تخت و تاج سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ تھا اور اس نے واقعی ایک صورت پیدا کر دی جس سے اس کے لئے یروشلم کا تاج حصول آسان نظر آنے لگا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ کسی طرح شہزادی ازابیل پر قابو حاصل کر لے تو اس کے لئے یروشلم کا تاج کچھ زیادہ دور نہ رہ جائے گا۔ چنانچہ اس نے شہزادی ازابیل کی طرف قدم بڑھائے۔

ادھر ازابیل اور نواب ہمفرے میں محبت کی شادی ہوئی تھی۔ یہ شادی قلعہ کرک میں اس وقت ہوئی تھی جب سلطان صلاح الدین کی فوجیں قلعہ کو گھیرے ہوئی تھیں اور قلعہ پر سنگ باری ہو رہی تھی مگر جب سلطان سے درخواست کی گئی کہ وہ نواب ہمفرے اور شہزادی ازابیل کی شادی میں تعاون کرے اور شادی کے دن قلعہ پر سنگ باری اور حملہ

نہ کرائے تو سلطان نے یہ درخواست منظور فرمائی اور لشکر کو حکم دیا کہ قلعہ کے اس حصہ پر حملہ نہ کیا جائے جہاں شادی کی رسم کی ادائیگی ہونے والی تھی۔ اس سلسلہ میں دونوں طرف سے شادی کے تحائف کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔ یہ شادی اس طرح کرک کی تاریخ کا ایک باب بن گئی تھی۔

ظاہر ہے کہ نواب ہمفرے آف ٹورون اور شہزادی ازابیل میں کس قدر پیار ہو گا کہ انہوں نے جنگ کے مہیب بادلوں کے دوران شادی کی رسم ادا کی تھی۔ اس چالاک مارکوئیس کونریڈ کی شاطرانہ چالوں کی بھی داد دینا پڑتی ہے جس نے ان دو محبت بھرے دلوں میں کچھ اس طرح نفاق کا بیج بویا کہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہونے پر مجبور ہو گئے۔

مشہور ہے کہ لگائی بجھائی اور کہنے سننے سے دیواریں بھی اپنی جگہ چھوڑ دیتی ہیں۔ الحامیہ کی چالاک لومڑی مارکوئیس کونریڈ نے شہزادی ازابیل تک پہنچنے کا منصوبہ بنایا۔ ازابیل اور نواب ہمفرے ٹارون کی شادی قلعہ کرک میں ہوئی تھی۔ اس قلعہ کو اس کی بلندی کی وجہ سے نجم السحر یا نم السحرا کہا جاتا تھا۔ اسی خیال سے شہزادی ازابیل خود کو "نجم السحرا" کہلواتی تھی اور خود کو سب سے بلند سمجھتی تھی۔

لیکن مارکوئیس نے اپنی ایک اطالوی کٹنی کے ذریعہ ایسا جال پھیلایا کہ ازابیل بھی اس جال میں پھنس کے رہ گئی۔ اسی اطالوی کٹنی' ڈائن یا چالاک عورت کا نام لورینا تھا۔ یہ بڑھیا آسمان میں تکلی لگاتی تھی اور محبت بھرے دلوں میں زہر گھول کے انہیں پھاڑ دیتی تھی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ ازابیل اور نواب ہمفرے آف ٹورون میں بہت پیار ہے اور یہ شادی بھی پیار ہی کی وجہ سے ہوئی تھی۔

ایک دن لورینا سیدھی نواب ہمفرے کے محل پہنچ گئی۔ عکہ کا قلعہ فتح ہونے کے بعد صلیبیوں نے اپنی وردیاں اتار دی تھیں اور ہتھیار کھول کے رکھ دئے تھے۔ وہ خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ دو سال تک خندقوں اور خیموں میں خون پسینہ ایک کرنے کے بعد اب انہیں خیموں کی زندگی سے نجات حاصل ہوئی اور شہر میں مکانات اور قلعہ میں بارکیں مل گئی تھیں۔

عکہ کا ہر گھر عشرت کدہ بنا ہوا تھا۔ شراب کی فراوانی تھی اور ایسے ماحول میں شکاری عورتیں اپنی دکانیں سجاتی ہیں۔ آس پاس کے علاوہ بحر روم کے جزیروں سے خوبصورت عورتیں بڑی کثرت سے عکہ پہنچ گئی تھیں۔ طوائفوں کے علاوہ ان عورتوں میں بیشتر ایسی حسین دوشیزائیں اور خوبصورت خواتین تھیں جن کی جوانیاں پھٹی پڑتی تھیں۔ وہ صلیبی لشکریوں کی آغوش میں اس طرح سمٹ جاتیں جیسے جنم جنم کی بھوکی پیاسی ہوں یہ دراصل

ان کی جنسی بھوک تھی جسے بجھانے کے لئے وہ یورپ کے قریبی علاقوں سے عکہ پہنچیں تھیں اور خوب داد عیش دے رہی تھیں اور اپنے اس فعل کو کار ثواب کہتی تھیں۔

صلیبوں کے یہ روز وشب تھے' یہ بے حیائیاں' عیش کوشیاں اور رنگینیاں تھیں جن میں فتح عکہ کے بعد صلیبی ڈوب گئے۔ مسلمان اسیران جنگ جو ان کے پاس یرغمال کے طور تھے انہیں دیواریں کھرچنے اور فرش صاف کرنے کے ذلیل کاموں پر لگا کر ان کا تمسخر اڑایا جاتا تھا۔ دراصل عکہ کی فتح نے صلیبوں کے دماغ میں فتور پیدا کر دیا تھا کہ وہ نہ صرف یروشلم واپس لے لیں گے بلکہ ارض فلسطین اور شام سے مسلمانوں کو نکال کے یہاں نصرانی حکومتیں قائم کریں گے۔

سلطان صلاح الدین کا مضبوط گڑھ دمشق اور مصر کا علاقہ تھا اور عکہ پر قبضہ کے بعد جب مسلم اسیران جنگ کی مارکوئیس کونریڈ اور شاہ انگلستان اور فرانس نے درمیان تقسیم ہوتی تو اس وقت بھی یہ سوال اٹھا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی (حاکم بدہن) کو شکست سے دوچار کرنے کے بعد اس کی عظیم سلطنت کو کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ اخلاقی گراوٹ کے ساتھ ساتھ صلیبی اس قدر مغرور ہو گئے تھے کہ اپنے آگے کسی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔

ایسے ماحول میں اگر مارکوئیس کونریڈ نے یہ سوچا کہ نواب ہمسفرے سے اس کی بیوی ازابیل کو چھین کے اس سے شادی کی جائے اور پھر اس طرح یروشلم کے تخت و تاج کا دعویٰ کیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ اس لئے طاقت اور چالاکی کی ضرورت ہے اور اس چیز کی مارکوئیس کونریڈ کے پاس کمی نہ تھی۔

پس اطالوی کٹنی لورنیا نے شہزادی ازابیل کی بلائیں لینے کے بعد ایک سرد آہ بھری اور دو موٹے موٹے آنسو آنکھوں سے ٹپکا دئے۔ شہزادی ازابیل اگرچہ اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن تھی لیکن لورنیا کے اس طرح غمگین ہو جانے سے بہت متاثر ہوئی اور اس نے نرمی سے دریافت کیا۔

" خالہ جی آپ نے شاید اپنا نام لورنیا بتایا اور آپ کا تعلق اطانیہ (اٹلی) سے ہے؟"

" جی شہزادی عالیہ آپ نے درست فرمایا..." لورنیا خالہ نے زبردستی اپنے خشک آنسو پونچھے..." میری پیدائش تو دراصل جنت ارضی یروشلم کی ہے مگر جب سے اس پر کافروں نے قبضہ کیا ہے۔ رات دن خون کے آنسو روتی ہوں..."

"مگر اس وقت آپ کو رونا کیوں آیا..." شہزادی ازابیل نے الجھتے ہوئے پوچھا..."آپ

ونے دھونے کی ضرورت نہیں۔ جس کام کے لئے آپ تشریف لائی ہیں وہ بیان ہے۔ میں اسے پورا کروں گی؟"

"شہزادی عالیہ... میری فکر نہ کیجئے..." مکار لورینا نے کہا۔ "میں آپ کے پاس کسی ت سے نہیں آئی۔ مجھے اطالوی شہزادے کونریڈ مانٹریٹ اپنے ساتھ ہی اطالیہ سے تھے۔ انہی کے پاس رہتی ہوں شہزادے بہادر میرا بڑا خیال کرتے ہیں۔"

مارکوئیس کونریڈ کینام پر ازابیل کے کان کھڑے ہوئے۔ "یہ مارکوئیس کونریڈ وہی تو جو صور کے حاکم ہیں؟"

"ہاں شہزادی وہی شہزادے کونریڈ" لورنیا نے جواب دیا۔ "وہ صور کے حاکم بھی ہیں بری صلیبی جنگ بھی انہی کے زور پر لڑی گئی اور قلعہ عکہ کے فاتح بھی دراصل ، ہی شہزادے نے ہی ہیں۔"

"ہوں..." عکہ کی شہزادی چند لمحے خاموش رہی پھر بولی..."اچھا خالہ لورنیا' اب تو کہ آپ مجھے دیکھ کر رونے کیوں لگی تھیں؟"

"شہزادی عالیہ۔ یہ میرے دل کی بات ہے اسے کوئی دل ہی والا سمجھ سکتا ہے۔" لورنیا ر زیادہ مکاری دکھائی..."میں تمہیں بتاؤں تو شاید تم ناراض ہو جاؤ؟"

"نہیں نہیں خالہ مورنیا... میں ناراض کیوں ہوں گی۔ آپ اتنی تو اچھی ہیں..." ازابیل نے خالہ مورنیا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

ورنیا بھر آئی آواز میں بولی..."شہزادی اگر تم ہیرے کی انگوٹھی کو گندی نالی میں پڑا اس انگوٹھی کی قسمت پر آنسو نہیں بہاؤ گی؟"

زبیل' لورنیا کی بات سمجھ نہیں سکی۔ بولی.."خالہ جان میں سمجھ نہیں سکی۔ جو بات ہے وہ کھل کے کہو؟"

تم منہ کھلواری ہو تو سنو۔ شہزادی ازابیل اس لئے پیدا نہیں ہوتی ہے کہ وہ ایک میں بیٹھ کے اپنی زندگی گزار دے۔ تم شہزادی نہیں بلکہ ملکہ یروشلم ازابیل ہو۔ بہن سنبل ملکہ یروشلم تھی۔ اس کے بعد یروشلم کے تخت و تاج پر تمہارا حق رنیا جلدی جلدی بات ختم کھڑی ہو گئی۔

رنیا کی بات نے ازابیل کے دل میں ایک نئی جوت لگائی تھی۔ اس نے لورنیا کا ہاتھ ڑ لیا۔ "خالہ لورنیا۔ جب بات تم نے منہ سے نکال ہی دی ہے تو پھر اسے پوری ں میری مدد کرو؟"

ے واہ شہزادی..." لورنیا اک دم مسکرا دی۔ "یہ کیا بات ہوئی۔ جو راستہ بتائے وہ

آگے چلے۔ میں غریب تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں۔ اپنے شوہر نواب ہمسفرے سے کہو کہ وہ تمہیں یروشلم کے تخت و تاج کا وارث ثابت کریں۔"

"ان سے یہ نہ ہو سکے گا خالہ لورنیا..." شہزادی ازابیل انگلیاں چٹخاتی ہوئی بولی۔ "وہ تو محبت کرنے والے بھولے بھالے نواب ہیں۔ گائی لو سگناں کا مقابلہ وہ نہیں کر سکتے۔ پھر عکہ فتح کرنے والے دو دو بادشاہ موجود ہیں۔ یروشلم فتح کرنے کے بعد وہ میرے شوہر کے بجائے گائی کو تخت و تاج دیں گے..."

لورنیا نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور دو قدم چل کے رکی... "شہزادی برا نہ ماننا۔ اگر تمہارے شوہر نواب ہمسفرے ٹورون، گائی لو سگناں اور شاہ فرانس اور شاہ انگلستان کے مقابلے پر نہیں کھڑے ہو سکتے تو ان سے کہہ دو کہ وہ تمہارے راستے سے ہٹ جائیں اور ایسے آدمی کو آگے آنے دیں جو بادشاہوں کا پنجہ مروڑ کر تمہیں یروشلم کے تخت و تاج کا مالک بنا سکتا ہے۔"

خالہ لورنیا دو قدم آگے بڑھ کے پھر رک گئیں۔

شہزادی ازابیل کو یوں محسوس ہوا جیسے یروشلم کا تخت و تاج خود بخود اس کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ اس نے پر امید نظروں سے خالہ لورنیا کو دیکھا اور مردہ آواز میں بولی۔ "خالہ لورنیا ایسا کون شخص ہو سکتا ہے اور وہ میرے لئے اتنی زبردست قربانی کیوں دینے لگا...؟"

"بھولی شہزادی..." لورنیا نے بڑے استقلال سے کہا۔ "اتنا بڑا خطرہ وہ تمہارے لئے نہیں بلکہ اپنی محبت کے لئے مول لے گا..."

"کیا...!" ازابیل ایک یا پھر چونکی... "اپنی محبت کے لئے مول لے گا۔ کیا کہنا چاہتی ہو خالہ؟"

"میں نے ٹھیک کہا شہزادی..." خالہ لورنیا نے بھی مضبوط لہجے میں کہا۔ "اسے تم سے محبت ہے اور وہ تمہاری محبت میں حد سے گزر جانا چاہتا ہے۔ میں تمہیں تاریکی میں نہیں رکھنا چاہتی۔ وہ شخص ہے اطالوی شہزادہ کونریڈ آف مانٹریٹ جو شاہ فرانس اور شاہ انگلستان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ وہ تمہارے سر پر ملکہ یروشلم کا تاج دیکھے لیکن یہ سب کچھ اس وقت ممکن ہے جب تم اس کی محبت کا جواب محبت سے دو..."

یہ کہتی ہوئی خالہ لورنیا وہاں سے رفو چکر ہو گی مگر شہزادی ازابیل کو ایک عجب طرح کے مخمصہ میں ڈال گئی۔ کہتے ہیں اقتدار کی جھلک جو ایک بار دیکھ لے پھر اسے سوائے

اقتدار کے اور کوئی دکھائی نہیں دیتا اور جسے اقتدار کی ہوا لگ جائے پھر اس کے قدم زمین پر نہیں پڑتے۔ خالہ لورنیا کی بات ازابیل کو کچھ اس طرح لگی تھی کہ وہ گھنٹوں بولائی بولائی کمروں میں گھومتی رہی اور جیسے نواب ہمسفرے آف ٹورون محل میں آیا وہ اس کے سر پر سوار ہو گی۔

"میری بات غور سے سنو نواب ہمسفرے..." ازابیل نے سخت لہجے میں کہا۔

نواب اس کے تلخ لہجے پر حیران رہ گیا... "تمہیں کیا ہو گیا ہے ازابیل یہ کس طرح بول رہی ہو تم۔ کیا میں اب تمہاری نظروں میں "پیارا ہمسفرے" نہیں ہوں؟"

"وہ تو تم ہی ہو مگر بات ذرا سنگین ہے غور سے سنو میری بات؟" ازابیل کے لہجے کی تلخی کم ہو گئی تھی مگر ختم نہ ہوئی تھی۔

نواب ہمسفرے آف ٹورون ایک نکما اور ناپسندیدہ شخص تھا۔ اس میں نہ وجاہت تھی اور نہ شجاعت۔ ہر دم دوسرے شہزادوں اور شاہوں کی حضوری میں لگا رہتا تھا۔ اس نے ازابیل کے تیور بگڑے ہوئے دیکھے تو بھیگی بلی بن گیا۔

"ہاں ہاں کہو پیاری ازابیل۔" نواب نے خوشامد شروع کر دی۔ "میں نے تمہاری بات کب غور سے نہیں سنی۔ تمہارے سوا میرا اور ہے کون اس دنیا میں؟"

"اچھا بس خوشامد بند..." ازابیل کے لہجے میں اب تک تلخی گھلی تھی۔ "میں جو پوچھوں ان کا صحیح صحیح جواب دو..."

"پوچھو نا پیاری ازابیل...؟" نواب ڈر گیا بلکہ سہم گیا۔ دراصل اس نے ازابیل کو بہلا اور ورغلا کر اس وقت شادی کی تھی جب ازابیل کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ یہ بات بہت سے لوگوں کو معلوم تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ گائی لو سگناں کو بادشاہت کیوں ملی تھی؟" ازابیل نے سوال کیا۔ نواب ہمسفرے نے فوراً جواب دیا۔ "اس لئے کہ تخت و تاج کی وارث ملکہ سبیل تھی اور گائی لو سگناں اس کا شوہر تھا اس لئے وہ یروشلم کا بادشاہ کہلاتا تھا..."

"اب ملکہ سبیل تو مر چکی ہے۔ یروشلم کے تخت و تاج کا مالک کون ہو گا...؟" ازابیل کے اس سوال پر نواب گھبرا گیا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو ازابیل میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا؟..." نواب نے عاجزی سے کہا۔

"میری بات تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو مگر تم بزدل ہو۔ تم میں ہمت اور جرات نہیں ہے؟" ازابیل بگڑ گئی... "گائی صرف اس وجہ سے یروشلم کا بادشاہ تھا کہ تخت و تاج کی

مالک ملکہ سبل تھی۔ ملکہ سبل کے مرنے کے بعد تخت و تاج کی وراثت اور حقدار میں ہوں اور میرا شوہر نواب ھمفرے آف ٹورون یروشلم کا بادشاہ ہو گا...."

نواب ھمفرے کا پورا بدن لرز اٹھا...وہ ہاتھ جوڑ کے گڑگڑایا..."چپ ہو جاؤ ازابیل تمہیں خداوند یسوع مسیح کا واسطہ۔ لو سگنان ابھی زندہ ہے اس نے تمہاری بات سن لی تو مجھے اور تمہیں دونوں کو سولی چڑھا دے گا۔ اس کی طاقت کا اندازہ ہے تمہیں۔ تیسری صلیبی جنگ لڑنے والا وہی شخص ہے...."

"چپ ہو جاؤ بزدل ھمفرے..." ازابیل چیخ پڑی۔ "تم مجھے میرا حق بھی نہیں دلا سکتے۔ لعنت ہے تم پر...."

ازابیل بڑبڑاتی اندر جانے لگی تو ھمفرے اسے روک کے کہا۔"ازابیل۔ تم جو چاہو کہہ سکتی ہو مگر یروشلم کے تخت و تاج کے نام نہ لینا ورنہ ہمیں جینا دوبھر ہو جائے گا...."

دوسرے تیسرے دن اطالیہ کی کٹنی خالہ لورنیا پھر ازابیل کے محل میں داخل ہو رہی تھی ازابیل' خالہ لورنیا کو دیکھتے ہی دوڑ کے اس سے لپٹ گئی۔ کٹنی نے ازابیل کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

"خالہ لورنیا..." ازابیل نے روہانسی آواز میں کہا۔ "نواب ھمفرے تو نرا نواب نکلا بزدل کہیں کا۔ کہتا ہے کہ یروشلم کے تخت و تاج کا نام نہ لینا ورنہ قتل کر دی جاؤ گی۔"

"اور پھر بھی اسے تمہاری محبت کا دعوی ہے؟" خالہ لورنیا نے چبھتا ہوا سوال کیا۔

"صرف خالی مولی کی محبت۔ مجھے تو اس سے نفرت ہونے لگی ہے۔" ازابیل غمگین ہونے لگی تھی۔

"پھر کروں کسی محبت کرنے والے سے بات؟" لورنیا نے فوراً بات ڈال دی..."ابھی میں آرہی تھی تو شہزادہ کونریڈ مجھے ملے تھے۔ وہ اب تک تم سے امید لگائے بیٹھے ہیں...."

شہزادی اب مجھے واپس جانے دو..." لورنیا نے پلٹتے ہوئے کہا۔ "میں یہی جواب لینے آئی تھی۔ شہزادہ میرا انتظار کر رہا ہو گا...."

ازابیل نے اب بھی اسے کوئی جواب نہیں دیا مگر کچھ اس انداز سے لورنیا کو دیکھا جس میں ہزاروں امنگیں اور آرزوئیں بری تھیں۔ اس طرح لورنیا کی معرفت پہلے ازابیل اور کونریڈ میں کچھ دن سلام و پیام ہوئے پھر دو ایک طویل ملاقاتیں۔ ازابیل پکے آم کی طرف ٹوٹ کے کونریڈ کی گود میں آگئی۔

مارکوئیس کونریڈ صور کا نجات دہندہ تھا اور تیسری صلیبی جنگ میں اس نے بھرپور حصہ لیا تھا۔ سب ہی اسی کی عزت کرتے۔ صور والے تو اس پر جان نچھاور کرتے تھے۔

نے صور کے اسقف اعظم (لارڈ پادری) کو بلا کر اشاروں کنایوں میں اپنا مطلب بیان
سقف اعظم نے تعاون کا وعدہ کر لیا۔

ھر ایک دن صلیب کے بزرگان دین کی طرف سے ایک فتوی جاری ہوا۔ اس پر
اعظم صور کے بھی دستخط تھے۔ فتوی میں مندرجہ ذیل باتیں درج تھیں۔

، کے وقت ازابیل صرف ۱۳ سال کی نابالغ لڑکی تھی اور کلیسا کے قانون کے مطابق
ی شادی جائز نہیں۔

شلم کا شاہی خاندان شادی سے ناراض تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شاہی خاندان کا کوئی
ں شادی میں شریک نہیں ہوا۔

شادی خفیہ طور پر انجام پائی اور اس کی تقریب یروشلم کے محلات کے بجائے کرک
۔ میں منعقد ہوئی تھی

واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ ازابیل اور نواب ھمفرے کی شادی ... صرف
خاندان (یروشلم کا شاہی خاندان) کے خلاف ایک سازش بلکہ یہ کلیسا کے قانون کی
ورزی تھی۔

کوئیس نے بزرگان صلیب سے حسب مرضی فتوی حاصل کر لیا۔ اس نے پہلے اس
شہزادی ازابیل میں کافی طویل صلاح مشورے ہوئے ہوئے تھے اور عہد و پیمان کئے
۔ فتوی سامنے آتے ہی شہزادی ازابیل نے کلیسا کو طلاق کی درخواست دیدی اور
مفرے سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو گئی۔ اس کا اگلا قدم مارکوئیس کونریڈ سے شادی

کوئیس کونریڈ صور کا بادشاہ اور عکہ کا ایک اہم رکن تھا بعض لوگ تو اسے فاتح
کہتے تھے۔ بہر حال وہ ایک با اثر شخصیت تھا۔ بلاشبہ وہ ایک بہادر انسان تھا یہ اور
اس کا دماغ تعمیر سے کہیں زیادہ تخریب کی طرف مائل تھا اور یہ سب کچھ اس کی
ت طبیعت کی وجہ سے تھا۔

یڈ کو ازابیل سے قطعی محبت نہ تھی وہ تو ازابیل کے ذریعہ یروشلم کے تخت و تاج
، کا ایک آسان راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کے جواب میں ازابیل بھی رغبت نہ
سوائے اس کے کہ وہ کونریڈ جیسے مضبوط انسان کے ذریعہ یروشلم کا تخت و تاج
ے اور پھر شہزادے کونریڈ کو اپنی طرف سے یروشلم کے تخت و تاج کا اعزاز

دونوں کا نصب العین اور منزل ایک ہی تھی اس لئے ان کی شادی ہو گئی اور عکہ

کے (کیتھڈرل) میں ازابیل اور کونرڈ کی شادی کا اعلان بدقسمتی سے اس دن ہوا جس د
یروشلم کا اسقف اعظم ہرکلیس پطرس اپنے دینی ساتھیوں کے ہمراہ یورپ سے واپس آیا ا
ایک اسپینی جہاز سے عکہ کے بندرگاہ پر اترا۔

یہ پہلے ہی بیان کیا جاچکا ہے کہ یروشلم کا اسقف پطرس' یروشلم پر سلطان صلا
الدین ایوبی کے قبضہ کے وقت گرفتار ہوا تھا اور فدیہ دے کر آزادی حاصل کی تھی پھر چ
پادریوں کے ساتھ یورپ روانہ ہوا تھا اور وہاں پہنچ کر اس نے مسلمانوں کے خلاف ہر ملک
میں زہر اگلا تھا اور عیسائیوں کو یروشلم واپس لینے کے لئے ابھارا تھا۔ اسی پادری ک
پروپگنڈہ کی وجہ سے شاہ انگلستان اور شاہ فرانس ارض فلسطین آئے تھے۔

اسقف ہرکلیس پطرس اور مارکوئیس کونرڈ کی ملاقات اطالیہ میں ہوئی تھی۔ پطرس
ایک جوان بیٹی بھی اس کے ساتھ تھی جو فرانس کے شاہی کلیسا میں پراسرار طور پر غائب
گئی تھی۔ ان دنوں مارکوئیس کونرڈ بھی جولیا کے تعقب میں فرانس پہنچا تھا۔ اسقف کو
تھا کہ جولیا کے اغوا میں کونرڈ کا بھی ہاتھ ہے۔ اس لئے وہ کونرڈ کے سخت خلاف تھا۔

اسقف پطرس کو عکہ کے بندرگاہ پر اترتے ہی معلوم ہوگیا کہ شاطر مارکوئیس کونر
نے شہزادی ازابیل سے شادی رچالی ہے۔ اس نے فورا" ہی ازابیل اور کونرڈ کی شا
کے خلاف فتویٰ دیدیا جس سے عکہ کے عیسائی حلقوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی لیکن ص
کے مرد آہن مارکوئیس کونرڈ نے اسقف پطرس کے فتویٰ کی کوئی پروانہ کی اور مارکو
کونرڈ کے اشارہ پر صور کے آرچ بشپ نے نئے کیتھڈرل میں ازابیل اور مارکوئیس کو
کی شادی کا اعلان کر دیا۔ اس وقت صور کے نئے کیتھڈرل میں شادی کے موقعہ پ
فلپ آگسٹس اور جانرڈ کے سردار دوست اور نواب موجود تھے۔

اس تمام جھگڑے کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یروشلم (بیت المقدس) کی پو
ریاست سلطان صلاح الدین ایوبی کے قبضے اور مضبوط ہاتھوں میں تھی مگر عقل کے اند
صلیبی بادشاہ اور لشکری یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ عکہ کی طرح یروشلم پر بھی ان کا قبضہ ہو جا
گا اور اسی خیال کے تحت اس وقت یروشلم کے متوقع بادشاہ کا انتخاب ہو رہا تھا۔

اس اجلاس میں سب ہی موجود تھے۔ یورپ سے آنے والے بادشاہ' شہزادے ڈیو
ارل' کاونٹ' سردار اور سپہ سالار۔ دنیائے صلیب کے بڑے بڑے ہاسپٹلرز اور اسا
البھاریہ کے پرجوش سردار جن کی بات کلیسا والے بے چوں وچرا مانتے تھے۔

آخر مقدمہ شروع ہوا اور ایونز آف فلانڈرز نے یروشلم کی بادشاہت کا مقدمہ
کے سامنے دائر کیا۔ وہ بادشاہت جو ان کے تصور میں تھی اور اس وقت اس پر سل

لدین ایوبی کے مضبوط پنجے جمے ہوئے تھے۔
ں ہوائی تصوراتی مقدمہ کا حال کچھ اس طرح بیان کیا گیا۔
یروشلم کی ملکہ سبل جن کے شوہر گائی لوسگنان ملکہ سبل کے دیئے ہوئے اختیارات
سلطنت یروشلم پر بادشاہت کر رہے تھے کہ اچانک ملکہ سبل کی موت واقع ہوگئی۔
ح مجلس صلیب نے ملکہ سبل کی دوسری بہن ازابیل کو یروشلم کے تخت و تاج کا
تسلیم کر لیا۔ اس اعلان سے گائی لوسگنان کی بادشاہت کا اختیار بادشاہت بھی ختم ہو
گائی لوسگنان یروشلم کی بادشاہت چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ دوسری طرف یروشلم کی
تاج کی وارث ازابیل نے نواب ہمفرے سے طلاق حاصل کرکے اطالوی شہزادے
آف مانٹریٹ سے شادی کر لی ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ جس طرح ان کی بہن سبل
ے شوہر گائی لوسگنان کو یروشلم کی سلطنت اور بادشاہت کا پروانہ عطا کیا تھا اسی طرح
ے شوہر شہزادہ کونرڈ کو یروشلم کی بادشاہت کا اعزاز عطا کرتی ہیں اس لئے ان کے
کو تسلیم کر لیا جائے۔"

رکوئیس کونرڈ کو علم تھا کہ یروشلم کا سابق اسقف ہرکلیس پطرس نے اس کی اور
ل کی شادی کو ناجائز قرار دیا ہے اور وہ اس مجلس میں شریک ہوگا اس لئے اس چالاک
، نے شاہ فلپ آگسٹس کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا اور شاہ فلپ نے کونرڈ سے
عاون کا وعدہ کیا تھا۔ پس اس وقت شاہ فلپ کے تمام نواب نے آواز بلند کی۔
کہ ازابیل کا مطالبہ جائز ہے کیونکہ بالڈوں خاندان کی وہی وارث تخت و تاج ہیں۔
فورا" ہی بعد ایک دوسری آواز اس کے حق میں بلند ہوئی۔
یں بے حد خوشی ہوگی اگر مارکوئیس کونرڈ آف مانٹریٹ کو یروشلم کا بادشاہ تسلیم
ئے کہ وہ صور کے ہزاروں عیسائی باشندوں کے نجات دہندہ ہیں۔ انہوں نے تیسری
نگ کے لئے سلطان کے خلاف سب سے پہلے پرچم بلند کیا تھا۔ شہزادہ کانرڈ صلیبی
ے جائز حقدار ہیں۔"
ر تائید شاہ فرانس نے کر دی۔
مارکوئیس کانرڈ کے حق میں بلند ہونے والی آواز کی پوری پوری تائید کرتے ہیں۔
شاہ یروشلم بننا مبارک ہو..."

وئیس کانرڈ اور ازابیل بھی مجلس میں موجود تھے۔ ان کی آنکھیں خوشی سے چمک
ابیل کو اس وقت چالاک بڑھیا لوریتا بہت یاد آئی۔ وہ لوریتا کا منہ چومنا چاہتی تھی
اسے مارکوئیس کنرڈ سے ملوا کے اصل منزل کی طرف گامزن کیا تھا اور مارکوئیس

کونریڈ کو کتنی آسانی سے یروشلم کی سلطنت بخشی گئی تھی۔

اسی وقت گائی لو سگنان کا بھائی جافری تلوار لہراتا ہوا کھڑا ہوا اور اس نے مارکو
کونریڈ کو ڈوئل (مبارزت۔دوبدو جنگ) کی دعوت دی مگر شاہ فرانس نے اسے سختی
ڈانٹ دیا۔

"یہ وقت ڈوئل کا نہیں۔ ابھی یروشلم کی جنگ باقی ہے۔ جافری کو اس جنگ کے
اپنی تلوار کو سنبھال کے رکھنا چاہیے۔"

جافری کو پکڑ کے بٹھا دیا گیا۔

اب حلقہ اسقفہ (جنگجو ٹمبلز اور ہاسپٹلز) سے یروشلم کا بوڑھا اسقف ہرکولیس پط
اپنی وراز آستین لہراتا ہوا کھڑا ہوا۔ اس نے براہ راست شاہ فرانس کو مخاطب کیا۔

جناب آگسٹس۔ یروشلم کی دینی اور دنیاوی سلطنت ایسی نہیں جسے لٹیروں کے حوا
کر دیا جائے۔"

"محترم اسقف..." شاہ فرانس غصے سے کھڑا ہو گیا۔ "اسقف نے گفتگو کا انداز
دیا۔ "میں نے عکہ کے ساحل پر قدم رکھتے ہی کانریڈ اور ازابیل کی شادی کو ناجائز
نامبارک قرار دیا تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے صور کے نئے کیتھڈرل سے اس شاد
اعلان اپنے سامنے کرایا۔ اس طرح آپ نے یروشلم کے اسقف ہرکلیس پطرس ہی
بلکہ پاپائے روم کی بھی نافرمانی کی ہے کیونکہ میں اس صلیبی جنگ کا محرک ہوں اور میں
پورے یورپ کا سفر پاپائے روم کے نمائندہ کی حیثیت سے کیا ہے؟"

شاہ فرانس گھبرا گیا۔ اس نے کہا۔

"اے یروشلم کے اسقف محترم۔ آپ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ آخر ازابیل
مارکوئیس کونریڈ کی شادی کیوں نامبارک اور ناجائز ہے؟"

اسقف پر کوئیس پطرس نے کراری آواز میں اعلان کیا۔

"اس لئے کہ کونریڈ نے دو شادیاں پہلے کی ہیں اور یہ اس کی تیسری شادی ہے
اس کی ایک بیوی اب تک اطالیہ میں دوسری بیوی قسطنطنیہ میں بیٹھی اس کا انتظار کر
ہے۔ کونریڈ تو ایک بیوی کی موجودگی ہی میں دوسری بیوی نہیں کر سکتا اور اس نے
دھاندلی کی حد کر دی۔ اس نے تو دو کی موجودگی میں تیسری شادی رچا ڈالی۔

حاضرین سناٹے میں آ گئے۔ مارکوئیس کانریڈ کا رنگ فق ہو گیا۔ ازابیل کی نظروں
یروشلم کا تخت و تاج دور ہوتا محسوس ہوا۔

صلیبیوں کے حوصلے

نصرانیوں کی مجلس مشاورت میں مسئلہ درپیش تھا کہ یروشلم کا بادشاہ کون ہو گا؟
یورپ سے آنے والے یہ نصرانی بادشاہ، شہزادے اور لشکری کس قدر خوش فہم اور جلد
تھے۔ وہ یروشلم کے بادشاہ کا انتخاب کر رہے تھے۔ اس یروشلم کا بادشاہ جس پر سلطان
ح الدین ایوبی نے سنہ 1187 عیسوی میں قبضہ کیا تھا اور جس پر ابھی تک اسی کا قبضہ
مگر یہ جلد باز اور ضدی صلیبی اس خیالی یروشلم کے بادشاہ کا انتخاب کر رہے تھے جو
ں ابھی حاصل کرنا تھا۔

یروشلم، مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے یکساں طور پر متبرک اور قابل احترام
۔ مسلمان اسے قبلہ اول کہتے تھے اس لئے کہ خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے سے پہلے
ان بیت المقدس (یروشلم) کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ یہی بیت المقدس، اسلام
عظیم تریز رہبر و رہنما، نبی و رسول اور سرکار دو عالم احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ
وسلم کے سفر معراج کی پہلی منزل تھا۔ اسی بیت المقدس سے حضورؐ پاک عالم بالا کی
محو پرواز ہوئے تھے۔

عیسائیوں کے لئے بیت المقدس یوں قابل تعظیم ہے کہ عیسائیت کے علمبردار حضرت
علیہ السلام کا بیت المقدس مہد و لحد ہے۔ وہ اسی جگہ پیدا ہوئے اور اسی مقام پر
اس دنیا سے اٹھایا گیا۔

یہودیوں کی وہ عبادت گاہ جسے "ہیکل سلیمانی" کہا جاتا ہے اگرچہ اب اس کا کوئی نشان
نہیں لیکن کسی زمانہ میں وہ اس بیت المقدس میں موجود تھی۔

ان تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان، عیسائی اور یہودی اپنے
مقدس مقامات، روایات اور زیارات کی وجہ سے اس مقام کو محبوب رکھتے ہیں اور

اسے حاصل کرنے کی کوشش میں سرگرداں رہتے ہیں۔

جنگ اور امن کے زمانہ میں نصرانیوں اور مسلمانوں کا کردار رہتا تھا اور رہتا ہے مکم
اور مفصل حال تاریخ میں درج ہے۔ مثلاً سنہ 1098 عیسوی میں جب نصرانیوں ـ
مسلمانوں سے بیت المقدس حاصل تھا تو اس پاک زمین پر گھوڑوں کے گھٹنوں گھٹنوں تک
انسانی خون موجود تھا۔ ایک صلیبی نے بیت المقدس سے یورپ میں ایک پادری کو لکھا تھا۔

"خداوند یسوع مسیح نے یروشلم پر ہمارا قبضہ کرا دیا۔ ہم نے کافروں
"مسلمانوں" کا اس قدر خون بہایا کہ یروشلم کا احاطہ کے اندر تک
ہمارے گھوڑے ان کے خون میں گھٹنوں گھٹنوں تک ڈوبے ہوئے
ہیں---"

یہ تھا ان نصرانی صلیبیوں کا کردار جنہوں نے سنہ 1098 عیسوی میں دوسری صلیبی
جنگ میں مسلمانوں سے بیت المقدس واپس لیا تھا۔ پھر جب اس کے نوے 90 سال بعد
مسلمانوں نے سلطان صلاح الدین کی سرکردگی میں سنہ 1189 عیسوی میں عیسائیوں سے
دوبارہ بیت المقدس واپس لیا تو مسلمانوں کا سرخیل' سپہ سالار اور مجاہداعظم سلطان صلاح
الدین نے بیت المقدس میں داخل ہونے سے پہلے اپنے سرداروں اور لشکریوں کو حکم دیا۔

"خبردار-- پاک بیت المقدس کی پاک زمین پر دشمن کی تکسیر بھی نہ پھوٹنے پائے۔ اس
سر زمین پر سرکار دو عالم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک پڑے ہیں۔ اسے
انسانی خون سے ناپاک نہیں ہونا چاہئے۔"

اور مسلمانوں کی تلواریں کیسے کند ہو گئی تھیں۔

یہ قوموں کا اپنا اپنا ظرف ہے۔ نصرانی ہمیشہ کامیابی کے واقعات میں وحشی درندے بن
جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے سقوط عکہ کی مثال موجود ہے۔ عکہ کا قلعہ ایک معاہدے کے
تحت صلیبیوں کے حوالہ کیا گیا تھا۔ جس میں مسلم سرداروں اور لشکریوں کی جان و مال کی
حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی مگر ہوا یہ کہ عکہ کے قلعہ پر قبضہ ہوتے ہی صلیبیوں نے
آنکھیں سر پر رکھ لیں اور پھر انگلستان کے شاہ رچرڈ جسے بدبخت انگریز اور دوسرے یورپی
انشا پردازوں نے "شیر دل" کا خطاب بزعم خود عطا کر دیا تھا۔ اسی شیر دل نے حکم دیا کہ ان
نہتوں اور یرغمالیوں کو قتل کر دیا جائے۔

اس طرح ستائیس سو(2700) مسلمان شاہ رچرڈ کی درندگی اور بہمیت کا شکار ہو
گئے۔ یہ تعداد بھی درست نہیں۔ بد قسمتی سے ہمارے مسلمان مورخوں نے تاریخ نویسی کی
طرف بہت کم توجہ دی، اور صرف سنی سنائی باتوں کو حقیقت بنا کر کتابوں میں درج کر دیا۔

مسلمان شہیدوں کی تعداد آج تک کسی ذرائع سے بھی یہ نہ معلوم نہ ہو سکا کہ عکہ
قلعہ پر دو سال سے زیادہ عرصہ تک مسلمانوں اور عیسائیوں میں جو جنگ ہوتی رہی اس
صلیبیوں کے مرنے والوں کی تعداد کتنی تھی۔ یعنی صلیبیوں نے کتنی جانیں گنوا کر ساحل
ن' پر سوا دو سال میں صرف ایک قلعہ (عکہ) پر قبضہ حاصل کیا تھا۔ ایک بیان کے
ن قلعہ عکہ کو گھیرنے والا نصرانی لشکر جس میں انگلستان' فرانس' جرمنی' المانیہ اور تمام
پ کے عیسائی ممالک کی فوجیں شامل تھیں۔ ان میں سے صرف صلیبیوں کا نصف لشکر
پر قبضہ تک ختم ہو گیا۔

تیسری صلیبی جنگ کے سلسلے میں خود نصرانیوں کے بیان کے مطابق ان کی تعداد تین
سے پانچ اور سات لاکھ تک پہنچتی تھی۔

بہر حال عکہ پر نصرانیوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور اب وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے
کہ وہ بہت جلد یروشلم (بیت المقدس) پر بھی قبضہ کر لیں گے۔ بیت المقدس پر
نوں کے قبضے سے پہلے عیسائیوں کے بالڈون خاندان کی حکمرانی تھی۔ بالڈون خاندان کی
سبل اصل وارث تھی اور اس کی طرف سے اس کا شوہر گائی لو سگناں یروشلم کا بادشاہ

مگر اتفاق ایسا ہوا کہ مسلمانوں کے بیت المقدس پر قبضہ کے بعد جس شاہ یروشلم گائی
اس کی ملکہ سبل ادھر ادھر پھر رہے تھے تو ملکہ سبل کا انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال
تے ہی اصولی حیثیت سے اس کا شوہر گائی بھی یروشلم کے تخت سے بے دخل ہو گیا تھا
وہ یروشلم کے تخت و تاج کے حق سے محروم ہونے پر تیار نہ تھا۔

جس نصرانی دستور یا کلیسائی قانون کے تحت شاہ سگائی کو یروشلم کے تخت سے بے دخل
تھا اسی قانون سے مرنے والی ملکہ سبل کی دوسری بہن ازابیل' تاج یروشلم کی مالک بن
ی تھی۔ ازابیل نے نواب ہمفرے آف ٹورون سے شادی کی تھی۔ اس لئے نواب
ے کو بحیثیت شاہ یروشلم منتخب ہونا تھا۔

مگر انطانیہ کا ماکوئیس آف مانسٹریٹ جب صقلیہ سے روانہ ہوا تو اس کے دل و دماغ
یروشلم کا تخت و تاج چھایا ہوا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اگر صحیح سلامت فلسطین
لیا تو یروشلم کا تاج حاصل کرنے کے لئے اپنی جان لڑا دے گا۔ مارکوئیس کونریڈ بہادر
تھا اور ذہین بھی۔ اس نے قلعہ صور کی کمان اس وقت سنبھالی تھی جب ارض فلسطین
تمام شاہ اور شہزادے صور سے منہ پھیر کر اپنی سلطنتیں اور جانیں بچانے کی فکر میں
ہوئے تھے۔

مارکوئیس کونریڈ' صور کا نجات دہندہ تھا۔ صور والے اس پر جان دیتے تھے۔ جب ملکہ سبل کا انتقال ہوا اور یہ امکان پیدا ہوا کہ یروشلم کا تخت سبل کی بہن کو مل سکتا ہے تو مارکوئیس کونریڈ اسی وقت سے متحرک ہو گیا اور اس نے عالی دماغ اور شاطرانہ چالوں سے ازابیل اور نواب ہمفرے کو ایک دوسرے کے خلاف کر دیا اور ازابیل نے نواب ہمفرے سے طلاق حاصل کر لی۔

یہ بھی مارکوئیس کونریڈ کا ایک کارنامہ تھا۔ اس نے ازابیل کو اپنی محبت کا جال میں پھانسا۔ ازابیل کو اس سے محبت ہوئی تھی کہ نہیں مگر اس کے لئے مارکوئیس کونریڈ کا سہارا ہی غنیمت تھا چنانچہ اس نے نواب ہمفرے سے طلاق حاصل کرتے ہی مارکوئیس کونریڈ آف مانسٹریٹ سے شادی رچا لی۔ کونریڈ اور ازابیل کی شادی کو یروشلم کی اسقف ہرکولیس پطرس نے ناجائز قرار دیا تھا لیکن مارکوئیس کونریڈ کب مار کھانے والا تھا۔ اس نے فوراً اپنے صور کے نئے کیتھڈرل کے اسقف سے اپنی اور ازابیل کی شادی اعلان کر کے اس کی تصدیق کر دی۔

اب سوال یہ تھا کہ یروشلم کی متوقع سلطنت کا حقدار کون ہو گا۔

"سابق شاہ سگائی لو سگناں یا ازابیل کا نیا شوہر مارکوئیس کونریڈ آف مانسٹریٹ"

تخت و تاج کے دونوں متوقع حقدار اپنی اپنی جگہ پر بہت اہم تھے۔ گائی کی اہمیت اس لئے تھی کہ تیسری صلیبی جنگ کا اس نے آغاز کیا تھا اور وہ اب تک میدان جنگ میں سینہ سپر رہا تھا یہ اور بات ہے کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتوں گرفتار ہونے پر اس نے اور اس کے بڑے بڑے سرداروں نے قسم کھائی تھی کہ وہ سلطان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائیں گے لیکن آزادی کے دوسرے ہی دن سے اس نے سلطان کے خلاف فوجیں اکٹھا کرنا شروع کر دیں تھیں۔

اس کے مقابلہ پر مارکوئیس آف مانسٹریٹ یوں اہمیت کا حامل تھا کہ قطع نظر اس کے کہ اس نے سلیبیوں کا نہ صرف بھرپور ساتھ دیا تھا بلکہ اس جنگ میں اپنے ہاتھ پیروں سے شریک رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے چالاک ذہن نے شاہ فلپ آگسٹس آف فرانس کا تعاون بھی حاصل کر لیا تھا۔ شاہ فلپ آف فرانس مارکوئیس کونریڈ کی اس قدر بات مانتا تھا کہ جب یروشلم کے اسقف پطرس نے مارکوئیس کونریڈ آف مانسٹریٹ اور ازابیل کے عقد کو ناجائز قرار دیا تھا تو مارکوئیس کونریڈ نے شاہ فرانس ہی کے مشورہ سے صور کے اسقف سے اس شادی کی تصدیق کا اعلان کر دیا تھا۔

اب یہ مجلس مشاورت اس لئے منعقد ہوئی تھی کہ مارکوئیس اور گائی میں سے کسی

ایک کے لئے یہ فیصلہ کرے کہ اگر (میرے منہ میں خاک) بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر نصرانیوں کے پاس آگیا تو اس ملک یروشلم کا بادشاہ کون ہو گا۔

اس مجلس میں شاہ فلپ آرگسٹس بھی شریک تھا۔ اس کا لباس سیاہ تھا۔ فلپ جوان تھا مگر اس کے چہرے سے تفکر ظاہر ہوتا تھا۔ عکہ کی فتح میں اس کا نام بھی تھا مگر اس ایک شہر ایک قلعہ پر جو عظیم اور خوفناک جنگ ہوئی تھی اس کے تصور ہی سے فلپ کا منہ دھواں دھواں ہو جاتا تھا۔ فرانس میں وہ چھوٹی چھوٹی جنگوں میں شریک ہوا تھا لیکن فرانس کی ایک جنگ میں مجموعی طور پر جس قدر لوگ ہلاک ہوئے تھے اس سے کہیں زیادہ لشکر عکہ کی ایک دن کی لڑائی میں موت کے گھاٹ اتر جاتے تھے۔ کیا یہ فکر کی بات نہ تھی۔

شاہ فرانس فلپ آگسٹس کے سامنے لمبے بازوؤں والا شاہ رچرڈ تھا جس نے مرغ رنگ کی قمیص اور شکاری ٹوپی پہن رکھی تھا۔ شاہ رچرڈ کی لمبی تلوار چاندی کے غلاف میں کمر سے لٹک رہی تھی۔ وہ یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے اس طرح مجالس اور محافل سے کوئی علاقہ نہیں لیکن جب وہ نظریں اٹھاتا تو اس کی آنکھوں میں عقاب جیسی گہرائی اور چمک تھی۔ شاہ فرانس کی طرح شاہ رچرڈ بھی اپنے امیدوار یعنی گائی لو سگناں کو ہر صورت میں اور ہر قیمت پر متوقع یروشلم کی بادشاہت دلانے پر بضد نظر آتا تھا۔

ایونز آف فلانڈرز نے مقدمہ پیش کیا۔

"یروشلم کے تخت و تاج کا اعزاز ملکہ سبل نے اپنے شوہر کو عطا کیا تھا لیکن ملکہ کا انتقال ہو گیا ہے اس لئے گائی لو سگناں بھی یروشلم کے تخت و تاج سے محروم ہو گئے ہیں مگر وہ اس حق کو چھوڑنے پر کسی صورت تیار نہیں۔ دوسری طرف مرحوم ملکہ سبل کی بہن ازابیل ہے جس نے ماکوئیس کونریڈ آف بانسٹریٹ سے شادی کی ہے۔ ملکہ سبل کے بعد یروشلم کا تخت و تاج ازابیل کو منتقل ہو جاتا ہے اور اس کے شوہر مارکوئیس کونریڈ کو یروشلم کا بادشاہ ہونا چاہئے۔ یہ مقدمہ مجلس مشاورت کے سامنے پیش ہے اور مجلس فیصلہ کرے گی یروشلم (متوقع) کے تخت و تاج کا کون وارث اور بادشاہ ہو گا۔"

شاہ انگلستان کے ساتھ اول آف میسٹر' ہنری کاؤنٹ آف شمپین اور سفید چغوں میں ملبوس ٹمپلرس کھڑے تھے اور ان کے ساتھ ہی لوگ خاندان کی تینوں بھائی یعنی شاہ گائی لو سگناں' جنگجو جافرے (جعفرے) اور کانسٹیبل کے عہدے پر فائز المالریک تھا۔

فرانسیسیوں کی طرف سے اہل پیرا کے علاوہ امیر بھی تھے جنہوں نے جھگڑا کھڑا کیا تھا۔ ساتھ ہی چالاک مارکوئیس کونریڈ آف مانسٹریٹ خاموش بیٹھا تھا۔ کونریڈ کے متعلق کئی افواہیں گرم تھیں۔ غرض یہ کہ امراء کی اس مجلس مشاورت میں یروشلم کے تنازعے پر

خوب لے دے ہوئی۔

شاہ فلپ آگسٹس نے مارکوئیس کونریڈ کو یروشلم کا بادشاہ تسلیم کر لیا اور اسے مبارک باد بھی دیدی لیکن شاہ انگلستان رچرڈ نے اس کی سخت مخالفت کی اور شاہ فرانس کو مخاطب کر کے کہا۔

"شاہ فرانس کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم فلسطین میں مال غنیمت بانٹنے اور بادشاہتیں تقسیم کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ یروشلم کی مذہبی سلطنت کو مسلمانوں سے چھین کے گائی لو سگنان کو اس کا بادشاہ بنائیں۔"

شاہ فرانس نے رچرڈ کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس نے پر جوش لہجے میں کہا۔

"آج شاہ انگلستان کو اپنا حرمن یاد آ رہا ہے مگر انہیں یہ حرمن اس وقت کیوں نہیں یاد آیا جب وہ قبرص کو تاخت و تاراج کر کے وہاں قبضہ جما کے بیٹھ گئے تھے۔

شاہ انگلستان جواب دینا چاہتا تھا کہ یروشلم کے سابق اسقف ہرکولیس پطرس نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ "شاہ فرانس فلپ آگسٹس' ماکوئیس کونریڈ کی حمایت سے باز آ جائیں کیونکہ کونریڈ اور ازابیل کی شادی ہی غلط اور نامبارک ہے اس لئے ان کے یروشلم کی بادشاہی کے امیدوار ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔"

"اے یروشلم کے اسقف۔" شاہ فرانس نے نرم لہجے میں کہا۔ "کیا آپ وضاحت فرمائیں گے کہ مارکوئیس کونریڈ اور ازابیلا کی شادی کس لئے غلط اور نامبارک ہے؟"

"اے شاہ فرانس آپ یہ سوال بہت تاخیر سے کر رہے ہیں۔" اسقف پطرس غصہ سے بولا۔ "اگر آپ نے یہ سوال اس وقت کیا ہوتا جب میں نے عکہ کے ساحل پر اترتے ہیں اعلان کیا تھا کہ کونریڈ اور ازابیل کی شادی ناجائز ہے' تو زیادہ بہتر ہوتا۔ آپ نے مجھے وضاحت طلب کرنے کی بجائے صور کے اسقف سے اس شادی کو جائز قرار دینے کا اعلان کرا دیا۔ مگر خیر میں اس وقت بھی اس کی وضاحت کے لئے تیار ہوں۔ آپ لوگ دل تھام کر میری بات سنئے اس کے بعد کوئی فیصلہ کیجئے گا۔"

اسقف پطرس نے کہنا شروع کیا۔

"مارکوئیس کونریڈ آف مانسٹریٹ ایک ایسے شاطر اور چالاک جوان ہیں جو بہت جلدی جلدی اپنے ٹھکانے بدلتے ہیں اور جہاں اور جس ملک میں تشریف لے جاتے ہیں وہاں ایک عدد شادی ضرور فرماتے ہیں۔ اس شہزادے نے پہلی شادی مانسٹریٹ کی ایک نابالغ رئیس زادی سے رچائی مگر چند ہی دنوں میں بیوی سے جی بھر گیا اور اسے چھوڑ چھاڑ کر جہاز پر سوار ہوئے اور اپنا بیڑا لے کر اطالیہ سے چل پڑے۔ بیچاری بیوی کو کئی دن بعد

ہ چلا کہ اس کے شوہر نامدار چپ چاپ وہاں سے نکل گئے ہیں اور لوگوں میں مشہور کر ئیے ہیں کہ وہ جنگ مقدس میں حصہ لینے فلسطین جا رہے ہیں۔ ان کی بیوی اب تک ان کی اپسی کا انتظار کر رہی ہے۔ اب فرمائیے کیا ایک شخص کی دوسری شادی ہو سکتی ہے جس ی ایک بیوی زندہ سلامت ہو اور اپنے ملک میں بیٹھی اس کی جان کو رو رہی ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔" شاہ انگلستان کے ساتھ بیٹھنے والے نوابوں نے شور مچایا۔

اسقف نے زور دے کے کہا۔

اگر ماکوئیس کونریڈ انکار کرنے کی کوشش کریں تو میں ان کی دوسری شادی کا حال بیان روں؟"

"کیا مارکوئیس نے دوسری شادی بھی کی ہے۔" کسی طرف سے آواز آئی۔ "مہربانی فرما ر اس شادی کا حال بھی بیان فرمائیں گے۔"

اسقف نے مزے لے لے کے بیان کیا۔

مارکوئیس کونریڈ ایک بیوی کو اطالیہ میں چھوڑ کے بھاگے تو قسطنطنیہ میں آ کے دم لیا۔ ن کے ساتھ ایک بحری بیڑا بھی تھا اس لئے بازنطینی شہنشاہ ان کے ساتھ بہت محبت سے ں آیا اور انہیں شاہی مہمان کی حیثیت سے محل میں جگہ دی۔ وہاں مارکوئیس کونریڈ نے گل کھلایا کہ اپنے آپ کو کنوارا ظاہر کیا اور شہنشاہ کی کنواری بہن سے محبت کے پینگ ھانا شروع کر دیئے۔ بھولی شہزادی ان کے فریب میں آ گئی۔ شہنشاہ کو معلوم ہوا تو انہوں ے یہ سمجھتے ہوئے جوان اور کنوارا ہے اپنی بہن کی شادی ان سے کر دی۔ مگر اس دوسری ی کا حال بھی پہلی جیسا ہوا۔ وہاں مارکوئیس کونریڈ نے یہ چال چلی کہ شہنشاہ سے کہا کہ بیت المقدس کی جنگ میں حصہ لینے جا رہا ہے اس لئے بیوی کو ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ پسی پر بیوی کو ساتھ انطاکیہ لے جائے گا۔ اس طرح اس طرح یہ حضرت دو شادیاں کرنے ے بعد کنوارے بن کے صور میں داخل ہوئے اور اب ازابیل سے تیسری شادی رچائی ہ جبکہ ان کی دو بیویاں پہلے ہی موجود ہیں۔"؟

شرم۔ شرم کی آوازیں ہر طرف سے بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ نصرانیوں (عیسائیوں) ، ایک بیوی کی موجودگی میں کوئی شوہر دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ ان میں مذہبی اور ونی دونوں طرح سے دوسری شادی ممنوع ہے۔

ازابیل کا سر شرم سے جھکا ہوا تھا۔ مجلس کے تمام حاضرین کی نظریں اس پر اور اس ، شوہر مارکوئیس کونریڈ پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ مارکوئیس پر جو الزامات ئے گئے ہیں ان کا وہ جواب دینے کے بعد معافی کا طلبگار ہو گا۔ ہو سکتا تھا کہ مارکوئیس

کی فوجی خدمات کے پیش نظر اسے معاف کر دیا جاتا لیکن ڈھیٹ اور بے غیرت مارکوئیس نے اپنی صفائی پیش کرنے کی اجازت چاہی۔

مجلس مشاورت نے اسے صفائی کی اجازت دی تو اس نے کہا۔

"مجھ پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ ایک ایسے شخص نے لگائے ہیں جس کی اہل فلسطین اور صلیبی لشکر بھی عزت کرتا ہے۔ میں خود بھی سابق اسقف یروشلم ہرکولیس پطرس کی دل سے عزت کرتا ہوں۔ میں ان کی باتیں اور الزامات رد کرنے کا گنہگار نہیں ہونا چاہتا۔ اس لئے میں صرف اپنی صفائی پیش کروں گا۔"

مارکوئیس نے ذرا رک کے کہا۔

"یہ درست ہے کہ میں نے مانسسٹریٹ کے ایک رئیس کی بیٹی سے شادی کی تھی لیکن بد قسمتی سے میرے اور اس کے مزاج میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکی اور ہم دونوں کو مجبوراً الگ ہونا پڑا۔ رہا میری دوسری شادی کا سوال۔ اس کے لئے میں یہ کہوں گا جس وقت میں بازنطینی شہنشاہ کے پاس قسطنطنیہ پہنچا اور میں نے شہنشاہ پر زور دیا کہ انہیں بھی دوسرے نصرانی بادشاہوں کی طرف اس مقدس جنگ میں حصہ لینا چاہئے تو وہ میری باتوں سے بہت متاثر ہوئے۔ ان دنوں شہنشاہ کی طبیعت ناساز تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر میری طبیعت خراب نہ ہوتی تو میں تمہارے ساتھ ہی فلسطین چلتا مگر اس وقت میرا جانا ممکن نہیں۔ ہفتہ عشرہ میں میں ٹھیک ہو جاؤں گا اور تم سے فلسطین میں آملوں گا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں فلسطین روانہ ہو گیا تو بازنطینی شہنشاہ قسطنطنیہ سے قدم بھی نہ نکالیں گے اس لئے میں نے قسطنطنیہ میں چند دن قیام کی خواہش کی۔"

"شہنشاہ مجھ سے انکار نہ کر سکے اور میں ان کے شاہی مہمان خانہ میں رہنے لگا۔ انہی دنوں شہنشاہ نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنی بہن کی شادی کے لئے بہت متفکر ہیں اگر اس کی کسی معقول جگہ شادی ہو جائے تو میں جنگ مقدس میں اطمینان سے حصہ لے سکوں گا۔ میں نے بازیطینی شہزادی کو ایک دو بار دیکھا تھا اور وہ مجھے ہر طرح سے معقول معلوم ہوئی تھی۔ اس لئے شہنشاہ کی تحریک پر میں نے بازنطینی شہزادی سے شادی کر لی۔ اس کے ساتھ ہی شہنشاہ نے اپنا رخ بدل لیا اور مجھ سے صاف کہہ دیا کہ وہ اس صلیبی جنگ میں حصہ لینے فلسطین نہیں جا سکتے کیونکہ اس کی سلطنت کے حالات کچھ زیادہ اطمینان بخش نہیں۔

"شہنشاہ کے اس انکار پر مجھے بہت غصہ آیا حالانکہ انہوں نے مجھ سے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اگر ان کی بہن کی شادی ہو جائے تو وہ میرے ساتھ فلسطین چلیں گے۔ اسی غصہ میں میں نے بازنطینی شہزادی کو طلاق دیدی اور قسطنطنیہ سے ارض فلسطین پہنچ گیا۔ چلنے سے

پہلے میں نے قسطنطنیہ کے اسقف کو بھی اطلاع دیدی تھی۔"

اس موقعہ پر یروشلم کے اسقف ہرکولیس پطرس نے پھر دخل دیا۔

"معزز حاضرین مجلس" اسقف نے کہا۔"اگر مارکوئیس کونریڈ کو میرے لگائے ہوئے الزامات سے انکار ہے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قسطنطنیہ اور اطالیہ کے مرکزی کلیساؤں سے یہ دریافت کیا جائے کہ آیا مارکوئیس کونریڈ نے شہنشاہ بازنطین کی بہن اور مانسسٹریٹ کی رئیس زادی سے جو شادیاں کی تھیں۔ ان کی تنسیخ کلیسا کے رجسٹروں میں درج ہے کہ نہیں۔"

اس وقت مارکوئیس کونریڈ کو کوئی بہانہ نہ سوجھا اور وہ چپ کھڑا رہا۔ شاید اس نے یہ سوچا کہ اگر بات آگے بڑھی تو اسے ازابیل جیسی حسین عورت سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔ مگر اسقف جواب کا منتظر تھا۔ اس کی زندگی میں پہلی بار کسی سے اسے جھٹلانے کی کوشش کی تھی۔

جب کسی طرف سے جواب نہ آیا تو اسقف پطرس دوبارہ گرجا۔"معزز حاضرین۔ میں یعنی یروشلم کی پاک سرزمین کا اسقف ہرکولیس پطرس یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اس پر دروغ گوئی (جھوٹ) کا الزام لگائے۔ اس لئے میں شاہ فرانس فلپ آگسٹس سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے چند آدمیوں کو قسطنطنیہ اور مانسسٹریٹ روانہ فرمائیں تاکہ حقیقت معلوم ہو سکے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے۔"

شاہ فرانس فلپ آگسٹس جس کی پوزیشن اس مقدمہ کی وجہ سے گری جا رہی تھی اور وہ پہلے ہی سے اپنی سبکی محسوس کر رہا تھا۔ وہ جلدی سے بولا۔

"اے یروشلم کی پاک سرزمین کے پاک باطن اسقف۔ مجھ پر خداوند یسوع مسیح کی مار پڑے اگر میں کسی اسقف کے بارے میں جھوٹ بولنے کا تصور بھی کر سکوں۔ میں اپنا دعویٰ واپس لیتے ہوئے مجلس سے درخواست کروں گا کہ وہ فیصلہ کرتے وقت مارکوئیس کونریڈ کی ان خدمات کی ضرور خیال رکھے جو اس نے قلعہ صور کو سلطان سے بچانے اور عکہ پر قبضہ کے سلسلے میں انجام دی ہیں۔"

شاہ انگلستان نے اپنی بات رکھنے کے لئے کہا۔"محترم اسقف۔ قسطنطنیہ اور مانسسٹریٹ سے شہادت منگانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ساتھ قبرص کی شہزادی آئی ہے اور اس نے مجھ سے وہ تمام حالات بیان کئے ہیں جن کا اظہار معزز اسقف نے اپنے بیان میں کیا ہے۔ اس لئے میں پر زور اپیل کرتا ہوں کہ گائی لو سگنان کو یروشلم کے تخت و تاج پر بحال رکھا جائے۔ ہاں اگر اب بھی شاہ فرانس اپنے دوست مارکوئیس کونریڈ کو یروشلم کا بادشاہ بنانے پر

بضد ہیں تو انہیں اپنی تلواروں کا شمار کر لینا چاہئے۔"

یہ شاہ فرانس فلپ آگسٹس کو ایک طرح کا چیلنج تھا۔ وہ برداشت نہ کر سکا اور جواب دیا۔

"شاہ انگلستان ارض فلسطین کی تمام جنگوں اور کامیابیوں کو اپنے حصے میں ڈال فلسطین اور یروشلم میں بزور شمشیر اپنی مرضی کی حکومت بنانا چاہتے ہیں۔ وہ بھول جاتے کہ یہاں معاملات میں دوسروں کا حصہ اور حق ہے۔"

"ہم نے کسی کا حق نہیں مارا۔" رچرڈ اپنی لانبی آستینیں لہراتا ہوا بولا۔ "مسلمان ج قیدیوں کو ہم نے نصف نصف کی نسبت سے تقسیم کیا۔ تمام مال غنیمت' اسلحہ اور سا رسد میں یہی نسبت رہی۔ ہم پر کسی کا حق مارنے کا الزام کیسے لگایا جا سکتا ہے؟؟"

شاہ فلپ آگسٹس جواب کے لئے کھڑا ہوا تو اس کے پیر کپکپا رہے تھے۔ اس نے غ سے لرزتی آواز میں کہا۔

"شاہ انگلستان نے ہمارا حق مارا ہے اگر وہ انصاف پسند ہوتے تو قبرص کے آدھے عل پر میرا حق تسلیم کرتے۔ میں بھی انہی کی طرح اپنا ملک چھوڑ کر اس مقدس جنگ کے آیا ہوں۔"

شاہ فرانس کا یہ حملہ بڑا زبردست تھا۔ قبرص واقعی مال غنیمت میں تھا اور اس پر ق تیسری صلیبی جنگ کے سلسلے میں ہوا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ قبرص کو انگلستان کی بحریہ نے کیا تھا لیکن اس پر دوسرے صلیبیوں کا بھی حق تھا۔

مگر اس مشکل سوال کو شاہ رچرڈ نے چٹکیوں میں حل کر دیا۔ رچرڈ نے تیسری صلی جنگ میں پہلی اور آخری بار اپنی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔

رچرڈ نے گرجدار آواز میں کہا۔ "شیر اگرچہ جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے لیکن وہ ا مارے ہوئے شکار سے دوسروں کو بھی حصہ دیتا ہے۔ ہم اعلان کرتے ہیں جزیرہ قبرص نصف حصہ تاج فرانس میں شامل کیا جائے۔ شاہ فرانس جزیرہ کو شمالاً جنوباً یا شرقاً غرباً طرح چاہیں تقسیم کر کے اپنے حصہ پر قبضہ کر سکتے ہیں۔"

رچرڈ کے اس جواب نے شاہ فرانس اور اسکے ہمدردوں کا منہ پھیر دیا۔

اور آخر مجلس مشاورت نے یروشلم کے متوقع بادشاہ کا فیصلہ کر دیا۔ طے ہوا کہ:۔

نمبر1:۔ گائی لو سگنان تا حیات یروشلم کی متوقع سلطنت کا بادشاہ رہے گا۔

نمبر2:۔ گائی لو سگنان کے بعد یروشلم کا بادشاہ مارکوئیس کونریڈ یا اس کا بیٹا ہو گا۔

نمبر3:۔ اگر کونریڈ' گائی لو سگنان سے پہلے انتقال کر جائے تو پھر شاہ انگلستان کو اختیار ہ

وہ جیسے چاہے سلطنت یروشلم کا فیصلہ کرے بشرطیکہ شاہ انگلستان اس وقت مشرق وسطیٰ موجود ہو۔

اس فیصلہ سے سب کے آنسو پچھ گئے مگر شاہ فرانس کا اس پر شدید ردعمل ہوا۔ مجلس رت کے اختتام پر شاہ فرانس فلپ آگسٹس نے اپنے فیصلہ کا اعلان کیا۔ ایک تو رچرڈ سخت اور توہین آمیز رویہ سے وہ سخت دل برداشتہ تھا دوم فرانس میں ڈیوک آف رز کی موت واقع ہو گئی تھی اور شاہ فرانس کے اقتدار کے لئے راستہ صاف ہو گیا تھا۔ بلد سے جلد فرانس واپس جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے بیماری کا بہانہ کیا۔ کچھ تو وہ واقعی تھا اور کچھ اس نے بیماروں جیسی صورت بنالی اور فرانس جانے کا اعلان کر دیا۔

شاہ فرانس ان دنوں قلعہ صور میں مارکوئیس کونریڈ کا مہمان تھا اور وہیں آرام کر رہا فرانسیسی لشکر نے اس فیصلہ کا بہت برا منایا۔ چند سرداروں نے فلپ آگسٹس سے ت کر کے اسے جنگ کے اختتام تک فلسطین میں رہنے کی درخواست کی لیکن فلپ نے رادہ تبدیل نہیں کیا۔ شاہ فرانس کی عجلت کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنے چھپے اور کھلے دشمن رچرڈ (شاہ انگلستان) سے دو تیز رفتار جہاز مانگے جو اسے جلد از جلد فرانس پہنچا

شاہ انگلستان نے فلپ آگسٹس کو جہاز مہیا کر دیئے۔ وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ فلپ ن سے ہٹ جائے تاکہ اسے صلیبی جنگ کا قائد تسلیم کر لیا جائے۔ رچرڈ کو فلپ ں کے جانے سے یہ فائدہ تو ہوا مگر اسے یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں فلپ آگسٹس فرانس کے انگلستان پر حملہ نہ کر دے یا اس کے حلیفوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ ے۔ اس خطرے کے پیش نظر رچرڈ نے فلپ سے ازسرنو حلف اٹھوایا کہ وہ رچرڈ کی نہ ستان سے جنگ چھیڑے گا اور نہ انگلستان کے حلیفوں سے چھیڑ خانی کرے گا۔

لپ آگسٹس نے یہ حلف اٹھا لیا مگر مشہور مقولہ کے مطابق کہ جنگ اور محبت میں ہر جائز ہے۔ ابھی دو سال ہی گزرے تھے فلپ نے اس حلف نامہ کی دھجیاں بکھیر دیں اور ان سے جنگ چھیڑ دی۔ دراصل انگلستان اور فرانس کی سلطنتیں ایک ہی خاندان کے کے پاس تھیں اور ان دونوں میں اتفاق پیدا کرنے کے لئے شاہی اور عوامی سطح پر ن اور فرانس والے آپس میں بے دھڑک شادیاں کرتے تھے۔

شاہ رچرڈ اور فلپ آگسٹس آپس میں سوتیلے بھائی تھے۔ اس لئے کہ رچرڈ کی ملکہ پہلے شاہ فرانس کی ملکہ تھی پھر جب شاہ فرانس نے اسے طلاق دیدی تو اس نے ن نے اس شخص سے شادی کر لی جو بعد میں انگلستان کا بادشاہ ہوا۔ رچرڈ اسی بادشاہ

ا۔یلینور کے بطن سے بیٹا تھا۔

اسی طرح شاہ فرانس نے دوسری شادی کی تو اس سے فلپ آگسٹس پیدا ہوا۔ اس طر
رچرڈ کا سوتیلا باپ اس کی ماں کا پہلا شوہر تھا اور رچرڈ کی ماں فلپ آگسٹس کی سوتیلی ما
تھی۔ شاہ فلپ کے واپس جانے کے بعد شاہ رچرڈ صلیبی فوجوں کا واحد قائد تھا۔ فرانس کی
بیشتر فوج بھی عکہ میں موجود تھی۔ شاہ فلپ چلتے وقت اپنے بہترین فوجی دستوں کو ڈیوک
آف برگنڈی کے سالاروں میں یہیں چھوڑ گیا تھا۔

یہاں شاہ انگلستان رچرڈ کے کردار کا ہمیں ایک پہلو اور نظر آتا ہے۔ اس نے تی
ہزار کے قریب نہتے یرغمالی مسلمانوں کو برسرعام قتل کرا دیا تھا مگر وہ ایسا ڈھیٹ تھا کہ اس
ہولناک اور قابل ملامت قتل عام کے بعد بھی وہ بڑی بے تکلفی سے سلطان سے بازوں او
خوراک کی فرمائش کرتا ہے۔ کم از کم ہمارے معاشرے میں تو اسے بے تکلفی کے بجا
بے غیرتی کہا جاتا ہے اس طرف سلطان کی اعلیٰ ظرفی کا یہ حال تھا کہ وہ رچرڈ کی فرمائشیں
پوری کر دیتا تھا۔

ایک انگریز مصنف والٹر اسکاٹ نے تو اپنے ایک ناول میں یہاں تک لکھ دیا کہ خو
سلطان صلاح الدین' شاہ رچرڈ کی بیماری کے زمانہ میں حکیم کا بھیس بدل کر گیا تھا اور اس
علاج کرتا رہا تھا۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں سلطان کو بدنام کرنے اور اسے بزد
ثابت کرنے کے لئے اسکاٹ نے اپنے ناولوں میں لکھی ہیں۔

والٹر اسکاٹ کا ذکر آ گیا ہے تو اس کی اور اس جیسے افسانہ طرازوں کا تھوڑا سا ذکر
جائے۔ کیونکہ اس سے انگریز قوم اور اس کی ذہنی پستی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح
ایک ناول نگار کا ایک ناول اتفاقاً میرے ہاتھ لگ گیا۔ اس ناول کو پڑھ کے مجھے بہت ہن
آئی۔ اس لئے کہ اس ناول نگار نے اپنے تخیل کے زور پر رچرڈ کی والدہ محترمہ کے سا
سلطان صلاح الدین کا ایک عظیم عشق کا افسانہ تراشا ہے۔

مگر قابل ناول نگار یہ افسانہ تراشتے وقت زماں و مکاں کی پابندیوں سے بالکل آزاد
گیا۔ اس نے یہ لکھ کہ جب ملکہ ا۔یلینور شاہ فرانس کی بیوی تھی تو وہ شاہ فرانس کے سا
دوسری صلیبی جنگ میں شام کے علاقہ میں آئی ہوئی تھی۔ اس وقت صلاح الدین مسلمانو
کی طرف سے جاسوسی کرنے فرانسیسی لشکر میں گیا تھا۔ وہیں کہیں ملکہ ا۔یلینور اور صلا
الدین کی ملاقات ہوئی دونوں ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے پھر ان کی کتنی ہی محبت بھر
ملاقاتیں ہوئیں۔ ملکہ ا۔یلینور' صلاح الدین کو اپنے ساتھ اپنے خیمہ میں لے گئی۔ اس
بعد شاہ فرانس کو اپنی ملکہ کے کردار پر شبہ ہو گیا اور وہ صلیبی جنگ چھوڑ کے معہ م

لینور کے فرانس واپس چلا گیا۔

فرانس پہنچ کے شاہ فرانس نے اپنی ملکہ پر بدچلنی کا الزام لگا کر طلاق دیدی۔ اس کے
ملکہ ا۔یلینور نے شاہ انگلستان سے شادی کی تھی جس کے بطن سے شاہ رچرڈ پیدا ہوا
۔ لطف کی بات یہ ہے کہ شاہ فرانس لوئی ملکہ ا۔یلینور کے ساتھ سنہ 1149 عیسوی میں
ہی جنگ پر آیا تھا۔ صلاح الدین کی پیدائش سنہ 1138 عیسوی میں قلعہ تکریت میں
ی تھی اس طرح سنہ 1149 میں صلاح الدین کی عمر گیارہ سال تھی جس کے عشق کا
انہ فرانسیسی افسانہ طراز اور ایک نظم نگار نے بھی لکھ مارا ہے۔ اگر موقع ملا تو میں
ئین کی دلچسپی کے لئے یہ افسانہ یا اس کا اختصار ضرور پیش کروں گا۔

سلطان صلاح الدین ایک نیک مزاج' رحمدل اور انصاف پسند انسان تھا۔ اس کے رچرڈ
بیماری کے زمانہ اسے پھل اور مشروب وغیرہ ضرور بھیجے تھے۔ جنگ کے دوران ایک بار
، رچرڈ کا گھوڑا زخمی ہو کر گر گیا تو سلطان نے اپنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے
ڈ کے پاس دو گھوڑے سواری کے لئے بھیج دیئے تھے۔

شاہ رچرڈ کی آخری وقت تک یہ آرزو پوری نہ ہو سکی کہ سلطان اس سے ملاقات
ے۔ اس نے دو مرتبہ اپنے قاصد کے ذریعے سلطان سے ملاقات کی درخواست کی لیکن
ن نے ملاقات سے انکار کر دیا تھا۔

مسلمانوں میں سقوط عکہ سے بڑا ہیجان پیدا ہوا تھا۔ اس کے بعد صلیبیوں کے قائد شاہ
ان نے تین ہزار مسلمان یرغمالیوں کو قتل کرا دیا تو اس ہیجان میں اور اضافہ ہو گیا۔ پھر
ا طرف سے جنگی تیاریوں میں اضافہ ہو گیا۔ شاہ فرانس فلپ آگسٹس واپس جا چکا تھا۔
رانس کی وجہ سے مارکوئیس کونریڈ کو بڑا سہارا تھا۔ اس کے جانے کے بعد مارکوئیس
ر نے عکہ میں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنے بہترین دستوں کے ساتھ صور واپس
۔

ب فرنگیوں نے جس کا قائد شاہ رچرڈ ہو گیا تھا۔ انہوں نے عکہ سے قدم نکالے اور
ن فتح کرنے کے لئے جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کا انداز یہ تھا کہ بری فوج
کے ساتھ حرکت کر رہی تھی اور بحری فوج سمندر میں ان کے متوازی چل رہی تھی
نوں کے متوازی پہاڑوں کی آڑ میں سلطان صلاح الدین اپنے لشکر کے ساتھ چل رہا

سلطان نے عکہ سے عسقلان تک پورے راستے پر جگہ جگہ اپنے چھاپہ مار دستے مقر کر دیئے تھے کہ فرنگی لشکر ان کے سامنے سے گزرے تو وہ دن اور رات میں ان پر حملہ کر کے انہیں پریشان کرتے اور نقصان کرتے رہیں۔ ان دستوں پر سلطان نے اپنے افضل سیف الدین ایوبی کو زکوش اور عزالدین خردیک وغیرہ کو سردار مقرر کیا تھا۔ پس جب رچرڈ اپنا لشکر لے کر روانہ ہوا تو ان چھاپہ مار دستوں نے انہیں تنگ کرنا شروع کر دیا۔ یہ دستے اچانک حملہ کر کے یا تو فرنگی لشکریوں کو قتل کر دیتے یا گرفتار کر لیتے تھے۔

شاہ رچرڈ اپنی فرنگی فوج کے ساتھ لڑتا بھڑتا آخر یافا پہنچ گیا۔ فرنگیوں نے اس جگہ قیا کیا۔ رچرڈ کی باقی فوج بھی عکہ سے آ گئی۔ سلطان کی فوجیں بھی ان کے سامنے پڑاؤ ڈا ہوئے تھیں۔ یافا میں کچھ دن قیام کے بعد فرنگی فوجیں قیساریہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ مسلمان فوجیں بھی ان کے تعاقب میں روانہ ہوئیں۔ ان کے جو فرنگی ہاتھ آ جاتا اسے قت کر دیتے۔ قیساریہ پہنچ کے دونوں فوجوں میں ایک جھڑپ ہوئی۔ فرنگیوں نے مقابلہ کیا مگ ان کا نقصان زیادہ ہوا۔ مسلمانوں نے رات کو شب خون مارا اور فرنگیوں کا زبردست نقصا ہوا۔

دوسرے دن فرنگی اوسوف پہنچے۔ راستہ بہت تنگ تھا۔ مسلمان ان سے پہلے اوسوف پہنچ چکے تھے۔ فرنگیوں کے پہنچتے ہی مسلمانوں نے ان پر زبردست حملہ کیا اور انہیں سمن کی طرف دھکیل دیا۔ مگر فرنگیوں نے پلٹ کر حملہ کیا۔ سمندر میں چلنے والے جہازوں قلب کی طرف پسپا کر دیا۔ قلب میں خود سلطان موجود تھا اس کے پسپا ہوتی فوج کو کم دے کر فرنگیوں کے حملہ کو روک دیا۔

فرنگی وہاں سے یافا واپس آئے۔ یافا خالی تھا۔ انہوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ دوسر سلطان صلاح الدین اپنے لشکر کے ساتھ رملہ پہنچا۔ وہاں اس نے فوجی سامان جنگ اکٹھا اور فرنگیوں پر ایک بھرپور حملہ کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں سلطان نے ایک مجلس شور منعقد کی۔

سلطان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں عسقلان پہنچ کر مورچے قائم کرنا چاہئیں اور وہاں فرنگیوں مقابلہ کریں گے۔"

سلطان کے ایک سردار نے کہا۔ "اگر یہ سلطان کا حکم ہے تو ہم اس پر عمل کرنے لئے تیار ہیں۔"

طان نے جواب دیا۔ "اگر ہمیں حکم دینا ہوتا تو مجلس مشورت کیوں منعقد کر-

نے صرف اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔"

اسی سردار نے جواب دیا۔ "سلطان عالی مقام۔ عسقلان کا محل وقوع' عکہ سے کچھ مختلف نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم عسقلان پہنچ کر عکہ کی طرح گھیرے میں آ جائیں۔"

ایک دوسرے سردار نے کہا۔ "سلطان معظم۔ عکہ اور عسقلان میں بہت فرق ہے۔ میں ہمارے فوجیوں کی تعداد چار ساڑھے چار ہزار سے زیادہ تھے اور فرنگیوں کی تعداد بڑھتے تین لاکھ سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ عسقلان میں ہم گھیرے میں نہیں آ سکیں ہمارے ساتھ ایک بڑا لشکر ہے اور ہم ایک طویل عرصہ تک جنگ کر سکتے ہیں۔"

پہلے سردار نے جواب دیا۔ "ایسی طویل جنگ سے کیا فائدہ کہ بعد میں ہم محصور ہو ۔ فرنگیوں کے ساتھ ان کا بحری بیڑہ ہے۔ شکست کی صورت میں وہ اپنے بحری بیڑے محفوظ ہو کے بیٹھ سکتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ اگر ہم شکست کھا گئے اور انہوں نے ان پر قبضہ کر لیا تو انہیں ہمارا بے انتہا سامان جنگ مل جائے گا اور ان کی طاقت میں ہو گا۔"

سلطان بڑی توجہ سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

"عسقلان میں خطرہ موجود ہے۔ ہم عسقلان کو عکہ بننے نہ دیں گے بلکہ ہم عسقلان کو کے برابر کر دیں گے۔"

سلطان نے یہ بات بڑے جوش سے کہی تھی۔ کسی سردار کی سمجھ میں نہ آیا کہ سلطان ارادے ہیں۔ انہوں نے پہلے ایک دوسرے کا منہ دیکھا پھر ان میں سے ایک نے آواز میں کہا۔ "سلطان جو بھی حکم دیں گے ہم اس پر عمل کریں گے لیکن کے کہ سلطان' عسقلان کا کیا حشر کرنا چاہتے ہیں؟"

"میرے بہادر سردارو۔۔۔" سلطان صلاح الدین نے بڑے جوش سے کہا۔ "میدان ں اگرچہ سپاہی لڑتا ہے مگر کامیابی کی صورت میں اس کے سردار کا نام بلند ہوتا ی لئے ہر لشکر میں سردار کو اہمیت دی جاتی ہے اور اس کی رائے پر توجہ سے غور کیا ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ اس وقت عکہ کی طرح عسقلان بھی ہمارے لئے پیدا کر سکتا ہے۔ اسی قسم کی باتیں آپ لوگوں کی طرف سے بھی کہی گئی ہیں۔ اس میں ہم عکہ کا محاصرہ نہیں دہرانا چاہتے لیکن ہم یہ بھی نہیں دیکھ سکتے کہ ہمارے وتے عسقلان پر فرنگیوں کا قبضہ ہو جائے اور وہ بیت المقدس کے محاصرے کے لئے ا فوجی اڈہ قائم کریں۔ اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم عسقلان کی شکل اس ڑ دیں گے کہ اگر فرنگی لشکر وہاں پہنچے تو اسے کھانے کے لئے دانہ اور پینے کے لئے

پانی نہ مل سکے۔ یہی نہیں بلکہ آسمان کی چھت کے نیچے اپنے خیمے نصب کر سکیں۔"

سلطان صلاح الدین میں یہ خوبی تھی کہ وہ اپنے منصوبوں کو آخری وقت تک پر
رکھتا تھا لیکن جب کسی منصوبہ میں فوج کا بھرپور تعاون چاہتا تھا تو اسے بے دھڑک بیان
دیتا تھا مگر اس بیان میں وہ اس قدر پر جوش ہوتا کہ پوری فوج اس کی ہمنوا ہو جاتی۔

چنانچہ سرداروں نے اس کے منصوبے کی تائید کر دی۔ ایک سردار نے کہا۔

"اگر سلطان یہ سمجھتے ہیں کہ عسقلان کسی وقت مشکلات پیدا کر سکتا ہے تو پھر اس
قربانی دے دیجئے۔ سلطان ہم سے زیادہ عقلمند ہیں۔ ہم اس منصوبے کی پوری تائید کر
ہیں۔"

سلطان نے اپنے بیٹے افضل کو مخاطب کیا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ اس کام کی ذمہ داری الملک الافضل کو سونپ دیں۔ کیا خیال
تمہارا افضل؟"

شہزادہ افضل گھبرا گیا۔ عسقلان جیسے اہم اور بڑے شہر کو نیست و نابود کر دینا بڑے
گردے والے کا کام تھا۔ افضل نے ادب سے جواب دیا۔

"سلطان بابا کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میں اپنے میں اتنی طاقت نہیں پاتا کہ عس
پہنچ کر اس کی بربادی کا حکم دوں اور اس تباہی اور بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔"

سلطان کی آنکھوں میں ایک مضمحل سی چمک پیدا ہوئی۔

"نادان افضل۔ یاد رکھو کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ ہم جب
کے لئے نکلے ہیں اس میں تو اپنی سر کی بھی قربانی دینا پڑتی ہے پھر عسقلان کا شہر کیا چیز
شہر انسانوں کے آرام کے لئے کھڑے کئے جاتے ہیں پھر جب یہ شہر انسانوں کا راستہ
لگیں تو انہیں راستے سے ہٹانے کے لئے ان کا سرنیچا کرنا پڑتا ہے۔ اب کسی اور سر
اس کام پر مامور نہیں کروں گا اس لئے کہ وہ بھی اس انداز میں سوچ سکتا ہے جس
نے اظہار کیا۔ لشکر کی سپہ سالاری میں ملک العادل کے سپرد کرتا ہوں اور میں خود ع
جا کر اس کام کو انجام دوں گا۔"

عسقلان کی بربادی بڑی دردناک تھی۔ جنگ میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب
کو اپنے گھر بار خود اپنے ہاتھوں سے تباہ کرنے پڑتے ہیں۔ سلطان اپنے دستوں کے
اٹھارہ شعبان کو عسقلان پہنچا۔ سلطانی لشکر کو دیکھ کر مسلمانوں کو بڑا اطمینان ہوا۔
تباہی اور قتل عام کا حال وہ پہلے ہی سن چکے تھے۔ انہیں عکہ کے سقوط کا غم تھا لیکن
شہر و قلعہ نے صرف ڈھائی سال تک صرف چار ہزار فوجیوں کی مدد سے جس بے جگر

وں صلیبیوں اور ان کی قلعہ نما منجنیقوں، تیر اندازوں اور قدراندازوں کا مقابلہ کیا وہ
خ اسلام کا سنہرا باب بن چکا تھا۔

عسقلان بحر روم کے کنارے ایک تجارتی شہر، ایک کار آمد بندرگاہ اور ایک مضبوط قلعہ
۔ خدانخواستہ اگر عسقلان پر فرنگیوں کا قبضہ ہو جاتا تو اس مضبوط قلعہ سے فرنگیوں کے
چار لاکھ کے لشکر کو باہر نکالنا ناممکن ہو جاتا۔ مسلمان اس قلعہ پر اور جبعہ اور جافا کے
ں پر قبضہ تو کر سکتے تھے لیکن ان پر اپنا قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لئے کہ
نوں کی بحری طاقت ختم ہو چکی تھی جب دشمن کے بحری جہاز ساحل کے ساتھ ساتھ
ہوئے نصرانی لشکر کی حفاظت کر رہے تھے۔

اسی مجبوری نے سلطان کو عسقلان کو برباد کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ سلطان کے حفاظتی
ں پر مشتمل لشکر عسقلان کے باہر خیمہ زن ہوا۔ بندرگاہ کے سلطانی محافظ دستوں کے
سلطان کے ارغوانی خیمہ کے پاس پہنچ گئے۔ معززین شہر بھی سلامی کے لئے حاضر
تھے۔ سلطان اپنے خیمہ میں سرداروں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا۔ مسئلہ در پیش
کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون ڈالے۔ باہر جمع ہونے والے شہر والوں سے کون کہے کہ ہم جو
ے گھروں کے محافظ اور رکھوالے ہیں آج اپنے ہی ہاتھوں سے ان گھروں کو آگ
ئے ہیں۔

لطان صلاح الدین ایوبی ایک دم خیمے کے باہر آیا۔ حاضرین نے سر کو ذرا خم کر کے
کو سلام پیش کیا۔ سلطان نے بغیر کسی تمہید کے مجمع سے سوال کیا۔

اے خوبصورت شہر عسقلان کے دلیر باشندو! تمہارا سلطان جو آج تک تمہاری
کر رہا تھا آج تم سے ایک سوال کرنے آیا ہے اور تمہیں اس کا جواب دینا ہو گا۔"

لطان نے رک کر مجمع پر نظر دوڑائی اور پھر بولا۔۔۔

ہر تعمیر ہوتے ہیں تاکہ عوام میں خوش حالی ہو۔ بندرگاہ بنائے جاتے ہیں تاکہ بیرونی
سے فائدہ اٹھایا جائے، اسی طرح مکانات اور قلعہ بنائے جاتے ہیں تاکہ اس میں
آرام کرو اور جنگ کے موقعہ پر محفوظ رہو۔۔۔"

سل جنگ، دوڑ دھوپ، مختلف آب و ہوا میں رہائش اور نامساعد حالات میں
اڑتالیس گھنٹے مسلسل گھوڑے کی پیٹھ پر سفر۔ اور آتے ہوئے بڑھاپے نے سلطان
اء مضمحل کر دیئے تھے۔ ان کا جگر خراب ہو چکا تھا اور موسمی بخار کے حملے ہوا
تھے۔ شاہی طبیب مجبور ہو کر انہیں آرام کا مشورہ دیتے۔ سلطان خاموشی سے
سنتے مگر اس کے بعد ہی کوئی ایسا سفر درپیش آ جاتا کہ سلطان کو بخار کی حالت میں

گھوڑے کی پیٹھ پر سفر کرنا پڑتا۔

سلطان رک رک کے بول رہا تھا۔ عسقلان والے اب تک سلطان کے ارادے سے واقف نہ تھے۔ سلطان خاموش ہوا تو قاضی شہر نے باادب عرض کیا۔

"سلطان عالی مقام۔ اہل عسقلان آپ کو اپنے درمیاں دیکھ کر کس قدر مسرور ہیں اس کا بیان الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا۔"

"بزرگ محترم۔" سلطان نے کہا۔ "ہمیں نہیں معلوم کہ آپ کون ہیں۔ کاش اہل عسقلان جس طرح ہمارے آنے سے مسرور ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہمارے عسقلان سے واپس جانے پر بھی مسرور رہیں۔"

پھر سلطان نے کچھ عجیب نظروں سے خیمہ کے سامنے جمع ہونے والے لوگوں کو دیکھا۔ قاضی شہر نے جواب میں عرض کیا۔

"اے بادشاہوں کے بادشاہ اور سلطانوں کے سلطان۔ یہ خادم آپ کے شہر عسقلان کا قاضی ہے اور آپ کو رات دن دعائیں دیتا ہے۔ یقین کیجئے کہ اہل شہر کو آپ سے اتنی ہ عقیدت ہے جس کا ذکر میں نے کیا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں اس جنگ کے دوران بھی اہل عسقلان اطمینان کی نیند سوتے ہیں اس لئے کہ ہمارا بادشاہ اور سلطان راتوں کو جاگتا ہے ہمارے لئے جنگ کرتا ہے۔ دوڑتا ہے دھوپتا ہے اور ہمارے بیوی بچے پیر پھیلا کر سو- ہیں۔"

"اے قاضی شہر اچھا ہوا کہ تم میرے مخاطب ہو۔" سلطان نے چونک کے کہا۔ "ا قاضی شہر تم انصاف کی مسند پر بیٹھتے ہو۔ ہم تمہارے سامنے ایک استغاثہ (مقدمہ) پیش کرتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ تم اس کا فوراً انصاف کرو گے؟"

"عالی مقام سلطان۔" قاضی نے سنبھل کے کہا۔ "بلاشبہ خداوندتعالیٰ نے آپ کے توسط سے مجھے انصاف کی مسند پر بیٹھنے کا اعزاز عطا کیا ہے اور میں پورے خلوص ا ایمانداری سے اسے نبھا رہا ہوں۔ سلطان محترم استغاثہ پیش فرمائیں میں فوری انصاف کر گا اس لئے کہ انصاف میں ذرا سی تاخیر بھی ظالم کو فائدہ اور مظلوم کو نقصان پہنچاتی ہے۔"

قاضی شہر خاموش ہوا اور انتظار کرنے لگا کہ سلطان استغاثہ پیش کریں تو وہ انصاف تقاضے پورے کرے۔ لیکن سلطان گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے وہ وقت یاد آیا ج اس نے اپنے بیٹے اور دوسرے سرداروں کو عسقلان کو برباد کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ فیصلہ سن کر گھبرا گئے۔ ان میں سے کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ عسقلان جیسے خوبصورت بارونق شہر، بندرگاہ اور قلعہ کو برباد کرنے کی ہمکاری بھرے۔

"قاضی شہر سلطان کی استغاثہ کا منتظر ہے۔" آخر قاضی نے اس بڑھتے ہوئے سکوت کو

آخر سلطان کو بولنا پڑا۔

"اے قاضی شہر۔ میرا استغاثہ یہ ہے کہ میرے لڑکے کے دائیں ہاتھ میں پھوڑا نکلا اور ں کے پورے ہاتھ میں زہر پھیل گیا۔ جراح نے مجھ سے درخواست کی کہ اگر بچے کی گی بچانا ہے تو زہر زدہ ہاتھ کو کاٹ کر جسم سے الگ کرنے کا حکم دیا جائے ورنہ یہ زہر جسم کو بھی زہر آلودہ کر دے گا۔

"میں نے جراح کو بچے کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا۔ جراح نے ہاتھ کاٹ دیا اور بچے جان بچ گئی۔ اب بچے کی ماں الزام لگا رہی ہے کہ ہم نے اس کے بچے پر ظلم کیا ہے۔ ی محترم۔ فرمایئے آپ کا انصاف اس سلسلہ میں کیا کہتا ہے؟"

قاضی شہر نے چند لمحے سوچنے کے بعد اپنا فیصلہ دیدیا۔

"اے سلطان عالی مقام۔ اللہ عالم غیب ہے اور وہ نیتوں کا حال جانتا ہے لیکن ایک ی اور ایک منصب ایسے معاملات میں صرف اس حدیث کو پیش نظر رکھتا ہے جس کے ہیں:

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

"انماالاعمال بالنیات"

"زیر استغاثہ میں آپ نے بچے کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ یہ بظاہر بڑا ظالمانہ ہے مگر اس کے وقت آپ کے پیش نظر اور آپ کی نیت یہ تھی کہ اس ظالمانہ حکم سے بچے کی بچ سکتی ہے۔ اس لئے آپ پر جرم ثابت نہیں کیونکہ آپ کی نیت نیک تھی۔"

مجمع سے کئی آوازیں قاضی کی تائید میں اٹھیں۔ مگر سلطان مطمئن نظر نہ آتا تھا۔ اس قاضی کو پھر مخاطب کیا۔

"قاضی محترم۔ جہاں تک حدیث مبارک کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ مستند ہے لیکن تم نے ت کا جو اندازہ لگایا وہ غلط بھی ہو سکتا ہے یا پھر ظالم نیت کی غلط تعبیر کر کے جرم سے بچ سکتا ہے۔"

"سلطان معظم۔" قاضی نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "نسیان بشر کی فطرت میں داخل ہے نکہ انسان صرف انسان ہے وہ فرشتہ نہیں ہو سکتا۔"

"درست فرمایا۔ قاضی شہر نے۔" سلطان نے قاضی کی تائید کی۔ "کیا قاضی محترم ت رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کی سند پیش کر سکیں گے؟"

"ضرور۔۔ضرور۔" قاضی چیخ پڑا۔ "سلطان عالی مقام۔ میں اپنے خدا سے دعا کر رہا تھا کہ اے باری تعالیٰ تو میری نیت کو جانتا ہے اس لئے ایسے اسباب پیدا کر کہ میں سلطان اور اہل عسقلان کے سامنے سرخرو ہوں۔ ٹھیک اسی وقت مجھے حیات رسولؐ پاک کا وہ واقعہ یاد آگیا جو اس حدیث کی پوری تشریح کرتا ہے۔ وہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار سرکار دو عالمؐ مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں آیا وہ پسینے میں شرابور تھا۔ اس نے حضورؐ کو بتایا کہ اے رسول خدا آپ پر میرے باپ قربان۔ میں اس وقت فلاں فلاں کنویں کے پاس سے گزر رہا تھا۔ اس کنویں پر قافلے والے اپنے گھوڑوں کو پانی پلانے آتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ مسافر اپنے گھوڑوں کی لگامیں پکڑے دھوپ میں کھڑے ہیں۔ میرے دل میں فوراً خیال آیا کہ اگر کنویں کے پاس گھوڑے باندھنے کے لئے کچھ کھونٹے گاڑ دیئے جائیں تو کم از کم ان کے سوار اپنے گھوڑے باندھ کر کسی سائے میں جا کر بیٹھ سکتے ہیں۔ اس خیال کے تحت میں گھر سے دو کھونٹے لایا اور میں نے کنویں کے قریب گاڑ دیئے۔

حضورؐ مقبول نے اس کے اس فعل کو پسند فرمایا اور یہ بھی کہا کہ اس نے نیکی کا کام کیا ہے جس کا اسے اجر (ثواب) ملے گا۔

دوسرے دن ایک اور شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ اے رسول خدا آپ پر میرے بال بچے قربان۔ میں اس وقت فلاں فلاں کنویں کے پاس سے گزر رہا تھا۔ وہاں قافلے والے اپنے گھوڑوں کو پانی پلانے آتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ کنویں کے قریب دو کھونٹے گڑے ہوئے ہیں۔ ان کا آدھا حصہ اندر اور آدھا باہر ہے۔ مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ اجنبی مسافران کھونٹوں سے ٹکرا کر زخمی ہو سکتے ہیں۔ پس میں نے دونوں کھونٹوں کو اکھڑ کر دور پھینک دیا۔

"حضور نے اس شخص کے اس فعل کو پسند فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اس نے نیکی کا کام کیا ہے اللہ اسے اس کا اجر (ثواب) دے گا۔

حضورؐ کے سامنے بیٹھے ہوئے صحابہ کرام تقریباً وہی تھے جنھوں نے کل اس شخص کی باتیں سنی تھیں جس نے کنویں کے پاس کھونٹے گاڑے تھے۔ حضورؐ نے آج کھونٹے اکھڑ پھینکنے والے شخص کو جواب دیا اس سے صحابہ بہت حیران ہوئے۔

"اس شخص کے جانے کے بعد ایک صحابی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اے سرکار دو عالم میری جان آپ پر قربان۔ کل ایک شخص کنویں کے پاس کھونٹے گاڑ آیا تھا تو آپ نے اس کے کام کو نیکی کہتے ہوئے اس ثواب کی نوید دی تھی اور جب یہ شخص ان کھونٹوں کو

اکھاڑ کر آیا تو آپ نے اس کے کام کو بھی پسند فرمایا اور اسے بھی ثواب کی مژدہ سنایا۔

"حضورؐ نے جواب میں فرمایا کہ تم لوگ اپنے دل میں کسی وسوسہ کو جگہ نہ دو کیونکہ دونوں نے اپنی اپنی نیت کے مطابق کام کئے ہیں۔ پہلے کی نیت یہ تھی کہ اس کے کھونٹے کاڑنے سے مسافروں کو اپنے گھوڑے باندھنے میں آسانی ہو گی۔ یہ نیت نیک تھی اس لئے وہ ثواب کا حقدار ہوا۔ دوسرے نے کھونٹوں کی اس نیت سے اکھاڑ پھینکا کہ مسافر ٹھوکر کھا کر زخمی نہ ہوں۔ اس کی نیت بھی نیک تھی اس لئے وہ بھی ثواب کا حقدار ہوا۔"

"سبحان اللہ قاضی صاحب۔" سلطان نے قاضی کے تفصیلی بیان کی تعریف فرمائی۔

"آپ نے ہماری ایک بڑی مشکل آسان کر دی۔ اب میں آپ کی موجودگی میں اہلیان عسقلان سے ایک زبردست قربانی کا طلبگار ہوں۔ یہ قربانی بالکل اسی طرح کی ہے جس کی مثال میں نے پہلے دی تھی یعنی ایک بیٹے کا ہاتھ زہر آلود ہو گیا ہے اگر اسے جسم سے الگ نہ کیا گیا تو زہر تمام جسم میں پھیل جائے گا اور مریض کی زندگی کی تمام امیدیں ختم ہو جائیں گی۔

"آپ لوگ مجھے اپنا امیر اور سلطان کہتے ہیں۔ آپ کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ میں فرنگیوں سے جنگ میں جو قدم بھی اٹھاؤں گا اس کا مقصد مسلمانوں کا مفاد ہو گا۔ آپ جانتے ہیں کہ پورا دول یورپ ارض فلسطین پر اُمڈ آیا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم اپنے قدیم کعبہ (بیت المقدس) سے جسے ہم نے حال میں نصرانیوں سے واپس لیا ہے۔ اس سے دستبردار ہو جائیں لیکن رب کعبہ کی قسم۔ صلاح الدین اپنی زندگی میں یہ نہیں ہونے دے گا۔ ہم بیت المقدس کی حفاظت کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ مسلمان اپنی جانیں نچھاور کر رہے ہیں خون بہا رہے ہیں۔ طرح طرح کی قربانیاں دے رہے ہیں۔

"اور اے اہلیان عسقلان۔ اب یہ مقدس جنگ تم سے قربانی طلب کر رہی ہے۔ تمہیں بیت المقدس کی حفاظت کی خاطر قربانی دینا ہے۔ تم ہمیں یہاں دیکھ کر خوش ہوئے ہو کہ خطرہ کے وقت عسقلان کو بچانے کے لئے پہنچ گئے لیکن عسقلان کے شہریو اور فوجیو۔ ہم تمہاری حفاظت کو ضرور آئے ہیں اس لئے کہ تمہاری حفاظت ہمارا فرض ہے لیکن تمہاری حفاظت سے زیادہ ہماری ایک ذمہ داری اور بھی ہے اور وہ ذمہ داری ہے بیت المقدس کی حفاظت۔ وہ بیت المقدس جو معراج نبوی کا پہلا زینہ تھی اور وہی بیت المقدس جہاں خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ تشریف لائے تھے اور وہ بیت المقدس جہاں حضرت عیسیٰؑ، موسیٰؑ، یعقوبؑ و سلیمانؑ کے علاوہ اور بہت سے پیغمبروں کے مرقد ہیں۔

"اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہیں بیت المقدس کے لئے کس طرح قربانی دینا ہے۔

اس وقت صلیبیوں کا ریلا جافا تک آگیا ہے۔ یہ صلیبی لشکر ایشیا کے عیسائیوں کا نہیں بلکہ دل یورپ کے تمام ترقی یافتہ ممالک کے لشکر اس میں شامل ہیں۔ شاہ رچرڈ انگلستان سے آیا ہے تو شاہ فلپ آگسٹس فرانس چھوڑ کر اس جنگ میں حصہ لینے آگیا ہے۔ یہ ریلا اور یہ صلیبی لشکر دو تین دن میں عسقلان پہنچ جائے گا۔ ہم عکہ سے جافا تک ان پر برابر حملے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہم عسقلان کو بچا سکتے ہیں لیکن عسقلان کی حفاظت کرنے کی صورت میں ہمیں بیت المقدس کا دفاع کمزور کرنا پڑے گا۔ ہمیں بیت المقدس اور دوسرے اہم مقامات سے فوجیں ہٹا کر عسقلان کی حفاظت کے لئے فوجیں لانا ہوں گی۔

"ان حالات میں ہم بیت المقدس کا دفاع کمزور کر کے عسقلان کو بچا بھی نہیں سکتے اور عسقلان کو بے یارومددگار چھوڑ بھی نہیں سکتے کہ صلیبی ریلا یہاں پہنچ کر عسقلان کی اینٹ سے اینٹ بجا دے اور اہل عسقلان کا قتل عام کیا جائے۔ اسی لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ خود اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے اس خوبصورت پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

"اے اہل عسقلان۔ یہ قربانی تو آپ کو دینا ہی ہو گی کیونکہ عسقلان اب اس زہریلے پھوڑے کے مانند ہو گیا ہے جسے جسم سے اس لئے کاٹا گیا تھا کہ باقی جسم زندہ اور محفوظ رہ سکے۔ اے قاضی شہر آپ اعلان کرا دیجئے کہ تمام لوگ بلغیر رنگ و نسل عسقلان کو فوراً چھوڑ دیں۔ وہ جتنا سامان ساتھ لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ ان کے لئے بہترین پناہ گاہ مصر ہے اور پھر بیت المقدس۔ ہم دونوں مقامات پر یہ پیغام بھیج رہے ہیں کہ عسقلان کے مہاجروں کو وہی تمام مراعات دی جائیں جو مکہ سے مدینہ جانے والے مہاجروں کی دی گئی تھیں۔

"اے بہادر قوم کے بہادر شہریو۔ جاؤ۔ اپنا سامان سمیٹو کیونکہ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ عسقلان کو بنیادوں سے اس طرح اکھاڑ پھینکا جائے گا جیسے یہ شہر کبھی آباد ہی نہ تھا۔"

حاضرین اور سامعین پر اس قدر سناٹا طاری تھا کیسے وہاں ایک متنفس بھی موجود نہ ہو۔ صرف ہلکی ہلکی سسکیوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

سلطان صلاح الدین خاموش ہوا تو قاضی شہر نے نمناک آنکھوں سے کہا۔ "خدا کی قسم۔ عسقلان کا ایک پتھر اکھڑنے کے بجائے میری ساری اولاد مرجاتی لیکن اب کیا کریں۔ یہ امر مجبوری ہے۔۔"

وہاں جمع ہونے والی خواتین کی سسکیاں پہلے ہلکی چیخوں پھر نالہ و فریاد کی صورت اختیار کر گئیں لیکن انہوں نے کوئی فریاد نہ کی اور روتی ہوئی اپنے گھروں کو واپس ہو گئیں۔

صبح کو سلطانی لشکریوں کے ساتھ شہر کے مزدور اور وہ جوان جو سلطانی لشکر میں ملازمت کے لئے آئے تھے یہ سب کے سب عسقلان کے دیدہ زیب شہر کو اس طرح گئے جیسے شہد کی مکھیاں چھتے سے چمٹتی ہیں۔ سلطان صلاح الدین باوجود شدید بخار کے گھوڑے پر سوار صبح سے شام تک عسقلان کی زمین کے برابر ہوتے دیکھتا رہا اور ضروری ہدایات بھی دیتا رہا۔

سلطان نے شہر کو کئی حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ اس کے علاوہ فصیل کو ایک الگ حصہ قرار دے کر سب سے پہلے اس کی میخ کنی کی گئی۔ اہل عسقلان صبح ہونے سے پہلے اپنا ضروری اور ہلکا سامان لے کر شہر سے نکل گئے تھے۔ ان میں زیادہ کا رخ مصر کی جانب تھا اور کچھ لوگ بیت المقدس کی طرف جا رہے تھے۔

اس سلسلہ میں بہاء الدین رقم طراز ہے:۔

سلطان نے یہ ناگوار فریضہ اپنے لشکر کے سپرد کیا اور ان کی مدد کے لئے مزدوروں کی ایک کثیر جمعیت بھی مہیا کی۔

جب مزدور شہر میں داخل ہوئے تو گویا ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ یہ شہر نہایت خوش منظر تھا۔ اس کی فصیل مضبوط تھی اور مکان نہایت خوبصورت تھے۔ لوگوں نے اپنا وہ سامان جو وہ مصر ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے اونے پونے بیچ دیا۔ اس دن ایک درہم کی دس دس مرغیاں فروخت ہوئیں۔ اہل عسقلان اپنے اہل و عیال کو لے کر کیمپ میں آ گئے اور گھر کی باقی ماندہ چیزیں وہیں فروخت کر دیں۔ فوج تھکان سے خستہ تھی۔ سپاہیوں نے وہ رات خیموں میں بسر کی۔ اف خدایا یہ کتنی مصیبت کا وقت تھا۔

صبح ہوتے ہی سلطان نے فصیل کے انہدام کا کام شروع کرا دیا۔ سلطان نے شہر میں موجود غلہ کو مزدوروں میں تقسیم کر دیا۔ مزدوروں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مکانوں کو آگ لگا دی۔ برجوں میں لکڑیاں بھر کر انہیں نذر آتش کر دیا گیا۔

سلطان کی طبیعت دو دن تک اتنی ناساز رہی کہ نہ وہ سواری کر سکتا تھا نہ کچھ کھا پی سکتا تھا۔ سلطان نے اپنا خیمہ فصیل کے قریب منتقل کرا لیا تھا۔ اس نے شتربانوں اور گدھے ہانکنے والوں کی بھی کام پر لگا دیا تھا۔ اس عجلت کی وجہ ظاہر تھی کہ اگر دشمن کو اس کا علم ہو جاتا تو وہ اس سے فائدہ اٹھاتا اور کام میں رخنہ اندازی ہوتی۔

عسقلان کی بربادی کی خبر صلیبیوں کو جافا میں پہنچی تو وہ ہنس دئے۔ رچرڈ نے جافا میں اپنی پہلی کانفرنس میں اعلان کیا۔

"معزز حاضرین۔ ترک عسقلان کو برباد کر رہے ہیں۔ انہیں ہمارے خلاف نبرد آزما ہونے کی جرات نہیں۔ اب ہمیں فوراً اس شہر کو بچانا چاہئے۔"

لیکن جافا سے باہر کوئی نہیں نکلا۔ زیتون کے درختوں پر صلیبیوں کی جھنڈے لہراتے رہے۔ شمال کی خشک ہوا چلتی رہی اور نہر کے شاداب کناروں پر صلیبیوں کے گھوڑے چرتے رہے۔ صلیبی لشکر انجیر' انگور اور بادام کھاتے رہے اور جافا کے محلوں میں آرام کرتے رہے یا پھر ٹولیوں کی صورت میں کشتیوں پر بیٹھ کے عکہ پہنچ گئے ڈھائی سالہ بربادی کے بعد صلیبیوں نے اس پر قبضہ کرتے ہی اسے عشرت کدوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ قرب و جوار ہی نہیں بلکہ پورے یورپ تک سے وہاں خوبصورت عورتیں جمع ہو گئی تھیں۔٦ یہ عورتیں ان عشرت گاہوں میں صلیبی سپاہیوں کی مفت میں دلداری کرتی تھیں۔ ان کے خیال میں یہ کار ثواب تھا۔

جافا میں مقیم صلیبی اس بات پر بحث کرتے تھے کہ انہیں اب کیا کرنا چاہئے۔ آخر یہ طے پایا کہ جافا کی دیواروں کی پہلے مرمت کرنا چاہئے۔

مغربی افسانہ طرازوں نے اوسوف کی جھڑپ کو ایک معرکہ عظیم قرار دیا ہو حالانکہ مورخین اسے جنگ کا نام میں نہیں دیتے اور اس کا ذکر ایک جھڑپ کی طرح کرتے ہیں۔ دراصل انہیں رچرڈ کو شیر دل رچرڈ بنانا تھا اس کے لئے انہوں نے اوسوف کی ایک عام جھڑپ کو ایک خوفناک جنگ بنایا اور اس کی تفصیل بیان کرنے میں کتنے ہی صفحات کالے کر ڈالے ہیں۔ مغرب والوں نے اس جھڑپ کو اس لئے منتخب کیا کہ اس میں رچرڈ کو خود اپنے دفاع کے لئے تلوار اٹھانا پڑی تھی۔

بس رچرڈ کا ہاتھ میں تلوار پکڑنا تھا کہ وہ تیسری صلیبی جنگ کا ہیرو اور "شیر دل رچرڈ" بن گیا۔ آیئے پہلے اس جھڑپ اور بقول مغربی افسانہ طراز معرکہ عظیم کا حال ہیرلڈلیم کی زبان سے سنتے ہیں اگرچہ ہم اس کی پوری تفصیل تو بیان نہیں کر سکتے اس لئے کہ اس کے لئے پندرہ بیس صفحات درکار ہوں۔ چنانچہ ہم اسے اختصار سے کام لیتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔

اوسوف قیساریہ اور عسقلان کے درمیان ایک آبادی تھی جس کا ذکر تاریخوں میں محض مسلمانوں اور عیسائیوں کی اس جھڑپ کی وجہ سے ہوا۔

ہیرلڈلیم اس جنگ کا حال اس طرح بیان کرتا ہے:۔

فوج بڑھتی گئی۔ ساحل سنسان تھا۔ کہیں بھیڑیں چرتی دکھائی دیتی تھیں۔ فضا خاموش تھی اور تپتی ہوئی زمین سے گرد بھی نہ اڑتی تھی۔ خاردار جھاڑیاں جھلس کر سیاہ ہو چکی

ہیں۔ قیصریہ یہ شہر خالی اور خاموش تھی۔ فضا اداس مگر پرسکون تھی۔ ہمارا بیڑا قیصریہ پہنچا ر عکہ سے سامان رسد اور باقی اڑگوں کو لے آیا۔

ایک اور تذکرہ نویس نے لکھا ہے کہ ہماری فوج ننگلوں کے دریا کے کنارے خیمہ زن ئی۔ اسے یہ نام اس لئے دیا گیا تھا کہ ہمارے دو آرمی اس دریا میں نہانے ہوئے مگرمچھوں ے شکار ہو گئے تھے۔ قیصریہ بہت بڑا شہر ہے اور اس کی عالیشان عمارتیں اعلیٰ صناعی کا نہ ہیں ہمارے آقا اور مولا یسوع مسیح اکثر یہاں اپنے حواریں کے پاس آیا کرتے تھے اور ہوں نے یہاں کئی معجزے دکھئے تھے۔ اب ترکوں نے (سلطان کے لشکر نے) شہر پناہ کی ، حصہ اور برج منہدم کر دیئے تھے۔

قیصریہ سے فوج ساحل کی اندرونی جانب ہٹ گئی کیونکہ پہاڑوں کا پر خطر سلسلہ ساحل ، دور چلا گیا تھا۔ سرداروں نے شاداب زمین' جشماں اور کنوؤں سے گزرتی ہوئی راہ یار کی۔

عیسائی فوجیں قیصریہ سے روانہ ہوئیں تو اس کے عقب میں مسلمان رسالہ نمودار ہوا ائی فوج کا ساقہ ان کے حملوں اور تیروں کی بوچھاڑ سے سخت پریشان تھا۔ رچرڈ نے یا ، نے مشیروں نے ایسی ترتیب کی پرجوش دشمن کے حملے کارگر نہ ہوئے۔

عیسائی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جو لشکر پہاڑوں سے قریب اور مسلمانوں ، حملے کی زد میں تھا۔ اس میں صرف صف بند پیدل فوج رکھی گئی تھی۔ اس فوج کے ئی حصہ پر تیرانداز مقرر کئے گئے تھے۔ یہ تیر انداز نمدے کی قمیصیں اور زرہ بکتر پہنے ئے تھے۔ وہ حملہ آوروں پر برابر تیر برساتے رہتے۔ زرہ اور نمدے کی' قمیصوں کی وجہ ، حملہ آور تیران پر کارگر نہ ہوتے تھے۔

تیراندازوں کی قطاروں کے اندر نیزہ بردار اور شمشیرزن سپاہی تھے جو ہر وقت دشمن خلاف ڈٹ کر لڑنے کے لئے کمربستہ رہتے تھے۔ پیادہ فوج کی حفاظتی سپر کے اندر دوسرا ر رواں تھا۔ اس حصہ میں نائٹ اور سوار تھے اور لشکر فوج کی اصل تھا۔ یہ حصہ دشمن یورش اور تیراندازوں سے محفوظ تھا۔ ورنہ رسالوں کی گھوڑوں کا بہت نقصان ہوتا۔

سمندر سے قریب اور مسلمانوں کی دسترس سے دور تیسرا لشکر تھا۔ اس لشکر میں ان' سامان رسد' مال واسباب' مجروحین اور مریض شامل تھا۔ یہ لشکر مزے سے رواں ، تھا۔ بہرکیف تیسرے لشکر کے دستے مقررہ وقت کے بعد باری باری پہلے لشکر کے ں سے تبدیل کر دیئے جاتے تھے تاکہ انہیں آرام مل سکے۔

پہلے دن لڑائی دوپہر تک جاری رہی اور چلچلاتی دھوپ میں فریقین کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

عیسائی فوج ریتلے ٹیلے عبور کر کے ایک تنگ گھاٹی میں جا پہنچی۔ مسلمانوں نے بڑی ہوشیاری سے یہاں کمین گاہیں بنائی ہوئی تھیں۔ انہوں نے عیسائی ہراول دستوں کو گھیرے میں لینے کے لئے کئی پھندے لگائے تھے اور انہیں شاخوں سے چھپا دیا تھا لیکن ٹمپلر مسلمانوں کی چال کو بھانپ گئے۔ انہوں نے اپنی پیش قدمی روک دی اور دریا کے کنارے خیمہ زن ہو گئے۔ وہاں کا پانی اچھا تھا۔ عیسائیوں نے اس دریا کا نام "دریائے مردار" رکھا۔

دوسرے دن ہماری فوج ایک لق و دق میدان سے گزری۔ ساقہ پر ٹمپلر متعین تھے۔ وہ ترکوں کے پیہم حملوں سے سخت پریشان ہوئے۔ ان کے بیشتر گھوڑے مارے گئے۔ شاہ رچرڈ نے ترکوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ لیکن اس معرکے میں اس کے پہلو میں برچھی کا ایک سخت زخم آیا۔ افسوس ہمارے بے شمار گھوڑے دشمن کے نیزوں اور برچھیوں سے زخمی ہوئے۔

ہماری فوج نے نمکین دریا کے قریب کہا۔ جہاں مردہ گھوڑوں کا گوشت خریدنے کے لئے بے پناہ ہجوم ہو گا۔ وہاں اس قدر ہنگامہ ہوا کہ کئی خریدار آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ جب بادشاہ کو اس ہڑ بازی کی خبر ملی تو اس نے نقیب کے ذریعہ ساری فوج میں اعلان کرا دیا کہ جس کا گھوڑا مرا ہے اسے بادشاہ کی طرف سے گھوڑا دیا جائے گا بشرطیکہ وہ اپنے گھوڑے کا گوشت اپنے ماتحتوں یا ضرورت مندوں میں تقسیم کر دے۔

تیسرے دن ہماری فوج نے نمکین دریا سے کوچ کیا اور صف بستہ ہو کر بڑھی۔ اس دن یہ افواہ گرم تھی کہ جنگل میں ترک گھات لگائے بیٹھے ہیں اور موقع پا کر ہمارے ارد گرد جھاڑیوں کو آگ لگا دیں گے لیکن ہماری فوج بڑے نظم و ضبط کے ساتھ مفروضہ کمین گاہوں سے نکل کے کھلے میدان میں آ گئے۔ وہاں جاسوس خبر لائے کہ آگے ترکوں کی بے شمار فوج راستہ روکے پڑی ہے۔

صلاح الدین اور ملک العادل نے یہ میدان جنگ کے لئے منتخب کیا تھا اور دو دن تک سلطانی رسالہ عیسائی سواروں کو پیادوں کے حفاظتی حلقے سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے لیکن بے سود۔ عیسائی سوار کھلے میدان میں لڑنے کے آمادہ ہوئے۔

مسلمان فوج سواروں پر مشتمل تھی اور اسے رسالہ پر کم از کم پانچ گنا عددی فوقیت حاصل تھی (اس سفید جھوٹ کو کیا کہا جائے۔ رچرڈ کے ساتھ تقریباً تین لاکھ کا لشکر تھا۔ فسانہ طراز کے خیال کے مطابق پھر سلطان کی فوج پندرہ لاکھ ہونا چاہئے) مسلمان فوج کا مقصد صلیبی سواروں کے حفاظتی حلقے میں انتشار پیدا کرنا تھا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے صلیبی فوج کو پیادوں کے حفاظتی حلقے سے نکلنے کی بار بار ترغیب دی لیکن عیسائی فوج اپنی جائے پناہ کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوئی۔ اگر وہ اپنی جگہ چھوڑ دیتے تو ترک انہیں میدانی علاقہ میں ذروں کی طرح بکھیر دیتے۔

رچرڈ اس خطرے سے آگاہ تھا۔ اس لئے اس نے تاکید کی تھی کہ خواہ کتنا ہی اشتعال کیوں نہ دلایا جائے وہ ہرگز صف بندی نہ چھوڑیں اور انہیں حملے کے اعلان کا منتظر رہنا چاہئے۔

اس دن فوج گنجان دستوں کے جم غفیر کی صورت میں آہستہ آہستہ آگے بڑھی جیسے کوئی عفریب تیروں اور بھالوں کی ... سے پردا ہو کر آہستہ آہستہ زمین پر رینگ رہا ہو۔ ٹمپلر مقدمتہ الجیش میں تھے۔ ان کے پیچھے برٹنی کا لشکر اور آنجو کا نائٹ تھے۔ برٹنی دراصل فرانس کا ایک صوبہ ہے اور وہاں کے لوگ برٹنی کہلاتے ہیں ان کا برطانیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح آنجو بھی فرانس کا ایک صوبہ تھا۔

ان کے پیچھے گائی لوسگنان کی سرکردگی میں اہل پوشو ... ستے مارچ کر رہے تھے۔ پوشو بھی فرانس کا ایک علاقہ ہے۔ ان کے پیچھے برطانوی اور نارمن سردار شاہی نشان لئے رواں تھے۔ ساری فوج کے عقب میں سیاہ پوش ہاسپٹلر تھے جو ترکوں کی پیہم یورش کا شکار ہوئے۔ شاہ رچرڈ اور ڈیوک آف برگنڈی صفوں کے درمیان میں سے گھوڑے دوڑاتے گزرے اور انھوں نے لشکر کو حوصلہ دیا۔

ڈی ونسوف نامی تذکرہ نگار کا بیان ہے کہ ہماری فوج کے عقب میں ایک شدید گرج سنائی دی۔ گویا دشمن گرزوں سے سرب لگا رہا ہو۔ دشمن ہمارے عقبی دستوں سے یوں الجھ گیا کہ وہ اپنے تیر کمان نہ استعمال کر سکے۔ دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ جب ترکوں کی تلواروں کی ضرب ان کی زرہوں پر پڑتی تو یوں گونج اٹھتی جیسے لوہے کو ہتھوڑے سے کوٹا جا رہا ہو۔ وہ گرمی سے بے حال ہو رہے تھے۔ انھیں دم لینے کی فرصت نہ تھی۔ ہاسپٹلر کی آخری صفیں ترکوں کے حملے کی تاب نہ لا سکیں اور بری طرح کچلی گئیں۔ وہ نہایت حوصلے اور استقلال سے ڈٹے رہے اور بھاری نقصانات اٹھانے کے باوجود انھوں نے اپنی مقررہ پیش قدمی جاری رکھی۔

ترک فخریہ انداز میں نعرے لگاتے ہوئے انھیں للکارتے۔

"ہم فولاد ہیں اور کوئی ضرب ہم پر کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

پھر تقریباً بیس ہزار ترک ہمارے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس خوفناک حملے سے گھبرا کر ارنیرڈی نیپلز جو ہاسپٹلرز کا ایک سردار تھا بے اختیار چلا اٹھا۔

"المدد سینٹ جارج المدد۔ کیا تمہیں گوارہ ہے کہ ہم یونہی روندے جائیں۔"

یہ دیکھ کر ہاسپٹلروں کا قائد ... شاہ رچرڈ کے پاس پہنچا اور عرض کیا۔

"بادشاہ سلامت۔ دشمن نے ہمارا قافیہ تنگ کر دیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہم منہ موڑ کر ازلی بدبختی کا شکار نہ ہو جائیں۔ بے شمار گھوڑے دشمن کے تیروں کا نشانہ ہو چکے ہیں۔ آخر ہم ہی اکیلے دشمن کا حملہ کیوں روکیں؟"

"اچھے نائٹ۔ یہ حملہ آپ ہی کو روکنا ہے پڑے گا۔ کوئی شخص بھی ہر جگہ موجود نہیں ہو سکتا۔" رچرڈ نے اسے جواب دیا۔

جب ہاسپٹلر خاموشی سے واپس ہوا تو کوئی شہزادہ اور کاؤنٹ ایسا نہ تھا جس کا چہرے ندامت اور شرمندگی سے سرخ نہ ہو گیا ہو۔

وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔

"کیوں نہ گھوڑے دوڑا کر دشمن پر حملہ کیا جائے؟"

یہ سنتے ہی دو جوشیلے نائٹ آگے بڑھے۔ وہ مزید تاخیر برداشت نہ کر سکے۔ ان کی عجلت پسندی سے دوبارہ ابتری پھیل گئی۔ وہ گھوڑے اڑاتے ترکوں کی صفوں پر جھپٹے اور دونوں نے اپنے اپنے مد مقابل کو چھید دیا۔ ان میں ایک ہاسپٹلوں کا مارشل تھا اور دوسرا بالڈوں ڈیکرو تھا۔ موخرالذکر بڑا اچھا آدمی تھا اور شاہ رچرڈ کا مصاحب۔

جب عیسائیوں نے ان دو منچلے سرداروں کو یوں بہادری سے دشمن پر جھپٹتے ہوئے دیکھا اور "نیٹ جان مدد" کا نعرہ سنا تو انہوں نے بھی باگیں اٹھائیں اور نہایت جوش و خروش سے دھاوا بول دیا۔ اب ہاسپٹلوں کے بھی حوصلے بڑھے ورنہ دن بھر کی یورش سے ان کی صفوں میں اتنی بھیڑ لگ تھی کہ وہ پریشان تھے۔ تب انہوں نے بھی پیش قدمی کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج کا پچھلا حصہ آگے اور اگلا حصہ پیچھے ہو گیا یعنی ہاسپٹلرز جو عقب میں تھے اب مقدمتہ الجیش بن گئے تھے۔

کاؤنٹ آف شیمپن اپنے منتخب بہادروں کے ساتھ حملے میں پیش پیش تھا۔ جیمز ڈی ایونیز، بشپ آف بولیس اور اول آف لیٹر نے سمندر کی سمت سے یعنی بائیں جانب سے شدید حملہ کیا۔ ترک ہمارے سپاہیوں کو اپنے تیروں سے ٹھیک نشانہ لگانے کے لئے گھوڑوں سے اتر کر پاپیادہ لڑ رہے تھے۔ چنانچہ وہ ہمارے حملے کی تاب نہ لا سکے اور کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ ہمارے سوار انہیں گرا دیتے اور پیادے ان کا کام تمام کر دیتے۔

جب شاہ رچرڈ نے اپنی فوج کی تیز حرکت دیکھی تو وہ بھی ہاسپٹلوں کے درمیان سے اپنا گھوڑا دوڑاتا ترک پیادوں پر جا پڑا۔ رچرڈ اور اس کے سرداروں کی خار اشگاف ضربوں سے ترک پیادے گھبرا گئے اور ان کے لئے راستہ کھلا چھوڑ کر دائیں بائیں بھاگنے لگے۔ زمین کشتوں سے پٹ گئی۔ دوست و دشمن بلا تمیز روندے جا رہے تھے۔ سواروں کے بغیر

ے غول در غول بھاگے جا رہے تھے۔

اف لڑائی ان لوگوں کے تصور سے جو خانقاہوں میں مراقبے میں غرق رہتے ہیں کس مختلف اور بھیانک ہوتی ہے۔

اس معرکے میں ہمارے بادشاہ نے اپنی غیر معمولی شجاعت سے دشمن کی صفوں میں ، کر کے اپنے لئے ایک کشادہ راہ بنا لی۔ وہ اپنی شمشیر آبدار سے ترکوں کی صفوں کو کاٹتا ہوا نکل گیا جیسے کوئی پکی ہوئی فصل کو درانتی سے کاٹتا چلا جائے (اس فضول تعریف ا نام دیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ترکوں کی صفیں نہیں بلکہ بھیڑ بکریاں تھیں) چنانچہ کے سپاہی مرعوب ہو کر رچرڈ کے راستے سے ہٹ گئے۔

کافی دیر تک لڑائی غیر یقینی رہی۔ کئی نشان سرنگوں ہوئے اور کئی جھنڈے تار تار۔ مودی تلواریں زمین پر بکھر گئیں اور خون کی ندیاں بہتی رہیں لیکن لڑائی کا فیصلہ نہ ترک میدان چھوڑنے لگے۔ کئی جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ جو درختوں پر چڑھے وہ زوں کا نشانہ بن گئے۔ انہیں بند لگتے اور وہ کراہتے ہوئے زمین پر آ رہے تھے۔ کئی ھوڑوں کو چھوڑ کر پھسلواں پگڈنڈیوں پر بھاگ نکلے۔ دو میل تک سوائے بھگوڑوں کے ہ نظر نہ آتا تھا۔

ارے سپاہی دشمن کے تعاقب سے ہچکچائے اور رک گئے۔ بھگوڑوں کی تعداد تقریباً ار ہو گی۔ جب انہوں نے یہ کیفیت دیکھی تو ان کی ہمت بندھ گئی۔ انہوں نے اپنی ، کو دوبارہ منظم کر کے ہمارے عقبی دستوں پر جو واپس جا رہے تھے اچانک حملہ کر ۔ ہمارے دستوں پر یہ کتنی خوفناک یورش تھی وہ دشمن کے نرغے میں پھنس گئے۔ طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں وہ اپنی ، پر جھک گئے۔ گھوڑے بدکے اور سواروں کو گرا گرا کر بھاگنے لگے۔ ترکوں نے لشکر پر سخت جوابی حملہ کیا تھا۔

لوں کا قائد امیر تقی الدین تھا جو سلطان کا عزیز تھا اور سات سو منتخب بہادر تقی کے ہمرکاب تھے۔ یہ دستے صلاح الدین کے لشکر کا حصہ تھے۔ ہر دستہ زرد علم بلند ئے بڑھا۔۔ وہ مردانگی کے خوفناک پیکر تھے۔ جب انہوں نے اپنے تازی گھوڑوں کو وڑاتے ہوئے حملہ کیا تو ہمارے سردار عزم و استقلال کے باوجود ان کی بے پناہ ، تاب نہ لا سکے۔ اب لڑائی بہت خونریز اور خوفناک ہو گئی۔ دشمن بھی کچلنے کی بے ں کر رہا تھا اور ہم دشمن کو پیچھے دھکیلنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

دیکھ کر کہ بادشاہ اپنے قبرصی کیت (گھوڑا) پر سوار ہوا اور دشمن پر جھپٹا۔ اسنے

مخالفوں کو منتشر کر دیا اور اس کی شمشیر کی ضرب سے کئی افراد پاش پاش ہو گئے۔ اس کے
سامنے دشمن نہ ٹھہر سکا۔ اس طرح سے ہماری فوج کو چھٹکارا ملا۔

پھر ہم نے اوسوف کا رخ کیا اور شہر پناہ کے باہر خیمے نصب کئے گئے۔ ابھی ہم خیمے
نصب کرنے میں مصروف تھے کہ ناگاہ دشمن کی ایک کثیر جمیعت نے ہمارے عقبی دستوں
دوبارہ ہلہ بول دیا۔ رچرڈ صرف پندرہ سواروں کے لے کر دوڑا اور ترکوں کے مقابلہ میں
ڈٹ گیا۔ انہوں نے زور کا نعرہ لگایا۔

"یا مزار المسیح۔۔۔المدد۔۔۔الغیاث۔"

جب ہمارے سپاہیوں نے یہ نعرہ سنا تو وہ بھی تیزی سے بادشاہ کی طرف بھاگے۔ انہوں
نے ترکوں پر حملہ کر کے انہیں پسپا کر دیا۔

ہماری فوج دن بھر کی تکان سے چور تھی۔ اس رات وہ آرام سے سوئے۔ لوٹ
طلبگار چپکے سے میدان کارزار کو چلے گئے۔ واپس آ کر انہوں نے بتایا کہ ہم نے بتیس تر
سرداروں کی لاشیں خود گنی ہیں۔ ترک بھی اپنے سرداروں کی لاشوں کی تلاش
سرگرداں رہے۔

ہمیں جیمز ڈی ایونز کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ اتوار کو ہاسپٹل اور ٹمپل کی سردار
نے مسلح ہو کر اس کی تلاش شروع کی۔ بالکل انہیں اس کی لاش مل گئی۔ اس کا چہرہ
ہوئے خون سے اس قدر مسخ ہو چکا تھا کہ شناخت مشکل تھی۔ وہ اس کی لاش کو بڑ
احترام سے کفن میں لپیٹ کر اوسوف لائے۔ سپاہیوں کے ایک جم غفیر نے باہر نکل کر
کے جنازے کا استقبال کیا۔

اس طرح صلاح الدین کی صلیبیوں کو کھلے میدان میں شکست دینے کی کوشش نا
ہوئی۔ رچرڈ کے حکم کے خلاف جب دو نائٹوں نے اچانک حملہ کیا اور عیسائی رسالہ نے
کی متابعت کی تو مسلمان گھبرا گئے اور مسلمان لشکر کو بھاری نقصان اٹھا کر پہاڑوں کی
میں پسپا ہونا پڑا۔ اس حملے میں مسلمانوں کو پہلی مرتبہ رچرڈ شیر دل کی غیر معمولی شجا
سے سابقہ پڑا تھا۔

تقی الدین اور ترک امیروں نے جوابی حملوں سے صلیبی لشکر کو بہ عجلت تمام او
کے باغات اور مورچوں میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسرے دن صلاح الدین بہ
نفس میدان جنگ میں آیا۔ لیکن صلیبیوں کو مقابلہ میں آنے کی جرات نہ ہوئی۔

یہ بیان تھا بیرالڈیلم کا اوسوف کی جھڑپ کے متعلق جسے پہلے اس نے معرکہ عظیم
دیا۔ پھر اوسوف میں مسلمانوں کی شکست کا اعلان کیا اور آخر میں خود ہی لکھتا ہے:-

اوسوف کی چپقلش کو باقاعدہ لڑائی نہیں کہا جا سکتا اگرچہ سلف کے چند مورخوں نے
ے فیصلہ کن لڑائی قرار دیا ہے۔

پھر رچرڈ نے جافا میں اپنی پہلی کانفرنس میں اعلان کیا۔

"معزز سردارو۔ ترک عسقلان کو برباد کر رہے ہیں۔ انہیں ہمارے خلاف نبرد آزما
ونے کی جرات نہیں۔ ہمیں فوراً اس شہر کو بچانا چاہئے۔"

مگر رچرڈ کے اعلان پر کسی نے کان نہ دھرے۔ نہروں کے شاداب کناروں پر گھوڑے
ے سے چرتے رہے اور صلیبی بڑے شوق سے پکے ہوئے انگور اور تازہ انجیر اور بادام
ھاتے رہے۔ بہت سے کشتیوں کے ذریعہ عکہ کی عشرت گاہوں میں پہنچ گئے جہاں یورپ
ے حسین عورتیں ان کا دل بہلانے اور داد عیش لینے آئی تھیں۔

شاہ رچرڈ نے قبرص میں بڑی دھوم دھام سے شہزادی برنگیریا سے شادی کی تھی مگر جب
ناہ قبرص سے عکہ آیا تو پتہ نہیں یہاں بیوی میں کیا پیچ پڑ گیا کہ رچرڈ، برنگیریا سے کھنچا
نچا رہنے لگا۔ شاہ باز نطنی شہزادی سوسن کو بھی عکہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ سوسن کو اپنے
رتبہ کا احساس ہو گیا تھا۔ اسے رچرڈ اور برنگیریا کی شادی کے دن ہی معلوم ہو گیا تھا کہ
ب اس کی حیثیت ایک داشتہ سے زیادہ نہیں ہے پھر وہ تن بہ تقدیر رچرڈ سے چمٹی رہی اور
ئی حرف شکایت زباں پر نہ لائی۔

ہو سکتا ہے کہ سوسن کی یہ بے زبانی ہی اسکی سفارش بن گئی ہو۔ بہرحال یہ حقیقت
ہے کہ عکہ کے محاصرے کے دوران جب شاہ رچرڈ بظاہر بیمار تھا' وہ اکثر شہزادی سوسن کو
پنے خیمے میں بلایا کرتا تھا۔ سوسن اسی لشکر میں جس لشکر میں برنگیریا تھی۔ رکھی گئی تھی
ن رچرڈ نے تمام پہریداروں کو تاکید کی تھی کہ سوسن اور برنگیریا جو ملکہ انگلستان ہو چکی
ی' کو ایک دوسرے کی خبر نہ ہونی چاہئے۔

مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک ہی پڑاؤ میں جب شہزادی سوسن کو طلب کیا جاتا اور وہ
دں کی طویل غلام گردشیں طے کرتی شاہ رچرڈ کے عالیشان خیمہ میں پہنچتی تو اسے کوئی نہ
، پاتا۔ محافظ' لونڈی' غلام ہر دوسے تیسرے دن یہ تماشہ دیکھتے لیکن اپنی آنکھیں بند اور
ن پر تالے لگا لیتے تھے۔

شاہی محلات (یہ محلات خیموں' چھولداریاں اور قناتوں کے تھے کیونکہ رچرڈ کی لشکر گاہ
ہ کے باہر میدان میں تھی) میں سازشیں اور ریشہ دوانیاں تو ہوا ہی کرتی ہیں مگر میدان
ے کے یہ محلات بھی اس بدعت سے پاک نہ تھے۔ ملکہ اور شہزادی کی اپنی اپنی خاص
زیں ہوتیں جو جاسوسی کے فرائض بھی انجام دیتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی کنیزوں کی اپنی

ما لکنوں کی نظر میں اس وقت تک قدر رہتی ہے جب تک وہ مالکن کو روز کوئی نئی خبر پہنچ
رہیں۔ اس طرح ان کنیزوں کو اپنی کارکردگی برقرار رکھنے کے لئے سچ سے زیادہ جھوٹ
سہارا لینا پڑتا تھا اور یہی جھوٹ سازشوں کو جنم دیتا تھا۔

شاہ رچرڈ کے ساتھ اس کی بہن جین اور بیوی برنگیریا تھیں مگر ان دو کے علاوہ ا
تیسری اہم شہزادی سوسن کی تھی۔ جو باوجود "داشتہ" ہونے کے شاہ رچرڈ کے ذہن پر چڑ
ہوئی تھی۔ شاہ نے اگرچہ ان دو پارٹیوں کو الگ الگ رکھا تھا اور اس کا خیال تھا کہ شہزا
سوسن اور ملکہ برنگیریا ایک دوسرے کے حالات اور واقعات سے قطعی ناواقف ہیں۔ حالا
ہر رات جب سارا عالم سوتا تو برنگیریا اور سوسن کی منہ چڑھی کنیزیں اپنی مالکن کے خا
کمرے میں (خیال رہے یہ کمرے بھی خیموں کے اندر قناتوں سے بنائے جاتے تھے) دا
ہوتیں اور دن بھر کی تمام جھوٹی سچی رام کہانی سنا کر انعام حاصل کرتیں۔

خود شاہ رچرڈ میں جاسوسی کے اس عیب سے خالی نہ تھا۔ اس کی بھی کچھ خاص کنیز
تھیں جنھیں اس نے ملکہ برنگیریا اور شہزادی سوسن کی خدمت پر اس لئے مامور کیا تھا کہ
دن بھر کا دیکھا سنا' بادشاہ کو سنایا کریں۔ اس سلسلہ میں ایک بات بہت دلچسپ ہے اور ا
قسم کے واقعات آج بھی پیش آتے ہیں جنھیں ہم اخبارات میں پڑھتے ہیں۔ یہ واقعا
جاسوسی کی غداری کے ضمن میں آتے ہیں یعنی جاسوس کو جس کام کے لئے مقرر کیا جا
وہ اس کے خلاف کام کرے۔

اس کی تفصیل کچھ اسطرح ہے کہ شاہ رچرڈ کی جو کنیز ملکہ برنگیریا کی خدمت پر ما
تھی وہ برنگیریا کی جاسوسی شاہ رچرڈ سے کرتی اور شاہ رچرڈ کی ایک ایک بات نمک مرچ
کر برنگیریا کو سناتی تھی اس طرح وہ دونوں کی نظروں میں معتمد اور معتبر تھی۔ یہی
شہزادی سوسن کے پاس خدمت کے لئے بھیجی جانے والی کنیزیں کرتی تھیں۔ شہزادی سو
جس قدر حسین اور جاذب نظر تھی اتنی ہی زیادہ وہ عقلمند بھی تھی اور اس کی اس عقل
ہی نے اسے شاہ رچرڈ کے ساتھ سمجھوتہ کرانے پر آمادہ کیا تھا ورنہ عام عورت تو کسی باد
کی داشتہ بننے پر فخر کر سکتی ہے مگر شہزادی کا مرتبہ بھی تقریباً بادشاہ کے برابر ہوتا ہے وہ
کیسے برداشت کر سکتی ہے کہ اسے داشتہ بنا کر رکھا جائے جبکہ اس کی شادی کسی شہزاد
شاہ سے ہو سکتی ہو۔

ایک صبح شاہ رچرڈ کے محل میں بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔ کنیزیں اور غلام ادھر اد
بھاگ تو رہے تھے مگر ان کی زبانیں سر بمہر تھیں مزاج شاہ برہم ہے اور جب شاہ کا مز
برہم ہو جائے تو پھر کوئی چیز ٹھکانے پر نہیں رہتی شاہ کا مزاج برہم کرنے والا کوئی بھی ہو

اس کا سارا غصہ کنیزوں اور غلاموں پر اترتا ہے۔ اس وقت بھی کچھ ایسی بات تھی۔

شاہ رچرڈ صبح بیدار ہوا تو الجھا الجھا سا تھا۔ ادھر ادھر سے جھانکتی ہوئی کنیزوں نے فوراً
اندازہ کر لیا کہ آج دو چار غلاموں اور کنیزوں کا پتہ کٹ جائے گا اور کوئی پتہ نہیں کہ ایک
دو غلاموں اور کنیزوں کو سولی پر چڑھا دیا جائے۔

شاہ نے تکیہ سے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا پھر شیر کی طرح دہاڑا۔ "کنیز کہاں ہے؟"

شاہ رچرڈ کی یوں تو کنیزوں اور غلاموں کی ایک پوری فوج تھی مگر ان میں دو کنیزیں اور
دو غلام خاص تھے۔ جس میں ایک غلام اور ایک کنیز دن میں اور ایک کنیز اور ایک غلام
رات کو خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ بادشاہ کی خوابگاہ کے دائیں بائیں دو دروازے تھے۔
دائیں دروازے پر ایک کنیز اور بائیں پر غلام کی حاضری رہتی تھی۔ یہ غلام اور کنیز دن یا
رات جس وقت بھی ان کی ڈیوٹی ہوتی یہ خوابگاہ پر پہنچ جاتے اور دروازے کے باہر اپنی
ڈیوٹی سنبھالتے تھے۔ یہ دونوں دن ہو کہ رات دروازے سے لگے کھڑے رہتے یا ٹہلتے
رہتے۔ انہیں بیٹھنے یا ٹیک لگا کے کھڑے ہونے کی اجازت نہ تھی۔ یہ ڈیوٹی بڑی سخت
تھی۔ خوابگاہ کے محافظ ان کنیزوں سے بیس بیس فیٹ دور کھڑے ہو کر پہرہ دیتے تھے۔

شاہ رچرڈ کی دہاڑ خوابگاہ کے باہر پہنچی تو دروازے سے لگی ہوئی کنیز کانپتی ہوئی اندر
داخل ہوئی اور آداب بجا لائی۔

"ہم نے تمہیں حکم دیا تھا۔ تم کیوں بولیں؟" شاہ رچرڈ تکیوں کے سہارے بیٹھ چکا
تھا۔

کنیز کو پسینہ آ گیا۔ اس کا پورا بدن لرزنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا
جواب دے۔ شاہ نے اسے کوئی بھی حکم نہ دیا تھا۔ وہ ابھی ابھی تو آئی ہے اور رات کی کنیز
کو رخصت کر کے اس نے بڑی احتیاط سے ڈیوٹی سنبھالی تھی۔ شاہ کی یہ پہلی آواز تھی۔ پھر
اس نے حکم کس وقت دیا۔

"عالیجاہ۔" کنیز نے لرزتے ہوئے کہا۔ "کنیز ابھی ابھی اپنی خدمت پر حاضر ہوئی
ہے۔" کنیز اس سے زیادہ وضاحت نہ کر سکی۔ وہ متلون مزاج شاہ سے واقف تھی۔ اس سے
بحث کرنا موت کو دعوت دینا تھا۔

"تم سے پہلے کون کنیز تھی؟" رچرڈ کا لہجہ اسی طرح کھردرا تھا۔

"شالی تھی عالیجاہ شالی۔" کنیز نے جلدی سے جواب دے کر جان چھڑائی۔

"اسے پیش کرو۔"

رچرڈ نے حکم دے کر پھر تکیہ پر سر رکھ دیا۔

کنیز فوراً باہر نکل گئی۔

"شاہ کا مزاج بہت برہم ہے۔" اس کنیز نے رات والی کنیز کے پاس پہنچ کر اسے بتایا۔

"یہ تو میں تمہاری آمد سے سمجھ گئی تھی کہ کوئی بات ضرور ہے۔" رات کی کنیز تمام رات شاہ کی جی حضوری میں پیش ہونے کے بعد ابھی لیٹی ہی تھی کہ دن والی کنیز نے اسے یہ کہہ کے ہولا دیا کہ بادشاہ غصہ میں ہے۔

"تمہاری فوری طلبی ہوئی ہے۔" آنے والی کنیز نے اسے مزید بتایا۔

"وہ تو میں چلوں گی مگر یہ تو بتاؤ کہ ہوا کیا تا کہ میں بھی اس کا کوئی توڑ پہلے ہی سے سوچ لوں۔" کنیز بستر چھوڑتے ہوئے بولی۔

"تم کپڑے پہننا شروع کرو۔" آنے والی کنیز نے کہا۔ "میں تمہیں بتا رہی ہوں۔ ذرا جلدی کرو کہیں دوسرا ہرکارہ نہ آ جائے ہمیں بلانے۔"

کنیز جلدی جلدی کپڑے بدلنے لگی۔

آنے والی نے بتایا۔ "بہن تمہارے آنے کے بعد میں دروازے پر کھڑی ہو گئی۔ کچھ دیر تک ہر طرف خاموشی چھائی رہی۔ میں نے جھانک کے دیکھ لیا تھا کہ شاہ سو رہے ہیں۔ ان کا منہ دروازے کی طرف تھا اور ہلکے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ اچانک مجھے ایک دھاڑ سنائی دی۔ اندر سے آواز آئی۔ "کنیز کہاں ہے۔" میں جھٹ سے داخل ہو گئی۔ شاہ نے پوچھا کہ ہم نے تمہیں حکم دیا تھا تم کیوں بھول گئیں۔ میں گھبرا گئی۔ ابھی تو میں آئی ہوں۔ پتہ نہیں شاہ نے کس کو حکم دیا تھا اور وہ حکم کیا تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا کہ عالیجاہ۔ میں تو ابھی ابھی خدمت کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔ شکر ہے کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم نے تم ہی کو حکم دیا تھا۔ پھر میں کیا کر لیتی ان کا؟ پھر انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے جو کنیز پہرے پر تھی اسے حاضر کرو۔ بس میں بھاگتی بھاگتی تمہارے پاس آئی ہوں۔ اب تم سوچو کہ شاہ نے کیا حکم دیا تھا۔"

رات والی کنیز کپڑے تبدیل کر کے کھڑی تھی۔ وہ کھڑے کھڑے ہی سوچ میں گم ہو گئی۔

آنے والی نے اسے ٹوکا۔ "ارے کیا سوچنے لگی۔ چلتی ہے کہ میں جاؤں؟"

"نہیں نہیں۔ میں چل رہی ہوں تمہارے ساتھ۔" اس نے جواب دیا اور دونوں چل پڑیں۔

رات والی کنیز گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے پوری رات کے شاہ رچرڈ کے دیئے ہوئے احکامات کو ایک ترتیب میں رکھا۔ مگر اس نے تو ان تمام احکامات کی تکمیل کی تھی۔ کوئی

بھی ایسا نہ تھا جسے وہ ٹال گئی ہو۔

تمام راستے دونوں خاموش چلتی رہیں۔ وہ اپنے خیالوں میں گم تھیں۔ رات والی بار بار احکامات کو ترتیب دے کر ان پر غور کرتی مگر اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ اس نے کون حکم نہیں پہنچایا۔ خوابگاہ پر پہنچ کے دن والی کنیز دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی رات والی کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

کنیز اندر داخل ہوئی۔ بادشاہ دروازے کی طرف پشت کئے لیٹا تھا۔

"کنیز تسلیمات پیش کرتی ہے عالیجاہ۔" کنیز کا جھکا ہوا سر زمین کو چھو رہا تھا۔

"تم نے ہماری حکم عدولی کی ہے۔ کیا سزا دی جائے تمہیں کنیز؟" شہنشاہ کے لہجہ میں یہ طنطنہ تو نہ تھا مگر گرج موجود تھی۔

"عالیجاہ۔ کنیز کا سارا خاندان انگلستان کے شاہی خاندان کی خدمات بجا لانے میں ہمیشہ پیش رہا ہے۔ کنیز کی کوئی خطا ہو یا نہ ہو۔ میں ہر سزا بھگتنے پر تیار ہوں" کنیز کچھ ایسی لی سے بولی کہ بادشاہ ان کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

"دیکھو۔" شاہ اور نرم ہو گیا۔ "ہم بغیر قصور کے کسی کو سزا نہیں دیا کرتے۔ ہم نے حکم دیا تھا کہ شہزادی سوسن سے کہا جائے کہ صبح جب ہم بیدار ہوں تو وہ ہماری خوابگاہ موجود ہو۔ شہزادی سوسن یہاں نہیں آئی۔ اس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ تم ہمارا پیغام ا بھول گئیں۔"

"عالیجاہ نے درست فرمایا۔" کنیز نے جیسے اقبال جرم کر لیا۔ "کنیز کی ساعت نے غلطی میں رات شہزادی سوسن کے حضور گئی تھی مگر میں نے غلطی سے انہیں یہ پیغام دیا کہ کی طبیعت آج کچھ مکدر ہے۔ اس لئے انہیں حضور عالی میں حاضر ہونے کی ضرورت "

"ہاں۔ ہاں۔ ہم نے تمہیں یہ پیغام دیا تھا۔ مگر۔" شاہ رچرڈ کچھ کہتے کہتے سوچنے

"عالیجاہ۔ یہ پیغام تو میں نے شہزادی کے گوش گزار کر دیا تھا۔" کنیز نے بہت سنبھل ا۔

"مگر ہم نے دوسرا پیغام جس کے ذریعہ بھیجا۔" بادشاہ الجھتے ہوئے بولا۔

"عالیجاہ۔ حضور عالی میں کل رات کوئی دوسری کنیز حاضر نہیں ہوئی تھی۔" کنیز کی بن ی۔ الزام اس پر سے ہٹ گیا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ دوسرے دروازے سے کوئی غلام آیا ہو اور ہم نے اس کے ہاتھ پیغام

بھیج دیا ہو۔" شاہ رچرڈ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"جی عالیجاہ۔" کنیز بولی۔ "ایسا ضرور ہو سکتا ہے لیکن یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب عالیجاہ نے دوسرے دروازے کے غلام کو یہ "اجازت خاص" دی ہو کہ وہ کسی خاص آدمی اس دروازے سے داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ پھر بھی عالیجاہ اگر کوئی دروازے سے خوابگاہ میں داخل ہوتا تو مجھے ضرور خبر ہو جاتی۔ اس لئے کہ میں دروازے کے ساتھ کھڑی ہوتی ہوں اور میری نظریں ہمہ وقت خوابگاہ کے اندرونی حالات کا جائزہ لیتی رہتی ہیں کیونکہ یہ میرے فرائض میں داخل ہے۔"

"ہوں۔۔" بادشاہ نے ہنکاری بھری۔ "ہو سکتا ہیکہ یہ ہمارا صبحدم کا کوئی منتشر خواب ہو۔ بہرحال اب تم جاؤ اور شہزادی سوسن کو اپنے ساتھ لے کے آؤ۔"

کنیز سلام کر کے باہر نکلی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ پہرے کی کنیز نے پوچھا۔ "کیسی گزری تم تو بہت خوش نظر آ رہی ہو؟"

باہر آنے والی کنیز نے آہستہ سے مگر جل کے کہا۔ "شاید اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کی اگاڑی اور گھوڑے کی پچھاڑی سے بچ کے رہنا چاہئے۔ حضور نے خواب میں کسی کو دیکھ دیا تھا کہ سوسن صبح کو خوابگاہ میں موجود اور الزام مجھ پر لگ رہا تھا۔

پہرے والی کنیز نے ٹھنڈی سانس لے کر منہ بنایا۔ "یہی تو عیب ہوتا ہے بادشاہوں میں۔ خوشیوں تو گالی دینے پر بھی انعام دے جاتے ہیں اور مزاج برہم ہو تو بے خطا ہونے بھی سولی پر چڑھا دیتے ہیں۔"

اور شہزادی سوسن کے پاس پیغام لے جانے والی ہنستی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

کنیز نے شہزادی سوسن کے محل میں پہنچ کر اسے شاہ رچرڈ کا پیغام پہنچایا۔ یہ شاہی کنیز بڑی حسن پرست تھی۔ وہ کئی بار پہلے بھی شہزادی سوسن کے پاس شاہ کا پیغام لے کر آ چکی تھی۔ مگر اس کا طریقہ یہ رہا تھا کہ وہ بات تو منہ سے کرتی تھی مگر اس کی آنکھیں شہزادی کے چہرے پر ٹھہر کے رہ جاتی تھیں۔

شہزادی سوسن واقعی حسین تھی خصوصاً شہزادی کی آنکھیں تو ایسی گہری جھیلیں تھیں جن میں مرد تو مرد عورتیں دیکھتیں تو وہ بھی ڈوب جانے کی آرزو کرتی تھیں۔ شاہ رچرڈ کی کنیز جس کا نام کلورا تھا' سوسن کی عاشق زار تھی۔ یہ بات کسی طرح شاہ کو معلوم ہو گئی تھی۔ ممکن ہے سوسن نے خود شاہ کو یہ بات بتائی ہو۔

شہزادی سوسن کپڑے تبدیل کرتے ہوئے بڑبڑائی۔ "یہ بادشاہ بھی الٹے دماغ کے ہوتے ہیں۔ رات کو فرمان جاری ہوا کہ آنے کی ضرورت نہیں اور اس وقت جبکہ اصل سونے

ں تو سویرا ہی ہوتا ہے بلاوا آگیا۔ فوراً آ جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر میں وہاں نہ پہنچوں تو شاہ بیچارے بستر ہی سے نہ اٹھیں گے۔"

"شہزادی نے بالکل ٹھیک کہا۔" کلورا جو شہزادی کو مسکرا مسکرا کے دیکھ رہی تھی اس شہزادی کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "شاہ بہادر رات بھر آپ کو خواب میں تے رہے ہیں اور صبح بیدار ہوتے ہی پہلا سوال یہ تھا کہ شہزادی سوسن کیوں نہیں آئی؟"

شہزادی سوسن تیار ہو کے کلورا کے برابر آ کے کھڑی ہو گئی۔ "کلورا تو ایسی باتیں مجھ ، نہ کیا کر۔ ہفتے پیچھے ایک بار بلاوا آتا ہے۔ اس میں بھی ایک دو ناغے ہو جاتے ہیں اور ں بیچاری آنکھوں میں رات کاٹتی ہوں۔" شہزادی نے کہا۔

"ہائے شہزادی۔ آپ کی تنہائی اور بے کسی دیکھ کے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔" کلورا نے ے پیار بھرے لہجے میں کہا اور ایک بار پھر اس کی نظریں سوسن کے چہرے کا طواف نے لگیں۔ "آپ کا یہ گلابی چہرہ اور یہ بھری جوانی اس لئے تو نہیں کہ یوں گھٹ گھٹ ، رہے۔ میرا بس نہیں چلتا ورنہ برنگیریا کے محل میں جا کے اس کا منہ نوچ لوں۔"

شہزادی سوسن نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور حسن جیسے اور نکھر گیا۔ "کیوں بیچاری کے پیچھے ں ہو۔ کیا بگاڑا ہے اس نے تمہارا؟"

بگاڑا یہ ہے کہ پوری شاہی مسند سنبھال کے بیٹھ گئی ہے۔ آپ کو ذرا سی جگہ نہیں ں۔" کلورا بڑبڑائی۔ "بھلا کوئی شکل بھی تو ہو۔ دبلی پتلی۔ لمبی تاڑ۔ بھلا یہ صورتیں کہیں ، انگلستان بننے کے قابل ہیں؟"

"بکو مت کلورا۔" سوسن ٹھنڈی سانس لے کے بولی۔ ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ں کے بڑے گرجے میں شاہ نے اس سے شادی رچائی تھی۔ اف کیسا وقت تھا وہ مجھے لوم ہو گیا تھا کہ شاہ آج برنگیریا سے شادی کر رہے ہیں۔ مگر میں منہ سے نہیں بول سکتی ں۔ میری قبرصی کنیز نے مجھے تاکید کی تھی کہ اگر میں نے کسی قسم کا واویلا کیا یا ادھم مچایا بابا حضور کی جان کی خیر نہ ہو گی۔ شاہ نے اپنے حلقہ میں اعلان کر دیا تھا کہ اگر شہزادی نے اس کی شادی میں تقریب میں فتنہ کھڑا کیا تھا وہ بابا حضور کو قتل کرا دیں گے۔"

کلورا کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ وہ تھی تو شاہ کی جاسوس مگر نہ معلوم کیوں رادی سوسن کے حسن پر ریجھ گئی تھی۔ شہزادی کا ہاتھ چوم کے بولی۔ "مت گھبرائیے رادی۔ آپ کے گھر بھی چاندنی آئے گی۔ ہمیشہ یہ اندھیرا تو نہیں رہے گا۔ بادشاہوں کے چھورے پن سے کون واقف نہیں۔ آج برنگیریا شاہ کے سر پر بیٹھی ہے تو کل نظر سے گر ں سکتی ہے۔ دل سے اتر بھی سکتی ہے۔"

"جس دن ایسا ہوا۔ میں تیرا منہ جواہرات سے بھر دوں گی۔" شہزادی نے بڑی مسر
سے کہا۔

پھر وہ دونوں کنیزوں اور غلاموں کی نظروں سے بچتی ہوئی ایک طویل اور ویرا
راہداری سے گزر کر شاہی محل پہنچ گئیں۔ کپڑے کی قناتوں سے بنائی جانے والی یہ راہدا
بڑی پراسرار تھی شاہ اور سوسن کے محل نما خیموں کے درمیان یہ راہداری خاص طور
شاہ نے بنوائی تھی اور رات کے پچھلے پہر شاہ اپنی محبوبہ شہزادی سوسن کے ساتھ اس
راہداری میں گشت کرتا رہتا تھا۔

شہزادی سوسن اور کلورا شاہی خوابگاہ پر پہنچے تو پہریدار کنیز نے انہیں اندر جانے سے
روکا۔ کلورا نے کنیز کو بتایا "شاہ نے مجھے شہزادی سوسن کو بلانے بھیجا تھا۔

"یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کلورا۔" پہریدار کنیز مسکرائی۔ "مگر اب خوابگاہ کے اندر کی
کیفیت بالکل تبدیل ہو گئی ہے۔ شاہ کے پاس اس وقت شاہ کی دو عزیز ترین ہستیاں موجو
ہیں۔ ان کی موجودگی میں شہزادی سوسن کو میں کس طرح اندر جانے کی اجازت دے سکتی
ہوں؟"

شہزادی نے کلورا سے کچھ سرگوشی کی۔ کلورا نے کنیز سے پوچھا۔ "کیا تمہیں یہ بتانے
پر بھی پابندی ہے کہ شاہ کے پاس اس وقت کون کون بیٹھا ہے؟"

"کوئی پابندی نہیں۔" کنیز مسکرائی۔ شاید مسکرا کے بات کرنا اس کی عادت تھی۔ "میں
نام پہلے ہی بتا دیتی لیکن مجھے شہزادی سوسن کا لحاظ تھا اس لئے میں بتانے سے ہچکچا رہی
تھی؟"

"کسی خوف و ہچکچاہٹ کی ضرورت نہیں کنیز۔" شہزادی سوسن نے ٹھنڈی سانسوں کے
درمیان کہا۔ "میں نے اپنا دل پتھر کر لیا ہے اب اس پر کسی بات کا اثر نہ ہو گا۔ تم بے
تکلف نام بتاؤ۔"

کنیز سر جھکا اور آنکھیں چرا کے بولی۔ "اندر ملکہ انگلستان برنگیریا آف نوائے اور
شہزادی جین تشریف فرما ہیں۔"

"بہرحال ہم واپس تو نہیں جا سکتے" شہزادی سوسن نے نرم لہجے میں کہا۔ "ہمیں شاہ
نے بلوایا ہے۔ انہیں ہماری آمد کی اطلاع ضرور ہونی چاہیے۔

کنیز ہچکچائی تو کلورا نے کہا۔ "تم جانا نہیں چاہتیں تو مجھے اندر جانے دو۔ شاہ نے میرے
ذریعہ شہزادی سوسن کو بلوایا ہے۔ میں اندر جاؤں گی تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہو گا؟"

"جب اندر جانا ہے تو پھر میں خود ہی جاتی ہوں۔" کنیز نے شہزادی کی طرف دیکھ کر

"مگر میں صرف آپ کی ذمہ داری پر جا سکتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے" شہزادی نے سر ہلایا۔ "میں شاہ سے کہوں گی کہ آپ نے مجھے بلوایا تھا۔
یر شاہ کو اطلاع دیئے کیسے واپس جا سکتی تھی؟"

شاہی کنیز خوابگاہ میں داخل ہوئی پھر چند ہی لمحوں بعد مسکراتی ہوئی آئی۔ "تشریف لے
شہزادی سوسن۔ شاہ آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں"

اندر کا ماحول کچھ گمبھیر سا تھا۔ ملکہ برنگیریا آف نوائے کا چہرہ دھواں دھواں تھا اور
جین سر جھکائے بیٹھی تھی۔ واضح رہے کہ برنگیریا اور شہزادی سوسن دونوں ایک
ے کے لئے اجنبی تھے۔ وہ ایک دوسرے کے بارے میں سب کچھ جانتی تھیں مگر ایک
ے سے ملنے کا اب تک اتفاق نہ ہوا تھا۔

شہزادی سوسن نے شاہ کو مجرا پیش کیا تو اس نے ہنس کے کہا۔

"ادھر آؤ سوسن۔ تم نے انتظار دکھایا۔"

شاہ رچرڈ کی خوابگاہ کا فرش خالص قالین کا تھا جس پر ایک شکار گاہ کا منظر پیش کیا گیا
س قالین کے فرش پر ایک طرف رچرڈ کی مسند لگی تھی۔ شاہ کے سامنے ملکہ برنگیریا
زادی جین (رچرڈ کی بہن) بیٹھی تھیں۔ شاہ کے اشارہ پر سوسن شاہ کے پاس پہنچی تو
نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی دائیں جانب بٹھا لیا۔

"جین تم تو سوسن کو جانتی ہو نا؟" شاہ کا بڑا خوشگوار موڈ معلوم ہوتا تھا۔

"جی ہاں۔ جانتی ہوں اور مل بھی چکی ہوں۔" شہزادی جین نے جواب دیا۔

"سوسن" شاہ رچرڈ نے ایک دم شہزادی سوسن سے سوال کیا تو وہ چونک پڑی۔ دراصل
نظریں ملکہ برنگیریا پر لگی تھیں اور وہ اس کے چہرے میں وہ چیز تلاش کر رہی تھی
نے شاہ رچرڈ کا دل ایسا موہ لیا تھا کہ وہ اسے اپنی ملکہ بنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"جی عالیجاہ۔" شہزادی سوسن نے جواب دیا۔

"تم ہماری ملکہ برنگیریا کے بارے میں کس حد تک واقفیت رکھتی ہو؟" شاہ نے سوال

"عالیجاہ۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ آپ نے قبرص کے بڑے کلیسا میں شادی کی ہے۔ جس
ادی کی اور کیوں کی اس کا مجھے علم نہیں۔" شہزادی نے دل جلے انداز میں جواب

"خیر یہ تو اور زیادہ اچھی بات ہے۔" شاہ رچرڈ بولا۔ "اب آج سے تم پر ایک ذمہ
الی جا رہی ہے جسے تم بہرصورت نبھاؤ گی۔ ذمہ داری یہ ہے کہ آج سے ہم اپنی ملکہ

برنگیریا کو، شہزادی جین کو تمہاری حفاظت میں دیتے ہیں۔ تم دونوں ایک طرح سے ان کی اتالیق (استاد) ہوگی اور ان کو اچھائی اور برائی میں تمیز کرنا سکھاؤ گی۔۔"

"لیکن عالیجاہ۔۔۔۔۔۔۔" شہزادی سوسن نے احتجاج کے لئے منہ کھولا تھا کہ شاہ نے بات کاٹ دی۔

"خاموش سوسن۔" شاہ نے تنبیہہ کے انداز میں کہا۔ "تم ملکہ کی اتالیق ضرور ہوگی مگر یہ خیال رکھنا کہ برنگیریا ملکہ انگلستان ہے اور یہ مرتبہ کسی اور کو نہیں مل سکتا۔۔۔"

تیسری صلیبی جنگ کا انجام

ن، فرانس، اطالیہ، جرمن، قبرص یعنی تقریباً" پورے یورپ اور شام کے نصرانی
وءں کے متحدہ لشکر سلطان صلاح الدین ایوبی سے قبلہ اول بیت المقدس کی بازیابی
ئے نبرد آزما ہوئے جن کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی لیکن تین سال تک مسلسل
اور جنگوں کے بعد صلیبیوں کی تین لاکھ عیسائیوں کی قربانی دینے پر بھی بیت المقدس
اینٹ بھی نہ حاصل ہو سکی ۔ اور وہ بے نیل و مرام منہ پیٹتے اپنے گھروں کو
و گئے

رادی سوسن نے شاہ رچرڈ کو سلام کیا ۔ وہ سلام کرتے وقت سجدے کی حد تک جھک
۔

ہمارے پاس آؤ سوسن" شاہ نے فرمایا ۔

ں کی شہزادی سوسن اس کے پاس پہنچی تو شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اپنی دائیں
بٹھا لیا ۔ رچرڈ کے شاندار خیمے میں قالینوں کا فرش تھا ۔ سامنے کی طرف شاہ رچرڈ کی
ں ۔ شاہ کے سامنے اس کی ملکہ برنگیریا اور بہن شہزادی جین بیٹھی تھی ۔

ین ۔ تم سوسن کو جانتی ہو ؟" شاہ نے بہن کو مخاطب کیا ۔

ن نے جواب دیا ۔ "جی ہاں جانتی ہوں اور مل بھی چکی ہوں ۔"

وسن !" شاہ رچرڈ نے سوسن کو چونکا دیا ۔ وہ دراصل ملکہ انگلستان برنگیریا کے سراپا
لے رہی تھی ۔ شاید سوسن ملکہ میں وہ خوبی تلاش کر رہی تھی جسے دیکھ کر رچرڈ نے
کے لئے انتخاب کیا تھا ۔

ں عالیجاہ ۔ میں گوش بر آواز ہوں ۔" اس کی آواز میں گھنگروؤں کی کھنک تھی ۔

م ہماری ملکہ برنگیریا کے بارے میں کس حد تک واقفیت رکھتی ہو ؟" شاہ نے
متحان میں ڈال دیا ۔

" صرف اس حد تک عالیجاہ کہ آپ نے قبرص کے بڑے کلیسا میں اس سے شادی تھی - مگر یہ نہ معلوم کر سکی کہ یہ شادی آخر کیوں ہوئی تھی - ؟ " سوسن نے دل انداز میں جواب دیا یا یوں کہئے کہ کلیجے کے پھپھولے پھوڑے -

" تمہیں یہ جاننے کی نہ ضرورت تھی اور نہ اب ہے - " یہ کہتے ہوئے شاہ برنگیریا کی طرف دیکھا جس کا چہرہ سوسن کے طنزیہ انداز پر غصہ سے سرخ ہو گیا تھا -

ملکہ برنگیریا نے شاہ کی نظر اپنی طرف دیکھی تو فوراً اٹھ کھڑی ہوئی -

" عالیجاہ - میری طبیعت خراب ہو رہی ہے - مجھے آرام کی اجازت دی جائے - دراصل ملکہ انگلستان ، سوسن کے سامنے بیٹھنا اپنی توہین سمجھ رہی تھی -

" بیٹھ جاؤ برنگیریا - " شاہ کے لہجے میں تلخی آ گئی - " جس سوسن کے سامنے سے بھاگنا چاہتی ہو وہ چوبیس گھنٹے تمہارے سامنے رہے گی - "

" جی عالیجاہ - " برنگیریا کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوئے لگے - " میں سمجھ نہیں سکی ؟ "

" ہم سمجھاتے ہیں تمہیں - " شاہ کا لہجہ سپاٹ ہو گیا - " ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آ سے تم یعنی شہزادی قبرص سوسن اور شہزادی جین ہماری اور انگلستان کی ملکہ برنگیریا کی محا اور اتالیق ہو گی - "

ملکہ برنگیریا کی آدھی جان تو پہلے نکل گئی تھی اب یہ سن کر تو اس پر غشی سی طار ہونے لگی - مگر اس نے فوراً خود کو سنبھالا اور احتجاج کے لئے منہ کھالا -

" عالیجاہ ------"

شاہ نے اسے فوراً اشارے سے روک دیا - " تم کچھ نہیں بولو گی برنگیریا - "

برنگیریا کے سینے کے اندر لپکتے ہوئے شعلے سینے ہی میں دب کے رہ گئے - اس گردن جھکا لی -

" ہاں سوسن تم سن لو اور گرہ میں باندھ لو - " شاہ نے پلٹ کے سوسن سے کہا - " ملکہ انگلستان برنگیریا کی محافظ اور اتالیق ضرور ہو گی مگر تمہیں ہر وقت یہ خیال رکھنا ہو کہ صرف برنگیریا ہی ملکہ انگلستان ہے اور رہے گی - یہ مرتبہ کسی دوسرے کو نہیں م سکتا - "

اس دفعہ شہزادی قبرص سوسن کا منہ لٹک گیا -

شاہ انگلستان کی آواز پھر ابھری - " ایک بات اور سن لو سوسن - ہماری نظروں میں تمہارا جو مقام ہے اس سے نیچے تمہیں کوئی نہیں لا سکتا - "

اس کے بعد شاہ رچرڈ نے تخلیہ کا اعلان کیا اور تینوں چمکتے دمکتے ستارے سر جھکا

شاہی خیمے سے باہر چلے گئے -

یہ وہ زمانہ تھا کہ فرنگیوں کے دماغ سے قلعہ عکہ کی فتح کا خمار اتر چکا تھا - عکہ کا قلعہ کن حالات میں فرنگیوں کے حوالہ کیا گیا اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے - ایک محتاط اندازے کے مطابق عکہ کا محاصرہ تقریباً دو سال تک جاری رہا پھر جب قلعہ میں گھرے ہوئے ساڑھے چار ہزار مسلمانوں کے پاس کھانے پینے کا سامان اور اسلحہ ختم ہو گیا - برجیاں گر گئیں - مینارے زمین بوس ہو گئے اور باہر سے انھیں کسی امداد کی توقع نہ رہ گئی اس وقت قلعہ والوں نے ایک معاہدہ کے تحت قلعہ کو فرنگیوں کے حوالے کیا اور خود بھی ان کے یرغمالی ہو گئے -

شاہ انگلستان نے عکہ کے یرغمالیوں کی جان کی حفاظت کی ضمانت دی تھی لیکن اس نے تمام جنگی ، اخلاقی اور انسانی قوانین کو منہ چڑھاتے ہوئے اٹھائیس سو (2800) یرغمالیوں کو میدان جنگ میں تہ تیغ کر کے اس ایک قلعہ عکہ کو حاصل کرنے کے دوران لاکھ فرنگیوں کی جو قربانی دی تھی اس کا انتقام لیا -

شاہ انگلستان کی اس ذلیل حرکت یعنی اٹھائیس سو بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام نے صلاحی لشکر میں اس قدر سراسیمگی اور دیوانگی پھیلائی کہ مسلمان لشکری فرنگیوں پر اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ زمین و آسمان کانپ اٹھے - اٹھائیس سو مسلمانوں کی شہادت کے جواب میں مسلمانوں نے تقریباً پانچ ہزار فرنگیوں کو ایک ہی دن میں ٹھکانے لگا دیا لیکن عکہ کے مسلمان شہدا کے غم ان کے دلوں سے پھر بھی نہ مٹ سکا -

قلعہ عکہ کی فتح و شکست پر دراصل بیت المقدس کی فتح و شکست کا دارومدار تھا - عکہ میدان جنگ کی صف بندی کچھ اس طرح تھی کہ قلعہ عکہ بندرگاہ پر تھا اور وہ دریائے عکہ کے دہانے پر بھی تھا - اس طرح قلعہ کا ایک حصہ سمندر کی سمت تھا اور باقی حصہ خشکی پر تھا جسکی حفاظت قلعہ کی فصیلوں کے علاوہ دریائے عکہ سے بھی ہوتی تھی -

اب فرنگیوں کی پوزیشن یہ تھی کہ خشکی کے اطراف میں فرنگیوں کے متحدہ لشکر عکہ کو گھیرے ہوئے تھے اور سمندر کی سمت میں انگلستان اور فرانس وغیرہ کے بحری بیڑوں نے عکہ میں داخلہ کا راستہ روک رکھا تھا - اس طرح فرنگیوں نے چاروں سمتوں سے عکہ کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور اس کا تین سے چار لاکھ تک کا لشکر رات دن قلعہ پر منجنیقوں اور تیروں سے سنگ باری کر رہا تھا - مگر قلعہ کو گھیرنے والی یہ فرنگی فوجیں خود بھی خشکی کی تین اطراف میں مسلمانوں کے لشکر سے گھری ہوئی تھیں اور یہ لشکر تھا سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کا -

سلطان صلاح الدین کی کوشش تھی کہ قلعہ کے صدر دروازے کی طرف کے فرنگی لشکر کے گھیرے کو کسی طرح توڑ کے دشمن کے درمیان میں قلعہ تک ایک راستہ بنائے اور ان راستے سے قلعہ والوں کو سامان خوردونوش اور اسلحہ پہنچائے۔ دشمن کے درمیان راستہ بنانا بڑا مشکل کام تھا مگر سلطان ایک بار اس کوشش میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس نے فرنگیوں کے درمیان راستہ بنانے کا کام اپنے بھائی شاہ شاہاں کے بیٹے جواں عمر تقی الدین کے سپرد کیا اور خود رات بھر اونٹوں پر سامان لادتا رہا۔

چنانچہ علی الصبح تقی الدین نے قلعہ کے صدر دروازے کے سامنے کے فرنگی لشکر کی دیوار پر ضرب لگائی۔ اس کا یہ حملہ اس قدر طوفانی تھا کہ چار گھنٹے کی مسلسل جنگ کے بعد فرنگی لشکر کے درمیان ایک چوڑا راستہ اس طرح بن گیا جس طرح تالاب میں پتھر پھینکنے سے کائی پھٹ جاتی ہے۔ دشمن کے درمیان راستہ بنتے ہی سلطان صلاح الدین نے اس راستے میں اونٹ داخل کر دیئے جن پر اسلحہ اور سامان خورد و نوش کے ساتھ ساتھ کچھ تیرانداز دستے بھی تھے۔ یہ اونٹ خراماں خراماں جگالی کرتے ہوئے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اونٹوں کے دائیں اور بائیں سلطانی لشکر اور تقی الدین کے دستوں نے ایک مضبوط دیوار بنا دی تھی جو تمام دن فرنگیوں کو پیچھے دھکیلتے رہے۔ سلطان معظم بذات خود اس راستہ سے قلعہ عکہ میں داخل ہوئے اور قلعہ کی فصیل پر چڑھ کے انہیں نے قلعہ گھیرنے والے فرنگی لشکر کی پوزیشنوں کو اچھی طرح دیکھا اور ذہن نشین کیا تھا۔

مگر یہ راستہ شام ہونے سے پہلے ہی بند ہوگیا کیونکہ شاہ رچرڈ نے اس راستہ کی خبر پاتے ہی پانچ سو نائٹوں اور تین سو ٹمپلرز کے کئی دستے ادھر روانہ کر دیئے اور مسلمانوں پر اس قدر دباؤ بڑھا کہ انہیں پسپا ہونا پڑا اور راستہ بند ہوگیا۔ سلطان میں جب اس قدر طاقت تھی کہ دشمنوں کے درمیان راستہ بنا کر قلعہ والوں کو سامان رسد پہنچا سکتا تھا تو اس کے لئے یہ اور زیادہ آسان تھا کہ قلعہ کے محصور لشکریوں کو اپنے ساتھ واپس لے آتا اور فرنگیوں کا قلعہ پر قبضہ کرا دیتا۔

مگر سلطان صلاح الدین نے قلعہ کے چار ساڑھے چار ہزار لشکر کو بچانے اور قلعہ فرنگیوں کے حوالے کرنے کا قطعی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ دراصل وہ قلعہ عکہ پر بہر صورت قبضہ رکھنا چاہتا تھا۔ راستہ بند ہونے کے بعد سلطان کے پالتو اور سدھائے ہوئے کبوتروں کے ذریعہ قلعہ والوں سے رابطہ برقرار رکھا۔ ان نامہ بر کبوتروں سے دشمن بھی واقف ہوگیا اور ان کبوتروں کو دوران پرواز ختم کرنے کے لئے جگہ جگہ تیرانداز دستے مقرر کئے گئے جنھوں نے دو مہینے کے طویل عرصہ میں درجنوں کبوتروں کو تیروں کا نشانہ بنا دیا۔

کبوتروں کے خاتمہ کے بعد سلطان نے غوطہ خوروں سے کام لیا۔ یہ غوطہ خور فرنگی بحریہ کی نظریں بچاتے اور ساحل کے ساتھ ساتھ تیرتے ہوئے قلعہ کی دیوار تک پہنچے تھے اور انہیں رسے کے ذریعہ سے اوپر کھینچ لیا جاتا تھا۔ ایک عرصہ تک ان کے ذریعہ قلعہ والوں اور سلطان کے درمیان رابطہ قائم رہا پھر یہ سلسلہ بھی بند ہوگیا اور تمام غوطہ خور ایک ایک کر کے دشمن کے ہاتھوں مارے گئے۔

سلطان قلعہ عکہ کو اس لئے خالی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ فرنگیوں کا پورے یورپ سے آنے والا لشکر تمام کا تمام عکہ پر قبضہ کے لئے ایک ہی جگہ اکٹھا ہو کے رہ گیا تھا اور اس فرنگی لشکر کو ایک طرف تو اندر کے لشکر کی فدا فعتی جنگ کا سامنا تھا دوسرے سلطانی لشکر ان کی پشت پر حملہ کر کر کے ان کا ناک میں دم کئے ہوئے تھے۔ سلطان صلاح الدین نے اپنی حکمت عملی سے دشمن کے تمام لشکر کو قلعہ عکہ کے حملے میں مصروف کر دیا تھا اور اس دوران وہ بیت المقدس کو مضبوط سے مضبوط تر بھی کرتا رہتا تھا۔

فرنگی لشکر نے عکہ پر قبضہ کیا کیا بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے انہوں نے بیت المقدس واپس لے لیا ہو یہاں تک کہ بیت المقدس (جس پر قبضہ کا ابھی خواب تھا) کے نئے بادشاہ کے انتخاب کا ایک عظیم جھگڑا شروع ہوگیا اور اس جھگڑے نے شاہ انگلستان رچرڈ اور شاہ فرانس آگسٹس فلپ کے درمیان اس قدر سخت کلامی ہوئی کہ شاہ فرانس اپنا لشکر وہیں چھوڑ کر تنہا فرانس واپس چلا گیا۔

ادھر فرنگی لشکریوں کا یہ حال تھا کہ انہیں بڑی مشکل سے عکہ سے عشرت کدوں سے نکالا گیا۔ عکہ پر فتح ہوتے ہی شام کے تمام عیسائی علاقوں کی آوارہ عورتیں عکہ پہنچ گئیں تا کہ عکہ کے فاتح لشکر کو داد عیش لینے کا موقعہ مل سکے۔ یہ بھی روایت ہے کہ یورپ سے خوبصورت اور جوان عورتوں کی ایک فوج عکہ کے ہیروؤں پر اپنی جوانیاں لٹانے پہنچ گئی تھی۔

جس وقت فرنگی لشکر عکہ سے نکل کے بیت المقدس کی بازیابی کے لئے جنوب کی طرف روانہ ہوا تو اس کی رفتار شاہانہ نہیں بلکہ مستانہ تھی۔ یہ ضرور تھا کہ ان میں عکہ فتح کرنے کے بعد بیت المقدس کی بازیابی کا جوش پیدا ہوگیا تھا۔ شاہ انگلستان نے کوشش کر کے بیت المقدس کے سابق شاہ لوگمنا گائی کو پھر بیت المقدس کا بادشاہ نامزد کر دیا تھا۔

بیت المقدس تک فرنگی لشکر کو پہنچنے میں کئی منزلیں طے کرنا تھیں اور ہر منزل پہلی منزل سے خطرناک اور خوفناک تھی کیونکہ عکہ سے روانگی کے ساتھ ہی فرنگی لشکر پر سلطان صلاح الدین کے لشکر نے حملے شروع کر دیئے تھے۔ اس لئے شاہ انگلستان لشکر کو بالکل

ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف چلا رہا تھا مگر اس لشکر کے ساتھ ساتھ ساحل کے متوازی جو پہاڑیاں تھیں ان کے نشیب و فراز میں سلطانی لشکر متحرک تھا جو موقع پاتے ہی فرنگیوں پر طوفانی حملہ کرتا اور دم کے دم میں دو چار سو فرنگیوں کا صفایا کر کے پھر پہاڑیوں کی آڑ میں ہو جاتا تھا۔

جافا پہنچتے پہنچتے فرنگیوں کا کافی نقصان ہو گیا تھا۔ سلطان نے یہ بھی کیا تھا کہ تمام ساحلی قلعوں کو تڑوا کے زمین کے برابر کر دیا تھا تاکہ فرنگیوں کو کسی جگہ نہ تو پناہ ملے اور نہ سامان کا ذخیرہ۔ اس وجہ سے فرنگی لشکر اور زیادہ پریشان اور بددل ہو گیا تھا۔

جافا پہنچنے پر شاہ انگلستان کو معلوم ہوا کہ سلطان نے عسقلان کے خوبصورت، بارونق اور عظیب قلعہ کو بھی توڑنے کا حکم دیدیا ہے۔ شاہ نے فوراً سرداروں کی کانفرنس بلائی۔ یہ شاہ رچرڈ کی پہلی کانفرنس تھی۔ اس نے سرداروں کو مخاطب کیا۔

"اے خداوند یسوع مسیح کے جانفروش سردارو! ترک (مسلمان) عسقلان کو برباد کر رہے ہیں۔ ہمیں فوراً" اس شہر کو بچانا چاہئے"۔

مگر سرداروں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ بادام اور انجیر کھاتے رہے۔ ان کے گھوڑے سایہ دار درختوں کے نیچے چرتے رہے اور وہ آپس میں بحث کرتے رہے۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

آخر میں سرداروں نے طے کیا کہ پہلے جافا کی فصیل کی مرمت کرنا چاہئے جسے سلطانی لشکر توڑ پھوڑ گیا تھا۔ رچرڈ اپنے سرداروں کی رائے نہ بدل سکا۔ عکہ سے جافا تک کے خطرناک اور تھکا دینے والے سفر نے اسے چڑچڑا کر دیا تھا۔ اس کے سردار اور لشکری جنگ سے جی چرانے لگے تھے۔ بعض لشکر تو کشتیوں پر سوار ہو کر عکہ کے عشرت کدوں میں واپس چلے گئے تھے۔

رچرڈ کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اس نے عکہ کو تو دو سال کی سخت جنگ کے بعد حاصل کر لیا مگر اب مسلمانوں سے کوئی اور قلعہ حاصل کرنا نا ممکن ہے۔ اس لئے بیت المقدس کا خیال چھوڑ کے مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ یہ اس کی بے دلی کا پہلا مظاہرہ تھا۔ آخر رچرڈ نے سلطان صلاح الدین کے دیوپیکر بھائی اور سلطانی لشکر کے سپہ سالار ملک العادل کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔

ملک العادل سلطان کا بھائی بھی تھا اور مشیر بھی۔ اسے سلطان کی طرف سے لامحدود اختیارات حاصل تھے۔ اس نے شاہ رچرڈ کی دعوت قبول کر لی اور شاہ رچرڈ کے قاصد کے

ساتھ ایک شاندار سوار رسالے کے ساتھ رچرڈ کے پاس پہنچا تھا۔ ایک فرنگی مورخ لکھتا ہے کہ ملک العادل نہایت محتاط اور خلیق تھا۔

شاہ رچرڈ نے اپنے نارمن نائٹوں کے ساتھ ملک العادل کا استقبال کیا۔ ملک العادل نے مسکرا کر شاہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور مصافحہ کیا۔ دونوں میں گفتگو شروع ہوئی۔ نوجوان ہمفرلے آف ٹورون نے مترجم کے فرائض انجام دیئے۔

شاہ رچرڈ نے پر رعب آواز بناتے ہوئے کہا۔"اس جنگ کو بہت مدت گزر چکی ہے دونوں طرف کے ہزاروں بہادر جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں۔ ہم تو شام کے ساحل کے عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے۔ آپ ان سے مصالحت کر لیجئے تاکہ دونوں طرف کی فوجیں پنے اپنے ملکوں کو چلی جائیں۔"

ملک العادل حسن کلام کا ماہر تھا۔ اس نے بے پروائی سے پوچھا۔ "عیسائی کن شرائط پر صلح چاہتے ہیں؟"

چرڈ کو اس سوال کی امید نہ تھی۔ اسے جواب دینا ہی پڑا۔ "یروشلم ہمارے حوالے کر دیا ائے اور مسلمان فوجیں اردن کے اس پار چلی جائیں۔"

ملک العادل اٹھ کے کھڑا ہو گیا اور بڑی تمکنت سے بولا۔"اے شاہ انگلستان یہ دونوں یں ناممکن ہیں۔"

اور اپنے رسالے کے ساتھ خیمے سے نکل گیا۔

شیراز کے شیخ سعدی نے اپنے ایک شعر میں فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ دمشق میں اتنا دست قحط پڑا کہ لوگ عشق کرنا بھی بھول گئے۔ خدا قحط کی تباہ کاریوں سے ہر ملک اور شہر کو محفوظ رکھے۔ شیخ سعدی نے اپنا تجربہ بیان کیا ہے اور یہ یقیناً" صحیح ہو گا لیکن اپنا ہدہ، تجربہ اور مطالعہ کہتا ہے کہ خواہ لوگ قحط سالی کے دوران عشق کرنا بھول جائیں ں میدان جنگ میں جبکہ موت ہر طرف منڈلاتی رہتی ہے لوگ عشق کرنے سے نہیں تے اور حسن و عشق کی ستم رانیاں اور کارفرمائیاں اسماحول میں بھی جاری اور ساری رہتی

۔

اس تیسری صلیبی جنگ میں ایک فرنگی مورخ کے بقول اب تک عیسائی مقتولین کی دو لاکھ سے زیادہ ہو چکی تھی لیکن عشق و محبت کے نظارے وہاں پر بھی دکھائی دیتے

اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ جس وقت ملک العادل، شاہ رچرڈ کے پاس سے شرائط د کر کے معہ اپنے دستے کے شاہی خیمے سے باہر آیا تو اس کے چہرے پر کچھ ناگوار قسم

کے تاثرات تھے یا یوں کہنا چاہئے کہ اس کا موڈ کچھ بگڑا ہوا تھا۔ مگر جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی خیمہ گاہ کی طرف چلا تو اسے ایک طرف سے دس پندرہ سوار تیزی سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

ملک العادل نے گھوڑے کی راسیں کھینچ لیں۔ اس کے لئے مشہور تھا کہ وہ خطرات کی تلاش مین رہتا ہے۔ سواروں کو ڈور پر آتا دیکھ کر اس کی حمیت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ وہ آنے والوں کی تحقیق لئے بغیر اپنے راستہ پر چلتا رہے۔ چنانچہ وہ گھوڑا روک کے کھڑا ہو گیا اور آنے والوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اپنے گھوڑے روک لئے۔

یہ بھی ایک عجیب اتفاق تھا کہ ٹھیک اسی وقت جب ملک العادل نے اپنے گھوڑے کی راسیں کھینچیں تو دور سے آنے والے بھی اپنے گھوڑے روک کر جہاں تک پہنچے تھے وہیں پر رک گئے۔ ان رکنے والوں میں چار خواتین یا پری پیکر لڑکیاں تھیں اور دس عدد ان کے محافظ سوار تھے۔ ان لڑکیوں میں ایک لڑکی شاہ انگلستان رچرڈ کی بہن شہزادی جین تھا جسکی شادی حاکم صقیہ (سسلی) سے ہوئی تھی لیکن میاں بیوی کے ذہنوں میں کوئی مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے ان میں ہمیشہ کے لئے علیحدگی ہو چکی تھی۔

باقی تین لڑکیاں شہزادی کی کنیزیں تھیں جنھیں شہزادی نے اپنی سہیلیوں کا درجہ عطا کیا تھا۔ وہ تھیں تو شہزادی کی سہیلیاں لیکن ان کا تقرر شاہ رچرڈ نے کیا تھا اس لئے وہ شہزادی کی راز دار ہونے کے باوجود شاہ رچرڈ کے لئے شہزادی جین کی جاسوسی کرتی تھیں۔ ادھر ملک العادل اور ادھر شہزادی جین اپنے اپنے ساتھیوں سے دوسرے کے بارے میں قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔

شہزادی کی ایک سہیلی نے زور دے کے کہا۔ "میں یقین سے کہتی ہوں اور شرط لگاتی ہوں کہ ان میں آگے والا سوار سلطان صلاح الدین کا بھائی ملک العادل ہے۔"

"تمہارے یقین کی کوئی وجہ تو ہو گی؟" شہزادی جین نے دلچسپی سے پوچھا۔

"وجہ یہ ہے کہ میں لڑائی کے دوران اپنے لشکریوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ بھاری بھرکم سوار جو سلطانی فوج کی سالاری کر رہا ہے سلطان کا بھائی ملک العادل ہے۔"

دوسری سہیلی حیرانگی سے بولی۔ "اچھا تو یہ وہ ملک العادل ہے جو بھرا ونبہ اکیلے چٹ جاتا ہے؟"

پہلی سہیلی نے فوراً تائید کی۔ "ہاں ہاں یہ وہی ملک العادل اور اس کے لئے یہ بات مشہور ہوئی ہے۔"

"یہ صرف دیکھنے میں بھاری بھرکم ہے یا فنون جنگ سے بھی واقفیت رکھتا ہے؟" یہ سوال شہزادی نے اس طرح دھیمی آواز میں کیا تھا جیسے وہ سرگوشی کر رہی ہو یا خود سے ہم کلام ہو۔

"شہزادی عالیہ۔ میں نے اسے جنگ کرتے دیکھا ہے۔ یہ واقعی شیر ہے شیر۔" پہلی نے جواب دیا۔ "پورے مسلمان لشکر میں سلطان کے بعد دو بہادروں کے نام ہمارے لشکریوں میں مشہور ہیں۔ ایک ملک العادل اور دوسرا تقی الدین۔ ان دونوں پر سلطان کو بہت اعتماد ہے۔"

ملک العادل اور اس کے ساتھیوں میں بھی کچھ اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔

ملک العادل نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ہمیں رکتے دیکھ کر یہ آنے والے کیوں رک گئے۔ آخر یہ کون ہو سکتے ہیں؟"

"محترم سپہ سالار اعلیٰ۔" ایک سوار نے جواب دیا۔ ان آنے والوں میں ایک شہزادی ہے اور تین اسکی کنیزیں۔ اور باقی محافظ سوار ہیں۔"

شہزادی جین کے نام پر ملک العادل کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ اس نے پوچھا۔ "یہ شہزادی جین کون ہے؟"

سوار نے جواب دیا۔ "محترم سپہ سالار۔ شہزادی' شاہ انگلستان رچرڈ کی بہن ہے اور وہ اس کے ساتھ انگلستان سے آئی ہے۔ بڑی نڈر شہزادی ہے۔ اکثر اپنے پڑاؤ سے تنہا سوار ہو کر نکل آتی ہے۔"

"اچھا۔ اس کا مطلب ہے کہ فرنگی لشکر میں ایک دیکھنے والی چیز بھی ہے۔" اور ملک العادل خودبخود مسکرا دیا۔

"چلئے حضور۔ قریب سے دیکھتے ہیں۔" سوار نے کہا۔ "میں نے بہت تعریف سنی ہے شہزادی جین کی۔"

"نہیں۔ لڑکیوں سے ملنے جانا ہماری توہین ہے۔" ملک العادل اک دم اکڑ گئے۔

"سپہ سالار۔ اگر لڑکی خود ملنے کی خواہش کرے تو؟" سوار نے الٹا ملک العادل سے سوال کر دیا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ ان کی خواہش ہے؟" ملک العادل نے تیز نظروں سے دیکھا۔

"میں ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔ آپ مجھے جانے کی اجازت تو دیجئے۔؟" سوار نے باگ پر جما کر کہا۔

ملک العادل نے ایک لمحہ کے توقف کے بعد کہا۔ "تم کیا کہو گے ان سے؟"

"سوار نے جواب دیا۔ "میں ان سے پوچھوں گا کہ وہ سپہ سالار لشکر اسلام ملک العادل کو دیکھ کر رک کیوں گئیں؟"

"ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔" ملک العادل نے اسے اجازت دیدی۔

ملک العادل گرانڈیل بھی اور بہت وجیہہ شخصیت کا مالک تھا۔ وہ شادی شدہ تھا اور اس کا ایک بیٹا جوانی کی منزل میں قدم رکھ رہا تھا۔ لڑکیاں خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، ملک العادل کو دیکھ کر ٹھٹک کے کھڑی ہو جایا کرتی تھیں اور ان کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ اس دیو قامت انسان سے گفتگو کریں۔

سوار گھوڑا بڑھا کر اس جگہ پہنچا جہاں شہزادی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس نے ادب سے شہزادی جین کو سلام کیا پھر اس طرح گویا ہوا۔ "میں سپہ سالار لشکر اسلام اور سلطان صلاح الدین کے برادر محترم ملک العادل کا ایک ادنیٰ محافظ ہوں۔ کیا شہزادی عالیہ ہمارے سپہ سالار سے گفتگو کرنا پسند فرمائیں گی؟"

"کیا سپہ سالار ہم سے گفتگو پر آمادہ ہیں؟" شہزادی نے یہی سوال محافظ سوار سے کر دیا۔

"بشرطیکہ شہزادی عالیہ اس کی خواہش فرمائیں۔" محافظ سوار نے بڑی ذہانت سے جواب دیا۔

شہزادی سوار کے جواب پر گھبرا گئی۔ اس کی دل سے یہ خواہش تھی کہ وہ شہزادے ملک العادل سے ملاقات کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ ملک العادل میں وہ کونسی خوبیاں ہیں جن کی بنا پر اسے مسلمانوں کے لشکر کا سپہ سالار بنایا گیا ہے۔

یہ تو تھی اس کے دل کی بات مگر اب سوال یہ تھا کہ وہ اپنی خواہش کو ایک غیر مرد جو اس کی دشمن فوج کا ایک فرد تھا اس کے سامنے اسے کس طرح بیان کرے۔ آخر اس نے ایک سہیلی کا سہارا لیا اور اس سے سرگوشیوں میں اپنا مدعا بیان کیا۔ سہیلی نے سہیلی کی طرف سے جواب کو ذہن میں ترتیب دیا پھر کہا۔

"اے مسلم سپہ سالار کے عقلمند قاصد۔ شہزادے ملک العادل ہماری شہزادی سے گفتگو کے لئے تشریف لا سکتے ہیں۔"

قاصد واقعی عقلمند اور ذہین تھا اس نے جواب میں کہا۔ "اے انگلستان کی شہزادی کی خوبصورت سہیلی۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے سوال کا یہ جواب نہیں ہے یا پھر تم نے شہزادی کے جواب کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا۔

"تم بہت جھنجھٹی معلوم ہوتے ہو قاصد۔" سہیلی چڑ کے بولی۔ "شہزادی نے تمہارے الار کو گفتگو کی اجازت تو دے دی ہے۔ تم اور کیا چاہتے ہو؟"

"اے شہزادی کی تنک مزاج سہیلی۔" میرا نام شریف ہے اور شرافت کا جواب چاہتا تمہارے جواب سے شہزادی کی کسی خواہش کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے شہزادی کسی کو حکم دے رہی ہیں۔"

"اے شریف اور شرافت کے پتلے۔۔۔" سہیلی نے دونوں ہاتھوں کے درمیان راسیں کے جیسے ہاتھ جوڑے۔۔"نا۔۔۔بابا۔۔۔میں تم سے باتوں میں نہیں جیت سکتی۔ اب اف الفاظ میں کہہ رہی ہوں کہ یہ شہزادی عالیہ کی خواہش ہے، آرزو اور اور تمنا اب تو تم خوش ہو گئے۔"

"ہاں خوش تو ہو گیا۔" شریف نے مسکرا کے کہا۔ "مگر جب شہزادی عالیہ کی خوبصورت نک مزاج سہیلی مجھے اپنا نام بتائے گی؟"

"دیکھو شریف۔ تم شرافت کے دائرے میں رہو۔" سہیلی مصنوعی غصہ سے ۔"گفتگو شہزادی انگلستان اور سپہ سالار افواج اسلام کے درمیان ہونی ہے۔ اس میں ، نام کی کیا ضرورت پڑ گئی؟"

شہزادی اور دوسری سہیلیاں ان دونوں کی نوک جھونک سے بہت لطف اٹھا رہی تھیں سکرائے جا رہی تھیں۔ حالانکہ میدان جنگ میں اس طرح کی ہنسی مذاق کا کوئی موقعہ نہ ر سہیلی اور قاصد کی باتوں ہی باتوں میں نوک جھونک شروع ہو گئی تھی۔

"اچھا شریف زادے اب جان چھوڑو بھی۔۔" سہیلی نے جواب دیا۔ "میرا نام ہی سننا ، ہو تو سنو۔ تمہارا نام شریف ہے اور میرا نام شریر ہے (Naughty)

واہ واہ۔ کیا پیارا نام ہے۔" شریف ہنس پڑا اور گھوڑا گھما کر ملک العادل کی طرف چلا۔

یہ شہزادی ملک العادل اور شہزادی جین کی پہلی ملاقات تھی۔ حالانکہ شہزادی کی ں اور شہزادی کے محافظوں نے ان دونوں کو تنہائی میں گفتگو کا موقع فراہم کیا اور وہ تھوڑے دور ہٹ کے کھڑے ہو گئے تھے پھر بھی شہزادی اور شہزادہ میں حجاب مانع رہا نھوں نے صرف رسمی سی دو چار باتیں کیا لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ محبت کی ' الفاظ کی محتاج نہیں ہوتی تو پھر یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس ملاقات کے دوران وقت شہزادہ اور شہزادی کی نظروں کے ملاپ یا تصادم میں گزرا اور انھوں نے نگاہوں اہوں میں وہ سب کچھ کہہ ڈالا اور اس کا جواب بھی پا لیا جو وہ زبان سے نہ کہہ سکے

اس طرف تو شہزادہ شہزادی نظروں کی گفتگو جاری رکھے ہوئے تھے اور دوسری
شریف قاصد اور شریر سہیلی اپنے اپنے حلقے سے ہٹ کر دور جا کھڑے ہوئے تھے۔ ا
گھوڑوں کے منہ تقریباً" ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے اور وہ دونوں نہ معلوم کس
کی باتیں کر رہے تھے۔ ان کی گفتگو میں ہاتھ کے اشارے بھی ہوتے تھے اور ہلکے قہقہے
بلند ہوتے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ایک زمانے سے ایک دوسرے سے وا
ہیں۔

پھر جب شہزادہ اور شہزادی اپنی گفتگو ختم کر چکے۔ شہزادہ محافظوں کی طرف لوٹ گیا
شہزادی اپنی سہیلیوں میں آ گئی اور ایک سہیلی نے نائی (شریر) کہہ کر اسے آواز دی تو
کے شریف اور نائی کو ہوش آیا اور کھسیانی ہنسی کے ساتھ شہزادی کے پاس واپس لوٹ آ
اس ملاقات کے بعد شہزادی جین اور سپہ سالار لشکر اسلام شہزادے ملک العادل
کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ شہزادی جین کی سہیلی نائی (شریر) بڑی بیباکی سے ملک العادل کے
تک شہزادی کا پیغام لے جاتی۔ اسی طرح ملک العادل کا محافظ شریف فرنگی لشکر گاہ
قریب ایک مقام تک جاتا جہاں یا تو نائی موجود ہوتی یا اس کی متبادل اور کوئی کنیز۔ شر
ملک العادل کا پیغام پہنچا کر واپس آ جاتا۔ پھر طے شدہ منصوبے کے تحت جین اور مل
العادل میں ملاقاتیں ہوتیں تھیں۔

اتنی بڑی بات بھلا لشکریوں سے کیسے چھپ سکتی تھی۔ لشکر خواہ فرنگی ہوں خ
مسلمان۔ انھیں تو کوئی مشغلہ چاہیے۔ چنانچہ پہلے یہ معاملہ فرنگی لشکر کا موضوع بنا۔ با
اتنی پھیلی کہ ایک دن شاہ رچرڈ کے بھانجے کاؤنٹ ہنری آف شمپن جسے رچرڈ نے قبر
حاکم نامزد کر دیا تھا' اس نے شاہ رچرڈ سے عرض کیا۔
"عالیجاہ۔ آج کل لشکر میں ایک افواہ گرم ہے؟"
شاہ رچرڈ نے سر اٹھا کر کاؤنٹ ہنری کو دیکھا مگر کچھ کہے بغیر سر جھکا لیا۔ کاؤنٹ ہنر
آف شمپن ایک بیوقوف قسم کا انسان تھا۔ اس نے شاہ کی خاموشی کو نیم رضا سمجھا حالانک
شاہ رچرڈ کے چہرے کے تاثرات صاف ظاہر کرتے تھے کہ اسے یہ گفتگو ناگوار گزری ہے۔
کاؤنٹ نے دوبارہ بات شروع کی۔۔ "عالیجاہ۔ لشکریوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا س
سالار ملک العادل ہماری خیمہ گاہ کے قریب اکثر دیکھا گیا ہے۔۔۔"
"دفع ہو جاؤ تم۔۔" شاہ رچرڈ نے اسے ڈانٹ دیا۔
کاؤنٹ ہنری منہ لٹکائے چلا گیا۔
شاہ رچرڈ کے اس رویے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جین اور ملک العادل کی ملاقاتوں سے

اقف ہی نہیں بلکہ جین کی ہمت افزائی بھی کر رہا ہے۔ ادھر یہ خبریں سلطان صلاح الدین
یوبی کے کانوں تک مسلسل پہنچ رہی تھیں اور انھوں نے بھی خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔
لطان صلاح الدین ایوبی کو ملک العادل پر پورا اعتماد تھا۔ ملک العادل شادی شدہ اور سنجیدہ
پاہی تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر شہزادی سب کچھ جانتے ہوئے بھی ملک العادل سے شادی کی
خواہش مند ہے تو وہ خواہ مخواہ دخل کیوں دے۔ پھر ابھی تک شاہ رچرڈ کی طرف سے اس
کے پاس کوئی پیغام بھی نہیں آیا تھا۔

پھر جب شاہ رچرڈ نے ملک العادل کو دوبارہ بلاوا بھیجا تو وہ فوراً آمادہ ہو گیا۔ اس بار
زادہ ملک العادل بڑی شان و شوکت سے رچرڈ کی ملاقات کے لئے گیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک
ت بڑا خیمہ لے گیا۔ اس کے علاوہ بیش قیمت اور اعلیٰ نسل کے گھوڑے جن پر ریشمی
ولیں پڑی تھیں اور جن کا سازوسامان مرصع اور جڑاؤ تھا وہ سب ملک العادل نے شاہ
چرڈ کو تحفہ میں پیش کئے۔

شاہ رچرڈ نے بھی ملک العادل کے لئے نہایت شاندار خیمہ نصب کرایا اور اس میں سپہ
لار کی ضیافت دی۔ ملک العادل اپنے ساتھ شاہی باورچی خانہ سے اعلیٰ قسم کے کھانوں
طشت بھی لے گیا تھا۔ چنانچہ شاہ رچرڈ کے مطبخ کے کھانوں کے ساتھ ملک العادل کے
تھ آئے ہوئے شاہی کھانوں کے طشت بھی ضیافت میں رکھے گئے۔ یہ بڑی شاندار دعوت
ملک العادل کی سخن طرازیوں نے رچرڈ کو اس کا مداح بنا دیا۔ ملک العادل بیچ بیچ لطیفے
چھوڑتا تھا۔

رچرڈ نے لوگوں سے سن رکھا تھا کہ ملک العادل ایک ہی نشست میں بھنا ہوا دنبہ کھا
ہے۔ رچرڈ نے اس آزمائش کے لئے ایک موٹا تازہ دنبہ ملک العادل کے لئے بھنوایا
وہ دنبہ ملک العادل کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔ رچرڈ کو یہ دیکھ کر واقعی تعجب ہوا کہ
العادل نے دیکھتے ہی دیکھتے پورا دنبہ کھا لیا پھر یہ کہ وہ دوسرے کھانے بھی ساتھ ہی
کھاتا رہا تھا۔ ایک پارسا مسلمان امیر جس میں زباندانی' لطیفہ گوئی' شاہین بازی اور شکار
ہر اور پھر اس کی جسمانی طاقت کا یہ حال ہو کہ مسلم بریاں دنبہ ایک وقت میں کھا کے
تک نہ لیتا۔ اسے شاہ رچرڈ پسند کیوں نہ کرتا۔
ضیافت کے دوران ایک بار شہزادی جین اچانک کھانے کے خیمے میں آ گئی اور انتہائی
کرنے کے باوجود ملک العادل اور جین کی ایک لمحہ کے لئے نظریں مل کے فوراً جھک
پھر چالاک جین فوراً ہی شاہ بھائی سے معذرت کر کے فوراً ہی واپس ہو گئی تو شاہ
جین کی دلی کیفیت پر مسکرا کے رہ گیا۔

اس کے بعد سے تو دونوں میں بڑے گہرے تعلقات ہو گئے مگر تعلقات جنگ سے الگ تھے۔ جنگ اپنی جگہ جاری تھی اور روزانہ جھڑپیں ہوا کرتی تھیں۔ شاہ رچرڈ کو جس چیز کی ضرورت پڑتی وہ بے تکلف ملک العادل سے منگوا بھیجتا اور ملک العادل اس کی فرمائش پوری کرنے میں خوشی محسوس کرتا۔ رچرڈ کی طرف سے زیادہ شربت کی فرمائش ہوتی پھر جب شاہ رچرڈ کو بخار ہوا اور طبیعت خراب ہو گئی تو ملک العادل نے اس کے لئے جبل ہرمون کی برف پوش چوٹی سے اس کے لئے برف منگا کر بھیجا تھا غرض کہ ملک العادل بڑی خندہ پیشانی سے رچرڈ کی فرمائش پوری کرتا اور اس سے مروت اور خودداری سے پیش آتا تھا۔ مسلمان مورخین کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ ملک العادل اور شاہ رچرڈ اس دوستی کے پردے میں ایک دوسرے کے ذہن اور طبیعت کا مطالعہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

فرنگیوں کے ایک گپ باز ناول نگار نے رچرڈ کی اس بیماری کے سلسلہ میں یہ ایک گپ چھوڑی ہے کہ رچرڈ کی بیماری کے دوران خود سلطان صلاح الدین ایوبی' ایک طبیب کا روپ دھار کے شاہ رچرڈ کے پاس گیا تھا اور اس نے رچرڈ کا علاج کیا تھا۔

یہ سراسر جھوٹ ہے۔ پہلے تو یہ کہ سلطان صلاح الدین کو فن طب سے نہ کوئی رغبت تھی اور نہ اس کا کوئی تجربہ تھا پھر وہ طبیب بن کے رچرڈ کا علاج کرنے کیسے جاتا۔ یہ ضرور ہے کہ سلطان اس کی بیماری کے زمانہ میں تازہ پھل اور برف بھجوایا کرتے تھے۔ اس جگہ یہ بات بھی نظریں رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب رچرڈ نے ملک العادل کی ضیافت کی تھی تو ملک العادل اپنے ساتھ شاہی باورچی خانے کے کھانے ے طشت کے طشت بھروا کے لے گیا تھا۔ ادھر رچرڈ نے ملک العادل کے لئے مسلم بھنا ہوا دنبہ پیش کیا تھا۔ ان حالات میں یہ تو ممکن ہے کہ سلطان نے رچرڈ کے علاج کے لئے اپنا طبیب بھیجا ہو لیکن اس کے خود جانے کا کوئی تک نہیں بلکہ یہ محض ایک افسانہ اور سروالٹر اسکاٹ کا جدت طبع ہے۔

اس کے علاوہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سلطان اور رچرڈ میں نہ تو میدان جنگ میں کبھی سامنا ہوا اور نہ جنگ ختم ہونے کے بعد کبھی اکٹھا ہوئے حالانکہ شاہ رچرڈ نے اس کی کئی بار کوشش کی تھی۔

دو تین ماہ بعد رچرڈ نے ایک بار پھر ملک العادل کو دعوت کا پیغام بھیجا کیونکہ ملک العادل اس کی نظروں میں ایک پروقار اور حسن اخلاق کا پیکر تھا۔ ملک العادل نے رچرڈ کو مثبت جواب دیا اور دن اور وقت مقررہ پر اپنے رسالے کے ساتھ رچرڈ کے خیمہ دربار میں پہنچ گیا۔ ان تین ماہ کے دوران نائی اور شریف کے توسط سے شہزادی جین اور ملک العادل میں کئی بار ملاقاتیں ہو چکی تھیں اور خفیہ ملاقاتوں میں بات کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی

تھی۔ شہزادی جین نے ملک العادل کے سامنے اپنا دل نکال کے رکھ دیا تھا اور ملک العادل نے اسے جواب دیا تھا کہ اگر سلطان نے یہ رشتہ منظور کر لیا تو وہ انکار نہیں کرے گا بلکہ کامیابی کی کوشش بھی کرے گا۔

شاہ رچرڈ کو ان خفیہ ملاقاتوں کی نہ صرف فوراً اطلاع مل جاتی تھی بلکہ آخری دنوں میں شہزادی جین نے خود ہی اپنی ملاقاتوں کی تفصیل سے شاہ بھائی کو آگاہ کرنا شروع کر دیا تھا اور اس دفعہ ملک العادل کو جو دعوت دی گئی تھی وہ جین ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ شہزادی جین نے شاہ رچرڈ کو یقین دلا دیا تھا کہ اگر سلطان کو اس کی اور ملک العادل کی شادی کی تجویز پیش کی گئی تو ملک العادل اس رشتہ کی حمایت کرے گا۔

دراصل شاہ رچرڈ اب صلیبی جنگ سے عاجز آ گیا تھا۔ اس نے شاہ فرانس اور مارکوئیس کونریڈ کو زچ کر کے لشکر کی باگ ڈور تو سنبھال لی تھی لیکن ان دونوں کے ساتھ چھوڑ جانے کے بعد جب عملی طور پر رچرڈ عکہ سے فرنگی لشکر کی ساتھ بیت المقدس کی بازیابی کے لئے روانہ ہوا تو اس کے لشکر کو پہلی منزل پر پہنچتے تک مسلمان چھاپہ ماروں سے اس قدر جانی نقصان پہنچا کہ اس کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔

یہی حال شاہ رچرڈ کا تھا۔ اس نے ملکہ برنگیریا کو اپنے خیمے میں آنے سے قطعی روک دیا تھا۔ گرمی' بارش اور ریگستانی آب و ہوا نے اس کی ہمت پر برا اثر ڈالا تھا لیکن وہ بیت المقدس کے حصول کا بیڑہ اٹھا کر پھنس گیا تھا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ سلطان سے کسی طرح کوئی باعزت سمجھوتہ ہو جائے اور اس کی عزت بچے۔

پھر جب جین اور شہزادے ملک العادل کا معاملہ اس کے سامنے پیش ہوا تو اس نے اس کی آڑ میں ایک بڑی شاطرانہ چال چلی۔ چنانچہ جب ملک العادل کی تیسری دعوت ختم ہوئی جس کے دوران شہزادی جین کئی بار شاہ رچرڈ کے کمرے میں آئی اور اس نے ملک العادل سے رسمی گفتگو بھی کی۔ تو شاہ رچرڈ نے ملک العادل کے سامنے ایک نہایت دلچسپ مگر بڑی شاطرانہ تجویز رکھی۔

شاہ رچرڈ نے ملک العادل سے بڑی بے تکلفی سے کہا۔"اب مسلم سپہ سالار ملک العادل میرے ذہن میں اس طویل جنگ و جدل کو ختم کرنے کی ایک تدبیر موجود ہے اگر تم پسند کرو تو ہم اس کی تفصیل سے تمہیں آگاہ کریں؟"

ملک العادل نے فوراً جواب دیا۔"شاہ انگلستان جانتے ہیں کہ میں فیصلہ کرنے میں قطعی دیر نہیں کرتا۔ آپ تجویز پیش کیجئے میں فوراً اس پر اپنی رائے ظاہر کروں گا۔"

شاہ رچرڈ نے بھی بڑی بے تکلفی سے کہا۔"ہمارے ذہن میں اس جنگ کو ختم کرنے کی

بہترین ترکیب یہ ہے کہ میری پیاری بہن شہزادی جین اور تمہاری شادی کر دی جائے اور
شادی کے بعد مسلمانوں کی طرف سے سلطان صلاح الدین اور صلیبیوں کی طرف سے شاہ
انگلستان یعنی ہم اپنے اپنے مفتوحہ علاقے نئے شادی شدہ جوڑے کو پیش کر دیا۔ اس طرح
یروشلم پر فریقین کا پرامن تسلط ہو جائے گا۔ زائرین آزادانہ مقامات مقدسہ کی زیارت کر
سکیں گے اور صلیب الصلبوت عیسائیوں کو مل جائے گی۔"

شاہ رچرڈ نے بظاہر یہ تجویز بڑے خلوص سے پیش کی لیکن یہ مکاری سے پر تھی اور
مسلمانوں کو فریب دینے کی زبردست سازش تھی۔ تجویز پیش کرنے کے بعد رچرڈ نے ملک
العادل کی طرف اس کا ردعمل معلوم کرنے کے لئے دیکھا۔ ملک العادل ایک کھرا سپاہی تھا
اس نے فوراً جواب دیا۔ "اگر سلطان نے اس رشتہ کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا تو
میں اس تجویز سے انکار نہ کروں گا لیکن اس کا فیصلہ صرف سلطان محترم کریں گے۔"

شاہ رچرڈ کو ملک العادل کے جواب پر بڑا تعجب ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ شہزادہ ملک
العادل مسلمان فوجوں کا سپہ سالار ہے اور شاہی خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے وہ بڑی حد
تک آزاد خیال اور خودمختار ہو گا مگر ملک العادل کے جواب سے شاہ رچرڈ یہ سوچنے پر مجبور
ہو گیا کہ سلطان صلاح الدین نہ صرف جنگی اور ملکی معاملات میں مطلق العنان ہے بلکہ اس
کے امیروں کی ذاتی زندگی بھی سلطان کے تابع ہوتی ہے۔ جب سپہ سالار کو سلطان کی ذات
اور اس کے وقار کا اتنا خیال تھا تو پھر عام سرداروں اور لشکریوں کا کیا حال ہو گا۔

یورپین مورخین اور شاہ رچرڈ کے قصیدہ خوانوں نے سلطان پر الزام لگایا ہے کہ
مسلمان لشکر پر سلطان کی گرفت مضبوط نہیں تھی اور وہ اکثر حکم عدولی کر جاتا تھا۔ اس کا
جواب ایک تو یہ ہے کہ فرنگی لشکر پر شاہ رچرڈ کی کتنی گرفت تھی اس کا حال تو ابھی تحریر کیا
گیا ہے کہ جب شاہ رچرڈ نے اپنی سرداروں کی پہلی کانفرنس میں کہا۔

"سلطان عسقلان کو برباد کر رہا ہے۔ ہمیں فوراً اسے بچانے کے لئے روانہ ہونا
چاہئے۔"

اس کے جواب میں شاہ رچرڈ کے سرداروں نے جس سرد مہری کا اظہار کیا اس کا حال
قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ شاہ رچرڈ کو مجبور ہو کر کہنا پڑا۔

"اچھا تو پھر جافا کی فصیلوں کو درست کیا جائے۔"

شاہ فرانس آگسٹس فلپ' رچرڈ سے ناراض ہو کر واپس چلا گیا تھا۔ مارکوئیس کونریڈ نے
رچرڈ کے رویہ سے بددل ہو کر صلیبی جنگ سے منہ موڑ لیا تھا۔

ان حالات میں فرنگی مورخوں کو سلطان صلاح الدین پر الزام لگاتے ہوئے ذرا بھی شرم

ں کہ وہ اس سلطان پر الزام لگانے سے باز نہیں آتے جس نے مصر میں بلبیس کے
ں پہلی بار تلوار بے نیام کی تو آج تک وہ تلوار اس کے ہاتھ میں بے نیام ہی
یا" آٹھ سال تک تو اس نے عراق اور شام کے ان خودسر امیروں' سرداروں اور
ناہوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے کے لئے جنگ کی۔ پھر جب دمشق کی
لطنت مضبوط ہوئی تو اس نے جہاد کا آغاز کیا اور قبلہ اول بیت المقدس کی بازیابی
ں شروع کی۔ اس لئے اسے پہلے شام کی تمام عیسائی حکومت سے ٹکرانا پڑا اور آخر
ی کرم نوازی سے سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس فتح کر لیا۔

کے ساتھ ہی تیسری صلیبی جنگ شروع ہو گئی اور پورا دول یورپ' فلسطین پر چڑھ
رپ کی سلطنتوں میں مسلمانوں کے خلاف فلسطین اور یروشلم کے بھگوڑے پادریوں
ندر زہر اگلا اور مسلمانوں کے ظلم و ستم کے اتنے فرضی قصے بیان کئے کہ وہاں کے
ں کے صلیبی جنگ میں شرکت اور یروشلم (بیت المقدس) کی بازیابی کے لئے
نا شروع ہو گئے۔ شاہ انگلستان' شاہ فرانس' شاہ جرمنی' پورے یورپ کے نائٹس'
پٹلرز' ایڈریاٹک کے ممالک ناروے' فن لینڈ' یوگوسلاویہ' پرشیا' سفلیہ' غرض
رپ کا کوئی ایسا ملک نہ تھا جس نے اپنا لشکر تیسری صلیبی میں شرکت کے لئے نہ

یس سال کا تھکا ماندہ سلطان پورے یورپ کے سامنے سینہ سپر تھا۔ یورپ والے
، اور سلطانی لشکر دس سال سے مسلسل جنگ کر رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے
ے قاہرہ (مصر) چھوڑا تھا اسے وہاں جانے کا موقع نہ مل سکا۔ دس برس سے
، دارالسلطنت دمشق سے نکلا ہوا تھا اور اسے ایک دن کا بھی آرام نہ مل رہا تھا
، روکتے مگر سلطان علی الصبح گھوڑے کی پیٹھ پر نظر آتا' ایسے سلطان' ایسے مجاہد
کس کالے منہ سے الزام لگائے۔ اس کا کردار بے داغ تھا۔

یسے ہی سلطان کے متعلق شاہ رچرڈ یہ سوچ سکتا تھا کہ صلاح الدین کی حکومت
عوام پر نہیں بلکہ وہ تو عوام اور خواص کے دلوں پر بھی حکومت کرتا تھا۔ ملک
شاہ رچرڈ کو صحیح جواب دیا تھا کہ "فیصلہ سلطان ہی کر سکتے ہیں۔" اور پھر سلطان
، ملک العادل کی شادی کی تجویز کا فیصلہ کر دیا مگر وہ فیصلہ انتہائی غیر متوقع اور بڑا
-

ادل نے رچرڈ کی ضیافت سے واپس آنے کے بعد سلطان صلاح الدین سے
عالیجاہ۔ شاہ رچرڈ نے آج کی ضیافت میں ایک ایسی تجویز پیش کی کہ میں اسے

سن کر حیران رہ گیا۔"

اس وقت سلطان کے پاس ان کو وزیر، مشیر اور مورخ بہاء الدین بھی موجود
سلطان نے ملک العادل سے کوئی سوال نہیں کیا بلکہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

ملک العادل کو حوصلہ ہوا اور اس نے عرض کیا۔ "عالیجاہ۔ شاہ رچرڈ نے دعوت کے
کہا کہ اس طویل جنگ کو اب ختم ہو جانا چاہئے اور پھر خود ہی اس نے جنگ کے خاتم
یہ تجویز پیش کی کہ اس کی بہن شہزادی جین کی شادی آپ کے اس غلام ملک العادل سے
دی جائے۔"

سلطان اور بہاء الدین نے چونک کے ملک العادل کو دیکھا۔ سلطان اور دوسرے لو
کو یہ تو معلوم تھا کہ شہزادی جین، ملک العادل کو ملاقات کے لئے اکثر اپنی ایک سہیلی
ذریعہ بلوایا کرتی ہے اور ملک العادل ملاقات کو جاتا ہے۔ مگر کسی نے بھی اس معاملہ کو
سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس اچانک انکشاف پر انہیں متعجب ہونا ہی تھا۔

ملک العادل خاموش ہوا تو دوسرے ہی لمحے سلطان کی پر رعب آواز ابھری۔ "رچرڈ
کیا شرائط رکھی ہیں؟"

ملک العادل گھبرایا مگر فوراً سنبھل کے بولا۔ "عالیجاہ۔ شاہ رچرڈ نے کسی شرط کا نا
نہیں لیا تھا۔ ہاں یہ ضرور کہا تھا کہ اس شادی کے بعد مسلمانوں کی طرف سے سلطان صلا
الدین اور فرنگیوں کی طرف سے وہ یعنی شاہ انگلستان اپنے مفتوحہ علاقے نئے شادی ش
جوڑے کو پیش کر دیں۔ اس طرح یروشلم پر فریقین کا پرامن تسلط ہو جائے گا۔ زائر
آزادانہ مقامات مقدس کی زیارت کر سکیں گے اور صلیب اصلبوت عیسائیوں کو واپس
جائے گی۔"

سلطان کے چہرے پر ہلکی سی کرختگی آئی۔ انہوں نے فرمایا۔ "ملک العادل کیا تمہیں ا
تجویز میں کوئی شرط پوشیدہ نظر نہیں آتی؟"

اب ملک العادل کے بوکھلانے کی باری تھی۔ اس نے اسی بوکھلاہٹ میں کہا۔ "عالیجا
میں نے اس تجویز پر کچھ غور نہیں کیا اس لئے کہ تجویز کا فیصلہ کا حق سلطان صلاح الد
ایوبی اور صرف سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس ہے۔"

سلطان کے چہرے کی شکنیں درست ہو گئیں۔ "تم جا سکتے ہو ملک العادل۔" اور سلطا
نے ملک العادل کو رخصت کر دیا۔ ملک العادل نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ ا
واقعی سلطان کے سوال پر بہت زیادہ گھبرا گیا تھا۔

ملک العادل کے جانے کے بعد سلطان اس طرح خاموش ہوا جیسے وہ اپنے ذہن میں ک

فیصلے پر پہنچ جانا چاہتا ہو۔ بہاء الدین وہاں موجود تھا لیکن اس نے صلاح الدین کے خیالوں
میں مخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔ اسے معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین ہر اہم فیصلے کے
وقت گہری سوچ میں ڈوب جاتے ہیں اور وہ اس وقت تک کسی کی بات کا جواب نہیں دیتے
جب تک کسی نتیجہ پر پہنچ نہ جائیں اور جب وہ کسی اچھے یا برے نتیجے پر پہنچ جاتے تھے تو
ان کے چہرے کے تاثرات بھی تبدیل ہو جاتے تھے۔

بہاء الدین دیر تک سلطان کے چہرے پر نظریں گمائے بیٹھا رہا پھر اچانک سلطان نے
بہاء الدین کی طرف دیکھا۔ بہاء الدین نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ سلطان کا چہرہ اپنی
حالت پر آگیا تھا۔

"اگر غلام غلطی نہیں کرتا تو سلطان معظم کسی فیصلے پر پہنچ چکے ہیں؟" بہا الدین نے
بڑے ادب سے کہا۔

سلطان نے جذبات سے عاری لہجے میں جواب دیا۔ "تم ہمارے مزاج واقف ہو بہاء
الدین۔ تم نے درست اندازہ کیا۔"

"کیا غلام کو ایک سوال کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے گی؟" بہاء الدین نے
حوصلہ کر کے کہا۔

"ایک نہیں دو سوال کر سکتے ہو بہاء الدین۔" سلطان کو لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

سوال کرنے کے لئے بہاء الدین کو محتاط ہونا پڑا۔ اس کے سوال سے سلطان منغض
بھی ہو سکتا تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے نظریں نیچی کر کے سوال کیا۔ "کیا سلطان عالی مقام،
شاہ انگلستان کی تجویز منظور فرمالیں گے؟"

"ضرور۔" سلطان نے صرف ایک لفظ میں جواب دیا اور فوراً دیا۔

بہاء الدین اپنی جگہ پر اچھل پڑا۔ وہ سمجھ ہی نہ سکا کہ سلطان کا اس لفظ "ضرور" کا کیا
طلب ہے۔ بہاء الدین سلطان کا منہ چڑھا تھا۔ اس نے پھر جرات کی۔ "غلام، عالیجاہ
زبان سے ادا ہونے والے لفظ "ضرور" کا مطلب بالکل نہیں سمجھ سکا۔ اس لئے کہ غلام
عقل اب بوڑھی ہو چکی ہے؟"

"بہاء الدین۔" سلطان نے پورے اطمینان سے کہا۔ "لفظ "ضرور" اپنے اصلی معنی میں
تعمال ہوا ہے۔ ہم نے تمہارے سوال کا جواب اثبات میں دیا ہے۔"

"جی عالیجاہ۔" بہاء الدین کا پورا منہ حیرت سے کھل گیا اور اس کی نظریں سلطان کے
ے پر اٹک کے رہ گئیں۔

"بہاء الدین۔ تم ہماری بات اب بھی نہیں سمجھ سکے۔" سلطان نے ٹھہرے لہجے میں

کہا۔"اب ایک بار تم اپنے سوال کو پھر دہراؤ اور ہمارے جواب کو غور سے سنو۔

بہاء الدین کی نظریں ایک بار پھر سلطان کے چہرے پر پہنچیں۔ اس نے محسوس کیا سلطان کے چہرے پر برافروختگی اور غصہ کے کوئی آثار نہیں۔ اس لئے اس نے بڑے واضح طریقے سے اپنا سوال دہرایا۔"میں عالیجاہ کی زبان سے اس تجویز کا جواب سننا چاہتا ہوں جو شاہ انگلستان نے اپنی بہن شہزادی جین اور ہمارے سپہ سالار شہزادہ ملک العادل کی شادی کے سلسلے میں پیش کی ہے۔ کیا عالیجاہ اس تجویز کو منظور فرمالیں گے؟"

"بہاء الدین۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ جین اور ملک العادل کی شادی کی تجویز ہم منظور کر لیں گے۔۔" سلطان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کے جواب دیا۔"اب اس سلسلہ میں ہم سے کوئی سوال نہ کیا جائے"

بہاء الدین نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ اس سلسلہ میں کیا بہاء الدین نے اس دن پھر کسی اور سلسلہ میں بھی بات نہیں کی مگر جب وہ سلطان سے اجازت لے کر جانے کے لئے تیار ہوا تو سلطان نے اسے سمجھایا۔

"بہاء الدین۔ تمہیں اس بات پر سخت تعجب ہوا کہ ہم نے شہزادی جین اور شہزادے ملک العادل کی شادی پر رضامندی کا اظہار کیا۔ ہم تمہارے اس تعجب سے خوش ہوئے اس لئے کہ اس شادی کے بارے میں جو مسلمان بھی سنے گا اسے تعجب ہو گا یا پھر افسوس کرے گا لیکن ہماری ایک بات اور یاد رکھنا وہ یہ کہ ہم نے شادی کی اجازت دیدی ہے مگر یہ شادی نہیں ہو گی۔ اب تم جا سکتے ہو بہاء الدین۔۔"

بہاء الدین کو سلطان کے پہلے جواب پر بھی تعجب ہوا تھا اور اب ان کے یہ کہنے پر کہ ان کے قبول کرنے پر بھی یہ شادی نہیں ہو سکے گی۔ اس نے بہاء الدین کو اور زیادہ متعجب کیا۔ کیونکہ سلطان کی رضامندی کے بعد نہ تو ملک العادل اس سے انکار کر سکتا تھا اور نہ سلطان کا کوئی لشکری اس سلسلہ میں زبان کھولنے کا مجاز تھا۔ سلطان کے لشکریوں اور سرداروں کا یہ اعتقاد تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی جو کہتے ہیں اس میں کوئی مصلحت ضرور ہوئی ہے اس لئے سلطان کے اس شادی پر رضامند ہونے میں بھی کوئی مصلحت ضرور ہو گی۔

بہاء الدین کے دل میں جیسے پنکھے لگے ہوئے تھے۔ وہ سلطان کے پاس سے اٹھ کے سپہ سالار شہزادہ ملک العادل کے پاس پہنچا۔ ملک العادل نے اسے خوش آمدید کہا۔ بہاء الدین سلطان کا منہ چڑھا وزیر' مشیر اور مورخ بھی تھا۔ مگر اس وقت بہاء الدین کو خوش آمدید کہنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھا کہ جب ملک العادل نے شاہ رچرڈ کی تجویز سلطان کے سامنے

ی کی تھی تو وہاں بہاء الدین بھی بیٹھا تھا۔ ملک العادل کے دل میں کھلبلی یا گدگدی سی ہو رہی تھی کہ خدا معلوم سلطان نے شادی کی تجویز کا کیا فیصلہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ ان نے جو بھی فیصلہ کیا ہو گا اس کا علم بہاء الدین کو ضرور ہو گا اور یہ بھی ممکن تھا کہ الدین خود ہی سلطان کے فیصلے سے اسے آگاہ کرنے آیا ہو۔

بہاء الدین نے بیٹھتے ہوئے ملک العادل سے کہا۔ "سپہ سالار بہادر۔ میں آپ سے کچھ نے آیا ہوں۔ کیا آپ بتانا پسند فرمائیں گے؟"

ملک العادل بڑی خوشدلی سے بولا۔"محترم آپ میرے بزرگ ہیں۔ سلطان کے مزاج آپ کو کس قدر دخل ہے۔ اس کا بھی مجھے علم ہے۔ میں آپ سے کوئی بات چھپانے شش نہیں کروں گا بشرطیکہ وہ کوئی فوجی راز نہ ہو۔۔"

"اطمینان رکھئے سپہ سالار۔" بہاء الدین نے بزرگانہ انداز میں کہا۔ "میں آپ سے ایسی بات دریافت نہ کروں گا جس کا تعلق فوجی معاملات سے ہو۔ ہاں اس کا تعلق کے دل سے ضرور ہو سکتا ہے۔"

شکریہ وزیر محترم۔" ملک العادل نے جواب دیا۔ "اب میں آپ کے ہر سوال کا دینے پر آمادہ ہوں۔"

گفتگو کچھ ذاتی سی ہو رہی ہے اس لئے میں آپ کو سپہ سالار کے بجائے شہزادے سے مخاطب کروں گا۔ اس سے آپ کے وقار میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا؟" بہاء نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

ہرگز نہیں بزرگ محترم۔" ملک العادل بھی مسکرایا۔"بلکہ مجھے اس تخاطب سے خوشی اس لئے کہ میں دن بھر سپہ سالار۔ سپہ سالار سنتے سنتے تنگ آ جاتا ہوں اور مجھے ہوتا ہے جیسے میں اپنی عمر سے زیادہ بوڑھا ہو گیا ہوں۔"

چھا خیر چھوڑئے ان باتوں کو۔" بہاء الدین نے موضوع بدلا۔" میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کراتا ہوں جو شاہ انگلستان نے آپ کے ذریعہ سلطان معظم تک ہے۔"

ائیے۔ اس بارے میں آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔" ملک العادل کا خیال درست

اس تجویز میں شہزادے بہادر کا بھی کوئی دخل ہے؟" بہاء الدین نے ایک چبھتا وا سوال کیا۔

ہ ملک العادل چکرا گیا۔ "میں آپ کا سوال سمجھ نہیں سکا بزرگ محترم۔ کیا آپ

وضاحت فرمائیں گے؟" شہزادہ بہت سنبھل کے بول رہا تھا۔

"بہت مناسب سوال ہے آپ کا۔" بہاء الدین نے جواب دیا۔ "میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس تجویز میں آپ کا کس حد تک دخل ہے۔ شاید میں اب بھی پوری طرح واضح نہیں کر سکا۔ اگر میں یہ کہوں کہ شاہ انگلستان نے یہ تجویز پیش کرنے سے پہلے اس سلسلہ میں آپ کی رائے مانگی تھی یا خود آپ نے شاہ انگلستان کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ اس طرح کی تجویز سلطان معظم کے پاس بھجوائیں؟"

"میرے بزرگ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ رچرڈ نے مجھ سے اس سلسلے میں کبھی کوئی بات نہیں کی اور نہ میں نے اس سے اس قسم کی درخواست کی۔" ملک العادل نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ "ہاں میرے کان اس سلسلہ میں گناہگار ہیں کہ میں نے یہ بات کسی اور ذریعہ سے سنی تھی کہ شاہ رچرڈ کے ذہن میں کوئی ایسی تجویز ہے۔"

بہاء الدین نے شہزادے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔ "اور آپ تک یہ بات پہنچانے والا ذریعہ شاہ رچرڈ کی بہن جین ہے؟"

"درست فرمایا آپ نے۔" اور شہزادے نے شرما کر سر جھکا لیا۔

بہاء الدین نے فوراً ہی ایک اور سوال کیا۔ "شہزادے بہادر۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ سلطان معظم اس تجویز کا کیا جواب دیں گے؟"

"یہ سوال تو میں آپ سے پوچھنے والا تھا۔" ملک العادل نے جواب دیا۔ "میں تجویز پیش کر کے چلا آیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ سلطان نے آپ سے اپنا ردعمل ضرور بیان کیا ہو گا؟"

"ہاں شہزادے" بہاء الدین فکر مند لہجے میں بولے۔ "سلطان معظم نے تجویز پر غور بھی فرمایا اور فیصلہ بھی کر دیا۔"

"یعنی سلطان نے رچرڈ کی تجویز نامنظور کر دی؟" ملک العادل نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

یہی تو حیرت انگیز بات ہے شہزادے۔" بہاء الدین نے خشک منہ سے کہا۔ "سلطان معظم نے تجویز نامنظور نہیں کی بلکہ بڑی فراخ دلی سے اس تجویز کو منظور فرمایا ہے۔"

"کیا سچ؟" ملک العادل کا دل کھل اٹھا۔ "آپ میری دلداری کے لئے تو نہیں کہہ رہے ہیں؟"

"نہیں شہزادے۔ سلطان معظم کی بات میں جھوٹ کی آمیزش کا میں تصور نہیں کر سکتا۔" بہاء الدین تھکا تھکا تھا۔ "دراصل یہ خود مجھے پسند نہیں آئی۔ اس لئے میں نے

طان سے سوالیہ انداز میں دریافت کیا کہ وہ اس تجویز کو منظور کر لیں گے اور سلطان نے ستہ فرمایا کہ وہ اس تجویز کو منظور کرتے ہیں۔ سلطان نے اپنے اس فرمان کی تین بار ریف کر کے اسے ناقابل تنسیخ بنا دیا۔"

شادی کی تجویز شہزادہ ملک العادل لے کے آیا تھا۔ اس لئے سلطان نے شہزادے کو ب کر کے اسے پیغام دیا۔

"شاہ انگلستان رچرڈ کو ہماری طرف سے پیغام دیا جائے کہ ہم نے شہزادی جین اور دہ ملک العادل برادرزادہ صلاح الدین ایوبی کی شادی کی تجویز پسند کی اور منظور فرمائی ۔ اس نسبت کا اعلان کر دیا جائے۔"

شہزادے ملک العادل کو کیا کہنا تھا۔ وہ پیغام سن کر ذرا دیر کھڑا کہ شاید کچھ اور ارشاد یں لیکن ادھر خاموشی تھی۔ شہزادے نے اجازت طلب کی۔ "عالیجاہ۔ کیا مجھے اجازت اور کیا یہ پیغام اسی وقت پہنچانا ہے؟"

"اجازت ہے۔ پیغام جب چاہے پہنچا سکتے ہو۔" سلطان کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

ملک العادل نے سلام کیا اور خیمہ سے نکل آیا۔ خیال رہے کہ رچرڈ نے تجویز چار دن بھیجی تھی اور سلطان صلاح الدین نے اس کی منظوری آج دی تھی۔ ان چار دنوں کے ن شہزادی جین نے نائی (شریر) کے ذریعہ ملک العادل کو کوئی پیغام بھیجا اور نہ ملک ں نے شہزادی کو کوئی اطلاع دی۔ ملک العادل، سلطان کے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا اور ں کو بھی اسی فیصلہ کا انتظار تھا وہ جانتی تھی کہ سلطان جیسے ہی فیصلہ کریں گے ملک ں اپنے قاصد شریف کے ذریعہ اسے فوراً مطلع کریں گے۔

پیغام پہنچانے کا حکم ملک العادل کو دیا گیا تھا لیکن شہزادہ بغیر اطلاع رچرڈ کے پاس جا نی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے ملک العادل نے شریف کو بلا کر ا۔ "تم فوراً شاہ رچرڈ کے خیمہ پر جاؤ اور ان سے کہو کہ ملک العادل ان سے ملاقات شمند ہے۔"

ثریف کو معلوم تھا کہ ملک العادل شادی کی تجویز لائے ہیں مگر اسے ابھی یہ نہ معلوم کہ سلطان نے تجویز کے بارے میں کیا فیصلہ کیا۔ اس لئے وہ ملک العادل کا حکم سننے بھی اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

شریف۔۔" شہزادہ ملک العادل چڑ گیا۔ "تمہیں کچھ حکم دیا گیا ہے تم خاموش کیوں

کھڑے ہو؟"

شریف نے ملک العادل کے لہجے کی تلخی محسوس کی مگر شہزادے کا رازدار تھا اس لئے سوال کر بیٹھا۔ "شہزادہ بہادر۔ آپ نے شاہ رچرڈ کے لئے پیغام دیا ہے لیکن میں شہزادی عالیہ سے کیا کہوں گا۔ وہ مجھے اس طرح تو نہ آنے دیں گی؟"

"کہہ دینا کہ ہم خود آ کے بات کریں گے۔" ملک العادل نے ٹال دیا۔

شہزادہ ملک العادل چاہتا تھا کہ سلطان کی رضامندی کی اطلاع وہ شہزادی کو اپنی زبا سے دے۔ اس لئے اس نے شریف کو ٹال دیا تھا۔ شہزادے کو شریف پر غصہ اس وجہ آیا تھا کہ رچرڈ کے پاس جانے میں دیر کیوں کر رہا تھا جبکہ ملک العادل' شاہ انگلستان فوراً ملاقات کرنا چاہتا تھا۔

شریف کا رخ جب شہزادی جین کے خیمے کی طرف ہوتا تو کوئی پہریدار اسے نہ روکتا۔ یہ شہزادی کا حکم تھا مگر اس وقت شریف سیدھا شاہی خیمہ کی طرف جا رہا تھا۔ شاہی خیمہ چوبیس گھنٹے پہرہ رہتا تھا۔ شاہی محافظوں نے شریف کو ٹوکا پھر جب شریف نے بتایا کہ وہ سپہ سالار افواج اسلامی کا ضروری پیغام لے کر شاہ رچرڈ کے پاس جا رہا ہے تو پانچ سوار شریف کے ساتھ ہو لئے۔ خیمے سے کچھ دور پہلے سوار گھوڑوں سے اترے اور ان میں سے ایک شاہی خیمے میں گیا۔ چند لمحوں بعد سوار واپس آیا اور اس نے شریف کو بتایا کہ شاہ انگلستان اس کے منتظر ہیں۔

شریف نے شاہ کے سامنے پہنچ کر سر کو ذرا خم کر کے سلام کیا۔

"تمہارا نام شاید شریف ہے؟" شاہ نے دریافت کیا۔

"جی شاہ معظم۔ مجھے شریف کہتے ہیں۔" شریف نے ادب سے جواب دیا۔

"کہو۔ ہمارے خوددار اور خوش مزاج دوست نے کیا پیغام بھیجا ہے؟" شاہ نے اس سے پوچھا۔ اس وقت شاہ کے پاس کوئی اور نہ تھا۔ شاہ رچرڈ کچھ لکھ رہا تھا۔ اس نے قلم الگ رکھ دیا اور شریف کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"شاہ معظم۔ شہزادے ملک العادل سپہ سالار افواج اسلام آپ سے فوراً ملاقات کی خواہشمند ہیں؟" شریف نے پیغام سنایا۔

"ارے۔ اس میں اجازت کی کیا ضرورت تھی۔" شاہ رچرڈ نے شگفتہ دلی سے کہا۔ "شہزادے ملک العادل ہمارے دوست ہیں وہ ہر وقت تشریف لا سکتے ہیں۔"

شاہ رچرڈ خود بھی ملک العادل سے ملاقات کے لئے بے چین تھا۔ اس نے چاہا کہ ملک العادل کے قاصد سے دریافت کرے کہ اس کے سلطان نے شادی کی تجویز کا کیا فیصلہ کیا۔

لیکن پھر اس نے یہ بات اپنے وقار کے خلاف تصور کی کہ وہ ایک قاصد سے اپنی بہن کی شادی کے بارے میں گفتگو کرے۔ قاصد چلا گیا۔ لیکن اسکے آنے سے شاہ رچرڈ کی بے چینیوں میں اضافہ ہو گیا۔

شاہ رچرڈ اگر چہ ایک جذباتی اور نا تجربہ کار بادشاہ تھا لیکن وہ اس قدر بھولا بھی نہ تھا کہ جنگ کے حالات اور اپنے لشکر کے رویے سے یہ اندازہ نہ لگا سکتا کہ یروشلم کی بازیابی کی جنگ ختم ہو چکی ہے اور اگر اپنی عزت بچانا چاہتا ہے تو کسی طرح سلطان صلاح الدین ایوبی سے کوئی باعزت سمجھوتہ کر لے۔ اس کے لشکر نے جب سے عسقلان کی طرف سے کوچ کرنے انکار کیا تھا اس کا دل اس سے ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے جب جوش اور جذبہ سے صلیبی لشکریوں کی باگ ڈور سنبھالی تھی' اس کا وہ جوش اور جذبہ سرد پڑ گیا تھا اور وہ چوبیس گھنٹے اپنا وقار بچانے کی فکر میں رہنے لگا تھا۔

پھر جب شہزادی جین کا مسئلہ اس کے سامنے آیا تو اسے امید کی ایک کرن نظر آئی۔ ایک طرف تو اس نے شہزادی جین کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ شہزادے ملک العادل سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو سکے اور دوسری طرف اس نے یہ سوچنا شروع کیا کہ شہزادہ ملک العادل جو اسلامی لشکر کا سپہ سالار' سلطان کا بھائی اور دست راست ہو اس کے ذریعہ وہ سلطان سے کس طرح مراعات حاصل کی جا سکتی ہیں جبکہ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین اپنے بھائی کا بہت لحاظ کرتا ہے اور اس کی کوئی بات نہیں ٹالتا۔

پھر ہفتوں اور مہینوں کے غور و خوض کے بعد وہ یہ منصوبہ بنانے میں کامیاب ہوا تھا کہ ر شہزادی جین اور ملک العادل کی شادی ہو جائے تو اس کے لشکریوں کے لئے یروشلم کی رت کو جانے کا راستہ کھل جائے گا۔ اس کی اس شرط میں کوئی وزن نہ تھا کہ اس شادی ے یورشلم (بیت المقدس) میں داخل ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ سلطان نے بیت دس کو ایک ایسے قلعہ میں تبدیل کر دیا تھا جس سے کوئی لشکر سر تو ٹکرا سکتا تھا مگر اس اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ رچرڈ کے لئے یہی بات باعث طمانیت تھی اس شادی سے لم کی زیارت کرنے والوں کے کم از کم آنسو تو پچھ جائیں گے۔ اس لئے وہ اس تجویز امیابی کے لئے اس قدر بے چین تھا۔

شاہ رچرڈ اسی ادھیڑ بن میں اٹھ کے ٹہل رہا تھا کہ اچانک اس کے خیمے کے ایک بغلی ے سے شہزادی قبرص سوسن داخل ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی رچرڈ کا پارہ چڑھ گیا اور طرف شہزادی سوسن کا رنگ زرد پڑ گیا۔

سوسن!" رچرڈ تقریباً چیخ پڑا۔ "تمہیں بغیر اجازت ہمارے پاس آنے کی جرات کیسے

ہوئی؟"

سوسن کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔ اس نے لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔ "عالیجاہ۔ گستاخی معاف کی جائے دراصل مجھے ایک ایسی خوشخبری ملی تھی جسے میں عالیجاہ کو سنانے کے لئے اس قدر بے چین ہوئی کہ آداب شاہی کا بھی لحاظ بھول گئی۔

"خوش خبری۔" رچرڈ رک کے کھڑا ہو گیا۔ "کیسی خوشخبری۔ تم نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو ہم تمہیں سخت سزا دیں گے؟"

"عالیجاہ۔ مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کے سلطان نے شہزادی اور شہزادے ملک العادل کی شادی منظور کر لی ہے۔" سوسن نے لرزتے ہوئے کہا۔

"کیا سچ؟" شاہ رچرڈ دو قدم سوسن کی طرف بڑھ آیا۔

"جی عالیجاہ۔۔میں شاہ کے حضور جھوٹ نہیں بول سکتی۔" سوسن میں ذرا حوصلہ پیدا ہوا۔

شاہ رچرڈ نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تھا کہ خیمہ کا بیرونی پردہ اٹھا اور غلام نے داخل ہو کر کہا۔

"مسلمان سپہ سالار ملاقات کے آرزو مند ہیں۔"

رچرڈ کا چہرہ بحال ہو گیا۔ اس نے سوسن کو جانے کا اشارہ کیا اور غلام سے مخاطب ہوا۔ "شہزادے ملک العادل کو عزت اور احترام سے اندر لاؤ۔"

غلام باہر گیا پھر ملک العادل کو لے کے اندر آیا۔ شہزادے نے شاہ کی تعظیم کی۔

"ملک العادل۔" شاہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تمہارے آنے سے ہماری طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔"

رچرڈ نے ملک العادل کا ہاتھ پکڑا اور اسے ساتھ لے کر اپنی مسند پر بیٹھ گیا۔

باہر کا موسم کیسا ہے شہزادے؟" اور رچرڈ نے شہزادے کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

بہت خوشگوار موسم ہے شاہ معظم۔" ملک العادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں خوشگوار موسم کی اطلاع دینے ہی آیا ہوں۔"

"اچھا۔" اور شاہ رچرڈ بھی مسکرا دیا۔

"سلطان معظم نے شاہ کی تجویز کو شرف مقبولیت بخشا ہے اور اظہار مسرت فرمایا ہے۔" شہزادے ملک العادل نے بڑی مسرت سے کہا۔

شاہ رچرڈ نے اطمینان کا سانس لیا مگر اسے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ "یہ بہت اچھا ہوا۔ مخلوق خدا جنگ کی آگ سے بچ جائے گی۔"

"درست فرمایا شاہ نے۔" شہزادہ ملک العادل خود بھی خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔ "شاہ کا اب اگلا قدم کیا ہو گا؟"

"ہم آج ہی سرداروں کی میٹنگ طلب کریں گے اور ایک دو روز میں اپنے قاصد کے ذریعہ سلطان کو آئندہ انتظامات کے بارے میں مطلع کریں گے۔" شاہ رچرڈ نے پر مسرت لہجے میں ٹھہر ٹھہر کے جواب دیا۔

"اچھا مجھے اجازت دی جائے۔" ملک العادل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اتنی جلدی شہزادے؟" شاہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

"جی ہاں۔ مجھے بھی بہت سے انتظامات کرنا ہیں۔"

شہزادہ ملک العادل کو جلدی اس لئے تھی کہ شہزادی جین اس کی منتظر تھی اور اس نے کہلوایا تھا کہ اس سے ملے بغیر شہزادہ واپس نہ جائے۔

ملک العادل نے شاہ کے پاس سے واپسی پر شہزادی جین سے ملاقات کی جو اپنی شریر (نائی) سہیلی کے ساتھ اس خاص جگہ پر کھڑی تھی جہاں وہ دونوں ملا کرتے تھے۔ شہزادی کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ ملک العادل کو اس کے چہرے ہی سے اندازہ ہو گیا کہ شہزادی کو اس کی خبر ہو چکی ہے۔

"مبارک ہو شہزادی۔ سلطان نے تجویز منظور فرما لی۔" شہزادے نے پھر بھی اپنی طرف سے مبارک باد دینا مناسب سمجھا۔

"شہزادے بہادر کو بھی مبارک ہو۔" جین نے کسی تعجب کا اظہار نہیں کیا۔ "مجھے جب سے معلوم ہوا ہے اس وقت سے میرے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے ہیں۔"

شہزادہ ملک العادل اس سے بہت کچھ کہنا اور سننا چاہتا تھا لیکن اسی وقت نائی نے شہزادی سے کوئی بات سرگوشیوں میں کہی۔ شہزادی نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا پھر بولی۔

"شہزادے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات پورے لشکر میں پھیل گئی ہے اور فوجی سردار، شاہ بھائی کو مبارکباد دینے جا رہے ہیں۔ اس وقت ہمارا یہاں کھڑا رہنا مناسب نہیں۔ میں آپ کو جلد ہی بلواؤں گی۔ اس وقت تک بات اور بھی واضح ہو جائے گی۔ اچھا رخصت۔"

اور شہزادی نائی کا ہاتھ پکڑ کے ایک طرف تیز تیز قدموں سے چلنے لگی۔ شہزادے کے دل کی باتیں دل ہی میں رہ گئیں۔ اس نے چاہا کہ شہزادی کو بتا دے فوج کے سرداروں کو شاہ نے مشورہ کے لئے طلب کیا ہے لیکن شہزادی کچھ پریشان سی ہو گئی تھی اس لئے اس نے شہزادی کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔

"تنگ آئے فوجی سرداروں کو جب شاہ انگلستان رچرڈ نے سلطان کے ساتھ طے پانے والے صلحنامہ کے بارے میں تفصیل سے بتایا تو وہ بے انتہا خوش ہوئے۔ ایک سردار نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا۔

"یہ سب کچھ خداوندیسوع مسیح اور کنواری مریم کی مہربانیوں سے ہوا ہے۔ وہ ہمیں یروشلم کی زیارت سے محروم نہیں رکھنا چاہتے تھے۔"

دوسرے سردار نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے ایک جاسوس نے بتایا ہے کہ یروشلم کو صلاح دین نے ایک آہنی قلعہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ اسے فتح کرنا کیسا ہمارا لشکر اس کی فصیل تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

شاہ رچرڈ کو اگرچہ ان کی باتیں اچھی لگ رہیں تھیں لیکن اس نے اس کانفرنس کو طول نہیں دیا اور یہ کہہ کے رخصت کر دیا کہ اس خبر کو لشکریوں کو مشتہر کر دیا جائے۔

صلیبی سردار شاہ انگلستان کے پاس سے خوشی خوشی اٹھے مگر جب وہ اپنے یونٹ میں پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ لشکریوں کو یہ خبر پہلے ہی مل چکی ہے اور وہ اس پر ملا جلا ردعمل کر رہے ہیں۔ شاہ کے انگلستان کے فوجی دستے تو اس معاہدہ کی شرائط پر رضامند ہیں مگر فرانسیسی فوجیں جو فرانس کے شاہ آگسٹس فلپ کے جانے کے بعد شاہ انگلستان کی زیرکمان دیدی گئی تھیں وہ اس معاہدہ کی شدید مخالفت کر رہے ہیں۔

سب سے زیادہ مخالفت چرچ کے پادریوں کی طرف سے ہو رہی ہے۔ ان پادریوں کا پیشوا یروشلم کا وہی لارڈ پادری ہے جس نے مارکوئیس کونریڈ اور شہزادی ازابیلا کی شادی میں روڑے اٹکائے تھے۔ وہ خیمہ گاہ میں ہزاروں لشکریوں کے درمیان کھڑا چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے۔

"شاہ انگلستان نے انگلستان کی عزت اور آبرو کا سودا کیا ہے۔ انھوں نے شہزادی جین کو مسلمانوں کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ یورپ کے لشکر یروشلم کی مقدس زمین کو مسلمانوں سے بازیاب کرانے آئے تھے مگر شاہ انگلستان نے اپنی خاندانی عزت اور حرمت کا سودا کر کے صلیب مقدس کے شیدائیوں کو یروشلم کی زیارت کو سر جھکا کے فقیروں کی طرح جانے کا حق حاصل کیا ہے۔ غیرت مند صلیبی اس بے غیرت صلحنامہ کو نہیں تسلیم کریں گے۔ ہم یروشلم پر قبضہ کریں گے یا اس پر قربان ہو جائیں گے۔"

فرنگی خیمہ گاہ اور لشکریوں میں اک ادھم مچ گیا تھا۔ وہ سردار جو شاہ انگلستان سے خوشخبری سن کے آئے تھے وہ اپنے اپنے خیموں میں جا چھپے تھے۔ انھیں بپھرے ہوئے لشکریوں کے سامنے جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ لشکریوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ ان میں

دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک معاہدہ کے حق میں تھا اور دوسرا معاہدہ کی شدید مخالفت کر رہا تھا۔

قلعہ عکہ اور صور کی طرف قاصد دوڑا دیئے گئے تھے۔ شاہ انگلستان کے خیمہ پر سخت پہرہ لگ گیا تھا۔ دراصل اس زمانہ میں یورپ کے تمام ممالک میں دو طاقتیں حکومت کرتی تھیں۔ ایک تو ملک کے بادشاہ کی طاقت اور دوسرے کلیسا کی طاقت۔ یعنی پادریوں کی اور ذہبی لوگوں کی طاقت۔ یہ طاقت بادشاہ وقت کی طاقت سے کسی طرح کم نہ ہوتی تھی اور یہ طاقتیں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے اکثر شمشیر بکف ہو جاتی تھیں جس طرح اس قت ہو رہا تھا۔

یہ ہنگامہ اس قدر بڑھا کہ بیچارے شاہ انگلستان رچرڈ کو اپنی پوزیشن اور عزت بچانا شکل ہوگیا۔ آخر شاہ رچرڈ کو یروشلم کے سابق اسقف پطرس کو گفتگو کے لئے بلانا پڑا۔ سقف چار دوسرے پادریوں کے ساتھ شاہ سے ملنے آیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تقریباً یک ہزار سواروں کے ایک مسلح اور مضبوط دستے کو شاہ رچرڈ کے خیمے کے گرد ذرا دور پر قرر کیا اور انھیں حکم دیا کہ اگر شاہ رچرڈ اسے گرفتار کریں تو یہسوار حملہ کر کے اسے رفتار کرنے والوں کے ہاتھوں سے چھڑا لیں۔

اسقف شاہ کے خیمے میں داخل ہوا تو شاہ اس کے استقبال کے لئے کھڑا ہوگیا اور سقف کا ہاتھ چوم کے اسے اپنے ساتھ مسند پر بٹھا لیا۔

شاہ رچرڈ نے گفتگو کا آغاز کیا۔ "اے مقدس یروشلم کے مقدس اسقف اعظم۔ ہم نے سلمان سلطان کے پاس ایک تجویز بھیجی تھی۔ اس کی نمایاں شرط یہ تھی کہ صلیب لوب ہمیں واپس کر دی جائے۔ اس کے علاوہ مقدس یروشلم پر دونوں قوموں کا پرامن ہو اور خدائے یسوع مسیح کو ماننے والے تمام عیسائی یروشلم کی بلا روک ٹوک زیارت لئے جایا کریں۔ اس کے لئے ہم نے کسی لشکری، کسی سردار یا کسی محافظ کلیسا کی کوئی نی نہیں دی بلکہ اپنی سگی بہن شہزادی جین کو قربانی کے لئے پیش کیا تھا۔ اگر کلیسا کے زار کے مالک ہمارے اس قدم کو غلط سمجھتے ہیں اور پسند نہیں کرتے تو ہم اس سے انکار دیں گے کیونکہ اس طرح کا کوئی معاہدہ ابھی تک ضبط تحریر میں نہیں آیا۔"

شاہ کے خاموش ہوتے ہی یروشلم کے اسقف نے بھرے دربار میں نہایت تلخ لہجے میں ب دیا۔ "شہزادی جین ہماری بہن اور خداوند یسوع مسیح اور کنواری مریم کے پیروکاروں سر کا تاج اور افتخار ہے۔ اسے ہم مسلمانوں کے سپہ سالار کے حوالے کر کے عیسائیوں عیسائیت کی گردن نہیں جھکا سکتے۔ یروشلم کی زیارت کے لئے ہم شہزادی جین کا سودا

کرنے پر ہرگز تیار نہیں۔ ہم شاہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس تجویز کو فوراً ختم کر دیں اور یروشلم کو بزور شمشیر مسلمانوں کے ناپاک وجود (خاکم بدہن) سے پاک کریں۔"

شاہ رچرڈ نے ہنگامہ کو سرد کرنے کے لئے تجویز ختم کرنے کا فیصلہ پہلے ہی کر لیا تھا۔ اس نے واضح الفاظ میں اعلان کیا۔

"ہم ۔عنیرچرڈ شاہ انگلستان خلوص دل سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم اسقف اعظم کے ساتھ ہیں اور ہم اپنی تجویز واپس لینے اور ختم کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔"

اسقف کے پاس اب کہنے کو کیا رہ گیا تھا۔ شاہ رچرڈ کے آدمیوں نے فوراً شاہ رچرڈ زندہ باد کے نعرے لگانا شروع کر دئے۔

آخر یروشلم کے اسقف کو کہنا پڑا۔"ہم شاہ انگلستان کے شکرگزار ہیں اور انھیں یقین دلاتے ہیں کہ تمام لشکر بلاتفریق قومیت ان کے حکم کے تحت یروشلم کے لئے اپنی جانیں قربان کر دے گا۔"

اس سے اگلے دن سلطان صلاح الدین کے خیمہ پر شاہ انگلستان رچرڈ کے قاصد پہنچا اور اس نے شاہ رچرڈ کا زبانی پیغام پہنچایا۔

"سلطان عالی مقام۔" قاصد نے ٹھہر ٹھہر کے کہا۔"ہمارے شاہ انگلستان رچرڈ نے آپ کی خدمت میں پیغام بھیجا ہے کہ شاہ کی بہن شہزادی جین کسی مسلمان سے شادی کرنے پر آمادہ نہیں۔۔"

سلطان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔"پیغام ہمیں مل گیا۔ تم جا سکتے ہو قاصد۔" سلطان نے رچرڈ کے قاصد کو رخصت کر دیا۔

بہاء الدین اس وقت سلطان کے پاس موجود تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی سلطان کو اور کبھی رچرڈ کے قاصد کو دیکھ رہا تھا۔

سلطان نے فرمایا۔"تمھیں کس بات کی حیرت ہے بہاء الدین۔ کیا ہم نے اسی دن تم سے نہیں کہہ دیا تھا کہ یہ بیل مونڈھے نہیں چڑھے گی؟"

"مگر کیوں عالیجاہ۔ رچرڈ نے کیوں انکار کیا؟" بہاء الدین کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ اس کے خیال میں فرنگیوں کی یہ بہت بڑی خوش نصیبی تھی کہ شکست کھانے کے بعد بھی وہ ایک باعزت معاہدہ کر رہے تھے۔

سلطان صلاح الدین نے بہاء الدین کو سمجھایا۔"بہاء الدین نصرانی حکومتوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ ملک پر دو طاقتیں بیک وقت حاکم ہوتی ہیں۔ ایک بادشاہ وقت کی طاقت اور دوسری نصرانی کلیسا کی طاقت جسے پادری اور لارڈ پادری سنبھالے ہوئے ہیں۔ شاہ رچرڈ بہن

کی شادی کر کے ہم سے صرف یہ عایت حاصل کرنا چاہتا تھا کہ یورپ سے آنے والوں کو یروشلم کی زیارت حاصل ہو جائے۔ اگر یہ شادی ہو جاتی تو شاہ رچرڈ یقیناً اپنے لشکریوں کی تمام ہمدردیاں حاصل کر لیتا۔

"مگر سلطان معظم اس طرح ہمیں بیت المقدس کو شہزادی کی منہ دکھائی میں کیا نہ دینا پڑتا؟" بہاء الدین نے گھبرا کے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"شہزادی کو کچھ نہ ملتا بہاء الدین۔ سلطان نے جواب دیا۔"شہزادی جین بھائی سے رخصت ہو کے یہاں تک پہنچنے سے پہلے کلمہ حق پڑھ کے مسلمان ہو چکی ہوتی اور عکہ کے قلعہ کے علاوہ یہ تمام قلعے جنھیں ہم نے مسمار کرا دیا تھا اپنے ساتھ جہیز میں لے کے آتی۔"

اب بہاء الدین کی عقل ٹھکانے آ گئی۔"سبحان اللہ۔ عالیجاہ کس قدر دوررس نظروں کے مالک ہیں۔ ایک بات اور بتا دیجئے عالیجاہ؟" بہاء الدین نے درخواست کی۔

"اور کیا پوچھنا ہے؟" سلطان نے کہا۔

"مگر کلیسا نے اس شادی کی مخالفت کیوں کی؟" بہاء الدین نے دوسرا سوال اٹھایا۔

"اس لئے کہ نہ تو یروشلم پر نصرانی حکومت قائم ہوتی اور نہ یروشلم کا لارڈ پادری اپنے عہدے پر فائز ہو پاتا پھر وہ اس شکست کی بدنامی میں کیوں شامل ہوتا۔" سلطان نے بہاء الدین کو قائل کر دیا۔

دوسرے دن سے پھر جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ لشکر جو یہ سن کر خوش ہو گئے تھے کہ شہزادی جین اور ملک العادل کی شادی کے بعد عیسائی بے دھڑک یروشلم کی زیارت گاہوں میں داخل ہو سکیں گے ان کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ شاہ رچرڈ کو اپنی گردن بچانے کی فکر پڑ گئی تھی۔ اس نے نصرانیوں کو یروشلم کی زیارت کرنے کے لئے اپنے طور پر بڑا کامیاب منصوبہ بنایا تھا لیکن کلیسا نے اس کے ایک نہ چلنے دی۔

سلطانی دستوں کے حملے تیز ہو گئے۔ وہ دن میں بھی حملہ آور ہوتے اور رات کے اندھیرے میں بھی شب خوں مارتے۔ ایک بار تو وہ شاہ رچرڈ کے خیمے تک پہنچ گئے تھے اور بڑی مشکل سے اس کی جان بچی تھی۔ ایک اور موقعہ پر فرنگیوں اور سلطانی حملہ آور دستوں میں جھڑپ ہو رہی تھی کہ رچرڈ کو جو تاؤ آیا تو گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ میں کود پڑا۔

سلطانی حملہ آوروں میں سے کسی نے رچرڈ کو پہچان لیا۔ اس نے فوراً آواز لگائی۔"یہ شاہ انگلستان ہے جانے نہ پائے۔"

یہ آواز سنتے ہی سلطانی سواروں نے رچرڈ کو گھیر لیا مگر ٹھیک اسی وقت ایک فرنگی سوار

سے سلطانی حملہ آوروں کو للکارا۔ "ادھر آؤ۔ شاہ انگلستان میں ہوں۔ میرا مقابلہ کرو۔"

یہ آواز ایک فرنگی نائٹ ولیم آف پیرو کی تھی جس نے شاہ کے لئے قربانی پیش کی اور حملہ آوروں کو خود کو شاہ انگلستان ظاہر کر کے اپنی طرف مخاطب کر لیا۔ اس کی آواز سن کر سلطانی سوار اصلی رچرڈ کو چھوڑ کے نقلی رچرڈ کے گرد ہو گئے۔ انھیں یقین ہو گیا تھا کہ یہی شاہ رچرڈ کیونکہ وہ نائٹ تھا اور بڑی تیزی سے تلوار چلا رہا تھا۔

سلطانی سواروں نے ولیم آف پیرو کو گھیر لیا تھا اور اسے آسانی سے قتل کر سکتے تھے لیکن شاہ انگلستان کو قتل کرنے کی انھیں اجازت نہ تھی اس لئے انھوں نے کمندیں پھینک کر ولیم آف پیرو کو گرفتار کر لیا اور اسے سلطانی خیمہ گاہ میں لے گئے۔ اس طرح ولیم کی کوشش سے شاہ رچرڈ گرفتاری سے بچ گیا۔

اب عام طور سے شاہ رچرڈ کے بجائے سرداروں اور امیروں کا حکم چلتا تھا۔ انھوں نے حکم صادر کیا۔ "ساری فوج عسقلان کو جائے اور اس کی فصیلیں تعمیر کرے۔"

جب یہ خبر فوج میں مشہور ہوئی تو ان میں مایوسی پھیل گئی۔ اصل بات یہ تھی کہ فرنگی لشکر بیت المقدس کا محاصرہ کرنے سے قاصر تھا۔ سلطان صلاح الدین کی منظم فوجوں کی موجودگی نے فرنگیوں کے حوصلے پست کر دئے تھے۔ فرانسیسی امیر محاصرے پر زور دیتے تھے لیکن فرنگی سرداروں اور امیروں نے بیت المقدس سے مایوس ہو کر محاصرہ کا خیال چھوڑ دیا تھا اور کوئی منصوبہ تیار نہ کیا تھا۔ انھوں نے فوجی چھاؤنی کو پہاڑوں میں منتقل کر کے سپاہیوں کو صرف خوش کیا تھا تاکہ دور ہی سے بیت المقدس کی ایک جھلک دیکھ سکیں لیکن اس سے ان میں اور زیادہ مایوسی پھیل گئی۔

سرداروں اور امیروں کے حکم کے تحت فرنگی لشکر عسقلان کی طرف چلا۔ مایوس اور بددل فرنگی اپنے گھوڑوں کو مار کے ان پر اپنا غصہ اتارتے تھے۔ اس طرح لشتم پشتم وہ شام تک رملہ پہنچ گئے۔ رملہ میں بھی فرنگی فوج موجود تھی مگر مایوس اور بددل۔ بے شمار فرانسیسی ڈیوک آف برگنڈی کے ساتھ چلے گئے۔ شاہ رچرڈ اپنے بھتیجے کاؤنٹ ہنری آف شمپین کے ساتھ ابلین کو چلا گیا۔ دوسرے دن بعد از دوپہر فرنگی لشکر عسقلان پہنچا۔ سلطان صلاح الدین نے عسقلان کو زمین کے برابر کرا دیا تھا۔ فصیلوں کے پتھر سمندر میں پھینکوا دئے گئے تھے۔ پورا شہر برباد پڑا تھا۔

ادھر سلطان صلاح الدین کو جاسوسوں نے اطلاع پہنچائی۔

"عالیجاہ۔ فرنگی لشکر مورچے چھوڑ کر سمندر کی طرف پسپا ہو گیا ہے۔"

سلطان نے سر کی جنبش سے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔

پھر سلطان کی طرف سے اعلان ہوا۔ "شاہی لشکر کو مئی تک کے لئے رخصت دی جاتی ہے۔"

اس کے لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ شاہی لشکر مسلسل چار سال سے شام میں جنگ کر رہا تھا۔ سلطان کے اس اعلان نے ان کا دل جیت لیا۔

فرنگی لشکر بددل تھا۔ شاہ رچرڈ کو پیٹرفورڈ کے پادری کی زبانی انگلستان کی کئی بری خبریں موصول ہوئی تھیں۔ پادری ولیم، بشپ آف ویلی کا خط لایا تھا جس میں تحریر تھا کہ شاہ رچرڈ کے بھائی اول جان نے شاہی چانسلر کو برخاست کر کے خزانہ پر قبضہ کر لیا ہے۔

ان بری خبروں کے ساتھ ساتھ اہل جنیوا اور اہل پیرا آپس میں الجھ پڑے۔ عکہ کے بازاروں میں انھوں نے خانہ جنگی شروع کر دی۔ شاہ رچرڈ فوری طور پر تصفیہ کے لئے عکہ پہنچا۔ اس نے مخالف فریقوں کے سرغناؤں کو طلب کر لیا۔ مگر ان کے بیانات نے شاہ رچرڈ کو اس شکست کا احساس دلا دیا۔ وہ ان کے قیادت کرنے میں ناکام رہا تھا۔

فریقین نے اگرچہ دست بستہ عرض کیا مگر یہ شاہ رچرڈ سے کھلی ہوئی بغاوت تھی اور اس کی صریحا" توہین کی جا رہی تھی۔

انھوں نے واضح الفاظ میں کہا۔ "ہم لوگ جنگ کے التوا اور یروشلم کے نامزد شاہ گائی کی نالائقی سے بیزار ہیں۔ ہماری قیادت مارکوئیس کونریڈ آف مانسٹریٹ کر سکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کونریڈ شاہ یروشلم کی حیثیت سے فوجوں کی رہنمائی کرے۔"

انھوں نے شاہ رچرڈ کو دودھ کی مکھی کی طرف درمیان سے نکال پھینکا تھا۔ شاہ رچرڈ نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور ان کا مطالبہ مان لیا۔ کونریڈ کو پیغام بھیجا گیا کہ وہ عکہ پہنچ جائے اور شاہ یروشلم کی تاجپوشی کے بعد صلیبی فوجوں کی کمان سنبھالے۔ شاید شاہ رچرڈ کے انگلستان کی فوجوں کے علاوہ باقی تمام صلیبی لشکری خلاف ہو گئے تھے۔ انھوں نے اس فیصلہ پر خوشی کا اظہار کیا۔

لیکن حالات نے ایک اور پلٹا کھایا۔ مارکوئیس کونریڈ اپنے مرکز صور سے تاجپوشی کے لئے عکہ روانہ ہونے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا۔ اسے شیخ الجبل کے فدائیوں نے قتل کیا تھا۔ قاتل گرفتار ہوئے اور انھوں نے بیان دیا کہ انھیں کونریڈ کے قتل پر شاہ رچرڈ نے مامور کیا تھا۔

رچرڈ پر یہ الزام تو لگ گیا لیکن ثابت نہ کیا جا سکا۔ رچرڈ نے سرداروں اور امیروں کو جمع کر کے کہا۔ "کونریڈ کے قتل کے بعد ہنری کاؤنٹ آف شمپین کو یروشلم کا بادشاہ بنا کے اس کے ہاتھ میں فوجی کمان دی جائے تاکہ وہ یروشلم کی بازیابی کی جنگ جاری رکھے۔"

اس بات کو سب نے تسلیم کر لیا۔ مارکوئیس کونریڈ کے قتل اور شاہ انگلستان کے فوجی کمان چھوڑ دینے سے صلیبیوں کے مخالف گروہوں میں صلح ہو گئی۔ وہ سب قلعہ صور میں آئندہ منصوبہ بندی کے لئے جمع ہوئے۔ ہنری کاؤنٹ آف شمپین بھی وہاں پہنچ گیا۔ شہزادی ازابیل جب سے کونریڈ نے شاہ یروشلم بننے کی خاطر شادی کی تھی۔ وہ کونریڈ کے مرنے سے بیوہ ہو گئی تھی۔ صلیبیوں نے ہنری کاؤنٹ آف شمپین سے ازابیل سے شادی کی درخواست کی جس نے اسے قبول کر لیا۔ شاہ سکنان سگائی جسے شاہ رچرڈ نے شاہ فرانس آگسٹس فلپ کی مخالفت مول لے کر یروشلم کا آئندہ بادشاہ بنا دیا تھا۔ اسے خوش کرنے کے لئے رچرڈ نے اسے قبرص کی بادشاہی عطا کر دی۔

شاہ رچرڈ کو فرانس کے اندر چھوٹی چھوٹی جنگوں کا تجربہ تھا مگر بیت المقدس کی جنگ میں لاکھوں کے لشکر شریک تھے۔ کھلے میدان میں اتنے بڑے لشکر کو لڑانے کا رچرڈ کو کوئی تجربہ نہ تھا اس لئے وہ اس ذمہ داری سے ہی سبکدوش ہو گیا مگر اسے معلوم تھا کہ یروشلم کو سلطان صلاح الدین کے قبضہ سے کوئی طاقت واپس نہیں لے سکتی ہے۔ اس لئے اس نے اپنی سفارتی کوششیں جاری رکھیں۔

رچرڈ نے سلطان کے پاس ایک بار پھر ایک سفارش بھیجی۔ سفیر نے سلطان کے سامنے رچرڈ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔

"شاہ انگلستان نے سلطان کی خدمت میں سلام عرض کیا اور کہا ہے کہ مسلمانوں اور فرنگیوں کے لشکروں کی حالت بہت خستہ ہو گئی ہے۔ فریقین کے ہزاروں لشکری میدان جنگ میں کام آئے ہیں پھر بھی ہم تمام عمر یروشلم کے حصول کی کوشش سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ سلطان براہ کرم اردن سے پیچھے تک اپنا لشکر ہٹا لے جائیں۔ دوسرے یہ کہ صلیب الصلوب سلطان کے لئے ایک لکڑی کے ٹکڑے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی مگر عیسائیوں کے لئے وہ ایک انتہائی مقدس چیز ہے اس لئے سلطان اسے واپس فرمائیں۔"

سلطان نے سفارت کو دوسرے کمرے میں بھیج کر اپنے سرداروں سے مشورہ کیا پھر سفارت کو واپس بلا کر پیغام دیا۔ "بیت المقدس کو ہم عیسائیوں سے زیادہ مقدس سمجھتے ہیں۔ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کا سفر بیت المقدس سے ہی شروع کیا تھا اور قیامت کے دن مخلوق خدا کا اسی جگہ حساب ہو گا اس لئے شاہ اس خیال کو دل سے نکال دیں کہ ہم بیت المقدس کو کبھی ان کے حوالے کریں گے۔ رہا صلیب الصلوب کا مسئلہ تو اس کا ہمارے پاس رہنا مسلمانوں کے مفاد میں ہے۔ بیت المقدس کی جنگ جب تک جاری رہے گی ہم آپ کو یہاں سے ایک پتھر بھی ہلانے نہیں دیں گے۔"

سفارت واپس ہو گئی۔ شاہ رچرڈ کی یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔

سفارت کی واپسی پر سلطان نے اپنے سرداروں سے خطاب کیا۔ "اگر ہم ان سے کسی شرط پر بھی صلح کریں تو ان بدعہدوں کی کیا ضمانت ہے۔ قلعہ عکہ کے یرغمالیوں کو اسی شاہ رچرڈ کے حکم سے تہ تیغ کیا گیا تھا۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم جہاد کو جاری رکھیں اور جب تک ان کو سمندر میں دھکیل نہ دیں ہاتھ نہ روکیں یا پھر جنگ کرتے کرتے شہید ہو جائیں۔"

باسی کڑھی میں ایک بار پھر ابال آیا۔ نصرانی فوجیں گرد و غبار میں لپٹی ہوئی درہ سفید (تل صافیہ) سے گزر کر دامن کوہ کی طرف بڑھیں۔ یہاں سے سڑک گہری گھاٹی میں بل کھاتی یروشلم کی طرف جاتی تھی۔ مگر اب ان کا آگے بڑھنا رک گیا۔ سلطان صلاح الدین کو معلوم ہو گیا کہ فرنگی فوجیں حرکت میں آئی ہیں۔ چنانچہ ان کے چھاپہ مار دستوں نے فرنگیوں کے سامان رسد کی گاڑیوں پر حملہ کر کے انھیں تہ و بالا کر ڈالا۔ سامان کے محافظ فوجی سلطانی دستوں کے ہاتھوں سے مارے گئے اور پورے لشکر میں چیخ و پکار پڑ گئی۔ فرنگی فوجوں کو رکنا پڑا۔ رچرڈ نے اول آف لیسٹر کو چھاپہ ماروں کے مقابلہ پر بھیجا اور باقی لشکر آلات محاصرہ تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔

اس دوران شاہ رچرڈ کو اطلاع ملی کہ یہ مصر سے ایک بڑا تجارتی قافلہ قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ رچرڈ کو شاید "شیر دل" رچرڈ بننے کا یہی موقعہ ہاتھ آیا تھا۔ وہ کئی ہزار سواروں کے ساتھ تجارتی قافلہ پر حملہ آور ہوا۔ اس قافلہ میں بچے اور عورتیں بھی تھیں لیکن رچرڈ کی فطری سفاکی عود کر آئی اور اس نے بے دریغ قافلے والوں کو قتل کر کے تجارتی سامان لوٹ لیا۔ اس کامیاب چھاپے پر رچرڈ کو "شیر دل" رچرڈ کا خطاب ملا اور اس کے نام کے نعرے لگائے گئے اور خوب خوشیاں منائی گئیں۔

ادھر سلطان کو نصرانی لشکر کے متحرک ہونے کی خبریں برابر مل رہی تھیں۔ انھوں نے ایک طرف تو اپنے چھاپہ مار دستوں کو متحرک کر دیا جس نے فرنگی لشکر کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور دوسری طرف سلطان نے یروشلم کے گرد بننے والی فصیل کو فوراً مکمل کرنے کا حکم دیا۔

سلطان نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر معماروں کے کام کی نگرانی کے لئے پہنچ جاتا تھا۔ سلطان نے فصیل کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے کئی سرداروں کو اس کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا۔ سارا دن معمار پوری تندہی سے کام کرنے اور مزدوروں کے گروہ کے گروہ بھاری پتھر اٹھا اٹھا کے لاتے۔ بعض اوقات سلطان گھوڑے سے

اتر کر مزدوروں کے گروہ میں شامل ہو جاتا اور بذات خود پتھر ڈھونے لگتا۔

یہ بات سب کو معلوم تھی کہ یروشلم کے گرد زمین سنگلاخ ہے اور ان میں کنویں کھو ناممکن ہے۔ سلطان صلاح الدین نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے بیت المقدس کے گر آب رسانی کے جتنے وسائل تھے انھیں مسدود کر دیا۔ چشمے بند کرا دیئے گئے۔ حوض پا دیئے گئے اور کنوؤں کو توڑ دیا گیا۔ اس طرح بیت المقدس کے باہر بیس بیس میل تک پا کا نشان باقی نہیں رہ گیا۔

یہ خبر فوراً فرنگی لشکر میں پہنچی۔ ایک جاسوس نے اطلاع دی۔

"عالیجاہ۔ سلطان نے یروشلم کے گرداگرد کے تمام چشموں کے بند کرا دیا ہے۔ کنوؤ کو تڑوا دیا ہے اور حوضوں کو پٹوا دیا ہے۔ دور دور تک پانی کا پتہ نہیں۔"

رچرڈ کا رنگ فق ہو گیا۔ لشکریوں اور خصوصاً سوار فوج کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے۔

اس خبر سے فرنگیوں میں کھلبلی مچ گئی اور لشکریوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ فرانسیس فوج یروشلم پر حملہ کرنے کے لئے بضد تھی مگر دوسری فوجوں نے وطن واپس جانے کا فیصل کر لیا۔ یہ اختلافی مسئلہ پھر شاہ انگلستان کے سامنے پیش ہوا۔ رچرڈ' یروشلم سے پہلے ہ ناامید ہو چکا تھا۔ اس نے فرانسیسیوں کو جواب دیا۔

"اس مقام سے آگے پانی کے تمام ذرائع سلطان کے لشکریوں نے بند کر دئے ہیں؛ انہیں برباد کر دیا ہے۔ شہر کے قریب پانی مفقود ہے۔ ہم اپنے گھوڑوں کو پانی کہاں سے پلائیں گے۔"

اس پر ایک فرانسیسی سردار نے کہا۔ "ہمیں تگواندی سے پانی مل سکتا جو شہر سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔"

شاہ رچرڈ نے دریافت کیا۔ "ہم گھوڑوں کو وہاں سے کیسے پانی پلا سکتے ہیں؟"

ضدی فرانسیسی سردار نے جواب دیا۔ "ہم اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں گے۔ محاصرہ کے دوران فوج کا ایک حصہ گھوڑوں کو پانی پلانے ندی پر جائے گا اور دوسرا حصہ محاصرہ جاری رکھے گا۔ اس طرح دن میں ایک بار لشکر کے دونوں حصے باری باری ندی پر جا کر گھوڑوں کو پانی پلا سکتے ہیں۔"

شاہ رچرڈ چڑ گیا۔ اس نے چیخ کے کہا۔ "جب ایک حصہ فوج گھوڑوں کو پانی پلانے گیا ہو گا اس وقت سلطان کی فوج شہر سے نکل کر ہماری آدھی فوج کو فنا کر دے گی۔ اس کے علاوہ ہم اس وقت سمندر سے بہت دور ہیں اگر ہم اور آگے بڑھے تو ترک (فرنگی سلطانی لشکریوں کو ترک کہتے تھے حالانکہ لشکر میں کرد اور عربی لشکری بھی کافی تعداد میں تھے) ہماری

رسد کی لائن کو کاٹ دیں گے۔ پھر شہر کا محیط اتنا بڑا ہے کہ محاصرے کے لئے بھی کافی لشکر درکار ہو گا۔ اس کے باوجود ہم ترکوں کے حملے کو نہیں روک سکیں گے۔ ہم شکست کھا کر بدنام نہیں ہونا چاہتے۔"

فرنگیوں کا یہ جھگڑا صبح تک ہوتا رہا۔ مختلف گروہوں نے مختلف انداز میں اس پر گفتگو ی پھر صبح کو سلطانی جاسوس نے اطلاع دی۔

"عالیجاہ۔ فرنگیوں نے پڑاؤ چھوڑ دیا ہے اور عکہ کی طرف لوٹ گئے ہیں۔"

اس طرح نصرانیوں کے متحدہ لشکر جس میں پورے یورپ کے فوجیں شامل تھیں اس پر لطان صلاح الدین کو فتح حاصل ہوئی اور رچرڈ جسے دروغ گو یورپین مورخوں نے "شیر ،" کا خطاب دیا تھا اس نے بغیر مقابلہ کے شکست تسلیم کر لی اور میدان چھوڑ کر بھاگ با۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیس ہزار سواروں کو پسپا ہوتے ہوئے فرنگی لشکر پر آخری ر کرنے کے لئے روانہ کیا۔ فرنگیوں کا لشکر منتشر ہو کر بھاگ رہا تھا۔ سلطان کے سوار وں نے ان پر طوفانی حملہ کیا۔ پہلے ان کے تمام رسد کو برباد کیا پھر انہیں گاجر مولی کی ح کاٹ کے رکھ دیا۔ فرنگیوں کی پسپائی میں جس قدر ان کا جانی نقصان ہوا اس کا اندازہ لاکھ سے زیادہ کیا گیا ہے۔ اس طرح اس تیسری صلیبی جنگ میں نصرانی لشکر کے مرنے ں کی مجموعی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے باوجود وہ بیت المقدس کی ایک ۔ بھی اپنے ساتھ نہ لے جا سکے۔

شاہ انگلستان رچرڈ چاہتا تھا کہ اس کے فلسطین چھوڑنے سے پہلے کوئی ایسا معاہدہ ہو ، کہ ملک شام میں عیسائیوں کے مقبوضات محفوظ ہو جائیں۔ اس نے سلطان سے پھر ، کی درخواست کی مگر سلطان نے انکار کر دیا۔ اب اس نے ملک العادل کی خوشامد کی وہ ان میں پڑ کر معاہدہ کرا دے۔ آخر ملک العادل نے زور دینے پر سلطان نے اپنی ندی ظاہر کی۔

، معاہدہ یورپ کے صلیبیوں جن میں شام کے تمام بڑے بڑے نصرانی سردار بھی شامل ر سلطان صلاح الدین ایوبی کے درمیان 20 شعبان سنہ 588ھ ہجری مطابق 2 ستمبر سنہ 1 عیسوی بروز چہار شنبہ ہوا۔ معاہدہ کی معیاد چوالیس مہینے تھی۔ اس کے ساتھ ں کو بیت المقدس کی زیارت کی عام اجازت دیدی گئی۔

ماہدہ کے فوراً بعد شاہ انگلستان ناکام و نامراد اپنے ملک روانہ ہو گیا۔ ادھر قدرت نے طان کو بیت المقدس کے حصول کے لئے ہی دنیا میں بھیجا تھا۔ [illegible]

صلح نامہ کے فوراً بعد شاہ رچرڈ ناکام و نامراد انگلستان واپس چلا گیا۔ سلطان صلاح الدین نے ہر محاذ اور ہر مہم میں نصرانیوں کو شکست دی تھی۔ نصرانیوں کا یہ ارمان ہی رہ گیا کہ وہ سلطان کو شکست دے کر بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوں۔ سلطان نے پورے دول یورپ کے لشکروں سے تو ہزیمت نہ اٹھائی مگر زندگی کے میدان میں دست اجل نے اسے شکست دیدی۔

ادھر گزشتہ کئی سال سے سلطان کی صحت برابر بگڑتی جا رہی تھی۔ جہاد کی پر محن اور مشقت آمیز زندگی کی وجہ سے سکون اور آرام کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ بیماری کی وجہ سے رمضان کے بہت سے روزے قضا ہو گئے تھے۔ سلطان نے دمشق واپس آنے کے بعد قضا روزوں کو پورا کرنا شروع کیا۔ روزے مزاج کے موافق نہ پڑتے تھے۔

طبیب شاہی نے دست بستہ عرض کیا۔

"روزے رکھنے سے صحت پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ اس لئے قضا روزے فی الحال موقوف فرمائے جائیں؟"

سلطان نے جواب دیا۔

"معلوم نہیں آئندہ کیا پیش آئے۔ اس لئے روزے موقوف نہیں کئے جا سکتے۔"

طبیب اس کی بگڑتی ہوئی حالت سے پہلے ہی پریشان تھا۔ چنانچہ اس نے سختی سے تاکید کی۔

"سلطان معظم، میں آپ کا طبیب ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ روزے موقوف کئے جائیں۔"

سلطان نے طبیب کی جرات پر اسے حیران نظروں سے دیکھا۔ پھر ہلکا سا مسکرا اور بولا۔

"طبیب کا فرض مشورہ دینا ہے اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا مریض کا کام ہے۔ کیا یہ نہیں چاہتے کہ تمہارا سلطان میدان جنگ میں شہید ہو یا پھر نماز روزہ جیسے فرائض کی ادائیگی میں موت کو لبیک کہے۔؟"

طبیب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا چنانچہ وہ منہ پھلائے سلطان کے بستر مرگ سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

قضا روزوں کی ادائیگی سے سلطان کی صحت اور بگڑ گئی اور وہ وسط صفر 589ء میں پھر بیمار پڑ گیا۔ علالت اگرچہ معمولی بخار سے شروع ہوئی مگر بہت جلد مرض الموت کی شکل اختیار کر لی۔ وفات سے تین دن پہلے غشی طاری ہوئی جو آخر تک قائم رہی نزع کے عالم میں شیخ ابو جعفر نے قرآن کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچے **ھوالذی لا الہ الا انتہ ھو عالم الغیب والشھادہ** تو سلطان نے اک دم آنکھیں کھول دیں اور زبان سے نکلا۔

"سچ ہے۔"

پھر لبوں پر تبسم اور چہرے پر بشاشت طاری ہوئی اور پھر ہمیشہ کے لئے آنکھیں ند کر لیں۔ یہ صفر 589ھ کی ستائیسویں تاریخ دو شنبہ کا دن اور فجر کا وقت تھا۔

سلطان کی موت تنہا سلطان صلاح الدین ایوبی فرمانروائے مصر و شام کی موت نہ تھی بلکہ اس مجاہد کی موت تھی جس نے کبھی یہ آرزو کی تھی کہ

"اگر خدا باقی ساحلی علاقہ کو بھی فتح کرا دے تو میں اس کو تقسیم کر کے سب سے رخصت ہو کر سمندر کے جزائر کی تلاش میں نکل جاؤں تاکہ پھر کوئی روئے زمین پر منکر خدا باقی نہ رہے یا اسی راہ میں مجھے موت آجائے۔"

پس وہ صلاح الدین جس نے میدان جہاد میں 564ھ میں اس وقت قدم رکھا ب دمشق سے اس کے چچا اسد الدین شیرکوہ کی سرداری میں شامی لشکر مصر جا رہا تھا ور پھر زندگی کے پورے پچیس سال گھوڑے کی پیٹھ پر گزارنے کے بعد 589ھ میں وت کو گلے لگایا، اسے بیماری کیسے مار سکتی تھی وہ تو ان پچیس سالوں میں مسلسل جہاد کے دوران شہادت کے ارتقائی زینے طے کرتا رہا اور 589ھ میں شہادت کے اس رجہ پر پہنچ گیا جس کی اس نے آرزو کی تھی۔

صلاح الدین کی موت اس مجاہد جلیل کی موت تھی جس کی تلوار تمام عمر خدا کی راہ میں بے نیام رہی جس نے اپنا گھر اور ساری کائنات اس کی راہ میں لٹا دی اور اسلام کی راہ میں تنہا متحدہ عیسائی دنیا کا مقابلہ کیا اور مرتے مرتے تثلیث کے مقابلہ میں اسلام کا پرچم سربلند رکھا۔ اس لئے اس کی موت سے ساری دنیائے اسلام میں صف ماتم بچھ گئی۔ کوئی دل ایسا نہ تھا جو اس کے غم میں غم زدہ نہ ہوا ہو اور نہ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس کے ماتم میں اشک بار نہ ہوئی ہو۔

پھر سلطان کو بیماری کیسے مار سکتی تھی جس کی سلطنت شام، فلسطین اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی جس نے اپنی زندگی میں بے شمار دولت راہ خدا میں تقسیم کی مگر جب موت کو گلے لگایا تو اس کے پاس ایک دینار اور چالیس درہم کے علاوہ کچھ نہ تھا اور قاضی فاضل نے حلال اور طیب مال سے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔

ایسے انسان کو ہم مردہ کیسے کہہ سکتے ہیں وہ تو شہید ہوا اور شہید کبھی نہیں مرتے۔ سلطان کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ اخلاق و سیرت، شعائر دین کے احترام، عدل پروری، شجاعت، حلم اور بردباری اور دینی خدمات میں آپ اپنی مثال نظر آتا ہے۔ اگر آپ مجھے معاف فرمائیں تو میں یہ کہوں گا کہ دنیائے اسلام میں یوں تو بہت سے جلیل القدر سلاطین پیدا ہوئے مگر جو مرنے کے بعد آج تک مسلمانوں کے دلوں اور مجاہدین کی تاریخوں میں زندہ ہیں وہ صرف دو سلطان ہیں۔ ان میں ایک سلطان ٹیپو شہید جس نے میدان جنگ میں جان جان آفرین کے سپرد کی اور دوسرا سلطان صلاح الدین یوسف ایوبی جس نے اگرچہ میدان جنگ میں وفات نہیں پائی مگر جس کی موت کسی شہید سے کسی طرح کم نہیں۔

ختم شد